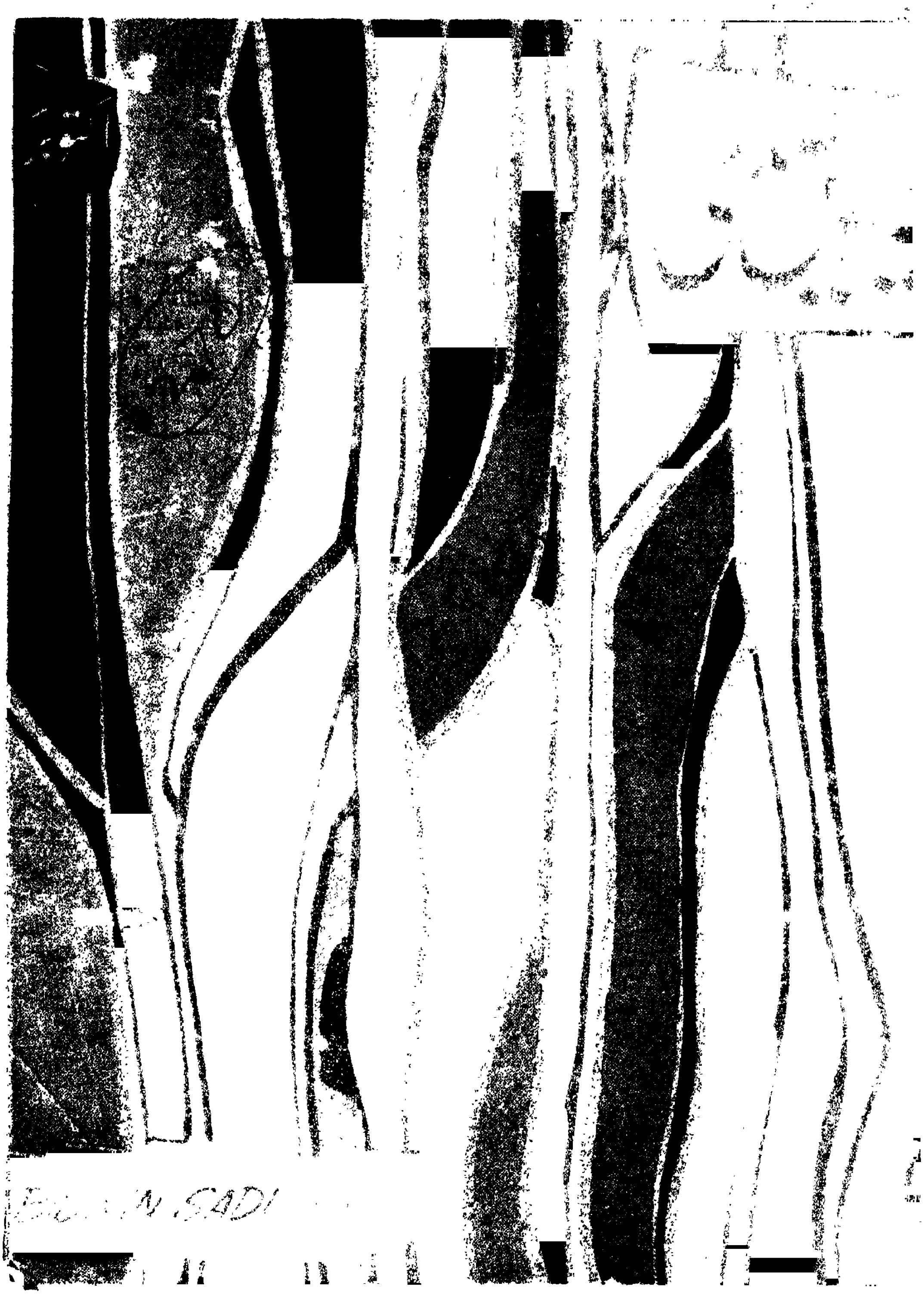
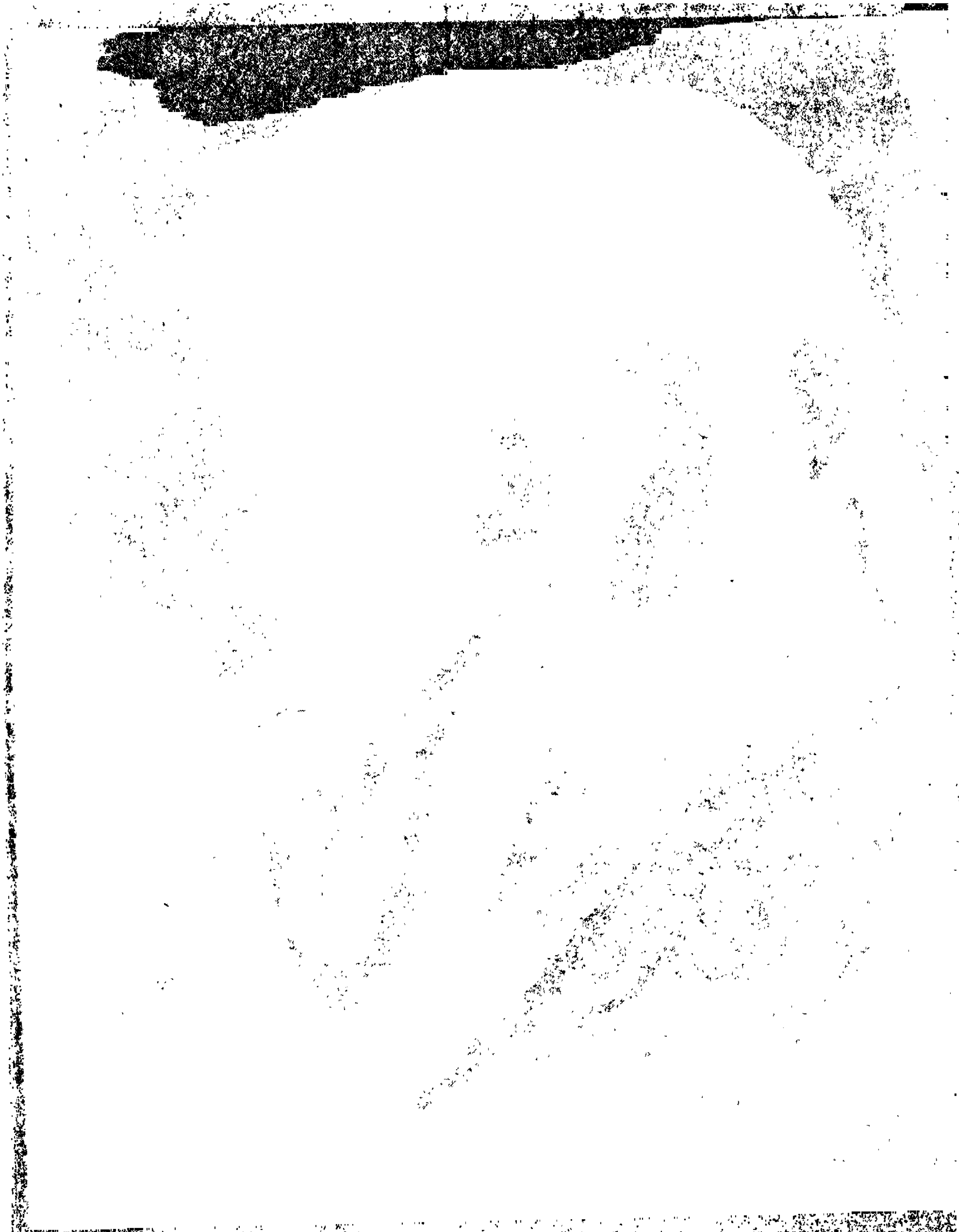
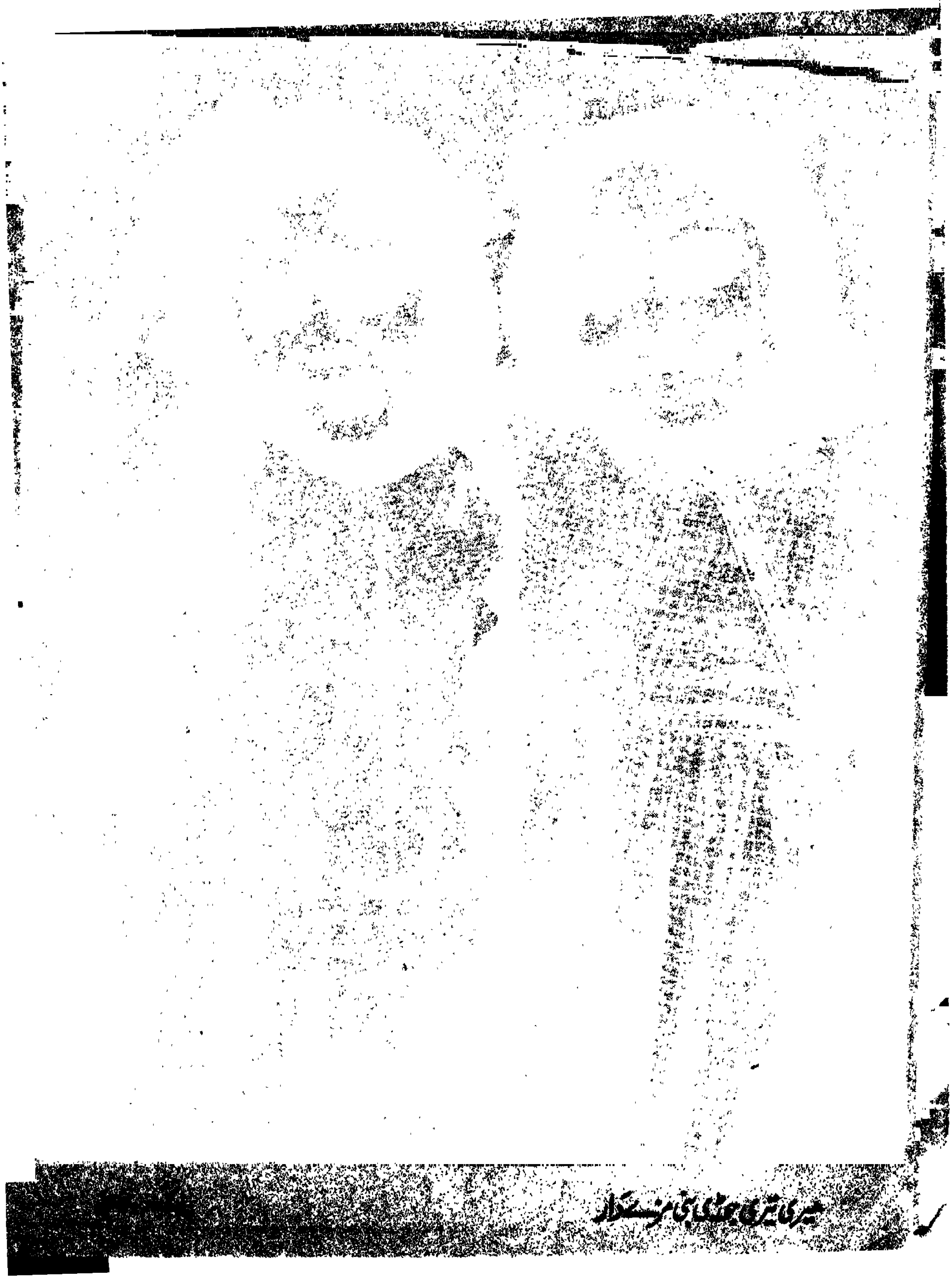




آؤ میرے سیّاں



[illegible]


میری تیری جوڑی ہی مزے دار

ماہنامہ خوشتر گرامی

دسمبر ۱۹۹۰ء
... جلد ۳۳ — نمبر ۱۰

۱ حرفِ ... — اداریہ — ۵
۲ ... — اداریہ — [illegible]
۳ ... — جوگندر سنگھ ارشد — [illegible]
۴ ... — افسانہ — پریم گلاسیوان — [illegible]
۵ غزل — شاد عارفی — [illegible]
۶ غزل — ... سنگھ ... — [illegible]
۷ کرتی نہیں لگا — افسانہ — زکی انور — [illegible]
۸ غزل — امر چند قیس — [illegible]
۹ غزل — باقر طاہرہ سعیدی ایم اے — [illegible]
۱۰ غزل — آفتاب احمد ایم اے — [illegible]
۱۱ تیسرا جنم — افسانہ — م. ک. جناب ایم اے — [illegible]
۱۲ ذرا تنہا پیار کرو — پروفیسر ... کرشن اشک ایم اے — [illegible]
۱۳ ... — افسانہ — محمود واجد ایم۔ کام — [illegible]
۱۴ ... — طاہر سلطانہ مخفی — [illegible]
۱۵ غزل — ڈاکٹر تبسم خیر آبادی — [illegible]
۱۶ ... — طنزیہ — فکر تونسوی — [illegible]
۱۷ غزل — ایوب شاہد نسیم نجیب آبادی — [illegible]
۱۸ ... — شمیم ... بی اے بی ٹی — [illegible]
۱۹ غزل — ساحر ... — [illegible]
۲۰ ... — ظفر ... ایم اے — [illegible]
۲۱ ... — مختلف شعراء — [illegible]

غزل ——— [illegible]
[illegible] ——— [illegible]
[illegible] ——— افسانہ ——— [illegible]
غزل ——— [illegible]
غزل ——— [illegible]
غزل ——— [illegible]
میرا غم تیری خوشی ——— افسانہ ——— [illegible] امروہوی
غزل ——— کرشن [illegible] ایم اے
غزل ——— عبدالستار شاکر
یاسمین ——— افسانہ ——— [illegible] انجم
غزل ——— [illegible] امروہوی
[illegible] ——— طنزیہ ——— جہاں گرد کے قلم سے
[illegible] سپنے ——— افسانہ ——— [illegible]
[illegible] زندگی ——— اگر خوش رہنا چاہتے ہو۔ دوسروں کا سہارا ڈھونڈیئے۔ [illegible] مسرت کی قیمت۔ [illegible]
سرگوشیاں ——— سوال و جواب ——— ۱۰۱

نیرو نشتر

اداریہ

"بڑھتی ہوئی قومی آمدنی کہاں گئی" ——— بیوپاریوں کے پیٹ میں۔

"ہندوستان چین کی عزت کی روک تھام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے" راجیہ سبھا میں پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر ——— اور ثبوت یہ ہے کہ چین نے ہمارے علاقہ پر قبضہ کیا مگر ہم اُس کی واپسی کے لئے لڑتے نہیں۔

"[illegible] کی [illegible] مرکز کے [illegible] لوک سبھا [illegible]" [illegible] سب شہروں ہی میں بستے ہیں۔

"[illegible] سے [illegible] پیرا کے کنٹرول کا قانون لاگو نہ ہوگا" ——— اس لئے کہ [illegible] کے [illegible] آزادی کی [illegible] میں شریک ہو کر بنائے گئے ہیں۔

"لوک سبھا میں منسٹر خوراک کے بیان سے چاول کے نرخ ایک دم گھٹ گئے" ——— ایک بیان اور دے ڈالیں تو چاول مفت بٹنے لگے گا۔ ہم سمجھتے تھے کہ منسٹر صاحب کو بیان دینے کی بیماری ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ ان کے بیانات میں الہ دین کے چراغ کی طاقت بھی ہے۔

"[illegible] کروڑوں [illegible] خارجاز [illegible] ہے" شری پاٹل کا اعلان ——— اس لئے کہ اس سے بلیک مارکیٹ کرنے والوں کا کاروبار بند ہو جائے گا۔

"کراچی میں خالص دودھ دیکھنے کو بھی نہیں ملتا" ——— اس معاملہ میں ہندوستان پاکستان سے [illegible] ہیں۔ یہاں شاید سننے کو تو مل جاتا ہو۔ یہاں تو اب خالص دودھ کا ذکر سننے کو بھی نہیں ملتا۔

"خطرے کے مقابلہ کے لئے تیار رہو" ——— جے پرکاش نارائن ——— اور آپ گھر بیٹھے صرف نعرے لگاتے رہیں۔



"محکمۂ زراعت کے محکمہ کو وزراء کے ماتحت اورکان [illegible]" منسٹر خوراک کا بیان ——— اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ صرف پیٹ ہی پیٹ ہے۔

"ہڑتال کو خلاف قانون قرار دینا [illegible] کی کمزوری کی علامت ہوگی" [illegible] ہڑتال کو کالعدم قرار دے دینا چاہئے تاکہ ایسے مواقع پر گورنمنٹ خود بھی ہڑتال کیا کرے۔

"[illegible] کا [illegible] ٹل گیا" ——— [illegible] کر [illegible] بہتر [illegible] محسوس کرتا ہے۔

[illegible] ——— [illegible]

"[illegible] گرفتار [illegible]"

"[illegible] مذاکرات [illegible] ——— [illegible]"



"پنڈت جواہر لال نہرو پاکستان نہ جائیں" — ایک جن سنگھی اخبار کا عنوان ـــــ اسلئے کہ پاکستان کے خلاف زہر اگلنے کا موقعہ آپ کے ہاتھ سے [illegible]

"ملک میں بے روزگاری کا مسئلہ نازک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے" آچاریہ کرپلانی ـــــ اچھا ہے، ورنہ مخالف پارٹیوں کی سب دوکانیں بند ہو جاتیں۔ اب انکو کچھ کاروبار تو ہاتھ آ جاتا ہے۔

"چین نے بھارت سرکار کا پھر پروٹسٹ" ـــــ ردی کی ٹوکری کا پیٹ ردی کاغذوں سے بھرا رہتا ہے۔

"تیسرے پلان میں ہندوستان کو ترقی [illegible] پر خرچ ہوگا" ـــــ اور خود بیلوں کی پرورش کا بجٹ کیا ہوگا۔

"دہلی کا ماسٹر پلان کی اشاعت" ـــــ مگر یہ دہلی کا اصلی [illegible] لگایا ہوتا۔ دلی کا ماسٹر پلان تھا تو آپ ہیڈ ماسٹر پلان تیار کرتے [illegible] پلان بناتے۔

"دہلی کی ترقی کی رفتار" ـــــ شاید کل خبر زنی، اور [illegible] کی طرف اشارہ ہے۔

"موجودہ جمہوری نظام حکومت مغرب کی [illegible] جمہوریت جس [illegible] کی نکتہ چینی" ـــــ کیا خوب [illegible] ہم تو شکل [illegible] آنکھیں بند کر کے تقلید کر رہے ہیں۔

"ملک سے پھٹ کے سیاستدانوں کے جانے کی روک تھام" ـــــ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ٹکنی کی طرح [illegible]

[illegible] کے مطابق [illegible] کیوں؟

[illegible] — کانگریس کے صدر بنانے کی آرزو " — تاکہ کسی کے خلاف انضباطی کارروائی نہ کی جا سکے۔

"گورنمنٹ کو چاہیے کہ ضروریاتِ زندگی کو کم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔" ہر روز اخبار کی خبر — افسوس ہے ہم نا سمجھ ہیں کہ گورنمنٹ دن بدن پر وزیر مقرر کرتی چلی جا رہی ہے اور آپ کو اب بھی ضروری اقدامات کی شکایت ہے۔

"جوں جوں کانگریس کی عمر بڑھتی جاتی ہے لوگ اُس سے بیزار ہوتے جاتے ہیں۔" — جب ووٹ پڑتے ہیں تو کانگریس کے گیت گاتے نکلتے ہیں۔

"سیلاب کے بعد خشک سالی" ایک عنوان — یعنی آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔



[illegible]

[illegible] سوال جواب ـــ
[illegible] ہو گئی اور [illegible] سفارتی عہدہ خالی ہو تو
[illegible] جائے۔

[illegible] کے لئے ٹیلی ویژن کا پروگرام" ـــ اگر روحانی
[illegible] ہونے تو بے کار ہے۔

[illegible] نے کہا "اگر ہندوستان اور پاکستان میں معاہدہ ہو جائے تو
[illegible] ـــ تو چین [illegible] خودکشی کر لیں" ـــ اس لئے کہ ان کی دکان
پاکستان دشمنی پر چل رہی ہے۔

[illegible] ـــ [illegible]
[illegible] کرنے کے [illegible]

"[illegible]
منشی کا دعویٰ ـــ آنکھ کھلی [illegible]

"پبلک [illegible] کے [illegible]
جائے گا" وزیر خزانہ کا اعلان ـــ [illegible]

"ہندوستان اور چین کے درمیان جنگ کا کوئی امکان نہیں" [illegible]
کی تقریر ـــ آپ کے ہوتے ... خدا آپ کو سلامت رکھے۔



[illegible] ہندوستان کے دوست ہی دوست ہیں" [illegible] ـــ
اور ایسے دوست [illegible]

مگرمچھ کے آنسو!



کریں امانت میں ہم خیانت یہ ہم پہ الزام ناروا ہے
ہمیں بتاؤ کہ کون ہم سا عوام کا درد آشنا ہے

تمھاری دولت ہماری دولت کہ ہم میں اور تم میں فرق کیا ہے
سمجھ لو جو کچھ دیا ہے تم نے تمھارے ہی گھر میں وہ پڑا ہے

اگر ولیمے میں ہم نے کھایا تو کوئی کیوں اس قدر خفا ہے
کہ ملک پبلک کا کل روپیہ مجاوروں کے لئے ہوا ہے

تمھارا حق ہم نہ دے سکے تو اپنے بچے کبھی نہ بیچے
[illegible] ہمیں ہے معلوم کیا برا اور کیا بھلا ہے

[illegible] پہ تشویش اس قدر ہو رہی ہے ہم کو
[illegible] اک قافلہ ہمارا [illegible] ہے

تمھارے افلاس کا [illegible] کہاں کہاں جا کے ہم نے پیتا
کہیں سے کچھ تیل آ رہا ہے کہیں سے کچھ قرض آ رہا ہے

ہمارے بنکوں میں جو ہیں ڈالر ابھی وہ منہ تک نہیں بھرے ہیں
ابھی سے پبلک میں اتنا ہنگامہ کیا خبر کس لئے بپا ہے

ہمارے ہاتھوں لٹے ہو تم ہو مگر بپا یا ہمیں نہ سمجھو
گر اپنا اپنے کا کاٹا ہے تو [illegible]

منصور جالندھری



مسز کناٹ پلیس

[illegible]

"[illegible] گیسے کرتوں گا ہے؟"

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد اُس نے جواب دیا "میرے خیال میں کوئی [illegible] ہے۔"

"[illegible] ______ ؟"

"مثلاً یہ کہ اُسے کسی دن دھکا دے دوں۔ پھر بعد میں سَاری کہہ دوں۔ یا ایک دھکا اسے آنے دوں اور اُس کے گھٹنے سے بھڑا دوں۔"

"دماغ خراب ہے تیرا؟" میں ڈر گیا۔ "ہو گئی اگر بات اُلٹی اور وہ بکی کسی اندر [illegible] تو وقت سے میرا بستر گول ہو جائے گا۔"

"اور اگر کسی ایڈیٹر کی بکی تو میرا ہو جائے گا۔" برٹی نے طنز سے کہا۔ "تو پھر کچھ سوچیں۔"

"نہیں نہیں، میرا مطلب ہے کہ شریفوں کی طرح کیوں نہ کام کیا جائے۔ تم اُس سے جا کر کہو کہ تم ایک اخبار کے رپورٹر ہو۔ اور ایک خاص زاویئے پر اُس کی فوٹو لینا چاہتے ہو۔"

بات میں نے پتے کی کہی تھی اور شاید برٹی کے دل کو بھی لگی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد میری چھاتی پر مُکا مار کر بولا۔

"عقل تو واقعی تمھاری بڑی تیز ہے!"

دوسرے دن ٹھیک پانچ بجے ہم رنگیل کے پاس ملے۔ اور اپنے پسندیدہ بوٹ پالش والے کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے کہا۔

"ماسٹر! آج بوٹ شیشہ ہو جائیں۔"

وہ اپنا بکسا کھڑکھڑاتا ہوا بولا۔ "ساب! بالکل شیشہ بالا ہو جائیں گے!"

بوٹ پالش کرانے کے بعد ہم نے ٹائی کی ناٹ درست کی اور ہاتھوں سے بال سنوارتے ہوئے چل پڑے۔

میں نے راستے میں برٹی سے پوچھا۔ "وہ فوٹو تمھارے اخبار میں آجائے گی؟"

"آئے گی! آئے گی کیوں نہیں؟ اخبار میں نہ بھی آئی میرے البم میں تو آ جائے گی!" تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولا۔ "مگر یار اُس سے باتیں کر کے [illegible] لیں گے!"

[illegible] آتی کیسے [illegible] [illegible] مل [illegible]

"مثلاً کیسی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، کیا کچی ہے [illegible]"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر بات کرے گا کون؟"

"تو کہے تو میں کر لوں گا۔"

"اور میں کیوں نہیں؟"

"چل ٹاس کر لیں!" میں نے جیب سے اکنی نکالتے ہوئے کہا۔

"اُو کہیں کا۔ پہلے اُس سے باتیں تو کر لیں۔"

ایسے ہی اُوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہوئے ہم آگے بڑھ رہے تھے [illegible] کہ صرف برینڈر (جسے میں برٹی کہتا ہوں) ہی جا کر اُس سے دو [illegible] ویسے تو ہمیں پوری اُمید تھی کہ براؤن لڑکی [illegible] گی۔ مگر پھر بھی یہ ڈر تھا کہ دو مردوں کو دیکھ کر کہیں گھبرا نہ جائے۔

آخر ہماری محنت سپھل ہو گئی۔ ہم نے اُسے ایک دن [illegible] کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ میں فوراً مڑ کر ایک کتابوں والے کی دکان پر کتابیں دیکھنے لگا اور برٹی آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے چور نظروں سے دیکھ لیا کہ برٹی اُس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اور اُسے روک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اُس نے جواب میں سر ہلایا تھا۔ برٹی نے شاید پھر سمجھایا اور اُس نے پھر سر ہلایا۔ برٹی نے پھر کہا اور اب کی بار شاید اُسے غصہ آ گیا۔ اور اُس نے ایک [illegible] نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نو، آئی ایم ویری ساری!"

اور آگے بڑھ گئی۔

جب شکست خوردہ اور تھکا ہارا برٹی واپس آیا تو میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ اور اُسے چھیڑنے کے لیے بولا۔

"کہیے کافی میٹھی میٹھی باتیں ہوئیں؟"

"جی ہاں کافی میٹھی میٹھی باتیں ہوئیں۔ بالکل [illegible]"

"بات کیا ہوئی؟"

[illegible] بات ... کی [illegible] لڑکیوں سے [illegible] بہت ہی [illegible]
[illegible] مجھے [illegible] کہ وہ پہچان لے گی اور پھر وہ [illegible]
پہلے [illegible] پھر باتیں کریں گی۔ پھر دوستی اور پھر شادی۔ آیا کچھ آپ کی
[illegible] شریف ہیں۔"

"بس بس!" میں نے منہ سے [illegible] چباتے ہوئے کہا۔
"تمہارے ذہن میں ہی کوئی انٹ سنٹ بات کی ہوگی۔ میں کہتا ہوں تمہیں پہلے پیار کی گھنٹی بجانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ گھاس کھودنی چاہیے۔ آخر کچھ ہو سکتا ہے کہ تم [illegible] سے ایک اچھی کمی پیش کرو۔ اور وہ نامنظور کر دے۔ جیسے تم پریس رپورٹر [illegible] ہو کے بیٹھے ہوئے۔"

"دیکھیے! میرا جی پہلے ہی بہت جلا ہوا ہے۔ زیادہ جلانے والی باتیں کیں تو یہیں سڑک میں رونے بیٹھ جاؤں گا۔"
میں دل ہی دل میں ہنستا ہوا چپ ہو گیا۔

اگلے دو دن ہمیں کرنل ناصر کی آمد کے سلسلے میں فوٹو لینے کے لئے ادھر ادھر دوڑنا پڑا۔ پالم پر، راج گھاٹ پر، اور جدھر جدھر وہ جاتے ہمیں کتنی کتنی دیر انتظار کرنا پڑتا۔ رات ہو جاتی اور کناٹ پلیس جا ہی نہ پاتے۔
کچھ دن بعد جب ہم فارغ ہو گئے تو پھر اپنی معمول پر آ گئے۔ شام کو پانچ بجے [illegible] کے پاس ملے۔ اور ملتے ہی میں نے برٹی کو چیلنج دیا۔
"آج میں اس سے باتیں کر دوں گا۔"
اس کا مطلب وہ سمجھ گیا۔ اس لئے فوراً جواب دیا۔
"ضرور کیجیے۔"

ہم نے پالش والے سے بوٹ پالش کرائے۔ جیبوں میں [illegible] بھر لئے۔ اور پھر کناٹ پلیس کے دائرے میں گھس گئے۔ چلتے چلتے میں نے [illegible] لیتے ہوئے کہا۔
"مجھے تو پہلے ہی معلوم ہونا چاہئے تھا کہ تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس مہم پر میں نے پہلے تمہیں بھیج دیا۔"
"آپ نے اب تک کون سے [illegible] فتح کئے ہیں؟" وہ ذرا جل [illegible]

[illegible] میں نے اس کے جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
"آخر تمہیں اس سے دوستی کرنی ہے کوئی کھا تو نہیں جانا۔ انسان کی بات چیت کرنے کا ڈھنگ، سلیقہ اور اخلاق ہی ایسا ہونا چاہیے کہ دوسرا بات کرتے ہی کھل اٹھے۔ مگر تم ....؟"
"یار کیوں تاؤ دلاتے ہو۔" وہ بات کاٹ کر بولا۔ "مجھے غصہ آ گیا تو میں یہ بوٹ پھینک دوں گا۔ تمہارا تو کچھ نہیں جائے گا میرے اس چھ سو روپے کے [illegible] کا [illegible] جائے گا۔"
میں دل ہی دل میں ہنستا ہوا خاموش ہو گیا۔ اور پھر ہم چپ چاپ چلغوزے کھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

ہم دونوں خاموشی سے عقاب کی طرح تیز نظروں سے آگے آگے دیکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ میری خاموشی کی وجہ بھی تھی۔ کیونکہ میں سوال جواب کے ڈائلاگ تیار کر رہا تھا۔ مگر برٹی نہ جانے کیوں خاموش تھا۔
پھر یکایک اس نے پوچھا۔
"اگر وہ نہ آئی تو؟"
"جوتے پالش کرائی بے کار جائے گی۔ اور تو کوئی [illegible] نہیں۔"
"اور اگر آ گئی تو؟"
"تماشا ہوگا بغیر ٹکٹ کے!"
ہم دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی ہی دور چلنے پر برٹی یکدم دوسری طرف مڑ گیا۔ میں نے سامنے دیکھا وہ آ رہی تھی۔ روز کی طرح اپنے کتے کی زنجیر پکڑے دھیرے دھیرے قدم رکھتی ہوئی۔
میں دھڑکتا دل لئے ہوئے اس کے پاس پہنچا۔ ایک لمحہ تو خیال آیا کہ آگے بڑھ جاؤں۔ کہیں گلے نہ پڑ جائے لیکن پھر برٹی کی قہر آلود نگاہوں کو یاد کر کے میں نے دل کڑا کیا۔ اور گلے کی ساری مٹھاس کو اکٹھا کر کے بولا۔
"ذرا سنیے!"
اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ ایک بار خشکی اور پھر بڑے انداز سے کہا۔ "جی ——— کیا مجھے کہا آپ نے؟"

[illegible] میں صرف اتنا آپ کا وقت لوں گا [illegible]

[illegible] گھڑی میں وقت دیکھا۔ اور کہا۔ "ہاں جلدی تو ہے [illegible] کہنا چاہتے ہیں؟"

پہلے تو [illegible] آواز میں جواب دے گی لیکن اس کا [illegible] جواب [illegible] کہا ـــــ پھر بھی میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"خیر میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ یہ آپ کا کُتا کون سی نسل کا ہے؟"

"یہ [illegible] نہیں ہے" (کُتیا ہے)

"[illegible] اچھا اگر ہے خوبصورت۔ مجھے یہ نسل بہت پسند آئی۔ بھلا کہاں سے حاصل کر سکتا ہوں؟"

"کہہ نہیں سکتی!" اس نے ٹکا سا جواب دیا۔

"مگر آپ نے کہاں سے لیا تھا؟"

"میرے ڈیڈی لے آئے تھے۔ اور وہ کہاں سے لے آئے تھے، اس کا پتہ نہیں۔ اس کی نسل کا نام بھی میں نہیں جانتی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی مدد نہیں کر سکتی۔"

اس نے سب باتوں کا ایک ساتھ جواب دے کر بات ہی ختم کر دی میں ابھی کسی دوسرے موضوع کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ گئی۔

وہ آگے بڑھ گئی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ غصے سے میرا جسم کانپنے لگا۔ یہ لڑکیاں [illegible] اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہیں؟ ہونہہ....

"اب اُدھر کیا دیکھ رہے ہو۔ وہ تو گئی۔" برٹی نے چپکے سے پاس آ کر کان میں کہا۔ مجھے معلوم ہی نہ ہوا کہ وہ کب میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم سچ کہتے تھے برٹی! یہ مچھلی آسانی سے پھنسنے والی نہیں۔" میں نے بہت گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"چلئے کوئی بات نہیں۔ گدھا سو جوتے کھا کر بھی اپنا [illegible] سمجھ جاتے تو اُسے بیوقوف نہیں کہنا چاہیے۔" وہ بولا۔

"تاؤ نہ دلا یار! ورنہ میں اس کھمبے سے اپنا سر پھوڑ لوں گا تیرا کچھ نہیں [illegible] میری جان چلی جائے گی۔" میں نے بھی برٹی کی نقل کی۔

[illegible]

[illegible] کر لے گی [illegible]

[illegible] جب کبھی بہت [illegible] کھاں جاتیں کیونکہ [illegible] کا وقت آتا ہم [illegible] جواب دے [illegible] والی نگاہیں یاد آ جاتیں اور ہم چپ ہو جاتے۔

اور پھر ایک دن برٹی شام کو نہیں آیا۔ مجھے [illegible] پریشانی [illegible] شروع ہو۔ [illegible] چاہئے مجھے اطلاع دینی چاہیے تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ [illegible] پاس آ جاتا [illegible] موجودگی میں مجھے بالکل مزہ نہیں آتا تھا۔ اس [illegible] بے کار اِدھر اُدھر چکر لگا کر میں واپس چلا جاتا۔

چوتھے دن اچانک وہ پھر نمودار ہو گیا۔ [illegible] اچھا میرے پاس پہنچتے ہی وہ صفائی دینے لگا۔ اور اس سے پہلے کہ میں [illegible] اس نے مجھے اپنے پاس کھینچ کر میرے کان میں کہا "میں تین دن [illegible] ایسی اسکیم بنا کر لایا ہوں کہ

کچے دھاگے سے چلی آئیں گی سرکار بندھی!"

"سرکار" کا مطلب میں سمجھ گیا۔ اس لئے فوراً کھڑا ہو گیا۔ [illegible] بکواس کرے گا....."

"نہیں یار!" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ جیسے [illegible] کے لئے بہت بے چین تھا۔ "تیرے پاس سائیکل تو ہے"

"ہے۔ کیوں؟"

اور پھر اس نے میرے کان میں [illegible] سے کہا۔

"نہیں نہیں یہ ایسے [illegible] کا خطرہ ہو۔"

"[illegible] نہیں یار [illegible]"

[illegible] زیادہ
[illegible] تھا
[illegible] ہے۔

[illegible] رنگ کی چیز پسند تھی۔ اس لیے جب میں نے پلٹ کر
[illegible] سائیکل [illegible] ادھر اُدھر
[illegible] کے سامنے سے اُس کی [illegible] کے پاس آکر
[illegible] گئے۔ اور اُس کا انتظار کرنے لگے۔ انتظار [illegible] ہم باتیں
کرتا [illegible] کبھی بے دلی سے ایک آدھ [illegible] ہو جاتی۔ لیکن زیادہ
انتظار نہیں کرنا پڑا۔ روز کی طرح وہ ٹھیک وقت پر آگئی۔ لیکن آج تو اُس کا
جلوہ دیکھنے کے قابل تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آج زمین پر فیروزی پری اُتر
آئی ہو۔ فیروزی رنگ کی ساڑی، اُسی رنگ کا بلاؤز، پیروں میں فیروزی رنگ کا
سینڈل، ہاتھ میں فیروزی رنگ کا پرس لٹکائے ہوئے تھی۔ اگر [illegible] مجھے جھنجھوڑ نہ
دیتا تو شاید میں اُسے دیکھتا ہی رہ جاتا۔

اتفاق کی بات دیکھیے کہ جس وقت وہ کار تک پہنچی۔ اُس وقت ٹریفک
بھی [illegible] والی سڑک کا کھلا ہوا تھا۔ بسوں، موٹروں، ٹیکسیوں، موٹر سائیکلوں
کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ان ہی کاروں، موٹر سائیکلوں کی گھر گھر میں میری شامت جو
آئی تو میں گھس پڑا۔ تجویز کے مطابق جس [illegible] کے پاس ہی میری سائیکل
ایک [illegible] سے ٹکرائی۔ اور الٹ گئی۔ اور ساتھ ہی میں بھی دھڑام سے
[illegible] گرا۔

پہلا واقعہ اتنی [illegible] جتنی دیر مجھے یہاں لکھنے میں لگی ہے
[illegible] پلک جھپکنے کی دیر میں گرتے ہی میرا
[illegible] میں بیان کرتا ہوا رک گیا۔ اور [illegible]
[illegible] کوئی بڑی بات [illegible] ٹریفک
[illegible] ہوئے [illegible] گئے کسی
[illegible] میں بھی [illegible] لیکن جب تک مجھے معلوم ہو گیا کہ میری ایک
[illegible] تھا۔ اتنے
[illegible] کر کے مجھے [illegible]

ہسپتال لے آیا۔ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں مجھے داخل کیا گیا۔ [illegible]
ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور بتایا کہ ہڈی تو نہیں ٹوٹی لیکن چوٹ گھٹنے پر لگی ہے۔
خیر دوائیں لگا کر [illegible] ہسپتال ہی میں تین دن رہنے
کا حکم [illegible] تھا پیر تو [illegible] کا برا حال تھا
[illegible] پر غصہ آ رہا تھا وہ بہت [illegible] میرے پاس بیٹھا رہا۔ اور پھر چلا
گیا۔ دوسرے دن صبح جب وہ آیا تو میرے ٹخنے کی حالت کافی اچھی تھی۔ درد کم
ہو چکا تھا اور دماغ بھی ٹھکانے تھا۔ اب میں خود اُس کی خبر لینے کے موڈ میں تھا جیسے
ہی اسٹول کھسکا کر وہ میرے پاس بیٹھا میں نے اُس سے پوچھا۔

"ہاں جی! اُس اسکیم کا کوئی ادھورا حصہ بھی باقی ہے یا مکمل ہو گئی؟"

"چھوڑو یار اس بات کو۔ سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔"

اُس کے جواب پر مجھے غصہ آگیا۔ میں نے کہا۔

"اُلو کے پٹھے میری ٹانگ گئی اور تجھے مزہ ہی نہیں آیا۔"

"چھوڑ یار! اس بات کا افسوس مجھے بھی کم نہیں ہے۔ لیکن دیکھو میں نے
بھی کچھ کم نہیں کیا۔ اگر اُسے شرافت چھو بھی گئی ہے تو وہ یہ خبر پڑھ کر ضرور آئے گی"
اور یہ کہہ کر اُس نے جیب سے اخبار نکال کر میرے سامنے پھیلا دیا اور پھر انگلی سے ایک
خبر کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ خبر چھوٹی سی تھی لیکن [illegible] سے دیکھنے
پر بڑی اہم معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اٹیلکس (ٹیڑھے حروف) میں چھپی ہوئی تھی۔
اُوپر دو لائنوں میں سرخی تھی۔

"فیروزی رنگ خطرے کا نشان!"

"کیا ہم بھی ٹریفک سسٹم میں خطرے کا نشان لال رنگ کی بجائے فیروزی رنگ
رکھیں؟"

اور اس کے نیچے خبر تھی کہ کس طرح [illegible] آدمی کے پاس ایک سائیکل سوار
نوجوان فیروزی رنگ کا خوبصورت لباس پہنے ہوئے ایک حسینہ کو دیکھ کر اتنا محو
ہو گیا کہ اُسے ٹریفک کا ہوش ہی نہ رہا۔ اور ایک حادثے کی لپیٹ میں آگیا۔ اور اب
ٹوٹی ٹانگ لیے ولنگڈن ہسپتال میں کراہ رہا ہے۔

خبر تو واقعی اہم تھی اور میں [illegible] کی عقل کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر
میں نے کہا۔ "اس خبر کو وہ شاید ہی پڑھ سکے اور ضروری نہیں وہ یہ اخبار [illegible]

"ارے [illegible] رہے گی، اُمید بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے!"

[illegible] کے جلانے میں تو ٹانگ تڑوا بیٹھے۔ اور ہسپتال

اور اُس بات پر برٹی برجستہ بولا۔

"شکر کرو کہ دل نہیں ٹوٹا۔ نہیں تو ہسپتال کی بجائے کہیں اور جانا پڑتا۔"

اور ہم اسی طرح اپنا دل خوش کرنے لگے۔ ڈاکٹر صبح کا راؤنڈ لگا گیا اور کچھ دیر بعد مریضوں سے ملنے آنے والوں کا بھی وقت ہو گیا۔ برٹی میرے لئے پھل لینے چلا گیا۔ اور میں خاموشی سے لیٹ گیا۔

اور ذرا سی دیر بعد جیسے ہی میری نگاہ سامنے پڑی تو وہیں جم گئی۔ جیسے کسی نے کیل ٹھونک کر اُسے جڑ دیا ہو۔ میرا خیال ہے کائنات کی حرکت بھی ذرا دیر کے لئے رُک گئی ہو گی۔ کیونکہ وہ ——— مِس کناٹ پلیس سامنے کھڑی تھی!

اور جیسے ہی ہماری نگاہیں ملیں وہ مسکراتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ ہاتھ جوڑ کر نمستے کی اور جب میں بھی سواگت کے لئے اُٹھنے لگا تو اُس نے بہت ملائم لہجہ انداز میں کہا۔

"آپ لیٹے رہیئے!"

پھر اُس نے ہاتھ میں لٹکی ہوئی ٹوکری ایک طرف رکھ دی۔ شاید وہ کچھ پھل لائی تھی۔ پھر خود ہی اسٹول کھسکا کر بیٹھ گئی۔ اور پوچھا۔

"کہئے اب کیا حال ہے آپ کے پاؤں کا؟"

اُس کے سوال پر میں جھینپ گیا۔ لیکن پھر بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اب تو کافی آرام ہے!"

"کیا فریکچر ہو گیا ہے؟"

"نہیں موچ آ گئی ہے۔ کچھ دن مالش کرانے سے ٹھیک ہو جائے گی۔"

"بھئی آپ نے میری تو خوب پٹائی کی۔ کہاں ہیں وہ آپ کے جرنلسٹ دوست؟"

"کون برٹی؟ وہ ذرا باہر گیا ہے۔ تو آپ کو یہ بھی معلوم ہے ہم دونوں دوست ہیں ——— ؟"

"اور نہیں تو کیا؟" اُس نے شکایت بھرے لہجے میں کہا "میں تو آج آپ سے بہت سی باتیں کرنے آئی ہوں۔۔۔۔"

اتنے میں برٹی بھی آ گیا۔ اور وہ بھی مِس کناٹ پلیس کو [illegible] بے حد خوش ہوا۔ دونوں نے نمستے کی اور پھر وہ پلنگ کے ایک کونے میں بیٹھ گیا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہمیں آپ سے مل کر بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

اُس نے مسکرا کر جواب دیا "خوشی تو مجھے بھی آپ سے مل کر ہو رہی ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کے بارے میں کیا رائے قائم کروں؟ پہلے میں آپ لوگوں کو کناٹ پلیس میں بے فکری سے اکثر گھومتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی۔ آپ دونوں کی چال ڈھال اتنی عجیب ہوتی تھی کہ میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہتی۔ لیکن پھر آپ لوگ نہ جانے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے۔ کبھی مجھ سے فوٹو کھنچوانے کی فرمائش کی گئی۔ اور کبھی میرے کُتّے کے بارے میں سوالات کئے گئے۔۔۔۔" اُس نے یہ باتیں اس انداز سے کیں کہ ہم مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ "میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

اب تو برٹی نے بھی صاف کہہ دیا کہ اُنھیں اُس سے دوستی کرنی تھی۔ اگر پہلے ہی وہ دوستی کر لیتی تو مدن بھیا کو ٹانگ نہ تڑوانی پڑتی۔

وہ سُنتی جاتی تھی اور ہنستی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اُس نے اپنی ٹوکری میں سے پھل نکال کر کاٹے۔ اور ہمارے سامنے رکھے اور پھر اُنھیں زبردستی ہمیں کھلاتے ہوئے کہا۔

"لیجئے صاحب! اب تو آپ سے دوستی پکّی ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ جیسے دلچسپ آدمیوں کو دوست بنا کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

اور تھوڑی دیر بعد جب وہ جانے لگی تو اُس نے اپنے پتے کا کارڈ ہمیں دیتے ہوئے کہا۔

"میرے گھر ضرور آیئے گا۔ میرے پتی بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔۔۔"

●●

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی کارڈ یا پوسٹ آفس کا لفافہ بھیجئے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ پاکستانی پوسٹ کارڈ یا ٹکٹ ہندوستان میں کارآمد نہیں اسلیے پاکستانی بھائی [illegible]

ممتاز کیڑے مکوڑوں کا میموریل ہال



مس قتالہ مچھرنی

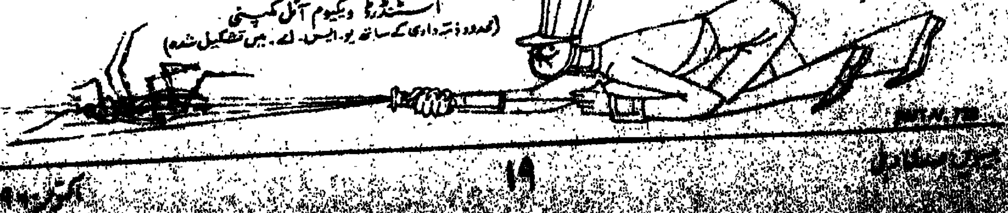
آپ ماہ اگست میں دلدل نگر کے قریب گندی گڑھیا میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے کاٹنے کا شوق تھا۔ والدین نے اس رجحان کو دیکھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم کے لئے ملیریا کالج بھیج دیا۔ یہاں سے آپ نے "ملیریا کامل" کی سند امتیازات کے ساتھ حاصل کی۔ "انسانوں میں ملیریا پھیلانے کا موثر ترین طریقہ" اس عنوان پر زبردست تحقیقاتی مضمون لکھ کر آپ نے مشہور "اینوفیلیس پرائز" بھی حاصل کیا۔ عرف عام میں آپ کو قتالۃ العالم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے کیونکہ آپ نے کم سنی کے باوجود "ملیریا کے تیروں" سے انسانوں کو "گھائل" کرنے کے سلسلے میں عالمی ریکارڈ قائم کیا تھا لیکن بدقسمتی سے . . .

ایک رات آپ فلٹ سپاہی کے ہاتھوں ہلاک ہو گئیں!



فلٹ میں شامل چھ تیز اجزاء کے مجموعی اثر کی بدولت، بیماری پھیلانے والے گھریلو کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ فلٹ سرخ، سفید اور نیلے رنگ والے مشہور ڈبے میں بکتی ہے ـــــ آج ہی خرید لیجئے!

اسٹینڈرڈ ویکیوم آئل کمپنی
(محدود ذمہ داری کے ساتھ یو۔ ایس۔ اے۔ میں تشکیل شدہ)



وناسپتی میں
رنگ شامل کرنے کی
ضرورت کیا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وناسپتی میں رنگ ملایا جائے تاکہ گھی میں اس کی ملاوٹ ہو تو آسانی سے معلوم کی جا سکے۔

لیکن کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال ہونے والا ایسا کوئی رنگ نہیں ہے جو وناسپتی میں شامل کیا جائے۔ پھر بھی وناسپتی میں ۵ فیصد تل کا تیل ہونے کی وجہ سے اگر گھی میں ۵ فیصدی بھی وناسپتی کی ملاوٹ کی جائے تو ایک سیدھے سادے کیمیاوی تجربہ کے ذریعہ اس کا پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے۔

وناسپتی استعمال کرنے والوں کی حفاظت کے لئے

یہ سچ ہے کہ وناسپتی میں رنگ ملانے کی تجویز گھی استعمال کرنے والوں کے مفادات کی حفاظت کے لئے پیش کی جا رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا تیقن بھی ضروری ہے کہ جو رنگ ملایا جائے وہ وناسپتی استعمال کرنے والے لاکھوں لوگوں کی تندرستی کے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو۔ بہرکیف وناسپتی کے لئے جو بھی رنگ تجویز کیا جائے اسے حکومت ہند کی سنہ ۱۹۵۱ء میں نامزد کی ہوئی "گھی ایڈلٹریشن کمیٹی" کی مقرر کردہ بنیادی شرطوں پر پورا اترنا چاہئیے۔ ان میں سے کچھ خاص شرطیں یہ ہیں:

(۱) "رنگ وناسپتی میں آسانی کے ساتھ گھل مل جانا چاہئیے۔

(۲) "وناسپتی میں اسے ملانے کے بعد وناسپتی کا رنگ آنکھوں کو بھلا لگنا چاہئیے۔

(۳) "رنگ پکا ہونا چاہئیے اور یہ کہ اسے کیمیاوی یا کسی دوسرے طریقہ سے آسانی کے ساتھ نکالا نہ جا سکے۔

(۴) "رنگ میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئیے اور چیزیں تلنے وغیرہ کے لئے جب وناسپتی (تقریباً ۲۰۰° سینٹی گریڈ) کھولایا جائے تو بھی اسے خراب نہ ہونا چاہئیے۔

(۵) "ایک مدت تک کھانے کے بعد بھی رنگ کی وجہ سے کوئی زہریلا اثر پیدا نہ ہونا چاہئیے اور اس سے نقصان بھی نہ پہنچنا چاہئیے۔"

کھانے پینے کی چیزوں میں استعمال ہونے والے کوئی رنگ ان شرطوں پر پورے نہیں اترتے۔ یہ رنگ یا تو وناسپتی میں آسانی سے گھلتے ملتے نہیں یا پھر اس میں سے آسانی کے ساتھ نکالے جا سکتے ہیں۔ سنتھیٹک پکے رنگ یا تو زہریلے ہوتے ہیں یا ان سے کینسر ہو سکتا ہے۔ اس لئے وناسپتی میں ملانے لائق کوئی رنگ ابھی تک نہیں مل سکا۔

دنیا بھر کے سائنسدانوں کی یہی رائے ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں رنگ نہیں ملانا چاہئیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ رنگ جو برسوں سے بے ضرر سمجھے جاتے تھے بعد میں کینسر پیدا کرنے والے ثابت ہوئے۔ سبھی ترقی یافتہ ملکوں میں کھانے پینے کی چیزوں میں ملائے جانے والے رنگوں کی تعداد روز بروز کم کی جا رہی ہے۔

گھی میں ملاوٹ کا مسئلہ

جب تک گھی میں ملانے کے لئے کچے یا صاف کئے ہوئے تیل نیز جانوروں کی چربی وغیرہ جیسی چیزیں آسانی سے ملتی رہیں گی تب تک یہ توقع کرنا فضول ہے کہ محض وناسپتی میں رنگ ملانے سے گھی میں ملاوٹ کے مسئلہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

گھی میں ملاوٹ کا مسئلہ دراصل ہمارے ملک میں کھانے پینے کی چیزوں میں کی جانے والی ملاوٹ کے وسیع تر مسئلہ کا صرف ایک حصہ ہے۔ سنہ ۱۹۵۴ء کے "پروینشن آف فوڈ ایڈلٹریشن ایکٹ" اور اس کے تحت ضمنی قوانین غذائیں ملاوٹ کے سلسلہ کو روکنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان قوانین پر جتنی سختی سے عمل کیا جائے گا اتنے ہی موثر طریقہ پر غذائیں اور خصوصاً گھی میں ملاوٹ کا سلسلہ ختم ہوتا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر وناسپتی کی طرح گھی بھی صرف مہر بند ڈبوں ہی میں بیچا جائے تو گھی میں کی جانے والی ملاوٹ کو اور بھی اچھی طرح روکا جا سکتا ہے۔

ایک یقین دہانی

وناسپتی بنانے والوں کو اس بات پر تردد ہے کہ گھی میں اس کی ملاوٹ کر کے وناسپتی کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات پر بھی زور دینا چاہتے ہیں کہ وناسپتی میں جو بھی تبدیلی کی جائے اس سے وناسپتی استعمال کرنے والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

وناسپتی بنانے والے وناسپتی استعمال کرنے والوں کو اس بات کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ جہاں تک خالص اور قوت بخش ہونے کا تعلق ہے وناسپتی ہمیشہ انتہائی اعلیٰ معیاروں پر تیار ہوتا رہے گا۔

مزید معلومات کے لئے اس پتہ پر لکھئے:

دی وناسپتی مینوفیکچررز ایسوسی ایشن آف انڈیا

انڈیا ہاؤس، فورٹ اسٹریٹ، بمبئی ۱

غزلیں

شاد عارفی

رہیں گے یوں ہی کہیں شہر سے نکل کے ابھی
قدم بڑھائیں وہ رہرو سنبھل سنبھل کے ابھی

گیا ہے چھو کے ہمیں گل پاس سے نکل کے ابھی
چلو یہ بات کہیں باغباں سے چل کے ابھی

جنابِ شیخ چلیں آپ، ہم بھی آتے ہیں
صنم کدے کی طرف راستہ بدل کے ابھی

خیالِ انجمنِ ناز اس طرح گزرا
کہ جیسے شمع کوئی بجھ گئی ہو جل کے ابھی

"بہ پاسِ راز" ہمیں کوئی اعتراض نہیں
کہ بات کرتا ہے کوئی نظر بدل کے ابھی

"سپید پوش" جوانی، چلے جو لہرا کر
فضا سے پھول برسنے لگیں کنول کے ابھی

ذرا نقاب تو اُٹھے ذرا نظر تو ملے
زبانِ فکر سے نکلیں گے شعر ڈھل کے ابھی

ٹھہر ٹھہر کے سنائیں نہ ہم جو قصۂ غم
گریں گے آنکھ سے آنسو مچل مچل کے ابھی

ابھی تو جامِ فروزاں ہیں رنگ محلوں میں
نہ ہوں گے دور اندھیرے کسی محل کے ابھی

وہ کاروانِ تمنائے راہِ آزادی
بھٹک رہا ہے غلط راستہ پہ چل کے ابھی

مخالفینِ تغزل بھی مانتے ہیں شاد
ادب میں سینکڑوں امکاں ہیں غزل کے ابھی

پورن سنگھ ہنر

آگیا لے دلِ بے قرار آگیا
دیکھ وہ غیرتِ نو بہار آگیا

آپ ناحق نہ اپنی قسم کھائیے
آپ کی بات کا اعتبار آگیا

عشق پر مجھ کو ناز اس قدر کیوں نہ ہو
اپنی صورت پہ اُن کو بھی پیار آگیا

کس قدر ہے جنوں آفریں زندگی
کیا کریں گے جو عہدِ بہار آگیا

تنگ ہوں دل کی نادانیوں سے بہت
پھر ترے قول کا اعتبار آگیا

میں سمجھ جاتا ہوں مرے پند گو
تو کہاں کا مرا غم گسار آگیا

برق میرے نشیمن پہ شاید گری
آج کنجِ قفس میں قرار آگیا

نا امیدی کا یہ خاص احسان ہے
بے قراروں کو آخر قرار آگیا

کون سی آرزو آج پوری ہوئی
لب پہ کیوں شکرِ پروردگار آگیا

ہم خزاں ہی کے شاکی رہے اے ہنر
ساری دنیا میں دورِ بہار آگیا

...کہ جی نہیں لگتا

زکی انور

معرفت ہینڈلوم امپوریم - ہزاری باغ

۱۲ مئی سنہ ۱۹۶۰ء

بھائی جان! تسلیم

افسانہ نمبر میں شرکت کی مجھے بھی فکر تھی - اس لئے میں نے ایک کہانی "کہ جی نہیں لگتا" مکمل کر لی تھی لیکن صاف کرنا باقی رہ گیا تھا کہ میں پٹنہ چلا گیا - ۳۰ اپریل کو وہاں سے واپس آیا اور اب "کہ جی نہیں لگتا" کے علاوہ ایک اور کہانی بھیج رہا ہوں... آپ نے بجا فرمایا ہے میرے خطوں سے مکمل کئے گئے افسانے بہت پسند کئے جا رہے ہیں۔ "رقصِ شرر ہونے تک" کے سلسلے میں میرے پاس بہت سارے تعریفی خطوط پہنچے ہیں - لیکن یہ کام ہے ذرا مشکل - کیونکہ مجھے ایسے افسانے بالکل پسند نہیں آتے، جن کا اختتام کسی قدر چونکا دینے والا نہ ہو - یہ بات پیدا کرنی عام افسانوں میں بھی مشکل ہے - اور ایسے افسانوں میں تو بہت مشکل جو چند خطوں سے مکمل کئے جائیں - بہرحال میں نے محنت تو کی ہے - آپ کو افسانے پسند آ گئے تو سمجھوں گا محنت رائیگاں نہیں گئی....

آپ کا بھائی ——— زکی انور

رانچی - ۹ ستمبر ۵۹ء

خوش رہو میری جان!

تمہارا خط مل گیا جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا۔

اب بتاؤ میری بہو! تمہارے خاوند کو میں تم سے زیادہ جانتی ہوں یا نہیں؟ اگر میں انھیں الگ سے خط نہ لکھتی تو تم خوف کے مارے انھیں میرا خط دکھاتی ہی نہیں اور میری اسکیم دھری کی دھری رہ جاتی - اب تو بہادر بن جاؤ کہ تمہارے خاوند نہ صرف تمھیں میرے خط سے متعلق کام کرنے کی اجازت دے رہے ہیں - بلکہ وہ بھی اس کام میں دلچسپی لے رہے ہیں - اور ساتھ دیں گے۔

مجھے حیرت ہے کہ عورتوں کے بارے میں تمہارے خیالات بھی بالکل عام اور سطحی عورتوں کے سے ہیں - اُن عورتوں کے سے جو اپنے آپ کو ہندوستان کی نمائندہ عورتیں، وفادار بیوی اور پتی ورتا استری کہتے نہیں تھکتیں - لیکن تم اتنی کیوں بدل گئیں - خیر، اب چاہے تم کتنی ہی کیوں نہ بدل جاؤ، مجھے فکر نہیں - اپنے پتی کا حکم تو مانو گی ہی - اور انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔

میری جان! ایک تلخ بات سنو گی؟ تلخ اس لئے کہ حقیقت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان عورت ہو یا مرد، وہ کبھی کسی وقت بھی کسی مخالف جنس کا گرویدہ ہو سکتا ہے - چاہے وہ ایک وفادار شوہر ہو یا پتی ورتا استری لیکن بات یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں کو وفا کی دیوی، حیا کی پتلی، رادھا اور سیتا کا اوتار اور مریم کی ہم جنس وغیرہ کہہ کہہ کر بزدل بنا دیا ہے - اِس لئے کوئی عورت اگر کسی مرد پر فریفتہ ہونا چاہتی ہے تو آگے پیچھے دیکھنے کے بعد نہایت احتیاط سے دو منٹ کے لئے فریفتہ ہوتی ہے اور پھر جلدی سے وفا کی دیوی، حیا کی پتلی وغیرہ بن کر خاوند کے قدموں میں بچھ جاتی ہے - لیکن میں تمھیں ایسی نہیں کہہ رہی - ہاں تو میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ عورت کو تو بزدل بنا دیا گیا ہے - لیکن مرد دلیر واقع ہوا ہے - اور وہ [جذبات؟] کی [دام؟] ...

عورتوں پر مرنے والے۔ لیکن میں نجمی صاحب کے بارے میں ایسی بات نہیں سوچتی۔ ویسے میں اُن سے اُن کی کسی خاتون دوست کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا کرتی۔ اور اگر وہ ایسی کیوں؟ مرد اگر واقعی اتنے حاصل ہیں کہ وہ کہیں بھی کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر گریباں ہی کیوں جائے۔ اور گرید کو خواہ مخواہ بددل ہونے یا رونے دھونے سے کیا فائدہ؟ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ (میں محبت کے اصلی اور عقلی ہونے پر ایمان نہیں رکھتی) مجھے اچھے کپڑے پہناتے ہیں۔ اچھی غذا مہیا کرتے ہیں۔ بچوں کو جگر کے ٹکڑے سمجھتے ہیں۔ بس قصہ ختم ہوا۔ اور مجھے کیا چاہئے۔ زارے محبت تو اتنی کرتے ہیں کہ یہ محبت ہی عذابِ جان ہو گئی ہے۔ ویسے مجھے اس بات کا یقین ضرور ہے کہ نجمی صاحب نہ عشق کے قائل ہیں نہ ہوس کے۔ بلکہ وہ ان دونوں کے بیچ کے ایک جذبے کے قائل ہیں۔ اور وہ ہے دلچسپی۔ جس میں فیشن کا رنگ بھی ملا ہوا ہوتا ہے۔ انھیں خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ مہذب باتیں کرنا، برج کھیلنا، سنیما دیکھنا۔ اور پارکوں میں گھومنا ضرور پسند ہے۔ لیکن اس سے آگے یقیناً کچھ نہیں۔ مجھے یقین ہے کچھ نہیں۔ آجکل وہ یہیں ہیں۔ چار پانچ روز میں چلے جائیں گے۔ انھوں نے نوکری چھوڑ دینے تک کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کاش! بنارس میں اُن کا جی لگ جائے۔ اُمید ہے تم دونوں بخیر ہو گے۔ اور دوسرے خط میں تم لکھو گی کہ کیا ہوا؟ منی اور پپی اچھی ہیں۔

تمھاری

زینت

بنارس۔ ۱۷ر ستمبر ۵۹ء

زینو ڈارلنگ! بہت سا پیار

کل تمھارے خط کا شدت سے انتظار کرتا رہا۔ لیکن بجز مایوسی کچھ نصیب نہ ہو سکا۔ آج یقین تھا کہ تمھارا خط آئے گا۔ لیکن آج بھی تمھاری جدائی کی اُلجھنوں میں اضافہ ہی ہوا۔ اور بس! بمبئی میں نے کس شدت سے تمھاری خوشامدیں کی تھیں کہ میرے جانے کے دوسرے ہی دن ایک خط لکھ دینا۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا جانے کس کمبخت نے یہ رواج شروع کیا تھا کہ مسافر ہی کو منزل پر پہنچ کر پہلے خط لکھنا چاہئے زینو کیا بتاؤں؟ ابھی میرے آئے سوموار سوموار آٹھ دن ہی ہوئے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جُگ بیت گئے تمھیں ملے ہوئے۔ بہت اذیت ناک گھڑیاں ہوتی ہیں تمھاری جدائی کی۔ کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر بہت سخت حیرت ہوتی ہے کہ مجھ جیسا مادیت کا قائل آدمی بھی اتنی شدید احمقانہ جذباتیت کا شکار ہو سکتا ہے۔ سچ کہتا ہوں اگر میری جدائی کی اُلجھنوں کا یہی کربناک عالم رہا تو ۲ر اکتوبر کو فرصت ملنے۔ ایک دن ۳ر کی فرصت لوں گا۔ ۴ر اتوار ہے ہی۔ دو دنوں کے لئے تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ دوسری کی شام کو میرا انتظار کرنا۔ منی اور پپی کو بہت سا پیار دونوں کے حالات تفصیل سے لکھو۔ خدا کرے تم سب بخیر ہو۔

تمھارا

نجمی

رانچی۔ ۲۴ر ستمبر ۵۹ء

نجمی، میرے اپنے! میرے لئے زندہ رہنا

میں نے تمھارے حکم کی تعمیل میں تمھاری روانگی کے دوسرے ہی دن تمھیں ایک کارڈ لکھ دیا تھا۔ حیرت ہے کیوں نہیں ملا۔ آج صبح تمھارا خط ملا اور فوراً تمھیں خط لکھ رہی ہوں۔ نجمی! یہ پڑھ کر تو میں خوشی سے ناچ اٹھی کہ ۲ر اکتوبر کو تم آ رہے ہو۔ لیکن میں نے بہت سنجیدگی سے اس پر غور کیا تو میری خوشی بہت حد تک کم ہو گئی۔ دیکھو نجمی! وہاں سے یہاں کا کرایہ چودہ روپے ہیں۔ اس طرح اٹھائیس روپے تو کرائے کے ہی ہو گئے۔ پھر سفر کے دوسرے اخراجات بھی دس روپے سے کیا کم ہوں گے؟ پھر یہ بھی میں نے دیکھا ہے کہ یہاں آ کر بھی تمھارے چالیس پچاس روپے ضرور خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح لگ بھگ سو روپے ہر سفر میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ اور تم مہینے میں دو بار تو ضرور آتے ہو۔ جب یہی بات ہے تو یہاں کے کھیت باڑی کو گولی مارو۔ لاکھ وہاں مکان کی قلت ہے۔ سو ڈیڑھ سو روپے میں تو مکان مل ہی جائے گا۔ بہتر ہے کہ ہم سب ساتھ ہی رہیں۔ نجمی! خدا کے لئے میرے کہنے کا غلط مطلب نہ نکال لینا۔ کہ میں تمھیں بخیل بنا رہی ہوں۔ یا یہ کہ مجھے موروثی جائداد سے محبت نہیں۔ خدا جانتا ہے میں تو ہمیشہ یہی دعا کرتی ہوں کہ کوئی ایمان دار آدمی مل جائے جسے ساری زمین اور مکان ٹھیکے پر دے کر میں تمھارے پاس چلی آؤں۔ کیا تم ایسا سوچ سکتے ہو کہ تمھارے بغیر میری گھڑیاں تمھاری گھڑیوں سے کم اذیت ناک ہوتی ہیں۔ سچ کہتی ہوں جن چاندنی راتوں سے مجھے دیوانگی کی حد تک

پیارے ہیں وہ چاندنی راتیں تمہارے بغیر ڈسنے لگتی ہیں۔ میری جان! اُوپر جو حساب لکھ بھیجا ہے، اُس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ تم کم و بیش دو سو روپے ماہوار یہاں اپنے پر صرف کرتے ہو۔ دو سو روپے یہاں کے اخراجات کے لئے بھیجتے ہو اس میں سے صرف اَسّی روپے بچ رہتے ہیں اور اَسّی روپے میں تم کتنی تکلیف سے گزارہ کرتے ہوگے۔ اِس کا مجھے احساس ہے۔ سفر کے اخراجات کم کر کے یعنی سفر کم کر کے روپے نہ تم مجھے بھیجو۔ نہ بینک میں رکھو۔ بلکہ اپنی ذات پر خرچ کرو۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ لیکن پھر بھی اگر تمھیں میری نیت پر شک ہے تو خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ اب تمھیں اس طرح کی کوئی بات نہیں کروں گی۔ صرف دعا کروں گی کہ تمہارا دل ذرا سخت ہو جائے اور یہ عشق جو تمھیں مجھ سے ہے، جسے تم بھی شدید احمقانہ جذباتیت سمجھتے ہو۔ کسی قدر کم ہو جائے۔

اتنا کچھ لکھنے، سوچنے اور سمجھنے کے باوجود دل چاہتا ہے کہ کل ہی دوسری اکتوبر آ جائے۔ اور ساتھ ساتھ تم آ جاؤ۔ میری ویرانیوں پر بہار آ جائے۔ میری راتیں شراب سے بھیگ جائیں۔ اور ہم دونوں مدہوش ہو جائیں۔

یا معبود! یہ جدائی کب تک؟

رضی اور بچی بہت اچھی ہیں۔ بچی اب غوں غاں کرنے لگی ہے۔ اور رضی کے لئے تو جو کچھ ہیں بس اُس کے پاپا!

خدا کرے تم خیریت سے ہو۔

تمھاری اپنی

زرینہ

جمشید پور۔ ۲۴ ستمبر ۵۹ء

بِل ڈیئر!

تمھارا خط ملا۔ یار میں نے بھی ۲ اکتوبر کو رانچی پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نجمی بھی آنے کو تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک عرصہ کے بعد ہم لوگ ملیں گے لیکن ابھی تو تم ایک ماہ رہو گے۔ اِس اثنا میں، میں بھی ضرور آؤں گا۔ اور نجمی کو بھی ضرور لاؤں گا۔ عجیب خبطی آدمی ہے وہ بھی۔ کچھ روز پہلے رانچی آیا تھا تو میں نے تمہارے آنے کی اطلاع دی اور بُلایا تھا۔ تو اُس نے کہا تھا کہ اتنی جلدی پھر کیسے آ سکتا ہوں۔ اچھا پھر بنارس پہنچ کر اُس نے لکھا کہ ۲ اکتوبر کو ضرور آئے گا۔ پھر آج جو اُس کا خط آیا ہے اُس میں یہ خود دار نے فرمایا ہے کہ اُس کے پاس اُس کی بیوی کا ایک خط نامہ پہنچا ہے کہ سفر کے اخراجات میں فضول پیسہ بہا کر نے سے بہتر ہے کہ وہ پیسے اپنی ذات پہ صرف کر لے۔ اور وہ قادر الکلام نے مانگ کی بات مان لی ہے۔ یار بڑے عجیب ہوتے ہیں عجیب شے۔ اللہ کا احسان ہے کہ میں اب تک بچا ہوا ہوں۔ ورنہ ہم بھی۔ لیکن جہاں تک نجمی اور اُس کی بیوی کی بات ہے مجھے بالکل معلوم ہے کہ نجمی اپنی بیوی سے بے پناہ محبت ضرور کرتا ہے۔ لیکن ... نہیں۔ وہی زینت بھابی حکم چلانے والی بیوی ہیں۔ سُنو نجمی نے خلاف معمول بہت طویل خط لکھا ہے۔ اُس نے دفتری مصروفیتوں کے باوجود پندرہ دن میں دو کہانیاں لکھ ڈالی ہیں۔ اور تیسری لکھ رہا ہے۔ اُس نے انھیں پندرہ دنوں میں پانچ چھ ہندوستانی فلمیں دیکھ ڈالی ہیں۔ اُس نے جو خط لکھا ہے، تمہارا کی نثر میں شاعری کی ہے کم بخت نے۔ اور سب سے مزے دار بات یہ ہے کہ ابھی دو تین ماہ ہوئے حضرت نے میرے سامنے ایک سو بیالیس روپے میں ایک قلم خریدا تھا۔ وہ کسی کو نذر کر دینے کی اطلاع دی ہے۔ کیا تم نہیں سوچتے کہ جہاں اتنی ساری حماقتیں یکجا ہو جائیں وہاں کیوپڈ خاموش کھڑا رہے گا؟ مجھے شک ہے کہ علامہ یقیناً کسی کو دل دے بیٹھے ہیں۔ یار عجیب حالت ہے اُس کم بخت کی۔ جہاں بھی اُس کا تبادلہ ہوا کیسی ہی خشک اور ویران جگہ کیوں نہ ہو ایک آدھ دوشیزہ مجبوبائیں پیدا کر ہی لیتا ہے۔ حیرت ہے قسم خدا کی۔ یہاں ہم سٹرکی سی روشنی کے پیچھے کب سے پڑے ہیں۔ لیکن اب تک کم بخت نے ایسے مواقع نہیں پیدا کئے کہ ایک سو بیالیس روپے کا قلم نہ سہی چھ آنے کی پنسل ہی پیش کر سکیں۔

تمھاری پدما کا کیا حال ہے؟ یار اِس سلسلے میں تم بہت ہی کم ظرف واقع ہوئے ہو۔ کبھی کچھ نہیں لکھتے۔ ارے ہاں خوب یاد آیا۔ پدما کی رشتہ داری بھی تو نجمی کے یہاں تم نے بتائی تھی۔ غالباً یہ بھی تو تم نے کہا تھا کہ پدما نے ایف۔ اے تک بہار ہی میں پڑھا ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے اور اُدھر میرا شک درست ہے تو مولانا نجم الحق قبلہ کے پیٹ میں پیار تو ہضم ہو نہیں سکتا۔ جلد ہی حضرت اُگل دیں گے۔ پھر پتا سے پتہ چلے گا کہ وہ کون ہے، کیسی لڑکی ہے؟ نجمی کو خط ضرور لکھو کہ اُس نے آنے کا ارادہ کیوں بدل دیا۔ ماتا جی کو میرا سلام پیش کر دو۔

تمھارا ——— سرفراز

اب

اپنا پسندیدہ

واٹر بریز کمپاؤنڈ

وٹامنوں

سے بھرپور

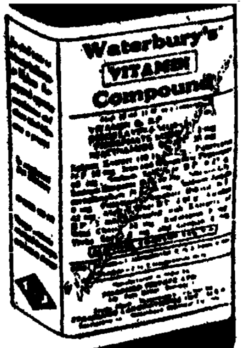
صحت افزا ٹانک

حاصل کیجئے

بالضرور صاف سرپوش دیکھئے

اب آپ ہندوستان کا پسندیدہ اور وٹامنوں سے بھرپور صحت افزا ٹانک خرید سکتے ہیں۔ واٹر بریز کمپاؤنڈ کے مشہور نسخہ میں ایک صحت افزا اور قوت بخش وٹامنوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو آپ کے لئے کئی طور پر مفید ہیں۔ پٹھوں میں اضافہ کرتا، کھوئی ہوئی طاقت اور قوت کو بحال کرتا، رگوں میں مضبوطی لاتے ہوئے پٹھوں کو سخت بناتا اور بیماریوں کو دور رکھنے کے قابل بناتا ہے۔ بیماری کے بعد صحت کو بہت جلد بحال کرتا ہے۔

زعفرانی رنگ کا لیبل دیکھئے



واٹر بریز

وٹامن

کمپاؤنڈ

آپ کی غذاؤں کو تقویت بخشتا ہے

اور یہ بھی ملتا ہے — لال لیبل والا واٹر بریز کمپاؤنڈ جس میں کریوسوٹ اور گیاکول شامل ہیں اور جو نزلہ زکام اور کھانسی کے لئے بہت مفید ہے۔



بمبئی - ۲۰ اکتوبر ۵۹ء

شانتی ڈارلنگ! خوش رہو۔

تم پھر ماسٹر نیواسٹو کو بھول تو نہ ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ ہم لوگ کئی برسوں کے بعد مل رہے ہیں۔ دگنی ملاقات بھی ہو رہی ہے۔ یہ خط محض تم سے یہ شکوہ کرنے کی غرض سے لکھ رہا ہوں کہ تم نے چپکے چپکے شادی کر لی۔ سو تو ہوا ہی۔ پھر پیار بھی تم چپکے چپکے ہی کر رہی ہو۔ عجیب تماشا ہے۔ کچھ معلوم ہوتی ہو اس میدان میں۔ ورنہ تمھیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ پیار ہمیشہ اپنے ساتھ ایک رازدار کو جنم دیتا ہے (ظاہر ہے یہ منصب تم مجھے دوگی۔) اور پھر تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ عشق اور مشک چھپانے سے نہیں چھپتے۔

لیکن شانتی! تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ تم نہ صرف اپنے خاوند کی محبت اور اس کے بھروسے کو مجروح کر رہی ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم بھی کر رہی ہو۔ میں کوئی دقیانوسی لڑکی نہیں، لیکن بہرحال عورت ہوں۔ ممکن ہے تمھیں بھی میرے اور مسٹر بل کے تعلقات کا علم ہو۔ لیکن میں اس بات کی قائل ہوں کہ کنوارپن تک عشق کرنا جائز ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس پیار میں صرف اور صرف ایک دوسرے کو سمجھنے، پرکھنے اور جیون ساتھی بنانے کے لیے منتخب کرنے کا جذبہ ہو۔ لیکن تم نے تو گنگا ہی الٹی بہا دی۔ شادی سے پہلے کی سیدھی سادی گائے کی سی شانتی شادی کے بعد پیار کرنے لگی؟ مجھے کالج کا وہ زمانہ آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔ جب تقریباً ہر لڑکی کسی نہ کسی سے دلچسپی لیتی تھی لیکن ایک تم تھیں کہ آس پاس سے بالکل بے خبر، بس گھر سے کالج اور کالج سے گھر۔ کبھی کسی پکنک میں تم شریک ہوتیں۔ نہ کبھی تمھیں کسی لڑکے کے ساتھ پکچر میں دیکھا گیا۔ تمھیں بھی یاد ہوگا کہ تمھیں ہم لوگوں نے میرا بائی کہنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اے میرا بائی! تم نے اکتا کے بھجن گانا چھوڑ کر ایک سو بیالیس روپے کے قیمتی قلم سے رومان بھرے خطوط لکھنا شروع کر دیے؟ ممکن ہے شرما جی میں کچھ کمی ہو یا پھر تم ان کو پسند نہ کرتی ہو۔ لیکن اس میں بھی تو تمھارا ہی قصور ہے۔ مجھے معلوم ہے، تمھارے ڈیڈی شروع سے یہی چاہتے تھے کہ تم اپنا جیون ساتھی خود پسند کرو۔ لیکن تم نے کبھی شرم سے گردن جھکا لینے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ مسٹر بل سے ان کے دوست مسٹر نجمی کے رومان کا حال معلوم ہوا تو میں چونک گئی کہ یہ شانتی میرا تو بدھو نہ ہو تم ہی ہو۔ لیکن تم لوگ تو رانچی رہتے ہو نا؟ پھر بنارس کیسے پہنچ گئے؟ مجھے امید ہے کہ تم مجھے تفصیل کے ساتھ ساتھ خط لکھو گی۔ اور مجھے اپنا رازدار ضرور بناؤ گی۔ کاش! تم یہ حماقت ہی ختم کر دو اور رازدار کی پوسٹ کی ضرورت ہی نہ رہے! مسٹر شرما کو پر نام لکھوں یا مسٹر نجمی کو؟ سمجھ میں نہیں آتا! ہاں یہ راکیش کون ہیں جنھوں نے تمھیں اور نجمی صاحب کو ملایا ہے؟ تمھاری کبھی کی

پدما

بنارس - ۱۰ دسمبر ۵۹ء

مائی ڈیئر پدما! خوش رہو۔

رومان کبھی مفید بھی ہو سکتا ہے، اس کا علم مجھے آج ہوا۔ نہ میں رومان لڑاتی نہ تم خفا ہوتیں۔ نہ مجھے خط لکھتیں۔ اور نہ تین سال پہلے کی محبت جاگ اٹھتی۔ تمھاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے خط لکھا۔ چاہے اس کی نوعیت کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ یہ تو درست ہے کہ محبت اپنے ساتھ ایک رازدار کو جنم دیتی ہے۔ لیکن وہ پوسٹ میں تمھیں نہیں دے سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمھارا تعلق مسٹر بل سے ہے۔ اور مسٹر بل نہ صرف نجمی صاحب کے دوست ہیں بلکہ اُن سے اور مسز نجمی سے بھی کافی مراسم ہیں۔ میں اپنی اس محبت کے سلسلہ میں کوئی نصیحت یا مشورہ بھی سننا ضروری نہیں سمجھتی کیونکہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آٹھ مہینے تک اس محبت کو برقرار رکھوں گی۔ اس کے بعد نجمی صاحب کا تبادلہ ہو جائے گا۔ ویسے میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ میں سولہ آنے پتی ورتا استری ہوں جس پہ مجھے ناز ہے اور اس بات کا اندازہ تمھیں مسٹر شرما سے ملنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں مسٹر نجمی نے مجھے ایک بہت ہی قیمتی قلم پریزنٹ کیا تھا۔ لیکن میرے دل کا اکتارہ آج بھی سلامت ہے۔ اور بھگوان نے چاہا تو اس کی دھن تاں ہمیشہ گونجتی رہے گی۔ تم مسز بل کب تک بن رہی ہو؟ ہاں، یہ مسٹر راکیش میرے اور نجمی صاحب کے مشترکہ دوست ہیں۔ ہمیشہ تمھاری ——— شانتی

بنارس - یکم فروری ۶۰ء

سرفراز!

یار! یہ راکیش کا بچہ تو روسیاہ نظر آنے لگا ہے۔ خیر میں ایسا کم ظرف نہیں

بلکہ میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ

مرگِ رقیب کا ہمیں افسوس کم نہیں
بے چارہ معترف تھا ہماری پسند کا

لیکن وہ مرا نہیں ہے، زندہ ہے۔ اور محض ایک رومان کے لئے میں اُس کے مرنے کی تمنا بھی نہیں کر سکتا۔ بقول تمہارے میں جان گیا بہت سی مجبوریاں پیدا کر لیتا ہوں۔ لیکن اس زمانے میں راکیش جیسا دوست نہیں مل سکتا۔ لیکن وہ کم بخت جادوگر ہے اور تم ہی سوچو وہ رقیب اگر جادوگر یا کم سے کم غیب داں بھی ہو جائے تو کتنی خطرناک بات ہے۔ یار ہم دونوں کتنی ہی ہوشیاری سے اور کتنے ہی خفیہ طور پر کوئی پروگرام بناتے ہیں، اُسے خبر ہو جاتی ہے اور وہ بھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ کہیں یہ شانتی بیک وقت ہم دونوں کو تو بے وقوف نہیں بنا رہی ہے۔ چلو اگر یہ بات درست بھی ہے تو اپنا کیا جاتا ہے۔ بے چاری شانتی کا یہی احسان کیا کم ہے کہ اُس کی بدولت اب جی لگ رہا ہے اور صبح بنارس اب ہی دیکھنے کو ملی ہے۔ ورنہ میں کب کا یہاں سے بھاگ چکا ہوتا۔ طبیعت اتنی گھبرا گئی تھی کہ مہینے میں دو بار گھر جاتا تھا پھر بھی تبادلے کے لئے کوشاں تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر تبادلہ نہ ہو سکا تو ریزائن بھی کر دوں گا۔ زینت مصر تھیں کہ میں بنارس ہی رہوں۔ کیونکہ انھیں پتہ نہیں کیسے یہ خبر مل گئی تھی کہ یہاں ایک سال گذارنے کے بعد میری ترقی ہو جائے گی۔ اور یہ بات بھی ٹھیک ہی نکلی۔ عنقریب میری ترقی ہونے والی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ تبادلہ بھی۔ ایک خوشی اور ایک غم۔ کاش ابھی میرا تبادلہ نہ ہو۔ لیکن حالات ازل سے ہی محبت کے دشمن رہے ہیں۔

تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے؟ اب کے رانچی جاؤ تو ذرا کانکے ہو آنا۔ پگلے! میں اور کسی واہیات بات کی طرف قدم اُٹھاؤں۔ بھئی سنو، ہوس محبت کی موت ہو یا نہ ہو میں یہ نہیں جانتا۔ لیکن اتنی بات ضرور جانتا ہوں کہ محبت میں اگر جنسی جذبے شامل ہو جائیں تو پھر محبت محبت نہیں رہتی۔ کچھ اور ہو جاتی ہے جو مجھے پسند نہیں۔ شانتی بھی میری دوست ہے جیسے تم۔ میں اُس سے محبت کرتا ہوں، ٹھیک ہے۔ جیسے تم نے ہاں راکیش سے اُس کے تعلقات کیسے ہیں میں نہیں جانتا۔ اور نہ میں نے کبھی جاننے کی ضرورت ہی محسوس کی ہے۔ بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ جب میرا تبادلہ ہونے لگے تو میں شانتی کو وصیت کر جاؤں کہ وہ راکیش سے شادی کر لے۔ یار! میں سچ کہتا ہوں ہماری محبت کسی فلمی، ڈرامائی یا افسانوی انداز میں شروع نہیں ہوئی [illegible] وہ راکیش نے کرایا جو تمھیں اپنی ایک خاتون دوست سے [illegible] میں ملے اور بس۔ ہاں راکیش سے میری ملاقات البتہ فلمی انداز میں ہوئی تھی۔ ایک دن ایک لمبی چوڑی سنسان سڑک پر ہماری سائیکلیں ٹکرا گئی تھیں۔ حیرت ہے کہ ویسی سنسان اور چوڑی سڑک پر ہماری سائیکلیں ٹکرا ہی کیسے گئیں۔ شاید معلوم ہوتا ہے کہ کم بخت نے جان بوجھ کر ٹکرائی تھی۔ ہم دونوں سوری کہتے ہوئے کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھے اور اپنا اپنا تعارف کرا بیٹھے۔ بس دوستی ہو گئی۔ اب تو کم بخت دوستی کے آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہے۔ یعنی رقیب ہو گیا ہے۔ لیکن ہم میں بے پناہ پیار ہے۔ ٹھیک جیسے ہم تم ہیں۔ مجھ میں اور شانتی میں وغیرہ ایک بات جانتے ہو، یہ ببلی جس لڑکی سے رومان لڑا رہا ہے وہ کم بخت شانتی کی ہم جماعت ہے۔ شانتی نے بتایا کہ اُس نے، کیا نام ہے، ہاں پدما! تو اُس پدما کو ہم سب نے شانتی کو لعنت ملامت کی ہے۔ میں نے شانتی سے اُس کا خط پڑھنے کو مانگا لیکن اُس نے بتایا کہ اپنے والدین کے خوف سے پدما کا خط فوراً ہی اُس نے جلا ڈالا۔ میں نے ببلی کو لکھا ہے کہ وہ اپنی پدماوتی کو سمجھا دے کہ خواہ مخواہ کیوں بور کر رہی ہے۔ ببلی کب تک رانچی پہنچے گا، کوشش کروں گا کہ اُس کی موجودگی میں ایک بار ضرور پہنچوں۔ ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہو گی۔ پھر بمبئی چلا جائے گا تو دو تین سال غائب رہے گا۔ تم پھر کب تک رانچی جاؤ گے؟ یار! تو بھی کوئی شغل تنہا سا رومان شروع کر دے۔ کیوں جلتا ہے ہم سے، وہ تو ہی کو گولی مار و پیارے۔ کسی اور کو تلاش کر و۔ لکھو تو میں مدد کر دوں؟ اماں جی کو خط لکھو تو میرا سلام ضرور لکھ دو!

تمہارا
نجمی

رانچی۔ ۱۶ مارچ ۱۹۷۰ء

پیارے نجمی!

اب تو میرا شک یقین میں بدلتا جا رہا ہے کہ آج سے کئی ماہ پہلے میں نے جو تمھیں ایک خط لکھا تھا تم اُس کا برا مان گئے ہو۔ گو یہ بات تمہارے خطوں سے ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن ہم دونوں تو ایک دوسرے کے دل کی بات جاننے کے عادی ہو گئے

ہیں۔ اب تم ڈیڑھ سو روپے ہر ماہ زائد کما کرتے ہو لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ ڈیڑھ سو، ڈیڑھ سو ہزار، ڈیڑھ لاکھ یا ڈیڑھ کروڑ روپے بھی تمھاری جدائی کا غم بھلا سکتے ہیں؟ میری جان! اب تمھیں گئے پورے چھ ماہ ہو رہے ہیں۔ لیکن اب تک تم نے آنے کے بارے میں کچھ لکھا تک نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ تم اپنی پیاری روبی کی سالگرہ پر بھی نہیں آئے۔ اب جون میں بچی کی سالگرہ ہے۔ بچی کی یہ پہلی سالگرہ ہے۔ اگر تم نہ آئے تو تقریب کیسی پھیکی رہے گی؟ خدا کے لئے ابھی سے چھٹی کی درخواست دے دو اور جون سے پہلے پہنچ جاؤ۔

خوشی ہوئی تم اب افسانے لکھنے لگے ہو۔ لیکن ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گے؟ تمھارے افسانے کچھ ایسی باتوں کی مثل کھاتے ہیں آجکل، جن باتوں کو ماننے کے لئے میرا دل تو کبھی تیار نہیں۔ لیکن دماغ کہتا ہے مان لو۔ خدا کرے تم بخیر ہو۔ جی تو چاہتا ہے کہ دن رات بس تمھیں خط لکھتی رہوں۔ لیکن اس کا حاصل بھی کیا ہے؟ روبی اور بچی بخیر ہیں۔

تمھاری

زینو

مائی ڈیئر بخمی صاحب!

میں حسبِ وعدہ شام کے وقت نہیں آسکوں گی بھوپال جا رہی ہوں۔ وہاں میری ایک چچازاد بہن سخت بیمار ہے۔ میری وہ بہن میری بہن ہی نہیں، میری زندگی بھی ہے۔ میری سب کچھ ہے۔ بھگوان کرے وہ اچھی ہو جائے آپ بھی دعا کریں۔

شانتی

۲۳ر اپریل ۶۰ء

امیر گنج۔ بھوپال

۲۶ر اپریل ۶۰ء

مائی ڈیئر بخمی صاحب!

اِس سے زیادہ اور کیا لکھوں کہ شانتی مرگئی۔ شانتی کی جان اُس کے جسم سے نکل گئی۔ رات دو بجے میری پیاری بہن دار دعا جو سے روٹھ کر چلی گئی ہے۔ کاش موت کے فرشتے مجھے لے جاتے۔ میں کب آؤں گی؟ آ بھی سکوں گی یا نہیں؟ کہہ نہیں سکتی۔

آپ کی

شانتی

رانچی۔ ۱۰رمئی ۶۰ء

پیارے کمل!

حیران ہوں کہ یہ خط کس طرح شروع کروں؟ میں ایک افسانہ نگار ہوں لیکن میری عقل بھی حیران ہے کہ یہ افسانہ کیسے شروع کروں اور کہاں سے؟ حالات نے مجھے کچھ ایسا افسانہ بنا کر رکھ دیا کہ میں تم جیسے پیارے دوست سے ملنے بھی نہ آسکا۔ خیر! ان آٹھ مہینوں میں میں نے (دراصل تمھاری بھابی نے) اتنے پیسے جمع کرلئے ہیں کہ میں تم سے بہت جلد بمبئی آکر ملوں گا۔ پچھلے ہفتے تمھیں میرا خط ملا ہوگا کہ شانتی اپنی ایک پیاری بہن کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکی اور اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے مرگئی۔ اور آج میں تمھیں جو کچھ لکھنا چاہ رہا ہوں اُس کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔ کیونکہ آج ہی مجھے اپنے گرامی قدر بھائی خوشتر گرامی صاحب کے حکم کی تعمیل میں "بیسویں صدی" کے افسانہ نمبر کے لئے ایک بہترین افسانہ لکھنا ہے میں تو چلا اپنے لکھنے کے کمرے میں۔ اور تمھارے لئے۔ بس یہی کافی ہے۔ شانتی کا ایک خط تمھاری بھابی کے نام!

تمھارا

بخمی

بنارس۔۔ ۲۰ر اپریل ۶۰ء

پیاری زینو، سدا سُہاگن رہو!

بہت بنتی تھیں میری بنّو میٹریلسٹ! کہاں گئی تمھاری میٹریلیزم؟ بس گھبرا گئی تو محض سات ہی مہینوں میں، جیسے تیرے پتی میں شہد ہی تو لگے ہیں کہ چاٹ جاؤں گی میں، حد ہوگئی۔ دھڑا دھڑ تیرے تین تین خط ملے اور ہر خط میں بس یہی بات کہ اب میرا دل گھبرانے لگا ہے۔ زینو! تُو میرے ساتھ اتنے دنوں تک رانچی میں رہ چکی ہے۔ پھر بھی تُو مجھے پہچان نہ سکی۔ اور پھر کیسی احمق ہے تو؟ مان لیا جائے کہ کیوپڈ موقع محل کا خیال نہیں کرتا۔ لیکن تیرے جیجا بھی تو اِس کھیل میں شریک ہیں۔ اور پھر

کا اچھا تو تمھارا جی دیتا ہے۔ مسٹر شرما، راکیش کے روپ میں بھی صاحب کو یقیناً رقیب روسیاہ نظر آتے ہوں گے۔ لیکن اُن کا دل راکیش کی طرف سے کبھی میلا نہیں ہوا۔ میں نے کئی بار راکیش کی بُرائی بھی بیان کی تو اُنھوں نے بتایا کہ راکیش اُن کا بہترین دوست ہے۔

گھبراؤ نہیں میری جان، اب مسٹر بھی کی ترقی اور تبادلے کی فائل ٹیبل اَپ ہو چکی ہے۔ ویسے ہی اب ہم دونوں یعنی میں اور مسٹر شرما یہ ناٹک ختم کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن مسئلہ یہی زیرِ غور تھا کہ ناٹک کا اختتام ٹریجیڈی ہو یا کامیڈی؟ کل تمھارا تیسرا خط ملا تو ہم لوگوں نے رات ناٹک کے انجام کے بارے میں سوچ لیا ہے۔ ناٹک کا انجام یہ ہے کہ ہیرو کی بیوی نے خود ہی ہیروئن سے سفارش کی تھی، خوشامد کی تھی کہ وہ اُسکے خاوند سے محبت کرے۔ تاکہ بنارس میں اُس کے خاوند کا جی لگا رہے۔ اور کم سے کم اپنی ترقی تک وہاں رُک جائے۔ اِس لئے ہیروئن ہیرو سے محبت کرتی رہے گی سچی محبت! اور ہیرو کی بیوی غم میں گھلتی رہے گی۔

انجام پسند آیا تمھیں؟

دل دھڑکنے لگا؟

میری جان ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک دن مسٹر بھی کو شانتی کا ایک مختصر سا خط ملے گا کہ اُس کی جان سے پیاری چچازاد بہن بھوپال میں سخت بیمار ہے۔ اور وہ بھوپال جا رہی ہے۔ ایک ہفتہ بعد شانتی مسٹر بھی کو بھوپال سے مطلع کرے گی کہ اُس کی وہ بہن مر گئی۔ اور پھر اُس کے تیسرے دن مسٹر راکیش آنکھوں میں گلیسرین کے آنسو بہاتے مسٹر بھی کے پاس پہنچیں گے۔ اور بتائیں گے کہ شانتی کے چچا نے اُسکے چاچی کے پاس تار دیا ہے کہ شانتی مر گئی!

کل ہی مسٹر شرما بھوپال کے اپنے ایک دوست کو خط لکھ رہے ہیں اور میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کارڈ بھی بھیج رہے ہیں۔ جسے ٹھیک وقت پر بھوپال سے پوسٹ ہونا ہے۔

سُنو مسٹر بھی وقتاً فوقتاً مجھے جو کچھ پریزنٹ کرتے رہے ہیں وہ سب کچھ الگ پارسل سے بھیج رہی ہوں۔ جس کی فہرست یہ ہے:-

۱۔ قلم عمدہ ——— ایک عدد
۲۔ قلم معمولی ——— ایک عدد
۳۔ وینٹی بیگ ——— ایک عدد
۴۔ ساڑی کریپ ——— ایک عدد
۵۔ ساڑی جارجٹ مع بلاؤز و سایہ ——— ایک سُوٹ
۶۔ بیڈ شیٹ ——— تین عدد
۷۔ شلوار جمپر ——— ایک سُوٹ
۸۔ دُھوپ کی عینک ——— ایک عدد
۹۔ گھڑی کا فیتہ ——— ایک عدد
۱۰۔ ناول ——— چھ عدد

دل اُنھوں نے دیا ہی نہیں تھا۔ صرف بکواس کرتے رہتے تھے۔ ورنہ وہ بھی پارسل میں شامل کر دیتی۔

روبی اور بھی کو پیار کرو! تمھاری
شانتی

مضمون نگار حضرات سے درخواست

ہے کہ وہ بیسویں صدی کے لئے مضامین لکھتے وقت ہمیشہ اختصار سے کام لیا کریں۔ بغرضِ اشاعت موصول ہونے والے مضامین میں سے مختصر افسانوں کو طویل افسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور طویل افسانے مضمون نگاروں کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ غیر مطبوعہ مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ بھیجیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔

(ایڈیٹر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

غزلیں

امر چند قیس

مانتے ہیں ابتدائے دوستی ہم سے ہوئی
کیا خطا اس کے سوا کچھ اور بھی ہم سے ہوئی

سچ ہے الفت میں کمی جو بھی ہوئی ہم سے ہوئی
بے خیالی، بے رُخی، بیگانگی ہم سے ہوئی

اب نہ منزل کا نشاں کوئی نہ گھر کی کچھ خبر
کیا کہیں اے خضر! کیا بے رہ روی ہم سے ہوئی

صورت آبادِ جہاں تو اک سیہ خانہ ہی تھا
بارگاہِ ذات میں بھی روشنی ہم سے ہوئی

عشق میں غیرت نے آخر حسن پیدا کر دیا
دیکھ کر خودداریٔ اُنھیں وابستگی ہم سے ہوئی

تم ہو بے ثابت قدم بالکل بجا برحق درست
جادۂ الفت میں جو لغزش ہوئی ہم سے ہوئی

قیس! یہ روشن تھا وہ ہے دشمنِ مہر و وفا
با وجود اس کے بنائے دوستی ہم سے ہوئی

بانو طاہرہ سعید بی۔ اے

جا رہی ہے بہار پھولوں کی
ہے قبا تار تار پھولوں کی

سینچئے پہلے خونِ دل سے چمن
دیکھئے پھر بہار پھولوں کی

اُن کے ہونٹوں پہ تھرتھراتی ہے
مُسکراہٹ ہزار پھولوں کی

جس کو کہتے ہیں ہم بہار و خزاں
وہ تو ہے جیت ہار پھولوں کی

سچ بتا کیوں خموش ہے بلبل
اے صبا راز دار پھولوں کی

آ گئے وہ بھی آج تربت پر
پیش کش لے کے چار پھولوں کی

کیا قفس میں بھی گُل کھلائے گی
یاد یوں بار بار پھولوں کی

طاہرہ آج تیرے شعروں میں
ہے مہک بے شمار پھولوں کی

آفتاب احمد ایم۔ اے

حکم ہے ہم کو بھلا دے کوئی
دل سے ہر نقش مٹا دے کوئی

کتنے لمحوں کو فراموش کرے
کتنی یادوں کو بھلا دے کوئی

کس طرح دل کی ہر اک دھڑکن کو
موت کی نیند سلا دے کوئی

اس نگر کا تو ہے دستور یہی
درد دے کوئی، دعا دے کوئی

آج تاریک ہے کیوں شہرِ خیال
یاد کی شمع جلا دے کوئی

بھولنا اس کو تو ممکن ہی نہیں
اب یہ ہو، خود کو بھلا دے کوئی

ہے شبِ ماہ کوئی پاس نہیں
اس کو چپکے سے بلا دے کوئی

تیسرا جنم

م۔ک۔ مہتاب ایم۔اے

ای۔جی۔۹۰۴ پریم نگر جالندھر

۱۴ جون ۱۹۶۹ء

مکرمی و محترمی خوشتر صاحب! آداب

.... افسانہ نمبر جمالیاتی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے یقیناً اردو کے افسانوی ادب کی تاریخ میں ایک اور سنگ میل ہے۔ جس کے لئے میری مبارک باد قبول فرمایئے..... ایک افسانہ "تیسرا جنم" ارسال کر رہا ہوں۔ زندگی کے سفر میں کئی ایسے مقام آتے ہیں جہاں زندہ رہنے کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ لیکن وہیں سیاہ بادلوں کی اوٹ سے کوئی چمک نئی زندگی کا اشارہ کر جاتی ہے ایسے ہی ایک جذبے کے تحت یہ افسانہ سپرد قلم کیا ہے۔ اُمید ہے آپ اور بیسویں صدی کے قارئین اسے شرف قبولیت عطا کریں گے۔

....

نیاز کیش ——— م۔ک۔ مہتاب

"اِن سے ملئے پتا جی۔ یہ ہیں میرے فرینڈ، میرے کلاس فیلو مسٹر نریش، وہی جن کے متعلق میں نے آپ سے کہا تھا کہ اِس برس ایم۔اے اکنامکس میں اوّل آئے ہیں"۔ سریتا نے نریش کا تعارف اپنے پتا جی سے کراتے ہوئے کہا۔ اور بدری داس اور اُن کی بیوی کے سامنے اکیس بائیس برس کا ایک گورا چٹا نوجوان ہاتھ جوڑ کر ایک شگفتہ غنچے کی مانند مسکرانے لگا۔ بدری داس جی نریش کو ایک ہی نظر میں سر سے پاؤں تک دیکھ گئے۔ اُس کے گھنے بھورے بال تیز ہوا سے بے ترتیب ہو رہے تھے۔ نیلی آنکھیں بلور کی مانند چمک رہی تھیں۔ چوڑے سینے پر آسمانی رنگ کی ریشمی نکٹائی ہوا سے ہل رہی تھی اور وہ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے قدرے پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

یونیورسٹی کیمپس کے ارد گرد طلباء اور طالبات کی نوجوان ٹولیاں کالے گاؤن اور رنگ برنگے لباس پہنے گھوم رہی تھیں۔ کنووکیشن شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ پنڈال کے چپے چپے پر لگے لاؤڈ سپیکروں سے ... اور وقتی طور پر [illegible] بار بار ... کیا جا رہا تھا۔ لاؤڈ اسپیکر پر مختلف زمروں کے ڈگریاں پانے والوں کو پنڈال کے اندر بلایا جا رہا تھا۔ بدری داس جی سڑک کے کنارے اپنی کار کے قریب کھڑے منہ میں انگلی دبائے بار بار نریش کو دیکھ رہے تھے۔ اور نریش ہاتھ کی مضطرب انگلیوں میں ایک شناختی کارڈ کو مسلتا ہوا نوجوانوں کے اِس میلے میں کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ نریش نے ہاتھ جوڑ کر اجازت مانگی۔ لیکن بدری داس جی نے اُسے روکتے ہوئے کہا

"ٹھہرو بیٹا! ابھی تو گورنر صاحب کے آنے میں دیر ہے۔ ہاں بیٹا! اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔ تمہارے پتا جی کا نام اندر سین ہے نا؟"

"جی ہاں!"

"وہ نہر کے محکمے میں کام کرتے ہیں نا؟"

"جی ہاں وہ ایگزیکیٹو انجینئر ہیں"۔ نریش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور تمہاری ماتا جی کا نام شکنتلا ہے نا؟"

"جی ہاں!" نریش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور تمہارے نانا شری سیالکوٹ کے جانے مانے ... تھے؟"

"جی ہاں! مگر یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہے؟" نریش نے قدرے حیرانی سے پوچھا

بدری داس جی نے کوئی جواب دینے کی بجائے نریش کو گلے لگا لیا۔ اور اُس کی پیشانی کو چومتے ہوئے بولے۔

"بیٹا! یہ تم نہیں جانتے، آج سے کوئی اٹھارہ برس پہلے میں نے تمھیں لاہور میں دیکھا تھا۔ یہی بھورے بال، یہی نیلی آنکھیں، یہی کوئی بالشت بھر کے! لیکن اب تو تم اپنے پتا جی کی مانند لمبے چوڑے نکل آئے ہو۔ تمھارا چہرہ تو ہو بہو تمھاری ماں شکنتلا پر گیا ہے۔ بچپن میں تم بہت شریر تھے۔ تم نے آتے ہی میری دوات میز پر اُلٹ دی۔ اور جانتے ہو میں نے تمھیں سزا دینے کی بجائے سیاہی میں اُنگلیاں ڈبو کر تمھارے چہرے پر سب طرف لکیریں کھینچ دیں۔"

یہ کہتے کہتے بدری داس جی کی آواز حلق میں اٹکنے لگی۔ اور آنسوؤں کے قطرے آنکھوں میں تیرنے لگے۔

ایم۔اے کی ڈگریاں پانے والوں کو پنڈال میں بُلایا جا رہا تھا۔

سریتا کار میں سے اپنا گاؤن اُٹھا لائی۔ اور نریش کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ "ٹھہرو، سب ساتھ ہی اندر چلتے ہیں۔ اِتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"کچھ نہیں سریتا! لڑکیاں کتنا بھی پڑھ جائیں بے وقوف ہی رہتی ہیں۔ آدرش کو بھی میرے ساتھ ہوشیار پور سے آئی تھی۔ اُس کا شناختی کارڈ میرے پاس موجود ہے۔ اور وہ کل ریہرسل کے بعد میرا گاؤن اور ہڈ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ کنووکیشن شروع ہونے والی ہے لیکن اُس کا کچھ پتہ ہی نہیں۔ نہ جانے کہاں مر رہی ہے!"

اِتنے میں لوکل بس سڑک پر آ کر رُکی اور اُس میں سے نارنجی رنگ کی ساڑی پہنے ایک پتلی سی لڑکی اُتر کر پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

نریش دوڑ کر اُس کے پاس پہنچا۔

"معاف کرنا نریش! وہ بائیس سیکٹر والی چندر کانتا صبح مجھے جھیل پر بوٹنگ کرانے لے گئی۔ وہاں بس ملنے میں دیر ہو گئی۔"

سب لوگ پنڈال میں چلے گئے۔ گورنر کی کار آ گئی۔ بینڈ بجنے لگا۔ کنووکیشن کا جلوس پنڈال میں داخل ہو گیا۔ ڈگریاں تقسیم ہونے لگیں۔ تالیاں بجنے لگیں لیکن بدری داس جی اِن سرگرمیوں سے بے خبر کرسی کے بازو پر کہنی ٹِکائے، آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے اور اُس دن کی یاد میں کھوئے ہوئے تھے جب ایک دن اسی طرح دیال سنگھ کالج لاہور میں کنووکیشن ہوئی تھی۔ وہ بھی گون پہنے ڈگریاں لینے والوں کی قطار میں بیٹھے تھے

لیکن ڈگری سے زیادہ خوشی انھیں اِس بات کی تھی کہ اُن کے والد کا ایک عہد پورا ہو گیا تھا۔ اب اُن کے والد اپنے سکریٹری سے اُن کی لڑکی کے رشتے کے بارے میں کہہ سکتے تھے۔ اور شکنتلا بھی تو یہی چاہتی تھی کہ وہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد خود ہی اپنی ماں سے بدری داس جی کے بارے میں کہہ دے گی۔ وہ ڈگریاں لے کر شکنتلا کی کار میں اُن کی کوٹھی پر آ گئے۔ اُس دن وہ کھانے کی میز پر کتنی دیر تک قہقہے لگاتے رہے۔ بدری داس جی نے اپنی سند شکنتلا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

"یہ میری امانت ہے! پہلی رات تم سے واپس لوں گا۔"

اور اِس کے جواب میں شکنتلا نے اپنی سند دستخط کر کے بدری داس جی کے حوالے کر دی۔ وہیں سے اُنھوں نے اپنے والد صاحب کو ٹیلیفون پر اُن کا وعدہ یاد دلایا جس کے جواب میں اُنھوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ وہ آج ضرور سکریٹری صاحب سے بات کریں گے۔

لیکن شام کو جب بدری داس جی کے والد گھر آئے تو اُن کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور اُن کے پاس خوشی کے کسی پیغام کی بجائے بدری داس جی کا اپوائنٹمنٹ لیٹر تھا سکریٹری صاحب کی مہربانی سے اُنھیں لاٹ صاحب کے دفتر میں اسسٹنٹ کی اسامی مل گئی تھی۔ مگر سکریٹری صاحب کی لڑکی کے لئے کسی سیکشن افسر کا نہیں، کسی چیف سکریٹری کا لڑکا ہی موزوں ہو سکتا تھا۔ پھر شکنتلا کا ہونے والا منگیتر تو لندن میں انجنیئرنگ کی تعلیم پا رہا تھا۔

بدری داس جی کی دُنیا میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ محبت کے دیئے طوفان کے ایک ہی تھپیڑے نے بُجھا ڈالے۔ شکنتلا نے اپنی ماں کے پاؤں اپنے گرم گرم آنسوؤں سے دھو ڈالے۔ مگر سکریٹری صاحب کی تنی ہوئی گردن میں رتی بھر لچک نہ آئی۔ بدری داس جی کے والد کی زبان بچوں کے احساسات کی ترجمانی کے لئے مُنھ میں تڑپتی رہی۔ لیکن سکریٹری صاحب کی دہکتی ہوئی آنکھوں کے سامنے اُن کے ہونٹ نہ کھُل سکے۔

بدری داس اور شکنتلا نے گھر سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن اُن پر تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ پھر ایک رات وہ بدری داس کے مکان پر چلے، اور کہیں روشنی کی کوئی کرن نہ پا کر چائے کی پیالیوں میں زہر اُنڈیل لیا۔ پیالیوں کو ہونٹوں تک پہنچنے کے لئے ابھی کچھ راستہ طے کرنا تھا کہ بدری داس کے پتا جی دروازہ [illegible]

ستو جھکتے ہوئے اندر آئے اور پیالیاں اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیں۔ وہ ہاتھ باندھ کر بدری کے آگے گڑگڑاتے ہوئے بولے۔

"بٹیا کیوں اِس طرح اپنی زندگی سے کھیلتے ہو۔ میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیکھا ہے۔ تمھارا میل نہیں ہو سکتا۔ تمھاری اور کتنی حسرتیں ہیں جو اِس زندگی میں پوری نہیں ہوتیں۔ سمجھ لو کہ یہ بھی ایک کوشش تھی جس میں تم ناکام رہے۔ ضروری نہیں کہ انسان کی ہر خواہش یہاں پوری ہو جائے۔ محبت ایک لافانی جذبہ ہے۔ یہ چکر اِسی جنم میں ختم نہیں ہو جاتا۔ جنم جنم تک چلتا ہے۔ اگر تمھارا پیار سچا ہے تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تم آئندہ جنم میں پھر ملو گے۔ اور یہ سلسلہ اُس وقت تک چلتا رہے گا جب تک تمھاری رُوحیں ایک نہیں ہو جاتیں۔ تمھیں میری اِن روتی ہوئی آنکھوں کا واسطہ ہے۔ میں تمھیں اِن لرزتے ہوئے ہاتھوں کی سوگند دیتا ہوں بیٹیا میں نے ایک دوست کی مانند تمھارے راستے سے کانٹے صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس سعی میں میرے ہاتھ زخمی ہو گئے اور راستہ صاف نہ ہو سکا۔ تمھیں میرے اِن چھالے کی قسم ہے۔ اِس راستے سے ہٹ جاؤ۔ شکنتلا بٹیا تمھارا ہونے والا منگیتر جلد لندن سے آ رہا ہے۔ اپنے باپ کی حکم عدولی کر کے اپنے خاندان اور وقار کو بٹہ نہ لگاؤ۔ ایک وفاشعار ہندوستانی لڑکی کی طرح اپنے شوہر کی خدمت کرو۔ اور بھول جاؤ کہ بدری کبھی تمھاری زندگی میں آیا تھا۔"

آنسوؤں کی باڑھ بدری داس جی کی پلکوں کی فصیل توڑ کر اُن کی پلکوں سے رُخساروں پر پھیل گئی۔ جسے اُنھوں نے جلدی سے رُومال سے صاف کر دیا۔

ڈگریاں بٹ چکی تھیں۔ اور اب گورنر صاحب اوّل رہنے والوں کو گولڈ میڈل تقسیم کر رہے تھے۔

اناؤنسر نے پکارا۔

"نریش کھنہ آف یونیورسٹی کالج ہوشیار پور۔ فرسٹ کلاس، فرسٹ اِن اکنامکس!"

اور نریش کسی معصوم فرشتے کی مانند مسکراتا ہوا ڈائس کی جانب گیا۔ بدری داس جی تالی بجانے لگے۔ سریتا بھی تالی بجاتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بدری داس جی اپنی بیوی کی جانب جھک کر آہستہ سے بولے۔

"کیوں رادھا، لڑکا پسند ہے تمھیں؟"

"کیوں نہیں، اِس سے اچھا لڑکا کہاں ملے گا؟ مگر وہ اِتنے بڑے گھر کا بیٹا ہے، ہماری کون سُنے گا وہاں؟"

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پھر ہم کیا کم ہیں۔ میں بھی تو انڈر سکریٹری ہوں۔ سب سے بڑی چیز لڑکی لڑکے کی رضامندی ہے۔ دیکھا نہیں سریتا کیسے اُٹھ کر تالی بجا رہی تھی۔ میں اِس کی ماں کو بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ بھلا وہ میرا کہا ٹال سکتی ہے؟"

اور بدری داس جی کے ذہن کے پردوں پر ناکامیوں کے کھنڈروں میں سے پریم کے نئے شعلے اُبھرنے لگے۔ جن کے گھنٹوں کی آواز سے اُن کے جسم کا تار تار جھنجھنا اُٹھا۔ وہ اُس دن کے خیال سے جھوم گئے جب پھولوں سے ڈھکا ہوا نریش اُن کی کوٹھی کے دروازے پر گھوڑی سے اُترے گا اور سریتا دلہن بنی آگے بڑھ کر اُس کے گلے میں پھول مالا ڈالے گی۔ یہ نریش اور سریتا کا نہیں، بدری داس اور شکنتلا کا ملاپ ہوگا۔

کنووکیشن ختم ہو گیا۔

پنڈال سے باہر آ کر بدری داس جی نریش سے پھر بغل گیر ہوئے۔ اور بولے۔

"تمھاری اِس امتیازی کامیابی سے بے حد مسرت ہوئی ہے بٹیا۔ اِسی خوشی میں دوپہر کا کھانا آج ہمارے ساتھ کھاؤ!"

اور وہ نریش کو کھینچتے ہوئے کار میں لے آئے۔ اُنھیں نریش کے جسم سے ایک خاص خوشبو آ رہی تھی۔ جیسے اُن کے دماغ میں مدت سے مُرجھائی ہوئی کوئی کلی پھر کھل اُٹھی ہو۔

اور ہوٹل کی میز پر پُرتکلف لنچ چنا گیا۔ بدری داس جی اور اُن کی بیوی نریش کے ہلکے پھلکے مزاح اور باتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

"پتا جی! نریش کی اِنھی باتوں نے تو کالج میں سب کو اِس کا دیوانہ بنا رکھا تھا" سریتا نے نریش سے مذاقاً کہا۔

نریش ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے بولا۔

"شی.... بزرگوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ ٹھیک کہتے ہیں کہ لڑکیوں کی عقل اُن کی چوٹی میں ہوتی ہے۔ مگر تم نے تو چوٹی ہی کٹوا رکھی ہے۔ تمھاری عقل تو کسی ہیر ڈریسر کے ہاں پڑی ہوگی۔" اور سب زور زور سے ہنسنے لگے۔

نرش! تمھارے والد کا ایڈریس کیا ہے، ذرا مجھے نوٹ کرا دینا" بدری داس جی نے پوچھا۔

نرش نے دائیں ہاتھ سے سند اور کاغذات میز پر رکھ دیئے۔ اور کوٹ کی جیب سے ڈائری اور پین نکالنے لگا۔ کھڑکی میں سے ہوا جھونکا آیا اور کاغذات میز سے اُڑ کر فرش پر جا گرے۔

"بیٹھو بیٹا میں اُٹھا لاتا ہوں، تم بیٹھو"

بدری داس جی منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے اُٹھے اور سند اور کاغذات اُٹھا لائے۔

لیکن نوالہ اُن کے حلق ہی میں پھنس کے رہ گیا۔

نرش کے پاس سند آدرش کو ملی کی تھی۔ جس پر پیپر پن سے لگے ہوئے کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔

"محبت کا ناچیز تحفہ!"

بدری داس جی نے سند اور کاغذات ویسے ہی میز پر رکھ دیئے۔ اُن کا رنگ زرد سا ہو گیا اور وہ چمچے کو آہستہ آہستہ پلیٹ کے کنارے پر بجاتے ہوئے سوچنے لگے کہ شاید ابھی انھیں ایک جنم اور لینا ہوگا!

نہ اتنا پیار کرو!

پروفیسر بھیم کرشن اشک ایم اے

نہ اتنا پیار کرو ایک دو گھڑی کیلئے — یہ چند لمحے پلٹ کر کبھی نہ آئیں گے
خوشی کا وقت کبھی لوٹ کر نہ دیکھے گا — یہ لمحے دور بہت دور ہوتے جائیں گے

○

اگر حیات کا آنچل خوشی سے بھرنا ہو — تو اتنا پیار کرو میں تمھیں بھلا بھی سکوں
بس اتنی دور مجھے لے چلو محبت میں — جو تم مری نہ رہو میں پلٹ کے آ بھی سکوں

○

خوشی کا اتنا بھروسا کچھ اچھی بات نہیں — خوشی ضرور کبھی انتقام لیتی ہے
بہت زیادہ نہ چاہو مجھے خدا کے لئے — بہت زیادہ محبت بھی مار دیتی ہے

○

ملو نہ اتنا کہ کاٹے کٹے نہ غم کی رات — ہنسو نہ اتنا کہ دامن بھگو کے بیٹھ رہو
چنو ضرور حسین پھول ہار کی خاطر — مگر نہ اتنا کہ کانٹے چبھو کے بیٹھ رہو

○

اُٹھائے اُٹھ نہ سکے بوجھ شادمانی کا — نہ یوں حیات کا آنچل مسرتوں سے بھرو
سوائے رنج و الم اور کچھ بھلا نہ لگے — نہ چاہو اتنا [illegible] نہ پیار کرو

○

افسانہ

کانچ کا گلاس

محمود واجد ایم۔ کام

آسی منزل۔ بانسی۔ پورنیہ (بہار)

۱۵ رجون سنہ ۱۹۶۰ء

مکرمی! تسلیمات

لیجیے تازہ کہانی "کانچ کا گلاس" آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ گلاس خالی ہے یا کیا، یہ آپ جانیں۔ یہ کہانی عام سی ہی لیکن میری پچھلی کہانیوں سے قطعی مختلف ہے۔ لڑکیوں کے جذبات بہت نازک ہوتے ہیں۔ اُن کی جھنکار بہت دور تک سُنی جا سکتی ہے ——— سنا آپ نے؟ ...... مجھے قارئین کی رائے معلوم کر کے مسرت ہوگی۔ .....

نیاز آگیں ——— محمود واجد

"مالتی! ——— او مالتی ——— !"

"آئی ماں جی!"

باورچی خانے سے مالتی نکل کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ جلدی میں کسی طرح ساڑی کا آنچل تو سر پہ ڈال سکی لیکن سوجی آنکھیں اور بکھرے ہوئے بالوں کی لٹ نہ سنبھال سکی۔

"یہ کیا بہو؟"

"جی ——— وہ لکڑیاں ذرا گیلی تھیں اِسلئے ...."

"لیکن میں تو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ باورچی خانے کا کام کاج مجھے کرنے دو۔ ابھی ابھی کیا جلدی ہے؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کام کریں اور میں بیٹھی رہوں!"

"تو کیا ہوا۔ نئی بہو کے بھی تو کچھ ارمان ہوتے ہیں۔ کل کیا سوچے گا کہ ماں نے بہو کو مہینہ بھر بھی بیٹھنے نہ دیا۔"

"نہیں ماں! وہ ایسا کیوں سوچنے لگے۔"

"اچھا بابا، تمھاری یہی خواہش ہے تو کرو ——— لیکن اصل بات تو کہنا بھول ہی گئی۔ لو یہ چاول میں نے پھٹک دیئے ہیں۔ میں پڑوس میں جارہی ہوں ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

باورچی خانے میں واپس آکر مالتی پھر خوابوں کے جال بُننے لگی۔ آج اُسے رمیش کے وجود یاد آرہا تھا۔ اُس کی زندگی کے چمن میں چپکے سے آکر کانوں میں اُس نے کچھ کہا تھا۔ کوئی پیغام دیا تھا اُس نے! وہ مسکرائی اور ساری فضا حسین سپنوں میں کھو گئی۔ اُس نے اُسے کئی بار دیکھا تھا۔ پر ایسی کوئی بات اُس نے پہلے نہیں سوچی تھی جو ان چند دنوں میں ہو گئی۔ سچ پوچھئے تو اُسے سیدھے سادے لوگوں پر بہت ترس آرہا تھا۔ جیسے اُن میں کوئی زندگی نہ ہو۔ کوئی لوچ نہ ہو۔ کوئی رنگ نہ ہو۔ کچھ بھی نہ ہو جس کی طرف کھنچا جا سکے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اُس کے گھر آگیا۔ آیا نہیں، بلکہ لایا گیا۔ اُسکی ننھی سی بہن لُولی کو امتحانات کی تیاری میں مدد دینے کو جب اُس کی ماں نے کہا تو تھوڑی سی ٹال مٹول کے بعد وہ مان گیا۔ پہلے دن تو بیٹھی وہ اُسے دیکھتی رہی۔ دوسرے دن ایک دو بار اُدھر سے گزری۔ اور ایک دن لُولی نے اُسے بتایا کہ وہ اُس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"تمھاری دیدی نہیں پڑھتی؟"

"بی پڑھتی تھی۔ میٹرک پاس کر کے چھوڑ چکی ہے۔"

"تو اُس کی شادی کر دو!"

اُس نے یہ کچھ اپنے کانوں سے سُن لیا تھا۔ اُس رات اُسے نیند نہیں آئی وہ سوچتی رہی کہ آخر بے کار بیٹھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن وہ اپنے آپ کو مطمئن نہ کر سکی پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے نئی زندگی شروع کی ہو۔ اُس نے ماں سے ضد کر کے نئی کتابیں منگوائیں اور آئی اے کی تیاری کرنے لگی۔ اور ایک دن اُسے کھلنا پڑا۔ وہ اُس کے سامنے آئی۔ بڑی ہمت کی تھی اُس نے۔ پڑ آئی تو آتی گئی۔

دھیرے دھیرے۔ قریب اور قریب اور ایک دن ....

دال جلنے لگی تھی۔

اُس نے ڈھکن اُٹھایا اور پانی ڈال دیا۔ اُس نے اپنے سینے میں جلتی ہوئی یادوں کی شمعیں گُل کر دینی چاہیں۔ لیکن شمع گُل بھی ہو جائے تو دھواں اُٹھتا ہی ہے اور کبھی کبھی اُس دھوئیں سے دم بھی گھٹنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی چھوٹی سی بات بڑی بات بن جاتی ہے۔ اُس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ صبح سویرے اُس کے ہاتھ سے گر کر کانچ کا ایک گلاس ٹوٹ گیا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں کھوئی تھی۔ اُسی دن بِل نے بازار سے دوسرا گلاس لا کر دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اسے نہ توڑ دینا۔ سارا بازار ڈھونڈ مارا۔ اِس کا جوڑ ملنا مشکل ہے!"

"جی ——— !"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

"کیوں میری رانی! اتنی کھوئی کھوئی کیوں رہتی ہو؟" بِل نے اُس کی ٹھوڑی اُٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔ اُس نے اپنی مسکراہٹ کے سہارے اپنی کمزوری پر ایک دبیز پردہ ڈال دیا ——— !

"ایسی تو کوئی بات نہیں!"

مالتی نے شرماتے ہوئے بِل کو جواب دیا۔

مرد اداؤں کا بھوکا ہے۔ زہر کی گولی بھی اُسے یوں لپیٹ کر دی جائے تو وہ نگل لے گا!

دال چولہے سے اُتار کر وہ ترکاری بنانے لگی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے سب کچھ بھول گئی۔ ترکاری چولہے پر چڑھ گئی۔ اور اُسے دم لینے کی فرصت ملی تو ونود کی یاد پھر آ دھمکی۔ اُسے کیا پتہ تھا کہ بھولے بھالے صورت والے بھی پریشان بھی کریں گے اور وہ انجان راستوں پر چلنے کے لئے تیار نہ ہوتے ہوئے بھی چلنے کے لئے مجبور ہو گی۔ اونچ نیچ، دلدل اور چٹانیں سب پر ہوا۔ دن بہت گھنٹے اور گھنٹے منٹ بن گئے۔ ایک ایک لمحہ جیسے جُدائی میں جلنے والا شعلہ ہو۔ پھر ذرا دیکھیے موڑ پر چل کر نشیب و فراز سے بے نیاز وہ دُور نکل گئیں۔ سماج نام کی شے ایسے ہی موقعوں پر آڑے آتی ہے سو آئی۔ کس کے مُنہ پر کون ہاتھ رکھ سکتا ہے لیکن اِس سے بھی بُری بات ہو گئی۔ آپ نے کہانیوں کا مثلث دیکھا ہو گا۔ ایک ضلع کی کمی تھی وہ پورا ہو گیا۔ اُس کا بچپن کا ساتھی زندہ تھا یا پیدا ہو گیا تھا۔ باتیں بڑھیں، بات نچلی سطح پر آ گئی۔ چوراہے پر کھڑے ہو کر گالیاں بکتے اور کسی کی پگڑی اُچھالتے آپ نے بہتوں کو دیکھا ہو گا۔ کام کچھ مشکل نہیں، ذرا سی بات ہے۔ ذرا سی ہمت اور جُرأت کی ضرورت ہے۔ مشکل تو ایثار اور آدرش ہیں۔ بات ذرا سی سہی پر ونود کے لئے ایک سنگین المیہ کی صورت اختیار کر گئی۔ وہ پھوٹ پڑا۔

ایک دن مالتی اُسے سمجھانے بیٹھ گئی۔

"آپ مرد ہیں۔ نئی زندگی کسی دوسری جگہ شروع کیجیے گا۔ سب بھول جائے گا!"

"عزّت ایک نازک شیشہ ہے مالتی۔ یہ ٹوٹ کر نہیں جُڑتا۔ اگر جوڑ بھی دیا جائے تو نشان باقی رہ جاتا ہے۔ ویسے تم چاہو تو اُسے کانچ کا ایک گلاس بھی سمجھ سکتی ہو۔ لیکن کانچ کا گلاس بھی جب ٹوٹنے پر تم کھڑکی سے باہر پھینک دیتی ہو۔ کسی کے ہاتھ پاؤں میں چُبھ کر اُسے رُلا ہی دیتا ہے۔"

"کھانا تیار ہو گیا مالتی؟"

وہ سپنوں کے جال سے باہر نکل آئی۔

"ہاں ہاں جی! ذرا برتن صاف کر لوں!"

وہ اب کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ جلدی جلدی برتن صاف کرنے لگی۔ بِل کے آنے کا وقت ہو چلا تھا..... برتن اُٹھا کر رکھنے لگی۔

زور سے ایک جھنکے کی آواز آئی۔

"کیا ہوا بہو؟" اُس کی آواز گھبرائی ہوئی آئی۔

"کچھ نہیں ماں ——— کانچ کا ایک گلاس ———"
اُس کی آواز گلے میں پھنس گئی۔

"ٹوٹ گیا تو کیا ہوا۔ آج ہی آیا تھا۔ دوسرا اور آجائے گا۔ رونے سے کیا کام! اپنی نویلی دُلہنیں یوں آنسو نہیں بہایا کرتیں۔"

وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

پرایا درد کون جانے۔

دل اور کانچ کے گلاس کا تعلق کسے معلوم! ••

مشہور افسانہ نگار حضرت آسی رام نگری مناسب حق محنت پر اصلاح کا کام بھی کرتے ہیں۔ ضرورت مند اصحاب خصوصاً نئے لکھنے والے اپنے مضامین، افسانوں اور کتابوں پر اصلاح دے کر ایک مستند ادیب کی خدمات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ جواب طلب امور کیلئے پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ پتہ: حضرت آسی رام نگری۔ مظفر نگر (یو۔پی)

پاکستانی بھائی ہندوستان سے کتابیں منگوا سکتے ہیں

آپ مطلوبہ کتب کی قیمت کے ساتھ آٹھ آنے فیس رجسٹری اور جتنی کتابیں درکار ہوں آٹھ آنے فی کتاب کے حساب سے محصول ڈاک "ماجد حمید صاحب، ۱۰۰ء، بی ماڈل ٹاؤن لاہور کو بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ڈاک خانے کی رسید ہمیں اپنے آرڈر کے ساتھ دہلی بھیج دیں۔ مطلوبہ کتب دہلی سے بذریعہ رجسٹری بھیج دی جائیں گی لاہور منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن پر بحساب رسالہ بیسویں صدی دہلی" کے الفاظ ضرور لکھ دیجئے۔ "بیسویں صدی" کے خریدار بھی رسالے کی سالانہ قیمت اسی طرح لاہور بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی رسید جو پوسٹ آفس سے ملتی ہے ہمیں بھیج دیں۔ رسید ملتے ہی "بیسویں صدی" اُن کے نام دہلی سے جاری ہو جائے گا اور سال بھر تک باقاعدہ حاضرِ خدمت ہوتا رہے گا۔

مینجر رسالہ بیسویں صدی دہلی



بید مجنوں کے تلے

طاہرہ سلطانہ مخفی

۱۳۹ سپال روڈ۔ امرا، بمبئی ۸

میرے بہت ہی پیارے برادرِ گرامی تسلیم

آج اپنے ایک بہت پرانے اور موذی دشمن کا آپ سے اور قارئین بیسویں صدی سے تعارف کراتا ہوں۔ یہ ہیں طاہرہ سلطانہ مخفی جو دہلی کے ایک زنانہ رسالے میں وقتاً فوقتاً میرے خلاف لکھتی رہی ہیں یا یوں کہیے کہ میری نظموں کا جواب لکھتی رہی ہیں۔ میں بھی ایک شریف دشمن ہوں۔ اور اگر کسی دشمن میں بھی کوئی خوبی موجود ہو تو اس کا اعتراف نہ کرنا میرے نزدیک کفر ہے۔ طاہرہ سلطانہ مخفی زیادہ تر طنزیہ نظمیں لکھتی رہی ہیں یہ ان کی ایک رومانٹک نظم ہے جو وادیٔ کشمیر کی کسی محرومِ محبت دوشیزہ کے معصوم جذبات اور پاکیزہ محبت کی بہت اچھی طرح عکاسی کرتی ہے۔ اگر نظم پسند آئے تو آپ اسے شائع فرمائیے مجھے امید ہے کہ طاہرہ سلطانہ صاحبہ اپنی طنزیہ نظموں سے قارئین بیسویں صدی کو بھی وقتاً فوقتاً محظوظ کرتی رہیں گی۔ آپ کا راجہ مہدی علی خاں

کبھی اے بھولنے والے مری وادی میں پھر آنا
ادھورا ہی نہ رہ جائے محبت کا یہ افسانہ

کنارے جھیل کے جب میں تمھیں نغمے سناتی تھی
ہماری روح ان نغموں میں اکثر ڈوب جاتی تھی

کیا کرتے تھے ہم تم بید مجنوں کے تلے باتیں
بہت جلدی بھلا بیٹھے ہو تم بیتی ملاقاتیں

چلے آؤ تمھیں وہ بید مجنوں یاد کرتا ہے
کوئی جس کے تلے اب زندگی برباد کرتا ہے

تمھاری یاد کی خوشبو سے مہکی ہے ابھی وادی
ابھی سپنوں کے محلوں میں ہے زندہ ایک شہزادی

مری دنیائے غم میں بارشیں سی ہوتی رہتی ہیں
جو آنکھیں تم کو پیاری تھیں وہ آنکھیں روتی رہتی ہیں

اگر کر لی ہو شادی اپنی دلہن مجھ کو دکھلاؤ
مری دنیا میں اے ساتھی اسے لے کر چلے آؤ

جو وہ آئے تو وادی کی اسے سیریں کراؤں میں
خوشی کے آنسوؤں کے ہار دلہن کو پہناؤں میں

محبت ہے اگر اک امتحاں تم ہار جاؤ گے
جسے تم چاہتے ہو اب مجھے تم اس کا پاؤ گے

اسے پا کر میں سمجھوں گی کہ تم کو پا لیا میں نے
سدا روشن رکھا اپنی محبت کا دیا میں نے

غزل

ڈاکٹر تبسم خیرآبادی

دل کیوں نہ شگفتہ ہو جو منظر ہی حسیں ہے
وہ انجمنِ ناز ہے یا خلدِ بریں ہے

گلزار مری آنکھ، نظر مطلعِ انوار
گلریز وہ عارض ہیں جبیں ماہ مبیں ہے

الفاظ سے ہوتی ہے جدا دل کی عبارت
آنکھوں میں تو اقرار ہے اور لب پہ نہیں ہے

اِس وقت تو زینت دہِ گلزارِ تصور
اِک تنگ قبا، مست ادا، زہرہ جبیں ہے

قاصد جو تعارف مرا مطلوب ہو کہنا
"......" شاعر ہے، جواں سال ہے اور خندہ جبیں ہے

شیخ چلّی کی واپسی

فکر تونسوی

اہلِ جلسہ شیخ چلّی کا زیادہ دُور تک تعاقب نہ کر سکے۔ کیونکہ اُنھیں بھوک لگی ہوئی تھی اور کھانا کھانے کے لئے جلدی گھر جانا تھا۔

لیکن اہلِ جلسہ کے لیڈر شری کھوسٹ دیال جی نے اپنی کار پر ایک لمبا چکر کاٹ کر سامنے سے شیخ چلّی کو آ لیا۔ کھوسٹ دیال جی نہایت جہاندیدہ انسان تھے۔ وہ بھانپ گئے تھے، آدمی میرے کام کا ہے۔ دلیر ہے اور بے وقوف بھی۔ اور جو آدمی دلیر ہو اور بے وقوف بھی وہ لیڈروں کے لئے بہت ہی اکسیر ثابت ہوتا ہے۔ "ایسے آئیڈیل انسان آج کل کہاں ملتے ہیں؟" شری کھوسٹ دیال نے سوچا۔ "اِسے اپنے ساتھ لے جانا چاہیئے۔"

کھوسٹ جی کی کار بھاگتے ہوئے شیخ چلّی کے پاؤں کے قریب آ کر رُکی۔ اور شیخ چلّی اوندھے مُنہ گرتے گرتے بچا۔

"قہ قہ قہ۔ ڈر گئے؟"

کھوسٹ جی نے بے تکلف دوستوں کی طرح قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ یہ کہہ کر وہ کار سے باہر نکلے اور شیخ چلّی کے کندھے کو محبت سے تھپ تھپاتے ہوئے بولے

"چلو میرے ساتھ کار میں بیٹھو!"

"کہاں؟"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمھیں ملازم رکھ لوں ——— بولو نوکری کرو گے؟"

"شیخ چلّی کسی کی نوکری نہیں کرتا۔ اُسے تو شہزادی سے نکاح کرنا ہے۔ اور اُس کے بعد دوسروں کو نوکر رکھے گا۔ اگر آپ بھی نوکری کرنا چاہیں تو آ جانا۔"

کھوسٹ جی نے سوچا کہ آدمی ٹیڑھا ہے۔ سیدھی طرح ہاتھ نہیں آئے گا۔ چنانچہ اُس نے فوراً لہجہ بدل کر لیا۔

"دیکھو پیارے شیخ چلّی میں ایک مصیبت میں مبتلا ہوں۔ جس سے صرف تم ہی مجھے بچا سکتے ہو۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ لوگ مجھے اپنے قریب تک نہیں بیٹھنے دیتے۔ بلکہ بعضوں تو مجھے مارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اُس جلسہ میں تمھیں نے مجھے لوگوں سے بچایا۔ تم ایک فرشتہ بن کر آسمان سے میری حفاظت کے لئے اُترے ہو۔ اِس لئے خدا کے لئے ..."

یہ کہہ کر کھوسٹ جی رونے لگے۔

جب شیخ چلّی نے یہ سُنا کہ وہ فرشتہ ہے تو کھوسٹ جی کو روتے دیکھ کر اُس کا دل پگھل گیا اور گلوگیر لہجے میں بولا۔

"روئیے مت کھوسٹ جی! میں آپ کی نوکری قبول کرتا ہوں۔ مگر دو شرطوں پر۔ ایک تو یہ کہ آپ مجھے ملازم نہیں کہا کریں گے۔ بھائی کہا کریں گے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر میں آپ کی حکم عدولی کروں تو آپ میری مونچھیں مُنڈوا لیں۔ اور اگر آپ مجھے ملازمت سے جواب دیں تو میں آپ کی مونچھیں مُونڈ ڈالوں گا۔"

کھوسٹ جی اپنی مونچھیں مُونڈنے کے تصور سے تلملا اُٹھے۔ لیکن آدمی جہاں دیدہ تھے۔ اِس لئے تلملانے کی بجائے ہنسنے لگے اور بولے۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم کچھ کلاسیکل قسم کے آدمی ہو۔ معمولی پوُنجئے نہیں ہو۔ اور دوسری طرف میں بھی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ جمہوریت پرست ہوں!"

"جمہوریت پرست کیا ہوتا ہے؟"

"وہی جو ملازم کو بھائی کہتا ہے۔ ہر ایک مسئلہ پہ برابری کے نقطۂ نگاہ سے سوچتا ہے۔ مثلاً فرض کرو مونچھیں ہیں۔ اِن کے مُونڈنے میں بھی برابری برتتا ہے اِس اعتبار سے ہم اور تم دونوں جمہوریئے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی

مونچھیں مونڈیں گے۔ اور اِس طرح مونچھوں کی لافانی جمہوریت قائم کریں گے آجاؤ کار کے اندر!"

شیخ چلی کار کے اندر داخل ہوکر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار اسٹارٹ ہوگئی۔

پچھلی سیٹ کے نرم و گرم گدیلے پر ایک چھوٹی سی ملائم بالوں والی کُتیا خوابِ استراحت میں محو تھی۔ کار کے ایک جھٹکے سے شیخ چلی کا کھُردرا ہاتھ جو اُسے لگا تو وہ جاگ پڑی اور جھلا کر بھونکنے لگی۔ شیخ چلی نے اُسے مُکا دکھایا تو وہ اور بھی زور سے بھونکنے لگی۔ چنانچہ شیخ چلی نے طیش میں آکر اُسے دُم سے پکڑا اور اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

باہر سڑک پر گرتے ہی وہ ایک ٹرک کے نیچے آگئی۔ اور ایک اندوہناک چیخ کے ساتھ راہیِ مُلکِ عدم ہوگئی۔

شری کھوسٹ دیال نے کُتیا کی چیخ سُنی تو انھوں نے کار رکوا دی اور تلملا کر کہا۔

"ارے بے وقوف! تم نے یہ کیا حرکت کر ڈالی۔ میری پانچسو روپے کی کُتیا کی جان لے لی۔ اُتر جا میری کار سے۔ میں تجھے ملازم نہیں رکھوں گا۔"

شیخ چلی نے کہا۔

"دیکھئے کھوسٹ جی! اوّل تو مجھے بے وقوف نہ کہئے۔ معاہدہ کے مطابق مشیر کہیئے۔ اور دوسرے یہ کہ ایک کُتیا کو انسان کے برابر سیٹ پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

کھوسٹ دیال چلّایا۔

"ارے مشیر کے بچے میں نے تجھ سے کہا ہے کہ میں جمہوریت پسند ہوں۔ یہاں تک کہ کُتیا اور انسان میں بھی کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ لہٰذا سیٹ پر بیٹھنا اُس کا جمہوری حق تھا۔"

"چلئے مان لیا۔ مگر وہ مجھ پر بھونکتی تھی!"

"یہ بھی اُس کا جمہوری حق تھا۔"

"اچھا چلئے مان لیا۔ اور اب تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے مجھے ملازمت سے جواب دینے کے لئے کہا ہے۔ لہٰذا شرائطِ ملازمت کی رُو سے میرا حق ہے

کہ میں آپ کی مونچھیں مونڈ لوں۔ اِدھر لایئے اپنی مونچھیں!"

تُو تُو مَیں مَیں کے سبب تنازعہ بڑھنے لگا۔ اور بہت سے راہ گیر اکھٹے ہو گئے۔ اِن میں سے بہت سے لوگ شری کھوسٹ دیال کے آشنا تھے اور بطور ممبر اسمبلی اُسے ووٹ بھی دے چکے تھے۔

شیخ چلی قینچی کٹ کٹاتے ہوئے گرج کر کہہ رہا تھا۔

"میں نے اگر مونچھیں نہ مونڈیں تو شیخ چلی نام نہیں۔ ہُنہ!"

اِس لئے صورتِ حالات کی نزاکت کو جانچ کر اُنھوں نے شیخ چلی سے بڑے احترام کے لہجے میں کہا۔

"چلئے مشیر صاحب! کار میں بیٹھئے۔ سالے ٹرک والے سے ہم بعد میں نپٹ لیں گے۔ جس نے ہماری کُتیا کا خون کیا ہے۔ آپ اب قینچی نہ کٹکٹایئے یہ ہم جیسے شرفاء کا کام نہیں۔"

شیخ چلی نے "مشیر صاحب" کا خطاب سُنا تو اُس کا سارا غصہ اُتر گیا۔ اور قینچی جیب میں رکھ کر کار پر سوار ہو گیا۔ اور کار تیزی سے کوٹھی کی جانب روانہ ہو گئی ——!

شری کھوسٹ دیال جی کی کوٹھی شہر سے باہر خوبصورت سول لائنز میں واقع تھی۔ ایک جیسی طرز کی کوٹھیوں کی لمبی قطار دُور تک چلی گئی تھی۔ بظاہر کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی کوٹھی کس کی ہے۔ مین گیٹوں اور اُن پر چڑھی ہوئی بیلوں کے پتے بھی ایک ہی شکل و سائز کے تھے۔ ہر کوٹھی کے باہر نیلے رنگ کی ایک چھوٹی سی نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اور ایک اجنبی کو دُور سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے علی بابا چالیس چوروں والی مرجینا نے چوروں کو دھوکا دینے کے لئے ہر کوٹھی پر ایک ہی جیسے نشان کی تختی لگا دی ہے۔

کوٹھی کے لان سے گزر کر کار رُکی۔ ایک ملازم دَوڑا دوڑا آیا۔ اور کار کا دروازہ کھولنے لگا۔ شیخ چلی نے جلدی سے نکل کر ملازم کو ایک زور کا دھکّا دیا۔ اور کہا۔

"دیکھو بے اندھا ہے، دیکھتا نہیں۔ میں ہمراہ ہوں۔ اِن کی ہر خدمت اب میں کروں گا۔ بھاگ جا یہاں سے!"

یہ کہہ کر اُس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔

مسٹر کھوسٹ ویال جی کا چہرہ یکسر سنگین اور سنجیدہ ہوگیا اور وہ یُوں چلنے لگا جیسے کوئی جرمن جرنیل فوجوں کی سلامی لیتے ہوئے گمبھیرتا اور وقار کے ساتھ گزرتا ہے۔ اور شیخ چلی اُس کے پیچھے اپنا تھیلا بغل میں دبائے اکڑ اکڑ کر یوں چل رہا تھا جیسے گاؤں کے دورے میں کسی تھانیدار کے پیچھے نمبردار چلتا ہے۔ کوٹھی کے برآمدے میں بہت سے ملاقاتی انتظار کر رہے تھے۔ مسٹر کھوسٹ ویال جی کو دیکھتے ہی وہ کُرسیوں اور صوفوں سے بے ساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ایک ساتھ آٹھ دس سلام، مسکراہٹ اور التجا سے گُھل مل کر بڑھتے ہوئے کھوسٹ جی کی طرف بڑھے۔ شیخ چلی نے خطرہ محسوس کیا۔ شاید جلنے والی جنتا پھر یہاں آ پہنچی ہے۔ اور لیڈر پھر خطرہ میں ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ لیڈر سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اور ملاقاتیوں سے کہنے لگا۔

"خبردار جو کوئی آگے بڑھا۔ آرام سے بیٹھ جاؤ اپنی اپنی جگہوں پر۔"

مسٹر کھوسٹ ویال شیخ چلی کی وفاداری دیکھ کر جھوم اُٹھا۔ اور بغیر مُنہ سے ایک لفظ نکالے ملاقاتیوں کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا۔

شیخ چلی نے پوچھا۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"ہم لوگ کھوسٹ جی سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں!"

"کیوں کھوسٹ جی! آپ اِن سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟"

کھوسٹ ڈیموکریٹ تھا۔ اِس لئے انکار کرنے کے قابل نہیں تھا لیکن اِس وقت وہ سخت اشتہا محسوس کر رہا تھا۔ مارے بھوک کے اُس کی آنکھیں مُند رہی تھیں۔ اِس لئے وہ ملاقاتیوں سے یہ کہنے ہی والا تھا کہ آپ کل تشریف لایئے لیکن شیخ چلی کے اچانک سوال نے اُسے شش و پنج میں ڈال دیا۔ اور وہ اذیت ناک مسکراہٹ کے ساتھ کہہ اُٹھا۔

"ہاں کرنا چاہتا ہوں!"

اور پھر ملاقاتیوں سے یہ کہہ کر کہ ابھی لوٹتا ہوں۔ شیخ چلی کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔ یہ ایک آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم تھا جس کی کھڑکیوں، دروازوں اور دیواروں پر ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ ایک دیوار پر قدِ آدم آئینہ لٹک رہا تھا جس کے سامنے ایک نوجوان لڑکی کھڑی چلا چلا کر کہہ رہی تھی۔

"قیس! ہائے قیس! بول! ارے ستم گر بول، وہ چیریٹی فنڈ کہاں گیا جو تُو نے کال پیڑتوں کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ آہ! کیا میں نے اِسی لئے جنگلوں کی خاک چھانی تھی کہ تو میری عدم موجودگی میں چیریٹی فنڈ ہضم کر جائے۔ بتا، بتا اے قیس! ہائے لیلیٰ ایم اے کے قیس!....."

"لیلا بے بی ——!"

کھوسٹ جی نے جاتے ہی پکارا۔

"ڈرامے کی ریہرسل ہو رہی ہے کیا؟"

لیلا بے بی اپنی کھُلی ہوئی لمبی زلفیں جھٹکا کر مڑی، لپک کر آگے بڑھی اور بولی۔

"ڈیڈی تم آگئے۔ میں پورے پندرہ منٹ سے تمہارا انتظار کر رہی تھی آج رات ہی ہمارا ڈرامہ ہے۔ مگر میری ایکٹنگ میں وہ تاثر پیدا نہیں ہو رہا جو میں چاہتی ہوں!"

"کیوں؟"

"ہائے ڈیڈی! جب تک قیس سامنے نہ ہو تاثر کیسے پیدا ہو۔ قیس کی بجائے آئینہ سامنے ہے۔ اچھا ہوا تم آگئے۔ اب ذرا ایک منٹ کے لئے تم میرے قیس بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ میں فائنل ریہرسل کر سکوں۔"

شیخ چلی نے اُس شوخ و طرار لڑکی کو دیکھا تو اُس کا دل کچھ یوں اچھلا کہ حلق میں آکر اٹک گیا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے یہی اُس کے خوابوں کی شہزادی ہے اور اِسے جس قیس کی تلاش ہے وہ میں ہی ہوں۔

"میں تمہارا قیس بن جاتا ہوں اگر کھوسٹ جی اجازت دیں!" شیخ چلی سے صبر نہ ہو سکا اور اُس نے عرضِ حال کر دیا۔

کھوسٹ جی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"ارے بے بی! میں تم سے ایک ضروری بات کہنا بھول گیا۔ یہ عجیب و غریب ہیئت کا شخص جو تمہارا قیس بننا چاہتا ہے اِسے میں نے ملازم رکھ لیا ہے شیخ چلی اِس کا نام ہے!"

"ملازم نہیں مشیر!" شیخ چلی نے تصحیح کی۔

ساتھ میں کمرے میں ایک فربہ اندام عورت جو ڈسے میں موتیے کے پھول لگائے ہاتھ میں منکوں کی مالا اور دوسرے ہاتھ میں دودھ کا ایک گلاس لئے اندر آئی۔ اُس کے ساتھ ایک باورچی نما نوکر اور دو تین موٹے موٹے گُلگُلے سے بچے جا کلیٹ کھاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ نوکر کے ہاتھ میں شیشے کا ایک بڑا سا جگ تھا۔ جو دودھ سے بھرا ہوا تھا۔ فربہ اندام عورت نے جگ میں سے دودھ کا ایک اور گلاس بھروایا اور اُسے ایک ہی سانس میں پی کر بولی۔

"ہیلو ڈارلنگ! بہت دیر لگا دی۔ یہاں ڈنر کے انتظار میں میری جان نکلی جا رہی تھی!"

"یہ تمھاری مالکن ہیں"

کھوسٹ جی نے شیخ چلی سے کہا۔

پھر فربہ اندام عورت سے مخاطب ہوئے۔

"ڈارلنگ! یہ شیخ چلی ہے۔ یہ آج سے تمھاری خدمت کرے گا۔ بڑا ہی ہوشیار اور زیرک انسان ہے۔ آج جلسہ میں تو اس نے کمال ہی کر دیا۔ ہیرا ہے ہیرا۔ شیخ چلی مالکن کو سلام کرو!"

شیخ چلی مالکن کے قدموں پہ گر پڑا اور بولا۔

"مالکن! میں تمھاری خدمت کے لئے سارے شہر کی بھینسوں کا دودھ دوھ کر لے آؤں گا۔ میں ماں کی طرح تمھارے پاؤں دباؤں گا" یہ کہتے کہتے جیسے اُس کا گلا رُندھ گیا "ماں! ماں! تم میری ماں بن جاؤ!"

لیلا بے بی کنکھیوں سے مسکرا دی۔

کھوسٹ جی بھی مسکرا دیئے۔

فربہ اندام مالکن نہ مسکرا سکی۔ کیونکہ وہ دودھ کا گلاس مُنھ پر رکھے ہوئے تھی۔

کھوسٹ جی کے بچوں نے شور مچا کر کہا۔

"لولو!"

"لولو ——!!"

"لولو ——!!!"

اتنے میں ایک ادھیڑ نوکر نے آکر کہا۔ ڈنر تیار ہے۔ تشریف لے چلئے۔

ڈنر کی میز پر ایک ناخوش گوار واقعہ ہو گیا۔ ابھی کھوسٹ [illegible] لقمہ توڑا تھا کہ لیلا بے بی نے پوچھا۔

"ڈیڈی! وہ ہماری کتیا کہاں ہے [illegible]"

کھوسٹ جی بولے۔

"ارے بے بی! ابھی تمھیں یہ بتلانے ہی والا تھا کہ [illegible] ڈنگارام کی لڑکی ٹیمی لے گئی۔ کہتی تھی گھنٹہ بھر [illegible]"

"لیکن ڈیڈی! کتیا تو میرے ساتھ ہی ڈرامہ میں [illegible] اور مجھے ابھی ابھی اُسے ساتھ لے کر جانا ہے"

یہ کہہ کر لیلا بے بی بسورنے لگی۔

شیخ چلی سے اپنی محبوبہ کا بسورنا دیکھا گیا۔ جھٹ بول اُٹھا۔

"لیلا، ڈیڈی جھوٹ بولتے ہیں۔ کتیا میرے پاس ہے۔ وہ تو مت میں ابھی نکال کر دیتا ہوں"

یہ کہہ کر اُس نے تھیلے میں سے مری ہوئی کتیا نکال کر بے بی کی طرف بڑھائی۔

"مگر یہ تو مری ہوئی ہے!"

بے بی چلائی۔

"ہاں ہے تو مری ہوئی۔ مگر جانتی ہو کیوں مری ہوئی ہے؟ کیونکہ یہ مر گئی ہے!" شیخ چلی نے وضاحت کی۔

فربہ اندام مالکن گھبرا کر کرسی سے جو اچھلی تو میز کی کئی پلیٹیں گر کر کرچی کرچی ہو گئیں۔ اور وہ بولی۔

"چھی چھی چھی، ارے پرے ہٹاؤ۔ مردہ کتیا گھر میں اُٹھا لائے۔ رام، رام، رام۔ سارا کھانا بھرشٹ کر دیا۔ لے جاؤ اسے باہر!"

شیخ چلی اُسے لے کر باہر جانے لگا تو بے بی پکاری "ہائے مت لے جاؤ۔ میری ڈارلنگ کتیا! ادھر میرے پاس لاؤ اسے۔ میں اسے پیار کروں گی۔ میں اس کی برہ کے گیت گاؤں گی۔ میں اسے ڈرامے کی اسٹیج پہ لے جاؤں گی۔ اور وِلاپ کر کر کے سامعین کو سناؤں گی کہ دیکھو! یہ کیسی ظالم دنیا ہے جس نے میری کتیا کو مار دیا۔ آہ! آہ!!"

کھوسٹ جی نے شیخ چلی کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔ اور پھر بے بی کو گھورتے ہوئے بولے۔

"بے بی! اب کم از کم سچ بولو۔ میں اپنے جھوٹ کی معافی مانگتا ہوں کیا نقصان ہے اگر تمہیں ہی گڑیا دے دی جائے۔ تمہاری ایکٹنگ میں جان پڑ جائے گی۔ کیونکہ اس وقت تمہارے چہرے پر جو حقیقت کی لاشعوری جھلک پیدا ہوئی ہے بھگوان کی قسم تم تو سامعین کو رُلا دو گی۔ اور یقیناً پہلا انعام پا جاؤ گی۔"

بے بی کے چہرے پر یک دم مسرت کی چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے تڑپ کر شیخ چلی سے کُتیا چھین کر اُسے چوما چاٹا حتیٰ کہ آنسو بھی بہائے۔ اور چہک کر بولی۔

"ڈیڈی وونڈر فل آئیڈیا۔ مگر مجھے صرف یہ بتا دو اسے کس نے مارا؟"

"میں نے، میں نے" شیخ چلی نے رعونت فخر کے ساتھ کھانس کر کہا۔

"تم نے؟ ——— سچ؟" بے بی نے توصیفی نگاہوں سے شیخ چلی کی طرف دیکھ کر کہا۔

کھوسٹ جی بولے۔

"ہاں بے بی! اسی نے۔ میں نہ کہتا تھا شیخ چلی بڑا کام کا آدمی ہے۔ بس تھوڑا سا بے وقوف ہے لیکن ہمارے ہاں رہ کر وہ ضرور عقلمند ہو جائے گا۔"

بے بی نے شیخ چلی کا ہاتھ گرمجوشی سے پکڑ لیا۔ اور پھر اچھلتی کودتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئینے کے سامنے تازہ ریہرسل کرنے چلی گئی۔ مالکن نے باورچی کو آرڈر دے دیا تھا کہ ڈنر کے تمام برتن اُٹھا کر اگنی سے پوتر کرے۔ اور میں گھر میں مُردہ کُتیا لانے کے پاپ کا پرائشچت کرنے کے لئے اپنے پوجا کے کمرے میں جاتی ہوں۔ اُس نے بے بی سے کہہ دیا کہ جب تک یہ مُردہ کُتیا گھر میں رہے گی میں کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔ صرف دودھ پر گزر کروں گی۔ شیخ چلی کو اُس نے حکم دیا کہ اپنے تمام کپڑے جلا دو۔ اور نہا دھو کر نئے کپڑے پہن کر میرے سامنے آؤ۔ ورنہ اس گھر سے دفان ہو جاؤ۔

اور کھوسٹ جی اپنی مطالعہ گاہ میں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور سوچنے لگے کہ اس شیخ چلی کے بچے کو گھر سے کیسے دفان کیا جائے؟ اس نے تو آتے ہی فضیحتا کھڑا کر دیا۔

شیخ چلی نے فوراً تعمیلِ حکم کی۔ اور اپنے کپڑے اُتار کر جلا دیئے۔ مذہب کی رُو سے مالک کا ہر حکم ماننا اُس کا فرض تھا۔ مالکن کی ہدایت پر ایک نوکر نے اُسے نئے کپڑے لا کر دیئے۔ سلک کا کُرتا، سفید پاجامہ اور سنہری جیکٹ یہ نیا لباس پہن کر وہ بہت مسرور ہوا۔ اور کھوسٹ جی کے کمرے میں آ کر بولا

"کھوسٹ جی! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ باہر جو ملاقاتی بیٹھے ہیں کیا اُنھیں اندر بلاؤں؟"

کھوسٹ جی نے تلملا کر کہا۔

"نہیں نہیں نہیں، اُن سے کہو جہنم میں جاؤ!"

شیخ چلی نے باہر آ کر تعمیلِ حکم کی۔ اور ملاقاتیوں سے کہا۔ کھوسٹ جی کہتے ہیں تم سب لوگ جہنم میں جاؤ۔"


ذرا سا سنلائٹ
مگر ڈھیروں دُھلائی
— یہ اس کے زائد جھاگ کا کمال ہے!
SUNLIGHT SOAP
آنکھوں دیکھے کا اعتبار؛ شنکر کتنا خوش ہے! اپنی دُھلی ہوئی جگمگاتی سفید قمیض دیکھ کر! لیکن سیتا نے صرف ایک قمیض ہی نہیں دھوئی — کپڑوں، چادروں اور تولیوں کی یہ سفید اور اُجلی ڈھیری بھی تو دیکھئے! اور لگا کیا؟ ذرا سا سنلائٹ!
سنلائٹ کے بڑھیا ابھرتے جھاگ سے ایسی اعلیٰ دُھلائی ہوتی ہے کہ کپڑوں کو کوٹے پیٹے بغیر سارا میل خود بخود نکل آتا ہے — دھوکر خود دیکھئے — آج ہی آزمائیے!
سنلائٹ صابن سے کپڑے سفید اور اُجلے دُھلتے ہیں
ہندوستان لیور لمیٹڈ نے بنایا۔

غزل

ایچ شلون نسیم نجیب آبادی

عشق میں جب نہ رہا ضبط کا یارا مجھ کو
حسن والوں نے دیا بڑھ کے سہارا مجھ کو

بس اسی رونے سے حاصل ہے سکونِ طائرِ جاں
کہنے والوں نے کہا جب سے تمہارا مجھ کو

پھر کسی شوخ نے تارِ رگِ جاں کو چھیڑا
پھر کسی دشمنِ ایماں نے پکارا مجھ کو

پھر وہی ہجر کی راتیں ہیں وہی جوشِ جنوں
پھر کہیں پھونک نہ ڈالے یہ شرارا مجھ کو

وہیں طوفان نے ہر بار لیے آ کے قدم
لا کے جس گھاٹ پہ قسمت نے اتارا مجھ کو

روزِ اول ہی سے جب خوگرِ آلام ہے دل
کیوں نہ ہو تلخیٔ ایام گوارا مجھ کو

کیوں نہ قربان کروں اس پہ متاعِ دل و دیں
جس نے مشکل میں دیا آ کے سہارا مجھ کو

آ کے اس طرح سے طوفان نے گھیرا ہے نسیم
نظر آتا نہیں دریا کا کنارا مجھ کو

لبوں پہ نام آگیا تمہارا

شمیم جاوید بی اے۔ بی۔ ٹی

کالج میں تو "تمہارا ایوان" سامنے مسکرا رہا تھا
اور عشق پیچے کی نرم بیلیں دریچوں پر لہلہا رہی تھیں
شگفتہ و تازہ جامنی پھول سبز پتوں سے جھانکتے تھے
جنھیں نسیمِ سحر کی ٹھنڈی ہوائیں جھولا جھلا رہی تھیں

تمہارا ایوان دیکھتے ہی مجھے تمہارا خیال آیا
رگوں میں کچھ بجلیاں سی تڑپیں نظر میں غنچے سے مسکرائے
وجود کو اپنے بھول کر میں اسی تصور میں کھو گیا تھا
نہ جاگتا تھا، نہ سو گیا تھا، تمھیں یقیں آئے یا نہ آئے

نہ جانے پھر اس کے بعد میرا خیال تھا، وہم تھا کہ تم تھیں
یہ میں نے دیکھا کہ اک دریچے میں تم کھڑی مسکرا رہی ہو
وہی قیامت ہے قدِ رعنا، وہی ہے صورت وہی سراپا
وہی لطافت وہی نزاکت اسی طرح سر جھکا رہی ہو

اور اب میں تنہا، اداس اس سانحے کے بارے میں سوچتا ہوں
جو مندمل ہو چلے تھے کچھ کچھ وہ زخم پھر سے ہرے ہوئے ہیں
بہت ہی مدت کے بعد میرے لبوں پہ نام آ گیا تمہارا
بہت ہی مدت کے بعد آنکھوں میں آج آنسو بھرے ہوئے ہیں

دل

کب سے امیدوارِ چشمِ کرم
تیرے امیدوار کا دل ہے
آپ کے انتظار میں مضطر
آپ کے بے قرار کا دل ہے
ناز ہے مجھ کو، میرا دل ساجن
شاعرِ باوقار کا دل ہے

ساجن بھارتی



بلندی سے پستی کی طرف

یہ ایک زمانے میں اپنی چستی اور خوش پوشی کی وجہ سے پرائیویٹ سکریٹری تھی اب ٹائپسٹوں کے زمرے میں شامل ہو گئی ہے کیوں کہ اس میں اب وہ کشش نہیں رہ گئی جو اس کی ترقی کا باعث تھی لباس کے معاملے میں اب بھی رنگ اور ڈیزائن کے لحاظ سے اس کی پسند اور انتخاب بلند ہے مگر گرمی کے موسم میں جو سوتی کپڑے وہ پہنتی ہے ان کی حالت ایک ہی بار دھلنے پر ابتر ہو گئی ہے۔ کاش اسے یہ معلوم ہوتا کہ سوتی کپڑے اور تیار سوتی لباس خریدتے وقت "سینفورائزڈ" کا لیبل دیکھ لینا چاہئے۔ سوتی کپڑے کے ہر ایک گز پر "سینفورائزڈ" ضرور دیکھئے۔ آپ کے کپڑے سکڑ کر جسم پر کبھی تنگ نہ ہوں گے

لیبل پر

·SANFORIZED·
REGD TD MK

یہ مارکہ دیکھ کر
اطمینان کر لیجئے پھر آپ کے کپڑے سکڑ کر
کبھی تنگ نہ ہوں گے!

SAN

الف لیلیٰ کے دیس میں

ظفر پیامی ایم اے

سی-۷۷، نظام الدین (ایسٹ) نئی دہلی

۱۷ اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

محترم خوشتر صاحب تسلیم

..... افسانہ نمبر کے لیے افسانے سے زیادہ تاثر انگیز حقائق پیش کر رہا ہوں۔ اُمید ہے حسبِ سابق آپ اور قارئین ان سے محظوظ ہوں گے۔ یقین ہے افسانہ نمبر آپ کی جدت طرازی کا لازوال و بے مثال مرقع ہوگا....

نیاز کیش ـــــ ظفر پیامی

ہوا میں اُڑتے ہوئے یک دم احساس ہوا کہ ہم گوشت پوست کے انسان آسمانوں کی خلاؤں میں لاکھ پر مارتے رہیں، زمین کی جڑیں ہمارے دلوں میں پیوست ہی رہیں گی۔ ہوائی جہاز کے کنٹرول روم سے آواز آئی اور لاکھوں آرزوؤں کو اپنے ساتھ ہی ساتھ لپیٹے ہوئے ہوا میں تحلیل ہو گئی کہ "قاہرہ آ رہا ہے! قاہرہ آ رہا ہے! اپنی اپنی پیٹیاں لگا لیجیے۔ اپنا سامان تیار کر لیجیے۔ گڈ بائی او میری باڈی!" اور جہاز میں بیٹھے ہوئے مسافروں کے چہروں پر اطمینان کی وہ لہر دوڑ گئی جو موت کا خطرہ ٹل جانے پر آتی ہے۔

پھر آسمان کی غیر یقینی فضاؤں سے زمین کے یقینی ماحول کی جانب جہاز یوں دھیرے دھیرے ہچکولے کھاتے ہوئے اُترنے لگا جیسے دھندلکے سے روشنی میں آتی ہوئی ایک حسینہ کا آنچل اپنے آپ سینے سے ڈھلک کر نیچے آ جائے۔ زندگی سے قربت کے احساس، حیات کی خوشیوں سے اِس لگن اور موت کے بے پناہ خوف نے انسان کے ہاتھوں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے سب ہی کام کرائے ہیں۔ موت ہی وہ محرکِ حیات ہے جس نے زندگی میں عزم کی جولانیاں اور عمل کی رنگینیاں بھر دی ہیں۔ جس نے انسانوں سے تاج محل بھی تعمیر کرائے اور ایٹم بم بھی بنوائے۔ موت نے انسان سے وہ کچھ کرا ڈالا جو خدا انسان کو اگر ہزار زندگیاں بھی بخش دیتا تو اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ دھرتی کی اِس زندگی بخش آغوش میں سرکتے ہوئے جہاز میں سے کسی نے آواز بلند کی۔ "PYRAMIDS" اہرامِ مصر PYRAMIDS OH

HOW LUCKY امریکی میم صاحبہ نے اپنے لبوں پر سُرخی درست کرتے ہوئے نیچے نگاہ دوڑائی۔ منافع کے شکاری تاجر نے اپنا BRIEF CASE بند کیا اور شیشے سے باہر جھانکنے لگا۔ کھدّر دھاری صحافی نے جہاز میں مُفت ملنے والی وسکی کا آخری گھونٹ جلدی سے حلق کے اندر اُتار لیا اور نگاہیں نیچے کی طرف کر لیں۔ یہ سب لوگ جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ صدیوں سے دیکھنے والوں کی نگاہوں اور باد و باراں کے تھپیڑوں سے بے پروا کچھ اِس شانِ بے نیازی سے کھڑا ہے جیسے ہمیشہ سے وہیں کھڑا ہوا اور ہمیشہ وہیں کھڑا رہے گا۔ مٹی کے تین اُونچے اُونچے ٹیلے قطار اندر قطار چُنے ہوئے پتھر سانپ کے پیٹ کی طرح ایک تپلی سفید سی بل کھاتی ہوئی نیل کی لکیر اور زمین سے آسمان تک ریت کے ڈھیر۔ یہی وہ سب کچھ تھا جو آسمان سے ہم نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے اہرامِ مصر کی شکل میں دیکھا۔ نگاہوں کو کوشش کے باوجود اُس میں وہ کوئی بات نظر نہ آئی جسے دیکھ کر امریکی میم صاحبہ WONDERFUL

اور یہ ... چار ہزار برس پرانی تہذیب جس کا سب سے پہلا اعتراف وہی شخص کرتا ہے جو حسن تلاش کے جذبات سے بہرہ ور ہو۔

جب میں نے نیچے کی طرف دیکھا تو مجھے یہ پہاڑ تو جل اُس دیہاتی کی طرح ہوا ہو ایک بڑے عالم کے روبرو ہو اور اُس میں طاقت کی کوئی بات بھی ہو دیکھتے ہوئے اُس کے سامنے سر جھکا دے۔ یہ سر میں نے کیوں جھکایا؟ اس کا احساس مجھے اگلے دن ہوا۔ قاہرہ کی ہماہمی کو چیرتے اور ریگ زاروں کے چیلنج کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہماری کار جیزا پہنچ گئی۔ اور ہم دنیا کے سات عجوبوں میں سے ایک کے روبرو تھے۔ پہلا پہلا کرشمہ ہی نہیں چلا کہ ہم اُن پتھروں کی سطوت سے خوف کھائیں جنہیں ٹس سے مس کرنا آج بھی کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یا اُن انسانوں کے رگ پٹھوں کے کس بل کے سامنے سر جھکائیں جن کے طفیل یہ پہاڑوں جیسے پتھر غلاموں کی طرح اپنے وقت کے سب سے بڑے انسان کے سامنے یوں کھڑے ہو گئے کہ زمانے کا شدید ترین تھپیڑا بھی انہیں اپنی غلامی کے مقام سے نہ ہلا سکے۔ لیکن جب خوف سے پیدا ہونے والا یہ تجسس جاتا رہا تو نگاہ نے ان ٹیلوں کے آس پاس دیکھا جسے جیزا کا گاؤں کہتے ہیں۔ قاہرہ سے آٹھ میل دور جیزا کسی زمانے میں ایک غیر معروف اور گمنام سا گاؤں تھا جہاں سوڈان سے قاہرہ آنے والے اونٹوں کے قافلے اپنا آخری پڑاؤ کیا کرتے تھے لیکن اب یہی جیزا فراعنہ مصر کی اِس گئی گزری عظمت کے زندہ ہو جانے کے طفیل سیاحوں اور گائیڈوں کی ایک ہنستی کھیلتی بستی بن چکا ہے۔ یہاں ہر وہ چیز موجود ہے جس سے موجودہ دور کی تہذیب عبارت ہے۔ بدو دوشیزاؤں کے لباس میں ملبوس امریکی حسیناؤں سے لے کر بیٹ کے بل ناچنے والی امریکی نما مصری رقاصاؤں تک تفریح کی ہر نشانی یوں بکھری پڑی ہے جیسے وہ بھی اہرام کے پتھروں کی طرح محض اسی مقام پر رینگنے اور بکھرنے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ لیکن جب پلٹ کر اُس چیز پہ نگاہ ڈالی جس کے لئے جیزا نام دنیا بھر کے سیاحوں کے دلوں میں کندہ ہے تو اشتیاق مایوسی میں اور شوقِ نظارہ احساسِ شکست میں بدل گیا۔ ہمارے سامنے پہاڑ سی اونچائی لئے ہوئے تین اونچے اونچے ٹیلے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس طرح کھڑے تھے جیسے اُن کا وہاں کوئی کام ہی نہ ہو۔

اُن میں نہ قطب مینار ایسی بلندی تھی نہ تاج محل ایسا حسن۔ دل نے سوچا کیا یہی وہ مقام ہے جس کی دید کے لئے سیاح ہزاروں میل کا سفر طے کر کے آتے ہیں؟ کیا یہی وہ جگہ ہے جسے اپنے وقت کے سب سے ... آرام گاہ کے طور پر چنا تھا؟ ... جہاں پتھروں کی دیواروں سے ٹکرا کر ... ہو چکا تھا ... اور تنگ سی سیاہ تہوں میں ملبوس ... اُس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ جیسے ٹوٹی پھوٹی ... مایوسی مٹانے کے لئے آگے بڑھے اور اُس راستے پر چل پڑے جو کبھی ... موت کے فرشتے ہی کے لئے مخصوص تھا۔

جہاں وہی انسان گزرتا تھا جسے ہمیشہ کے لئے اپنے عالم کے ... کر گزار رہنا مقصود ہوتا۔ سر جھکائے اور نظر اوپر اٹھائے اندر جاتے ہوئے ... نے تاریخ کے اوراق کو جب ٹٹولنا شروع کیا تو دیکھا کہ یہ تین اہرام اُن ... مقبروں میں سے ہیں جو اب تک لیبیا کے صحرا سے لے کر سوڈان کی سرحد کے قریب تک دریافت ہو چکے ہیں۔ ان تمام شاہکار پہاڑوں کو انسان نے آج سے ... سال پہلے زمین کے ریتیلے اور مٹیلے سینے پر اس لئے تعمیر کیا تھا کہ موت کا ... ہاتھ اُس زندگی کو غصب نہ کر سکے جو دنیا بھر کے انسانوں کی زندگی کا سرچشمہ تھی جس کے سہارے زمین اور آسمان اپنی جگہ پر قائم تھے۔ جس کے جسم میں ... وجود اور جس کی روح میں کائنات کے تمام دیوتاؤں کی طاقت تحلیل ہو چکی تھی۔ اُسی روح کی واپسی اور اس پیکر کو قائم و سلامت رکھنے کے لئے انسان نے بے جان پتھروں اور خاموش چٹانوں کا سہارا لیا۔ عمل اور اعتقاد کا یہ مضحکہ خیز تضاد تاریخ انسانی کا ہمیشہ سے خاصہ رہا ہے۔ ذہنی طاقت میں انسان جتنا زیادہ مضبوط ہوا عملی زندگی میں وہ اتنا ہی کمزور اور مجبور ہو گیا۔ جو لوگ ارض و سما کے مالک بنے تھے وہ اپنی بقا کے لئے اینٹوں اور پتھروں کا سہارا لینے پر اُتر آئے۔ اسی طرح جو لوگ چاند ستاروں پر کمندیں پھینکتے ہیں وہی اس درجہ کمزور اور مجبور ہو چکے ہیں کہ کوئی سرپھرا چند لمحوں میں اُن کی ساری کائنات کو تباہ کر دے۔

شکر کا مقام ہے کہ مصر کے فرعونوں نے بہت زیادہ مضحکہ خیز حرکتیں نہیں کیں۔ اُنہوں نے اپنے مردہ جسموں کے ابدی تحفظ کے لئے مقبرے تو تعمیر کرائے۔ لیکن اپنی دنیا کی تباہی کے سامان وہ نہیں بنا سکے۔ ... اگر آج وہ زندہ ہوتے تو مصر حاضر کے فرعونوں کے مقابلے میں ...

لیکن سیاہ اور سنگین دیواریں نہ کچھ بولتی ہیں اور نہ کچھ سنتی ہیں۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ تکتی جا رہی ہیں۔ کہ زمانہ کس طرح بدلتا ہے کبھی جو خوف اور طاقت کا سرچشمہ تھی اب وہی تفریح کا سامان بن کر سیر و تفریح یا دلچسپی کا نشانہ ہے۔

ازل سے لے کر آج تک طاقت کا حشر یہی ہوتا آیا ہے کہ جس سے پہلے خوف آئے اُسی کا بعد میں مذاق اُڑے۔ اور جس کا پہلے مذاق اُڑے وہ بعد میں طاقت کا سرچشمہ کہلائے۔ انسانوں کے دلوں سے بھی تنگ یہ دیواریں اِس حقیقت کا اظہار بھی ہیں کہ قامت کے معاملے میں بے جان چیزیں جان والوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم واقع ہوئی ہیں سورج دیوتا کے اوتار کی لاش کو نمائش میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن گزوں طویل اور ٹنوں بھاری چٹانوں سے تعمیر کردہ یہ اہرام گواہی دیتے ہیں کہ خالق سے زیادہ پائیدار اُس کی تخلیق ہوتی ہے۔ انسانوں سے زیادہ مضبوط پتھروں کے ڈھیر ہیں جنہیں پانچ ہزار سال میں بھی کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکا۔

یہی پتھر اِس بات کا زندہ ثبوت بنے بیٹھے ہیں کہ جب انسان نے دُنیا کے دوسرے حصّوں میں گھٹنوں کے بل چلنا سیکھا بھی نہیں تھا تو مصریوں نے قابلِ رشک حد تک ترقی یافتہ تہذیب کی بنیاد ڈال دی تھی۔ اِس تہذیب کا سرتاج فرعون تھا۔ فرعون محض حاکم ہی نہ تھا۔ زمین اور آسمان کا مالک اور خالق بھی تھا۔ اُس کے جسم میں سُورج دیوتا کی روح سرایت کر جانے کے باعث وہ کبھی مر نہیں سکتا۔ موت آتی ہے تو اِس کا مطلب محض یہی ہے کہ اُسے دُنیا کے جھمیلوں سے کچھ آرام چاہیئے۔ اِس لئے اُس کی آخری آرام گاہ کچھ ایسی ہونی چاہیئے جو فرعونوں کے شایانِ شان ہو۔ اُس میں زندگی کی ہر وہ سہولت مِل سکے جس کا عادی فرعون اپنی بیداری کی حالت میں تھا۔ کون جانے کہ کب فرعون کی آنکھ کھُلے اور کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے۔ فرعون مر نہیں سکتا اِس لئے اُس کا جسم عام انسانوں کی طرح کبھی مٹی اور راکھ میں نہیں بدلے گا۔ اُس کی خواب گاہ کی عمارت بھی ایسی ہی ہونی چاہیئے جو زمانے کا ہر تھپیڑا سہہ لے۔ فرعون زندہ ہو یا مُردہ اُس کی طاقت کا اظہار بہر حال ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے انکار ممکن نہیں۔

اُسی طاقت کا مظہر وہ ہرم ہے۔ جسے خوفو کا اُفق کہتے ہیں۔ یہی سب سے بڑا اہرام ہے جسے آج سے ساڑھے چھیالیس سو برس پہلے مصر کے مشہور فرعون خوفو نے خود اپنی نگرانی میں اپنے لئے تعمیر کرایا تھا۔ کل کے فرعون آج کے فرعونوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور عقلمند تھے۔ وہ جانتے تھے کہ طاقت کا انجام کتنا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ عقلمند فرعون وہ ہے جو اپنی آخری آرام گاہ خود تیار کر لے۔ اگر آنے والی نسلیں اُسے تمسخر کا سامان بنا بھی لیں تو بھی اُس کے دبدبے کی کوئی نشانی تو باقی رہے۔ لیکن آج کے فرعون اتنے تخریب پسند واقع ہوئے ہیں کہ اُن کو اپنا ہرم بنانے کی توفیق بھی نہیں ہے۔

خوفو کی ذہانت کا یہ ٹھوس ثبوت ساڑھے تیرہ ایکڑ رقبے میں پونے پانچسو فٹ اُونچے گنبد نما قلعے کی صورت میں آج بھی اکڑتا ہوا کھڑا ہے۔ اُسی کے عین اُوپر مشرق کی جانب اُفق نما ایک سُوراخ ہے۔ جہاں سے گزر کر خوفو کی رُوح سُورج میں آرام کرنے چلی گئی تھی۔ یہ آج بھی کھُلا ہے۔ شاید اسی راستے سے وہ واپس آجائے۔ لیکن وہ رُوح اگر آج واپس آئی تو اُسے یہاں آکر مایوسی ہو گی۔ کیونکہ قالب مطلوب اپنی جگہ بدل چکا ہے۔ اُسے قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا ہے اور اُسی کے ساتھ ذہن بھٹک کر قاہرہ کے عجائب گھر کی طرف چلا جاتا ہے۔ جس کی سب سے نچلی منزل کے ایک خاص حصّے میں بادشاہوں اور فرعونوں کے تابوتوں کے ڈھیر اس حالت میں پڑے ہیں جیسے پُرانا فرنیچر مکان کے پیچھے پھینک دیا جاتا ہے۔

شیشے کے بکسوں میں بند یہاں خوفو بھی ہے اور راہیس بھی۔ وہ راہیس جس کے ذہن میں سب سے پہلے افریقہ اور ایشیا کے درمیان ایک نہر نکالنے کا خیال آیا۔ جس نے اپنے جبر کے سہارے ایک شریف اور کم گو انسان کو موسیٰ بننے پر مجبور کر دیا! یہی راہیس اپنی من چاہی اور ماں جائی ملکہ نفریتی کے پہلو بہ پہلو قاہرہ کے اِس عجائب گھر میں یوں پڑا ہے جیسے وہ واقعی مُردہ ہو۔ جیسے وہ کبھی خدا تو کیا انسان بھی نہیں تھا۔ جیسے وہ کسی اناڑی بُت تراش کی ایسی ناکام تخلیق ہو جسے فنکار بیچ ہی میں چھوڑ کر کسی دوسری طرف متوجہ ہو گیا ہو لیکن اُس اندھیرے سے ہال میں ایک عجیب بُو ذہنوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یہاں پر وہ لوگ لیٹے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے مُردہ گھروں کی تعمیر کے لئے نو سو میل کی دوری سے یعنی اسوان کی وادی سے نیل کے ذریعے کشتیوں پر لاد کر سینکڑوں ٹن وزنی سیاہ پتھر کچھ اِس آسانی سے

منگناتے تھے جیسے وہ بادِ سموم کے بگولے ہوں جو اس راستے پر بلا روک ٹوک چلتے رہتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کی آخری آرام گاہ تعمیر کرتے ہوئے انسانوں نے پہلی بار عصرِ حاضر کی سب سے بڑی مشین کا بنیادی نکتہ دریافت کیا۔ پتھروں کو پہاڑوں سے کاٹ کر کشتیوں پر چڑھانے اور کشتیوں سے اُتار کر اہرام تک لے جانے کے لئے پہلے سینکڑوں بدنصیب غلاموں کو مِل کر گھسیٹنا پڑتا تھا۔ لیکن کسی گمنام غلام کی ذہانت نے اپنے رفیقوں اور اپنے آقاؤں کی مشکل آسان کر دی۔ اُس نے ایسی گاڑی بنائی جس میں پتھر کے گول پہئے لگے تھے۔ اب پتھر بھی زیادہ آسانی کے ساتھ کھینچے جا سکتے تھے۔ اور فرعون کے دو سو پالکی برداروں کو بھی اب اُس کی دس من وزنی سونے کی پالکی کندھوں پر نہیں اُٹھانی پڑتی تھی۔ اب وہ اُسے رتھ میں بٹھا کر کھینچ لیتے تھے۔

یہیں پر اُس ملکہ نا سینی کا تابوت پڑا ہے جو مصر کے معیارِ حُسن کے مطابق اتنی حسین سمجھی جاتی تھی کہ اُس کی ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ داڑھیاں تھیں۔ جس نے محض یہ دیکھ کر مشین کی طاقت سے خوف کھایا تھا کہ پہیئے گاڑی کے استعمال سے غلام موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ اور غلام موٹے ہوتے جا رہے ہوں تو آقاؤں کے خیموں کی طنابیں بھی کاٹ سکتے ہیں۔ اِسی لئے اُس کے بھائی اور شوہر نے وہ حکم دیا۔ جسے مشینی ذہانت اور حکومتی طاقت میں پہلی ٹکر کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اُس نے کسی بھی طرح کے پہیئے کے استعمال کو ممنوع قرار دے دیا۔ تاکہ غلاموں کے پاس طاقت کا معمولی سا حصہ بھی بغاوت کرنے کے لئے باقی نہ رہے۔ لیکن کیا خبر تھی اُسے کہ پچاس صدیاں گزر جانے کے بعد جب اُس کی آرام گاہ اُس سے خالی کرائی جائے گی تو اِن ہی مجبور غلاموں کی اولاد اُسے ایک پہیئے دار ٹرک میں ڈال کر یہاں لے آئے گی، جہاں دن کو بھی رات کی سیاہی کا سماں رہتا ہے۔

یہیں اُن کے پہلو بہ پہلو اُن غلاموں اور باندیوں کی ممیاں اِتنی کثرت سے بکھری پڑی ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ آقا کون اور غلام کون ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بہت احتیاط کے ساتھ اِس سعادت کے لئے منتخب کیا جاتا تھا کہ قیامت تک اپنے خدا کے حضور میں وہ موجود رہیں۔ خیال ہوتا ہے کہ وہ کیسے انسان ہوں گے جو جیتے جی مرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ جو محض ایک آنے والے جہان کی آرزو میں اِس دُنیا کے غم اور خوشیاں بھول جاتے تھے لیکن پھر یہیں سے دوسرا دریچہ کھلتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ خیر پچاس صدیاں پہلے لوگوں کا تو یہ حال تھا کہ جو لوگ اپنے فرعونوں کے ہم سفر بنتے تھے وہ رضا سے بنتے تھے یا دھونس سے۔ لیکن آج کے انسانوں کی بات کرو جن میں اور اہرامِ مصر کی اِن ممیوں کے درمیان محض اتنا ہی فرق ہے کہ ممیاں صدیوں سے قائم و برقرار ہیں اور صدیوں تک قائم و برقرار رہیں گی۔ لیکن یہ خاکی انسان یہ جیتی جاگتی ممیاں چند برسوں بعد عدم کا حصہ بن جائیں گے۔ آج کی یہ ممیاں بھی تو بلا سوچے سمجھے اپنے فرعونوں کے ایک اشارے پر مرنے اور مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ غلام نہیں آزاد ہیں۔ یہ منتخب نہیں ہوتیں بلکہ منتخب کرتی ہیں۔ یہ رتھ نہیں کھینچتے، بلکہ حکومت چلاتے ہیں۔ اور راکٹ اُڑاتے ہیں۔ لیکن اِن کے انجام اور فرعونوں کے غلاموں کے انجام میں فرق ہے۔ اور وہ محض اتنا ہے کہ فراعنہ مصر کے غلاموں کو پتہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن بے چارے آج کے غلاموں کو اپنی بھی خبر نہیں کہ اُن کا فرعون کون ہے اور وہ کس کے لئے کہاں جا رہے ہیں۔

اور یوں اِن غلاموں کی ممیاں فرعونوں کے تابوتوں سے زیادہ عبرت ناک دکھائی دیتی ہیں۔ اِن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی فرعون کے نام پر مرنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ وہ جس مقام پر مرتے ہیں وہ بھی اُن کا اپنا نہیں رہتا۔

اِن ہی فرعونوں اور غلاموں کی ممیوں کے قریب بندروں، بلیوں، شیروں، گھوڑوں، مچھلیوں، بیلوں اور یہاں تک کہ سانپوں اور مینڈکوں تک کی ممیاں موجود ہیں۔ کیونکہ اہلِ طاقت کا یہ پُرانا قاعدہ ہے کہ وہ جس جہان کو اپنا بنائیں اُس کی تکمیل کر ڈالیں۔ ایک فرعون کے مرتے ہی ایک پوری کائنات کی نمائندگی کرنے والے جانداروں کو موت کے گھاٹ اُتار کر اُن کے جسموں کو بھی بقائے دوام کے لبادوں میں لپیٹ دیا جاتا تھا۔ فرعونوں کو احساس تھا کہ اگر غلام اور غلاموں بھری کائنات ہی نہ رہی تو اُن کی فرعونیت کس کام آئے گی۔

آج کے فرعونوں کو اپنے پیش روؤں کی مجبوری اور کم مائیگی پر افسوس تو ضرور ہوتا ہوگا۔ وہ لوگ تو مرنے کے بعد چند سو جانداروں کو اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرتے اور آج کے فرعون محض چند مفروضوں کی خاطر ایک پوری کائنات کو جیتے جی ختم کر دینے کو گھاٹے کا سودا نہیں سمجھتے۔ جانے کیوں لوگ

پھر بھی کہتے ہیں کہ زمانے نے ساٹھ صدیوں میں کوئی ترقی نہیں کی۔ یہیں پر، ان ہی میوں کے قریب وہ زیور اور وہ سونا بکھرا پڑا ہے جو اظہار ہے اِس حقیقت کا کہ اصلی دولت وہی ہے جس کا کوئی استعمال نہ ہو۔ یہ دولت ہیروں کے جڑاؤ ہاروں، موتیوں سے مرصع سونے کے تختوں، آنکھیں چُندھیا دینے والے تابوتوں کی شکل میں اِس عجائب گھر میں اِس طرح پڑی ہے جیسے یہ بھی مذاہب کے عقائد ہوں۔ جنھیں بیکار سمجھتے ہوئے بھی نظرانداز کر دینے کی ہمت کسی میں نہیں۔ یہیں پر اتنی دولت موجود ہے کہ پورے مصر کو یعنی ڈھائی کروڑ انسانوں کو مہینے بھر تک پیٹ بھر کر اچھی طرح روٹی مل سکتی ہے۔ یا تعلیم کے بھوکے بچوں کو دس سال تک مفت تعلیم دیجا سکتی ہے یا کوئی بڑی طاقت اُس سے تین بڑے ایٹمی دھماکے کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ اب تک انسان نے دولت کا کوئی مصرف اگر پایا ہے تو وہ یہی کہ زیادہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ موت اور دولت کی اِس گھٹن سے فرار حاصل کر کے ذہن ایک بار پھر خوفو کے ہرم کے اُس چور دروازے کی جانب آجاتا ہے جسے نصف صدی پہلے چوروں نے یہ سوچ کر دریافت کیا تھا کہ اُس کے ذریعے وہ اہرام میں پوشیدہ دولت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن وہ بھول گئے کہ دولت لینے کے لئے موت گاہ میں پہنچنا آسان اور دولت لے کر اُسی راستے سے واپس آنا ناممکن ہے۔ چونکہ تو وہیں اُن بھول بھلیوں کا شکار ہو گئے۔ لیکن سیاحوں کے لئے یہ راہ ضرور کھل گئی۔ جسے اپنا کر گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ چور دروازے سے داخل ہوتے ہی ہم اُس گیلری کے سرے پر پہنچتے ہیں جسے سورج کی سیڑھی یا موت کی پہلی منزل کہا جاتا ہے۔ ایک سو تریپن فٹ لمبی اور اٹھائیس فٹ اونچی سیڑھی کو طے کرتے ہوئے ہم اُس راستے کی جانب بڑھتے ہیں جہاں سے فرعون کا تابوت اپنی آخری آرامگاہ تک پہنچانے کے لئے گزارا جاتا تھا۔ فرعونوں نے طاقت کا یہ تقاضا بہت پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ جتنا بڑا کوئی انسان ہو اتنا ہی بڑا تابوت ہونا چاہیئے۔ ہر انسان کی عظمت یہی ہے کہ جیتا جاگتا انسان اپنے آپ کو بڑے سے بڑے تابوتوں میں بند کر کے بیٹھ جائے۔ جو بات عہدِ گزشتہ کے فرعون مرنے کے بعد کرتے تھے وہ عصرِ حاضر کے فرعون جیتے جی کرتے ہیں۔ لیکن اتنی دھوم دھام کے ساتھ نہیں۔ عہدِ قدیم کے فرعونوں کا تابوت اِس راستے سے گزرتا تھا۔ تو اُس کا وزن کم از کم چھ سات سو من ہوتا تھا۔ اور اُسے طے کرنے کے لئے سینکڑوں غلاموں کو نہ جانے کتنے دن اپنے خون پسینے کو ایک کرنا پڑتا تھا۔ یہی وہ راستہ ہے جہاں سے تابوت کو کھینچنے کے لئے جو رستے بنائے جاتے تھے وہ اُن ہزاروں حسیناؤں کی سنہری لٹوں سے تیار ہوتے تھے جنھیں فرعون کی جُدائی کے ماتم میں اپنے حسن کو قربان کرنا پڑتا تھا چند لمحوں میں یہ راستہ طے کرتے ہوئے ہم ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوتے

آنکھیں

آپ نے یہ کیا کہا گھر جائیں رخصت دیجئے
آپ کا گھر تو مری آنکھوں میں ہے دل میں ہے ــــ تیغہ دہلوی

باتوں کا کام آج لیا ہے نگاہ سے
آنکھوں پہ رکھ کے لائے انھیں جلوہ گاہ سے ــــ ریاض

نگاہِ ہوش رُبا میں بلا کا جادو ہے
کہ آنکھیں ملتے ہی دل کا پتہ نہیں ملتا ــــ شفق رضوی

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ نین وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے ــــ سودا

مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے
تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی ــــ نامعلوم

ہیں۔ جسے فرعون کی عبادت گاہ بنایا گیا تھا۔ سورج دیوتا کی ایک شبیہہ یہاں آج بھی موجود ہے۔ یہاں پر نہ جانے کتنے روز فرعون کی لاش کو رکھا گیا تاکہ وہ آخری رسوم ادا ہو جائیں جو ایک شاہانہ سفر کے لئے ضروری ہیں۔ راہبوں، پروہتوں اور کاہنوں کی ایک بھیڑ یہ اہتمام کرتی کہ اُس کی رُوح خوشی خوشی سورج لوک کی سیر کو جائے۔ ورنہ اگر وہ واپس آگئی تو اُن لوگوں کے لئے قیامت آجائے گی جن پر اِس سفر کی ذمہ داری ہے۔ بہت دن یہاں عبادت اور رسومات

کی تکمیل میں گزر جاتے۔ اسی دوران میں مصر بھر میں اُن سات کنواریوں کی تلاش شروع ہو جاتی تھی۔ جنھیں اپنے آقا اور اپنے خدا کے عظیم سفر کا ہمرکاب بننے کے لئے چُنا جاتا تھا۔ اُن کے منگیتر اور محبوب اُنھیں ریشم کی رسیوں میں جکڑ کر دیوِ ہرم کے سامنے لاتے جہاں پر کاہن اُنھیں اُس مقدس زہر کی پُڑیا دے دیتا جسے کنواری اپنے منگیتر کے ہاتھ سے یوں لے لیتی جیسے وہ اُس کے پیار کی انگوٹھی ہو لیکن اُسی مقدس زہر کی پُڑیا کی بدولت اُس کا ناطہ منگیتر سے ٹوٹ کر اپنے حقیقی آقا اور خدا سے جُڑ جاتا۔ اور اُس کے بدلے میں اُن کنواریوں کے منگیتر نئے فرعون کے بھائی کہلاتے۔ اُنھیں خلعتیں عطا ہوتیں اور اُنھیں آخری وقت تک مرنے والے فرعون اور اُس کے قافلۂ مرگ کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوتی اور یوں انسانوں کی محبت کی گرمی اِن سیاہ پتھروں کی بے رحم اور خاموش سردی میں تحلیل ہو کر رہ جاتی۔ انسان ہمیشہ سے محبت اسی لئے کرتا آیا ہے کہ وہ کسی جابر کے موہوم مفروضوں کی نذر ہو جائے۔ وہ جابر خواہ کل کا فرعون ہو یا آج کا سماج انجام ہمیشہ ایک ہی ہے۔ عشق کی اِسی قربان گاہ اور حکومت و خدائی کے اِسی سنگم سے آگے بڑھ کر جو سیڑھیاں سامنے آتی ہیں وہ چوڑی تو پہلے جیسی ہی ہیں لیکن اب گیلری کی بلندی اِتنی نہیں رہی جتنی کہ پہلے تھی۔ اِسلئے کہ اِسی عبادت گاہ میں اب لاش کو آخری تابوت میں لِٹایا جا چکا ہے۔ اُس پر وہ تمام عمل آزمائے جا چکے ہیں جو دُنیا میں جسم کی قید کو مکمل کر دیتے ہیں۔ اُن جسموں کو اپنی بقا کی اِتنی فکر تھی کہ بچّے کے پیدا ہوتے ہی اُس کے جسم پر ایسی دواؤں کی مالش شروع ہو جاتی۔ جس کے طفیل آخرت میں اُس کے جسم کو امتدادِ وقت کا شکار نہ ہونا پڑے لیکن موت کے بعد تو ہفتوں نہ جانے جراحت کے کون سے نسخے آزما کر وہ جسم ایسے کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا تھا جو جسم کی طرح آج بھی تر و تازہ ہے۔ اُسی جسم کو اِس طرح لپیٹ کر اُسے اِس تابوت میں رکھ دیا جاتا تھا۔ جس کی ایک نہیں سات تہیں تھیں۔ پہلا تابوت سُرخ پتھر کا تھا۔ اُس کے اندر سنگِ مرمر کا، اُسکے بعد پیتل کا اور یہاں تک کہ پیاز کے چھلکوں کی طرح یہ تابوت اُترتے اُترتے ہیرے سے مرصّع اُس سونے کے تابوت تک جا پہنچتا جس کے اندر اُس شخص کی ممی محفوظ ہوتی جو دُنیا کا سب سے طاقت ور انسان تھا۔ اِس لئے کہ سب سے زیادہ خوف سب سے زیادہ طاقت ور ہی انسانوں کو محسوس ہوتا ہے۔ جب یہ خوف

اِن سات تابوتوں سے بھی مقدس ہو سکا تو [illegible] تعمیر ہوئی جس نے دس برسوں تک ایک لاکھ انسانوں کو اپنی محنت میں مصروف رکھا جس کا مقصد محض ایک مردہ جسم کی حفاظت تھی۔ [illegible] کا مقدس ترین کام یہی ہے کہ وہ مُردہ [illegible] کی حفاظت کے لئے [illegible] ایک کر دیں۔ اور جب یہ خون پسینہ ایک ہو چکا تو یہاں [illegible] جن کے متعلق آج تک کوئی یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیسے یہاں تک پہنچے۔ وہ کون سے ہاتھ تھے جنھوں نے محض اپنے رگ پٹھوں کے کس بل سے سینکڑوں من وزنی پتھروں کو اِس طرح چُن دیا کہ اب انسانوں کی کیا مشین کی اندھی طاقت بھی اُنھیں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی۔ اچھی حکومت اور اچھی اطاعت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقل کے تقاضوں سے بے نیاز ہوں۔ اِسی گیلری کا اختتام جس کمرے پر ہوا اُس کی چھت چودہ فٹ لمبی اور نو فٹ چوڑی ہونے کے باوجود محض ایک ہی پتھر کی بنی ہے۔ جس کے وزن کا اندازہ آٹھ سو من سے کم نہیں۔ حاکم کی طاقت اور محکوم کی محنت کے امتزاج کا یہ شاہکار فرعون کی بہن یعنی ملکہ کا کمرہ ہے۔ جو اُس دن کے لئے کھُلا رکھا جاتا تھا جب کہ مرنے والے کی ملکۂ اعلیٰ یعنی سب سے بڑی سگی بہن اپنے شوہر اور سگے بھائی کے پہلو بہ پہلو آخرت کے سفر میں شریک ہو جائے۔ آج یہاں پر وہ ملکہ موجود نہیں ہے۔ جسے غسل کے لئے ہر روز اکیس گائے بھینسوں، بیس اُونٹنیوں، سو بکریوں اور ستّر گدھیوں کا دودھ درکار ہوتا تھا۔ جس کے ایک اشارے پر بیسیوں سر برسات میں ٹپکنے والے آموں کی طرح جھڑ جاتے تھے۔ تاکہ اُس کی نگاہ کو تماشے کا سامان مل سکے، نہ آج یہاں اُن باندیوں اور لونڈیوں کی ممیاں موجود ہیں جن کا گناہ محض اِتنا تھا کہ اُنھوں نے اِتنے جی جان سے اپنی ملکہ کی خدمت کی کہ آخرت تک اُن کی خدمت کا ساتھ ناگزیر ہو گیا۔ یہاں پر اب اُس عنبر اور لوبان کی خوشبو بھی موجود نہیں رہی جو ہزاروں سال گزرنے کے بعد اُس وقت تک موجود تھی جب کہ نصف صدی پہلے اِس حجرے کو کھول کر اِس کے مکینوں کو عجائب گھر میں سجا دیا گیا اب تو یہاں ایک شدید گھُٹن اور حبس ہے۔ جس کا دباؤ اِس قدر شدید ہے کہ آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ راستہ خوف اور اندھیرے سے اَٹا پڑا ہے۔ اِسی کے کچھ اور اوپر فرعون کا کمرہ ہے۔ جس میں اب پتھری پتھر باقی ہیں

لیکن کبھی سب کچھ تھا۔ اور اُس کے نشانات آج بھی باقی ہیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا حمام ہے۔ جس میں غُسل کے ایسے انتظامات موجود ہیں جو زندوں کو بھی مرنے کی ترغیب دیں۔ اُسی کے ساتھ کھانے کی چیزوں کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جس میں غلاموں اور کنیزوں سے لے کر اُس وقت کی ہر خوراک موجود تھی۔ بیروں اور کھجوروں سے لے کر تربوز تک ہر قسم کے پھل اور سادہ پانی سے لے کر اعلیٰ شراب تک ہر شے یہاں مہیا تھی۔ کہ کون جانے کس وقت سات تابوتوں میں محبُوس جسم میں جان پلٹ آئے اور اُس کا دل کسی چیز پر آجائے جو وہاں موجود نہ ہو۔ اِسی تابوت گاہ کے عین اُوپر مشرق کی جانب ایک سُوراخ ہے۔ جو اُوپر چڑھتے ہوئے گزوں اُونچے پتھروں میں سے گزرتا ہوا خلا میں کھلتا ہے۔ تاکہ جانے والے کی رُوح آسانی کے ساتھ اِسی قالب میں واپس آجائے۔

یہاں پریوں تو اِس وقت رات ایسے اندھیرے اور فضا ایسے خوف کے سوا اور کچھ موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم مجبور ہیں کہ ہم یہاں سے جُھکتے ہوئے اُلٹے پاؤں ہی واپس لوٹیں۔ یہ راستہ اتنا نیچا ہے کہ اور کوئی طریقہ نیچے اُترنے کا ہے ہی نہیں۔ یہ فرعون بھی کس قدر ہوشیار تھے کہ یہ احتیاط کر لی کہ مرنے کے بعد بھی کوئی اُن کی بے حُرمتی نہ کر سکے۔ جو وہاں آئے وہ مجبوراً فرعونی آداب کو بجا لاتا ہوا لوٹے۔ راستے میں لگے ہوئے بجلی کے بلب کل کا رشتہ آج سے جوڑتے ہیں۔ اور پھر باہر نکلتے ہی کئی صدیاں گڈمڈ نظر آتی ہیں۔ اُونٹ جو اب سارے مصر میں مشکل سے نظر آئے گا یہاں پر موجود ہے۔ تاکہ غیر ملکی سیاح کرائے پر مصری لباس لے کر پہنیں اور اُن پہ چڑھ کر تصویریں کھنچوائیں۔ سامنے مصری نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک خوبصورت سے بنگلے کے باغیچے میں بیٹھے ہیں۔ ہمارا گائیڈ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ بنگلہ مصر کے آخری فرعون فاروق کا تھا۔ محض قاہرہ ہی کے آس پاس ایسی بیسیوں آرام گاہیں موجود ہیں۔ جہاں موجودہ عہد کا سب سے زیادہ عیش پسند انسان آرام کے بعد آرام کرنے جایا کرتا تھا۔

مغربی لباس میں ملبوس یہ نوجوان قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ فلم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو اہرام پر ایک تصویر تیار کر رہا ہے۔ اور ذہن پر اِس طرح ایک عجیب طرح کا دھکا لگتا ہے۔ جیسے جی جس درندے کے نام سے بھی ڈر لگتا ہے۔ مرنے کے بعد اُس کے سفّش پھر سے قالب پر چڑھنے کی خواہش ہر بچے کو ہوتی ہے۔

اُسی طرح کا ایک سفّش پھر اقالب یعنی مردہ طاقت کا ایک زندہ اظہار خافرے کا ہرم ہے جو خوفو کے ہرم سے تو چھوٹا ہے۔ لیکن شکل و صورت بالکل ویسی ہی ہے۔ ایک تیسرا ہرم منکورے فرعون کا ہے۔ جسے تین پشتوں نے بہت چاؤ سے بنوایا تھا اِس لئے کہ ہر بنانے والے کی خواہش یہی تھی کہ یہ اُس کا مسکن بنے۔ لیکن اُسکے بعد کے آنے والے نے اُسے توکہیں اور ڈال دیا۔ لیکن یہ ہرم اپنے لئے محفوظ کر لیا۔ اور یہی سلسلہ جب تین نسلوں تک چل چکا تو منکورے نے اپنے ہی اقدام سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو زندہ ہرم نصیب کرنے کا حکم دے دیا۔ مرنے کے بعد بھی بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جن تک پہنچنے کے لئے انسان کو جیتے جی من مار کر مرنا ہی پڑتا ہے۔

منکورے کا ہرم بھی ایسے ہی مقامات میں سے ہے۔ جو اِن تینوں میں سے چھوٹا اور پُرانا ہونے کے باوجود سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حالانکہ سینکڑوں سال ریت میں دبے رہنے کے بعد سب سے پہلے ایسے ہی دریافت کیا گیا تھا۔ اِسی کے ساتھ ابوالہول کا مجسمہ ہے۔ جس کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اُس کی اہم بات اُس کا شیر کا دھڑ ہے یا آدمی کا سر! اُس کی پُراسرار مسکراہٹ انسان کی وہ ازلی حقارت بھری ہنسی ہے جو لاتعداد صدیوں کے تھپیڑوں اور لاتعداد فرعونوں کے اہرام مٹ جانے کے بعد بھی زندہ رہے گی۔ کہتے ہیں کہ جب نپولین مصر پہنچا تھا تو اُس نے ابوالہول کی ناک توڑ ڈالی تھی۔ پھر بھی وہ کوشش کے باوجود اُس کی مسکراہٹ نہ چھین سکا۔ لیکن آج میری آنکھوں کے سامنے بیسیوں مزدور اور انجینئر اُس ناک کی مرمت کرنے میں مصروف ہیں۔ ابوالہول کی مسکراہٹ اب چمک اُٹھی ہے۔ اور مصر کا وقار بھی اب واپس آچکا ہے ✦

رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد بیسویں صدی ہر ماہ باقاعدگی سے سپردِ ڈاک کیا جاتا ہے۔ اِس کے باوجود شکایتی خط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے۔

(مینجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

کا کھیل میں گم ہو جاتے۔ اسی دوران میں مصر بھر میں اُن سات کنواریوں کی تلاش شروع ہو جاتی تھی جنہیں اپنے آقا اور اپنے خدا کے عظیم سفر کا ہم رکاب بننے کے لیے چنا جاتا تھا۔ اُن کے منگیتر اور محبوب انہیں ریشم کی رسیوں میں جکڑ کر دربار کے سامنے لاتے جہاں پر کاہن انہیں اس مقدس زہر کی پڑیا دے دیتا جسے کنواری اپنے منگیتر کے ہاتھ سے یوں لے لیتی جیسے وہ اس کے پیار کی انگوٹھی ہو لیکن اسی مقدس زہر کی پڑیا کی بدولت اس کا ناطہ منگیتر سے ٹوٹ کر اپنے حقیقی آقا اور خدا سے جڑ جاتا۔ اور اس کے بدلے میں ان کنواریوں کے منگیتر نئے فرعون کے بھائی کہلاتے۔ انہیں خلعتیں عطا ہوتیں اور انہیں آخری وقت تک مرنے والے فرعون اور اس کے قافلۂ مرگ کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوتی اور یوں انسانوں کی محبت کی گرمی ان سیاہ پتھروں کی بے رحم اور خاموش سردی میں تحلیل ہو کر رہ جاتی۔ انسان ہمیشہ سے محبت اسی لئے کرتا آیا ہے کہ وہ کسی جابر کے موہوم مفروضوں کی نذر ہو جائے۔ وہ جابر خواہ کل کا فرعون ہو یا آج کا سماج انجام ہمیشہ ایک ہی ہے۔ عشق کی اسی قربان گاہ اور حکومت و خدائی کے اسی سنگم سے آگے بڑھ کر جو سیڑھیاں سامنے آتی ہیں وہ چوڑی تو پہلے جیسی ہی ہیں لیکن اب گیلری کی بلندی اتنی نہیں رہی جتنی کہ پہلے تھی۔ اسلئے کہ اسی عبادت گاہ میں اب لاش کو آخری تابوت میں لپٹایا جا چکا ہے۔ اس پر وہ تمام عمل آزمائے جا چکے ہیں جو دُنیا میں جسم کی قید کو مکمل کر دیتے ہیں۔ اُن جسموں کو اپنی بقا کی اتنی فکر تھی کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے جسم پر ایسی دواؤں کی مالش شروع ہو جاتی۔ جس کے طفیل آخرت میں اس کے جسم کو امتدادِ وقت کا شکار نہ ہونا پڑے لیکن موت کے بعد تو ہفتوں نہ جانے جراحت کے کون سے نسخے آزما کر وہ جسم ایسے کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا تھا جو جسم کی طرح آج بھی تر و تازہ ہے۔ اسی جسم کو اس طرح لپیٹ کر اُسے اس تابوت میں رکھ دیا جاتا تھا جس کی ایک نہیں سات تہیں تھیں۔ پہلا تابوت سرخ پتھر کا تھا۔ اس کے اندر سنگِ مرمر کا، اسکے بعد پیتل کا اور یہاں تک کہ پیاز کے چھلکوں کی طرح یہ تابوت اُترتے اُترتے ہیروں سے مرصّع اس سونے کے تابوت تک جا پہنچتا جس کے اندر اس شخص کی ممی محفوظ ہوتی جو دُنیا کا سب سے طاقت ور انسان تھا۔ اس لئے کہ سب سے زیادہ خوف سب سے زیادہ طاقت ور ہی انسانوں کو محسوس ہوتا ہے۔ جب یہ خوف

اِن سات تابوتوں سے بھی مطمئن نہ ہو سکا تو شاہی جلال اور [illegible] تعمیر ہوئی جس نے دس برسوں تک ایک لاکھ انسانوں کو [illegible] رکھا جس کا مقصد محض ایک مردہ جسم کی حفاظت تھی۔ [illegible] کا مقدس ترین کام یہی ہے کہ وہ مُردہ روایتوں کی حفاظت کے [illegible] ایک کر دیں۔ اور جب یہ ہو بیٹھا ایک ہو چکا تو یہاں ایسے پتھر [illegible] جن کے متعلق آج تک کوئی یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیسے یہاں تک پہنچے۔ [illegible] سے ہاتھ تھے جنھوں نے محض اپنے رگ پٹھوں کے کس بل سے سینکڑوں من وزنی پتھروں کو اس طرح چن دیا کہ اب انسانوں کی کیا مشین کی اندھی طاقت بھی انہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی۔ اچھی حکومت اور اچھی اطاعت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عقل کے تقاضوں سے بے نیاز ہوں۔ اسی گیلری کا اختتام جس کمرے پر ہوا اس کی چھت چودہ فٹ لمبی اور نو فٹ چوڑی ہونے کے باوجود محض ایک ہی پتھر کی بنی ہے جس کے وزن کا اندازہ آٹھ سو من سے کم نہیں۔ حاکم کی [illegible] اور محکوم کی محنت کے امتزاج کا یہ شاہکار فرعون کی بہن یعنی ملکہ کا کمرہ ہے۔ جو اس دن کے لئے کھلا رکھا جاتا تھا جب کہ مرنے والے کی ملکۂ اعلیٰ یعنی سب سے بڑی سگی بہن اپنے شوہر اور سگے بھائی کے پہلو بہ پہلو آخرت کے سفر میں شریک ہو جائے۔ آج یہاں پر وہ ملکہ موجود نہیں ہے۔ جسے غسل کے لئے ہر روز اکیس گائے بھینسوں، بیس اونٹنیوں، سو بکریوں اور ستر گدھیوں کا [illegible] درکار ہوتا تھا۔ جس کے ایک اشارے پر بیسیوں سر برسات میں ٹپکنے والے آموں کی طرح جھڑ جاتے تھے۔ تاکہ اس کی نگاہ کو تماشے کا سامان مل سکے۔ نہ آج یہاں اُن باندیوں اور لونڈیوں کی ممیاں موجود ہیں جن کا گناہ محض اتنا تھا کہ انھوں نے اتنے جی جان سے اپنی ملکہ کی خدمت کی کہ آخرت تک اُن کی خدمت کا ساتھ ناگزیر ہو گیا۔ یہاں پر اب اس عنبر اور لوبان کی خوشبو بھی موجود نہیں رہی جو ہزاروں سال گزرنے کے بعد اس وقت تک موجود تھی جب کہ نصف صدی پہلے اس حجرے کو کھول کر اس کے مکینوں کو عجائب گھر میں سجا دیا گیا اب تو یہاں ایک شدید گھٹن اور حبس ہے۔ جس کا دباؤ اس قدر شدید ہے کہ آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ راستہ خوف اور اندھیرے سے اٹا پڑا ہے۔ اسی کے کچھ اور اوپر فرعون کا کمرہ ہے۔ جس میں اب [illegible]

لیکن یہ سب کچھ تھا۔ اور اس کے نشانات آج بھی باقی ہیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا حمام ہے۔ جس میں غسل کے ایسے انتظامات موجود ہیں جو زندوں کو بھی مرنے کی ترغیب دیں۔ اسی کے ساتھ کھانے کی چیزوں کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ جس میں غلاموں اور کنیزوں سے لے کر اس وقت کی ہر خوراک موجود تھی۔ بیروں اور کھجوروں سے لے کر تربوز تک ہر قسم کے پھل اور سادہ پانی سے لے کر اعلیٰ شراب تک ہر شے یہاں مہیا تھی۔ کہ کون جانے کس وقت سات تابوتوں میں محبوس جسم میں جان پلٹ آئے اور اس کا دل کسی چیز پر آجائے جو وہاں موجود نہ ہو۔ اسی تابوت گاہ کے عین اوپر مشرق کی جانب ایک سوراخ ہے۔ جو اوپر چھپے ہوئے گزروں اونچے پتھروں میں سے گزرتا ہوا خلا میں کھلتا ہے۔ تاکہ جانے والے کی روح آسانی کے ساتھ اسی قالب میں واپس آجائے۔

یہاں پریوں تو اس وقت رات جیسے اندھیرے اور خدا جیسے خوف کے سوا اور کچھ موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی ہم مجبور ہیں کہ ہم یہاں سے جھکتے ہوئے اُلٹے پاؤں ہی واپس لوٹیں۔ یہ راستہ اتنا نیچا ہے کہ اور کوئی طریقہ نیچے اُترنے کا ہے ہی نہیں۔ یہ فرعون بھی کس قدر ہوشیار تھے کہ یہ احتیاط کرلی کہ مرنے کے بعد بھی کوئی اُن کی بے حُرمتی نہ کر سکے۔ جو وہاں آئے وہ مجبوراً فرعونی آداب کو بجالاتا ہوا لوٹے۔ راستے میں لگے ہوئے بجلی کے بلب کل کا رشتہ آج سے جوڑتے ہیں۔ اور پھر باہر نکلتے ہی کئی صدیاں گڈمڈ نظر آتی ہیں۔ اُونٹ جو اب سارے مصر میں مشکل سے نظر آئے گا یہاں پر موجود ہے۔ تاکہ غیر ملکی سیاح کرائے پر مصری لباس لے کر پہنیں اور اُن پر چڑھ کر تصویریں کھنچوائیں۔ سامنے مصری نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک خوبصورت سے بنگلے کے باغیچے میں بیٹھے ہیں۔ ہمارا گائیڈ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ بنگلہ مصر کے آخری فرعون فاروق کا تھا۔ محض قاہرہ ہی کے آس پاس ایسی بیسیوں آرام گاہیں موجود ہیں۔ جہاں موجودہ عہد کا سب سے زیادہ عیش پسند انسان آرام کے بعد آرام کرنے جایا کرتا تھا۔

مغربی لباس میں ملبوس یہ نوجوان قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ فلم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو اہرام پر ایک تصویر تیار کر رہا ہے۔ اور ذہن پر اس طرح ایک عجیب طرح کا دھکا لگتا ہے۔ جیسے ہی جس درندے کے نام سے بھی ڈر لگتا ہے۔ مرنے کے بعد اُس کے بھُس بھرے قالب پر چڑھنے کی خواہش ہر بچے کو ہوتی ہے۔

اُسی طرح کا ایک بھُس بھرا قالب یعنی مردہ طاقت کا ایک زندہ اظہار خافرے کا ہرم ہے جو خوفو کے ہرم سے تو چھوٹا ہے۔ لیکن شکل وصورت بالکل ویسی ہی ہے ایک تیسرا ہرم منکورے فرعون کا ہے۔ جسے تین پشتوں نے بہت چاؤ سے بنوایا تھا اس لئے کہ ہر بنانے والے کی خواہش یہی تھی کہ یہ اُس کا مسکن بنے۔ لیکن اُسکے بعد کے آنے والے نے اُسے تو کہیں اور ڈال دیا۔ لیکن یہ ہرم اپنے لئے محفوظ کر لیا۔ اور یہی سلسلہ جب تین نسلوں تک چل چکا تو منکورے نے اپنے ہی اقدام سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو زندہ ہرم نصیب کرنے کا حکم دے دیا۔ مرنے کے بعد بھی بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جن تک پہنچنے کے لئے انسان کو جیتے جی من مار کر مرنا ہی پڑتا ہے۔

منکورے کا ہرم بھی ایسے ہی مقامات میں سے ہے۔ جو اِن تینوں میں سے چھوٹا اور پُرانا ہونے کے باوجود سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حالانکہ سینکڑوں سال ریت میں دبے رہنے کے بعد سب سے پہلے اسے ہی دریافت کیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ابوالہول کا مجسمہ ہے۔ جس کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اُس کی اہم بات اُس کا شیر کا دھڑ ہے یا آدمی کا سر؟ اُس کی پُراسرار مسکراہٹ انسان کی وہ ازلی حقارت بھری ہنسی ہے جو لاتعداد صدیوں کے تھپیڑوں اور لاتعداد فرعونوں کے اہرام مٹ جانے کے بعد بھی زندہ رہے گی۔ کہتے ہیں کہ جب نپولین مصر پہنچا تھا تو اُس نے ابوالہول کی ناک توڑ ڈالی تھی۔ پھر بھی وہ کوشش کے باوجود اُس کی مسکراہٹ نہ چھین سکا۔ لیکن آج میری آنکھوں کے سامنے بیسیوں مزدور اور انجینئر اُس ناک کی مرمت کرنے میں مصروف ہیں۔ ابوالہول کی مسکراہٹ اب چمک اُٹھی ہے۔ اور مصر کا وقار بھی اب واپس آچکا ہے ؛

رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد بیسویں صدی ہر ماہ باقاعدگی سے سپردِ ڈاک کیا جاتا ہے۔ اِس کے باوجود شکایتی خط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے۔

(مینیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

غزلیں

رشتی پٹیالوی

موجِ غم کناروں سے ہم کنار کرتی ہے
کشتیِ حیات اکثر ڈوب کر اُبھرتی ہے

وہ نظر تو چپکے سے دِل پہ وار کرتی ہے
جان ڈال دیتی ہے چوٹ جب اُبھرتی ہے

تابِ دید لائے کون دم بخود ہیں اہلِ دل
آپ کی محبت بھی آپ ہی سے ڈرتی ہے

کیوں نہ خاک ہو جائے رنگ و بُو کا شیدائی
کائناتِ رنگ و بُو خاک سے اُبھرتی ہے

کون کس پہ مرتا ہے بات ہے یہ کہنے کی
اپنی موت مرتی بھی زندگی تو مرتی ہے

کچھ تو بات پیدا ہو درد کے فسانے میں
لب سے بھی گزر جائے دل پہ جو گزرتی ہے

روشنی سی آتی ہے دیکھ کر نگاہوں میں
دِل میں اُن کی آمد سے چاندنی اترتی ہے

کچھ کہی نہیں جاتی داستاں محبت کی
قدرتِ بیاں میری حوصلہ تو کرتی ہے

کیا خبر کہاں کوئی راہ زن نکل آئے
زندگی محبت کے حادثوں سے ڈرتی ہے

صبر لوٹ لیتی ہے سادگی رشتی جس کی
وہ نظر مقدر کے فیصلے بھی کرتی ہے

راہی بلند شہری

آوارگانِ شہرِ نگاراں ہمیں تو ہیں
یعنی خرابِ چشمِ غزالاں ہمیں تو ہیں

سُلجھائی ہم نے زلفِ پریشانِ زندگی
اس پر بھی زندگی سے پریشاں ہیں تو ہیں

قدموں میں اپنے دولتِ کون و مکاں ہے دوست
یعنی گدائے کوچۂ جاناں ہمیں تو ہیں

حُسن و جفا کی برقِ خراماں تمھیں تو ہو
عشق و وفا کی آتشِ سوزاں ہمیں تو ہیں

اِس خستگی و خاک نشینی کے باوجود
شان و شکوہ و عظمتِ ایواں ہمیں تو ہیں

ہم کو اسیرِ گردشِ دوراں نہ کر سکی
یعنی اسیرِ کاکُلِ پیچاں ہمیں تو ہیں

خوں رو رہی ہے صبحِ وطن جن کے واسطے
وہ بدنصیب، شامِ غریباں ہمیں تو ہیں

دامن میں حادثات کے طوفاں لیے ہوئے
ہر بحرِ حادثات کا طوفاں ہمیں تو ہیں

کھو کر کسی حسین کی زلفوں کی چھاؤں میں
ہر اک حسیں کا خوابِ پریشاں ہمیں تو ہیں

غیروں کے جو کرم کو بھی کرتے نہیں قبول
اپنوں کے جور و ستم پہ ہیں نازاں ہمیں تو ہیں

دار و رسن کی راہ سے گزرے جو بے خطر
راہی وہ رہ روِ رہِ عرفاں ہمیں تو ہیں

افسانہ

ہاتھ کنگن اور آرسی

گربچن سنگھ

۲۳، این روڈ۔ جمشید پور۔۱

۱۴ جون ۱۹۹۰ء

محترم بھائی! تسلیم

.... گزشتہ دسمبر میں جو چند گھڑیاں آپ کے قریب بیٹھ کر گزاری تھیں۔ اُن کی یاد اب بھی دل میں کروٹیں لے رہی ہے۔ "بیسویں صدی" کے لئے ایک کہانی بھیج رہا ہوں۔ یہ سیدھی سادی کہانی ہے۔ پھر بھی اُمید ہے آپ کو پسند آئے گی۔ سادگی اور پاکیزگی ہی اس کہانی کا حسن ہے۔ اپنی گرانقدر رائے سے نوازیئے۔

آپ کا ——— گربچن سنگھ

اُس دن جب وہ ہمارے یہاں آئی تو جیسے بہار آگئی۔ کمرے کی فضا خوشبو سے معطر ہوگئی۔ میرے خاوند کی آنکھوں میں ایک عجیب خوشی سی رچ گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ کچھ عجیب والہانہ انداز میں بولے۔

"بینا تم! ——— اِس وقت! ——— آؤ بیٹھو!!"

بینا بولی۔ "بیٹھوں گی نہیں۔ مجھے جلدی لوٹنا ہے۔"

"بیٹھو بھی۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ تارا سے ملو" اور میرا تعارف بینا سے کراتے ہوئے بولے۔ "تارا یہ ہے بینا دیدی!" اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بینا سے بولے۔ "یہ ہے تارا جسے شاید تم پہلی بار دیکھ رہی ہو۔"

ہم نے ایک دوسرے کو نمسکار کیا۔

بینا دیکھنے میں خوب صورت تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں، رنگ گندمی۔ چہرے سے بھولا پن ٹپکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا۔ مجموعی طور پر وہ مجھ سے زیادہ کشش رکھتی ہے۔

وہ بولے۔

"تارا! جاؤ چائے لاؤ!"

اور بینا سے بولے۔ "بیٹھو نا! تم کھڑی کیوں ہو؟"

"نہیں مجھے جلدی ہی لوٹنا ہے۔ اور ایک ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" کہتے ہوئے بینا نے ایک اُچٹتی نظر مجھ پر ڈالی۔ میں کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ مجھے بینا کا یہ انداز بُرا لگا۔ کیا اُن کے درمیان کوئی ایسی بھی بات ہو سکتی ہے جسے میں نہ سُن سکوں۔

کچھ دیر بعد جب میں چائے لے کر پھر اُس کمرے میں آئی تو وہ جا چکی تھی میں نے اُن سے پوچھا۔

"یہ بینا دیدی ہے کون؟"

وہ بولے۔

"بہت پہلے کی جان پہچان ہے۔ بڑی ملن سار ہے بے چاری۔"

"ہوں!" میں نے اور کچھ نہیں کہا۔ اور چائے کے دونوں پیالے اُن ہی کے سامنے رکھ کر باورچی خانے میں لوٹ آئی۔ بینا کا گھر میں آنا مجھے اچھا نہیں لگا۔ اِس واقعہ کو کچھ دن بیت گئے۔ اُس دن کا حادثہ بُھلائے نہ بھولا۔ مجھے یقین ہوگیا میرے شوہر کے بینا سے گہرے تعلقات ہیں۔ وہ اُس سے کُھل کر ملتے ہیں اور جی کھول کر باتیں کرتے ہیں۔ میں جب کبھی اُس کا ذکر چھیڑتی، وہ اُس کی تعریف میں ایک لمبی کہانی کہنے لگتے۔ اُس کے سبھاؤ، اُس کی خوبیوں، اور

[illegible] کی تعریف کے پل باندھنے لگے۔ مجھے یہ سب بالکل اچھا نہ لگتا۔

ایک دن رات کے وقت وہ کچھ دیر سے لوٹے۔ میں نے پوچھا۔

"آج اِتنی دیر کیوں ہو گئی؟"

وہ بولے۔

"بینا کے ہاں چلا گیا تھا۔ باتوں باتوں میں کتنا وقت گزر گیا۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ بے چاری ہے بڑی معصوم۔ میری بہت عزت کرتی ہے۔"

"ہوں!" میں کچھ سوچ کر بولی۔ "ابھی تک بیاہ کیوں نہیں کیا اُس نے؟"

"بیاہ ——!" اُنھوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

میرے جسم میں ایک جھرجھری سی دوڑ گئی۔

"دیکھیے جی!" میں نے کچھ سنبھلتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارا اُن کے یہاں اِس طرح جانا اور ملنا اچھا نہیں لگتا۔"

"کیا تم مجھ پر شک کرتی ہو؟" اُنھوں نے پوچھا۔

میں نے کہا۔

"شک کی بات نہیں۔ میں نہیں تو کوئی دوسرا تو آپ دونوں پر شک کر سکتا ہے!"

وہ بولے "میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اِتنی کمزور طبیعت کی عورت ہو۔"

مجھے اُن کی اِس بات سے دُکھ پہنچا۔ "تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اُس کے یہاں آنا جانا چھوڑ نہیں سکتے۔ اور اُس کے پاس کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر باتیں کیے بغیر تمھیں چین نہیں نصیب ہو سکتا۔ اگر اُس سے اِتنی ہی محبت ہے تو مجھے اِس گھر میں کیوں لائے۔ مجھے میرے میکے بھیج دو۔"

میں روٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب میرا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو میں نے جا کر پوچھا۔

"اب کچھ کھاؤ گے یا نہیں؟ کھانا پڑا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

وہ بولے۔ "تم کھا لو، مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کیوں بھوک کو کیا ہوا؟"

اُنھوں نے بہت اطمینان سے کہا۔ "کھانا میں نے بینا کے یہاں ہی کھا

پھر میں نے اُن سے اور کچھ نہ پوچھا۔

اُس دن کے بعد مجھے [illegible] ناسور بن رہی ہے۔ کسی دن ایک ہی [illegible] گا۔ میرا سنگھار، میری شانتی، میرا جیون، سب کچھ بکھر کر رہ جائے گا۔ زندگی میں اِس سے بڑی ٹریجڈی اور کیا ہو سکتی ہے! میں دُکھی رہنے لگی۔

اُدھر اُنھیں نیا نیا ٹیوشن ملا تھا۔ اور اسکول سے چھٹی کر کے سیدھے ٹیوشن کرنے چلے جاتے تھے۔ اِس لیے اکثر دیر کر کے گھر لوٹتے تھے۔ ایک دن بینا چراغ جلے ہمارے گھر آئی۔ اُس سے بات کرنے کو میرا جی نہ چاہا۔ دل نے کہا۔ آ گئی ڈائن میری زندگی میں آگ لگانے لیکن اُس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر میں خاموش نہ رہ سکی۔

"کہیے کیسے آنا ہوا؟"

"کیا وہ گھر میں نہیں ہیں؟" اُس نے میٹھے لہجے میں پوچھا۔

میں نے کہا۔ "نہیں، وہ کچھ دیر سے گھر لوٹتے ہیں۔"

"اچھا اچھا میں سمجھ گئی۔" وہ اُسی طرح مسکراتی ہوئی بولی۔ "وہ ٹیوشن پہ جاتے ہوں گے!"

"بیٹھیے نا کھڑی کیوں ہیں؟"

میں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں مجھے جلدی ہے!" وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔ "میں چلی۔ جب وہ آئیں تو کہہ دیجیے گا مجھے گھر پر ملیں، ایک ضروری بات ہے۔ میں اُن کا انتظار کروں گی۔"

میرے منہ سے ہاں یا نا کوئی لفظ نہیں نکلا۔

وہ لوٹ کر چل دی۔

دروازے کے قریب رُک کر پھر بولی۔

"دیکھیے بھولیے گا نہیں۔ اُنھیں ضرور بھیج دیجیے گا۔ میں رات کو نو دس بجے تک اُن کا انتظار کروں گی۔"

"اچھا ——!"

میرے منہ سے بس یہی ایک لفظ نکلا۔ میری آنکھوں [illegible]

بیچارا اچھا۔ اُن کے گھر لوٹنے تک میں کمرے میں رہی۔ اس سلسلے میں اُن سے کچھ کہوں یا کچھ پوچھوں؟ لیکن جب وہ آئے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"وہ تمھاری بیٹا آئی تھی ـــــ"

"کیا کچھ کہتی تھی؟"

وہ کچھ چونک کر بولے۔

میں نے کہا "مجھ سے کیا کہے گی۔ تم ہی جاؤ، سُنو۔ تمھیں بُلا بھیجا ہے۔"

"مجھے بُلایا ہے؟" کہتے ہوئے وہ جلدی جلدی کھانے کی تھالی پر ہاتھ مارنے لگے۔ "اگر مجھے پہلے بتایا ہوتا تو میں آکر ہی کھانا کھاتا۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی ـــــ!"

انھوں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا۔ اور ہاتھ منہ دھو کر اپنی الماری میں سے ایک لفافہ نکال کر اُس میں سے کچھ گننے لگے۔ میں نے دروازے کی آڑ سے دیکھا سو سو کے کئی نوٹ تھے۔

مجھ سے یہ نہیں دیکھا گیا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کمائی بھی اُسکے حوالے کرنے لگے۔ میں پیر پٹکتی ہوئی باورچی خانے میں چلی آئی۔ جی چاہا چیزوں، سارے برتن پٹک دوں۔ گھر کو آگ لگا دوں۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

وہ بہت رات گئے لوٹے۔

بہت خوش نظر آتے تھے۔ جیسے کوئی بہت بڑی مہم سر کر کے لوٹے ہوں۔ میں اُن سے کچھ نہ بولی۔ انھوں نے ایک دو بار مجھے بُلانے کے لئے کوشش بھی کی۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا، اب یہاں نہیں رہوں گی۔ میکے چلی جاؤں گی۔ میرا اُن پر سے بالکل یقین اُٹھ گیا تھا۔ بلکہ مجھے اُن سے نفرت ہوگئی تھی ـــــ!

میرے اور اُن کے درمیان ایک بہت بڑی دیوار کھڑی ہوگئی۔ میں اُن سے کچھ نہ بولی۔ وہ شاید یہاں بوجھ کر انجان بنے رہے۔ انھوں نے کبھی یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ میں چپ کیوں رہتی ہوں۔ کھانا اچھی طرح سے نہیں کھاتی۔ گھٹے گھٹے سے دل چسپی کیوں نہیں لیتی۔ اُن کی بلا سے۔

انھوں نے کبھی مجھ سے پوچھا ہی نہیں۔

ایک دن ڈاک سے ایک چٹھی آئی۔

لفافے پر کونے میں بیٹا کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں سمجھ گئی، یہ خط بیٹا ہی نے لکھا ہے۔ مجھ سے نہیں رہا گیا۔ میں نے لفافہ کھول کر چٹھی پڑھی۔ لکھا تھا ـــــ

"بھیا! نمستے

دلّی ہم خیریت پہنچ گئے تھے۔ راستے میں تھوڑی تکلیف ضرور ہوئی۔ لیکن آپ کے دوست سردار جی ہمیں کافی آرام پہنچانے کی کوشش کرتے رہے

● اپنا خیال نہ رکھنا حقیقی انسانیت کی رُوح ہے۔ اگر آپ اپنے دل میں "میں" کو جگہ دیں تو آپ کا بڑے سے بڑا کام بھی اچھے سے اچھا کام بھی روندے ہوئے پھولوں کی طرح اپنا حُسن کھو دے گا۔

● مشہور مفکر اور بی فون تھنگشن نے لکھا ہے "جو انسانیت کے لئے جیتا ہے اُسے اپنے کو کھو کر سب کچھ مل جاتا ہے"۔

● جنرل نیل ڈانڈ نے لکھا ہے "کم باتوں اور زیادہ کام میں زندگی کی کامیابی کا راز مضمر ہے"۔

● تاریخ کی سب سے بڑی دین یہی ہے کہ وہ ہمیں عزم و حوصلہ اور جوش و حوصلہ دیتی ہے۔ (گوئٹے)

ماتا جی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔ وہ اب بھی آپ کو روزانہ گھنٹہ دعائیں دیتی ہیں اور ہاں جس کام کے لئے ہم یہاں آئے تھے وہ پورا ہو رہا ہے۔ میں اس سلسلے میں خود اپنی طرف سے، اپنے قلم سے کچھ زیادہ نہیں لکھ سکتی وہ پڑھے لکھے اور اچھے آدمی ہیں۔ سکریٹریٹ میں کلرک ہیں۔ شادی بیاہ کی ساری بات اِس مہینے کے آخر تک مکمل ہو جائے گی۔ آپ ضرور آیئے گا۔ ماتا جی کی طرف سے خاص طور پر تاکید ہے۔ میری شادی ہو رہی ہے اس لئے میں خود اس سے زیادہ اور کیا اپنی طرف سے لکھ سکتی ہوں۔ کاش! آپ کی طرح یہاں بھی میرا کوئی بھائی ہوتا

روپے دے کر آپ نے جو احسان مجھ پر اور ساتا جی پر کیا ہے ۔ اُسے میں نہیں بھول سکوں گی ۔ میں اُسی دن گہری نیند سو پاؤں گی جس دن آپ کا پورا قرض چُکا دوں گی ۔ میں جانتی ہوں آپ نے بھی روپے قرض لے کر مجھے دیئے ہیں ۔ میں نے اپنے دفتر میں اور ٹیوشن کی درخواست دے دی ہے ۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے ۔ شاید آئندہ چل کر مجھے اِس نوکری سے استعفیٰ ہی دینا پڑے ۔ مستقبل کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے ؟

بھابی کو میرا نمسکار ۔ اُن کی بھولی بھالی صورت اکثر مجھے یاد آجاتی ہے ۔

آپ کی بہن

بینا "

میں نے خط ختم کیا ۔ اور کتنی ہی شہنائیوں کے میٹھے سُر میرے کانوں میں گونج اُٹھے ۔ کتنے ہی گجروں اور سہروں کی مہک میری ناک میں سما گئی ۔ مہندی اور کُسم کے رنگ میری آنکھوں کے آگے بکھر گئے ۔ میں سوچنے لگی ۔ اگر بینا اچانک یہاں آجائے تو میں اُس سے لپٹ جاؤں ۔ اُسے سینے سے لگا لوں ۔ اُسے تب تک اپنے آپ سے جدا نہ کروں جب تک وہ مجھے معاف نہ کر دے ۔ میری آنکھوں سے کتنے ہی آنسو ٹپک پڑے ۔ لاتعداد ۔ جنھیں نہ بینا دیکھ سکی اور نہ اُس کے بھائی تھے ..... میرے وہ ، جو میرے ہاتھوں کے کنگن ہمیشہ کھنکتے دیکھنا چاہتے ہیں ——— !

دو نہایت کارآمد اور مفید کتابیں

صحت و زندگی

اِس مفید کتاب کا مطالعہ آپ کے لئے اِتنا مفید ثابت ہوگا کہ آپ اِسے خود پڑھنے کے بعد اپنے اُن دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کی ہدایت کریں گے جن کی صحت آپ کو عزیز ہے ۔ انسانی جسم کے پیچیدہ سے پیچیدہ اور پوشیدہ امراض کو بلا دوا دُور کرنے کے ایسے آسان طریقے ، تدابیر اور علاج درج کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے آپ بہت سی بیماریوں سے عمر بھر کے لئے نجات حاصل کر سکتے ہیں ۔ یہ مفید کتاب جناب خوشتر گرامی ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی کے برسوں کے مطالعے کا نچوڑ ہے ۔ قیمت تین روپے ۔

پتہ :- رسالہ بیسویں صدی دہلی

غزلیں

حفیظ شاہد

ہوئی نہ قدر دو عالم میں کمی تو کیا ہوگا
بچھی بچھی سی رہی زندگی تو کیا ہوگا

جو اُن سے کہہ نہ سکے قصّۂ شبِ ہجراں
بپاسِ رسم ہو رسمِ عاشقی تو کیا ہوگا

خفا خفا سے وہ رہتے ہیں ایک مدّت سے
رہا نہ سلسلۂ دوستی تو کیا ہوگا

میں اُن سے ترکِ تعلق پہ سوچتا ہوں حفیظ
وہ مل گئے جو اچانک کبھی تو کیا ہوگا

عبد القدوس نسیم بنارسی

کرے تھی سی تو عزیزاں مثلِ سوزِ جگر سے پہلے
کہاں تھا عالم میں حُسن اتنا کسی کی پہلی نظر سے پہلے

ہماری تنہائیاں آرزو کو جلایا کس نے کون جانے
خبر ہے اِتنی کہ ایک شعلہ اُٹھا تھا داغِ جگر سے پہلے

ہوا ہے قائم جو ربطِ باہم حسین تب ہے یہ سارا عالم
اُداس سی تھی دل کی دُنیا ترے غمِ معتبر سے پہلے

نسیم جو بھی پہنچ سکے گا ہر ایک شے کی حقیقتوں تک
اُسے خبر بتا دے گا اب اپنی خبر سے پہلے

مُلّا سیتاپوری

یہی قصد ہے ہوا اُس پہ نہیں جاتا تو کیا ہوگا
جو پہچانا تو کیا ہو گا نہ پہچانا تو کیا ہوگا

زبانِ شمعِ محفل میں ابھی سے تھرتھراتی ہے
جو یہ پروانہ کہہ بیٹھا افسانہ تو کیا ہوگا

چلے تو ہو طوافِ کعبہ کو مُلّا یہ سوچا ہے
بلا کر بُت کدے میں گر صنم خانہ تو کیا ہوگا

مُلک کے مایۂ ناز ادیبوں کے لکھے ہوئے نئے شاہکار ناول

جنھیں ادارۂ "بیسویں صدی" نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے

- جب سائنس کے بل بوتے پر چاند، مریخ اور دوسرے سیاروں تک پہنچنا بچوں کا کھیل ہو جائے گا۔
- جب مرد نہ صرف عورت بلکہ ماں بنکر اولاد کی پرورش کریں گے۔
- جب پورا نظام زندگی حُسن و شباب اور مستی و رعنائی کے زیر نگیں ہو جائے گا۔
- جب عورت، مرد کے پنجۂ اقتدار سے آزاد ہو کر معاشرے پر چھا جائے گی۔

اُردو ادب میں ایک انوکھا تجربہ۔ حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ایک دل فریب ناول

فریدہ موہنی (ناول)

حقیقت اور طنز سے بھرپور عورتوں کے اُس دیش کی کہانی جہاں مرد کا تصور بھی ایک جرم تھا۔

صدیوں بعد کی فضاؤں میں لکھی ہوئی عجیب و غریب داستان جو اوّل سے آخر تک دلچسپیوں اور حیرت آفرینیوں سے لبریز ہے۔ جناب کوثر چاند پوری کا لکھا ہوا بیحد شوخ و دلچسپ ناول جو قاری کو کئی صدی آگے کی فضا میں پرواز کراتا ہے۔ اور نئی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھتا ہے۔ انتہائی دلکش اور شگفتہ اندازِ نگارش۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، بہترین کاغذ، دیدہ زیب سہ رنگا گرد پوش۔ قیمت فی جلد محض تین روپیے۔

نئے فرہاد

جناب پروفیسر شکیل الرحمٰن ایم اے کا اچھوتا شاہکار ناول

ایک بڑی شوگر فیکٹری کے منیجر کی ہوسناکیوں اور حُسن پرستیوں کی بھیانک تصویر۔ جس نے بہارِ حُسن و شباب کو خوش آمدید کہتی ہوئی نازک اور معصوم کلیوں کو سُنہری، روپہلی سکّوں کی جھنکار کے بل پر رقص و نغمہ اور شراب و شعر کے طوفان میں غرق کر کے گناہ پر مجبور کر دیا۔ ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی المناک داستان۔ محنت و زر کی کشاکش کے اسٹیج پر لکھی ہوئی ایک انتہائی دل چسپ کہانی جو آپ کے دل و دماغ پر چھا جائے گی شکیل الرحمٰن کے اسٹائل میں اُن کی انفرادیت کی جاذبیت ہے حُسن ہے، زور ہے، جوش اور شگفتگی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک تیز اور شفاف چشمہ بہہ رہا ہے اور اُس کا بہاؤ ہمیں اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔ بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب ملٹی کلر سٹ کور۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے

فرانس کے عظیم ترین ناول نگار ایبے پریوس کا غیر فانی شاہکار

راہیں شباب کی

- جس کا ترجمہ دُنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔
- جس کی دس کروڑ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔
- جسے عشق و محبت کی بے نظیر داستان تسلیم کیا جاتا ہے۔
- جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ "بیسویں صدی" نے شائع کیا ہے۔
- جس کی اشاعت پر پیرس کے رنگین ماحول میں ایک زلزلہ آگیا۔
- جسے نوخیز لڑکیاں ہی نہیں بُوڑھے بھی حاصل کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں

عشق و محبت کا جاوداں افسانہ جس کے سامنے وامق و عذرا، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کے قصّے بھی ہیچ ہیں۔ اس ناول کی ہیروئن قلو پطرہ اور ہیلن سے بھی زیادہ حسین اور عظیم ہے مترجمہ جناب مخمور جالندھری۔ نظر فریب کتابت و طباعت، بہت عمدہ کاغذ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

یادوں کے کھنڈر

جناب محمد اکرم نوخیز کا ایک بے حد دلچسپ سماجی ناول

جس میں اُن معصوم محبتّوں، ناکامیوں اور حسرتوں کی حسین داستانیں بیان کی گئی ہیں جنھوں نے اپنے کمسن خیالوں میں محبت کے حسین و جمیل محل تعمیر کئے لیکن حقیقی زندگی میں صرف یادوں کے تاریک کھنڈر ہی نصیب ہو سکے۔ "یادوں کے کھنڈر" کے دردناک قہقہے، سسکتی ٹھنڈی آہیں، خاموش پلکوں پر منجمد آنسو، آج کے معاشرے کے وہ گھناؤنے نقوش اُبھار کرتے ہیں جو محبت کی موت اور زندگی کے قاتل ہیں۔ ایک ایک سطر میں جذبات اور آرزوؤں کا حسین طوفان لئے ہوئے ناول نے دلوں کی دھڑکنوں کو ایسے دلکش انداز سے اُبھارا ہے کہ قلبی رفاقت اور خلوص پر محبت کی تصویر نگاہوں کے سامنے رقصاں ہے۔ قیمت فی جلد صرف [illegible]

پتہ: - رسالہ بیسویں صدی - دہلی

میرا غم تیری خوشی

رئیس نجمی امروہوی

سرائے کہنہ ۔ امروہہ ۔ ضلع مرادآباد

۱۵ ر فروری ۱۹۶۰ء مرکزِ احترام خوشتر بھائی! پُرخلوص سلام

..... ایک نئی تخلیق "میرا غم تیری خوشی" نذر کر رہا ہوں جو میرے اپنے ماضی کا عکس ہے۔ میرے ماضی نے ہمیشہ غم ہی بخشے خوشیاں مجھے کم ہی نصیب ہوئیں۔ میں غموں سے گھبرایا کبھی نہیں ہوں۔ میں نے اُن کی تلخیوں میں ایک لطیف لذت کا احساس کیا ہے اسی لئے سلسلۂ غم نے اب تو طبیعت ہی کچھ اور کر دی ہے ؎

پہلے دل خندۂ گُل سے بھی لرز جاتا تھا ؛ اب کوئی خون بھی روئے تو خوشی ہوتی ہے (رئیس امروہوی)

کہانی پڑھیئے اور پرکھیئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ پسند فرمائیں گے.... خیر سگال ——— رئیس نجمی امروہوی

اور ایک دن ———

وہ مجھے مل گئی ——— ایک ایسی شاہراہ پر جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا میرے لئے وہ ایک ایسی آرزوؤں بھری شام تھی جس کے تمام نقوش آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ وہ اپنے امتحان کے سلسلے میں میرے شہر آئی تھی۔ اور میرے دوست شکیل کے ہاں مقیم تھی۔ لیکن جو خواب میں نے اُس کی تصویر دیکھ کر اپنے ذہن میں سجائے تھے وہ سرتاپا اُس کے برعکس تھی۔

جب شکیل نے پہلی بار اُس کا تعارف مجھ سے کرایا تو مجھے محسوس ہوا کہ اُس کی آنکھوں میں وہ چمک دمک نہیں ہے جو ایک دوشیزہ کی آنکھوں کے اندر ہوتی ہے بلکہ اُس کی آنکھوں کے گرد مایوسی کے سیاہ حلقوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ اُسکی بکھری زلفیں کسی میکش کی تمنائیں نہ تھیں۔ بلکہ اُن میں بہت سی بے ربط، اور دُھندلائی ہوئی شامیں تھیں۔ اُس کے ہونٹوں پر باگیسری کی مدھر تانیں نہ تھیں وہ افسردہ و پژمُردہ تھے اور اُن پر پھیلی ہوئی خشکی اُس کے بے کیف دنوں کی غمازی کر رہی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کے نرم و نازک خوابوں کے ریشمی دیپکوں میں کسی نے نہیں جھانکا ہے اور اُس کے خواب نرگسی کے عکس لطیف سے بھی محروم رہے ہیں۔ اُس کا دل فکر و احساس کا ایسا پژمردہ چمن معلوم ہوتا تھا جس میں صرف اور تکلیف کے کانٹوں کی چبھن کے سوا شاید اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کا کمہلایا ہوا چہرہ کوئی المناک افسانہ تھا۔ جس کا ہر لفظ اُس کے اشکوں سے پُرنم راتوں کی سیاہی سے لکھ دیا گیا تھا۔ میں نے اُس سے چند رسمی باتیں کیں اور شکیل کے کمرے سے اُٹھ کر چلا آیا۔

اُس دن کی اُس مختصر سی گفتگو سے میری پیاس نہ بجھ سکی۔ میں چاہتا تھا کسی طرح پھر اُس سے ملوں اور اُس سے اُس کی زندگی کا ہر راز معلوم کروں۔ اُس سے ماضی و مستقبل کی باتیں کروں۔ ایسی باتیں جن کی نہ کوئی ابتدا ہو اور نہ انتہا۔ اُس کی کرب میں ڈوبی ہوئی آواز نے میرے ذہن پر نہ جانے کیسا جادو کر دیا تھا کہ میں اکثر تنہائی میں اُس کے جملے دُہرانے لگتا۔ اور اسی طرح کئی دن اِسی کشمکش کی وادیوں میں ڈوب گئے۔

ایک دن کی بات ہے، اُس نے مجھ سے کہا "میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتی

"چھا ــــــ!"

"ایک نہیں بلکہ دو!"

میں نے برجستگی سے جواب دیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحے مجھے عنایت فرمائیں تاکہ میری اسٹڈی میں مدد مل سکے۔"

"کیوں؟ شیتل! آپ کی کیا رائے ہے؟" اُس نے شیتل کو مشورہ طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"میرے خیال میں شاید اِن سے بہتر اور کوئی مدد نہ دے سکے گا۔"

میں شیتل کے لہجے کو نہ سمجھ سکا۔

"تو کیا آپ سے اُمید رکھوں؟" میرے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ بولی۔

میں اس بارے میں اُسے جواب ہی کیا دیتا۔ یہ تو میری دلی تمنا تھی کہ اُسے کچھ فرصت کا وقت ملے اور میں اُس کی غم ناک زندگی کو سمجھ سکوں میں اُس کے لہجے کی سنجیدگی چہرے کی متانت اور بھولے پن سے بہت متاثر ہوگیا تھا اور چاہتا تھا کہ اُس کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں کو شفق کی سرخی سے آشنا کر دوں۔ اُس کی آنکھوں کے نیلگوں سمندر میں ڈوب کر وہ بے شمار موتی چن لاؤں جو اُس کے اُداس لمحوں کے ساتھی بن چکے ہیں۔ میری یہ خواہش تھی کہ اُس کے دامن میں گلستان کی رعنائیاں سمو دوں۔ اُسے نئی زندگی، نئے کیف، نئی بہاروں سے ہمکنار کر دوں۔ تاکہ وہ اپنے کو دھرتی کا بوجھ نہ سمجھ کر دُنیا کا ایک ضروری جُز تصور کرنے لگے۔ کیونکہ یہ میری تصوراتی زندگی کی حقیقت ہے۔

اگلے روز میں نے اپنی اسٹڈی اُس کے ساتھ شروع کر دی۔ کبھی کبھی پڑھتے ہوئے یا اُسے پڑھاتے ہوئے جب گل و بلبل کے عشق، شمع پروانے کی محبت اور وصل و فراق کے رنگین اشعار آجاتے تو میری زبان غیرارادی طور پر لڑکھڑا جاتی۔ اور میں اُسے اِن اشعار کا مطلب سمجھانے کے لئے حقیقت کی سنگلاخ وادیوں میں لے جاتا۔ وہ کسی بات کو دوبارہ سمجھنے کے لئے نہ کہتی اور میں اُس کی خاموشی سے یہی اندازہ کر لیتا کہ اُس نے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

اِسی طرح کئی دن بیت گئے۔

گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے ایک دن میں نے اُس سے پوچھ ہی لیا۔

"امتحان پاس کرنے کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی کچھ سوچا نہیں۔"

"تو بغیر کسی منزل کے قدم اُٹھ رہے ہیں؟"

"اپنی کوئی منزل ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو صرف ناکامیوں کا ایک تاریک و بلند مینار۔ کیونکہ زندگی کی راہوں میں یہ قدم اتنے تھک گئے ہیں کہ اب منزل کا خیال بھی ذہن سے نکل چکا ہے۔"

"لیکن رسکن کا کہنا ہے کہ کامیابی اگر ٹوٹے گل کی طرح تمہاری زندگی سے جدا ہو گئی ہے تو مسلسل کوششیں اُسے عروسِ بہار بنا کر واپس بھی لا سکتی ہیں۔"

"رسکن اور میری زندگی میں بہت فاصلے ہیں۔ یہاں تو کوشش ہی کرنے کے لئے اپنے سکت باقی نہیں رہی۔"

"شاید یہ ناکامیاں ہی تمہاری خاموشی اور اُداسی کا سبب ہیں۔"

"میری خاموشی کا سبب میری غم نصیب زندگی ہے۔"

"کیا اِس بارے میں مجھے کچھ بتا سکو گی؟"

"راکھ سے چنگاری کریدنا میری عادت نہیں۔"

میں نے اصرار کیا لیکن اُس نے انکار کر دیا۔

میرے دل پر اُس کی باتوں کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اور جب میں جانے لگا تو جانے کس جذبے کے تحت میں نے اُس سے کہا۔

"زندگی میں تمہیں کسی وقت کوئی دُکھ یا تکلیف ہو تو مجھے مطلع کرنا۔"

یہ سُن کر اُس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے آنسوؤں کے موتی اُس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔

اور میں سمجھ گیا کہ وہ وقت کے ہاتھوں ستائی ہوئی ایک مظلوم لڑکی ہے۔

میں نے چاہا کہ اُس کی زندگی میں ایک ہلچل پیدا کر دوں تاکہ اُس کے دل سے غموں کی سیاہی مٹ جائے۔ اور وہ زندگی کے حقیقی رنگوں سے آشنا ہو جائے۔ اور اِسی خیال سے میں نے اُس سے کہا۔

اگر تم میری زندگی کو اپنی ایک مسکراہٹ بخش دو گی تو وہ مسکراہٹ [illegible]

اور تمہاری، ہم دونوں کی زندگی کے لئے ایک نئی بہار کا پیغام ہوگی۔ جہاں نئی راہیں نکھر اٹھی ہوں گے۔ اور پھر ہم دونوں اِن نئی راہوں پر چل کر ایک نئی دُنیا میں پہنچ جائیں گے۔ جو شاید ہمارے اُن کے خوابوں سے کہیں زیادہ حسین ہوگی۔"

"ایسا کبھی نہ ہوگا!"

اُس نے میرے خوابوں کا تاج محل ڈھا دیا۔

"آخر کیوں؟"

"میرے پاس کسی کے لئے کچھ نہیں۔"

"ایک مشہور مفکر کا کہنا ہے کہ وہ مر جاتا ہے جو کسی کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے لیکن وہ اُس سے پہلے مر جاتا ہے جو سب کچھ ہوتے ہوئے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ میرے پاس ہے کیا؟"

"مسکراہٹیں ——— !"

میں نے اُسے ہنسانا چاہا۔

"یہ صرف تمہارا خیال ہے میری مسکراہٹیں تو میرے ماضی کے مزاروں میں دفن ہو چکی ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ میری زندگی تو پہلے ہی شکست خوردہ ہے۔ اب میں اپنی زندگی کو اور فریب دینا نہیں چاہتی۔ اور نہ کسی رنگین مستقبل کے خواب ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔ میرے ماضی کی تلخیوں نے مجھے اِس قابل نہیں چھوڑا کہ میں اپنے لئے نئے سپنے سجاؤں۔ تم مجھے میری اسی راہ پر چھوڑ دو جس پر میں چل رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میں جب کوئی نئی راہ اپناؤں گی تو میرے ماضی میں کئے گئے عہد و پیمان میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں گے۔ بس! میرا دل ایک اُجڑا ہوا چمن ہے۔ جہاں کلیاں پھول بننے سے پہلے ہی مسل دی گئی ہیں۔ میں ایک دُکھ بھری کہانی ہوں جس میں بے شمار کراہیں، سسکیاں اور چیخیں ہیں۔"

اُس نے اپنا ریشمی رُومال آنکھوں سے لگا لیا۔

"کیا مجھے معاف کر دو گے؟ میں نے تمہارے کتنے ہی خوابوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ نہ جانے تم نے اپنے ذہن میں کتنے تاج محل تعمیر کئے ہوں گے۔"

میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہارے بارے میں صرف اتنا سوچ لیا ہے کہ تم ایک غمزدہ لڑکی ہو۔ دُکھ اور درد نے تمہیں خاموش کر دیا ہے۔ میری یہ خواہش ہرگز نہیں کہ میں تمہیں اپنی منزل تصور کروں۔ بلکہ تمہیں تمہاری منزل تک پہنچانا چاہتا ہوں تمہاری طرح میری زندگی میں بھی کچھ غم ہیں۔ ماضی کی چند تلخ یادیں ہیں۔ اپنے آنسوؤں کے لئے تو میرا اپنا دامن کافی ہے۔ مجھے کسی دوسرے کے دامن کی ضرورت نہیں میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تمہارے دل کے پُراسرار دریچوں سے داخل ہو کر تمہاری پُرسکون زندگی کو درہم برہم کر دوں۔ میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی مانگ کی افشاں کے وہ ذرات جو وقت کی تیز ہواؤں نے منتشر کر دیئے ہیں، انہیں پھر سے سجا کر تمہارے سامنے رکھ دوں۔ اِس وقت تمہارے سامنے تین پھول ہیں۔ ماضی حال، مستقبل۔ ایک پھول مرجھا چکا ہے۔ دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے اور تیسرے کے کھلنے کا تمہیں انتظار ہے۔ اُس آخری پھول کی حفاظت تمہاری زندگی کی لاج ہے۔ میں تمہاری زندگی میں اُس آخری پھول کی حفاظت کے لئے تمہارا ندیم بننا چاہتا ہوں۔"

"بس! کمزور کو بھی کوئی اُسی وقت تک سہارا دے سکتا ہے جب تک وہ خود نہیں تھکتا۔"

میں اُس شام بہت سی باتیں کرنے کے بعد واپس اپنے گھر چلا آیا۔ اور پہروں اُس کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے ذہن کے گوشوں میں اُس کے جملے دھڑکتے رہے۔ میں ایک عجیب اُلجھن میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اور اسی کشمکش کی وجہ سے کئی دن اُس کے یہاں نہیں جا سکا۔

ایک دن اُس کا نوکر میرے پاس آیا اور اُس نے مجھے ایک خط دیا۔

"بس! اِتنے دن ہو گئے، تم نہیں آئے۔ شاید اُس دن کی باتوں سے تمہیں دُکھ ہوا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے وجود نے میرے اندر ایک نئی روح ڈال دی ہے۔ میں پھر اپنی زندگی کی قدر و قیمت جان گئی ہوں۔ میں کل اپنے شہر واپس جا رہی ہوں۔ اِس لئے آج شام کو ضرور آؤ۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اگر نہ آئے تو میں سمجھوں گی کہ تم ناراض ہو۔

سراپا انتظار

شہلا"

اتنے ہی دنوں میں وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی۔ اُس کے خطوط آتے

ہے۔ اور میں اُن کا جواب دیتا رہا۔ رفتہ رفتہ میرے اندر کسی غیر اختیاری جذبے کے تحت ایک تبدیلی رُو نما ہونے لگی۔ میرے خطوط طویل سے طویل تر ہوتے گئے۔ لیکن اُس کے خطوط ہمیشہ کی طرح مختصر ہی رہے۔ اور اِسی طرح کچھ دن گزر گئے۔

میں اِس عرصہ میں کتنی ہی بار اُس سے ملا لیکن اب اُس میں پہلی جیسی بات نہ تھی۔ اب اُس نے اپنی زندگی کے غم کے لبادے کو اُتار کر پھینک دیا تھا۔ اب اُس کی آواز بوجھل نہ تھی۔ اُس کی آواز میں شیرینی پیدا ہو چکی تھی۔ جو شاید یونان کی عظیم شاعرہ سیفو کے ملکوتی ترنم میں ہوگی۔ اُس کی زُلفوں میں الف لیلیٰ کی طویل راتوں کا حسن سمٹ آیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اُداسیاں نہ تھیں۔ اُمیدوں کی روشن کرنیں تھیں۔ جن کے پیچھے نہ جانے کتنی نئی صبحیں تھیں۔ میں نے اُن صبحوں میں ڈھونڈ تک جھانکنے کی کوشش کی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی صبح میرے انتظار میں شام کا رُوپ دھار رہی ہے۔ میں اُس کے اور قریب ہو گیا اور پھر اپنے ماضی کو بھول کر اُس کے مستقبل کے لئے اپنے حال کی تمام روشنیاں وقف کر دیں میری روح کو اُس کے سہارے سے بہت آسودگی ملی۔ اُس کا وجود میری پیاسی رُوح کی گہرائیوں میں اتر گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اُس کے نرم آنچل نے میرے مصائب کی دھوپ کو اپنے اُوپر لے لیا ہے اور اِسی لئے میں نے کسی کی یادوں کی قندیلیں اپنے دل میں گُل کر دیں۔ میں نے اپنے ماضی کے اُلجھے ہوئے مسئلے اُس کی ایک ہی مسکراہٹ سے سُلجھا دیئے۔ میرے احساس کے تاریک صنم خانے ایک بار پھر ضیا بار ہو گئے۔ کیونکہ میں نے اُس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی اُس کہانی کو کئی بار پڑھ لیا تھا۔ جس کا انجام مجھ پر نہ ختم ہوتے ہوئے بھی مجھ ہی سے متعلق تھا۔

ایک دن وہ بہت خوش تھی۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــــ

"بمل! تمہیں یہ سُن کر مسرت ہوگی کہ میں نے اپنی منزل کو آخر پا ہی لیا۔ تم اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے۔"

اُس کی آواز میں بے حد مٹھاس تھی۔ میرے ہونٹوں پر ہزاروں مسکراہٹیں آگئیں۔ جیسے میری زندگی مجھے مل گئی۔ میں نے اپنا مقصد پا لیا۔ اُس نے شاید میرے دل کی دھڑکنوں کو سُن لیا تھا۔ جس کی دھڑکن صرف محبت کے گیت ہی سے ہمکنار ہونا چاہتی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس کے ایک جملے نے میرے جسم کو منجمد کر کے رکھ دیا۔ وہ بولی "شاید تم نہ جانتے ہو، پال میری زندگی میں پھر لوٹ آئے ہیں آخر انتظار کی گھڑیاں بیت گئیں اور اب ہم بہت جلد ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ ہمیشہ کے لئے۔ پال نے جب تمہیں اور مجھے ایک ساتھ دیکھا تو ان کے اندر کا سویا ہوا مرد جاگ اُٹھا اور اُنہوں نے مجھے اپنا لیا۔ دراصل تم سے میرا مقصد یہی تھا۔

اُس نے میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی اور پھر کہنے لگی ـــ "بمل تمہیں دکھ ضرور ہوا ہوگا۔ لیکن تمہیں دُکھی نہ ہونا چاہئے۔ اِس لئے کہ تمہارا مقصد مجھے میری منزل تک پہنچانا تھا۔ اب میں اپنی منزل تک آگئی ہوں۔ مجھے اب دُنیا کا کوئی غم نہیں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ تم خوش نہیں ہو سکے کیونکہ تم بھی ایک مرد ہو۔ اور کوئی بھی مرد ہو اُس کے دل میں رشک و رقابت کی آگ ضرور چھپی رہتی ہے۔"

وہ کہتی رہی ـــــ

نہ جانے کیا کیا! ـــــــ

اور میں اُس کے کمرے سے اُٹھ کر چلا آیا۔ لیکن اب بھی جب مجھے شہلا کی یاد آتی ہے تو میں اتنا ضرور سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ میں آخر کیوں اُس کی زندگی میں ایک اضافی کردار کی طرح داخل ہوا۔ میرا مقصد اُسے اُس کی منزل تک پہنچانا تھا۔ اُسے اُس کی منزل مل گئی لیکن میرے دل میں کیوں خلش ہوتی رہتی ہے؟!

یہ چُبھن کیوں ہوتی رہتی ہے؟؟

●●


اب گھر چل کے... نہائیں
فرحت بخش
حمام
صابن سے جو کہ گھر بھر کی پسند ہے
HAMAM
اور یہ زیادہ دیر چلتا ہے!
ٹاٹا کا تیار کردہ
THY-4-URDU

بیسویں صدی کی نئی پیشکش — ڈو نئے شاہکار ناول

جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

پیاسے بادل

جنم جنم کی پیاسی ایک پہاڑی دوشیزہ کے پیار کی کہانی، جو اپنی محبت اور محبوب کی تلاش میں بار بار پہاڑی وادیوں میں جنم لیتی رہی۔ ایک معصوم نوجوان کی داستانِ محبت جس نے اپنے بڑے گھرانے کی رنگینیاں، رعنائیاں اور مسرت کو ٹھکرا کر ان پہاڑی وادیوں کی خاموش کہانیوں کو اپنایا، تاکہ اپنی محبوبہ کی شبنمی سانسوں سے اپنے تشنہ خیالوں کی پیاس بجھا سکے۔ "پیاسے بادل" میں ایک اچھوتا موضوع لیا گیا ہے، ایک انوکھی کہانی بیان کی گئی ہے جس میں چاندنی راتوں کی مقدس سرگوشیاں اور اندھیری راتوں کے ہیبتناک قہقہے ہیں۔ جدید اردو ادب میں ٹھاکر پونچھی کا ایک بلند مقام ہے اور "پیاسے بادل" مصنف کا ایک عظیم ناول ہے۔ پاکیزہ اور دلآویز رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ پہاڑی رومانوں کے ترجمان نے گویا پہاڑی دوشیزاؤں کی پیار بھری مسرتوں اور حسرتوں کو "پیاسے بادل" میں سمویا ہے۔ دیدہ زیب کتابت، طباعت اور گیٹ اپ۔ سہ رنگا جاذبِ نظر ٹائٹل پیج۔ اعلیٰ ولایتی کاغذ۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

پگھلتے خواب

اردو ادب کے جواں سال ادیب پروفیسر [illegible] کا ایک دلچسپ رومانی ناول جس میں مصنف نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ یہ ناول جہاں کشمیر کی سماجی زندگی اور معاشرے کے [illegible] نقوش اجاگر کرتا ہے، وہاں آج کے دور کی گھناؤنی تصویریں بھی ہمارے سامنے لاتا ہے۔ اگر آپ کشمیر کی مہکتی ہوئی گلپوش بہاروں اور ان بہاروں میں بسنے والے حسین انسانوں کی جذباتی، فکری اور سماجی زندگی کے پیچ و خم کو قریب سے دیکھنے کے تمنائی ہیں تو "پگھلتے خواب" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک ایسا بے مثل ناول ہے جس میں آپ کو کشمیر جنت نظیر کے حسین و دلفریب مناظر اور ان مناظر تلے سسکتی کہانیوں کے خد و خال صاف دکھائی دیں گے جن میں آپ کی اپنی دھڑکنیں بھی ہیں اور آپ کی محبت اور محبوبہ کے آنسو بھی۔ "پگھلتے خواب" اعلیٰ اردو ناول نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاذبِ نظر سہ رنگا گرد پوش، کتابت و طباعت اعلیٰ، کاغذ عمدہ، مضبوط جلد، قیمت صرف دو روپے۔

جو عورت ننگی ہے

نامور فنکار رام لعل کی رومان پرور اور تلخ کہانیوں کا حسین مجموعہ۔ ان افسانوں میں رومان و محبت کی رنگینیاں بھی ہیں اور حسن و شباب کی سرمستیاں بھی۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

کالی راتیں

سعید امرت کے افسانوں کا تازہ ترین مجموعہ۔ تشنہ جوانیوں کے اندھے جذبات کی ترجمان، بہکے ہوئے بڑھاپے کی ہوسناکیوں پر طنز ہیں۔ گناہگار جوانیوں کے لئے تیز نشتر ہیں۔ کالی راتوں میں رینگنے والے گناہوں پر کاری ضرب ہیں۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

میرے سپنے

نامور افسانہ نگار خاتون پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے بہترین دلچسپ رومانی افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

یہ لڑکیاں

گلابی چہروں، ساتولی آنکھوں والی، سانولی سلونی رنگت [illegible] اداؤں والی۔ رنگین ریشمی ساریوں میں لپٹی ہوئی تتلی کی سی شوخ [illegible] بیباک اداؤں اور مخمور نگاہوں سے دلوں کو گرمانے والی رنگ رنگ کی لڑکیوں کے جذبات و احساسات کی تصویریں۔ آپ کے محبوب رومان نگار اختر ملیح آبادی کے قلم سے [illegible]

سنگھار کمرے میں

پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے جذبات آفریں افسانوں کے اس مجموعے کے ہر صفحے پر مستیوں کا ایک طوفان اور جذبات کا ایک محشر انگڑائیاں لے رہا ہے۔ اس میں آرزو کے پُر کیف گیت بھی ہیں آہوں کا دھواں بھی۔ قیمت فی جلد دو روپے

عورت ایک پہیلی

کیا عورت واقعی ایک پہیلی ہے [illegible] والی پہیلی؟ اس کا جواب آپ [illegible] دل کش رومانی افسانوں میں پائیں گے۔ ہر افسانے میں آپ ایک سے ایک جدا عورت پائیں گے۔ قیمت [illegible]

دُکھتی رگیں

ہر افسانے میں جوانی کا اضطراب ہے، حسن کی بے کلی ہے، عشق کی بے قراری ہے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

ایک حمام میں تین ننگے

زندگی کی عریاں تصویریں۔ وقت کی دکھتی ہوئی رگ پر سید امرت کی فنکارانہ ضرب۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی

غزل

کرشن موہن ایم اے

نئی دہلی ——— ۲۲ر جولائی ۱۹۶۶ء

مجی خورشید صاحب! ایک تازہ غزل جو ڈاکٹر عندلیب شادانی کی غزل (افسانہ نمبر) کی زمین میں ہے، بھیج رہا ہوں۔ اُن کی غزل کی لطافت نے اس قدر متاثر کیا کہ طبیعت مچل گئی میری غزل درحقیقت تحسین و عقیدت کا اظہار ہے۔ مجھے احساس ہے کہ میری فکر عندلیب کی پرواز تک نہیں پہنچ سکی، تاہم بقدر ہمت ضرور ہے۔ مخلص ——— کرشن موہن

رہتے ہیں مضمحل سے دِل و جاں ترے بغیر ۔ میرا غمِ نہاں ہے نمایاں ترے بغیر

دل تنگی وجود مسلط ہے زیست پر ۔ کُنجِ قفس ہے صحنِ گلستاں ترے بغیر

محرومِ تابشِ رُخِ رنگیں ہے میری شام ۔ ظلمت کدہ ہے میرا شبستاں ترے بغیر

افسردہ ہے فضا گُل و لالہ اُداس ہیں ۔ مجھ کو خزاں ہے فصلِ بہاراں ترے بغیر

تُو نے اگرچہ مجھ کو ستایا ہے بارہا ۔ میں کچھ نہیں ہوں اے دلِ ناداں ترے بغیر

شامِ فراق وقت ہے گویا تھما ہوا ۔ رُک سی گئی ہے گردشِ دوراں ترے بغیر

اب میرا حال یہ ہے کہ رہتا ہے رات دن ۔ شیرازۂ خیال پریشاں ترے بغیر

کتنی تپش فزا ہے خنک شبنمیں فضا ۔ ہے شعلہ بار ماہِ درخشاں ترے بغیر

[illegible] ۔ [illegible] ترے بغیر

غزل

عبدالستار شاد

ہم ہیں فراق یار ہے

کتنا حسیں آزار ہے

ثروت ہمارے درمیاں

اِک مستقل دیوار ہے

کیا عشق کا دعویٰ کریں

یہ مرحلہ دشوار ہے

کیا حشر برپا کر دیا

یہ دل بھی ناہنجار ہے

پھولوں سے میری دوستی

کانٹوں سے [illegible]

[illegible]


LIFEBUOY
SOAP
LIFEBUOY SOAP
لائف بوائے ہے جہاں
تندرستی ہے وہاں!
لائف بوائے سے نہانے کا لطف ہی کچھ اور ہے! ایسی فرحت
طبیعت کھل اٹھتی ہے —— آپ کام کاج میں مصروف ہوں یا کھیل کود میں
لائف بوائے کا بھرپور جھاگ گندگی میں چھپے ہوئے جراثیم
کی حفاظت کرتا ہے۔ آج ہی سے گھر بھر کی تندرستی کے لئے لائف
ہندوستان لیور نے بنایا

یاسمین

نوید انجم

"البدر" ۴۴۔ نجم الدین اسٹریٹ مسلم پارک۔ راج گڑھ۔ لاہور

۸ ر جولائی ۱۹۶۱ء

محترمی خوش گرامی صاحب، تسلیم

... ایک افسانہ "یاسمین" ارسالِ خدمت ہے۔ افسانہ کیسا ہے؟ یہ آپ خود ہی پرکھیئے۔ اُمید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ ایک عجیب بات سُنیئے گا۔ "بیسویں صدی" میں میرا افسانہ "شرارے" ستمبر ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا اور بہت سے خطوط قارئین کی جانب سے مجھے ملے۔ جن کا میں نے جواب بھی دیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اُس افسانے کے متعلق اب تک خطوط آ رہے ہیں۔ یعنی ۹، ۱۰ ماہ گزر گئے ہیں لیکن بہت سے لوگ افسانے کے بارے میں ابھی تک اپنے تاثرات لکھ رہے ہیں۔ بعض بعض خطوط سے تو میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ "بیسویں صدی" کس قدر مقبول ہے! ...

مخلص ——— نوید انجم

آفتاب غسل خانے کی طرف سے گزر رہا تھا کہ یک لخت مُنہ پر یاسمین کی بنیان

لا حول ولا ———! اُس نے بڑبڑا کر کہا۔

غسل خانے کے دروازے میں اُوپر کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ یاسمین کا چہرہ نظر

! بھلا میں نے جان بوجھ کر تو نہیں ماری تھی!"

تنی بری بات ہے!" وہ مُنہ پھیر کر بولا۔

اور سُنو میں نے تو اُدھر کپڑوں کے ڈھیر پہ پھینکی تھی۔ بھلا مجھے کیا خبر تھی

جاؤ گے۔ وہ دھوبن آنے والی ہے نا، اِسی لئے کپڑے باہر پھینک

اب نے دیکھا۔ میلے کپڑے اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ ایک دوسرے

یا لیکن پھر خیال آیا تو بڑبڑا اُٹھا۔ "ایسی گندی! ایسے بدبودار کپڑے"

ہٹو بھی" وہ بولی۔ "جاؤ پرے جاؤ" میں نہانے لگی ہوں"

پڑ کر ہو گیا۔ "تو نہاؤ۔ میں نے کوئی روکا ہے"

"اللہ!" وہ بولی۔ "مجھے شرم آتی ہے!"

وہ حیرت سے بولا۔ "کیوں؟"

"تم جھانکو گے۔ تمھارا کیا اعتبار"

"غضب خدا کا، مجھ پر اعتبار نہیں۔ بھلا میں نے کبھی ایسی حرکت کی ہے، کبھی پہلے ...؟"

"لو پہلے تو میں بچی تھی!" وہ کچھ شرما کر بولی۔ "اب میں کوئی بچی تھوڑے ہی ہوں!"

"پگلی! آفتاب ہنس پڑا۔ میرے لئے تو تم شریر ننھی بچی ہی ہو"

"بچی، اُونہہ!" اُسے غصہ سا آ گیا۔

پھر لہجے میں مٹھاس پیدا کرتے ہوئے بولی۔

"اے ہٹو بھی۔ اب جاؤ نا!"

ناک سکوڑ کر وہ بڑے کمرے میں چلا گیا۔

جلدی جلدی نہانے کے بعد یاسمین کپڑے پہن کر باہر نکلی۔ بُوا نصیبن



لائف بوائے ہے جہاں،
تندرستی ہے وہاں!

لائف بوائے سے نہانے کا لُطف ہی کچھ اور ہے! ایسی فرحت د تازگی ملتی ہے کہ طبیعت کھِل اٹھتی ہے ــــ آپ کام کاج میں مصروف ہوں یا کھیل کود میں، گندگی سے نہیں بچ سکتے۔ لائف بوائے کا بھرپور جھاگ گندگی میں چھپے ہوئے جراثیم کو دھو ڈالتا ہے۔ اور آپ کی تندرستی کی حفاظت کرتا ہے۔ آج ہی سے گھر بھر کی تندرستی کے لئے لائف بوائے استعمال کیجئے۔

L. 10-X83 UD

ہندوستان لیور نے بنایا۔

یاسمین

نوید انجم

"البدر" ۴۰۔ نجم الدین اسٹریٹ مسلم پارک۔ راج گڑھ۔ لاہور

۸ جون ۱۹۶۰ء

محترمی خوشتر گرامی صاحب! تسلیم

۔۔۔ ایک افسانہ "یاسمین" ارسالِ خدمت ہے۔ افسانہ کیسا ہے؟ یہ آپ خود ہی پرکھیئے۔ اُمید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ ایک عجیب بات سُنیئے کہ "بیسویں صدی" میں میرا افسانہ "شرارے" ستمبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا اور بہت سے خطوط قارئین کی جانب سے مجھے ملے۔ جن کا میں نے [illegible] بھی دیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اُس افسانے کے متعلق اب تک خطوط آ رہے ہیں۔ یعنی ۹، ۱۰ ماہ گزر گئے ہیں لیکن بہت سے لوگ افسانے کے بارے میں ابھی تک اپنے تاثرات لکھ رہے ہیں۔ بھیّا! بعض خطوط سے تو میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ "بیسویں صدی" کس قدر مقبول ہے!۔۔۔۔

مخلص ——— نوید انجم

آفتاب غسل خانے کی طرف سے گزرنے لگا کہ یک لخت مُنھ پر یاسمین کی بنیان!

"لاحول ولا ——— !" اُس نے ہڑبڑا کر کہا۔

غسل خانے کے دروازے میں اُوپر کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ یاسمین کا چہرہ نظر

"ے لو! بھلا میں نے جان بُوجھ کر تو نہیں ماری تھی!"

"کتنی بُری بات ہے!" وہ مُنھ پھیر کر بولا۔

"لو اور سُنو۔ میں نے تو اُدھر کپڑوں کے ڈھیر پہ پھینکی تھی۔ بھلا مجھے کیا خبر تھی

ل پہنچ جاؤ گے۔ وہ دھوبن آنے والی ہے نا! اسی لئے کپڑے باہر پھینک

ے!"

آفتاب نے نیچے دیکھا۔ میلے کپڑے اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ ایک دو لمحے

پ ہو گیا۔ لیکن پھر جو خیال آیا تو بڑبڑا اُٹھا۔ "ایسی گندی! ایسے بدبُودار کپڑے"

"اے ہٹو بھی" وہ بولی "جاؤ پرے جاؤ" میں نہانے لگی ہوں"

وہ پرے کو ہو گیا۔ "تو نہاؤ۔ میں نے کوئی روکا ہے"

"اللہ!" وہ بولی۔ "مجھے شرم آتی ہے!"

وہ حیرت سے بولا۔ "کیوں؟"

"تم جھانکو گے۔ تمھارا کیا اعتبار"

"غضب خدا کا! مجھ پہ اعتبار نہیں۔ بھلا میں نے کبھی ایسی حرکت کی ہے، کبھی پہلے۔۔۔۔؟"

"لو پہلے تو میں بچّی تھی!" وہ کچھ شرما کر بولی۔ "اب میں کوئی بچّی تھوڑے ہی ہوں!"

"پگلی!" آفتاب ہنس پڑا۔ "میرے لئے تو تم شریر ننھی بچّی ہی ہو"

"بچّی، اُونہہ!" اُسے غصہ سا آ گیا۔

پھر لہجے میں مٹھاس پیدا کرتے ہوئے بولی۔

"اے ہٹو بھی۔ اب جاؤ نا!"

ناک سکوڑ کر وہ بڑے کمرے میں چلا گیا۔

جلدی جلدی نہانے کے بعد یاسمین کپڑے پہن کر باہر نکلی۔ بُوا نسیبن

ہوا۔ سہمی ہوئی چارپائی پہ بیٹھی باندان کھولے سڑ سڑ سروتا چلا رہی تھی۔ جس تیزی سے اُن کے ہاتھ چل رہے تھے اُسی رفتار سے اُن کا منہ بھی چل رہا تھا۔ اور اُنہوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"بُوا! آفتاب کدھر گیا؟"

"موج زمانہ کیا آیا!" بُوا نے پان سے بھرا ہوا منہ کھولا۔ "اے ہے! نایا زاد بھائی وہ بھی عمر سے دو گنا بڑا۔ اُس کو نام لے کر بلاتے ہیں؟"

"بوا تم تو ہو پُرانے زمانے کی" وہ مچل کر بولی۔ "تو بھلا میں کوئی بچی ہوں کہ بھیا کہہ کر بلاؤں گی؟"

زرّیں اصول

شُنیدم کہ مردانِ راہِ خُدا
سُنا ہے کہ مردانِ راہِ خُدا
دلِ دُشمناں ہم نہ کردند تنگ
نہ کرتے تھے دلِ دُشمنوں کا بھی تنگ
تُرا کے میسّر شود ایں مقام
تجھے کب میسّر ہو ایسا مقام
کہ با دوستانت خلافست و جنگ — شیخ سعدیؒ
کہ تُو دوستوں سے ہے سرگرمِ جنگ — خوشتر گرامی

بُوا نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "اے تم بچی نہیں ہو تو کیا بڑھیا ہو؟ آفتاب میاں کو بھیا نہیں کہہ سکتیں، بھائی کہہ کر بلایا کرو!"

وہ جل کر بولی "میں کہتی ہوں۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ وہ کدھر گیا ہے؟ اور تم ہو کہ ـــــــ" بُوا نے سروتا چھوڑا۔ کانوں پر ہاتھ دھر لئے۔ "توبہ! کیسی ضدی ہے!"

یاسمین بڑے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

آفتاب ننھے کو کیرم کھیلنا سکھا رہا تھا۔ وہ پاس آکھڑی ہوئی۔ "میں بھی تو کھلاؤ نا!"

"ہم گندے بچوں سے نہیں کھیلتے، ہو لڑتے بھی ہیں۔"

وہ جل ہی تو گئی۔ "مجھے بچی نہ کہا کرو۔"

پھر روٹھنے کے سے انداز میں وہ زور زور سے پیر پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر اُس نے اپنے لمبے لمبے گیلے بالوں کو تولئے سے خشک کیا۔ پھر کنگھی کر کے دو چوٹیاں گوندھ کر پیچھے کو گھما کر پھینک دیں۔ پھر یکایک اُس کی سیاہ اور گھنی پلکوں پہ سے گرم گرم آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ بات ہی ایسی تھی۔ پورے سولہ برس کی وہ ہو گئی تھی۔ لیکن ابھی تک سارا گھر اُسے دودھ پیتی بچی ہی سمجھ رہا تھا۔ ابا کو دیکھو۔ اُس روز ننھے کے لئے کھلونا لاتے ہوئے اُس کے لئے بھی ایک گڑیا لے آئے۔ اُس کے لب سوکھنے پر بولے "ارے بھئی جاپانی گڑیا ہے۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بہت ہی پسند آئے گی۔" پھر کیسے بھولپن سے بولے "ارے بات [illegible] ہوئی؟" ایک اماں جی تھیں۔ وہ ذرا اُسے سمجھنے لگی تھیں۔ وہ آنے والی نائن سے اکثر کھسر پُھسر کرتے ہوئے انگلیوں پر گنتے ہوئے کہتیں "اللہ رکھے پورے سولہ برس کی ہو گئی ہے۔" اس کے آگے وہ ضرور ہی بڑھاتیں۔ اِس جملے سے یاسمین چڑ ہی تو جاتی۔ "اللہ کے ابھی بچی ہی سمجھو۔ جبین سے تو پورے تین برس چھوٹی ہے!"

جبین آپا سے وہ خواہ مخواہ جلنے لگی۔ لیکن نہیں، بات کچھ تھی ضرور۔ جبیں بات بات پہ اُسے بڑے ہونے کا احساس دلایا کرتی تھی۔ سب چھوٹے اُسے آپا آپا کہہ کر بلاتے۔ اور وہ یوں ہی رعب ڈالتی پھرتی۔ یاسمین کو غصہ اس بات پر بھی تھا کہ آفتاب آپا کی ہر بات کی تائید کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتا تھا۔

"ہائے ری جبین آپا!"

وہ اکثر دل میں جبین کو کوسا کرتی۔

ننھے میاں ہی کو دیکھئے۔ یاسمین کو آپی، باجی یا آپا کہنے کی بجائے منو جیجی کہہ کر بلاتے۔ بارہا سمجھایا۔ طرح طرح کا لالچ دیا کہ بھئی آپا کہو۔ آپی جان یا باجی جی کہو مگر وہی طوطے کی ایک ہی رٹ۔ مُرغی کی ایک ہی ٹانگ۔ "اے لو، آپا کہاں سے آ گئیں؟ آپا تو جبین آپا ہیں!"

یہ جبین آپا وہ تین برس پہلے کیا پیدا ہوئیں کہ ساری بڑائی اپنے نام رجسٹرڈ

پڑی یاسمین کے لئے وہی نگوڑے اٹھائے پڑوں کے نام رہ گئے
ب سے زیادہ غصہ تو آفتاب پر آتا۔ ذرا بھی تو اُسے نہ سمجھتا۔ وہ کبھی بے کلی
زاری اور بے تابی کے ساتھ اُس کا انتظار کیا کرتی۔ جب تک دیکھ نہ لیتی چین
لیکن جانو آفتاب خود بچوں سے گیا گذرا تھا۔ جوان لڑکی اُسے بچی ہی لگتی تھی
ن بعد یاسمین نے اپنے کپڑے خود سیئے۔ اِتنے تنگ تھے وہ کہ جسم کا ہر ہر
اور ہر زاویہ نمایاں ہو گیا۔ اور سڈول بدن کے ایسے دلفریب نشیب و فراز
ہو گئے کہ کتنی ہی دیر وہ خود کو آئینے میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی اور مسکراتی
ور جب اُن ہی کپڑوں میں وہ آفتاب کے سامنے آئی تو وہ پیار بھرے لہجے
بولا جیسے بچوں کو کوئی سمجھائے۔
"چھی چھی۔ یہ بڑوں کے کپڑے تم نے کیسے پہن لیے؟"
تنک کر وہ بولی "اے واہ! میرے اپنے ہیں۔ میں نے خود سلائی کی!"
وہ نہ مانا۔ "اُونھہ، یہ تو جبین کے کپڑے ہیں!"
وہ ایسی جلی کہ جانو کباب ہو گئی۔ "ہر بات میں جبین ہو گئی۔ بھلا کہاں وہ
یں۔ مگر اُسے تو ہر بات میں جبین ہی نظر آتی ہے۔ جبین کی بچی۔ ہائے کوئی
دل سے سوچے تو سہی۔ آپا سے تو میں لاکھ درجے خوب صورت ہوں۔
دل میں ——— توبہ! ہائے اللہ! کیا میں جوان نہیں ہوں؟" وہ
کر غصے سے بولی۔
مگر آفتاب اور سارے گھر والے تو آنکھیں میچے بیٹھے تھے۔
سمین نے بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کر کے اچھی طرح میک اپ کیا اور
پھر آگئی۔ اور برآمدے میں آکر سر جھکائے کھڑی ہو گئی۔
نے میں آفتاب کی آواز آئی۔ وہ جبین سے دوسرے کمرے میں پوچھ
رہے سمو؟"
کان لگا کر سننے لگی۔
"کیا بات ہوئی؟" یہ جبین کی آواز تھی۔
نے دل میں کہا "یہ چڑیلوں کی مانند ہر وقت اِس کے ساتھ لگی

اُس کا بچپن ابھی گیا نہیں ہے" مردہ گئی!"

"اُونھہ، میرا بچپن، خود جیسے بڑے بزرگ بنے پھرتے ہیں"
اتنے میں بوا نصیبن نے اُسے دیکھ کر ہانک لگائی۔ "اے چھوٹی بی! ذری
پاندان کا خیال رکھنا۔ میں ابھی آئی۔"
اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں نکال کر بولی۔ "خبردار بوا جو مجھے چھوٹی سمو
کہہ کر بلایا۔"
بوا کے ہاتھوں سے پاندان چھوٹ کر چارپائی پر گر گیا۔ "توبہ! یہ تمہیں
کیا ہوا؟"
"بس ایک بار کہہ جو دیا۔ اب مجھے چھوٹی سمو...."
"لے ہے تمہاری تو مت ماری گئی۔ تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا۔ بڑوں

• حضور سرورِ کائنات ؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو۔ ایسی دعا سے جو سُنی نہ جائے۔ ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔ ایسے علم سے جس سے نفع نہ ہو۔
• "اپنی پرانی غلطیوں اور گناہوں کی تلافی نیکیوں سے کرو۔" (حضرت ابو بکرؓ)
• جاہل انسان دیوار کی خاک اور پتھر کی مانند ہے جو بلندی پر پہنچنے کے بعد بھی جوہر نہیں رکھتا۔ (بطلیموس)
• کسی کی نسبت بُرا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یاد رکھو کہ تمہارے اِس خیال کا عکس اُسکے دل پر ضرور پڑے گا۔ (بوعلی سینا)

سے یوں بات کرتے ہیں؟"
وہ چلّانے لگی "بڑے آئے بڑے بننے والے۔ میں کوئی بچی ویچی
نہیں ہوں۔"
بوا نے زبان نکالی۔ "اے تو یہ باتیں بچوں کی سی نہیں تو اور کیا ہیں؟"
وہ چپ سی ہو گئی۔
اب بوا کی زبان کترکتر چلنے لگی۔ یاسمین سے صبر نہ ہو سکا۔ بھڑک کر بولی۔

بیگ سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی چارپائی پر بیٹھی پاندان کھولے سروتا چلا رہی تھی۔ جس تیزی سے اُن کے ہاتھ چل رہے تھے اُسی رفتار سے اُن کا مُنہ بھی چل رہا تھا۔ اور اُس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"بُوا! آفتاب کدھر گیا؟"

"توبہ زمانہ کیسا آیا!" بُوا نے پان سے بھرا ہوا مُنہ کھولا۔ "اے ہے نانا زاد بھائی وہ بھی عمر سے دوگنا بڑا۔ اُس کو نام لے کر بلاتے ہیں؟"

"بُوا تم تو ہو پُرانے زمانے کی۔" وہ مچل کر بولی۔ "تو بھلا میں کوئی بچی ہوں کہ بھیا کہہ کر بلاؤں گی؟"

رُزِ اُصول

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا

سُنا ہے کہ مردانِ راہِ خدا

دلِ دُشمناں ہم نہ کردند تنگ

نہ کرتے تھے دل دُشمنوں کا بھی تنگ

تُرا کے میسّر شود ایں مقام

تجھے کب میسّر ہو ایسا مقام

کہ با دوستانت خلافت و جنگ ـــ شیخ سعدیؒ

کہ تُو دوستوں سے ہے سرگرم جنگ ـــ خوشترگرامی

بُوا نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "اے تم بچی نہیں ہو تو کیا بڑھیا ہو؟ آفتاب میاں کو بھیا نہیں کہہ سکتیں، بھائی کہہ کر بلایا کرو!"

وہ جل کر بولی۔ "میں کہتی ہوں۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ وہ کدھر گیا ہے؟ اور تم ہو کہ ــــــ" بُوا نے سروتا چھوڑا۔ کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ "توبہ! کیسی ضدی ہے!"

یاسمین بڑے کمرے کی طرف مُڑ گئی۔

آفتاب ننھے کو کیرم کھیلنا سکھا رہا تھا۔ وہ پاس آ کھڑی ہوئی۔ "ہمیں بھی تو کھلاؤ نا!"

"ہم گندے بچوں سے نہیں کھیلتے۔ بولتے بھی نہیں۔"

وہ جل ہی تو گئی۔ "مجھے بچی نہ کہا کرو!"

پھر روٹھنے کے سے انداز میں وہ زور زور سے پیر پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دی۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر اُس نے اپنے لمبے لمبے گھنے بالوں کو تو چھوٹے چھوٹے کر کے پھر کنگھی کر کے دو چوٹیاں گوندھ کر پیچھے کو گھما کر پھینک دیں۔ پھر ٹپ ٹپ ہوئے اُس کی سیاہ اور گھنی پلکوں پر سے گرم گرم آنسو رخساروں پر ٹپکنے لگے۔ بات ہی ایسی تھی۔ پورے سولہ برس کی وہ ہو گئی تھی۔ لیکن ابھی تک سارا گھر اُسے دودھ پیتی بچی ہی سمجھ رہا تھا۔ ابا کو دیکھو۔ اُس روز ننھے کے لیے کھلونا لاتے ہوئے اُس کے لیے بھی ایک گڑیا لے آئے۔ اُس کے بھولے پن پر بولے۔ "ارے بھئی جاپانی گڑیا ہے۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بہت ہی پسند آئے گی۔" پھر بڑے بھولپن سے بولے۔ "ارے بات [illegible]ئی؟" ایک اماں جی تھیں۔ وہ بڑا سمجھنے لگی تھیں۔ وہ آنے والی نائن سے اکثر کھسر پھسر کرتے ہوئے ہاتھ کی اُنگلیوں پر گنتے ہوئے کہتیں۔ "اللہ رکھے پورے سولہ برس کی ہو گئی ہے۔" اور اس سے آگے وہ ضرور ہی بڑھ جاتیں۔ اِس جملے سے یاسمین چڑ ہی تو جاتی۔ "اللہ رے! بچی ہی سمجھو۔ جبین سے تو پورے تین برس چھوٹی ہے!"

جبین آپا سے وہ خواہ مخواہ جلنے لگی۔ لیکن نہیں، بات کچھ سچی تھی۔ جبین بات بات پر اُسے بڑے ہونے کا احساس دلایا کرتی تھی۔ سب چھوٹے آپا آپا کہہ کر بلاتے۔ اور وہ یوں ہی رعب ڈالتی پھرتی۔ یاسمین کو غصہ اِس بات کا بھی تھا کہ آفتاب آپا کی ہر بات کی تائید کرنا اپنا فرض اوّلین سمجھتا تھا۔

"ہائے ری جبین آپا!"

وہ اکثر دل میں جبین کو کوسا کرتی۔

ننھے میاں ہی کو دیکھئے۔ یاسمین کو آپی، باجی یا آپا کہنے کی بجائے ہمیشہ نام لے کر بلاتے۔ بارہا سمجھایا۔ طرح طرح کا لالچ دیا کہ بھئی آپا کہو۔ آپی جان یا باجی ہی کہو۔ مگر وہی طوطے کی ایک ہی رٹ۔ مرغی کی ایک ہی ٹانگ۔ "اے لو، آپا کہاں سے آ گئیں؟ آپا تو جبین آپا ہیں!"

یہ جبین آپا وہ تین برس پہلے کیا پیدا ہو گئیں کہ سارے گھر پر اُن کا نام چھا گیا

...ی یاسمین کے لئے وہی گھڑے وقتانے بچوں کے سے نام رہ گئے
...ے زیادہ غصہ تو آفتاب پر آتا۔ ذرا بھی تو اُسے نہ سمجھتا۔ وہ کیسی بے کلی
...بے تابی کے ساتھ اُس کا انتظار کیا کرتی۔ جب تک دیکھ نہ لیتی چین
...ن جاتا۔ آفتاب خود بچوں سے کیا کرتا تھا۔ جوان لڑکی اُسے بچی ہی لگتی تھی۔
...ار یاسمین نے اپنے کپڑے خود سیئے۔ اتنے تنگ تھے وہ کہ جسم کا ہر ہر
...ہر زاویہ نمایاں ہوگیا۔ اور سڈول بدن کے ایسے دلفریب نشیب و فراز
...گئے کہ کتنی ہی دیر وہ خود کو آئینے میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی اور مسکراتی
...ر جب اُن ہی کپڑوں میں وہ آفتاب کے سامنے آئی تو وہ پیار بھرے لہجے
...لا جیسے بچوں کو کوئی سمجھائے۔

...بھی بھی۔ یہ بڑوں کے کپڑے تم نے کیسے پہن لئے ؟"

...تنک کر وہ بولی۔ "اے واہ! میرے اپنے ہیں۔ میں نے خود سلائی کی!"

وہ نہ مانا۔ "اونہو، یہ تو جبین کے کپڑے ہیں!"

وہ ایسی جل کر جل کباب ہوگئی۔ "ہر بات میں جبین ہوگئی۔ بھلا کہاں وہ
...ں۔ مگر اُسے تو ہر بات میں جبین ہی نظر آتی ہے۔ جبین کی بچی۔ ہائے کوئی
...ل سے سوچے تو سہی۔ آپا سے تو میں لاکھ درجے خوب صورت ہوں۔
...وں میں ــــــ توبہ! ہائے اللہ! کیا میں جوان نہیں ہوں ؟" وہ
...کر خود سے بولی۔

...ر آفتاب اور سارے گھر والے تو آنکھیں میچے بیٹھے تھے۔

...سمین نے بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کر کے اچھی طرح میک اپ کیا اور
...باہر آگئی۔ اور برآمدے میں آکر سر جھکائے کھڑی ہوگئی۔

...تنے میں آفتاب کی آواز آئی۔ وہ جبین سے دوسرے کمرے میں پوچھ
...ر ہے ممو ؟"

...کان لگا کر سننے لگی۔

...ے کیا بات ہوئی ؟" یہ جبین کی آواز تھی۔

...ل نے دل میں کہا۔ "یہ چڑیلوں کی مانند ہر وقت اس کے ساتھ لگی

...ی اُس کا بچپن، روٹھ گئی !"

"اونہہ، میرا بچپن، خود جیسے بڑے بزرگ بنے پھرتے ہیں۔"

اتنے میں بوا نصیبن نے اُسے دیکھ کر ہانک لگائی۔ "اے چھوٹی بی! ذری
پاندان کا خیال رکھنا، میں ابھی آئی۔"

اُس سے ضبط نہ ہوسکا۔ آنکھیں نکال کر بولی۔ "خبردار بوا جو مجھے چھوٹو
کہہ کر بلایا۔"

بوا کے ہاتھوں سے پاندان چھوٹ کر چارپائی پر گر گیا۔ "توبہ! یہ تمہیں
کیا ہوا ؟"

"بس ایک بار کہہ جو دیا۔ اب مجھے چھوٹو ممو ...."

"اے ہے تمہاری تو مت ماری گئی۔ تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا۔ بڑوں

- حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو۔ ایسی دعا سے جو [illegible]۔ ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔ ایسے علم سے جس سے [illegible] نہ ہو۔
- "اپنی پُرانی غلطیوں اور گناہوں کی تلافی نیکیوں سے کرو۔" ([illegible] ابوبکرؓ)
- جاہل انسان دیوار کی خاک اور پتھر کی مانند ہے جو بلندی پر پہنچنے کے بعد بھی جوہر نہیں رکھتا۔ (بطلیموس)
- کسی کی نسبت بُرا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یاد رکھو کہ تمہارے اس خیال کا عکس اُسکے دل پر ضرور پڑے گا۔ (بو علی سینا)

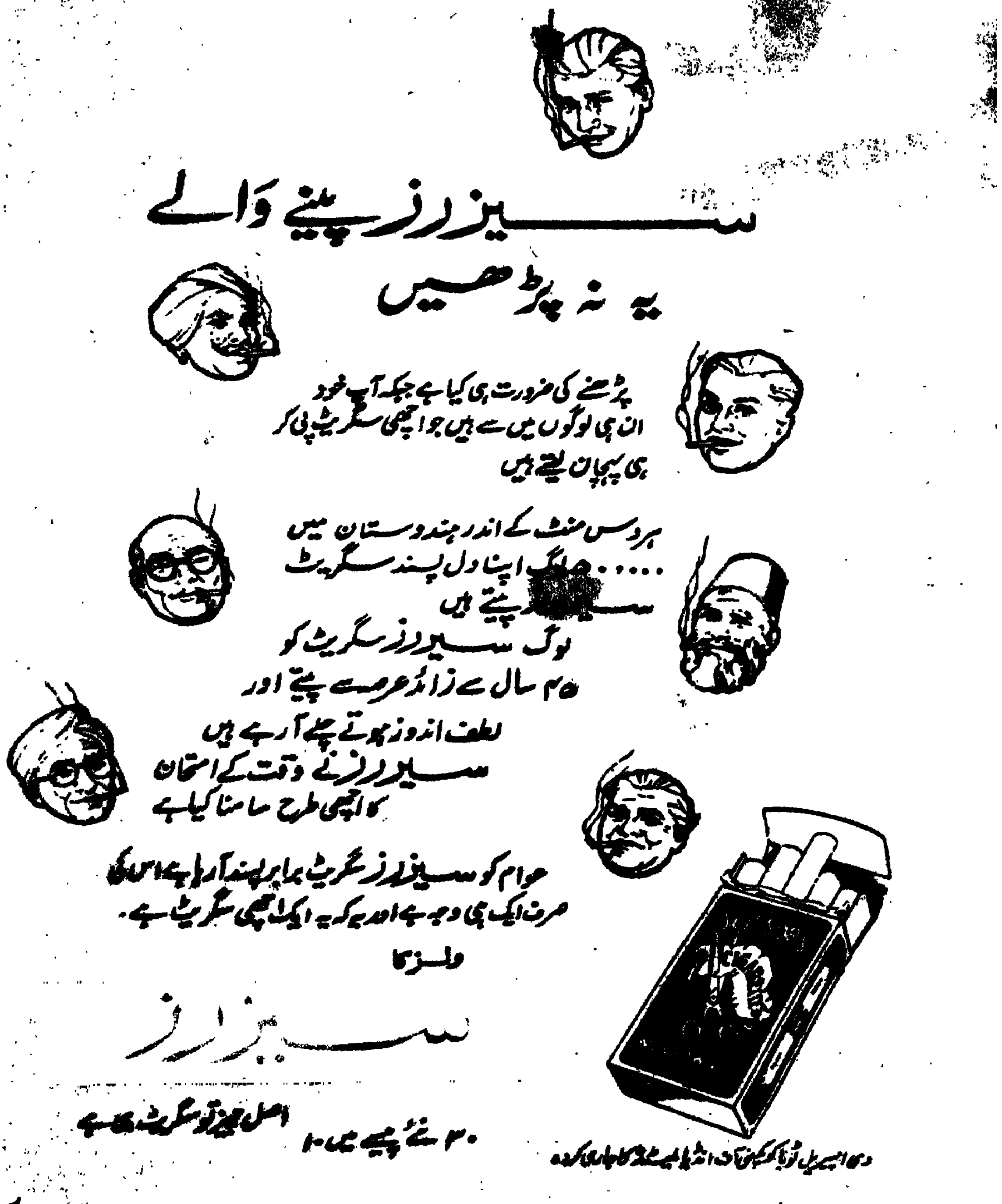
سے یوں بات کرتے ہیں ؟"

وہ چلانے لگی۔ "بڑے آئے بڑے بننے والے۔ میں کوئی بچی نہیں ہوں۔"

بوا نے زبان نکالی۔ "اے تو یہ باتیں بچوں کی سی نہیں تو اور کیا ہیں ؟"

وہ چپ سی ہوگئی۔

اب بوا کی زبان کتر کتر چلنے لگی۔ یاسمین سے صبر نہ ہوسکا۔ بھڑک کر بولی۔


سیزرز پینے والے
یہ نہ پڑھیں
پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ آپ خود
ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو اچھی سگریٹ پی کر
ہی پہچان لیتے ہیں
ہر دس منٹ کے اندر ہندوستان میں
..... لوگ اپنا دل پسند سگریٹ
سیزرز پیتے ہیں
لوگ سیزرز سگریٹ کو
۴۵ سال سے زائد عرصے سے پیتے اور
لطف اندوز ہوتے چلے آرہے ہیں
سیزرز نے وقت کے امتحان
کا اچھی طرح سامنا کیا ہے
عوام کو سیزرز سگریٹ برابر پسند آرہا ہے اس کی
صرف ایک ہی وجہ ہے اور یہ کہ یہ ایک اچھی سگریٹ ہے۔
ولز کا
سیزرز
اصل چیز تو سگریٹ ہی ہے
۲۰ نئے پیسے میں ۱۰
دی امپیریل ٹوباکو کمپنی آف انڈیا لمیٹڈ کا جاری کردہ

تیرے سامنے یوں بڑبڑ کر!"

بُوا دہاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"آنے دو منجھلے میاں کو۔ بی بی کو آج ہی بازار جانا تھا۔ دیکھنا تو کیسی شکایت کرتی ہوں۔ مجھ سفید بالوں والی کو یوں دھمکاتی ہو۔ اے ہے زمانے سے تو شرم و حیا ہی....."

اور وہ دل میں کہہ رہی تھی۔

"جانے کہاں مر گیا آفتاب، ابھی دوسرے کمرے میں وہ مجھے پوچھ رہا تھا اور یہ جو اتنا شور شار مچا ہے تو کیا اُسے سنائی ہی نہیں دیا؟ بیٹھا جبین سے اُوٹ پٹانگ باتیں کر رہا ہوگا....."

مگر بُوا کے رونے اور چیخنے چلانے کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تو دل کی باتیں بھول کر وہ اُدھر کو متوجہ ہوئی۔

بولی۔

"میں بھی تیری شکایت نہ کروں تو....."

"ضد کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" بُوا نے ہاتھ نچایا۔ "ہے ہے اِتنی ضد!"

وہ بات کاٹ کر چیخی۔

"اپنی ضد پوری نہ کروں تو کہنا۔ ساروں کو ناکوں چنے نہ چبوا دئیے ہوں تو۔"

اور لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔

آفتاب، جبین اور ننھے میاں آئے۔

"کیا ہوا؟"

"کیا ہوا بوا؟" جبین نے پوچھا۔

بُوا نے کھٹ کھٹ سُنا دیا۔

"اے لو میں نے ذری سی بات کر دی کہ پان دان کا خیال رکھیو۔ اور انھوں نے آسمان سر پہ اُٹھا لیا توبہ —"

جبین نے بُوا کو چپ کرایا اور آفتاب اُس کی طرف بڑھا۔ وہ بھاگ کر باہر والے برآمدے میں چلی گئی۔

کچھ دیر کے بعد آفتاب اُسے نظر آیا۔

"اُونہہ، سیر کو جا رہا ہوگا۔" اُس نے سوچا۔ اور منہ پُھلا کر برآمدے کے ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

آفتاب اُدھر کو چلا آیا۔

"[illegible] ہو تم! ابھی یونہی لڑا نہیں کرتے۔ اب مان [illegible] بُوا سے اور خفگی ہم سے۔"

پیچھے پیچھے جبین [illegible]

اُس کا دل چاہا بہن کا منہ نوچ لے۔ کیسی بنتی ہے یہ جبین۔ اُونہہ اِس کے پیچھے پھر رہی ہے اور اب خواہ مخواہ شرما رہی ہے۔ اور پھر یہ آفتاب! اُدھر دیکھا، اُدھر کو پہنچ گئے! اُسے رونا آ گیا۔

آفتاب نے اُس کا بالوں بھرا سر جھنجھوڑا۔

"پگلی! ننھی مُنی سی گڑیا۔ بھلا یُوں لڑا کرتے ہیں؟"

ٹپ ٹپ! اُس کی موٹی موٹی بادامی آنکھوں میں چمکتے ہوئے موتی لگے۔ "ننھی، ننھی مُنی سی گڑیا۔ ہائے!"

پھر اُس روز اُس نے آفتاب کو جبین سے بہت سی باتیں کرتے دیکھا۔ اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ بہن کے خلاف نفرت کا لاوا جو دل ہی دل میں پک رہا تھا۔ اب ایک دم آنکھوں کے راستے آنسو بن کر اُبل ہی تو پڑا۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ گھنٹوں روتی رہی۔ تنفس کی تیزی سے سینے میں درد ہونے لگا۔

باہر سے ننھا اندر کمرے میں آیا تو اُس نے جھڑک کر اُسے باہر نکالا۔ ننھا منہ پُھلائے باہر نکلا اور آفتاب نہ جانے کس لئے یاسمین کو ڈھونڈتا ہوا اُدھر کو آ نکلا۔ ننھے سے پوچھنے لگا۔

"کیا ہوا؟ جیجو کدھر ہے؟"

یاسمین نے کان باہر کو لگائے۔

ننھے نے جھلائی ہوئی آواز میں بتایا۔

"اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی ہے۔ سر میں درد کیا ہوا ہے کہ سب کو ستا رکھا ہے!"

آفتاب اُس کے کمرے میں آ گیا۔ اُس نے لحاف میں منہ چھپا لیا۔ بھلا اس شخص کو منہ کیوں دکھاتے؟

"ارے بھئی کیا ہوا؟ لاؤ میں سر دبا دوں!" آفتاب نے ہاتھ [illegible]

یاسمین کا دل چاہا اُس کے مضبوط ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر لہولہان کر دے لیکن وہ بے بس پرندے کی مانند لحاف کے قفس میں پڑی رہی۔ دل میں البتہ روسا اُٹھا۔

"کیا پڑھ رہے میری ؟"

آفتاب نے زبردستی لحاف کھینچ کر پرے پھینک دیا۔ وہ کھڑی ہو گئی اُس پر ناک کر ایک گہری نظر سے آفتاب کو دیکھا۔ اور پھر سسکیاں لیتے ہوئے اُس کا ہو گیا۔

آفتاب نے اُسے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"ننھی سی گڑیا، یُوں نہیں ضد کرتے، رُوٹھتے !"

وہ پھر لحاف میں گھس گئی۔

آفتاب چلا گیا۔

اُس روز وہ تو خوش تھی۔ مباحثہ جیت کر آئی تھی نا۔ اسکول میں وہ کتنی ہو گئی تھی۔ آفتاب جو آیا تو اُس نے فخر سے اُسے بتایا۔

"میں نے اوّل انعام حاصل کیا !"

"ارے سچ ! ؟" وہ بولا۔ پھر جیسے خوش ہو کر ننھے کو بلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہارے پھوپھو آپا نے پہلا انعام لیا !"

پھپھو کے ساتھ ساتھ لگا ہوا آپا کا لفظ سن کر اُسے بہت خوشی ہوئی۔

"اس کا موضوع کیا تھا ؟"

آفتاب نے پوچھا۔

"عورتوں کا سیاست میں حصہ ! اس موضوع پر !" اُس نے فخر سے بتایا۔

"ارے !" اُسے جیسے یقین نہ آیا۔ "تو تم نے اس موضوع پر تقریر کس طرح

پھول کر وہ بولی۔ "تو میں کوئی دودھ پیتی بچی ہوں ؟"

"اچھا میں سمجھ گیا۔ ضرور جبین نے تیار کر دی ہوگی۔"

اُس کا چہرہ اُتر گیا۔ دل [illegible]

اتنے بڑے کو سے سُنتے [illegible]

دہل دہل جائیں۔ لیکن وہ کچھ نہ کر سکی۔ بس دھیمے دھیمے بوجھل قدم اُٹھاتی وہاں سے چلی آئی۔

اُسی شام وہ نرگس کے پھولوں کی خاطر لان میں آئی۔ ابھی باڑ کی جھاڑیوں تک پہنچی تھی کہ آفتاب کی آواز سن کر ٹھٹکی۔ جھانک کر دیکھا تو جبین کے پاس نرم نرم گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کے آگ لگ گئی۔

"موئی نامراد چڑیلوں کی سی جبین کیسے مزے کے ساتھ بیٹھی اُس کی باتیں سُن رہی ہے۔ نگوڑا سر یُوں جھکایا ہوا ہے جیسے لاکھ کا منوں بوجھ آ پڑا ہو۔" دل ہی دل میں یاسمین نے اُسے خوب بُرا بھلا کہا۔

اور وہ کیسے پیار کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"جانتی ہو، مجھے رات نیند نہ آئی !"

"کیوں ——— ؟"

"——— ہے ہے، مُردار کیسے نخرے دکھا رہی ہے۔ ڈائن !"

"تم تو جانتی ہی ہو !"

"——— شرم نہیں آتی آفتاب کو ؟ اپنا زاد بھائی بنا پھرتا ہے اور یہ کچھ ہی ——— !"

"کیا جانتی ہوں ؟"

"——— ہائے ربی تم آکیسی معصوم بن رہی ہے چڑیل !"

آفتاب نے جبین کے رُخسار پہ ہلکی سی چپت لگا دی۔

یاسمین سے ضبط نہ ہو سکا۔ [illegible]

رنگ بدلنے لگا۔ آفتاب نے [illegible]

"اوہ ——— آؤ ——— آؤ [illegible]"

وہ کٹ کر ہی تو رہ گئی۔

یاسمین کا دل چاہا [illegible]

[illegible]


روز بہ
روز بہ
روز بہ...
... آپ کا رنگ روپ نکھرتا چلا جاتا ہے
کیونکہ رکسونا صابن میں تیلوں کا ایک
خاص مرکب 'کیڈل' موجود ہے، جو
آپکی جلد کو زیادہ چکنا، مُلائم اور دلکش بناتا ہے۔
اور رکسونا کی خوشگوار مہک کتنی دیر تک قائم رہتی ہے!
دن بھر طبیعت میں صبح کی تازگی محسوس ہوتی ہے۔ رنگ روپ
کی رونق کے لئے روزانہ رکسونا استعمال کیجئے۔
Rexona
سونا صابن سے آپ کی جِلد نکھرتی چلی آتی ہے۔
رکسونا پروپرائٹری لیمیٹڈ آسٹریلیا کیلئے بھارت میں بنایا گیا۔
RP. 165-XSD

ترقی کے پیشرو

یہ واقعی بڑا اعزاز ہے

ریاست میسور کے ضلع چترودرگ میں واقع دیونگری اجتماعی ترقی بلاک کے شری وی۔ایس۔ کرجگی کو مثالی خدمات انجام دینے پر ۱۹۵۹ء کا بہترین گرام سیوک قرار دیا گیا ہے۔

شری کرجگی نے کوئی تین برس ہوئے بلاک کے اس لوحلقہ میں بطور گرام سیوک کے کام شروع کیا تھا۔ اس عرصے میں اس بلاک کے دیہات نے زراعت اور مویشی نسل کشی میں بڑی ترقی پائی اور باہمی میل جول و تعاون سے بلاک نواسیوں نے بڑے کام سنوار۔

ایک روشن مثال — ماہ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بلاک کے افتتاح کے موقع پر کل ۲۹ ایکڑ زمین میں دھان کی بہتر کاشت ہوئی تھی اس کے برعکس ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء کے آخر میں ۲۲۰ ایکڑ زمین ایسی تھی جس میں دھان کی بیجائی بہتر طریق پر ہوئی۔

شری کرجگی جیسے گرام سیوک دیہات کے عوام میں اپنی مدد آپ کرنے، مل جل کر کام کرنے اور ترقی کرنے کے جذبوں کو تقویت دے کر صحیح معنوں میں 'نئے بھارت کی تعمیر میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔



پلان سے مضبوطی
پلان سے خوشحالی
پلان کو کامیاب بنایئے، محنت سے بچت سے



DA 60/314

پھر بیگ طرح چل بل کر رہ گئے۔

اصل میں تو وہ بچی ہی تو سمجھ رہا تھا۔ جبھی تو بات کو بہت پلٹ رہا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ دونوں کیا باتیں کر رہے تھے۔ یا اُن باتوں کا مفہوم کیا تھا۔

"آؤ بچو تم تو آجکل نظر ہی نہیں آتیں۔ ہاں ہاں صحیح تم ہی تھیں۔ تم نے بتلایا تھا نا۔ ہاں تو تم نے انعام حاصل کیا —— پہلا —— ؟"

"انعام گیا جہنم میں!" وہ تنک کر بولی۔

جبین اُس سے نگاہیں نہ ملا سکی۔ کام کا بہانہ کر کے اُٹھ گئی۔ اُسکے وہاں سے چلتے ہی وہ آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی۔ گویا ضبط کا بند ایک ہی دھکے سے ٹوٹ گیا۔

"ہائیں! —— کیا ہوا؟"

وہ گھبرا کر بولا۔

"آفتاب! تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میں بچی نہیں ہوں۔ نہ پاگل ہی ہوں!"

"سچ سچ!" وہ بولا۔ "تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ آؤ، تمھاری طبیعت تو..."

"آفتاب ——!" اُس نے بات کاٹی۔

"دیکھو بڑوں کے نام نہیں لیا کرتے۔" اُس نے کہا۔

وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"دیکھو دیکھو ——" وہ چہرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے چلائی "میں پورے سولہ برس اور دو ماہ کی ہوں —— میں ——"

اُس نے ٹالنا چاہا —— "یاسمین سُنو —— پاگل مت بنو!"

لیکن وہ تو جیسے طوفان کی زد میں آچکی تھی۔ اور الفاظ اُسکے مُنہ سے تُند دھارے کی مانند بہہ کر نکلنے لگے تھے۔

"تم سب کچھ جانتے ہو آفتاب۔ سُنو، آفتاب! میں بڑی ضدی ہوں۔ میں اپنی ضد پوری کر کے دم لوں گی۔"

وہ پریشان ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اُسے کیسے ٹالے۔

وہ اُسے جھنجھوڑنے لگی۔

"سُنو مجھے بتا دو، تم مجھے —— کیا تم مجھے —— بولو —— بولو نا!"

غزل

رئیس امروہوی

عشق کو باز نہ رکھ شکوہ سرا ہونے سے
نغمہ مرجاتا ہے محرومِ صدا ہونے سے

ہر تجلی سے گزرتی چلی جاتی ہے نگاہ
کوئی وعدہ ابھی باقی ہے وفا ہونے سے

گوشِ غنچہ میں دمِ صبح یہ کہتی تھی نسیم
زندگی اور نکھرتی ہے فنا ہونے سے

دِل کو اب تیری توجہ کا یقیں آیا ہے
وہ بھی کچھ تیرے تغافل کے سوا ہونے سے

جب کہ ہم فیصلۂ ترکِ وفا کر بھی چکے
فائدہ تیرے پشیمانِ جفا ہونے سے

کفر بن کر مری ہستی میں سمٹ آیا ہے
وہی سجدہ کہ جھجکتا تھا ادا ہونے سے

رہروِ شوق کو ہوتا نہیں اندازۂ راہ
ہاں مگر تجربہ لغزشِ پا ہونے سے

اُن کی خفگی بسر و چشم، مگر آہ رئیس
زندگی روٹھ گئی اُن کے خفا ہونے سے

وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ ایک تناؤ اُس کے چاروں طرف چھا رہا تھا —— "یاسمین ——!"

"ہاں آفتاب! ہاں!" وہ تیزی سے بولی۔ "مجھے تم سے —— مجھے تمھاری ....."

وہ گھبرا کر اُٹھی اور تیزی سے بھاگی۔ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ بستر پر گر گئی۔ حیران نظروں سے اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ بے قراری سے پہلو بدل بدل کر اِدھر

اُدھر سوار اور پھر راستوں میں چہرہ چھپا کر لکھنے لگی۔

رات اپنے ساتھ تاریکی کے بھیانک دیوے کر آئی۔ اُس کے دل میں اندھیرا تھا۔ آسمان کالا تھا۔ اور اُس کے دل کی دُنیا ویران تھی۔ ہر سو اُجڑے ہوئے محل کھڑے تھے۔ درخت اتنے ڈراؤنے معلوم ہو رہے تھے کہ وہ دن اسوں کے رہ گئی۔ چاند بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اتنی غمگین تھی کہ بیٹھ میں ہو کا عالم بھی اُسے نہ ڈراسکا۔ کہیں کہیں اِکا دُکا جگنو اُسے گھاس میں نظر آیا۔ وہ دھیمے دھیمے قدم اُٹھاتی اُسی جگہ۔ وہیں رات کی رانی کی جھاڑیوں کے پیچھے آ کر گھاس پر بیٹھ گئی۔ جگنو اُسے ایک آنکھ نہ بھائے۔ وہ تو چاہتی تھی کہ ہر جگہ اندھیرا ہی ہو۔ تاریکی کا گھر ہو۔ بالکل اُسی طرح جیسے اُس کے اپنے دل کی دُنیا میں تاریکی نے غلبہ پا رکھا تھا اور فضا میں جگنو اُسے چنگاریاں اور شرارے محسوس ہونے لگے۔ کہیں کہیں جیسے بجلی سی کوند جاتی۔ پھر چاند نے بادلوں کی نقاب میں سے لمحہ بھر کو جھانک کر دیکھا۔ وہ چونک گئی۔ اُس نے کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اُس نے سرد آہ بھرتے ہوئے اپنی آنکھیں مُوند لیں۔

ہلکی ہلکی چاپ۔

پھر کوئی اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ کسی کی بے ترتیب سانس اُس کے چہرے کو چھونے لگی۔ گرم گرم تنفس، پھر کسی کے ہاتھ کا لمس۔ اُس نے اپنی موٹی موٹی سی آنکھیں دُکھ کے مارے کھول دیں۔

"آفتاب؟"

اُس نے سرگوشی کی۔

آفتاب ٹھٹک گیا۔

"اوہ یاسمین!"

وہ چلا اٹھی، جیسے کلیجے میں ٹیس اُٹھی ہو۔ "ہاں ہاں، یہ میں ہوں!"

پھر کچھ دیر کے لئے سارے ماحول پر خاموشی نے اپنا جال پھیلا دیا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یاسمین ——— !"

وہ خاموش رہی۔

اُس کے دل کی دھڑکن ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دھک دھک دھک

جیسے کوئی اُس کے دل کو مُٹھی میں مسلنے لگا۔ ڈھولک سی کانوں میں بجنے لگی۔ دھک دھک۔ دھک!

وہ درد بھری آواز میں بولا۔

"سُنو یاسمین!"

وہ خاموش رہی۔

اُس سے بولا ہی نہ گیا۔

وہ کہہ رہا تھا۔

"میں تمھارا بھائی ہوں۔ صرف بھائی!"

وہ چیخ اُٹھی۔

"نہیں نہیں!!" وہ سسکنے لگی۔ "آفتاب! میرے آفتاب! میں اُس سے کہیں زیادہ اچھی ہوں۔ خوبصورت ہوں۔"

"ہاں ہاں!" وہ بولا۔ "مگر تم وہ نہیں ہو۔ تم وہ ہو نہیں سکتیں جو وہ ہے۔ جو وہ میرے لئے ہے!"

وہ وحشت بھرے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

وہ کہہ رہا تھا۔

"تم بچوں کی سی حرکتیں کرتی ہو۔ تم ہمارے درمیان دیوار کیوں کھڑی کر رہی ہو۔ سُنو یاسمین! مجھے صرف بھائی سمجھو۔ اپنا بھائی۔ تمھارے ذہن میں جو سانپ ہے اُسے مار ڈالو! کچل ڈالو!!"

وہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی برآمدے تک آئی۔ پھر تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہو کر بستر پر دراز ہو گئی۔

اُس کے کمرے میں کتنا اندھیرا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر گھورنے لگی۔

اُس کے کانوں میں کوئی چیخ رہا تھا۔

"واہ ——— واہ ——— واہ ———!"

اُس نے اُنگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں!

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اندھیرے میں جبین کی شبیہہ اُبھر آئی ہے۔ پھر آفتاب کی شبیہہ، پھر ——— دیکھو دیکھو، وہ سب ہنس رہے ہیں۔ اُس کا

مذاق اُڑا رہے ہیں۔ اُس کی ہتک کر رہے ہیں۔ اُس کے وجود کو، ہاں اُس کے وجود کو لعن طعن کر رہے ہیں۔ ہاں ہاں اُس کا غرور ختم ہو رہا ہے۔ وہ بے بس پرندے کی مانند اِدھر اُدھر تک کر رہ جاتی ہے۔ اور اُس کی ضد، اُس کا غرور اُس کا حُسن سب شکست خوردہ ہیں۔ وہ گھبرا کر اُٹھی، اُس نے روشنی کی۔ آگ کی مانند روشنی نے سارے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر اُس نے دائیں بائیں آڑی ترچھی ہو کر خود کو کئی زاویوں سے دیکھا۔ ایک ہلکی سی چیخ اُس کے حلق میں سے خود بخود نکل گئی۔ اُس کے تن بدن میں سانپ کا سا زہر پھیلنے لگا۔ زہر۔ وہ ہچکیوں سے نڈھال ہو ہو گئی۔

وہ اُٹھی اور تیزی سے باہر نکلی۔

تیزی سے چلتی ہوئی وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی۔

وہاں امّاں بی کے سامنے زور زور سے روتے ہوئے بولی۔

"امّاں! امّاں! میں باغ میں جو گئی ——— سیر کرنے جو گئی تو ——— تو ——"

وہ رُک گئی۔

"ہاں وہ آفتاب سے انتقام لے گی۔ نہیں نہیں....."

"اری بول کیا ہوا؟" امّاں بی کا رنگ فق ہو گیا۔ "خیر تو ہے؟"

"باغ میں آفتاب ——" اُس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ "آفتاب نے، ہائے ہائے آفتاب نے...."

امّاں بڑبڑائیں

"ہائے ہے بول، اری آفتاب نے کیا کیا ——؟"

اُس کے مُنہ سے یوں نکلا جیسے تیر کمان سے۔ باغ میں سانپ مجھے ڈسنے لگا تھا۔ آفتاب بھیّا نے اُسے مار ڈالا" —— آفتاب بھیّا —— بھیّا ——" اُس کا سر چکرانے لگا۔

امّاں صدقے واری ہونے لگیں۔

"ہائے ہے، خدا آفتاب کی عمر دراز کرے —— شکر خدا کا —— میری جوان بچّی —— اے ہے جبین اپنی بہن کو سنبھال۔ دیکھ تو کیسی ہلکان ہو رہی ہے....."

اور بوا نصیبن جلدی سے پانی کا گلاس لائیں۔

پانی پلاتے ہوئے بڑے پیار سے بولیں۔

"سُنے ہے، جوان کنواری لڑکی کو شام ڈھلے باغ میں جانا ہی نہیں چاہیے شکر ہے خدایا تیرا....."

یاسمین کی آنکھوں کے آنسو تھم گئے ——!

●●

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن منی آرڈر پر یہ ضرور تحریر فرمایئے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد میں دیر نہ ہو۔ خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ "رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶" لکھنا کافی ہے۔ (مینیجر)

طنزیہ

افواہیں

جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اُسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں

پہلی افواہ

سابق کانگرسی اور سابق سوشلسٹ اور حال سروودے لیڈر شری جے پرکاش نارائن نے پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک مراسلہ ارسال کیا ہے۔ جس میں اُنھیں مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ ہندوستان میں جمہوریت کے صحت مند ارتقا کے لئے مندرجہ ذیل انقلابی تجویزوں پر عمل کریں۔

(۱) آنے والے انتخابات میں کانگرس پارٹی کی حکومت قائم نہ کریں۔

(۲) انتخابات کا موجودہ سسٹم بالکل بند کر دیں۔ یعنی آئندہ کے لئے جنرل انتخابات کئے ہی نہ جائیں۔ بلکہ گزشتہ جنرل انتخابات میں جس پارٹی کو جتنے ووٹ مل چکے ہیں اُنھیں اُن پارٹیوں کے مستقل ووٹ قرار دے دیا جائے۔

(۳) ہر پانچ سال کے بعد ایک مرتبہ کانگرس پارٹی کی حکومت بنائی جائے۔ اور دوسری مرتبہ اپوزیشن پارٹیوں کی ملی جُلی حکومت۔

نوٹ:۔ صرف بڑی بڑی تین پارٹیوں، کمیونسٹ، پرجا سوشلسٹ اور جن سنگھ ہی کو اپوزیشن تسلیم کیا جائے۔ اور یہی تینوں ملی جُلی حکومت بنائیں۔ آزاد ممبروں کو بدستور حکومت کے پرچے سے آزاد رکھا جائے۔

(۴) حکومت بنانے کے لئے اپوزیشن کے پاس جتنے ووٹ کم ہوں اُتنے ووٹ کانگرس پارٹی اپوزیشن پارٹی کو دان میں دے دے اور اُسے "ووٹ دان اندولن" کا نام دیا جائے۔

(۵) ہر پارٹی ہر پانچ سال بعد پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اپنی مرضی سے ممبر نامزد کر کے بھیجے۔

شری جے پرکاش نارائن نے تحریر فرمایا ہے کہ اس طرح باری باری حکومت کرنے سے ملک میں ایک صحت مند جمہوری فضا پیدا ہو جائے گی۔ سُنا گیا ہے کہ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے اِن تجویزوں سے کُلّی اتفاق کر لیا ہے۔ مگر صرف اِس ایک ترمیم کے ساتھ کہ اُنھوں نے شری جے پرکاش نارائن کو لکھا ہے کہ "اپوزیشن پارٹیوں کی حکومت کا وزیرِ اعظم بھی میں ہی بنوں گا، آپ نہیں۔"

خدشہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ شری جے پرکاش نارائن اِس آخری ترمیم کو رد کر دیں گے۔

دوسری افواہ

اکالی حلقوں میں یہ افواہ بڑے زور شور سے گشت لگا رہی ہے کہ آنے والے الیکشن میں پنڈت نہرو پنجاب سے بطور اُمیدوار ممبر پارلیمنٹ کھڑے ہو رہے ہیں۔ اور اُن کا مقابلہ براہِ راست ماسٹر تارا سنگھ جی سے ہوگا۔ پنڈت جی نے ماسٹر جی کو ایک فیصلہ کُن خط لکھا ہے کہ آپ پنجاب کے جس حلقے کو اکالیوں کا گڑھ سمجھتے ہیں اُسی حلقہ سے ہی میرا مقابلہ کریں۔ اور اِس کے نتیجہ پر ہی اکالی صوبہ کے قیام کا انحصار رکھا جائے۔

اگر ماسٹر تارا سنگھ جی نے یہ تجویز منظور کر لی تو ہو سکتا ہے ماسٹر تارا سنگھ جی

بیٹھ جائیں۔ اِس صورت میں ہندوستان کے آئندہ وزیرِ اعظم ماسٹر تارا سنگھ ہی ہوں گے۔

تیسری افواہ ——— •

ہندوستان میں بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی پر نہ صرف حکومت کو تشویش ہو رہی ہے۔ بلکہ خود غنڈوں کو بھی بہت پریشانی ہے۔ چنانچہ اِس کے انسداد کے لئے اب ہندوستان بھر کے غنڈوں کی ایک نمائندہ کنونشن جلد ہی دہلی میں بُلائی جا رہی ہے۔ جس کی صدارت کے لئے کسی ممبرِ پارلیمنٹ سے درخواست کی جائے گی۔

غنڈہ کنونشن کے ایجنڈا پر سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ غنڈے اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ وہ قتل کرتے رہیں۔ مگر غنڈے محسوس کرتے ہیں کہ سال بھر میں قتلوں کی تعداد بڑھنی نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس سے غنڈہ گردی کا معیار گر جاتا ہے۔ اِس لئے غنڈوں کو قتلوں کا ایک مخصوص کوٹہ الاٹ کر دیا جائے۔ اور اگر کوٹے سے زیادہ قتل سرزد ہو جائیں تو اس کی ذمہ داری غنڈہ کنونشن اپنے سر لے لے گی۔ اور مجرم غنڈوں کو خود سزا دے گی۔ جو موت سے کم نہ ہوگی۔

قتل الاٹ کرنے کا یہ نیا سسٹم ..... غنڈہ کنونشن کی تجویز میں کہا گیا ہے ہماری ایک قدیم ترین روایت پر مبنی ہے۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ہر روز ایک دیو آیا کرتا تھا۔ اور گاؤں والے ہر روز اُس کے سامنے ایک آدمی قربانی کے طور پر پیش کر دیا کرتے تھے۔ اِس طرح دیو اور دیہاتیوں کے درمیان ایک باعزت سمجھوتہ چلتا رہا تھا۔

اسی طرح ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی غنڈوں کے لئے قتلوں کے الگ الگ کوٹے مقرر کر دیئے جائیں۔ غنڈہ کنونشن کا مطالبہ ہے کہ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے کوٹے سب سے زیادہ رکھے جائیں۔ اگرچہ دہلی کے غنڈوں کا مطالبہ ہے کہ فوقیت کی اِس فہرست میں دہلی کا نام بھی شامل کیا جائے۔ کیونکہ اِس محاذ پر دہلی نے نمایاں ترقی کی ہے۔ اِس لئے دہلی کی حق تلفی نہ کی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ کنونشن میں وہ لیڈر جو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے پالتو غنڈے رکھتے ہیں اِس کوٹہ سسٹم کی مخالفت میں تقریریں کریں گے۔ کیونکہ اِس سسٹم سے اُن کو سیاسی نقصان کا احتمال ہے۔

چوتھی افواہ ——— •

ہند سرکار جلد ہی ہندوستان کے سادھوؤں کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے والی ہے۔ چند سال پہلے سرکار نے بھارت سادھو سماج کی بنیاد رکھی تھی نصب العین نہایت مقدس اور عظیم تھا۔ کہ آزادی کے بعد ہندوستانی باشندوں میں کردار اور اخلاق کی جو گراوٹیں پیدا ہوئی ہیں اُن کے سدِ باب کے لئے سادھوؤں کی فشکام فوجیں بھارت بھر میں پھیلا دی جائیں تاکہ وہ جگہ جگہ اُپدیش دے کر کرپشن، مکاری، جنس پرستی، لالچ، تعصب، ملاوٹ، رشوت اور خود غرضی کے شیطانوں کا سدِ باب کر سکیں۔ اِسکے لئے سرکار نے ایک کثیر رقم بھی وقف کر دی تھی۔ جو باقاعدہ صرف کی جاتی رہی۔ مگر کردار اور اخلاق کی گراوٹ اور بھی بڑھ گئی۔ تحقیقاتی کمیشن کی تحقیقات کی بنیاد اِس فارمولا پر رکھی جائے گی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ سادھوؤں کا اپنا کردار و اخلاق پستی کی طرف مائل ہو۔ اور اِسی لئے وہ عوام کے اخلاق کو بلند کرنے سے قاصر رہے ہوں۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہوا ہے کہ چند سیاسی قسم کے سادھو اِس تحقیقاتی کمیشن کے بائیکاٹ کی تحریک چلانے والے ہیں۔ اور ہندوستان بھر کے سادھوؤں کو یقین دلانے کی کوشش میں ہیں کہ یہ کمیشن بھارت دیش کی مریادا کے خلاف ہے اور سادھوؤں کی آزادیٔ طبع میں مداخلت کے برابر ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے امیر سادھو اور مہنت اِس تحریک کی مالی امداد کریں گے۔

پانچویں افواہ ——— •

کمیونزم اور سرمایہ داری کی سرد جنگ اب ایک نئے دَور میں داخل ہونے والی ہے۔ اِس کا آغاز کانگو، افریقہ کے صوبہ کٹنگا کے خود ساختہ وزیرِ اعظم شومبا کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔ اِس نئی قسم کی سرد جنگ کو باقاعدہ بچوں کی "تیری میری کُٹی" کی طفلانہ سطح پر لایا جائے گا۔ یعنی جیسے بچے ایک دوسرے سے رُوٹھ جاتے ہیں تو ایک بچہ اعلان کرتا ہے کہ میں تمہاری پنسل واپس نہیں کروں گا۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ میں تمہیں لڈو نہیں دوں گا۔ اِس نئی سرد جنگ کی تکنیک کا جو نیا خیال سب سے پہلے وزیرِ اعظم شومبا کو سوجھا۔ جب اُس نے یو۔این۔او سے کہا

گرمی لگاتیں یو، این، او کی فوجوں کو واقعی کی اجازت دینے سے انکار نہیں کریں گا بشرطیکہ اُس میں کمیونسٹ فوجیں نہ ہوں۔ اور پھر ابتی "کُشتی جنگ" کو امریکہ اور برطانیہ نے اور آگے بڑھایا جب کہ ہندوستان سے اُس نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے تیل صاف کرنے والے ہندوستانی کارخانوں میں رُوس سے بھیجے ہوئے تیل کو صاف نہیں کریں گے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ "کُشتی جنگ" کا نیا سسٹم کامریڈ خروشچیف۔ صدر مسٹر آئزن ہاور اور وہ نوبا کو سب حد پسند آیا ہے۔ گزشتہ دنوں کسی خفیہ مقام پر ان دونوں لیڈروں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں طے پایا کہ ہم دونوں آپس میں ایٹمی جنگ تو لڑ نہیں سکتے۔ اس لئے کیوں نہ "کُشتی جنگ" جاری رکھیں۔ تاکہ یار سے چھیڑ چلی جائے... لہٰذا اکتوبر ۱۹۶۰ء سے کمیونزم اور سرمایہ داروں کو پسند کرنے والے دُنیا کے تمام باشندے "کُشتی کُشتی" کی طفلانہ جنگ شروع کر دیں گے۔ اور یہ "کُشتی" نیچے سے لے کر اُوپر تک ہر سطح پر جاری رہے گی۔ مثلاً کوئی کمیونسٹ اگر سگریٹ سُلگانے کے لئے سرمایہ دار کے حامی سے ماچس مانگے گا تو وہ ماچس دینے سے انکار کر دے گا کبھی سرمایہ دار کو اگر ہسپتال میں داخل ہونا پڑا تو کمیونسٹ خیال کا ڈاکٹر کہے گا میں ٹیکہ نہیں لگاتا۔ کسی سرمایہ پرست ڈاکٹر سے جا کر لگوا لے۔

چھٹی افواہ

ہندوستان میں آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ آج فلاں جگہ کرشن اوتار ہو گیا ہے۔ فلاں جگہ رام بھگوان نے اوتار لے لیا ہے۔ اور وہ ایک بار پھر ہندوستان کا سُدھار کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

ہند سرکار کی کلچرل معاملات کی وزارت کے ایک ترجمان نے جہاں گرد کو بتایا کہ ہماری وزارت اِس امر کی مابعد الطبیعاتی کھوج لگانے میں مصروف ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب ہیں کہ ہر بار ہندوستان میں ہی کرشن بھگوان اور رام بھگوان اوتار لیتے ہیں۔ آخر ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کو بھی تو سُدھار کی ضرورت ہے۔ بھگوان اُن ملکوں میں اوتار کیوں نہیں لیتے۔ ترجمان مذکور نے مزید بتایا کہ ہماری وزارت اوتاروں کے سلسلے میں تنگ نظر نہیں رہنا چاہتی بلکہ ایک عالمگیر اور وسیع نقطۂ نظر سے سوچتی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ ہندوستان کے علاوہ باقی تمام دُنیا کا بھی سُدھار کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کلچرل منسٹری تمام دوست اور دشمن ممالک کو ایک مراسلہ ارسال کرنے پر غور کر رہی ہے کہ ہمارے ہاں اوتار تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اِس لئے جس ملک کو اپنے سُدھار کی ضرورت محسوس ہو ہم انھیں اپنے یہاں سے ایک اوتار پیش کر دیا کریں گے۔ کیونکہ ہمارے لئے صرف ایک اوتار ہی کافی ہے۔

لہٰذا آئندہ ہندوستان میں جس آدمی نے اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اُسے فوراً کسی دوسرے ملک کو ارسال کر دیا جائے گا۔ خیال ہے کہ سب سے پہلا اوتار چین کو پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ وہاں ڈپلومیٹک سُدھار کی اشد ضرورت ہے۔

ساتویں افواہ

راجدھانی دہلی میں چند حیرت انگیز افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے

● حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اِس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے جس نے اپنے غصہ کو پی لیا خدا اُسے بڑا اجر دے گا۔

● حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "ایماندار آدمی کا ہر کام اُس کیلئے اچھا ہوتا ہے جب اُسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے اور تکلیف پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں اچھی ہیں۔

جواہر لال نہرو نے قسم کھائی ہے کہ وہ ایک ہفتہ میں صرف ایک تقریر کیا کریں گے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے عہد کیا ہے کہ وہ پنجابی صوبہ بنتے ہی اکالیات مدرس کر جائیں گے۔ آل انڈیا ریڈیو نے قسم کھائی ہے کہ اُسکے اداکار ڈراموں میں ٹھنڈی آہیں نہیں بھرا کریں گے۔ کافی ہاؤسوں کے انٹلکچوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کافی ہاؤسوں میں دن بھر میں ایک گھنٹہ کا مرن برت دھارن کیا کریں گے۔ وزارتِ تعلیم نے قسم کھائی ہے کہ اب وہ اُردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھا کرے گی۔ موسمی ماہرین نے وعدہ کیا ہے کہ باوجود کوشش کے اُن کی صحیح پیش گوئیاں غلط نکلتی ہیں۔ اس لئے وہ غلط پیش گوئیاں کرنے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ وہ غلط پیش گوئیاں صحیح نکل آئیں۔

●●

نئی کتابیں — نئے ناول

سنگ و خشت اُردو ادب میں طنز نگاری کے بیکار دن پروفیسر کنہیا لال کپور کے طنزیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

چنگ و رباب پروفیسر کنہیا لال کپور کے مزاحیہ و طنزیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ قیمت صرف دو رُوپے پچاس نئے پیسے۔

ابراہیم لنکن امریکہ کے محبوب ترین صدر کی سوانح عمری — جس نے غلامی کا قلع قمع کیا اور مساوات اور آزادی کو انسان کا پیدائشی حق قرار دیا۔ قیمت اکیّر روپے نئے پیسے

رُوبرو جسمانی معذوریوں پر قوتِ عمل کی فتحیابی کی ولولہ انگیز کہانی۔ ایک نابینا بچے کی قابلِ ستائش کوششوں کا مرقع اور اُس کی بلند ہمتی کی پُرکشش داستان جس کا گھر گھر تذکرہ ہے۔ قیمت تین رُوپے پچیس نئے پیسے۔

نُورا ایک رقاصہ کو اپنے اندر نئی جاذبیت پیدا کرنے کے لئے کیا کیا لاثانی قربانیاں دینی پڑیں۔ قیمت صرف دو رُوپے پچاس نئے پیسے۔

آرزو کی کلیاں امریکہ کے شہرۂ آفاق ناول نگار جان سٹین بیک کے دو مختصر ناولوں کا ترجمہ۔ یہ دونوں ناول انسان کی اُمیدوں، آرزوؤں اور بے کسی و مایوسی کے حسین امتزاج کی داستان ہیں۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے۔

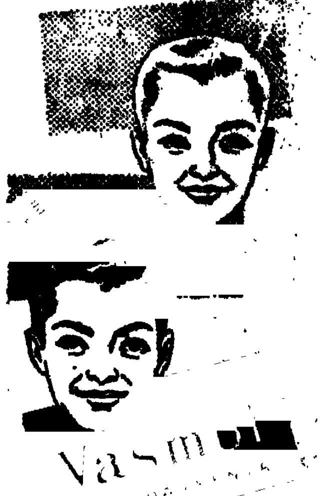
دُنیا کے مشہور سائنس داں یہ کتاب آپ کو اُن سائنس دانوں کی زندگیوں سے رُوشناس کرتی ہے جنھوں نے اپنی ساری عمر تحقیق و تجسس کی نذر کرکے نسلِ آدم کو ترقی کے موجودہ زینے پر پہنچایا۔ اور اُس کی راتوں کو دن بنایا۔ قیمت صرف دو رُوپے پچیس نئے پیسے۔

اپنی منزل اپنی راہیں ولیم سرویان کا بےنظیر ناول جس کی فلم تیار ہوئی تو ساری دُنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ انسان کے دکھ سکھ کی کہانی۔ قیمت صرف دو رُوپے پچاس نئے پیسے

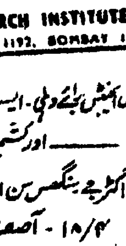
شکستِ ظلمت یہ ایک اندھی عورت ہیلن کیلر کا افسانۂ زندگی ہے جس نے اپنی اُنگلیوں سے آنکھوں کا کام لیا اور دُنیا سے اپنی ذہانت کا لوہا منوایا۔ قیمت ایک روپیہ نئے پیسے

مابی ڈِک دُنیا کے کلاسیکی آسمانِ ادب کا جگمگاتا تارا۔ ہیرمن میلول کا نایاب شاہکار ناول۔ قیمت چار رُوپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی



• سفید بالوں کو قدرتی طور پر سیاہ بناتا ہے۔
• بالوں کی پیدائش کو فروغ دیتا ہے۔
• بھینی بھینی خوشبو والا۔ بالوں کیلئے بہترین تیل۔



تمام اسٹوروں اور کیمسٹوں کے ہاں ایمَلشن آئیل اور پومیڈ کی شکل میں بلفر پروف بوتلوں میں دستیاب ہو سکتا ہے۔

HYGIENIC RESEARCH INSTITUTE
POST OFFICE BOX 1192, BOMBAY 1.

سول ایجنٹس برائے دہلی۔ ایسٹ پنجاب۔ ہماچل پردیش جموں اور کشمیر اسٹیٹ

ڈاکٹر جے بنگسن سن اینڈ کمپنی پرائیویٹ لمٹیڈ
۱۸/۴ - آصف علی روڈ نئی دہلی

سچّے سپنے

مترجمہ: محمود جالندھری

نوٹ: — چین کی یہ لوک کتھا شاہی نظامِ حکومت پر ایک تیکھی طنز ہے جس میں اس نظام کی تمام برائیاں اور بدعنوانیاں بہت خوش سلوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں —

منگ آرہ ایک غریب نوجوان تھا جو سارے سال جاگیردار کے لئے کام کرتا تھا۔ ایک دن جب بہار کا تہوار قریب ہی تھا، جاگیردار میلے کے لئے چیزیں لانے کی غرض سے منڈی میں گیا۔ اُس نے نوروز کی متعدد رنگین اور خوب صورت تصویریں بھی خریدیں۔ جن میں مختلف خیالات کی عکاسی کی گئی تھی۔ اُس کی سب سے بڑی بہو نے سیم ماہی اور موٹے بچّے کی تصویر منتخب کی۔ جو دولت، عزّت اور خوشحالی کی علامت تھی۔ منجھلی بہو نے جو تصویر منتخب کی اُس کا مقصد تھا "دولت کا دیوتا دولت لاتا ہے"۔ تیسری بہو نے جو تصویر لی اُس کا مفہوم تھا۔ "ارنا گھوڑا بیٹا دیتا ہے"۔ جاگیردار کی بیٹیوں نے "نو پریاں" "چرواہا" اور "چرخہ کاتتی دوشیزہ" کے عنوانات والی تصویریں منتخب کیں۔ ہر ایک نے اپنی پسند کی تصویر اپنے کمرے میں لٹکا دی۔

منگ آرہ نے جو یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ فرش پر سے پھٹے ہوئے کاغذ کا ایک ٹکڑا اُٹھا لیا۔ یہ گوبھی کے پھول پر بیٹھے ہوئے جھینگر کی تصویر تھی۔ چونکہ کسی کو اِس تصویر کی ضرورت نہ تھی اِسلئے اُس نے غلام گردش کی دیوار پر اُسے چپاں کر دیا۔

بہار کے تہوار کے فوراً بعد چراغاں کا میلہ آگیا۔ یہ وقت کھیتوں میں دوبارہ کام کرنے کا تھا۔ کسی کو بھی پتہ نہ چلا اور دو تین مہینے گزر گئے۔ ایک دن منگ آرہ نے اچانک دیکھا کہ تصویر میں عجیب و غریب بات پیدا ہو گئی تھی۔ سبز جھینگر جو گوبھی کے پھول پر بیٹھا تھا، اُس کے اندر چلا گیا تھا۔ منگ آرہ کو بڑی حیرت ہوئی اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ سبز جھینگر پھول کے اُوپر موجود تھا۔ کتنی عجیب بات تھی۔ دو دن بعد اُس نے دیکھا کہ جھینگر واپس پھول کے اُوپر آگیا۔ اب تو وہ روزانہ جھینگر کی نگرانی کرنے لگا۔ آخر کار اُسے اِس بات کا پتہ چلا کہ بارش کے دنوں میں سبز جھینگر گوبھی کے پھول کے اندر پناہ لینے چلا جاتا تھا۔ اور جس دن مطلع صاف ہوتا تھا وہ پھول کی پتّی پر آرام کرتا تھا۔ اور دھوپ کھایا کرتا تھا۔ اِس طرح منگ آرہ روزانہ یہ جاننے کے لئے تصویر کو دیکھا کرتا تھا کہ مطلع صاف رہے گا یا بارش ہوگی۔ بعض اوقات وہ کسی صاف دن تنکوں کی ٹوپی اور تنکوں کی برساتی لے کر کام کرنے جایا کرتا تھا۔ مگر جس دن مطلع ابر آلود ہوتا تھا اور ہر شخص مینھ پڑنے کی توقع رکھتا تھا، منگ آرہ بارش سے بچنے کے لئے کچھ بھی ساتھ نہ لے جاتا اور جلدی آسمان پر بادل چھٹ جاتے۔

لوگ موسم کا حال جاننے کے لئے منگ آرہ کے پاس آنے لگے۔ اُس کی بات لازمی طور پر درست ثابت ہوتی۔

ایک دن منگ آرہ جب اپنے گھوڑے کو باہر چرانے لے گیا تو اُس نے ایک بھیڑ اور اُس کے چار ننھے بچّوں کو جن کے کھر سفید تھے گھاس پر چرتے ہوئے دیکھا۔ اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ بھیڑ اور اسکے بچے کِس کے ہیں۔ دو دن بعد جب اُسے معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنی گمشدہ بھیڑ ڈھونڈ رہا ہے تو منگ آرہ نے اُسے بتایا کہ وہ فلاں جگہ پر اپنی بھیڑ اور سفید کھروں والے بھیڑ کے چار بچے جا کر تلاش کرے۔ بھیڑ اور اُس کے چار بچّے منگ آرہ کی بتائی ہوئی جگہ پر مل گئے۔ لوگ بہت حیران ہوئے۔ جب اُنھوں نے منگ آرہ سے پُوچھا کہ اُسے بھیڑوں کا پتہ کیسے معلوم ہو گیا تو اُس نے بتایا کہ اُس نے بھیڑیں اُس جگہ دیکھی تھیں۔ مگر جب اُس سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ موسم کا حال کیسے جان لیتا تھا تو اُس نے انھیں سچ

باعث بتاؤ "میں موسم کے متعلق سپنے دیکھتا ہوں"؟ اس نے صرف اتنا کہا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ مینگ آرہ خواب میں ساری چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ اس دن سے اس کا نام مینگ آرہ خواب بین پڑ گیا۔

ایک بار جب مینگ آرہ جنگل میں سانپ کی چھتریاں جمع کر رہا تھا، اس نے ایک گھوڑا دیکھا۔ اسے معلوم نہ تھا یہ گھوڑا کس کا ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایک پیڑ سے باندھ دیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ کوئی گمشدہ گھوڑے کو ڈھونڈ رہا ہے تو اس نے اس کو بتایا کہ وہ جنگل میں جا کر اپنا گھوڑا ڈھونڈے۔ جو درخت سے بندھا ہوا ہے۔ گھوڑے کے مالک کو گھوڑا مل گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ مینگ آرہ کی شہرت سارے ضلع میں پھیل گئی۔ ایک دن ضلع مجسٹریٹ کی مہر گم ہو گئی۔ اس پر بہت ہنگامہ برپا ہوا۔ ایک افسر کی مہر کی گمشدگی کا واقعہ نہایت اہم تھا۔ ضلع کے گھر گھر میں یہ خبر پھیل گئی۔ پھر کسی نے مجسٹریٹ کو مشورہ دیا کہ وہ مینگ آرہ خواب بین کی صلاح لے جو ہر بات کے متعلق سپنا دیکھ سکتا ہے۔ مجسٹریٹ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

ایک کہاوت ہے۔ "جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو ہر ایسے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جس کی سفارش کی جاتی ہے۔" مجسٹریٹ نے اپنے دو آدمیوں، چانگ سوم اور لی چہارم کو بھیجا کہ وہ مینگ آرہ کو بلا لائیں۔ مینگ آرہ خوف زدہ ہو گیا۔ "مجھ پر تو مصیبت آپڑی ہے۔ اگر میں اپنی زندگی بھی نچھاور کر دوں تو مجھے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ مہر کس نے چرائی ہے؟ میں اس کے بارے میں خواب کیونکر دیکھ سکتا ہوں؟" مینگ آرہ سوچ رہا تھا۔ وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔

آخر کار اسے ایک بات سوجھی۔ "ہم جب دو میل دور یہاں سے نکل جائیں تو تم لکڑیوں کے ذخیرے کو آگ لگا دینا۔" اس نے ان مزدوروں سے کہا جو اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ "جب ہم کہیں آگ لگی ہوئی دیکھتے ہیں تو اسے بجھانے میں مدد دینے کے لئے واپس آسکتے ہیں۔ اس طرح شاید میں مجسٹریٹ کے پاس جانے سے بچ جاؤں۔"

اس کے ساتھیوں نے اس کی مدد کا وعدہ کیا۔

ابھی وہ دو میل ہی گئے ہوں گے کہ مینگ آرہ اچانک چلا اٹھا۔ "ہمارے گاؤں میں آگ لگ گئی ہے۔ چانگ سوم اور لی چہارم کو اس کے ہمراہ واپس گاؤں میں آنا پڑا۔ انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گاؤں میں واقعی آگ لگی ہوئی تھی۔ آگ بجھ جانے کے بعد وہ دوبارہ اسے اپنے ساتھ لے چلے۔ بیچارے مینگ آرہ کے لئے اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ مینگ آرہ کو بہت فکر ہو رہی تھی کہ اگر وہ مہر کے متعلق خواب نہ دیکھ سکا تو مجسٹریٹ اسے زندہ گاڑ دے گا۔ وہ راستے بھر خاموش رہا۔ مجسٹریٹ کے ملازم بھی فکر مند تھے۔ "اس شخص کو کیسے پتہ چلا کہ گاؤں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ تو گاؤں سے دو میل دور آگیا تھا۔ کیا یہ شخص ہر بات جانتا ہے؟ شاید اسے اس بات کا بھی پتہ ہوگا کہ مہر کس نے چرائی ہے۔"

"اسے آزما کر کیوں نہ دیکھیں؟" ایک نے مشورہ دیا۔

"بھیا خواب بین! تمھارے خیال میں مہر کس نے چرائی ہے؟" انھوں نے پوچھا۔ مینگ آرہ مشکل میں پھنس گیا۔ وہ کہے تو کیا کہے؟

"کسی چانگ سوم یا لی چہارم نے چرائی ہوگی۔" مینگ آرہ نے یونہی بے ساختہ جواب دیا۔

اس کے منہ سے اس بات کا نکلنا تھا کہ دونوں اس کے روبرو گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ وہ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ اور سر سے پاؤں تک کانپنے لگے۔

"ہم پر ترس کھاؤ بھیا خواب بین!" وہ بار بار جھک کر سلام کرنے لگے۔ "ہم پھر کبھی یہ حرکت نہیں کریں گے۔"

"اچھا تو مہر تم نے چرائی ہے! میں نے تو یونہی دو نام لئے تھے جو میرے منہ میں آئے۔"

"اے زندہ خدا طنز نہ کرو۔ ہم تمھیں مہر دے دیں گے مگر کسی سے یہ نہ کہنا کہ مہر ہم نے چرائی تھی۔ مہر باغ میں پتھر کی سل کے نیچے پڑی ہے۔" وہ دونوں پھر کورنش بجا لائے۔

مجسٹریٹ کے گھر میں مینگ آرہ کی خوب خاطر مدارات کی گئی۔ جلد ہی اس امر کی اطلاع بھی دی گئی کہ وہ کمرہ تیار ہو گیا ہے جس میں مینگ آرہ مہر کے بارے میں خواب دیکھے گا۔ اسے اس کمرے میں جانا پڑا۔ مگر وہ جلد ہی باہر آگیا۔ صرف تھوڑی دیر تک پلنگ پر لیٹا رہا۔ "کیا بات ہے، کیا تم نے خواب دیکھا ہے؟" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

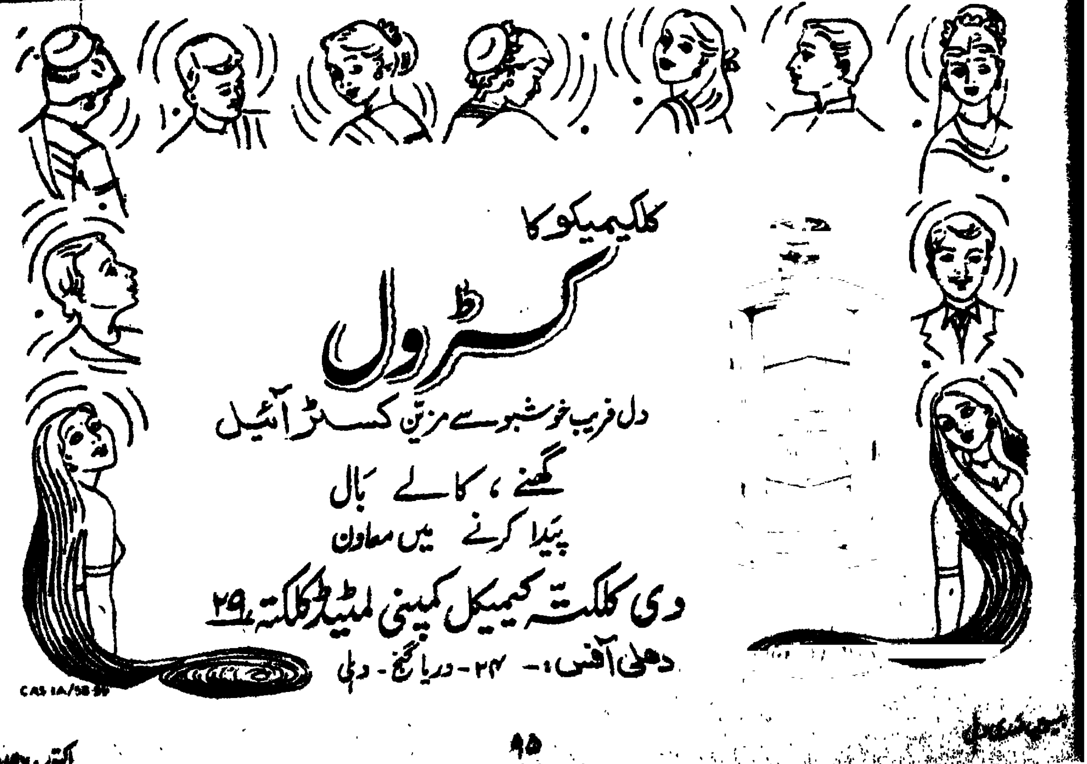
"کیوں نہیں۔" مینگ آرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مہر آپ کے باغ میں پتھر کی سل کے نیچے پڑی ہے!" چانگ سوم اور لی چہارم کو مہر لانے کے لئے بھیجا گیا۔

وہ کبھی دشواری کے بغیر بہرے آئے۔ مجسٹریٹ بہت خوش ہوا اُس نے مینگ آرہ کو انعام میں دو سو تولے چاندی دی۔ مگر اُس دن کے بعد سے مجسٹریٹ بے چین اور مضطرب رہنے لگا۔ وہ بہت فکرمند تھا۔ اگر مینگ آرہ یونہی خواب دیکھتا رہا تو وہ میرے بُرے کارناموں کے متعلق بھی سپنے دیکھے گا۔ مجسٹریٹ کو یاد آیا اُس نے قتل کے ایک مقدمہ میں بارہ سو تولے چاندی رشوت میں لی تھی۔ ایک قطعہ آراضی ہتھیانے کے لئے اُس نے ایک جاگیردار سے دو سو تولے چاندی وصول کی تھی۔ ایک بار اُس نے ایک بیوپاری سے آٹھ سو تولے چاندی لی تھی جو کسی دوسرے شخص کی بیوی لے اُڑا تھا۔ یہی نہیں اُس نے ٹیکس کی رقم میں بھی غبن کیا تھا۔ جو لوگوں سے دریا کے کناروں کی مرمت کے لئے وصول کیا گیا تھا۔ اگر مینگ آرہ نے اِن سب باتوں کے متعلق خواب دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ یہ سوچ کر اُس نے مینگ آرہ کو دو ہزار تولے چاندی اور بھجوائی۔ اور اُس سے کہا کہ اب وہ خواب دیکھنا بند کر دے۔

مجسٹریٹ کی بیوی بھی فکرمند تھی۔ اگر مینگ آرہ نے عدالت کے سکریٹری کے ساتھ میرے تعلقات کے متعلق خواب دیکھ لیا اور مجسٹریٹ کو سارا قصہ سنا دیا تو مجھے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑینگے وہ سوچ رہی تھی۔ وہ رات بھر سوچتی رہی۔ آخرکار اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ مینگ آرہ کو سونے کے کنگن بھجوا دے گی۔ اور اُس سے کہے گی۔ اگر اُس نے اُس کے معاملات کے متعلق خواب دیکھا تو وہ کسی سے کچھ نہ کہے۔ عدالت کا سکریٹری بھی بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ اُسے ملازمت سے جواب مل جائے گا۔ ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا اور مجسٹریٹ کی بیوی پھر کبھی اُس کے پاس نہیں آئے گی۔ اُس نے اپنا کچھ ذاتی سامان بیچ کر آٹھ سو تولے چاندی جمع کی۔ اور مینگ آرہ کو اِس درخواست کے ساتھ بھیج دی کہ وہ اُس کے متعلق خواب نہ دیکھے۔ مینگ آرہ ہنستے ہوئے بولا "میں خواب دیکھے بغیر تمہارے سارے معاملات سے بخوبی آگاہ ہوں۔ مجھے تمہاری اِس چاندی کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے تنہا چھوڑ دو اور آئندہ مجھ سے خواب دیکھنے کی درخواست نہ کرو۔"

●●

آنکھوں کی حفاظت نامی کتاب مصنفہ پروفیسر مہر چند کھنہ ایم اے خط لکھ کر مفت حاصل کیجئے۔ اِس میں آنکھوں کو مختلف امراض سے بچانے کے طریقے اور بینائی کو تیز کرنے کے راز درج کئے گئے ہیں۔ پتہ :- رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶



حسین آبشاروں کا عکاس پہاڑی رومانوں کا ترجمان اور ہر طبقے کا محبوب ناول نگار

ٹھاکر پونچھی کے لکھے ہوئے شاہکار ناول جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

راتُ کے گھونگھٹ

(ناول) جو شروع سے آخر تک دلچسپیوں اور دلفریبیوں کا مرقع ہے۔ جس میں نئی تہذیب کے اُن "فرشتوں" کی کہانی ہے جنہیں ستے نشاط کی تاریک راتوں نے جنم دیا۔ مصنف نے آج کے سماج کے حسین چہروں سے پارسائی کے رنگین گھونگھٹ اُلٹ دیئے ہیں۔ ہر باب ایک ایسی شوخ رومانی داستان ہے جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے۔ فاضل مصنف نے حقائق کو عدیم المثال فنکاری، اور بیباکی سے پیش کیا ہے ــــ ناول کا ذوق رکھنے والے کسی شخص کو اس سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت نفیس کاغذ، پختہ جلد مع حسین گرد پوش قیمت صرف دو روپے۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے

(ناول) جناب ٹھاکر پونچھی کی ایک بیحد دلچسپ مسرت انگیز اور صحت مندرومانی تخلیق۔ جس کی ہر سطر سے چاندنی راتوں کی پُر بہار فضائیں اور حیات بخش زندگی کی رعنائیاں نغمہ بار ہیں۔ اُن مردوں کی کہانی جو عورت کو ایسے عریاں انداز میں دیکھنے کے تمنائی ہیں جس پر سے نظریں پھسل پھسل جائیں۔ اپنی اُجڑی ہوئی تہذیب کی دھڑکنوں کا درد لئے، اپنی تلخ اور شیریں یادوں کے رنگین نقوش اُبھارنے والے ایک ایسے نوجوان کی حقیقت افروز کہانی جس کے ہاتھوں نے عورت کو حُسن بخشا، اور لباس پہنانا سکھایا تھا لیکن سماج کے ٹھیکیداروں نے اُسے ننگا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اعلیٰ کتابت و طباعت، نفیس کاغذ، مجلّد مع رنگین گرد پوش۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

وادیاں اور ویرانے

جناب ٹھاکر پونچھی کا ایک شاہکار ناول جسے چوٹی کے نقادوں نے ایک بہترین تہذیبی ناول قرار دیا ہے۔ سوکھے سڑے میدانوں اور سرسبز و شاداب پہاڑوں کی ایک حسین و جمیل کہانی۔ جنگل کی سادگی اور شہر کی شوخی مل کر جس کی تصویر مکمل کرتے ہیں۔ پونے چار سو صفحات قیمت فی جلد صرف چار روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی دہلی

زُلف کے سر ہونے تک

ٹھاکر پونچھی کا ایک قابلِ قدر نیا ناول۔ عشق و محبت اور حسن و شباب کی رعنائیوں اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں کا سنگم۔ تین معصوم بھولی بھالی لڑکیوں اور تین بے سہارا لڑکوں کی حسین ترین کہانی۔ جو اپنے لُٹے ہوئے ماضی کے زندگی بخش سہارے کو سنبھالے ہوئے اصطبلاں کے تاریک اندھیرے غاروں میں وارد ہوتے ہیں۔ جہاں حسن و جوانی اور بھوک کی افراط ہے۔ اور جن کے ٹکراؤ سے پجاری مکھن یادا اور اُسکے چیلوں کے لئے چاندنی سی بھگتن عورتیں جنم لیتی ہیں۔ پجاری مکھن یادو کی کہانی۔ پوترتا کی ایک گھناؤنی چکنی تصویر، جو مندر سے زیادہ ایک خوبصورت حرم کا پجاری ہے۔ اور قلاّ اصطبلاں کی حسین بھوکی جوانیوں پر گدھ کی طرح جھپٹتا پھرتا ہے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

چاندنی کے سائے

ٹھاکر پونچھی کا ایک انتہائی دلچسپ نیا ناول

جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور مقدس جذباتِ محبت کے خدوخال نمایاں کئے گئے ہیں کہ محبت اگر انسان کی رُوح، اُس کی زندگی اور اُس کی موت کو حسین نہ بنا دے تو وہ محبت نہیں گناہ ہے۔ اپنی نئی تخلیق میں فاضل مصنف نے اپنی رُوح کا سارا کرب، سارا اضطراب، اور بے قرار یادوں کا درد بھر دیا ہے۔ اور جذبات کے اظہار کے لئے نئی نئی راہیں تراشی ہیں۔ "چاندنی کے سائے" میں شبنم کی ٹھنڈک بھی ہے اور شعلے کی حرارت بھی۔ مصنف کے منفرد اُسلوب کی شاعرانہ لطافت، انسانی حُزنیہ کی دھیمی دھیمی آنچ، اور کہیں طنز کی نشتریت، جو ٹھاکر پونچھی کا طرۂ امتیاز ہے ناول میں اپنے پورے حسن اور بھر پور خدوخال کے ساتھ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کتاب کو ایک بار شروع کر کے ختم کئے بغیر آپ کو چین نہ آئے گا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی دہلی



صحت و زندگی

۱ — اگر خوش رہنا چاہتے ہو

اگر خوش رہنا چاہتے ہو تو ماضی کو بھول جانے کی کوشش کرو۔ ماضی سے زیادہ حال پر نظر رکھو۔ بہت سے لوگ خوش رہ سکتے ہیں اگر وہ اپنے ماضی کو بھول کر تلخیوں سے دوچار نہ ہوں۔ بعض گھرانوں میں میاں بیوی اپنی زندگیاں خود تلخ بنا لیتے ہیں۔ وہ مدتوں سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے اپنے دلوں میں شکایات جمع کرتے ہیں۔ اور اسی لئے ذرا سی بات بھی اُن دونوں کو مدتوں کی گزری ہوئی تلخیوں کا اعادہ کرنے کا موقع دے دیتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شکایات کو بھول جائیں۔ اور معاف بھی کر دیں۔ اگر آپ دوسروں سے نفرت کرتے ہیں تو دوسرے کبھی آپ کو محبت کی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ جو شخص گزری ہوئی تلخیوں کو بھولنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اُس کے مخالفوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ عقلمند ہمیشہ ماضی کو بھول کر حال پر نظر رکھتا ہے۔

۲ — دُوسروں کا سہارا نہ ڈھونڈیئے

مشہور مفکر ڈاکٹر سموئیل نے اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے۔ وہ لوگ جو قدم قدم پر دُوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور خود پر اعتماد نہیں کرتے، اُن کی اُمیدیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔ ایسے لوگوں کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ ہمیشہ بدقسمتی، ماحول کی ناسازگاری کا رونا رویا کرتے ہیں۔ انھیں دُنیا سے شکایت ہوتی ہے۔ لیکن خود سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ عملی زندگی میں ہمیشہ وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں "ہم نے بارہا ایسا کیا ہے اور ہم ایسا کر سکتے ہیں۔" خود اعتمادی جملہ ترقیات کا سرچشمہ ہے۔ ہماری ذہنی صلاحیتیں اُسی وقت اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوتی ہیں جب ہم اپنی مدد آپ کرنے لگتے ہیں۔ دُنیا کی لامحدود طاقتیں صرف اُسی وقت ہماری مدد کرتی ہیں جب ہم کسی "خضر" کا راستہ نہیں دیکھتے۔ اپنے خضر آپ بن جاتے ہیں۔

۳ — کام کے ساتھ آرام کی اہمیت

ہر وقت کام میں مصروف رہنا اور کسی وقت دماغ اور اعضاء کو آرام کا موقع نہ دینا صحت کے لئے سخت مضر ہے۔ تھکن کے ذریعے قدرت ہمیں متنبہ کر دیتی ہے کہ اب کام ختم کر دیجئے اور جسم کو آرام دینے کی ضرورت ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قدرت کے اس انتباہ کو نظر انداز نہیں کرتے۔ امریکہ کی مشہور طبی انشا پرداز ہیلن میک فیڈن نے اپنے طویل تجربات کی بنا پر لکھا ہے۔ تھکن صحت کو برباد کرنے والا زہریلا جرثومہ ہے۔ اس کا تریاق یہ ہے کہ حفظِ صحت کے اصولوں کے مطابق کھلی ہوا میں سادہ زندگی بسر کی جائے زود ہضم غذائیں کھائی جائیں اور ضرورت کے مطابق جسم کو آرام دے کر انرجی کو بڑھایا جائے۔ جو لوگ تھکن سے بچنا چاہتے ہیں انھیں حفظِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرنے اور جسم کو مناسب آرام دینے کے ساتھ ہی غم و غصہ سے بچنا چاہیئے۔ جسمانی آرام کے ساتھ ہی دماغی سکون کی بھی ضرورت ہے۔ جو شخص دماغی سکون کی نعمت سے محروم نہیں ہے اُسے غصہ نہیں آتا۔ وہ کام

کی زیادتی سے گھبراتا نہیں، اور ہر کام پورے اطمینان سے کرتا ہے۔ کام کرتے وقت پریشانی، گھبراہٹ اور عجلت اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ دماغی سکون ختم ہو چکا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بہت جلد تھکن کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ڈاکٹر ایمرسن نے مصروف لوگوں کے لئے حسب ذیل ہدایات لکھی ہیں:۔ سورج نکلنے سے بہت پہلے کھلے میدان میں چہل قدمی اور ہلکی ورزش۔ سادہ اور ہلکا ناشتہ۔ دن کے وقت آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھانا کھانا اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام۔ آرام کے لئے اگر زیادہ وقت مل سکے تو بہتر ہے۔ ورنہ دو چار منٹ ہی ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر کے لیٹ رہئیے۔ رات کے وقت ہمیشہ کم مقدار میں خوراک کھانی چاہیئے۔ معدے میں ذرا بھی گرانی محسوس ہو یا اگر آپ بغیر کھائے ہوئے آرام سے گزار سکتے ہیں تو نہ کھانا بہتر ہے۔ رات کا کھانا سونے سے بہت پہلے کھا لیں اور کچھ دیر چہل قدمی بھی کریں۔ بغیر کافی محنت کے جو تھکن محسوس ہو وہ صحت کے لئے خطرہ کا الارم کا کام دیتی ہے اور اُس کی طرف سے غافل ہونا نامناسب ہے۔

۴ ـــــ کامیابی کا راز

انگلستان کے نہایت کامیاب اخبار نویس سر ہارس وائٹ نے جو کئی درجن اخباروں اور رسالوں کے مالک ہیں اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص کی کامیابی کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی ساری قوت، صلاحیت اور سرمایہ کو صرف ایک کام پر صرف کرے۔ تاکہ اُس کی کامیابی یقینی ہو جائے۔ جو لوگ اپنی صلاحیت اور سرمایہ کو ایک وقت میں کئی کاموں میں لگاتے ہیں۔ چاہے اُن میں کتنی ہی غیر معمولی لیاقت و صلاحیت کیوں نہ ہو وہ بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ امریکے ایک مفکر نے لکھا ہے۔ جس طرح لوہار کی بھٹی میں ایک وقت میں ایک لوہا اچھی طرح گرم ہو سکتا ہے۔ اُسی طرح ایک وقت میں ایک ہی کام میں کامیابی ہو سکتی ہے جو شخص ایک ہی بات کو ہر وقت سوچتا رہتا ہے وہ اُس میں کئی نکتے پیدا کر لیتا ہے اور یہی کامیابی کا راز ہے۔

۵ ـــــ وٹامنز کا خزانہ ـــ پنیر

حالیہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پنیر سے زیادہ کوئی غذا زود ہضم نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ آہستہ آہستہ چبا کر کھایا جائے۔ پنیر سے بدہضمی اس لئے ہوتی ہے کہ لوگ جلدی جلدی یا بہت زیادہ کھا جاتے ہیں۔ پنیر گوشت یا دوسری پروٹینی غذاؤں کا ایک اچھا بدل ہو سکتا ہے خصوصیت سے دودھ پلانے والی ماؤں اور اُن بچوں کے لئے تو بہت ہی مفید ہوتا ہے جنھیں اپنی نشوونما کے زمانے میں ہڈیوں اور دانتوں کی مضبوطی کے لئے کیلیشیم کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اگر غذائی نقطۂ نظر سے پنیر کا مقابلہ دودھ سے کیا جائے تو ایک پونڈ سخت پنیر تقریباً ایک گیلن دودھ کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے چار اونس پنیر تقریباً اتنے ہی صحت بخش اجزا مہیا کرے گا جتنے چوتھائی گیلن دودھ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ پنیر کی ایک سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس میں دودھ کے صحت بخش اجزا طویل عرصہ تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ پنیر میں تازہ دودھ کی تمام چکنائی کیزین (پنیر کی اصل) کیلیشیم اور وٹامن اے موجود ہوتے ہیں۔ اس میں شکر اور معدنیات کی خاصی مقدار کے علاوہ پروٹین، وٹامن بی اور رفاسفورس کافی مقدار میں ہوتا ہے۔

۶ ـــــ مسرت کی قیمت

دُنیا کی دوسری چیزوں کی طرح مسرت بھی ایک جنس ہے جسے کچھ دے کر ہی ہم پا سکتے ہیں۔ کیا دُنیا کی کوئی چیز قیمت ادا کئے بغیر مل سکتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہم خوشی کی قیمت ادا کرنا کیوں نہیں چاہتے؟ یا اُس کی قیمت سے کیوں ناواقف ہیں۔ آپ اُس شخص کو کیا کہیں گے جو کوئی بیش قیمت چیز قیمت ادا کئے بغیر مفت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ کیا آپ ایسے انتہائی احمق، پرلے درجے کا خود غرض نہ کہیں گے اسی طرح جو لوگ کچھ دیئے بغیر خوشی کا لُطف حاصل کرنے کا خواب دیکھتے ہیں۔ انھیں کسی طرح حق بجانب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہماری اور آپ کی نظروں میں ایسے بے شمار لوگ ہیں جو خوشی سے محروم ہیں۔ اِس کا سبب یہی ہے کہ وہ خوشی کی اصل قیمت ادا کرنا نہیں چاہتے۔ اگر مال و دولت سے خوشی کو خریدا جا سکتا تو آج اُن لوگوں سے زیادہ خوش کوئی نہ ہوتا۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایسے بے شمار لوگ بھی حقیقی مسرت سے ہمکنار نہیں ہوتے جنہیں ہر طرح

کے مادّی ذرائع اور وسائل میسّر ہیں اور جن کے پاس دولت کی کمی نہیں۔ کاش یہ لوگ انسانی تعلقات کی سائنس کے اِس بنیادی نکتہ کو سمجھ سکیں کہ دوسروں کو خوشی دینے سے ہی حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

۷ —— آپ زیادہ کام کرکے کم تھک سکتے ہیں

اگر آپ کام زیادہ کرنا اور تھکنا کم چاہتے ہیں۔ تو اپنے معمولات پر نظرِ ثانی کیجیے کھانا کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ آنکھیں بند کرکے لیٹ جانے سے اُتنا ہی فائدہ ہوتا ہے جتنا رات کو تین گھنٹے سونے سے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کو ہمیشہ کم سونے کی ضرورت پڑے گی۔ جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ اُنھیں بہت کم سونے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اِسی طرح کچھ دیر تک آرام کر لیا کرتے ہیں۔ پوری طرح سونے سے اُتنا ہی فائدہ ہوتا ہے جتنا اِس طرح آرام کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اور پھر جو شخص رات بھر سو نہیں پاتا وہ اگر اِس طرح آرام کرے تو بھلا چنگا رہ سکتا ہے۔ کم خوابی کا شاکی اِس لئے بیمار رہتا ہے کہ وہ آرام کرنے کی بجائے رات دن فکر کرتا ہے۔ اور اِسی فکر کی وجہ سے کبھی صحیح معنوں میں آرام نہیں کر پاتا۔ یہ غلط رائے ہے کہ جلد کام کرنے والے زیادہ کام کرتے ہیں۔ اور یہ اور بھی غلط خیال ہے کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ گہرے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ جو لوگ بیچ بیچ میں آرام کرکے کام کرتے ہیں، لگاتار، تیز رفتار سے کام کرنے والوں سے زیادہ اور اچھا کام کرتے ہیں۔ غیر ضروری دباؤ اور تیزی سے کام کرنے سے تھکاوٹ جلدی آتی ہے اور کام اچھا نہیں ہوتا یا کم اچھا ہوتا ہے۔ درمیانی رفتار سے کام کرنے سے مقدار اور خوبی دونوں اعتبار سے کام اچھا ہوتا ہے۔

دس منٹ اپنا پاؤں ذرا اُوپر اُٹھا کر رکھیے۔ اِس سے خون کا دَوران درست ہو جاتا ہے۔ اور تازگی آتی ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر ریڈیو سُننے یا اِسی طرح کی دوسری تفریح کرنے سے کافی راحت ملتی ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن اِس سے زیادہ آرام اُس وقت ملتا ہے، جب آپ ایسے کام میں لگ جائیں جس میں آپ کا جسم اور دماغ دونوں برابر کام کر سکیں۔ اگر آپ باغبانی، کھیل کود، گھر کی آرائش، تصویر کشی یا اِسی طرح کے کسی دوسرے پسندیدہ کام میں لگ جائیں تو آپ کو بہت آرام اور سکون حاصل ہوگا۔ رات کے وقت کئے ہوئے فیصلے پر آپ زیادہ بھروسہ نہ کریں۔ ہو سکتا ہے صبح اُٹھ کر پوری طرح آرام کرنے کے بعد آپ کا فیصلہ بدل جائے۔ شام کی تھکاوٹ، مصروفیت اور بے اطمینانی کے باعث آپ کے فیصلے صحیح اور مناسب نہ ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ صبح کی دماغی اور جسمانی تازگی کے باعث آپ کے فیصلے کے مناسب ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ یہ موجودہ سائنس دانوں ہی کی رائے نہیں ہے۔ اب سے بہت پہلے بھی صحت اور زندگی کے ماہرین کا یہی اصول رہا ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ چلتے چلتے کھڑے ہو جانے سے آرام ملتا ہے۔ تھکاوٹ دُور ہو جاتی ہے۔ یہ ایک غلط خیال ہے اور حقیقت کے خلاف ہے۔ چلنے سے زیادہ کھڑے رہنے سے تھکاوٹ آتی ہے۔ چلتے وقت ہر پاؤں کو آدھا وقت آرام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کام کی سختی سے گھبرانا، اُس کا خیال ہی کرکے پریشان ہونا، اُس سے بھاگنا بہت زیادہ تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر مشکل کام کو آپ پہلے ہاتھ لگائیں پھر آسان کاموں کی طرف توجہ کریں تو سب کام پورے ہو جائیں گے۔ اور اِس طرح آپ زیادہ کام کرنے پر بھی بہت کم تھکیں گے۔ ●●

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ اور سطور کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھ دیا کریں۔ نوآموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ لے لیا کریں۔ اگر وہ چاہیں کہ مرسلہ مضامین ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ (منیجر)

کمزوری سے گھبراتا نہیں اور ہر کام پورے اطمینان سے کرتا ہے۔ کام کرتے وقت پریشانی، گھبراہٹ اور عجلت اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ دماغی سکون ختم ہو چکا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بہت جلد تھکن کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ڈاکٹر ایمرسن نے مصروف لوگوں کے لئے حسب ذیل ہدایات لکھی ہیں۔ سورج نکلنے سے بہت پہلے کھلے میدان میں چہل قدمی اور ہلکی ورزش۔ سادہ اور ہلکا ناشتہ۔ دن کے وقت آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھانا کھانا اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام۔ آرام کے لئے اگر زیادہ وقت مل سکے تو بہتر ہے۔ ورنہ دو چار منٹ ہی ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر کے لیٹ رہیے۔ رات کے وقت ہمیشہ کم مقدار میں خوراک کھانی چاہیئے۔ معدے میں ذرا بھی گرانی محسوس ہو یا اگر آپ بغیر کھائے ہوئے آرام سے گزار سکتے ہیں تو نہ کھانا بہتر ہے۔ رات کا کھانا سونے سے بہت پہلے کھائیں اور کچھ دیر چہل قدمی بھی کریں۔ بغیر کافی محنت کے جو تھکن محسوس ہو وہ صحت کے لئے خطرہ کا الارم کا کام دیتی ہے اور اس کی طرف سے غافل ہونا نامناسب ہے۔

۴ ــــــ کامیابی کا راز

انگلستان کے نہایت کامیاب اخبار نویس سر ہارس واٹسن نے جو کئی درجن اخباروں اور رسالوں [illegible] اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص کی کامیابی کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی ساری قوت، صلاحیت اور سرمایہ کو صرف ایک کام پر صرف کرے۔ تاکہ اس کی کامیابی یقینی ہو جائے۔ جو لوگ اپنی صلاحیت اور سرمایہ کو ایک وقت میں کئی کاموں میں لگاتے ہیں۔ چاہے ان میں کتنی ہی غیر معمولی لیاقت و صلاحیت کیوں نہ ہو وہ بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ امریکہ کے ایک مفکر نے لکھا ہے۔ جس طرح لوہار کی بھٹی میں ایک وقت میں ایک لوہا اچھی طرح گرم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک وقت میں ایک ہی کام میں کامیابی ہو سکتی ہے جو شخص ایک ہی بات کو ہر وقت سوچتا رہتا ہے وہ اس میں کمال پیدا کر لیتا ہے اور یہی کامیابی کا راز ہے۔

۵ ــــــ وٹامنز کا خزانہ ــــ پنیر

حالیہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پنیر سے زیادہ کوئی غذا زود ہضم نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے ساتھ آہستہ آہستہ بسکٹ یا روٹی سے کھایا جائے۔ پنیر سے بدہضمی اس لئے ہوتی ہے کہ لوگ جلدی جلدی یا بہت زیادہ کھا جاتے ہیں۔ پنیر گوشت یا دوسری پروٹینی غذاؤں کا ایک اچھا بدل ہو سکتا ہے خصوصیت سے دودھ پلانے والی ماؤں اور ان بچوں کے لئے تو بہت ہی مفید ہوتا ہے جنہیں اپنی نشوونما کے سلسلے میں ہڈیوں اور دانتوں کی مضبوطی کے لئے کیلشیم کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ اگر غذائی نقطۂ نظر سے پنیر کا مقابلہ دودھ سے کیا جائے تو ایک پونڈ سخت پنیر تقریباً ایک گیلن دودھ کے برابر ہوتا ہے۔ اس لئے چار اونس پنیر تقریباً اتنے ہی صحت بخش اجزا مہیا کرے گا جتنے چوتھائی گیلن دودھ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ پنیر کی ایک سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس میں دودھ کے صحت بخش اجزا طویل عرصہ تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ پنیر میں تازہ دودھ کا چکنائی کیسین (پنیر کی اصل) کیلشیم اور وٹامن اے موجود ہوتے ہیں۔ [illegible] اور معدنیات کی خاصی مقدار کے علاوہ پروٹین، وٹامن بی اور [illegible] مقدار میں ہوتا ہے۔

۶ ــــــ مسرت کی قیمت

دنیا کی دوسری چیزوں کی طرح مسرت بھی ایک [illegible] ہم پا سکتے ہیں۔ کیا دنیا کی کوئی چیز قیمت ادا کئے بغیر [illegible] نہیں تو ہم خوشی کی قیمت ادا کرنا کیوں نہیں چاہتے [illegible] ہیں۔ آپ اس شخص کو کیا کہیں گے جو کوئی قیمت [illegible] حاصل کرنا چاہتا ہو۔ کیا آپ اسے انتہائی احمق [illegible] اسی طرح جو لوگ کچھ دیئے بغیر خوشی کو [illegible] طرح حق بجانب [illegible] ہیں جو خوشی [illegible] نہیں چاہتے۔ اگر [illegible] خوش کوئی [illegible] ہے کہ ایسے [illegible]

کسے قدرتی وسائل اور وسائل میسر ہیں۔ اور جن کے پاس دولت کی کمی نہیں۔ کاش ایسے لوگ انسانی تعلقات کی سائنس کے اس بنیادی نکتہ کو سمجھ سکیں کہ دوسروں کو خوشی دینے سے ہی حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

۷ —— آپ زیادہ کام کر کے کم تھک سکتے ہیں

اگر آپ کام زیادہ کرنا اور تھکنا کم چاہتے ہیں۔ تو اپنے معمولات پر نظرِ ثانی کیجئے کھانا کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ آنکھیں بند کر کے لیٹ جانے سے اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے جتنا رات کو تین گھنٹے سونے سے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کو ہمیشہ کم سونے کی ضرورت پڑے گی۔ جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ انھیں بہت کم سونے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی طرح کچھ دیر تک آرام کر لیا کرتے ہیں۔ پوری طرح سونے سے اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے جتنا اس طرح آرام کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ اور پھر جو شخص رات بھر سو نہیں پاتا وہ اگر اس طرح آرام کرے تو بھلا چنگا رہ سکتا ہے۔ کم خوابی کا شاکی اس لئے بیمار رہتا ہے کہ وہ آرام کرنے کی بجائے رات دن فکر کرتا ہے۔ اور اسی فکر کی وجہ سے کبھی صحیح معنوں میں آرام نہیں کر پاتا یہ غلط رائے ہے کہ جلد کام کرنے والے زیادہ کام کرتے ہیں۔ اور یہ اور بھی غلط خیال ہے کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔ گہرے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ جو لوگ بیچ بیچ میں آرام کر کے کام کرتے ہیں، لگاتار، تیز رفتار سے کام کرنے والوں سے زیادہ اور اچھا کام کرتے ہیں۔ غیر ضروری دباؤ اور تیزی سے کام کرنے سے تھکاوٹ جلدی آتی ہے اور کام اچھا نہیں ہوتا یا کم اچھا ہوتا ہے۔ درمیانی رفتار سے کام کرنے سے مقدار اور خوبی دونوں اعتبار سے کام اچھا ہوتا ہے۔

دس منٹ اپنا پاؤں ذرا اوپر اٹھا کر رکھیئے۔ اس سے خون کا دوران درست ہوتا ہے۔ اور تازگی آتی ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر ریڈیو سننے یا اسی طرح کی دوسری تفریح کرنے سے کافی راحت ملتی ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ آرام اس وقت ملتا ہے، جب آپ ایسے کام میں لگ جائیں جس میں آپ کا جسم اور دماغ دونوں برابر کام کر سکیں۔ اگر آپ باغبانی، کھیل کود، گھر کی آرائش یا اسی طرح کے کسی دوسرے دلچسپ کام میں لگ جائیں تو آپ کو بہت آرام اور سکون حاصل ہوگا۔ رات کے وقت کئے ہوئے فیصلے پر آپ زیادہ بھروسہ نہ کریں۔ ہو سکتا ہے صبح اٹھ کر پوری طرح آرام کرنے کے بعد آپ کا فیصلہ بدل جائے۔ شام کی تھکاوٹ، مصروفیت اور بے اطمینانی کے باعث آپ کے فیصلے صحیح اور مناسب نہ ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ صبح کی دماغی اور جسمانی تازگی کے باعث آپ کے فیصلے کے مناسب ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ یہ موجودہ سائنس دانوں ہی کی رائے نہیں ہے۔ اب سے بہت پہلے بھی صحت اور زندگی کے ماہرین کا یہی اصول رہا ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ چلتے چلتے کھڑے ہو جانے سے آرام ملتا ہے۔ تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ یہ ایک غلط خیال ہے اور حقیقت کے خلاف ہے۔ چلنے سے زیادہ کھڑے رہنے سے تھکاوٹ آتی ہے۔ چلتے وقت ہر پاؤں کو آدھا وقت آرام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کام کی سختی سے گھبرانا، اس کا خیال ہی کر کے پریشان ہونا، اس سے بھاگنا بہت زیادہ تھکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر مشکل کام کو آپ پہلے ہاتھ لگائیں پھر آسان کاموں کی طرف توجہ کریں تو سب کام پورے ہو جائیں گے۔ اور اس طرح آپ زیادہ کام کرنے پر بھی بہت کم تھکیں گے۔ ●●

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ اور سطروں کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھ دیا کریں۔ نو آموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ لے لیا کریں۔ اگر وہ چاہیں کہ ان کا مضمون ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ایسے مضمون کی واپسی سے ہم قاصر رہیں گے۔ (منیجر)

بلند پایہ، دل چسپ ناول اور دل گداز افسانے

طوفانِ بہار

رُوس کے عدیم المثال ناول نگار تورگنیف کا رومانی شاہکار طوفانِ بہار جسے حضرت محمور جالندھری نے اُردو کا لباس پہنایا۔ جس کا ترجمہ تقریباً کی چالیس زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس کا شمار دُنیا کے دس عظیم رومانی ناولوں میں ہوتا ہے۔ جس کی دو کروڑ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ جسے دُنیا کے مشہور نقادوں نے لافانی رومان قرار دیا ہے۔ اور جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ بیسویں صدی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ناول پاکیزہ اور دلآویز رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، پختہ جلد۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

زنجیر

ایک گناہ گار لڑکی کی حسین و جمیل داستان، جس کے گناہ یہ تھے کہ وہ غریب تھی۔ وہ حُسن و جمال کا مجسمہ تھی۔ وہ رقص کے ایک اسکول میں کام کرتی تھی وہ تنہا تھی اُس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک شریف گھر کے لڑکے سے محبت کرتی تھی چنانچہ وہ ایک شریف وکیل صاحب کو گناہوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی نظر آئی اور وکیل صاحب نے اُسے اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔ عشق و محبت کی ایک ایسی رومان پرور داستان، جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے، جسے زکی انور نے لکھا اور ادارۂ بیسویں صدی نے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

آج کی بات

آپ کے محبوب افسانہ نگار جناب جگدیش بن کے دلچسپ بلند پایہ، رومان پرور افسانوں کا حسین مجموعہ۔ جس کے افسانے آج کے عہد، آج کے معاشرے اور آج کے ماحول کی رنگینیوں، مسرت کوشیوں اور الجھنوں کی ایک ایسی تصویر ہیں جس کے خدوخال کو حقیقت کی لکیروں سے ترتیب دیا گیا ہے آپ اِن میں بکھرے ہوئے قہقہوں کو اپنے قہقہے، اِن میں سسکتی ہوئی آہوں کو اپنی آہیں اور اِن کے کرداروں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے آنسو سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پوسٹ مارٹم

جناب عرش ملسیانی کے مزاحیہ افسانوں اور مزاحیہ مضامین کا حسین و جمیل مجموعہ۔ جس میں طنز و مزاح، مسکراہٹوں اور قہقہوں کی ایک دُنیا آباد ہے۔ قیمت دو روپے پچیس نئے پیسے۔ جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

کتاب		مصنف	قیمت
بیوہ	ناول	منشی پریم چند	۲/۵۰
نرملا	〃	〃	۲/۵۰
میدانِ عمل	〃	〃	۵/۵۰
جلوۂ ایثار	〃	〃	۳/-
آخری تحفہ	افسانے	〃	۲/۷۵
زادِ راہ	〃	〃	۳/-
خواب و خیال	〃	〃	۲/۵۰
دیہات کے افسانے	〃	〃	۳/-
اُلٹا درخت	ناول	کرشن چندر	۲/۷۵
جانور	〃	دت بھارتی	۲/-
چوٹ اوّل	〃	〃	۳/۷۵
چوٹ دوم	〃	〃	۴/-
جلن	〃	جمنا داس اختر	۲/-
پاپی	〃	〃	۳/-
چندر کلا	〃	〃	۲/۵۰
طوفانوں کی کہانی	〃	〃	۴/۵۰
پردے کے پیچھے	افسانے	منٹو	۲/۵۰
شادی	〃	〃	۲/-
سسرال	ناول	شوکت تھانوی	۲/۲۵
بقراط	〃	〃	۲/۵۰
جی ہاں چھپے ہیں	〃	〃	۳/۲۵
شہیدِ محبت بھاگ سنگھ	〃	شہزادہ تبسم	۲/۵۰
پیاس	〃	ترائن پہلے	۳/۵۰
خواب گاہیں	〃	محمود جالندھری	۳/۵۰
سپنے ٹوٹ گئے	افسانے	اندر جیت لال	۲/-

کتاب		مصنف	قیمت
ریت کا محل	ناول	[illegible]	[illegible]
نقش	〃	[illegible]	[illegible]
شمع	〃	〃	۴/-
سہاگ بھی	〃	جمنا داس اختر	۳/۵۰
آنسو اور پسینہ	〃	ستیہ پال آنند	۲/-
بیتاب کلیاں	〃	کرم حیدری	۲/۷۵
پیار	ناول	زکی انور	۲/۵۰
قیامت	〃	〃	۲/۵۰
گھراؤ	〃	قیسی رامپوری	۳/-
کانٹوں کی سیج	〃	رشید اختر ندوی	۵/-
گھاٹ کا پتھر	〃	گلشن نندہ	۳/-
جلتی چٹانیں	〃	〃	۳/-
راکھ اور انگارے	〃	〃	۲/۵۰
ستاروں سے آگے	〃	〃	۳/-
گیلارڈ	〃	〃	۴/۵۰
ملکہ معوا	〃	اوم پرکاش ناہی	۲/۵۰
سونی وادیاں	〃	کرشن گوپال عابد	۲/۷۵
کروٹیں	〃	ضیا عظیم آبادی	۳/-
انجام	〃	〃	۳/۵۰
دل کا داغ	〃	حبیب صدیقی	۳/-
کچی دیواریں	〃	شاہد کبیر	۲/۵۰
سوکھے پتے سبز بچے	〃	گلشن نندہ	۴/۵۰
خوفناک عورت	〃	نگینہ بھارتی	۲/-
دہلی کی [illegible]	افسانے	[illegible]	۲/-
دیوداس	ناول	[illegible]	۳/-
[illegible]	افسانے	[illegible]	۲/۵۰

ملنے کا پتہ :- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر ۶

کتابوں کا آرڈر دیتے وقت، پتا صاف اور خوشخط لکھیے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا

سرگوشیاں

سوال و جواب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو، زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی۔ دہلی)

ایم۔ اے بانو۔ مدھے پوری

س۔ خوشتر بھیا! لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ لڑکیوں کو تعلیم دلانا ضروری ہے۔ لیکن ایسی تعلیم نہیں جو انھیں چراغِ خانہ سے شمعِ محفل بنا دے۔

س۔ آپ کی رائے میں کس حد تک پردہ کرنا چاہئے؟

ج۔ جس حد تک ماحول کے پیشِ نظر ضروری ہو۔

س۔ زندگی کا صحیح مقصد کیا ہے؟

ج۔ زندگی کے تقاضوں کو حسن و خوبی اور خوش اسلوبی سے پورا کرنا۔

شیخ احمد سٹرلا۔ گھٹنہ

س۔ انسان، انسان بننا چاہے تو اُسے کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے؟

ج۔ ایسی باتیں اور ایسے کام نہ کرے جن سے انسانیت پر حرف آئے۔

س۔ دُنیا میں عورت نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

ج۔ دُنیا سنسان وادی ہوتی۔

فرہاد۔ کلٹی

س۔ اگر آپ کو اللہ دین کا چراغ مل جائے تو کیا کیجئے گا؟

ج۔ نہایت خلوص و محبت سے آپ کی نذر کر دیں گے!

اے۔ حق۔ آزاد مراد پوری

س۔ آج اور کل ..... ؟

ج۔ ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے۔ گزرے ہوئے کل کا افسوس نہ کرو۔ آنے والے کل کا انتظار کرو۔ آج، اور صرف آج تمھارا ہے!

س۔ اُردو کے دشمن؟

ج۔ انتہائی تنگ دل و تاریک خیال ہیں۔

ظریف۔ الیف۔ ایس۔ ساودہ

س۔ یکے بعد دیگرے پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے تو کیا کریں؟

ج۔ پھر بھی ہمت اور حوصلہ کا دامن نہ چھوڑیئے ورنہ پریشانیاں اور بڑھ جائیں گی۔

س۔ داغ کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ؎

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

اشرف عابد۔ کریم نگر

س۔ ادیب .... سماج ؟

ج۔ ادیب کو سماج کا ترجمان ہونا چاہیے۔

س۔ شاعر .... حُسن ؟

ج۔ شاعر حُسن کا پرستار ہوتا ہے۔

صادق حسین شائق۔ اورنگ آباد

س۔ کیا ایک حسین چہرہ خاموش سفارش ہو سکتا ہے؟

ج۔ بہت جلد بن جاتا ہے!

آئی۔ ایم۔ فقیر۔ بھیونڈی

س۔ ناکامی کی صورت میں اپنی قسمت کو کوسنا ؟

ج۔ ناکامی کی صورت میں اپنی قسمت کو کوسنا صحیح نہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

حال و استقبال دونوں حاصلِ تدبیر ہست

[illegible] شد و در دست تو تقدیر ہست

س۔ [illegible] کیسے بنتے ہیں ؟

ج۔ اس [illegible] کردن ناہی زندگی ہے شیخ

خوش باش دمے کہ زندگانی این است!

قربان۔ دھنباد

[illegible] مسلمان [illegible] تھے جو حکو[illegible]

[illegible] کے [illegible] قربانی قرار دیئے

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible] دلی [illegible]

ہیں۔

س۔ بچوں کو سب سے پہلے کیسی تعلیم دینی چاہیئے ؟

ج۔ جس سے اُن کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا مقصد پورا ہو۔

ایم۔ اسلم آزاد۔ مولانگر

س۔ بلند خیالی اور قابلیت میں نمبر دیں۔

علامہ اقبال۔

حالی پانی پتی۔

ج۔ علامہ اقبال!

س۔ کوئی پُرجوش شعر سنائیے۔

ج۔ پروفیسر اختر اورینوی کا ایک شعر سنیئے ؎

بہار ہو کہ خزاں زندگی ہے عزمِ نمو

اُٹھو فضائے چمن کو بنائیں ہم آہنگ

شکیلہ پروین کٹیہاروی

س۔ انسانیت اور تہذیب کیا ہے ؟

ج۔ آج کے لغت کے ایسے الفاظ جن کے کوئی معنی نہیں اور بہت سے معانی ہیں۔

س۔ بھیا مسلسل غموں سے ٹکراتے ٹکراتے انسان اتنا حساس کیوں ہو جاتا ہے ؟

ج۔ مسلسل چوٹ احساس کو بیدار کر دیتی ہے۔

محمد نصیر الدین۔ سہسرام

س۔ انسان کی دلی خواہش کیسے پوری ہو سکتی

ہے

ج۔ جب اُس کے لئے ناکامیاں شکست ہو کے ساتھ جدوجہد کی جائے۔

س۔ مصیبت کے وقت کوئی تدبیر نظر نہیں آتی کیوں ؟

ج۔ بلند حوصلہ اور مستقل مزاج انسان مصیبتوں سے نہیں گھبراتے۔ مصیبت کے وقت اُن کی قوت اور بیدار ہو جاتی ہے۔

نسیم سحری سیونوی۔ جبلپور

س۔ اگر ایک ڈرامہ ارسال کروں تو کیا بیسویں صدی میں جگہ دیں گے ؟

ج۔ بیسویں صدی میں ڈرامے نہیں شائع ہوتے!

س۔ اگر زندگی جہاد ہے تو موت ؟

ج۔ موت اس جہاد کی شکست ہے!

ڈاکٹر ... بی بیٹیا۔ کوئل چیارسم ریٹ ...

س۔ عورت [illegible] ؟

ج۔ [illegible]

بیسویں صدی کے سال ایک

دھن کے لئے

[illegible]

لاہور کے لئے

[illegible]

یادگار معیاری کتابیں

گلستانِ ہزار رنگ جس میں تقریباً چار ہزار شعراء کے اشعار عنوان وار ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اس یادگار کتاب کا مقدمہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے لکھا ہے اور ہندی کتاب کا پیش لفظ ڈاکٹر راجندر پرشاد جی نے۔ مولانا آزاد اور راشٹرپتی کا نام نامی ہی اس امر کی ضمانت ہے کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہوگی۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین، جناب رشید احمد صدیقی اور جناب نیاز فتحپوری نے اس کتاب کو اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا ہے۔ اردو ایڈیشن دس روپے اور ہندی ایڈیشن سات روپے پچھتر نئے پیسے

شاہنامۂ اسلام جناب حفیظ جالندھری کا شاہنامۂ اسلام چار حصوں میں، جس میں تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ کو منظوم کیا ہے ہر حصہ تقریباً تین صد صفحات کا ہے۔ تازہ ایڈیشن اصلاح کے بعد چھپا ہے۔ قیمت سولہ روپے۔ اب صرف نو روپے میں پیش کیا جاتا ہے۔ محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے الگ ہوگا۔

تلامذۂ غالب غالبیات کے مشہور ماہر مالک رام صاحب کی نہایت گرانقدر تصنیف۔ اس کتاب میں غالب کے ۱۴۶ شاگردوں کی مکمل سوانح حیات اور کلام درج ہیں۔ پورے صفحے کی تقریباً تین تصاویر بھی شاملِ کتاب ہیں۔ ہندوستان بھر کے ادیبوں کا فیصلہ ہے کہ یہ کتاب اس سال کا بہترین ادبی تحفہ ہے۔ قیمت فی جلد صرف سات روپے آٹھ آنے جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

کلیاتِ اقبال ڈاکٹر اقبال کی بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے حصہ اردو کو یکجا کر کے کلیاتِ اقبال کے نام سے چھاپا گیا ہے۔ یہ کلیات ہر اہلِ ذوق کے کام کی چیز ہے۔ قیمت چھ روپے۔

آتشِ گل حضرت جگر مرادآبادی کا مجموعۂ کلام جسے ۱۹۵۹ء کی بہترین اردو کتاب قرار دیتے ہوئے پنڈت جواہرلال نہرو نے پانچ ہزار روپیہ انعام دیا ہے۔ قیمت پانچ روپے۔

کلیاتِ اکبر الہ آبادی بہترین انداز میں چھاپی گئی ہے قیمت حصہ اول پانچ روپے۔ حصہ دوم: چھ روپے

کلیاتِ اختر شیرانی شاعرِ رومان اختر شیرانی کے تمام مجموعہ ہائے کلام کو کلیاتِ اختر کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ قیمت آٹھ روپے۔

عبدالحمید عدم کے مجموعے خرابات: چار روپے۔ رمِ آہو: چار روپے۔ گلنار: دو روپے پچیس نئے پیسے۔ بطِ مے: دو روپے پچیس نئے پیسے۔ قول و قرار: تین روپے پچاس نئے پیسے۔ گردشِ جام: دو روپے پچیس نئے پیسے۔

شکیل بدایونی کے مجموعے رعنائیاں: تین روپے پچاس نئے پیسے۔ صنم و حرم: دو روپے پچیس نئے پیسے

قتیل شفائی کے مجموعے گجر: تین روپے۔ جھومر: تین روپے۔ روزن: تین روپے۔ جلترنگ: دو روپے پچیس نئے پیسے۔

ہفت رنگ	عرش ملسیانی	قیمت تین روپے
آہنگِ حجاز	"	قیمت ایک روپیہ
تلخیاں	ساحر لدھیانوی	تین روپے پچاس نئے پیسے
رباعیاتِ محروم	تلوک چند محروم	تین روپے پچھتر نئے پیسے
بیکراں	جگن ناتھ آزاد	چار روپے پچاس نئے پیسے
ستاروں سے ذروں تک	"	دو روپے پچھتر نئے پیسے
گنجِ معانی	تلوک چند محروم	سات روپے پچاس نئے پیسے
روپ	فراق گورکھپوری	تین روپے پچاس نئے پیسے
رمز و کنایات	"	تین روپے پچاس نئے پیسے
مشعل	"	دو روپے پچھتر نئے پیسے

کشیدہ کاری کی بہترین کتابیں

شبنم کشیدہ کاری		قیمت ایک روپیہ
حسین کشیدہ کاری	"	دو روپے پچاس نئے پیسے
رضیہ کی مشرقی مغربی کشیدہ کاری	"	چار روپے
چمن کشیدہ کاری	"	دو روپے
گلشن کشیدہ کاری	"	دو روپے

نریش کمار شاد اردو کا صاحبِ طرز اور رومانٹک ادیب ہے۔ اور اس کی تصانیف [illegible] اس دور کے کافی شہرت بہم پہنچا چکی ہیں۔
[illegible] کا مجموعہ (دوسرا ایڈیشن) قیمت صرف دو روپے پچیس نئے پیسے۔
پھول اور [illegible] افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔
للکار غیر ملکی انقلابی شعراء کی نظموں کے منظوم تراجم۔ قیمت دو روپے پچیس نئے پیسے۔

قاشیں حسین و جمیل قطعات کا بے مثل مجموعہ نیا ایڈیشن۔ قیمت تین روپے۔
آیاتِ جنوں تازہ ترین مجموعۂ کلام (دوسرا ایڈیشن) قیمت ایک روپیہ [illegible]
شرح حاشیے اردو کے شاعروں ادیبوں کے دلچسپ لطیفے۔ قیمت [illegible]
راکھ تلے غیر ملکی افسانہ نگاروں کے شاہکار افسانے ہندوستانی لباس میں۔ قیمت دو روپے
مالوا میکسم گورکی کے شہرۂ آفاق ناولٹ کا ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے۔

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی - دہلی نمبر ۶
(کتابوں کا آرڈر دیتے وقت اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھیئے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا)

محمد یونس انصاری ۔ کلکتہ

س۔ موجودہ سوسائٹی میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں انھیں دُور کرنے کے لئے آسان ترین فارمولہ بتائیں۔

ج۔ عزم و عہد کیجئے ۔ پھر ایسے ہی اور ساتھی بنایئے اسی طرح چراغ سے چراغ جلتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ سوسائٹی پر چھایا ہوا برائیوں کا اندھیرا دُور ہو جائے گا۔ یہ آسان ترین فارمولا ہے!

س۔ کوئی ایسا شعر سُنایئے جو پژمردہ دل کو شگفتہ کر دے۔

ج۔ سُنیئے ؎

یہ تیرگی نہ رہے گی دیئے جلاؤ تو
یہ درد کچھ بھی نہیں تم جو مسکراؤ تو

س۔ میری ہمیشہ یہی تمنا رہتی ہے کہ میں اپنے سماج کے بچوں کی زبانوں سے میٹھی بولی سنوں لیکن آج تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا آخر کیا صورت اختیار کروں؟

ج۔ صرف آرزو کرنے سے آرزو پوری نہیں ہوتی۔ آرزو کی تکمیل کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ آپ بھی اپنی اس آرزو کی تکمیل کے لئے کام اور کوشش کریں۔

محمد علیم الحق ۔ آسنسول

س۔ انسان جب بہت زیادہ پریشان ہو جائے تو اُسے کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ خدا کو یاد کرنا چاہیے۔ خدا کی یاد، خدا کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

س۔ انسان کا سب سے سچا ہمدرد اور دوست کون ہے؟

ج۔ نیک کردار!

س۔ کوئی حیات افروز شعر سنایئے۔

ج۔ سُنیئے ؎

ہمیں بھوُرج کی آس لگی ہے دو گھڑی سانس لے
یہ تو کہو خود تم نے اب تک کتنے دیئے جلائے

ایم ۔ ہارون ۔ شیبو

س۔ کیا انسان کو ناکامی کے بعد کوشش ترک کر دینی چاہیئے؟

ج۔ ضرور ۔ برابر کوشش جاری رکھنی چاہیئے یہاں تک کہ ناکامی کے اندھیرے سے کامیابی کا سورج مسکرانے لگے۔

س۔ زندگی کو صحیح راہ پر گامزن رکھنے کے لئے کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

ج۔ ان گوشوں کی مفصل طور پر بتانا بہت مشکل ہے۔ یہ جاننے کے لئے حیات افروز تحریریں پڑھا کیجئے۔ بیسویں صدی کے "صحت و زندگی" کے کالموں سے بھی آپ کو کافی روشنی ملے گی۔

محمد سلیمان ۔ پورنیہ

س۔ بھیّا! میں نے سُنا ہے کہ انسان کیڑے مکوڑوں سے ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ لیکن آج کل کیڑے مکوڑے تبدیل ہو کر انسان کیوں نہیں بنتے؟

ج۔ انسان کی حالت دیکھ کر ڈر گئے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ ایسے انسانوں سے ہم حیوان ہم جانور ہی اچھے ہیں۔

س۔ کیا خدا نے ہم کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ہم غریبوں کی جھونپڑی اُجاڑ کر اپنا محل تعمیر کریں؟

ج۔ یہ تو خدا کی عین خوشنودی کا باعث ہے۔ اس طرح اُس کی دُنیا کو اور خوب صورت بنائیں گے!

س۔ خورشید بھیا کوئی اچھا سا شعر سُنایئے۔

ج۔ سُنیئے ؎

خونِ جگر سے پھول کھلا کر ہر ایک گام
دیکھو تو ہم نے کتنے گلستاں سجائے ہیں

اقبال احمد کھڑیانواں ۔ گیا

س۔ اگر ساری دُنیا کا مذہب صرف انسانیت ہو... تو؟

ج۔ مذہب اور دھرم کے نام پر عیش کرنے والے سرد آہ بھر کر رہیں گے۔ دُنیا میں کوئی مذہب کا نام لیوا۔ دھرم کا پجاری نہ رہا۔

س۔ کیا حکومت فلمی صنعت کو قومی ملکیت بنا کر مفید فلمیں نہیں بنا سکتی؟

ج۔ کیوں نہیں، حکومت یہ کام نہایت حُسن و خوبی سے کر سکتی ہے۔ اُس کے پاس ایک سے ایک اچھے اداکار ہیں۔ جو اسٹیج پر تقریریں کرتے ہوئے، اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتے ہوئے دلیپ کمار اور راجکپور کو بھی مات کرتے ہیں۔

[illegible]

[illegible] ہے قلم

[illegible] کر جو [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] - [illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں بے جا

[illegible] کے افسوسناک نتائج

[illegible] اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔

س۔ [illegible] مذہب سے دُور کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ مادیت کے طوفان میں فروزاں روحانیت کی شمع بجھتی جا رہی ہے۔

عبدالقیوم شیخ - رام بن

س۔ موجودہ زمانے میں غربت اور افلاس کیوں زیادہ ہے؟

ج۔ کانگریسی لیڈروں کے خوشحال دیس میں آپ غربت و افلاس کا نام لے رہے ہیں۔ اس جرم کی پاداش میں گستنی و گردن زدنی قرار دیئے جائیں گے۔

س۔ کوئی نصیحت آموز شعر سنایئے۔

ج۔ سنیئے ؎

جیئے تو رنج و الم میں بھی مسکرا کے جیئے
وگرنہ زندگی مشکل ہے آدمی کے لئے

[illegible] الحق - دھنباد

[illegible]

ج۔ جب [illegible] دیتے ہیں۔

س۔ آج انسان کا ضمیر مردہ ہو گیا ہے کیوں؟

ج۔ اس لئے کہ آج دنیا میں ایمان اور ضمیر کی کوئی قیمت نہیں رہی۔ آج ساری دنیا دولت کے گرد گھوم رہی ہے۔

محمد یعقوب علی - پورلیا

س۔ ہمارے ہندوستان کے غریب کسان محنت کرتے ہیں لیکن پھر بھی انھیں پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج۔ اس میں ہماری حکومت کا کیا قصور ہے لوگوں کو خود سمجھنا چاہیئے کہ حکومت کو اپنے سفید ہاتھیوں کا راتب ہی پورا کرنا مشکل ہے۔ اور ان سفید ہاتھیوں سے ملک کی آن اور شان ہے!

عقیلہ زیدی - لاہور

س۔ زندگی کا راز؟

ج۔ زندگی کا راز پانے کے لئے موت کی آنکھوں میں جھانکنا چاہیئے

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
طوفان کی کلیاں	کرشن چندر
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
قلی	رشید اختر ندوی
ڈوبتے سائے	عادل رشید
تاراس بلبا	[illegible]
[illegible]	قیسی رامپوری
آزمائش	[illegible]
دل ہی تو ہے	[illegible]
سیندور کی راکھ	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	کرشن چندر
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible] جب آپ [illegible] کہاں [illegible]

[illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] ہے

[illegible] بجھے سے رجوع فرمایئے

[illegible] تو آپ سے کب کہاں اور

کیسے ملاقات ہوگی؟

نبیوں [illegible] صبح دس بجے سے

پانچ بجے شام تک ملاقات ہو سکتی ہے آپ

بصد شوق تشریف لا سکتے ہیں۔ ہماری آنکھیں

فرش راہ ہوں گی۔

سجاد حسین - ملیر سٹی

س۔ کیا حقیقت میں گھونگھٹ حسن کو دوبالا کر دیتا ہے؟

ج۔ جی ہاں! شرم و حیا عورت کو اور حسین بنا دیتی ہے۔

س۔ عورت حسن پر مرتی ہے یا دولت پر؟

ج۔ ساری عورتوں کے لئے کوئی ایک بات نہیں کہی جا سکتی۔

س۔ عورت کی محبت کس عمر میں سِلگ جاتی ہے؟

ج۔ جب [illegible]

سید [illegible] آباد - دکن

[illegible]

[illegible]

[illegible] کے لئے [illegible] جو [illegible]

[illegible] پریشانیوں کے اندھیرے

سے ایک دن ضرور [illegible]

سورج طلوع ہوگا۔

نسیم عراقی - نواں کوٹ

س۔ مہربانی فرما کر سید [illegible] کے شعر کو آسان اردو میں منتقل کر دیجئے

شمع تربت بجھ گئی کس نے ٹھنڈی سانس لی

آسمانِ ہمدردی کے پردے میں اندھیرا کر دیا

ج۔ شعر بالکل صاف اور سادہ ہے۔ کس نے ٹھنڈی سانس سے کہ میری قبر پر جلتا ہوا چراغ بجھا دیا۔ ہمدردی کے پردے میں ہمدردی جتا کر، دوستی کے پردے میں دشمنی کی۔

سراج احمد - ڈیرہ غازی خان

س۔ جب زندگی دینے کے لئے ہے نہ کہ لینے کے لئے۔ تو پھر کیوں سرمایہ دار غریبوں کا خون چوسنے کو تیار رہتے ہیں اور کمیونسٹ ممالک بھی کمزور ممالک پر قبضہ کرنے کو تیار ہیں۔

ج۔ ایسا کرنے والے زندگی کے اس نظریے کے مخالف تو نہیں۔ وہ بھی لوگوں کو دیتے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ کیا دیتے ہیں۔ سکھ دیتے ہیں یا دکھ؟

زندگی جیتے ہیں یا موت؟

س۔ کیا شاعر احول کا ترجمان ہوتا ہے یا اپنے باطن کی تصویر کا اظہار کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے دلی واردات کا اظہار تحریر میں کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کے تیر کے جذبات اور جوش ملیح آبادی کے [illegible] امتزاج دکھائی دیتا ہے؟

ج۔ شاعر احول کا ترجمان ہوتا ہے [illegible] دلی واردات کا بھی اظہار [illegible] اس کے لئے اسے کوئی [illegible] اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ انداز میر کا ہو یا مومن کا، جوش کا ہو یا [illegible]!

مشرف یوسف - گیا

س۔ افسانے یا ناول پڑھنے سے کیا فائدے ہیں؟

ج۔ اچھے افسانے یا ناول پڑھنے سے بہت فائدے ہیں۔ زندگی آموز اور حیات افروز افسانے پڑھنے سے زندگی کی راہوں پر چلنے کے لئے روشنی ملتی ہے۔

شیخ ظہیر الدین صدیقی - کلکتہ

س۔ عورت ندامت کے آنسو کب بہاتی ہے؟

ج۔ جب اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے۔

س۔ حسین پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو؟

ج۔ ستاروں کو بھی شرماتے ہیں۔

حبیب الرحمن [illegible]

س۔ قسمت [illegible] انسان [illegible] ہیں کیا تعلق ہے۔ قسمت کس کا ساتھ دیتی ہے؟

ج۔ تدبیر اور قسمت کا بہت گہرا تعلق ہے۔ قسمت مستقل مزاج اور بلند حوصلہ انسان کا ساتھ دیتی ہے۔

س۔ قسمت انسان کے ہاتھ میں ہے یا انسان قسمت کے ہاتھ میں؟

ج۔ بقول علامہ اقبال قسمت انسان کے ہاتھ میں ہے۔ علامہ نے ارشاد فرمایا ہے ع
[illegible] آمادہ شو در دست تو تقدیر است

سید مقداد رضا۔ سندیلہ

س۔ بیسویں صدی میں میرے افسانے چھپنے کیلئے کیسی سفارش کی ضرورت ہے؟

ج۔ جی ہاں! بیسویں صدی تک کے بلند معیار کی۔

روشن رشید۔ بانس گلی۔ کٹک

س۔ مصائب و مشکلات کا سامنا کرنے کی ہر انسان کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب اُس کی زندگی میں تلخیاں بھر جاتی ہیں تو وہ کوشش کرنے پر بھی راہِ فرار نہیں پاسکتا۔ ایسی حالت میں وہ کیسے زندگی بسر کرے؟

ج۔ عزم و ثبات کا دامن پکڑے ہوئے اپنے دل میں اُمید کی شمع فروزاں رکھے۔

س۔ کیا پھول کے ساتھ خار کا ہونا ضروری ہے؟

ج۔ پھول اور خار میں تمیز کرنے کے لئے پھول کے ساتھ خار کا ہونا ضروری ہے

ہارون رشید راہی۔ کٹک

س۔ بعض لوگوں کا خیال ہے زندگی محض ایک خواب ہے۔ اور بعض ایک حقیقت تصور کرتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ زندگی خواب نہیں، ایک روشن حقیقت ہے!

محمد حسن رضا۔ پورنیہ

س۔ کیا ماضی کی روشنی مستقبل کو آراستہ کر سکتی ہے؟

ج۔ ماضی کی روشنی حال اور مستقبل دونوں کو آراستہ کر سکتی ہے!

س۔ اِس دَور میں دُنیا شرافت سے زیادہ کپڑوں کو کیوں دیکھتی ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ یہ زمانہ ظاہرداری کا ہے

زلال جائسی۔ الہ آباد

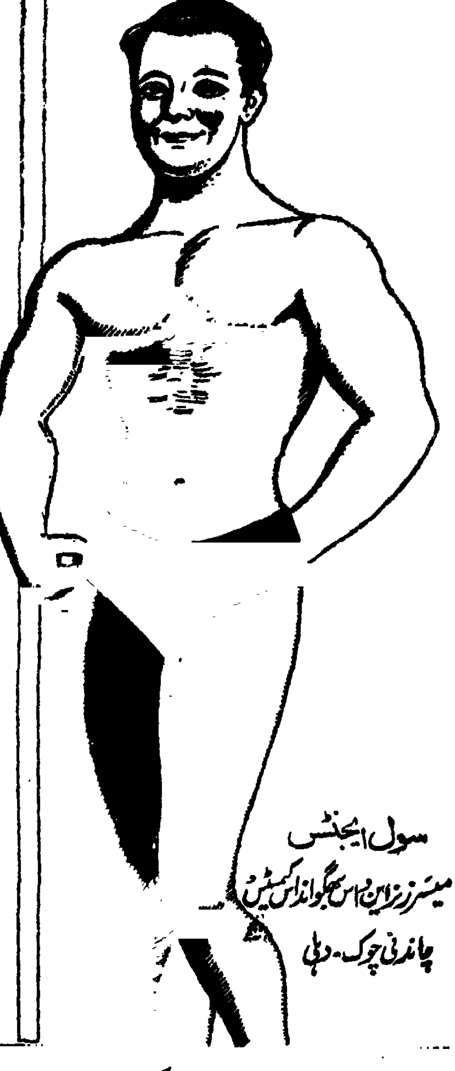
س۔ عورت؟

ج۔ وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

احمد ندیم قاسمی۔ ٹونک

س۔ بیسویں صدی کا مقصد؟

ج۔ زبان و ادب اور انسانیت کی خدمت!







راستہ تک رہی ہیں دو آنکھیں
ایک آہٹ فضا میں گاتی ہے ـــــ فارغ لکھنوی

فوٹو: شوبھا سمین شرما جیا



یومِ آزادی پر منعقدہ جشنِ ساحر ہوشیار پوری کی انتظامیہ کے اراکین جنابِ عزیز وارثی، جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، خوشتر گرامی اور جنابِ بہار برنی جنابِ ساحر ہوشیار پوری کو "جشنِ ساحر" پیش کر رہے ہیں۔



جشنِ ساحر ہوشیار پوری کی پُرشکوہ تقریب میں نائب صدر جمہوریہ ہند جناب پاٹھک نے جنگِ آزادی اور آزاد ہندوستان کی [illegible] کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان کی ایک زندہ اور شاندار [illegible] ہے۔



جشنِ ساحر ہوشیارپوری میں اراکینِ مجلس استقبالیہ نے ساحر ہوشیارپوری سے پہلے اُن کے ذی مرتبت اُستاد جنابِ جوش ملسیانی جانشین حضرتِ داغ دہلوی کا استقبال اپنا فرضِ منصبی سمجھا۔ جنابِ مالک رام استقبالیہ ایڈریس پیش کررہے ہیں۔



مجلسِ استقبالیہ کی طرف سے سپاسنامہ جنابِ عرش ملسیانی نے جنابِ ساحر کو پیش کیا۔ مختلف دُوسرے تحائف بھی پیش کئے گئے۔ ان میں ایک تحفہ دِلّی کے آرٹ کا نادر نمونہ ایک چاول تھا۔ جس پر لکھا تھا: جشنِ ساحر ہوشیارپوری منعقدہ ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء پیشکش کردہ [illegible]



صدر مجلس استقبالیہ جناب وی، سنکر
نے جناب ساحر ہوشیار پوری کو
دلی کے شہریوں کی طرف سے
۲۱ ہزار روپیہ کا چیک پیش کیا ۔



نائب صدر جمہوریہ ہند نے جناب ساحر ہوشیار پوری کی خدمات کو بہت سراہا۔ جناب ساحر خلوص و محبت سے اپنے دوستوں اور مداحوں کو ہدیۂ تشکر پیش کر رہے ہیں ۔



میں جناب [illegible]
رسائل تقریب [illegible]
نے ان سے [illegible]
ایک تقریب کے [illegible] پر [illegible]
دی پی [illegible] انہیں [illegible] ؛



اس کانفرنس میں ہندوستان بھر کے برگزیدہ اخبارات و رسائل کے نمائندے شریک ہوئے۔ تصویر میں بائیں سے دائیں حضرات رومیش مدیر روزانہ ہند سماچار جالندھر، خوشتر گرامی، کلدیپ نیر سٹیٹسمین، پریم چند ورما ’جگت‘ دہلی دلی، رنبیر جی روزنامہ ’ملاپ‘ دلی، سریندر سنگھ پنجابی ’یودھا‘ کپورتھلہ کھڑے ہیں ؛



آل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرز کانفرنس [illegible] کی سٹینڈنگ کمیٹی کے الیکشن میں سٹیٹسمین کے جناب کلدیپ نیر کے بعد سب سے زیادہ ووٹ مدیر بیسویں صدی کو ملے جناب [illegible] مدیر سویرا دلی نے ایک تقریب میں [illegible] سے مدیر بیسویں صدی کی [illegible] سے [illegible] کی ؛

ٹیلیفون دفتر ---- ۲۸۱۶۲۴
ٹیلیفون رہائش ---- ۲۱۹۶۲۷

۱. باتصویر فیچر		ادارہ	۲
۲. تیر و نشتر		خوشتر گرامی	۹
۳. آر ایس ایس		خوشتر گرامی	۱۴
۴. مس بھاشیہ	افسانہ	ڈاکٹر بہدری کاشمیری ایم۔اے۔پی ایچ۔ڈی	۱۵
۵. غزل		پروفیسر جاوید وششٹ ایم۔اے	۲۰
۶. پانی پت	افسانہ	م۔ک۔مہتاب ایم۔اے	۲۱
۷. غزل		ارشد صدیقی ایم۔اے	۲۵
۸. غزل		پروفیسر اختر نظمی ایم۔اے	۲۵
۹. بارِ گراں	افسانہ	مس صفیہ سلطانہ ایم۔اے، بی۔ایڈ	۲۷
۱۰. احساس		شاہین جمالی چمپارنی	۳۱
۱۱. وہ کون تھا؟	افسانہ	عصمت چغتائی	۳۲
۱۲. یادِ حسین		پورن کمار ہوش	۴۱
۱۳. رُوپ بہروپ	افسانہ	ابواللیث جاوید بی۔کام	۴۳
۱۴. غزل		پروفیسر آزاد گلاٹی ایم۔اے	۴۶
۱۵. غزل		محمد غلام محی الدین حبیبی القادری ساتر کشکی	۴۷
۱۶. غزل		نسیم شاہجہانپوری	۴۷
۱۷. تمنّا نِشاط کی	افسانہ	اکرام جاوید بی۔کام	۴۹
۱۸. نظر		مختلف شعراء	۵۰
۱۹. نگاہ		مختلف شعراء	۵۱
۲۰. غزل		شکیل احمد عاصم بریلوی ایم۔اے، ایم کام، بی۔ٹی	۵۳

[illegible] غزل ——— [illegible]
۲۲۔ غزل [illegible] ——— شوق [illegible]
۲۳۔ [illegible] ——— افسانہ ——— نور شاہ
۲۴۔ غزل ——— پرتمی پشاوری
۲۵۔ غزل ——— شوریدہ بہار
۲۶۔ اقتباسات انٹرویو ——— آرزو بارہ بنکوی بی۔ اے ایل ایل۔ بی
۲۷۔ تاج محل ——— افسانہ ——— پروفیسر ظفر احمد نظامی ایم۔ اے
۲۸۔ شہیں ——— مختلف شعراء
۲۹۔ بہار ——— مختلف شعراء
۳۰۔ غزل ——— جوہر ہاشمی
۳۱۔ غزل ——— سید اعجاز کاملی
۳۲۔ غزل ——— ترکش صہبائی
۳۳۔ شگوفے ——— ادبی لطائف ——— نصر قریشی ایم۔ اے ایل۔ ٹی
۳۴۔ غزل ——— پروفیسر عنوان چشتی ایم۔ اے
۳۵۔ غزل ——— سعادت نظیر ایم۔ اے
۳۶۔ غزل ——— شاہد احسن مرادآبادی
۳۷۔ غزل ——— کیف مرادآبادی
۳۸۔ چپڑاسی صاحب کا روزنامچہ ——— طنزیہ ——— فیکر تونسوی
۳۹۔ تشنہ لب ——— افسانہ ——— اکرم فاروقی ایم۔ اے، بی۔ ٹی
۴۰۔ صحت و زندگی ——— غسل، ایک صحت بخش عمل ——— اولاد کی طرف سے غفلت نہ برتئے ——— آپ بھی حلیم بن سکتے ہیں
ہم ناکام کیوں رہتے ہیں؟ ——— روزہ کی اہمیت سائنس کی رو سے۔ وغیرہ وغیرہ
۴۱ سرگوشیاں ——— سوال و جواب

تیر و نشتر

خوشتر گرامی



"کالا باغ پریشان میں گھر سے نکل گئے" ایک خبر ——— پہلے مقابلے میں بلا مقابلہ کامیاب ہونے کا ثبوت۔ ورنہ گھونسلوں کی بجائے ہم تے۔

"اساتذہ معیارِ تعلیم کو بلند کریں" ایک عنوان ——— جہاں سب مینار نہ ہوں وہاں اسے بانس پر چڑھائیں۔

"قیدیوں کو جیلوں میں نہ بھیجا جائے" ایک عنوان ——— بلکہ انھیں اسمبلیوں، وزارتوں اور سفارتوں پر بھیج دیا جائے کیونکہ جو لوگ پہلے جیلوں میں گئے تھے وہ بعد میں اسی منزل پر پہنچے تھے۔

"وزیر کے بیٹے کے نمبر بڑھا کر پاس کر دیا" ایک خبر ——— تاکہ جب یہ نکلے، وزیر بنے تو ڈگری ہولڈر تو ہو۔

"کھیل کے نتائج واقعی حیران کن ہیں" بھٹو کا بیان ——— اتنے حیران کن کہ آپ کو اپنی قیمت معلوم ہو گئی ہے۔

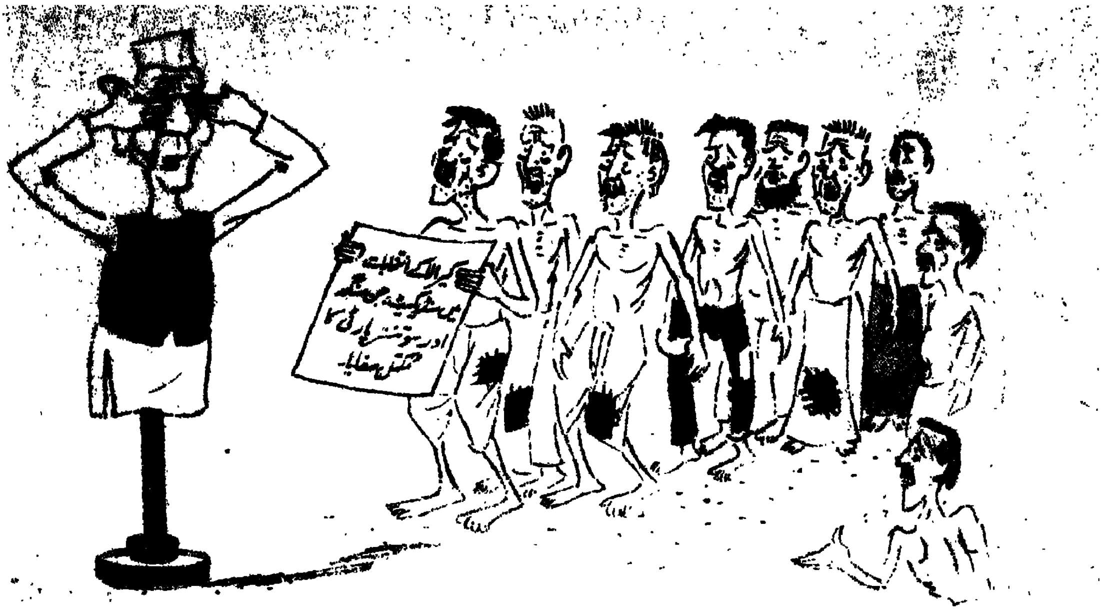
"پشاور میں دھونس شاہی" ایک عنوان ——— اس لئے کہ رجواڑہ شاہی ختم ہو چکی ہے۔

"پنجاب کے شہر اکی کلیہ ول کی کانفرنس" ایک خبر ——— سیاست کو لوگوں سے نجات کرے گی۔

"وزیرِ تعلیم کے لئے لڑکیوں کا تاثر محکمہ منتری نے تحقیقات کا اعلان کیا" ایک خبر ——— تاثر نہ کہئے۔ کلچرل پروگرام کا نام دیجئے پھر جائز ہو جائے گا۔



کانگریس سے رشتہ توڑنے کے بعد



"کیرل کے انتخابات سیاسی حالات کی عکاسی نہیں کرتے" مرار جی ڈیسائی

"کیرالا کے انتخابات ملک کے دوسرے حصوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتے"
مرار جی ڈیسائی ——— آپ پارلیمنٹ سے مستعفی ہو کر دوبارہ الیکشن لڑ کر دکھائیں
——— مخوشتر گرامی کا چیلنج۔

"سنت نے لٹیا ڈبو دی۔ ڈاکٹر جگجیت سنگھ کا سرٹیفکٹ" ایک خبر ———
اور آپ جیسے ہمدرد دیکھتے رہے ہاتھ بڑھا کر لٹیا پکڑ نہ لی۔

"جھانسی میں مرار جی ڈیسائی کو کالی جھنڈیاں دکھائی گئیں۔ گو بیک کے نعرے"
ایک خبر ——— جھانسی کے لوگوں نے صحیح قدر دانی اور عزت افزائی کی۔

"وزیر کو ورغلانے کے الزامات" ایک عنوان ——— وزیر تو خود
قوم کو ورغلاتے ہیں۔

"پرندوں کی لڑائی" ایک خبر ——— وہ بھی انسانوں کے نقش قدم پر۔

"نجلنگپا دو سال بعد سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں گے" ایک خبر
——— نیک کام کے لئے دو سال بھی انتظار کیوں؟

"اندرا گاندھی نے ملک کے لئے کوئی قربانی نہیں دی" مرار جی
ڈیسائی ——— انہوں نے بنک نیشنلائزیشن کے لئے آپ کو تو قربانی کا بکرا
بنا دیا۔

"امرتسر میں پربودھ کی کامیابی پر لڈو بانٹے گئے" ایک خبر
——— صرف یہی نہیں جن سنگھی اور اکالی کی ضمانت ضبط ہونے کی خوشی
بھی شامل ہے۔

"عام چناؤ کے لئے رجواڑوں کا متحدہ محاذ" ایک عنوان
——— کانگریس، سنڈیکیٹ، سوتنتر مدد کریں گے اور کیوں نہ ہو
پاسباں ملتے ہیں کعبے کو صنم خانے میں

"[illegible]" ایک خبر ---- جس نے ہزاروں لوگوں کو [illegible] ہیں۔

"[illegible] سے گا" ایک خبر ---- اب تک کتنے پٹاخوں کا تجربہ کیا تھا؟

"بنگلہ [illegible] میدان چھوڑ گئے" ایک خبر ---- پاٹل، کامراج، مرارجی، [illegible] ریڈی کی کب باری ہے۔

"کلکتہ میں بموں کی تجارت قیمت میں بھاری اضافہ" ایک خبر ---- [illegible] ہو گیا۔

"[illegible] دو چیلوں نے عورت کو [illegible] لیا" ایک خبر ---- [illegible] دو چیلے ایک کشتی میں سوار تھے

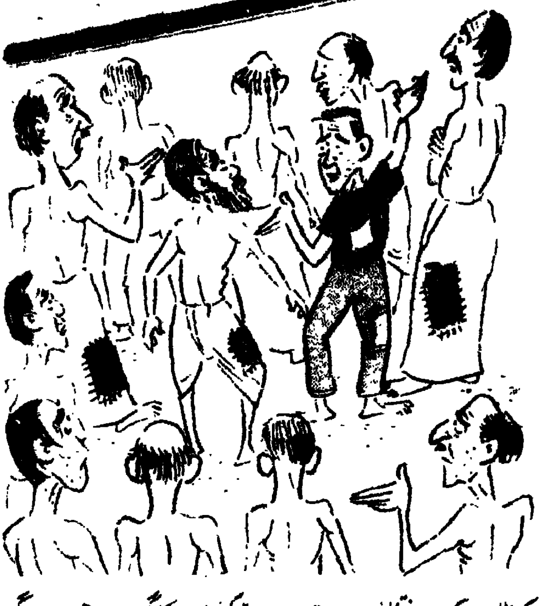
"کیرل کے انتخابات سیاسی حالات کی نشاندہی نہیں کرتے" مرارجی ڈیسائی کا بیان ---- جی درست فرمایا۔ انھوں نے تو صرف سنڈیکیٹ کے تابوت میں کیل ٹھونکی ہے۔

"دلی میں مسلم لیگ بنانے کی کوشش ناکام" ایک خبر ---- دلی کے مسلمانوں کی ہوش مندی کا نتیجہ۔ جنھوں نے جن سنگھ کے ہاتھ سے ہتھیار چھین لیا۔

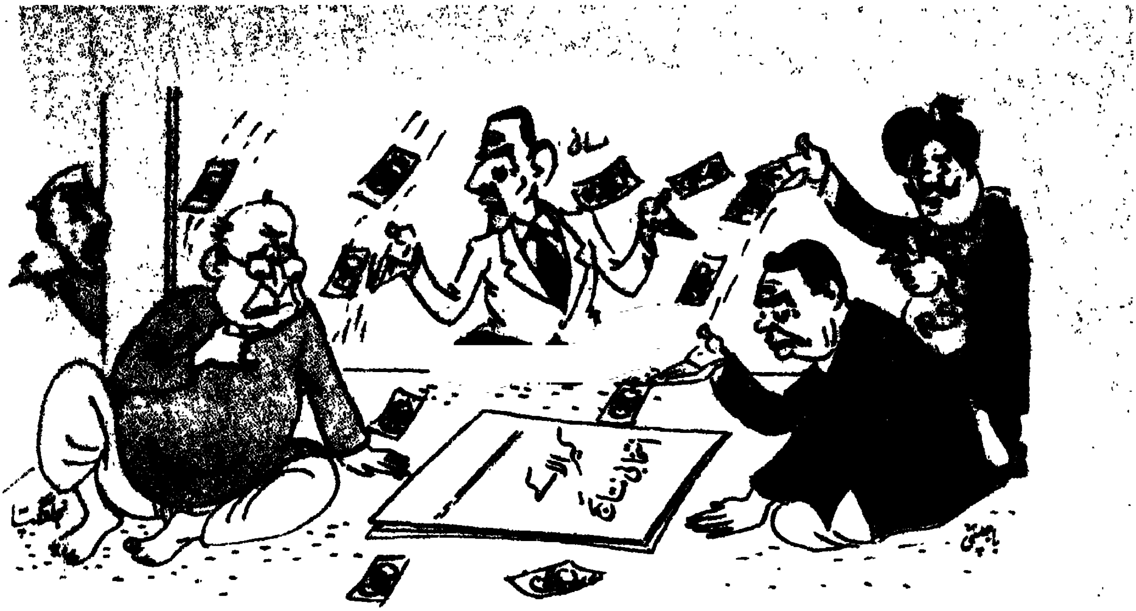
"اپنے ساتھیوں کے مرنے پر ہاتھیوں کا ماتم" ایک خبر ---- [illegible] انسانوں سے بہتر ہیں جو ساتھیوں کے گھروں میں ماتم کا سامان پیدا کرتے ہیں

"میری حکومت ختم کرنے کے خواب دیکھنے والوں کے ارادے پورے نہیں ہوں گے" اندرا گاندھی کی تقریر ---- اس لئے کہ خدا گنجے کو کبھی ناخن نہیں دیتا۔





کیرالا کے انتخابات میں سنڈیکیٹ کانگرس، جن سنگھ اور سوتنتر پارٹی کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی۔



رجواڑے، سوتنتر، جن سنگھ، سنڈیکیٹ اور کرانتی دَل جیسی جماعتوں کے ساتھ تعاون کریں گے۔

"ڈاک خانوں کی تعداد میں اضافہ" ایک خبر ـــــ اور ڈاک کی ڈلیوری میں تاخیر۔

[illegible] ـــــ [illegible] ہے۔

"دِلّی میں کم آمدنی والے لوگوں کے لئے پلاٹوں کی قیمت میں ۲۲ روپے میٹر کا اضافہ" ـــــ دِلّی میں جیب تراشی کی سرکاری واردات۔ آمدنی والوں کی طرف سے اِس حسنِ سلوک، فیاضی اور نوازش و عنایت کا شکریہ۔

"مغزِ بادام اور پستہ کے بھاؤ بھڑک اُٹھے" ایک خبر ـــــ کیا انگاروں کے بنے تھے؟

"یو۔پی میں سیلاب سے بھیانک تباہی" ایک خبر ـــــ پاپ کریں چرن سنگھ اینڈ کمپنی، بھگتے بیچاری جنتا۔

"دِلّی میں نقلی مکھن کا کارخانہ پکڑا گیا" ایک خبر ـــــ یہاں مکھن لگانے کا کام بھی تو بہت ہوتا ہے۔ اِس لئے کھپت سے زیادہ مکھن کی ضرورت پڑتی ہے۔

"پنجاب میں فیملی پلاننگ مہم" ایک عنوان ـــــ اب سبھی کالی دل بن چکے ہیں ـــــ [illegible] بس۔

"ابتدائی درجوں سے اُردو کی تعلیم ختم کرنے کی سفارش" ایک عنوان ـــــ اُردو کا بیج مارنے کا یہ صحیح طریقہ ہے۔

"دواؤں میں ملاوٹ" ایک عنوان ـــــ موت سے پہلے مارنے کا تیر بہدف نسخہ۔

"امریکہ کی طرف سے شام کی مذمت" ـــــ اور [illegible] کی تعریف۔

"مشکل یہ ہے کہ لیڈر عوام کو گمراہ کر رہے ہیں" ایک خبر ——— اس لئے کہ وہ خود گم کردۂ راہ ہیں۔

"فرقہ وارانہ سیلاب کی دیواریں بہہ گئیں" ایک خبر ——— تو سیلاب تھم کر رہا۔

"دلّی میں ٹرانسپورٹ کا مسئلہ" ایک عنوان ——— دو دُعا جی سنگھ کو جس نے سیاہ بس بنا دیا۔

"مسلم لیگ فرقہ پرست نہیں ہے" پردھان منتری کا خیال ——— خیال نہیں، خام خیالی ہے۔

"مہندر جمہوریہ کو موقر ممبر کی مبارکباد" ایک عنوان ——— ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

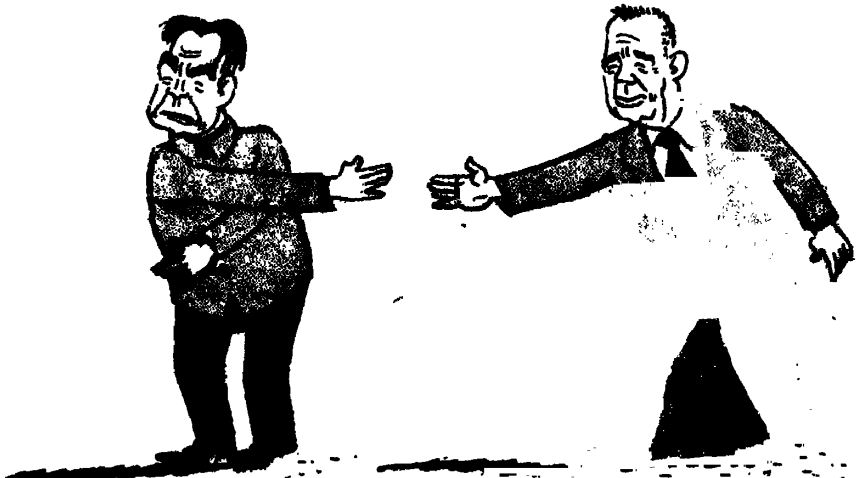
"اُردو جیسی زبان سے ناانصافی نہیں کی جا سکتی" ایک عنوان ——— اِن پُرفریب یقین دہانیوں کا شکریہ۔ اُردو کو علاقائی زبان بنانے کا کیا ہوا؟

"کلکتہ میں مار دھاڑ" ایک عنوان ——— وہ جگہ بتاؤ جہاں مار دھاڑ نہ ہو۔

"خاندانی منصوبہ بندی" ایک عنوان ——— اس کے ساتھ ساتھ وزارتی اور دوسرے عہدوں میں بھی ——— دو یا تین اور بس کا نعرہ لگنا چاہیے۔

"بس نہ چلنے کی شکایت" ——— ہائے آپ کی بے بسی۔

"نمک چھوڑو اور عوارضِ قلب سے نجات حاصل کرو" ایک عنوان ——— کھانا پینا بالکل چھوڑ دو اور دُنیا ہی سے نجات حاصل کرو۔



روس اور چین کے درمیان سرحدی تجارت کا معاہدہ۔

آر ایس ایس ______

خوشتر گرامی

پیشانی بے شمار گناہوں سے داغدار اور خود ہندوستان
پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ۔ آنکھوں میں بغض و عناد کے شعلے۔ چہرہ
زبان پر پُرفریب نعرے۔ جسم بے گناہوں کے خون میں شرابور ہے۔
قابلِ نفرت علامت بھی ______

آر ایس ایس

ہندوستان میں نازی ازم کا روپ۔ سر پر سیاہ ٹوپی ما
نشان۔ پیروں میں سفید جوتا امن و آشتی کو پیروں تلے روندنے کی
سفید قمیص، خاکی نیکر، ہاتھ میں چاقو۔ بھگوے کے سائے میں
چلتے ہیں ____ بھارت کی سبھیتا اور سنسکرتی کا جاپ کرنے والے
سبھیتا اور سنسکرتی کو بدنام کرتے ہیں۔ اتحاد کے دشمن ہیں۔ یکجہتی
مخالف ہیں۔ انگریز سے لڑائی کے وقت یہ انگریز کے پٹھوؤں کی
بلوں میں گھسے ہوئے تھے یا ان کے کاسہ لیس تھے۔ آج اکھنڈ بھارت
کے ٹھیکیدار ہیں۔ نہ مسلمان بھاتے ہیں نہ عیسائی، نہ سکھ پسند
نہ اچھوت ____ ملک اور آئین سے غداری کے تمام سامان
دشمنوں سے وفاداری کے خواہاں۔ ہندو کی جے جے کرتے ہیں
مرہٹہ راج کے منصوبے بناتے ہیں۔ فساد کے پس پردہ کارفرما
ہوتے ہیں۔ ہر جگہ فساد کو جنم دیتے ہیں ظلم، پاپ کا
چلاتے ہیں ____ ترقی کی ہر تحریک کے دشمن اور فرقہ
دھواں کے ہیں۔ بھارت
ملامت کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر



مس بھاٹیہ

ڈاکٹر حامدی کاشمیری ایم۔اے پی ایچ۔ڈی
۳۹۶۔جواہر نگر سری نگر (کشمیر)

برادرم! آداب

. . . نیچے اپنا تازہ افسانہ بھجوا رہا ہوں۔ اُمید ہے پسند آئے گا۔ یقین ہے یہ تاثر انگیز افسانہ قارئین کے دلوں کو چھو سکے گا ۔۔۔ یہ افسانہ جتنا رومانی ہے اتنا ہی تعمیری بھی ہے ۔۔۔ اس دوران ہمیں کئی جانگداز مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ تفصیلی خط بھی لکھ رہا ہوں . . .

آپ کا ۔۔۔ حامدی کاشمیری

لائبریری میں گہری خاموشی تھی۔

چپراسی ٹیبل پر بکھری ہوئی کتابیں الماری میں رکھ کر باہر برآمدے میں چلا گیا۔ میں نے چند رسالے اُلٹ پلٹ کئے، لیکن کوئی آرٹیکل میری توجہ کو مبذول نہ کر سکا۔ جب سے میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے آیا تھا، لائبریری کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ مجھے یاد ہے وہ دن، جب پہلی بار میں نے یہاں قدم رکھا تھا۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ میں کسی زمین دوز تاریک کھنڈر میں گرا جا رہا ہوں۔ جہاں ہر طرف گرد و غبار تھا، جالے تھے اور دیمک زدہ مخطوطے ۔۔۔ میری سانس گھٹ گئی اور پھر ۔۔۔ پھر میں نے دفتری طوالت کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر انتھک جدوجہد کے بعد اسے ریسرچ کے قابل بنا دیا۔ نئی الماریاں، نئے ٹیبل، فرش، فرنیچر، کتابیں، رسالے، مخطوطے ۔۔۔ اور ایک خوبصورت ریسرچ اسسٹنٹ!

میں سائنٹفک کے تازہ پرچے کے ورق اُلٹ رہا تھا۔ سارا دن کیٹلاگنگ کے کام کا معائنہ کرنے کے بعد میں کافی تھکان محسوس کر رہا تھا اور ابھی اپنے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ آج موسم بے حد Depressing رہا۔ صبح سے تیز بارش ہو رہی تھی اور اب فضا میں بادلوں کے پہاڑ اُگ رہے تھے۔ میں اُٹھا اور برآمدے میں آیا۔ وہاں ریسرچ اسسٹنٹ مس بھاٹیہ کھڑی تھیں۔

"مس بھاٹیہ!"

"جی!"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"نئے سٹاک کو دیکھ رہی تھی، طبیعت اُوب سی گئی۔ اب اور کتابیں ۔۔۔"

"رہنے دیجئے، کل چیک کر لیں گے۔ کیوں نہ چائے کی ایک ایک پیالی ہو جائے؟"

وہ دلکش انداز سے مسکرائیں اور میرے ساتھ آئیں۔ ہم دونوں خاموشی سے برآمدے پر چلتے رہے۔ برآمدے کا تنگ سا چوبی راستہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جس پر چلتے ہوئے مجھے ہمیشہ اکتاہٹ ہوتی ہے۔ شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور بائیں طرف ہر دس قدم پر ایک نئے کمرے کی طرف کھلتا دروازہ۔ ہوا کے بھیگے بھیگے جھونکے چل رہے تھے۔ ہم آخری دروازے کے قریب پہنچ ہی رہے تھے کہ اندر سے او میٹر تمر کے ہیڈ اسسٹنٹ آنند جی نکلے۔ اُن کا منہ کھل گیا اور موٹی عینک کے پیچھے بے رنگ آنکھوں کے دائرے پھیلتے گئے۔

گرم گرم چائے کی پیالیاں ہمارے ہاتھوں میں تھیں۔ مس بھاٹیہ کہہ رہی تھیں۔

"آپ ریسرچ اسکالروں کو اس سے بھی زیادہ facilities دیجئے، لیکن نتیجہ وہی ہوگا ۔۔۔"

"کیا مطلب؟" میں نے انھیں گھور کر دیکھا۔

"اس ملک کے نئے انسان کبھی میڈیا کریٹی سے اوپر نہیں اُٹھ سکتے ہیں۔ میں مانتی ہوں یہاں کی مٹی زرخیز ہے، جینیس لوگ یہاں بھی پیدا ہو سکتے ہیں لیکن

[illegible] دل و دماغ پر پہرے بٹھا دیتے جاتے ہیں۔ بے معنی عقیدے اور
حدیں [illegible] کو چھین لیتی ہیں۔ قدم قدم پر سمجھوتے اور
پابندیاں [illegible] — ان کی روح گھٹ کر رہ جاتی ہے —" وہ اعتماد سے بول رہی
تھیں۔ ان کے چہرے کی سانولی جلد پر سرخی پھیل رہی تھی۔

میں خاموشی سے سن رہا تھا۔

"میں سچ کہتی ہوں شرما صاحب! ہندوستان کے ریسرچ اسکالروں کی
آدھی سے زیادہ انرجی تباہ ہو جاتی ہے۔" ان کا لہجہ بلند ہو رہا تھا۔

"کیوں؟"

"انھیں اپنی فطری خواہشوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ان کی پرسنلٹی کچل جاتی
ہے۔ وہ کمپلیکس کے شکار ہوتے ہیں۔ ریسرچ کے دوران ان کا کتنا قیمتی وقت
اپوزٹ سیکس کے بارے میں سوچتے ہوئے برباد ہوتا ہے — وہ محبوبہ سے کہاں
ملیں، کس طرح ملیں، کوئی دیکھ لے تو — اور اب پولیس کا جیسے ایک ہی کام رہ گیا
ہے۔ جہاں کسی عورت اور مرد کو [illegible] ساتھ چلتے دیکھا، ان کا تعاقب شروع کیا اور
ذرا سا انھوں نے ایک دوسرے [illegible] ان پر جھپٹ پڑے چیلوں کی طرح —
[illegible] بیوی کا ساتھ چلنا [illegible] —"

[illegible] اپنی ہنسی کو روک نہ سکا۔

"لیکن مس بھاٹیہ! — یہ بھی تو سوچیے کہ لڑکے اور لڑکیاں یوں مکس
ہوتی رہیں تو پورے سماجی ڈھانچے پر کیا اثر پڑے گا؟"

"ہاہا — سماجی ڈھانچہ — کوئی برا اثر نہ پڑے گا شرما صاحب! یاد
رکھیے آپ نئی نسل کو جبلتوں کے اظہار کا جتنا موقع دیں گے، اتنا ہی امن و سکون ہوگا۔
قوم فرسٹریشن سے اوپر اٹھے گی — یورپی ملکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔"

"لیکن اخلاقی قدریں —؟"

"سب بکواس ہیں، ایکدم فراڈ۔ پرانے لوگوں نے اپنے گناہوں پر پردہ
ڈالنے کے لئے قدروں کا سہارا لیا ہے۔ یہ کھوکھلا سہارا تھا جو ٹوٹ گیا —"

مس بھاٹیہ کے ان باغیانہ خیالات سے میں پہلے ہی آگاہ تھا۔ انسٹی ٹیوٹ
کے دوسرے لوگ بھی ان کی بے باکی (جسے وہ ان کی بے حیائی پر محمول کرتے تھے) سے
مرعوب تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ تکلف اور تصنع سے بہت دور تھیں اور مردوں کے
ساتھ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کسی بھی موضوع پر باتیں کرنے میں دلچسپی لیتی تھیں۔
انسٹی ٹیوٹ میں کانتی جی ہی ایک فردِ واحد تھے، جو ان سے بات کرنے سے بھی کتراتے تھے۔
کبھی کام سے وہ ان کے پاس آ جاتیں تو وہ آنکھوں کے پھیلتے ہوئے دائروں کے ساتھ
[illegible] جانے میں ایک عجیب سراسیمگی کے ساتھ
ان کا کام کر دیتے — وہ ایک میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ [illegible]
چل جاتیں اور کانتی جی سیاہ انگلیوں سے ماتھے سے پسینہ کی دھاریں [illegible]

کبھی کبھی میں ان کی دلچسپ شخصیت کے بارے میں سوچتا [illegible]
تھا کہ یونیورسٹی کے ماحول سے ان کی چھوٹی ایکسپوژر [illegible] سے صرف
نصابی کتابوں تک محدود ہو، آزادی اور [illegible]
باعثِ حیرت نہ تھا۔ اس لئے میں ان کی باتوں کا زیادہ اثر نہیں [illegible]
مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہہ ہی دیا۔

"مس بھاٹیہ! سماجی تبدیلی کے لئے کوئی تھیوری پیش کرنا تو بہت
آسان ہے لیکن عملی طور پر —"

"[illegible] اپنے خیالات پر عمل بھی کرتی ہوں — میں سمجھتی ہوں کہ [illegible] کے دور
میں فرد سماج سے الگ ہوتا جا رہا ہے اور وہ اپنے تجربے [illegible] خود اپنے
معیار بنانے لگا ہے۔ پرانے اجتماعی معیار ناکارہ ہو چکے ہیں —"

"خوب! —" میں نے سگریٹ سلگایا۔ "ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھیے۔"

"شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"شادی بالکل ایک غیر فطری روایت ہے جو [illegible] — ورنہ
انسان نے قائم کی ہے اور حیرت یہ ہے کہ آج بھی ہم آنکھ بند کر کے اس پر عمل کر رہے
ہیں — مرد اور عورت کو ساری عمر کے لئے ایک زنجیر میں باندھ دیا جاتا ہے بالکل
جانوروں کی طرح [illegible] جاتے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے —؟"

"کیا؟"

"دونوں کی پرسنلٹی کو زنگ لگ جاتا ہے۔"

"اسی لئے آپ نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"جی — جی ہاں۔"

"خوب! — اس کا مطلب ہے کہ آپ خود اپنی تھیوری کو غلط ثابت کر رہی
ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"شادی سے انکار کر کے آپ زندگی کی حقیقی مسرتوں سے خود کو محروم رکھنا
چاہتی ہیں۔"

"شادی حصولِ مسرت کا محض ایک ذریعہ ہے۔ ایک [illegible]
پر روپیہ اور وقت برباد ہوتا ہے۔ انسان چاہے تو [illegible]
آسان بنا کر جی سکے —"

[illegible] میں [illegible] گیا۔ وہ سنجیدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے بھنچے ہونٹ بہت عجیب معلوم ہو رہے تھے۔ وہ سلیولیس بلاؤز اور [illegible] ساڑی میں ملبوس تھیں۔ بلاؤز بہت ہی مختصر تھا۔ بال جدید انداز میں [illegible] تھے۔ [illegible] کا اکثر حصہ کھلا تھا۔

[illegible] مجھے محسوس ہوا گرمی ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے اور کمرے کے حبس میں سانس لینا مشکل ہو رہا ہے!

[illegible] اس کے پتا گنیش بھاشیہ تحصیلدار تھے۔ ہارٹ فیلیور سے مر گئے اور ماں بیٹی تنہا رہ گئیں۔ شوہر کے مرنے کے بعد پتنی آزاد ہو گئیں پہلے ہی میاں بیوی میں برابر اَن بن رہتی تھی اور مس بھاشیہ کی جوانی بے سایہ رہی۔ اس کا ایک سا بھائی ہے، وہ بمبئی میں بس چکا ہے ـــــ ماں بیٹی آزاد زندگی گزار رہی ہیں۔"

آنند جی کی آنکھوں کے دائرے پھیل رہے تھے اور میرا وجود ان میں لپٹا چلا جا رہا تھا۔

میں پارک لین سے گزر رہا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے سڑکیں خالی خالی نظر آ رہی تھیں۔ میں آج بہت خوش تھا۔ کتنی خوبصورت شام گزری! مس بھاشیہ میرے ساتھ تھیں۔

"ہم تین کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے شام نہیں ہو جائے گی۔"

"رات بھی ہو جائے تو فکر نہیں، لیکن ـــــ"

"لیکن کیا؟"

"مشکل یہ ہے کہ پیٹ خالی ہے۔"

"بالکل صحیح ہے، آئیے کسی ریستوران میں بیٹھ کر کچھ کھائیں۔"

"چلئے!"

ہم شام کے سات بجے ایک ریستوران میں بیٹھے۔ وہ مجھ سے بہت بے تکلف ہو گئیں اور پھر ہم نے ساتھ ہی فلم دیکھنے کا پروگرام بھی بنا لیا۔ صدیوں کے بعد زندگی کے ویرانے میں چند شاداب لمحے در آئے تھے۔ مس بھاشیہ کا نرم ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھا اور ان کے جسم کی خوشبو سے میرا جسم تپ رہا تھا۔ مس بھاشیہ اتنی مخلص ہے، مجھے اندازہ نہ تھا۔ وہ جو کچھ سوچتی ہیں اس پر عمل بھی کرتی ہیں۔ اسی لئے ان کی پرسنلٹی میں [illegible] نہیں ـــــ مس بھاشیہ دی گریٹ!

اُسی دن انسٹی ٹیوٹ میں یہ خبر بہت سرعت کے ساتھ پھیل گئی کہ مس بھاشیہ کی شادی ۲۵ رمئی کو ہو رہی ہے! مجھے بالکل یقین نہ آیا اور آنند جی تو اسے مذاق سمجھ کر ٹالتے رہے۔

"کون ایسا احمق ہوگا جو اُسے اپنے پلّے باندھنے کو تیار ہو ـــــ!"

"ان میں کون سی کمی ہے آنند جی؟" میں نے ان پر جملہ پھینکا۔

"کمی ـــــ کمی تو کوئی نہیں ـــــ ہی ہی ـــــ لیکن اس کی ماں ـــــ"

"آنند جی ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ اسی لئے تو ان کی شادی الہ آباد میں ہو رہی ہے۔" لائبریرین پتلی سی آواز میں بولے۔

"اوہ سمجھا! لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ کیونکر راضی ہو گئیں۔"

"یہ کہئے کہ اس کا نصیب جاگا ہے۔ اندھا کیا چاہے تو دو آنکھیں؟"

۲۵ رمئی کو مس بھاشیہ کی شادی ہو گئی۔ میں ان کی شادی کی تقریب میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے انڈین آرکیالوجسٹس کی سالانہ کانفرنس کے لئے شملہ جانا پڑا اور ایک ہفتے کے بعد جب میں لوٹا تو مجھے معلوم ہوا کہ مس بھاشیہ لانگ لیو پر جا چکی ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ میں گہرا سناٹا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں [illegible] بیٹھے تھے۔ تھکے تھکے سے، بیزار، خاموش۔ مجھے بھی کچھ اچھا نہیں معلوم [illegible] ماحول جیسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا لیکن ابھی دس دن بھی نہ [illegible] مس بھاشیہ (جو اب مسز پرشوتم تھیں) انسٹی ٹیوٹ میں نمودار ہوئیں۔ وہ بہت خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کی بھری بھری ہتھیلیوں پر مہندی کے نقش و نگار ابھی تازہ تھے، مانگ میں افشاں چمک رہی تھی۔ لیکن چہرہ قدرے ستا ہوا تھا۔ وہ سیدھے میرے کمرے میں آئیں۔

"آپ؟"

"جی ہاں!"

"اتنی جلد ـــــ آپ نے تو پورے مہینے کی لیو لی تھی؟"

"مجھے ـــــ وہ جگہ پسند نہیں آئی ـــــ" وہ بولیں۔

"آپ اکیلی ہی آئیں یا آپ کے ہسبنڈ؟"

"وہ نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"انھیں لیو نہ مل سکی۔ یہ بینک کی ملازمت بھی عجیب ہوتی ہے۔ رات گئے تک کام رہتا ہے، اور چھٹی ملتی ہی نہیں۔ جو وقت انھیں ملتا ہے اس میں وہ بینکنگ کے موضوع پر ریسرچ کرتے ہیں۔ وہ دن رات کام کرتے ہیں، لیکن اتنا کام بھی کیا کہ آدمی مشین بن کر رہ جائے۔ مائی گاڈ! مجھے تو سوچ کر ہی وحشت ہوتی ہے۔

چند روز تک تو میں برداشت کرتی رہی، پھر میں نے سوچا میرا تو دم گھٹ جائے گا اور میں یہاں چلی آئی ——"

"تو گویا شادی کے بعد بھی آپ ہوا کی طرح آزاد ہیں؟"

"جس دن مجھے محسوس ہوگا میری زندگی میں پابندی آئی ہے، وہ میرا آخری دن ہوگا!"

چند ہی دنوں کے بعد پورے انسٹی ٹیوٹ میں یہ بات پھیل گئی کہ ان کی اپنے شوہر سے بنتی نہیں ہے۔ وہ ان سے نفرت کرتی ہیں۔ ان کا نام بھی زبان پر نہیں لاتیں۔ اتنا ہی نہیں، شادی کے بعد دس پندرہ دن ساتھ رہنے کے باوجود وہ شوہر سے دور ہی رہیں۔ اتنا ہی نہیں وہ عدالتی کارروائی کر کے ان سے طلاق لے رہی ہیں۔ بیچارہ ہسبنڈ لمبے لمبے خط لکھتا ہے، لیکن وہ کسی خط کا جواب نہیں دیتیں —— لوگ کس طرح اندر کے راز معلوم کر لیتے ہیں، حیرت ہے!

سردیوں میں وہ پھر ایک مہینے کی چھٹی پر گئیں اور ماحول پھر اداس ہو گیا۔ وہ شوہر کے پاس گئی تھیں۔ عجیب تلوّن ہے ان کے مزاج میں۔ بالکل پارے کی طرح تھرتھراتی رہتی ہیں۔ "لیکن شوہر سے جھگڑا ہے، ضرور وہ طلاق کے چکر میں ہے!" آنند جی نے رائے ظاہر کی، اور میرا اپنا بھی خیال تھا کہ وہ گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔

سوموار کو میں ساڑھے دس بجے دفتر پہنچا تو مسز پرشوتم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ؟"

"جی ہاں، میں آگئی!" ان کا چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا، آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی۔ جسم پہلے کی نسبت بھر گیا تھا، بازو سڈول ہو چکے تھے۔

"کہئے مسٹر پرشوتم اچھے ہیں؟"

"مسٹر پرشوتم؟ —— مجھے کیا معلوم؟"

"کمال ہے آپ ان سے ملی نہیں؟"

"کہاں ملتی؟ —— بمبئی میں؟"

"تو کیا آپ بمبئی گئی ہوئی تھیں؟"

"جی ہاں —— اپنے بھائی کے پاس گئی تھی۔ بہت اچھا وقت گزرا وہاں —— کتنا اچھا ہے وہاں کا ماحول —— انسان خود کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ ہر پابندی سے آزاد —— کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں، ایک کو دوسرے کی خبر نہیں —— کتنی شامیں لطف سے گزریں —— ڈرنک، ڈانس، سیوراک ——

نیوی کے ایک بڑے آفیسر سے [illegible]

"لیکن آپ کے ہسبنڈ؟"

"یہ میں مسٹر پرشوتم —— کیونکہ بات کرتے ہیں [illegible] ان کی شکل نہیں دیکھی۔ مجھے ان کے نام سے الرجی ہوتی ہے۔ [illegible]"

"لیکن آپ کی ان سے شادی ہوئی ہے۔ شادی تو ایک مقدس بندھن ہے اور پھر اخلاقی قدریں ——"

"پھر وہی قدریں —— شرما صاحب! آپ کس دنیا میں رہتے ہیں۔ اپالو ایج ہے، اور جس زمانے کی آپ بات کرتے ہیں، وہ مر چکا [illegible]! میں کہتی ہوں آپ انسٹی ٹیوٹ کی چار دیواری سے نکل کر ——"

"اچھا بھئی آپ کے مشورے پر عمل کروں گا ——" میں نے اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے جلدی سے بیل بجائی۔

چھ سات مہینے آنکھ جھپکتے میں گزر گئے۔ اس عرصے میں انسٹی ٹیوٹ کے سبھی لوگوں نے محسوس کیا کہ اچانک مسز پرشوتم کچھ سست اور کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ چہرے کی سرخی ماند پڑنے لگی۔ ہاتھ پاؤں زرد ہو گئے۔ پچھلے کئی مہینے سے وہ وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتیں اور نہ ہی [illegible] سے باتیں [illegible] آتیں —— اسی دوران آنند جی نے کئی بار کہا کہ وہ جلد شوہر سے طلاق لے رہی ہیں اور میں اس دن کا منتظر تھا جب یہ خبر ایک دھماکے کے ساتھ سننے کو ملے گی کہ [illegible] طلاق لے لی ہے!

اور آخر ایک دن یہ دھماکا ہو ہی گیا! اس سے نہیں کہ انہوں نے طلاق لے لی ہے، بلکہ اس خبر سے کہ وہ میٹرنٹی لیو پر جا رہی ہیں! پہلے تو ان کی درخواست دیکھ کر سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا، اور پھر جتنے منہ اتنی باتیں —— میں لوگوں کی قیاس آرائیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ایک مہینہ گزر گیا ——

ایک دن ڈاک میں ان کا استعفیٰ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں ان کی زندگی کے ڈرامائی واقعات کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، لیکن یہ ڈرامہ یوں ختم ہوگا! مجھے خیال نہ تھا۔ بہرحال وہ ایک غیر معمولی عورت تھی اور ایڈونچر اس کی زندگی تھی۔

"مجھے زندگی کی یکسانیت سے وحشت ہوتی ہے، میں تو [illegible] چاہتی ہوں، ہر لمحہ ایک ایڈونچر ——" وہ عموماً کہا کرتی تھیں۔

ان کا استعفیٰ منظور ہوا۔ ان کی جگہ ایک نئی ریسرچ اسسٹنٹ کا تقرر ہوا۔ انسٹی ٹیوٹ کے لوگ بھی رفتہ رفتہ مسز پرشوتم کو بھول گئے۔



نہایت آرامدہ سفر۔ شائستہ خدمت۔
آپ کی سہولت کے لئے
سروسیں کتنی مرتبہ چلتی ہیں دیکھئے!

ہر ہفتہ ۸ مرتبہ دن میں
ہر ہفتہ ۷ مرتبہ رات میں اور

ہر ہفتہ ۷ مرتبہ
نیویارک کے لئے

ایئر انڈیا

(بی۔او۔اے۔سی۔ اور قنطاس کے تعاون سے)

[illegible] انھیں بھول چکا تھا۔

ایک دن [illegible] کے [illegible] ہاتھ پکڑے ہوئے وہ مجھے سامنے سے آتی نظر آئیں۔

"[illegible] آپ؟"

"جی ہاں ——— آداب!" انھوں نے ایک خالی گرہست عورت کی طرح ہاتھ جوڑ کر آداب کیا۔ وہ سوکھ گئی تھیں، چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ آنکھیں گڑھوں میں اتر گئی تھیں۔ وہ تھکی تھکی سی تھیں۔ بے حال، گرد آلود جیسے میلوں پیدل چل کر آئی تھیں۔

"آپ بہت دبلی نظر آرہی ہیں؟"

"نہیں تو ——— میں ٹھیک ہوں۔" [illegible] وہ سراسیمگی کی حالت میں بولیں۔ ان کے خشک ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ پھیلی۔ نامعلوم اضطراب میں ان کے سر سے ساری کا پلو گر گیا۔ ارے! ان کے سارے بال سفید ہو چکے تھے!

"ان سے ملئے، میرے پتی ہیں ——— اور آپ ہیں شرما صاحب ———"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی؟"

[illegible] ——— [illegible] ایک [illegible]

اور چہرے سے [illegible] بال ایک [illegible]

ہے یا جانور ——— [illegible]!

[illegible] آداب کہو ———"

یہ سات آٹھ سال کی بچی تھی [illegible]

میں نے اسے پیار کیا!

دوسرے [illegible]

میں [illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]!!

میر [illegible] کے نام [illegible] ارشاد کی تعمیل فوراً ہو سکے [illegible] معذرت [illegible]

غزل

زندگی کی تابانی آج بھی ہے شیشے میں
[illegible] ہے شیشے میں

بوند ایک اک ٹھہری ماذ من کا سرچشمہ!
ہم لیے [illegible] ہے شیشے میں

کون تشنہ کام آیا جس کے خیر مقدم کو
کھینچ کے روح میخانہ آگئی ہے شیشے میں

کیوں نہ جگمگا اٹھیں گیسوؤں کے سائے بھی
عکسِ روئے جاناں کی [illegible] ہے شیشے میں

کفرتوں سے بچنا ہو، میکدے میں آجاؤ!
دوستی ہے محفل ہے آشتی ہے شیشے میں

غم کے تار چھیڑے ہے دل کی نرم سی دھڑکن
آنسوؤں کی ڈھلتی سی [illegible] ہے شیشے میں

عکسِ دل کرشمہ ہے، رنگ ہے تماشا ہے
اک پری مقابل ہے، اک [illegible] ہے شیشے میں

اک کرن سی پھوٹی ہے، کوئی خواب ٹوٹا ہے
شام یاد کیا کہنا صبح سی ہے شیشے میں

جام گھٹتے جاتے ہیں، پیاس بڑھتی جاتی ہے
میکدے میں کیا جائیں تشنگی ہے شیشے میں

گھونٹ گھونٹ پیتے ہیں زندگی کا [illegible]
ہم نے کب [illegible] ہے شیشے میں

میکدے سے پیاسا ہی کون آج گیا [illegible]
موج ہے تڑپتی ہے، [illegible] ہے شیشے میں

پروفیسر [illegible] ایم۔ اے

پانی پت

م ۔ ک ۔ مہتاب ایم ۔ اے

ڈبلیو-زیڈ-۲۴۲ اشوک نگر نئی دہلی نمبر ۱۸

مکرمی و محترمی! آداب

کچھ دن ہوئے آپ کی تحریر کردہ چند سطور ملیں شکریہ! "بیسویں صدی" میں آپ کی بزم آرائیاں تصویر کے پردوں پر دیکھتا ہوں لیکن ——

واں ہم بھلے کہاں، بزم میں وہ بلاتے کیوں!

آپ کا —— م ۔ ک ۔ مہتاب

★

مس اندرا سہگل نے حاضری کا رجسٹر بند کیا۔ کالا اپنی سفید بلاؤز میں اُڑسا اور پلکوں کو جھپکاتی ہوئی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"تبسم انجم بتاؤ پانی پت کی پہلی لڑائی پانی پت میں کیوں ہوئی؟"

کالج کی شوخ و شنگ لڑکیاں اس غیر متوقع سوال سے ایک بار تو خاموش ہوگئیں جیسے آنکھیں ایک دوسرے کی جانب تکنے لگیں۔ پھر جیسے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ طے پا گیا ہو۔ خوف کا پردہ اٹھنے لگا۔ گلابی گالوں پر شرارت کی شوخیاں مسکرانے لگیں۔ تبسم سیٹ سے اٹھی اور کہنے لگی۔

"میڈم! پانی پت کی لڑائی نہ لاہور میں لڑی جا سکتی تھی نہ لکھنؤ میں۔ اس لئے پانی پت ہی میں لڑی گئی۔"

ساری کلاس میں اس جواب پر ایک زور کا قہقہہ پڑا۔ موتیوں کی لڑیاں زلفوں کی گھٹاؤں میں بجلیوں کی طرح کوند گئیں۔ قہقہے کلاس روم کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گونجتے چلے گئے۔

اندرا کو اپنی شکست کا احساس ہوا جیسے وہ سوال کرکے پٹ گئی ہو۔ کیا سوال غلط تھا؟ اگر نہیں تو یہ لڑکیاں اس پر کیوں ہنس رہی ہیں؟ اس نے غصے سے جماعت پر قابو پانا چاہا۔ لیکن تیر کمان سے نکل گیا تھا۔ لڑکیاں تھیں کہ ہنستی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اس نے پوری قوت سے آنکھیں کھول کر اور آواز اونچی اٹھا کر لڑکیوں پر رعب جمانا چاہا۔ [illegible] آنکھیں [illegible] تھیں، ان میں رعب اور دبدبہ کہاں سے لاتی۔ مس سہگل جھینپ سی گئی۔ اس نے غصہ سے ہوا میں لہراتی ہوئی کالی سی چوٹی کو اُچھال کر پشت کی طرف کیا۔ سفید ساڑی سینے پر درست کی اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر کلاس سے اٹھ کر چلی گئی۔ لڑکیوں کے بے باک قہقہے دور تک اس کا تعاقب کرتے رہے۔

اور اندرا جب رجسٹر اور ڈسٹر اٹھائے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ رجسٹر میز پر پھینکا اور اس پر ٹھوڑی رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ سانس چڑھی ہوئی تھی جیسے ابراہیم لودھی شکست کے بعد میدانِ جنگ سے بھاگ کر کسی کسان کے جھونپڑے میں چھپا بیٹھا ہو اور باہر کے سپاہی اس کی تلاش میں گھوم رہے ہوں۔ اس کے کانوں میں لڑکیوں کے قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں جیسے وہ سب پانی پت پانی پت پکارتی ہوئی اس کے کمرے کے کواڑ کھٹکھٹا رہی ہوں۔

حقیقت یہ تھی کہ اندرا میں کسی پر رعب جمانے کی صلاحیت فطرتاً تھی ہی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی اُسے کسی شریر کلاس کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ پٹ جاتی۔ وہ کئی بار سوچتی کہ کالج کی لیکچرر شپ ایسے نہیں چل سکتی۔ قلم کے زور سے یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کر لینا اور بات ہے، لیکن کسی سے آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرنا اور اسے اپنے حسنِ تقریر سے زیر کر لینا دوسری صلاحیت ہے جو اس میں ہے ہی نہیں۔ پھر ان کالج کی لڑکیوں سے تو خدا بچائے کسی کی کمزوری کا انہیں پتہ لگ جائے، لیں

[illegible] نہیں بھول چکا تھا
ایک دن گرانڈ روڈ [illegible] سے وہ مجھے سامنے سے آتی
[illegible]

"ارے آپ؟"

"جی ہاں ——— آداب [illegible] ایک خیال کہ بہت عورت [illegible]
[illegible] کہ اب وہ سوکھ گئی تھیں، چہرے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ آنکھیں
گڑھوں میں اتر گئی تھیں۔ وہ تھکی تھکی سی تھیں، نڈھال، گرد آلود جیسے میلوں پیدل
چل کر آئی تھیں۔

"آپ بہت دبلی نظر آرہی ہیں؟"

"نہیں تو ——— میں ٹھیک ہوں۔" وہ سراسیمگی کی حالت میں بولیں۔
ان کے خشک ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ پھیلی۔ نامعلوم اضطراب میں ان کے سر سے
ساڑی کا پلو [illegible] گیا۔ ارے! ان کے سارے بال سفید ہو چکے تھے!

"یہ [illegible] میرے پتی ہیں ——— اور آپ ہیں شرما صاحب ———"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"ٹھیک [illegible] ——— بہت [illegible] ایک [illegible] ہو
اور چہرے سے [illegible] بال ایک [illegible] جو [illegible]
ہے یا جانور ——— [illegible]!
[illegible] ان کو آداب کہو ———"

یہ سات آٹھ سال کی بچی تھی سفید [illegible]
میں نے اسے پیار کیا!
دوسرے [illegible] میرے [illegible]
میں [illegible] ———
[illegible] ——— نہیں نہیں وہ کوئی دوسری عورت تھی!!

[illegible] کے نام [illegible] ارشاد
کی تعمیل [illegible] ہو [illegible]

غزل

[illegible]

زندگی کی تابانی آج بھی ہے شیشے میں
[illegible] روشنی ہے شیشے میں

بوند بوند اک ٹھہری ماہ من کا [illegible]
ہم [illegible] ہے شیشے میں

کون تشنہ کام آیا جس کے خیر مقدم کو
کھنچ کے روح میخانہ آگئی ہے شیشے میں

کیوں نہ جگمگا اٹھیں گیسوؤں کے سائے بھی
عکس روئے جاناں کی چاندنی ہے شیشے میں

لغزشوں سے بچنا ہو، میکدے میں آجاؤ!
دوستی ہے محفل میں، آشتی ہے شیشے میں

غم کے تار چھیڑے ہے دل کی نرم سی دھڑکن
آنسوؤں کی ڈھلتی سی [illegible] ہے شیشے میں

عکس دل کرشمہ ہے، رنگ ہے تماشا ہے
اک پری مقابل ہے، اک پری ہے شیشے میں

اک کرن سی پھوٹی ہے، کوئی خواب ٹوٹا ہے
شام یاد کیا کہتا صبح [illegible] ہے شیشے میں

جام گھٹتے جاتے ہیں، پیاس بڑھتی جاتی ہے
میکدے میں کیا جانے تشنگی ہے شیشے میں

گھونٹ گھونٹ پیتے ہیں زندگی کا [illegible]
ہم نے کب یہ سمجھا تھا [illegible] ہے شیشے میں

میکدے سے پیاسا ہی کون آج گیا [illegible]
موج ہے تڑپتی ہے، بے کلی ہے شیشے میں

پانی پت

م۔ک۔مہتاب ایم۔اے

ٹیلیو۔نیلڈ۔۲۴۴۳۔شیو نگر۔نئی دہلی نمبر ۱۸

مکرمی و محترمی! آداب

کچھ دن ہوئے آپ کی تحریر کردہ چند سطور ملیں، شکریہ! "بیسویں صدی" میں آپ کی بزم آرائیاں تصویر کے پردوں پر دیکھتا رہتا ہوں۔ لیکن ———

واقف ہیں ہم جلے کہاں، بزم میں وہ بُلاتے کیوں!

آپ کا ——— م۔ک۔مہتاب

مس اِندرا سہگل نے حاضری کا رجسٹر بند کیا۔ کالا اپنا سفید ملائم بیچ میں لٹکا اور پلکوں کو جھپکاتی ہوئی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"تبسّم! تم بتاؤ پانی پت کی پہلی لڑائی پانی پت میں کیوں ہوئی؟"

کالج کی شوخ و شنگ لڑکیاں اِس غیر متوقع سوال سے ایک بار تو خاموش ہوگئیں۔ حسین آنکھیں ایک دوسرے کی جانب تکنے لگیں۔ پھر جیسے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ طے پا گیا ہو۔ خوف کا پردہ اُٹھنے لگا۔ گلابی گالوں پر شرارت کی شوخیاں مسکرانے لگیں۔ تبسّم بیٹ سے اٹھی اور کہنے لگی۔

"میڈم! پانی پت کی لڑائی نہ لاہور میں لڑی جا سکتی تھی نہ لکھنؤ میں۔ اس لئے پانی پت ہی میں لڑی گئی ہے"

ساری کلاس میں اِس جواب پر ایک زور کا قہقہہ پڑا۔ موتیوں کی لڑیاں ہونٹوں کی گھاٹیوں میں بجلیوں کی طرح کوند گئیں۔ قہقہے کلاس روم کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گونجتے چلے گئے۔

اِندرا کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سوال کرکے پٹ گئی ہو۔ کیا سوال غلط تھا؟ اگر نہیں تو یہ لڑکیاں اُس پر کیوں ہنس رہی ہیں؟ اُس نے غصّے سے جماعت پر قابو پانا چاہا لیکن تیر کمان سے نکل گیا تھا۔ لڑکیاں تھیں کہ ہنستی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اُس نے پوری قوت سے آنکھیں گھما کر اور آواز اونچی اٹھا کر لڑکیوں پر رعب جمانا چاہا۔ لیکن اُس کی آنکھیں جو صورت کے اندر سے ابھر رہی تھیں، اُن میں رعب اور دبدبہ کہاں سے آجاتا۔ مس سہگل جھینپ سی گئی۔ اُس نے سینے پر لہراتی ہوئی لمبی سی چوٹی کو اُچھال کر پشت کی طرف کیا۔ سفید ساڑی سینے پر درست کی اور ناراضگی کے اظہار کے طور پر کلاس سے اٹھ کر چلی گئی۔ لڑکیوں کے بے باک قہقہے دور تک اُس کا تعاقب کرتے رہے۔

اور اِندرا جب رجسٹر اور ڈسٹر اٹھائے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ رجسٹر میز پر پھینکا اور اُس پر ٹھوڑی رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ سانس چڑھی ہوئی تھی جیسے ابراہیم لودھی شکست کے بعد میدانِ جنگ سے بھاگ کر کسی کسان کے جھونپڑے میں چھپا بیٹھا ہو اور باہر کے سپاہی اُس کی تلاش میں گھوم رہے ہوں۔ اُس کے کانوں میں لڑکیوں کے قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں جیسے وہ سب پانی پت پانی پت پکارتی ہوئی اُس کے کمرے کے کواڑ کھٹکھٹا رہی ہوں۔

حقیقت یہ تھی کہ اِندرا میں کسی پر رعب جمانے کی صلاحیت فطرتاً تھی ہی نہیں۔ اِس لئے جب بھی اُسے کسی شریر کلاس کا سامنا کرنا پڑتا وہ پٹ جاتی۔ وہ کئی بار سوچتی کہ کالج کی لیکچررشپ ایسے نہیں چل سکتی۔ قلم کے زور سے یونیورسٹی میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کر لینا اور بات ہے لیکن کسی سے آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرنا اور اُسے اپنے حسنِ تقریر سے زیر کر لینا دوسری صلاحیت ہے جو اُس میں ہے ہی نہیں۔ پھر اِن کالج کی لڑکیوں سے تو خُدا بچائے۔ کسی کی کمزوری کا انہیں پتہ لگ جائے، بس

[illegible] پڑتی ہیں۔ اُس نے یہ لیکچرر کا پیشہ اختیار ہی کیوں کیا؟ [illegible] قدرت کے چیلنج ٹھکرا دینی چاہیے تھی۔ وہ ان لڑکیوں کا سامنا نہیں کر سکتی۔ وہ دُنیا میں کسی بھی شخص کا سامنا نہیں کر سکتی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اِندو کو یوں محسوس ہوا جیسے باہر گھومتے ہوئے تاتاریوں کے سپاہیوں نے دروازہ توڑ ڈالا ہو اور اُس کا سر قلم کرنے کے لئے اندر گھس آئے ہوں۔ اُس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔ دہلیز پر جیسے چاند کی چاندنی اُتر آئی ہو۔ باہر پروفیسر ریتا رجسٹر لئے کھڑی تھیں۔ لمبے کھلے بالوں اور چھوٹے بدن کی ریتا قتالہ معلوم ہو رہی تھی قتالہ! اُس کی لانبی آنکھوں کے بیرونی حصے پر کھینچے ہوئے سیاہ حاشیے تلواروں کی طرح چمک رہے تھے۔ سیاہ اور سفید کے اِس امتزاج میں کمال کی دلکشی تھی۔ آج سوموار تھا اور سب طالبات اور پروفیسر سفید لباس پہن کر آئی تھیں۔ ہر رنگ کی اپنی جاذبیت ہے۔ لیکن جو جادو سفید رنگ چھڑک سکتا ہے وہ کسی اور رنگ کو حاصل نہیں۔

"کیا بات ہے کلاس میں نہیں گئیں اِندو؟" ریتا نے پوچھا۔

"میری طبیعت اچھی نہیں۔ میری کلاس کی چھٹی کر دینا۔"

پولٹیکل سائنس کی لیکچرر ریتا جتنی حسین تھی اتنی ہی شوخ اور بے باک بھی تھی۔ اُس سے بات کرتے ہوئے تو زبان کٹتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ لڑکیاں اُس کے سامنے سے بھی ہچکتی تھیں۔ پرنسپل کی بھی وہ منظورِ نظر تھی۔ اِس دُنیا میں ہر شخص رنگ پر ریجھتا ہے، سجاوٹ پر سجدے کرتا ہے۔

ریتا چلی گئی تو اِندو نے پھر دروازہ بند کر لیا۔ سفید لباس میں تو یہ لڑکی گنگا کے جل کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصل پاکیزگی اور ناپاکیزگی کی پرکھ تو پارکھ کی آنکھ ہی کر سکتی ہے۔

یہ دُنیا نمائش ہے، جارحیت ہے۔ جس کے پاس یہ کچھ نہیں ہے وہ دُنیا میں بھی پٹ جاتا ہے اور کلاس میں بھی! اور لڑکیوں کے قہقہے اُس کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اُس نے کلاس میں یہ بے تکا سوال پوچھا ہی کیوں تھا؟

اِندو خیالات کے بھنور سے نکل کر نفسیات کے ایک طالب علم کی طرح تجزیۂ نفس کرنے لگی۔ وہ آج صبح ہی سے بہت پریشان تھی۔ بیس پیسے کے ایک لفافے نے اُس کا بیس کروڑ روپے کا تاج محل ڈھا دیا تھا جس کے کھنڈروں پر بیٹھی وہ چاروں طرف تباہی اور بربادی کا منظر دیکھ رہی تھی۔ جیسے میدانِ جنگ میں دشمن کے گھوڑے حدِ نظر تک ہر چیز کو روندتے چلے گئے ہوں۔ اُس نے لوٹ کے گیارہ بجے تک کوئی گیارہ بار یہ خط پڑھا اور کوئی بائیس بار آنسو بہائے تھے جس کی آنکھیں میں مدتیں [illegible]

جلا دینے والی بجلیاں نہ ہوں [illegible] اور لہراتی پلکوں والی خوابیدہ آنکھیں غروب ہو گئیں [illegible] ساز کی اِک تیکھا شہر کے شہر الٹ دیتی ہے۔

اِن ظالموں کو اپنے فن کار کو [illegible] خط کو بھی اس سطر سے بند کیا تھا ———

"تمہاری ریشمی پلکوں پر پیار بھرے [illegible] کے ساتھ!

——— مدن

اُس نے یوں کیوں لکھ دیا؟

"ریشمی پلکوں سے جھانکتی ہوئی پیاسی آنکھوں پر [illegible] کے ایک وار کے ساتھ!"

شاید لوگ چاہتے ہیں کہ کسی کے سینے میں خنجر کی نوک [illegible] اور اُسے درد بھی نہ ہو۔ کاش قدرت نے اُسے سادگی اور بھولپن کے ساتھ ساتھ [illegible] بھی عطا کیا ہوتا۔ پھر اُس کے مقدر میں کانٹے نہیں پھول ہوتے۔

موسم بہار کے یہی دن تھے جب مدن اُس سے [illegible] ہوسٹل کے کمرے میں آیا تھا۔ چھوٹے سے لان کے چاروں طرف [illegible] کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ مدن اور وہ لان میں کرسیاں ڈالے باتیں کر رہے تھے۔ مدن [illegible] کہنے لگا۔

"اِندو! چہرے کو آنچل سے چھپا لو۔ گلاب کہیں [illegible]" جب اُس نے اُٹھ کر جانا چاہا تو وہ کہنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ اِندو! سفیدے کے پودے شرم سے جھکے جاتے ہیں؟"

مدن بات سے بات پیدا کرتا جا رہا تھا اور وہ مسکراتی اور شرماتی چلی جا رہی تھی۔ اِندو کے لئے مدن ایک موتی تھا جسے وہ اپنی مٹھی میں سنبھال رکھنا چاہتی تھی۔ کوئی سانس بھی ایسی نہ لینا چاہتی تھی جس سے اِس موتی کو ٹھیس لگے یا اِس کی آب کم ہو جائے۔ مدن سے باتیں کرتے کرتے اُسے خیال آیا [illegible] دل بھرتا ہے نہ پیٹ! اور وہ اُٹھ کر چائے بنانے کے لئے اپنے کمرے میں [illegible]۔ وہ سر سے پاؤں تک پیار کے نشے میں نہائی ہوئی تھی۔ جیسے [illegible] اپنی بانہوں میں سمیٹ رکھا ہو۔ [illegible] پانی میں چائے کی پتی ڈالتے [illegible] دودھ نہیں ہے۔ وہ ریحانہ کے کمرے میں دودھ لینے کے لئے گئی۔

"دودھ [illegible]؟"

"کوئی بھی ہو" [illegible] اِندو حسبِ عادت [illegible]

"اچھا تم مجھ سے چھپاتی ہو؟" ریحانہ نے اِندو کے [illegible]

میں سے اندو کا رنگ اور بھی نکھرا اُٹھا

پھر ریتا نے دوسرا گلاس اندو کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہنے لگی۔

"جاؤ تم اُس سے باتیں کرو۔ تنہائی کی گھڑیاں روز روز کب نصیب ہوتی ہیں۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

لاجونتی کی طرح سمٹی ہوئی اِندو لان میں لوٹ آئی۔ تھوڑی دیر بعد ریتا اُن دونوں کو چائے کے لئے بُلا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ چائے بہت اچھی تھی لیکن ماحول اُس سے بھی پُر لُطف تھا۔ دو حسین پریاں راجہ اِندر کے دربار میں جلوہ فرما تھیں۔ ایک مسکراہٹوں سے جادو جگا رہی تھی تو دُوسری کی شوخیاں اور بے باک قہقہے فضا پر چھائے ہوئے تھے۔

مدن اُنھیں دنوں یورپ کے دَورے سے لَوٹا تھا۔ وہ اپنی سیاحت کی داستانیں سُنا سُنا کر اُن دونوں کو محوِ حیرت کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اِندو مدن کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ لیکن ریتا نے اُن سے وعدہ لے لیا کہ وہ دوپہر کا کھانا ریتا کے ہاں ہی کھائیں گے۔

کہتے ہیں مرد مجنوں ہوتے ہیں۔ کہیں کوئی اچھا چہرہ دیکھا تو ہوش و حواس کھو بیٹھے لیکن لڑکیاں کیا کم ہیں۔ اِس پگلی ریتا سے پُوچھو۔ مدن مجھ سے ملنے آیا ہے۔ ہم نہ جانے پیار کے کون سے نغمے گا رہے ہیں۔ لیکن ریتا ان نغموں کی آواز ہی میں دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کھانا بناتے بناتے ہاتھ کی اُنگلیاں ہی جلا بیٹھی۔ ہوسکتا ہے دو پریمیوں کو پیار کرتے ہوئے دیکھنے میں بھی کوئی خاص لُطف ہو۔ میں تو محبت کے اِس نشے میں ایسی سرشار ہوئی کہ صبح بال دھونے تھے، شام تک اِتنا ہوش نہ رہا کہ انھیں لپیٹ کر جُوڑا ہی باندھ لوں۔ لیکن پگلی تو بس خوشی میں اُنگلیاں جلا بیٹھی ہے! یہ عورت ذات ہی کی کمزوری ہے یا کچھ مرد ہی ایسے جادُوگر ہوتے ہیں کہ ہوش میں آنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

شام کی چائے اُس نے اپنے کمرے ہی میں بنائی۔ ریتا اور مدن میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اِندو کے سیاہی مائل سُنہرے بال سٹُول پر جُھک رہے تھے۔ مدن اُٹھا اور اپنے ہاتھوں سے اُس کے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہنے لگا۔

"اِندو! اِنھیں حفاظت سے رکھا کرو۔ ایسا ریشم دُنیا کے کسی اور خطّے میں پیدا نہیں ہوتا۔"

مدن کی بات پر وہ شرما کر دوہری ہو گئی۔ سارے جسم پر پسینے کی تہہ اُبھر آئی۔ ریتا مُنہ میں اُنگلی ڈالے اُسے رشک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ریتا وہاں نہ ہوتی تو مدن کا دیوانہ پن نہ جانے کیا کرتا۔ اب بھی جب کبھی وہ اُس دن کو یاد کرتی تو کیف و سرُور میں ڈُوب جاتی۔ زندگی کے حسین لمحات کی یاد بھی کتنی سُہانی اور جادو داں ہوتی ہے۔

ریتا اور وہ دونوں مدن کو الوداع کہنے کے لئے کالج کے احاطے سے باہر کھڑی مدن کی کار تک گئیں۔

واپس ہوتے ہوئے اِندو کو مدن کی اور اپنی محبت کی داستان کے کچھ ٹکڑے ریتا کو سُنانے ہی پڑے۔ وہ کہتی گئی۔

"دو برس ہوئے سری نگر میں مدن سے مُلاقات ہوئی تھی۔ میں وہاں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ ایک ہاؤس میں ٹھہری ہوئی تھی ——— ہمارے ہاؤس بوٹ کے ساتھ ہی لگی ہوئی ایک اور ہاؤس بوٹ میں مدن اور اُس کی والدہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن پھول بیچنے والے کی کشتی آئی تو میں بھی پھول خریدنے کے لئے باہر نکلی۔ مدن پھول والی سے پھول لے رہا تھا۔ میں اُسے دیکھ کر جھینپ سی گئی۔ وہ مجھے بہت دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ میں نے پھول لئے اور اندر چلی گئی۔ ایسی گھبرائی کہ پیسے دینا ہی بھُول گئی۔ دُوسرے دن پھول والی نے بتایا کہ پیسے اُن بابو جی نے دے دئے تھے۔

میں انتہائی بُزدل ہوں۔ کسی سے محبت کے خیال ہی سے کانپنے لگتی ہوں۔ پھر بھی نہ جانے میرا دل کیوں چاہتا تھا کہ دروازے کا پردہ ہٹا کر اُس ہاؤس بوٹ کی طرف دیکھتی رہوں۔ پھول بیچنے والی کی کشتی روز آتے اور ہم روز پھول لینے کی بجائے ایک دُوسرے کو دیکھتے رہیں۔

پانچویں دن ہم شہر کے ایک اسٹور میں مِلے۔ سب کا تعارف ہُوا۔ میرے پتا جی نے اُنھیں اپنے ہاؤس بوٹ میں مدعو کیا اور پھر یہ مُلاقاتیں روز ہونے لگیں۔

مدن کے عجیب و غریب شوق تھے۔ جنگلوں میں گھوڑے دَوڑانا، آدھی رات کو پہاڑوں پر چڑھنا، صُبح سویرے ٹھنڈے پانی میں تیرنے لگنا۔ وہ لوگ پشاور کے تھے اور مُلک کی تقسیم کے بعد الہ آباد میں آکر بس گئے تھے۔ کہاں الہ آباد اور کہاں سری نگر! وہ اِس سیاحت میں زیادہ سے زیادہ لُطف اندوز ہو کر لَوٹنا چاہتا تھا۔

میں ایک دوبار مدن کے ساتھ شاپنگ کے لئے بھی گئی۔ وہ میرے بہت قریب ہو کر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ جیسے کوئی گھبرایا ہُوا بچّہ کسی دیوار کے ساتھ لگ کر سہارے کی تلاش کر رہا ہو۔ لیکن اِس بھیڑ بھاڑ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی نظریں کسی کو تلاش کر رہی ہوں۔ یا کسی بچّے کا کھلونا گُم ہو گیا ہو اور وہ ایک ایسا سہارا لئے اُسے تلاش کر رہا ہو کہ کہیں وہ اِس تلاش میں خود ہی گُم نہ ہو جائے۔"

[illegible] پڑتی ہیں۔ اس نے یہ لیکچرر کا پیشہ اختیار ہی کیوں کیا؟ [illegible] یہ چیلنج ٹھکرا دینی چاہیے تھی۔ وہ ان لڑکیوں کا سامنا نہیں [illegible] دنیا میں کسی بھی شخص کا سامنا نہیں کر سکتی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اندو کو یوں محسوس ہوا جیسے باہر گھومتے جیتے باہر کے سپاہیوں نے دروازہ توڑ ڈالا ہو اور اس کا سر قلم کرنے کے لئے اندر گھس آئے ہوں۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔ دہلیز پر جیسے چاند کی چاندنی اتر آئی ہو۔ باہر پروفیسر ریتا جیسٹرلے کھڑی تھیں۔ لمبے کھلے بالوں اور چھریرے بدن کی ریتا قتالہ معلوم ہو رہی تھی قتالہ! اس کی لانبی آنکھوں کے بیرونی حصے پر کھنچے ہوئے سیاہ حاشیے تلواروں کی طرح چمک رہے تھے۔ سیاہ اور سفید کے اس امتزاج میں کمال کی دلکشی تھی۔ آج سوموار تھا اور سب طالبات اور پروفیسر سفید لباس پہن کر آئی تھیں۔ ہر رنگ کی اپنی جاذبیت ہے۔ لیکن جو جادو سفید رنگ جھڑک سکتا ہے وہ کسی اور رنگ کو حاصل نہیں۔

"کیا بات ہے کلاس میں نہیں گئیں اندو؟" ریتا نے پوچھا۔

"میری طبیعت اچھی نہیں۔ میری کلاس کی چھٹی کر دینا۔"

پولیٹیکل سائنس کی لیکچرر ریتا جتنی حسین تھی اتنی ہی شوخ اور بے باک بھی تھی۔ اس سے بات کرتے ہوئے تو زبان کٹتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ لڑکیاں اس کے سامنے سے بھی ہٹ گئی تھیں۔ پرنسپل کی بھی وہ منظورِ نظر تھی۔ اس دنیا میں ہر شخص رنگ پر ریجھتا ہے، سجاوٹ پر سجدے کرتا ہے۔

ریتا چلی گئی تو اندو نے پھر دروازہ بند کر لیا۔ سفید لباس میں تو یہ لڑکی گنگا کے جل کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصل پاکیزگی اور ناپاکیزگی کی پرکھ تو پارکھ کی آنکھ ہی کر سکتی ہے۔

یہ دنیا نمائش ہے، جارحیت ہے۔ جس کے پاس یہ کچھ نہیں ہے وہ دنیا میں بھی پٹ جاتا ہے اور کلاس میں بھی! اور لڑکیوں کے قہقہے اس کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔

لیکن اس نے کلاس میں یہ بے تکا سوال پوچھا ہی کیوں تھا؟

اندو خیالات کے بھنور سے نکل کر نفسیات کے ایک طالب علم کی طرح تجزیۂ نفس کرنے لگی۔ وہ آج صبح ہی سے بہت پریشان تھی۔ بیس پیسے کے ایک لفافے نے اس کا بیس کروڑ روپے کا تاج محل ڈھا دیا تھا جس کے کھنڈروں پر بیٹھی وہ چاروں طرف تباہی اور بربادی کا منظر دیکھ رہی تھی۔ جیسے میدانِ جنگ میں دشمن کے گھوڑے حدِ نظر تک ہر چیز کو روندتے چلے گئے ہوں۔ اس نے نو بجے سے گیارہ بجے تک کوئی گیارہ بار یہ خط پڑھا اور کوئی بائیس بار آنسو بہائے تھے۔ جن کی آنکھوں میں [illegible] مقابلہ کو

جلا دینے والی بجلیاں نہ ہوں، وہ آنسو بہانے کے ہو گیا کرتی ہیں [illegible] اور لہراتی پلکوں والی خوابیدہ آنکھیں خوب ہی تھکتی رہ جاتی ہیں [illegible] ساز کی ایک نگاہ شہر کے شہر الٹ دیتی ہے۔

ان ظالموں کو اپنے شکار کو تڑپا کر کیا مزہ ملتا ہے۔ [illegible] خط کو بھی اس سطر پہ بند کیا تھا ———

"تمہاری ریشمی پلکوں پر بسیار بھرے بوسے کے ساتھ!

——— مدن"

اس نے یوں کیوں نہ لکھ دیا۔

"ریشمی پلکوں سے جھانکتی ہوئی پیاسی آنکھوں پر [illegible] کے ساتھ!"

شاید لوگ چاہتے ہیں کہ کسی کے سینے میں خنجر کی آتار دو اور اسے درد بھی نہ ہو۔ کاش قدرت نے اسے سادگی اور بھولپن کے ساتھ ساتھ بات کرنے کا ڈھنگ بھی عطا کیا ہوتا۔ پھر اس کے مقدر میں کانٹے نہیں پھول ہوتے۔

موسم بہار کے یہی دن تھے جب مدن اس سے ملنے کے لئے [illegible] کے کمرے میں آیا تھا۔ چوتھے سے لان کے چاروں طرف گلاب کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ مدن اور وہ لان میں کرسیاں ڈالے باتیں کر رہے تھے۔ مدن کہتے کہتے [illegible] کہنے لگا۔

"اندو! چہرے کو آنچل سے چھپا لو۔ گلاب کھل کر [illegible]" جب اس نے اٹھ کر جانا چاہا تو وہ کہنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ اندو! سفیدے کے پودے شرم سے جھک جاتے ہیں!"

مدن بات سے بات پیدا کرتا جا رہا تھا اور وہ مسکراتی اور شرماتی چلی جا رہی تھی۔ اندو کے لئے مدن ایک موتی تھا جسے وہ اپنی مٹھی میں چھپا لینا چاہتی تھی۔ کوئی سانس بھی ایسی نہ لینا چاہتی تھی جس سے اس موتی کو ٹھیس لگے یا اس کی آب کم ہو جائے۔ مدن سے باتیں کرتے کرتے اسے خیال آیا پیار [illegible] سمجھتا ہے نہ پیٹ! اور وہ اٹھ کر چائے بنانے کے لئے اپنے کمرے میں [illegible] وہ سر سے پاؤں تک پیار کے نشے میں نہائی ہوئی تھی۔ جیسے مدن نے [illegible] اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ رکھا ہو۔ [illegible] پانی میں چائے کی پتی [illegible] دودھ نہیں ہے۔ وہ ریتا کے کمرے میں دودھ لینے کے لئے گئی۔

"دودھ ہے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ یہ شہزادہ کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو!" اور اندو حسبِ عادت شرما کر [illegible]

"اچھا تو ہم سے چھپاتی ہو؟" ریتا نے اندو کے گال پر [illegible]

جس سے اندو کا رنگ اور بھی تمتما اُٹھا۔

پھر ریتا نے وہ لال گلاس اندو کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہنے لگی۔

"جاؤ تم اُن سے باتیں کرو۔ تنہائی کی گھڑیاں روز روز کب نصیب ہوتی ہیں۔ میں تمھارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

لاجونتی کی طرح سمٹی ہوئی اندو لاؤن میں لوٹ آئی۔ تھوڑی دیر بعد ریتا اُن دونوں کو چائے کے لئے بُلا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ چائے بہت اچھی تھی۔ لیکن ماحول اُس سے بھی پُر لطف تھا۔ دو حسین پریاں راجہ اندر کے دربار میں جلوہ فرما تھیں۔ ایک مُسکراہٹوں سے جادو جگا رہی تھی تو دُوسری کی شوخیاں اور بے باک قہقہے فضا پر چھائے ہوئے تھے۔

مدن انھیں دنوں یورپ کے دَورے سے لَوٹا تھا۔ وہ اپنی سیاحت کی داستانیں سُنا سُنا کر اُن دونوں کو محوِ حیرت کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اندو مدن کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ لیکن ریتا نے اُن سے وعدہ لے لیا کہ وہ دوپہر کا کھانا ریتا کے ہاں ہی کھائیں گے۔

کہتے ہیں مرد مجنوں ہوتے ہیں۔ کہیں کوئی اچھا چہرہ دیکھا تو ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ لیکن لڑکیاں کیا کم ہیں۔ اِس پگلی ریتا سے پُوچھو۔ مدن مجھ سے ملنے آیا ہے۔ ہم نہ جانے پیار کے کون سے نغمے گا رہے ہیں۔ لیکن ریتا اِن نغموں کی آواز ہی میں دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کھانا بناتے بناتے ہاتھ کی اُنگلیاں ہی جلا بیٹھی۔ ہو سکتا ہے دو پریمیوں کو پیار کرتے ہوئے دیکھنے میں بھی کوئی خاص لُطف ہو۔ میں تو محبت کے اِس نشے میں ایسی سرشار ہوئی کہ صبح بال دھوئے تھے، شام تک اتنا ہوش نہ رہا کہ انھیں لپیٹ کر جوڑا ہی باندھ لوں۔ لیکن پگلی تو کس خوشی میں اُنگلیاں جلا بیٹھی ہے! یہ عورت ذات ہی کی کمزوری ہے یا کچھ مرد ہی ایسے جادوگر ہوتے ہیں کہ ہوش میں آنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

شام کی چائے اُس نے اپنے کمرے ہی میں بنائی۔ ریتا اور مدن میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اندو کے سیاہی مائل سُنہرے بال سٹوو پر جھک رہے تھے۔ مدن اُٹھا اور اپنے ہاتھوں سے اُس کے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے کہنے لگا۔

"اندو! انھیں حفاظت سے رکھا کرو۔ ایسا ریشم دُنیا کے کسی اور خطّے میں پیدا نہیں ہوتا۔"

مدن کی بات پر وہ شرما کر دوہری ہو گئی۔ سارے جسم پر پسینے کی تہہ اُبھر آئی۔ ریتا مُنہ میں اُنگلی ڈالے اُسے رشک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ریتا وہاں نہ ہوتی تو مدن کا دیوانہ پن نہ جانے کیا کرتا۔ اب بھی جب کبھی وہ اُس دن کو یاد کرتی تو کیف و سرور میں ڈوب جاتی۔ زندگی کے حسین لمحات کی یاد بھی کتنی سُہانی اور جاوداں ہوتی ہے۔

ریتا اور وہ دونوں مدن کو الوداع کہنے کے لئے کالج کے احاطے سے باہر کھڑی مدن کی کار تک گئیں۔

واپس ہوتے ہوئے اندو کو مدن کی اور اپنی محبت کی داستان کے کچھ ٹکڑے ریتا کو سُنانے ہی پڑے۔ وہ کہتی گئی۔

"دو برس ہوئے سرینگر میں مدن سے مُلاقات ہوئی تھی۔ میں وہاں اپنے والد اور والدہ کے ساتھ ایک ہاؤس بوٹ میں ٹھہری ہوئی تھی ۔۔۔ ہمارے ہاؤس بوٹ کے ساتھ ہی کنارے ایک اور ہاؤس بوٹ میں مدن اور اُس کی والدہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن پھول بیچنے والے کی کشتی آئی تو میں بھی پھول خریدنے کے لئے باہر نکلی۔ مدن پھول والے سے پھول لے رہا تھا۔ میں اُسے دیکھ کر جھینپ سی گئی۔ وہ مجھے بہت دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ میں نے پھول لئے اور اندر چلی گئی۔ ایسی گھبرائی کہ پیسے دینا ہی بھول گئی۔ دُوسرے دن پھول والی نے بتایا کہ پیسے اُن بابو جی نے دے دئے تھے۔

میں انتہائی بُزدل ہوں۔ کسی سے محبت کے خیال ہی سے کانپنے لگتی ہوں۔ پھر بھی نہ جانے میرا دل کیوں چاہتا تھا کہ دروازے کا پردہ ہٹا کر اُس ہاؤس بوٹ کی طرف دیکھتی رہوں۔ پھول بیچنے والی کی کشتی روز آتی اور ہم روز پھول لینے کی بجائے ایک دُوسرے کو دیکھتے رہیں۔

پانچویں دن ہم شہر کے ایک اسٹور میں ملے۔ سب کا تعارف ہُوا۔ میرے پتا جی نے انھیں اپنے ہاؤس بوٹ میں مدعو کیا اور پھر یہ مُلاقاتیں روز ہونے لگیں۔

مدن کے عجیب و غریب شوق تھے۔ جنگلوں میں گھوڑے دوڑانا، آدھی رات کو پہاڑوں پر چڑھنا، صبح سویرے ٹھنڈے پانی میں تیرنے لگنا۔ وہ لوگ پشاور کے تھے اور مُلک کی تقسیم کے بعد الہ آباد میں آکر بس گئے تھے۔ کہاں الہ آباد اور کہاں سری نگر! وہ اِس سیاحت میں زیادہ سے زیادہ لُطف اندوز ہو کر لَوٹنا چاہتا تھا۔

میں ایک دو بار مدن کے ساتھ شاپنگ کے لئے بھی گئی۔ وہ میرے بہت قریب ہو کر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ جیسے کوئی گھبرایا ہُوا بچہ کسی دیوار کے ساتھ لگ کر سہارے کی تلاش کر رہا ہو۔ لیکن اِس بھیڑ بھاڑ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی نظریں کسی کو تلاش کر رہی ہوں۔ یا کسی بچے کا کھلونا گُم ہو گیا ہو اور وہ ایک ایسا سہارا لئے اُسے تلاش کر رہا ہو کہ کہیں وہ اِس تلاش میں خود ہی گُم نہ ہو جائے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو اندو!" ریتا نے اُس کے خشک بالوں سمیت اُس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا اور آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی تھی۔

پیار کی اس داستان کی ایک ایک سطر پڑھنے پر تلی ہوئی تھی۔ دونوں آکر لان کی گھاس پر بیٹھ گئیں۔ وہ اپنی ناگ جیسی چوٹی سے کھیل رہی تھی اور اندو سر جھکائے سُنا رہی تھی۔

"ریتا! ایک شام ہم کشمیر ایمپوریم میں گئے۔ میں ریشمی ساڑیاں دیکھ رہی تھی کہ مدن کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔

'وہ رہی وہ!'

میں کچھ نہ سمجھ سکی۔ لیکن مدن میرا ہاتھ چھوڑ کر ایکدم کیش کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ وہاں صندلی رنگ کی ایک طویل قامت لڑکی ہماری طرف پُشت کئے کھڑی تھی۔ کیا متناسب جسم اور باوقار شخصیت تھی اُس کی! اُس نے لمبے بالوں کا ایک بڑا سا جُوڑا سر پر باندھ رکھا تھا۔ جو کھُل جاتا تو قیامت کے کئی راز کھُل جاتے۔ میں بھی مدن کی طرف بڑھی۔ لیکن مجھے اُس کے پاس جانے کی ہمّت نہ ہوئی۔ نہ جانے مدن نے اُس کا فرادا سے کیا کہا کہ وہ زخمی ناگن کی طرح اُس پر جھپٹ پڑی۔ میں تو بس اِتنا ہی سُن سکی: "کون ہو تم؟ میں نہیں جانتی تمھیں!" اور دو چار گالیاں۔ پھر اُس لڑکی کے ساتھ ایک محافظ نے مدن کو دھکّے مار کر ایمپوریم سے باہر نکال دیا۔

میں نے باہر جاکر مدن کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بالکل نِڈھال اور پاگل سا ہو رہا تھا۔ ہم ایک ریستوران کے ایک اندھیرے گوشے میں جا بیٹھے۔ مدن نے میرے ہاتھوں میں اپنے مُنہ کو چھپا لیا۔ اُس کا دل ریزہ ریزہ ہو کر آنکھوں کی راہ سے میری ہتھیلیوں میں چلا آ رہا تھا۔ اُس کے لئے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔

ریتا! اِس طویل قامت قیامت کا نام امیتا بنرجی تھا۔ وہ الہ آباد کے ایک جج کی لڑکی تھی۔ مدن کے ساتھ پڑھتی رہی تھی۔ ایک شمع تھی جس نے مدن کے دل و دماغ میں پیار کی آگ روشن کی۔ ایک مُورتی تھی جس کی دہلیز پر مدن نے سر رکھ دیا۔

مدن نے امیتا کو دل کے نہاں خانوں میں بسا لیا تھا۔ امیتا بھی اُس کے قریب آگئی تھی۔ لیکن جس قُربت کا مدن خواہش مند تھا، وہ امیتا کو منظور نہ تھا۔ مدن امیتا کے تعاقب ہی میں سرِی نگر گیا۔ لیکن اُس دن حُسن کے ہاتھوں پیار کی جو رُسوائی ہوئی وہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اِس پر بھی مدن کیسے جا رہا تھا۔

'اندو لبے شک تم نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ بے شک امیتا نے آج سر پا اندھیرے سے بھری ہیں۔ پھر بھی اُس کی شخصیت کی کشش ہمیشہ اُسی طرح رہے گی۔'

زخم تازہ تھا۔ میں کبھی تھی وقت پاکر مندمل ہو جائے گا اور ہی ہوا۔ اب مدن اپنا بیشتر وقت میرے ساتھ گزارنے لگا۔ وہ کہتا: امیتا میری بھول تھی۔ میں نے پتھر کو ہیرا سمجھ لیا تھا۔

میں من ہی من میں پھُولی نہیں سماتی تھی۔ میرے پتا جی بھی مدن سے بہت خوش تھے اور جب ہم چھٹیاں گزار کر جُدا ہوئے تو بہت سے عہد و پیمان ہو چکے تھے۔ مدن کمپنی کے کام سے یورپ چلا گیا۔ لیکن اُس کے خطوں کا تانتا بندھ گیا۔ جیسے کوئی پرندہ آشیانے سے گِر گیا ہو اور تڑپ تڑپ کر پھر وہاں لوٹ جانا چاہتا ہو۔"

اِندرا نے ریتا کو یہ بھی بتایا کہ مدن کی طبیعت شور و غُل اور ہنگاموں کو کتنا پسند کرتی ہے۔ آج بھی وہ یہی چاہتا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ شہر میں گھومنے چلے۔ کیونکہ وہ رات کو کلکتہ جا رہا تھا۔ لیکن اِندرا سادہ سی لڑکی تھی دھیمے دھیمے بہنے والی ندی جس میں جذبات کے سیلاب نہیں آتے۔ وہ کہتی: "میں اِس اُچھل کود اور ہنگامے میں شامل نہیں ہونا چاہتی۔ جب شادی ہو جائے گی تو مُلازمت چھوڑ دوں گی۔ پھر جو اُس کی مرضی ہوگی اُس کے مطابق کروں گی۔ وہ یورپ سے کئی عجیب و غریب تحفے میرے لئے لایا تھا جنھیں کوئی بھی کنواری لڑکی دیکھے تو شرما جائے۔ بھلا میں اُنھیں یہاں کیسے رکھ سکتی تھی۔ ہاں ایک انگوٹھی میں نے ضرور لے لی۔"

"دکھاؤ تو" چُلبلی ریتا نے اشتیاق سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگی۔

"بڑی خوش قسمت ہو اندو! ایک ہزار سے کیا کم ہوگی!"

اِتنے میں کالج کی پرنسپل اُدھر آ گئیں۔ وہ دونوں اُٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ پھر ریتا سے کبھی اِس موضوع پر بات نہ ہوئی۔ محبت ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اِس کی خوشبو جگہ جگہ بکھیرتے پھرنا کہاں کی شرافت ہے۔

اِس سال سردیوں میں مدن کفری کے برف کے میدانوں میں سکیٹنگ کے لئے شملہ گیا تھا۔ کالج بند تھا۔ اِندرا چھٹیوں میں گھر چلی گئی تھی۔ آخر اُس کے خط ہی سے پتہ چلا کہ وہ شملہ گیا تھا۔ خط پہلے مِل جاتا جب بھی شاید وہ اُس کے ساتھ نہ جا سکتی۔ والدین کی اجازت کے بغیر یہ بے عنان آزادی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کیا لڑکی ساتھ نہ ہو تو برف پر پھسلنے کا مزہ نہیں آتا؟ وہ سوچنے لگی۔ شادی کے بعد اِس مُنہ زور گھوڑے کو سنبھالنے کے لئے کتنی کوشش کرنی ہوگی۔

پھر اُس نے جیسے بے بسی سے خط الماری میں رکھ دیا

اور وہ ملا جو دیر تک پڑھتا رہا تھا۔ ایک ایک سطر سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ہتھوڑا لے کر اس کے جسم کا ایک ایک انگ کوٹ رہا ہے جیسے گھوڑ سوار اُس جسم کو روندتے چلے جا رہے ہیں۔ اُس کا دماغ معطل ہو رہا تھا۔ اُسے صرف خط کی یہی سطر یاد تھی ——

"معاف کرنا اندو! الفت میں ریتا نے میرے حلق میں ایسا کانٹا پھنسایا ہے جس سے میں ساری زندگی نہ نکل سکوں گا۔ میں تمہارے قابل نہیں۔ لیکن تمہارے نقوش ہمیشہ میرے سپنوں کو سجائے رکھیں گے"

اِندو نے ایک سرد آہ بھر کر ساڑی کے آنچل سے آنسو پونچھے اور زیرِ لب کہنے لگی۔

"میں کلاس سے ناحق ناراض ہو کر چلی آئی۔ تم نے غلط جواب نہیں دیا تھا —— لڑائی نہ لاہور میں لڑی جا سکتی تھی نہ لکھنؤ میں۔ اِس لئے پانی پت کی لڑائی پانی پت ہی میں لڑی گئی!!"

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ یا پوسٹ کارڈ بھیجئے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ (مدیر بیسویں صدی)

غزل

ارشد صدیقی ایم۔ اے

سحر کے گیت سناؤ کہ رات کٹ جائے
نئے چراغ جلاؤ کہ رات کٹ جائے

اُٹھاؤ جام اُٹھاؤ کہ رات کٹ جائے
یہ آفتاب ہی لاؤ کہ رات کٹ جائے

ستارو تم نے تو دیکھی ہے وقت کی رفتار
نہیں کچھ اپنی سناؤ کہ رات کٹ جائے

اگر حیات پہ تاریکیوں کے پہرے ہیں
تو داغِ دل ہی جلاؤ کہ رات کٹ جائے

بنا کے عارض و گیسو کو زیست سا عنوان
کوئی فسانہ سناؤ کہ رات کٹ جائے

ان آنسوؤں سے تو صبحیں نکھر نہیں سکتیں
ستارے توڑ کے لاؤ کہ رات کٹ جائے

اُبھر رہی ہے فضاؤں میں تیرگی ارشد
دلوں کی شمعیں جلاؤ کہ رات کٹ جائے

غزل

پروفیسر اختر نظمی ایم۔ اے

اُن سے اب نامہ و پیام نہیں
حد تو یہ ہے دُعا سلام نہیں

تم نے جس نام سے پکارا ہے
اتفاقاً وہ میرا نام نہیں

صحنِ گلشن میں جا کے دیکھ لیا
گُل تو ہیں تازگی کا نام نہیں

قدر ہے آدمی کی دُنیا میں
آدمیت کا احترام نہیں

ہے تو میری طرف ہی روئے سخن
وہ مگر مجھ سے ہم کلام نہیں

اِک نظر دیکھنا ہی مقصد ہے
آپ سے اور کوئی کام نہیں

شجرِ سایہ دار بن جائے
وہ مسافر جو تیز گام نہیں



اِسی چائے سے مجھے چاہ ہے
رچبرو ہی بہترین مزے والی چائے ہے۔
اچھی اور گاڑھی اور تیز۔ رچبرو کے ہر ایک
پیکٹ سے آپ زیادہ تعداد میں پیالی پر پیالی چائے کا لطف
اُٹھاتے چلے جاتے ہیں۔ یہی وہ چائے ہے جو مہذب گھروں
میں چائے نوشی کے ذوق میں چار چاند لگا رہی ہے۔
LIPTON'S
RICHBRU
تیز اور مزیدار چائے

بارِ گراں

مس صفیہ سُلطانہ ایم۔ اے، بی۔ ایڈ

معرفت قاری عبد الخالق صاحب، محلہ شیرازاں۔ سہارنپور

مکرم و معظم! خلوص و آداب

گرامی نامہ ملا۔ اپنے افسانوں کے بارے میں آپ کی گراں قدر رائے جان کر مسرت ہوئی ــــ "دراور دیوانے" کی اشاعت پر ابھی تک قارئین کے تعریفی خطوط مل رہے ہیں۔ اِس سلسلہ میں "بیسویں صدی" میں لکھنے والے کچھ ساتھیوں کے خطوط بھی ملے ہیں۔ میں ان سب ہی ملکی اور غیر ملکی کرم فرماؤں کی شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے افسانوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے ــــ ایک نیا افسانہ "بارِ گراں" پیشِ خدمت ہے حسبِ معمول ایک نئے Topic پر یہ کہانی لکھی ہے۔ اُمید ہے کہ آپ "بیسویں صدی" کے صفحات پر جگہ دے کر ممنون فرمائیں گے ــــ ایک خوش خبری یہ ہے کہ میں نے انگلش لٹریچر میں ایم۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن سے پاس کر لیا ہے اور دوسری خوش خبری یہ ہے کہ ایک مقامی کالج میں انگلش لکچرر کی پوسٹ پر میرا تقرر ہو گیا ہے . . .

مخلص ــــ صفیہ سُلطانہ

★

سیما بہت محویت سے دیوار پر لگی ہوئی میرا کی تصویر دیکھ رہی تھی تصویر [illegible] نقش بہت واضح تھا۔ میرا کے شانوں پر بکھرے ہوئے بال۔ نازک سی انگلیوں [illegible] تھاما ہوا اِک تارا۔ جھکی پلکیں اور چہرے پر پڑی ہوئی بھکتی کی خوبصورت [illegible]۔

ترنّم آہستہ سے سیما کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اُس کی نگاہیں سیما کی [illegible] کے ساتھ مِل کر تصویر پر ٹک گئیں۔ پھر چہرے پر واپس چلی آئیں۔ سیما کے [illegible] لات کی دھند سی بکھری ہوئی [illegible]

[illegible] کچھ رہی ہو؟" ترنّم نے پوچھا۔

[illegible] سیما کی محویت ختم ہو گئی۔

[illegible] دن اِس تصویر کو نظر لگا دو گی۔ تصویر دیکھ کر آخر کیا سوچا [illegible]

[illegible] میرا کی [illegible] یاد آ گیا ہے میرے ذہن میں کئی سوال [illegible] اِس تصویر [illegible] چڑھنے لگے ہیں اِن سے

پوچھوں "میرا جی! پتھر کے دیوتا نے کیا سچ مچ تمہیں ایک محبوب کا پیار دے دیا تھا؟ گِردھر گوپال کی شرن میں آکر کیا تمہاری تشنہ آرزوؤں کی تکمیل ہو گئی تھی؟ تمہاری مچلتی ہوئی جوانی کو انسان کی شناسائی ہوئی بانہوں کی بجائے بھگوان کے یخ بستہ قدموں میں کیا واقعی قرار آ گیا تھا؟ بھکتی کی چتا میں جل کر کیا تمہارے من کو حقیقت میں شانتی مِل گئی تھی . . ؟"

سیما نہاں مرشر، ہو کر ترنّم کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

ترنّم نے کہا "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میرا کو بھگوان کی بھکتی میں سکون نہ ملا ہو گا؟"

سیما تصویر کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "سکون بہت نایاب [illegible] ترنّم! وقتی طور پر انسان اپنے آپ کو دھوکا دے سکتا ہے۔ لیکن ہمیشہ [illegible] نہیں۔ میرا ساری زندگی پرچھائیوں سے کھیل کر اپنے آپ کو دھوکا دیتی رہی۔ لیکن [illegible] کہ آخری لمحوں میں میرا کو زندگی کے کھو کھلے پن کا احساس بہت گہرا ہوا ہو گا۔ زندگی کے قیمتی لمحے اُسے اپنے سامنے کھوئے [illegible]

بجھے ہوئے نظر آتے ہیں گے۔"

"لیکن یہ تو ماننا پڑے گا کہ میرا نے اپنی زندگی کا ایک واضح مقصد بنا لیا تھا اور اسی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔" تزئین نے کہا۔

سیما کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ جل کر بجھ گئی۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"مقصدِ زیست ہے کیا، کون بتائے اے دوست!
ہم نے دیکھا بھی تو کیا دیکھا ہے اِس جینے میں
عمر کٹتی ہے تمناؤں کی تشکیل میں کچھ
اور کچھ اپنی تمنا کا کفن سینے میں"

تزئین کے چہرے پر تاثرات کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔ پھر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ایک دن فری پیریڈ میں سیما نے تزئین سے پوچھا۔ "تزئین تمھیں ہر وقت ایسا تو نہیں محسوس ہوتا جیسے تمھارا کچھ کھو گیا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر مجھے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری کوئی بہت قیمتی چیز کھو گئی ہے۔ جیسے میں کہیں کچھ رکھ کر بھول گئی ہوں۔ جیسے کوئی بہت اچھا شعر مجھے یاد آتے آتے رہ گیا ہے۔ اِس طرح میرے ذہن کو تکلیف دہ جھٹکے لگتے رہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے تزئین...؟"

"ہو سکتا ہے تمھاری کوئی قیمتی چیز کبھی کھو گئی ہو اور تمھارے لاشعور میں وہی احساس ابھی تک موجود ہو۔"

"ناممکن۔ مجھے زندگی میں کوئی ایسی قیمتی چیز ملی ہی نہیں جس کے کھونے کا مجھے افسوس ہو۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ کبھی تمھیں کسی کو اپنانے کی خواہش ہوتی ہے یا پھر...؟"

"بالکل نہیں! میں نے کبھی اِس سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں اور نہ مجھے کبھی کسی کو اپنانے کی خواہش ہوئی۔ یہ بات میں ادنسٹی کی بنا رہی ہوں۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟"

"پتہ نہیں کیا مصیبت ہے؟ اگر میری ذہنی حالت کا کسی کو اندازہ ہو جائے تو وہ مجھے پاگل ہی سمجھنے لگے۔ ذرا ذرا سی بات پر میرے [illegible] لگنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر بلیک بورڈ پر چاک چلنے کی تیز سیٹی جیسی آواز مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔"

"کسی چیز کے کرش ہونے کی آواز تو بُری لگتی ہی ہے۔"

"کیا اتنی زیادہ بُری لگتی ہے کہ تم بلیک بورڈ پر کوئی تھیورم لکھ رہی ہو اور چاک خراب ہونے کی وجہ سے رگڑ کی تیز آواز پیدا ہو تو تم پروفیسر کی موجودگی کی پروا کئے بغیر کلاس چھوڑ کر باہر چلی جاؤ؟"

"ایسا تو نہیں ہوتا۔"

"ایسے موقعوں پر مجھے عجیب سی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ کچھ ایسی تکلیف جیسے اچانک انگاروں پر پیر پڑ جائے۔ جیسے بہت تیز روشنی اچانک آنکھوں پر پڑ جائے، جیسے انگلی میں اچانک سوئی چبھ جائے۔"

"تمھیں کسی سائیکولوجسٹ سے ملنا چاہئے۔"

"سائیکولوجی میرا من پسند سبجکٹ رہا ہے۔ میں نے بہوتیں سائیکولوجی کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ لیکن مجھے کہیں بھی اپنی پریشانی کا حل نہیں ملا۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے میں ڈرنک کرنا شروع کر دوں۔"

"کیا تم ڈرنک کرو گی؟ تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟"

سیما ہنسنے لگی جیسے آخری بازی ہارنے پر جواری ہنستا ہے۔ پھر بولی۔

"تزئین! میں نے بہت اونچا اُٹھ کر دیکھ لیا ہے۔ اتنا اونچا جتنا ایک آدمی کے لئے اُٹھنا ناممکن ہے۔ اِس کے باوجود مجھے سکون نہ مل سکا۔ اب میں پستی میں گر کر دیکھوں گی۔ شاید اسی طرح میری روح کے اندھیرے دُور ہو جائیں۔"

"گرنے سے تو چوٹیں اور گہری ہو جائیں گی۔ پھر تمھیں گرنے ہی کون دے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمارے گرد کتنے دائرے ہیں، کتنے جال تنے ہوئے ہیں۔ کوئی گرنا بھی چاہے تو کسی جال میں اٹک کر رہ جائے گا۔ اِس ماحول [illegible] کوشش کرنا بھی بہت مشکل ہے!"

"پھر [illegible] ارادہ ہے؟"

"میں اس ماحول سے نکل کر دُور چلی جاؤں گی۔ کہیں بہت دُور۔ جہاں مجھے کوئی نہ جانتا ہو گا، کوئی نہ پہچانتا ہو گا!"

"میں نے تمھیں کئی بار ایک خوبصورت مشورہ دیا ہے کیا تمھیں یاد ہے؟"

"وہ مشورہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ اتنی پابندیاں، اتنی ذمہ داریاں کیسے برداشت کر سکتی ہوں؟ اس کے تصور ہی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے انھیں پابندیوں میں کہیں تمھیں سکون کہیں مل جائے۔"

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ عورت [illegible] ہی ازدواجی زندگی [illegible]

...جب شن کا دم گھٹنے لگتا ہے تو انھیں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر ایک دن مرجاتی ہے... نہ بابا! اتنی بڑی رسک میں ہرگز نہیں لے سکتی!"

اُسی وقت دُوسری لڑکیوں کے آجانے سے گفتگو کا موضوع بدل گیا۔

کچھ ماہ بعد ایک دُور دراز ہل اسٹیشن پر سیما ایک خوبرو نوجوان لارنس کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ تزئین سیما کی بڑھتی ہوئی بے راہ روی کو دُکھ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ لارنس نے قریب آکر سیما کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ سیما نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس کے برعکس تزئین نے سیما کی آنکھوں میں اپنے لئے اُلجھن کے آثار دیکھے۔ تزئین کے دُکھ میں شرمندگی بھی شامل ہوگئی۔ اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ سیما اُسے یہاں لاکر اس طرح آنکھیں پھیر لے گی۔ تزئین نے فیصلہ کیا کہ وہ سیما کے ساتھ گھومنے نہیں جائے گی۔

دُوسرے روز جب لارنس سج دھج کر سیما کو لینے کے لئے آیا تو تزئین نے سر درد کا بہانہ کرکے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ سیما رسمی اصرار کے بعد لارنس کے ساتھ گھومنے چلی گئی۔ تزئین وہیں لیٹ کر اُن کا انتظار کرنے لگی۔

شام ڈھلے دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی۔ تزئین نے دیوار کی طرف کروٹ بدل لی۔ سیما نے اندر آکر تزئین کو دھیرے سے پکارا۔ مگر اُس نے جواب نہیں دیا۔

لارنس نے کہا: "سونے دو۔ اُن کے سر میں درد ہے۔۔"

لارنس کی ہمدردی پر تزئین سُلگ اُٹھی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔ کچھ منٹ تک گہری خاموشی رہی۔ پھر وہ دونوں ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔

تزئین کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر تیزی سے اُٹھی اور برابر والے کمرے میں داخل ہوگئی۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی تزئین نے جو منظر دیکھا وہ اُس کی توقع سے کہیں زیادہ نفرت انگیز تھا۔ تزئین غصّہ سے پیر پٹختی ہوئی دُوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔ لارنس تزئین کی غیر متوقع مداخلت سے شرمندہ ہوکر باہر چلا گیا۔

تزئین کے کمرے میں [illegible] کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں سُن کر سیما وہاں چلی آئی۔ اُس کا چہرہ چراغ کی طرح بُجھا ہُوا تھا۔ اُس نے دیکھا تزئین جلدی جلدی سامان پیک کر رہی ہے۔

سیما کچھ دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"اپنے گھر۔۔"

"اِس وقت تو کوئی بس نہ ملے گی۔"

"صبح تو مل جائے گی۔۔"

"اچھا تو ایسا کرو۔ میرا سامان بھی پیک کر دو۔"

"ابھی تو تم لائف کو انجوائے کرنا سیکھ رہی ہو۔ ابھی واپس جانے کی کیا ضرورت ہے!"

سیما کے چہرہ پر دھندلی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ جیسے بُجھے ہوئے دیئے کا دھواں دیوار پر بکھر جاتا ہے۔ وہ بہت دُکھ سے بولی۔

"تم تو ایسا نہ کہو تزئین۔۔۔ ! پھر تم میں اور دُنیا والوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔۔۔؟"

تزئین اُسے اُٹھانے کے لئے سیما کے قریب آگئی تھی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔

"کیا تم نے شراب پی ہے؟"

سیما نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا: "پی ہی نہیں گئی۔ بہت کڑوی تھی، میں نے تھوک دی!"

تزئین کے جسم میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ وہ نڈھال سی ہوکر بستر پر بیٹھ گئی۔

"مجھے گرتے ہوئے دیکھ کر تمھیں بہت دُکھ ہُوا ہے نا۔۔ دُکھ تو مجھے بھی ہوتا ہے۔۔ لیکن کیا کروں۔۔۔ اب سنبھلا نہیں جاتا۔ سنبھلنے کی تاب ہی نہیں رہی۔ مجھے گرنے دو تزئین۔۔ مجھے مت اُٹھاؤ۔۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!"

تزئین نے جُھرجُھری لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

بہت دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سیما ہی نے سکوت توڑا۔

"لارنس کے قریب آکر مجھے عجیب سا احساس ہُوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل ٹھہر سا گیا تھا۔ میں اپنا دُکھ بھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔ لیکن تم اُسے پسند نہیں کرتیں۔۔۔ اچھی بات ہے۔ اب میں اُس سے نہ ملوں گی۔۔۔!"

تزئین سنبھل کر بیٹھ گئی اور بولی: "مجھے غلط نہ سمجھو سیما! تمھاری خوشیاں مجھے تم سے زیادہ عزیز ہیں۔ پھر بھی میں یہ نہیں چاہتی کہ ایک لمحہ کی خوشی کے بدلے میں تمھیں کسی دن اپنی زندگی کی قربانی دینی پڑے۔ تم لارنس سے شادی کر لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

سیما کھوئی کھوئی سی نگاہوں سے تزئین کو دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صبح کو چائے پیتے ہوئے تزئین نے نوٹ کیا، سیما کے چہرے پر بے خوابی کے آثار تھے۔ اس کی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیر رہے تھے۔ چہرے پر خمار تھا۔ تزئین کی نگاہوں کو محسوس کر کے سیما نے کہا: "میں تمام رات نہ سو سکی۔"

تزئین خاموشی سے چائے سِپ کرتی رہی۔

"کیا ابھی تک ناراض ہو؟"

"مجھے ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اچھا تو خوش ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا تم لارنس سے شادی کر رہی ہو؟" تزئین نے چائے کا کپ ہاتھ سے رکھ دیا۔

"لارنس نے میرے سامنے اس طرح کا پروپوزل کبھی نہیں رکھا۔"

"پھر؟"

"میری نظر میں اس وقت چار کنڈیڈیٹ ہیں۔ ناصر، امان، انجم اور راحت۔ تم بتاؤ کون مناسب رہے گا؟"

"اچھے تو سب ہی ہیں۔ لیکن انجم زیادہ ہینڈسم ہے۔ میرے خیال میں وہی ٹھیک رہے گا۔"

شادی کے ایک ہفتہ بعد تزئین نے پوچھا۔

"نیا ایکس پیری منٹ تمہیں کیسا لگا سیما؟"

"ٹھیک ہی ہے۔" سیما نے سادگی سے جواب دیا۔

"اب تو تمہاری رُوح کو قرار آ گیا ہوگا؟"

سیما کچھ لمحوں تک خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"سچ پوچھو تو کچھ بھی آن ایکس پیکٹڈ نہ تھا۔ چند لمحوں کے لئے تیز روشنی کا ایک جھماکا... پھر اس کے بعد وہی ازلی تاریکی... رُوح کے پیکر میں سناٹے وہی تشنہ تشنہ سا دل کا ویرانہ... مجھے کہیں سکون نہ ملا تزئین... کبھی کہیں نہ ملا۔

حسرت بدلا ہے مرے ضبط کا معیار، مگر
زندگی پہلے بھی تھی بار گراں، آج بھی ہے"

غیر طلبیدہ مضامین واپس منگوانے کیلئے اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ ضرور بھیجیں
مضامین کی نقل اپنے پاس رکھئے۔ ہم واپسی سے معذور رہیں گے۔ (ایڈیٹر بیسویں صدی)

احساس

شاہین جمالی چپارنی

ذہن ماضی کے خیالات میں سرگرداں ہے
رات خاموش ہے، پھیلی ہوئی تنہائی ہے
دل کے سنسان سے آنگن میں اچانک اے دوست
پھر تری یاد دبے پاؤں چلی آئی ہے

تیری معصوم جوانی کے دل آویز خطوط
تیری تقدیس سراپا کا وہ پُرنور شباب
یاد آتے ہی یہ محسوس ہوا ہے مجھ کو
گلشن دل میں مہک اُٹھے تر و تازہ گلاب

زیست کی دھوپ میں جھلسے ہوئے ہر لمحے کو
بخش دیتی نہ تیری زُلف کی چھاؤں جو حیات
ہوک اُٹھتی تھی جو اک درد جگر کے ہمراہ
لینے دیتی نہ کبھی رنج کے طوفاں سے نجات

چاندنی رات کی پُر کیف فضاؤں میں مرا
تیرے ہمراہ وہ انجان سی منزل کا سفر
دل کی دھڑکن کی ہر اک گام یہ خاموش دُعا
عمر بھر چلتے رہیں ختم نہ ہو راہ گزر

تیری قربت میں گزارے ہوئے رنگیں لمحے
عیش میں غرق وہ ماضی کے حسیں ماہ و سال
پردۂ ذہن پہ رقصاں ہیں مناظر کتنے
کتنے کردار کا مظہر ہے ترا حسنِ خیال

کتنی خوابیدہ تمناؤں نے لی انگڑائی
کتنے بکھرے ہوئے سپنوں کو ملی ہے تعبیر
آج میں خوبیٔ تقدیر پہ اِتراتا ہوں
میری نظروں میں سمٹ آئی ہے تیری تصویر

تُو کہیں اور ترا جسم کہیں ہو لیکن
رُوح مجھ سے تری ہر حال میں وابستہ ہے
مجھ کو اب دوریٔ منزل کا نہیں کوئی گلہ
کیونکہ تُو ہر گھڑی نزدیک دلِ خستہ ہے

جب کبھی دل تلخیٔ حالات سے گھبراتا ہے
غمکدے میں تری یادوں کے جلاتا ہوں دیئے
ایک گنجینۂ عشرت ہے مرے دامن میں
یہ جھمیلے شبِ ہجراں کے، بدلنے کے لئے

زندگی بھر تری یادوں کی رفاقت اے دوست
مجھ کو تنہائی کا ہونے نہیں دے گی احساس
سلسلہ ختم جُدائی کا ہوا آج کے بعد
مجھ سے خوش ہو کے یہ کہتا ہے دلِ رمز شناس

دیکھئے ان کا [illegible]
کس قدر [illegible]
صاف اور [illegible]
نظر آرہا ہے
[illegible]
آپ بھی ایسی
نظر آسکتی ہیں!



آپ کو صرف پونڈز کولڈ کریم اور ۷ روزہ حسن افزا پلان کی ضرورت ہے!

آپ کیا چاہتی ہیں۔ بالکل صاف، ملائم اور خوبصورت چہرہ اور وہ بھی جلد سے جلد تو پونڈز کولڈ کریم کا استعمال یہ سب کچھ آپکو صرف ۷ دنوں میں دے سکتا ہے!

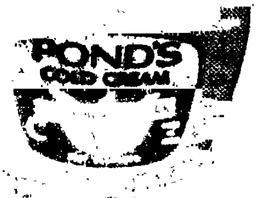
حسن افزا پلان اور اس پہ عمل

ایک ہفتہ تک ہر روز رات کے وقت پونڈز کولڈ کریم دو بار لگایئے۔ پہلی بار اوپری میل اور میک اپ صاف کرنے کے لئے، پھر روئی سے پونچھ ڈالیئے۔

دوبارہ کریم لگایئے۔ دیکھئے حسن کا راز آپ پر کھل گیا نا؟ پونڈز کولڈ کریم مسامات کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی اور چھپا ہوا میل صاف کر دیتی ہے جو پانی اور صابن سے ممکن نہیں ہے۔ اس طرح آپ کا چہرہ بالکل صاف ہو جاتا اور رنگ و روپ نکھر اٹھتا ہے۔

آٹھویں روز جب آپ سو کر اٹھتی ہیں تو آپ کا چہرہ اس قدر صاف، ملائم اور خوبصورت نظر آتا ہے کہ آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

اب یہی عادت بنا لیجئے کہ روزانہ رات کو دو بار پونڈز کولڈ کریم آپ کو استعمال کرنا ہے — ہے نا آپ کی بھی خواہش کہ ہمیشہ آپ کا چہرہ ان کی طرح دیدہ زیب اور شاداب رہے۔



چیزبرو پونڈز انکارپوریٹڈ [illegible]

پونڈز کولڈ کریم۔ جلد کی صفائی کیلئے دنیا کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کریم!

وہ کون تھا؟

عصمت چغتائی

۳۔ ایڈرس کورٹ، اے روڈ، چرچ گیٹ، بمبئی نمبر ۱

جناب خوشتر صاحب! تسلیم

ایک کہانی "وہ کون تھا" بھیج رہی ہوں۔۔۔۔ اُمید ہے آپ بخیر ہوں گے . . .

خاکسار

عصمت چغتائی

قدرت جب ستم ظریفی پر اُتر آئے تو حضرت انسان کا تماشہ بنا دیتی ہے۔

ٹھاکر صاحب ہرنام سنگھ نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ اُنھیں اتنے بڑے امتحان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یا تو اولاد دینے ہی میں خدا نے غفلت کی اور پھر دیے تو ایک دم دو بیٹے! بیٹا تو اُن کے ہاں ایک ہی پیدا ہُوا۔ لیکن ایک سے دو کیسے ہو گئے؟ یہ بھی ایک عجیب و غریب قصّہ ہے۔

ٹھکرائن جب بیاہ کر آئی تھیں تو مشکل سے پندرہ سال کی ہوں گی۔ راجستھانی حُسن و جمال کا اچھوتا مجسمہ! ٹھاکر صاحب اُن سے بارہ سال بڑے تھے۔ خود بھی اکلوتے تھے اور بڑی جائداد کے تنہا وارث۔ پتا کا دیہانت ہو چکا تھا۔ بوڑھی ماتا کو پوتا کھلانے کا بے انتہا ارمان تھا لیکن ساری منتیں مُرادیں مُنہ دیکھتی رہ گئیں۔ ٹھکرائن کی گود نہ بھری۔ اُنھوں نے بیٹے کا دوسرا بیاہ کرنا چاہا۔ لیکن وہ اکڑ گئے۔ ٹھکرائن پر سوت لانے کا وہ خواب بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔

لیکن بیس برس پورے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ خدا کو اُن پر رحم آ گیا۔ بچے کی آمد کی تیاریاں بڑے زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ ماتا جی نے جتنے گہنے اور پوتڑے سلوائے کہ چار بچوں کو پورے پڑ جاتے۔ ایک الگ کمرہ سجایا گیا۔ ہلکا نیلا کمرہ جس کی چھت پر ستارے ٹکے تھے۔ جھاگ جیسے لیس کے پردے اور سفید پنگوڑا جس کے پلنے کے پایوں پر [illegible] نقش تھے اور چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں جڑی تھیں کہ بچہ کروٹ بھی لے تو ٹنٹنا اُٹھیں۔ اُن گھنٹیوں کو کچھ اِس طرح لگایا گیا تھا کہ جب ہلتی تھیں تو ساتوں سُر بجتے تھے اور کچھ ایسی سُریلی آسمانی موسیقی اُبھرتی تھی جیسے فرشتے لوریاں گنگنا رہے ہوں اور بھی طرح طرح کے کھلونے سجائے گئے۔ ماتا جی تو بچے کے کمرے سے ایسے کھیلتی تھیں جیسے بچیاں گڑیوں کے گھر سے کھیلتی ہوں۔ ایک طرف چھوٹی سی میز پر گھٹنیوں چلتے بال کرشن جی سجا دیے گئے۔ اُن کے سامنے چھوٹے چھوٹے دیوں کی قطار رکھی تھی جن میں لَو کی جگہ بلوترا آدھا انچ کا بلب جڑا ہُوا تھا۔

ٹھکرائن کی طبیعت خراب رہتی تھی۔ ماتا جی اُن کے لئے املیاں تڑوا کر کھٹا میٹھا کچومر بنواتیں۔ یہ املی کا پیڑ رحمت مائی کے چھوٹے سے آنگن میں تھا۔ وہ روز گدرائی املیاں توڑ کر رنگ برنگی ٹوکری میں بھر کے دے جاتی۔ خود اُس کی بیٹی کے بھی بال بچہ ہونے والا تھا۔ اُس کا میاں بلوے میں مارا گیا تھا۔ ٹھاکر صاحب نے اپنی کوٹھی کے احاطے میں اُسے پناہ دے دی تھی۔ رحمت مائی کو کچھ کم سُنائی دیتا تھا۔ اُس کی بدنصیب بیٹی صغرا دُنیا سے مُنہ موڑے کھاٹ پر پڑی آنسو بہایا کرتی تھی۔ دن پر دن اُس کی صحت گرتی جا رہی تھی۔

جس وقت ٹھاکر صاحب کے لال نے جنم لیا، کوٹھی کے کونے سے ماتم کی صدا بلند ہوئی۔ صغرا بچہ پیدا ہونے کے دس منٹ بعد چل بسی۔ کوئی دائی بھی بلانے کی نوبت نہ آئی۔ اچانک ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ رحمت مائی کو کچھ سجھائی نہ دیا۔ آنول کیسے کاٹا جائے۔ مہترانی کو اُس نے ہاتھ نہ لگانے دیا۔ ویسے ہی بچہ کو جھولی میں ڈال کے ٹھاکر صاحب کے پاس پہنچی۔ وہ خود بوکھلائے ہوئے تھے۔

"اِسے ڈاکٹرنی کے پاس لے جاؤ۔ نال تو کاٹ دیں کچھ ہو نہ جائے بچے کو!"

اُنھوں نے جلدی سے مائی کو اندر بھیجا۔ ایسے سمے رحمت مائی کا اندر جانا

کو ماتاجی کو اچھا نہ لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ روکتیں رحمت مائی اندر گھس گئی۔
نرس نے بچے کو لے کر تولیہ میں لپیٹا اور میز پر لٹا دیا۔ کیونکہ ادھر مائی نے کمرے میں قدم رکھا ادھر ٹھاکر صاحب کے چاند سے بیٹے نے دنیا میں قدم رکھا۔ بچے کا نال کاٹنے تک نرس نے مائی کے نواسے کا بھی نال کاٹ دیا۔ کیا گول مٹول بچے تھے۔ ڈاکٹرنی نے ٹھاکر صاحب کے بچے کو نہلا کر سفید فراک پہنایا۔ نیپکن باندھ کر اس کی دادی کی گود میں ڈال دیا۔ ان کے آنسو نکل آئے۔ جھٹ ہاتھ سے دس تولہ سونے کے کنگنے اتار کر ڈاکٹرنی کو پہنا دیئے اور پوتے کی بلائیں لینے لگیں۔ ٹھاکر صاحب بھی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

نرس نے ڈاکٹرنی سے کچھ کہا، وہ تیوریاں چڑھا کر جلدی سے اندر گئی۔ ٹھکرائن بچے کو پہلو میں لٹائے مسکرا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹرنی سناٹے میں رہ گئی۔

اور قدرت نے ایک قہقہہ لگایا کیونکہ اس کے بعد بوکھلاہٹوں کا ایک طوفان سارے گھر پر ٹوٹ پڑا۔ ٹھکرائن کہتی تھیں جو بچہ نرس نے ان کی گود میں دیا وہی ان کا سپوت ہے۔

مگر دادی ماں نے جس پوتے کی بلائیں لے کر سونے کے کڑے ڈاکٹرنی کو دیئے تھے وہ اپنے گود والے بچے کو ہی پوتا ماننے پر بضد تھیں۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟ ڈاکٹرنی پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ جو بچہ اس نے ماتاجی کی گود میں دیا وہی ٹھاکر صاحب کا بیٹا ہے۔ لیکن نرس کہتی تھی اسے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے ٹھاکر صاحب کے بچے کو گلابی تولیہ میں لپیٹا تھا اور مائی کا نواسہ فیروزی تولیہ میں لپٹا پڑا تھا۔

"واہ! کیا میں اپنے بچے کو نہ پہچانوں گی؟" ٹھکرائن گلابی فیروزی تولیہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی تھیں اور ان کی گود کا بچہ بالکل باپ پر گیا تھا۔ ہاں ٹھوڑی ماں پر تھی۔

لیکن ٹھاکر صاحب کو دونوں بچے گوشت کی بوٹی کی شکل کے معلوم ہو رہے تھے۔ ماتاجی کہتی تھیں ان کی گود والا بچہ ہی ان کا پوتا ہے کیونکہ اس کی طرف ان کا کلیجہ کھنچ رہا ہے۔

لیکن پھر سب چپ ہو گئے۔ رحمت مائی ستون سے لگی بیٹھی آنکھیں چھپا رہی تھی۔ مسجد سے لوگ بیٹی کا کفن دفن کرنے آئے ہوئے تھے۔ وہ نواسے کو کیا پہچانتی۔ وہ تو خود کو بھولی ہوئی غم کے بوجھ سے دبی جوان بیٹی کی موت کا دھکا سہارنے میں جٹی ہوئی تھی۔

ٹھکرائن نے جب مائی کے نواسے کو دیکھا تو بھونچکی رہ گئیں۔ نہ جانے کیا شروع ہوا کہ رو رو کر ہلکان ہو گئیں۔ لوگ انھیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ٹھیک کہتی ہیں ماتاجی۔ ان کی گود کا بچہ ہی ان کا پوتا ہے۔ ... پہلو سے بچہ اٹھانے لگی تو چیخ اٹھیں۔

پھر سب بالکل بدحواس ہو گئے۔ ٹھکرائن کو ... وہ دونوں بچوں کو سمیٹ کر آڑ گئیں کہ "بھرے تو ... ہم لوگ طوفان جوڑ رہے تھے!"

دوسرے دن ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ سب ہی ... میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ اپنا بچہ بھلا چھپ سکتا ہے۔ خون کی کشش بھی کوئی چیز ہے۔ لیکن جیسے ہی ان کے پاس سے ایک بچہ اٹھایا جاتا وہ اپنا فیصلہ بدل دیتیں۔ ٹھکرائن کی ایسی حالت ہو گئی کہ بڑا ڈاکٹر بلوانا پڑا۔

اور سارے محلے میں خبر پھیل گئی کہ بچے گڈمڈ ہو گئے اور محلے سے بات شہر تک پہنچی۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ: "رحمت مائی حرافہ ہے۔ جان بوجھ کر کھیلا کیا ہے تاکہ اس کا نواسہ عیش کرے اور ... ٹھاکر صاحب کا بچہ بھیک مانگے۔ گھور پاپ ہو جائے گا! ایک ہندو کا بچہ مسلمان کے گھر میں پلے گا۔ سنسکرتی کو ٹھیس لگے گی۔" یہ ایک گروہ کے لوگوں کی رائے تھی۔

دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ٹھاکر صاحب نے جان بوجھ کر گھپلا کیا ہے۔ اس طرح وہ ایک مسلمان بچے کو اپنے قبضہ میں کر لینے پر تلے ہوئے ہیں؟

خوب بحثیں چلیں۔ کئی محلوں میں تناؤ پھیل گیا۔ ایک ہندو لڑکے نے ایک مسلمان کو تھپڑ مار دیا۔

بس جی دو چار چھریاں چلیں۔ خون خرابے ہونے لگے۔ پولیس ناکوں پر ڈٹ گئی۔ بلوے پر قابو پا لیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا ہندو لڑکے نے جسے تھپڑ مارا تھا وہ مسلمان نہیں ہندو ہی تھا۔

"سب جھوٹ!" بلوے میں دلچسپی رکھنے والا گروہ بولا اور بلوہ بڑھ گیا۔ دونوں فرقوں کے جلسے اور میٹنگیں ہونے لگیں۔ وفد افسرِ اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فوراً سپرنٹنڈنٹ صاحب مع سارجنٹوں کے دوڑے آئے۔

"دونوں بچوں کو تصفیہ ہونے تک سرکاری ہسپتال میں بھیج دیجئے۔"

"کیوں جی میں اپنا اکلوتا بچہ خیراتی ہسپتال میں کیوں بھیجوں؟" ٹھاکر صاحب اکڑ گئے۔

لیکن سوال یہ تھا ان کا بچہ کون سا ہے؟

ٹھکرائن نے رو رو کے برا حال کر رکھا تھا۔ کبھی ایک کو چھاتی سے لگاتیں پھر دوسرے کی طرف دل کھنچنے لگتا۔ انھوں نے کہہ دیا ایک بچے کو کیسے ...

ہاتھ لگا یا تو وہ حشر کر دیں گی۔ پولیس میں ہمت ہے کہ بچہ چھین لے جائے!

ظاہر ہے ایسے وقت میں ٹھاکر اِن سے بچہ باندھنا انہیں قتل کرنے کے برابر تھا۔ اُن کا دماغی توازن بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔

ویسے سب ہی کا دماغی توازن ڈگمگا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے برسوں بعد ایک بچہ دیا اور وہ بھی اس کشاکش میں پڑ گیا۔ اُن کی وجہ سے خون خراب ہو رہے ہیں۔ ٹھاکر صاحب حیران و پریشان تھے اور بے بس تھے۔

"بچوں کو ذرا بڑا ہونے دیجئے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں کچھ ناک نقشہ نکل آئے گا، پہچان پڑ جائیں گے" لوگوں نے رائے دی۔

رحمت مائی چوکھٹ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ مہربانی کر کے اُس کا نواسہ دے دیا جائے تو وہ اپنے وطن واپس بھیج لے جا کر کسی آنکھوں والی خدا ترس عورت کی گود میں ڈال دے۔ بے ماں باپ کا بچہ پل تو جائے گا۔ اب وہی دنیا میں اُس کا سب کچھ تھا۔ اکلوتی بیٹی کی آخری نشانی!

اور جب بڑھیا کو حقیقت سمجھانے کی کوشش کی گئی تو وہ پچھاڑیں کھانے لگی۔ مجبوراً ٹھاکر صاحب نے کہا: "رے دو کمبخت کو بچہ کہ پاپ کٹے!"

سوال یہ تھا کون سا بچہ؟

"مجھ اندھی کو کچھ نہیں سوجھتا، تم آنکھوں والوں کے بھی دیدے پھوٹ گئے ؟" رحمت مائی بڑبڑا رہی تھی: "غریب بڑھیا کا ٹیٹوا دبانا ہے تو دوسری بات ہے"

بڑی جھک جھک کے بعد ایک بچے کے حق میں فیصلہ ہوا کہ وہ بڑھیا کا نواسہ ہے۔ لیکن اُس میں ایکدم ماتا جی کو اپنے پتی یعنی بچے کے دادا کی شباہت نظر آنے لگی۔ وہ چھاتی پیٹنے لگیں۔

اب تو رحمت مائی کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اُسے جھانسہ دے رہے ہیں۔ وہ پھوٹ کر رو دی کہ کلیجے ہل گئے۔

ڈرتے ڈرتے پھر دوسرے کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اُسے لے کر رحمت مائی آنگنائی تک مشکل سے گئی ہو گی کہ ٹھکرائن کے دانت بھنچ گئے، مُنہ سے جھاگ جانے لگے۔

"ذرا سوچو تو جسے بڑھیا لے جا رہی ہے، دراصل وہی اُن کا پوت ہے؟ کوئی گارنٹی کر سکتا ہے کہ گتھی واقعی سلجھ گئی۔ فیصلہ ٹھیک ہوا ہے؟

بڑے سوچ بچار کے بعد ٹھاکر صاحب نے رحمت مائی کو سمجھایا۔

"تم بچہ پال تو سکتیں نہیں۔ کسی سے پلواؤ گی۔ مجھے پال لینے دو۔ تم بھی جیسے رہتی تھیں رہو۔ تمہاری نظروں کے سامنے رہے گا" ٹھاکر صاحب جانتے تھے

بچے دونوں نظروں کے سامنے تو رہیں گے۔ لیکن اُن کا بچہ تو کھو گیا۔ وہ آنسے پورے یقین کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔ شک کیسے دُور ہو گا۔ نہیں ایسا بھی کیا ہے۔ بڑے ہو کر صاف پہچانے جائیں گے۔ عادتیں خصلتیں کہاں چھپتی ہیں۔ رحمت مائی چپ چاپ سُنتی رہی۔ پھر بولی۔

"صاف بات ہے ٹھاکر صاحب۔ بچہ آپ کے ہاں پلے گا، آپ کے دھرم پر چلے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حشر کے دن خدا کو کیا مُنہ دکھاؤں گی کہ ایک مومن کا بچہ کافر بنا دیا۔ میری عاقبت خراب ہو جائے گی اور پھر بڑے مولوی صاحب تو جماعت باہر کرنے کو کہتے ہیں۔ میری تو جیتے جی مٹی پلید ہو جائے گی۔ خدا کا واسطہ میرا بچہ مجھے دے دو۔"

"تمہارا بچہ میں دینا چاہوں تب بھی نہیں دے سکتا۔ ہاں اگر تم سوچتی ہو کہ تم اپنا نواسہ پہچان سکتی ہو تو میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں گا۔ میری مشکل بھی وہی ہے جو تمہاری۔ میرے اُوپر بھی لوگ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں میں جان بوجھ کر بن رہا ہوں، مسلمان بچہ ہڑپ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی دولت کی لالچ میں جان کر میں نے یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے۔ آپ کو بیوقوف بنا رہی ہوں۔"

لیکن شہر میں طوفان اُٹھا ہوا تھا۔ اخباروں کے ذریعہ خبر پھیل رہی تھی، ساتھ ساتھ آگ بھی پھیل رہی تھی۔

اِسلام خطرے میں!

ہندو دھرم بھرشٹ ہو رہا ہے!

نعرے لگ رہے تھے۔ مذہبی پارٹیوں سے آگے بڑھ کر بات سیاسی پارٹیوں نے لپک لی تھی اور جلسے ہو رہے تھے، چندے جمع کئے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے پر گندگی اُچھالی جا رہی تھی۔

"اقلیتوں کے ساتھ ناانصافی اور ظلم!"

"مُلک کا بٹوارہ کافی نہیں، اب ہر گھر میں ایجنٹ چھوڑے جا رہے ہیں۔"

"نازیوں کی طرح بچے ملحد بنائے جا رہے ہیں۔"

"یہ سب نکسلائٹ کی کارستانی ہے۔"

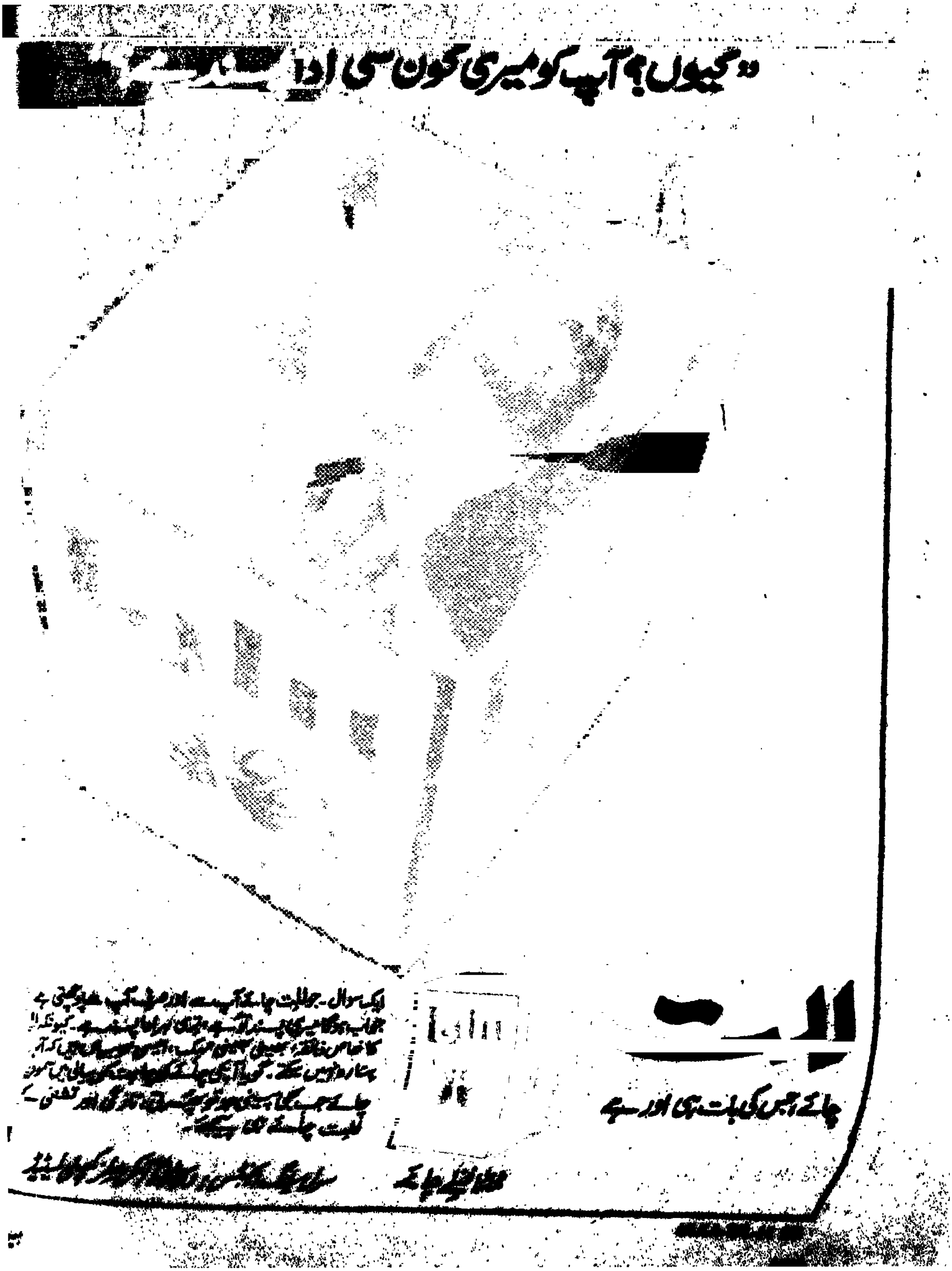
"جمہوریت پر زبردست چوٹ!"

"اِس میں چین کا ہاتھ ہے۔ ہمارے نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے۔"

"سی۔ آئی۔ اے سبوتاژ کر رہا ہے۔"

"گدی چھوڑ دو!"

اور پھر پارٹیوں میں اِس سوال پر جوتے چل گئے۔ پھوٹ پڑنے لگی،



۔۔کیوں؟ آپ کو میری کون سی ادا پسند ہے
چائے جس کی بات ہی اور ہے

بستریوں تک لگنے لگیں۔

اور اگر کبھی لوگ رحمت مائی کو بہکاتے اور وہ غصہ کا قہر بن جاتی۔ نہ اچھی طرح سو پاتے نہ دیکھ پاتے نہ ہاتھ پیر دل پر قابو۔ ایکدم بنگالی کلوٹے پر اُتر آتی کہ ہو گیا اگر ٹھاکر صاحب اُنہیں ایک کے بجائے دونوں بچے دے دینے پر راضی ہو جاتے۔

لیکن جب وہ یہی منطق نہ چھپاتی کہ اپنا نواسہ ہی مل رہا ہے تو غصہ اور جھنجلاہٹ میں آکر جو کسٹ پڑ رہا تھا چھوڑنے لگتی۔

"اللہ رسول کا واسطہ میرا نواسہ مجھے دے دو!" وہ گڑگڑاتی تو سب کے کلیجے موم ہو جاتے۔

ایسا بھی ہوتا لوگوں کا دھیان کسی دوسرے گرماگرم سانحہ کی طرف بٹا ہوا ہوتا اور وہ جلد ہی مسلم بچوں کے سوال کو بھول کر کسی اور سلسلے میں لڑنے جھگڑنے لگتے۔

تب رحمت مائی دعائیں پڑھ پڑھ کر دونوں بچوں پر پھونکتی۔ اللہ پاک سب حساب کتاب جانتا ہے، دعا یقیناً اُن کے نواسے کے کھاتے میں ہی جمع ہو گی۔ انشاء اللہ کوئی خیانت نہ ہو گی۔

ٹھکرائن بھی سب بھول بھال کر بس سیدھی سادی ماں رہ جاتیں۔ اُن کے پیار کے بیلنے دل میں دو سے زیادہ بچوں کے لئے جگہ پڑی تھی۔

بس ماتا جی کی جان عجیب مصیبت میں تھی۔ ویسے تو وہ دونوں ہی بچوں پر اپنی جھکتی ہوئی محبت نچھاور کرنے کو تیار تھیں لیکن ابھی تک اُنھوں نے اپنے پوتے کو بھگوان کے چرنوں میں نہیں ڈالا تھا۔ کیسے ڈالتیں، کہاں تھا اُن کا پوتا؟

اور ٹھاکر صاحب نے کئی بار جیب سے روپیہ نکال کر ٹاس بھی کر دیکھا۔ لیکن دل کو سکون اور یقین نہ ملا۔ روپیہ کا کہا مان کر اُنھوں نے ایک بچہ رحمت مائی کو دے دیا کیا معلوم وہی اُن کا اپنا ہو؟ اُنھیں بلڈ ٹیسٹ پر بھروسہ تھا۔ خون کی جانچ پڑتال ہونے کے بعد ضرور مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اِس لئے بچوں کے ذرا بڑے ہونے کا انتظار تھا۔

اِتنے چھوٹے بچوں کے خون کا ٹیسٹ کروانے کے خیال ہی سے ٹھکرائن طوفان اُٹھا لے لگتیں۔ ویسے سب اُنھیں کو مجرم کہتے تھے۔ ایسی بھی کیا ماں جو بچہ کو نہ پہچان پائے۔ گائے، بکری، کتیا، بلی تک پہچان لیتی ہیں، آپ ہی آپ ماں کو پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن ٹھکرائن اِس بلا کی تھیں جیسے مٹی کا تھودا۔

پہلے تو ماتا جی نے بھی بہو کو ڈانٹا پھٹکارا لیکن جب وہ دھاروں دھار روئیں اور قسمیں کھائیں کہ واقعی وہ خود بہت اُدھیڑ بُن میں لگاتی ہیں لیکن پتہ ہی نہیں چلتا اور نہ کوئی اُمید ہے کہ چل سکے گا۔ بس ان دو میں سے ایک تو اُن کا اپنا ہے ہی۔

اُدھر شہر میں کچھ باقی الیکشن شروع ہو گئے شروع ہو رہے تھے۔ مختلف گروہ [illegible] ہو رہے تھے۔ ان دو بچوں کا سوال پھر سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب کوئی بھی اپنی کارگزاریوں کے بارے میں بھاشن دینے کو کھڑے ہوتے۔ بچوں کے اس المیہ کو درمیان میں ضرور گھسیٹ لاتے اور جو جو تباہ کاریاں ان بچوں کے گڈمڈ ہو جانے سے ظہور میں آ رہی تھیں اُن پر رائے زنی کرتے اور زور و شور سے وعدہ کرتے کہ اگر وہ الیکشن میں جیت گئے تو اس طرح کے خوفناک گھپلے بالکل نہ ہونے پائیں گے کیونکہ وہ اپنے فرقے کے حقوق کی خاطر اپنا خون پسینہ ایک کر دیں گے!

مخالفین بھی چوکنے والے نہ تھے۔ اُنھوں نے ٹھاکر صاحب کی قوم پرستی اور دُوربینی کو سراہا کہ کس ہوشیاری سے اُنھوں نے مخالف فرقے کا بچہ ہتھیا ڈالا۔ اگر ساری قوم میں ایسی ہی جاگرتی پھیل جائے تو ملک کے سارے دلدر دُور ہو جائیں گے۔

اِس بیان پر مسلمانوں میں کہرام مچ گیا۔ اگر اسی طرح مسلم بچوں کا غبن ہوتا رہا تو بہت جلد اسلام کے نام لیوا ختم ہو جائیں گے۔ قومی رہنماؤں کے وفد پر وفد سرکار پر زور ڈالنے کے لئے جانے لگے۔ دونوں طرف سے جہاں کسی کی الیکشن مہم ٹھنڈی پڑنے لگتی لوگ بھجن منڈلیوں اور قوالیوں کے ہنگاموں کے باوجود جلسوں کی طرف سے بے توجہی برتتے تو فوراً کنڈیڈیٹ بچوں کے گھپلے کا سوال کھڑا کر دیتے۔ ایکدم لوگوں میں جان پڑ جاتی۔ شد و مد سے جلسوں میں جانے لگتے۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ بچوں کا بلڈ ٹیسٹ کیا گیا۔ ساری رات ٹھکرائن کروٹیں بدلتی رہیں۔ رام جانے کون سا بچہ اُنھیں ملے گا، کون سا رحمت مائی لے جائے گی۔ اُن کی برسوں کی ترسی ہوئی ممتا دونوں بچوں پر طوفان کی طرح پھٹ پڑی تھی۔ بار بار اُٹھ کر بچوں کو تکتی رہیں۔ دونوں گول مٹول ہو گئے تھے، دونوں کا رنگ گورا تھا، نقشہ مُنّا مُنّا سا تھا۔ ایک راجپوت تھا تو دُوسرا پٹھان! کبھی دونوں کے دادا پردادا ایک ہی پیڑ کے پتے رہے ہوں گے۔ تھوڑے اور بڑے ہو جائیں تو پتہ چلے گا۔ ابھی تو بس چینی کے گڈے جیسے تھے۔ ساتھ سوتے جاگتے، ساتھ ہی دودھ ملتا۔ اِس لئے بالکل جڑواں بچوں کی طرح ایک ہی جیسے معلوم ہوتے۔ دونوں میں سے وہ ایک کو نہیں چن پا رہی تھیں۔

ٹھاکر صاحب نے جب بلڈ ٹیسٹ کے [illegible] تو ٹھکرائن نے زمین آسمان ایک کر دیا۔

"ہائے! میں اپنے لال کا لہو نکالنے دوں گی، ڈاکٹر سے کہو نبض دیکھ کر جو فیصلہ ہو سو کر دیں۔"

چھوٹی بڑی کون سی بیماری ہے جو ڈاکٹروں سے چھپی ہے۔ دیر سویر سب ہی کی پکڑ ہو جاتی ہے، مگر کون مائی کا لال ہے جو نبض دیکھ کر مذہب یا عقیدہ پہچان جائے۔

لیکن ٹھکرائن کے دماغ میں یہ بات ٹھونسنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ ڈاکٹروں نے بھی کہا کہ ضروری نہیں کہ صحیح فیصلہ ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ بیٹے کا خون ایک گروپ کا ہو

ٹھکرائن گروہ سر دپ کیا کہتیں بس یہی کہے جاتی تھیں جو ڈاکٹر نبض دیکھ کر پہچان پائے وہ پاکستان بھیج دو، مار کے نکال دو۔ وہ دونوں بچوں کو لے کر گنتی پڑھا کر کرنے میں بیٹھ گئیں۔

قصبے کے اس مدتوں پر اور بھی رنگ برنگی افواہیں آڑنے لگیں۔

"اصل میں ٹھکرائن کا بچہ ٹھاکر صاحب سے نہیں کسی اور سے ہے، اس لئے وہ بلڈ ٹیسٹ سے کترا رہی ہیں!"

انسان خصلتاً آدم خور ہے۔ اب کھانا حرام ہو گیا ہے تو نشے میں چلائی بھرتا ہے، چاکو کا کے پہنچا کر ہی کلیجہ ٹھنڈا کر لیتا ہے۔ جسمانی توڑ پھوڑ اور کاٹ چھانٹ سے جی نہیں بھرتا تو دل اور دماغ میں برما کر کے تیزاب بھرنا چاہتا ہے۔ اس افواہ نے ٹھاکر صاحب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بیٹے کی خوشی تو مستی میں بل ہی چکی تھی، اب دل میں ایک گندے شک نے ڈنک اٹھایا۔ سہم کر اپنی پتنی پر نظر ڈالی۔ ٹھکرائن کا یار کون ہے؟ جی چاہا اسی وقت تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں پھر اپنے بھیجے میں گولی مار لیں۔

تو بھر رحمت مائی عاقبت کے بورے سمیٹنے پر تُلی ہوئی تھی۔ بچے کے کان میں اذان دینے کے لئے مولوی لائی تھی تب ہی ماتا جی اور ٹھکرائن رام رام کہہ اٹھی تھیں۔ بڑی ردّ و قدح کے بعد یہ فیصلہ ہوا تھا کہ فی الحال دونوں کے کانوں میں اذان دلوا دی جائے۔ اللہ کا نام کان میں پڑنے سے کوئی نقصان نہیں۔ جب مولوی اذان دے کر سوا روپیہ فی بچے کے حساب سے ڈھائی روپیہ لے کر چلتا بنا تو ماتا جی نے رحمت مائی کی ریں ریں کی پروا کئے بغیر بچوں پر گنگا جل چھڑکا اور آرتی اتاری۔

اب رحمت مائی کو نئی تڑپ اٹھ رہی تھی۔ بچہ کی مسلمانیاں ہو جائیں تو اچھا ہے، پھر بڑا ہو گیا تو تکلیف زیادہ ہوگی۔

لیکن ٹھکرائن بچوں کے متعلق کوئی بھی چھری چاقو والی بات نہیں سننا چاہتی تھیں۔ انھوں نے صاف کہہ دیا اگر ان کے بچے کو ہاتھ لگایا تو رحمت مائی کی گردن کاٹ دیں گی!

بچے تو بچ گئے لیکن اس بات پر پھر ہنگامہ ہوا اور دو چار گردنیں کٹ گئیں۔ بات بڑھتی چلی گئی۔ کچھ منچلوں نے رحمت مائی کے کوٹھے میں آگ لگا دی اور وہ اپنا سامان سمیٹ کر کوٹھی میں لے آئی۔ مخالفین کیوں چپکے بیٹھتے۔ لوٹ مار تو کچھ لوگوں کی آمدنی کا واحد ذریعہ ہے۔ کام کی چیزیں لوٹ لیں، کوڑا جلا دیا۔

اس وقت دو ایک پارٹیوں میں زور دار کا جھگڑا چل رہا تھا۔ حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں کچھ ہل نہیں لگتے۔ لوگ ویسے ہی مہنگائی، بے روزگاری اور گودوں کی قلت سے بھرے بیٹھے رہتے ہیں۔ بات بات پر اسٹرائیک اور بند لگ جاتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فساد شروع ہو جائیں تو سارے بند اور اسٹرائیک بھول کر لوگ فرقہ پرستوں کو گالیاں دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو غریب مجبور لوگ مارے جاتے ہیں تو کچھ آبادی کے

مسئلہ پر بھی خوشگوار اثر پڑتا ہے لیکن یہاں دو بچوں کے مسئلے نے بھڑک کر شدت اختیار کر لی۔ رحمت مائی کا کوٹھا جلا دیا گیا۔ اس کے جواب میں ٹھاکر صاحب کا گاؤں سے ملی ... کوشش کی گئی۔ حالانکہ کوٹھا جس میں مائی رہتی تھی ٹھاکر صاحب کا تھا ...

مسلمانوں کا ایک لمبا سا جلوس کوٹھی کے گرد اکٹھا ہو گیا ... دوسری طرف سے ہندوؤں کا ایک جم غفیر آ گیا اور باقاعدہ مورچہ قائم ہو گیا۔ ... بسری آیتیں پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگیں اور ٹھکرائن نے بچوں کو گودیا میں ... گئیں۔ زینے پر ٹھاکر صاحب بندوق تان کر کھڑے ہو گئے۔ ... باہر باقاعدہ دونوں مورچے ڈٹے ہوئے تھے۔

"رحمت مائی کو جو بچہ قید سے آزاد کیا جائے اور اس کا معصوم نواسہ اس کے سپرد کیا جائے۔" مسلمانوں کی مانگ تھی۔

"رحمت مائی اور اس کے نواسے کو ایک ٹھاکر کا گھر گندہ کرنے کے جرم کی سزا ملنی چاہئے!" ہندو کہہ رہے تھے۔

"رحمت مائی زندہ باد!"

"رحمت مائی مُردہ باد!!"

اور رحمت مائی جو خوش قسمتی سے اونچا سنتی تھی، ہر بند دوگلی رہ گئی جو اس نے اپنے جوان داماد کی موت سے پہلے سُنا تھا۔

باتوں کے بعد فریقین ایک دوسرے پر اینٹ پتھر پھینکنے لگے پھر چاقو اور چھریاں نکل آئیں۔

ٹھاکر صاحب فون پر فون کر رہے تھے۔ پتہ نہیں پولیس کہاں تھی۔ سپاہی تھک کر لوٹ نہ ہی ڈالا تھا۔

ٹھاکر صاحب برآمدے میں نکل آئے۔ دو تین اُدھر اُنھوں نے ہوا میں چند فائر کئے۔ بلوائی ایکدم بھڑ بڑا کر بھاگے۔

"سنو بھائیو! سنو!" ٹھاکر صاحب چلائے۔ مجمع ٹھٹھک گیا۔ انھوں نے پورے مجمع پر ایک اُڑتی ہوئی نظر ڈالی۔ لوگ آجکل لباس ایسا پہنتے ہیں کہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان! زیادہ تر ڈھیلے ڈھالے نیکر اور اونچی پتلونیں پہنے ہوئے تھے، لنگوٹیاں اور دھوتیاں بھی تھیں، چند پاجامہ کرتے پہنے تھے۔

لوگ پھر چلانے لگے۔

"رحمت مائی کو رہا کرو! بچہ واپس دو!!"

"رحمت مائی ڈائن ہے! بچہ ملیچھ ہے! نکالو دونوں کو!"

"اچھا اچھا، میں نے سن لیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگ کل ... تشریف لائیے۔ آپ لوگ جو فیصلہ کریں گے، آپ سب کے سامنے اس پر عمل کروں گا۔ ٹھیک؟"

تھوڑی دیر گھسر پھسر ہوتی رہی۔ پھر لوگ اپنی رائے دینے لگے۔ وہ کیا کہنا چاہتے تھے، یہ ٹھاکر صاحب نہ سن پائے کیونکہ اُسی وقت پولیس کی جیپیں سنسناتی ہوئی آن پہنچیں۔ کتنے ہی رنگ اور خطرناک ہونے لگی۔ جیسے بلوائیوں کو بلوہ کرنے کے سبب بے دماغی سے گھبراتے دیکھ کر پولیس چڑھ گئی ہو۔ دم بھر میں میدان صاف ہو گیا۔ ٹھاکر صاحب نے تمام تفصیل بتائی اور بر وقت پہنچنے کا شکریہ ادا کیا۔

"ٹھاکر صاحب آپ الگ سے کیوں سوچتے ہیں؟ ہم سمجھتے ہیں معاملے کو۔ رحمت مائی اور اس کے نواسے کو ہم پولیس کی حفاظت میں لے چلتے ہیں اور ..."

ٹھاکر صاحب سر جھکائے سوچتے رہے۔ واقعی اب انھیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ یوں کام نہ چلے گا۔

"امن عامہ میں خلل پڑ رہا ہے۔ یہ آگ بڑھ کر بہت خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے!"

"جی میں سمجھ گیا آپ بالکل فکر نہ کریں۔ جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا۔"

"تو پھر دیر نہ کیجیے؟"

"کل اور صبح تک۔ رحمت مائی کی طبیعت بھی اچھی نہیں۔ بچے سو رہے ہیں۔ جگایا تو کچی نیند میں ہلکان ہو جائیں گے۔ پھر ٹھکرائن کو بھی سمجھانا ہے۔"

"وہ سمجھ جائیں گی؟"

"کیوں نہ سمجھیں گی، آخر ایک دن تو فیصلہ ہونا ہی ہے۔"

پولیس افسر کے جانے کے بعد وہ اندر نہیں گئے۔ باہر ہی ٹہلتے رہے۔ ساری دالان پر پتھراؤ کی وجہ سے اینٹ پتھر پڑے تھے۔ وہ پیر بچا بچا کر چلتے رہے۔

پھر وہ اندر گئے۔ بچوں کے کمرے میں زیرو پاور کا نیلا بلب جل رہا تھا۔ نیلا کمرہ، نیلے پردے، نیلی روشنی میں جیسے آکاش کا کوئی اچھوتا کونا تھا۔ جہاں دو ننھے ننھے فرشتے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ سفید جھلمل بیڈ پر دونوں بچے آڑے سوتے ہوتے تھے۔ ٹھکرائن کئی دن سے تقاضہ کر رہی تھیں کہ بچوں کے لئے ایک اور بیڈ منگوا دیجئے، بڑے ہو رہے ہیں ایک دوسرے سے ہاتھ پیر مار دیں گے۔ وہ مسکرا پڑے۔

"ہندو مسلمان جو ٹھہرے، لات گھونسہ نہ چلائیں گے تو کھانا کیسے ہضم ہوگا!"

غور سے وہ بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے پوچھ رہے ہیں۔

"تم کون ہو؟ بتا دو نا؟" جیسے بچے واقعی بول ہی تو پڑیں گے۔

ٹھکرائن پہلے تو بہت بگڑیں لیکن جب معلوم ہو گیا کہ کوئی اور چارہ نہیں تو دونوں کو ایک ایک گھٹنے پر ڈالے ساری رات بیٹھی سسکیاں بھرتی رہیں۔ صرف ایک رحمت مائی تھی جو پڑی خرّاٹے لیتی رہی جیسے اُس کا نواسہ مل گیا ہو۔ باقی سب نے رات آنکھوں میں کاٹ دی۔

صبح سب کے چہرے پیلے ہو رہے تھے۔ ٹھکرائن کی آنکھیں سوج رہی تھیں۔

پھر فیصلے کا وقت آ گیا۔ دربار سجا۔ لوگ تماشہ دیکھنے جمع ہوئے۔ پولیس کا انتظام قابلِ تعریف تھا۔ ٹھاکر صاحب برآمدے میں بیٹھے تھے۔ ٹھکرائن نے دونوں کو نہلا کر پیار کیا، کُرتے پہنائے، کاجل ڈال کر نظر کا ٹیکہ ماتھے اور پاؤں کے تلوے میں لگایا۔ پھر آنکھوں کے نل کھول دئے۔

"رحمت مائی اپنا نواسہ اٹھا لو۔"

"ایں؟" رحمت مائی کھانسی "تم ہی دے دو بہو جی۔"

"میں اپنے ہاتھ سے تو ان کا میلا پوتڑا بھی نہ دوں گی!" راجپوتنی غرّائی۔

"جلدی کرو مائی باہر لوگ انتظار کر رہے ہیں!"

"انتظار کر رہے ہیں تو کرنے دو، خدا کی مار اُن کی صورتوں پہ۔" اطمینان سے وہ کراہی، گھٹنے چٹخاتی منہ ہی منہ کسی کو کوستی اٹھی۔ ایک بچہ اٹھایا اور باہر چلی۔

"اے مائی، سنو تو!"

"کاہے کو؟" وہ غرّائی۔

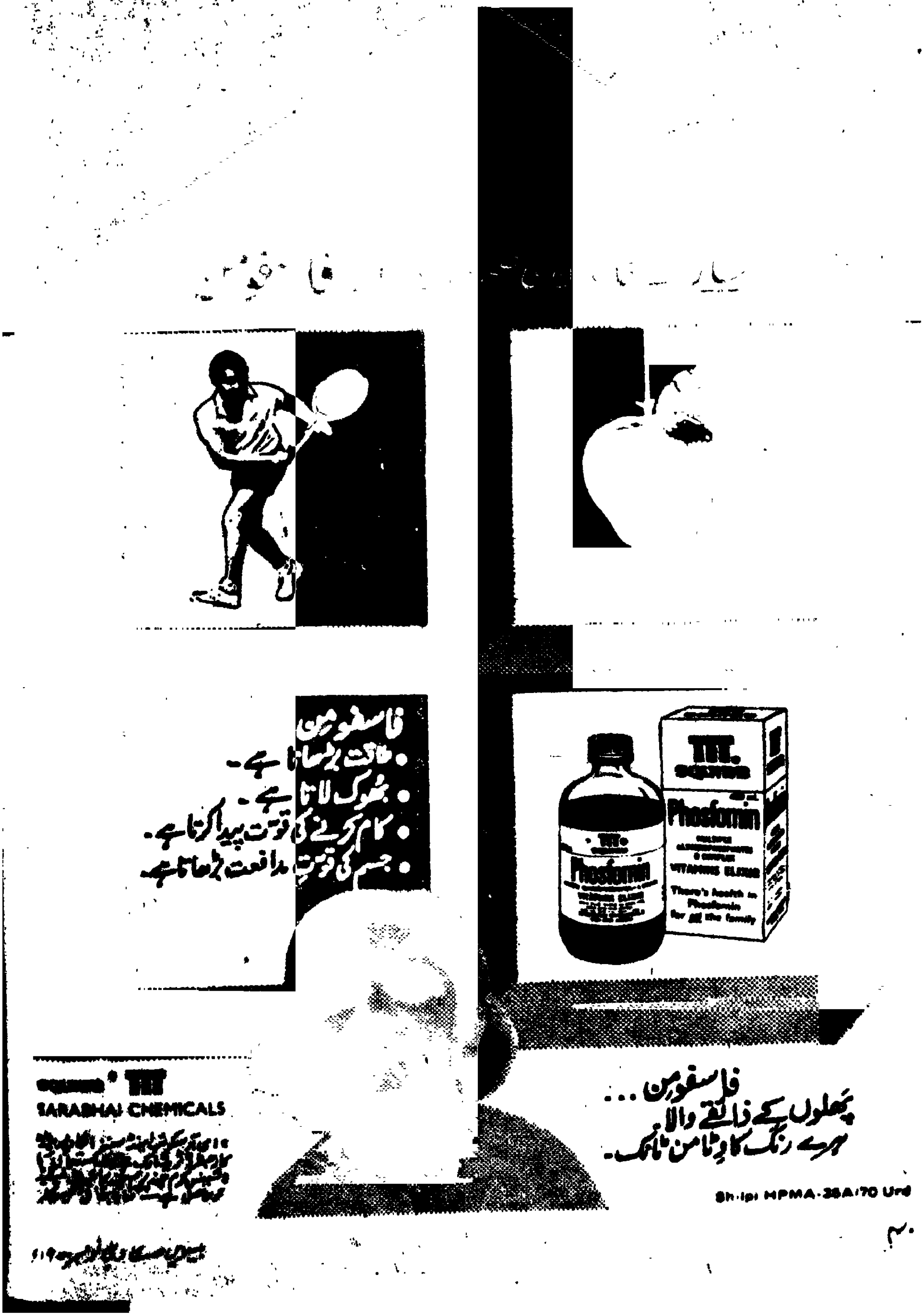
"پہچان لیا؟" ٹھکرائن نے مری آواز میں پوچھا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہ پہچانوں گی۔ میرا نواسہ ہوا نا!" وہ لپک کر باہر چلی گئی۔ ٹھکرائن کا دل ساتھ کھنچا چلا گیا۔ انھوں نے بے بسی بیڈ میں لیٹے بچے کو دیکھا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو۔ آج پہلی بار ملاقات ہوئی ہو۔ انھوں نے اسے گود میں لے لیا لیکن گود خالی ہی رہی۔

باہر جا کر رحمت مائی نے مجمع کو بتایا کہ شکر خدا کا کہ اُس کا نواسہ مل گیا۔ سب خوش خوش چلے گئے، فخر سے چھاتیاں پھلائے جیسے کوئی ملک جیت کر لائے ہوں! رحمت مائی نے جاتے ہوئے مجمع کو دیکھا، پھر گود کے بچے کو دیکھا اور سیڑھیوں پر اترتے اترتے رک گئی۔ کچھ دیر چندھی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ پھر ایسے پلٹی جیسے کوئی چیز بھول آئی ہو۔

"نا بہو جی! میں اِس نگوڑے کو نا پہچانوں" مائی نے بچہ ٹھکرائن کی گود میں ڈال دیا!!

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں اور سطروں کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس مضمون کی نقل ضرور رکھیں کیونکہ ناقابل اشاعت مضامین ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ لفافہ ارسال کریں ورنہ ہم مضمون کی واپسی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ منیجر



فاسفومن
• طاقت بڑھاتا ہے۔
• بھوک لاتا ہے۔
• کام کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے۔
• جسم کی قوتِ مدافعت بڑھاتا ہے۔
Phosfomin
VITAMINS ELIXIR
There's health in Phosfomin for all the family
SARABHAI CHEMICALS
فاسفومن ...
پھلوں کے ذائقے والا
سرخ رنگ کا وٹامن ٹانک۔
Sh-ipi HPMA-36A/70 Urd

یادیں

پورن کمار ہوش

کئی دن بعد یادوں کی حسیں پرچھائیوں سے پھر
اُبھر آئی ہے کچھ ایسے تمہاری دلنشیں صورت

نگاہوں میں لرزتی ہیں ہلوریں کچھ خواب زاروں کی — مگر کچھ آرزوئیں کچھ اچھوتی حسرتیں گم ہیں
دہن کی شعلہ سامانی تو پہلے سے زیادہ ہے — مگر شیریں لبوں کی بھیگی بھیگی سلوٹیں گم ہیں
تمہارے سرمگیں مکھڑے کے عالم تاب جلووں میں — غرور و تمکنت سے رقص کرتی کاکلیں گم ہیں
مُسلّم یہ نئی رعنائیاں رفتارِ نازک کی — مگر وہ رنگ محشر وہ مچلتی ناگنیں گم ہیں
وہ قربت کے جواں لمحے تو گویا لوٹ آئے ہیں — مگر عہدِ جنوں کی اضطرابی ساعتیں گم ہیں
عیاں ہیں کچھ نئی محتاط سی بے تابیاں بے شک — مگر وہ بے نیازِ بیش و کم کیفیتیں گم ہیں
وہی تنہائی بھی ہے وہ سکوتِ شب بھی ہے لیکن — وہ طوفانِ تنفس وہ ہراساں دھڑکنیں گم ہیں
یہ قربت بھی ملی تو جانِ من کچھ اس سلیقے سے — کہ بے ترتیب سی بے ربط سی وہ قربتیں گم ہیں
وہ جن کے ساتھ ہم دونوں بڑھے جاتے تھے مستی میں — اُمید و بیم کا عالم وہ دل کی اُلجھنیں گم ہیں

اچانک اِس طرح اِتنے دنوں کے بعد مجھ سے
تمہاری یاد کیوں ویرانۂ ہستی میں آئی ہے
فزوں تر ہو گئے وہ فاصلے جب درمیاں اپنے
تمہارے دل میں پھر جانے خدا یہ کیا سمائی ہے
کسی صورت سے آئی ہو تمہاری یاد تو آئی
تمہارے غم سے بڑھ کر یہ مسرت جان لیوا ہے
تلوّن گر یہ شامل تھا تمہارے ناز و غمزہ میں
تمہارا یہ تغیّر در حقیقت جان لیوا ہے

برادرِ محترم خوشتر صاحب ۔ اخلاص
اُس دن ملاقات کے دوران
جب میرا نام لیتے لیتے آپ کے منہ سے
شاد مرحوم کا نام نکل گیا تو ایک لمحہ
کے لئے آپ کی حالت غیر سی ہو گئی
اور چہرے پہ افسردگی چھا گئی تھی۔
وہ لمحہ ابھی تک میری نگاہوں میں
محفوظ ہے۔ کئی بار مرحوم دوست
کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا
ہے اور ذہن میں یہ سوال بار بار
اُٹھتا ہوا سا محسوس ہوتا ہے
کہ کیا واقعی شاد ہمارے درمیان
نہیں رہا ؟ ۔ شاد کا ہی ایک قطعہ
یاد آ رہا ہے۔
ایک مرحوم دوست کا چہرہ
پھر رہا ہے مری نگاہوں میں
جیسے اک بدنصیب شہزادی
جنگلوں کی اُداس راہوں میں
آپ کا نیاز مند ۔
پورن کمار ہوش



رُوپ بہرُوپ

ابواللیث جاوید بی۔ کام

لیسلی گنج۔ ضلع پلاموں (بہار)

مجسمۂ خلوص و پیکرِ اخلاق حضرت خوشتر گرامی! بے پناہ خلوص اور محبتیں

ہر بار کی طرح اِس بار بھی افسانہ نمبر خوب نہیں خوب تر ہے! اِس گلدستۂ ادب میں کیا کچھ نہیں ہے گلہائے رنگا رنگ ——— "بیسویں صدی" اِس دور میں اُردو زبان کے معیار کا میزان ہو گیا ہے اور آپ کی ہستی بے پناہ تحسین کی مستحق! ——— مجھے سخت افسوس ہے کہ اِس بار میری افسانہ نمبر میں شامل نہ ہو سکا۔ آپ کو میری مصروفیتوں کا پورا پورا احساس بھی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اِس ماحول میں خدمتِ ادب کے لئے کچھ وقت نکال لیتا ہوں ——— مئی ۷۰ء کے شمارہ میں چھپنے والے میرے افسانہ "اے غمِ دل کیا کروں" کے سلسلے میں بہت سارے خطوط موصول ہوئے ہیں اور اب تک اُن کا سلسلہ جاری ہے . . . اِس بار ایک بالکل نئے انداز کا افسانہ "رُوپ بہرُوپ" آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔ اُمید قوی ہے آپ اِسے ضرور پسند فرمائیں گے۔ جب اچھے افسانے آپ کے دربار سے لَوٹ آتے ہیں اور خط میں "برائے ایڈیٹر" کی جگہ کسی اور کے دستخط ہوتے ہیں تو سچ مانئے بڑی ہی مایوسی ہوتی ہے . . . فنکاروں کا دل بہت حسّاس ہوتا ہے۔ جذبات مجروح ہو جانے پر دل کا سنبھلنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے . . .

آپ کا بھائی ——— ابواللیث جاوید

آج مُدّتوں بعد مِس مارگریٹ کا ایک خط مِلا ہے۔ بالکل مختصر سا ———

"میں بھارت ۱۴ اگست کو آ رہی ہوں ——— مارگریٹ"

خط پاتے ہی مارگریٹ سے پہلی ملاقات کا دن یاد آگیا اور دل میں ...یب سی گُدگُدی بِکھر گئی۔ وہ اگست ہی کی ایک بھیگی سی شام تھی۔ بارش ابھی ...ی ہو کر تھمی تھی۔ فضا بہت ہی مُشکبار ہو اُٹھی تھی۔ میں نے 'پرنس' میں جیسے ...ی قدم رکھا آرکسٹرا کی دُھنیں فضا میں بکھر گئیں اور پرنس کی رقاصہ مِس لیزا ...یبرے ڈانس شروع کر دیا۔ مِس لیزا کی کسماتی جوانی بَل کھاتی رہی۔ اُس کا ...ک انگ تھرکتا رہا۔ سبھی کی نگاہیں بڑی محویت سے مِس لیزا کے جوان جسم کا ...س محسوس کرتی رہیں۔ میں آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ ایک ایک قدم پر جیسے نشہ سا ...ا چکا تھا۔ میری چال میں جیسے موسیقی سما چکی تھی۔ ارکسٹرا کی دُھن ہی پر میرے قدم بھی اُٹھتے رہے، تھرکتے رہے۔ 'پرنس' کا سارا کا سارا ماحول جیسے رقصاں تھا۔ میں بڑھتا گیا، بڑھتا گیا۔ ایک میز کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ ایک نازک اندام سی حسینہ نے مجھے اپنے سامنے کی خالی کُرسی پر بیٹھنے کی پُرخلوص پیشکش کی۔ میں اِنکار نہ کر سکا۔

موسیقی کی لہریں تیزی سے بہنے لگیں۔ میں نے اپنی میزبان کی طرف ممنون نِگاہوں سے دیکھا۔ وہ زیرِ لب مُسکرا دی۔

اور جب فلور ڈانس میوزک شروع ہوئی تو وہ میری ہم رقص تھی۔ کسی اجنبی کے ساتھ یہ میرا پہلا رقص تھا۔ وہ بہت مہارت سے رقص کرتی رہی۔ اُس کی سُنہری زُلفوں، گلابی رُخساروں اور انگاروں جیسے دہکتے جسم سے مسحور کُن سی خوشبو پُھوٹتی رہی اور میرے سارے وجود کو جھنجھوڑتی رہی۔ قدموں کی جنبش

سے اس کی آنکھوں میں خمار پیدا ہو رہا تھا۔ اس کی مرمریں باہیں میری بانہوں کو جکڑتی رہیں۔ موسیقی کے جادو نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی۔ دھیرے دھیرے قدم مدھم ہوتے گئے اور ہال کے ایک تاریک سے کونے کی طرف بڑھتے گئے۔ میں تاریکی میں کھڑا دیر تک اس کے جوان جسم کی خوشبو سے مدہوش رہا۔ پھر یکایک جیسے ہم دونوں کے خواب ٹوٹ گئے۔

وہ مسکرائی اور اپنے ٹیبل پر آکر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے روبرو بیٹھ گیا۔ موسیقی ختم ہو چکی تھی اور اب ہال شیشے میں بند لال پریوں کے رقص پر جھوم اٹھا تھا۔ جام کھنکتے رہے اور ہوا متوالی ہوتی رہی۔

"ریلی یو رکنٹری از لولی ——— بیوٹی فل ——— مسٹر۔۔ مسٹر۔۔۔؟"

اس پر شرابی کی سی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ وہ میرا نام جاننا چاہتی تھی۔

"اشوک ———" میں نے اس کی پریشانی دور کی۔

"اوہ ——— اشوک ——— اشوک دی گریٹ ———!!" وہ مسکرا پڑی۔ "اور مجھے کہتے ہیں مارگریٹ ——— تمہیں یہ نام کیسا معلوم ہوا ———!!

آئی ——— لو لونا ———!!" وہ بہک رہی تھی۔

"سویٹ ——— ریلی ویری سویٹ ———!!" میں نے اس کی دلجوئی کی۔

"میرا وطن انگلینڈ ہے۔ میں ساری دنیا کی سیاحی کر رہی ہوں۔ ملکوں ملکوں گھوم رہی ہوں۔ بہت لطف آتا ہے ——— پیرس ——— روم ——— کویت ——— بیروت ——— واشنگٹن ——— ماسکو ——— ٹوکیو ——— مائی گاڈ نس!! یہ دنیا کتنی بڑی ہے۔ انڈیا کی ہسٹری مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے ——— اشوک دی گریٹ ———!"

میں اس کی بہکتی ہوئی آنکھوں کی مستی میں گم تھا۔

دفعتاً وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی ——— "رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ مجھے اب نیند بہت ستا رہی ہے۔ میں اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۲ میں ٹھہری ہوں۔ تم ابھی کچھ دیر کے لئے رُک جاؤ نا ——— اشوک ——— پلیز ———!!"

میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ مجھے مارگریٹ کی اس دلیری پر بہت حیرت ہو رہی تھی۔ اتنی مختصر سی ملاقات اور اتنی بے تکلفی! میں کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات ابھرتے رہے ——— یہ لڑکی کہیں غیر ملکی جاسوس نہ ہو، دشمنوں کی کسی تنظیم سے تعلق نہ رکھتی ہو، کوئی کرسٹین کیلر ثانی نہ ہو ——— لیکن مجھ سے اُسے ملے گا بھی کیا ———؟ میں اسے سہارا دیتا ہوا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اس نے کمرہ میں پہنچ کر مجھے ایزی چیئر پیش کی اور کمرہ کو

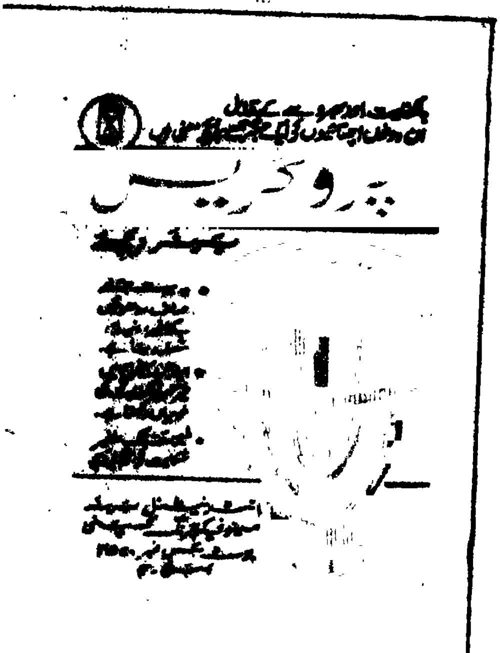
[illegible] ختم کر دی۔ باہر [illegible]
رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پر [illegible]
رہا ہے۔ کھجوروں کے [illegible] ایک دوسرے [illegible]
عجیب پُرکیف منظر تھا۔ میں ان نظاروں میں [illegible]
لباس میں میرے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ [illegible]
اسے ٹوکا۔

"ہاؤ ڈو یو لائک دیں؟"

"اوہ ——— اٹ از ونڈرفل گڈ ——— بیوٹی فل ——— [illegible]
ورتھ کی شاعری ہے ——— بالکل شاعری ——— عمر خیام کی [illegible]
موسم میں جنم لیا ہے۔ ان رُباعیوں سے مجھے تو عشق ہے ——— عشق ——— [illegible]
چل پڑی تھی۔

"تم بھی تو قدرت کی ایک خوبصورت غزل ہو ——— بالکل حسین شاعری کی گئی ہے۔ [illegible]
اور حقیقت کہہ گیا۔

"بہیلے ———!!!! ——— !! ——— !!! ——— [illegible]



ہنستی جا رہی تھی جیسے میں نے کوئی نہایت ہی بھونڈی بات کہہ دی ہو۔ "عشق و محبت کے معاملے میں میرا نظریہ بہت رجعت پسندانہ ہے۔ میں ہوس کو محبت کا نام دینا محبت کی توہین سمجھتی ہوں۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے جس کا اظہار اسے بالکل سطحی بنا دیتا ہے۔ میں تو خاموش محبت کی قائل ہوں، میرے سامنے محبت کا اظہار اس پاک جذبے کی توہین ہے۔" وہ بے حد جذباتی انداز میں کہے جا رہی تھی۔

"میں تمہارے خیالات سے متفق ہوں لیکن میرا اپنا بھی تو کوئی نظریہ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تشنگی بغیر لب کشائی کے جان لیوا بھی تو ثابت ہو سکتی ہے اور وہ پیاس ہی کیا جو تسکین تک نہ پہنچے۔ میں تو ہنستی کھیلتی، رنگا رنگ اور بھرپور زندگی کا شیدائی ہوں ——— غموں سے دور ——— پیار و محبت کی حسین وادیوں میں مہکتی سی زندگی!!"

میں نے اپنے خیالات اس پر روشن کر ڈالے۔

وہ زیرِ لب مسکرائی اور ایک توبہ شکن سی انگڑائی لی اور میرے شانے سے آلگی اور بولی ——— "اشوک! اس بحث کو طول نہ کرو۔ بھلا یہ موسم یوں ہی برباد کرنے کا ہے ——— ہاں!"

میں اس کی بے باکی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں اس طرح گھل مل کر باتیں کرنا مجھے عجیب معلوم ہوا۔ میں اس کی زلفوں کے پیچ و خم میں اُلجھتا رہا، اس کے رُخسار کی لالی سے شفق چُراتا رہا ——— اور جب رات کا آنچل سرکا اور صبح کی مسکراہٹ بکھری تو میں مارگریٹ کے بہت قریب آگیا تھا جیسے اس کا میرا ساتھ جنم جنم کا ہو۔

میں شام کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا آیا لیکن سارا دن عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ کتنی ہی شاموں کی مہکتی روشن مانگ کو ہم دونوں نے اپنے پیار کے صندلی سیندور سے سجایا۔ گیٹ وے آف انڈیا، جوہو بیچ، چوپاٹی، میرین ڈرائیو، سن اینڈ سینڈ کے سوئمنگ پول، مراٹھا مندر، ہر جگہ میں مارگریٹ کے ساتھ ساتھ رہا۔ پھر وہ تنہا شہروں شہروں گھومتی رہی۔

کشمیر کی گل پوش وادیوں میں اسے سوئٹزرلینڈ کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ الورا اور اجنتا کی گپھاؤں میں ہندوستان کی عظمت کی تاریخ کے اوراق اس کے ذہن میں اُبھر آئے۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں تہذیب و اخلاق کی جنت نظر آئی۔ پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں ہندوستان مسکرایا اور ہواؤں میں کیف و سرور کی نغمگی ملی۔ صبحِ بنارس میں حرم اور دھرم کا شور رچ جگمگایا اور فضاؤں میں عقیدت مندوں کے دلوں کی دھڑکنیں تحلیل ملیں۔ کلکتہ کی فضاؤں میں زلفوں کا جادو سر سراتا اور اشرافیہ زندگی کی تصویر ملی۔ وہ سارا ہندوستان دیکھتی رہی۔ میں اس کے خطوں کا روز انتظار کرتا رہا۔

اس نے کلکتہ سے ایک خط لکھا ———

"ڈیر اشوک ——— میں بمبئی واپس آنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریوں کی بنا پر دم دم ہی سے لندن کے لئے پرواز کر رہی ہوں۔ تم سے نہ ملنے کا افسوس ساری زندگی رہے گا ——— تمہاری مارگریٹ!"

میں اس کا خط پڑھ کر جیسے تڑپ گیا۔ ایک بے قراری سی سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ اس کا ملنا اور پھر یکایک اس طرح بچھڑ جانا ایک خواب جیسا معلوم ہوا۔ میں تنہا تنہا سا یادوں کی تیز چھری پر اپنے احساسات کی انگلیوں کو مدتوں گھائل کرتا رہا۔ وقت کے مرہم نے دھیرے دھیرے ان زخموں کو مندمل کر دیا۔

اور اب مدتوں بعد مارگریٹ نے اپنے آنے کی خبر دی تھی۔

ظاہر ہے یہ خبر میرے لئے بہاروں کا پیغام لائی تھی۔ دل میں مسرتوں کا آبشار سا اُبل پڑا۔

شانتا کروز کے ایروڈروم پر بہت رونق تھی۔ میں نے اپنی کار پارک کی اور بی۔ او۔ اے۔ سی کے طیارہ کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی طیارہ کے آنے میں تقریباً آدھے گھنٹے کی دیر تھی۔ یہ آدھا گھنٹہ انتظار کی الجھن میں اور اضافہ کرتا رہا۔ بہت ہی بے صبری میں وقت گزرا۔ طیارہ کے آنے کا جب اعلان ہو گیا تو میں پھولوں کا گلدستہ لئے ریلنگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ فضا میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور طیارہ بڑی شان سے لینڈنگ گراؤنڈ پر پھسلنے لگا۔ لیڈر کے لگتے ہی مسافر باہر اُبل پڑے۔ میں بینا کولر سے سبھی اترنے والوں کو بغور دیکھتا رہا لیکن مارگریٹ نظر نہ آئی۔ میری پریشانی بڑھتی گئی۔ میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ سب سے آخر میں مارگریٹ نمودار ہوئی۔ اس کی گود میں تولیہ میں لپٹا ہوا ایک بچہ تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی بچہ کو اپنے لبوں تک لے جا کر بہت پیار سے چوما۔ بچہ شاید سو رہا تھا۔ میں اس کی گود میں بچہ دیکھ کر بجھ سا گیا اور بہت بے دلی سے اس کی طرف دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرائے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھل کھلا کر ہنس پڑی جو اس کی خاص عادت تھی۔ وہ باہر چلی آنا چاہتی تھی کہ کسٹم والوں نے اس کے سامان کی چیکنگ شروع کر دی۔ میں باہر کھڑا کھڑا بہت ہی بور ہو رہا تھا۔ ادھر مارگریٹ بھی جلد مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔

میں باہر کھڑا سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔ مارگریٹ نے اپنا تمام سامان کسٹم والوں کے حوالے کر دیا تاکہ اس کی اچھی طرح جانچ ہو جائے اور تولیہ میں لپٹے اپنے بچہ کو سامنے والی میز پر رکھ دیا۔ بچہ بہت اطمینان سے سو رہا تھا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک سوال اُبھرتا رہا کہ مارگریٹ نے شادی کب کی؟ اور مجھے بہت مایوسی ہوتی رہی۔ اس کی شخصیت بے حد پُراسرار ہو گئی تھی۔ مجھے خوف ہونے لگا تھا کہ

ـــ اُس کی آنکھوں میں خُمار پیدا ہو رہا تھا۔ اُس کی مرمریں باہیں میری بانہوں کو حدّت بخش رہی تھیں۔ موسیقی کے جادو نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی۔ دھیرے دھیرے میرے قدم مدّھم ہوتے گئے اور ہال کے ایک تاریک سے کونے کی طرف بڑھنے لگے۔ میں تاریکی میں کھڑا دیر تک اُس کے جوان جسم کی خوشبو سے مدہوش رہا۔ پھر یکایک جیسے ہم دونوں کے خواب ٹوٹ گئے۔

وہ مُسکرائی اور اپنے ٹیبل پر آکر بیٹھ گئی۔ میں بھی اُس کے رُوبرو بیٹھ گیا۔ موسیقی ختم ہو چکی تھی اور اب ہال شیشے میں بند لال پری کے رقص پر جھوم اُٹھا تھا۔ جام کھنکتے رہے اور ہوا متوالی ہوتی رہی۔

"ریلی یور کنٹری از لولی ـــــ بیوٹی فُل ـــــ مسٹر۔۔ مسٹر۔۔۔!؟"

اُس پر شرابی کی سی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ وہ میرا نام جاننا چاہتی تھی۔

"اشوک ـــــ" میں نے اُس کی پریشانی دُور کی۔

"اوہ ـــــ اشوک ـــــ! اشوک دی گریٹ ـــــ!!" وہ مُسکرا پڑی ـــــ "اور مجھے کہتے ہیں مارگریٹ ـــــ تمھیں یہ نام کیسا معلوم ہُوا ـــــ!! آئی سی ـــــ بولو نا ـــــ!!" وہ بہک رہی تھی۔

"سویٹ ـــــ اِریلی ویری سویٹ ـــــ!!" میں نے اُس کی دلجوئی کی۔

"میرا وطن انگلینڈ ہے۔ میں ساری دُنیا کی سیاحی کر رہی ہوں۔ مُلکوں مُلکوں گھوم رہی ہوں۔ بہت لُطف آتا ہے ـــــ پیرس ـــــ روم ـــــ کویت ـــــ بیروت ـــــ واشنگٹن ـــــ ماسکو ـــــ ٹوکیو ـــــ مائی گاڈ نس!! یہ دُنیا کتنی بڑی ہے۔ انڈیا کی ہسٹری مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے ـــــ اشوک دی گریٹ ـــــ!"

میں اُس کی بہکتی ہوئی آنکھوں کی مستی میں گُم تھا۔

دفعتاً وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی ـــــ "رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ مجھے اب نیند بہت ستا رہی ہے۔ میں اِسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۲ میں ٹھہری ہوں۔ تم ابھی کچھ دیر کے لئے رُک جاؤ نا ـــــ اشوک ـــــ! پلیز ـــــ!!"

میں عجیب کشمکش میں مُبتلا تھا۔ مجھے مارگریٹ کی اِس دلیری پر بہت حیرت ہو رہی تھی۔ اِتنی مختصر سی ملاقات اور اِتنی بے تکلفی! میں کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات اُبھرتے رہے ـــــ یہ لڑکی کہیں غیر مُلکی جاسوس نہ ہو، دُشمنوں کی کسی تنظیم سے تعلق نہ رکھتی ہو، کوئی کرسٹن کیلر ثانی نہ ہو ـــــ لیکن مجھ سے اُسے ملے گا بھی کیا ـــــ؟ میں اُسے سہارا دیتا ہُوا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اُس نے کمرہ میں پہنچ کر مجھے ایزی چیئر پیش کی اور کمرہ کو

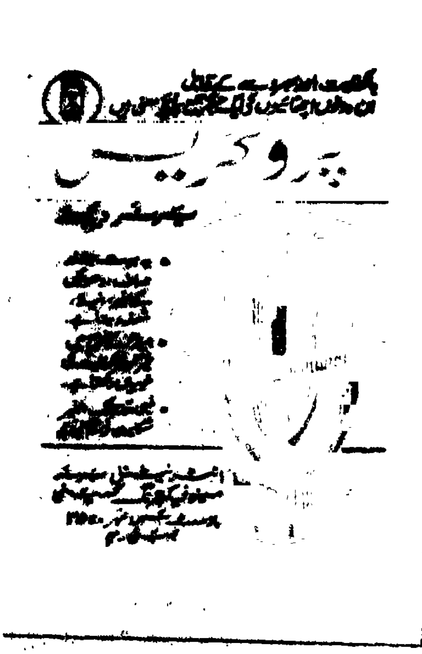
شیشے کی کھڑکی کھول دی۔ باہر ... چاندنی ... رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پر جب چاندنی پڑتی ... رہا ہے۔ کھجوروں کے لمبے لمبے سائے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ ایک عجیب پُرکیف منظر تھا۔ میں اِن نظاروں میں گُم ... لباس میں میرے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی اِن نظاروں میں گُم ... اُسے ٹوکا۔

"ہاؤ ڈو یو لائک دِس؟"

"اوہ ـــــ اِٹ اِز ونڈر فُل گُڈ ـــــ بیوٹی فُل ـــــ یہ تو ورڈز ورتھ کی شاعری ہے ـــــ بالکل شاعری ـــــ عمر خیام کی رُباعیوں نے شاید موسم میں جنم لیا ہے۔ اِن رُباعیوں سے مجھے تو عشق ہے ـــــ عشق ـــــ!" وہ چہک پڑی تھی۔

"تم بھی تو قُدرت کی ایک خوبصورت غزل ہو ـــــ اِتنی حسین ... کی گئی ہے۔ میں بھی کہیں تم سے پیار نہ کر بیٹھوں" ... اپنے جذبات ... اور حقیقت کہہ گیا۔

"پیار ـــــ!!! ـــــ !! ـــــ !!! ـــــ !!! ـــــ ..."



ہنستی جارہی تھی جیسے میں نے کوئی نہایت ہی بھونڈی بات کہہ دی ہو۔ عشق و محبت کے معاملے میں میرا نظریہ بہت رجعت پسندانہ ہے۔ میں ہوس کو محبت کا نام دینا محبت کی توہین سمجھتی ہوں۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے جس کا اظہار اسے بالکل سطحی بنا دیتا ہے۔ میں تو خاموش محبت کی قائل ہوں۔ میرے سامنے محبت کا اظہار اس پاک جذبے کی توہین ہے۔" وہ بے حد جذباتی انداز میں کہے جا رہی تھی۔

"میں تمہارے خیالات سے متفق ہوں لیکن میرا ابھی تو کوئی نظریہ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تشنہ لبی بغیر لب کشائی کے جان لیوا ابھی تو ثابت ہو سکتی ہے اور وہ پیاس ہی کیا جو تسکین تک نہ پہنچے۔ میں تو ہنستی کھیلتی، رنگا رنگ اور بھرپور زندگی کا شیدائی ہوں ـــــ غموں سے دور ـــــ پیار و محبت کی حسین وادیوں میں مہکتی سی زندگی۔!"

میں نے اپنے خیالات اس پر روشن کر ڈالے۔

وہ زیرِ لب مسکرائی اور ایک توبہ شکن سی انگڑائی لی اور میرے شانے سے آلگی اور بولی ـــــ "اشوک! اس بحث کو طول نہ کرو۔ بھلا یہ موسم یوں ہی برباد کرنے کا ہے ـــــ؟!"

میں اس کی بے باکی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں اس طرح کھل کر باتیں کرنا مجھے عجیب معلوم ہوا۔ میں اس کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھتا رہا، اس کے رخسار کی لالی سے شفق چرا تا رہا ـــــ اور جب رات کا آنچل سرکا اور صبح کی مسکراہٹ بکھری تو میں مارگریٹ کے بہت قریب آگیا تھا جیسے اس کا میرا ساتھ جنم جنم کا ہو۔

میں شام کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔ لیکن سارا دن عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ کتنی شاموں کی مہکتی روشنی سی ہاتھ کو ہم دونوں نے اپنے پیار کے صندلی سیندور سے سجایا۔ گیٹ وے آف انڈیا، جوہو بیچ، چوپاٹی، میرین ڈرائیو، سن اینڈ سینڈ کے سوئمنگ پول، مراٹھا مندر، ہر جگہ میں مارگریٹ کے ساتھ ساتھ رہا۔

پھر وہ تنہا شہروں شہروں گھومتی رہی۔

کشمیر کی گل پوش وادیوں میں اسے سوئٹزرلینڈ کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ الورا اور اجنتا کی گپھاؤں میں ہندوستان کی عظمت کی تاریخ کے اوراق اس کے ذہن میں ابھر آئے۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں تہذیب و اخلاق کی جنت نظر آئی۔ پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں ہندوستان مسکرایا اور ہواؤں میں کیف و سرور کی نغمگی ملی۔ صبح بنارس میں دین اور دھرم کا شور رچ جگمگایا اور فضاؤں میں عقیدت مندوں کے دلوں کی دھڑکنیں تحلیل ملیں۔ کلکتہ کی فضاؤں میں زلفوں کا جادو سر سرایا اور الٹرا ماڈرن زندگی کی تصویر ملی۔ وہ سارا ہندوستان دیکھتی رہی۔ میں اس کے خطوں کا روز انتظار کرتا رہا۔

اس نے کلکتے سے ایک خط لکھا ـــــ

"ڈیر اشوک ـــــ میں بمبئی واپس آنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریوں کی بنا پر دم دم ہی سے لندن کے لئے پرواز کر رہی ہوں۔ تم سے نہ ملنے کا افسوس عمر زندگی رہے گا ـــــ! تمہاری مارگریٹ!"

میں اس کا خط پڑھ کر جیسے تڑپ گیا۔ ایک بے قراری سی سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ اس کا ملنا اور پھر یکایک اس طرح بچھڑ جانا ایک خواب جیسا معلوم ہوا۔ میں بجھا بجھا سا یادوں کی تیز چھری پر اپنے احساسات کی انگلیوں کو مدتوں گھائل کرتا رہا۔ وقت کے مرہم نے دھیرے دھیرے ان زخموں کو مندمل کر دیا۔

اور اب مدتوں بعد مارگریٹ نے اپنے آنے کی خبر دی تھی۔

ظاہر ہے یہ خبر میرے لئے بہاروں کا پیغام لائی تھی۔ دل میں مسرتوں کا آبشار سا ابل پڑا۔

شانتا کروز کے ایروڈرم پر بہت رونق تھی۔ میں نے اپنی کار پارک کی اور بی۔ او۔ اے۔ سی کے طیارہ کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی طیارہ کے آنے میں تقریباً آدھے گھنٹے کی دیر تھی۔ یہ آدھا گھنٹہ انتظار کی الجھن میں اور اضطراب کرتا رہا۔ بہت ہی بے صبری میں وقت گزرا۔ طیارہ کے آنے کا جب اعلان ہو گیا تو میں پھولوں کا گلدستہ لئے ریلنگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ فضا میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور طیارہ بڑی شان سے لینڈنگ گراؤنڈ پر پھیلنے لگا۔ لیڈر کے لگتے ہی مسافر باہر ابل پڑے۔ میں بینا کولر سے سبھی اترنے والوں کو بغور دیکھتا رہا لیکن مارگریٹ نظر نہ آئی۔ میری پریشانی بڑھتی گئی۔ میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ سب سے آخر میں مارگریٹ نمودار ہوئی۔ اس کی گود میں تولیہ میں لپٹا ہوا ایک بچہ تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی بچے کو اپنے لبوں تک لے جا کر بہت پیار سے چوما۔ بچہ شاید سو رہا تھا۔ میں اس کی گود میں بچہ دیکھ کر بجھ سا گیا اور بہت بے دلی سے اس کی طرف دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرائے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھل کھلا کر ہنس پڑی جو اس کی خاص عادت تھی۔ وہ باہر چلی آنا چاہتی تھی کہ کسٹم والوں نے اس کے سامان کی چیکنگ شروع کر دی۔ میں باہر کھڑا کھڑا بہت ہی بور ہو رہا تھا۔ ادھر مارگریٹ بھی جلد مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔

میں باہر کھڑا سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔ مارگریٹ نے اپنا تمام سامان کسٹم والوں کے حوالے کر دیا تاکہ اس کی اچھی طرح جانچ ہو جائے اور تولیہ میں لپٹے اپنے بچے کو سامنے والی میز پر رکھ دیا۔ بچہ بہت اطمینان سے سو یا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک سوال ابھرتا رہا کہ مارگریٹ نے شادی کب کی؟ اور مجھے بہت مایوسی ہوتی رہی۔ اس کی شخصیت بے حد پُراسرار ہو گئی تھی۔ مجھے خوف ہونے لگا تھا کہ

ساتھ اُس کی آنکھوں میں خمار پیدا ہو رہا تھا۔ اُس کی مرمریں بانہیں میری بانہوں کو جنت بخش رہی تھیں۔ موسیقی کے جادو نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی۔ دھیرے دھیرے میرے قدم مدّھم ہوتے گئے اور ہال کے ایک تاریک سے کونے کی طرف بڑھتے گئے۔ میں تاریکی میں کھڑا دیر تک اُس کے جوان جسم کی خوشبو سے مدہوش رہا۔ پھر یکایک جیسے ہم دونوں کے خواب ٹوٹ گئے۔

وہ مُسکرائی اور اپنے ٹیبل پر آکر بیٹھ گئی۔ میں بھی اُس کے رُوبرو بیٹھ گیا۔ موسیقی ختم ہو چکی تھی اور اب ہال شیشے میں بند لال پری کے رقص پر جھوم اُٹھا تھا۔ جام کھنکتے رہے اور پیہم استوال ہوتی رہی۔

"ریلی یور کنٹری از نوبل ——— بیوٹی فل ——— مسٹر . . مسٹر . . . ؟"

اُس پر شرابی کی سی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ وہ میرا نام جاننا چاہتی تھی۔

"اشوک ———" میں نے اُس کی پریشانی دُور کی۔

"اوہ ——— اشوک ——— اشوک دی گریٹ ———!!" وہ مُسکرا پڑی ——— "اور مجھے کہتے ہیں مارگریٹ ——— تمھیں یہ نام کیسا معلوم ہوا ———!! آئی ——— بولو نا ———!!" وہ بہک رہی تھی۔

"سویٹ ——— ریلی ویری سویٹ ———!!" میں نے اُس کی دلجوئی کی۔

"میرا وطن انگلینڈ ہے۔ میں ساری دُنیا کی سیاحی کر رہی ہوں۔ مُلکوں مُلکوں گھوم رہی ہوں۔ بہت لُطف آتا ہے ——— پیرس ——— روم ——— کویت ——— بیروت ——— واشنگٹن ——— ماسکو ——— ٹوکیو ——— مانٹی کارلو ——— فنس!! یہ دُنیا کتنی بڑی ہے۔ انڈیا کی ہسٹری مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے ——— اشوک دی گریٹ ———!"

میں اُس کی بہکتی ہوئی آنکھوں کی مستی میں گُم تھا۔

دفعتاً وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی ——— "رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ مجھے اب نیند بہت ستا رہی ہے۔ میں اِسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۲ میں ٹھہری ہوں۔ تم ابھی کچھ دیر کے لئے رُک جاؤ نا ——— اشوک ——— پلیز ———!!"

میں عجیب کشمکش میں مُبتلا تھا۔ مجھے مارگریٹ کی اِس دلیری پر بہت حیرت ہو رہی تھی۔ اِتنی مختصر سی ملاقات اور اِتنی بے تکلفی! میں کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات اُبھرتے رہے ——— یہ لڑکی کہیں غیر مُلکی جاسوس نہ ہو، دُشمنوں کی کسی تنظیم سے تعلق نہ رکھتی ہو، کوئی کرسٹین کیلر ثانی نہ ہو ——— لیکن مجھ سے اُسے ملے گا بھی کیا ———؟ میں اُسے سہارا دیتا ہُوا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اُس نے کمرہ میں پہنچ کر مجھے ایزی چیئر پیش کی اور کمرہ کو

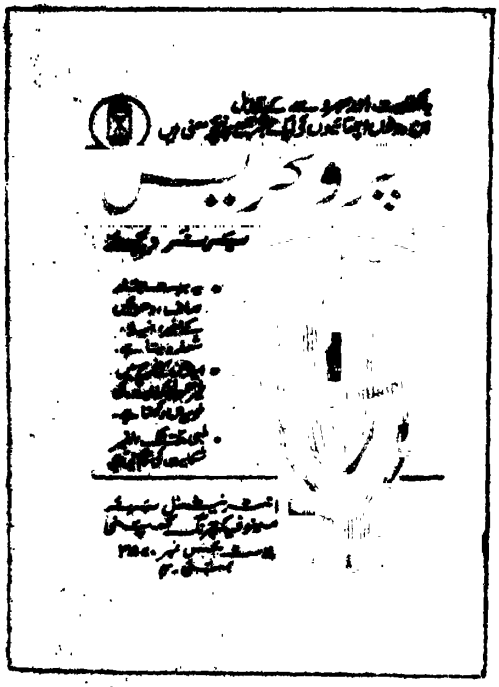
[illegible] جیسے کسی کھڑکی [illegible] رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پر جب چاندنی پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا گویا [illegible] رہا ہے۔ کھجوروں کے لمبے لمبے سائے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ ایک عجیب پُرکیف منظر تھا۔ میں اِن نظاروں میں گُم تھا کہ مارگریٹ [illegible] لباس میں میرے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ مجھے اِن نظاروں میں گُم [illegible] اُسے ٹوکا۔

"ہاؤ ڈو یو لائک دِس؟"

"اوہ ——— اِٹ از ونڈر فل گفٹ ——— بیوٹی فل ——— یہ قدرت کی شاعری ہے ——— بالکل شاعری ——— عمر خیام کی رُباعیوں نے ایسے ہی موسم میں جنم لیا ہے۔ اِن رُباعیوں سے مجھے تو عشق ہے ——— عشق ———" وہ [illegible] چل پڑی تھی۔

"تم بھی تو قدرت کی ایک خوبصورت غزل ہو ——— اِتنی حسین شاعری کی گئی ہے۔ میں بھی کہیں تم سے پیار نہ کر بیٹھوں؟" میں اپنے جذبات نہ روک سکا اور حقیقت کہہ گیا۔

"پیار ——— ہاہاہا ——— !! ——— ہاہا ——— ہاہاہا" وہ [illegible]



ہنستی جارہی تھی جیسے میں نے کوئی نہایت ہی بھونڈی بات کہہ دی ہو۔ عشق و محبت کے معاملے میں میرا نظریہ بہت رجعت پسندانہ ہے۔ میں ہوس کو محبت کا نام دینا محبت کی توہین سمجھتی ہوں۔ محبت ایک فطری جذبہ ہے جس کا اظہار اسے بالکل سطحی بنا دیتا ہے۔ میں تو تمہاری قسم کی محبت کی قائل ہوں۔ میرے سامنے محبت کا اظہار اس پاک جذبے کی توہین ہے جو جذباتی انداز میں کہے جا رہی تھی۔

"میں آپ کے خیالات سے متفق ہوں لیکن میرا ابھی تو کوئی نظریہ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تشنہ لبی بغیر لب کشائی کے جان لیوا بھی تو ثابت ہو سکتی ہے اور وہ پیاس ہی کیا جو تسکین تک نہ پہنچے۔ میں تو ہنستی کھیلتی، رنگا رنگ اور بھرپور زندگی کا شیدائی ہوں — غموں سے دور — پیار و محبت کی حسین وادیوں میں مہکتی سی زندگی!!"

میں نے اپنے خیالات اس پر روشن کر ڈالے۔

وہ زیرِ لب مسکرائی اور ایک توبہ شکن سی انگڑائی لی اور میرے شانے سے لگی اور بولی — "اشوک! اس بحث کو طول نہ کرو۔ بھلا یہ موسم یوں ہی برباد کرنے کا ہے — ؟!"

میں اس کی بے باکی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں اس طرح کھل کر باتیں کرنا مجھے عجیب معلوم ہوا۔ میں اس کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھتا رہا، اس کے رخسار کی لالی سے شفق چرا تا رہا — اور جب رات کا آنچل سرکا اور صبح کی مسکراہٹ بکھری تو میں مارگریٹ کے بہت قریب آ گیا تھا جیسے اس کا میرا ساتھ جنم جنم کا ہو۔

میں شام کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا آیا۔ لیکن سارا دن عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ کتنی شاموں کی مہکتی روشنی نے مانگ کو ہم دونوں نے اپنے پیار کے صندلی سیندور سے سجایا۔ گیٹ وے آف انڈیا، جوہو بیچ، چوپاٹی، میرین ڈرائیو، ن اینڈ سینڈ کے سوئمنگ پول، مراٹھا مندر، ہر جگہ میں مارگریٹ کے ساتھ ساتھ رہا۔ پھر وہ تنہا شہروں شہروں گھومتی رہی۔

کشمیر کی گل پوش وادیوں میں اسے سوئٹزرلینڈ کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ الورا اجنتا کی گپھاؤں میں ہندوستان کی عظمت کی تاریخ کے اوراق اس کے ذہن میں مرتسم ہوئے۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں تہذیب و اخلاق کی جنت نظر آئی۔ پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں ہندوستان مسکرایا اور ہواؤں میں کیف و سرور کی نغمگی بکھیر گیا۔ بنارس میں دین اور دھرم کا شور رچ بس گیا اور فضاؤں میں عقیدت مندوں کے دلوں کی دھڑکنیں تحلیل ملیں۔ کلکتہ کی فضاؤں میں زلفوں کا جادو سر سرایا اور زمانے کی زندگی کی تصویر ملی۔ وہ سارا ہندوستان دیکھتی رہی۔ میں اس کے آنے کا روز انتظار کرتا رہا۔

اس نے کلکتہ سے ایک خط لکھا —

"ڈیر اشوک — میں بمبئی واپس آنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریوں کی بنا پر دم دم ہی سے لندن کے لئے پرواز کر رہی ہوں۔ تم سے نہ ملنے کا افسوس ساری زندگی رہے گا — تمہاری مارگریٹ!"

میں اس کا خط پڑھ کر جیسے تڑپ گیا۔ ایک بے قراری سی سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ اس کا ملنا اور پھر یکایک اس طرح بچھڑ جانا ایک خواب جیسا معلوم ہوا۔ میں تھکا تھکا سا یادوں کی تیز چھری پر اپنے احساسات کی انگلیوں کو مدتوں گھائل کرتا رہا۔ وقت کے مرہم نے دھیرے دھیرے ان زخموں کو مندمل کر دیا۔

اور اب مدتوں بعد مارگریٹ نے اپنے آنے کی خبر دی تھی۔

ظاہر ہے یہ خبر میرے لئے بہاروں کا پیغام لائی تھی۔ دل میں مسرتوں کا آبشار سا ابل پڑا۔

شانتا کروز کے ایروڈرم پر بہت رونق تھی۔ میں نے اپنی کار پارک کی اور بی۔ او۔ اے۔ سی کے طیارہ کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی طیارہ کے آنے میں تقریباً آدھے گھنٹے کی دیر تھی۔ یہ آدھا گھنٹہ انتظار کی الجھن میں اور اضافہ کرتا رہا۔ بہت ہی بے صبری میں وقت گزرا۔ طیارہ کے آنے کا جب اعلان ہو گیا تو میں پھولوں کا گلدستہ لئے ریلنگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ فضا میں ایک سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور طیارہ بڑی شان سے لینڈنگ گراؤنڈ پر چلنے لگا۔ سیڑھی کے لگتے ہی مسافر باہر ابل پڑے۔ میں بینا کولر سے بھی اترنے والوں کو بغور دیکھتا رہا لیکن مارگریٹ نظر نہ آئی۔ میری پریشانی بڑھتی گئی۔ میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ سب سے آخر میں مارگریٹ نمودار ہوئی۔ اس کی گود میں تولیہ میں لپٹا ہوا ایک بچہ تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی بچہ کو اپنے لبوں تک لے جا کر بہت پیار سے چوما۔ بچہ شاید سو رہا تھا۔ میں اس کی گود میں بچہ دیکھ کر بجھ سا گیا اور بہت بے دلی سے اس کی طرف دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرائے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھل کھلا کر ہنس پڑی جو اس کی خاص عادت تھی۔ وہ باہر چلی آنا چاہتی تھی کہ کسٹم والوں نے اس کے سامان کی چیکنگ شروع کر دی۔ میں باہر کھڑا کھڑا بہت ہی بور ہو رہا تھا۔ ادھر مارگریٹ بھی جلد مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔

میں باہر کھڑا سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔ مارگریٹ نے اپنا تمام سامان کسٹم والوں کے حوالے کر دیا تاکہ اس کی اچھی طرح جانچ ہو جائے اور تولیہ میں لپٹے اپنے بچہ کو سامنے والی میز پر رکھ دیا۔ بچہ بہت اطمینان سے سویا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک سوال ابھرتا رہا کہ مارگریٹ نے شادی کب کی؟ اور مجھے بہت مایوسی ہوتی رہی۔ اس کی شخصیت بے حد پراسرار ہو گئی تھی۔ مجھے خوف ہونے لگا تھا کہ

سے اُس کی آنکھوں میں خمار پیدا ہو رہا تھا۔ اُس کی مرمریں باہیں میری باہوں کو جنت تخشی رہیں۔ موسیقی کے جادو نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی۔ دھیرے دھیرے ہمارے قدم مدھم ہونے گئے اور ہال کے ایک تاریک سے کونے کی طرف بڑھتے گئے۔ میں تاریکی میں کھڑا دیر تک اُس کے جوان جسم کی خوشبو سے مدہوش رہا۔ پھر یکایک جیسے ہم دونوں کے خواب ٹوٹ گئے۔

وہ مسکرائی اور اپنے ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں بھی اُس کے رُوبرو بیٹھ گیا۔ موسیقی تھم چکی تھی اور اب ہال شیشے میں بند لال پری کے رقص پر جھوم اُٹھا تھا۔ جام کھنکتے رہے اور جام متوالی ہوتی رہی۔

"ریلی یور کنٹری اِز لولی —— بیوٹی فل —— مسٹر ... مسٹر ...!"

اُس پر شرابی کی سی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ وہ میرا نام جاننا چاہتی تھی۔

"اشوک —— میں نے اُس کی پریشانی دُور کی۔

"اوہ —— اشوک —— اشوک دی گریٹ —— !!" وہ مسکرا پڑی —— "اور مجھے کہتے ہیں مارگریٹ —— تمھیں یہ نام کیسا معلوم ہوا —— !! آئی سے بولو نا —— !!" وہ بہک رہی تھی۔

"سویٹ —— ریلی ویری سویٹ —— !!" میں نے اُس کی دلجوئی کی۔

"میرا وطن انگلینڈ ہے۔ میں ساری دُنیا کی سیاحی کر رہی ہوں۔ ملکوں ملکوں گھوم رہی ہوں۔ بہت لطف آتا ہے —— پیرس —— روم —— کویت —— بیروت —— واشنگٹن —— ماسکو —— ٹوکیو —— ملائی گڈ نس!! یہ دُنیا کتنی بڑی ہے۔ انڈیا کی ہسٹری مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے —— اشوک دی گریٹ —— !"

میں اُس کی بہکتی ہوئی آنکھوں کی مستی میں گم تھا۔

دفعتاً وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوئی —— "رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ مجھے اب نیند بہت ستا رہی ہے۔ میں اِسی ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۲ میں ٹھہری ہوں۔ تم ابھی کچھ دیر کے لئے رُک جاؤ نا —— اشوک —— پلیز —— !!"

میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ مجھے مارگریٹ کی اِس دلیری پر بہت حیرت ہو رہی تھی۔ اِتنی مختصر سی ملاقات اور اِتنی بے تکلفی! میں کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات اُبھرتے رہے —— یہ لڑکی کہیں غیر ملکی جاسوس نہ ہو، دشمنوں کی کسی تنظیم سے تعلق نہ رکھتی ہو، کوئی کرسٹین کیلر ثانی نہ ہو —— لیکن مجھ سے اُسے ملے گا بھی کیا —— ؟ میں اُسے سہارا دیتا ہوا سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اُس نے کمرہ میں پہنچ کر مجھے ایزی چیئر پیش کی اور کمرہ کی

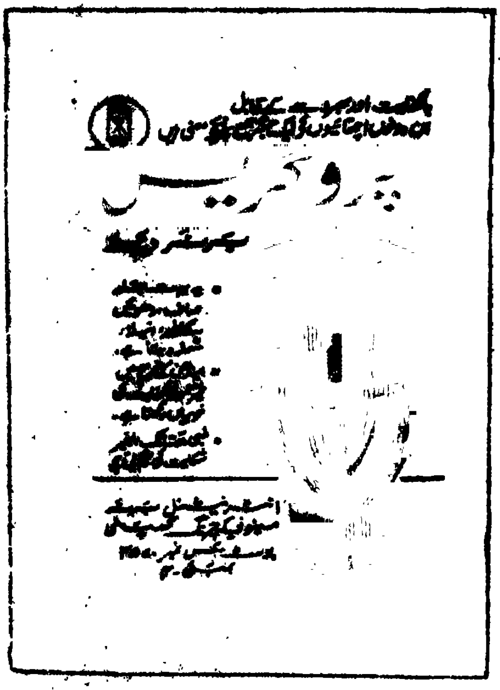
[illegible] ... رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پر جب چاندنی پھیلی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رہا ہے۔ کھجوروں کے لمبے لمبے سائے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ ایک عجیب پُرکیف منظر تھا۔ میں اِن نظاروں میں گم تھا کہ ... لباس میں میرے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی اِن نظاروں میں گم تھی کہ میں نے اُسے ٹوکا۔

"ہاؤ ڈو یو لائک دِس؟"

"اوہ —— اِٹ اِز وَنڈرفُل گُڈ —— بیوٹی فل —— ورڈز ورتھ کی شاعری ہے —— بالکل شاعری —— عمر خیام کی رُباعیوں نے جیسے ... مجسم لیا ہے۔ اِن رُباعیوں سے مجھے تو عشق ہے —— عشق —— !!" وہ مچل پڑی تھی۔

"تم بھی تو قدرت کی ایک خوبصورت غزل ہو —— بالکل حسین شاعری کی گئی ہے۔ میں بھی کہوں تم سے پیار نہ کر بیٹھوں۔" میں اپنے جذبات روک نہ سکا اور حقیقت کہہ گیا۔

"پیار —— !!!! —— !! —— !!! —— !!! —— [illegible]



ہنستی جارہی تھی جیسے میں نے کوئی نہایت ہی بھونڈی بات کہہ دی ہو۔ عشق و محبت کے معاملے میں میرا نظریہ بہت رجعت پسندانہ ہے۔ میں ہوس کو محبت کا نام دینا محبت کی توہین سمجھتی ہوں۔ محبت تو ایک فطری جذبہ ہے جس کا اظہار آپ ہی آپ بالکل سطحی بنا دیتا ہے۔ میں تو تنہا [illegible] کی قائل ہوں۔ میرے سامنے محبت کا اظہار اس پاک جذبے کی توہین ہے [illegible] انداز میں کہے جا رہی تھی۔

[illegible] متفق ہوں۔ لیکن میرا ابھی کوئی نظریہ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں آج تلک جس [illegible] کے جال لیو ابھی تو ثابت ہو سکتی ہے اور وہ پیاس ہی کیا جو تسکین تک نہ پہنچے۔ میں تو ہنستی کھیلتی، رنگا رنگ اور بھرپور زندگی کا شیدائی ہوں۔ غموں سے دُور — پیار و محبت کی حسین وادیوں میں مہکتی سی زندگی!!"

میں نے اپنے خیالات اُس پر روشن کر ڈالے۔

وہ زیر لب مسکرائی اور ایک تو بہ شکن سی انگڑائی لی اور میرے شانے سے لگی اور بولی — اشوک! اس بحث کو طول نہ کرو۔ بھلا یہ موسم یوں ہی برباد کرنے کا ہے —؟!"

میں اُس کی بے باکی سے بہت ہی متاثر ہوا۔ ایک اجنبی سے پہلی ہی ملاقات میں اس طرح کھُل کر باتیں کرنا مجھے عجیب معلوم ہوا۔ میں اُس کی زلفوں کے پیچ و خم میں اُلجھتا رہا، اُس کے رُخسار کی لالی سے شفق چُراتا رہا — اور جب رات کا آنچل سرکا اور صبح کی مسکراہٹ بکھری تو میں مارگریٹ کے بہت قریب آ گیا تھا جیسے اُس کا میرا ساتھ جنم جنم کا ہو۔

میں شام کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا آیا لیکن سارا دن عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ کتنی شاموں کی مہکتی روشنی اُس نے بانگ کو ہم دونوں نے اپنے پیار کے صندلی سیندور سے سجایا۔ گیٹ وے آف انڈیا، جوہو بیچ، چوپاٹی، میرین ڈرائیو، سن اینڈ سینڈ کے سویمنگ پول، مراٹھا مندر، ہر جگہ میں مارگریٹ کے ساتھ ساتھ رہا۔ پھر وہ تنہا شہروں شہروں گھومتی رہی۔

کشمیر کی گل پوش وادیوں میں اُسے سوئٹزرلینڈ کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ الورا اور اجنتا کی گپھاؤں میں ہندوستان کی عظمت کی تاریخ کے اوراق اُس کے ذہن میں اُبھر آئے۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں تہذیب و اخلاق کی جنت نظر آئی۔ پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں ہندوستان مسکرایا اور ہواؤں میں کیف و سرور کی نغمگی ملی۔ صبحِ بنارس میں دین اور دھرم کا شور رہا جگمگایا اور فضاؤں میں عقیدت مندوں کے دلوں کی دھڑکنیں تحلیل ملیں۔ کلکتہ کی فضاؤں میں زُلفوں کا جادو سر اُبھرا اور الٹرا ماڈرن زندگی کی تصویر ملی۔ وہ سارا ہندوستان دیکھتی رہی۔ میں اُس کے خطوں کا روز انتظار کرتا رہا۔

اُس نے کلکتہ سے ایک خط لکھا —

"پیارے اشوک — میں بمبئی واپس آنا چاہتی تھی لیکن چند مجبوریوں کی بنا پر دم دم ہی سے لندن کے لئے پرواز کر رہی ہوں۔ تم سے نہ ملنے کا افسوس تمام زندگی رہے گا — تمہاری مارگریٹ!"

میں اُس کا خط پڑھ کر جیسے تڑپ گیا۔ ایک بے قراری سی سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ اُس کا ملنا اور پھر یکایک اس طرح بچھڑ جانا ایک خواب جیسا معلوم ہوا۔ میں تھکا تھکا سا یادوں کی تیز چھُری پر اپنے احساسات کی اُنگلیوں کو مدتوں گھائل کرتا رہا۔ وقت کے مرہم نے دھیرے دھیرے اُن زخموں کو مندمل کر دیا۔

اور اب مدتوں بعد مارگریٹ نے اپنے آنے کی خبر دی تھی۔

ظاہر ہے یہ خبر میرے لئے بہاروں کا پیغام لائی تھی۔ دل میں مسرتوں کا آبشار سا اُبل پڑا۔

شانتا کروز کے ایروڈروم پر بہت رونق تھی۔ میں نے اپنی کار پارک کی اور بی۔ او۔ اے۔ سی کے طیارہ کا انتظار کرنے لگا۔ ابھی طیارہ کے آنے میں تقریباً آدھے گھنٹے کی دیر تھی۔ یہ آدھا گھنٹہ انتظار کی الجھن میں اور اضافہ کرتا رہا۔ بہت ہی بے صبری میں وقت گزرا۔ طیارہ کے آنے کا جب اعلان ہو گیا تو میں پھولوں کا گلدستہ لئے ریلنگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ فضا میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی اور طیارہ بڑی شان سے لینڈنگ گراؤنڈ پر پھیلنے لگا۔ لینڈ کرتے ہی مسافر باہر اُبل پڑے۔ میں بیناکولر سے سبھی اُترنے والوں کو بغور دیکھتا رہا لیکن مارگریٹ نظر نہ آئی۔ میری پریشانی بڑھتی گئی۔ میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ سب سے آخر میں مارگریٹ نمودار ہوئی۔ اُس کی گود میں تولیہ میں لپٹا ہوا ایک بچّہ تھا۔ اُس نے باہر نکلتے ہی بچّے کو اپنے لبوں تک لے جا کر بہت پیار سے چُوما۔ بچّہ شاید سو رہا تھا۔ میں اُس کی گود میں بچّہ دیکھ کر بُجھ سا گیا اور بہت بے دلی سے اُس کی طرف دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرائے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھِل کھِلا کر ہنس پڑی جو اُس کی خاص عادت تھی۔ وہ باہر چلی آنا چاہتی تھی کہ کسٹم والوں نے اُس کے سامان کی چیکنگ شروع کر دی۔ میں باہر کھڑا کھڑا بہت ہی بور ہو رہا تھا۔ اُدھر مارگریٹ بھی جلد مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔

میں باہر کھڑا سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔ مارگریٹ نے اپنا تمام سامان کسٹم والوں کے حوالے کر دیا تاکہ اُس کی اچھی طرح جانچ ہو جائے اور تولیہ میں لپٹے اپنے بچّے کو سامنے والی میز پر رکھ دیا۔ بچّہ بہت اطمینان سے سو رہا تھا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک سوال اُبھرتا رہا کہ مارگریٹ نے شادی کب کی؟ اور مجھے بہت مایوسی ہوتی رہی۔ اُس کی شخصیت بے حد پُر اسرار ہو گئی تھی۔ مجھے خوف ہونے لگا تھا کہ

کہیں میں آگ سے تو نہیں کھیل رہا ہوں!؟

جب میں نے کسٹم آفس کی طرف دیکھا تو مارگریٹ کے سامان کی O.K. کردی گئی تھی اور مارگریٹ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا پونے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ اُس نے میرے بچّہ کو پھر گود میں لے لیا اور دو ہی قدم بڑھی تھی کہ ایک کسٹم آفیسر بہت تیزی سے اُس کی طرف لپکا اور قریب پہنچتے ہی بچّہ کے گال پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ کسٹم آفیسر کو اتنی دیر تک بچّہ کے بالکل جامد و ساکت رہنے پر شک ہو گیا تھا۔ مارگریٹ کی ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور بچّہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آگرا۔ بچّہ مرا ہوا تھا۔ کسٹم فورس نے مارگریٹ کو گھیر لیا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں دُور ریلنگ پار ہی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ مارگریٹ بار بار میری طرف امداد طلب نظروں سے دیکھتی رہی۔ ضرور کوئی سنگین بات ہوگئی تھی۔ میں پریشان ہو رہا تھا۔

کسٹم آفیسر نے بچّہ کو ضبط کرلیا تھا۔ اُس کا ڈاکٹری معائنہ ہوا۔ رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ بچّہ کے پیٹ کو چیر کر اُس میں تیس پونڈ سونا پوشیدہ کر کے کیمیائی مرکب دے کر پھر اُسے سی دیا گیا تھا۔

مارگریٹ کو سمگلنگ کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ مارگریٹ نے اپنے بیان میں بتایا کہ وہ لندن کے ایک اسپتال میں نرس ہے۔ وہ اپنی بے باک، شوخ اور چنچل اداؤں سے لندن کی چند بڑی شخصیتوں کی محبوب نظر ہے جو اسے اِس پیشہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ وہ دُنیا کے تمام مُلکوں میں یہی دھندہ کرتی ہے اور ہر جگہ بچّہ ہی کی مدد سے کامیاب ہو جاتی ہے۔ یہ بچّے اُسے لندن کے اُس اسپتال سے جہاں وہ مُلازم ہے بہت اچھی تعداد میں آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں جن کی مائیں کنواری ہُوا کرتی ہیں۔

مارگریٹ کا بے حد نفرت انگیز رُوپ میرے سامنے تھا۔ یہ رُوپ تھا دُنیا کے ایک نہایت ہی مہذّب اور ترقّی یافتہ مُلک کا ــــ جس کی سلطنت کی حدُود میں سُورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا۔ جہاں شخصی آزادی اور حقیقت پسندی کے جھوٹے اور بے مقصد جنون میں ہر شوہر اپنے دوستوں کی بیویوں کو بھی اپنی بیوی جیسی سمجھتا ہے اور ہر بیوی اپنے شوہر کے دوستوں کو اپنے شوہر جیسا پیار دیتی ہے۔ کوئی شوہر بیوی پر بھروسہ نہیں کرتا اور کوئی بیوی شوہر پر اعتماد نہیں کرتی۔ جہاں کنواری لڑکیاں گھر کے دروازے پر کھڑی ہو کر اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ شوہر کی طرح باتیں کرتی ہیں اور اُن کے والدین خوش ہوتے ہیں۔ جہاں شیکسپیر، سمرسٹ ماہم اور برٹرنڈ رسل جیسے دانشوروں نے جنم لیا تھا اور ساری دُنیا کو ایک نئی دُنیا کے خیالات کی نئی روشنی عطا کی تھی۔ وہی روشنی اب شاید اتنی تیز ہوگئی تھی کہ اُس پر اندھیرے کا گمان ہونے لگا تھا اور اُسی اندھیرے میں کرسٹن کیلر، نا گمیں حاشا کر، کیلر اور [illegible] کے معصوم جسموں کے چہروں سے مہذّب بنے رہنے کا نقلی چہرہ نوچ پھینکا تھا اور [illegible] رُوپ بہرُوپ کا ڈرامہ بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ مارگریٹ ہر کہانی میں یہاں تو الزابیتھ ٹیلر، ڈورس ڈے، ہوبٹ [illegible] اور [illegible] روز ہی جنم لے رہی ہیں اور ترقیوں کے نئے باب وا کر رہی ہیں۔

آج کی مارگریٹ اور ایک سال پہلے کی مارگریٹ میں کتنا فرق تھا۔ میرے دل میں اُس کے لئے بے حد نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھنے والے اب تک اِس پر ڈاکہ زنی کر رہے ہیں۔

میں سوچتا رہا ــــ آج چودہ اگست ہے اور کل یوم آزادی کا روشن سُورج طلوع ہوگا۔ آج اِس مُلک و قوم کے سب سے بڑے مہربان کو ایسی ہی سلامی ملنی ہی چاہئے!؟

اور میں پھولوں کا گلدستہ کسٹم آفیسر کی نذر کر چکا تھا!!

غزل

محمد نفیس آزاد کلاشی ایم اے

ہم سے برہم ہے اس آنچل کی ہوا اب کے برس
دیکھئے کیسے جلے غم کا دیا اب کے برس

عمر کی آخری منزل پہ کھڑا ہوں جیسے
بارہا دل کو یہ محسوس ہوا اب کے برس

پچھلے برسوں کی دعاؤں کا اثر ہے شاید
ہاتھ اٹھتے ہی نہیں بہرِ دعا اب کے برس

مدتوں سے جو مرے ذہن پہ منڈلاتا تھا
حادثہ، دیکھئے، وہ ہو کے رہا اب کے برس

کس کے ہاتھوں کی لکیروں کا ہو مفہوم بہار
کون کھولے گا ترے بندِ قبا اب کے برس

عمر بھر جس کا لہو چاٹ کے جینا ہے ہمیں
زخم اپنوں سے ہمیں ایسا ملا اب کے برس

کون اب کس کے لئے شعلے کا شعروں میں اتریں
کتنے جذبوں کو ملے گی نہ صدا اب کے برس

ہم تری زلف کی نکہت کے لئے ترسیں گے
اور ہی شہر کو جائے گی ہوا اب کے برس

فاصلے کتنے ہی جنوں کے بڑھے ہیں آزاد
ہم سے اک شخص جدا ایسے ہوا اب کے برس

غزل

محمد غلام محی الدین حبیبی القادری ناگوری

سوئے منزل مری نظر بھی نہیں
میں کہاں ہوں مجھے خبر بھی نہیں

ہے جہاں عشق کا مقام، وہاں
طائرِ عقل کا گذر بھی نہیں

اِس قدر رنج و غم ملے مجھ کو
اب مجھے رنج و غم کا ڈر بھی نہیں

میں کس امید کے سہارے جیوں
اب تو وہ شام وہ سحر بھی نہیں

وہ بظاہر تو بے خبر ہیں مگر
میری حالت سے بے خبر بھی نہیں

دم تو لینے دے گردشِ ایام!
کر ستم لیکن اِس قدر بھی نہیں

دوستو! زندگی کی راہ گزار
پُر خطر بھی ہے پُر خطر بھی نہیں

غزل

نسیم شاہجہاں پوری

ہر دعا ہے بے اثر ہر آرزو ناکام ہے
زندگی شاید انھیں مجبوریوں کا نام ہے

حوصلہ مجبور، دل بے کیف، آنکھیں اشکبار
صبح تک کیا جانے کیا گزرے ابھی تو شام ہے

دل کی ہر دھڑکن یہی پیغام دیتی ہے مجھے
زندگی کو جاوداں کہنا خیالِ خام ہے

جلوے خود ہی دعوتِ نظارہ دیتے ہیں مجھے
پھر بھی میری ہی نگاہِ شوق پر الزام ہے

ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے کمالِ حسنِ دوست
دیکھنے والوں کی نظریں ہوں تو جلوہ عام ہے

اللہ اللہ چشمِ ساقی کی کرم فرمائیاں
جو فدائے جام تھا وہ بے نیازِ جام ہے

تو کہاں اور تیرے یہ دلکش ترانے اے نسیم
حضرتِ دل[1] کا حقیقت میں یہ فیضِ عام ہے

(1۔ استادِ محترم حضرت دلؔ شاہجہاں پوری مرحوم)


آپ میں
۵۰،۰۰۰ روپے
کے انعامات ضرور جیتئے!
پہلا انعام ۳۰،۰۰۰/- روپے
دوسرا انعام ۵،۰۰۰/- روپے
تیسرا انعام ۲،۵۰۰/- روپے
"میرا روپ میری پسند" مقابلے میں حصہ لیجئے

تمنّا نشاط کی

اکرام جاوید بی۔کام

۴۲-۴-۱۹۷۰ (جدید) ڈیوڑھی نواب ذوالفقار جنگ، گولی گوڑہ، حیدرآباد نمبر ۲۴ (اے پی)

محترم خوشتر بھائی! تسلیم

آپ کی خیریت اور بے پناہ خلوص کا پیغامبر "افسانہ نمبر" مل گیا۔ مندرجات کے انتخاب اور ترتیب میں آپ نے حسبِ روایت اپنی مثالی صلاحیتوں اور شائستہ ذوق کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ اُردو زبان اور اس کے ادب کی بقا اور ترقی کے لئے آپ کی مسلسل انتھک اور مؤثر مساعی ناقابلِ فراموش ہیں! ——— افسانہ نمبر کی کامیابی کے لئے دِلی مُبارکباد قبول فرمایئے! ——— "بیسویں صدی" کے لئے میں شاید ایک بھولی ہوئی کہانی بن گیا ہوں۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک جن حالات اور جس کرب و انتشار کا شکار رہا ہوں، بیان مشکل ہے۔ جو بھی گزری گزر گئی اور گزر رہی ہے۔ حالات، ماحول، رشتہ دار، دوست ——— کیا بتاؤں میں ان سب سے کتنا بیزار، اُکتایا ہُوا اور غیر مطمئن ہوں۔ میرے لئے بڑی چیز دل کی خوشی اور سلامتی تھی اور خوشی کیسے ملتی ہے جو مجھے ملتی! ——— یہ افسانہ "تمنّا نشاط کی" میری ذہنی اور رُوحانی بے چینی کا آئینہ دار ہے۔ اُمید کہ آپ اسے پسند کریں گے ——— فرصت ملے تو کبھی کبھی اپنے ایک دُور افتادہ بھائی کو یاد کر لیجئے۔ بے غرض، بے لوث اور سچی محبت کے لئے ترس کر رہ گیا ہوں . . .

آپ کا اپنا ——— اکرام جاوید

★

سماجی زندگی سے اُکتایا ہُوا، محرومی اور نارسائی کے شعلوں میں جلتا ہُوا، ہر تمنّا، ہر طلب اور ہر احساس سے عاری، کب سے ایک تاریک خلا میں مُعلّق اور مصلوب ہوں۔ تمھیں کیسے بتاؤں نشاط! کیسے سمجھاؤں؟

تم ایک فنکار ہو۔ رقص و موسیقی کے فن میں تم نے کمال حاصل کیا۔ لیکن نام اور مقام نہ پا سکیں۔ تم اپنی شخصیت اور فن کے اظہار کے لئے بے قرار ہو۔ لیکن وقت مہربان نہیں، حالات سازگار نہیں۔ فن کے جھُوٹے قدر دانوں نے قدم قدم پر تمھیں لُوٹا، ہَوس اور خود غرضی نے تمھارا شیشۂ دل چُور چُور کر دیا۔ اِسی شکستگی اور مایوسی کے عالم میں تم مجھ سے ملیں۔ میں نے تمھیں دیکھا اور پہچان لیا۔ میرے لئے تم کیا ہو؟ یہ بتا نہیں سکتا۔ مختصر سی مُدت میں تم دل سے اتنی قریب آگئی ہو، کچھ اس طرح میرے خوابوں اور خیالوں پر چھا گئی ہو کہ تمھارے سوا مجھے کسی کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ میں صرف تمھارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ تمھارے فن کی سلامتی میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں تمھارے لئے حالات کو سازگار بنانا چاہتا ہوں۔ تمھاری خوشی کے لئے اپنی زندگی تک قربان کر دینا چاہتا ہوں۔ ایک خواب، ایک تمنّا اور سہی۔ آغاز اور انجام سے آگاہ تو ہوں۔ ایک سفر اور سہی!

اس طرح کی باتوں سے، بے پناہ خلوص اور بے مدعا ہمدردی سے تمھیں حیرت بھی ہو سکتی ہے اور اُلجھن بھی۔ تم میری نیّت اور ارادے پر شک بھی کر سکتی ہو۔ پُرکشش، پُرشباب، سانولی سلونی، دراز قد لڑکی۔ خوبصورت کتابی چہرے اور اُداس رُومانی آنکھوں والی حسینہ! تم مجھے غلط بھی سمجھ سکتی ہو اور میں اس تصوّر ہی سے کانپ جاتا ہوں کہ تم نے بھی غلط سمجھا تو میرا کیا ہوگا؟ میں

نظر

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں نظر ہے

نشاطِ تو بجلی پناہ مانگے، جھلکے تو دُنیا تباہ کردے ——— نامعلوم

خدا کے اپنے حسن محو ہیں، کہ شکست سے بچا تا

مری ہر نظر ہے جلوہ مرے سامنے نہ آتا ——— اقبال سہیل پوری

ترے جلووں میں گُم ہوکر، خودی سے بے خبر ہوکر

تمنا ہے کہ رہ جاؤں سراپا نظر ہوکر ——— جگر مرادآبادی

اِک نظریوں کہ ساغرِ دل میں

جو لہو ہے شراب ہو جائے ——— خرم مرادآبادی

ہر ذرّہ دِل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے

جس سمت وہ نظریں اُٹھتی ہیں کونین اِدھر ہو جاتی ہے ——— نامعلوم

مرسلہ: شہوار صدیقی نگینہ مرادآبادی

کیسے زندہ رہ سکوں گا؟ نشاط!

میں اپنا قصۂ غم سنا بھی چکا۔ باتوں باتوں میں، اشاروں کنایوں میں رازِ دل افشا کر چکا ہوں۔ اب کیا بتاؤں؟ ایک زندہ لاش کا تصور شاید تم کر سکتی ہو۔ تم سے ملنے سے پہلے میں ایک زندہ لاش ہی تھا۔ تمنا کا اُجڑا ہوا چمن، اُمید کا ایک بجھا ہوا چراغ! میری زندگی کوئی غیر معمولی حادثہ یا واقعہ نہ تھی۔ میں پیدا ہوا، پلا، بڑھا، جوان ہوا۔ برقِ تجلی لہرائی اور میں جل گیا۔ بجلیوں اور نشیمن کا قصہ بہت پرانا ہے۔ میں عشق ہوں۔ میری بے قراری اور نارسائی کی کہانی ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی ہے!

جب تم سے ملاقات ہوئی تو میں حیران و ششدر رہ گیا۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں گرما کی اُداس شاموں کی رُومانیت، پتلے پتلے تراشیدہ ہونٹوں پر بجھی بجھی سی محبت بھری مسکراہٹ لئے جب تم نے میری طرف دیکھا تو بے اختیار مجھے ایک کھوئی ہوئی مسکراہٹ کی یاد آگئی ——— خوابوں کا ایک خون شدہ دور جیسے لوٹ آیا۔ تمہارا نام نشاط ہے۔ لیکن میرے دل کی گہرائیوں سے آواز بلند ہوئی ——— "نسرین تم؟"

تم سے دو چار ملاقاتیں اور ہوئیں اور ہر ملاقات جیسے شراب کا ایک جام تھی کہ نشہ چڑھتا گیا۔ لاکھ ضبط کیا۔ لیکن تمہاری شخصیت کے مقناطیسی اثر کے آگے بے بس ہو کر رہ گیا!

زندگی کا [illegible] ذکر کیا جس میں ایک لڑکا [illegible] تھا۔ وہ [illegible] پسند کرتا تھا۔ لیکن [illegible] درمیان مذہب کی دیوار حائل ہو گئی۔ قصہ ختم ہو گیا۔ لیکن دل [illegible] میں حیران و ششدر رہ گیا۔ برسوں پہلے نسرین نے بھی [illegible] افسردہ انداز میں اپنی ایسی ہی ایک حسرتِ ناکام کا ذکر کیا تھا۔ تمہاری طرح اُس نے بھی ایک غیر مذہب کے نوجوان سے دل لگایا اور ناکام ہوئی تھی!

حالات کے اعتبار سے بھی تم بہت حد تک نسرین سے مماثل ہو [illegible] نہیں ہے۔ میں اس مماثلت کو ہرگز اتفاقی نہیں سمجھ سکتا ——— نسرین کی طرح تمہارا گھر بھی پہلے کافی متمول تھا۔ پھر معاشی بحران کا شکار ہو گیا۔ نسرین کے [illegible] والد بھی سادہ لوح انسان ہیں اور تم بے حد اعتماد کرتے ہیں۔ نسرین نے اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا اور تم نے بھی اپنے بھائی بہنوں کے مستقبل کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ تمہاری طرح نسرین کو بھی سہارے کی ضرورت تھی۔ لیکن میرا سہارا پاکر وہ اور بھی بے سہارا ہو گئی۔ وقت گزر گیا میں نسرین کے لئے کچھ بھی نہ کر سکا تھا اور اب تمہارے لئے کچھ کرتے ہوئے جان دینے کی تمنا ہے!

ایک رات تم نے اپنے ایک تازہ خواب کا ذکر کیا۔ خواب میں تم نے ایک عجیب مگر خوبصورت پہاڑی مقام دیکھا۔ ایک ایسی چٹان پر خود کو پایا جو نیچے سے دیکھنے والوں کو زمین اور آسمان کے درمیان مُعلّق معلوم ہوتی تھی۔ اُس چٹان کے بارے میں جو بھی تفصیلات تم نے بیان کیں، وہ میرے لئے حیرت کا باعث تھیں۔ مجھے کیا کچھ یاد نہ آیا؟ دل پر جو بیت گئی سو بیت گئی، لیکن میں حیران تھا کہ تم نے کیوں اُس چٹان کو خواب میں دیکھا؟ تمہاری رُوح کو وہ جگہ کیوں دکھائی گئی؟ اُس جگہ کا تم سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

شہر کی مصروف مشینی زندگی سے میلوں دُور، سرسبز و شاداب پہاڑیوں میں اُس چٹان پر ایک ایسی کہانی کا آغاز ہوا تھا جس کی مثال داستانی ادب کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے ——— وہ ایک خوبصورت رُوح تھی ——— نسرین! ایک خوبصورت جسم کے پیالے میں چھلکتی ہوئی حُسن و شباب کی شراب۔ عظیم محبت بھری، روشن خیال، آزاد رَو اور بے باک! وہ ایک خواب کی طرح میری زندگی میں آئی اور نشہ کی طرح میرے رُوم رُوم پر چھا گئی۔

مگر دُنیا ذہنی پستی کی شکار ہے۔ وہ اپنی عام سطح سے بلند ہو ہی نہیں سکتی۔ کچھ سمجھ نہیں سکتی۔ مجھے دُنیا کی پروا ہے نہ دُنیا والوں کی۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ نہ زندگی سے اور نہ موت ہی سے۔ تم نہ ملے ہوتے تو یقیناً اب تک خودکشی کر چکا ہوتا؟ وہ اکثر کہا کرتی: "تم عام سطح سے بلند ہو، میرے معیار پر پورے اُترتے ہو، لیکن تم بھی اب

بلیھو ۔۔۔ کھیت سے نیچے ... دیکھتے، تم اب تک کہاں تھے؟ دشتِ تنہائی میں کتنی صدیوں سے تمہیں تلاش کر رہی تھی! میں کتنی بیقرار اور دکھی ہوں، تم میرے انتظار کے کرب کا اندازہ نہیں کر سکتے؟"

مجھے اختیار ایچ رائیڈر ہیگرڈ کے ناول "شی" (SHE) کی ہیروئن یاد آ جاتی۔ لافانی ملکۂ حُسن جو ہزاروں برس سے اپنے محبوب کی راہ تک رہی تھی!

"میں ازل سے تمہاری رہی ہوں، تم ہمیشہ بے خبر رہے ہو اور اب اتنی صدیوں بعد تم ملے ہو تو بھی پابند اور مجبور بن کر! تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ تم ننھے ننھے معصوم بچوں کے باپ ہو۔ سرکاری عہدہ دار ہو۔ سرتا پا جکڑے ہوئے ہو۔ بولو اب میں کیا کروں؟ تمہیں اب کی بار بھی پانا ممکن نہیں ہے" کہتے ہوئے وہ چونک جاتی۔ "نہیں، نہیں۔ ایسا نہ ہوگا۔ میں کسی کے سہاگ پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتی۔ باپ کو بچوں سے جدا نہیں کر سکتی۔ سنو ۔۔۔ مجھ سے دُور دُور ہی رہو۔ مجھ سے ملنے میں اندیشہ ہے کہیں تمہاری خاندانی زندگی درہم برہم نہ ہو جائے؟"

"یہ صرف تمہارا وہم ہے" میں جلدی سے کہہ اٹھتا۔ "یقین کرو میں اپنی بیوی سے کبھی بیوفائی نہیں کر سکتا۔ اپنے بچوں سے غافل نہیں ہو سکتا اور تمہیں بھی خود سے دُور نہیں کر سکتا۔ بیوی میرا جسم ہے تو تم میری رُوح ہو! ۔۔۔ کیا رُوح جسم میں نہیں رہتی؟ میری خاندانی زندگی کو متاثر کئے بغیر بھی تم میرے ساتھ رہ سکتی ہو؟"

"تم مجھے پہچانتے ہو ۔۔۔ جینے کے لئے یہ احساس کافی ہے۔ میں جو ازل سے تمہاری رہی ہوں، ابد تک تمہاری رہوں گی!"

"میرا اسرارِ رُوحانی وجود تمہارا ہے۔ میں ایک لافانی دائمی رفاقت کا وعدہ کرتا ہوں!" میرا لہجہ جذباتی ہو جاتا۔ "موت کے اندھیروں میں گھبرائی، سہمی ہوئی رُوحوں کے ہجوم میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، قدم سے قدم ملائے، ہم موت کے، فنا کے، اسرار اور دہشت کے اندھیروں سے گزر جائیں گے۔ ایک دن آئے گا، جب ہم اس طرح مل جائیں گے کہ جدائی کا تصور بھی ممکن نہ ہوگا!" اور وہ دلی جذبات کی شدت پر قابو پاتے ہوئے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر زور سے دبا دیتی اور گہرے خیالوں میں ڈوب جاتی تھی!

وہ خوبصورت وادی، زمین اور آسمان کے درمیان معلق سی چٹان اور اس پر پھیلا ہوا بیکراں نیلگوں آسمان شاہد ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے کتنی عجیب، ہمہ گیر، بے لوث اور بے غرض محبت کرتے تھے۔ لیکن دُنیا خوشی کی قاتل بن گئی۔ میری خاندانی زندگی آندھیوں کی زد میں آ گئی۔ بدگمانی، رقابت اور تنگ نظری کی شمشیریں بے نیام ہو گئیں۔ میں روایتی انداز میں مجبور اور بے بس کر دیا گیا۔ جبر و تشدد کے اندھیروں میں ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ارادی اور اختیاری جدائی ۔۔۔ جسمانی سلامتی اور مادی زندگی کے سکون کی خاطر ۔۔۔ اس طرح جسموں سے پہچان کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ نام بے معنی ہو گئے۔ میں مشرق کے بے آب و گیاہ لق و دق صحراؤں میں اُسے ڈھونڈتا پکارتا رہا اور مغرب کی سرد برفیلی فضاؤں میں اس کی آواز گم ہو کر رہ گئی ۔۔۔ اپنی مرضی کے خلاف اُس نے شادی کر لی اور اپنے شوہر کے ساتھ مجھ سے، میرے شہر سے، میرے ملک سے، سینکڑوں ہزاروں میل دُور ایک مغربی ملک کو چلی گئی۔

اس کے بعد میں راکھ کا ایک ڈھیر تھا!!

اور تم سے ملنے کے بعد نشاط! اُداس رُومانی آنکھوں والی حسینہ! میں نے دوبارہ زندگی پائی۔ مشرق کے لق و دق صحراؤں میں سرسبز و شاداب چمن آراستہ ہو گئے۔ مغربی فضاؤں میں جمی ہوئی برف پگھل گئی۔ بھٹکتی ہوئی رُوحوں کو پھر جسم مل گئے، نام مل گئے۔ خواب میں تم نے اس مقام کو دیکھا۔ اس چٹان پر خود کو موجود پایا جس پر ایک انوکھی، عظیم اور لافانی محبت کے نقوش کچھ اس طرح کندہ ہیں جسے دیکھ کر الورا اور اجنتا کے فنکار بھی حیران رہ جائیں!!

نگاہ

کبھی صبحِ ازل کی دھوپ اُترتے تم نے دیکھی ہے
شبِ مہجوری کچھ، نگاہِ یار کی دُور سَستیزگی کیا تھی! ۔۔۔۔۔ فراقؔ گورکھپوری

عجب نگاہ سے ساقی نے بزم کو دیکھا
نہ بیخودی تھی کسی میں نہ ہوشیاری تھی ۔۔۔۔۔ نامعلوم

نیم باز آنکھوں سے یہ کیا نگہِ یار کیا
نہ تو معصوم ہی چھوڑا نہ گنہگار کیا ۔۔۔۔۔ حفیظ میرٹھی

بس اتنی فرصتِ نظارگی کوئی دیدے
میں دیکھ لوں کہ کہاں تک نگاہ میں دم ہے ۔۔۔۔۔ قاسم نقوی

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے ۔۔۔۔۔ مرزا غالب

مرسلہ: شہریار صدیقی، گنج مراد آبادی


بڑھیا لذت رکھنا
یہ رہی ایک بات
ساتھ ہی قوت بخش ہونا —
یہ رہی دوسری بات
اور اس قوت کو حاصل کرنے کا طریقہ کتنا مزیدار ہے
کیسا لطف دیتا ہے!
پارلے گلوکو بسکٹ میں پروٹین اور وٹامنوں سے بھرپور
دودھ، گیہوں اور شکر کے بہترین قوت بخش
اجزاء موجود ہیں۔
قدرتی طور پر
Gluco
پارلے گلوکو بسکٹ
خاص طور سے بچوں کے لئے بہترین خوراک ہیں
everest/900/PP/ur

غزلیں

احمد عاقل ...بومیلوی ایم۔اے، ایم کام بی۔ٹی

...ل غم پنہاں یہ ضروری تو نہیں
...نی ہو یہ عنواں یہ ضروری تو نہیں

شیخ ہو صاحبِ ایماں یہ ضروری تو نہیں
ہر مسلماں ہو مسلماں یہ ضروری تو نہیں

...رنے کا اک انداز ہے خاموشی بھی
...آئیں سرِ مژگاں یہ ضروری تو نہیں

ہے بظاہر تو تبسم مرے ہونٹوں پہ مگر
دل بھی سینے میں ہو شاداں یہ ضروری تو نہیں

...ف نہ کر شکوہ کہ دورِ غم میں
...ے کوئی انساں یہ ضروری تو نہیں

...ی کے دو گھونٹ سے بہک جائے ہر اک بادہ گسار
...سے بکے ساقیِ دوراں یہ ضروری تو نہیں

...ہوں لیکن مری بربادی پر
...شک بداماں یہ ضروری تو نہیں

...ت کا پرستار وفادار بھی ہو
...وری تو نہیں، ہاں یہ ضروری تو نہیں

...ی گئی عاقل غم دل سے نجات
...تجھے خوشیاں یہ ضروری تو نہیں

[illegible] ۱۹۷۰ء

صفیر احمد صوفی بی۔اے ایل ایل۔بی

اجنبی شہر میں ہم دیں تو صدا ئیں کس کو
ایک انبوہ ہے غیروں کا بلائیں کس کو

ہر تمنا ہے تہی دست سوالی کی طرح
دل میں زخموں کا یہ بازار دکھائیں کس کو

موم کی طرح ہر اک جسم پگھل جاتا ہے
اس کڑی دھوپ میں ہم ہاتھ لگائیں کس کو

ہم سے ملنے کو ہیں بے تاب ہزاروں فتنے
ہم پریشاں کہ سینے سے لگائیں کس کو

دل کی آواز کا جادو بھی اثر کھو بیٹھا
شہر کا شہر ہے خوابیدہ جگائیں کس کو

ایک دو پل میں سبھی رند سنبھل جائیں گے
صبح کا وقت ہے محفل سے اٹھائیں کس کو

بے گناہی کی ہے تصویر ہر اک دیوانہ
دوستو سنگِ ملامت ہے ڈرائیں کس کو

[illegible]

شوق سالکی لکھنوی

درد پیغامِ قضا ہو جیسے
کوئی دم کھینچ رہا ہو جیسے

میری فریاد مجھی تک آئی
یہ بھی گنبد کی صدا ہو جیسے

آج خاموش ہیں یوں شہر کے لوگ
سانحہ کوئی ہوا ہو جیسے

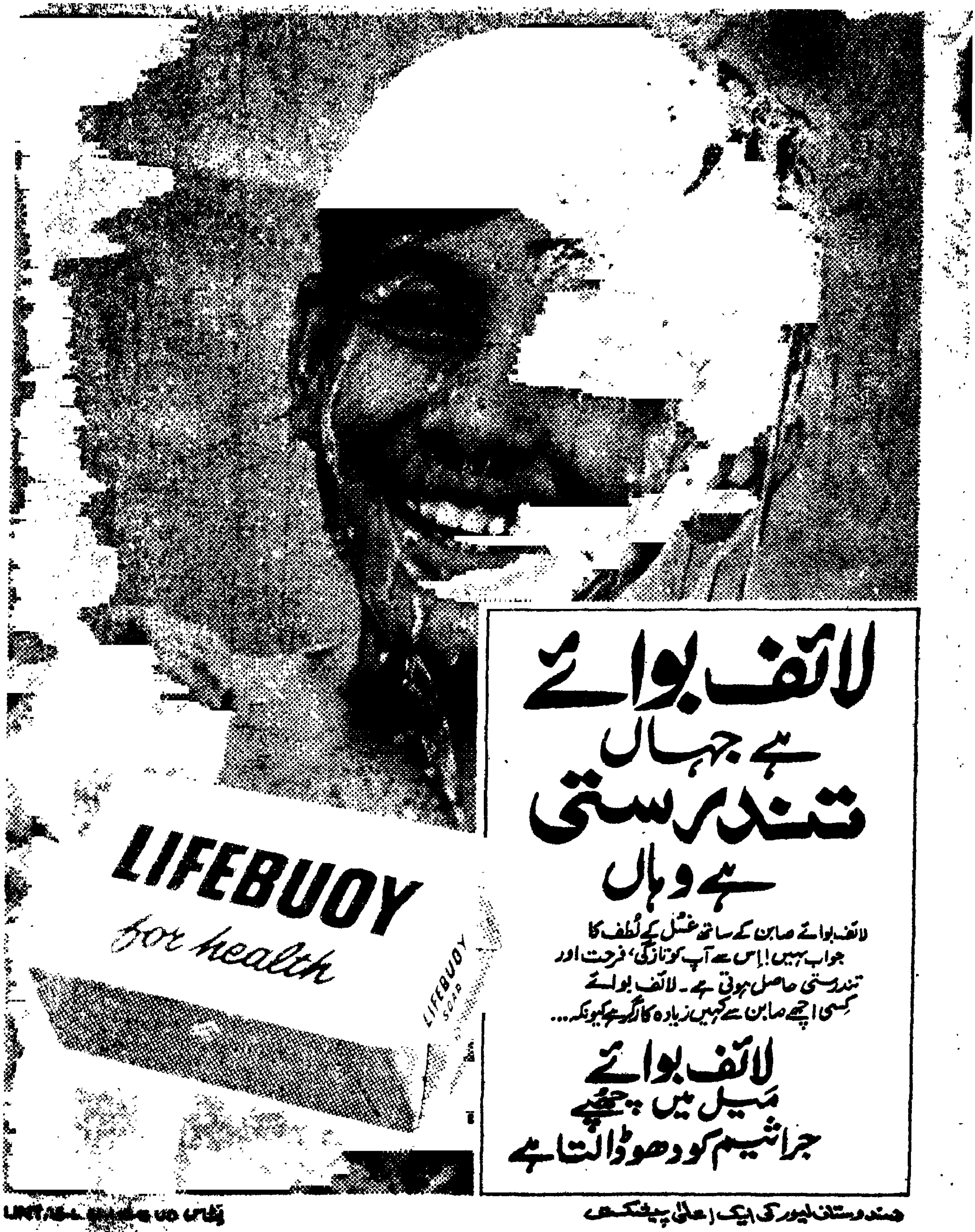
طنز کا ان کے اثر کیا کہئے
دل میں نشتر سا لگا ہو جیسے

رنج پہنچا ہے انہیں بھی شاید
رنگ چہرے کا اڑا ہو جیسے

یوں ہیں خاموش محبت کے نغمے
سازِ دل ٹوٹ گیا ہو جیسے

بعض اوقات یہ ہوتا ہے گماں
زندگی ایک بلا ہو جیسے

[illegible]



LIFEBUOY
for health
LIFEBUOY SOAP
لائف بوائے
ہے جہاں
تندرستی
ہے وہاں
لائف بوائے صابن کے ساتھ غسل کے لُطف کا
جواب نہیں! اِس سے آپ کو تازگی، فرحت اور
تندرستی حاصل ہوتی ہے۔ لائف بوائے
کِسی اچھے صابن سے کہیں زیادہ کارگر ہے کیونکہ...
لائف بوائے
مَیل میں چھُپے
جراثیم کو دھو ڈالتا ہے
ہندوستان لیور کی ایک اعلیٰ پیشکش

ٹھنڈی مچھلیاں

نور شاہ

ہسپتال روڈ، درگہ جن، سرینگر (کشمیر)

برادرِ محترم جناب خورشید گرامی صاحب آداب

شکر ہے اب آپ اچھے ہوں ـــــ "ٹھنڈی مچھلیاں" پیشِ خدمت ہے۔ اِن کا ذائقہ دیکھئے۔ یہ ایک حسّاس ذہن کی کہانی ہے۔ اُمید ہے آپ کو اور قارئینِ "بیسویں صدی" کو پسند آئے گی۔۔۔

آپ کا ـــــ نور شاہ

★

مجھے اِس گلی میں رہتے ہوئے اب ایک سال ہو چکا ہے۔ اپنے اِس نئے گھر ...سا محسوس ہوتا ہے جیسے شام کے سُرمئی سایوں میں کسی کے آنچل کا نیلا، ہرا ... سوچوں میں قوسِ قزح کا رنگ بکھیر رہا ہے۔ کوئی خیال میری آنکھوں میں ...رمریں لہر بن کر اُبھر رہا ہے۔ کوئی شریر میری بانہوں کی کوملتا کو پرکھ ... محسوس ہوتا ہے جیسے میرے وجود کا ایک ایک ذرّہ دُھلی دُھلی سی ...منہلے رات کی خاموشیوں کو چیرتا ہوا ٹمٹماتے ستاروں کی روشنی ...والے پیلے رنگ کے مکان میں اُس آواز کو تلاش کرتا ہے جو اکثر مجھے ...ہے۔ کبھی یہ آواز میدانِ جنگ میں رانی جھانسی کی آواز میں بدل جاتی ...تاج محل کے نرم گداز گوشوں میں سونے والی ممتاز بیگم کی کہانی کو ...کبھی مرزا غالب کی ڈومنی کی آواز بن کر کانوں میں قطرہ قطرہ شہد ... اور کبھی مُغل دربار میں فرمانِ نورجہاں کا روپ اختیار کرتی ہے ـــــ ... اِس آواز میں بلا کا درد، بلا کی بیقراری اور شدت کی پیاس جاگتی ... محسوس ہوتا ہے جیسے شیر افگن چیخ رہا ہو!!

...پیلے رنگ کے اِس مکان میں لڑکیوں کا ہائر سکنڈری سکول واقع ہے۔ ...اپنے کمرے کی کھڑکی کے پٹ آہستہ سے کھولتا ہوں تو میری نیم وا نظروں ...یکدم کئی چہرے، کئی روپ، کئی رنگ، کئی جسم اور کئی ساڑیاں اور ...ہم جاتے ہیں۔ میں جب اپنی نیم وا آنکھوں کو وا کرتا ہوں تو سامنے دیوار ...تصویروں میں کھو جاتا ہوں۔ وہ تصویر رانی جھانسی کی ہے۔ یہ نورجہاں کی ہے۔ یہ تاج محل ہے۔ رضیہ سُلطانہ کی تصویر کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے اُس کی آنکھیں اب بھی اُسی حبشی غُلام کو ڈھونڈ رہی ہیں جس کی خاطر اُس نے مرنا قبول کیا تھا۔ ایک تصویر غالب کی ہے جس کے ایک طرف مصور نے چند ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچی ہیں۔ میں جب غور سے اِن ٹیڑھی میڑھی لکیروں کو دیکھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ لکیریں ڈومنی کا روپ بھر کر رقص کر رہی ہیں ـــــ پھر جب میں اپنی کھڑکی کے پٹ بند کرتا ہوں اور پلٹ کر اپنے کمرے کی خالی خالی دیواروں کو ٹٹولنے لگتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے جیسے میں اپنے کمرے میں تنہا نہیں ہوں، کسی کے آنچل کا نیلا ہرا آنچل، میری سوچوں میں قوسِ قزح کا رنگ بکھیر رہا ہے۔ کوئی خیال آنکھوں میں جھیل کی مرمریں لہر بن کر اُبھر رہا ہے۔ کوئی شریر۔۔۔

(ڈائری کا ایک ورق)

پریم نگینیا

پیارے مدن!

تمہارا خط ملے کئی دن ہو گئے۔ میری اپنی خود ساختہ پریشانیاں ہیں۔ بس اُنھیں گلے لگائے زندگی کے یہ آن دیکھے لمحے گن رہا ہوں۔ تم نے ٹھیک سُنا ہے کہ میرے مکان کے سامنے لڑکیوں کا ہائر سکنڈری سکول ہے۔ بس نظریں اُٹھاؤ اور چاندی جیسے جسم دیکھو۔۔۔ میں نے اِن جسموں کو اپنے ہی نام دے رکھے ہیں ـــــ ایک پریتی ہے جس کی آنکھوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے ڈل جھیل کی گہرائیوں میں کھلے ہوئے دو کنول ہوں۔ ایک انوپما ہے جس کے چہرے کی شہابی رنگت


بڑھیا لذت رکھنا
یہ رہی ایک بات
ساتھ ہی قوت بخش ہونا۔
یہ رہی دوسری بات
اور اس قوت کو حاصل کرنے کا طریقہ کتنا مزیدار۔
کیسا لطف دیتا ہے!
پارلے گلوکو بسکٹ میں پروٹین اور وٹامنوں سے بھرپور
دودھ، گیہوں اور شکر کے بہترین قوت بخش
اجزاء موجود ہیں۔
قدرتی طور پر
Gluco
ہندوستان کے
سب سے زیادہ
بکنے والے
بسکٹ
پارلے گلوکو بسکٹ
خاص طور سے بچوں کے لئے بہترین خوراک ہیں
everest/900/PP/ur

غزلیں

...عاصم ...ی ایم۔اے، ایم کام، بی۔ٹی

...ں غم اپنہاں یہ ضروری تو نہیں
...نی ہو پشیماں یہ ضروری تو نہیں

شیخ ہو صاحبِ ایماں یہ ضروری تو نہیں
ہر مسلماں ہو مسلماں یہ ضروری تو نہیں

...رونے کا اک انداز ہے خاموشی بھی
...آئیں سرِ مژگاں یہ ضروری تو نہیں

ہے بظاہر تو تبسم میرے ہونٹوں پہ مگر
دل بھی سینے میں ہو شاداں یہ ضروری تو نہیں

...رف نہ کر شکوہ کہ دورِ غم میں
...نے کوئی انساں یہ ضروری تو نہیں

...پی کے دو گھونٹ بہک جائے ہر اک بادہ گسار
اے مرے ساقیٔ دوراں یہ ضروری تو نہیں

...باد ہوں لیکن مری بربادی پر
...ں اشک بداماں یہ ضروری تو نہیں

...ہر محبت کا پرستار وفادار بھی ہو
یہ ضروری تو نہیں، ہاں یہ ضروری تو نہیں

...ل بھی گئی عاصم غمِ دوراں سے نجات
...آئیں تجھے خوشیاں یہ ضروری تو نہیں

...سی دہلی نومبر ۱۹۷۰ء

صغیر احمد صوفی بی۔اے، ایل۔ٹی

اجنبی شہر میں ہم دیں تو صدائیں کس کو
آپ اپنوں سے ہے غیروں کا، بلائیں کس کو

ہر تمنا ہے تہی دست سوالی کی طرح
دل میں زخموں کا یہ بازار، دکھائیں کس کو

موم کی طرح ہر اک جسم پگھل جاتا ہے
اس کڑی دھوپ میں ہم ہاتھ لگائیں کس کو

ہم سے ملنے کو ہیں بے تاب ہزاروں فتنے
ہم پریشاں کہ سینے سے لگائیں کس کو

دل کی آواز کا جادو بھی اثر کھو بیٹھا
شہر کا شہر ہے خوابیدہ جگائیں کس کو

ایک دو پل میں سبھی رند سنبھل جائیں گے
صبح کا وقت ہے محفل سے اٹھائیں کس کو

بے گناہی کی ہے تصویر ہر اک دیوانہ
دوستو! سنگِ ملامت سے ڈرائیں کس کو

آج دِلّی میں کوئی اس کا طرفدار نہیں
پوچھو صوفی سے کہ دیتا ہے دعائیں کس کو

شوق سالکی لکھنوی

درد پیغامِ قضا ہو جیسے
کوئی دم کھینچ رہا ہو جیسے

میری فریاد مجھی تک آئی
یہ بھی گنبد کی صدا ہو جیسے

آج خاموش ہیں یوں شہر کے لوگ
سانحہ کوئی ہوا ہو جیسے

طنز کا اُن کے اثر کیا کہئے
دل میں نشتر سا لگا ہو جیسے

رنج پہنچا ہے اُنہیں بھی شاید
رنگ چہرے کا اُڑا ہو جیسے

یوں ہیں خاموش خوشی کے نغمے
سازِ دل ٹوٹ گیا ہو جیسے

بعض اوقات یہ ہوتا ہے گماں
زندگی ایک بلا ہو جیسے

اِس طرح پھرتا ہے مارا مارا
میری قسمت میں لکھا ہو جیسے

طعنہ زن مجھ پہ ہیں یوں شوق احباب
کوئی احسان کیا ہو جیسے

دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے بادام کے شگوفوں کا رنگ بکھر گیا ہو۔ ایک نیلا ہے اُس کے ہونٹ اور اُن پر تھرکتی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شیشہ ناگ کی سیمیں سطح پر پھیلی کرن آن پھیلی ہو۔ مجھے یہ مسکراہٹ پسند ہے۔ آنکھوں کی وہ گہری پُرسکون جھیل پسند ہے۔ اِن میں ڈوب کر کنارا بھی نہ ملا تو کوئی گلہ نہ ہوگا۔ ایک اور لڑکی ہے، میں اُسے نُور جہاں کہتا ہوں۔ اُس کی بیمار نگاہوں میں نشہ اور مستی ہے۔ اُس کے سنہرے تاروں ایسے بالوں میں چنار کے سایوں جیسی ٹھنڈک ہے۔ وہ جب ایک ادائے خاص سے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹک دیتی ہے تو دل مچل مچل جاتا ہے۔ ایک سائرہ ہے۔ اُس کی شکل فلم ایکٹریس سائرہ سے بہت ملتی ہے۔ اِسی لئے میں نے اُس کا نام سائرہ رکھا ہے۔ وہ جب چلتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہواؤں کی چھیڑ چھاڑ سے پتے سرسرا رہے ہوں! اور جب میں رآنی کو دیکھتا ہوں تو کسی حیات پرور

•••———•••———•••———•••

- جو ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ سے بچا، میں اُس کے جنتی ہونے کا ضامن ہوں۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم)
- انسان تھوڑی سی نفسانی خواہش کے لئے طویل رنج و کلفت کا شکار ہو جاتا ہے۔ (حضرت حذیفہ بن الیمانؓ)
- عورت کی بد خلقی پر صبر کرنے والا حضرت ایوبؑ کے صبر کے برابر ثواب پائے گا۔ (حضرت امام غزالیؒ)
- خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول وہ شخص ہے جو خلق کا بار اٹھائے یعنی خدمت کرے۔ (حضرت بایزید بسطامیؒ)
- کسی کے معاملات کی کُرید نہ کرو۔ (حضرت حسّان بن ثابتؓ)

•••———•••———•••———•••

خواب کی ساکن، غیر متحرک اور پُرسکون گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہی حال ملکہ کا ہے۔ اُس کے گال پر کالا تل دیکھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے میرے دل کے آنگن میں ایک کالا گلاب کھِل اٹھا ہو ——— نہ جانے کیا کہانی تمھیں سنانے بیٹھ گیا۔

تمھارا ——— ندیم

پریم کٹیا

پیارے مدن!

تمھارا ایکسپریس خط ملا۔ جانتا ہوں، والدہ میری شادی کے لئے بہت بے قرار ہیں۔ اِس عمر میں ایک بہو کی تمنا ہر عورت میں جاگتی ہے۔ لیکن میرے یار

کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ شادی اِس وقت ملتوی ہو جاتی۔ والدہ کو ... سمجھا میرے اچھے دوست!

تمھارا ———

گرمیاں بڑھ رہی ہیں۔ دن میں تو کافی گرمی ہوتی ہے۔ لوچا... البتہ راتیں قدرے ٹھنڈی اور پُرسکون ہیں۔ چاندنی کی شیع ر... مشہور ہے تو میاں کی رات بھی وادی کی ساری تپش کو اپنی گود میں سمو لیتی ہے اور میٹھی میٹھی فضا میں اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے کہیں دُور سے مدہوش ہوائیں لوریاں سنا رہی ہوں۔ پندرہ دن کے لئے گرمیوں کی وجہ سے بند ہو گیا ہے۔ سکول کے ... میں لگی شیر افگن کی تصویر مجھے گھورتی رہتی ہے۔ میری نظریں بھی رہتی ہیں۔ جاہ و جلال سے بھرپور شیر افگن کی تصویر کراہتی سی تصویر کے ہر رنگ میں غم و یاس کی ایک جھلک ملتی ہے۔ ساری عورت کی بے وفائی کا ماتم کر رہی ہے۔ مہرالنساء شیر افگن کی چہ... دل کی ملکہ جو ملکۂ ہندوستان بنی، جہانگیر کی نُور جہاں بنی۔ کتنا چُنا شیر افگن کو ——— یہ تصویر عورت کی بے وفائی پر رو رہی ہے ... ہوں، غصّے سے نہیں، خوف سے۔ کیا ہر عورت بے وفائی کی جیتی ... ہے؟ میرے اندر اندھیرے نے اپنا جال بُن لیا ہے۔ مجھے ہر شے ... ہے۔ مجھے سارا ماحول اُداس دکھائی دیتا ہے ——— کہیں میں پیار کرنے سے تو نہیں ہچکچاتا؟

(ڈائری)

پریم کٹیا

پیارے دوست!

کل رات ایک عجیب بات ہوئی۔ بکھرے ہوئے تاروں کی روشنی میں، میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھا اپنی ہونے والی ... میں سوچ رہا تھا کہ سکول کے سامنے والے کمرے میں دھنشا پائل کی ... میں نے جھانک کر دیکھا۔ مجھے اپنی آنکھوں کی بینائی پر شک ہوا۔ آنکھیں مسل دیں کہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، لیکن ... رہا تھا ——— ایک عورت بالکل رضیہ سلطانہ کی سی شکل و صورت لئے دیواروں پر بنائی ہوئی تصویروں کو کالے رنگ سے پوت ... ٹانگوں میں ذرا سی حرکت ہوتی اور چھم چھم کی آواز سے کمرے اور بھی اضافہ ہونے لگتا۔ جسم ایک ہلکا سا بَل کھاتا اور وہ لہرا...

... طرح ذہن کی تصویر پر چھا گئی۔ پھر تصویر پر سیاہ رنگ پھینکنے کے بعد وہ ... پر مسکرا دی، جیسے قربانی کبھی یوں ہی اپنی نازک سی گردن کو ایک ... دے کر پر پھڑپھڑاتی ہے۔ میں دیکھتا رہا، رات کافی گہری ہو گئی تھی۔ خواب ... میں نے ایک بھیانک سپنا دیکھا، جیسے ساری سیاہ لکیریں ایک دوسرے ... کر ایک کالے سیاہ روپ میں بدل گئی ہوں، میں نے ایک آواز سنی —— ... حبشی ہوں جسے رضیہ سلطانہ سے پیار کرنے کی پاداش میں سنگسار کیا گیا۔ ... ہوں ... وہی ہوں —— جب میری آنکھ کھلی میری نگاہیں اُس حبشی کو ... رہیں لیکن وہ کہیں بھی نہ تھا۔ دیوار پر رضیہ سلطانہ اُسی انداز سے ... تھی۔ نور جہاں کی بیمار آنکھوں میں وہی نشہ اور مستی تھی۔ رانی جھانسی ... پر وہی جلال تھا —— پھر یہ سب کیا تھا؟ یہ میں نے کیا دیکھا؟ ...

... بوجھل سا ہے۔ من کے رتھ پر سوار میں کہاں کہاں گھوم رہا ہوں۔ یہ ... دل کے جلتے ہوئے شعلے میں اپنی آنکھوں میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میں ہی ... ہوں۔ نہیں نہیں میں شیر افگن نہیں ہو سکتا۔ میں تو وہ معصوم حبشی ہوں ... دروں پر آویزاں یہ تصویریں بھٹکی ہوئی روحیں ہیں جنھیں سکون کی ... ہے —— مدن! کیا تم بتا سکتے ہو، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ کون میرا ... درہم برہم کرنا چاہتا ہے۔ کچھ تو بتا دو؟

تمھارا —— ندیم

اسکول کھل گیا ہے۔ ایک بار پھر میں رنگ رنگ کے لباسوں میں ملبوس ... دیکھ رہا ہوں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں جیسے یہ لڑکیاں نہ ہوں ٹھنڈی ... ہوں جو ایک کمرے میں بند کر دی گئی ہوں۔ جہاں پانی نہیں، ٹھنڈک ... چاہتا ہوں، اِن مچھلیوں کو آزاد کر دوں۔ اِنھیں گھومنے پھرنے دوں۔ ... سانس لینے دوں ... لیکن یہ سب لڑکیاں بن پانی کی مچھلیوں کی طرح ... ہی ہیں، ہانپ رہی ہیں۔

(ڈائری کا ایک ورق)

ڈیر مدن!

تمھارا خط ملا۔ ماں نے میرے لئے لڑکی پسند کر لی ہے، بہت خوب! لیکن ... پسند کرنے سے کیا ہوگا —— اور تم نے جو اپنے خط میں لڑکی کے خدوخال ... نقشے کے بارے میں لکھا ہے، وہ میرے اُس ideal سے بالکل جوڑ نہیں ... اس شبیہ سے کوئی مماثلت نہیں رکھتا جو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دی ... شادی کر دوں گا، ضرور کر دوں گا لیکن مجھے ایسی لڑکی کی تلاش ہے جسے میں نے اپنے ذہن میں سجایا سنوارا ہے، جسے میں نے اپنے خوابوں میں تراشا ہے۔ میں اُس لڑکی سے شادی کروں گا، جس کی آنکھیں پریتی سے ملتی ہوں۔ جس کے چہرے کی انوپما جیسی شہابی رنگت ہو۔ وہ سائرہ کی طرح چلتی ہو اور مجھے محسوس ہو کہ اُس کے چلنے سے پتے سرسرانے لگتے ہیں۔ وہ نور جہاں کی طرح اپنی پلکوں کو جنبش دے تاکہ میرے شریر میں ایک نرم گرم سی حرارت جاگ اُٹھے۔ وہ رانی کے حیات پرور خواب کی طرح غیر متحرک اور پُرسکون ہو۔ اُس کے گال پر ایک کالا تِل ہو جسے دیکھ کر مجھے احساس ہو جائے کہ میرے دل کے آنگن میں ایک کالا گلاب کِھل اُٹھا ہے۔ اُس کے سنہرے تاروں جیسے بال ہوں —— بس ایک ایسی ہی لڑکی کا انتظار ہے۔ میں بھی اپنے خیال کو جلد از جلد ایک زندہ روپ میں تشکیل پایا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے تصور میں جنم دینے سے مدتوں پہلے اُسے

- کمینے آدمی سے کبھی دوستی نہ کرنی چاہئے۔ اِس لئے کہ کوئلہ جلتا ہو تو اُسے چھونے سے ہاتھ جل جاتا ہے، اگر ٹھنڈا ہے تو اُسے چھونے سے ہاتھ کالا ہو جاتا ہے۔ (ہتوآپدیش)
- لوگوں کے دلوں میں خوشی کے پھول کھلانا ہزاروں تیرتھوں سے بہتر ہے۔ (مہاتما گوتم بدھ)
- جو لوگ صبح کو فیصلہ کرتے ہیں اور شام کو بدل دیتے ہیں وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (مہاتما گاندھی)
- دھرموں کا باہم کبھی جھگڑا نہیں ہوتا۔ جب بھی جھگڑا ہوتا ہے ادھرموں کا دھرم سے جھگڑا ہوتا ہے۔ (آچاریہ ونوبا بھاوے)

سانس لیتی ہوئی دنیا میں تلاش کیا ہے۔ کیا مجھے میری یہ تلاش مل جائے گی؟ اِس تلاش میں تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟ مجھے تو اپنا تصور بکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ مورت، وہ روپ، وہ شریر کہاں ہے جو یہ ساری علامتیں محفوظ کئے ہوئے ہے —— کیا کوئی ایسی لڑکی تمھاری نظر میں ہے؟

تمھارا —— ندیم

شاکر منزل

پیارے ندیم!

تم شاید آہستہ آہستہ اپنا ذہنی توازن کھو رہے ہو۔ جبھی تو ایسی باتیں کرنے لگے ہو۔ وہ لڑکی کہاں تلاش کی جائے جو تمھاری پریتی کی طرح مسکراتی ہو۔

ساگر کی طرح چلتی ہو، نور جہاں کی طرح دیکھتی ہو، راگ کی طرح مسکراتی ہو۔ مجھے محسوس ہوتا ہے تمھارے ذہن نے کئی محبوباؤں کو تراشا ہے اور تم ہر ایک کو اپنانا چاہتے ہو، جب یہ شکل نظر آتا ہے تو تم وہ نقوش، وہ خدوخال، وہ علامتیں ایک ہی لڑکی میں دیکھنا چاہتے ہو۔ یہ نا ممکن ہے۔ ایسی لڑکی کے لئے انتظار کی تاب بہت کم لوگ پاتے ہیں ——— سُنو، ماں نے تمھاری شادی پکّی کر لی ہے۔ شادی کے بعد تمھارے ذہن سے یہ بھوت اُتر جائے گا، شادی کے لئے اس مہینے کی آٹھ تاریخ طے ہو چکی ہے۔ تم فوراً چلے آؤ۔ ہاں! میں ماں سے چوری چھپے اُس لڑکی کی ایک تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہوں، وہ تمھیں بھیج رہا ہوں۔

تمھارا اپنا ——— مدن

[illegible]

نوجوان کی لاش پائی گئی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتہ چلا ہے کہ نوجوان نے کافی تعداد میں خواب آور گولیاں کھائی تھیں۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ خودکشی کی شادی ہونا قرار پائی تھی۔ نوجوان کے بستر پر بڑی تعداد میں تصویریں ملیں اور ایک نسوانی فوٹو کے بے شمار ٹکڑے ملے ہیں۔ پولیس اس سلسلے میں تحقیق کر رہی ہے کہ آخر ان مچھلیوں کا نوجوان کی خودکشی سے کیا تعلق ہے؟

(ایک)

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں آرڈر پر ضرور تحریر فرمائیے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے

نیا پیسہ ہو خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ ملاحظہ ہو بیسہ صفحہ پر

غزلیں

رشی پٹیالوی

زندگی لطفِ سکوں پانے لگی ‏ ‏ اُن کے دامن کی ہوا آنے لگی

عشق کی معصومیت کو دیکھ کر ‏ ‏ حسن کو محبوبیت آنے لگی

دیکھئے تہذیبِ نو کا ذائقہ ‏ ‏ دوستی کو دوستی کھانے لگی

جس نظر میں تھا محبت کا پیام ‏ ‏ وہ نظر کچھ اور فرمانے لگی

دُوریوں سے وہ قریب آنے لگے ‏ ‏ دُور دُور اپنی نظر جانے لگی

یاد آئی کس کی چشمِ مے فشاں ‏ ‏ اُودی اُودی سی گھٹا چھانے لگی

دل کی بے داری کا عالم ہے یہی ‏ ‏ اضطرابِ غم کو نیند آنے لگی

اے رشی کس کس کا دامن تھامئے

وہ گئے تو جان بھی جانے لگی

شوراج

نا اُمیدی بھی کیا سہارا ہے ‏ ‏ اب تو ہر موج اِک کنارا

غنچہ چٹکا تو یوں ہوا محسوس ‏ ‏ جیسے تم نے مجھے پکارا

لذّتِ درد سے نہ کر محروم! ‏ ‏ زندگی کا یہی سہارا

سچ تو یہ ہے غمِ محبت نے ‏ ‏ کاکلِ زیست کو سنوارا

کوئی وعدہ ہے اور نہ کوئی اُمید ‏ ‏ پھر بھی دل منتظر تمہارا

جب کبھی ڈوبا ہوں قلزمِ غم میں ‏ ‏ بڑھ کے موجوں نے خود اُبھارا

پھول چننے کا ہم کو حکم نہیں ‏ ‏ یوں تو سارا چمن ہمارا

غرقِ صہبا رہو مدام بہار!

چشمِ ساقی کا یہ اشارہ ہے

[illegible]

اِنشا سے انٹرویو

آذر بارہ بنکوی بی۔ اے، ایل ایل۔ بی

محلہ کشرہ، امام باڑہ، بارہ بنکی (یو۔ پی)

محبی جناب خوشتر صاحب! سلام و عقیدت

اُردو اور خوشتر، خوشتر اور اُردو ـــــ یہ دونوں نام ایک دوسرے سے جُدا نہیں کئے جا سکتے۔ اُردو کے حریفوں اور بدخواہوں نے چاہا تو کچھ اور تھا لیکن آپ حضرات کی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے عروسِ اُردو آج بھی خوش تر ہے اور خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے، اور (انشاء اللہ) اسی طرح آئندہ بھی خوش تر رہے گی ـــــ حضرتِ مصحفی کے بعد "اِنشا سے انٹرویو" قارئینِ "بیسویں صدی" کی خدمت میں پیش کرنے کی مسرت اور فخر حاصل کر رہا ہوں۔ دورِ حاضر کی طرح حضراتِ مصحفی اور انشا کے عہد میں بھی آئے دن سیاسی انقلابات رونما ہو رہے تھے۔ تہذیب و تمدن اور زندگیاں خطرے میں پڑی تھیں لیکن اُردو نے گوشۂ عافیت اُس وقت بھی تلاش کر لیا تھا۔ اُردو کی سب سے بڑی خوبی اور صفت یہ ہے کہ وہ اپنے پرستاروں کی محبت بھری نظر فوراً تاڑ جاتی ہے اور اِسی لئے اُس کے دشمن آج تک اِس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ ہاں! مصحفی اور انشا کی ادبی معرکہ آرائیاں اُن کے عہد کے لوگوں نے خوب خوب دیکھیں اور اُن سے لطف اندوز ہوتے لیکن اِتنے عرصے کے بعد ہم لوگوں نے تو اُن معرکہ آرائیوں کی صرف ہلکی پھلکی جھلک اُسی وقت دیکھی جب اُن کتابوں کے ورق اُلٹے جو اِن شعراء کے تذکروں کو اپنے مقدس سینوں میں ایک امانت کی طرح عرصے سے محفوظ کئے ہوئے ہیں ـــــ میرے خیال میں اِنشا اپنے رنگ کے تنہا شاعر ہیں۔ انشا کا انبساطی رنگ انھیں سے مخصوص ہے اور وہی اُس کے موجد بھی ہیں۔ اِنشا بیک وقت نہ صرف کئی کئی زبانیں جانتے تھے۔ بلکہ اُن پر کامل عبور بھی رکھتے تھے۔ عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت، ہندی، مارواڑی اور برج بھاشا پر بھی اِس حد تک قدرت رکھتے تھے کہ شعر موزوں کر سکتے تھے۔ پوری اُردو شاعری کا جائزہ لیجئے تو دورِ حاضر کا صرف ایک شاعر ایسا ملے گا جس کے کلام میں عربی فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں کے خیالات، تلمیحات اور صدہا الفاظ کا برمحل استعمال کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضرت فراقؔ گورکھپوری۔ اِنشا کی طرح حضرتِ فراقؔ کے کلام میں بھی بہت سی ایسی تلمیحات، خیالات اور ایسے صدہا الفاظ ملیں گے جو براہِ راست سنسکرت، ہندی، برج بھاشا یا کسی دوسری زبان سے آئے ہیں اور جن کا کوئی تعلق فارسی، عربی سے نہیں ہے۔ اِس حقیقت سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اُردو شاعری کا "بھارتیہ کرن" پہلے ہی اِنشا کے ہاتھوں ہو چکا ہے اور جو لوگ اُردو کا "بھارتیہ کرن" پھر چاہتے ہیں، اب انھیں مطمئن ہو جانا چاہیے . . .

مخلص ـــــ آذر بارہ بنکوی

آذر: حضرت! آپ کی خدمت میں خاکسار حقیقتاً حاضر ہوا ہے۔ آپ جیسے صاحبِ کمال شاعر سے ملاقات ہو جانا بھی اہلِ ذوق کے لئے خوش نصیبی کی دلیل ہے۔

انشا: "مدت کے بعد آئے نظر، خیر و عافیت
کہئے مزاج کی تو خبر، خیر و عافیت؟"

آذر: "الحمد للہ! لیکن گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے دل چاہتا ہے آپ ہی کا ایک شعر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ ملاحظہ فرمایئے ؎
تم نے غرور سے نہ اشارہ کیا کہ بیٹھ
اور اپنے پاؤں دکھنے لگے یاں کھڑے کھڑے
بہر حال میری خوش نصیبی تو اس سے ظاہر ہے کہ میں اس وقت آپ جیسے خوش مزاج، خوش لہجہ اور صاحبِ کمال شاعر کی خدمت میں حاضر ہوں — اب یہ فرمایئے کہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟"

انشا: "فضلِ خدا سے خیر، بہر حال شکر ہے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے دلِ افگار کا مزاج"

آذر: "تکلف برطرف، اب آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو حاضری کی غرض عرض کروں؟"

انشا: "عالم میں دوستی کے اور اس قدر تکلف
اٹھ جاتے چاہیئے ہے باہم گر تکلف"

آذر: "آپ کی کرم فرمائی ہے، ورنہ ناچیز اور جناب کی دوستی — چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک! ہاں! یہ آپ کے قلمدان میں کیسے کاغذات بکھرے پڑے ہیں؟"

انشا: "چھیڑا نہ کرو میرے قلمدان کے کاغذ
ہیں اس میں پڑے بندے کے دیوان کے کاغذ"

آذر: "لیجئے حضرت! اصل گفتگو کا آغاز تو آپ ہی کی جانب سے ہو گیا۔ میں بھی اتفاق سے شعر و سخن کے بارے میں گفتگو کرنے کا متمنی تھا — اچھا تو جناب ویسے تو عوام و خواص سبھی کے دلوں پر آپ کے علم و فضل اور کمالِ شاعری کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کے ہم عصروں میں آپ کے کمالِ شاعری کو پانے والا کوئی دوسرا شاعر نہیں ہے؟"

انشا: "یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانے کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اس کی ساکھ کا جوڑا"

آذر: "بجا ارشاد! اچھا تو کیا یہ بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے کہ آپ نے [illegible] شعرائے متقدمین سے کس کس کا اثر قبول کیا ہے؟"

انشا: "زباں بگڑی ہے کچھ شعر میں ایک تک
جامی کی، نظامی کی، سعدی کی، سنائی کی"

آذر: "بے شک! آپ کے کلام میں فارسی اور عربی کی تراکیب کا برمحل استعمال اور کہیں کہیں فارسی اور عربی کے پورے مصرعے اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ آپ کو فارسی اور عربی پر کامل عبور حاصل ہے؟"

انشا: "فارسی پر تیری آوے شہ ایران کو غش
عربی بولے تو ہو روم کا قیصر عاشق"

آذر: "ویسے تو معاملہ بندی میں جرأت کی طرح آپ بھی اپنا انفرادی رنگ رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کا مخصوص مزاحیہ انداز اور انبساطی رنگ — آپ کو جرأت سے یقیناً ممتاز کرتا ہے۔ پھر بھی کیا آپ نے اپنے ہم عصر مقبول شعرائے اردو میں سے کسی کی تقلید اور پیروی کی ہے — یا کس کے رنگ میں آپ نے شعر کہے ہیں؟"

انشا: "میر و قتیل و مصحفی و جرأت و مکیں
ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار چار پانچ
سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ میں
انشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار چار پانچ"

آذر: "تب تو حضرت! آپ کی ہر غزل گویا ایک ایسا سدا بہار گلدستہ ہو گی جس کا ہر پھول رنگ روپ اور بو باس میں ایک دوسرے سے مختلف۔ لیکن کیف و اثر میں ڈوبا ہوا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہ رنگ اور یہ سلیقہ دیکھ کر تو کچھ لوگوں کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتے ہوں گے؟"

انشا: "سن کے اب اشعار میرے کہتے ہیں یہ اہلِ رشک
کوئی اس کو کیا کرے یہ تو خدا کی داد ہے"

آذر: "مقبلہ! مرشد آباد چھوڑنے کے بعد آپ اپنے والدِ ماجد کے ساتھ فیض آباد نواب شجاع الدولہ کے دربار میں تشریف لے گئے اور وہاں کی محفل درہم برہم ہونے کے بعد آپ دلی تشریف لے گئے۔ وہ شاہ عالم کا دورِ حکومت تھا اور حالانکہ دلی اجڑ چکی تھی اور میر و سودا وہاں سے جا چکے تھے۔ پھر بھی خواجہ میر درد، حکیم ثناء اللہ خاں فراق، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، مرزا عظیم بیگ عظیم اور دوسرے بڑے بڑے سخنور اور چوٹی کے شاعر تو وہاں موجود ہی تھے۔ یہ سبھی حضرات اپنے فن میں طاق تھے اور دلی کی ادبی محفلوں اور مشاعروں پر چھائے ہوئے تھے اور باہم متحد اور صف آرا

چونکہ کسی نووارد کو رنگ جمنے نہیں دیتے تھے۔ آپ نے اِس صف آرائی کے خلاف تو ضرور بر لب کشائی کی ہوگی؟"

اِنشا:- "کیا کہیے ہم بولے تو رہا نہیں جاتا
اللہ کہاں تک کوئی اِس دل کو مسوسے"

آذر:- "یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آپ جب مشاعروں میں غزل پڑھتے تھے تو یہ حضرات کچھ تو آپ کے نووارد ہونے کی وجہ سے اور کچھ آپ کی کمسنی کے پیش نظر، یا تو تعریف کے موقعوں پر سر تک نہ ہلاتے یا ایسے مذاق آمیز الفاظ سے تحسین و تعریف کرتے جو آپ کی نازک طبیعت پر سخت گراں گزرتا تھا۔ اِس میں مرزا عظیم بیگ عظیم پیش پیش رہتے تھے۔ ایک روز نواب شجاع الدولہ کے بیٹے مرزا مینڈھو کے دولت کدے پر مشاعرے میں مرزا موصوف نے بحرِ رجز میں ایک غزل سنائی لیکن غزل کے بعض اشعار غلطی سے بحرِ رمل میں کہہ گئے۔ آپ تو مناسب موقع کی تاک میں تھے ہی، اِس موقع کو غنیمت جان کر، تُس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور فوراً ہی ایک مخمس کہہ کر اُسی مشاعرے میں سُنا دیا جس سے مرزا عظیم کو سخت خِفّت اٹھانی پڑی۔ اُس مخمس کا کوئی بند عنایت فرمائیے؟"

اِنشا:- "گر تُو مشاعرے میں صبا آج کل چلے
کہیو عظیم سے کہ وہ ذرا سنبھل چلے
اِتنا بھی اپنی حد سے نہ باہر نکل چلے
پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحرِ رجز میں ڈال کے بحرِ رمل چلے"

آذر:- "سبحان اللہ بظاہر ہے کہاں آپ کی قادر الکلامی، خیال آفرینی اور کہاں اِن حضرات کی صف آرائی؟ آپ کی چلبلی طبیعت اور خود اعتمادی اُن حضرات کی کہنہ مشقی اور صف آرائی کو کیا خاطر میں لاتی۔ اِس واقعہ کے بعد مرزا مینڈھو کے یہاں جب دُوسرا مشاعرہ ہُوا جس میں تقریباً سبھی شعرائے کرام ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور اپنے عزیزوں اور ہمدردوں کو ساتھ لے کر گئے تھے اور جس میں مرزا عظیم بیگ عظیم نے کچھ تو حضرتِ سودا کی شاگردی کے زعم میں اور کچھ انتقاماً ایک ایسا بند پڑھا تھا جس میں آپ پر کھلم کھلا چوٹ کی تھی اور دُوسرے شعراء بھی آپ کے خلاف صف آرا تھے تو آپ نے اِن حضرات کی خود پسندی اور خود سری کا منہ توڑ جواب اُس مشاعرے میں تو ضرور دیا ہوگا؟"

اِنشا:- "اِک طفلِ دبستاں ہے فلاطون مرے آگے
کیا منہ ہے، ارسطو جو کرے چوں مرے آگے
ہوں وہ جو سُرُوتی کہ گروہِ حکما سب
چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے"

آذر:- "بجا ارشاد! آپ کو فطرت کی طرف سے یقیناً بلا کی ذہانت ودیعت ہوئی ہے۔ اِسی لئے آپ کے کلام میں اِس قدر تنوع ہے اور اِتنے رنگ بھرے ہیں اور آپ نے ہر رنگ کو اِس خوبصورتی اور فنکارانہ انداز سے برتا ہے کہ کسی دُوسرے شاعر کو یہ بات نصیب نہیں ـــــ لیکن قبلہ! کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے جس کی وجہ سے آئے دن یہ شاعرانہ چشمکیں ہوا کرتی تھیں اور یہ بات کچھ دِلّی ہی کے لئے مخصوص نہ تھی، مرشد آباد میں جنابِ بیکس (عظیم آبادی) سے اور لکھنؤ میں مرزا قتیل، فائق اور مشہورِ روزگار حضرتِ مصحفی سے بھی خوب خوب ادبی معرکہ آرائیاں ہوئیں؟"

اِنشا:- "کاٹے ہیں ہم نے یونہی ایّامِ زندگی کے
سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں"

آذر:- "یہ تو سچ ہے حضرت! لیکن آپ نے اِن جھگڑوں سے کنارہ کشی کیوں نہ اختیار کی اور یہ معرکہ آرائیاں کیوں پسند فرمائیں؟"

اِنشا:- "عجیب لُطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں مِلاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے"

آذر:- "سُبحان اللہ! ـــــ اُس وقت دِلّی کے سیاسی حالات تو خراب تھے ہی ـــ اور اچّھا ہی کیا آپ نے جو دِلّی چھوڑ دی اور فرخ آباد کا رُخ کیا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ وہاں شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے اور اپنے والدِ ماجد کا جسدِ خاکی وہیں فرخ آباد میں پیوندِ خاک کر کے لکھنؤ کا رُخ کیا ـــــ لکھنؤ اُس وقت اودھ کا دار السلطنت تھا اور وہ نواب آصف الدولہ کا سُنہرا دَورِ حکومت تھا۔ شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ بھی یہیں موجود تھے اور بہت شکوہ سے رہتے تھے۔ وہ خود بھی شاعر تھے اور شعر و سُخن کے دِلدادہ بھی ـــــ میری معلومات کے مطابق اُن کی نگاہِ انتخاب نے آپ کو بھی اپنی سرکار سے وابستہ کر لیا ـــــ فرمائیے ایسا ہی ہُوا نا؟"

اِنشا:- "سیّد اِنشا ہے سُلیماں شاہ کِشور کا غُلام
اب کُھداتا ہوں یہی سنگِ سُلیمانی پہ مُہر"

آذر:- "اُس وقت لکھنؤ میں حضراتِ مصحفی، ولی اللہ محب، مرزا قتیل، جُرأت اور سعادت یار خاں رنگین اور اُن کے صدہا شاگردوں سے شعر و شاعری کی

محفلیں برابر دل گرم رہتی تھیں اور شہزادہ سلیمان شکوہ کے دولت کدے پر بھی برابر مشاعرے ہُوا کرتے تھے۔ شاید وہاں کسی مشاعرے میں حضرتِ مصحفی نے ایک غزل پڑھی تھی جس کا مطلع تھا ے

سرِ مُشک کا ہے تیسرا تو کافُور کی گردن
نے مُوئے پری ایسے نہ یہ حُور کی گردن

اِن مشاعروں میں آپ کے پہنچنے سے پہلے میرِ محفل حضرتِ مصحفی ہی ہُوا کرتے تھے۔ لیکن جب مرزا سلیمان شکوہ نے آپ کی شاگردی اختیار کر لی تو دُوسروں کے مقابلے میں وہ آپ کا خیال بھی زیادہ کرنے لگے۔ غالباً اِسی وجہ سے حضرتِ مصحفی اور آپ کے درمیان بددِلی کی بُنیاد پڑی اور آپ نے اعتراضاً حضرتِ مصحفی کی اِس غزل کے جواب میں ایک غزل اور ایک قطعہ کہہ دیا۔ بس پھر کیا تھا، ایک قیامت برپا ہوگئی اور وہ یادگار معرکہ آرائی ہوئی کہ ادب کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔ ممکن ہو تو اُس قطعہ کے چند منتخب اشعار مرحمت فرمایئے؟"

اِنشا۔ "کیا لُطف ہے کہ گردنِ کافور باندھ کر
مُردے کی باس زندوں کو لاکر سُنگھایئے
اُردو کی بولی ہے یہ، بھلا کھایئے قسم
اِس بات پر اب آپ ہی مصحف اُٹھایئے
اُستاد گرچہ ٹھہرے ہیں صاحب یُوں ہی سہی
لیکن ڈھکی ہی رکھیئے بس اِس کو چھپایئے
مخلص کا التماس پذیرا ہو سوچ کر
کہنے سے ایسے ریختہ کے باز آیئے
اِس رمز کا تو سُنوا یہاں کون ہے بھلا
اب بھیرویں کا پٹہ کوئی آپ گایئے"

آذر۔ "جی ہاں! یہی قطعہ تھا اور اِسی پر ناراض ہو کر حضرتِ مصحفی کے شاگرد حیدر علی گرم اور منتظر نے شُہدوں کا سوانگ بھر کر اور آپ کی ہجو کہہ کر ایک جلوس سرِ بازار نکالا تھا ــــ مگر واللہ آپ کی خوش مزاجی اور وقت شناسی کہ ناراض ہونے کے بجائے سب لوگوں کو اپنے گھر بُلا کر اُن کی خاطر خواہ تواضع کی اور اِس نازک موقع کو بہت خوش سلیقگی سے ہنسی میں اُڑا دیا۔ پھر اِس کے بعد واقعی بڑے غضب کا انتقام آپ نے بھی لیا اور حضرتِ مصحفی کی ایک مصنوعی بارات نکالی جس میں صدہا آدمی ہاتھیوں پر سوار، ایک ہاتھ میں گُڈا اور ایک ہاتھ میں گُڑیا لئے، ہجو پڑھتے ہوئے لکھنؤ کے بازاروں میں گھومتے پھرے تھے۔ ہاں! ــــ وہ کون سا شعر تھا جو اُس موقع پر بہت بلند آواز میں پڑھا جا رہا تھا؟"

اِنشا۔ "سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخِ کہن
لڑتے ہوئے آتے ہیں مصحفی و مصحفن"

آذر۔ "سُبحان اللہ حضرت! واللہ اِس رنگ میں بھی آپ کا جواب نہیں اور ہاں! غالباً آپ نواب سعادت علی خاں کے دربار سے بھی تو وابستہ رہے ہیں اور شاید نواب صاحب موصوف کے ندیمِ خاص ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا اور بڑی پُر لُطف صحبت ہوتی تھی اُن کی؟"

اِنشا۔ "عجب رنگینیاں باتوں میں کچھ ہوتی ہیں اے اِنشا
بہم ہو بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم"

آذر۔ "اِنشا صاحب! الحمد للہ آپ کی عُمر کا بیشتر حصہ تو عیش و طرب کے ماحول میں گزرا ہی ہے، پھر آپ کی یہ خوش گوئی، خوش مزاجی، یہ حُسن اور یہ سج دھج ــــ دل یہ یقین کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتا کہ آپ کا طرب انگیز دل عشق کی لذتوں سے محروم رہا ہو؟"

اِنشا۔ "ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق
کچھ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق"

آذر۔ "گستاخی معاف! آپ ناراض نہ ہوں، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں؟"

اِنشا۔ "چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سُنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سُنو"

آذر۔ "نہیں قبلہ، میری کیا مجال کہ میں دل میلا کروں، میں تو صرف یہ جاننے کا خواہش مند ہوں کہ ہر شاعر کی طرح آپ کا شعار بھی حُسن پرستی ہے کہ نہیں؟"

اِنشا۔ "مجھے کچھ حُسن پرستی سے نہیں کام وَلے
ہو ہی رہتا ہے مرے جی کا وبال ایک نہ ایک"

آذر۔ "اچھا تو یونہی سہی، پہل اُسی گلعذار کی طرف سے سہی، لیکن اب تو آتشِ عشق اپنا کام کر ہی چکی ہوگی؟"

اِنشا۔ "پُھنکا جاتا ہوں سوزِ عشق کی گرمی سے اے اِنشا
خدا نے کیا بلا یہ دل بنایا آگ کا جوڑا"

آذر۔ "خیر جناب! آپ نے اعتراف تو کیا، اب تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ عشق اور اُس کے اثرات سے ناواقف ہیں؟"

اِنشا۔ "عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں یہ اشکِ سُرخ
بیخودی ہے مغز اِس کا، اِس کا چھلکا اضطراب"

آذر۔ "ماشاء اللہ جناب سبحان اللہ اب یہ فرمائیے کہ اضطراب ہی اضطراب آپ کے عشق میں آیا ــــــ یا کبھی وصل کی رات بھی ٹھہری؟"

انشا۔ "سانپ سی زلف کی اُس کے جو کھو گئی سے لپٹ
پیچ کر بیٹھے گلے شب وہ گیا جھٹ سے لپٹ"

آذر۔ "مبارک ہو ــــــ کیا کبھی رندی و سرمستی کی فضاؤں میں ساقی و شراب کی محفلیں بھی آپ نے سجائیں؟"

انشا۔ "زرد گلابی لاکے ساقی نے کہا انشا سے رات
زعفرانی میرا حصہ، ارغوانی آپ کی"

آذر۔ "خیر مجھے تو قبلہ اِس سے محروم ہی رہنے دیجئے لیکن یہ فرمائیے کہ مے پرستی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے یا نہیں؟"

انشا۔ "کاش! ابر کرے چادرِ مہتاب کی چوری
تو مجھ سے بھی ہو جامِ مئے ناب کی چوری"

آذر۔ "سبحان اللہ! بہت تاثیر ہے واللہ آپ کی زبانِ مبارک میں ــــــ لیجئے سرد ہوائیں بھی چلنے لگیں اور ہلکی ہلکی پھوار بھی پڑنے لگی"

انشا۔ "پھوار مینہ کی خوش آیند ہے بہت اِس وقت
شراب پینے کا موقع اِسی پھوار میں ہے!"

آذر۔ "مگر جناب! کہاں آپ کا یہ زہد و تقویٰ اور کہاں یہ شاہد و شراب ــــــ؟ آخر یہ کافر آپ کے منہ کیسے لگ گئی؟"

انشا۔ "انشا بھلا وہ زاہدِ دیرینہ کیا کرے
خود جس کی جھانک تاک میں بنت العنب رہے"

آذر۔ "جی ہاں! یہ تو سچ ہے لیکن اِس میں کچھ شیطان کی کوششیں بھی کارفرما ہوتی ہیں؟"

انشا۔ "کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو اُن سے ہوں، لعنت کریں شیطان پر"

آذر۔ "انشا صاحب! یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اُردو زبان میں آپ جیسا کوئی دوسرا شاعر نہیں ہوا جسے بیک وقت کئی زبانوں پر عبور حاصل ہو اور اِس حد تک کہ وہ اُن کے الفاظ اور محاوروں کا برمحل استعمال بھی اپنے کلام میں کر چکے لیکن آپ نے محاورے [illegible] جو انسان رنگ اپنے کلام میں پیدا کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور دوسروں کے لئے ناقابلِ اتباع بھی ہے۔ اب زحمت کر کے چند ظریفانہ اشعار بھی سنا دیجئے؟"

انشا۔ "دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا
جب دھم سے آکہوں گا صاحب! سلام میرا"

خیال کیجئے کیا آج کام میں نے کیا
جب اُن نے دی مجھے گالی، سلام میں نے کیا"

آذر۔ "ماشاء اللہ! کیا حضرتِ مصحفی کی طرح آپ نے بھی مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں شعر کہے ہیں؟"

انشا۔ "آیا وہ خود فروش جو بازارِ حُسن میں
سودے میں اُس کے سیکڑوں مفلس نے غش کیا
غفلت تو آگئی تھی نشے میں ہمیں ولے
چیتے تو پھر کی شکوۂ سفر طِ عطش کیا"

آذر۔ "سبحان اللہ! مشکل ردیف و قافئے میں بھی بڑے صاف اشعار کہے ہیں آپ نے ــــــ آپ غالباً دُوسروں کے مذہبی رسم و رواج سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہیں اِس لئے اُن کی تلمیحات کا صرف بھی آپ نے اپنے کلام میں ضرور کیا ہوگا؟"

انشا۔ "جہاں کے راجہ تھے بھر تری جی، کنواں بنانے کو وہاں کسی نے
زمین کھودی تو ایک جوگی، دھرے ہوئے سر پہ ناند نکلا"

آذر۔ "ایک شعر اور عنایت ہو"

انشا۔ "جہاں راجہ جہاں چگتے تھے موتی ہنس کے جوڑے
وہاں کا اب شری شمال بنا ہے کاگ کا جوڑا"

آذر۔ "قبلہ! کبھی آپ کی شوخ مزاجی تصوّف اور فلسفہ کے سنجیدہ اور خشک مسائل پر بھی طبع آزما ہوتی ہے؟"

انشا۔ "کیوں شہر چھوڑ عابد غارِ جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا"

قارئین کے مسلسل اِصرار پر اُن کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ اِدارۂ 'بیسویں صدی' دِلّی کا 'بیسویں صدی' لاہور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوائے اِس کے کہ وہ ہمارے جملہ مضامین بلا حوالہ نقل کر لیتے ہیں اور ہمارے 'تیر و نشتر' اور 'صحت و زندگی' کے مضامین بھی اپنے نام سے شائع کر لیتے ہیں اور پڑھنے والوں کو مغالطہ میں رکھنے کے لئے ہمارے سرورق کا ہو بہو چربہ بھی چھاپ لیتے ہیں ــــــ منیجر رسالہ بیسویں صدی دریا گنج دہلی نمبر ۲

آذر۔ "حضور صاحب! آپ کے زمانے میں اہلِ دہلی اور اہلِ لکھنؤ صنائع بدائع سے بہت دلچسپی لیتے تھے اور یہ چیز قریب قریب اب ترک ہی ہو گئی تھی۔ اب میں یہ جاننے کا خواہشمند ہوں کہ آپ نے بھی اس صنعت کو ترک کر دیا تھا یا آپ نے اپنے کلام میں اِس صنعت کو برتا ہے؟"

انشا۔ "سحر ایک ماش پھینکا مجھے جو دکھا کے اُن نے
تو اشارہ میں نے تاڑا کہ ہے لفظِ "شام" آلٹا
لفظ میں الفاظ پڑھ کر خط آشنا کو پہنچے
تو لکھا ہے اُن نے انشا یہ تیرا ہی نام اُلٹا"

آذر۔ "کیا کہنا جناب! اچھا ذرا اب اُس غزل کا مطلع بھی مرحمت فرمایئے جس میں آپ نے صرف پانچ شعر کہے ہیں اور جس کے سننے کے بعد حضراتِ مصحفی و جرأت نے مشاعرے میں اپنی غزلیں پھاڑ دی تھیں اور غزل سُنانے سے انکار کر دیا تھا؟"

انشا۔ "لگا کے برف میں ساقی صُراحی مے لا
جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شے لا"

آذر۔ "سبحان اللہ، سبحان اللہ! مطلع ہی جب آپ نے قبلہ اتنا حسین کہا ہے تو پوری غزل کیا ہو گی؟ ــــــ ہاں! آپ کی فصاحت نے ریختہ گوئی میں کیا اضافہ کیا آپ کے خیال میں؟"

انشا۔ "انشا یہ جو ہے ریختہ گوئی کی عمارت
تو اس میں لگا اور فصاحت کے گوشے"

آذر۔ "اب قبلہ! کوئی ایسا شعر سُنا دیجئے جسے سُن کر زبان کی فصاحت و لطافت کا لُطف آجائے۔"

انشا۔ "جو نسیمِ صبح گئی لپٹ کسی گُل کے دامنِ پاک سے
تو شعاعِ مہر نے اِک چھڑی جڑی اُس کے آکے شاک سے"

آذر۔ "سبحان اللہ! حضرت! یوں تو نواب سعادت علی خاں کے دربار میں آپ کا طوطی بولتا تھا اور وہاں آپ کو بڑا اعزاز حاصل تھا۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نواب صاحب موصوف کے یہاں سے گھر واپس آکر پوشاک ہی اُتار رہے ہیں کہ وہاں سے پھر بُلاوا آگیا اور آپ کو مجبوراً جانا پڑا۔ لیکن قبلہ! یہ امارت اور حکمرانی کا نشہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ کبھی تو نواب صاحب آپ پر اتنے مہربان رہے کہ لطف و کرم کی بارش کر دی اور اب کسی ذرا سی بات پر ناراض ہو کر جو یکبارگی اُن کی نظر بدلی تو یوں کہ آپ کو گھر میں قید کر دیا ــــــ کہیں آنے جانے پر پابندی عائد کر دی۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت آپ کے حساس دل پر کیا گزری ہوگی؟"

انشا۔ "اپنا دلِ شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تُو نے ظالم ایسے کنول کو توڑا؟"

آذر۔ "لیکن جناب! آپ کے احباب کا دائرہ بھی تو ماشاء اللہ بہت وسیع تھا اور اُن میں سے اکثر کی رسائی نواب صاحب کی بارگاہ تک بھی تھی۔ اُن لوگوں نے آپ کی رہائی کے لئے کوئی کوشش نہیں کی؟"

انشا۔ "چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں؟"

آذر۔ "جی ہاں! سچ ہے تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ بہرحال گھر کی اِس چہار دیواری میں قید رہ کر تو گویا آپ دُنیا سے بالکل بے تعلق سے ہو گئے۔ آپ جیسا یار باش اور سیر و تفریح کا عادی انسان گھر میں قید ہو کر زندگی گزارے، افسوس کا مقام ہے۔ اب خُدا کرے کسی طرح قید و بند کے یہ سخت اور صبر آزما ایّام ختم ہوں تو آپ بھی گویا از سرِ نو دُنیا دیکھیں۔"

انشا۔ "بس نہ دُنیا کی کر لے صاحب اور اک ہوس
خاک ہی خاک ہے سب خاک کی کیا خاک ہوس"

آذر۔ "بجا ہے قبلہ! اِس وقت آپ کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہوئے کلیجہ کانپتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی بات ادا کرنے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں ــــــ اِس فلکِ کج رفتار نے کبھی کسی سے وفا نہیں کی۔ اِس قید میں آپ کا دل یونہی کیا کم ستم رسیدہ اور زخم خوردہ تھا کہ اچانک آپ کے دلِ پُرغم کا ایک اور پہاڑ ٹوٹ پڑا اور دُنیا آپ کی نگاہوں میں تیرہ و تار ہو گئی ــــــ آپ کا وہ جان سے پیارا، چاند سا اکلوتا بیٹا تعالیٰ اللہ خاں اچانک اللہ کو پیارا ہو گیا ــــــ یہ قید و بند کے سخت ایّام اور ایسے ہونہار اور کڑیل جوان کا داغ ــــــ!؟ خُدا کی پناہ!"

انشا۔ (ٹھنڈی آہ بھر کر) ــــــ
"نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں"

رِسالہ نہ مِلنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد "بیسویں صدی" ہر ماہ باقاعدگی سے سُپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اِس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے۔ (منیجر)

تاج محل

پروفیسر ظفر احمد نظامی ایم۔ اے

نمبر ۱۴۴۱۔ محل سرائے اسٹریٹ۔ تلیماران۔ دہلی نمبر ٦

برادرِ محترم بالمواجب و تسلیمات

ساحر کا شعر ؎

اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر

ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق

ایک کہانی کی تحریک و تخلیق کا باعث ہو گیا تھا۔ "تاج محل" ارسالِ خدمت ہے ـــــ دِلی کی برسات بھی گرمی کو مات کر رہی ہے . . .

آپ کا بھائی ـــــ ظفر احمد نظامی

★

ٹرین تیز روی سے لوہے کی چمک دار پٹریوں پر دَوڑتی جارہی تھی اور اُسی ساتھ وہ بھی خیالوں کی برقی لہروں میں بہتا جا رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ٹرین کی طرف دَوڑ رہی تھی اور اُس کا ذہن ماضی کے دُھندلکوں میں بھٹک رہا تھا ـــــ نے چھوٹی سی بستی میں آنکھ کھولی تھی، بچپن کے معصوم کھیل کھیلے تھے، لڑکپن کا بھولپن یا تھا اور جوانی کے خمار میں زندگی کو گنوایا تھا۔ اُس بستی میں اُس نے پیپل کے پیڑ شاخوں پر چھپ کر نہ جانے کتنی بار آنکھ مچولی کھیلی تھی، برگد کے گھنے درخت پر جھولے ل کر محبت کے گیت گائے تھے اور گاؤں کی خوبصورت فضا میں گم ہو کر رہ گیا تھا ـــــ پھر ایک دن اُسی بستی میں اُس کی زندگی کے پُرسکون ماحول میں شعلے بھی بھڑک ـــــ اُس کا دل جلنے لگا، آنکھیں نیند کو ترس گئیں، نبض ٹھہرتی ہوئی معلوم ہوتی، خون ہوتا گیا، سانس پھولتی گئی، پاؤں لڑکھڑانے لگے اور وہ خود کو سنبھال نہ سکا ـــــ

...ن کی بستی کی خوب صورت کسان زادی نے اُسے بے چین کر دیا تھا۔

اُس دن وہ دنگل میں حصّہ لے رہا تھا، گاؤں کی گوریاں بھی تماشائیوں میں ... میلہ کی اس تقریب میں وہ بھی اکھاڑے میں کود پڑا۔ اُس نے ہوش سنبھالتے ہی ...تی کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا۔ صبح شام اکھاڑے میں کسرت کرتا، بھینس کا تازہ دودھ ...سارا دن باپ کے ساتھ کھیتوں پر کام کرتا۔ رات کو چوپال میں بیٹھ کر گپیں لڑاتا

اور پھر سو رہتا ـــــ یہی اُس کا معمول رہا تھا۔ بستی کے ایک جیالے نے اُس کی دلیری کو پکارا اور وہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی۔ حریف اُس سے دوگنا تھا۔ اِس لئے بہت سے دوست اُسے اکھاڑے میں اُترنے سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ اُس کے گھر والے بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ اِس طرح کشتی لڑ کر شکست کا منہ نہ دیکھے مگر اُس نے کسی کی نہ سنی اور اکھاڑے میں کُود گیا۔ بات یہ تھی کہ وہ مرجانہ کا گرویدہ تھا۔ وہ بھی اُسے چاہنے لگی تھی۔ کھیتوں پر کام کرتے ہوئے اُسے میٹھی نظروں سے تکتی، راہ میں ملاقات ہو جانے پر مُسکرا دیتی، بار بار اُس کے سامنے سے گزرتے ہوئے اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتی۔ وہ اُس کی اِن اداؤں سے بے خبر نہ تھا اور اپنے اور اُس کے دلوں کی دھڑکنوں کو سُن ہی رہا تھا کہ اُس کے حریف نے نیچا دکھانے کی غرض سے اُسے للکار دیا۔ اُسے بھی مرجانہ سے لگاؤ تھا۔ جب گاؤں کے اور لوگ اُسے سمجھانے آئے تو ڈھکے چھپے مرجانہ بھی اُس سے ملنے جا پہنچی اور اُسے دنگل لڑنے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن یہ اُس کی محبت اور وقار کا سوال تھا۔ اُس نے بہلا کر مرجانہ کو واپس کر دیا اور خود مقابلہ کے لئے پہنچ گیا۔

معاملہ سخت تھا۔ حریف بڑا طاقت ور اور تنومند نوجوان تھا لیکن اُس نے اپنی پھرتی اور چالاکی سے اُسے تھکا دیا۔ مجمع پر سناٹا چھا رہا تھا۔ تماشائی پُرجوش خاموشی سے کشتی

نہیں

کوئی منہ چوم لے گا اِس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یوں ہی جبیں پر ——— ریاض خیرآبادی

آپ کہتے ہیں بار بار نہیں
ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں ——— روش صدیقی

اِس نہیں کا کوئی علاج نہیں
روز کہتے ہیں آپ آج نہیں ——— آغا دہلوی

آتا ہے مجھ کو یاد سوالِ وصال پر
کہنا کسی کا ہائے وہ منہ پھیر کر نہیں ——— داغ دہلوی

اے دُشمنِ تمنا اِس کا جواب دے دے
وہ ہاں بنے تو کیا ہو مرتا ہوں جس نہیں پر ——— آرزو لکھنوی

مرسلہ: کے۔ اے۔ صدیقی، مراد آباد

دیکھ رہے تھے۔ انھیں میں مرجانہ بھی تھی جو دل ہی دل میں اُس کے لئے کامیابی کی دُعائیں مانگ رہی تھی۔ اُس نے اُس کی جیت کے لئے روزہ رکھا تھا اور درگاہ میں رس کی کھیر چڑھانے کی منت مانی تھی۔ مقابلہ ہوتا رہا اور پھر ایک دم نتیجہ نِکل آیا۔ وہ اپنے حریف کے سینہ پر سوار تھا! تالیاں بج اُٹھیں۔ اُس کے گِرد بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ وہ اپنی پہلی کشتی جیت چکا تھا۔ اُس نے اُسی دن ماں کی خوشامد کرکے مرجانہ کی بات پکّی کروالی۔ دُوسرے ہی دن مرجانہ سے اُس کی منگنی ہوگئی اور پھر جلد ہی شادی ——— اِس طرح وہ محبت کی بازی بھی جیت گیا!

وہ مرجانہ کو پاکر بہت خوش تھا اور اُسے مطمئن رکھنے کی ہر کوشش کر رہا تھا۔ وہ اُسے کوئی ایسا تحفہ دینا چاہتا تھا جو ہمیشہ یادگار کے طور پر محفوظ رہے۔ لیکن وہ پریشان ہوگیا۔ گاؤں میں رہ کر اُسے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آرہی تھی جو مرجانہ کے شایانِ شان ہوسکتی۔ وہ مایوس بھی ہوجاتا۔ آخر اُسے مایوس ہی ہوجانا پڑا۔ اُس کا باپ چل بسا، کھیت قُرق ہوگئے، ماں بھی اُسی غم میں موت کا شکار ہوگئی اور اب وہی دونوں مشکلوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باقی رہ گئے۔ غم و آلام کے طوفان آتے رہے۔ لیکن اُس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ دُوسروں کے کھیت جوتنے لگے۔ اُس کے دل میں مرجانہ کو تحفہ دینے کی خواہش مچلتی رہی۔ وہ اپنی اِس آرزو کی تکمیل کے لئے کوشاں رہا۔ اُس نے دن رات کام کیا۔ آرام کو آرام نہ سمجھا۔ ہمیشہ مصروف رہ کر روپے اکٹھا کرتا رہا ——— [illegible] جب بھی وہ مرجانہ کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیریں دیکھتا خوشی سے ناچ اُٹھتا اور زمانے کے سارے غم دُور ہوجاتے۔

اچانک بیماری کی آگ چاروں طرف بھڑک اُٹھی۔ سارا گاؤں طاعون کے نرغہ میں تھا۔ وہ بہت احتیاط برتنے لگا۔ بستی کے لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے۔ اُس نے بھی گاؤں چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن اُسی شام مرجانہ اُسی موذی مرض کی گرفت میں آگئی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی ——— وہ بے بس ہوگیا۔ دُنیا میں اب اُس کا کوئی نہ تھا۔ وہ اکیلا تھا، بالکل اکیلا! تنہائی کے احساس نے اُسے بے حد دل شکستہ کردیا۔ بے رحم موت نے اُس کی مرجانہ کو بھی نہ چھوڑا۔ نہ اُسے اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع ہی مل سکا۔ اُس کی آرزوئیں خشک کھیتی کی طرح جل کر رہ گئی تھیں، روتے روتے اُس کے آنسو خشک ہوگئے تھے۔ اب اُس کا صرف ایک ہی معمول ہوگیا ——— وہ مرجانہ کی قبر سے لگا بیٹھا رہتا اور اِس طرح اُسے اپنی آغوش میں لئے رہتا جیسے اُسے خوف ہو کر کوئی اُسے چھڑا کر لے جائے گا ——— اُسے کسی پر اعتماد نہ رہا۔ وہ تو اب خود سے بھی خوف کھانے لگا تھا۔

آہستہ آہستہ اُس کی ہیئت تبدیل ہوتی گئی۔ اُس نے موت کی خواہش کی لیکن وہ بھی نہ آسکی۔ طاعون کو دعوت دی۔ لیکن اُس نے بھی اُسے نگلنا قبول نہ کیا ——— مرجانہ کی قبر کے اِرد گِرد اور بھی قبریں تھیں۔ اُن پر کبھی کبھی فاتحہ کے لئے لوگ آتے۔ لیکن وہ مستقل وہیں بیٹھا رہتا۔ اِملی کے درخت کی جڑ سے ملی ہوئی اُس کی مرجانہ کی قبر اُسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ خود اُس کے چاروں طرف صفائی کرتا، لوبان سُلگاتا، اگربتی جلاتا اور پھر بُت بن کر بیٹھ جاتا ——— ایک دن اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ اُس نے اکثر شاہجہاں اور ممتاز کی محبت کے قصے سُنے تھے، تاج محل کا نام بھی سُنا تھا اور اُس کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ وہ جلدی سے وہاں کے مجاور کے پاس گیا۔

"شاہ جی! ——— شاہ جی!!" اُس نے پکارا۔

"کیا ہے؟" مجاور نے پوچھا۔

"مرجانہ کی قبر پر تاج محل بن سکتا ہے؟" اُس نے بے حد معصومیت سے پوچھا اور مجاور دیر تک ہنستا رہا۔

"کیا میں نے کوئی بُری بات کہہ دی شاہ جی؟"

"ارے پگلے! کہیں تاج محل بھی بنا کرتے ہیں؟" مجاور نے کہا۔

"اور وہ آگرے میں کیا ہے؟"

"تاج محل ہے! ——— لیکن وہ بادشاہ [illegible]

میں سکتا ہے شاہ جی! میری مدد کیجئے۔"

"گو تیسرا وقت ہے ——— وہ تاج تو شاہجہاں نے بنوایا تھا اپنی ممتاز کے لئے۔"

"میں بھی تو اپنی مرجانہ کے لئے بنوانا چاہتا ہوں؟"

"تو بادشاہ نہیں ہے بیٹا!"

"کیا صرف بادشاہ ہی تاج محل بنوا سکتے ہیں شاہ جی؟"

"ہاں بیٹا یہ صرف وہی کر سکتے ہیں۔" مجاور نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مرجانہ کی قبر یوں ہی رہ جائے گی؟"

"ہاں بیٹا! غریبوں کی قبریں یوں ہی مٹ جاتی ہیں۔" مجاور نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"شاہ جی! میں اپنی خواہش کو دبا نہیں سکتا۔"

"کیسی خواہش؟" مجاور نے حیرانی سے پوچھا۔

"میں نے زندگی میں مرجانہ کو ایک یادگار نشانی دینی چاہی تھی۔ لیکن وہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔"

"پھر؟"

"اب میں شاہجہاں تو نہیں ہوں شاہ جی!"

"اچھا ——— اب سمجھا۔ اس کی قبر پکی بنوا لے، مزار کی شکل میں بدل جائے گی۔"

"وہ کیسے شاہ جی؟" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں جیسے اسے مایوسی کے اندھیرے میں روشنی کی کرن مل گئی ہو۔

"میں اپنی نگرانی میں اسے پکی کرا کے اس میں سنگِ مرمر لگوا دوں گا۔"

"پھر ضرور کرا دیجئے شاہ جی!" اس نے گڑگڑاتے ہوئے التجا کی۔

"پیسہ کہاں سے آئے گا؟"

"میں دوں گا!"

"دے گا کہاں سے؟ دن بھر تو قبر سے لگا بیٹھا رہتا ہے!"

"اب میں شہر چلا جاؤں گا شاہ جی! اور وہاں کام کاج کر کے روپیہ کماؤں گا۔"

پھر وہ گاؤں سے چلا آیا۔ چلتے وقت اس نے مرجانہ کی قبر کو چوم کر وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی لوٹ آئے گا۔ وہ شہروں شہروں مارا مارا پھرا۔ آخر ایک جگہ اسے کام مل گیا ——— وہ دن بھر نوکری کرتا، رات کو بھی کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ کام کر کے روپیہ اکٹھا کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے کچھ رقم جمع کر کے اپنی بستی کے مجاور کو منی آرڈر سے بھیج دی تاکہ وہ جلد ہی کام شروع کرا سکے۔ اس نے مجاور کو یہ بھی لکھا کہ وہ اسی طرح ڈاک سے روپیہ بھیجتا رہے گا۔ جواب میں مجاور نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ بیمار ہے اچھا ہوتے ہی کام شروع کرا دے گا۔

اب اس کی زندگی صرف کام ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ مرجانہ کی یاد آتے ہی اداس ہو جاتا۔ لیکن اس کے مزار کی تعمیر کے خیال سے اسے سکون ملتا، جہاں وہ زندگی کے باقی دن گزارنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ وہ پابندی سے منی آرڈر بھیجتا رہا۔ ایک دن اسے مجاور کے لڑکے کا خط ملا جس نے اپنے باپ کے مرنے کی اطلاع دی تھی اور جس کی جگہ اب وہ خود مجاور کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ باپ کی بیماری کے باعث کام شروع نہیں کرایا جا سکا تھا۔ لیکن اب وہ خود اپنی نگرانی میں تعمیر کے کام کی ابتدا کرنے والا ہے۔ اسے مجاور کی موت کا افسوس ضرور ہوا لیکن یہ سوچ کر اطمینان ہوا کہ چھوٹا مجاور مرجانہ کی یادگار کی تعمیر کرا دے گا۔ اس نے روپیہ بھیجنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ہر ماہ منی آرڈر کرتا رہا اور جواب میں نئے مجاور کے خط آتے رہے۔ مزار کی تعمیر شروع ہو چکی تھی، مجاور تندہی سے خود نگرانی کر رہا تھا۔ جو شہر جا کر ضروری سامان لاتا اور مستعدی سے کام میں لگا رہتا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ یقیناً مرجانہ کی یادگار کو دیکھ کر خوشی کا احساس کرے گا۔ مجاور نے جو تخمینہ بتایا تھا

بہار

دیکھئے کیا گل کھلاتی ہے بہار اب کے برس
خواب میں دیکھا ہے فانیؔ نے قفس کا در کھلا ——— فانیؔ

پروں سے منہ کو چھپائے قفس میں بیٹھا ہوں
یہ فکر ہے کہ نہ پہچان لے بہار مجھے ——— قدیرؔ

آنکھیں ہیں آج ان کے تصور میں اشکبار
ابرِ بہار! پھر وہ ہمیں یاد آتے ہیں ——— نرگسؔ

آؤ کہ ایسا وقت نہ پاؤ گے پھر کبھی
آتے ہیں روز روز کہاں دن بہار کے ——— اخترؔ شیرانی

سب کو خوشی بہار کی ہے اور میں یہاں
اپنی بہار ڈھونڈ رہا ہوں بہار میں ——— تجلیؔ

مرسلہ:- اے۔ جی۔ عابد دیولالوی کینٹ اورنگ آباد

اُس نے اُس سے کہیں زیادہ رقم مہیا کر دی تھی۔ وہ تعمیر میں کوئی خامی پسند نہ کرتا تھا اور اب مجاور نے اُسے اطلاع دی تھی کہ مزار تیار ہو چکا ہے، وہ اپنی ملازمت ترک کر کے زندگی کا باقی حصّہ اپنی مرجانہ کے قریب گزارنے کے لئے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُکی۔ اُس کے گاؤں کا قریبی اسٹیشن آ پہنچا تھا۔ وہ پلیٹ فارم پر اُترا اور اپنا مختصر سا سامان اُٹھا کر اپنی بستی کی طرف چل پڑا۔ آبادی اسٹیشن سے کافی فاصلہ پر تھی۔ وہاں بس بھی جاتی تھی۔ لیکن بس کے آنے میں دیر تھی۔ اِس لئے اُس نے انتظار کئے بغیر ہی روانہ ہو جانا مناسب سمجھا۔ اِس طویل عرصہ میں بہت سی تبدیلیاں رُونما ہو گئی تھیں۔ اُس کے گاؤں کو جانے والی سڑک چکنی اور سپاٹ ہو گئی تھی۔ غالباً اُس کی مرمّت ہوتی رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگا دئے گئے تھے۔ چند مقامات پر مدرسے بھی ملے جو اُسی دَوران قائم کئے گئے ہوں گے۔ اُسے ہر چیز بدلی بدلی معلوم ہوئی۔ لیکن اُن سب چیزوں میں اُسے اپنائیت کا احساس ہُوا۔ اُس نے سوچا ہر شخص بدل سکتا ہے، گاؤں کی ہر چیز بدل سکتی ہے۔ لیکن اُس کی مرجانہ نہیں بدل سکتی۔ وہ ہمیشہ اُس کے ساتھ تھی اور ہمیشہ اُس کے ساتھ رہنے والی تھی۔ وہ مرجانہ کے مرمریں مزار کے تصوّر میں چلتا رہا جس کی خاطر اُس نے اِتنی تکلیفیں اُٹھا کر تنہائی کا بوجھ سہنا گوارا کیا تھا۔ اب بستی کا وہ میدان نظر آنے لگا تھا، جہاں اُس نے اپنے حریف کو کُشتی میں شکست دے کر اپنی دلیری کا لوہا منوایا تھا۔ اُسے بے اختیار مرجانہ یاد آ گئی جو الگ کھڑی زیرِ لب اُس کی کامیابی کی دُعائیں کر رہی تھی ——

میدان کے پہلو میں قبرستان تھا۔ اُسے دُور سے ایک خوبصورت سا مزار نظر آنے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ مزار واقعی بہت خوشنما تھا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ اُس کے بھیجے ہوئے رُوپوں کا مصرف بہت ٹھیک ہُوا ہے۔ تعمیر بہت خوبصورتی سے عمل میں لائی گئی تھی۔ اُس کی رفتار میں تیزی آ گئی، پلکوں پر آنسو لرزنے لگے —— وہ دَوڑ کر اُس سے لپٹ جانا چاہتا تھا۔ اِتنے دن جُدا رہنے کے بعد اُس میں اب تاب نہ تھی کہ زیادہ دیر ٹھہر سکتا۔ وہ جلد سے جلد اُس تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اُسے محسوس ہُوا جیسے مرجانہ اِس طرح جُدا ہو کر چلے جانے کی شکایت کر رہی تھی۔ قبرستان کے دروازہ پر مجاور مِل گیا۔

"آ گئے؟"

"ہاں شاہ جی!"

"مزار دیکھا؟" مجاور نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوبصورت ہے شاہ جی!!"

"پسند آیا؟"

"بے حد —— کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں؟"

اور وہ دَوڑ کر مزار کے پاس جا پہنچا۔ وہ اُس سے لپٹنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے ہٹ گیا۔ اصلی کی جگہ سے ہٹی ہوئی مرجانہ کی قبر تھی۔ لیکن غالباً غلطی سے مزار کسی اور قبر پر بن گیا تھا —— وہ اُس صدمہ کی تاب نہ لاسکا اُس کے مُنہ سے ایک چیخ نکلی اور بے ہوش ہو کر گِر پڑا۔ مجاور اِس کیفیت کو جذباتی دن جُدا رہنے کا نتیجہ سمجھ کر اپنے کام میں لگ گیا!!

غزلیں

جوہر ہاشمی

یقیں بنتا گیا دل کا قیاس آہستہ آہستہ
نظر ہوتی گئی منزل شناس آہستہ آہستہ

اُدھر دیتا رہا گردش کے ساقی ساغرِ صہبا
اِدھر بڑھتی گئی رندوں کی پیاس آہستہ آہستہ

بہاروں نے جو پہنایا تھا پیراہن گلستاں کو
اُتارا ہے خزاں نے وہ لباس آہستہ آہستہ

سرورِ یادِ جاناں رفتہ رفتہ چھا گیا دل پر
ہوئے رخصت مرے ہوش و حواس آہستہ آہستہ

حقیقت دور کرتی ہے سیاہی دل سے باطل کی
پہنتی ہے سحر کا شب لباس آہستہ آہستہ

حضورِ حسن تم تم کر لبوں کو دیجئے جنبش
دبے لہجے میں کہئے التماس آہستہ آہستہ

منوّر تھی فضائے دل مگر اتنی نہ تھی جوہر
نہ جانے کون آیا دل کے پاس آہستہ آہستہ

سعید اعجاز کامٹوی

دنیا میں جب چھڑی کہیں دار و رسن کی بات
موضوع بن گئی مرے دیوانہ پن کی بات

گلشن تمام گوش بر آواز ہو گیا
چھیڑی ہے فصلِ گل نے ترے پیرہن کی بات

تشریح لفظِ خلد کی ہم سے نہ ہو سکی
جب تک نہ آئی لب پہ تری انجمن کی بات

انسانیت نواز نہیں ہے تو کچھ نہیں
وہ شیخ کا کلام ہو یا برہمن کی بات

احسان مندِ غیر نہیں تیرے خستہ حال
واماندگی میں بھی نہ گئی بانکپن کی بات

کیوں ہو رہا ہے عارضِ گلگوں عرق عرق
ہم نے تو کی تھی رنگِ گلِ یاسمن کی بات

اعجاز جذبِ شوق کی معراج دیکھنا
اُن کی زباں تک آ گئی ہے میرے دہن کی بات

عرشؔ صہبائی

دل پہ جب سے جبر کے سنگین تر پہرے ہوئے
زندگی کے ساتھ رشتے اور بھی گہرے ہوئے

اختلافاتِ اہلِ دُنیا سے جہاں گہرے ہوئے
آج بھی حالات ہیں اُس موڑ پر ٹھہرے ہوئے

کیا ستم ہے کوئی بھی آوازِ حق سنتا نہیں
مصلحت ہے اس میں کچھ یا لوگ ہی بہرے ہوئے

اُن کے ادنیٰ سے اشارہ کی ہے کب سے منتظر
گردشِ دوراں کو مدت ہو گئی ٹھہرے ہوئے

ظلمتوں کی اوٹ میں ہے اب یقیں کا آفتاب
کیا کہوں وہم و گماں کے سائے کیوں گہرے ہوئے

ایک دل اور اُس پہ آلام و مصائب کا ہجوم
سینکڑوں طوفان اس کشتی میں ہیں ٹھہرے ہوئے

عرشؔ کیا کرتے زمانے میں کسی کا اعتبار
کہہ دیئے آنکھوں نے دل کے راز جب گہرے ہوئے



ادبی لطائف

شگوفے

نصر قریشی ایم۔ اے، ایل۔ ٹی

۷۷۴۔ ہٹیا بہادر گنج۔ الہ آباد

مکرمی و محترمی خوشتر صاحب! خلوص و نیاز

بزمِ "بیسویں صدی" میں ہندی، بنگالی اور انگریزی کے "شگوفے" لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اُمید ہے آپ اور "بیسویں صدی" کے قارئین ذہن و دل کے نگار خانوں میں انھیں محفوظ رکھ کر محظوظ ہوں گے ـــــ کہئے جشنِ ساحر ہوشیارپوری تو آپ نے بڑی شان سے منایا ہوگا۔ اُن کی جتنی بھی عزت افزائی کی جائے کم ہے۔ جنابِ فیض احمد فیض کے ساتھ آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی . . .

خلوص کار ـــــــــ نصر قریشی

★

بنارس کی کسی ادبی نشست میں پرسادجی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ بحث کے دَوران اُن کے ایک ساتھی جو کسی کالج میں لکچرار تھے اُلجھ پڑے۔ پرسادجی بہت کم بولنے والوں میں ہیں۔ اُن کے خاموش رہنے پر وہ صاحب اور بھی بگڑے اور آنکھوں میں غصّے کی سُرخی لئے جو مُنہ میں آیا پرسادجی کو سُنا دیا چند منٹ کی خاموشی کے بعد پرسادجی نے بہت گمبھیر لہجے کہا: "کچھ لوگ یہاں آپ کے دوست بھی ہیں، سبھی طالب علم نہیں ہیں" اُن کے لہجے کے خلوص اور مزاح پر یکبارگی سب ہنس پڑے۔

پنت جی کسی ادیب دوست کے یہاں بیٹھے تھے۔ ایک نئی کتاب کا ذِکر ہوتے اُنھوں نے کہا: "اُسے نہ جانے کون مجھ سے مانگ کرلے گیا۔ اِس طرح ہزار کتابیں لوگ مانگ کرلے گئے ہیں۔ میں واپس لینا بھُول گیا، وہ دینا بھُول گئے۔ مجھے نام بھی یاد نہیں رہتا کہ کون لے گیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی سے مانگتا ہوں تو وہی کتابیں بھُول جاتا ہوں۔"

اُن کی یہ باتیں سُن کر ایک ادیب دوست نے کہا: "تب تو آپ میرے یہاں آئیے۔"

پنت جی نے ہنستے ہوئے جواب دیا: "آپ نقصان اُٹھائیں گے۔ کیونکہ میں نے اب اپنی یہ عادت بدل دی ہے۔ میرے جانے کے بعد یہ نہ کہئے گا میری لائبریری کی اچھی کتابیں کون لے گیا؟"

جارج برنارڈ شا نے کسی فوٹوگرافر سے کچھ تصویریں کھنچوائیں۔ دو سَو پونڈ کا بِل آنے پر شا نے دس دس پونڈ کے بیس چیک دستخط کرکے دے دیئے۔ فوٹوگرافر نے حیران ہو کر بیس چیک لکھنے کا سبب پُوچھا تو شا نے ہنس کر جواب دیا۔ "تمہاری سمجھ میں کچھ نہ آئے گا۔ آج کل میرا دستخط پچّیس پونڈ میں بِک رہا ہے۔ چیک بیچ کر تم تین سَو پونڈ کما سکتے ہو اور جو آدمی یہ چیک خریدے گا وہ میرے دستخط محفوظ رکھنے کے لئے اِسے اپنے پاس رکھ لے گا۔ بنک میں کیش کرانے کے پھیر میں نہ پڑے گا۔ یعنی اِس سے مجھے بھی دو سَو پونڈ کا فائدہ ہوگا۔"

منشی پریم چند جب "مادھوری" کے ایڈیٹر تھے۔ اُس کے ساتھ ساتھ وہ درسی کتابیں تیار کرنے کا بھی کام کرتے تھے۔ پریس میں مشہور اُردو ادیب محمد عسکری بھی کام کرتے تھے۔ اُنھوں نے پریم چند جی کو معمولی درسی کتابوں پر وقت برباد کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: "پریم چند جی! ریس کورس کا گھوڑا تانگے میں جوتا جائے تو کیسا چلے گا؟"

کچھ دنوں کے بعد عسکری صاحب کو بھی اُردو کی درسی کتابوں کی تیاری کا کام سونپا گیا۔ اِس موقع پر پریم چند جی نے مُسکراتے ہوئے مذاق کیا "مرزا صاحب! اب تو جوڑی ہو گئی!"

شرت چندر چیٹرجی مموہن تھیٹر شیو پور میں اپنی کہانی پر مبنی فلم دیکھنے گئے۔ منیجر نے باکس میں اُن کے بیٹھنے کا انتظام کر دیا جس میں اُنھوں نے آرام سے فلم دیکھی۔ شو ختم ہونے پر پتہ چلا کہ اُن کے ایک پیر کا جُوتا کوئی اُڑا لے گیا۔ بہت تلاش کرنے پر بھی جُوتا نہ مِلا۔ شرت جی ایک ہی پاؤں میں جُوتا پہن کر چلنے لگے تو منیجر نے حیران ہو کر پوچھا: "ایک پاؤں کا جُوتا آپ کیا کریں گے۔ اب تو یہ کسی کام نہ آئے گا۔"

شرت جی نے ہنستے ہوئے جواب دیا: "تم نہیں سمجھتے جس چور نے جُوتا چُرایا ہوگا وہ اِسی تھیٹر میں موجود ہوگا کہ یہ جُوتا بھی میں چھوڑ جاؤں تو وہ دونوں اُٹھا لے۔ کیونکہ ایک جُوتا اُس کے کام کا بھی نہیں ہے۔ جلتے وقت میں اِسے گنگا میں پھینک دوں گا۔"

اُن کی اِس دلیل پر سبھی ہنس پڑے۔

ہندی شاعر نیرج جب اپنی نظم "آج میرے تالے کی چابی کھو گئی ہے" سُنا کر ڈائس سے اُترے تو اپنا جُوتا غائب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا کہ نیرج جی کا جُوتا کھو گیا ہے۔ جسے مِلا ہو واپس کر دے۔ اعلان سُن کر سامعین میں سے کسی کی آواز آئی: "آج میرے پیروں کی جُوتی کھو گئی ہے!" محفل کے زعفران زار بننے کے ساتھ نیرج جی بھی ہنس پڑے۔

سُمترا نندن پنت جی نے نرالا جی سے اُن کی ایک تصویر مانگی بڑے سائز کی تصویر نہ تھی اِس لئے نرالا جی نے ایک چھوٹی تصویر دی جس میں تھوڑی سی شِکن بھی تھی۔ پنت جی کے بھیجے ہوئے آدمی نے جب دھیان دلایا تو اُنھوں نے اُسی تصویر کے پیچھے پنت جی کو لکھا: "اِسے قبول فرمایئے، اِس میں ویسی ہی شِکن پڑی ہے جیسی کبھی کبھی مجھ میں اور آپ میں پڑ جاتی ہے۔"

گُرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور جی بہت اصرار کے بعد اپنے ایک پرستار کے گھر گئے جہاں اُنھیں لکڑی کی ایک خوبصورت کُرسی پر بٹھایا گیا۔ گُرو دیو نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے اُس سے پوچھا: "تمھاری یہ کُرسی جاندار تو نہیں ہے؟"

پرستار نے اُن کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا تو گُرو دیو نے مُسکراتے ہوئے وضاحت کی: "نہیں سمجھے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ کُرسی جاندار ہے یا بے جان۔ یعنی اِس میں کھٹمل ہیں یا نہیں؟"

جاندار لفظ کی یہ عجیب اور مزاحیہ تشریح سُن کر گھر کے سبھی افراد ہنسنے لگے۔

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ یا پوسٹ کارڈ بھیجئے۔ ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ (منیجر بیسویں صدی دہلی)

جنوبی ہند کے نامور شاعر و ادیب ڈاکٹر محمد منظور الرحمٰن خاں "منظور" ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی کی لاجواب کتاب

ذکرِ خوباں

نعتوں، منقبتوں، سلاموں اور روح پرور نظموں کا مجموعہ جس میں جناب ڈاکٹر ذاکر حسین پر تعزیتی نظم بھی شامل ہے جسے پڑھ کر آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

ساحر ہوشیار پوری کا نغمہ ریز مجموعۂ کلام

سحرِ نغمہ

سالِ رواں کی حسین و جمیل ادبی تخلیق جس کا اجراء جشنِ ساحر ہوشیار پوری کے موقع پر ۱۵ اگست ۸۰ء کو اُردو کے عظیم ادیب و ماہرِ غالبیات جناب مالک رام صاحب نے کیا۔ دیدہ زیب ٹائٹل، نفیس کاغذ، عُمدہ کتابت، خوبصورت طباعت، سہ رنگا دلآویز گرد پوش۔ ادیبوں اور شاعروں کی متعدد تصاویر سے مزین۔ مجلد۔ اِس کے بغیر آپ کی لائبریری مکمل نہیں۔ قیمت دس روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

تصنیفات جناب محروم		بیکراں	۳/۵۰	ابوالکلام آزاد	/۲۵
کاروانِ وطن	۴/۵۰	[illegible]	۱/۷۵	رفیع صاحب [illegible]	/۲۵
بہارِ طفلی	۲/۵۰	وطن میں اجنبی	۲/۵۰	[illegible]	
نیرنگِ معانی	۵/۰۰	نوائے پریشاں	۲/۵۰	[illegible]	/۲۵
[illegible]	۶/۵۰	اقبال اور اس کا عہد	۲/۰۰	[illegible]	/۲۵
بچوں کی دنیا	۳/۰۰	[illegible]	۱/۲۵	انتخاب کلام آزاد	۱/۰۰
انتخاب کلام محروم	۱/۰۰	ماتم نہرو	/۷۵	[illegible]	۵/۰۰
تصنیفات جناب جگن ناتھ آزاد		اجنتا	/۷۵	[illegible] فراق	۲/۵۰
		دہلی کی جامع مسجد	/۲۵	[illegible]	
تلوک چند محروم	۳/۰۰	اندر	۱/۲۵	[illegible]	۵/۰۰

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

غزلیں

پروفیسر عنوان چشتی ایم۔ اے

آج بھی خاک بسر ہم تو چلے ہیں گھر سے
کوئی آواز تو دے کوئی تو جھانکے در سے

میرے اشکوں کو شبِ درد کا حاصل نہ سمجھ
ہائے وہ آگ جو دل سے اُٹھے دل پر برسے

پھول پتھر پہ کھلانے کے لئے ٹھہرا ہوں
یوں تو صحرا ابھی کوئی دور نہیں ہے گھر سے

ابتدا ہے عمر کے رہوار ٹھہر جا مجھ میں
جانے تو کونسی ساعت میں چلا تھا گھر سے

سچ تو یہ ہے کہ نہیں سچ کے سزاوار بھی ہم
پھول تو پھول ہیں، پتھر بھی نہ ہم پر برسے

آسماں ٹوٹ کے بکھرا ہے مرے آنگن میں
اب کہاں جاؤں میں گرتے ہوئے کچے گھر سے

سعادت نظیر ایم۔ اے

قریب ہوں میں قفس سے کہ گلستاں سے قریب
خبر نہیں مجھے خود بھی کہ ہوں کہاں سے قریب؟

ہوئی نہ تھی جو تمنا کبھی بیاں سے قریب
تری نظر نے کیا اُس کو داستاں سے قریب

مقامِ دیر و حرم کیا ہے؟ یہ میں کیسے کہوں؟
کوئی قریب ہے دل سے تو کوئی جاں سے قریب

میں بے خودی میں رواں ہوں مگر خدا جانے
کہاں سے دور ہے منزل مری، کہاں سے قریب؟

یہ کیسی قوتِ پرواز ہے کہ آج انساں
زمیں سے دور ہوا اور آسماں سے قریب

نظیر، اہلِ گلستاں کو کیا خبر کہ ہمیں
کیا قفس میں تصور نے گلستاں سے قریب

شاہ احسن مرادآبادی

کشتیِ دل جب کسی طوفان سے ٹکراتی ہے
زندگی کا اک نیا رُخ سامنے آجاتا ہے

آج کیوں بے حد خیالِ آشیاں تڑپاتا ہے
روشنی کیسی قفس کی تیلیوں تک آتی ہے

پھر بہار آئی جنوں انگڑائیاں لینے لگا
پھر مری نظروں میں اک زنجیر سی لہراتی ہے

ہجر میں بھی پا رہا ہوں وصل کی کیفیتیں
عشق صادق ہو تو یہ رتبہ میسر آتا ہے

ترکِ مے کے بعد یہ ٹھنڈی ہوا کالی گھٹا
اے بہارِ حسنِ فطرت کیوں مجھے للچاتی ہے

گر نہیں قسمت میں نزدیکی تو دوری ہی سہی
یہ بھی کیا کم ہے کہ احسن آپ کا کہلاتا ہے

کیفؔ مرادآبادی

یک بیک اُن کے خرامِ ناز کی یاد آگئی
اُن کے کوچے سے صبا گذری تو ٹھوکر کھا گئی

عشق فرطِ یاس کو سمجھا کہ منزل آگئی
کس قدر صادق طلب تھی اور دھوکا کھا گئی

ہم حضورِ دوست بھی محرومِ نظارہ رہے
دل کچھ اِس انداز سے دھڑکا کہ نظر گھبرا گئی

ہائے چشمِ ناز اور یوں فرطِ غم سے ڈبڈبائے
میری بربادی تمہارے سامنے کیوں آگئی

اُن کے غم میں جو بھی گذری ہم تو یہ سمجھے ہیں کیفؔ
اِس بہانے سے ہی گویا زندگی کام آگئی

اگلا بچہ
ابھی نہیں

کبھی نہیں

بعد

نہیں

70/283

64

چوپٹ راجہ کا روزنامچہ

فکرؔ تونسوی

کابینہ کی میٹنگ

کل رات ہمارے محل میں ہماری جمہوری کابینہ کی ایک ہنگامی میٹنگ ہوئی۔

سبھی وزیروں نے زرق برق لباس زیب تن کر رکھا تھا جسے دیکھ دیکھ کر ہم تعجب فرماتے رہے اور اس شک میں مبتلا ہوتے رہے کہ کہیں یہ لباسِ فاخرہ انھوں نے شاہی توشہ خانے سے تو نہیں چرایا لیکن ہم اپنا شک لبوں پر نہ لا سکے۔ کون جانے، جمہوری نظام میں چوری چکاری جائز ہو کیونکہ ہمیں جمہوریت پر ابھی پورا عبور تو تھا نہیں، اس لئے چوری کے شک کو دل ہی میں محفوظ رکھا۔

وزیرِ داخلہ شیر جنگ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم باری باری وزراء کے لباسِ شاہی کو ایک ایک بوسہ عنایت فرمائیں۔ چوری کے مال کو بوسہ دینے کے تصور سے ہمیں کراہیت ہوئی لیکن ہم نے کلیجے پر ڈیموکریسی کا پتھر رکھ کر تعمیلِ ارشاد کر ڈالی۔ ہم حکم دینے کے عادی تھے لیکن آج ہم حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ ہم نے وزیرِ داخلہ سے استفسار کیا: ”ہمارے اس بوسے کا جمہوری مفہوم بیان کرو۔“

وزیرِ داخلہ کورنش بجا کر بولا: ”حضور! اس کا مفہوم یہ ہے کہ جمہوریت پر شاہی عاطفت کا سایہ ہمیشہ قائم رہے۔“

ہمیں جمہوریت کے اس شاہانہ مفہوم پر مسرت ہوئی۔

جب بوسے کی رسم ختم ہوئی تو باری باری ہمارے ہر وزیر نے تقریر کی (تقریر کرنے کے بعد ہر وزیر کی وہی حالت ہو جاتی تھی جو بچہ پیدا ہو جانے کے بعد زچہ کی ہو جاتی ہے) ہر وزیر نے کاغذ پر تحریر کی ہوئی تقریر پڑھی اور پھر کاغذ ہمارے حوالے کر دیا۔ ہر بار تقریر کا کاغذ حوالے کرتے وقت ایک کیمرہ مین اپنا کیمرہ آگے بڑھاتا اور عرض کرتا کہ تبسم فرمائیے۔ پھر کیمرے میں سے ایک چٹاخ کی آواز نکلتی اور کیمرہ مین ”شکریہ“ کہہ کر پیچھے ہٹ جاتا۔ ہم بار بار تبسم فرماتے فرماتے تھک گئے لیکن جمہوری حکم کی تعمیل سے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔ افسوس! ہم کافی بزدل ہو گئے تھے۔

”ہر وزیر ایک ہی ساخت کی تقریر کیوں کر رہا ہے؟“ ہم دانت پیس پیس کر سوچتے رہے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ہم نے دانت پیسنا ترک کر دیا کہ جمہوریت میں یکسانیت اور اکتاہٹ کا رواج ہوگا۔ ہمیں جمہوریت کے نئے نئے رواجوں کا علم ہوتا جا رہا تھا۔

ہر تقریر کے خاتمے پر ہمیں یہ فقرہ بے حد پسند آ رہا تھا: ”میں رعایا کی طرف سے حلف لیتا ہوں کہ میں رعایا کی خاطر مہاراجِ ادھیراج چوپٹ راجہ کا وفادار رہوں گا۔“

اس کے بعد پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ مہاراج اب کابینہ کی میٹنگ برخاست کرنے کا حکم عنایت فرمائیں۔ ہم کیا کرتے، حکم عنایت کر دیا۔ حکم دینے والے کو حکم ماننا ہی پڑتا ہے۔ کابینہ کی میٹنگ ختم ہونے کے بعد وزیرِ خزانہ سیوک رام داس نے جلدی جلدی میں ایک میمو پیش کیا کہ آج کی کابینہ میٹنگ پر ایک لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں۔ دستخط فرما کر منظوری دے دیجئے۔

ہم نے پوچھا: ”سیوک رام داس! اس میٹنگ میں ہم نے صرف چند بوسے دئے، یا وزراء نے تقریریں کیں۔ اس پر ایک لاکھ روپیہ کیسے خرچ ہو گیا۔ ہمیں تفصیل بتائی جائے۔“

اس پر سیوک رام داس نے ایک طویل تقریر کر ڈالی اور ہمیں بڑے آداب و تہذیب کے ساتھ ایک نالائق، نااہل اور نافرمان جمہوری بادشاہ قرار دے دیا۔ بلکہ یہاں تک کہنے کی گستاخی کر ڈالی کہ آپ بادشاہ ہیں یا سیوک جو تفصیل طلب کرتے ہیں۔ یہ کابینہ میٹنگ رعایا کے مفاد کے لئے منعقد کی گئی تھی اور رعایا کا مفاد اسی میں ہے کہ آپ اس میمو پر دستخط فرما دیجئے۔ ورنہ ساری کابینہ آپ کو گدی سے دستبردار کر دے گی اور آپ تختِ شاہی کے بجائے تختے ہوئے چنے بیچتے نظر آئیں گے!

ہم دل ہی دل میں برہم بھی ہوئے اور سہم بھی گئے لیکن منظوری مرحمت فرما دی سمجھتے ہوئے کہ چنے بیچنے سے کیا حاصل؟ زمانے کی رفتار کہتی ہے انقلاب زندہ باد! اس لئے ہم بھی کہہ دیں، انقلاب پائندہ باد! اگر ہمارے صرف بوسہ دینے اور فوٹو کے وقت تبسم فرمانے سے رعایا کا مفاد محفوظ ہو جاتا ہے تو ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ چند بوسے اور چند تبسم ——— جمہوریت کا محل کتنی نفیس اور نازک بنیادوں پر استوار ہو رہا ہے اور محل کی تعمیر پر روپیہ تو صرف ہوتا ہی ہے۔ رعایا کا

بیسویں صدی، نئی دہلی، نومبر ۱۹۸۶ء

تو پہلے رعایا پر صرف ہوتی ہوتی ہماری بربی تو بالکل جاہل اور کبھی جاتی ہے گی۔
جمہوری نظام ہماری جہالت کو آہستہ آہستہ دانشمندی کی طرف بڑھا رہا ہے۔

نئی زندگی، نئے اصول ——.

کئی ہم کئی دنوں کے بعد روزنامچہ تحریر کر رہے ہیں۔ فرصت ہی نہ ملتی تھی۔
کیا کریں؟ صبح سے رات تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جسے ہم خالص اپنا کہہ سکیں۔ کبھی کبھی ہم جھنجھلاتے ہیں کہ ہم نے اپنی ایک ایک سانس ڈیموکریسی کے ہاتھ بیچ دی ہے! لیکن بھرکم داس کا کہنا ہے بلکہ جمہوریت آپ کی ایک ایک سانس کی قیمت ادا کر رہی ہے، احسان کا ہے کا؟
علی الصبح جو گلفام لونڈی اپنی مترنم آواز میں گا کر ہمیں بیدار کیا کرتی تھی، وہ نہ جانے کہاں بھاگ گئی یا بھگا دی گئی۔ ایک افواہ ہے کہ وزیرِ خزانہ بھرکم داس اُسے اپنے بنگلے میں لے گئے ہیں جہاں صبح اُسے بیدار کرنے پر مامور کر دیا گیا ہے۔ لیکن تنخواہ اُسے وزارتِ خزانہ کی طرف سے بطور ٹائپسٹ دی جاتی ہے اور ادھر ہمیں بیدار کرنے کے لئے ہماری خوابگاہ میں ایک ریڈیو سیٹ رکھ دیا گیا ہے۔ جو صبح صبح بھگتی گان کے ریکارڈ بجا بجا کر ہمیں بیدار کر دیتا ہے۔ کہاں گلفام ایسی حسینہ اور کہاں یہ چوب و آہن کا ریڈیو؟ پروفیسر نشیل داس نے بتا کر ہمیں ششدر کر دیا کہ ریڈیو پر جو آواز بھگتی گان سناتی ہے، وہ دراصل گلفام کی آواز ہے جو اب صرف آپ کو بیدار نہیں کرتی، ملک کے ہر آدمی کو بیدار کرتی ہے۔ باورچی، بیرا، نائی، موچی، کلرک، وکیل، ڈاکٹر، دکاندار ہر ایک پر گلفام کی مترنم آواز کا حق ہو گیا ہے اور گلفام اب صرف راجہ کی لونڈی نہیں رہی، عوام کی لونڈی بن گئی ہے!
ہمیں بیچاری گلفام کے حشر پر بہت ترس آیا۔ اپنے اوپر بھی ترس آیا۔ لیکن کچھ زیادہ شدید ترس نہ آیا۔ کیونکہ اب ہم ذلیل ہونے کے عادی ہو گئے تھے۔
صبح صبح ناشتے کی میز پر ہمارا چپراسی آ جاتا ہے اور ہمارے روزانہ پروگرام کا ایک ٹائپ شدہ کاغذ ہمارے ٹرے میں رکھ جاتا ہے —— اپنا پروگرام اب ہم طے نہیں کرتے۔ کابینہ طے کرتی ہے کہ آج فلاں آدمی، فلاں وقت پر مہاراج سے شرفِ ملاقات حاصل کریں گے۔ گویا ہمیں اتنا اختیار بھی نہ رہا کہ ہم کسی کو شرفِ ملاقات بخشنے سے انکار کر سکیں۔ پرسوں ایک صاحب ہم سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے آئے تھے (انگریزی یونین کے کوئی صدر تھے شاید) لیکن ہمیں اُس وقت تنہائی میں سگریٹ نوشی کی تمنا ستا رہی تھی۔ اس لئے ہم نے اختیاراتِ خصوصی سے کام لیا کہ ہم اِس وقت کسی سے نہیں مل سکتے۔
دوسرے دن اُس ظالم تانگہ بان نے ہمارے خلاف ایک پوسٹر نکلوا دیا کہ ہم فرعون ہیں، نمرود ہیں۔ بھرکم داس دوڑا دوڑا آیا کہ رعایا آپ سے باغی ہو رہی ہے۔ اِس لئے اِس بیان پر دستخط فرما دیجئے کہ مہاراج چوپٹ راج ملک کے ہر تانگے اور تانگے کے گھوڑے کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ ہم بھانپ گئے کہ یہ بھرکم داس کی عیاری ہے۔ وہ رعایا کی بغاوت کی دھمکی دے کر ہم پر اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یہ نکتہ ہمیں نشیل داس

نے بتایا نشچل داس کو تو ہمارا وزیرِ اعظم ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کیا کریں وہ ڈرپوک ہے اور صرف تعلیم یافتہ ہے۔

ہمارا جی چاہا بھرکم داس کو نادم کریں کہ یہ تمہاری کیسی ڈیموکریسی ہے جس میں سلطنت کے سربراہ کو ایک سگریٹ پینے تک کی آزادی نہیں، لیکن خاموش رہے۔ ایسا نہ ہو یہ ہماری سگریٹ نوشی پر کسی نشہ بندی کمیٹی کی طرف سے پوسٹر نکلوا دے۔

اس کے بعد ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم ہر آلتو فالتو شخص کو شرفِ ملاقات بخشیں گے۔ اور اپنی مقبولیت کو بچاتے رہیں گے۔

کل ایک حسین و جمیل ملاقاتی ہم سے ملنے آیا۔ ہم نے فرمایا: "اے حسینہ! ملاقات کا مقصد؟"

وہ اپنے موتیوں جیسے دانت نکال کر مسکرائی اور بولی: "مقصد کچھ نہیں، آپ کے ساتھ صرف فوٹو کھنچوانے کی آرزو ہے ——" وہ کافر ادا اسٹنگر فوٹو گرافر کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ مفر کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے ہم نے اُس کے ساتھ فوٹو کھنچوا لیا۔ دوسرے دن وہی فوٹو ہمیں ایک اخبار میں نظر آیا۔ جس کے نیچے لکھا تھا —— "مہاراج چوپٹ ناتھ جی، مسز کپلا دیوی پروپرائٹر بواسیر سپیشل کلینک کے ساتھ مرضِ بواسیر کی عوامی اہمیت پر تبادلۂ خیالات کر رہے ہیں۔"

ملاقاتوں کے بعد ہمیں لنچ کرنے کا حکم ملتا ہے۔ ہمارا لنچ کیا ہونا چاہئے؟ یہ ہمارے تین باورچیوں اور ایک پولیٹیکل ایڈوائزر کی سب کمیٹی طے کرتی ہے۔ وہ اکثر و بیشتر انتہائی احمقانہ فیصلے کرتی ہے۔ ہم نے بھرکم داس کو حکم دیا کہ اس سب کمیٹی میں شاہی نسل کے ایک فرد کو شامل کیا جائے۔ کیونکہ وہ شاہی دسترخوان کی روایات سے واقف ہوتا ہے۔ بھرکم داس نے جواب دیا، ہم آپ کی تجویز خوراک منسٹری کو بھیج دیں گے۔

ہمارا کھانا انتہائی بیش قیمت لیکن انتہائی غیر متوازن ہوتا ہے۔ ایک بار ہم نے بطور احتجاج فاقہ کیا اور حکم دیا کہ وزیرِ خوراک کو شرفِ ملاقات کے لئے ہمارے حضور میں پیش کیا جائے۔ لیکن معلوم ہوا کہ وزیرِ خوراک ہوائی جہاز پر قحط زدہ علاقے کا دورہ کرنے گئے ہیں۔ یہ عجیب جمہوری نظام ہے کہ ہماری رعایا خوراک کی کمی سے بھوکی مر رہی ہے اور ہم خوراک کی فراوانی سے بھوکوں مر رہے ہیں!

دورے کے بعد وزیرِ خوراک ہم سے ملاقات کے لئے آیا۔ ہم نے انتہائی طیش میں آ کر کہا: "تم ہمارے کیسے نالائق وزیر ہو؟ ہماری رعایا کو قحط کے ذریعے موت کا شکار بنا رہے ہو؟ اگر اسی طرح ہماری رعایا قحط میں مرتی رہی تو ایک بھی فرد باقی نہ بچے گا۔ ہم حکومت کس پر کریں گے؟"

وزیرِ خوراک نے ہمیں آگاہ کیا کہ سراسیمگی کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قحط زدہ علاقے میں صرف ایک ہزار افراد لقمۂ اجل ہوئے ہیں لیکن اسی قحط کے دوران پانچ ہزار نئے بچے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اس لئے قحط کی وجہ سے رعایا کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔

لنچ زہر مار کرنے کے بعد ہمیں کہا جاتا ہے: "اب استراحت فرمائیے۔" ہمیں استراحت کے وقت رونا آ جاتا ہے اور ہم ابھی پوری طرح کھُل کر رو بھی نہیں سکتے کہ استراحت کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور ہمیں ایک ریشمی قالین پر پا پیادہ چلا کر ہمارے دفتر لے جایا جاتا ہے۔ جہاں ہمارے پندرہ سکریٹری باری باری مختلف قسم کے کاغذات لے کر آتے جاتے رہتے ہیں۔ سکریٹری ہمیں بتلاتے ہیں کہ یہ کاغذات مُلک کے اہم مسائل سے تعلق رکھتے ہیں —— ضرور رکھتے ہوں گے۔ اس لئے ہم ان سے بحث یا مداخلت مناسب نہیں سمجھتے۔ اگرچہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ سکریٹری ہمیں بے وقوف سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اتنے با اخلاق ہیں کہ انھوں نے ہمیں ہماری بیوقوفی کا کبھی احساس نہ ہونے دیا۔ بڑے احترام و عقیدت سے آداب اور کورنش بجا لاتے ہیں اور ہم بھی بڑے وقار اور دبدبے کے ساتھ ہر کاغذ پر دستخط کر دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک سکریٹری کی نظر بچا کر ہم نے ایک کاغذ ملاحظہ فرما لیا۔ جس پر لکھا تھا —— "ہم مہاراج چوپٹ ناتھ جی فرمان جاری کرتے ہیں کہ مُلک بھر میں گھڑیاں سمگل کرنے کے جرم میں جتنے آدمی قید کئے گئے ہیں انھیں ووٹ دینے کے حق سے محروم نہ کیا جائے۔ کیونکہ ہماری شاہی جمہوریت کی فراخ دلی ایک سمگلر کو بھی شہری حقوق عطا کرتی ہے۔"

ہم نے شاہی جلال میں آ کر سکریٹری سے کہا: "ہم اِس کاغذ پر دستخط نہ کریں گے۔ کیا ہم اتنے کافر اور بدکردار ہو گئے ہیں کہ بدکرداروں کو بھی شرفاء میں شمار کرنے لگے ہیں؟"

سکریٹری نے عرض کیا: "حضور! مُلک میں سمگلروں اور چور بازاروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ جس سے ووٹروں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اس لئے ووٹروں کی تعداد بڑھانا سلطنت کے قیام کے لئے لازمی ہے۔"

"کیا ہماری سلطنت سمگلروں کے ووٹوں پر کھڑی ہے؟"

"زیادہ تر!"

ہم نے سلطنت کی بقا کی خاطر دستخط کر دئے اور سہ پہر شام کو پروفیسر نشچل داس کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا تو وہ ایک دردناک آہ بھرنے لگا اور جواب سے احتراز کیا۔ ہم نے اصرار کیا: "جواب کیوں نہیں دیتے پروفیسر!"

وہ بولا: "مہاراج! رموزِ شاہاں، شاہاں بدانند! ہم غریب لوگ ان رموز پر اپنی رائے ظاہر کر کے دو روٹیوں سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔"

ہم نے پروفیسر کو روٹیوں سے محروم کرنا مناسب نہ سمجھا۔

بہرکیف ہم بے حد دکھی، بے حد مصروف اور بے حد بے وقوف انسان بنتے جا رہے ہیں۔ ہم بادشاہ ہو کر غلاموں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس صورتِ حالات پر ہماری چھوٹی رانی کے سوا اور کوئی خوش نہیں ہے۔

ہم چھوٹی رانی کو طلاق دینے کے متعلق سوچ رہے ہیں۔

ایک غیر ملکی سفیر ———•

کل ایک غیر ملکی سفیر ہم سے ملنے آیا۔ وہ ہماری زبان نہیں جانتا تھا۔ ہم اُس کی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہمارے درمیان ایک تیسرا آدمی تھا، جو کمبخت دونوں زبانیں جانتا تھا۔ بات چیت کے دوران ہمیں شک ہوا کہ وہ ہم دونوں کو وہ باتیں پہنچا رہا ہے جو ہمارے منہ سے نہیں نکلیں۔ ایک بار سفیر مذکور قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ حالانکہ ہم نے اُسے یہ کہا تھا کہ آپ کے شہنشاہ کون سے سگریٹ پیتے ہیں؟ اسی طرح سفیر مذکور نے منہ کا تان کر کوئی بات کہی تو انٹرپریٹر نے ہمیں بتایا کہ سفیر مذکور کہہ رہے ہیں کہ ہمارا بادشاہ آپ کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا عقد کرنے کا خواہش مند ہے۔ اس پر ہم بھی قہقہہ لگا کر ہنسے۔ (لیکن اُس کمبخت نے منہ کیوں تانا تھا؟)

اس کے باوجود یہ ملاقات بے حد دلچسپ رہی اور ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے دو بہرے باتیں کر رہے ہوں۔ اُس نے ہماری خدمت میں ایک ہاتھی کا بچہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ ہم نے سکریٹری کی ہدایت پر اُسے ایک اعلیٰ نسل کا گدھا پیش کیا، کیونکہ اُن کے ملک میں گدھے تو تھے لیکن اعلیٰ نسل کے نہ تھے اور پھر ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ملک کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے۔ ہم نے سوچا ہاتھی اور گدھے میں جنگ ہونا ویسے بھی ممکن نہیں ہے۔

شام کے اخباروں میں ہماری اور اُس سفیر کی ایک مشترکہ تصویر شائع ہوئی۔ ہماری تصویر کے پہلو میں اُس ہاتھی اور گدھے کی مشترکہ تصویر بھی شائع کی گئی اور ہم نے پہلی بار اُس گدھے کی شکل دیکھی، جو ہم نے سفیر مذکور کو پیش کیا تھا۔ وہ گدھا ہاتھی کی طرف بہت رومانٹک نظروں سے دیکھتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

پانچ عجیب و غریب ملاقاتی ———•

چند دن پہلے پانچ عجیب و غریب ملاقاتی ہماری قدم بوسی کو حاضر ہوئے۔ انھوں نے ہم پر انکشاف کیا کہ وہ پرانے انقلاب پسند ہیں اور شاہی تخت اُلٹانے میں اُن کا نمایاں ہاتھ تھا۔ ہمارا جی چاہا، وزیر ڈیفنس کو بُلا کر اُن پانچوں کو قید خانے میں ڈال دیں لیکن انھوں نے بتایا کہ مہاراج انھیں ایک بار قید خانے میں ڈال چکے ہیں۔ ہم حیران ہوئے کہ ہم نے تو اِن کی شکل بھی پہلی بار دیکھی ہے۔ اِس کا مطلب ہے ہم ایسے ایسے انسانوں کو بھی گرفتار کرتے رہے ہیں جن کی صورت تک سے ہم آگاہ نہیں ہوتے۔ ہمیں اپنی اِس غیر انسانی کرتوت پر افسوس ہوا۔ لیکن اُن پانچ انقلابیوں نے کہا کہ اب افسوس کرنا لاحاصل ہے، کیونکہ اب ہم مہاراج کے وفادار خادم ہو چکے ہیں۔ ہمارا تخت اُلٹانے والے ہمارے خادم بن جائیں؟ یہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ ہماری عقل کتنی ناقص ہے

انھوں نے ہماری خدمت میں میمورنڈم پیش کیا۔ کیا درد ناک زمانہ آیا ہے کہ پہلے میرے سامنے لوگ ہیرے جواہرات کے تھال پیش کرتے تھے، آج کل کاغذ کے میمورنڈم پیش کرتے ہیں۔ میمورنڈم کے پہلے حصے میں ہمارے دادا صاحب مرحوم سے لے کر ہمارے ننھے راجکمار تک کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ یہ پہلا حصہ ہمیں بہت پسند آیا۔

دوسرے حصے میں ہم سے التجا کی گئی تھی کہ شاہی خاندان کے اندرونی اخراجات سے پرجا کی پیٹھ کُبڑی ہو گئی ہے۔ اِس لئے شاہی اخراجات کم کئے جائیں۔ مطالبہ کی شدت کو نرم کرنے کے لئے "رضا کارانہ" کا لفظ استعمال کیا ——— یہ دوسرا حصہ ہماری توہین کے برابر تھا اور لفظ "رضاکارانہ" کو ہم نے زندگی میں پہلی بار سُنا تھا۔ اس لئے یہ حصہ نہ ہماری سمجھ میں آیا نہ خاص پسند آیا اور ایک بار پھر ہمارا جی چاہا، سپہ سالار کو بُلا کر اُن پانچوں کو گرفتار کروائیں۔

لیکن ہمارے سکریٹری نے ہمیں کان میں بتایا کہ سپہ سالار کو بُلانے کے لئے کیبنٹ کی پیشگی منظوری لینی پڑے گی۔ ہمیں بہت طیش آیا اور ہم نے میمورنڈم کے پُرزے پُرزے کر کے انقلاب پسندوں کے منہ پر پھینک دیئے۔ ہمیں طیش میں دیکھ کر پانچوں انقلابی دُم دبا کر بھاگ گئے۔

ہم نے بجر کرم داس کو ٹیلی فون پر یاد فرمایا تو معلوم ہوا وزیر اعلیٰ اپنی چہیتی بیوی گرلز فرینڈ مس رمبھا کو ساتھ لے کر چوہے مارنے کی مہم کی رسم افتتاح کرنے کے لئے اپنے حلقہ میں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ ہماری سلطنت میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا اب چوہے بھی ہماری سلطنت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہو گئے ہیں؟ ہمارے خاندان نے ڈیڑھ سو برس تک اِس ملک پر حکومت کی تھی۔ ہمیں تو چوہوں نے کبھی پریشان نہ کیا تھا۔ شاید ڈیموکریسی میں چوہے بھی شہ پا کر شیر ہو گئے ہیں۔ بلکہ انقلابیوں اور چوہوں دونوں کو یہ جرأت پیدا ہو گئی ہے کہ ہمارے منہ آئیں۔ لیکن یہ مس رمبھا وزیر اعلیٰ کے ساتھ کیوں گئی ہے؟ کیا اب بازاری چھوکریاں بھی سلطنت کے مسائل میں دخل دینے لگی ہیں؟ ہم نے چھوٹی رانی سے اِس کا ذکر کیا تو وہ اُلٹا ہمارے منہ آنے لگی کہ حضور نے بھی تو مجھ جیسی بازاری چھوکری کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ اب وزیر اعلیٰ کی باری ہے تو تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

ہمیں تاریخ، انقلابیوں اور چوہے تینوں پر غصہ آگیا اور ہم ساری رات کروٹیں بدلتے رہے۔ (چھوٹی رانی کو طلاق دینا ہی پڑے گا!)

ناردرن ریلوے

ٹائم ٹیبل میں اہم تبدیلیاں

موسم سرما کے ٹائم ٹیبل میں مندرجہ ذیل اہم تبدیلیاں یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء سے عمل میں آئیں گی۔

I نئی گاڑیاں جو جاری کی گئیں

لکھنؤ اور بالامئو کے درمیان

لکھنؤ اور بالامئو کے درمیان ایک مسافر گاڑی شروع کی جا رہی ہے۔ یہ گاڑی لکھنؤ سے 17.20 پر روانہ ہو کر 19.20 پر بالامئو پہنچے گی۔ واپسی کی سروس بالامئو سے 7.10 بجے روانہ ہو کر 9.10 بجے لکھنؤ پہنچے گی۔

کوروکشیتر اور جیند کے درمیان

کوروکشیتر سے گاڑی 18.20 پر روانہ ہوگی اور 23.40 پر جیند پہنچے گی۔ واپسی کی سروس جیند سے 9.40 پر روانہ ہو کر کوروکشیتر 13.20 پر پہنچے گی۔

سادول پور اور ہنومان گڑھ کے درمیان

گاڑی ہنومان گڑھ سے 5.15 پر روانہ ہو کر سادول پور 11.15 پر پہنچے گی اور واپسی کی سروس سادول پور سے 17.15 پر روانہ ہو کر ہنومان گڑھ 22.25 پر پہنچے گی۔

II گاڑیاں جو منسوخ کی گئیں

1. نمبر 1AP/2AP مابین امرتسر اور پٹی
2. نمبر 1BQ/2BQ مابین بٹالہ اور قادیان
3. نمبر 1JA/2JA مابین جالندھر شہر اور امرتسر
4. نمبر 1JN/2JN مابین جالندھر اور نکودر

یہ گاڑیاں [illegible]

III گاڑیاں جن کا راستہ بدلا گیا

ڈوئی والا پر، نمبر 41 اپ/42 ڈاؤن مسوری ایکسپریس کو رائسی پر، نمبر 551 پسنجر کو آنگاواں پر، LF 5/LF 6 پسنجر گاڑیوں کو دہات ہالٹ پر، 40 ڈاؤن جنتا ایکسپریس کو داوری اور بسیر پور پر، 10 ڈاؤن ڈون ایکسپریس کو رائی والا پر اور 99 اپ/100 ڈاؤن ایکسپریس کو کوسی پر۔

V گاڑیاں جن میں توسیع کی گئی

کئی میل اور ایکسپریس گاڑیوں کی رفتار تیز کر دی گئی ہے ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر 59/60 ڈاؤن سری نگر ایکسپریس، 54/53 ڈاؤن کشمیر میل، 41 اپ مسوری ایکسپریس، 69 اپ ترویینی ایکسپریس، 207 اپ آگرہ ایکسپریس اور 96 ڈاؤن مارواڑ میل ہیں۔

VI گاڑیوں کے اوقات میں تبدیلی

نمبر 21 ڈاؤن دکشن ایکسپریس نئی دہلی 7.40 کی بجائے 5.00 بجے پہنچے گی۔
نمبر 22 اپ دکشن ایکسپریس نئی دہلی سے 20.50 کی بجائے 19.15 بجے روانہ ہوگی۔
نمبر 66/62 وارانسی 17.10 کی بجائے 18.00 بجے پہنچے گی۔
نمبر 30 ڈاؤن لکھنؤ میل نئی دہلی سے 21.20 کی بجائے 21.40 بجے روانہ ہوگی اور لکھنؤ 7.00 بجے کی بجائے 7.20 پر پہنچے گی۔

VII ایئر کنڈیشنڈ اکموڈیشن جو ختم کی گئی

مسوری ایکسپریس سے 16-10-70 کو دہلی سے روانگی کے وقت سے اور 17-10-70 کو دہرہ دون سے روانگی کے وقت سے ایئر کنڈیشنڈ اکموڈیشن واپس لے لی جائے گی۔ اسی طرح 9 اپ/10 ڈاؤن دون ایکسپریس (وارانسی دہرہ دون) کے ساتھ ہفتہ میں دو بار مہیا کی جا رہی ایئر کنڈیشنڈ اکموڈیشن 1-10-70 سے واپس لے لی جائے گی۔ 93 اپ/94 ڈاؤن جودھپور میلوں (دہلی۔جودھپور) پر ایئر کنڈیشنڈ اکموڈیشن ہفتہ میں چار دن کی بجائے ہفتہ میں دو دن مہیا کی جائے گی۔ یہ دہلی سے ہر سوموار کو اور شکروار کو اور جودھپور سے ہر اتوار اور وریروار کو مہیا ہوں گے۔

VIII فاصلہ کی پابندیاں جو ختم کی گئیں

3 اپ/4 ڈاؤن میل کے ساتھ تھرڈ کلاس کے لئے 160 کلومیٹر کے فاصلہ کی پابندی صرف مرزا پور اور الہ آباد کے درمیان ہٹالی جائے گی البتہ موجودہ پابندی ریلوے ہذا کے مغل سرائے مرزا پور سیکشن پر لاگو ہوں گی۔

IX بالتفصیل معلومات کے لئے نادرن ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھیں جو کہ اہم ریلوے اسٹیشنوں، ریلوے بکنگ/ریزرویشن/انکوائری دفاتر اور بک سٹالوں پر برائے فروخت موجود ہے۔

چیف آپریٹنگ سپرنٹنڈنٹ

R.O. 81

صحت و زندگی

۱ ـــــ غسل ـــــ ایک صحت بخش عمل

غسل ایک صحت بخش عمل ہے۔ اگر آپ ہمیشہ تندرست رہنا چاہتے ہیں تو روزانہ غسل کرنا اپنا معمول بنا لیجیے۔ غسل کرنے سے مختلف امراض کے جراثیم دُور ہو جاتے ہیں۔ ہر روز بلا ناغہ غسل کرنے اور جسم کو صاف رکھنے سے بلا مبالغہ انسان پچاس فیصدی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے!

انسان کے جسم میں پسینہ خارج کرنے کے لئے تیس لاکھ غدود ہیں اور اُن کے ذریعہ جسم سے غیر ضروری مادّہ خارج ہوتا رہتا ہے۔ غسل جسم کی بدبو دُور کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ صحت و تندرستی قائم رکھنے کے لئے جلد کو میل کچیل سے صاف رکھنا بہت ضروری ہے۔ جسم پر میل کچیل کی موجودگی مساموں کی راہ میں رُکاوٹ ثابت ہوتی ہے اور انسان کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔

نہانے سے جسم کی جلد صاف ہو جاتی ہے، مسامات کے مُنہ کُھل جاتے ہیں، جن کے ذریعہ مُضرِ صحت اور زہریلے فضلات خارج ہوتے رہتے ہیں۔ حرارتِ اصلیہ کو قوت پہنچتی ہے۔ جسم توانا رہتا ہے۔ دَورانِ خون صحیح رہنے سے بدن کی رنگت سُرخ رہتی ہے۔ جسم میں چستی اور دل و دماغ میں فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ ذہن اور قوتِ حافظہ میں شگفتگی و بیداری پیدا ہوتی ہے۔ بھوک بڑھ جاتی ہے۔ غذا جُزوِ بدن بنتی ہے۔ دماغی پریشانی دُور ہو جاتی ہے۔ شدید محنت کے بعد تازہ پانی سے غسل کرنے سے ساری کسلمندی دُور ہو جاتی ہے۔ غسل کرتے وقت آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے بینائی تیز ہوتی ہے۔

گرم مزاج والوں کو سرد پانی سے نہانا بے حد مفید ہے۔ عام حالات میں ہر آدمی کو سرد پانی ہی سے نہانا چاہیے۔ بوڑھے اور کمزور آدمیوں کو سرد پانی سے زیادہ دیر تک نہ نہانا چاہیے۔

جس طرح ہر اچھی چیز کا غلط استعمال مُہلک و مُضر ثابت ہوتا ہے، اسی طرح نہاتے وقت موسم، عمر اور پانی کی گرمی، سردی کا لحاظ نہ رکھنے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کمزور بچوں اور حاملہ عورتوں کو خاص طور پر احتیاط برتنی چاہیے۔ بخار، دست، جلّاب، قے، درد، اپھارہ، زکام، بلغمی کھانسی، دمہ، لقوہ، فالج، گٹھیا اور نمونیہ وغیرہ کی حالت میں بھی غسل نہ کرنا چاہیے۔

غسل کرنے کے لئے سب سے بہتر وقت صبح ہے، یا سہ پہر شام کو کھانا کھانے سے پہلے نہانا چاہیے۔ کھانا کھانے کے بعد غسل نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں سرد پانی سے غسل کرنے سے جلد کی رگیں سکڑ جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے معدہ اور آنتوں کی طرف دَورانِ خون تیز ہو کر سست ہو جاتا ہے اور اگر کھانا کھانے کے بعد گرم پانی سے غسل کیا جائے تو جلد کی رگیں پھیل کر معدہ کا دورانِ خون سست ہو جاتا ہے۔ اس لئے کھانا کھانے کے بعد غسل کرنے سے نقصان پہنچتا ہے، ہضم کے فعل میں خصوصیت سے فتور اور نقص ہو جاتا ہے۔ سخت محنت کے بعد بھی فوراً ہی نہانا صحت کے لئے مُضر ہے۔

غسل کے وقت عمدہ قسم کا صابن بھی ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن صابن کا زیادہ استعمال نقصان دہ ہے۔ نہانے سے پہلے سرسوں کے تیل سے جسم کی مالش کرنی چاہیے، اس سے جلد میں خون کا دَورہ ہو کر صحت و تندرستی کا باعث ہوتا ہے۔

نہانے کے بعد بدن کو خشک تولیہ سے ہلکے ہلکے رگڑ کر خشک کرنا چاہیے۔ پہلے سر کی طرف سے خشک کرنا شروع کریں اور بتدریج پیروں تک خشک کرلیں۔ جب تک جسم بالکل خشک نہ ہو جائے کپڑے نہ پہنیں۔

۲ ـــــ اولاد کی طرف سے غفلت نہ برتیے

اپنے بچوں کی طرف سے غفلت نہ برتیے۔ زندہ اور بیدار قومیں سب سے زیادہ اپنے بچوں کی صحت اور صحیح نشو و نما پر توجہ دیتی ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں مائیں اپنی صحت کی طرف سے انتہائی بے پروائی سے کام لیتی ہیں اور ان کی کوکھ اور اُن کے دودھ سے اُن کی ساری بیماریاں بچوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ یہی بچے

قوم کے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔

بچوں میں سمجھ بوجھ پیدا ہونے اور شعور بیدار ہونے کے بعد والدین کے سامنے جو مسائل آتے ہیں انھیں سلجھانے کے لئے بہت عقل و تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ آئندہ کیا بنے گا اور اسے کیا بننا چاہیئے؟ اس کے متعلق والدین کو کوئی بندھا تصور نہ قائم کر لینا چاہیئے۔ بچوں میں بعض فطری رجحانات موجود ہوتے ہیں انھیں والدین اپنے خود ساختہ اور مقرر کردہ سانچوں میں نہیں ڈھال سکتے۔ سخت ناوانی ہوگی اگر آپ اپنے لڑکے کو اپنے ہی نقشِ قدم پر چلنے کے لئے مجبور کریں۔ اپنے بیٹے کے متعلق آپ کا یہی فرض ہے کہ اس کے پسندیدہ کام میں حتی الامکان اس کی مدد کریں جس سے وہ اس کام میں کامیاب و کامراں ہو سکے۔

کبھی کبھی بچوں کے لئے والدین بے وجہ اور بے ضرورت فکر و پریشانی کا اظہار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں بچے ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ والدین کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ بچے انھیں پہلے کی طرح عقل و دانش کا سرچشمہ سمجھتے رہیں گے۔ والدین کو چاہیئے کہ بچوں کی آزاد خیالی پر مخالفت و بغاوت کا گمان نہ کریں۔

مائیں اپنے ایثار و قربانی کے صلے کے طور پر اولاد سے بہت زیادہ شکر گزاری کی طالب بن کر اولاد کی نظر میں غیر دلچسپ اور بارِ خاطر بن جاتی ہیں۔ کبھی کبھی والدین اپنی محبت میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ بچہ ان کی نگرانی اور مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے گھر میں اطمینان کی سانس نہیں لے سکتا۔ والدین کو چاہیئے کہ مناسب حدود کے اندر کسی قدر تغافل کی بھی مشق کریں۔ تاکہ بچہ خود کو ناکردہ گناہ قیدی اور گھر کو قید خانہ نہ سمجھے۔

۳ — سنہرے خواب

ہم، آپ سبھی خوش آئند خواب دیکھتے ہیں، اور یہ برا نہیں۔ ہر کامیابی پہلے خوابوں اور خیالوں ہی میں جنم لیتی ہے۔ ہاں! جو لوگ صرف خوش آئند خواب ہی دیکھتے ہیں، ان کی تعبیر پانے کے لئے عملی قدم نہیں اٹھاتے، جدوجہد نہیں کرتے، ان کے خواب تعبیر آشنا نہیں ہوتے۔ جو لوگ اپنے خوابوں کو حقیقت بنانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ان کے خواب یقیناً تعبیر آشنا ہوتے ہیں اور ایک دن حقیقت بن جاتے ہیں۔

مشہور مفکر ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے — "تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے علاقے جو بنجر کی طرح بیکار پڑے تھے۔ ایک دن کسی خواہش کے تحت انسان نے ان ریگزاروں میں محنت کے بیج بوئے اور ان سے دولت پاکر مالا مال ہو گیا — انسانی زندگی بھی انھیں بنجر زمینوں کی طرح ہے جن کے اندر بیش قیمت خزانے چھپے ہیں۔ بس ضرورت ہے انھیں ڈھونڈنے کی اور انھیں پانے کے لئے محنت کرنے کی۔ جوں ہی ہم اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کر کے اپنے خوابوں کی منزل کی طرف گامزن ہوں گے، ہمیں اپنے خوش آئند خوابوں کی تعبیر مل جائے گی، ہمارے خواب حقیقت بن جائیں گے — بد قسمت اور کاہل لوگ ہی قسمت اور موقع کی بات کرتے ہیں۔"

۴ — آپ بھی عظیم بن سکتے ہیں

عظمت حاصل کرنے کے لئے — عظیم بننے کے لئے کوئی بڑا کارنامہ کوئی عظیم مہم سرانجام دینا ضروری نہیں۔ آپ چھوٹے چھوٹے کام کر کے بھی عظمت حاصل کر سکتے ہیں، عظیم بن سکتے ہیں۔

مشہور مفکر نپولین ہل نے لکھا ہے — "خدمت میں عظمت ہے۔ اگر آپ دوسروں کے لئے کام کریں گے، دوسروں کے کام آئیں گے تو دوسرے آپ کی عزت کریں گے۔ ان کے دل میں آپ کے لئے قدر و منزلت بڑھ جائے گی اور وہ آپ کے لئے مفید بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ہر وقت کسی دوسرے کے کام آنے کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے — یہی عظمت کا راز ہے۔"

کسی کا کام کرنے — کسی کے کام آنے کے بعد جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

۵ — نئی زندگی

اگر آپ زندگی کی ناکامیوں سے بددل ہو گئے ہیں۔ آپ کی زندگی کے

آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوتے ہیں تو مشہور مفکر ڈاکٹر ماریشن کے ان الفاظ سے آپ کو ایک روشنی ملے گی ـــــ ہماری زندگی میں دو چار ایسے تاریک لمحے آتے ہیں، جو تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں اور پھر اُمید کی کرنیں چمکنے لگتی ہیں۔ دُکھ کے ہر کالے بادل کے پیچھے اُمید کا سورج چمکتا رہتا ہے۔

اپنے دماغ میں ناکامی، مایوسی، بے ہمتی کے جذبات کے بجائے جوش، ہمت، اُمید اور کامیابی کے خیالات پیدا کرنے چاہئیں۔ زندگی کی کامیابی اور مسرت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔

مایوسی سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنے آپ سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں۔ جب آپ اپنی صلاحیتوں کو پہچان جائیں گے تو آپ کی گمشدہ ہمت لوٹ آئے گی ـــــ آپ ایک نئی زندگی پالیں گے!"

۶ ـــــ ہم ناکام کیوں رہتے ہیں؟

اپنے خوابوں کی تعبیر نہ دیکھ کر ہم مایوس اور بددل ہو جاتے ہیں، آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں، کبھی قسمت کو کوستے ہیں، کبھی زمانہ کو الزام دیتے ہیں۔ لیکن ہم میں ایسے کم ہی لوگ ہیں جو اپنی ناکامی کی وجہ جاننے اور جان کر اُسے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک امریکی دانشور نے لکھا ہے ـــــ "اگر آپ اپنے دل میں جاگی ہوئی خواہش کی تکمیل نہیں کر پاتے، مایوسی اور تفکرات کے بھیانک اندھیروں میں اپنی مسرتیں کھو بیٹھتے ہیں تو قصور آپ کے پیدا کرنے والے کا نہیں، قصور آپ کا اور صرف آپ کا ہے! آپ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کی کوشش نہیں کر رہے ہیں، کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناقابلِ شکست عزم و حوصلے سے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔"

حکیم مشرق نے بھی ارشاد فرمایا ہے ـــــ "تیرا حال اور مستقبل دونوں تیری تدبیر کا حاصل ہیں ـــــ جدوجہد کے لئے آمادہ ہو، تیرے ہاتھ ہی میں تیری تقدیر ہے!"

۷ ـــــ روزہ کی اہمیت سائنس کی رُو سے

"ہماری زندگی کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ مناسب غذا کھا کر وہ کمی پوری کریں جو چلنے پھرنے یا کام کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ غذا کے بیکار اور فاضل حصّے اور جسم کے دوسرے فضلات جسم سے خارج بھی ہوتے رہیں۔ جب غذائی بے اعتدالیوں سے ہاضمہ میں فتور پیدا ہوتا ہے تو یہ فضلات بھی بروقت اور پورے طور پر جسم سے خارج نہیں ہونے پاتے یا بطور غلاظت خون میں شامل رہتے ہیں یا بسا اوقات جسم کے جوڑوں میں جمع ہو کر تکلیف پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ مناسب فاقہ یا روزہ اُن فضلات کے اخراج میں مدد دیتا ہے۔ روزہ سے صرف فاسد مادّے ہی نہیں جل جاتے، اعضاء میں نئی توانائی بھی آجاتی ہے۔ بعض اعضاء میں کمزوری ضرور پیدا ہوتی ہے، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد وہ طاقت پھر لوٹ آتی ہے۔ یہی نہیں، ڈاکٹر کارگوس نے لکھا ہے ـــــ "بہت سے شریانی امراض کے لئے روزہ بہترین علاج ہے۔ ذیابیطس کے مریض کے لئے بھی روزہ رکھنا مفید ہے۔"

قیامِ صحت کے لئے روزے رکھنا بے حد فائدہ بخش ہے۔ روزہ فاسد مادّوں کو جلا کر جسم میں نئی توانائی پیدا کرتا ہے۔ یہ عضلات کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے۔ حواس میں تیزی اور ذکاوت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسم کے ہر حصّہ میں طاقت اور توانائی آجاتی ہے، چہرہ روشن اور دل شاد و مسرور ہو جاتا ہے۔ معدہ، آنتوں، پھیپھڑوں، اعصاب اور دماغ کے تمام اعضاء پر روزہ سے اچھا اثر پڑتا ہے۔ قلب اور گُردوں پر سے بار کم ہو جاتا ہے۔

مشرق و مغرب کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور طبیبوں نے روزہ کی افادیت و اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور مریضوں پر تجربات کرنے کے بعد اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ روزہ سے بخار، بدہضمی، دردِ سر، معدہ، دمہ، نقرس، ذیابیطس وغیرہ امراض میں بے حد فائدہ ہوتا ہے۔

"کل ہند نیوز پیپر ایڈیٹرز کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کے الیکشن میں کامیاب ہونے والے اُمیدواروں میں "بیسویں صدی" کے ایڈیٹر جناب خوشتر گرامی کا نام سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ خوشتر صاحب نے کوئی گٹھ جوڑ نہ کیا، کوئی سودے بازی نہیں کی اور اس کے باوجود وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ کامیاب ہونے والے اُمیدواروں میں "سٹیٹسمین" کے ایڈیٹر شری مُلگاؤنکر نے سب سے زیادہ ووٹ لیے۔ خوشتر صاحب کے ووٹ اِن سے دُوسرے نمبر پر تھے۔

دُوسرے الفاظ میں جناب خوشتر گرامی نے تمام زبانوں کے اخبار نویسوں سے زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں دُوسرا درجہ حاصل کیا۔

جناب خوشتر گرامی نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور ثابت کر دیا کہ اُردو زبان سے وابستہ ایک اخبار نویس تمام ملک کے اخبار نویسوں کی جماعت میں اس قدر ممتاز درجہ حاصل کر سکتا ہے ـــــ جناب خوشتر گرامی کی اس عزت افزائی اور شاندار کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ اخبار نویس کی حیثیت سے تمام زبانوں کے اخبار نویس اُن کا احترام کرتے ہیں اور جناب خوشتر گرامی پارٹی بازی اور جوڑ توڑ سے ہمیشہ اپنے آپ کو دُور رکھتے ہیں۔"

جمنا داس اختر روزنامہ "سویرا" دلّی

قوم کے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔

بچوں میں سمجھ بوجھ پیدا ہونے اور شعور بیدار ہونے کے بعد والدین کے سامنے جو مسائل آتے ہیں اُنھیں سلجھانے کے لئے بہت عقل و تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ آئندہ کیا بنے گا اور وہ کیا بننا چاہتا ہے؟ اِس کے متعلق والدین کو کوئی بندھا ٹکا تصور نہ قائم کر لینا چاہئے۔ بچوں میں بعض فطری رجحانات موجود ہوتے ہیں۔ اُنھیں والدین اپنے خود ساختہ اور مقرر کردہ سانچوں میں نہیں ڈھال سکتے۔ سخت نادانی ہوگی اگر آپ اپنے لڑکے کو اپنے ہی نقشِ قدم پر چلنے کے لئے مجبور کریں۔ اپنے بیٹے کے متعلق آپ کا یہی فرض ہے کہ اُس کے پسندیدہ کام میں حتی الامکان اُس کی مدد کریں جس سے وہ اُس کام میں کامیاب و کامران ہو سکے۔

کبھی کبھی بچوں کے لئے والدین بے وجہ اور بے ضرورت فکر و پریشانی کا اظہار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں بچے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ والدین کو یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ بچے اُنھیں پہلے کی طرح عقل و دانش کا سرچشمہ سمجھتے رہیں گے۔ والدین کو چاہئے کہ بچوں کی آزاد خیالی پر مخالفت و بغاوت کا گمان نہ کریں۔

مائیں اپنے ایثار و قربانی کے صلے کے طور پر اولاد سے بہت زیادہ شکر گزاری کی طالب بن کر اولاد کی نظروں میں غیر دلچسپ اور بارِ خاطر بن جاتی ہیں۔ کبھی کبھی والدین اپنی محبت میں اِتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ بچہ اُن کی نگرانی اور مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے گھر میں اطمینان کی سانس نہیں لے سکتا۔ والدین کو چاہئے کہ مناسب حدود کے اندر کسی قدر تغافل کی بھی مشق کریں۔ تاکہ بچہ خود کو ناکردہ گناہ قیدی اور گھر کو قید خانہ نہ سمجھے۔

۳ ــــــ سنہرے خواب

ہم، آپ سبھی خوش آئند خواب دیکھتے ہیں، اور یہ بُرا نہیں۔ ہر کامیابی پہلے خوابوں اور خیالوں ہی میں جنم لیتی ہے۔ ہاں! جو لوگ صرف خوش آئند خواب ہی دیکھتے ہیں، اُن کی تعبیر پانے کے لئے عملی قدم نہیں اُٹھاتے، جدّ و جہد نہیں کرتے، اُن کے خواب تعبیر آشنا نہیں ہوتے۔ جو لوگ اپنے خوابوں کو حقیقت بنانے کے لئے جدّ و جہد کرتے ہیں اُن کے خواب یقیناً تعبیر آشنا ہوتے ہیں اور اُن کے خواب یقیناً حقیقت بن جاتے ہیں۔

مشہور مفکر ڈاکٹر ماررڈن نے لکھا ہے ــــــ "تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی بڑے بڑے علاقے جو بنجر کی طرح بیکار پڑے تھے۔ ایک دن کسی خواہش اور چاہ کے تحت انسان نے اُن ریگ زاروں میں محنت کے بیج ابوئے اور اُن سے زمین دولت پاکر مالا مال ہو گیا ــــــ انسانی زندگی بھی اُنھیں بنجر زمینوں کی طرح ہے جن کے اندر بیش قیمت خزانے چھپے ہیں۔ بس ضرورت ہے اُنھیں ڈھونڈھنے کی، اور اُنھیں پانے کے لئے محنت کرنے کی۔ جوں ہی ہم اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرکے اپنے خوابوں کی منزل کی طرف گامزن ہوں گے، ہمیں اپنے خوش آئند خوابوں کی تعبیر مل جائے گی، ہمارے خواب حقیقت بن جائیں گے ــــــ بے وقوف اور کاہل لوگ ہی قسمت اور موقع کی بات کرتے ہیں۔"

۴ ــــــ آپ بھی عظیم بن سکتے ہیں

عظمت حاصل کرنے کے لئے ــــــ عظیم بننے کے لئے کوئی بڑا کارنامہ کوئی عظیم مہم سر انجام دینا ضروری نہیں۔ آپ چھوٹے چھوٹے کام کرکے بھی عظمت حاصل کر سکتے ہیں، عظیم بن سکتے ہیں۔

مشہور مفکر نپولین ہل نے لکھا ہے ــــــ "خدمت میں عظمت ہے۔ اگر آپ دوسروں کے لئے کام کریں گے، دوسروں کے کام آئیں گے تو دوسرے آپ کی عزت کریں گے۔ اُن کے دل میں آپ کے لئے قدر و منزلت بڑھ جائے گی اور وہ آپ کے لئے مفید بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ہر وقت کسی دوسرے کے کام آنے کے لئے آمادہ رہنا چاہئے ــــــ یہی عظمت کا راز ہے۔"

کسی کا کام کرنے ــــــ کسی کے کام آنے کے بعد جو خوشی حاصل ہوتی ہے اُس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

۵ ــــــ نئی زندگی

اگر آپ زندگی کی ناکامیوں سے بددل ہو گئے ہیں۔ آپ کی زندگی کے

آسمان پر مایوسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں تو مشہور مفکر ڈاکٹر مارڈن کے ان الفاظ سے آپ کو ایک روشنی ملے گی ۔۔۔ "ہماری زندگی میں نہ جانے کتنے تاریک لمحے آتے ہیں، جو تھوڑی دیر ٹھہرتے ہیں اور پھر اُمید کی کرنیں چمکنے لگتی ہیں۔ دُکھ کے ہر کالے بادل کے پیچھے اُمید کا سورج چمکتا رہتا ہے۔

اپنے دماغ میں ناکامی، مایوسی، بے ہمتی کے جذبات کے بجائے جوش و ہمت، اُمید اور کامیابی کے خیالات پیدا کرنے چاہئیں۔ زندگی کی کامیابی اور مسرت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔

مایوسی سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنے آپ سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں جب آپ اپنی صلاحیتوں کو پہچان جائیں گے تو آپ کی گمشدہ ہمت لوٹ آئے گی ۔۔۔ آپ ایک نئی زندگی پالیں گے!"

۶ ۔۔۔ ہم ناکام کیوں رہتے ہیں؟

اپنے خوابوں کی تعبیر نہ دیکھ کر ہم مایوس اور بددل ہو جاتے ہیں، آگے بڑھنے کا حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔ کبھی قسمت کو کوستے ہیں، کبھی زمانہ کو الزام دیتے ہیں۔ لیکن ہم میں ایسے کم ہی لوگ ہیں جو اپنی ناکامی کی وجہ جانتے اور جان کر اُسے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک امریکی دانشور نے لکھا ہے ۔۔۔ "اگر آپ اپنے دل میں جاگی ہوئی خواہش کی تکمیل نہیں کر پاتے۔ مایوسی اور تفکرات کے بھیانک اندھیروں میں اپنی مسرتیں کھو بیٹھتے ہیں تو قصور آپ کے پیدا کرنے والے کا نہیں، قصور آپ کا اور صرف آپ کا ہے! آپ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کی کوشش نہیں کر رہے ہیں، کامیابی حاصل کرنے کے لئے ناقابلِ شکست عزم و حوصلہ سے آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔"

حکیم مشرق نے بھی ارشاد فرمایا ہے ۔۔۔ "تیرا حال اور مستقبل دونوں تیری تدبیر کا حاصل ہیں ۔۔۔ جدوجہد کے لئے آمادہ ہو، تیرے ہاتھ ہی میں تیری تقدیر ہے!"

۷ ۔۔۔ روزہ کی اہمیت سائنس کی رُو سے

ہماری زندگی کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ مناسب غذا کھا کر وہ کمی پوری کریں جو چلنے پھرنے یا کام کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ غذا کے بیکار اور فاضل حصّے اور جسم کے دوسرے فضلات جسم سے خارج بھی ہوتے رہیں۔ جب غذائی بے اعتدالیوں سے ہاضمہ میں فتور پیدا ہوتا ہے تو یہ فضلات بھی بروقت اور پورے طور پر جسم سے خارج نہیں ہونے پاتے یا بطور خلاظت خون میں شامل رہتے ہیں یا بسا اوقات جسم کے جوڑوں میں جمع ہو کر تکلیف پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ مناسب فاقہ یا روزہ اُن فضلات کے اخراج میں مدد دیتا ہے۔ روزہ سے صرف فاسد مادّے ہی نہیں جل جاتے، اعضاء میں نئی توانائی بھی آجاتی ہے۔ بعض اعضاء میں کمزوری ضرور پیدا ہوتی ہے، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد وہ طاقت پھر لوٹ آتی ہے۔ یہی نہیں، ڈاکٹر کارگوئیس نے لکھا ہے ۔۔۔ "بہت سے شریانی امراض کے لئے روزہ بہترین علاج ہے۔ ذیابیطس کے مریض کے لئے بھی روزہ رکھنا مفید ہے۔"

قیامِ صحت کے لئے روزے رکھنا بے حد فائدہ بخش ہے۔ روزہ فاسد مادّوں کو جلا کر جسم میں نئی توانائی پیدا کرتا ہے۔ یہ عضلات کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے۔ حواس میں تیزی اور ذکاوت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسم کے ہر حصّہ میں طاقت اور توانائی آجاتی ہے، چہرہ روشن اور دل شاد و مسرور ہو جاتا ہے۔ معدہ، آنتوں، پھیپھڑوں، اعصاب اور دماغ کے تمام اعضاء پر روزہ سے اچھا اثر پڑتا ہے۔ قلب اور گُردوں پر سے بار کم ہو جاتا ہے۔

مشرق و مغرب کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور طبیبوں نے روزہ کی افادیت و اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور مریضوں پر تجربات کرنے کے بعد اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ روزہ سے بخار، بدہضمی، دردِ سر، معدہ، دمہ، نقرس، ذیابیطس وغیرہ امراض میں بے حد فائدہ ہوتا ہے۔

"کل انڈیا نیوز پیپر ایڈیٹرز کانفرنس کی سٹینڈنگ کمیٹی کے الیکشن میں کامیاب ہونے والے اُمیدواروں میں بیسویں صدی کے ایڈیٹر جناب خوشتر گرامی کا نام سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ خوشتر صاحب نے کوئی گٹھ جوڑ نہ کیا، کوئی سودے بازی نہیں کی اور اس کے باوجود وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ کامیاب ہونے والے اُمیدواروں میں سٹیٹسمین کے ایڈیٹر شری کلدیپ نیّر نے سب سے زیادہ ووٹ لئے، خوشتر صاحب کے ووٹ ان سے دُوسرے نمبر پر تھے۔

دُوسرے الفاظ میں جناب خوشتر گرامی نے تمام زبانوں کے اخبار نویسوں کے زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں دُوسرا درجہ حاصل کیا۔

جناب خوشتر گرامی نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور ثابت کر دیا کہ اُردو زبان سے وابستہ ایک اخبار نویس تمام مُلک کے اخبار نویسوں کی جماعت میں اس قدر ممتاز درجہ حاصل کر سکتا ہے ۔۔۔ جناب خوشتر گرامی کی اس عزّت افزائی اور شاندار کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ اخبار نویس کی حیثیت سے تمام زبانوں کے اخبار نویس اُن کا احترام کرتے ہیں اور جناب خوشتر گرامی پارٹی بازی اور جوڑ توڑ سے ہمیشہ اپنے آپ کو دُور رکھتے ہیں۔"

جمنا داس اختر روزنامہ سویرا دِلّی

سوال وجواب

سرگوشیاں

اِس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دئیے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق وتہذیب سے گرے ہوئے اور فحش وعریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ "بیسویں صدی" کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اِس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

رضیہ۔ بھوپال

س۔ غلطی کا اعتراف کرکے معافی مانگ لینا کیا بُرا ہے بھائی جان؟

ج۔ غلطی کا اعتراف کرکے معافی مانگ لینا بہت بڑا وصف ہے۔ دُنیا کے عظیم انسان بخندہ پیشانی اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتے ہیں۔

س۔ انسان جانتا ہے کہ دُنیا کی ساری چیزیں فنا ہوجائیں گی، پھر بھی اُسے دولت کی اِتنی چاہ کیوں رہتی ہے، دولت ہی تو سب کچھ نہیں۔

ج۔ کاش! انسان اِس حقیقت کو فراموش نہ کرتا۔

س۔ بھائی جان! کچھ ایسی باتیں بتلایئے تاکہ میں بھی زندگی میں کامیابی حاصل کرسکوں۔

ج۔ ایک بڑے مفکر نے لکھا ہے ـــــ "زندگی کی بازی گاہ میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو تصورات کے خوش آئند محل تعمیر کرنے کے بجائے حقیقت کے پرستار بنئے۔"
حکیم جالینوس نے کہا ہے ـــــ "دُشمن سے صُلح کرلو یہی بہتر ہے چاہے تمہیں اپنی قوت اور اقتدار پر پُورا پُورا اعتماد ہو۔"

نذیر احمد بھدرواوتی۔ شموگہ

س۔ ہنسنا صحت کے لئے اچھا ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا اِس بارے میں؟

ج۔ ہنسنا صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔ بڑے بڑے ماہرینِ صحت نے لکھا ہے ـــــ صحت مند رہنا چاہتے ہو تو ہنسنا اپنی عادت بنالو۔

س۔ غمگین رہنے سے انسان کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے، کیا یہ سچ ہے؟

ج۔ جی ہاں۔ غم واندوہ مسرت ہی کے نہیں صحت کے بھی دُشمن ہیں۔

س۔ کیا موسیقی سے ہر انسان کو زیر کیا جاسکتا ہے؟

ج۔ سنگدل انسان موسیقی سے متاثر نہیں ہوتا۔

ایس۔ پی۔ نجمی۔ دریاپور۔ پٹنہ

س۔ ایک نوجوان جب اپنی زندگی سے مایوس ہوجائے تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ اِس حقیقت پر یقین کرکے اپنے دل کے حریم میں اُمید کی شمع روشن رکھنی چاہئے ؎

جادۂ زیست میں ہر غم ہے چراغِ منزل
دل ہو روشن تو کہیں تیرگیٔ یاس نہیں

س۔ انسانیت کب اور کیوں روتی ہے؟

ج۔ جب انسان انسانیت کا دامن چھوڑ کر حیوان بن جاتا ہے۔

س۔ عورت ایک پہیلی ہے اور مرد ایک مُعمہ! تو اِن کے حل کرنے والے...؟

ج۔ اب عورت پہیلی ہے نہ مرد مُعمہ! اب دونوں کُھلی ہوئی کتاب ہیں۔

ٹی۔ آر۔ بہادر۔ نئی دہلی

س۔ دُنیا میں کتنی قسم کے جانور ہیں اور اُن کی تعداد کیا ہے؟

ج۔ تکلف برطرف! ذرا آپ ہی گِن کر ہمیں بھی بتائیں، ہم ممنون ہوں گے۔

س۔ سارے جانوروں سے اعلیٰ اور ادنیٰ جانور کون ہے؟

ج۔ انسان!

جاوید رشید۔ کراچی (ویسپار)

س۔ بھائی جان! میرا کہنا ہے آج کے زمانہ میں جس کے پاس دولت ہے، اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔ میرے دوست کا کہنا ہے جس کے پاس علم ہے اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے ــــ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ج۔ آپ کا خیال صحیح ہے کبھی دولت سے زیادہ علم کی قدر ہوتی تھی، لیکن آج دولت ہی سب کچھ ہے۔ جس کے پاس دولت نہ ہو اُسے کون پوچھتا ہے۔

س۔ عورت ــــ دولت ــــ دوست ــــ
ان تینوں چیزوں میں آپ کس چیز کو پسند کریں گے؟

ج۔ ایسے دوست کو! جو دولت پاکر مغرور نہ ہوجائے، عورت کو کیا نہ سمجھے۔

محمد مظہر علی ادیب جنگاؤں۔ ورنگل

س۔ خواہشات کی انتہا؟

ج۔ خواہشوں کی انتہا کیا بتائی جائے ــــ
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے!

س۔ ادیبوں کا انجام؟

ج۔ بیشتر ادیبوں کے آخری ایام مصیبت میں گزرتے ہیں۔ اس لئے کہ زبان و ادب کی خدمت کا صلہ زیادہ سے زیادہ داد و تحسین ہی ملتا ہے۔

س۔ اگر جہدِ مسلسل کے بعد بھی منزل نہ ملے تو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ جدوجہد جاری رکھنی چاہئے۔ جہاں تک یقین ہے ؎

ذوقِ طلب باہوش اگر ہو
ہر ٹھوکر منزل بن جائے!

•

شوقِ منزل ہے تو آساں ہے سفر ہمنفسو!
لاکھ دشوار سہی راہ گذر ہمنفسو!

مس شہناز۔ کویت

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے، جنھیں میں اپنی بیاض میں محفوظ رکھ سکوں؟

ج۔ قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے ــــ
"مومن لوگوں کا چین اللہ کی یاد سے نصیب ہوتا ہے"
سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ــــ "مومن اپنی خوش خلقی کے ذریعہ رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے"
حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے ــــ "معاف کر دینا دشمن پر فتح حاصل کر لینا ہے"

سید ثروت حسین سیتاپور

س۔ عورت کی شرافت کی پہلی منزل کون سی ہے؟

ج۔ عورت سراپا شرافت ہوتی ہے، عورت کی شرافت کی پہلی اور دوسری منزل کیا؟

س۔ زندگی میں راحت پانے کے لئے انسان کو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ راحت پانے کے لئے جدوجہد!

س۔ کیا ہر کام کرنے سے پہلے بڑوں کی رائے لینا ضروری ہے؟

ج۔ بڑے تجربہ کار اور زمانہ شناس ہوتے ہیں۔ اس لئے سمجھدار لوگ ہر کام کرنے سے پہلے بڑوں کی رائے لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

زوار حسین۔ رامپور

س۔ شاد کا ایک قطعہ سنایئے۔

ج۔ ایک شاعر کی آنکھ جب چاہے
حُسنِ فطرت کو تول سکتی ہے
دیکھ سکتی ہے نکہتِ گل کو
چاند تاروں سے بول سکتی ہے

محمد اختر بریلوی۔ جہار اشٹر

س۔ غلطی انسان کو کیا سکھاتی ہے؟

ج۔ یہی کہ پھر غلطی نہ کی جائے۔

س۔ انسان زندگی میں کتنی بار ٹھوکریں کھاتا ہے؟

ج۔ جتنی بار غرور سے سر اٹھا کر چلتا ہے۔ کسی نے کہا ہے ــــ
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے!

س۔ انسان کو زندگی میں کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ ایسے کام جن سے زندگی قابلِ رشک بن جائے۔

جتیندر کور۔ جالندھر

س۔ میں بہت پسند ہے۔ مولی کے فوائد اور مزاج پر روشنی ڈالیے۔

ج۔ مولی گرم تر ہے۔ فوائد کے اعتبار سے اتنی فائدہ بخش ہے کہ پیشہ ور دواؤں کی بڑی بڑی شیشیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ تلی، یرقان، ورم، معدہ کی کمزوری میں بہت مفید ہے۔ غذا کو فوراً ہضم کرتی ہے، لیکن خود دیر میں ہضم ہوتی ہے۔ اس کا پتہ اسے ہضم کر دیتا ہے۔ اس لئے مولی کے ساتھ اس کے پتے ضرور کھانا چاہئیں۔ پتوں کا ساگ زود ہضم ہے۔ مولی کھانے سے چہرے کی رنگت نکھرتی ہے۔

محمد غوث سلیم۔ عادل آباد۔ دکن

س۔ آج کی جس غزل کا یہ شعر ہے، کیا آپ وہ پوری غزل سرگوشیاں میں دے سکتے ہیں؟

ابھریں گے ایک بار ابھی دل کے ولولے
گو دب گئے ہیں بارِ غم زندگی سے ہم

سرگوشیوں میں پوری غزل کیسے آسکتی ہے؟ اس غزل کے دو اشعار اور سنئے۔

تنگ آچکے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

اللہ رے فریبِ مشیت کہ آج تک
دنیا کے ظلم سہتے رہے خامشی سے ہم

جگجیت سنگھ۔ امرتسر

س۔ بیسویں صدی کی سرگوشیوں سے اپنی زندگی سنوارنے میں مجھے بہت مدد ملی ہے۔ آج بھی کچھ اچھی باتیں بتلائیے۔

ج۔ سوامی ساردھانند جی نے اپدیش دیا ہے ––– "ان رستوں پر جسم سنوارنے والو! کبھی جسم کے فنا ہونے کے بعد زندہ رہنے والی روح کو بھی سنوارو"۔ ––– مہاتما گاندھی کی یہ امر بانی آپ کی زندگی کی راہ کو سدا روشن رکھے گی ––– "اپنی بہترین حفاظت یہ ہے کہ اپنے آپ کو پاکیزہ بناؤ"۔

رخسانہ جبیں۔ بحرین

س۔ آپ کے خیال میں ہندوستان میں اُردو کا مستقبل کیا اتنا تاریک ہے جتنا اُردو کے بدخواہ سمجھتے ہیں؟

ج۔ جی نہیں، ہندوستان میں اُردو کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔ اُردو کی خوبیاں اس کی بقا کی ضامن ہیں۔ اُردو کے بدخواہ اپنی تحریروں میں اُردو کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں اور اپنے گھروں میں اُردو بولتے ہیں۔ ریڈیو پر اُردو نغمے سنتے ہیں اور جھومتے ہیں۔

آر۔ ایچ۔ صدیقی۔ سینیپی گھاٹ۔ بارہ بنکی

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ بیویاں اپنے شوہروں سے بیباک کیوں نہیں ہوتیں؟

ج۔ بیویوں کے بیباک نہ ہونے پر تو شوہروں کا یہ حال ہے۔ بیویاں بیباک ہو جائیں تو خدا جانے شوہروں کا کیا حال ہو؟

س۔ غالب کا کوئی عاشقانہ شعر سنائیے۔

ج۔ ہائے اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

س۔ بیوی اپنے شوہر سے کھل کر محبت نہ کرے تو شوہر کو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ بیوی سے کھل کر محبت کرنی چاہئے۔ بیوی کو اپنی پُرخلوص محبت کا یقین دلانا چاہئے۔

مصباح الحق سیوان۔ بہار (بہار)

س۔ اُردو بہار اور یو۔ پی کی دوسری سرکاری زبان کب بنے گی؟

ج۔ جب تک بنے، طفل تسلی بھی کیا کم ہے۔ ظ
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے!

س۔ کیا اندرا گاندھی سچ مچ ہندوستان کی لنشیا ڈ زبور ہی ہیں؟

ج۔ ہندوستان کی لنشیا ڈ ہونے والے دوسروں سے یہی کہہ رہے ہیں۔

کرشن کمار۔ الہ آباد

س۔ ڈاکٹر ٹیگور بڑے شاعر تھے یا ڈاکٹر اقبال؟

ج۔ دونوں عظیم شاعر تھے! دونوں ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند تھے۔

ایم۔ اسلم۔ پورنیہ

س۔ بیوی کیسی ہونی چاہئے؟

ج۔ جو شوہر کی ہر بھی کو دلکش ادا سمجھے!

مس یاسمین۔ بھوپال

س۔ زندگی کے موضوع پر کوئی خوبصورت شعر سنائیے۔

ج۔ سنئے ۔۔

زیست کی راہ تو صدیوں سے ہے پُرخار تو کیا
زندگی آج بھی گُل بار چلی آتی ہے

س۔ شاد مرحوم کا ایک قطعہ سنائیے۔

ج۔ سنئے ۔۔

داستانِ حالِ گُل کہہ کر
مصلحت کیا اُسے ڈرائے گی
مسکرانا کلی کی فطرت ہے
خون ہو کر بھی مسکرائے گی

فرحت اللہ خاں ۔ کو ہیم

س۔ بھائی جان! منٹو کی کتاب "گنجے فرشتے" کہاں سے مل سکتی ہے؟

ج۔ لاہور کے کسی ادبی ادارہ کو لکھئے لیکن اب پاکستان سے ہندوستان کے لئے کوئی کتاب یا رسالہ نہیں آتا۔

س۔ کیا یہ صحیح ہے کہ راجہ مہدی علی خاں نے منٹو پر کوئی مضمون لکھا تھا؟

ج۔ راجہ مہدی علی خاں نے بہت کچھ لکھا تھا، ہوسکتا ہے منٹو پر بھی کچھ لکھا ہو۔

س۔ اُردو کا پہلا افسانہ نگار کون تھا؟

ج۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں اُردو میں مختصر افسانے سب سے پہلے پریم چند نے لکھے۔

اکرم نیازی ۔ اعظم گڈھ

س۔ اُردو کا پہلا شاعر کون تھا۔ اِس بارے میں اختلاف ہے۔ اِس سلسلہ میں اپنی تحقیق لکھئے اور اُس کا کوئی شعر بھی سنائیے۔

ج۔ تذکرہ نویسوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ولی دکنی تھے۔ اُن کا ایک مقطع سُنئے ؎

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یارِ بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

س۔ کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ اُردو شاعری میں غزل کی ابتدا کس نے کی؟

ج۔ صاحبِ "گلستانِ ہزار رنگ" نے لکھا ہے ــــ "اُردو میں غزل کا سنگِ بنیاد بلاشبہ امیر خسرو کے ہاتھوں رکھا گیا۔"

رضیہ جمیل ۔ لکھنؤ

س۔ بھائی جان! ادرک کی چٹنی مجھے بہت مرغوب ہے، لیکن میری سہیلی نوشابہ کہتی ہے ادرک مُضر ہے۔ آپ فرمائیں ادرک مفید ہے یا مُضر؟

ج۔ ادرک معدے کی کمزوری اور بلغم کی زیادتی میں بہت ہی مفید ہے اور دوسرے بہت سے امراض میں فائدہ بخش ہے۔ فالج، لقوہ، بلغمی کھانسی، نزلہ، زکام وغیرہ بے شمار امراض ہیں جو ادرک یا سونٹھ کے استعمال سے دُور ہو جاتے ہیں۔ ماش کی دال، گوبھی، مٹر اور شلغم وغیرہ سبزیوں میں ادرک ڈالنا نہایت فائدہ بخش ہے۔ ہاں! ادرک کو بکثرت اور بلا ناغہ نہ کھانا چاہیئے۔ یہ کوئی لذیذ غذا نہیں۔ ایک دوا ہے جو ضرورت کے مطابق حدِ اعتدال میں رہ کر استعمال کرنی چاہیئے۔

زکی احمد ۔ الٰہ آباد

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں گذشتہ سال احمد آباد میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں کتنا نقصان ہوا تھا؟

ج۔ بی۔بی۔سی۔ لندن ریڈیو کی اطلاع کے مطابق املاک اور جائداد کے نقصانات کے علاوہ کاروبار رُک جانے اور فصلیں تباہ ہونے سے ۴۳ کروڑ کا نقصان ہوا تھا۔

جمیل اختر قریشی ۔ الٰہ آباد

س۔ کوئی مزاحیہ شعر سنائیے۔

ج۔ سُنئے ؎

غریب انسان اور ایم۔ اے کرکے کتنی جہالت سے
مذاق کرتے ہیں میونسپلٹی میں چپراسی ہوگئے ہوتے

س۔ یہ اشعار کس کے ہیں؟

اِس میں دولت اِس میں عزت اِس میں شہرت اِس میں عیش
ہے جہاں میں سب سے بہتر کاروبارِ لیڈری!
ایک لیکچر کی بدولت میں ہُوا ہر دلعزیز
ایک جلسے نے بنایا شہسوارِ لیڈری

ج۔ یہ اشعار ہلاکو خاں کراچوی کے ہیں۔

علی حسین عابد ۔ جگجیون نگر ۔ دھنباد

س۔ کس میں زیادہ جلن ہوتی ہے، محبت کی آگ میں یا رقابت کی آگ میں؟

ج۔ ہمیں دونوں میں سے کسی کا تجربہ نہیں ہے۔

نعیم وارثی ۔ اٹاوہ

س۔ یہ شعر کس کا ہے ؎

چاند دیکھا تری آنکھوں میں، ہونٹوں میں شفق
ملتی جلتی ہے شبِ غم سے تری دید اب کے

ج۔ یہ شعر فیض کا ہے۔

اقبال عباس بندرکر ۔ کرلا ۔ بمبئی

س۔ صورت، سیرت، علم، ہنر ـــ اِن سب میں کون سی چیز عورت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے؟

ج۔ سیرت اور ہنر۔

س۔ آج کل ہر چیز گراں ہے، لیکن انسان کا اخلاق؟

ج۔ انسان کے اخلاق کے گراں اور ارزاں ہونے کا کیا سوال۔ آج انسان سے اخلاق ناپید ہوتا جا رہا ہے۔

صادق علی ۔ بھوپال

س۔ انڈونیشیا کے بارے میں کچھ بتلائیے۔

ج۔ انڈونیشیا تین سو جزائر پر مشتمل دُنیا کی سب سے بڑی مُسلم اکثریتی مملکت ہے۔ انڈونیشیا مشرقِ بعید میں چین کے بعد سب سے بڑا مُلک ہے۔ اِس کی آبادی ۱۰ کروڑ ۶۰ لاکھ ہے۔

س۔ [illegible]
بشاش چلا جائے ہے تیرا قالب
بڑھ جائے تجربہ سے کلام غالب
ہے کون ضمانت ترے مستقبل کی
بچے کہنے لگے ہیں "بڑے ابا غالب"!
ج۔ یہ اشعار نازتمکین پرتابگڑھی کے ہیں۔

رشید انصاری۔ اعظم گڑھ
س۔ زندگی کیا ہے؟
زندگی ہے غم و مسرت کا
مختصر اور طویل افسانہ

شیام کمار سیٹھی۔ بمبئی
س۔ نئے بجٹ میں ریل کے کرایہ اور محصول میں جو اضافہ ہوا ہے اس سے حکومت کی آمدنی میں کتنا اضافہ ہوگا؟
ج۔ ۱۹۷۱۔۱۹۷۰ء کے ریلوے بجٹ سے ۲۹ کروڑ مزید آمدنی متوقع ہے۔

سید ضیاء الرحمن۔ صادق پور۔ پٹنہ
س۔ ادب میں جدیدیت کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے؟
ج۔ ادب میں جدیدیت قابلِ قدر تجربہ ہے لیکن بےراہ روی نے حسن کو عیب بنا دیا ہے۔
س۔ ایک جدید شاعر کا شعر ہے ؎
آفتابوں کی کرن کام نہ کر پائے گی
رنگین پوشاک کو دھوپوں میں سکھانے کے لئے
اس شعر میں استعمال شدہ الفاظ "آفتابوں" اور "دھوپوں" کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ [illegible] کے جواب میں اظہار کیا ہے۔

خواجہ عبدالرحمن۔ پربھنی
س۔ خورشید بھیا! بیکاری آپ کی نظر میں؟
ج۔ بیکاری سب سے بڑی لعنت ہے! اس دور کا خاص تحفہ ہے!
س۔ انسان خیالوں کی دنیا میں کیوں کھو جاتا ہے جبکہ اُسے معلوم ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں؟
ج۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔

انوار حسین۔ بنگلور
س۔ ایک رومانی رباعی سنائیے۔
ج۔ سنئے ؎
بکھرے ہوئے جلوے ہیں کہ ہے کاہکشاں
تاروں سے نمایاں ہے ترا حسنِ جواں
جو بات ہے ساقی تری انگڑائی میں
ساغر کے چھلکنے میں وہ انداز کہاں
س۔ ایک فکر انگیز قطعہ سنائیے۔
ج۔ سنئے ؎
اثر اندازئ نشاط و الم
حسبِ افتادِ طبع ہوتی ہے
کچھ دماغوں میں غم بھی ہنستے ہیں
کچھ دلوں میں خوشی بھی روتی ہے

ایس۔ درانی۔ کھمام
س۔ چچا جان! مجھے پڑھنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ جب بھی پڑھنے بیٹھتا ہوں، طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ بتائیے کیا کروں؟
ج۔ پڑھنے والوں کی خوش حالی، ان پڑھ لوگوں کی

[illegible]
س۔ [illegible]
ج۔ پریشانیوں کا شمار کروں اور قدر کرنے کے لئے [illegible] چاہئے۔ مایوسیوں کا اندھیرا ہو جائے گا
صبح پھوٹے گی اسی رات کی!

ایم سلیم دھنسار۔ دھنسار
س۔ طالب علموں کو سیاست میں [illegible] چاہئے یا نہیں؟
ج۔ تعلیم کی تکمیل سے پہلے طالب علم توجہ تعلیم پر مرکوز رکھیں چاہئے
س۔ انسان کی خواہش کب پوری ہوتی ہے؟
ج۔ جب وہ اس کی تکمیل کے لئے [illegible] کرتا ہے۔

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر [illegible] [illegible] دہلی

ڈکشنریاں، صنعت وحرفت، کشیدہ کاری اور خانہ داری کی بہترین کتابیں

کشیدہ کاریاں و ڈکشنریاں

ہندی کی کشیدہ کاری	کرشنا کماری ایم۔ اے	چار روپے
کشیدہ کاری	زینت کوثر	پانچ روپے ۵۰ پیسے
"	"	چار روپے ۵۰ پیسے
لی "	رشیدہ خاتون	تین روپے ۵۰ پیسے
ن "	زینب انور	دو روپے ۵۰ پیسے
ن "	"	دو روپے ۵۰ پیسے
"	قدسیہ انور	ایک روپیہ
سیہ "	"	ایک روپیہ
اب درزی خانہ	زینب انور	دو روپے
کے اشعار	مشرف بانو غفران	دو روپے
ت کروشیا ڈیزائن بک	زینت کوثر	پانچ روپے

انگریزی اُردو میں اپنی قابلیت بڑھایئے

اُردو انگریزی کی کامیاب ترین ڈکشنریاں

پاکٹ ڈکشنری	انگریزی سے اُردو ہندی	چار روپے
جامع اللغات		بیس روپے
و ہندی ڈکشنری		بیس روپے
اللغات	مولوی کریم الدین	دو روپے ۲۵ پیسے
سٹنڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری	عبدالحق	بیس روپے
سٹنڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری	"	بارہ روپے
ت کشوری	نول کشور	نو روپے
ث اللغات		دو روپے ۵۰ پیسے
آکسفورڈ ڈکشنری	انگریزی سے اُردو ہندی	تین روپے
وادبی لغت		آٹھ روپے
ز اللغات جدید کلاں		چوبیس روپے
ے عامرہ		ساٹھ روپے ۵۰ پیسے
ند اللغات عکسی خورد		چھ روپے ۵۰ پیسے

صنعت و حرفت

الیکٹریکل انجینیرنگ بک	نریندر ناتھ	بارہ روپے
الیکٹرک گائڈ (نیا ایڈیشن)	"	آٹھ روپے
الیکٹرک وائرنگ	"	چار روپے ۵۰ پیسے
موٹر کار وائرنگ	"	چار روپے ۵۰ پیسے
بوٹ پالش سازی	"	دو روپے ۵۰ پیسے
الیکٹرک لائٹنگ	"	چھ روپے
بغیر بجلی کا ریڈیو		ایک روپیہ
تجارتی مرغی خانہ		دو روپے
آئل و گیس انجن گائڈ	"	دس روپے
آئل انجن گائڈ	"	چھ روپے
رہنمائے بجلی	"	تین روپے ۵۰ پیسے
وائرلیس ریڈیو گائڈ	"	چھ روپے
ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک)	"	آٹھ روپے ۵۰ پیسے
ٹانکا لگانے کا ہنر	"	دو روپے ۵۰ پیسے
چھوٹے ڈائنمو و الیکٹرک موٹرز بنانا	"	تین روپے ۵۰ پیسے
پریکٹیکل آرمیچر وائنڈنگ (اے سی۔ ڈی سی)		ساٹھ روپے ۵۰ پیسے
ریفریجریٹر گائڈ	نریندر ناتھ	آٹھ روپے ۲۵ پیسے
ریڈیو ریسیور	"	تین روپے
ٹرانسفارمر گائڈ	"	چار روپے ۵۰ پیسے
الیکٹرک موٹرز	"	آٹھ روپے
خرادشکشا یعنی ٹرنر گائڈ	"	تین روپے
ورکشاپ گائڈ (فٹر ٹریننگ)	"	تین روپے
خراد اور ورکشاپ گیان	"	چھ روپے
پریکٹیکل گھڑی سازی	رام اوتار	چار روپے ۵۰ پیسے
سائیکل ریپیرنگ	"	دو روپے ۵۰ پیسے

خانہ داری

عصمتی دسترخوان	آمنہ نازلی	تین روپے
رضیہ کا دسترخوان	رضیہ سلطانہ چمن	دو روپے ۵۰ پیسے
رنگ سازی	پروفیسر نریندر ناتھ	دو روپے ۵۰ پیسے
پلاسٹک گائڈ	"	دو روپے ۵۰ پیسے
امپروڈ بوٹ پالش سازی	"	دو روپے ۵۰ پیسے
پٹوڈیٹ انک ماسٹر / روشنائیاں بنانا	"	دو روپے ۵۰ پیسے
کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں بنانا)	"	دو روپے ۵۰ پیسے
ہیر آئل (خوشبودار تیل)	"	دو روپے ۵۰ پیسے
بیکری (ڈبل روٹی بسکٹ کیک)	"	دو روپے ۵۰ پیسے
پینٹری کا کام	"	چار روپے ۵۰ پیسے
فنِ مصوری (چترکاری)	"	چار روپے ۵۰ پیسے
پرفیومری ماسٹر	"	دو روپے ۵۰ پیسے
وارنش ماسٹر (وارنش سازی)	"	دو روپے ۵۰ پیسے
آتش بازی کا کاروبار	"	دو روپے ۵۰ پیسے
اچار، مربہ، چٹنی	چھبی رانی گپتا	دو روپے ۵۰ پیسے
حلوائی ماسٹر	چندر بھان سہگل	دو روپے ۵۰ پیسے
تمباکو کا کاروبار (تمباکو کی دکان)	"	دو روپے ۵۰ پیسے
پان کی دکان	"	دو روپے ۵۰ پیسے
فائن ٹیلر ماسٹر	"	ایک روپیہ ۵۰ پیسے
انڈو یوروپین کُکری بک / دیسی انگریزی کھانے	کالی چرن	چار روپے
کاروبار بڑھانے کی ترکیبیں	"	دو روپے ۵۰ پیسے
موم بتی کا کاروبار	"	دو روپے ۵۰ پیسے
ڈیری فارمنگ	"	چار روپے

رسالہ بیسویں صدی دریا گنج، دھلی نمبر ۶

...ered with the Registrar of Newspapers at R. N. No 630/57

BISWIN SADI

...th YEARS OF PUBLICATION

Telephones Office. 271637 Residence. 619927

RADIUM TONIC P

نیا خون — نئی طاقت

کمزوری کا زبردست علاج

ریڈیم ٹانک پلز

نیا خون بکثرت پیدا کر کے نہ صرف کمزوری دور کرتی ہیں بلکہ جسم میں زبردست طاقت بڑھاتی ہیں۔ وزن اور خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت اور صحت واپس لانے کے لئے ملک کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ کسی وجہ سے ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے علاج سے اپنی طاقت کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج صرف چھ روپے محصول ڈاک علاوہ۔

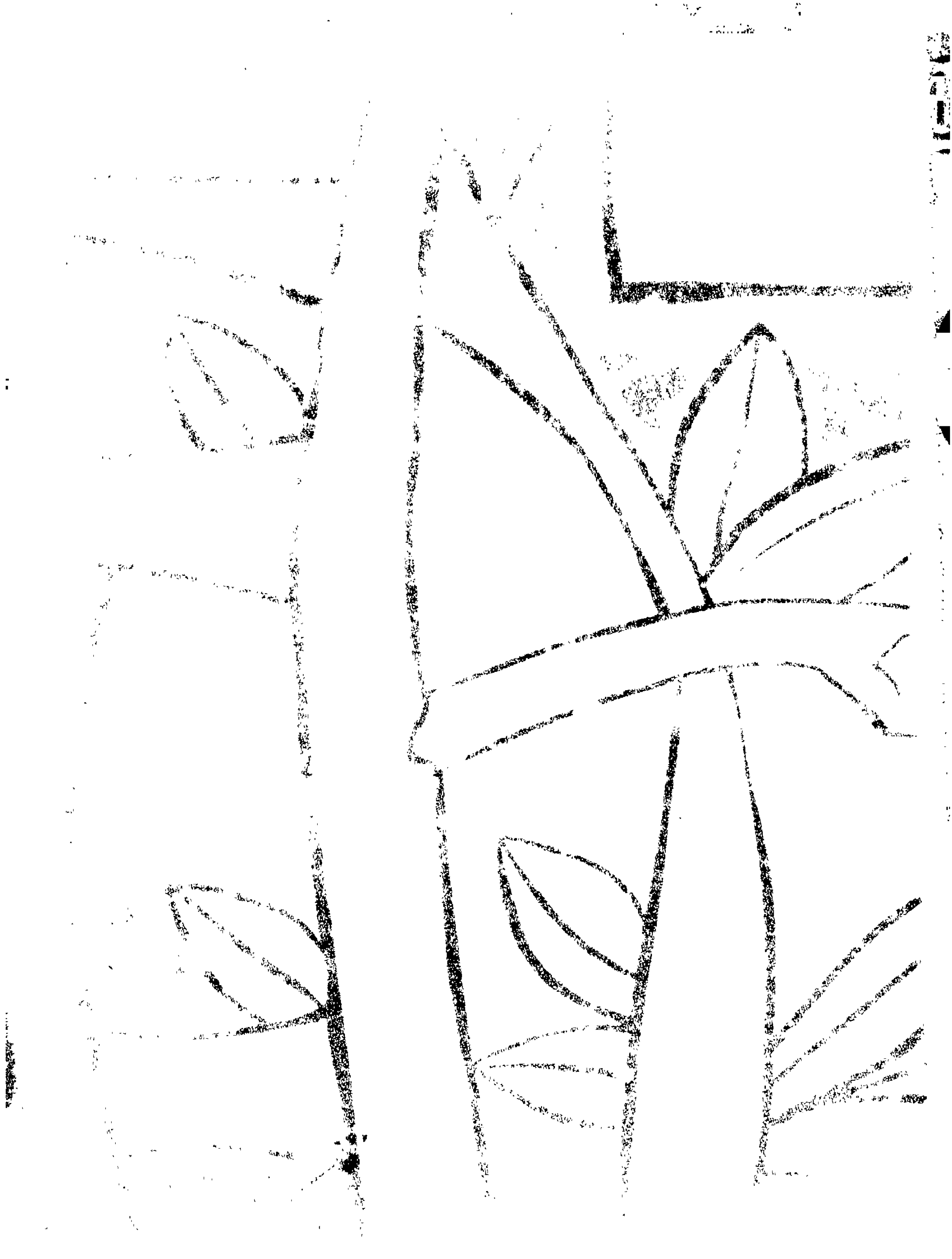


کلکتہ ایجنٹ:

امین اینڈ اسٹیل پرائیویٹ لمیٹڈ

نمبر ۸۰ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۱

پتہ: ریڈیم کیمیکل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ ...







بیسویں صدی

ٹیلیفون دفتر —— ۲۶۹۴۳۷
ٹیلیفون رہائش —— ۷۳۹۴۷

۱	تیر و نشتر		ادارہ	۴
۲	کارٹون اور ایڈیٹر کے نام		جسونت سنگھ آرٹسٹ	۸
۳	جسم اور ضمیر	افسانہ	پشکر ناتھ بی اے	۱۳
۴	ہفت غزلہ		پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم اے	[illegible]
۵	پیار ایک پیشہ	افسانہ	زکی انور	۲۱
۶	غزل		رشی پٹیالوی	۲۴
۷	غزل		حقی حزیں ایم اے	۲۶
۸	جہاں پھول کھلتے ہیں	افسانہ	نکہت اقبال بی اے بی ٹی	۲۹
۹	غزل		ضیا فتح آبادی ایم اے	۳۳
۱۰	غزل		نسیم عباسی امروہوی	۳۳
۱۱	غزل		اختر آنولوی	۳۴
۱۲	آرٹ	افسانہ	سلام مچھلی شہری	۳۷
۱۳	غزل		شاہدہ سلطانہ ناز بی اے بی ٹی	۴۰
۱۴	غزل		صابر ابوہری ایم اے	۴۰
۱۵	غزل		اختر نظمی ایم اے بی ٹی	۴۰
۱۶	شیخ چلی کی واپسی	طنزیہ	فکر تونسوی	۴۲
۱۷	آنکھیں		مختلف شعراء	۴۵
۱۸	شہر خموشاں کا ہیرو	افسانہ	موہن یاور	۴۹
۱۹	غزل		نافع رضوی ایم اے ایل ایل بی	۵۴
۲۰	غزل		الطاف شاہد	۵۴
۲۱	غزل		احمد نسیم مینا نگری	۵۴



سالانہ قیمت خاص نمبر سمیت ہندوستانی اور پاکستانی سکوں میں — آٹھ روپے
ملک غیر سے — ۱۴ شلنگ

قیمت فی پرچہ
۷۵ نئے پیسے

بیسویں صدی - دریا گنج - دہلی نمبر ۲

	[illegible]	افسانہ	[illegible]	
	غزل		آلِ احمد جالسوی	
	غزل		سرودی کہاہی	
	غزل		ستار حسین	
	پریم	افسانہ	پریم کمار ودیارتھی	
	غزل		صوفی جیلانی	۷۵
۲۸	غزل		شاعد بانکوٹی	۷۵
۲۹	غزل		ندرت سرحدی	۷۵
۳۰	غزل		جبرئیل صدیقی	۷۵
	انشائیہ	طنزیہ	جہاں گرد کے قلم سے	۷۷
۳۱	عہد وفا	افسانہ	جگدیش بھابیہ	۸۱
۳۲	غزل		سعادت نظیر ایم۔اے	۸۸
۳۳	غزل		بیل کرشن اشک	۸۸
۳۴	غزل		ظفر اکبر آبادی	۸۸
۳۵	صحت و زندگی	کیا آپ کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں؟ انسان کی سب سے بڑی دشمن۔ اپنے فیصلہ پر اعتماد کیجئے وغیرہ		۹۱
۳۶	سرگوشیاں		سوال و جواب	۹۷

تیر و نشتر

ادارہ

"پولیس کے کام میں کانگریسی ممبران مداخلت کرتے ہیں" یو۔پی اسمبلی میں الزام —— بحیثیت حکمراں یہ ان کا پیدائشی حق ہے۔

"سینکڑوں مسلمان جن سنگھ کے ممبر ہیں" جن سنگھی لیڈر کا [illegible] جن سنگھ کا نام اب مسلم سنگھ رکھا جاسکتا ہے جو مسلم لیگ کا ہندی [illegible]

"ہمالیائی سرحدوں کا استحکام کیا جاچکا ہے" لوک سبھا میں مسٹر کرشنا مینن کی تقریر —— اور یہ انتظام چین کی فوجی چوکیوں کے سپرد ہے۔

"مزید ٹیکسوں کے لئے تیار رہو" سہارنپور میں شری سی۔بی۔ گپتا کی تقریر —— اس لئے کہ آپ کو اپنی وزارت میں پھر توسیع کرنی ہے اور اس کے لئے روپیہ چاہیئے۔



"فرقہ واریت اور تنگ نظری سے ملک کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے" امرتسر میں پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر —— لیکن چند پارٹیاں تو اسی کے سہارے زندہ ہیں اُن کا کاروبار بہت اچھی طرح چل رہا ہے۔

"ہمارے صبر کا پیمانہ ابھی لبریز نہیں ہوا" کمیونسٹوں کو کینیڈی کی وارننگ —— پیمانہ کیا دیگ ہے جو کمیونسٹوں کی دھمکیاں سہتا ہے اور چھلک نہیں پڑتا۔

"آندھرا کے چیف منسٹر کی کوئی جائیداد نہیں" ایک خبر —— ؎

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجئے
کہ وزیر ہو کر بھی بہتی گنگا میں ہاتھ نہ دھوئے۔

"بھارت اور پاکستان کی سرحد پر اسمگلنگ" کیم کرن کی سرحد پر پولیس افسروں کی کانفرنس —— یعنی انڈو پاکستان کلچرل تعلقات (اسمگلنگ) بہتر بنانے کی کوششیں ناپسند ہیں۔

"[illegible] شیر سنگھ [illegible] سیاسی پارٹی بنانے لگے" ایک خبر —— الیکشن کا زمانہ سیاسی لیڈروں کے لئے برسات کا زمانہ ہے ؎ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

"کیرلا سرکار کرپشن کی تحقیقات میں حائل" سری رام شرما کا الزام —— یا کہیں پنڈت جی نے اپنا ہی عکس دیکھ لیا ہے آئینے میں۔

"کانگریس ایک مردہ گھوڑا ہے جس سے سب نفرت کرتے ہیں" ماسٹر تارا سنگھ —— مگر اس گھوڑے کے سواروں سے ماسٹر جی بخوشی ملاقاتیں کرتے ہیں۔

"سرکاری کوارٹروں کا انتقال" ایک خبر —— اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے

اہم۔ [illegible] رسالہ بیسویں صدی کی سپلائی بھی ہم نے بند کر دی ہے۔ رسالہ کے خریدار مقامی ایجنٹوں [illegible] خرید سکتے ہیں۔



"دیش میں کپڑے کی کمی" —— ننگے سادھوؤں کی تقلید کی جائے تو یہ کمی ہمیشہ کے لئے دور ہو سکتی ہے۔

"یہ عوام کا کام ہے کہ وہ کانگریسی حکومت کا تختہ الٹ دیں۔" راجہ جی کی تقریر —— اور راجہ جی عوام میں شامل نہیں۔ وہ صرف مشورہ دینے والے ہیں۔

"کنٹریکٹر بیٹے کا وزیر باپ وزارت کے نااہل نہیں۔" میسور اسمبلی میں اسپیکر کارونگ —— بالکل اہل ہے۔ یہ امداد باہمی کا زمانہ ہے۔ باپ ٹھیکوں کا فیصلہ کرے گا اور بیٹا باپ سے تعاون کر کے انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا۔

"ازبکستان کے ایک درخت کی شاخ پر تین ہزار سانپ۔" ایک خبر —— غالباً ایک کمیونسٹ پارٹی کی کانگریس منعقد ہو رہی ہوگی۔

"نئی وزارت میں جلد توسیع ہوگی" —— سمپورنانند اینڈ کو تیار ہو جائیں۔

"ہند اب کسی بھی حملہ آور کو مار بھگانے کی طاقت رکھتا ہے۔" راجیہ سبھا میں مسٹر کرشنا مینن کا اعلان —— اور چین حملہ آور نہیں کہ آپ اسے مار بھگائیں۔

"نہرو کے بعد کون کا سوال اعتماد کے فقدان کا نتیجہ ہے۔" جے پرکاش نرائن —— بالکل بجا فرمایا۔ نہرو کے بعد آپ کی خدمات حاضر ہیں۔

دلی کے کانگریسیوں کے جلسے میں ہنگامہ اور مار پیٹ۔ لیڈروں کے خلاف نعرے "دنگا فساد اور دست بازی" —— اگر پہلے سے فری اسٹائل کشتیوں کا اعلان ہو جاتا تو ہزاروں روپے کی آمدنی ہو جاتی۔

"گورنمنٹ روڈویز بس الٹ گئی" —— جدھر سے آ رہی تھی اسی طرف واپس چلی گئی۔



"قوموں کے باہمی جھگڑے سلجھانے کے لئے کلچرل طریقے اختیار کئے جائیں" ہند پاکستان کلچرل کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو کی تقریر ——— یعنی دونوں طرف سے قوالوں گانے والوں یا رقص کرنے والوں کی ٹولیاں آمنے سامنے بیٹھ جائیں اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کریں تو تنازعات خود بخود حل ہو جائیں گے۔

"شری سمپورنانند نے قومی بیداری کمیٹی کی صدارت قبول کرلی" ——— اسلئے کہ برسوں اقتدار کی لوریوں سے میٹھی نیند سونے کے بعد وہ خود بیدار ہو گئے ہیں۔

"چین نے ہزاروں مربع میل رقبہ پر قبضہ کرلیا" ڈاکٹر لوہیا ——— اور آپ بیٹھے صرف تقریریں جھاڑتے رہے۔

"دلی ماربل پوریشن میں توسیع کا امکان" ——— خدا کرے سچ ہوتا کہ دلی والے مچھلی مارکیٹ کے نظاروں سے زیادہ دن تک لطف اندوز ہو سکیں۔

"میں کانگریس میں کبھی شامل نہیں ہوں گا" مسز ریلم شرما ——— اپنی فطرت سے مجبور گرگٹ رنگ بدلتا ہے

"وزارت بحالیات مارچ ۱۹۶۲ء کے آخر تک ختم ہو جائے گی" وزیر بحالیات کا اعلان ——— اس لئے کہ بحالیات کا کام ختم ہو گیا ہے حتیٰ کہ وزیر بحالیات کی بحالی کی بات چیت بھی طے ہو گئی ہے۔

"کانگریس میں بزدلوں کے لئے کوئی جگہ نہیں" پنڈت جواہر لال نہرو ——— اس میں اُن بہادروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا جو ہر وقت عہدوں کے لئے لڑتے رہیں۔

"ہندوستانی شکر پاکستان کو برآمد کرنے کے سوال پہ غور" ایک خبر ——— تاکہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں شیرینی پیدا ہو۔



"دِلّی کے لئے یو۔پی سے دُودھ" ــــــ لیکن وہ دِلّی والوں کو کیا ملے گا۔ یو۔پی سے دُودھ پینے والے مجنوع میاں بہت سے آ گئے ہیں۔

"ہمالیہ میں ہندوستانی مورچے اور نیچے کا میدانی علاقہ بہت محفوظ ہے"۔ کرشنا مینن ــــ قطعاً محفوظ ہے۔ چین کے فوجی دستے حفاظتی خدمات ہی تو انجام دے رہے ہیں

"ترقّی پہلے دولت کی تقسیم بعد میں"۔ مرار جی ڈیسائی ــــ بعد میں بھی دولت تقسیم نہ کی جائے تو کیا ہرج ہے۔

"جیل میں ہوٹل" ــــ تاکہ بے کاری اور بھوک سے عاجز ہو کر جرائم کرنے والوں کو فوراً کھانا مل جائے۔

"طلباء کو رعایتی ٹکٹوں کی خرید میں سہولتیں" ــــ حالانکہ انھیں ضرورت تھی پاس ہونے کی سہولتوں کی۔

[illegible] دہلی

"پنجاب میں اندھیر گردی کے نظارے"۔ ایک خبر ــــ بھاکڑہ ننگل کی بجلی بھی روشنی نہ پیدا کر سکی۔

"میرٹھ میں انسپکٹر رنگے ہاتھوں گرفتار" ــــ کیا ہولی کھیل رہا تھا؟

"ہند میں چھوٹی کاروں کی تیاری" ــــ جو تمام بے کاروں کو سپلائی کی جائیں گی۔

"عزّت مند لوگ بھی ناجائز شراب کی کشید کے دھندے میں"۔ ایک خبر ــــ وہ لوگ یہ کام باعزّت طریقے پر کرتے ہوں گے۔

"تھانیدار کے قبضے سے افیون نکلی" ــــ کہیں سے برآمد کی ہوگی۔



کانگریس لیڈر پنڈت جواہرلال نہرو کو صوبائی جھگڑوں میں نہ گھسیٹیں۔" سنجیوا ریڈی ——— آپ صوبائی جھگڑوں کو کہتے ہیں۔ گھسیٹنے والوں کا بس چلے تو وہ انھیں تی تینی کے جھگڑوں میں بھی گھسیٹ لے جائیں۔

"مندر میں بدکاری" ——— مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے کا مصرعِ ثانی۔

"وزیرِ خوراک امریکہ جائیں گے" ——— وہ وہاں مفت کی دعوتیں اُڑائیں گے۔ ہم یہاں مول لے کر کھائیں گے۔

"[illegible] زیادہ قربانیاں کریں" مسٹر گلزاری لال نندہ ——— پہلے وزیروں کی تقریریں سننے کے لئے وقت نکالیں پھر اُن کے اُپدیشوں پر عمل کریں۔

"گاگرین پہلا خلائی مسافر نہیں تھا" ایک عنوان ——— بالکل درست، اسلئے کہ اس سے پہلے کتے بلے، بندر وغیرہ بھی یہ سفر کرتے رہے ہیں۔

"سونی پت میں قمار بازوں کو منھ کالا کر کے شہر میں گھمایا گیا" ——— اس کے بعد انھوں نے منھ صابن سے دھو کر پھر بساط بچھا دی ہوگی۔

"ہند اور پاکستان ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے" جے پرکاش نرائن ——— اسلئے کہ دونوں [illegible] ہیں

"جبلپور کے فسادات کا سبب مذہبی نہیں سیاسی تھا" اندرا گاندھی کی تقریر ——— اور اسی لئے تو بقول پنڈت جواہرلال نہرو، کانگریسی گھروں میں گھسے رہے۔ ان میں سے نہ کوئی زخمی ہوا نہ مرا۔

"دہلی میں بجلی کی سپلائی بحال ہوگئی" ایک عنوان ——— اس کے انعام میں وزارتِ بحالیات کو بھی فی الحال بحال رکھا جائے۔



دکھا کر شکل کس نے نقشِ حیرت کر دیا مجھ کو ٭ کہ اب تک دیدۂ حیراں کی حیرانی نہیں جاتی (ساحر ہوشیار پوری)

جرم اور ضمیر

پشکر ناتھ بی۔ اے

دھرمسالہ (کانگڑہ)

۱۰ر جنوری ۱۹۶۱ء

بڑے بھیا! آداب

.... لیجیے نئے سال کا نیا افسانہ "جرم اور ضمیر" حاضر کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ افسانہ آپ کو "بیسویں صدی" پڑھنے والوں کو ضرور پسند آئے گا.... سنا ہے میرے وطن میں برف کے ڈھیر لگے ہیں۔ مگر میں اب کی بار برف سے کنی کترا گیا ہوں....

آپ کا بھائی ——— پشکر ناتھ

۳۱ر مارچ ۱۹۶۱ء کو رات کے ٹھیک بارہ بجے جب وہ اپنی کوٹھی نصرہ بلڈنگ کے شمال مشرقی بیڈ روم میں سو رہا تھا۔ تو موت کے فرشتے نے اُس کے دروازے پر دستک دی۔ اتفاق سے اسی دن ملک کا دوسرا پنجسالہ منصوبہ انجام پذیر ہوا تھا۔

"تمہارا نام لالہ گوسائیں داس ہے؟"

"جی مہاراج!"

اُس نے جواب دیا۔

"تم پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے کنٹریکٹر ہو؟"

"جی مہاراج!"

"تمہارے باپ کا نام مستری رام داس تھا؟"

"جی مہاراج!"

"تو چلو ——— میرے ساتھ آؤ!"

"کہاں ——— ؟"

"دوسری دُنیا میں یعنی یم پوری ———"

یہ سُن کر اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اِس اندھیرے میں اُسے اپنی بیوی کا چہرہ نظر آیا جو آرام سے اپنے پلنگ پر سو رہی تھی۔ یہ چہرہ جلد ہی غائب ہو گیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کے بڑے بیٹے نے لے لی۔ جو گلاسگو انگلینڈ میں انجینئرنگ کی ٹریننگ لے رہا تھا۔

یہ چہرہ بھی اندھیرے میں تحلیل ہو گیا ———

اور اُس کے دوسرے بیٹے کا چہرہ نمودار ہو گیا۔ جو علی گڑھ یونیورسٹی میں ڈاکٹر بننے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

پھر یہ چہرہ بھی مٹ گیا ———

اور اُس کی اکلوتی بیٹی کا بھولا بھالا چہرہ اُبھر آیا جس کی شادی اُس نے پچھلے ہی سال سیٹھ پنجم لال کے تیسرے بیٹے بہاری لال کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ اور جس کے جہیز میں اُس نے ایک لاکھ روپے کا چیک بھی شامل کر دیا تھا!

پھر یہ چہرہ بھی ہٹ گیا ———

اور اُس کے بینک اکاؤنٹ سامنے آ گئے۔ اُس نے اندھیرے ہی میں

[illegible] کے رجسٹر میں [illegible] ہزار دو سو دس روپے اور چند پیسے جمع تھے۔

اس کے بعد یہ کاغذات بھی نظر کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اور ایک چھوٹی پرانی بکس پاس بُک سامنے آگئی۔ پہلے تو وہ اُسے پہچان ہی نہ سکا لیکن غور سے دیکھنے پر پہچان گیا۔ یہ اُس کی [illegible] کی پاس بک تھی۔ جس میں کُل ایک سو نو روپے اور دس آنے جمع تھے۔ اِسے وہ بھُول ہی گیا تھا۔

پھر سب چیزیں غائب ہو گئیں۔

اور ایک کالا کلوٹا بے رحم ہاتھ سامنے آگیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہاتھ پھیل گیا۔ پھر یہ ہاتھ اُس کی گردن کی طرف لپکا۔

اور اُس کے حلق سے ایک گھُٹی ہوئی چیخ بلند ہوئی۔

جب اُسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک فرشتہ اُس کا ہاتھ تھامے اُسے ایک لق و دق صحرا میں لے جا رہا ہے۔ اُوپر سُورج کی کرنیں اِتنی تیز تھیں کہ اُس کی جلد کے اندر گھُس آتی تھیں۔ اور نیچے ریت اِتنی گرم کہ پاؤں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ چلتے چلتے اُسے ٹھوکر لگی اور وہ نیچے گِر گیا۔

"دیکھ کر کیوں نہیں چلتے؟"

فرشتے نے ڈانٹ پلائی۔

"پاؤں زخمی ہو گئے ہیں مہاراج!"

"اگلے پڑاؤ پر مرہم پٹی ہو گی" فرشتے نے جواب دیا۔

"اگلا پڑاؤ کتنی دُور ہو گا ابھی؟"

"سات لاکھ میل!"

"تب تک تو میں واقعی مر جاؤں گا۔"

"تم اِس وقت بھی زندہ نہیں ہو۔"

"یہاں کوئی ٹیکسی وغیرہ نہیں مل جاتی؟ ——— میری گاڑی تو گیراج میں ہو گی۔"

فرشتے کے ہونٹوں پر معصوم سی مسکراہٹ کھِل اُٹھی۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اچھا آپ پیسے [illegible]

میں سوچتا ہوں تم اِس طرح پیدل چلنے کا عادی نہیں ہوں۔"

فرشتے کے ہونٹوں پر زہر خند پھیل گیا۔

لالہ گوسائیں داس کو شدید غصّہ آگیا۔

"عجیب آدمی ہو یار۔ میں مرا جا رہا ہوں اور تم مسکرا رہے ہو۔"

اُس کا غصّہ دیکھ کر فرشتہ قدرے سنجیدہ ہو گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"لاؤ پیسے دو میں ٹیکسی منگوا دیتا ہوں۔"

اُس نے جیب ٹٹولی۔

مگر یہ کیا؟ وہ تو بالکل ننگا تھا۔ اُس کے بدن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ یکایک اُس کے چاروں طرف اندھیرے گھِر آئے۔ اُس نے اِس اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھنا چاہا۔ اُس کے چاروں طرف نوٹ ہی نوٹ ہوا میں پھڑپھڑا رہے تھے۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں ایک بھی نہ آ رہا تھا۔ اُسے اور غصّہ آگیا اور اندھیرے کی چادریں اور گہری ہو گئیں۔ اُس نے نئے ماڈل کی "ڈاج" اپنے گیراج میں دیکھی۔ اُس کا ڈرائیور اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ اُس نے ڈرائیور کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر پکارا۔ اور اِس وقت ایک زوردار قہقہے نے اُس کا مُنہ چڑایا۔

"میں دیکھتا ہوں تمھیں بھی اور تمھارے قہقہے کو بھی!"

وہ دہاڑا اور فرشتے کی طرف لپکا۔

لیکن اِس سے پہلے کہ فرشتے کی گردن اُس کے ہاتھ میں آتی وہ چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا۔ اور اُس کے حلق سے چیخ نکل کر صحرا کی لاانتہا وسعتوں میں بکھر گئی۔

بہت دیر کے بعد اُس نے پھر آنکھ کھولی تو کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سونے کا ایک نورانی گنبد ہے۔ جس پر کوئی سفید ریش بزرگ ایک موٹی سی مجلد کتاب سامنے رکھے اُس کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ اور سامنے لوگوں کی ایک لمبی قطار کھڑی ہے۔ فرشتے نے اُس کے کان میں کہا۔ "یہی وہ پہلا پڑاؤ ہے جہاں ابتدائی جانچ

پڑتال ہوگی۔"

"کس چیز کی جانچ پڑتال ؟"

"تمہارے اعمال کی ؟"

"لیکن میں نے کوئی گناہ یا جرم نہیں کیا ہے !"

"وہ تو کتاب ہی بتلائے گی۔ چلو لائن میں کھڑے رہو !"

وہ لائن میں کھڑا ہوگیا۔

لائن میں کھڑے کھڑے اُس نے تمام لوگوں پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ وہ ان میں سے بہت سے آدمیوں سے واقف تھا۔ لیکن کسی نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ کمینے کہیں کے! اُس نے سوچا۔ نہ جانے آجکل لوگوں میں مروت کیوں نہیں رہی ہے۔ اب دیکھو، وہ جو لائن کے تیسرے نمبر پر کھڑا ہے۔ وہ سردار جسپال سنگھ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ جب میں گورنمنٹ کالج بلڈنگ کا کام کروا رہا تھا تو یہ اوورسیر تھا۔ میں نے اِسے پُورے ڈھائی ہزار روپے مٹھائی کے لئے دیئے تھے۔ لیکن اِس وقت اُس نے دیکھ کر گردن یوں پھیر لی تھی جیسے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔

اور وہ ——

وہ جو میرے بعد دسویں نمبر پر ہے، یہ وہی کفن چور کندن لال رپہاڑی ہے۔ اگر اُس دن میں اِس کی مدد نہ کرتا تو اب تک یہ دیوالیہ ہوگیا ہوتا۔ نہ جانے کہاں سے ڈیڑھ ہزار بوریاں ملاوٹ والا سیمنٹ خرید لایا تھا۔ وہ تو اِس کی قسمت اچھی تھی کہ اُن دنوں مجھے —— راہ خدا ڈیم کا کام مل گیا تھا۔ اور مجھے سیمنٹ کی ضرورت تھی۔ بس پھر کیا تھا۔ دو ہفتوں کے اندر ڈیڑھ کی ڈیڑھ ہزار بوریاں نکال لایا۔ اب اگر یہی بات اِسے یاد دلائی جائے۔ تو کہے گا۔ لالہ جی! آپ نے بھی تو اُس ڈیم پر نوّے ہزار روپے کمائے تھے۔ نامعقول کہیں کا۔ گوسائیں داس تو ویسے بھی کما لیتا۔ ڈھائی لاکھ کے ٹھیکے میں آدمی نوّے ہزار بھی نہ کمائے تو لعنت بھیجو ایسے کام پر!

اور گوسائیں داس کو تو زیادہ غصہ اُس آدمی پر آرہا تھا جو اُس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ ابی حضرت! یہ وہی اُس کے ٹھیکوں کا اکاؤنٹنٹ ہے۔ لاکھوں ہزار روپے کما لئے ہیں اِس کم بخت نے۔ پہلا پہلا اپنی شرح کے مطابق کمیشن کاٹ لیتا ہے۔ مر ہوگئی۔ کام کوئی کرے پیسہ کوئی لگائے۔ ٹھیکیدار کوئی ہو اسے اپنے کمیشن سے غرض ہے۔ ابھی، آج ہی۔ لیکن آج نہ جانے کونسی تاریخ ہے۔ میرا مطلب ۳۱ مارچ ۱۹۶۱ء سے ہے۔ جی ہاں آج ہی یہ بلوں پر ایک ہزار نو سو بہتر روپے وصول کر چکا ہے۔ کاروباری سال کا آخری دن تھا نا۔ اِس دن تو اِن لوگوں کا دماغ آسمان پر ہوتا ہے۔ اِس وقت دیکھو میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔ کل ہی ڈویژنل انجینئر کے پاس شکایت کروں گا۔ گوسائیں داس نے سوچا۔

ابھی وہ اِن ہی خیالات میں غرق تھا کہ اُس سفید ریش بزرگ کی آواز دوبارہ گنبد میں گونج اُٹھی۔

"اے انسانو! اگلے پڑاؤ پر تمہارا حافظہ تم لوگوں سے چھین لیا جائے گا۔ تب تک اپنے اعمال کے بارے میں سوچو اور عبادت میں کھو جاؤ۔ اور یہ بات سمجھ لو کہ اب تم زندہ نہیں ہو۔ مر گئے ہو۔ زمین پر تم لوگوں کا کفن دفن ہوئے چالیس دن گزر گئے ہیں۔"

"ہرے رام! تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آج مئی کی دس تاریخ ہے؟"

لالہ گوسائیں داس اِس خیال سے چونک پڑا۔

نہ جانے اُس کے بلوں کا کیا ہوا ہوگا۔ اور اُس کا وہ پُل تو اب تک مکمل ہو جانا چاہیئے تھا۔ ابھی انجینئر صاحب سے بھی ملنا ہے۔ اُس نے سوچا مگر ساتھ ہی اُسے خیال آیا کہ وہ تو مر گیا ہے۔ نہیں، یقین نہیں آتا تھا۔

"چلو، جلدی کرو!"

فرشتے نے اُسے ٹھوکا مار کے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"اپنی بیرک میں اور کہاں! —— آج گنبد کا کام ختم ہوگیا ہے اب کل پھر لائن میں کھڑا ہونا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر فرشتے نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور ایک بیرک میں لے گیا جہاں اِس کونے سے اُس کونے تک لوگ سوتے پڑے تھے۔

یہاں فرشتہ اُسے چھوڑ کر غائب ہوگیا۔ اور لالہ گوسائیں داس اپنے نیک اعمال کے بارے میں سوچتے سوچتے سوگیا۔

تب سفید ریش بزرگ نے آہستہ سے سر ہلا کر کہا۔

"کتاب میں لکھا ہے۔ تم نے یعنی پھوسن لال ہلدی والا نے تمام عمر پسی ہوئی ہلدی میں پیلا رنگ ملا کر لوگوں کو ٹھگا ہے۔ تم نے عناسپتی گھی میں رنگ ملا کے اصلی گھی کے نام سے بیچا ہے۔ تم نے چاولوں میں سفید رنگ کے کنکر ملائے ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ تم نے "

تکلیفات تک نے ہر صاحب دفتر ثابت کر کے دکھا دو۔ آج تک کوئی ماں کا لال ثابت نہ کر سکا۔"

پھوسن لال نے احتجاج کیا۔

یہ آج کی لائن کا پہلا آدمی تھا۔

لالہ گوسائیں داس جلتی دھوپ میں کھڑا سب سن رہا تھا۔ مگر وہ خوش ہو رہا تھا کیونکہ اس نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا تھا۔ جانے لوگ ایسی کمینہ حرکتیں کیوں کرتے ہیں۔

"پھوسن لال ہلدی والا کو جہنم کی بہترین بھٹی میں جھونک دیا جائے!"

سفید ریش بزرگ نے فیصلہ سنایا۔

بہت کڑی سزائیں دیتا ہے کم بخت!

گوسائیں داس نے سوچا۔

"دوسرا آدمی ——— کتاب میں لکھا ہے تم یعنی گھیسو رام، انڈوں کا کاروبار کرتے تھے۔"

"جندگی بھر سرکار!"

"کس قسم کی ملاوٹ کرتے تھے؟"

"ہا ہا ہا ——— کیا بولتے ہے سرکار۔ انڈے میں ملاوٹ کیسے ہو سکت ہے؟"

یہ سن کر سفید ریش بزرگ کو ہنسی آ گئی۔

گوسائیں داس کو بھی ہنسی آ گئی۔

ٹھیکیداری اور انڈوں کا کاروبار اسے ایک ہی جیسے ایماندار پیشے نظر آ رہے تھے۔

"اسے دوسرے پڑاؤ پر مزید احکام کے لئے بھیج دیا جائے۔" سفید ریش بزرگ نے حکم سنایا۔

گوسائیں داس نے اپنے فخر سے [illegible] کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ دوسرے پڑاؤ پر [illegible] لے گا۔

"تیسرا آدمی ——— کتاب میں لکھا ہے تم نے یعنی [illegible] چند نے لوگوں کو دواؤں کے بدلے سادہ پانی اور قیمتی انجکشنوں کے بدلے [illegible] کے ٹیوب فروخت کئے ہیں۔ سادہ چینی کی بوتلوں پر قیمتی انجکشنوں کے لیبل لگا کر مہنگے داموں بلیک مارکیٹ میں بیچا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ تم نے اس طریقے پر نو مردوں، گیارہ عورتوں اور چھ بچوں کو قبل از وقت موت کے گھاٹ اتار دیا ہے ———!"

"یہ سب جھوٹ ہے۔ بوگس! کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟"

سیٹھ جنڈال چند نے گرج کر کہا۔

"ثبوت کی ضرورت دنیاوی عدالتوں میں پیش آتی ہے [illegible] کہ اس کی دونوں آنکھیں نکال کر اور دونوں ہاتھ کاٹ کر [illegible] پر الٹا لٹکا دیا جائے اور نیچے آگ جلائی جائے۔"

حکم سنا دیا گیا۔

"یو سوائن۔ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ آئی ول کل یو!"

سیٹھ جنڈال چند گلا پھاڑ پھاڑ کے چیخنے لگا۔ مگر دو سیاہ قبائیں پہنے ہوئے موت کے فرشتے اسے لے گئے۔

لالہ گوسائیں داس نے اطمینان کی سانس لی۔ اس لئے کہ نہ تو وہ دوا فروش ہی ہے اور نہ اس نے کسی کو مار ڈالا ہے۔ وہ تو ایک سیدھا سادا ٹھیکیدار ہے۔ گورنمنٹ کے کام کرتا ہے اور پیسے لیتا ہے۔

"چوتھا آدمی ——— تم یعنی سنتو کھ سنگھ نے [illegible] ایک لاکھ آدمیوں کو مختلف موقعوں پر رشوت دی ہے۔ اور اس طرح سے خود بھی جرم کئے اور انھیں بھی گناہگار بنا دیا ہے۔"

سفید ریش بزرگ نے چوتھے آدمی سے کہا۔

"گیانی جی [illegible] اور یہ رشوت نہ دیتے تو صاحب لوگ جبر

[illegible] تھا"

"(کیا آپ جانتے ہیں آج کل رشوت نہ دیں تو صاحب لوگ جوتے [illegible] نکال دیتے ہیں)

پوچھتے آدمی نے جواب پیش کیا۔

"ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ رشوت دینے سے کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا ہے۔ اِس لئے حکم ہوتا ہے کہ سنتو کو سنگھ کے دونوں ہاتھ کاٹ کر جہرا میں چھوڑ دیا جائے۔"

یہ سُن کر لالہ گوسائیں داس کے دل کی دھڑکنیں غلط ملط ہو گئیں۔ اُسے خیال آیا کہ اُس نے بھی اپنی زندگی میں ہزاروں روپے لوگوں کو رشوت دیئے ہیں گمر [illegible] رشوت تو کوئی دوسری چیز ہے۔ اُس نے صرف کمیشن دیا ہے۔ اوورسیروں کو کمیشن۔ اسسٹنٹ انجینیروں کو کمیشن۔ ڈویژنل انجینیروں کو کمیشن۔ منظور پاس کرنے والوں کو کمیشن۔ اکاؤنٹنٹوں کو کمیشن۔ اور جہاں کمیشن نہیں دیا تھا وہاں [illegible] تھی۔ دعوت کھلائی تھی۔ شراب پلائی تھی۔ مٹھائی اور بخشش دی تھی یہ چیزیں تو رشوت ہرگز نہیں ہو سکتیں۔

وہ ابھی اِن ہی سوچوں میں غرق تھا کہ اُس کے فرشتے نے اُسے ٹھوکا مارا!

"چلو بیرک میں سو جاؤ تمہاری باری کل آئے گی۔"

بیرک میں داخل ہو کر لالہ گوسائیں داس کے دماغ کی بے کلی بدستور قائم رہی۔ اُسے رہ رہ کر سفید ریش بزرگ پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ کسی آدمی کو رشوت دو اور اِس پر سزا بھی خود ہی بھگتو۔ مگر وہ خواہ مخواہ ڈر رہا تھا اُس نے رشوت نہیں دی تھی۔ یہ سوچتے سوچتے اُسے چند باتوں کا خیال آیا۔ چند معمولی باتوں کا۔ اُسے خیال آیا کہ ایک مرتبہ جب وہ شمشیم ہال کا پل بنوا رہا تھا تو ایک مزدور کام کرتے کرتے مٹی کے تودے کے نیچے آ کر جاں بحق ہو گیا تھا۔ قاعدے کے مطابق اُسے اُس کے لواحقین کو تین سو روپے ہرجانہ دینا تھا لیکن اُس نے ہیر پھیر سے کام لے کر اُنھیں کچھ بھی نہ دیا تھا۔ لیکن یہ تو معمولی باتیں تھیں کتاب میں ایسی باتوں کا ذکر کہاں ہوگا۔

اُسے یہ بھی خیال آیا کہ گورنمنٹ [illegible] بلڈنگ بنانے میں اُس نے دیوار کی کرسی [illegible] استعمال کرنے کی بجائے گھٹیا قسم کی لکڑی استعمال کی تھی اور اِس بات کو چھپانے کے لئے ایک انجینیر کو دو ہزار روپے دیئے تھے مگر یہ تو کاروباری رموز ہیں۔ بھلا کتاب میں اِس واقعہ کا ذکر کیوں آنے لگا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ اُس نے متعلقہ اسٹاف کو اپنا کمیشن دے کر نراو خدا ڈیم میں ناقص مسالہ استعمال کیا تھا جس کی وجہ سے وہ مکمل ہونے کے سال بھر بعد ہی کریک ہو گیا تھا۔ مگر یہ بھی کاروبار کی باریکیاں ہیں۔ کتاب میں اِن باتوں کا کیا کام۔ کتاب میں وہی باتیں ہوں گی جو ذرا سنجیدہ قسم کی ہوں۔ مثلاً دواؤں میں ملاوٹ، کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ۔ لوگوں کی جانیں لینا، یا رشوت دینا وغیرہ وغیرہ۔ توبہ توبہ! یہ لوگ واقعی گناہ گار ہیں۔ انہیں کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہئیں۔ لالہ گوسائیں داس تو ہمیشہ خوفِ خدا سے ڈرتا رہا ہے۔ وہ ہمیشہ بھگوت بھجن کرتا رہا ہے۔ صبح مندر بھی جایا کرتا تھا۔ اور یہ بات تو وہ واقعی بھول ہی گیا تھا کہ ودھوا آشرم کی نئی بلڈنگ کا ٹھیکہ بھی اُس نے لیا تھا محض اپنے مندر جانے کی عادت کے طفیل۔ اور نہایت ایمانداری سے اِس کام کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ یعنی بیالیس ہزار کے کام میں صرف نو ہزار کمائے تھے۔۔۔۔

سوچتے سوچتے لالہ گوسائیں داس کو ایک اور بات یاد آ گئی۔ نہ جانے آج اُسے باتیں کیوں یاد آ رہی تھیں۔ اُس کا حافظہ تو کبھی تیز نہ تھا۔ ممکن ہے اب ہو گیا ہو۔ اُسے یاد آیا کہ زنانہ کالج کی عمارت میں اُس نے سیمنٹ کے کام میں ۷۵ فی صدی سیمنٹ، ۱۵ فی صدی چونا اور ۱۰ فی صدی ریت کی بجائے ۲۰ فی صدی سیمنٹ ۷۵ فی صدی ریت اور ۵ فی صدی چونا لگایا تھا۔ اور جب انجینیر متعلقہ نے یہ بات جانچ لی تھی۔ تو اُس کا منہ بند کرنے کے لئے اُسے تین ہزار روپیہ دیا تھا۔

اگر خدانخواستہ کتاب میں یہ رقم غلطی سے رشوت کے کالم میں لکھی گئی ہو تب؟ ـــــ مگر نہیں، وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کاروباری رموز ہیں۔ رشوت ہرگز نہیں ہے۔ لیکن یہ سفید ریش بڈھا تو ایک نہیں مانتا۔ عجیب آدمی ہے۔ یہ عجیب کتاب لکھی ہے کم بخت نے۔ کیا بھروسا ہے اِس کتاب کا [illegible] لالہ گوسائیں داس کو خیال آیا کہ اگر یہ کتاب غائب کر دی جائے تو [illegible] اچھا خیال ہے۔ اِس کتاب کو غائب ہونا ہی پڑے گا۔ اُس نے سوچا [illegible]

اس کتاب کو چرالاؤں گا تاکہ لوگ گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔ ویسے میرا اپنا خیال تو یہ بالکل صاف ہوگا۔ ہونا ہی چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے ٹرک میں اِس کونے سے اُس کونے تک نظر دوڑائی۔ سب آدمی سو گئے تھے۔ سب فرشتے اور فرشتہ صفت بھی شعلے کہاں چلے گئے تھے۔ وہ اٹھا اور تمام باتوں پہ ایک بار پھر غور کرکے اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا ٹرک سے باہر آگیا۔

باہر آکر لالہ گوسائیں داس کو خیال آیا کہ ممکن ہے گنبد میں کوئی فرشتہ اُس کتاب کی نگرانی کر رہا ہو۔ مگر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟ اگر کوئی دیکھ لے تو کہوں گا رفع حاجت کرنے باہر آگیا تھا۔

وہ دبے پاؤں گنبد کی طرف بڑھا۔ گنبد میں کوئی فرشتہ نہ تھا۔ کتاب گنبد کے بیچوں بیچ سنگِ مرمر کے بنے ہوئے میز پر پڑی تھی۔ اُس نے کوئی آواز پیدا کئے بغیر گنبد کی سیڑھیاں طے کیں۔ اب میز پر رکھی ہوئی کتاب اُس کے بالکل سامنے تھی اُس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھا اور ایک ہی جھپٹے میں کتاب اٹھا لایا۔ کتاب بغل میں دبا کر وہ تیز تیز چلتا ہوا گنبد کی پچھلی سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ اور ایک جھاڑی میں چھپ کر سوچنے لگا۔ اب اِس کتاب کا کیا کیا جائے؟ اُس کا دل پھر زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اگر کہیں فرشتے نے دیکھ لیا تو؟ مگر یہاں تو کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اُس نے ایک بار کتاب کھول کے دیکھنا چاہی۔ کتاب کا کاغذ گہرے نیلے رنگ کا تھا۔ اور اُس پہ سفید روشنائی سے عبارت لکھی ہوئی تھی۔ نیلا رنگ اور سفید روشنائی۔ یہ میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ اُسے خیال آیا۔ لیکن؟ اِس کتاب کو میں کہاں چھپاؤں؟ یہاں سے بھاگنا تو ناممکن ہے۔ وہ شدت سے سوچنے لگا۔ سوچتے سوچتے اُسے خیال آیا۔ کیوں نہ اِس کتاب کو جلا دیا جائے۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ لیکن کیسے جلایا جائے؟ ماچس تو اُس کے پاس ہے نہیں، اور آگ بھی وہاں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ پھر کیا کیا جائے؟ اُف وقت نکلا جا رہا ہے۔ اُسے ایک خیال آیا اور وہ اُچھل پڑا۔ اوہو! میں بھی کتنا [illegible] ہوں۔ کیوں نہ میں اِس کتاب کو کھا جاؤں؟ ٹھیک ہے میں اِسے کھا جاؤں گا۔ وقت تو لگے گا۔ لیکن اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور وہ کتاب کا ایک ایک ورق پھاڑ کر کھانے لگا۔ چباتے چباتے اُس کے جبڑے دُکھنے لگے۔ اور وہ سوچنے لگا کاش وہ ایک گدھا ہوتا تاکہ کتاب چبانے میں سہولت رہتی۔

بمبرہ بلڈنگ کے شمال مشرقی بیڈروم میں سوئے ہوئے مالک نے زور سے بھانپے۔ بیڈروم کی کھڑکیوں سے ستاروں کی کرنیں کمرے میں داخل ہوکر کمرے کی دلکشی اور ڈیکوریشن میں چار چاند لگا رہی تھیں۔ اتنے میں سیٹھ گوسائیں داس نے بیڈروم کا دروازہ کھولا۔ اور اندر داخل ہوگئیں۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس کے حلق سے ایک بلند چیخ نکلی۔ اور بمبرہ بلڈنگ کے گوشے گوشے میں گونج اُٹھی۔

سامنے لالہ گوسائیں داس کنگ سائز خوبصورت قالین پہ بے ہوش پڑا تھا۔ اُس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور 'راہِ خدا سکیم' کے نیلے پمفلٹ ادھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ جن میں سے کچھ اُس نے چبا چبا کے پھینک دیئے تھے کچھ اُس کے منہ میں تھے۔ اور کچھ ہاتھ میں!

باہر ملک کے تیسرے پنج سالہ منصوبے کا آغاز ہوگیا تھا! ●●

ہفت غزلہ

تیسری غزل

پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم اے پی ایچ ڈی

اُڑا کر ذکرِ سوزِ غم ہنسی میں
لگا دی اور بھی تُو نے لگی میں

خُود اپنا نام لے لے کر کسی کو
پکارے جا رہا ہوں بے خُودی میں

کھُلی ہے چاند کی تقدیر گویا
وہ بیٹھے ہیں کھُلے مُنہ چاندنی میں

ترے لب کر رہے ہیں گُلفشانی
بہ اندازِ تکلّم خامشی میں

پڑا مُنہ موڑنا خُود زندگی سے
کچھ ایسے موڑ آئے زندگی میں

کہیں کرتی نہ ہو حد سے تجاوز
کہ ہے ناخُوش گواری سی خُوشی میں

کیا ہے عشق نے کیا لُطف پیدا
ہمارے اِضطرابِ دائمی میں

جلی ظُلمت کدوں میں جب کہیں شمع
تو ظُلمت اور نِکھری روشنی میں

غنی رکھّا دلِ بے مُدّعا نے
ہمیں دولت ملی گنجِ تہی میں

مُبارک ہو مرے سب دوستوں کو
مِری بے احتیاطی دوستی میں

نہ ہوتی زندگانی تلخ انور
اگر جینا نہ پڑتا عاشقی میں

۵/۳۱ ایسٹ پٹیل نگر نئی دہلی


LUX
LUX
LUX
LUX
خالص، مُلائم جھاگ والا لکس
دھنک کے ۴ رنگوں میں
اور آپ کا دلپسند سفید بھی
دیکھئے! لکس کے چھبیلے رنگ اور اُنہی رنگوں کے چھبیلے سرورق!
اور سفید بھی! رنگ کئی، صابن وہی — آپ کا
پسندیدہ خالص لکس — آپ کے رنگ رُوپ کی رونق!
"آرائشِ جمال کے لئے اچھوتا خیال...
میرا پسندیدہ لکس رنگوں میں!"
سادھنا کہتی ہیں
LUX
فلمی ستاروں کا خالص، مُلائم جھاگ والا حُسن بخش صابن
ہندوستان لیور کا تیار کردہ
L.T.S. 83-X52-45 UD

پیار ایک پیشہ

زکی انور

کراچی [illegible]

عزیز [illegible] مخدوم و مکرم تسلیمات

مجھے [illegible] سے [illegible] ہو کر [illegible] ہیں [illegible] کی

سے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] کے بعد [illegible]

[illegible] آپ [illegible] پیار ایک پیشہ ہے... آپ کا عزیز ——— زکی انور

لاہور [illegible] ۱۹۶۸ء

میری پیاری شاہینہ!

پہلے [illegible] خط کا جواب بہت تاخیر سے [illegible] ہوں۔ لیکن [illegible] کیا۔ تم نے [illegible] جواب [illegible] شادی [illegible] اور اس زندگی میں [illegible] کی [illegible] شاہینہ [illegible] میں [illegible] خط کا جواب [illegible] ہو گی۔ [illegible] آرام [illegible]

[illegible] میری [illegible] ہے لیکن [illegible]

[illegible]

ہیں۔ وہ [illegible] بڑے پیار سے پوچھتے ہیں کہ [illegible] وہ [illegible] بھی ویسی ہی [illegible] اور [illegible] کر [illegible] جاتے ہیں [illegible] اور [illegible] کی اُن [illegible] پہلے جاتے ہیں جہاں سے میں [illegible] کر [illegible] نہیں [illegible]۔

لیکن اس کے آگے کی دنیا [illegible] سکت ہے۔

ایک دن [illegible] کہ [illegible] آپ سے شادی [illegible] ہے

آپ کا کیا خیال ہے؟

لیکن میری [illegible] سکت [illegible] ہے اس [illegible]

اس [illegible] سے [illegible] ہو [illegible] کہتے ہیں [illegible]

ہو جاؤں۔ شاید میری [illegible] میرے [illegible] جائے

تم نے [illegible] ہے [illegible]

پیار! [illegible] ——— [illegible]

[illegible] ۱۹۶۸ء

[illegible]

[illegible]

[illegible]

... ہو چکی ہے ... شادی ...

... اسی طرح ... ہیں ...

... لگتے ہیں لیکن ... صاحب ... ہو گئی ہیں کہ ان ... ہوتی ہو اور ... شادی سے ... کی تم ... کے خاندان ... کے ساتھ تمہاری ... ہیں لیکن ان کے بارے ... سمجھنا درست نہیں۔ وہ بہت ... کلاس ... چکی ہیں اور ... ہی طرح جانتی ہوں۔ پھر بات کیا ہے؟ ... کی بات ... تو ... نہیں کہ وہ ہندوستانی فلموں کے ہیرو کی طرح ... اور اسی لئے اپنے آپ کو ان سے الگ نہیں سمجھتا۔ اور ایسے ... ہندوستانی فلمیں دیکھنا پسند کرتا ہے؟

بہرحال ... ہوں کہ پرویز صاحب اپنی خاموشی ختم کر دیں تاکہ تم اپنی خاموشی کے ... سے باز آ جاؤ۔ پھر تمہاری ... ان خاندانوں کو ان کی ... آ جائے گی اور ... کرے گی۔ کاش وہ کم بخت ... ہوتی۔ ... "اسٹوڈیو" ... اور ... کر دیتیں۔ لیکن اس اسٹوڈیو کا مالک ... بہت شریف ہیں۔ ... فوٹوگرافر ... کے بچے نے ... لئے۔ اب بیبی اور حامد صاحب کی تصویر ... ہو گی۔ بیبی کی تصویر ہے۔ اس کے ... نے ... کی تصویر ... کر کے رکھ دی۔ اور حامد کے ساتھ ... ایک دوست تھے۔ حامد صاحب کی جگہ ان کے دوست کی تصویر ... ہو گئی۔ حامد صاحب کو اس وقت اتنا غصہ آیا کہ وہ ... کر گئے ... انہیں دکان سے باہر ...۔ اب وہ اس پر مقدمہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ بہرحال دوسری جگہ ... بیبی اور حامد صاحب کی تصویر ... ہے ... پوسٹ کر دوں گی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

... تمہارا ... ہو گی ... میں ... لکھ رہی ہوں!

اشرف سے تمہاری شادی کی ... سمجھی کہ خاندان میں کوئی ایسا لڑکا نہیں جسے میں تمہاری ... کا بوجھ سونپ سکوں لیکن میں تمہارے ... کی ... پیار کا احساس ہے۔ اسی لئے جب سے میں نے تمہیں پرویز صاحب کی ... دیکھا ہے میں نے کبھی تم سے اشرف کی بات نہیں کی۔ ... آج بھی تحریری طور پہ کہہ رہی ہوں کہ شادی بیاہ کے سلسلے میں کسی طرح کی پابندی بالکل پسند نہیں کرتی۔ خود میں نے ... کسی خاص وجہ سے (تم اسے محبت بھی کہہ سکتی ہو) چالیس سال کے ... سے شادی کی تھی۔

مجھے خوشی ہو گی ... خوشی ہو گی۔ اگر پرویز صاحب ... اور تم سے شادی کریں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

غالب منزل، کلکتہ۔ مارچ ۱۹۳۹

پیاری شہزادا

کچھ معلوم ہے کہ تمہارا خط دل کو لگا تھا۔ کل تصویریں بھی ملیں۔ تم نے بہت ہی پیاری ... چاہئے میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کرو۔ مجھ سے اگر کوئی یہ پوچھے کہ عورت کے لئے سب سے حسین زیور کیا ہے تو میں نہ تو سونے چاندی یا ہیرے موتی کے کسی زیور کا نام لوں نہ حد سے زیادہ دقیانوسی انداز میں عصمت، سہاگ اور شوہر وغیرہ کو سب سے حسین زیور بتاؤں۔ بلکہ یہ کہوں کہ حسین عورت کی گود میں تیری ہی جیسا پیارا سا بچہ ہو اُسے کسی اور زیور کی ضرورت نہیں۔ شبنم آجکل تو کتنی حسین نظر آتی ہوگی۔ ماشاء اللہ علیم صاحب کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ لیکن یہ لڑکیوں ابھی تک بچوں کی سی ہے جیسی تم بھی پہلی ہی جیسی ہے۔ ... میرے پیار اور حامد صاحب کو سلام ... غالباً تمہیں کہہ سکوں گی پھر تمہی خوش رہو۔

اب تم ٹھیک سے سن رہی ہو۔ آج میں خوش ہوں۔ گو یہ خوشی ... ویسی ہی ہے جیسے صحرا میں ریگستان میں بھٹکنے والے پیاسے مسافر کو دور سے کوئی چشمہ نظر آجائے کہ نہیں سکون ... جہاں پہنچ کر ... خوشی سے ... بہرحال پرویز صاحب نے طے کیا ہے کہ بہت جلد ہی انھیں ختم کر دیں گے۔ بس بات صرف اتنی سی ہے لیکن ... بات کو کئی بہت ... کتاب میں ... مسافر ... لگتا ہے کہ ... آگئے

... کھل کر بات کرنے کا موقع ملے تو میں ... پرویز صاحب کے ... مجھے بتاؤ ... کیسی لگی۔ حالات کچھ سست ہیں ... میری ... بہرحال تم ... میں شہزاد کھل کی ... بات ... سے ... جہاں ... نہیں جہاں ... نہیں ... اور میں نے حق کے نام ایک بہت ہی واضح خط لکھا تھا میں نے سب کچھ لکھا تھا کہ میں ان سے دو ٹوک بات کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی تھی حالانکہ وہ بے تکلف ... میری ایک بہن ہیں۔ اور تم جانتی ہو کہ عمر میں مجھ سے پانچ سات سال بڑی ہوں تو ہوں۔ انھیں اس بات کا بے حد ملال ہوا کہ میں نے ان سے دو ٹوک بات کیوں نہیں کی۔ بہرحال انھوں نے میرے خط کا تفصیلی جواب دیا اور پھر انھوں نے مجھے پوری پوری اجازت دی ہے کہ میں اطمینان سے پرویز صاحب سے شادی کر سکتی ہوں۔ لیکن ان کے خط میں ایک جملہ تھا "حالات نے میری شادی تمہارے ڈیڈی سے کرا دی اور وہ بھی میری بد قسمتی سے اللہ کو پیارے ہو گئے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں یک بد ادائی بڑھی بیوہ ہو گئی" پھر ایک جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ وہ اس زندگی سے گھبرا گئی ہیں۔ اور اس بات کا احساس مجھے بھی عرصے سے ہو رہا ہے کہ وہ بہت زیادہ گھبرائی گھبرائی سی رہتی ہیں۔ مرجھائی اور کملائی سی۔ اور یہ سب کچھ فطری بات ہے کیونکہ ان کی عمر تیس سال سے ہرگز زیادہ نہیں۔ ... کچھ اور باتیں سنو۔ ایک بار پرویز صاحب نے مجھ سے کہا "پہیلیاں ... تم پر سنجیدگی کا ہی کتنا مجبور ... اور حالات نے مجھے کتنا ... کر دیا ہے" پھر ایک بار انھوں نے کہا "تم میری شاعرانہ صلاحیتوں کی تعریفیں کرتی ہو لیکن تمہیں کتنا ملال ہوگا جب تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ میں انتہائی غیر شاعرانہ کام کرتا ہوں ... اس سماج میں انسان سرکس کے شیر کی طرح مجبور ہے ... سیٹ اپ اُوٹ پٹانگ ہے۔ آدمی کرنا چاہے کیا اور کرتا ہے کیا" سنو! میں نے کئی بار حق کو پرویز صاحب سے باتیں کرتے دیکھا ہے اور یہ بھی ... پہچاننے لگی ہوں کہ وہ چاند اور غیرہ کے علاوہ ... موضوع پر باتیں کرتے ... پرویز صاحب کو نہ چاند اور غیرہ کے علاوہ ... سے دلچسپی ہے نہ انھیں

[illegible]

ایک سلپ

[illegible]

ایک اور سلپ

[illegible]

[illegible]

پیاری

[illegible]

پیاری!

کل تم نے اپنے خط کے جواب کا انتظار کیا ہوگا میں نے سوچا تمہیں چند سطریں لکھ دوں۔ [illegible] بہت [illegible] [illegible] لیکن [illegible] [illegible] میں نے اس وقت [illegible] [illegible] میں سمجھتا تھا کہ [illegible] لیکن تمہاری حالت [illegible] سے کچھ مختلف نہیں۔ [illegible]

[illegible] محبت ایک جذبہ ہے اور [illegible] شادی ایک فرض ہے۔ ایک [illegible] حیرت ہے کہ تم جیسی پڑھی لکھی لڑکی بھی محبت [illegible] تمہارے خط کے جواب میں [illegible] بے پناہ محبت ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

پیر صاحب! میری حالت بہت ہی قابل رحم ہے — [illegible]

[illegible]

ان ایک بات، جب ... [illegible]

[illegible]

[illegible] ... اپنا مسرا پیتا ہوں!

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۔ ۲۱ ... ۱۹۸۹ء

[illegible]

غزلیں

رشی پٹیالوی

نقشِ الفت کے مٹ کر نشاں رہ گئے • ہم کہاں آ گئے تم کہاں رہ گئے
سننے والوں کی دلچسپیاں ہیں وہی • کہنے والوں کے تشنہ بیاں رہ گئے
جن پہ تیرا تصور سدا چھا یا ہوا • زندگی کے وہ لمحے کہاں رہ گئے
ہم وہاں ڈھونڈتے ہیں ترا نقشِ پا • گرد ہو کر جہاں کارواں رہ گئے
اس قدر معتبر ہو گئی داستاں • جس قدر نامکمل بیاں رہ گئے
ہم ہوئے آشنا جب فریبِ خرد • مٹ کے جب آگہی کے نشاں رہ گئے
دیکھئے کیا کرے شوقِ منزل وہاں • حوصلے لڑکھڑا کر جہاں رہ گئے
جب درِ دوست ہی وقفِ سجدہ ہوا • کون سے آستاں آستاں رہ گئے
تیرے حسنِ بہار آفریں کی قسم • بے اثر حادثاتِ خزاں رہ گئے
تیری نظروں نے بخشی جہاں بےخودی • جام بے کار ہو کر وہاں رہ گئے

سامنا ان کا ہو تو گیا اے رشی
ہوش کے فاصلے درمیاں رہ گئے

[illegible]

پھر ایک پیام راحتِ [illegible] لئے ہوئے
وہ آ گئے سکونِ دل قرارِ جاں لئے ہوئے

لبوں پہ مہرِ خامشی لگی ہے عشق میں مگر
نفس نفس ہے دردِ دل کی داستاں لئے ہوئے

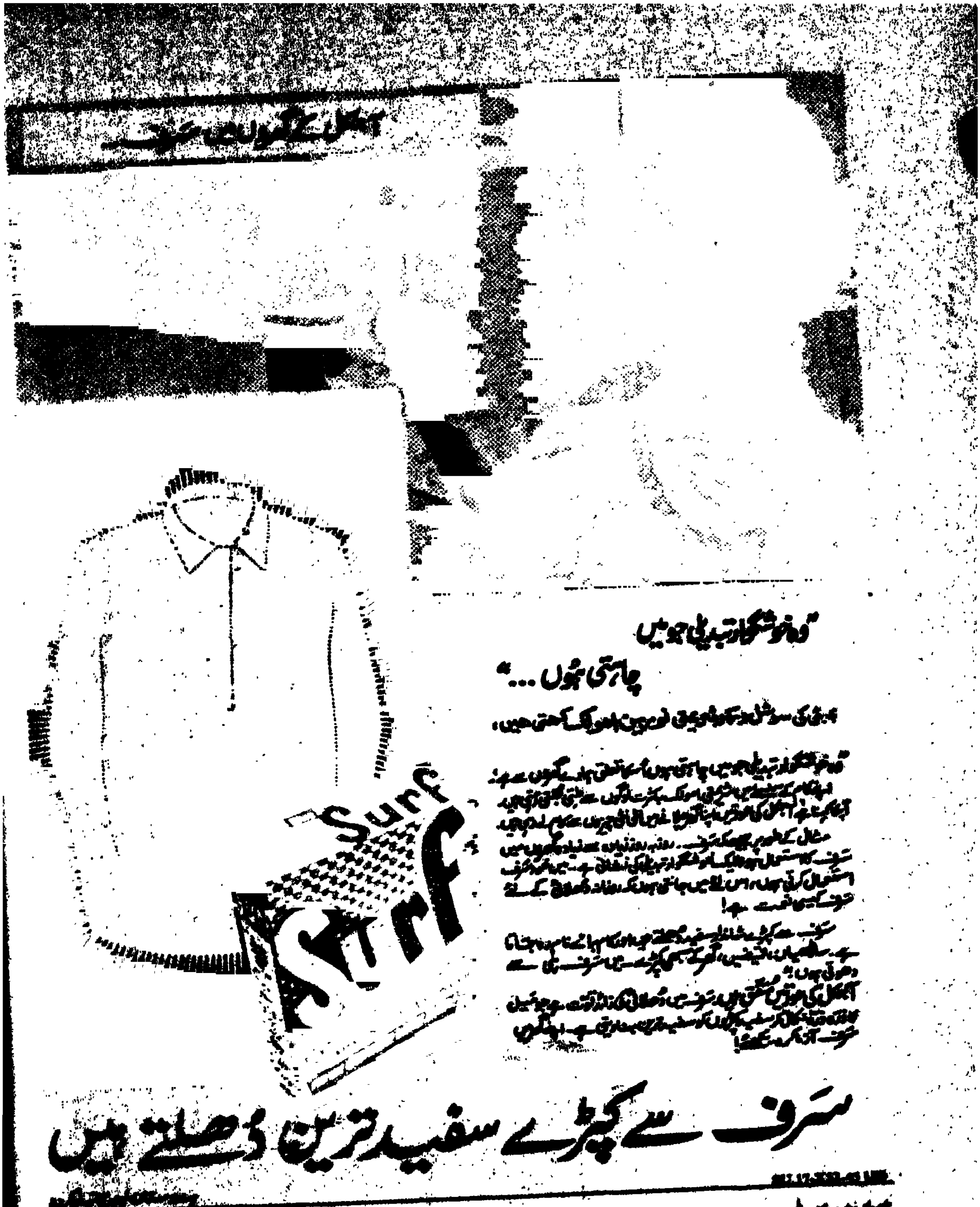
تمام عیش و عشرتِ جہاں سے بے نیاز ہیں
ہم اپنے دل میں دولتِ غمِ نہاں لئے ہوئے

ہزار شکر ہے کہ ہم نثارِ عشق ہو گئے
نہ جانے کتنے رہ گئے متاعِ جاں لئے ہوئے

نظر اٹھی نہ لب ہلے بالآخر ان کی بزم سے
ہم اٹھ گئے خیالِ سعیِ رائیگاں لئے ہوئے

ترے لئے دلِ حزیں کہیں مگر سکوں نہیں
پھرا کئے ہیں ہم تجھے کہاں کہاں لئے ہوئے


نکھری رنگت
"HAZELINE' SNOW"
"ہیزلین' اسنو"
ٹریڈ مارک
ایک بروز ویلکم پروڈکٹ


"وہ خوشگوار تبدیلی جو میں
چاہتی ہوں..."
Surf
سرف سے کپڑے سفید ترین دھلتے ہیں

افسانہ

جہاں پھول کھلتے ہیں

نکہت اقبال بی۔اے۔بی۔ٹی

۷۲۔ لال کنواں۔ لکھنؤ۔ یو۔پی

۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء

خوش تر بھائی جان! تسلیم

میرے لئے یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ میں "بیسویں صدی" کے لئے اپنے وطنِ عزیز کی فضاؤں میں بیٹھی کہانی لکھ رہی ہوں۔ سچ کہتی ہوں میں پھولے نہیں سما رہی ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے اور میرے وطن کا اعجاز ہے کہ کہانی بھی میرے وطن کی طرح بہت ہی حسین ہے۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور "بیسویں صدی" کے پڑھنے والوں کو بھی۔ "چینی کی پیالی" اگرچہ ٹوٹ گئی۔ پھر بھی سب کو بہت پسند آئی۔ بہت سراہی گئی۔ سراہنے والوں کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں ——— مجھے تو دہلی آنے کی اجازت نہیں ملی۔ اسلئے آپ ہی اپنی بہن سے ملنے کے لئے آجایئے۔ کیا بھائی بہن سے ملنے نہیں آتے؟ مانا کہ آپ بے حد مصروف ہیں لیکن بہن کے لئے وقت نکالنا ہی پڑے گا۔ اگر آپ نہیں آئے اور میں چلی گئی ——— تو یاد رکھیئے کہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور آپ پر پاپ چڑھے گا۔ بھابی صاحبہ سے بھی ملنے کے لئے تڑپ کر رہ گئی۔ اب ویزا میں دہلی بھی شامل کر لوں گی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں اجازت نہ مل سکے گی۔ ۔ ۔ ۔ بچے کیسے ہیں؟ مجھے یاد کرتے ہیں یا نہیں؟ انھیں پیار اور بھابی جان کی خدمت میں دست بستہ تسلیم۔

جواب کی منتظر، آپ کی بہن ——— نکہت اقبال

کمپارٹمنٹ میں صرف دو آدمی تھے اور ایک دوسرے کے ہم سفر تھے۔

اوّل درجہ کے کمپارٹمنٹ کی دائیں اور بائیں برتھ گھری تھیں۔ صرف درمیان کی برتھ خالی تھی۔ دائیں برتھ پر ایک نیم دراز سول آفیسر مطالعہ میں منہمک تھا۔ بائیں برتھ پر ایک بھاری بھرکم فوجی آفیسر سگار جلانے میں مصروف تھا۔ گاڑی بہت تیز رفتار کے ساتھ شور مچاتی چلی جارہی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں فوجی آفیسر سگار پی رہا تھا۔ دھوئیں کے دائرے بن اور بگڑ رہے تھے۔ اور سول آفیسر کتاب میں کھویا ہوا تھا۔

اچانک فوجی آفیسر اپنا بھاری بھرکم جسم سمیٹ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کوشش نے سول آفیسر کی توجہ کتاب سے ہٹادی۔ اور وہ اپنے فوجی ہمسفر کو بغور دیکھنے لگا۔ فوجی آفیسر کے جسم سے زیادہ قابلِ توجہ اس کا پیر تھا جو گھٹنے سے کٹا ہوا تھا۔ اسی لئے فوجی آفیسر بیساکھیوں کے سہارے چلتا تھا۔ اس وقت وہ ٹوائلٹ روم کی طرف جارہا تھا۔

ٹوائلٹ روم کی طرف بڑھتے ہوئے فوجی آفیسر نے اپنے ہم سفر کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"فوجی بااخلاق نہیں ہوتے۔ اسی لئے آپ کے مطالعہ میں خلل انداز ہوا۔"

"کوئی بات نہیں!"

سول آفیسر نے مسکرا کر بہت ہی خوش اخلاقی سے جواب دیا۔ فوجی آفیسر بیساکھیوں کے سہارے اپنے ہوئے بھدے جسم اور اپنے کٹے ہوئے پیر کو لئے ٹوائلٹ

مُدم کی طرف [illegible] پہیوں کی کھٹ کھٹ کی آواز گاڑی کے شور میں گم ہو چکی تھی سول آفیسر نے کتاب رکھ دی۔ اور اپنے فوجی ہمسفر کے متعلق سوچنے لگا۔ ویسے تو فوجیوں کے متعلق خود اُس کی رائے زیادہ اچھی نہ تھی۔ کیونکہ فوجی واقعی خوش اخلاق نہیں ہوتے۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جس ماحول میں رہتے ہیں وہ انھیں خوش اخلاق نہیں رہنے دیتا۔ لیکن یہ فوجی آفیسر اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اپنے ماحول سے متاثر نہیں ہے۔ ورنہ اس طرح معذرت خواہ کیوں ہوتا؟ یہی وجہ تھی کہ وہ فوجی آفیسر کے متعلق دوسرے انداز سے سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ شاید آزادی کے بعد جہاں ہماری فوج میں شجاعت اور احساسِ فرض بیدار ہو گیا ہے وہیں ہندوستان کی روایتوں نے بھی اپنا کام کیا ہے!

اگر ہم کسی کے متعلق اچھا خیال کریں۔ تو اُس کی ذات اور شخصیت پر بھی ہماری نظریں اٹھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سول آفیسر جو اب تک فوجی ہمسفر کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے تھا، اب اُسی کے متعلق غور کر رہا تھا۔ خاص طور پر اُس کے کٹے ہوئے پیر کے متعلق۔ فوجی آفیسر کا پیر یقیناً اپنے فرض کی ادائیگی میں کٹا ہوگا۔ لیکن پیر کے کٹ جانے کا فوجی افسر کو ذرا بھی ملال نہ تھا۔ بلکہ وہ خوش نظر آ رہا تھا۔ فوج کی اخلاقی بلندی کا کتنا روشن ثبوت تھا!

سول آفیسر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس فوجی آفیسر کے ساتھ سفر کرنا اُنہیں ہے کہ اچانک دروازہ کھلا اور فوجی آفیسر ہنستا ہوا بیساکھیوں کے سہارے کمپارٹمنٹ میں آیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ یقیناً میرے پیر کے متعلق غور کر رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں! ایک ہم سفر کا یہ بھی فرض ہے!"

اس جملے پر فوجی آفیسر بیساکھیوں پر جسم کا سارا زور ڈال کر قہقہہ لگانے لگا۔ اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

"فرض کا یہ انوکھا روپ آج تک مجھ سے پوشیدہ رہا تھا۔"

سول آفیسر نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی ماتحت ہو یا افسر اُسے انسان ہونا چاہئے۔ یہ احساس انسانیت کے تحت لازمی تھا!"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں!" فوجی آفیسر نے برتھ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اسی

لئے جب میرا پیر مجھ سے روٹھا تھا، دشمن وقت مجھے [illegible]

یہ کہہ کر وہ برتھ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"سگار حاضر ہے!"

"شکریہ!" جواب ملا۔ "میں سگریٹ کا عادی ہوں!"

"آپ کی منزل کہاں ہے؟"

"میں پٹھان کوٹ جاؤں گا۔ اور آپ کی منزل؟"

"میں سری نگر جا رہا ہوں۔ لیکن پٹھان کوٹ میں ہی اتر جاؤں گا!"

"ٹرین سے نہیں جایئے گا؟"

"کار سے جاؤں گا۔ کچھ دوست مجھے لینے کے لئے پٹھان کوٹ آ جائیں گے۔"

چند لمحوں میں سگریٹ اور سگار کا دھواں کمپارٹمنٹ میں باہم گھل مل گیا۔

خاموشی اچانک ٹوٹ گئی۔

فوجی آفیسر نے پوچھا۔

"اس وقت سے میں آپ کو پہچان رہا ہوں۔ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا؟!" سول آفیسر نے چونکتے ہوئے کہا۔ "کہاں؟"

"کیا آپ کبھی ڈیرہ دون میں بھی رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ میں وہاں اے۔ ڈی۔ ایم رہ چکا ہوں!"

فوجی آفیسر خوش ہو کر کہنے لگا۔

"آپ کا نام کمار ہے؟"

"جی ---!"

"آپ نے مجھے کیوں نہ پہچانا؟" فوجی آفیسر نے کہا۔ "ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔ میرا نام ستیندر شرما ہے! ---- میں ڈیرہ دون میں فوج کا انچارج رہ چکا ہوں!"

چند لمحے گزر گئے۔

ٹرین آگے بڑھ چکی تھی۔

اچانک کمار ہنستا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور فوجی آفیسر کی برتھ کی طرف آتے ہوئے کہنے لگا۔

"معاف کیجئے گا ستیندر شرما صاحب! میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ بات یہ ہے

"آپ بہت بدل چکے ہیں۔"

دونوں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملائے۔ اس لئے کہ دونوں اب تک ہم سفر ہی تھے۔ اور اب پرانے دوست بھی نکلے۔ سفر میں پرانے دوستوں کا مل جانا ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔

"دہرہ دون مجھے بہت پسند تھا۔" فوجی آفیسر شرما نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بہت پُرفضا مقام ہے۔ آپ اب کہاں ہیں؟"

"آجکل بنارس میں ہوں اور ڈی ایم ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟"

"میں کلکتہ میں ہوں۔ پہلے کپتان تھا۔ اب بریگیڈیئر ہوں۔"

پرانی باتیں اور پرانی ملاقاتیں یاد آئیں۔ ایک ایک بات دہرائی گئی جیسے ٹوٹا ہوا… گیا۔ قہقہے اُڑتے رہے۔ ساتھ کھانا پینا ہوا۔ کمار نے اپنے دوست کو بتایا کہ وہ رخصت پہ جا رہا ہے۔ ایک عزیز کی شادی ہے۔ پھر اپنے بے تکلف دوست شرما سے پوچھا۔

"تم کیوں جا رہے ہو؟"

شرما نے مسکرا کر تیز نگاہوں سے کمار کو دیکھا۔ چند لمحے توقف کیا پھر کہا۔

"گھومنے!"

"اِس پاؤں پر کیا آفت آئی تھی؟"

"ٹوٹ گیا تھا۔"

شرما نے ہنستے ہوئے سرسری طور پر کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں اِس جسمانی نقصان پر ملال تک نہیں ہے۔"

بریگیڈیئر شرما نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

"ہونا بھی نہیں چاہئے۔"

"کیا تمھارا پاؤں نہیں تھا؟!"

"میرا پاؤں کٹ گیا اسی لئے تو مجھے ملال نہیں۔ اگر وطن کا پاؤں ٹوٹ جاتا تو میں اب تک زندہ بھی نہ رہتا۔"

یہ کہہ کر بریگیڈیئر شرما اور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

رات گئے تک دونوں قہقہے لگاتے رہے۔ باتیں کرتے رہے۔ جب رات بھیگنے لگی تو کمار نے کہا۔

"کیا ارادہ ہے، سونا نہیں ہے؟"

"جب میں کشمیر جاتا ہوں تو سوتا نہیں ہوں!"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں!"

یہ کہہ کر بریگیڈیئر شرما مسکرا دیا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد آخر کمار نے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے؟"

بریگیڈیئر شرما نے مسکراتے ہوئے لیکن چونک کر کمار کو دیکھا۔ جو تکیہ سے مُنہ چھپا کر اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بریگیڈیئر شرما نے پوچھا۔

"وہ کون؟"

"کیا بھول گئے؟"

"کیسے؟"

"اپنی محبت کو…"

یہ کہہ کر کمار اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ کمار کے چہرے کی حالت کیا ہے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"محبت کبھی مرتی نہیں۔"

چند لمحے کمار سناٹے میں رہا۔

پھر اُس نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ محبت غیر فانی ہوتی ہے۔"

"بھئی کیا شادی ہو گئی؟"

"نہیں۔" بریگیڈیئر نے فوراً کہا۔ "میں نے شادی نہیں کی اور نہ کروں گا۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"بھئی اِس میں نہ سمجھنے کی کیا بات ہے؟" بریگیڈیئر شرما نے کمار کو گھورتے ہوئے کہا۔ "محبت کرنے والے ناکام رہتے ہیں تو شادی نہیں کرتے۔ میں نے بھی یہی کیا۔

"محبت میں ناکام رہنے والے پھر کامیاب کیسے ہو سکتے ہیں؟"
بریگیڈیئر شرما نے سگار کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "میری طرح... میں ناکام ہونے کے باوجود کامیاب ہوں!"
"وہ کیسے؟"
"میں اپنی محبوبہ سے ملنے جا رہا ہوں۔ کہیں بھی ہوں۔ موسم بہار میں کشمیر جانا میرے لئے اٹل ہے۔"
"وہ کشمیر میں ہے!"
"ہاں اُس کی شادی ہو گئی ہے۔ اُس کا شوہر کشمیری ہے اور ڈاکٹر ہے۔"
کمار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔
اسی لئے وہ لمبے لمبے کش لگانے لگا۔
بریگیڈیئر شرما بے چینی سے دیکھ رہا تھا۔ آخر اُس نے کہا۔
"یاد ہو گا انگبیں سے میری ملاقات دہرہ دون میں ہوئی تھی۔ ایک سرکاری پارٹی میں۔ کیونکہ اُس کا باپ پولیس کپتان تھا۔ مجھے انگبیں بہت پسند آئی تعلیم یافتہ اور مہذب تھی۔ حسین تھی پھر بھی نہایت سادگی پسند تھی۔ پھر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے محبت تھی۔ قدرتی انداز میں محبت پرورش پانے لگی۔ لیکن ایک وقت آیا جب مذہب بیچ میں آ گیا۔ ہم دونوں نے حل نکال لیا۔ طے ہوا کہ انگبیں بیاہ کر کشمیر جائے اور میں اُس سے محبت کرتا رہوں۔ اِس لئے محبت کو شکست ہونے کے باوجود شکست نہیں ہوئی۔ اسی بنا پر میں نے کہا کہ محبت مر نہیں سکتی۔ محبت زندگی کا نام ہے۔ موت سے اُسے واسطہ نہیں۔"
کمار نے رومال سے پیشانی پونچھی۔ اور آہستہ سے کہا۔
"تم اپنی محبوبہ سے ملنے جا رہے ہو؟"
"ہاں! ہر سال جاتا ہوں!"
"اور اُس کا شوہر؟"
بریگیڈیئر شرما نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"وہ میرا دوست ہے! —— بھائی ہے!!"
"واقعی؟"

"پٹھان کوٹ چل کر دیکھ لینا!" بریگیڈیئر شرما نے مسکراتے ہوئے [illegible]
ہم دونوں نے سچے اور مخلص دوستوں کی طرح ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اِس انگبیں نے اپنے شوہر کو سب کچھ بتا دیا۔ اُس کا شوہر بڑا انسان ہے۔ انگبیں وفادار ہے۔ اِس لئے اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ میں وہ [illegible] محبت محبت سے ملتی ہے۔ ہنستی بولتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ مجھے انگبیں کے بچوں سے بے حد محبت ہے۔ اُس کے دو انتہائی حسین بچے ہیں۔ وہ دو میرے ہیں۔ مجھے یاد کرتے رہتے ہیں۔"
"عجیب بات ہے!"
بریگیڈیئر شرما نے تیوریاں چڑھا کر پوچھا۔
"کیوں، عجیب بات کیوں ہے؟"
کمار نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔
"جس ملک میں مذہب کے نام پر انسان گنتی کی جاتی رہی ہو [illegible] کا چراغ جلے اور روشنی پھیلائے واقعی تعجب خیز بات ہے!"
بریگیڈیئر شرما نے کہا۔
"وہ وقتی آندھیاں تھیں۔ پھر چراغ جلانے والے تو [illegible] جلا لیتے ہیں۔ وہ محبت کرنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ ہم نے بھی [illegible] نہ ہوتا تو کشمیر میں آج اندھیرا نہ ہوتا...."
کمار اب مطمئن نظر آتا تھا۔
یہ سوچ کر خوش تھا کہ ہندوستان میں اب [illegible] پھیل جائے گی۔
جب پٹھان کوٹ قریب آ گیا تو بریگیڈیئر [illegible] تھا۔ وہ بار بار جھانک کر دیکھتا اور پوچھتا۔
"کیا ٹرین کی رفتار کچھ کم ہو گئی ہے؟"
حالانکہ رفتار میں کوئی کمی [illegible]
آخر گاڑی پٹھان کوٹ سے جنکشن پہنچی
بریگیڈیئر شرما نے باہر جھانک کر دیکھا [illegible]
بچوں نے چلا کر کہا ——

"برگیڈیئر چاچا آ گئے!"

اور یہ کہہ کر کمپارٹمنٹ کی طرف دوڑے۔

برگیڈیئر شرما نے انھیں گود میں اٹھا لیا۔ چٹاچٹ پیار لینے لگا۔ اور کہنے لگا۔

"کیسے ہو منّو؟ —— کیسی ہو مُنّی؟"

منّو اور مُنّی پیار کرنے کے بعد گلے لگ چکے تھے اور پوچھ رہے تھے۔

"ہمارے لئے کھلونے لائے ہیں؟"

"بہت سے کھلونے لایا ہوں!"

اچانک کمار نے دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان عورت کھڑکی کے پاس آئی اور مسکرا کر کہنے لگی۔

"ہٹاؤ منّو چاچا کو ستاؤ نہیں!"

برگیڈیئر شرما نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے تسلیم کی۔

اس نے پوچھا۔

"کیسی ہو انگبیس؟"

"اچھی ہوں!" وہ بولی۔ "بہت انتظار کرایا آپ نے؟!"

ڈاکٹر اندر آیا۔ دونوں گلے ملے۔ ڈاکٹر نے سامان اتروایا۔ برگیڈیئر شرما کمار کو بھول کر پلیٹ فارم پر جا چکا تھا۔

بچے خوش تھے۔

اور انگبیس مسکراہٹیں بکھیر رہی تھی! اور کہہ رہی تھی۔

"چلئے، کار موجود ہے، دیر نہ کیجئے، آپ تھک گئے ہوں گے۔"

برگیڈیئر شرما اپنی محبوبہ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر! کیا بات ہے، انگبیس کے چہرے پر زردی کیوں ہے؟"

"آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں!"

انگبیس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور اس کے گالوں پر دونوں طرف خوبصورت گڑھے ابھر آئے۔

"اچھا گھر چلئے۔ پھر انگبیس کو سزا دے لیجئے گا۔"

برگیڈیئر شرما نے بیساکھیوں کے سہارے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"واقعی سزا دوں گا۔ انگبیس مجھتی نہیں۔ کہ اگر یہ نہیں مسکرائے گی نہیں تو کشمیر میں بہار کیسے آئے گی —— ؟"

سب ہنسنے لگے ——

برگیڈیئر —— انگبیس —— اور خود ڈاکٹر —— !

کمار نے لمبی سانس لیتے ہوئے خود سے کہا۔

"واقعی جہاں انگبیس جیسی عورتیں ہوں، وہاں بہار نہ آئے گی تو کیا خزاں آئے گی؟!"

یہ کہہ کر کمار نے اپنا سامان قلی کے حوالے کیا —— اور کمپارٹمنٹ سے نکل گیا —— !

●●

غزلیں

ضیا فتح آبادی ایم۔اے

ساغر سے ساغر ٹکرانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے
پینا اور پی کے بہک جانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

انساں تو خوابوں میں گم ہے کیا اس کی سمجھ میں آئے گا
جنت کھو کر دنیا پانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

ہوش اور خرد کو کھو کر ہی عرفانِ محبت ہوتا ہے
یہ دل کا تڑپنا تڑپانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

تاروں سے پلٹ کر ذرّوں پر اُس شوخ کی نظریں ٹھہری ہیں
بگڑی ہوئی قسمت بن جانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

اظہارِ طلب سے پہلے ہی دیوانۂ غم خاموش ہوا
اور اُن کا یہ ہنس کر فرمانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

یہ رمز و کنایہ کی باتیں یا وہ سمجھے یا میں سمجھا
کلیوں کا کھلنا مرجھانا کچھ بات نہیں کچھ بات بھی ہے

نسیم عباسی امروہوی

حدیثِ گیسو و رُخ شام اور سحر تو نہیں
جمالِ یار کی بات اتنی مختصر تو نہیں

کبھی جو میری نظر کہکشاں پہ جاتی ہے
تو سوچتا ہوں یہی اُن کی رہگزر تو نہیں

ہمارا حال جلیسوں سے پوچھنے والے
ہمارے حال سے تُو اتنا بے خبر تو نہیں

غمِ حیات کا شکوہ بجا سہی یارو!
غمِ حیات سے لیکن کوئی مفر تو نہیں

نہ جانے کیوں مری آنکھوں میں آ رہے ہیں اشک
خدا نخواستہ اُن کی بھی آنکھ تر تو نہیں

میں اپنی خوبیٔ قسمت کی بات کہتا ہوں
خطا معاف! یہ الزام آپ پر تو نہیں

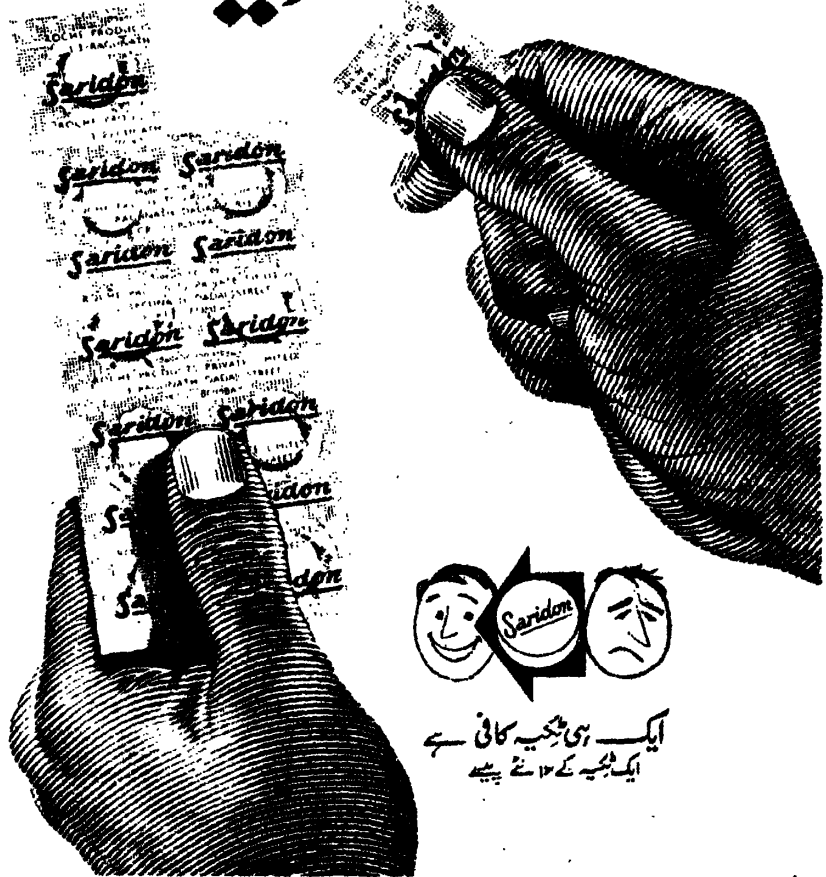
اختر آنولوی

قابو زباں پہ ہے نہ دل اختیار میں
یہ حال ہو گیا ہے غمِ روزگار میں

اے پیکرِ جمال کبھی سامنے تو آ
سجدے تڑپ رہے ہیں ترے انتظار میں

ہر داغِ دل کا پھول کے سانچے میں ڈھل گیا
اختر نے تیرا نام لیا جب بہار میں

دَرد اورٹیس میں سیریڈون لیجئے



ایک ہی ٹکیہ کافی ہے
ایک ٹکیہ کے ۱۷ نئے پیسے

JWT.VT. 2000

سیریڈون دَرد اورٹیس میں جلد آرام پہنچاتی ہے۔ بیک وقت اپنے تین قسم کے اثرات کی بدولت سیریڈون دَرد دُور کرتی ہے، آرام پہنچاتی ہے اور تازگی بخشتی ہے۔ سر میں دَرد، بدن میں درد، دانت میں درد، حرارت یا طبیعت میں بےچینی محسوس ہوتے ہی سیریڈون لیجئے... اس سے آپ کو جلد اور یقینی آرام ملے گا اور کوئی نقصان بھی نہ پہنچے گا۔ سیریڈون کی ایک ٹکیہ بالغوں کے لئے پوری خوراک ہے۔ بچوں کے لئے ½ سے ¼ ٹکیہ کافی ہے۔

'روشن' کی تیار کردہ
سول ڈسٹری بیوٹرز: وولٹاس لیمیٹڈ

ایک اسکٹ

آرٹ

سلام مچھلی شہری

ڈی۔جی۔ ۸۱۹۔ سروجنی نگر۔ نئی دہلی ۳

۱۴ر اپریل ۱۹۶۱ء

ڈیر خوشتر!

معاف کرنا، وعدے کے باوجود اُس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کے لئے تمھارے دفتر نہ آسکا۔ ویسے تم سے ملاقات تو ہو ہی گئی۔ اور بڑی دل کش فضاؤں میں۔ اِن دنوں دلی میں بڑے بڑے ادبی اور ثقافتی ہنگامے رہے۔ یس کونسل کے جلسے، ترقی پسند مصنّفین کا شبِ افسانہ اور مشاعرہ، انڈو پاک کلچرل کانفرنس اور دو بڑے مشاعرے اور پھر رنگ برنگی پارٹیاں اور ادبی نشستیں۔ عجیب صورت تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اِن ہنگاموں سے الگ رہوں۔ بعض لوگ خود مجھ سے الگ رہنا چاہتے تھے اور بعض جگہ میرا جانا بہت ضروری تھا۔ بہر حال مصروف ہی رہا اور تھکا تھکا سا بھی۔ اب جبکہ کچھ فرصت ہے مجھے تمھارے دفتر ہی آنا چاہیئے تھا۔ لیکن ایک ضرورت سے آج ہی الہ آباد جانا ہے۔ سوچا، خط ہی لکھ دوں۔ اُس مسئلے پر گفتگو پھر ہوگی۔ اِس وقت تو اُس کامیاب پارٹی پر میری جانب سے مبارک باد قبول کرو۔ پارٹیاں تو بہت ہوئیں۔ "مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی"۔ خوب، خوشتر صاحب مقرر بھی ہیں اور اچھے خاصے جذباتی مقرر! بقول ابن انشار (جو پاکستانی وفد کے ایک اہم ممبر تھے) جب تم نے سالک صاحبؒ اور لاہور کا ذکر کیا تو سب پر رقت طاری ہوگئی۔ میرزا ادیب، ابراہیم جلیس، کرشن چندر اور شوخ و معصوم افسانہ نگار خاتون واجدہ تبسم نے جس انداز سے تمھارا اور "بیسویں صدی" کا ذکر کیا تھا، اُس میں بڑی صداقت اور خلوص تھا۔ روزنامہ "الجمعیۃ" کے نمائندے ڈاکٹر قادری نے بھی ٹھیک ہی کہا تھا۔ "انڈو پاکستانی کلچرل کانفرنس کا انعقاد ایک نیک فال ہے۔ خدا کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔ اِس مقصد کے لئے کچھ ادبی ادارے اور شخصیتیں بھی اپنے طور پر نمایاں کام کر رہی ہیں۔ اُن میں "بیسویں صدی" اور اِس کے ایڈیٹر خوشتر گرامی پیش پیش ہیں" تمھاری طرف سے دی گئی پارٹی میں مجھے کچھ لائٹ پیجز بھی نظر آئے۔ اُن میں ایک خاتون کا ساحر کے ساتھ تصویر کھنچوانے پر اصرار کرنا بہت دلچسپ تھا۔ اِس سے صنفِ نازک میں ساحر لدھیانوی کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خدا انھیں اور اُن کی شاعری کو سدا بہار رکھے۔ اچھا اب اجازت دو۔ الہ آباد سے واپسی کے بعد ملاقات ہوگی۔ ہاں بہت دن ہوئے تمھیں ایک مختصر ترین اسکٹ "آرٹ" بھیجا تھا۔ کیا اُسے کہیں رکھ کر بھول گئے ہو؟ تمھارا اپنا — سلام مچھلی شہری

لڑکی۔ (ذرا فاصلے سے آتے ہوئے) خوب! آج تو کسی کتاب کا مطالعہ کیا جارہا ہے
لڑکا۔ (چونک کر) اوہ تم! بخمہ، یہ اچانک صبحِ بہار کا رُخ اِدھر کیسے ہوگیا؟

لڑکی۔ بس یونہی، ذرا اُلجھی ہوئی ہوں۔ (رُک کر) ہاں تم نے اِس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟

لڑکا۔ (کتاب بند کرتے ہوئے) شیلے کی نظمیں۔ واہ! کتنی سچی بات کہی ہے "ہمارا سب سے حسین نغمہ وہی ہے جو ہمیں تصورِ غم سے دوچار کر دے!"

لڑکی۔ حالانکہ شاعر یہ کہتے ہوئے خود کسی تصورِ نشاط میں ڈوبا ہوا ہوگا (رُک کر) کیا کیا جائے، سب لوگ، ساری دُنیا بس ایک خوب صورت تصنع ہے۔ اور کچھ نہیں۔

لڑکا۔ تم واقعی جھلائی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔

لڑکی۔ (تیز ہوکر) میں کہتی ہوں آرٹ کی ترقی ضرور ہے لیکن یہ بھی کیا کہ آج کل کے سب لوگ بلکہ سب چیزیں تصنع اور بناوٹ کا حسین نمونہ بن جائیں اور بس۔

لڑکا۔ ذرا اپنا خیال واضح کرو!"

لڑکی۔ (تیز ہوکر) خیالوں میں بھی اب صداقت کے وہ جوہر نہیں رہے۔

لڑکا۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہا ہوں۔

لڑکی۔ (تیز ہوکر) سمجھ کی لہریں بھی پردۂ ذہن سے نکلنے کے بعد باوٹ ہوتی جا رہی ہیں۔

لڑکا۔ معلوم ہوتا ہے تم کسی سے جھگڑ کر آئی ہو۔

لڑکی۔ جھگڑے بھی آجکل مصنوعی ہو گئے ہیں۔ (رُک کر) اِس "سیاسی آرٹ" کی بہترین مثال تمھیں روزناموں کی سرخیوں سے ہر صبح مل جائے گی۔

لڑکا۔ آخر ہوا کیا؟

لڑکی۔ (تیز ہوکر) یہی کہ میں تنگ آگئی ہوں۔ اِس نمائش، تصنع، اِس خوب صورت فراڈ سے۔

لڑکا۔ خدا کے لئے کچھ بتاؤ تو میرا دم گھٹنے لگا ہے۔

لڑکی۔ (اور بھی تیز ہوکر) بات ہی دم گھٹا دینے والی ہے۔ میں نے کہا ہے کہ میں بہت اُلجھی ہوئی ہوں، پریشان ہوں۔ بلکہ مجھے غصہ ہے، سخت غصہ!!

لڑکا۔ یہی تو میں بھی پُوچھ رہا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟

لڑکی۔ (اور بھی تیز ہوکر) اُف، حد ہوگئی۔ ہر چیز میں بناوٹ، ہر چیز میں ملاوٹ، ہر چیز میں فریبی تصنع!! ہماری ساری کے لئے جاؤ تو نقلی سلک، فونٹین پین خریدنے جاؤ تو وہ بھی جاپان کا نمونہ، روزمرہ کے استعمال کی چیزیں خریدو تو ملاوٹ کی شکایت نکلا۔ حد ہوگئی۔

لڑکا۔ خدا کی قسم میں اب بھی نہیں سمجھا۔

لڑکی۔ (تیز ہوکر) واقعی خورشید! تم ضرورت سے زیادہ معصوم ہو۔ (رُک کر) میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ سائنس کی ترقی سر آنکھوں پر لیکن ایسا بھی کیا، ہوا، بارش، یہاں تک کہ —— یہاں تک کہ چاند اور ستارے بھی مصنوعی!

لڑکا۔ نہیں، ایسا تو نہیں ہے۔

لڑکی۔ نہیں ہے تو ہو جائے گا۔ خیر میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آج جب (ہر لفظ کھینچ کر اور زور دے کر بولتی ہے) میں بازار گئی تو پتہ نہیں کیا ہوا، ایک عورت اور اُس کی سجاوٹ دیکھ کر میں دنگ رہ گئی!

لڑکا۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ تم سے زیادہ حسین ہرگز نہ ہوگی۔

لڑکی۔ ارے سُنو تو سہی —— اور جب میں نے اپنے پُر اشتیاق ہاتھوں سے اُسے چُھو کر دیکھا تو معلوم ہے کیا پتہ چلا؟

لڑکا۔ یہی کہ وہ ایک مرمریں جسم کی مالک تھی۔

لڑکی۔ نہیں میرے بھولے خورشید! وہ بھی مصنوعی آرٹ کا بہترین نمونہ تھی۔

لڑکا۔ واقعی حد ہوگئی۔

لڑکی۔ اور پھر جب میں ایک کتابوں کی دوکان پر گئی تو بڑی خوبصورتی سے سجائی ہوئی ایک کتاب دیکھ کر پھڑک اُٹھی۔ جانتے ہو وہ کونسی کتاب تھی؟

لڑکا۔ (سوچ کر) تمہاری محبوب کتابوں میں تو ـــــ میرا خیال ہے وہ ـــــ وہ شاید ـــــ (جملہ پورا نہیں کرتا)

لڑکی۔ جناب! اُس پر سنہرے حرفوں میں لکھا تھا "عمر خیام کی رباعیاں"

لڑکا۔ بے شک! وہ بہت بڑا شاعر تھا۔

لڑکی۔ مگر جب وہ جلد خرید کر میں دکان سے باہر نکلی اور ـــــ اور عالمِ اشتیاق میں ایک گوشے میں ٹھہر کر اُسے جلدی سے کھول کر رباعیاں دیکھنے لگی تو میرے غصّہ کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

لڑکا۔ کوئی دوسری کتاب تھی کیا؟

لڑکی۔ نہیں، صرف آڑی ترچھی، تنگ بدنگی لکیریں اور بے شمار چھوٹے بڑے نقطے!

لڑکا۔ واقعی یہ انتہائی غصّے کی بات ہے!

لڑکی۔ مگر ایک دو سیکنڈ کے لئے میں نے پھر بھی صبر سے کام لیا اور جلدی جلدی اُس کا پیش لفظ پڑھنے لگی۔ (رُک کر) خیر ہے پیش لفظ کا خلاصہ کیا تھا؟

لڑکا۔ اپریل فول، کیوں یہی تھا نا؟

لڑکی۔ یہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی (رُک کر) اُس میں فاضل مقدمہ نگار نے "ایبسٹریکٹ آرٹ" پر روشنی ڈالی تھی۔

لڑکا۔ میں اِس آرٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

لڑکی۔ اور پھر بھی فیشن کے طور پر شیلے کی نظمیں پڑھتے ہو۔ واقعی تم بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہو۔ (رُک کر) ہاں تو میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں نے غصّے میں وہ کتاب سڑک پر پھینک دی

لڑکا۔ یہ تم نے بُرا کیا۔

لڑکی۔ اور اُسی عالم میں تھوڑا سا سکون پانے کے لئے اِدھر آگئی تھی!

لڑکا۔ میری خوش نصیبی۔ آئی ہو تو ذرا بیٹھو اور مجھے اِس اچانک مسرّت پر ناز کرنے کا موقع دو۔ تم کیا آئیں فضا نکھر گئی۔

لڑکی۔ نہیں اب میں چلتی ہوں۔ تم شیلے کی نظمیں ہی پڑھتے رہو۔

لڑکا۔ اب کیا پڑھوں، ایک شعرِ مجسّم میرے سامنے ہے۔

لڑکی۔ نہیں اب مجھے جانا ہی چاہیے سخت کوفت میں ہوں ذرا آرام کرونگی۔ (تھوڑی دُور جاتی ہے)

لڑکا۔ ذرا سُنو تو!

لڑکی۔ (پھر پاس آکر) کہو۔

لڑکا۔ اگر جا ہی رہی ہو تو اپنے جوڑے کا یہ پھول مجھے دیتی جاؤ!

لڑکی۔ کیوں، کیا کروگے؟

لڑکا۔ ایک شہزادیٔ بہار کی اِس یادگار کو اپنے سینے سے لگائے رکھوں گا۔ اِس کی خوشبوؤں میں کھو کر غمِ حیات و غمِ دل پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔

لڑکی۔ (جوڑے سے پھول نکال کر دیتے ہوئے) خیر تم بھی کیا یاد کروگے۔ لو یہ رہا پھول! (تھوڑی دُور چلی جاتی ہے)

لڑکا۔ (تذبذب میں پھول کئی بار سونگھ کر پکارتے ہوئے) نجمہ! (پھر پکار کر) نجمہ!!

لڑکی۔ (دُور سے) کیا ہے؟

لڑکا۔ اِس میں تو خوشبو ہی نہیں!

لڑکی۔ پھول سونگھنے کے نہیں دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔

لڑکا۔ (باآوازِ بلند) لیکن یہ تو پلاسٹک کے ہیں۔

لڑکی۔ (اور بھی فاصلے سے) بتا تو چکی ہوں۔ یہ زمانہ بکا! وہ آرٹ کی ترقیوں کا زمانہ ہے ـــــ!! (ہنستی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے)

●●

ایجنٹ صاحبان پرچہ کی کمی و بیشی کی اطلاع ہر ماہ کی یکم تاریخ تک بھیج دیا کریں جو ہر حالت میں تین تاریخ تک ہمیں مل جانی چاہئے۔ اِس کے بعد آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ محکمۂ ڈاک کے نئے قانون کے مطابق رسالہ کی پوسٹنگ کی مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد رسالہ بھیجنے پر چھ گنا زیادہ محصول لگتا ہے۔ اِس لئے کسی ایجنٹ کو رسالہ دوبارہ بھیجنے سے ہم قطعی معذور رہتے ہیں؛

(منیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

غزلیں

شاہدہ سلطانہ ناز بی اے بی ٹی

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی
کیوں دعا با اثر نہیں ہوتی

چارہ گر کے اٹھائیں کیوں احساں؟
جب دوا کارگر نہیں ہوتی

جان لب پر ہماری آئی ہے
حیف اُن کو خبر نہیں ہوتی

ہے یہ عالم مرا کہ اب پہروں
مجھ کو اپنی خبر نہیں ہوتی

زندگی دھوپ ہے کبھی چھاؤں
کبھی یکساں بسر نہیں ہوتی

نازؔ مجھ کو نہ ہو غزل پر کیوں
کیا وہ سلکِ گہر نہیں ہوتی

صابر بوہری ایم۔ اے

وعدہ اُن کا کوئی وفا نہ ہوا
ہم سے پھر بھی کبھی گلہ نہ ہوا

اور ہوتے چلیں خدائی کے
خیر گزری کہ بُت خُدا نہ ہوا

دل نے لب تک تو بات پہنچائی
لب سے اظہارِ مدعا نہ ہوا

دوستی بھی ہے دشمنی اُن کی
جن سے اُلفت کا حق ادا نہ ہوا

ہو گئی حد خزاں نصیبی کی
فصلِ گُل میں چمن ہرا نہ ہوا

جامِ مے نے ڈبو دیا اُن کو
ظرفِ عالی جنھیں عطا نہ ہوا

اختر نظامی ایم اے بی ٹی

جب کبھی شغلِ بادہ ہوتا ہے
اور بھی غم زیادہ ہوتا ہے

جان کر کب وہ ظلم کرتے ہیں
ہر ستم بے ارادہ ہوتا ہے

اُن کے جلووں سے دل گلستاں ہے
حسن کہنے کو سادہ ہوتا ہے

دولتِ غم لُٹا رہا ہوں میں
کس کا دامن کُشادہ ہوتا ہے

دل کو احساسِ دردِ تنہائی
اُن سے مِل کر زیادہ ہوتا ہے

دیکھ کر حالِ میکدہ نظمیؔ
ترکِ مے کا ارادہ ہوتا ہے



روز بروز
نکھرا ہوا حسن و جمال
نئے ریکسونا کا
کمال!
ریکسونا کے استعمال سے آپکی جلد میں ایک دلآویز
شگفتگی و شادابی آجاتی ہے! اسکے مُلائم
جھاگ میں حسن افروز تیلوں کا ایک خاص مرکب
کیڈل مِلا ہے جو آپکی جلد میں رچ بس کر
آپکے رنگ روپ کو ایک نئی نزاکت، ایک
نیا حسن، ایک نئی کشش عطا کرتا ہے!
آپکو گھنٹوں تروتازہ رکھنے کے لئے ایک
مسرت خیز خوشبو میں رچا بسا ریکسونا آپکے
روزانہ غسلِ حسن کے لئے آدرش ہے!
Rexona
نئے رُوپ، نئے ہرے رنگ اور
نئے سرورق سے آراستہ ریکسونا
آپکے دل میں سما جائیگا!
نیا ریکسونا ... آپکی جلد کو رونق عطا کرتا ہے
RP. 169-X52-45 UD
ہندوستان لیور لمیٹیڈ نے ریکسونا پروپرائٹری لمیٹیڈ آسٹریلیا کے لئے ہندوستان میں بنایا۔

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ اور سطور کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھا کریں۔ نوآموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ لے لیا کریں۔ اگر وہ چاہیں کہ مرسلہ مضامین ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔

(ایڈیٹر)

شیخ چلّی کی واپسی

فکر تونسوی

واپس قبرستان کو ——— •

ناظرین والا تمکین! شیخ چلّی ہم سب سے زیادہ عقلمند نکلا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اِس دُنیائے فانی کو ایک بار پھر چھوڑ دے گا۔ اور پھر قبرستان میں جا کر سو جائے گا۔ ہم جنھوں نے ایٹم شکتی دریافت کی اور اپنی عقل کو مریخ اور چاند سے بھی آگے لے گئے۔ اب تک اِس دُنیا میں جیئے جا رہے ہیں۔ اِس کا دامن ہی نہیں چھوڑتے۔ اِس سے یوں چمٹے ہوئے ہیں جیسے چھپکلی شہتیر سے۔ سالہا سال سے زندگی کے اِس شہتیر سے چمٹے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم موت سے ڈرتے ہیں۔ اور شیخ چلّی موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ ہمارے درمیان ایک برس رہا۔ اور ایک ہی برس میں بور ہو گیا اور سمجھ گیا کہ اِس دُنیا میں زندہ رہنا ضروری نہیں ایک ہی برس کافی ہے۔ حیرت ہے کہ لوگ سو سو برس جینے کی تمنا کیوں کرتے ہیں۔ دُنیا تو صرف ایک ہی برس میں چھوڑی جا سکتی ہے۔

شیخ چلّی واقعی ہم سب سے زیادہ عقلمند نکلا کہ وہ قبرستان میں جا کر پھر سو گیا۔ ایٹم شکتی کی دریافت کے باوجود دُنیا ابھی تک وہی کی وہی ہے۔ دُنیا کی کوئی شہزادی آج بھی شیخ چلّی سے بیاہ کرنے پر تیار نہیں۔ ایٹم شکتی نے بھی کسی شہزادی کے دل میں محبت کی ایک چنگاری روشن نہیں کی۔

شیخ چلّی کے قبرستان واپس جانے کی کہانی یوں ہے۔

محبوبہ کے نام خط لکھوانے کے بعد وہ فٹ پاتھ پر چلنے لگا سر جھکائے اور آنکھیں بند کیے ہوئے۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے دل کی دُنیا ایک خالی ڈھول بن گئی ہے۔ پچھلے ایک برس کے تمام واقعات ایک ایک کر کے اُس کے دماغ میں یوں آنے لگے جیسے بسترِ مرگ پر کسی چور کو اپنے گناہ یاد آ رہے ہوں۔ کیا وہ ایک چور کی طرح دُنیا میں دوبارہ داخل ہوا تھا؟

نہیں نہیں نہیں! وہ تو ایک عاشق بن کر آیا تھا۔ عاشق اور چور میں تو بڑا فرق ہوتا ہے۔ چور تو اپنی ہر حرکت کو چھپاتا ہے۔ مگر عاشق اپنی ہر تمنا سب کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ تو پھر؟ تو پھر؟ میرے ساتھ چور ایسا سلوک کیوں کیا گیا مجھے عاشق کیوں نہیں سمجھا گیا؟

وہ آنکھیں بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

روتے روتے اُسے اپنی ماں یاد آ گئی۔

ہر بچے کو رونے وقت ماں یاد آتی ہے۔ شیخ چلّی لاکھ بے وقوف سہی لیکن پھر بھی ایک ماں کا بیٹا تھا۔

کاش! اُسے ماں مِل جاتی تو وہ اُس سے مشورہ کر لیتا کہ اب کیا کرے۔

ہر مشکل وقت میں ماں اُسے راستہ بتایا کرتی تھی۔ جب وہ مرنا چاہتا تھا تو بھی قبرستان کا راستہ اُسے ماں ہی نے بتایا تھا۔

اُس نے بے قرار ہو کر آنکھیں کھول دیں اور چاروں طرف اپنی ماں کو ڈھونڈنے لگا۔ سڑک اور فٹ پاتھ پر کتنی ہی عورتیں آ جا رہی تھیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی بھی اُس کی ماں نہ تھی۔ کسی کی آنکھوں میں ماں کی سی شفقت نہ تھی کسی کی آواز میں ممتا کا رس نہ تھا۔ کسی کے ہونٹوں پر پیار کی کپکپی نہ تھی۔ بلکہ سب کے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگی ہوئی تھی۔

اُس نے دُنیا بھر کی تمام ماؤں سے مایوس ہو کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی وہ آٹھ دس قدم ہی چلا تھا کہ کسی نے اُسے پکارا۔

"شیخ چلّی ———!"

اُس نے آنکھیں کھولیں۔ آواز مانوس تھی۔ چہرہ بھی مانوس تھا۔ اُس کے سامنے شری کھوسلے والا اپنی کار کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا رہے تھے

ایسی مسکراہٹ جیسی بکاہک کو دیکھ کر دکان دار کے ہونٹوں پر اُبھر آتی ہے۔

"ممنو!" شری کھوسٹ دیال نے اُسے اشارے سے بلا کر کہا۔ "اِدھر آؤ۔ کار میں بیٹھو!"

شیخ چلی نے کسی مسحور آدمی کی طرح حکم کی تعمیل کی۔ اور کھوسٹ دیال کے پہلو میں جا بیٹھا۔

کار اسٹارٹ ہو گئی۔

ایک دو منٹ خاموشی رہی۔ آخر شیخ چلی نے مُہرِ سکوت توڑی۔

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

"تھانے میں!"

"تھانے میں کیا ہوتا ہے؟"

"وہاں تم جیسے بھگوڑوں کو مُرغا بنایا جاتا ہے۔"

"میں تو انسان ہوں، میں مُرغا کیسے بن سکتا ہوں۔ کیا کبھی انسان بھی جانور بن سکتا ہے؟"

"ہاں تھانے والے بنا سکتے ہیں۔ اور پھر مُرغے کے پیٹ سے چوری کا تمام مال نکال لیتے ہیں۔ ابھی ابھی تمہارے پیٹ میں سے بھی چوری کا سارا مال نکل آئے گا!"

شیخ چلی نے کہا۔

"میں نے چوری نہیں کی۔ اِس لئے مجھے اُتر جانے دیجئے۔ اور جس نے چوری کی ہے اُسے پکڑئیے۔"

"تم ہمارے گھر سے دو ہزار روپے کے زیور چُرا کر بھاگ گئے۔ اور پھر دو دن تک واپس نہ آئے۔"

شیخ چلی یہ سُن کر پھر رونے لگا۔ اُس نے عمر بھر کسی کی چوری نہیں کی تھی۔ بلکہ ایک بار تو چوروں کے ساتھ مل کر اپنی بے وقوفی سے چوروں کو پکڑوا بھی دیا تھا۔ اِس جھوٹے الزام پر اُس کے پیٹ میں سے زیوروں کی بجائے آنسو نکل آئے۔

"دیکھ بے شیخ چلی کے بچے!" شری کھوسٹ دیال کا لہجہ یکدم خشونت آمیز ہو گیا۔ "میں اِن آنسوؤں کی پروا نہیں کرتا۔ تجھ سے جو مذموم حرکت سرزد ہو گئی ہے اُس کا واحد علاج یہی ہے کہ تجھے چوری کے الزام میں گرفتار کرا دیا جائے۔"

"میں نے کیا حرکت کی؟"

"تُو نے دنیا بھر میں مشہور کر دیا کہ تُو میری بیٹی سے عشق کرتا ہے۔"

"کیا عشق کرنا مذموم حرکت ہے؟"

"ہاں عزت دار خاندانوں میں عشق کرنا انتہائی مذموم ہے۔ یا تو تُو عشق کرنا ترک کر دے یا دو ہزار روپے کے زیورات کی چوری کے الزام میں قید ہونے کے لئے تیار ہو جا!"

"میں نے چوری نہیں کی صاحب!!"

شیخ چلی نے چیخ کر کہا۔

"لیکن تُو نے عشق تو کیا ہے؟"

"ہاں کیا ہے!"

"تو پھر تُو نے چوری بھی ضرور کی ہے!"

کار اچانک تھانے کے سامنے ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ تھانے کے باہر ایک کانسٹیبل بندوق تھامے کھڑا مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا۔ شیخ چلی اُس کی مونچھوں اور بندوق سے ڈر گیا۔ اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے واقعی زیور چُرائے ہیں۔ اگر بے گناہ آدمی ناتواں ہو تو وہ اپنی بے گناہی سے بھی خوف کھاتا ہے۔

شری کھوسٹ دیال نے اُس سے کہا۔

"نیچے اُتر۔ تھانہ آ گیا ہے!"

شیخ چلی نے ایک خوف زدہ دلیری سے کہا۔

"میں نہیں اُتروں گا۔ تھانے میں جا کر میں کیا کروں گا۔ نہ میں نے چوری کی ہے اور نہ چوری کے زیور میرے پاس ہیں۔ اگر تھانہ دار نے کہا کہ زیور کہاں ہیں نکالو، تو میں کہاں سے نکالوں گا۔"

شری کھوسٹ دیال بولے۔

"زیور نکلوانا تھانہ دار کا کام ہے۔ اور دیکھ! جب زیور نکل آئیں تو تجھے تھانہ دار کے سامنے ماننا پڑے گا کہ میں نے چوری کی ہے۔ اس لئے

قید کر لو!"

شیخ چلی کو یوں لگا جیسے یہ ایک دلچسپ تماشا ہے۔ دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ دوکان سے اُتر آیا۔ بندوق والے کانسٹیبل نے شری کھوسٹ دیال کو جھک کر سلام کیا۔ اُس نے شیخ چلی کو بھی سلام کیا۔ اور شیخ چلی یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ تھانے والے لوگ بعض اوقات چور کو بھی سلام کرتے ہیں۔

تھانیدار بھی ایک موٹا بھیل آدمی تھا۔ اُس کی توند دیکھ کر شیخ چلی کو خیال آیا کہ اِس میں ضرور چوری کے زیور ہوں گے۔

تھانے دار نے شری کھوسٹ دیال سے کہا۔

"ہوں! تو سیٹھ صاحب! یہ ہے وہ چور جس نے آپ کے زیور چُرائے ہیں؟"

"جی ہاں! یہی وہ ذاتِ شریف ہے!"

تھانیدار نے کانسٹیبل کو حکم دیا۔

"اِس کے ہتھکڑی لگا دو اور اِس کے سامان کی تلاشی لو!"

کانسٹیبل نے تلاشی لینی شروع کر دی۔ اور پانچ دس منٹ کی تلاشی کے بعد اُس کی گودڑی میں سے ایک طلائی انگوٹھی نکل آئی۔

شیخ چلی نے چیخ کر کہا۔

"مگر جناب! یہ تو میری محبت کی نشانی ہے۔ یہ میری محبوبہ کی انگوٹھی ہے یہ محبت ہے، چوری نہیں ہے!"

تھانیدار نے اُس کی گردن پر ایک ہنٹر جلاتے ہوئے کہا۔

"ابے بیسویں صدی کے مجنوں! ابھی تیری محبت کا کُھرکس نکالے دیتا ہوں ——— کانسٹیبل! اِسے دھوپ میں کھڑا کر کے مُرغا بناؤ۔ اِس سے کہو، بولے، کُکڑوں کوں ———"

شیخ چلی نے بیٹھے بیٹھے کہہ دیا۔

"کُکڑوں کوں ——— !"

تھانیدار کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ جو فوراً سنجیدگی کے بوجھ تلے دب کر مر گئی۔ کانسٹیبل نے شیخ چلی کو پکڑا۔ شیخ چلی رونے لگا اور کہنے لگا "ماں! ——— ماں! ——— ماں!" لیکن تھانیدار کا دل نہ پسیجا۔ کیونکہ اُس کے دل میں نہ ماں تھی نہ باپ تھا۔ صرف تھانیدار بیٹھا تھا۔ لیکن شری کھوسٹ دیال کو اُس پر رحم آگیا۔

وہ بولا ———

"تھانیدار جی! اِسے مُرغا نہ بنائیے۔ اِس نے چوری ضرور کی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کسی کے بہکانے میں آگیا ہے۔"

آنکھیں

دیکھ لیں آپ گلستاں ابھی مے خانہ بنے
آنکھ جس پھول پہ ڈالیں وہی پیمانہ بنے ——— مقدر

آنکھ اُس نے اپنی دیکھ کے آئینہ میں کہا
بیمار سب بتاتے ہیں اچھی بھلی تو ہے ——— امیر

سبھی خوبیاں ہیں اِن آنکھوں میں تیری
مروت جو شے ہے وہ کم دیکھتے ہیں ——— غالب

آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں کہ تم ہو ہماری نگاہ میں ——— داغ

گلابی آنکھ اُس کے کش کی مجھ سے آشنا کم تھی
شرابِ لالہ گوں تھی تو سہی لیکن ذرا کم تھی ——— اکبر

چشمِ مے گوں یہ ہیں زُلفوں کی ادائیں کیا کیا
جھومتی ہیں سرِ مے خانہ گھٹائیں کیا کیا ——— جلیل

مرسلہ:۔ اختری بیگم نازلی

تھانیدار نے کہا "لیکن جناب اِس کا جُرم ثابت ہو چکا ہے۔ قانون کا تقاضا ہے کہ اِسے جیل کی کوٹھری میں کم از کم پانچ سال کے لئے بند کر دیا جائے اور وہیں سڑنے دیا جائے ... ——— !"

"آپ بجا فرماتے ہیں۔ اِسے ضرور قید میں ڈال دیجئے۔ لیکن قید ہونے سے پہلے اِس سے دو چار باتیں کر لینے دیجئے۔ کیا آپ مجھے دو چار

منٹ عنایت فرمائیں گے ؟"

تھانے دار کمرہ سے باہر چلا گیا۔

شری کھوسٹ دیال نے شیخ چلی سے کہا۔

"شیخ چلی! کیا تم قید کی سزا سے ڈرتے ہو؟ اور اگر ڈرتے ہو تو میں تمھیں رہائی دلا سکتا ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔"

شیخ چلی خاموشی سے رہتا رہا۔

"دیکھو میں نے تم پر چوری کا جھوٹا کیس بنایا ہے تاکہ تم میری بیٹی سے عشق کرنے کی بجائے جیل چلے جاؤ۔ عزت دار آدمی ہر عاشق کو جیل بھجوا دیا کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم میری بیٹی سے عشق کرنا چھوڑ دو تو میں تمھیں جیل سے بچا سکتا ہوں۔ بولو کونسی بات منظور ہے، جیل یا عشق؟"

"دونوں!"

شیخ چلی نے جواب دیا۔

"دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ تم نے میری بہت خدمت کی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمھیں جیل بھجوا دوں۔ اِس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اِس شہر کو چھوڑ دو اور جہاں سے آئے تھے وہاں واپس چلے جاؤ۔"

"کہاں جاؤں؟ قبرستان میں؟"

"کیا تم قبرستان سے آئے تھے؟"

"ہاں!"

"تمھارے لئے وہی بہترین جگہ ہے۔ یہ دُنیا تم جیسے عاشقوں کے قابل نہیں ہے۔ ابھی یہ دُنیا تمھارے بلند مرتبت آدرش تک نہیں پہنچی۔ ابھی تمھیں ایک دو ہزار سال مزید قبرستان میں رہ کر انتظار کرنا چاہئے۔ ورنہ دُنیا تمھیں جیل میں ڈال دے گی جہاں تم گل سڑ جاؤ گے۔ بہتر یہی ہے کہ قبرستان واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ قبرستان بہرکیف جیل سے بہتر جگہ ہے۔"

شیخ چلی لاکھ بے وقوف سہی۔ لیکن اُس میں اِتنی عقل ضرور تھی کہ عقلمند آدمیوں کی بات مان لیا کرتا تھا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ قبرستان جیل سے بہتر جگہ ہے تو وہ جھٹ آمادہ ہو گیا۔ دو چار منٹ کے سوچ بچار کے بعد اُس نے شری کھوسٹ دیال سے وعدہ لے لیا کہ وہ ایک بار پھر قبرستان سے آئے گا اور اُن کی بیٹی سے بیاہ کرے گا۔ شری کھوسٹ دیال نے اجازت دے دی کہ وہ دو ہزار روپے کی طلائی انگوٹھی جو اُس کی محبت کی نشانی ہے اپنے ہمراہ قبرستان لے جائے اور جب دُنیا اِس قابل ہو جائے کہ تمھارے عشق کا بوجھ برداشت کر سکے تو پھر تم بھی انگوٹھی لے کر لوٹ آنا!

ناظرین والاتمکین! یوں شیخ چلی کی واپسی کی داستان ختم ہوئی۔ شری کھوسٹ دیال نے اپنی رسوائی دو ہزار روپے کی طلائی انگوٹھی دے کر روک دی اور شیخ چلی جو اپنی شیخی میں آ کر وقت سے پہلے عشق کرنے کے لئے دُنیا میں لوٹ آیا تھا جیل جانے سے بچ گیا۔ دُنیا کا یہی دستور ہے کہ ہر کرائسس کو سمجھوتہ ہی سے ٹال دیا جاتا ہے۔ سمجھوتہ ہی گائے کا وہ سینگ ہے جس پر یہ دھرتی کھڑی ہے!

جب شیخ چلی دوبارہ قبرستان میں داخل ہو کر اپنی قبر میں پہنچا تو سخت اندھیرا تھا۔ صرف اُس کے ہاتھ کی طلائی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ انگوٹھی کی روشنی میں اُس نے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا تو دونوں فرشتہ منکر اور نکیر ایسے سو رہے تھے جیسے کوئی فوجی چھٹی پر لمبی تان کر سوتا ہے۔ شیخ چلی نے اُنھیں جگایا اور خود اُن کی جگہ لیٹ گیا۔ اور بولا۔

"اب تم زندہ ہو جاؤ۔ میں مرتا ہوں!"

●●



کھانا جلدی کھانے کی وجہ سے بات بگڑ جاتی مگر...
اجیت ذرا کھانا جلد کھالو... ضروری کام ہے۔
بس ابھی آیا۔
جلدی جلدی کھانا کھانے کی وجہ سے پیٹ گڑبڑ ہے — اور یہ کام فوراً کرنا ہے۔
اینو پیو۔ سب ٹھیک ہو جائیگا۔
اب کتنا آرام ہے! اینو واقعی تیزی سے اثر کرتا ہے۔
بعد میں
شاباش اجیت! کام اتنی جلد ختم کر دیا!
جی ہاں۔ اینو کی بدولت!
چائے کے چمچ بھر اینو ایک گلاس پانی میں ڈالئے یہ پوری طرح گھل مِل جاتا ہے اور خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ تازگی بھی پہنچاتا ہے۔ فرحت بخش اینو 'فروٹ سالٹ' کا اثر ہلکا ہوتا ہے پیٹ کی گڑبڑی میں جلد اور مکمل آرام پہنچاتا ہے نیز ہاضمہ ٹھیک کرتا ہے۔
اینو کی بدولت
انھیں جلد آرام مِل گیا
ENO
SPARKLING ANTACID
'FRUIT SALT'
اینو
'فروٹ سالٹ'
'اینو' اور 'فروٹ سالٹ' — یہ الفاظ رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہیں
بیچم (انڈیا) پرائیویٹ لمیٹڈ



بلند پایہ دل چسپ ناول اور دل گداز افسانے

طوفانِ بہار رُوس کے عدیم المثال ناول نگار تورگنیف کا رومانی شاہکار جسے حضرتِ مخمور جالندھری نے اُردو کا لباس پہنایا۔ جس کا ترجمہ دُنیا کی بیالیس زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس کا شمار دُنیا کے دس عظیم رومانی ناولوں میں ہوتا ہے۔ جس کی دو کروڑ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ جسے دُنیا کے مشہور نقادوں نے لافانی رُومان قرار دیا ہے۔ اور جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ بیسویں صدی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ناول پاکیزہ اور دلآویز رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، پختہ جلد۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

زنجیر ایک گناہ گار لڑکی کی حسین و جمیل داستان، جس کے گناہ یہ تھے کہ وہ غریب تھی۔ وہ حسن و جمال کا مجسمہ تھی۔ وہ رقص کے ایک اسکول میں کام کرتی تھی وہ تنہا تھی اُس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک شریف گھر کے لڑکے سے محبت کرتی تھی چنانچہ وہ ایک شریف وکیل صاحب کو گناہوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی نظر آئی اور وکیل صاحب نے اُسے اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔ عشق و محبت کی ایک ایسی پُرپیچ رُومان پرور داستان، جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے [illegible] لکھا اور ادارۂ بیسویں صدی نے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد [illegible]

آج کی بات آپ کے محبوب افسانہ نگار جناب [illegible] کے [illegible] رومان پرور افسانوں کا حسین مجموعہ [illegible] کے سماج، آج کے معاشرے اور آج کے ماحول کی رنگینیوں [illegible] کی ایک ایسی تصویر ہیں جس کے خدوخال کو حقیقت کی لکیروں نے [illegible] آپ اِن میں بھرے ہوئے قہقہوں کو اپنے قہقہے [illegible] اور اِن کے کرداروں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسو [illegible] گے۔ قیمت فی جلد صرف [illegible]

پوسٹ مارٹم جناب [illegible] کے [illegible] مضامین [illegible] مسکراہٹوں اور قہقہوں کی ایک دُنیا آباد ہے [illegible]

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی دہلی

افسانہ

شہرِ خموشاں کا ہیرو

موہن یاور

راج تلک روڈ۔ جموں

۵ رفروری ۱۹۶۱ء مکرمی و محترمی خوشتر صاحب! تسلیمات

"یہ شہرِ خموشاں کا ہیرو" ہے منفرد دُنیا سے بے زار مگر جینے کا متمنی۔ یہ افسانہ مجھے اپنے ہی قبرستان سے ملا ہے جموں کا یہ سب سے بڑا قبرستان وزرا کی کوٹھیوں اور دریائے توی کے درمیان چُپ چاپ اپنی نگری بسائے ہوئے ہے خوشتر بھائی! یہ "شہرِ خموشاں" میرا اپنا شہر ہے۔ اور ہیرو بھی میرا اپنا ہے۔ اپنی دھرتی کا قرض تھا چکا رہا ہوں۔ اب اسی نگری پر ایک ناول "پتھروں کا شہر" لکھ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس ناول کو خوبصورت روپ میں پیش کرنے کا سہرا آپ ہی کے سر رہے گا۔ بھائی میرے! آپ کمال کرتے جا رہے ہیں۔ اب تو "بیسویں صدی" اُس مقام پہ پہنچ گیا ہے جہاں آج تک کوئی اُردو ماہنامہ نہیں پہنچ سکا۔ اب "بیسویں صدی" میں لکھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم عوام اور خواص دونوں میں مقبول ہو رہے ہیں! ——— خوشتر بھائی! میرے ٹھاکر کو سمجھائیے کہ اپنی صحت کا خیال رکھے۔ پہلے صحت۔ بعد میں ادب! کہیں ایسا نہ ہو کہ ادب ادب ہی رہ جائے اور ٹھاکر ——— خدا نہ کرے ایسا ہو۔ آپ کا اپنا ——— موہن یاور

توی چُپ چاپ، دھیرے دھیرے بہہ رہی ہے۔ اِس کے اُوپر قبرستان بھی چُپ چاپ ہے۔ توی اور قبرستان کی کہانی بہت پُرانی ہے۔ جب توی اس طرف آئی تبھی انسان بھی آیا ہوگا۔ پھر بستی بسی ہوگی۔ اور پھر قبرستان! توی تو پھر بھی برسات میں اپنی جولانی دکھا کر اپنے نام کی لاج رکھ لیتی ہے لیکن قبرستان خاموش ہے۔ آغاز سے خاموش! اور خاموش رہنا اُس کی عادت ہے۔

توی آہستہ آہستہ بہتی ہے۔ اور جب کبھی طبیعت مچل جاتی ہے تو آس پاس کے گاؤں بھی بہا لے جاتی ہے لیکن قبرستان خاموش رہتا ہے کبھی طوفان بپا نہیں کرتا۔ کبھی سکوت نہیں توڑتا۔ کبھی اپنے ہونٹ نہیں ہلاتا چُپ چاپ دُنیا سے روٹھے ہوئے انسانوں کو اپنی گود میں لے کر اور لوریاں سُنا سُنا کر سُلا دیتا ہے۔ پھر قبریں بن جاتی ہیں۔ کتنے اُبھر آتے ہیں۔ قبرستان کتنے، اور قبریں!

سلیم ... بچا نے اس قبرستان سے کیوں اُنس ہے۔ جب کبھی وہ اپنوں سے تنگ آ جاتا ہے تو اِس کی گود میں پناہ لینے آ جاتا ہے۔

مر جائے گا تو ایک دن اُسے پیار... اپنے بیگانے تو لے ہی آئیں گے لیکن خود آنے میں جو سکون ملتا ہے۔ وہ کسی کے لانے میں کہاں ہوگا۔ سلیم کے دُنیا میں سب اپنے تھے مگر بیگانے ہو گئے تھے۔ اور جو بیگانے تھے وہ اُن سے بھی دُور چلے گئے تھے۔

وہ سوچتا ......

اس دُنیا میں اگر کوئی اپنا ہے تو صرف چاندی کے چمکتے سکے۔

اور کھنکھناہٹ! اور کھنکھناہٹ نہیں تو سب بیگانے۔

اُس نے ایک نئی قبر کی طرف دیکھا۔

"یہ قبر کل تک تو یہاں نہ تھی۔ لیکن آج اِس قبرستان میں ایک نیا مہمان آگیا۔ وہ دُنیا سے رُوٹھ گیا یا دُنیا اُس سے رُوٹھ گئی"

پھر وہ کتبہ پڑھنے لگا۔

"نسیم بانو، عمر تیرہ برس سات مہینے دو دن۔ گڑیوں سے کھیل رہی تھی کہ چھت گر پڑی اور....."

اور وہ آگے پڑھ ہی نہ سکا!

پھر وہ نسیم بانو کے بارے میں سوچنے لگا۔۔

ننھی نسیم گڈے گڑیا کا بیاہ رچاتی تھی کہ وہ بھی ایک دن دُلہن بنے گی۔ دُولہا آئے گا اور اُسے پالکی میں بٹھا کر لے جائے گا لیکن اب، جبکہ دُولھا آرہا تھا۔ وہ دُلہن نہیں بن سکی۔ چند لمحے انتظار بھی نہ کرسکی۔ دُولھا کے آنے سے پہلے ہی دُنیا سے چلی گئی۔ ننھی سی جان! گڑیا! چھت کے نیچے دَب کے مرگئی۔ اور زمین نگل گئی۔

اب وہ سوچنے لگا۔

ننھی نسیم بانو اِسی لئے گڈے گڑیا کا بیاہ رچاتی تھی کہ وہ کبھی دُلہن نہ بن سکے گی۔ اور وہ یہ چاؤ۔ یہ اُمنگ دل میں لے کر چلی گئی۔ یہ چھتیں کیوں گرجاتی ہیں، کیوں!......

اُس نے سگریٹ سُلگا لیا۔

چھتیں گرتی رہیں گی تاکہ نسیم بانو جیسی لڑکیاں مرتی رہیں۔

اب وہ عجیب سوچ میں ڈوب گیا۔

چھت نہ گرتی تو نسیم کے ابا چوری کرتے کسی کی جیب کاٹتے یا مکان گروی رکھ کر اپنی عزت کا بھرم رکھتے۔ جہیز کے لئے نسیم کے ہاتھ پیلے کرتے مگر قدرت کا کمال کہ اُس نے خود ہی ہاتھ پیلے کردیئے۔ انھوں نے صرف ایک پختہ قبر بنوائی۔ ایک زندگی، ایک دُلہن، ایک موت، ایک قبر، اور ایک لڑکی نسیم بانو، جو اپنے سُہانے خواب اپنے ساتھ لئے زمین کے اندر چلی گئی۔ زمین کی بیٹی، ماں کی گود میں۔

اُس نے دوسرا سگریٹ سُلگالیا۔

توبی!

قبرستان!!

اور وہ ایک جیتا جاگتا انسان، ایک متلاشی، ایک [illegible]

وہ توبی کی لہریں گنتا ہے۔

قبرستان کی قبریں گنتا ہے

اور اپنے دل کی دھڑکنیں.....

بس زندگی کو جمع تفریق کر [illegible]

وہ سوچتا رہتا۔

اور سوچ سوچ کے تھک [illegible]

کس سے پُوچھے.... کون [illegible]

پھر وہ اپنے آپ سے پوچھتا۔

"کیا کرے وہ جس نے کسی سے [illegible]

ہی نہ ہو کر پیار کیا ہے۔ ہمدردی [illegible]

قبریں نہ گنے۔ دھڑکنیں نہ گنے تو [illegible]

اُس نے سوچا تھا کہ وہ [illegible]

مٹا دے لیکن اِن [illegible]

اُسے خوشی [illegible]

اور غم [illegible]

لیا۔ [illegible]

[illegible]

"سلیم شرابی ہے"

"سلیم بدمعاش ہے"

"سلیم لفنگا ہے"

کیوں پیتا ہے وہ شراب، کیوں مجبور ہے پینے پر، کس نے ایسے کون سے گناہ کئے ہیں جو اُس کے نام کے ساتھ شرابی، بدمعاش، لفنگے کے القاب [illegible] گئے ہیں؟"

لیکن اُس کے اندر والا سلیم کہتا۔

"[illegible] نہیں میرے دوست! تم بہت بلند انسان ہو۔ بہت ہی بلند [illegible] لوگ تمہیں غلط سمجھ رہے ہیں"

اُس کا باپ تھا۔ سوتیلی ماں تھی۔ سوتیلے بہن بھائی تھے لیکن اُن [illegible] نے [illegible] دھتکار دیا۔ ذلیل کیا۔ لوگوں نے آوازے کسے۔ [illegible] باتیں ہوئیں انگلیاں اٹھیں۔ کہاں تک وہ برداشت کرتا۔ آخر انسان تھا [illegible] روز [illegible] بڑھتا گیا۔

ایک پیگ سے سلسلہ شروع ہوا اور بوتل پر جاکر ختم ہوا۔ اور یہ سلسلہ [illegible] وقت تک جاری رہتا جب تک وہ وہیں ڈھیر نہ ہو جاتا۔ اور جب [illegible] وقت تو گرتا پڑتا قبرستان پہنچ جاتا۔

[illegible] قبرستان کو وہ اپنی ماں سمجھتا تھا۔

[illegible] پھر نہ مل سکا۔

[illegible] ماں چل بسی۔ اور نئی ماں آگئی۔ نئی ماں اپنے بچوں [illegible] بھول گئی [illegible] کا بیٹا [illegible] لیکن نئی ماں [illegible] بیٹے

[illegible] کا پیار دیا۔

[illegible] آرام [illegible]

[illegible] نہ ملی۔

[illegible] ماں کی گود [illegible] ماں [illegible]

[illegible] سب اُس کے [illegible] تھے۔ اِن قبروں میں سو [illegible] [illegible] قبروں میں لیٹ گئے تھے۔

کبھی کبھی وہ عجیب سی خواہشوں کا اظہار کرتا۔ یہ قبرستان خاموش کیوں ہے؟ اگر اِس کی گود میں لیٹنے والوں کی سانسیں نہیں چلتیں تو کیا ہوا۔ زندگی تو یہی ہے، کہانی تو یہی ہے۔ یہ کتبے کیا ہیں؟ یہ لوگ بولتے کیوں نہیں؟ اگر کسی دن یہ قبرستان جاگ اُٹھا، یہ سوئی ہوئی مخلوق جاگ اُٹھی تو کیا ہوسکا؟ کیا ہوگا ۔۔۔۔۔؟

[illegible] ایسا محسوس ہوا کوئی کہانی کہہ رہا ہے۔

"تو پھر [illegible] زندگی جاؤں گا۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ تم نے اپنی چمک پیدا کرلی [illegible] چپ چاپ رہنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے طوفان [illegible] یہ رینگنا [illegible] نہیں آیا۔

سلیم کیا کرتا تھا!

بس شراب پیتا تھا۔

جوا کھیلتا تھا۔

[illegible] میں جیت گیا شراب پی [illegible] اب پی [illegible] بے عزت نہیں کا!

مگر یہ عزت کیا شے ہے؟

یہ بھی کیا دور ہے، کروڑوں کا نام عزت ہے۔ اگر اُس کے پاس بنک بیلنس ہوتا، کار ہوتی، بنگلہ ہوتا تو اُس کی شہر میں عزت ہوتی۔ لیکن اُس کے پاس یہ سب کچھ نہیں [illegible] لیکن یہ عزت [illegible] کی جو چاندی کے کھنکتے سکوں [illegible]

[illegible] سب [illegible]

[illegible] رہا تھا۔

[illegible]

[illegible] تھا۔

[illegible] کروا [illegible] لیکن پھر بھی [illegible] نہیں رہا تھا۔ لوگوں کی نظروں [illegible] اُس کی [illegible] میں [illegible] تھے

[illegible] قبرستان میں [illegible] جہاں سب سوتے

اور کھنکھناہٹ! اور کھنکھناہٹ نہیں تو سب بیگانے۔

اُس نے ایک نئی قبر کی طرف دیکھا۔

"یہ قبر کل تک تو یہاں نہ تھی۔ لیکن آج اِس قبرستان میں ایک نیا مہمان آگیا۔ وہ دُنیا سے رُوٹھ گیا یا دُنیا اُس سے رُوٹھ گئی۔"

پھر وہ کتبہ پڑھنے لگا۔

"نسیم بانو، عمر تیرہ برس سات مہینے دو دن۔ گڑیوں سے کھیل رہی تھی کہ چھت گر پڑی اور ...."

اور وہ آگے پڑھ ہی نہ سکا!

پھر وہ نسیم بانو کے بارے میں سوچنے لگا۔۔

'ننھی نسیم گڈے گڑیا کا بیاہ رچاتی تھی کہ وہ بھی ایک دن دُلہن بنے گی۔ دُولہا آئے گا اور اُسے پالکی میں بٹھا کر لے جائے گا لیکن اب، جبکہ دُولہا آرہا تھا۔ وہ دُلہن نہیں بن سکی۔ چند لمحے انتظار بھی نہ کر سکی۔ دُولہا کے آنے سے پہلے ہی دُنیا سے چلی گئی۔ ننھی سی جان! گڑیا! چھت کے نیچے دَب کے مر گئی۔ اور زمین نگل گئی۔'

اب وہ سوچنے لگا۔

'ننھی نسیم بانو اسی لئے گڈے گڑیا کا بیاہ رچاتی تھی کہ وہ کبھی دُلہن نہ بن سکے گی۔ اور وہ یہ چاؤ، یہ اُمنگ دل میں لے کر چلی گئی۔ یہ چھتیں کیوں گر جاتی ہیں؟ کیوں! ـــــــ'

اُس نے سگریٹ سُلگا لیا۔

'چھتیں گرتی رہیں گی تاکہ نسیم بانو جیسی لڑکیاں مرتی رہیں،'

اب وہ عجیب سوچ میں ڈوب گیا۔

'چھت نہ گرتی تو نسیم کے ابا چوری کرتے، کسی کی جیب کاٹتے یا مکان گروی رکھ کر اپنی عزت کا بھرم رکھتے۔ پھر جا کے کہیں نسیم کے ہاتھ پیلے کرتے مگر قدرت کا کمال کہ اُس نے خود ہی ہاتھ پیلے کر دیئے۔ انھوں نے صرف ایک پختہ قبر بنوائی۔ ایک زندگی، ایک دُلہن، ایک موت۔ ایک قبر، اور ایک لڑکی نسیم بانو، جو اپنے سُہانے خواب اپنے ساتھ لئے زمین کے اندر چلی گئی۔ زمین کی بیٹی، ماں کی گود میں ـــــــ'

اُس نے دوسرا سگریٹ سُلگا لیا۔

ندی!

قبرستان!!

اور وہ ایک جیتا جاگتا انسان، ایک مثلث، ایک خیال!

وہ ندی کی لہریں گنتا ہے۔

قبرستان کی قبریں گنتا ہے۔

اور اپنے دل کی دھڑکنیں ـــــــ!

بس زندگی کو جمع تفریق کرتے رہنا اُس کا معمول بن گیا تھا

وہ سوچتا رہتا۔

اور سوچ سوچ کے تھک جاتا۔

کس سے پُوچھے ـــــــ کون دے اُس کے سوال کا جواب!

پھر وہ اپنے آپ سے پوچھتا۔

"کیا کرے وہ جس سے کسی نے زندگی بھر پیار نہ کیا ہو۔ جسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ پیار کیا ہے۔ ہمدردی کس بلا کا نام ہے۔ پھر وہ لہریں نہ گنے، قبریں نہ گنے، دھڑکنیں نہ گنے تو کیا کرے؟"

اُس نے سوچا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے اِن چیزوں کا وجود تک مٹا دے۔ لیکن اِن چیزوں نے اُسے اِس طرح جکڑ رکھا ہے جیسے وہ اِن کا ہو۔ اُسے خوشی نہ ملی۔ غم بے حساب ملے۔ بس اُس نے انھیں سے تھوڑا پیار اور غم کا مداوا غم ڈھونڈ لیا۔ محلے کی ایک لڑکی سے دل کا دامن باندھ لیا۔ لڑکی بے وفا نکلی۔ اُس نے اُس کے دل کے ٹکڑے کر دیئے کبھی بیکار انسان سے کون رشتہ جوڑے اور پھر اُس انسان کے ساتھ جو کسی کا نہ ہو!

اُس نے ہر ایک سے پیار کیا۔

اپنے بھائیوں سے، اپنی بہن سے، دوستوں سے، محلے والوں سب کو چاہا، سب کو اپنانا چاہا۔ لیکن سب نے اُسے شرابی کہہ کر مُنہ موڑ لیا، مُنہ پھیر لیا۔

اپنے بیگانے ہو گئے۔ اور بیگانے دُور بھاگنے لگے۔

"سلیم شرابی ہے۔"

"سلیم بدمعاش ہے۔"

"سلیم لفنگا ہے۔"

کیوں پیتا ہے وہ شراب، کیوں مجبور ہے پینے پر۔ اُس نے ایسے کون سے گناہ کئے ہیں جو اُس کے نام کے ساتھ شرابی، بدمعاش، لفنگے کے القاب چپک گئے ہیں؟"

لیکن اُس کے اندر والا سلیم کہتا۔

"نہیں نہیں میرے دوست! تم بہت بلند انسان ہو۔ بہت ہی بلند یہ لوگ تمہیں غلط سمجھ رہے ہیں۔"

اُس کا باپ تھا۔ سوتیلی ماں تھی۔ سوتیلے بہن بھائی تھے لیکن اُن سب نے اُسے دھتکار دیا۔ ذلیل کیا۔ لوگوں نے آوازے کسے۔ جگہ جگہ باتیں ہوئیں انگلیاں اُٹھیں۔ کہاں تک وہ برداشت کرتا۔ آخر انسان تھا۔ روز بروز بگڑتا گیا۔

ایک پیگ سے سلسلہ شروع ہوا اور بوتل پر جاکر ختم ہوا۔ اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہتا جب تک وہ وہیں ڈھیر نہ ہو جاتا۔ اور جب نشہ ٹوٹتا تو گرتا پڑتا قبرستان پہنچ جاتا۔

قبرستان کو وہ اپنی ماں سمجھتا تھا۔

ماں کا پیار زندگی بھر نہ مل سکا۔

چھوٹا سا تھا، ماں چل بسی۔ اور نئی ماں آگئی۔ نئی ماں اپنے بچوں میں کھو گئی۔ اور اُسے بھول گئی۔ کہ وہ بھی اُس کا بیٹا ہے۔ لیکن نئی ماں کے بجائے اُسے قبرستان نے ماں کا پیار دیا۔

جب اُسے کہیں آرام نہ ملتا۔

سکون و راحت نہ ملتی۔

تو وہ اپنی اِس ماں کی گود میں آجاتا اور ماں اُسے لوریاں سُنانے لگتی۔

یہ قبرستان اور یہ قبریں سب اُس کے اپنے تھے۔ اِن قبروں میں سونے والے اُس سے روٹھ کر، خفا ہو کر قبروں میں لیٹ گئے تھے۔

کبھی کبھی وہ عجیب سی خواہشوں کا اظہار کرتا۔ یہ قبرستان خاموش کیوں ہے؟ اگر اِس کی گود میں لیٹنے والوں کی سانسیں نہیں چلتیں تو کیا ہوا۔ زندگی تو یہی ہے، کہانی تو یہی ہے۔ یہ کتبے کیا ہیں؟ یہ لوگ بولتے کیوں نہیں؟ اگر کسی دن یہ قبرستان جاگ اُٹھا، یہ سوئی ہوئی مخلوق جاگ اُٹھی تو کیا ہوگا۔؟ کیا ہوگا——؟

پھر اُسے ایسا محسوس ہوا کہ تو ری کا پانی کہہ رہا ہے۔

"تو پھر میں سب کو نگل جاؤں گا۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ تم نے اِتنی چمک پیدا کر لی اور مجھے صرف چُپ چاپ رینگنے پر مجبور کر دیا۔ مجھے طوفان پسند ہیں۔ یہ رینگنا ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

سلیم کیا کرتا تھا؟

بس شراب پیتا تھا۔

جُوا کھیلتا تھا۔

جُوے میں جیت گیا، شراب پی لی۔ ہار گیا تو شراب پی لی۔ بے عزت کہیں کا!

مگر یہ عزت کیا شے ہے؟

یہ بھی کیا دور ہے کہ روپیوں کا نام عزت ہے۔ اگر اُس کے پاس بنک بیلنس ہوتا، کار ہوتی، بنگلہ ہوتا تو اُس کی شہر میں عزت ہوتی۔ لیکن اُس کے پاس یہ سب کچھ نہیں، تو اُس کی عزت بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ عزت کس کام کی جو چاندی کے کھنکتے سکوں سے خریدی جائے۔

وہ شہر بھر میں سب سے ذلیل شخص تھا۔

پھر بھی جی رہا تھا۔

اُس کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔

پھر بھی جی رہا تھا۔

بے انتہا شراب پی کر واہی تباہی بکنا اُس کا شیوہ تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مر نہیں رہا تھا۔ لوگوں کی نظروں میں وہ زندہ ہی کب تھا۔ اور اُس کی نظروں میں لوگ زندہ کب تھے۔

عجیب منطق تھی! وہ قبرستان میں رہتا تھا، جہاں سب سوتے

[illegible] کے لیے [illegible] ہوتی جا رہی ہے
[illegible]

[illegible]

[illegible] کے
[illegible] کے گیت گائے جاتے تھے۔ معمولی شہرت پیدا کی جاتی تھی۔

[illegible] تھے

"[illegible] ایک چوبیس گھنٹے خاموش رہتا ہے۔ تو دوسرا صرف رات بھر! اصل میں جتنا گہرا آدمی ہے، جتنا گہرا ہوتا ہے اگر اس کا حساب کیا جائے تو انسان پھر کبھی جنم نہ لے کبھی پیدا ہونے کی خواہش نہ کرے۔ ہمیشہ موت چاہے، موت!"

پھر اس نے اس قبر کی طرف دیکھا۔ جہاں نسیم سو رہی تھی، اور قبر کے سامنے سر جھکا کے بیٹھ گیا۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی لڑکی چھم چھم کرتی چلی آ رہی ہے۔ اور چھم چھم کی آواز اس پر گہرا اثر کر رہی ہے، اور اس کے کانوں میں [illegible] کہ نسیم ناراض ہو رہی تھی۔

"اے شہر خموشاں کے ہیرو! اپنی نسیم کو سنبھال کے رکھنا۔ کہیں پھر کوئی چیت نہ گر پڑے۔ اور نسیم تجھ سے چھن جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے!"

دوسرے دن ندی میں طغیانی آ گئی۔

آس پاس کے کئی گاؤں سیلاب کی نذر ہو گئے۔

لیکن شہر خموشاں کا ہیرو برابر قہقہے لگاتا رہا۔

ہا ہا ہا —— اے جیتی جاگتی دنیا! —— تو نے بھی دیکھ لیا۔

ابھی اس ملک میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو اس محبوبہ کو چھین کر لے جائے!

مشہور افسانہ نگار [illegible] حضرت [illegible] صاحب [illegible] کا کام کر کے [illegible] اپنے مضامین کتابیں [illegible] ایک مستقل ادیب کی حیثیت سے مستفید ہو سکتے ہیں [illegible] حضرت [illegible]

دلچسپ نئی کتابیں

سنگ و خشت اردو ادب میں طنز نگاری کے میر کارواں پروفیسر کنہیا لال کپور کے طنزیہ مضامین کا مجموعہ۔ قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

چنگ و رباب پروفیسر کنہیا لال کپور کے مزاحیہ اور طنزیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

ابراہیم لنکن امریکہ کے محبوب ترین صدر کی سوانح عمری —— جس نے غلامی کا قلع قمع کیا اور مساوات اور آزادی کو انسان کا پیدائشی حق قرار دیا۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

روبرو جسمانی معذوریوں پر قوت عمل کی فتحیابی کی ولولہ انگیز کہانی۔ ایک نابینا بچے کی قابل ستائش کوشش، شوق کا مرقع اور اس کی بلند ہمتی کی پرکشش داستان جس کا گھر گھر تذکرہ ہے۔ قیمت تین روپے پچیس نئے پیسے۔

نوریا ایک رقاصہ کو اپنے اندر نئی جاذبیت پیدا کرنے کے لئے کیا کیا مثالی قربانیاں دینی پڑیں۔ قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

آرزو کی کلیاں امریکہ کے شہرۂ آفاق ناول نگار جان اسٹین بیک کے دو مختصر ناولوں کا ترجمہ۔ یہ دونوں ناول انسان کی امیدوں، آرزوؤں اور بے کسی و مایوسی کے حسین امتزاج کی داستان ہیں۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے۔

دنیا کے مشہور سائنس داں یہ کتاب آپ کو ان سائنس دانوں کی زندگیوں سے روشناس کرتی ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر تحقیق و تجسس کی نذر کر کے نسل آدم کو ترقی کے موجودہ زینے پر پہنچایا۔ اور اس کی راتوں کو دن بنایا۔ قیمت صرف دو روپے پچیس نئے پیسے۔

اپنی منزل اپنی راہیں ولیم سرویان کا بے نظیر ناول جس کی فلم تیار ہوئی تو ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ انسان کے دکھ سکھ کی کہانی۔ قیمت صرف دو روپیہ پچاس نئے پیسے

شکست ظلمت یہ ایک اندھی عورت ہیلن کیلر کا افسانۂ زندگی ہے جس نے اپنی انگلیوں سے آنکھوں کا کام لیا اور دنیا سے اپنی ذہانت کا لوہا منوایا۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

مابی ڈک دنیا کے کلاسیکی آسمان ادب کا جگمگاتا تارا۔ ہرمن میلول کا مایۂ ناز شاہکار ناول۔ قیمت چار روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر ۶

غزلیں

ناظم رضوی ایم اے۔ ایل ایل بی

یوں صبا پاس سے گزرتی ہے
زلف جیسے کوئی بکھرتی ہے

یاد آتی ہے مہ وشوں کی ہنسی
جب کہیں چاندنی بکھرتی ہے

ہم سے فردوس کی نہ بات کرو
رشکِ جنت جب اپنی دھرتی ہے

حال یہ ہے کہ تیری یاد اکثر
میرے دل پر گراں گزرتی ہے

حُسن کا طنزِ عشق پر ناصح
جیسے دل میں چھُری اترتی ہے

الطاف شاہین

اس طرح دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
گوشۂ دل میں کوئی نغمہ سرا ہو جیسے

ہائے وہ پھول سا چہرہ وہ شرابی آنکھیں
ہائے وہ گیسوئے مشکیں کہ گھٹا ہو جیسے

دیکھ کر تم کو مجھے اب یہ گماں ہوتا ہے
واسطہ تم سے کبھی میرا رہا ہو جیسے

جُرم اغیار کا ہے مجھ پہ خفا ہوتے ہیں
وہ بھی اِس طرح کہ میری ہی خطا ہو جیسے

اِس طرح بڑھتا ہے اب سوزِ محبت دل میں
کوئی طوفان سمندر میں اُٹھا ہو جیسے

احسن [illegible]

حادثے درد کی آغوش میں پالے کتنے
سلسلے غم کے محبت نے نکالے کتنے

جب بھی خونِ محبت کی گلابی چھلکی
ڈوب جاتے ہیں اندھیروں میں اجالے کتنے

آبلہ پائی اربابِ وفا کیا کہیے
وجہِ آرام ہوئے پاؤں کے چھالے کتنے

غم کی تاریک فضاؤں سے اُبھرتے جگنو
درد دیتا ہے طبیعت کو سنبھالے کتنے

ڈوب جاتی ہے جہاں نبضِ محبت کی نسیم
ہنستے ہیں دل کو وہاں تھامنے والے کتنے

بیسویں صدی دہلی

افسانہ

برف کی سِل

پروفیسر وقار بن الٰہی ایم۔ اے

گورنمنٹ کالج۔ گوجر خان (مغربی پاک)

۱۳ فروری ۱۹۶۱ء

برادرِ محترم! آداب

سالنامہ ملے بہت دن ہو چکے ہیں۔ میں نے اُس کی ایک ایک سطر پڑھی ہے لیکن غفلت ملاحظہ فرمائیے کہ اُس کے متعلق کچھ لکھ رہا ہوں تو اتنی مدت بعد۔ غالباً پہلی بار اتنے حسین اور خوبصورت پرچے میں نہ چھپنے کا مجھے بے حد دُکھ ہوا۔ سالنامے کی تقریباً سبھی کہانیاں کامیاب ہیں۔ کرشن، ٹھاکر، اور ظفر کی کہانیاں مجھے بے حد پسند آئیں۔ کارٹون کا سلسلہ جاری رکھیے اپنی جگہ خوب ہے۔ "برف کی سِل" بھیج رہا ہوں۔ کچھ مدت ہوئی میں نے سوچا تھا، ایسے افسانے لکھنے سے کیا فائدہ جو عملی زندگی میں صرف منہ چڑا دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں نے جو لکھا، اپنے ساتھ اُس کے بالکل برعکس پیش آیا۔ میں نے افسانے لکھنے ترک کر دیئے تھے۔ پھر سوچتا ہوں روشنی کا مینار یوں تو جہازوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن خود ہمیشہ تاریک رہا ہے۔ اب اگر وہ یہ سوچ سکے کہ جو روشنی اُس کے اپنے کام نہیں آسکتی اُس سے دل جلانے سے فائدہ، بجھ جائے، تاریک ہو جائے تو پھر اُس کی عظمت کیا ہوئی؟ ــــ یہ تو ــــ جانے کیا لکھ گیا ہوں میں؟؟ ــــ یہ کہانی آپ کو پسند آئے تو شریکِ اشاعت کیجئے گا.....

خادم ــــ ــــ وقار بن الٰہی

ندرت کی مُردہ نگاہوں نے لانبی پلکوں کا آنچل اوڑھ کے جانے کونسا سپنا دیکھ لیا کہ وہ کانٹوں سے اُلجھتی اچانک اِس گُھٹے گُھٹے ماحول سے نکل کے جگمگاتی شاہراہوں پر جا نکلی تھی۔ اُس نے سوچا، ہاں اگر اُس نے بھی بغاوت کر دی پانی کی اُس لہر کی طرح جو سمندر میں دوسروں کا ساتھ چھوڑ کے سکون کی تلاش میں بھٹکتی ہوئی ساحل کی جانب کھنچی چلی آتی ہے، تو اُسے سکون مل جائے گا۔ اُس نے بغاوت کر دی، سپنا دیکھ لیا۔ لیکن اب ساحل کے پاس آکے اُسے پتہ چلا کہ سکون تو یہاں بھی نہیں ہے۔ وہ بغاوت تو اُس کا بچا کھچا اطمینان، اُس کی زندگی کا ٹھہراؤ بھی اپنے ساتھ سمیٹ لے گئی ہے۔ اور اب اُس کے پاس ایک بے کلی، ایک بے چینی اور اپنی حسرتوں کے ماتم کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ دن گزر چکے تھے کہ وہ اِن ہی سوچوں کے جال میں اُلجھی ہوئی تھی۔ دو دنوں سے وہ اُن چراغوں کے جلنے بجھنے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ دو دنوں سے جیسے اُس کی خوابیدہ آرزوئیں پھر بیدار ہو کے اُس کے ذہن میں اودھم مچاتی ہوئی ہولے ہولے اپنی موت مرتی جا رہی تھیں اُس کے سامنے اب راستے سینکڑوں تھے۔ لیکن اُن میں کوئی بھی راستہ روشن نہ تھا اُس کے مقدر کی سیاہی اُن راستوں پر بھی پھیل گئی تھی۔ اُس نے لاکھ کوشش کی کہ کہیں روشنی کی کوئی دُھندلی سی کرن مل جائے لیکن مایوسی کے سوا اُسے کچھ نہ ملا تھا۔ اُس نے گلاب کا شگفتہ پھول توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھا تو دیئے لیکن اپنے کھردرے ہاتھوں کو دیکھ تو لیا ہوتا۔ نرم، گدگدے سے صوفوں پر گرنے سے پہلے اُس نے اتنا تو سوچ لیا ہوتا کہ یہاں اُسے گداز نہیں ملے گا بلکہ یہ احساس ذہن کے

[illegible] ہوجانے کے بعد اُس نے
[illegible] کے بعد اُنہوں نے بہت سی کوشش کی تھی۔ اب اُس سے یہ
[illegible] گئے تھے۔ اور وہ بیٹیوں میں گھر کی جان بنی ہوئی تھی۔ وہ آنسو بہ نکلے
اور وہ گھر کی کیا ہی بھلا کے خود روپوش ہو گئے کہ سمجھ نہیں سکی اور اُس
کی وہ ختم ہو گئی تھی جب نصرت اپنے حسین خوابوں کی تنہا ایک ہی ماں کا
سہارا بنی تھی۔ جب اُس کا باپ اس کا بوجھ اُس کے کندھوں پر سے کا ہی زندگی
سے منہ موڑ کے نصرت کی وادی میں چلا گیا تھا۔ اُس دن وہ نصرت مرجھا گئی تھی۔ جو
آنگن میں چلتے چلتے اپنی چاپ اور اپنے سائے اور گھر کی تنہائی میں اپنی سانس
سے بھی ڈر جایا کرتی تھی۔ اب تو صرف اُس کا ہی رعب زندہ تھا جن کا نام

- انسان کا منہ بند پڑا ہے اور زبان اژدہا ہو کھولنے والے کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ (عربی مقولہ)
- میں بات کہنے کے بعد اُس کے اثر کو روک نہیں سکتا حالانکہ اس سے پہلے مجھے اُس پر قابو ہوتا۔ (میکلے)
- جاہل کا بہترین جواب خاموشی ہے۔
(حضرت شیخ سعدیؒ)
- ہمارے اعمال دریا ہیں اور خاموشی کشتی۔ (گرے)

[illegible]
اکثر آیا کرتے تھے۔ اُن کی [illegible]
جا گئی تھی۔ [illegible]
وہ دونوں جب [illegible]
بے گمان ہو جاتیں۔ [illegible]
کے فیشن [illegible] اُن
باتوں کا ذائقہ بہت عجیب تھا [illegible] اور شیریں تھی۔ [illegible] جب رضی کو
گھر جانے میں دیر ہو جاتی تو اُس کا بڑا بھائی نسیم آتے [illegible] آیا کرتا تھا۔ جو
دروازے پر رک کے ایک ہی آواز دیتا۔ تم چلتی ہو رضی یا تمہیں اٹھانے کے
لئے کرین لاؤں؟ رضی ہنس دیتی اور نصرت کا دل جیسے [illegible] کر کے رک جاتا
اور پھر سے اپنی راہ پر دوڑنے لگ جاتا۔ جی اُس کا بھی [illegible] کھلکھلا کے
ہنسے۔ لیکن نہ جانے کون سی شے اُسے دبا دیتی تھی۔ اور اُس کی ہنسی اُس کے
حلق میں دب کر رہ جاتی تھی۔ لیکن اُس کے گال سرخ ہو جاتے تھے۔ اور نگاہوں
میں شفق پھیل جاتی تھی۔ دو تین برس بعد رضی کے والد کا تبادلہ ہو گیا تو
وہ سب لوگ یہاں سے چلے گئے تھے۔ اس کے بعد نہ تو رضی اُس سے ملنے
آئی تھی اور نہ کبھی بھولے سے بھی اُس نے خط لکھا تھا۔ ایک بار ایک پرچہ
آیا بھی تھا لیکن وہ خط کم اور تعزیتی پیغام زیادہ تھا۔ اسی پرچے کے آخر
میں رضی نے لکھا تھا کہ وہ نسیم بھیا اب کرین لانے کو تقاضا کرتے رہتے،
اب وہ واقعی انجینئر ہو گئے ہیں۔ نصرت نے یہ فقرہ ایک بار نہیں ہزاروں بار پڑھا
تھا لیکن جانے کون سی ایسی شے، کون سی ایسی [illegible] پوشیدہ تھی
کہ اُسے ہر بار انوکھی کیفیت سے دوچار کر جاتی۔ [illegible] کے خود
بخود نصرت کے لبوں کے گوشوں میں [illegible] پھیل گئے تھے اور [illegible]
آنکھوں میں [illegible] ہو گئے تھے۔ اُس وقت بھی اُس کی آنکھوں میں [illegible] تھیں
اور [illegible] سالوں

نصرت نہیں سہارا تھا۔ ایسا سہارا جس کا بازو تھام کے بوڑھی ماں کو قبر کی تنہائیوں
تک کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ باپ کے مرنے سے پہلے نصرت نے کیا کچھ نہیں سوچا تھا!
اُس نے کون کون سے خواب نہ دیکھے تھے۔ تنہائی میں اُس کا دل کس طرح نہ
گدگدایا۔ اور ایک عجیب دھند میں لپٹے تصور سے لرز نہیں گیا تھا۔ اُن دنوں
اُس کی زندگی خوشی اور مسرت کا دوسرا نام تھی لیکن اب، اب تو وہ مٹی کا ایک
کھلونا بن گئی تھی۔ اب تو اُس کے خوابوں، اُس کے جذبات پر جیسے برف کی
سِل رکھ دی تھی کسی نے! شاید اُسے اس بات کا علم تھا کہ آج کے سماج میں ایسی
نصرت کا کوئی بھی ہاتھ تھامنے نہ آئے گا۔ جس کا باپ مر چکا تھا اور جو بمشکل اپنا
اور اپنی ماں کا پیٹ بھر رہی تھی۔ لیکن جانے کیسے اچانک ہی یہ بات برف سے بھری؟

جمیلہ [illegible] دہلی

کی چھت کے نیچے کسی [illegible] ہو گئی لیکن آج سے [illegible]
پہلے کبھی اس [illegible] گزرتے ہوئے اس [illegible]
رہنے والی ندرت کی [illegible] آج تھی جس
میں [illegible] جسم پر چپکا گئی تھی
وہ اسکول [illegible] گیا باہر کے
دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اُس کا جی دو چاہا تھا کہ اُٹھے لیکن پھر یہ
سوچ کر کہ ممکن ہو سکتا ہے اسکول سے کوئی پیغام آیا ہو وہ صحن کے دروازے
تک چلی آئی۔ اُس نے چٹخنی [illegible] سے باہر جھانکا تو ہاتھ میں تھاما ہوا [illegible]
کے ساتھ ٹھنڈا سا چپک گیا۔ اُس نے [illegible] ایک ہاتھ پر ڈال دیا تھا
اُس کے پاؤں بڑھ نہ سکے تھے اور مارے حیرت کے اُس نے آنچل منہ میں ٹھونس لیا
سامنے گلی میں نسیم کھڑا تھا۔ وہی نکریں لانے والا نسیم! وہ اُلٹے قدموں دوڑتی
کی طرف بھاگی۔ اور ساری بات ماں سے کہہ دی۔ ماں کی آنکھوں میں دھواں
گھس گیا تھا اور اب بے تحاشا پانی بہہ رہا تھا۔ وہ اُسے صاف کرتی ہوئی دروازے
کی طرف گئی۔ لیکن ندرت میں ہمت نہ ہو سکی کہ وہ بھی ماں کے پیچھے جائے۔
اُس کا تو جیسے سارا خون چہرے کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ پھر وہ کارنس کا سہارا
لیے چپ چاپ سوچنے لگی۔ آخر بات ہی کونسی ایسی ہے کہ جو وہ یوں بوکھلا
گئی ہے؟ لیکن جب ماں نے باہر کے کمرے کا دروازہ کھول کے نسیم کو بٹھایا
تو اُس پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور ایک بار پھر بے چارگی سے اُس کا دم گھٹنے لگا
نسیم کمرے کی حالت دیکھ کے کیا کہے گا؟ کن فقیروں کے ہاں آیا ہے ڈھنگ
کی کوئی چیز نہیں۔ ڈیڈی زندہ تھے تو چند چیزیں دکھائی دے جاتی تھیں لیکن
اب تو وہ بھی [illegible] جب ماں نے اُسے پکارا تو بدحواسی میں اُس کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ وہ باہر جائے یا چھت پر چڑھ جائے؟ آج شاید پہلی بار اُسے ماں
کے بڑھاپے کا شدید احساس ہو رہا تھا۔ ان سستے اور میلے کپڑوں میں وہ
آخر کیسے جائے گی۔ اور جب ماں کی دوسری اور پھر تیسری آواز آئی تو ندرت
ایسے قدموں سے چل رہی جیسے وہ پاؤں کسی سے مانگ کے لائی ہو اور اُس
سے اُٹھائے نہ اُٹھ رہے ہوں۔ اُن دنوں میں بھی جب کبھی نسیم دروازے
پر آتا تو اپنی [illegible] شرم کے باوجود ندرت کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوتی

ٹھہرا ہوا تھا کہ نسیم کو دیکھیے جو اتنے شوخ فقرے چست کرتا ہے۔ لیکن
اب تو جیسے اُن کے گھر کوئی اور نسیم آ گیا تھا۔ صاف سوٹ پہنے، ٹائی کی
ناٹ اہتمام سے باندھے مسکراتا، نگاہوں کو جھکائے، اپنی اُنگلیوں کو
ایک دوسری میں پھنسائے وہ اُس کی ماں سے باتیں کیے جا رہا تھا۔ اُس کے
لہجے میں شوخی نہ تھی، اعتماد ضرور تھا۔ اور ندرت اور بھی دوہری ہوئی جا رہی
تھی۔ کون جانے جو نسیم کی آنکھیں اُس کے آنچل پر پڑیں اور وہ جان لے کہ
ندرت کا دل تو بُری طرح دھڑک رہا ہے۔ اپنے آپ میں ہمت پیدا کر کے نہ جانے
کیسے اُس نے طویل سانس لیا۔ ہولے سے گلا صاف کیا اور پھر لبوں پر زبان
پھیر کے ذرا سا اوپر اُٹھاتے ہوئے بولی "رضی خیریت سے تھیں؟" نسیم نے

- دوسروں کی بُرائیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے اپنی بُرائیوں
پر نظر ڈالو؛ (حضرت امام رازیؒ)
- ہر نیک عمل کے وقت یہ سمجھو کہ شاید یہ آخری عمل ہو؛
(شیخ محی الدین ابن عربیؒ)
- رات کو سوتے وقت دن بھر کے کاموں پر تنقید کیا کرو؛
حضرت امام غزالیؒ
- جو شخص تنہائی میں تم سے تمھارے عیب بیان کرے اُسے
اپنا خیر خواہ سمجھو؛ (مہاتما گاندھی)

منہ پھیر کے دیکھا۔ "جی ہاں! دن گزر ہی رہے ہیں۔" وہ کوئی دوسری بات بھی
پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن نسیم نے کچھ اتنی تیز نگاہوں سے دیکھا تھا کہ اُس کی
ہمت جواب دے گئی اور وہ اُنگلیاں چٹخانے لگی۔ نسیم نے بتلایا تھا کہ وہ کسی
کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ اور دو تین دن ٹھہرے گا۔ وہ اپنے
دوستوں سے ملنے گیا اور یہ دونوں ماں بیٹی جب اندر آئیں تو ندرت ماں پر
ساون کے تیز چھینٹوں کی طرح برس پڑی۔ "بھلا انھیں یہاں آنے کی کیا ضرورت
تھی ماں؟" ماں نے عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ "کہیں پاگل تو نہیں
ہو گئی لڑکی! بھلا گھر آئے مہمان کو بھی کبھی اس طرح کہا جاتا ہے؟ تمھارا وہ آخر

سے کیا جائے گا؟"

لیکن وہ اب ماں کو کیا سمجھاتی کہ اُس نے یہ فقرہ کیوں کہا تھا۔ وہ بے چارگی کے سمندر میں ڈوب گئی۔ اُس نے دوسری بات نہ کی اور اپنے کمرے میں جا کے کتاب پڑھنے لگی۔

اُس کا خیال تھا، مطالعے سے یہ خیال ذہن سے نکل جائے گا۔ لیکن کتنے ہی اوراق پلٹنے کے بعد بھی جب ایک ہی سطر اُس کی نگاہوں میں گھومتی رہی تو اُس نے بے بس ہو کے کتاب رکھ دی۔ اُس کا جسم اور ذہن شل ہوتے جا رہے تھے۔ جیسے اُس سے احساس کی قوت چھینی جا رہی ہو۔ پھر اُس نے کروٹ بدل کے منہ تکیے میں چھپا لیا۔ اور جیسے دل نے پوچھ ہی لیا۔ "ہماری بے بسی اور ہمارے افلاس کا تماشا دیکھ کے کیا تم بھی ہمارا مذاق اڑانا چاہتی ہو ندرتی؟"

ماں نے اندھیرا گھرنے سے پہلے ہی کھانا تیار کر لیا تھا۔ اور اب اِس انتظار میں بیٹھی تھیں کہ نسیم آجائے تو وہ خود ہی اُسے کھلا دیں۔ ندرت کا جی چاہتا تھا کہ ماں سے آرام کرنے کو کہہ دے لیکن اُس کی پلکیں اُٹھ کے فوراً ہی جھک جاتیں۔ اور لب کھلنے سے پہلے ہی بند ہو جاتے۔ وہ کہے بھی تو کیا اور آخر کس طرح؟ پھر ماں تھک کے خود ہی اُٹھ آئی تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے بہت بڑا بوجھ اُس کے کندھوں پر پھینک دیا گیا ہو۔

وہ نسیم کا سامنا کیسے کرے گی؟

نسیم نے اُس سے کہا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن جانے کیوں وہ خود بخود سہم سی رہی تھی۔

رات بہت جا چکی تھی جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ندرت نے دروازہ کھولا۔ لیکن کمرے میں ایک پل بھی نہیں رکی۔ نسیم یوں دبے پاؤں اندر آ کے بیٹھ گیا جیسے مہمان نہیں کوئی چور ہے۔

وہ کھانا لے گئی تو نسیم کہنے لگا۔

"معاف کیجئے، مجھے ذرا دیر ہو گئی۔ آپ تو جانتی ہیں کہ پرانے دوستوں ....." ندرت برتن اُٹھائے اندر آ چکی تھی۔ اُس نے دیکھا تو ہڑبڑا کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "دیکھئے میں کھانا تو کھا آیا ہوں۔ غلطی ہوئی جو آپ سے کہہ کے نہیں

کیا [illegible] خود بخود کانپ گئے

نسیم مسکرا دیا۔

اور پھر میز اپنے قریب کھینچ کے کہنے لگا۔

"آپ دیر [illegible]

اُس نے دو چار [illegible]

پیار کرتے ہوئے باتیں کرنے لگا۔ باتوں [illegible] تھا ـــــ!

باتیں کرتے کرتے اچانک جو اُس نے سر اُٹھا کے ندرت کو دیکھا تو وہ مارے ندامت کے پانی پانی ہو گئی۔ نسیم نے اُسے اپنی طرف چور نگاہ سے دیکھتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔ حجاب نے اُس کا سر جھکا دیا تھا۔ لیکن [illegible] طرح جھنجھلا رہی تھی کہ آخر یہ بے بسی کب اُس کا پیچھا چھوڑے گی؟

نسیم پھر باتیں کرنے لگا۔ اور ندرت سب کچھ بھول کے اُس کی باتیں سننے لگی۔ اُس کا ذہن اُسے نہ جانے کہاں کہاں اُڑا رہا تھا۔ اور پھر جو ندرت نے پلکیں اُٹھا کے جھجکتے جھجکتے نسیم کی طرف دیکھا تو جیسے برف کی سِل ایک بار پھر اُس کے سر پہ آ گری۔ نسیم تو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ تو ..... اُس کی نگاہوں میں لرزش بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

اور شاید یہی وہ لمحہ تھا جب سمندر کی لہر کی طرح ندرت کے دل میں پہلی بار بغاوت نے جنم لیا۔ اچانک ہی نسیم نے اُس سے پوچھ لیا۔

"آپ کے لبوں پر اگر کسی نے مُہر لگا دی ہو تو لائیے میں ـــــ"

اُسے تو بھاگنے کا راستہ ہی نہ ملا۔ اُسے یاد نہیں کہ وہ کس وقت وہاں سے اُٹھ کے آئی تھی۔ لبوں پر سکوت کا جال پھیلائے وہ پہروں چپ بیٹھی رہی تھی اور پھر اُس کی بغاوت لمحہ بہ لمحہ شدید ہوتی گئی۔ وہ ایک انجانا خیال، ایک انوکھا جذبہ اپنے دل میں لئے اُٹھ آئی تھی۔ یہ خیال اور یہ جذبہ اُس کے وجود کی گہرائیوں میں سے اُبھرا تھا۔ وہ سوئی بھی تو اتنی دیر سے کہ سورج اُوپر آ جانے کے بعد بھی نہ جاگی۔

پہلے جب کبھی چھوٹے بھائی بہن کا دن آتا تھا تو اُسے گھر سارے کھانے

بیسویں صدی کی نئی پیشکش — دو شہرۂ آفاق ناول

جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

پہلا ناول

[illegible] قیمت صرف [illegible] روپے پچاس پیسے۔

بکھرے خواب

[illegible]

ناول نگاری میں [illegible] کی حیثیت رکھتا ہے۔ [illegible]

اعلیٰ کاغذ [illegible] قیمت صرف [illegible] روپے

جو عورت ننگی ہے

[illegible] حسین مجموعہ۔ ان افسانوں میں رومان و محبت کی [illegible] کی سرمستیاں ہیں۔ قیمت فی جلد صرف [illegible] روپے۔

سہمے سپنے

[illegible] افسانوں کا مجموعہ قیمت فی جلد صرف [illegible] روپے

سنگمرمر میں

[illegible] افسانوں کے [illegible] قیمت فی جلد [illegible] روپے

دہکتی رگیں

ہر افسانے میں جوانی کا اضطراب ہے [illegible] کی بے قراری ہے۔ قیمت فی جلد صرف [illegible] روپے

ایک تمام سے تین ننگے

[illegible] کی شاہکار [illegible] قیمت فی جلد [illegible] روپے۔

کالی راتیں

[illegible] قیمت فی جلد صرف [illegible] روپے

یہ لڑکیاں

[illegible]

عورت ایک پہیلی

[illegible]

پتہ: رسالہ بیسویں صدی [illegible] دہلی

کو ڈھونڈتا تھا۔ وہ گھر کے جس کونے اور جس حصے میں جاتی محرومی منہ چڑاتی ہوئی سامنے آجاتی۔ اُسے اِس بات کا شدت سے احساس ہوتا تھا کہ اُس نے اپنے ہاتھوں ایک وجود کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ لیکن آج چھٹی نہ تھی۔ پھر بھی اُس کا جی گھر ہی رہنے کو چاہ رہا تھا۔ وہ انہی کونوں اور حصوں میں گھومنا چاہتی تھی۔ آج تو اُس کا جی چاہتا تھا گھر سے باہر نکلے ہی نہیں۔ کبھی نہیں۔ منہ ہاتھ دھو کے وہ چپکے سے باہر کے کمرے میں چلی گئی۔ اُس کا خیال تھا نسیم جیسا لاابالی شخص کمرے کا حلیہ بگاڑ کے گیا ہوگا۔ کیوں نہ وہ اُس کے آنے سے پہلے ہی کمرے کو صاف کر دے۔ شاید اِس خدمت سے اُس کی سسکتی روح کو سکون مل سکے۔ وہ لگن سے کسی کا کام کر رہی تھی۔ لیکن کمرے میں جا کے اُسے بہت مایوسی ہوئی۔ نسیم تو پہلے ہی کمرے کی ہر چیز کو ترتیب دے گیا تھا۔ بستر کی شکنیں صاف تھیں۔ وہ سوٹ جو اُس نے کل پہن رکھا تھا اب ہینگر پر لٹک رہا تھا۔ کونے میں اُس کا اٹیچی کیس اور خالی ہولڈال پڑے تھے۔ پھر نہ جانے کیوں اُس کا جی چاہا کہ نسیم کا اٹیچی تو دیکھ لے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گھر میں ماں کے سوا اور کوئی نہیں ہے وہ بہت احتیاط سے دروازہ بند کر کے بیٹھی۔ اٹیچی کھولا تو اُس میں ایک سوٹ اور دو قمیصیں پڑی تھیں۔ سوٹ اُٹھا کے اُس نے قمیصوں کے نیچے جھانکنے کی کوشش کی تو اُس کا دل تیزی سے دھڑک اُٹھا۔ اور سانس تیز ہو گئی۔ نیچے اٹیچی کی ننگی سطح پر ایک پرانی تصویر پڑی تھی۔ یہ رعنی اور اُس کی تصویر تھی۔ ندرت نے کپڑے چھوڑ دیے اور تصویر اُٹھا کے کھڑی ہو گئی۔ اُس کا ذہن قلابازی کھا گیا۔

"یہ تصویر یہاں کیسے؟" چند لمحے وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی اور جب اُس کی نظریں اپنے چہرے سے ہٹ کے رعنی کے چہرے پر پڑیں تو جیسے برف کی سِل ایک بار پھر اُس کی نگاہوں کے سمندر میں تیر گئی۔ "رعنی تو اُس کی بہن ہے شاید اسی لئے اُس نے تصویر یہاں رکھ چھوڑی ہے۔" اٹیچی بند کر کے وہ تصویر لیے باہر جانے کے لئے مڑی تو جانے کیوں اُس کا جی چاہا کہ ذرا اِس بستر پر بیٹھ کے تو دیکھ لے۔ لیکن پھر اُس کا جسم خوف سے لرزنے لگا۔ یہ دیواریں چیر کے کسی نے دیکھ لیا تو؟.... تو پھر کیا ہوگا؟—— دوپہر کو نسیم کھانے کے لئے آیا تو وہ باہر گئی ہی نہیں۔ وہ تو اپنے کمرے میں بند اُس تصویر کو دیکھے جا رہی تھی۔ یہ تصویر جو اُس کی بغاوت کی منزل تھی اور جو اُس کے جذبے کو روندے جا رہی تھی۔ بہت دیر بعد وہ باہر نکلی تو گنگنا رہی تھی۔ لیکن پھر اچانک اُس کا چہرہ اِتنا اُداس ہو گیا اور وہاں اِتنی بوجھل خاموشی چھا گئی جتنی آسمان پر گہرے بادلوں کے چھا جانے سے فضا میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک بات اب بھی اُس کے ارد گرد چکر کاٹ رہی تھی کہ یہ تصویر نسیم نے آخر اپنے اٹیچی میں کیوں رکھ چھوڑی ہے——؟

رات کو نسیم آیا اور ندرت کھانا لے کے گئی تو اُس نے اِتنی تیز نگاہوں سے اُسے گھورا کہ ندرت کے ہاتھ کانپ گئے۔ اُس نے کھانا کم کھایا تھا اور پچھلی رات کی طرح بس باتیں ہی کرتا گیا تھا۔ اور اب تو اُس کا گلا بھی خشک ہو چلا تھا اور پھر ندرت نے بھی اپنے آپ میں اِتنی ہمت پیدا کر لی تھی کہ اُس کی باتوں کا جواب دے سکے بلکہ خود سے نسیم کی نگاہوں میں جھانک کے دیکھ سکے۔ جہاں اُس نے ایک عجیب سی جھلک دیکھی تھی۔ شاید اپنائیت یا.... پھر اُٹھتے اُٹھتے وہ کہنے لگا

"رعنی آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔"

ندرت نے پوچھا۔

"اچھا——؟"

نسیم مسکرا دیا۔

"جی ہاں! لیکن اُس نے یہ کبھی نہ بتایا تھا کہ آپ کچھ چھپا بھی سکتی ہیں۔"

اُس کی حالت اُس چور جیسی تھی جو اچانک ہی پکڑا گیا ہو۔

اور اب دوپہر ہو رہی تھی۔ ندرت آج پھر اسکول نہیں گئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد نسیم کو لوٹ کے، کھانا کھا کے شام کی گاڑی پکڑنی تھی۔ پچھلے دنوں سے جو باغی لہریں اُس کے دل کے سمندر میں شور مچا رہی تھیں وہ انھیں سامنے سے سر پٹختے دیکھ رہی تھی۔ رات اُسے پھر دیر تک نیند نہ آئی تھی۔ صبح جاگی تو اُس وقت سے چھت پر بیٹھی گھٹنوں کو جوڑے بازوؤں کے حلقے میں لیے ٹھوڑی جمائے چپ چاپ اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔ جیسے اُس نے جان بوجھ کے کوئی بہت بڑی غلطی کی ہو۔ وہ ایک راستے پر چلنا چاہتی تو دوسرا وجود اُس کا راستہ روک دیتا۔ اور اب جیسے وہ ہولے ہولے کنارے پر پہنچ ہی گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اُس نے بیٹھے بٹھائے آخر ایسی بات کی تمنا کی ہی کیوں؟ جسے وہ عمل نہیں کر سکتی۔ جب اُسے علم تھا کہ ندرت کون ہے، اُس کی ہستی کیا ہے تو پھر اِس ندرت نے اِتنی اُمیدوں سے اپنا دامن کیوں بھر لیا۔ اگر نسیم نے تصویر

[redacted]

انجانے میں وہ کھو چکی تھی۔ تو رمنی تو اُس کی اپنی بہن ہے نا۔ یا پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رمنی اِس انگوٹھی کو کہیں لے گئی ہو اور… پھر اِس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے نیم تو بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ وہ تو جائداد والی ماں کا لال ہے۔ اِتنا اونچا اُٹھنے والی رمنی کا بھائی ہے۔ کہاں وہ لوگ، کہاں ندرت! جیسے سفید چادر پہ سیاہ دھبہ! اُف میرے خدا! میں بھی کتنی بے بس ہوں۔ کچھ کرنا تو رہا ایک طرف مجھے تو کچھ سوچنے کا بھی حق نہیں پہنچتا۔ مجھے تو اپنی ساری آرزوؤں کو جلا دینا چاہئے۔ میں نے اِنہیں جلا بھی دیا تھا لیکن نہ جانے کہاں سے یہ پھر بیدار ہو گئیں۔ میں ایک بار پھر اِن کا گلا گھونٹ دوں گی۔ لیکن کیا میں اِن آرزوؤں کی بجائے خود اپنا گلا نہیں گھونٹ سکتی؟ پھر جیسے ڈوبتے ڈوبتے اُسے اُمید کی آخری کرن دکھائی دی۔ اُس نے سوچا، آخر پھول بھی تو شب کی تاریکی ہی میں کھلتے ہیں لیکن فوراً ہی کسی نے آگے بڑھ کے اُس کا منہ چڑا دیا۔ تم بھول رہی ہو ندرت! کہ پھول کھلتے جاتے ہیں تو دن کی روشنی میں! تم پاگل جو ہو۔ لیے یاد رکھو کہ تمہارے پاس نہ کھانے کو ہے اور نہ پہننے کو۔ تم اِن باغی لہروں کو ساحل سے ٹکرا کے واپس جانے دو۔ چُپ چاپ اپنے ذہن اور اپنے دل پر برف کی سِل رکھ لو۔ یہی اب تمہارا ساتھ دے گی۔ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی۔ اپنے کمرے میں بستر پر جا گری اور آنسو تکیے میں جذب ہوتے گئے۔

نیم کھانا کھانے جانے کی تیاری میں تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ دل کا سارا طوفان ختم ہو گیا تھا۔ اُس کا چہرہ پہلے کی طرح اب بھی جذبات سے خالی تھا۔ البتہ کچھ زیادہ ہی زرد معلوم ہو رہا تھا۔ منہ دھو کے اُس نے بہت بے پروائی سے باہر کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی نیم جس طرح خود ہی آیا ہے چلا بھی جائے گا۔ وہ تو اِسی وقت اسکول جائے گی۔ ایک پیریڈ باقی تھا۔ وہی پڑھا آئے گی۔ لیکن کمرے میں جا کے وہ اِس [illegible] ۔۔۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] وہ کچھ کہا بھی نہیں چاہتی تھی۔ ۔۔۔ [illegible] کے لئے پیغام ۔۔۔ تھی کہ نیم کا اچانک کچھ یاد آیا۔

"وہ میرا ۔۔۔ اندر رہ گیا ہے ۔۔۔ دیجئے۔"

ندرت چُپ چاپ اندر چلی آئی اور ۔۔۔ کے اُس کو گئی لیکن وہاں تو پل بھر میں کمرے کا حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ ۔۔۔ پڑا تھا۔ اٹیچی کے سارے کپڑے نیچے اور میز پر بکھرے پڑے تھے۔ اور اُلٹے سیدھے دکھائی دے رہے تھے جیسے کوئی چیز تلاش کی گئی ہو۔ نیم سوٹ کی جیبیں تلاش کر رہا تھا۔ ندرت خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اور کو اپنی جیبوں میں سے کچھ نہ ملا تو وہ سر جھکا کے سوچنے لگا۔ پھر آگے بڑھ اپنا دوسرا سوٹ جھاڑنے لگا۔

ندرت چُپ نہ رہ سکی۔

"کوئی چیز کھو گئی ہے آپ کی کیا؟"

نیم نے اُس کی طرف دیکھا نہیں۔ تلاش کرتا گیا۔

"جی ہاں!"

ندرت کی پلکیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

"کیا تھی وہ؟"

اُس نے پوچھا۔

"ایک تصویر تھی وہ…"

ندرت کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تصویر…؟"

"جی ہاں! اور جب تک وہ نہ ملے گی ۔۔۔ [illegible]

ندرت سے وہ ۔۔۔ بھی نہ گیا۔

وہ ساکت و صامت رہ گئی۔

اُسے ایسا معلوم ہوا ۔۔۔ جیسے ۔۔۔ [illegible]

یہ گئی ہو ——!!

غزل

ایاز جھانسوی

شاخ ٹوٹتی ہے لچکتی ضرور ہے
بجھنے سے پہلے شمع بھڑکتی ضرور ہے

گلشن کیا جو سینکڑوں پیشوا ہیں ہونہار
بجلی ہے جس کا نام چمکتی ضرور ہے

[illegible] ہیں جو کسی بے شعور کے
اُس جام سے شراب چھلکتی ضرور ہے

[illegible] کچھ پلٹنا پڑے مگر
کشتی کی سمت موج لپکتی ضرور ہے

[illegible] تو دل کا راز ہے دل میں مگر ایاز
حیرت سے ہر نظر مجھے تکتی ضرور ہے

غزل

روحی کنجاہی

آتے آتے تمھاری محفل تک
ذکر میرا بھی آگیا ہوگا

تیرے نزدیک رہ کے دیکھ لیا
دُور رہ کر بھی دیکھنا ہوگا

باتوں باتوں میں آ کے تا لب پر
یُوں بیاں حرفِ مدعا ہوگا

ایک منزل پہ سب کو جانا ہے
راستہ ہاں جدا جدا ہوگا

زندہ رہنے کے واسطے روحی
تند موجوں سے کھیلنا ہوگا

غزل

منّت حسین

بزار ہو کے آ نکلے ہوئے ہیں دنیا سے
کہیں فریب میں آتے ہیں تیرے دیوانے

درونِ پردۂ محفل بڑے اندھیرے ہیں
کوئی چراغ جلاؤ تو آئیں پروانے

[illegible] یہ پابندیاں زمانے کی
[illegible] بناتے ہیں لوگ افسانے

[illegible] شعور سے تمام ہے قید و قیود کا مقام
مری نگاہ یہ ہیں آنسوؤں کے پیمانے

کہاں چلے تھے منّت یہ یاد ہے لیکن
یہ سوچتے ہیں کہاں آ گئے خدا جانے

انجی میں رکھ چھوڑی تھی۔ تورضی تو اُس کی انچی بہن ہے نا۔ یا پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رضی اِس انجی کو کہیں لے گئی ہو اور... پھر اِس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے نسیم تو بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ وہ تو جائداد والی ماں کا لال ہے۔ اِتنا اُونچا اُڑنے والی رضی کا بھائی ہے۔ کہاں وہ لوگ، کہاں ندرت! جیسے سفید چادر پر سیاہ دھبہ! اُف میرے خدا! میں بھی کتنی بے بس ہوں۔ کچھ کرنا تو رہا ایک طرف مجھے تو کچھ سوچنے کا بھی حق نہیں پہنچتا۔ مجھے تو اپنی ساری آرزوؤں کو جلا دینا چاہئے۔ میں نے انہیں جلا بھی دیا تھا لیکن نہ جانے کہاں سے یہ پھر بیدار ہو گئیں۔ میں ایک بار پھر اِن کا گلا گھونٹ دوں گی۔ لیکن کیا میں اِن آرزوؤں کی بجائے خود اپنا گلا نہیں گھونٹ سکتی؟ پھر جیسے ڈوبتے ڈوبتے اُسے اُمید کی آخری کرن دکھائی دی۔ اُس نے سوچا، آخر پھول بھی تو شب کی تاریکی ہی میں کھلتے ہیں لیکن فوراً ہی کسی نے آگے بڑھ کے اُس کا منھ چڑا دیا۔ "تم بھول رہی ہو ندرت! کہ پھول کچلے جاتے ہیں تو دن کی روشنی میں! تم پاگل ہو ہو۔ اِسے یاد رکھو کہ تمھارے پاس نہ کھانے کو ہے اور نہ پہننے کو۔ تم اِن باغی لہروں کو ساحل سے ٹکرا کے واپس جانے دو۔ چُپ چاپ اپنے ذہن اور اپنے دل پر برف کی سِل رکھ لو۔ یہی اب تمھارا ساتھ دے گی" سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی۔ اپنے کمرے میں بستر پر جا گری اور آنسو تکیے میں جذب ہوتے گئے۔

نسیم کھانا کھا کے جانے کی تیاری میں تھا کہ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ دل کا سارا طوفان ختم ہو گیا تھا۔ اُس کا چہرہ پہلے کی طرح اب بھی جذبات سے خالی تھا۔ البتہ کچھ زیادہ ہی زرد معلوم ہو رہا تھا۔ منھ دھو کے اُس نے بہت بے پروائی سے باہر کے کمرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی نسیم جس طرح خود ہی آیا ہے چلا بھی جائے گا۔ وہ تو اِسی وقت اسکول جائے گی۔ ایک پیریڈ باقی تھا۔ وہی پڑھا آئے گی۔ لیکن کمرے میں جا کے وہ اِس چھٹکارا نہ پا سکی کہ اور نہ سہی کم از کم رضی کے لئے سلام تو دے آئے۔ آخر اُس بے چاری نے کیا جرم کیا ہے۔

ہولڈ ال اور انچی دونوں تیار تھے۔ اور کمرے کے درمیان کھڑا نسیم اُسی کا منتظر تھا۔ ندرت کو دیکھ کے اُس کی مسکراہٹ پھر پھیل گئی۔ "آپ کی [illegible] وہ کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ ... [illegible] وہ سوچ کے پیغام سوچ رہی تھی کہ نسیم کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔

"وہ میرا ٹماٹو ل اندر رہ گیا ہے۔ لا دیجئے۔"

ندرت چُپ چاپ اندر چلی آئی اور وہاں سے [illegible] گئی لیکن وہاں تو پل بھر میں کمرے کا حلیہ ہی بدل چکا تھا۔ ہولڈ ال کھلا پڑا تھا۔ انچی کے سارے کپڑے نیچے اور میز پر بکھرے پڑے تھے۔ [illegible] اُلٹے سیدھے دکھائی دے رہے تھے جیسے کوئی چیز تلاش کی گئی ہو۔ نسیم اب سوٹ کی جیبیں تلاش کر رہا تھا۔ ندرت خاموشی سے دیکھتی رہی۔ اور جب کو اپنی جیبوں میں سے کچھ نہ ملا تو وہ سر جھکا کے سوچنے لگا۔ پھر آگے بڑھ کے اپنا دوسرا سوٹ جھاڑنے لگا۔

ندرت چُپ نہ رہ سکی۔

"کوئی چیز کھو گئی ہے آپ کی کیا؟"

نسیم نے اُس کی طرف دیکھا نہیں۔ تلاش کرتا گیا۔

"جی ہاں!"

ندرت کی پلکیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔

"کیا تھی وہ؟"

اُس نے پوچھا۔

"ایک تصویر تھی وہ ...."

ندرت کا منھ کھلا رہ گیا۔

"تصویر ——— ؟"

"جی ہاں! اور جب تک وہ نہ ملے گی میں یہاں سے جا نہیں سکتا"

ندرت سے دوڑا بھی نہ گیا۔

وہ ساکت و صامت رہ گئی۔

اُسے ایسا معلوم ہوا ——— جیسے برف کی سل ——— پگھل کے بہہ گئی ہو ——— !!

●●

غزل

ایاز جھانسوی

جو شاخ ٹوٹتی ہے لچکتی ضرور ہے
بجھنے سے پہلے شمع بھڑکتی ضرور ہے

دشمن کیا جو سینکڑوں پردوں میں ہو نہاں
بجلی ہے جس کا نام چمکتی ضرور ہے

آ جائے ہاتھ میں جو کسی بے شعور کے
اُس جام سے شراب چھلکتی ضرور ہے

مایوس ہو کے لاکھ پلٹنا پڑے مگر
کشتی کی سمت موج لپکتی ضرور ہے

اب تک تو دل کا راز ہے دل میں مگر ایاز
حیرت سے ہر نظر مجھے تکتی ضرور ہے

غزل

ذوقی کنجاہی

آتے آتے تمہاری محفل میں
ذکر میرا بھی آ گیا ہوگا

تیرے نزدیک رہ کے دیکھ لیا
دُور رہ کر بھی دیکھنا ہوگا

باتوں باتوں میں آئے گا لب پر
یوں بیاں حرفِ مدعا ہوگا

ایک منزل پہ سب کو جانا ہے
راستہ ہاں جدا جدا ہوگا

زندہ رہنے کے واسطے ذوقی
تُند موجوں سے کھیلنا ہوگا

غزل

منذر حسین

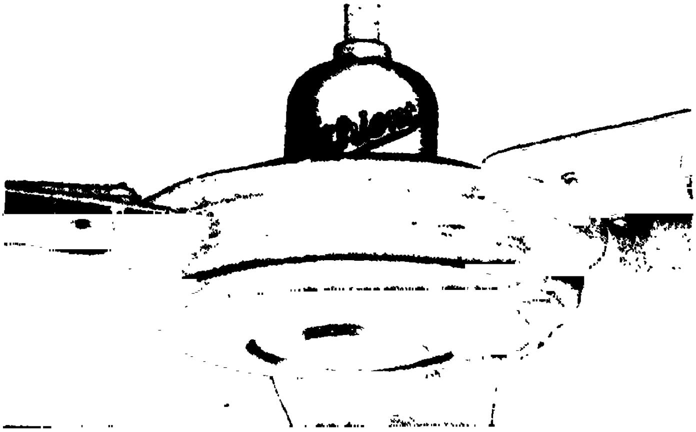
ہزار دام بچھائے ہوئے ہیں دُنیا نے
کہیں فریب میں آتے ہیں تیرے دیوانے

درونِ پردۂ محفل بڑے اندھیرے ہیں
کوئی چراغ جلاؤ تو آئیں پروانے

قفس قفس پہ ہیں پابندیاں زمانے کی
نظر نظر پہ بناتے ہیں لوگ افسانے

مِرے شعور سے خارج ہے قہقہوں کا مقام
مری نگاہ میں ہیں آنسوؤں کے پیمانے

کہاں چلے تھے منذر یہ یاد ہے لیکن
یہ سوچتے ہیں کہاں آ گئے خدا جانے



افسانہ

پونم

پریم کمار دیوان

۳۴، راجندر نگر۔ نئی دہلی

۲۴ ستمبر ۱۹۶۰ء

محترم خوشتر صاحب! آداب

.... یہ افسانہ پڑھ کر اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے چند نوجوانوں نے بھی روشنی پائی ـــــ چند گرنے والے بھی سنبھل گئے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے اپنی پُر خلوص کاوش کا صلہ مل گیا....

آپ کا ـــــ پریم کمار دیوان

مہندر کور بی اے پاس کرنے کے بعد چاچی کے برتاؤ سے تنگ آ کر اُن سے راجھگڑا کر دہلی آ گئی تھی۔ اِتنا بڑا شہر اُس نے پہلی بار دیکھا تھا لیکن عقل اور ہمت سے کام لے کر اُس نے نوکری تلاش کرنی شروع کی اور پہاڑ گنج میں رہنے والی دھوبن کی ایک بیوہ ماسی سے ایک کمرہ کرائے پہ لے کر رہنے لگی۔ پہلے اُسے ایک پرائیویٹ فرم میں کلرک کی جگہ ملی۔ مگر پھر جلد ہی اُسے ایک انگریزی فرم میں ریسیپشنسٹ کی جگہ مل گئی۔ تنخواہ بھی اچھی تھی اور کام بھی اچھا تھا۔ اُسے سارا دن مسکرا کر لوگوں کا سواگت کرنا پڑتا۔ انھیں ضروری اطلاعات دینی پڑتیں اور اکثر صرف خالی بیٹھنا پڑتا۔ اُس خالی وقت میں وہ رسالے اور ناول پڑھتی۔ کام بہت سیدھا اور دلچسپ تھا۔ اِس لئے اس کا دل دہلی میں خوب لگ گیا۔ اور وہ پچھلی زندگی کو بالکل بھول گئی۔

رسالے پڑھتے پڑھتے اُسے کہانیاں لکھنے کا بھی شوق ہوا۔ ایک دن اُس نے ایک چھوٹی سی کہانی لکھی اور اُسے ایک اخبار میں دینے کے لئے وہ خود ہی اخبار کے دفتر چلی گئی۔

وہ شام کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر پہلے بارش ہو چکی تھی۔ اور سڑکیں اِس طرح دُھل گئی تھیں جیسے نہلائی گئی ہوں۔ وہ تیز تیز قدموں سے کناٹ پلیس کے برآمدے میں سے جا رہی تھی کہ ایک موڑ کاٹتے ہوئے بالکل اچانک کسی سے ٹکرا ہو گئی۔ ـــــ

"آئی ایم ساری!" (مجھے افسوس ہے) مہندر کور نے اُس نوجوان کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بٹ آئی ایم ناٹ ساری!" (لیکن مجھے افسوس نہیں ہے)

اُس نوجوان نے مہندر کور کے گھورنے کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ اور جھک کر نیچے گرا ہوا اُس کا لفافہ اُٹھا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ مہندر کور نے جھپٹ کر غصہ سے لفافہ اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اُسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی آگے نکل گئی۔ سوچنے لگی، کچھ لوگ کتنے ڈھیٹ ہوتے ہیں ـــــ!

اُس اخبار کے دفتر کی سیڑھیاں چڑھ کر پوچھتی پوچھتی وہ میگزین سیکشن تک جا پہنچی۔ اور ڈرتے جھجکتے ہوئے وہ لفافہ ایڈیٹر صاحب کے ہاتھ میں دے کر ایسے مڑی جیسے وہ پکڑ نہ لے۔

مہندر کور ہڑبڑا کر باہر نکلی تو باہر کمرے کے موڑ پر پھر کسی سے ٹکر ہو گئی۔ گھبرا کر جو اُوپر دیکھا تو وہ حیران سی دیکھتی رہ گئی۔ سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا جس سے ابھی تھوڑی دیر پہلے ٹکر ہوئی تھی!

مہندر کور پنجاب کی رہنے والی تھی۔ قد و قامت بھی معمولی سا نہیں تھا۔ پھر

بھلا یہ شرارت کیوں برداشت کرتی۔ آنکھیں دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

لیکن اُس نوجوان کا ضبط بھی قابلِ تعریف تھا۔

اُسی طرح مسکرا کر بولا۔

"مطلب یہ بھلا کہ پہلا تو ہماری ٹکر ابھی لگتی ہے اور اُمید ہے کہ ابھی تیسری بھی ہوگی!"

"ہوں ——— !"

مہندر کور کو جواب اچھا لگا۔ اِس لئے بات آگے نہ بڑھا کر راستہ کاٹتے ہوئے جانے لگی۔

لیکن جیسے کچھ لوگ واقعی ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گا۔ شاستروں میں لکھا ہے کہ جب دو بار کسی سے ٹکر ہو جائے تو اُس سے تیسری بار ضرور ٹکرانا چاہیئے۔ نہیں تو سر میں پھوڑے نکل آتے ہیں!"

بات اُس نے مزے کی اور واجب کہی تھی۔ مہندر کور کو بچپن کی بات یاد آ گئی۔ جب کسی سے دو بار ٹکر ہو جاتی تو تیسری بار بھی آہستہ سے ٹکرا لیتے۔ نہیں تو جیسا کہ سنا تھا، سر میں پھوڑے نکل آتے ہیں۔ اور جب سر میں پھوڑے نکل آتے تھے تو نیم کے پانی سے نہانا پڑتا تھا۔ اُس نوجوان نے جب بچپن کی یہ بات بالکل اچانک یاد دلا دی تو مہندر کور دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکی لیکن اِس طرح بھلا وہ اُس کی بات کیسے مان سکتی تھی۔ اِس لئے مسکراتے ہوئے بولی ———

"میں تو یہ بیوقوفی نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کو وہم ہے تو دیوار سے ٹکرا جایئے۔"

اِس بات پر وہ دونوں ہنس پڑے۔

اور پھر وہ نوجوان مہندر کور کے ساتھ ہی نیچے کی طرف چل پڑا۔

چلتے چلتے پوچھنے لگا۔

"تو آپ کہانیاں لکھتی ہیں؟"

"لکھتی نہیں ہوں۔ پہلی بار لکھی ہے۔ آپ نے کیسے جانا؟"

"آپ کی آنکھوں سے۔ جن میں کئی کہانیاں ہیں"

اُس نوجوان نے کہا تو مہندر کور شرما گئی۔ کسی کے منہ سے تعریف سننا ایک عجیب تجربہ تھا۔ پھر بھی اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ تو بنانے لگے!"

وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ چکے تھے۔ اندھیرا پھیل رہا تھا اور بارش کے بعد کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا پاگل سی بنا رہی تھی ——— شام کے وقت کناٹ پلیس یوں بھی بہت چہل پہل ہوتی ہے۔ پھر آج تو مہندر کور کو ہر چیز خوبصورت معلوم ہو رہی تھی ہنستی مسکراتی ہوئی!

چلتے چلتے اُس نوجوان نے کہا۔

"کافی ہاؤس چلئے گا!؟"

"اِس وقت؟ اب تو کافی دیر ہو گئی ہے" مہندر کور نے چاہتے ہوئے بھی کہا۔

"کیا گھر میں آپ کا انتظار ہوگا؟"

"نہیں تو! میں تو اکیلی رہتی ہوں!"

اور پھر مہندر کور نے تھوڑے سے لفظوں میں اپنی کہانی سنا دی۔

وہ نوجوان مہندر کور کی باتیں دھیان سے سنتا رہا اور پھر بولا۔

"چلئے آج آپ سے ملنے کی خوشی میں دعوت بھی ہو جائے گی۔ اور آپ کی لکھی ہوئی کہانی بھی سنی جائے گی۔ آپ کے پاس اُس کی کاپی تو ہوگی نا؟"

"ہاں وہ تو ہے!" مہندر کور نے دھیرے سے کہا۔ اور پھر انکار نہ کر سکی۔ کافی ہاؤس کے ایک کیبن میں بیٹھنے کے بعد اُس نوجوان نے دو کافی اور کچھ کھانے کے سامان کا آرڈر دیا۔ پھر اُس نے مسکراتے ہوئے مہندر کور سے کہانی سنانے کے لئے کہا۔

مہندر کور شرمائی اور نہیں نہیں کرنے لگی تو اُس نے کہا۔

"آپ میرے سامنے اپنی کہانی پڑھنے میں شرما رہی ہیں اور جب یہ چھپ جائے گی تب تو ہزاروں لوگ پڑھیں گے"

اُس کی دلیل وزن دار تھی۔ اِس لئے مہندر کور مان گئی اور دھیرے دھیرے کہانی سنانے لگی۔ وہ کہانی ایک لڑکی کے بارے میں تھی جس کا شوہر

چڑچڑا اور شیطان کی طرح غصیل طبیعت کا اور احساسِ کمتری کا بُری طرح شکار تھا جب افسر دفتر میں اُسے ڈانٹتے تو وہ اپنا غصہ اپنی بیوی پر اُتارتا۔ ایک رات اُن کی ذرا سی بات پر لڑائی ہو گئی۔ اور شوہر نے بیوی کے طمانچے مار دیئے۔ اس پر بیوی کو غصہ آیا تو وہ خودکشی کی دھمکی دے کر گھر سے نکل گئی۔ پہلے تو شوہر غصے کے مارے کچھ نہیں بولا۔ لیکن آدھی رات کے وقت جب غصہ ٹھنڈا پڑا، بچوں نے شور مچایا اور اُسے قصوروار ٹھہرایا تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آدھی رات کو وہ اُسے ڈھونڈنے نکل پڑا۔ ریلوے اسٹیشن دیکھا۔ جمنا جی دیکھی۔ لیکن وہ کہیں نہ ملی تو پہلی بار اُس نے اپنی بیوی کی کمی محسوس کی۔ ٹھٹھرتا، سکڑتا، مجرم سا گھر پہنچا۔ تو اپنی بیوی کو گھر بیٹھی ہوئی پایا۔ تو روتے ہوئے بچوں کو تھپکیاں دے دے کر سُلا رہی تھی۔ شوہر آنکھوں میں آنسو بھرے اُس کے پاس پہنچا اور معافی مانگی تو بیوی بولی۔ "میں بھلا اس گھر کو چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہوں؟" وہ تو دراصل کہیں گئی ہی نہ تھی۔ نیچے برآمدے میں پڑی ہوئی چارپائی پر آکر سو گئی تھی۔ اور شوہر خواہ مخواہ پریشان ہوا تھا۔

کہانی معمولی تھی۔ لیکن لکھی گئی خوب صورتی سے۔ اِس بات کی اُس نوجوان نے دل کھول کر تعریف کی۔ اور کچھ مشورے بھی دیئے جو بے حد قیمتی تھے۔ اِس کے بعد کافی آ گئی۔

کافی پیتے پیتے مہندر کور سوچنے لگی یہ نوجوان کون ہو سکتا ہے؟ اِس میں شک نہیں کہ وہ غیر معمولی عقلمند تھا۔ اور اس کی دلیلیں لاجواب تھیں۔ بات چیت میں بہت چالاک اور مہذب تھا۔ اِس کا نام کیا ہے اور کام کیا کرتا ہے۔ یہ سوال اچانک مہندر کور کے دماغ میں آئے۔ لیکن وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ نوجوان بولا۔

"اور دیکھیے، آپ اپنا یہ نام بھی بدل دیجئے۔ ایسے نام تو جنگجو سپاہیوں کے ہوتے ہیں۔ ادیبوں کے نہیں ہوتے۔"

"اچھا ——!"

مہندر کور نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اور اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے ایک نام کی تجویز پیش کروں جو آپ کو پہلی بار دیکھتے ہی میرے ذہن میں آیا تھا۔"

"اجازت ہے!"

مہندر کور نے شرارت سے کہا۔ کیونکہ وہ بالکل سنجیدہ نہیں تھی۔

"آج سے میں آپ کو پونم کہہ کر یاد کیا کروں گا۔" اُس نوجوان نے بلا تکلف کہا۔

"پونم ——!؟"

مہندر کور نے ایک بار دہرایا۔ جیسے اُسے یہ نام بہت اچھا لگا ہو اور خاموش ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد مہندر کور نے پوچھا۔

"آپ نے میرے بارے میں بہت کچھ جان لیا۔ اب کچھ اپنے بارے میں بھی تو بتلایئے۔"

اُس نوجوان نے مسکرا کر مہندر کور کی طرف دیکھا۔ اور معصوم بن کر بولا۔

"میں ایک آدمی ہوں!"

"یہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔"

"تب اور کیا پوچھنا ہے؟"

"آپ کا نام؟"

"رنجیت!"

"رنجیت؟"

"کیوں اچھا نہیں لگا؟ یا کبھی سُنا نہیں؟" —— اُس نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں سُنا تو ہے!

"کہاں سُنا ہے، یا پڑھا ہے؟" اُس نوجوان نے کچھ بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں پڑھا ہے —— شاید۔"

"اچھا کیا کیا پڑھا ہے رنجیت کے بارے میں؟" اُس نے پھر اضطراب سے پوچھا۔

"ہسٹری میں پڑھا تھا۔ ایک مہاراجہ رنجیت سنگھ تھے۔ ایک آنکھ سے سُورداس ——!"

"اوہ ——!" اُس کا چہرہ ایک دم اُداس ہو گیا۔

مہندر کور نے سمجھا، اُسے اس کا مذاق بُرا لگا۔ بُرا معلوم بھی ہونا چاہئے تھا۔ آخر پہلی ملاقات میں اُسے کیا حق تھا کہ وہ اُس کا یوں مذاق اُڑائے۔ اِسلئے

اُس نے فوراً افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے۔ آپ کو شاید میری بات بُری لگی۔"

"نہیں پُونم!" اُس نے بڑے حوصلہ کے ساتھ کہا۔ مجھے تمھاری بات بُری نہیں لگی۔ بلکہ میں ایک اور بات سوچ رہا تھا۔"

"کیا بات سوچ رہے تھے، مجھے نہیں بتائیے گا؟" مہندر کور نے زور دیا۔

مگر رنجیت بات ٹال گیا۔

اُس نے کچھ نہیں کہا —————— دیر بھی کافی ہو گئی تھی۔ اِس لئے مہندر کور نے زیادہ زور بھی نہیں دیا۔

دوسرے دن تک مہندر کور کو پُونم نام اِتنا اچھا لگا کہ دفتر آتے ہی اُس نے اپنا نام بدلنے کی درخواست دے دی۔ اپنے بنکیرز کو بھی لکھ دیا کہ اُس کا نام بدل دیا جائے۔ اور ساتھ ہی اُس نے نئے نام کے تین دستخط بھی بھیج دیئے۔ اِس طرح مہندر کور ایک ہی دن میں مہندر کور سے پونم ہو گئی۔ جیسے تپتی کی کڑکتی دھوپ کے بعد سردی کی چاندنی رات آجائے۔ وعدے کے مطابق شام کو وہ دونوں پھر کافی ہاؤس میں ملے۔ کناٹ پلیس میں گھومتے رہے۔ بے فکروں کی طرح ہر چیز پر تنقید کرتے رہے۔ کچھ ادب کی، کچھ آرٹ کی باتیں کرتے رہے آخر ایک بُک اسٹال میں جا کر کتابیں دیکھنے لگے۔ رنجیت نے دکان دار سے پوچھا۔

"آپ کے پاس رنجیت کے ناول ہیں؟"

"رنجیت کے؟" دکان دار نے سوچتے ہوئے کہا۔ کیا نام ہیں ناولوں کے؟"

"کالا، سفید"

"اور ——— ؟" دکان دار نے پھر پوچھا۔

"تھرڈ کلاس"

دکان دار نے آگے کچھ سوچے بغیر اپنا فیصلہ دیا۔

"جی نہیں ہمارے پاس تو نہیں ہیں۔ کوئی تھرڈ کلاس مصنف معلوم ہوتا ہے!"

دکان دار کا یہ جواب سُن کر پونم کے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ کیونکہ اب تک وہ سمجھ گئی تھی کہ رنجیت ناول بھی لکھتا ہے۔ فنون کا آرٹسٹ ہے۔ اُس نے اُسے بانہہ سے پکڑ لیا۔ اور سہلاتی ہوئی باہر آگئی۔ سوچ کی لکیریں اُس کے چہرے پر اُبھر آئی تھیں۔ ایک آرٹسٹ کا دل یوں بھی بہت کومل ہوتا ہے۔ اِس پر جب اُس کے آرٹ کی یوں بے عزتی کی جائے۔ اور وہ بھی اُس کی محبوبہ کے سامنے تب تو اُس کا دل بالکل ٹوٹ جاتا ہے لیکن پونم تو اُس سے محبت کرتی تھی۔ اُس کی دلچسپ باتوں سے۔ اِس لئے اُس نے دلاسا دیا کہ آرٹ کبھی ایک دم پھل نہیں دیتا۔ اِس کے لئے تو ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ اُس کی قیمت بھی آہستہ آہستہ ملتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پُونم کی دلچسپ باتوں سے، اُس کی باتوں سے رنجیت کا دل بہل گیا۔ اور وہ پھر ویسے ہی گھومتے پھرتے رہے۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ پُونم نے یوں طے کیا کہ اپنے اپنے گھر سے ٹفن میں کھانا لے آئیں۔ ڈی۔ ٹی۔ یو کی ایک ایک روپے والی ٹکٹیں لی جائیں اور سارا دن پکنک منانے جائیں۔

اِس پر اُس نے کہا۔

"میرا تو کوئی گھر نہیں ہے۔ میں اپنے کھانے کی بجائے پھل لے آؤں گا اور میرا کھانا تم لے آنا!"

"کیوں آپ کا گھر کیوں نہیں، تب آپ رہتے کہاں ہیں؟"

"ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے اور کھانا ہوٹل میں کھاتا ہوں!"

اُس کی بات سُن کر پونم سوچ میں پڑ گئی۔ اور پھر پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں، بُرا تو نہیں مانو گے؟"

"بالکل نہیں"

"آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

اِس سوال پر وہ دیر تک خاموش رہا۔ پھر منہ دوسری طرف کر کے بہت درد بھرے لہجے میں بولا۔

"میں سوچتا ہوں آج مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا ہی دینا چاہئے۔ میرا اِس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ نہ ماں، نہ باپ، نہ بھائی، نہ بہن۔ مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ کرنال میں میرا ایک آبائی مکان ہے۔ جس کا ہر مہینے چالیس روپے کرایہ آجاتا ہے۔ میں نے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ایک ادیب بننے کی کوشش کی۔


بھولی سی صورت
چپل چپل شرارت
ابھی کپڑے بدلے ... ابھی پھر میلے!


ترقی کے پہیے
۱۰۸ سال گذر چکے ہیں... اور اب بھی رو میں ہے رخش عمر۔
مضبوط فولادی پہیوں نے ہماری ترقی میں پر لگا دئے ہیں۔ ہمیں
بڑی تیزی سے خوشحالی کی طرف بڑھا رہے ہیں
کل کی فراوانی کا منصوبہ بنانے کیلئے ہم آج محنت
کی بازی لگا رہے ہیں۔ بڑے، چھوٹے کارخانے، عظیم الشان بند
جہاز سازی کے زبردست کارخانے، فولاد سازی کے بھاری
بھاری کارخانے بنتے جا رہے ہیں... ان کے لئے جن خام اشیاء کی
ضرورت ہوتی ہے، وہ ہندستانی ریلیں فراہم
کرتی ہیں۔ اور ان کارخانوں کی پیداوار باہر
لے جاتی ہیں۔
ریلیں جس خوش حالی کے لانے میں مدد کر رہی ہیں اس
پر ان کا فخر بجا ہے۔
روزانہ ۷،۵۰۰ سے زیادہ ٹرینیں ۴۰ لاکھ سے زیادہ مسافر
اور چار لاکھ ٹن سے زیادہ مال لے کر ہمارے ملک
کی اقتصادی ترقی کی طرف تیز رفتاری
سے گام زن ہیں۔
ہندستانی ریلیں
قومی خدمت کے ۱۰۸ سال

رومانوں بھی لکھے لیکن زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آجکل کام تلاش کرتا ہوں۔ لیکن کوئی کام چل ہی نہیں رہا ہے۔ یہاں "جیون جیوتی" اخبار میں ایک کام روزانہ یا ہفتہ میں ایک بار لکھنے کی بات چیت چل رہی ہے۔ اگر وہ کام مل جاتا ہے تو ٹھیک، ورنہ ——"

"ورنہ کیا —— ؟" پونم نے منھ بناتے ہوئے کہا۔ "تم خواہ مخواہ وہم نہ کیا کرو۔ جب تک میں زندہ ہوں تمھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور سنو! تمھارا کھانا کل میں لاؤں گی۔ اور پہلے تمھارے گھر آؤں گی۔"

دوسرے دن ٹھیک وقت پر پونم صبح صبح اُس کے گھر جا پہنچی۔ رنجیت نے کملا نگر میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا تھا۔ کمرہ اچھا خاصا تھا۔ ایک کونے میں ایک میز کرسی، دوسرے میں ایک بکس۔ ایک سوٹ کیس۔ تیسرے میں ایک بڑی الماری۔ اور چوتھے میں ایک پلنگ رکھا تھا۔ ایک کھڑکی میں ایک صراحی تھی۔ کھونٹیوں پر ستلیوں میں پائجامے، قمیضیں، تولئے، بے ترتیبی سے پڑے ہوئے تھے۔

وہ جب نہانے گیا تو پونم نے اتنی دیر میں سارے کمرے کی صفائی کر ڈالی کپڑوں کی گٹھری بنا کر پلنگ کے نیچے سرکا دی۔ پلنگ کی چادر بدل ڈالی۔ اور جب رنجیت نہا کر آیا تو کمرے کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر بے اختیار سیٹی بجا کر بولا۔

"شکریہ! آج معلوم ہوا کہ ——"

"بس بس رہنے دیجئے اس تعریف کے پٹارے کو۔ ذرا جلدی سے تیار ہو جائیے۔ ہمیں بہت جگہ جانا ہے۔"

اور اُس دن وہ سچ مچ بہت جگہ گھومے۔ راستے میں رنجیت نے بتایا کہ اُسے اخبار میں فی الحال ہفتہ میں ایک بار "دلی کی ڈائری" لکھنے کا کام مل گیا ہے۔ یہ سن کر پونم کو دلی خوشی ہوئی۔ اُن دونوں نے یہ خوشی خوب مزے سے منائی۔

اُس دن کے بعد وہ بہت قریب آگئے۔ پونم تقریباً دوسرے تیسرے دن اُس کے گھر جانے لگی۔ آس پاس محلے والے بھی اُس کے بارے میں جان گئے۔ اور سرگوشیاں بھی کرنے لگے ہوں گے شاید!

اور پھر ایک شام کو کناٹ پلیس میں گھومتے ہوئے اچانک رنجیت نے کہا۔ "چلو آج ہوٹل چلیں!"

پونم نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیوں آج کیا کرنال سے کرایہ آیا ہے؟"

رنجیت نے کوئی جواب نہیں دیا بس ذرا ہنس دیا۔

ہوٹل میں بیرے کے آنے پر اُس نے اُس کے کان میں کچھ کہا جسے پونم نہ سن سکی۔

بعد میں اُس نے پوچھا۔

"کیا آرڈر دیا ہے؟"

"تمھارے لئے آئس کریم!"

"اور اپنے لئے؟"

"صرف کوکا کولا!"

لیکن تھوڑی دیر بعد جب بیرے نے اُس کے سامنے دو پیگ لا کر رکھے تو پونم کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے تیزی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا —— ؟"

لیکن رنجیت پونم کی تیزی سے گھبرایا نہیں۔ بلکہ اُس نے اِس طرح نظر انداز کر دیا جیسے وہ کوئی بچی ہو۔ بہت سنجیدہ آواز میں بولا۔ "بیٹھو بیٹھو! کبھی کبھی جب منھ بہت کڑوا ہو جاتا ہے، دل میں درد ہونے لگتا ہے تو صرف یہ دوا کی طرح پیتا ہوں۔ بُرا کیوں مانتی ہو!"

لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ دوا کی جگہ چار پی گیا۔ اور وہیں دھت ہو گیا۔ آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ پونم کو بہت بُرا معلوم ہو رہا تھا۔ اور شاید پہلی بار اُس نے اُس کے لئے نفرت محسوس کی۔ بہت مشکل سے اُس نے اُسے ایک ٹیکسی میں بٹھایا اور گھر پہنچا آئی۔ اُس رات کو پونم کا دماغ جھنجھناتا رہا۔ اور بے چینی سے نیند بھی نہیں آئی۔

لیکن دوسرے دن تو رنجیت نے حد کر دی۔ دوپہر کے وقت وہ پونم کے دفتر جا دھمکا۔ اُس وقت بھی اُس نے پی رکھی تھی۔ کیونکہ نہ صرف اُس کے منھ سے تیز بدبو آ رہی تھی۔ بلکہ بے ربط اور فضول باتوں سے بھی صاف معلوم ہو

رہا تھا۔ پونم نے اُسے ٹالنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ ٹلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اُس کی حالت بہت افسوس ناک تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اُسے رونا سا آگیا۔ آخر جب وہ اپنے غصہ کو نہ دبا سکی تو چپراسیوں کی مدد سے اُسے باہر نکلوا دیا۔ چپراسی تو اُسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتے تھے لیکن پونم نے انھیں منع کر دیا۔

اُس دن سارا دن پونم کا دل پیچ و تاب کھاتا رہا۔ کبھی نفرت کے مارے اُس کا جسم کانپنے لگتا۔ اور کبھی محبت کے مارے آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر رنجیت کو ہو کیا گیا ہے۔ لیکن شام کو اچانک پونم کو اِس سوال کا جواب مل گیا۔ رنجیت کے اخبار کے دفتر سے معلوم ہوا کہ اُس کا کام ایڈیٹر صاحب کو پسند نہیں آیا تھا اِس لئے وہ کام کسی اور کو دے دیا گیا تھا۔ "بس!" پونم نے اپنے دل میں سوچا۔ اِتنی سی بات پر بوکھلا اُٹھا ہے اُس کا راجہ! وہ اُسی وقت اُس کے گھر کی طرف چل دی۔ اپنے کمرے میں وہ سو رہا تھا اُس نے اُسے جگایا۔ جاگ پڑا تو اپنے برتاؤ کے لئے معافی مانگی۔

اور پھر پونم نے کہا۔

"تم اِتنی سی بات پر ڈانواڈول کیوں ہو گئے ہو۔ زندگی میں ایسے اُتار چڑھاؤ تو آیا ہی کرتے ہیں۔ میں نے تم سے اُس دن کہا تھا: میں جب تک زندہ ہوں تمھیں فکر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ بولو تمھیں کتنے روپے چاہئیں؟"

پونم کی محبت بھری جھڑکی سن کر رنجیت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہنے لگا۔

"لیکن ایسا کتنے دن تک چل سکتا ہے؟"

"تم گھبراؤ نہیں۔ اگر چلانا پڑا تو میں ساری زندگی بھی چلاؤں گی۔"

"نہیں نہیں، پونم نہیں۔ میں مرجانا زیادہ پسند کروں گا!"

پونم نے اُس کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ایسی پاگل پن کی بات پھر کبھی نہ کرنا۔ تم میری زندگی ہو۔ میری روشنی۔ تم مر جاؤ گے تو میں کہاں جاؤں گی؟" اور پھر پونم نے رُک رُک کر کہا۔ "تم پھر سے ناول لکھنا کیوں نہیں شروع کرتے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ناول؟" وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیوں؟ کیا سوچنے لگے؟ ــــ تمھیں جتنے پیسوں کی ضرورت ہوگی اُس کی تمھیں فکر نہ کرنی چاہیئے۔ رنجیت یہ زمانہ ہی ایسا ہے۔ ایک دوسرے کو اٹھانے کے لئے عورت سے مدد لینا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔۔۔"

"مگر۔۔۔ ناول لکھنے میں تو بہت وقت لگتا ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔ تم لکھو تو سہی۔ میں ایک دو پبلشروں سے بات چیت شروع کر دیتی ہوں۔"

پونم کی تجویز شاید رنجیت کو پسند آگئی۔ اِس لئے آخر میں اُس نے کہا۔

"اچھی بات ہے!"

"اور وعدہ کرو کہ تم پھر کبھی شراب نہیں پیو گے۔"

پونم نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

اور رنجیت نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پونم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا

اُس دن کے بعد پونم رنجیت کے گھر روزانہ جانے لگی۔ ساتھ میں پھول بھی لے جاتی۔ پھل بھی لے جاتی۔ ہر مہینے اُس کے ہوٹل والے کا حساب بھی چکا دیتی۔ اور ہر سنیچروار صبح کے وقت پانچ روپے اُس کی میز کی دراز میں رکھ دیتی۔ اُسے یہ دیکھ کر سچ مچ بہت خوشی ہوتی تھی کہ رنجیت اپنا کام بہت محنت سے کر رہا تھا۔ ناول کے باب تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ پونم کو یقین تھا کہ اگر اِس طرح وہ محنت کرتا رہا تو ایک دن صفِ اوّل کے ادیبوں میں اُس کا شمار ہونے لگے گا۔

اِسی دوران میں کبھی کبھی وہ پکنک منانے بھی نکل جاتے۔ وہ بہت دور کھیتوں میں ندی اور دریا کے کنارے نکل جاتے۔ خوب باتیں کرتے اور مستقبل کے سپنے دیکھتے۔

لیکن ایک دن پونم کے سارے سپنے ایک بار پھر چھن سے ایسے ٹوٹ گئے جیسے شیشے کا گلاس فرش پر گر کر چور چور ہو جاتا ہے۔ ایک رات جب وہ اُس کے گھر پہنچی تو اُس نے رنجیت کو شراب کے نشے میں دھت پایا۔ اُس کے کاغذات سارے کمرے میں بکھرے پڑے تھے۔ اُس کے کپڑے اور دوسرا

سامان بھی بے ترتیب ادھر اُدھر بکھرا پڑا تھا۔

یہ نظارہ دیکھ کر پونم کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اُس نے بہت مشکل سے بوتل اور گلاس چھین کر ایک طرف پھینکا۔ اس پر بھی جب اُسکے دل کو تسلی نہ ہوئی تو بوتل اُٹھا کر باہر پھینکنے چلی۔ تب رنجیت کو بھی شاید غصہ آ گیا وہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور جھپٹ کر پونم کے ہاتھ سے بوتل چھین کر اُسے دھکا دے کر پلنگ پر گرا دیا۔ اور اُس بوتل میں سے بچی کھچی شراب کو جلدی جلدی ختم کرنے کے لئے اُسے منھ سے لگا لیا۔

لیکن پونم نے اُٹھ کر پھر وہ بوتل اُس کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی۔ تو رنجیت نے کس کر ایک چانٹا اُس کے گال پر رسید کر دیا۔ ایک تو ویسے ہی پونم کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اُس پر اِس چانٹے نے تو بالکل اُس کا دماغ گھما دیا۔ اُس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ وہ سوچنے لگی۔ آخر وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔ اُس نے بھی اُسے زور سے دھکا دے کر ایک طرف کیا اور باہر جانے لگی۔ لیکن پھر پلک جھپکنے ہی کی دیر میں رنجیت نے نہ جانے کہاں سے ایک بڑا سا چاقو نکالا۔ اور پونم پر جھپٹ پڑا۔ اُس وقت اُس کی شکل دیکھنے کے قابل تھی۔ لال سرخ اور شیطان کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں۔ اور خوفناک وحشی چہرہ!!

پونم تو اُس کی شکل اور ارادے کو دیکھ کر سہم گئی اور پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن وہ آگے ہی بڑھتا آیا۔ اور چیخنے لگا۔

"تُو ——— حرامزادی ——— سمجھتی ——— ہے ——— کہ تُو مجھے روٹی دیتی ہے ——— میں تیرے ٹکڑوں پر پلتا ہوں ——— اِسلئے تُو مجھ پر رعب جمانا چاہتی ہے ——— آج میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا ——— سمجھ گئی؟"

پونم اُسے آگے بڑھتا دیکھ کر کانپ گئی۔ اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے اُس کے ہاتھ میں جو چیز آتی وہ دے مارتی۔ لیکن وہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ مگر پلنگ پر چڑھتے ہی وہ جس وقت لڑکھڑایا۔ پونم نے موقعہ دیکھ کر اُسے دھکا دے دیا۔ اور پھر بغیر پیچھے دیکھے وہ تیزی سے کمرے کے باہر نکل بھاگی۔ کچھ دیر تک تو وہ سچ مچ بھاگتی رہی۔ لیکن پھر جب اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو رنجیت اُس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ وہ تو رات کافی ہو گئی تھی۔ اور لوگ سو رہے تھے۔ نہیں تو اُس نے تو اچھا خاصا تماشا بنا دیا تھا۔

پونم نے کچھ دور اور پیدل چل کر اپنی سانس درست کی۔ ہوش و حواس سنبھالے اور پھر ایک ٹیکسی کر کے گھر جا پہنچی۔ ڈر کے مارے اُس کا دل کانپ رہا تھا۔ رونا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آنکھوں سے نکل رہا تھا۔ دل میں اتنی گہری نفرت اور غصہ اُبل رہا تھا۔ کہ وہ پولیس کو خبر کر دینے کی بھی سوچنے لگی لیکن پھر کچھ سوچ کر اُس نے پولیس کو خبر نہیں کی۔ بس گھر میں آ کر خوب روئی اپنے دل کو دھتکارا۔ قسمت کو خوب کوسا۔ اور پھر رنجیت سے کبھی نہ ملنے کی قسم کھائی اور لیٹ گئی۔ لیکن نیند کہاں سے آتی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے رات بیت گئی۔

دوسرے دن اُس کی طبیعت ٹھیک ہو گئی۔ رات کی تھکاوٹ بہت تھی۔ پھر بھی اُس نے کام میں دل بہلانا زیادہ بہتر سمجھا۔ نو بجے تک تیار ہو کر دفتر پہنچی۔ اور ابھی کرسی پر بیٹھی ہی تھی کہ ٹیلیفون آیا۔ اُس نے رسیور اُٹھا کر کان سے لگایا اور کہا۔

"ہیلو ——— !"

"کیا میں مس پونم سے بات کر رہا ہوں؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

پونم سمجھ گئی کہ ٹیلیفون رنجیت کا تھا۔ اِس لئے فوراً کوئی جواب دیئے بغیر رسیور رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ٹیلیفون آیا۔

پونم نے اُٹھایا تو پھر وہی آواز آئی۔ اِس لئے اُس نے پھر غصے سے رسیور پٹک دیا۔

شام کو جب وہ گھر پہنچی تو دروازے کے پیچھے ایک لفافہ اور پیکٹ ملا۔ پونم سمجھ گئی کہ لفافہ اور پیکٹ رنجیت ڈال گیا ہے۔ پہلے تو چٹھی پڑھنے کو جی نہیں چاہا۔ لیکن پھر بھی کھول کر پڑھ لی۔ لکھا تھا۔

پونم ڈیئر!

اُمید ہے کہ تم یہ خط پورا پڑھو گی۔ میں اپنے برتاؤ سے جتنا شرمندہ ہوں اُس کا میں رونا نہیں رونا چاہتا۔ بس اتنا ہی کہوں گا کہ میں بہت شرمندہ ہوں۔ نہ جانے میں اور تم کیسے ملے؟ کیا بات تھی جس نے ہم دونوں کو اِتنے

دنوں تک اِتنا قریب رہ سکتا تھا۔ آج تم نے دو بار میرے ٹیلیفون کا جواب نہیں دیا۔ آج صبح نہیں آئیں تو مجھے معلوم ہوا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ آج ہر بات عجیب لگ رہی ہے۔ اداس اور بے جان معلوم ہو رہی ہے۔ کہنے سے شاید یہ بات تم نہ سمجھ سکو۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب تم نہ آؤ گی اور میں یہ کمی کبھی برداشت نہ کر سکوں گا۔ اِس لئے میں بھی آج یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ساتھ میں جو پیکٹ ہے اُس میں میرا ناول ہے۔ جس پبلشر سے تم بات چلا رہی تھیں اُس کا کل خط آیا تھا کہ وہ میرا ناول لینے کو تیار نہیں ہے۔ تم نے میرے اُوپر روپیہ خرچ کیا ہے۔ اُس کے بدلے میں، میں نے جو کام کیا ہے اُس پر تمھارا پورا حق ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ میرے کمرے میں جتنا سامان پڑا ہے وہ تمھارا ہی ہے۔ اِس لئے اُس کی چابی میں تمھیں دینا چاہتا ہوں۔ ہم دونوں ایک دوست کی طرح اِتنے دنوں تک رہے ہیں۔ اِن ساری یادوں کو یاد کر کے بس ایک ہی منت کرتا ہوں کہ کل شام کو پانچ بجے روزانہ کی طرح کافی ہاؤس آنا۔ تم مجھ سے باتیں نہ کرنا بس آ کر چلی جانا۔ ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ جاتے جاتے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب زندگی بھر شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ دُکھ صرف اِس بات کا ہے کہ میرے قول کو پورا ہوتے ہوئے تم نہ دیکھ سکو گی۔ خیر ——!

تمھارا ایک پُرانا دوست

رنجیت

پُونم نے خط پڑھا تو دل ہی دل میں ایک ہلچل ہو اُٹھی"۔ تو رنجیت نے رات کو شراب اِس لئے پی تھی کہ ایک بار پھر اُسے شکست ملی تھی۔ پر اِس میں گھبرانے کی کیا بات تھی۔ زندگی میں اگر شکست نہ ہو تو فتح کا مزہ کیسے آئے"۔ پُونم اِسی طرح اپنے دل میں ساری بات کا تجزیہ کرنے لگی۔ کتنا کومل دل ہے اُس کا! ذرا بھی ضبط نہیں ہے۔ کتنا پاگل ہے۔ اور مجھے کیا سمجھا اِس نے۔ ناول کا پیکٹ بھی بھیج دیا۔ پاگل کہیں کا۔

پُونم ساری رات بے چین رہی۔

کبھی دل کہتا چلی جاتے۔ اِس طرح کے لڑائی جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ پھر دل کہتا وہ تیرا کیا لگتا ہے جسے تو اتنا مُنہ لگاتی ہے۔ شادی بھی کرے تو لوگ کیا کہیں گے؟ کیا تو اُس سے شادی کرے گی۔ جو ایک نکما اور نکھٹو ہے؟ کیا تم ساری عمر اِس کی پرورش کر سکتی ہو؟ کیا یہی تمھارے سپنوں کی تعبیر ہے؟ ..... نہیں نہیں .....

لیکن پھر دل کہتا ——

اُس نے اُس سے محبت کی ہے، کوئی سودا نہیں کیا۔

دوسرے دن دفتر جانے سے پہلے پُونم رنجیت کے گھر گئی۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی دیکھا، رنجیت اپنے سوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔ ابھی کر رہا تھا۔ اس لئے پلنگ تو اُس نے کھڑا کر دیا تھا۔ سوٹ کیس میں رکھے ہوئے کپڑے میلے ہی تھے۔

جُوتوں پر پالش ہوئے شاید برسوں ہو گئے تھے۔ چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے یاس اور حسرت اِس طرح ٹپک رہی تھی۔ جیسے موت کا حکم سُن لینے والے قیدی کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ پھر نیکا یک جیسے ہی دروازے پر پُونم کو کھڑی دیکھا تو ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا ہو گیا!

بالکل خاموش اور سنجیدہ!

جیسے کسی نادر شے کو دیکھ رہا ہو۔

پُونم بھی اُسے دیکھتی رہی —— اُس کی آنکھوں کو، بالوں کو، کپڑوں کو۔ اور نہ جانے کیا تلاش کرتی رہی۔

دونوں کچھ لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ جیسے برسوں بعد دیکھ رہے ہوں یا آخری بار دیکھ رہے ہوں —— پھر دونوں کی آنکھیں بھر آئیں اور بے اختیار قدم آگے کی طرف بڑھے —— اور

پھر —— پھر —— پھر ——!!

**

خطوط لکھتے وقت **مدیرِ بیسویں صدی کے نام** اختصار سے کام لیا کریں۔ تاکہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

(منیر)

غزلیں

صوفی چنداروی

راہِ الفت میں کیا جانے کیا راز ہے
جو ذرا سا بھی آگے بڑھا کھو گیا

کیا اُسے بھی کبھی تو ملے گا کہیں
جو تجھے ڈھونڈتا ڈھونڈتا کھو گیا

راہِ منزل کی تاریکیاں الاماں
راہرو کھو گئے رہنما کھو گیا

شوقِ سجدہ میں صوفی خطا ہو گئی
اتنے سجدے کئے نقشِ پا کھو گیا

خاور بانکوٹی

نورِ عزم و یقیں لئے ہیں ہم
شہرِ امید کے دیئے ہیں ہم

ہائے یہ آرزو کی سرشاری
کون مانے گا بے پئے ہیں ہم

کیوں ہمیں بے زباں سمجھتے ہو
اک ذرا اپنے لب سیئے ہیں ہم

ساتھ دیتا ہے کون منزل تک
تنِ تنہا ہی چل دیئے ہیں ہم

ندرت سرحدی

چارہ سازوں نے تو اپنی سی بہت کی لیکن
نہ ہوا پھر بھی مرے درد کا درماں کوئی

وہ بشر کفر کے آغوش میں آجائے نہ کیوں
تم سا مل جائے جسے دشمنِ ایماں کوئی

غمِ دوراں بھی ہے ہمراہ غمِ جاناں کے
کون ہے غم سے ہوا دست و گریباں کوئی

چار سو لالہ و گل کی ہیں بہاریں ندرت
ایسی پُر کیف فضا میں ہے غزلخواں کوئی

جبریل صدیقی

منزل کو فرطِ شوق سے آساں کرے کوئی
شمعیں قدم قدم پہ فروزاں کرے کوئی

جب زندگی ہی عشق میں تحلیل ہو گئی
پیدا نئی حیات کا امکاں کرے کوئی

ہاں اے ہوائے تند کے جھونکے معاف کر
میں زُلف تو نہیں کہ پریشاں کرے کوئی

جبریل اِس جہاں میں پیمبر کی قدر کیا
پیغام دے کے خود کو پشیماں کرے کوئی



ماں کے پیار کی دُنیا میں فقط سب سے اعلےٰ کا بول بالا ہے...

گھر بھر کے لئے ماں کی پسند ڈالڈا



گھر کی چھوٹی سی دنیا ماں کے پیار کا سنا ہوا گلزار ہے...
اپنے ننّھے منّے لاڈلوں کی ہر چھوٹی چھوٹی بات پر ماں اپنی جان نچھاور کرتی ہے...

اور ان کے کھانے پینے کے سامان پر اس کا دھیان سب سے پہلے جاتا ہے۔ اپنے روزانہ تجربے کی بنا پر ماں کو اپنے گھر بھر کے لئے فقط ڈالڈا پسند ہے!

ڈالڈا خالص وناسپتی تیلوں سے بنتا ہے، اور اس میں وٹامن ملائے جاتے ہیں جو آپ کے گھر بھر کے لئے مفید و کارآمد ہیں!

جی ہاں، لذیذ کھانوں کے لئے آپ کا سارا کنبہ ڈالڈا کا حقدار ہے!

ڈالڈا وناسپتی۔ ایک بڑھیا، خالص چکنائی

DL. 67-3132-45 UD

ہندوستان لیور کا تیار کردہ

افواہیں

—— جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اُسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اِس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

گھاس اُگائی جائے گی ——•

ہندوستان اور چین کے سرحدی تنازعے کا جلدی فیصلہ ہونے والا ہے۔

خارجہ معاملوں کی وزارت کے اعلیٰ حلقوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ دونوں ممالک اِس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ متنازعہ علاقہ پر گھاس کا ایک تنکا تک نہیں اُگتا۔ اِس لئے بنجر اور ویران زمین پر بین الاقوامی امن کو خطرے میں ڈالنا ذہنی بنجر کے سوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ دونوں ممالک کے زرخیز دماغوں کی رائے ہے کہ اِس زمین پر گھاس اُگائی جائے۔ اور اِسے پہلے مرحلہ پر ایک وسیع سرسبز چراگاہ میں تبدیل کیا جائے۔ چند ہفتوں تک دونوں طرف کے ماہرینِ زراعت اِس متنازعہ علاقے کا سروے کر کے اُس پر گھاس اُگانے کی سائنٹفک تدابیر پر غور کریں گے۔ جب گھاس اُگ آئے گی تو دونوں ممالک کے مویشی گھاس چرنے کے لئے بھیجے جایا کریں گے۔

یعنی اِس سمجھوتہ کے دو مرحلے ہوں گے۔ پہلا مرحلہ گھاس اُگانا اور دوسرا مرحلہ گھاس چرانا۔ دونوں ممالک اِس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ پہلے مرحلے یعنی گھاس اُگانے تک دونوں مل کر کام کریں۔ لیکن دوسرے مرحلے یعنی گھاس چرانے پر سرحدی تنازعہ شروع کر دیں۔ دونوں کی رائے ہے کہ سرحدی تنازعے کا اصل وقت گھاس چرانے کے مرحلے پر ہی آئے گا۔ پہلے نہیں۔

سُنا گیا ہے کہ سوتنتر پارٹی اور پرجا سوشلسٹ پارٹی گھاس اُگانے کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اِس سے کانگریس کے خلاف جنرل الیکشن لڑنے میں انھیں ہار ہو جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر گھاس اُگائی گئی تو وہ ہمالیہ کی طرف گرفتاری کے لئے جتھے بھیجنا شروع کر دیں گے۔

کرایہ دار ستم ——•

افواہ ہے کہ آچاریہ ونوبا بھاوے بھومی دان کے بعد اب مکان دان تحریک شروع کرنے والے ہیں جس سے سوسائٹی میں ایک نئی اتھل پتھل شروع ہونے کا اندیشہ ہے۔

جہاں گرد نے اِس سلسلے میں اچاریہ ونوبا بھاوے سے ملاقات کی تو اُنھوں نے بتایا کہ مکان دان تحریک کا آئیڈیا بھومی دان تحریک سے قدرے مختلف ہوگا۔ مکان کے بارے میں میرا تصور یہ ہے کہ رہنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کرائے پہ چڑھانے کے لئے۔ جو آدمی چاہے کرایہ دار ہو چاہے مالک مکان جس گھر میں رہتا ہے اُسے اپنا ہی گھر کہتا ہے۔ اِس لئے میں مکانوں کے مالکوں سے کہوں گا کہ آپ کا کرایہ دار جس مکان میں رہتا ہے وہ اُسی کو دان کر دیجئے دان کا مطلب ہوتا ہے وہ جائداد جو آپ کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جو مکان آپ نے کرائے پر دے رکھا ہے وہ چونکہ آپ کی ضرورت سے زیادہ ہے اِسلئے اُسے کرائے دار کو دان میں دے دیجئے۔

اگر یہ تحریک شروع ہو گئی تو سوسائٹی ایک بہت بڑی لعنت سے

ممنوع ہو جائے گی۔ کرائے کے متعلق تمام قوانین منسوخ ہو جائیں گے اور آئندہ کوئی امیر آدمی اپنی ضرورت سے زیادہ بلڈنگیں تعمیر نہ کرے گا۔ اس سے زمین کی قیمت اتنی زیادہ اُتر جائے گی کہ ہر شخص زمین خرید کر اپنا مکان بنوا سکے گا۔ عمارتی سامان انتہائی سستا ہو جائے گا اور اُس کی بلیک مارکٹنگ ختم ہو جائے گی۔ ہر آدمی صرف اتنی ہی زمین پر اپنا مکان تعمیر کرانے گا جتنی اُس کی ضرورت کے لئے کافی ہوگی۔ مثلاً کوئی لکھ پتی جس کے گھر کے افراد صرف تین ہوں گے وہ تین کمروں سے زیادہ مکان بنانا پسند نہ کرے گا۔

سُنا ہے پنڈت نہرو اس تحریک کی حمایت اور مرارجی ڈیسائی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ ہندوستانی آئین کی رُو سے یہ تحریک غیر آئینی ہے اور مسٹر کے ایم منشی مالک مکانوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں اس تحریک کو چیلنج کریں گے۔ اور اسے آئین میں دیئے گئے شہری حقوق کے منافی ثابت کریں گے۔

جہاں گرد کو اس تحریک کے اسی طرح فیل ہو جانے کا خدشہ ہے جس طرح جمیل گھاٹی کے ڈاکوؤں کے سلسلے میں اُن کی تحریک فیل ہو گئی تھی۔

چاند پر سامراج ———•

سوویت روس کی طاس نیوز ایجنسی کے ایک ترجمان سے جہاں گرد کو معلوم ہوا ہے کہ سوویت روس نے انسان کو چاند پر اُتار دیا ہے۔ اور اب چاند کی سرزمین رُوس کے قبضہ میں ہے۔ ترجمان نے انکشاف کیا کہ سوویت رُوس چاند پر اپنا قبضہ رکھنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اُس کا پلان یہ ہے کہ زمین پر جتنے سامراجی ممالک نے مختلف علاقوں کو غلام بنا رکھا ہے وہ اُن علاقوں کو آزاد کر دیں۔ سوویت رُوس نے مختلف سامراجی ممالک کو ایک تحریری پیش کش کی ہے کہ زمین کے جتنے علاقوں پر وہ قابض ہیں اُس سے دُگنا علاقہ وہ چاند پر لے لیں اور زمین کے علاقوں کو آزاد کر دیں۔

اگر یہ پیش کش منظور کر لی گئی تو ۱۹۶۱ء کے خاتمہ تک تمام غلام علاقے آزاد ہو جائیں گے۔ پرتگال گوا کو چھوڑ دے گا۔ فرانس الجیریا کو، پاکستان کشمیر کو، برطانیہ ہانگ کانگ کو، چین ہندوستان کے ہمالیائی علاقے کو اور بلجیم افریقی بستیوں کو۔ اور سوویت روس اپنے خلائی جہازوں میں پرتگیزیوں، فرانسیسیوں، انگریزوں، چینیوں، بلجینیوں اور پاکستانیوں کو بھر بھر کر چاند کی سرزمین پہنچائے گا اور ہماری یہ بستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سامراج سے پاک ہو جائے گی۔ سُنا گیا ہے کہ سامراجی ممالک اس شرط پر اس پیش کش کو قبول کر لیں گے کہ سوویت رُوس چاند میں کسی کمیونسٹ ورکر کو نہ بھیجے۔ کیونکہ وہ وہاں جا کر پھر اپنی اینٹی سامراج تحریک شروع کر کے اُنھیں چاند سے بھی نکلنے پر مجبور کر دے گا۔

صرف دو انتخابی پارٹیاں ———•

آنے والے عام انتخابات میں کوئی سیاسی پارٹی حصہ نہیں لے گی۔ یہ خبر الیکشن کمیشن کے دفتر میں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ پچھلے دنوں پنڈت نہرو نے ملک کے سرکردہ لیڈروں کی ایک خفیہ میٹنگ بلائی جس میں متذکرہ بالا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلہ کی رُو سے عام انتخابات میں پارٹی ٹکٹوں پر یا آزاد ٹکٹوں پر کسی اُمیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ صرف دو قسم کے اُمیدوار الیکشن لڑ سکیں گے۔

(۱) جو اُمیدوار یہ اعلان کرے گا کہ میں فرقہ پرست ہوں۔

(۲) جو اُمیدوار یہ اعلان کرے گا کہ میں فرقہ پرست نہیں ہوں۔

اور اس طرح پورا ملک دو قسم کے اُمیدواروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک فرقہ پرست اور دوسرا غیر فرقہ پرست جس قسم کے اُمیدواروں کی اکثریت جیت جائے گی وہی ہندوستان پر راج کرے گی۔ اور دوسری قسم اپوزیشن کا رول ادا کرے گی۔

اس تقسیم سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی سیاسی گٹھ جوڑ نہ ہوگا۔ آزاد ممبر قطعی طور پر ختم ہو جائیں گے۔ اور اندازہ لگ جائے گا کہ ملک میں فرقہ پرستوں کا اثر زیادہ ہے یا غیر فرقہ پرستوں کا۔ اس طریقے سے فرقہ پرست پارٹیوں پر الیکشن نہ لڑنے کی پابندی کا قانون بنانے کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اور جو فرقہ پرست پارٹیاں اپنے آپ کو فرقہ پرست کہنے سے گھبراتی ہیں اُن کی گھبراہٹ بھی دُور ہو جائے گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کانگریس پارٹی کے کئی ممبر بطور فرقہ پرست آنے والے الیکشن میں کھڑے ہوں گے جو آج

تک کانگریس کے پردے میں اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھے۔ ڈیموکریسی میں یہ ایک نیا اور انوکھا تجربہ ہوگا جو بہت سے فرقہ پرست لیڈروں کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جائے گا۔ جہاں گرد نے اس سلسلہ میں ماسٹر تارا سنگھ سے ملاقات کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ وہ بڑے ذہنی تذبذب میں ہیں کہ اپنے آپ کو فرقہ پرست لیڈر کہیں یا غیر فرقہ پرست لیڈر کہہ کر منتھ سے غداری کریں۔

چڑیوں کا احتجاج ———— •

ملک بھر کی چڑیوں کی ایک کنونشن وگیان بھون دہلی میں جلد ہی منعقد ہونے والی ہے۔ اِس کنونشن میں سب سے اہم ریزولیشن یہ پیش ہونے والا ہے کہ ہم چڑیوں کا سماجی رول قریب قریب ختم ہوگیا ہے۔ کیونکہ ہم چڑیاں صبح خیزی کے لئے مشہور ہیں۔ آج تک انسان کو ہمیں منھ اندھیرے چوں چوں کرکے جگاتی چلی آئی ہیں جس کی وجہ سے انسان ہماری قدر و منزلت کرتا رہا ہے۔ لیکن جب سے سائنس نے ترقی کی ہے اُس وقت سے صبح چار پانچ بجے کارخانوں اور فیکٹریوں کے بھونپو ہی انسان کو نیند سے جگانے لگے ہیں۔ اور انسان کے دل میں چڑیوں کی بجائے بھونپو کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اور ہم چڑیوں کا سماجی رول خطرے میں پڑ گیا ہے۔

سُنا گیا ہے کہ اِس ریزولیشن میں ایک اور ترمیم بھی کی جانے والی ہے کہ نہ صرف بھونپوؤں کے خلاف ایجی ٹیشن چلانے کی ضرورت ہے بلکہ چائے اور کافی کے خلاف بھی۔ کیونکہ چائے اور کافی کے زیادہ استعمال سے ہندوستان کے بچانوے فی صدی باشندے نیند سے محروم ہو گئے ہیں اور وہ تنگ آکر صبح خود بخود ہی جاگ کر بستر سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری چوں چوں کی مترنم موسیقی بے کار اور غیر ضروری ہو کے رہ جاتی ہے۔

ایک چڑیا اس ریزولیشن میں بڈھے بوڑھوں کے خلاف بھی ترمیم پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے کہ وہ صبح جلدی جاگ پڑتے ہیں اور خود ہی کنبہ بھر کو جگا دیتے ہیں۔ لہٰذا بڑے بوڑھوں پر صبح جلدی جاگ اُٹھنے کی پابندی لگائی جائے۔ کیونکہ بڑے بوڑھوں کی کھانسی ہماری چوں چوں کی طرح مترنم نہیں ہوتی۔ اور اُس سے جاگنے والے کے اعصابی نظام پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

چڑیوں کی اِس سماجی بیداری کو تمام ذمہ دار حلقے بڑی دلچسپی اور حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ چڑیوں کے اِس ایجی ٹیشن کو کئی ذمہ دار انسانوں کی حمایت حاصل ہوگی۔

مردم شماری اور جانور شماری —— •

ہندوستان میں تازہ ترین مردم شماری کی رُو سے پچیس فی صدی آبادی بڑھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ دس برس میں جوں جوں فیملی پلاننگ تحریک آگے بڑھتی رہی ہے، توں توں آبادی بھی بڑھتی جارہی ہے چنانچہ افواہ ہے کہ گورنمنٹ فیملی پلاننگ تحریک کو یکسر بند کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ اُسے یقین ہوگیا ہے کہ فیملی پلاننگ پر جتنا روپیہ خرچ کیا گیا ہے وہ فیملی پلاننگ ڈاکٹر اور نرسیں ہی ہضم کر گئی ہیں۔ اِس لئے موجودہ کرپٹ اور نااہل سوسائٹی میں فیملی پلاننگ ایسے تہذیب یافتہ ادارے کا وجود بے سود ہے

- مجھے ادھورے کام سے نفرت ہے۔ اگر کوئی کام کرنے کے قابل ہو تو اُسے مردانہ وار کر ڈالو، ورنہ اُسے ہاتھ نہ لگاؤ۔

  (ہنری فورڈ)

- بہت سے کاموں میں ناکامی صرف اسی خیال سے ہوتی ہے کہ کامیاب ہونے میں بہت عرصہ لگے گا۔

  (مانٹی گرین)

- جو شخص کوشش کرے اُس کے لئے کوئی کام ناممکن نہیں۔

  (سکندر اعظم)

- اگر آپ کو اپنے میں غرور پیدا کرنے والی کوئی بات نظر آتی ہو تو ادھر نیچے اُتر کر دیکھئے۔ وہاں آپ کو ایسی بہت سی باتیں نظر آئیں گی جو آپ کا سر نیچا کرنے والی ہوں گی۔

ایک صلقہ کی تجویز ہے کہ ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کے جانوروں کی مردم شماری کرا کے معلوم کیا جائے کہ جانوروں میں پیدائشِ بچگان کا رجحان انسانوں کی طرح ترقی پذیر ہے یا نہیں۔ چونکہ جانوروں میں فیملی پلاننگ کی کوئی تحریک نہیں چلائی گئی اور اُن کی پیدائش صرف فطری قوانین کے مطابق ہوتی ہے اس لئے یہ معلوم کیا جائے کہ اگر جانوروں میں اضافہ آبادی کا رجحان نہیں ہے تو انسانوں میں کیوں زیادہ ہے؟ کیا انسان جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ جانوروں کی مردم شماری سے انسانوں کو عبرت حاصل ہو اور اُنھیں شرم آئے کہ جب جانور جیسی غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ مخلوق فطری قوانین پر عمل پیرا ہے تو انسانوں کو کیوں نہ جانوروں سے سبق حاصل کر کے اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔

اور اگر جانوروں کی مردم شماری سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ بھی انسانوں کی طرح ہر برس پچیس فی صدی بڑھ جاتے ہیں تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ مسئلہ ناقابلِ حل ہے۔ اور انسانوں اور جانوروں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

ننھی مُنّی افواہیں ———●

(۱) دہلی کے گداگروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ گداگری چھوڑ دیں گے اور سیاسی پارٹیوں اور دھارمک سنستھاؤں میں شامل ہو کر بھیک کی بجائے چندہ مانگا کریں گے۔

(۲) شری جے پرکاش نارائن کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اس مرتبہ پنڈت نہرو کے مقابلے پر الیکشن لڑیں۔

(۳) چونکہ گاندھی ٹوپی افلاس کا سمبل ہے اِس لئے آئندہ کسی کانگریسی کے لئے گاندھی ٹوپی پہننا ڈسپلن کے خلاف سمجھا جائے گا کیونکہ کوئی کانگریسی اب مفلس نہیں رہا۔

●●

افسانہ

عہدِ وفا

جگدیش تھاپر

۲۹۷، سنتوش بھون، تھاپر نگر میرٹھ (یو۔پی)

۳ راگست ۱۹۶۰ء

محترم بھائی! تسلیم و نیاز

ایک تازہ ترین تخلیق "عہدِ وفا" کے ساتھ "بیسویں صدی" کی بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ نے ان گنت گرے ہوئے لوگوں کو اوپر اٹھایا ہے۔ کتنے خزف ریزوں کو جلا بخش کر ہیرا بنایا ہے۔ اُمید ہے میری بھی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ مجھے بھی آگے بڑھنے اور اوپر اٹھنے کا حوصلہ بخشیں گے۔۔۔۔ لوگ کہتے ہیں عورت کا دوسرا نام بے وفائی ہے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ آج تک کوئی مرد بھی کسی عورت کے ساتھ ستی ہوا ہے؟ میں نے اسی حقیقت کو اس کہانی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ آپ کی باریک بین نگاہ ہی بتا سکتی ہے۔

نیاز کیش ــــــ جگدیش تھاپر

لاش اب بالکل ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

کار کی زد سے بچتے بچتے وہ بدنصیب ایک بھاری ملٹری ٹرک کی لپیٹ میں آ کر کچل گیا تھا۔

سرخ خون میں لتھڑے ہوئے کوالٹی آئس کریم کے تین ڈبے کارڈ بورڈ میں سے پگھل پگھل کر بہہ رہے تھے۔ سفید قمیص اور پتلون بھی خون میں لت پت تھی۔ سڑک پر خون کا چھڑکاؤ ہو گیا تھا۔

موقع کی دیکھ بھال کے بعد لاش کو جیپ میں ڈال کر کوتوالی پہنچا دیا گیا!

اس بدقسمت نوجوان کا نام اور پتہ مل گیا۔ اس کی جیب سے ایک لفافہ پولیس کو دستیاب ہو گیا تھا۔ جس پر نام اور پتہ لکھا ہوا تھا۔

رمیش مہتہ۔ ۳۲/۱۲، ویسٹ پٹیل نگر۔

انسپکٹر سہگل نے وہ خط نکال کر پڑھا۔ اس نے سوچا، ضرور کسی بے وفا عورت کا خط ہوگا۔ لیکن یہ بات نہ تھی۔ وہ تو کسی مرد کا خط تھا۔ لکھنے والا کوئی مسٹر ورما تھا۔ رمیش مہتہ مرحوم کا جگری دوست! جو آج ہوائی جہاز سے ایک لمبی مدت کے بعد اپنے عزیز دوست اور اس کی نئی دلہن لتا سے ملنے کے لئے آ رہا تھا۔

اس حادثے کے تھوڑی دیر بعد کسی نے ۳۲/۱۲ ویسٹ پٹیل نگر کے دروازے پر لگی ہوئی کال بیل بجائی۔

"آئی جی!"

ایک بہت ہی میٹھی نسوانی آواز اندر سے آئی۔ پھر دروازے کی طرف آنے والے کے پاؤں کی چاپ سنائی دی۔

جب دروازہ کھلا تو باہر کھڑا مرد حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کی نظریں سامنے کھڑی حسین عورت پر جم کر رہ گئیں۔ دروازے کے بیچ میں وہ یوں کھڑی تھی جیسے لکڑی کے ایک بڑے فریم میں کسی مصور کا شاہکار ہو۔ اوہ! کتنی

رعنائی، کتنی کشش ... اُسے دیکھتے ہوئے آنکھیں بند ہونے لگتی تھیں۔ دل آویز ہلکے رنگوں کی ساڑی اور چولی میں ملبوس، جُوڑے میں سفید پھُولوں کا گجرا اور چہرے پر مسحورکن مسکراہٹ۔

دو گورے گورے ہاتھ جُڑ گئے۔

"او ہو! آپ، آپ آ گئے! نمستے جی، وہ ابھی آتے ہیں۔ آیئے مسٹر وما آیئے اندر آیئے!"

وہ دروازے سے ایک طرف ہٹ کر سواگت کرنے لگی۔

"معاف فرمایئے گا شریمتی لتا دیوی۔ میں مسٹر ورما نہیں ہُوں۔ دراصل دراصل ..."

باہر کھڑے کھڑے ہی انسپکٹر سہگل بول رہا تھا۔ آواز نہ جانے کیوں اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ اُسے اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ ابھی مسٹر ورما ہی پہنچ گئے تو کیا ہوگا تو شاید وہ یہ جھوٹ بھی بول دیتا کہ وہی مسٹر ورما ہے۔

انسپکٹر سہگل نے سوچا، کتنا مشکل ہے یہ کام۔ اس پُراُمید و مسرور عورت کو وہ کیسے بتائے، یہ منحوس خبر کیسے سُنائے کہ آسمان سے بجلی گر پڑی ہے جس نے اِس حسین عورت کے مسرت بھرے چمن کو جلا کر راکھ بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ یہ بات مُنہ سے کیسے نکالے؟

لتا کے چہرے پر اُسی طرح مسکراہٹ بکھری رہی۔ وہ اُسی طرح شیریں لہجے میں بولی۔

"اوہ! آپ دوسرے صاحب ہیں۔ لیکن آپ رمیش صاحب کے دوست ہیں نا؟ اُن سے ملنے آئے ہیں؟ معاف کیجئے میں نے آپ کو آج پہلی ہی بار دیکھا ہے۔ آیئے، تشریف رکھیئے، وہ بس آتے ہی ہوں گے۔"

اب سہگل نے قدم بڑھایا اور لتا کے ساتھ جا کر ڈرائنگ رُوم میں ایک صوفے پر جا بیٹھا۔

دو منٹ تک دونوں طرف خاموشی رہی۔

سہگل اِس دَوران میں ڈرائنگ روم اور اُس سے ملے ہوئے ڈائننگ رُوم کا جائزہ لیتا رہا۔ اُس نے دیکھا، دراصل یہ ایک ہی بڑے کمرے کے دو حصّے کر کے دو الگ الگ کمروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ بیچ میں ایک ریشمی پردہ کھینچ دینے سے دو کمرے بن جاتے تھے۔ لیکن اِس وقت وہ پردہ ہٹا ہوا تھا۔

لتا اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"اوہ! آپ کیا پئیں گے؟ کافی یا چائے؟"

سہگل نے گھبرا کر کہا۔

"جی نہیں، آپ تکلف نہ کیجئے۔ میں دراصل ..."

لتا مسکرا کر بولی۔

"نہیں اِس میں تکلف کی کیا بات ہے۔ آپ اپنے دوست کے گھر پہ ہیں۔ ابھی دو منٹ میں آپ کے لئے کافی لاتی ہوں۔ وہ بھی اب آتے ہی ہوں گے۔ وہ آج کہیں باہر نہیں رُک سکتے۔ بات یہ ہے کہ آج ہمارے ہاں ایک بہت ہی عزیز مہمان آنے والے ہیں۔ اُن کا ڈنر ہے۔ رمیش صاحب ذرا اکوالٹی تک چلے گئے ہیں۔"

کہتے کہتے وہ کچن تک جا پہنچی۔

انسپکٹر سہگل عجیب کشمکش میں پڑ گیا۔

کیا وہ اِتنی پُرخلوص اور پُراُمید حسین عورت کو ایسی منحوس خبر سُنا کر اُس کے نازک دل کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھ سکے گا۔ پولیس کے لوگ بے رحم اور سخت دل ہوتے ہیں۔ سب کا یہی خیال ہے۔ لیکن یہاں تو پتھر بھی پگھل جاتے۔ وہ اپنی آنکھوں سے ڈائننگ روم کی سج دھج دیکھ رہا تھا۔ ٹیبل پر تین سیٹ کراکری کتنے سلیقے سے جا کر رکھے گئے تھے۔ چھُری، کانٹے اور چمچے بجلی کی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ میز کے وسط میں خوش رنگ پھُولوں کا گلدستہ جاپانی سٹائل پر بنایا گیا تھا۔

لتا ایک ٹرے میں رکھ کر کافی لائی تو قدرے پریشان لہجے میں بولی۔

"مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کو اتنا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ راستے میں رُکتے تو نہیں۔ نہ جانے آج کیوں اِتنی دیر کر دی۔ لیجئے کافی۔ اب آتے ہی ہوں گے پھر آج تو وہ کہیں رُک نہیں سکتے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اوہ!" جیسے اُس نے اپنی کوئی غلطی دیکھ لی ہو۔ "معاف کیجئے گا۔ میں آپ کا شُبھ نام پُوچھنا تو بھول ہی گئی۔ آپ تو اُن کے دوست ہیں اِس لئے میرا نام جانتے ہیں۔" اور وہ مسکرانے


ٹاٹا کا
او ڈی
کولون
صابن
EAU DE
COLOGNE
ڈی کولون آمیز اور سنہرے ریپر میں بند
TESY-14


سُوجھ بُوجھ
دَھری رہ گئی ...
ہر سمجھ دار عورت کی طرح وہ بھی بہت سُوجھ بُوجھ کے
ساتھ گھر کا خرچ چلاتی اور ایک پائی بیجا صرف
نہ ہونے دیتی تھی، لیکن یہ سُوجھ بُوجھ دھری کی دھری
رہ گئی، کیونکہ اس کی چولی پہلی ہی دُھلائی کے بعد
سکڑ کر تنگ ہو گئی۔
موتی کپڑا خریدتے وقت 'سینفورائزڈ' کی چھاپ
نہ دیکھی جائے تو یہی انجام ہوتا ہے۔
کسی کی بات نہ سُنیئے۔ خریدتے وقت یہ
یقین کر لیجئے کہ آپ کو ادا کی ہوئی قیمت میں
پُورے ناپ کا کپڑا ملے۔
لیبل پر
·SANFORIZED·
REGD TD MK
یہ مارکہ دیکھ کر اطمینان کر لیجئے
پھر آپ کے کپڑے سکڑ کر کبھی تنگ نہ ہوں گے!
رجسٹرڈ ٹریڈ مارک سینفورائزڈ کے مالکان کلیویٹ پی باڈی اینڈ کمپنی
انکارپوریٹیڈ محدود ذمہ داری کے ساتھ یو۔ایس۔اے میں تشکیل شدہ کا جاری
کیا ہوا: سینفورائزڈ ٹریڈمارک صرف اُن کپڑوں پر لگانے کی اجازت دی
جاتی ہے جو کپڑا سکڑنے کے سلسلے میں کمپنی کے مقررہ معیار پر پورے اترتے ہیں
معلومات کے لئے: 'سینفورائزڈ' سروس
۹۵، میرین ڈرائیو، بمبئی ۲
mbl SAN.277 UR

گی۔ اُس کی وہ باتیں اور یہ اندازِ تخاطب سہگل کے دل کو بے حد متاثر کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آری سے اُس کے کلیجے کو کوئی چیر رہا ہو۔ اُس نے سوچا آخر میں کب تک بات چھپا سکوں گا؟

لیکن بات اب بھی نہ کہہ سکا۔ اُس کی جگہ کوئی اور تلخ مزاج کی بے وقوف سی عورت ہوتی تو وہ آتے ہی سب کچھ کہہ دیتا۔ لیکن لتا! اوہ! خاموشی اب انسپکٹر سہگل کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ اُس نے کوئی بات شروع کر کے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سہارا دینا چاہا۔

وہ بولا۔

"کس وقت آنے والے ہیں آپ کے مہمان مسز رمیش؟"

"جی بس اب اُنھیں آنا ہی چاہیئے۔ اُنھوں نے ہمیں لکھا تھا کہ ہم لوگ ہوائی اڈّے پر نہ آئیں۔ گھر ہی اُن کا انتظار کریں۔ میں سوچ رہی ہوں، رمیش صاحب اور اُن کے دوست ورما صاحب اگر بازار ہی میں مل گئے تو وہیں ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے کرتے رات نہ گزار دیں۔ وہ ایسے ہی آدمی ہیں۔"

اور وہ مسکرانے لگی۔

"نہیں مسز رمیش!" آخر کار سہگل نے اپنا فرض ادا کرنا مناسب سمجھا۔ ہاتھ سے کافی کے پیالے کو نیچے میز پر رکھتے ہوئے وہ بولا۔ "آپ کو یہ منحوس خبر سناتے ہوئے مجھے انتہائی دُکھ کا احساس ہو رہا ہے مسز رمیش کہ اب وہ نہیں آئیں گے۔ رمیش صاحب ابھی تھوڑی دیر پہلے ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ایکسیڈنٹ ۔ ۔ ۔ ۔ میں دراصل پولیس انسپکٹر ہوں سہگل!"

بے ربط سے جملے بول کر وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کی زبان سے اور ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ کیونکہ لتا کا پھول سا چہرہ جھلس کر مرجھا گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جیسے کسی نے ایک پل میں اُسے جادو کے اثر سے سنگِ مرمر کے مجسّمے میں تبدیل کر دیا ہو۔ وہ پتّھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت ہو گئی۔ اُس کے سارے وجود پر موت چھا گئی۔ زندگی کے آثار نظر نہ آ رہے تھے۔ نہ جانے کب تک یہی عالم رہا۔

کال بیل بج اٹھی۔ کھلے ہوئے دروازے میں ایک خوش پوش نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر لتا ایسے اُٹھی جیسے مُردے کو زندگی کا انجکشن لگا دیا گیا ہو۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے اپنے مہمان کا استقبال کیا۔ اور اُس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

مہمان نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"بھابی! رمیش کہاں ہے؟ معاف کرنا میں کچھ ہی دیر پہلے پہنچا ہوں۔ اکیلا ہوتا تو جلدی آ سکتا تھا۔ باقی لوگ کل کا پروگرام بنانے لگے۔ کہاں گیا ہے رمیش؟"

سہگل کی طرف دیکھتے ہوئے لتا نے کہا۔ "سب سے پہلے آپ کا تعارف

- جو لوگ اپنی اولاد کے لئے دولت جوڑنے میں لگے رہتے ہیں وہ بے وقوف ہیں۔ اپنی اولاد میں وہ صلاحیت و قابلیت پیدا کرو کہ وہ خود دولت کما سکیں۔ (سُقراط)
- گناہ کی تاریکی انسان کے دل و دماغ کی تمام روشنیوں کو گُل کر دیتی ہے۔ (فارسی مقولہ)
- صرف اپنے لئے سُکھ اور اطمینان تلاش کرنے پر انسان اُنھیں کبھی نہ پا سکے گا۔ اپنے فرض کو تلاش کیجئے اور اُس میں مصروف ہو جایئے۔ سُکھ اور سکون اپنے آپ آ جائیں گے۔ بالکل اِسی طرح جس طرح دھوپ کے ساتھ سایہ اپنے آپ آ جاتا ہے۔
  (ٹربین ایڈورڈس)

کرا دوں، آپ ہی ہیں ہمارے مہمان مسٹر ورما۔ اُنھوں نے الفاظ ہی میں اِن کی ایسی عکاسی کی تھی کہ میں فوراً پہچان گئی۔ رمیش صاحب بتاتے تھے یہ اُن کے سب سے پیارے دوست ہیں۔ اِس لئے ہم دونوں اِن کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھے تھے۔" پھر ورما صاحب کی طرف دیکھ کر وہ بولی۔ "آپ مسٹر سہگل ہمارے بہت ہی بہی خواہ اور پُر خلوص دوست ہیں۔"

ورما اور سہگل نے ہاتھ ملائے۔ حالانکہ سہگل اتنی گرمجوشی کا اظہار نہ کر سکا جتنی گرمجوشی کا اظہار ورما نے کیا۔

افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ لتا پھر ورما سے مخاطب ہوئی۔

"ساری رات وہ آپ ہی کی باتیں کرتے رہے۔ زندگی بھر میں آپ سے بڑھ کر انھوں نے اور کسی دوست سے اتنی محبت نہیں کی۔ کل شام تو بس ہی آپ کا ایکسپریس لیٹر ملا وہ سب کچھ بھول کر بس یہی بات کرتے رہے۔ آج دفتر بھی نہیں گئے۔ چھٹی کی درخواست بھجوا دی۔ صبح ہی سے ڈنر کی تیاریوں میں لگ گئے کہنے لگے۔"

"لتا! تم ورما سے مل کر بہت خوش ہوگی۔"

نہ جانے کتنے طوفانوں کو دبا کر لتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آسکی تھی۔

وہ بولی۔

"اور میں خوش ہوں کہ آپ آئے ہیں!"

پھر جیسے پوری ہمت جمع کر کے وہ بولی۔

"لیکن اتفاق دیکھئے، مجھے تو یہ کہا۔ لتا! یہ ڈنر ہماری زندگی کا مثالی ڈنر ہوگا۔ جسے ہم کبھی نہ بھول سکیں گے اور خود... باہر جانے پر مجبور ہوگئے ڈنر پر ہمارا ساتھ بھی نہ دے سکے۔ اپنی کتنی بڑی خواہش وہ پوری نہ کر سکے۔"

ورما کے چہرے پر عجیب اضطراب چھا گیا۔ اُس نے پوچھا۔

"اوہو! بھلا ایسی بھی کیا مجبوری آپڑی تھی۔ کیا رمیش کو کہیں باہر جانا پڑ گیا تھا؟"

لتا کوئی جواب نہ دے سکی۔

وہ سہگل کی طرف ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو "میری مدد کیجیے سہگل صاحب! ورنہ میرے آنسو روکے نہ رُک سکیں گے۔"

سہگل بول اُٹھا۔

"جی ہاں! آج انھیں انتہائی مجبوری کی حالت میں باہر جانا پڑ گیا۔ ورنہ آپ کے لئے وہ بہت اشتیاق سے منتظر تھے۔"

"اوہ! کتنی مصیبت ہے!" ورما بے بسی کے لہجے میں بولا۔ "میں تو صرف ایک ہی دن کے لئے دہلی آسکا ہوں۔ کل ضروری کاغذات لے کر مجھے بمبئی کے لئے فلائی کرنا ہے۔ وہاں سے میں پھر واپس لندن چلا جاؤں گا۔ دراصل میری تقدیر میں آج رمیش سے ملاقات تھی ہی نہیں۔"

لتا نے بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو روکا۔ سہگل [illegible]

ورما نے پھر کہا۔

"رمیش سا دوست بھی ساری دنیا میں نہیں ملا۔ بچپن میں ہم ایک ساتھ کھیلتے رہے۔ پھر میرے ڈیڈی لندن میں جا کر بس گئے۔ میں بھی ساتھ چلا گیا۔ رمیش اب کیسا ہے لتا بھابی؟"

اور پھر اچک کر وہ اُٹھا اور دیوار پر آویزاں رمیش کی تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بہت دیر تک کھڑے کھڑے اُسے دیکھتا رہا۔ جیسے تصویر ہی سے باتیں کر رہا ہو اور گویا اِسی سے اُسے تسکین مل رہی ہو۔ پھر پیچھے گھوم کر اُس نے لتا پر نگاہ ڈالی۔ اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"ویسے رمیش ہمیشہ ہی قسمت کا سکندر رہا۔ بھابی! آپ جیسی عورتیں تو وہاں لندن میں بھی نہیں ملتیں۔" وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

لتا وہاں سے اُٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ ورما اور بھی زور سے ہنس پڑا۔ "ہاں یہی تو ہے، یہی تو بات ہے سہگل صاحب! یہ شرم و حیا جو ہندوستانی عورت کا زیور ہے آپ کو ساری دنیا میں کہیں نظر نہ آئے گی۔"

پھر وہ چیخ کر بولا۔

"بھابی! کھانا تو مل جائے گا نا؟ رمیش کی غیر حاضری میں؟"

لتا اور ورما کے پُر زور اصرار پر سہگل بھی اُس پُر تکلف ڈنر میں شامل ہوا۔ حالانکہ ورما کے سوا کھانے میں کسی کے لئے کوئی لطف نہ تھا۔ سہگل کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خواب کی حالت میں یہ سب دیکھ رہا ہے۔ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ دُنیا میں اِتنی بہادر اور باوفا عورت بھی ہو سکتی ہے جو اپنے شوہر کے دوست کے پُر مسرت لمحات کو درد و غم سے بچانے کے لئے اپنے آنسوؤں کو اِس طرح پی سکتی ہے، اِتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے!

کھانے کی میز پر رمیش ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔

ورما ایک سوال پوچھتا تو لتا رمیش کی زندگی کا ایک نیا پہلو دکھا دیتی۔

اُس نے کہا۔

"رمیش صاحب ایک غیر معمولی انسان ہیں۔ سہاگ رات میں ہی سب سے پہلے انھوں نے مجھ سے عہد لیا کہ میں اپنی آنکھوں میں [illegible]

انگوٹھی دیتے ہوئے مجھے اپنی لازوال محبت کی قسم دے کر کہا تھا جس دن میں نے تمہاری آنکھوں میں غم کے آنسو دیکھ لئے تب میں سمجھوں گا تم بے وفا ہو تمہیں میرا اعتبار نہیں رہا ــــ دیکھئے کیسی ــــ کیسی عجیب خواہش ہے ــــ!"

صبا مسکرایا "ہاں لتا بھابی! آپ بالکل سچ کہہ رہی ہیں۔ رمیش ایسا ہی انسان ہے میں جب لنڈن جانے پر مجبور ہو گیا تو اُس کے آخری الفاظ مجھے اب تک یاد ہیں۔ جیسے کل کی بات ہو۔ کہا تھا۔ کم بخت! بیوفا دوست! رات دن کا ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہو۔ بتاؤ تم میرے ساتھی کیوں بنے تھے اگر اس طرح دھوکا دے کر بھاگ جانا تھا۔ یاد رکھنا اب تم سے کبھی نہ بولوں گا۔ میرے پاس اب نہ آنا میں تم سے کبھی نہ ملوں گا" اور وہ بھاگ گیا تھا۔ اور بھابی جانتی ہیں آپ؟ میں سچ مچ ڈر گیا تھا۔ کیونکہ رمیش اتنا ہی ضدی اور بات کا دھنی ہے کہ میں ڈر گیا۔ کہیں وہ اپنی بات پر نہ اڑ جائے۔ کیوں بھابی! بالکل ایسا ہی ہے نا وہ؟"

ڈنر کے بعد باتیں کرتے کرتے اب وہ ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ اس آخری بات نے جیسے لتا کے ضبط کا باندھ توڑ دیا ہو۔ اب مزید برداشت کی طاقت اُس میں نہ رہی تھی۔ آنسوؤں کا ایک ساگر بہہ نکلا۔

ورما حیران رہ گیا اور چیخ کر بولا۔

"ارے ارے بھابی! تمہاری آنکھوں میں آنسو! جانتی نہیں ہو رمیش کو، اگر اُس نے دیکھ لیا تو ــــ؟"

ایک ہچکی لے کر لتا چپ ہو گئی۔ اُس نے آنسو پونچھ ڈالے اور بولی۔

"ہاں بھیا! کاش وہ دیکھ سکیں اور بے وفا ہی کہہ دیں ــــ میں اب ــــ"

وہ پھر رو پڑی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ سہگل صاحب! میں کیا کہوں اب؟ آپ انہیں بتا ــــ"

اور وہاں سے اپنے سونے کے کمرے میں جا کر اُس نے دروازہ بند کر لیا۔ ورما، پولیس انسپکٹر سہگل کا چہرہ دیکھتے ہوئے ہکا بکا کھڑا رہ گیا ــــ!

غزلیں

سعادت نظیر ایم اے

ہیں سلامت جو ولولے دل کے
ہم نکالیں گے حوصلے دل کے

گاہ منزل سے دور گاہ قریب
لٹ گئے لاکھوں قافلے دل کے

دیکھ کر حسن ماہ و انجم کا
جاگ اُٹھے ہیں ولولے دل کے

نہیں ممکن کہ ٹوٹ جائیں کبھی
تیری زلفوں سے سلسلے دل کے

کس قدر صبر آزما ہیں نظیر
توبہ! توبہ! معاملے دل کے

بیل کرشن اشک

دلِ پُر درد تو ہے دیدۂ بینا نہ سہی
میں نے چاہا تو ہے تجھ کو تجھے دیکھا نہ سہی

اپنا یہ جسم ہی کیا کم ہے دُکھی کرنے کو
رہ گزر میں کوئی دریا کوئی صحرا نہ سہی

یوں نہ چل بادِ بہاری کہ خزاں جاگ اُٹھے
اور کلیاں بھی تو ہیں غنچۂ گُلِ رعنا نہ سہی

اپنی آنکھوں پہ مجھے اشک مکمل حق ہے
میں تو دیکھوں گا اُسے اُس نے نہ دیکھا نہ سہی

ظفر بیگ مرادآبادی

ظلم ہے خاطرِ اہلِ کے جُدا ہو جانا
قہر ہے قہر یہ بے بات خفا ہو جانا

بنتا جاتا ہے پریشانیٔ خاطر کا سبب
تیری خاطر ترا مجبورِ وفا ہو جانا

مضحکہ خیز بھی ہے مُوجبِ حیرانی بھی
کچھ نہ ہوتے ہوئے بندوں کا خدا ہو جانا

ہم بھی بیٹھے ہیں سرِ راہ دکھاتے ہوئے زخم
ہو جو ممکن تو اِدھر سے بھی ذرا ہو جانا

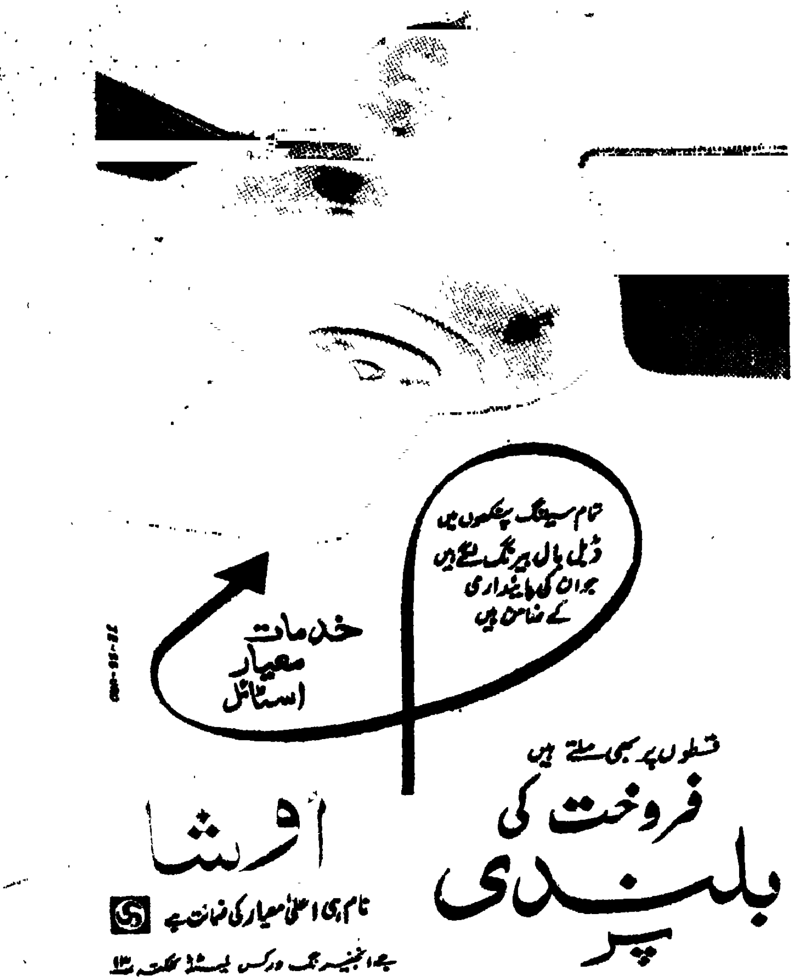
کوئی کیا جانے کہ ہے کتنا المناک ظفر
قافلے سے کسی رہرو کا جُدا ہو جانا

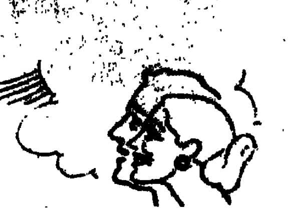
دو شعر

پارسا کوثری

اپنی ستمگری پہ اگر اُن کو ناز ہے
میرا دلِ حزیں بھی بڑا غم نواز ہے

آئے گی دل کی بات نہ ہرگز زبان پر
اے دوست رازِ عشق بہرحال راز ہے


تمام سیلنگ پنکھوں میں
ڈبل بال بیرنگ لگے ہیں
جو ان کی پائیداری
کے ضامن ہیں
خدمات
معیار
اسٹائل
قسطوں پر بھی ملتے ہیں
فروخت کی
بلندی پر
اوشا
نام ہی اعلیٰ معیار کی ضمانت ہے
جے انجینیرنگ ورکس لمیٹڈ کلکتہ ۳۱



صحت و زندگی

۱۔۔۔ کیا آپ کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں

میز پر بیٹھ کر بہت دیر تک کام کرتے رہنے سے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے، جو سخت جسمانی محنت سے کہیں زیادہ جسم کو تھکا دیتا ہے۔ ایک بار شرلاک ہومس نے ڈاکٹر واٹسن سے کہا تھا ۔۔۔۔۔ "کام کرنے سے مجھے کبھی تھکن نہیں ہوتی۔ لیکن سستی، کاہلی اور بیکاری مجھے بُری طرح تھکا دیتی ہے!"

بہت دیر تک باتیں کرتے رہنے سے بھی تھکن ہو جاتی ہے اور بیکار گفتگو میں قوت زائل ہوتی ہے۔ اس لئے اگر دن کا کچھ حصہ بالکل خاموش رہ کر گزاریں تو جسم اور دماغ دونوں کے لئے مفید ہوگا۔

تناؤ اور تھکن کو دُور کرنے کے لئے جو دوائیں اور گولیاں بازار میں فروخت ہو رہی ہیں اُن کا ردِ عمل سب پر یکساں نہیں ہوتا، کچھ لوگوں پر افسردگی طاری ہو جاتی ہے، کچھ اعصابی تکلیفوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تکلیف بالکل زائل ہو جاتی ہے اور وہ ایسے بے فکر ہو جاتے ہیں کہ فوری طبی امداد کی بھی پروا نہیں کرتے۔

اگر کام کرنے کے لئے اچھے حالات اور اچھا ماحول میسر ہوں تو کام کرنے والوں کی جسمانی اور دماغی صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ ایک دفتر میں ۲۵ فیصدی شور و غل کم کر دینے سے قوتِ کارکردگی میں اضافہ ہوا، غلطیاں کم سرزد ہوئیں اور غیر حاضری کا اوسط کم ہو گیا۔ کام کرنے کے کمرے روشن اور ہوادار ہوں اور آکسیجن اچھی مقدار میں ملتی رہے تو کام کی عمدگی اور مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

آرام جسمانی اور دماغی تندرستی کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر تھوڑی سی تھکن اور معمولی سا تناؤ اور دباؤ پیدا ہونے کے بعد ہی آپ تھوڑا سا آرام کر لیں تو تھکن شدت اختیار کرکے آپ کی تندرستی کو خطرے میں نہ ڈال سکے گی۔ لیکن آرام کے کئی پہلو ہیں۔ ڈاکٹر سیلی نے اپنی کتاب میں متنبہ کیا ہے کہ ایک بہت ہی مشغول آدمی کو یہ بھی نہ کرنا چاہئے کہ وہ ایک دم کام چھوڑ کر آرام کرنے لگے کسی نہ کسی کام میں لگے رہنا ہی ایسے آدمی کا آرام ہے، کام کی نوعیت بدل لینے سے کام کا دباؤ کم ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کی کامیابی بھی اُن کے لئے وبالِ جان ہو جاتی ہے، وہ اپنی برتری اور امتیاز سے مطمئن نہیں رہتے۔ مزید کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے اپنی طاقت سے زیادہ کام کرنے لگتے ہیں۔ اس کا اثر اُن کے اعصاب اور دماغ پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ جو کام سکون و اطمینان اور اپنی استعداد کی حدود میں رہ کر کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ بہتر طریقہ سے انجام پاتا ہے۔

۲۔۔۔ مکھیاں۔ انسان کی سب سے بڑی دشمن

ڈاکٹر پی۔ ڈی۔ آئنزک بی۔ اے۔ ایم۔ ایس سی (لندن) ڈی۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ایس۔ ماہرِ حشریات نے اپنے ایک مقالے میں لکھا ہے:۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ مکھی انسان کی خطرناک دشمن ہے۔ سائنٹفک شہادتیں بھی اور وہ عام مشاہدات بھی، جو یہ بتاتے ہیں کہ مکھیوں کی آبادی بڑھنے اور انسانوں میں طرح طرح کے متعدی اور مہلک امراض پھیلنے میں قریبی تعلق ہے۔ ہمیں اسی نتیجے پر پہنچاتے ہیں کہ مکھیوں کو ہمیشہ انسانی صحت کے لئے ایک شدید خطرہ سمجھنا چاہیے۔

مکھیاں بیماریوں کے جراثیم منتقل کرتی رہتی ہیں، اور انسانوں اور



لائف بوائے ہے جہاں،
تندرستی ہے وہاں!

لائف بوائے سے نہائیے... نہانے کا لطف اسی میں ہے! لائف بوائے سے نہا کر کیا مزہ آتا ہے... تن بدن کھل جاتا ہے، طبیعت کھل اٹھتی ہے! لائف بوائے آپ کی تندرستی کی حفاظت کرتا ہے... آپ کچھ بھی کریں گندگی سے نہیں بچ سکتے! اور لائف بوائے کا بڑھیا جھاگ گندگی میں چھپے جراثیم کو دھو ڈالتا ہے۔ لائف بوائے سے آپکا سارا کنبہ تندرست رہیگا!

ہندوستان لیور نے بنایا

KS2-45 URD

گھریلو جانوروں میں مختلف امراض پھیلانے کا باعث ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کی بود و باش کے مقامات کے گرد و پیش جو گندی چیزیں اور کوڑا کرکٹ جمع رہتا ہے اُن میں مکھیوں کے لئے ایک خاص کشش ہوتی ہے۔

جب مکھیاں گندی چیزوں پر بیٹھتی ہیں اور اِدھر سے اُدھر اڑتی اور گزرتی رہتی ہیں تو اس دورانِ سفر میں وہ اپنے سارے جسم پر اور بالخصوص اُن باریک بالوں پر جو اُن کے مُنہ کے چاروں طرف ہوتے ہیں اور اپنے پروں پر بہت سی غلاظتیں اور جراثیم جمع کر لیتی ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ مکھیاں جب گندی اور سڑی ہوئی چیزوں پر بیٹھ کر اُن سے غذا حاصل کرتی ہیں تو اُن کی آنتوں کے اندر بھی فاسد اور متعدی امراض پیدا کرنے والی زہر آلود چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اُس کے بعد جب مکھیاں کسی خشک چیز مثلاً مٹھائی یا شکر وغیرہ کو چاٹنا چاہتی ہیں تو اسے تر کرنے اور چاٹنے کے لائق بنانے کے لئے اُس پر ایک سیّال مادہ کے چھوٹے چھوٹے قطرے تھوکتی ہیں اور اُسی سیّال مادہ کے ساتھ وہ اپنا جمع کیا ہوا اندرونی زہر یا جراثیم جو پہلے سے اُن کی آنتوں میں موجود ہوتے ہیں، اُس چیز میں داخل کر دیتی ہیں۔

جو مکھیاں انڈوں سے نکلنے کے بعد "پہل رُوپ" کی منزل سے ترقی کر کے بالغ ہوتی ہیں اور "پہل رُوپ" کسی زہر آلود ماحول میں زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں، اُن میں بھی متعدی امراض کے بہت سے جراثیم موجود ہوتے ہیں جنہیں وہ اِدھر اُدھر پھیلاتی پھرتی ہیں۔ اگر کوئی مکھی اتفاق سے کسی مشروب مثلاً شربت یا دودھ وغیرہ میں گر جاتی ہے تو وہ مشروب بھی گندہ اور مسموم ہو جاتا ہے۔ ایک تحقیقات کے دوران میں یہ دریافت ہوا ہے کہ ایک واحد مکھی کے جسم کے اوپر امراض کے جراثیم کی تعداد ۸۰۰،۰۰۰ سے لے کر ۵،۰۰۰،۰۰۰ تک ہو سکتی ہے اور اپنی آنتوں کے اندر ہر مکھی ۱،۰۰۰،۰۰۰ سے ۳۳،۰۰۰،۰۰۰ زہریلے جراثیم لئے پھر سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیماریوں کے جراثیم پھیلانے والے کیڑوں میں کوئی ایسا کیڑا نہیں ہے جو مکھی کا مقابلہ کر سکے۔

مکھیاں جو خطرناک امراض پھیلا سکتی ہیں ان کی فہرست جدید ترین معلومات کے مطابق یہ ہے:-

۱۔ معدی اور امعائی سمیت سے پیدا ہونے والے امراض مثلاً ٹائیفائڈ بخار، ہیضہ اور پیچش وغیرہ ۲۔ آشوبِ چشم ۳۔ زہریلے طفیلی کیڑوں کے انڈوں سے پیدا ہونے والی بیماریاں ۴۔ تپ کہنہ اور دق و سل ۵۔ دنبل، پھوڑے اور مویشیوں کا طحالی بخار۔ ۶۔ پیٹ کے کیڑے۔

اِس کے علاوہ تازہ ترین مطالعہ اور مشاہدہ کے مطابق اب یہ شک کیا جا رہا ہے کہ مکھیاں ہی بچوں کے فالج اور موسمِ گرما کے اسہال کے زہر آلود مادے بھی منتقل کرتی ہیں۔ مکھیاں انسان کی صحت اور زندگی کی بہت بڑی دشمن ہیں اور ایک صاحب رائے کے قول کے مطابق تو سب سے بڑی دشمن ہیں! جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے مکھیاں بالعموم گندی اور بوسیدہ چیزوں پر پرورش پا کر اپنی نسل بڑھاتی ہیں اور دس بارہ میل کے فاصلے تک پرواز کر سکتی ہیں۔ ہم مکھیوں کو افزائشِ نسل کی کھلی اجازت دیتے ہیں اور بعد میں انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری پہلی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم انہیں پیدا ہی نہ ہونے دیں۔

مکھیوں کے انسداد کے لئے مندرجۂ ذیل طریقے بہت موثر ثابت ہوتے ہیں:-

مکھیوں کو مکانات میں داخل ہونے اور غذائی چیزوں کو مسموم اور گندی کرنے سے روکنے کے لئے حفظانِ صحت والی احتیاطی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں، اور تار سے بنی ہوئی جالیوں سے کھڑکیوں اور دروازوں کو مکھیوں کے لئے ناقابلِ گزر بنا دینا چاہئے اور تمام ایسی چیزوں کو جو مکھیوں کے لئے کشش رکھتی ہیں چاہے وہ کھانے یا پینے کی چیزیں ہوں یا گندگی اور کوڑا وغیرہ ہو اس طرح محفوظ رکھنا چاہئے کہ اُن تک مکھیوں کی رسائی ناممکن ہو جائے۔

اِن گھریلو تدبیروں کے علاوہ ایسے میونسپل یعنی شہری ذرائع بھی اختیار کئے جائیں کہ گندگی اور کوڑے کو جلد از جلد ہٹا دیا جائے تاکہ مکھیاں ان میں پیدا ہی نہ ہو سکیں۔ مکھیوں کے انسداد کے لئے جو طریقہ اب تک پورے طور پر موثر ثابت ہوا ہے وہ یہی ہے کہ اُن تمام گندگیوں کو جلا کر خاک کر دیا جائے جن سے مکھیاں پیدا ہوتی اور بڑھتی ہیں۔

۳ — اپنے فیصلہ پر اعتماد کیجئے

آپ اپنے فیصلوں کی نسبت جو رائے رکھتے ہیں، آپ کے فیصلے اُس سے کہیں بہتر ہیں۔ سوچئے، کیا وہ لوگ بھی جن کی رائے پر آپ بھروسا کرتے ہیں، کبھی غلطی نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ خطا و غلطی سے کوئی بری نہیں۔ ہم سب یقین و اعتماد کی بدولت زندہ ہیں۔ آپ جب کبھی روٹی خریدتے ہیں تو یہ بھی ایقان و اعتماد ہی کی بات ہے۔ آپ کو اُمید ہوتی ہے کہ اُسے کھا کر آپ کی زندگی برقرار رہے گی۔

جب آپ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو اُسے عمل میں لانے پر پوری توجہ صرف کر دیجئے۔ اِس پس و پیش میں نہ پڑیئے کہ آپ نے جو رائے قائم کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ رائے امکانی رایوں میں بہترین رائے نہ ہو پھر بھی آپ کو اسے آزما کر دیکھنا چاہئے۔ بہر حال فیصلے کو آزمانے اور اِس میں غلطی کرنے کے بین بین ہی وہ راہ نکلتی ہے جس پر چل کر ہم کچھ سیکھ سکتے ہیں اگر ہم ہمیشہ پس و پیش ہی میں رہے تو کامیابی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اِس لئے جو فیصلہ کیجئے اُسے پوری قوت، پورے ایقان و اعتماد کے ساتھ عمل میں لائیے۔

۴ — معمولی باتیں بھی اہم ہوتی ہیں

ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے۔ بہت بوڑھے لوگوں کے لئے دروازہ کھول دینا یا اُنھیں بسوں یا ٹراموں پر چڑھنے میں مدد دینا دیکھنے میں معمولی باتیں ہیں۔ لیکن اِن سے دوسروں کا احساس اور اُن کے آرام کا خیال رکھنا ظاہر ہوتا ہے۔ جو سارے کردار کی کلید ہے۔ یہی معمولی باتیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور اِن کے باعث لوگوں کی نظروں میں خود بخود آپ کی وقعت بڑھ جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کا مقصد لوگوں کی نظروں میں وقعت حاصل کرنا ہو۔ لیکن اِن باتوں سے خود بخود ایسا ہو جاتا ہے۔ صفر کے بدلے صفر، یہی زندگی کا قانون ہے۔ اگر آپ کسی کے ساتھ لحاظ سے پیش آئیں گے تو ایک نئی صحت آپ کو منتظر ملے گی۔

۵ — اگر آپ پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں

جارج برنارڈ شا نے کہا ہے۔ "بدبختی اور خستگی کا راز یہ ہے کہ آپ یہ سوچ میں لگے رہیں کہ میں خوش ہوں یا نہیں۔" اِس لئے یہ ہرگز نہ سوچئے کمرِ ہمت باندھ کر کام میں مصروف ہو جائیے۔ آپ کا خون حرکت کرنے لگے گا۔ آپ کا ذہن متحرک ہو جائے گا۔ اور آپ کے جسم کے اندر زندگی کی مسرت آپ کے دماغ سے پریشانیوں کو نکال دیں گی۔ مشغول رہئے، مصروف رہئے۔ یہ دنیا میں ارزاں ترین اور مفید ترین دوا ہے۔

---

۶ —— درازیٔ عمر کا راز

طبی ماہرینِ تنویم کی برطانوی سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر ایس۔ جے وان پلٹ کی رائے یہ ہے کہ اگر آپ صحیح طریقے پر زندگی بسر کرنا جانتے ہیں تو یہ بات مشکل نہیں ہے کہ آپ سو برس تک زندہ رہ سکیں۔

درازیٔ عمر کا راز ہے جذبات پر قابو۔ اِسی کی مدد سے عورتیں مردوں سے زیادہ عمر پاتی ہیں۔ اگر مرد بھی عورتوں کی طرح اپنے جذبات پر قابو حاصل کر سکیں تو وہ عورتوں سے بھی زیادہ طویل عرصہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عورتوں سے زیادہ قوت جبلی اور پیدائشی ہوتی ہے۔

سو سال کے بوڑھے بعض باتوں میں ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ایک بات اُن سب میں مشترک ہوتی ہے اور وہ ہے زندگی سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت۔ ذہنی کشمکش کا فقدان اُن کی جسمانی صحت سے واضح ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وان پیلٹ کے نزدیک سائنٹفک تنویمی تحریک ذہن کے ہر ایک عضو پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب درازیٔ عمر کا انحصار غدود پر ہے تو ہر وہ طریقہ جس سے غدود پر کنٹرول رکھا جا سکے عمر کی درازی کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر پیلٹ کا دعویٰ ہے کہ تنویمی طریقۂ علاج سب سے زیادہ معقول طریقہ ہے۔

۷ —— قدرت کے قوانین

قدرت کے قوانین بہت منصفانہ اور ساتھ ہی بہت سخت بھی ہیں۔ اُن میں رحم کی گنجائش نہیں۔ سبب اور اُس کا نتیجہ لازم و ملزوم ہیں اور انھیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ عناصر کے اندر برداشت یا تحمل نہیں ہوتا۔ آگ جلاتی ہے۔ پانی ڈبوتا ہے۔ ہوا اُڑاتی ہے۔ زمین دفن کرتی ہے اور اگر انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جرم کرنے کی سزا ایسی ہی سنگین ہوتی، جیسی قوانین قدرت کے خلاف جرائم کی ہوتی ہے، تو یہ بات ہماری نسل کے لئے بہتر ہوتی اور انسان اپنے فیصلوں میں ایسے ہی بے خطا ہوتے جیسے قدرت ہے۔ (لانگ فیلو)

۸ ـــــ بُرادہ چیرنے کی کوشش

مشہور امریکی مفکر کارنیگی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے میں مسٹر ڈیڈ فلر شیڈ جیسے انسان کا ہمیشہ مدّاح رہوں گا۔ اُن کے پاس ایک پُرانی حقیقت کو ایک نئے اور دلآویز پیرائے میں بیان کرنے کا ملکہ تھا۔ وہ "فلاڈلفیا بلیٹن" کے ایڈیٹر تھے۔ اُنھوں نے ایک بار کسی کالج کی گریجویٹ کلاس سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ میں سے کتنے لوگوں نے لکڑی چیری ہے؟ وہ ذرا ہاتھ کھڑے کرلیں!"

اکثر طلباء کے ہاتھ کھڑے تھے۔

"اچھا تو کبھی کسی نے بُرادہ بھی چیرا ہے؟"

کوئی ہاتھ نہیں اُٹھا۔

مسٹر شیڈ نے بآوازِ بلند کہا۔

"ہاں آپ بُرادہ نہیں چیر سکتے۔ یہ تو پہلے ہی چیر کر بُرادہ بن چکا ہے۔ یہی حال ماضی کا ہے۔ جب آپ ایسی چیزوں یا باتوں کے متعلق پریشان ہوتے ہیں جنھیں آپ کر چکے ہیں تو آپ محض بُرادہ چیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

۹ ـــــ مشکل کاموں کیلئے موزوں وقت

سائنس دانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ صبح کا وقت کام کے لئے سب سے اچھا ہوتا ہے۔ اِس لئے اہم کاموں کے لئے صبح کا وقت رکھیئے۔ اور معمولی کام دوپہر کے بعد کیجیئے۔ صبح کے وقت کارکردگی کا اوسط بہترین ہوتا ہے صنعتی اور دفتری دونوں کام کرنے والوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ صبح کام کرنے کے کوئی ایک گھنٹہ کے بعد آدمی میں گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور اِس طرح گرم ہو جانے کے بعد اُس کی کارکردگی دوسرے تمام وقتوں کے مقابلے میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوپہر ہوتے ہوتے یہ کارکردگی کم ہونے لگتی ہے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کارکردگی کچھ عرصے کے لئے پھر زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ چُستی زیادہ دیرپا نہیں ہوتی۔ سہ پہر گزرتے گزرتے اونی درجے پر آجاتی ہے۔ اور شام کو انتہائی کمی تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس لئے اسی لحاظ نظامِ عمل مرتب کرنا چاہئے۔ اِس اصول کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کا نتیجہ یہ کہ کارگردگی کی رفتار بڑھائی جاسکتی ہے بلکہ ناقص نظامِ عمل سے پیدا شدہ تھکن اور ذہنی انتشار سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ●●

سرگوشیاں

سوال و جواب

اِس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لیے جگہ چھوڑنی لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

فرزانہ ناہید۔ بمبئی

س۔ کیا حالات سے چشم پوشی ناقابلِ معافی جرم ہے؟

ج۔ جی ہاں! ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اور ناقابلِ تلافی نقصان بھی!

س۔ کیا محبت کرنا جرم ہے؟ ماں، باپ، بہن، بھائی کے علاوہ ایک نوجوان سے جس کی پاکیزگی، جس کا تقدس، جس کا احترام پیشِ نظر ہو؟

ج۔ محبت جس کا انجام ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی ہوتا ہے اُس کا آغاز یوں ہی ہوتا ہے!

ایم۔ اے۔ قریشی۔ لاہور

س۔ کسی موقعہ پر جھوٹ بولنے سے جان بچتی ہو تو کیا جھوٹ بولنا جائز ہے؟

ج۔ حق و صداقت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے حق گوئی انسان کا بہت بڑا وصف ہے لیکن جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اِس لئے کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

"دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

س۔ اگر خواہ مخواہ غلط فہمی ہو جائے تو؟

ج۔ غلط فہمی دُور کر دینی چاہیئے۔

س۔ اگر کسی راستہ چلتی لڑکی پر آنکھیں جم جائیں تو؟

ج۔ ایسی شرافت و انسانیت پر ماتم کرنا چاہیئے۔

فیض محمود فیض۔ ورنگل

س۔ انسان کب رحم کے قابل ہو جاتا ہے؟

ج۔ جب اُس کی عقل اور سمجھ اس کا ساتھ چھوڑ دے۔

س۔ کیا ترقی کے زینے پر پہنچنے کے لئے دولت کے قدم ضروری ہیں؟

ج۔ ترقی کے زینے پر پہنچنے کے لئے دولت کے قدم ضروری نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی ایسے لوگ آسمانِ ترقی کے آفتاب و ماہتاب بن گئے جن کے پاس دولت نہ تھی!

حیدر عباس رضوی۔ جبلپور

س۔ کیا بابائے اُردو مولوی عبدالحق حیات ہیں؟

ج۔ جی ہاں!

ایم۔ ایم خورشید۔ اسلام پور، پٹنہ

س۔ اگر آج کی عملی زندگی میں سے سائنس کو خارج کر دیا جائے تو؟

ج۔ کتنوں کی زندگی زندگی نہ رہے گی۔ بہتوں کی زندگی بن جائے گی۔

س۔ کیا سائنس داں مذہبی اعتبار سے گمراہ ہوتے ہیں؟

ج۔ یہ ضروری نہیں۔ لیکن بیشتر سائنس داں ایسے ہی ہوتے ہیں۔

س۔ آج کے ہندوستانیوں کا معیارِ زندگی؟

ج۔ بہت بلند ہے۔ کیا آپ اربابِ حکومت کی تقریریں نہیں سنتے؟

مشتاق چودھری۔ بریگھم

س۔ آج کی آزاد دنیا میں انسان کو کس حد تک ذہنی آزادی حاصل ہے؟

ج۔ یہ تو اپنے اپنے ماحول اور حالات پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ اس دورِ آزادی میں بھی ذہنی طور پر آزاد نہیں ہیں۔

رئیس احمد۔ مرادآباد

س۔ آمنے سامنے دو پُرخلوص دوست، بیچ میں حالات کی پُرخطر گھاٹی۔ ان دونوں کی نظروں میں لکڑی، رسّی اور مٹّی کا دُور تک پتہ نہیں۔ "ملن"۔۔۔۔۔

ج۔ امید کی ڈور پکڑ لینی چاہیے۔

س۔ ترقی کے لیے کوشاں انسان اگر اپنی کم عقلی سے مسلسل غلطیاں کر بیٹھے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی دنیا اُسے بدترین انسان سمجھے تو۔۔۔۔؟

ج۔ دنیا کے اس چلن پر اُسے افسردہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔

س۔ اگر ایک بار دنیا کی نظروں سے گر جانے کے بعد مسلسل کوششوں کے باوجود کوئی انسان اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہ کر سکے تو؟

ج۔ کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

ڈاکٹر اصغر علی خاں۔ نانددرگہ

س۔ جس طرح ہندی میں لڑکیوں کے لئے کماری یا شریمتی لفظ استعمال ہوتا ہے، اردو میں اس کا بدل کیا ہے؟ یا اس کی جگہ کیا ہے؟

ج۔ بانو، بیگم!

س۔ ڈاکٹر کی بیوی کیسی ہونی چاہیے؟

ج۔ ڈاکٹر کی فنی قابلیت وصلاحیت کا آئینہ!

س۔ ڈاکٹر کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

ج۔ بہت بلند!

سید ابومظفر۔ مونگیر

س۔ محبت زندگی سنوارتی ہے یا۔۔۔۔؟

ج۔ محبت زندگی تباہ کرتی ہے۔ کیا آپ نے محبت کی خونچکاں داستانیں نہیں سنی ہیں؟

س۔ اگر دیوار گر جائے تو اٹھانا ممکن ہے لیکن پہاڑ گر جائے تو؟

ج۔ اسے اٹھانا آپ کے اس سوال کا جواب دینے سے زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

نظام رحمانی۔ بچھروکھی۔ سارن

س۔ خوشتر بھائی! "بیسویں صدی" میں افسانوں کے ساتھ مستند ادبی مقالات بھی آیا کریں تو کیا مضائقہ ہے؟

ج۔ "بیسویں صدی" میں افسانوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ کیا آپ اس بہت کچھ کو مستند ادبی مقالات نہیں سمجھتے؟

ایک ضروری اعلان قارئینِ "بیسویں صدی" دہلی

"نمکدان" کراچی کی رقوم ادارہ "بیسویں صدی" کو نہ بھیجیں اور نہ ہی "بیسویں صدی" کے پاکستانی خریدار "بیسویں صدی" کی رقوم "نمکدان" کراچی کو بھیجیں۔ "بیسویں صدی" کے علاوہ میں "نمکدان" کراچی کو بھیجی ہوئی رقوم کی ذمہ داری ہم پر ہرگز عائد نہیں ہوتی۔ (منیجر رسالہ "بیسویں صدی" دہلی)



ملک کے مایۂ ناز ادیبوں کے لکھے ہوئے نئے شاہکار ناول

جنھیں ادارۂ "بیسویں صدی" نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے

○ جب سائنس کے بل بوتے پر چاند، مریخ اور دوسرے سیاروں تک پہنچنا بچوں کا کھیل ہو جائے گا۔

○ جب مرد صرف عورت بلکہ ماں بنکر اولاد کی پرورش کریں گے۔

○ جب [illegible] حسن و شباب اور مستی و رعنائی کے زیرِ نگیں ہو جائے گ[illegible]

○ جب عورت مرد کے جبرِ اقتدار سے آزاد ہو کر معاشرے پر چھا جائے گی۔

[illegible] میں ایک انوکھا تجربہ۔ حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ایک دل فریب ناول

فردوسِ مومنی (ناول)

حقیقت اور طنز سے بھرپور عورتوں کے اُس دیش کی کہانی جہاں مرد کا تصور بھی ایک جرم تھا۔

[illegible] فضاؤں میں لکھی ہوئی عجیب و غریب داستان جو اوّل سے آخر تک دلچسپیوں اور حیرت ناکیوں سے لبریز ہے۔ جناب کوثر چاندپوری کا لکھا ہوا بیحد شوخ دلچسپ ناول جو قاری کو صدیوں آگے کی فضا میں پرواز کراتا ہے۔ اور نئی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھتا ہے۔ انتہائی دلکش اور شگفتہ اندازِ نگارش۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، بہترین کاغذ، دیدہ زیب گرد پوش۔ قیمت فی جلد محض تین روپے۔

نئے فرہاد

پروفیسر شکیل الرحمٰن ایم۔اے کا اچھوتا شاہکار ناول

ایک بڑی شوگر فیکٹری کے منیجر کی ہوسناکیوں اور حسن پرستیوں کی بھیانک تصویر جس نے بہارِ حسن و شباب کی [illegible] آمد کہتی ہوئی نازک اور معصوم کلیوں کو سنہری، روپہلی سکوں کی جھنکار کے بل پر رقص و نغمہ اور شراب کے [illegible] میں غرق کر کے گناہ پر مجبور کر دیا۔ ایک [illegible] دوشیزہ کی المناک داستان۔ محبت و زر کی کشاکش کے اسٹیج پر لکھی ہوئی ایک انتہائی دلچسپ کہانی جو آپ کے دل و دماغ پر چھا جائے گی۔ شکیل الرحمٰن کے افسانوں میں انکی انفرادیت کی جاذبیت ہے، حسن ہے، زور ہے، جوش اور شگفتگی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک تیز اور شفاف چشمہ بہہ رہا ہے اور اُس کا بہاؤ ہمیں اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔ بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، دیدہ زیب ڈسٹ کور۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

فرانس کے عظیم ترین ناول نگار ایبے پریوو کا غیر فانی شاہکار

راہیں شباب کی

○ جس کا ترجمہ دنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔

○ جس کی دس کروڑ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔

○ جسے عشق و محبت کی بے نظیر داستان تسلیم کیا جاتا ہے۔

○ جسے اُردو میں پہلی بار ادارۂ "بیسویں صدی" نے شائع کیا ہے۔

○ جس کی اشاعت پر پیرس کے رنگین ماحول میں ایک زلزلہ آ گیا۔

○ جسے نوخیز لڑکیاں ہی نہیں بوڑھے بھی حاصل کرنے کیلئے [illegible]

عشق و محبت کا جاوداں افسانہ جس کے سامنے وامق و عذرا، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کے قصے بھی ہیچ ہیں۔ اس ناول کی ہیروئن قلوپطرہ اور ہیلن سے بھی زیادہ حسین [illegible] مترجمہ جناب مخمور جالندھری۔ نظر فریب کتابت و طباعت، بہت عمدہ کاغذ، قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

یادوں کے کھنڈر

جناب ٹھاکر پونچھی کا ایک بے حد دلچسپ نیا رومانی ناول جس میں اُن معصوم محبتوں، ناکامیوں اور حسرتوں کی حسین داستانیں بیان کی گئی ہیں جنھوں نے اپنے کمسن خیالوں میں محبت کے حسین محل تعمیر کئے لیکن حقیقی زندگی میں صرف یادوں کے تاریک کھنڈر ہی نصیب ہوئے۔ "یادوں کے کھنڈر" کے درد ناک قہقہے، سسکتی ڈوبتی آہیں، خاموش پلکوں پر منجمد آنسو، آج کے معاشرے کے وہ گھناؤنے نقوش اُجاگر کرتے ہیں جو محبت کی موت ہیں، اور زندگی کے قاتل بھی۔ ایک ایک سطر میں جذبات اور آرزوؤں کا حسین طوفان مچل رہا ہے۔ [illegible] نے دل کی دھڑکنوں کو ایسے رنگ انداز سے اُجالا ہے کہ [illegible] رفاقت اور خلوص پر محبت کی تصویر نگاہوں کے سامنے کھنچ گئی ہے۔ قیمت فی جلد [illegible] روپے

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی



12

75

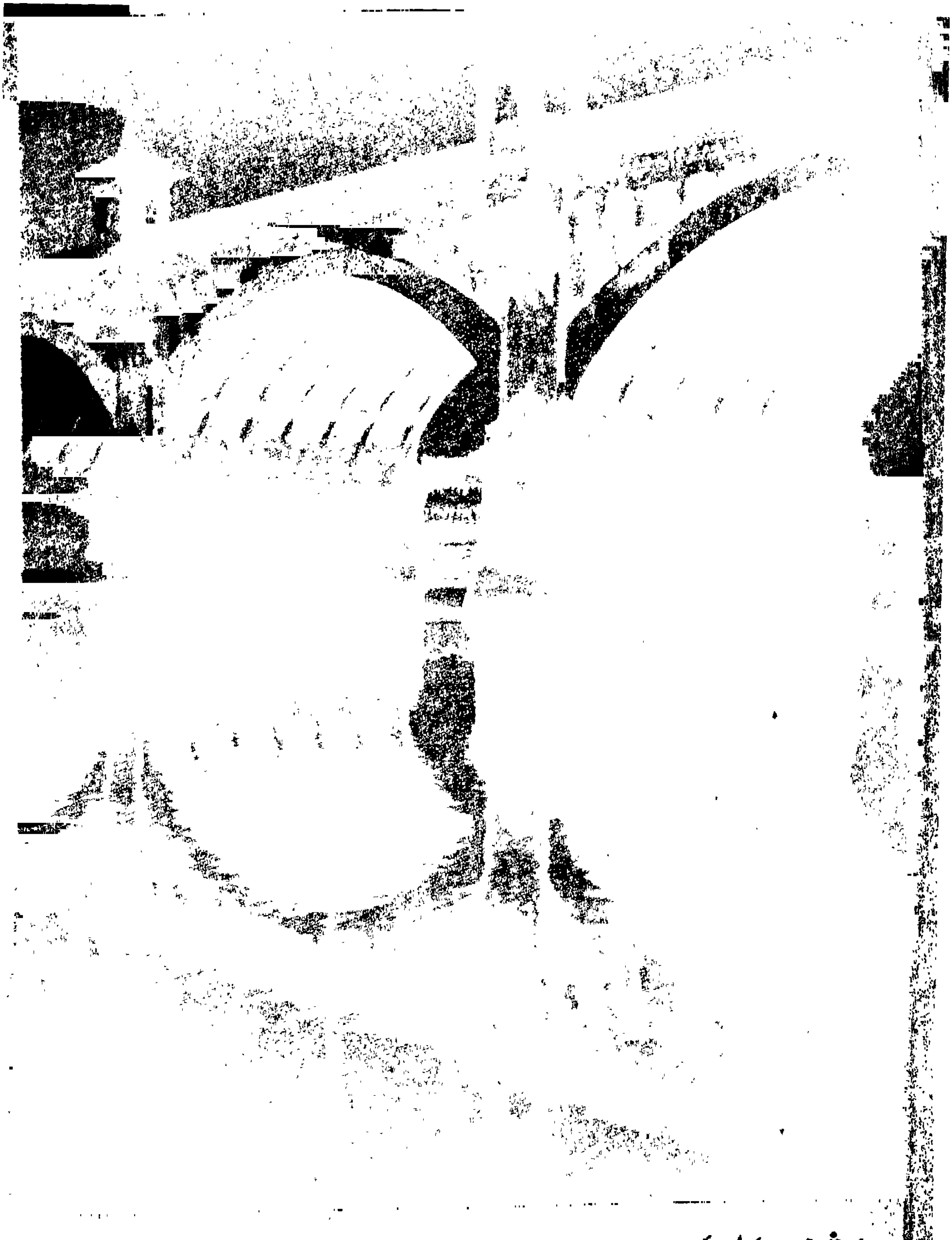


روشن نگار پریس دہلی



ع میں اگر چاہوں تو دامانِ فلک کو چھو لوں

ایس۔ اسد۔ مدراس



روشنی اور سائے

پرشاد - دہلی

بیسویں صدی

ایڈیٹر: خوشتر گرامی
کرشن کمار

ستمبر ۱۹۷۱ء

جلد
نمبر

ٹیلیفون دفتر ——— ۲۶۶۳۷
ٹیلیفون رہائش ——— ۷۳۹۲۷

۱ تیرو نشتر ——— اداریہ ——— ۷
۲ چاند ستارہ ——— افسانہ ——— واجدہ تبسم ایم۔اے ——— ۱۳
۳ ہفت غزلہ ——— پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم۔اے ——— ۲۱
۴ کلپنا ——— افسانہ ——— سہیل اعجاز دریاآبادی بی۔کام۔ ایل ایل۔بی ——— ۲۲
۵ غزل ——— حقی حزیں ایم۔اے ——— ۲۹
۶ غزل ——— احسان دانش ——— ۲۹
۷ تاج محل کی راکھ ——— افسانہ ——— مختار الرحمن راہی بی۔اے۔ ایل ایل۔بی ——— ۳۰
۸ غزل ——— شبیر کاظم کاظمی مظفرپوری ——— ۳۸
۹ غزل ——— ضیا فتح آبادی ایم۔اے ——— ۳۸
۱۰ ایک درد ——— افسانہ ——— ظفر احمد بی۔اے ——— ۴۱
۱۱ غزل ——— عبدالحمید فرحت ——— ۴۴
۱۲ غزل ——— سحر گونڈوی ——— ۴۴
۱۳ غزل ——— ہر بھگوان شاد ——— ۴۴
۱۴ نئی بات ——— افسانہ ——— اعجاز نسرین بی۔اے ——— ۴۵
۱۵ آنکھیں ——— مختلف شعراء ——— ۴۷
۱۶ غزل ——— صابر ابوہری ایم۔اے ——— ۵۴
۱۷ غزل ——— پروفیسر محمد منشاء الرحمن خاں منشاء ایم۔اے ——— ۵۴
۱۸ غزل ——— اختر عازم مرادآبادی ——— ۵۴
۱۹ آل انڈیا ہسٹری کانفرنس ——— طنزیہ ——— فکر تونسوی ——— ۵۵



مستقل خریداروں کو سالانہ قیمت آٹھ روپے میں سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ دو عظیم الشان قیمتی خاص نمبر بھی دیئے جاتے ہیں جن کی قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے فی پرچہ ہوتی ہے

قیمت فی پرچہ

رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی

۲۱	غزل		آزری [illegible] آبادی
۲۲	غزل		ثاقب رضوی ایم۔اے۔ ایل ایل۔ بی
۲۳	غزل		راہی بلند شہری
۲۴	آنچلوں کے سائے	افسانہ	ایس موہن
۲۵	غزل		اسمٰعیل پرکار رتناگیری
۲۶	غزل		فیض الحق فیاض
۲۷	غزل		منظر ایوبی ایم۔اے۔ بی۔ کام
۲۸	شادی کا بجٹ	افسانہ	راز یوسفی
۲۹	غزل		عنوان چشتی ایم۔اے
۳۰	غزل		الفت امین آبادی
۳۱	افواہیں	طنزیہ	جہاں گرد کے قلم سے
۳۲	چھینٹے	افسانہ	پروفیسر جوگیندر پال ایم۔اے
۳۳	صحت و زندگی		وٹامنز کا خزانہ۔ غم و غصہ۔ ایک مفید سبزی۔ اختلاج ایک مہلک مرض۔ آپ کے بچے۔ خوف سے کیسے نجات ہو؟
۳۴	افسانہ نمبر دیکھا		مختلف حضرات
۳۵	سرگوشیاں		سوال و جواب

مستقل خریداروں کی خدمت میں افسانہ نمبر بلا قیمت بھیجا جا رہا ہے۔ اسے مفت حاصل کرنے کے لئے آپ آج ہی سالانہ قیمت مبلغ آٹھ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیجکر یا وی۔ پی بھیجنے کی اجازت دے کر خریدار بن جائیں۔ تاکہ افسانہ نمبر کے لئے آپ کو جدا قیمت نہ دینی پڑے۔ سالانہ قیمت منی آرڈر بھیجنے میں آپ کا ۵۶ نئے پیسے کا فائدہ ہوگا۔ آٹھ روپے کی قلیل رقم میں سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ قیمت کے دو خاص نمبر بھی دیئے جاتے ہیں۔

(سالانہ خریدار بننے کا طریقہ) "بیسویں صدی" کے پاکستانی خریداروں کے لئے سالانہ قیمت بھیجنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ منی آرڈر سے ماجد حمید صاحب ۵۲ / بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور" کو بھیج دیں۔ کوپن پر "سالانہ قیمت رسالہ بیسویں صدی" کے الفاظ ضرور لکھیئے۔ منی آرڈر کی رسید جو پوسٹ آفس سے ملتی ہے ہمیں بھیج دیجئے۔ رسید ملتے ہی "بیسویں صدی" آپ کے نام فوراً جاری ہو جائے گا۔ اور سال بھر تک خدمت ہوتا رہے گا —— خریدار بننے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی مقامی بنک کو یہ درخواست دیں کہ وہ "بیسویں صدی" دہلی کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں۔ اس لئے "بیسویں صدی" سالانہ قیمت مبلغ آٹھ روپے کے عوض ایکسچینج ڈرافٹ دیا جائے۔ اس درخواست پر آپ کو ڈرافٹ مل جائے گا۔ جسے آپ بذریعہ رجسٹری "بیسویں صدی" دہلی کے نام بھیج دیں۔ لفافہ ملتے ہی رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔ سالانہ قیمت بذریعہ پوسٹل آرڈر ہرگز نہ بھیجیں۔ پوسٹل آرڈر راستے میں ضبط کر لئے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی کے لئے اعلیٰ پایہ کی حسین اور دل کش تصاویر

تیر و نشتر

ادارہ

"کانپور میں درختوں کے نیچے اسکول لگتے ہیں" ایک خبر ——— رسالہ پراچین سنسکرتی کو زندہ کرنے کی طرف پہلا قدم۔

"یو۔پی میں کانگریس کی تنظیم کو مضبوط کیا جا رہا ہے" ——— اور اسی لئے وزارت میں توسیع کی گئی ہے۔

"میں شمالی بمبئی کے حلقہ سے کھڑا ہو رہا ہوں" کرشنا مینن کا اعلان ——— مقابلہ کامیاب ہونا ہے تو لداخ کے اس علاقہ سے کھڑے ہو جائیے جس پر چین کا قبضہ ہے۔

"پاکستان میں رشوت خوری اور انقلابی سرگرمیوں کے سدِباب کے لئے اقدامات۔ حکومت نے قواعد بنا دیئے" ایک خبر ——— ہندوستان میں اس قسم کی خبروں کی اشاعت پہ سخت پابندی لگانے کی ضرورت ہے۔



"فوجی معاہدے دنیا میں امن و تعاون کا جذبہ پیدا نہیں کرتے" کرشنا مینن ——— اسی لئے ہم نے چین کے ساتھ پنچ شیل کا معاہدہ کیا تھا

"راجستھان میں اسکول چلو مہم" ——— جس سے وزیر اور ممبرانِ اسمبلی گھبرا رہے ہیں۔

"ہندوستان پوری طاقت سے اپنی سرحدوں کی حفاظت کرے گا" لال بہادر شاستری کا بیان ——— کسی کو شبہ ہو تو لداخ اور نیفا کی سرحدوں کو دیکھے جہاں چینی سپاہی ہماری سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

"امریکہ سوویت تعلقات سنور جانے کی توقع پیدا ہو گئی" ایک خبر ——— کیا کینیڈی اور خروشچیف دونوں مستعفی ہو گئے؟

"لکھنؤ میں اندھوں کا تناسب ہندوستان بھر کے شہروں سے زیادہ ہے" ——— یہ اندھے پن ہی کا نتیجہ ہے کہ دو دفعہ عام انتخابات میں ہارے ہوئے مسٹر سی۔ بی گپتا وہاں وزیرِ اعلیٰ بنا دیئے گئے۔

"جنگِ آزادی کے جاں بازوں کی اقتصادی آبادکاری" فریڈم فائٹرز ایسوسی ایشن کی مرکزی اور ریاستی سرکاروں سے اپیل ——— سب کو وزارتیں ملنی چاہئیں۔ آخر دس بیس ہی کی اجارہ داری کیوں رہے؟



یو-پی کے انسپکٹر جنرل پولیس نے کہا کہ "آچاریہ ونوبا بھاوے کا مشن بالکل ناکام رہا ہے۔ ڈاکوؤں کے نئے گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔"

"غریب اور ہونہار طلبا کے لئے مالی امداد" پنجاب کے ممبران اسمبلی کا مطالبہ ـــــ اپنے بھائی بھتیجوں اور اُن کی اولاد کے لئے سرکاری امداد کا عمدہ بہانہ۔

"تین چینیوں کو ہند سے نکال دیا گیا" ایک خبر ـــــ ہندوستان کی مرکزی کمیونسٹ پارٹی فوراً اپنا اجلاس بُلا کر حکومتِ ہند سے پروٹسٹ کرے۔

"تھوپچال کے گہرے مطالعہ کا پروگرام" ایک عنوان ـــــ جس کو زمین کی گہرائیوں میں اُتر کر جامۂ عمل پہنایا جائے گا۔

"مجھے اُمید ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب ہند اور پاکستان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے۔" امریکی صحافی موتی فنیز کا کلکتے کے اخبار نویسوں سے خطاب ـــــ آپ اچھے صحافی ہیں کہ آپ کو یہی معلوم نہیں کہ ہند اور پاکستان روزِ اوّل سے ایک دوسرے کے قریب ہیں اور دونوں کی سرحدیں ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے ہیں۔

"مصر میں جاسوسی کے الزام میں سات مردوں اور آٹھ عورتوں کو سزائے موت کا حکم" ـــــ مردوں کو شرم آنی چاہئے کہ عورتیں ان سے بڑھ چڑھ کر نکلیں۔



"عالمی بنک سے قرض لینے کے لئے ہندوستانی حکام کی ایک ٹیم واشنگٹن جائے گی"۔ ایک خبر ـــــ اور شری مرارجی ڈیسائی ٹیم کے کپتان ہوں گے۔

کتابوں کے ایک اشتہار کی سُرخی ہے۔ "اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والی کتابیں" ـــــ اور نیچے درج کتابوں میں سے ایک کا نام ہے شیطان کی سوانح عمری یہ جس کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ بے حد خوش ہوں گے۔

"سورج اور ستارہ گرفتار"۔ ایک عنوان ـــــ آسمان کی طرف نہ دیکھئے۔ یہ بلند شہر کے علاقے کے دو ڈاکوؤں کے نام ہیں۔

"کام کرتے کرتے مرگیا"۔ ایک عنوان ـــــ بڑی شاندار وزیروں جیسی موت ہوئی ہے۔

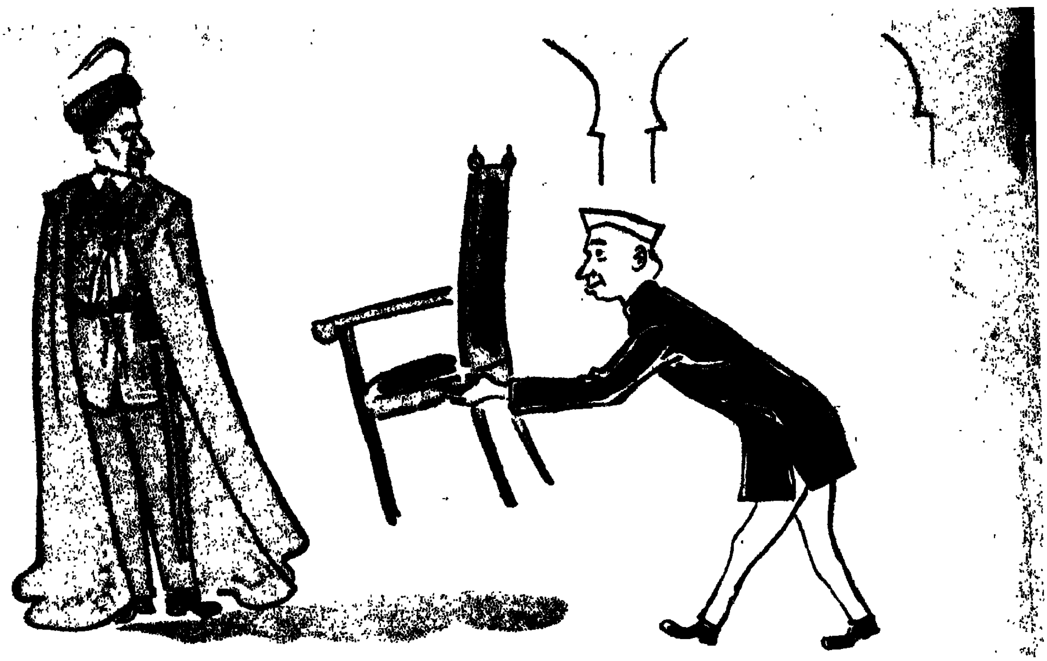
"شہد کی مکھیوں نے گاؤں خالی کرالیا" ـــــ انھیں لداخ کے محاذ پر بھیجو تاکہ چینیوں سے ہندوستانی علاقہ خالی کرائیں۔

"دِلّی سے لوک سبھا کی پانچ سیٹوں کے لئے کانگریسی اُمیدواروں کی سفارش" ـــــ اِس سے تو دال کبھی گرم نہ ہوگی مُنہ کا ذائقہ کبھی نہ بدلے گا۔ پانچ سو کی پانچ سو سیٹیں دِلّی کو مِل جائیں تو بھی پُورا نہ پڑے گا۔ یہاں ایک ایک علاقہ میں پانچ پانچ سو لیڈر آباد ہیں۔

"گورو گولوالکر ماسٹر تارا سنگھ سے ملاقات کریں گے" ـــــ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے....

"کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے بستر کی تقسیم کی مخالفت" ـــــ اب سوشلزم کہاں گیا۔ بانٹنے دو نا سب کو حصّہ مِل جائے گا۔

"چین اور روس کے تعلقات خراب ہو گئے" ـــــ امریکہ میں گھی کے چراغ جلائے۔



"پنڈت جواہر لال نہرو کا وزیر اعظم بنا رہنا جمہوریت کی بقا کے منافی ہے۔" سوتنتر پارٹی کے چیرمین مسٹر رنگا کی تقریر — جی ہاں اب انھیں مسٹر رنگا کیلئے جگہ خالی کردینی چاہیئے۔

"آسٹریلیا سے بیس کروڑ ٹن گیہوں خریدنے پر بھی چین کی ضرورت پوری نہ ہوسکی۔" ایک خبر — یہ لوگ بڑے پیٹو ہیں۔ تبت ہضم کرنے کے بعد ہمارا ہزاروں میل کا علاقہ بھی ہڑپ کر گئے اور ڈکار تک نہیں لی۔

"سوتنتر پارٹی سرکاری تجارت اور ساجھی کھیتی کو برداشت نہیں کرے گی" — اور سرکار اس پر بھی باز نہ آئی تو پھر سوتنتر پارٹی تجارت اور ساجھی دونوں کے بائیکاٹ کرنے کا مشورہ دے گی۔

"ملک بھر میں سیکولرزم کے نفاذ میں تاخیر نہیں کی جائے گی"۔ ایک خبر اس لئے کہ اب حکومت نے سیکولرزم کے ٹھیکے دریافت کر لئے ہیں۔

"حکومت ہند کے خفیہ نقشے غائب" — اور یہ کارروائی خود حکومت سے خفیہ رہی۔

"پارلیمنٹ کے انتخابی حلقوں کے لئے سفید کاغذ کا بیلٹ" — سفید بالکل ایسا جیسے سفید جھوٹ۔

"مدھیہ پردیش میں دو نئے کارخانے قائم ہوں گے" — تاکہ ڈاکٹر کاٹجو کو آئندہ انتخابات میں شکست سے بچانے کے لئے ووٹر پیدا کئے جاسکیں۔

"نکتہ چینی، الزام کوشی اور بہتان تراشی کی راہیں چھوڑ کر تعمیری راستے اپنائیے" ایک عنوان — یعنی کانگریسی راج کی اندھیر گردی پر حرف گیری نہ کیجئے۔ اسکینڈلوں کا پتہ نہ لگائیے۔ چینیوں سے ہمدردی رکھنے والے وزیر کا ذکر نہ کیجئے اور سب راج مزدور بن جائیے۔ اونچی عمارتیں اور شاندار کوٹھیاں تعمیر کیجئے۔

"قانون سے ناآشنا لوگوں کو انصاف کرنے پر مامور کردیا گیا" ایک جج کا ریمارک ـــــ اصل میں قانون اندھے کا لٹھ ہے جو اچھے بڑے، چھوٹے بچے، اپنے پرائے کسی کو نہیں پہچانتا۔

"صنعتی نمائش کے لئے ڈاک ٹکٹ جاری ہوں گے" ـــــ تاکہ انھیں نمائش دیکھنے والوں کی پیشانی پر چپکا کر بذریعۂ ڈاک نمائش گاہ میں بھیجدیا جائے۔

"اتحاد و یگانگت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے تعلیم بالغاں بہت ضروری ہے" ڈاکٹر شریمالی کی تقریر ـــــ مگر بہت دیر سے سمجھ میں آئی یہ بات۔ جب ان پڑھ لیڈر انتشار کا جذبہ پیدا کرنے میں خطرے کے نشان سے آگے بڑھ گئے۔ سب کو تختی اور سلیٹ دے کر اسکول بھیجیے۔

"جن سنگھی گائے کے بارے میں صرف نعرے لگاتے ہیں" پنڈت جواہر لال نہرو ـــــ اور کانگریسی اُس کے سچے رکھشک اور سیوک ہیں۔

"فرانس نے مصالحت کا دروازہ بند کردیا۔ ایک خبر ـــــ کھڑکی یا روشندان کی راہ سے مصالحت کر لیجیے۔

"کیا لکھنؤ میں چاقو رکھنے پر پابندی لگا دی جائے گی" ایک عنوان ـــــ جی ہاں۔ اِس لئے کہ سمپورنانند اور گپتا گروپ کے درمیان نقصِ امن اور تصادم کا اندیشہ ہے۔

"پنجاب میں مخالف کانگریسیوں نے چناؤ کے لئے ٹکٹ کی درخواستیں دینے کا فیصلہ کرلیا" ـــــ ذرا غور سے دیکھئے درخواستیں۔ پنڈت سری رام شرما نے بھی قلابازی کھائی یا نہیں۔



"لکھنؤ میں زبردست بارش اور سیلاب۔ دس فٹ پانی چڑھ گیا" وزارت سے محروم سمپورنانند دھڑے نے آنسو بہائے ہوں گے۔



"اپنی دماغی صلاحیت سے کام لو" ——— صدر ایوب کی تقریر۔

"فرانس کی راجدھانی میں بم کے سات دھماکے" ——— اچھا ہم تو سمجھے تھے کہ بم صرف ہندوستان کی راجدھانی ہی میں پھٹتے ہیں۔

"وزراءِ صحت کی کانفرنس۔ پنڈت جواہر لال نہرو افتتاح کریں گے۔" ——— جس میں وزیروں کی صحت پر غور و خوض ہوگا۔

"مشرقی پاکستان میں اونٹ اور گدھے نہیں ہوتے" ایک عنوان ——— اور مغربی پاکستان میں؟ ——— خاموش! زیادہ حدِ ادب۔

"زیورات اور جواہرات جن سے عشق و محبت کی داستانیں وابستہ ہیں لندن کی ایک نمائش میں رکھے جائیں گے" ——— لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، نل دمینتی کی تاریخی یادگاریں۔

"بھارت کو مزید ملکوں سے امداد کی توقع۔ سویڈن اور ہالینڈ بھی مدد دیں گے" ——— وزیرِ خزانہ اب بھی ٹیکس بڑھائیں تو سراسر زیادتی ہوگی۔

"صدرِ پاکستان کا اپنے ملک میں وقار بڑھ گیا" ایک عنوان ——— اور پاکستان کے سابق سیاست دانوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

"خدمتِ خلق کے لئے زندہ رہنا بھی ایک بہت بڑی شجاعت ہے" ایک عنوان ——— اور وہ بھی وزارت کی کرسی پر۔

"سردار کیروں وقت کے ساتھ بدلتے ہیں" ماسٹر تارا سنگھ کا بیان ——— لہٰذا وہ بڑے زمانہ شناس ہیں مگر آپ فرمائیے۔

چاند ستارہ

واجدہ تبسم ایم۔اے

فلیٹ نمبر ۱، ریلوے بلاک ۱۳۱، سانتا کروز (ویسٹ) بمبئی نمبر ۵۴

۲۰ مئی ۱۹۶۱ء

اچھے بھیا!

بمبئی سے اشفاق نے تصویریں یہاں بھیج دی ہیں۔ آپ نے جتنی خوبصورت دعوت کی تھی اُتنی ہی بدصورت تصویریں آئی ہیں۔ (کم از کم میری) آپ چاہنے پر مصر ہیں تو ضرور چھاپئے۔ آپ سے مل لینے کے بعد آپ کا کوئی حکم رد کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ ہیں ہی ایسی خلوص بھری ہستی۔ آپ کی دعوت کے بعد ہم لوگ جب ونیگر ریسٹورنٹ سے نکل رہے تھے تو میں نے اشفاق سے کہا تھا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے دُنیا کے عام انسانوں کی طرح خوشتر بھیا گوشت پوست سے نہیں بنے ہیں۔ صرف خلوص اور محبت سے بنے ہوئے ہیں" دِلّی سے واپسی پر جب میں حیدرآباد پہنچی تو سب نے کانفرنس کے اور اِدھر اُدھر کے حالات پوچھے۔ افسر بھائی نے پوچھا "یہ بتاؤ جن جن سے پہلی بار ملی ہو، اُن سب میں تمھیں سب سے زیادہ متاثر کس نے کیا!" ظاہر ہے میں آپ کے سوا اور کس کا نام لے سکتی تھی۔ آپ کے نام کے ساتھ آپ کی کوٹھی کا ذکر کیسے بھولتی (جی میں آتا ہے یہیں رہ جائیے) آپ کا خلوص ویسے تو مجھے ہر لمحہ یاد آتا ہے۔ مگر یہ بات تو بھولتی ہی نہیں کہ ہم پرانی دلی میں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ نے کتنی بار اپنی کوٹھی پر اُٹھ آنے کو مجبور کیا — ! زندگی کی بڑی تمنا یہی تھی کہ آپ سے ملوں۔ میں نے یہ بات بارہا آزمائی ہے کہ خلوصِ دل سے جو دعا مانگی جائے خدا اُسے ضرور سُنتا ہے اور پوری بھی کرتا ہے —— آپ کو شکایت ہے کہ میں نے خط نہیں لکھا۔ حالانکہ میں نہیں سمجھتی کہ وہ عقیدت جو مجھے آپ کی ذات سے ہے، قلم اور کاغذ کی مرہونِ منت ہو سکتی ہے۔ آپ، بھابی اور کنول تو سچ میرے دل میں بستے ہیں۔ دیکھئے نا۔ اشفاق بھی تو مجھ سے دور ہیں اور اُنھیں بھی میں کم خط لکھتی ہوں۔ لیکن یہ تو نہیں ہے کہ مجھے اُن سے محبت نہیں۔ وہ تو میرے سب کچھ ہیں۔ یہ پتہ نہیں مجھ میں کیا COMPLEX ہے۔ خط لکھنے بیٹھوں تو آنسو پہلے نازل ہوتے ہیں، الفاظ بعد میں! اِس لئے بہت گھبراتی ہوں۔ آپ خدا کے لئے یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کو بھول سکتی ہوں —— میرے افسانوں کا پہلا مجموعہ "شہرِ ممنوع" آپ نے دیکھا ہے نا؟ بہتوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کہاں سے مل سکتا ہے؟ الگ الگ جواب دینا ذرا مشکل ہے۔ آپ ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ "نیا ادارہ۔ ۱۵ سرکلر روڈ، لاہور (پاکستان)" نے چھاپا ہے۔ آپ کو یہ سُن کر یقیناً خوشی ہوگی کہ "شہرِ ممنوع" اور دوسری چند کہانیاں، امریکہ (شکاگو یونیورسٹی) کے کورس میں شامل کر لی گئی ہیں۔ .....

آپ کی بہن —— واجدہ

شاہینہ مسلسل ایک ہی ریکارڈ کو بار بار بجائے جا رہی تھی۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

ہواؤں میں نمی سی رچی ہوئی تھی۔ ادھ کھلے دریچوں سے موتیا کی کچھ بند کچھ کھلی کلیوں سے پھوٹتی خوشبو مہکتے مہکتے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ ہوا کا ایک شوخ جھونکا فوزیہ کے چہرے سے ٹکرایا تو اچانک اُسے اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کے گر پڑنے کا خدشہ محسوس ہوا۔ اسی دم شاہینہ نے مڑ کر پوچھا۔

"اے ری بجو! یہ دیدۂ تر کیا ہوتا ہے؟"

فوزیہ نے گھبرا کر شاہینہ کی طرف دیکھا۔ پھر اسی لمحہ اُس نے ساڑھی کے آنچل سے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔ اور قدرے مسکرا کر بولی۔

"تُو تو پگلی ہے شنو! دیدۂ تر تو کچھ بھی معنی نہیں رکھتا۔ یہ شاعر بھی خوب ہوتے ہیں۔ جو جی میں آئے کہہ دیتے ہیں۔"

"تو فوزی! یہ تم کہہ رہی ہو کہ دیدۂ تر کچھ معنی نہیں رکھتا۔ پر ابھی ابھی یہ تم نے اپنی ریشمیں ساڑھی کے آنچل میں شبنم کے سے قطروں کو جو سمیٹ لیا ہے تو یہ کیا کچھ تھا؟ ——— پھر کیوں دیدۂ تر کچھ معنی نہیں رکھتا؟ پھر کہو ——— کہو نا ——— !"

فوزی نے گھبرا کر شاہینہ کو دیکھا۔

"تُو نے کچھ کہا شاہینہ؟"

وہ حیران اور پریشان سی ہو کر بولی۔

"نہیں تو باجی! میں تو خود آپ کی باتیں سُن رہی تھی۔ تو کیا دیدۂ تر کچھ معنی نہیں رکھتا؟ آں باجی ——— ؟؟"

فوزیہ کے کانوں میں شاہینہ کی آواز کہاں پہنچ رہی تھی۔ ریکارڈ کی آواز سارے میں گونج رہی تھی۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
پھر مجھے ....

فوزی نے بے بسی سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں

فوزی نے عاجز آ کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"شفیق بھائی! آپ تو سچ مچ ناک میں دم کئے رہتے ہیں۔"

"میں نے کیا کیا ہے حضور؟ ناک تو بچپن سے آپ چھوٹی سی پھول جیسی ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ پری دیکھنا چاہتے ہیں میں نے دکھا دی۔ اب اس بات سے آپ کی ناک میں دم آنے کا کیا تعلق ہے، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔" پھر وہ شرارت سے جھک کر مسکرایا۔ "اور یہ تو آپ نے سنا ہی نہیں۔ میں نے انھیں یہ بھی تو بتایا ہے کہ کھلی چھت پر جو شہزادہ سویا تھا جس نے شہزادی کا دل لوٹ لیا تھا وہ بھی خاکسار تھا۔"

"قسم اللہ کی، آپ بالکل ویسے ہیں۔ میں آپ سے کبھی نہ بولوں گی۔" اور فوزی اپنی ساڑھی کا آنچل سنبھالتی بھاگ گئی۔

شفیق اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ یوں کہ اُس کا وجود ایک نقطہ میں تبدیل ہو گیا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کی طرف دیکھا۔

"چاند میں اور فوزی میں کچھ نہ کچھ رشتہ ضرور ہے۔" اُس نے مسکرا کر سوچا۔

کھانے کی میز پر فوزی بالکل بھری بیٹھی تھی۔ شفیق پلیٹ سے چمچہ بجاتا رہا۔ جب ابو نے پہل کی تو شفیق بھی جُت گیا۔ ابو نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر کھنکھارتے ہوئے بولے۔

"فوزیہ بیٹی! تم کچھ سست سی دکھائی دیتی ہو؟"

"جی ہاں! ہوم ورک پورا نہیں کیا تھا اِسلئے ٹیچر نے بینچ پر کھڑا کر دیا تھا۔"

شفیق بے حد سعادت مندی سے بولا۔

ابو کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"ہائیں! تم اتنی بے پرواہ کب سے ہو گئیں بیٹی؟"

"فوزیہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ شفیق پھر بول پڑا۔" اور ماموں جان! مجھ سے خواہ مخواہ اُلجھتی تھیں کہ انسان چاند پر پہنچنے والا ہے۔ جبکہ میرا کہنا یہ تھا کہ چاند خود زمین پر موجود ہے۔"

ابو نے ہاتھ روک لیا۔ "ہائیں چاند زمین پر کیسے موجود ہے۔ میں نے تو

کسی اخبار میں ایسی خبر نہیں پڑھی۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی نے بھرم رکھ لیا۔ شفیق اٹھ کر فون ریسیو کرنے دوڑا اور فوزی کی ہنسی رد کنی دشوار ہو گئی۔

پھر مجھے دیئے تو یاد آیا

شمالی دریچوں سے ہوائیں آ آ کر فوزی کو چھیڑ رہی تھیں۔ سونے کی طرح جھل مل کرتا اُس کا رنگ سنہری ساڑی میں اور بھی لَو سے اُٹھا تھا۔ آنکھوں میں شفاف شبنم کی طرح ٹھہرے ہوئے آنسوؤں کے قطرے!! ہوا جیسے پاسِ حسن سے جھجک کر سہم گئی۔ فاختئی رنگ کے پردے ہلتے ہلتے ٹھہر سے گئے۔ بس ہوا اور فضا میں موتیا کی مہک رچی رہ گئی۔ موتیا، جس پر فوزی کی جان جاتی تھی۔

"میں مروں گی تو اپنی قبر پر موتیا کا پودا لگوانے کی وصیت کر کے مروں گی"
ایک دن وہ بڑے موڈ میں آ کر اپنی پسند کا اعلان کر رہی تھی۔

"اِس حساب سے تو فوزیہ بی بی کی شادی موسم گرما میں کرنی چاہیئے!"

"کیوں بھلا؟"

رضیہ کو شادی اور موت کا تعلق کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

"ارے بھئی گرمیوں میں موتیا کے پھول اپنی بہار پر ہوتے ہیں نا؟ اِن کے دولہا میاں جبھی تو موتیا کا سہرا باندھ کر آسکیں گے۔ ورنہ دوسرے موسم میں تو سڑے بسے پھولوں پر بات جائے گی۔"

فوزی کا منھ تپ گیا۔ "آپ عجیب آدمی ہیں۔ میں کیا کہہ رہی تھی اور آپ کیا ذکر لے بیٹھے!"

شفیق ہنسا۔

"ہاں یہ لڑکیاں اِسی طرح بات کو گھما پھرا کر کہا کرتی ہیں۔ قبر سے آپ کا مطلب تو گلا کی موت تھوڑا ہی تھا۔ وہ تو ہم جانتے ہیں۔"

فوزیہ جھنّا گئی۔ "آپ کا جواب نہیں حضور ——— جو جی میں آئے اُنکے جاتے ہیں۔"

اُس کے سیم گوں چہرے کا رنگ دم بدم بدل رہا تھا۔ اور آنکھیں مارے غصے کے کبھی تو خاکستری نظر آنے لگتیں اور کبھی بھوری۔

پھر وہ اپنے شرارت بھرے چہرے کو اُس کے چہرے کے بہت قریب لا کر بولا۔ "مگر آپ یقین رکھیئے، کسی موسم میں شادی ہو میں آپ کے گھر دولہا بن کر آؤں گا تو موتیا ہی کا سہرا باندھ کر آؤں گا۔"

فوزیہ نے چہرہ اُٹھا کر اُسے غصے سے گھورا۔

"ہونہہ! دولہا بن کر آئیں گے یہ!!"

اُس کی آنکھوں میں حقارت ہی حقارت بھری ہوئی تھی شفیق اِسے بھی محبت کا ایک انداز سمجھا۔

پھر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے گھر میں برات اُتر گئی ہو۔ ہر طرف چہل پہل اور دھوم دھڑکا تھا! پھوپھی اماں اپنے شفّو کا پیام فوزیہ کے لئے لے کر آئی تھیں۔ فوزیہ جو سچ مچ چاند کی رشتہ دار تھی۔ بلّیوں کی طرح سبز آنکھیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی تھیں۔ سنہرا رنگ جو ہنسی اور غصے میں دمکنے لگتا تھا۔ بھورے سنہری مائل گال جن پر کبھی بھولے بسرے آنسو ٹھہر جاتے تو سچے موتیوں کا شک ہوتا۔ فوزی جو پیلے اور گہرے فیروزی رنگ کی خوب لمبی سی امریکن کار میں کالج جاتی تھی اور پڑھتی تھی کہ انسان چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

لیکن پتہ نہیں شفّو نے کون سے کالج میں پڑھ لیا تھا کہ زمین پر بھی ایک چاند ہے۔ ورنہ اگر سچ مچ کوئی چاند ہوتا تو سب سے پہلے شفّو ہی اُسے حاصل کرنے کے لئے لپک نہ پڑتا؟

ابّو نے جب گول مول باتوں میں پیام رد کر دیا تو ہر چند کہ انھوں نے اپنی امارت اور بہن کی غربت کا کوئی سوال نہ اُٹھایا تھا، لیکن اُس دن شفیق پر ساری دُنیا تاریک ہو گئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سر جھکائے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ دو ایک بار فوزیہ اُدھر سے آنکھوں میں خوشی دبائے گزری پھر بھی اُس نے سر اُٹھا کر نہ دیکھا۔ چاند دھیرے دھیرے اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔ تارے ایک ایک کر کے غائب ہو گئے لیکن شفیق اُسی طرح سرنگوں بیٹھا رہا۔ موتیے کے حسین اور خوشبودار پھول جن کا نہ جانے کتنے دنوں سے اُس نے سہرا گوندھ رکھا تھا، سارے کے سارے مُرجھا مُرجھا کر

تھک گئے اور وہیں ہی بیٹھا رہا۔ جب صبح کی پہلی کرن اُس کے کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے احساس ہوا کہ رات ڈھل چکی ہے۔ وہ اپنے اس خیال پر خود ہی مسکرایا لیکن یہ کیسی رات ڈھلی ہے کہ روشنی کا کوئی گزر ہی نہیں؟

"تم خدا نہیں تھیں، لیکن خدا کی طرح مجھ سے قریب تھیں۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ تم اگر پاس ہو تو دنیا میں کوئی غم نہیں ہے۔ لیکن تم زندگی میں اس طرح آئیں جیسے رات کی خاموشی، اُداس تنہائی میں پھول کی خوشبو جسے سمیٹنے اور دل میں چھپا کر رکھ لینے کا یارا نہ ہو —— بھلا خوشبو بھی کبھی قید ہو سکی ہے؟! لیکن تمہارا اچانک چلا جانا تمہارے آنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ تم اس طرح چلی گئیں جیسے دھوپ دیکھتے دیکھتے غائب ہو جائے۔ جیسے روشنی ماند پڑ جائے۔ اُجالا کم ہو جائے۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم جو کبھی ایک ہنسی کی طرح میرے ہونٹوں پر چھائی تھیں۔ آنسو بن کر میری آنکھوں، میرے دل سے نکل جاؤ گی۔ اب سوچتا ہوں واقعی تم خدا ہی کا ایک روپ تھیں۔ جو بظاہر بہت مہربان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن در اصل کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں دیا ہی کیا ہے جو تم سے کچھ مانگنے کا حوصلہ کروں۔ لیکن یہ میری خلوص بھری بددعا ہے کہ تمہارے کندن کی طرح دمکتے گالوں پہ سدا سچے موتی جگمگاتے رہیں۔ اور یہ خلوص بھری بددعا بھی محض اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے اس طرح تم اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر سکو۔ میں یہ کیسے مان لوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی آگ نہیں بھڑکے گی؟ میں تمہارا دوست ہوں نا؟ میں بھلا کب چاہوں گا کہ تم آگ میں جلتی رہو۔"

فوزیہ تیسری بار اُدھر سے گزری تو شفیق کو سپاٹ لک سے نکلتے پایا۔ ایک لمحہ کو اُس نے رک کر فوزی کی طرف دیکھا تھا، صرف ایک لمحے کو۔ اور شاید وہی ایک لمحہ تھا جس میں ساری دُنیا آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔ بچے بازار سے شاپنگ کر کے ابھی ابھی لوٹے تھے اور مسلسل ایک ہی ریکارڈ بجائے جا رہے تھے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا۔

اور جب فوزیہ تیزی سے پلٹ کر اپنے کمرے کو جا رہی تھی تو ہوا نے اُس کے قدم جکڑ لئے۔ "تم خدا نہیں تھیں لیکن خدا کی طرح مجھ سے قریب تھیں"

فوزیہ نے آنسو بھری آنکھیں اُٹھائیں۔ "وقت گزر جاتا ہے لیکن یادیں جہاں کی تہاں رہتی ہیں۔ کیسے کیسے گھاؤ دل کو سہنے پڑتے ہیں۔"

وہ اُٹھ کر دریچے کے قریب آئی۔ مہتاب کے پھول ہواؤں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ اُس نے سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ سرمئی چاند کے قریب ہی ایک ستارہ چمک رہا تھا۔ فوزی کو بھولی بسری داستان نے آ دبوچا۔

"یہ ستارہ ہے نا! سنتی کیوں نہیں؟ کام کی بات بتلا رہا ہوں۔ یہ جو ستارہ ہے نا؟ جب چاند سے بالکل مل جائے گا، اُس دن قیامت آ جائے گی!"

"لیکن شفو بھیا! قیامت ہوتی کیسی ہے؟"

"قیامت؟ ارے تم نے قیامت نہیں دیکھی، پھر یہ دھرا کیا ہے؟"

شاہینہ نے پلٹ کر دیکھا۔ گہرے نیلے رنگ کی کریپ کی شلوار اور اُسی رنگ کے کرتے اور دوپٹے میں ملبوس فوزی گلاب کی کلیاں چن رہی تھی۔ اُس نے حیران حیران نگاہوں سے دونوں کو دیکھا۔ شاہینہ ہنس کر بولی۔

"ارے بجو! آپ نے سُنا، شفو بھیا آپ کو قیامت کہتے ہیں۔"

فوزی کا چہرہ گہرا سنہری ہو گیا۔ "تمہارے شفو بھیا تو جو جی میں آئے کہتے رہتے ہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ چاند زمین پر موجود ہے۔"

"تو کیا جھوٹ کہتا ہوں؟"

وہ جان بوجھ کر فوزیہ کے قریب آ گیا۔

"آپ سے سچ کہنے کی اُمید ذرا کم ہی رہتی ہے۔"

"لیکن اللہ قسم ایک بات کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔" وہ خالص فوزی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے بولا۔

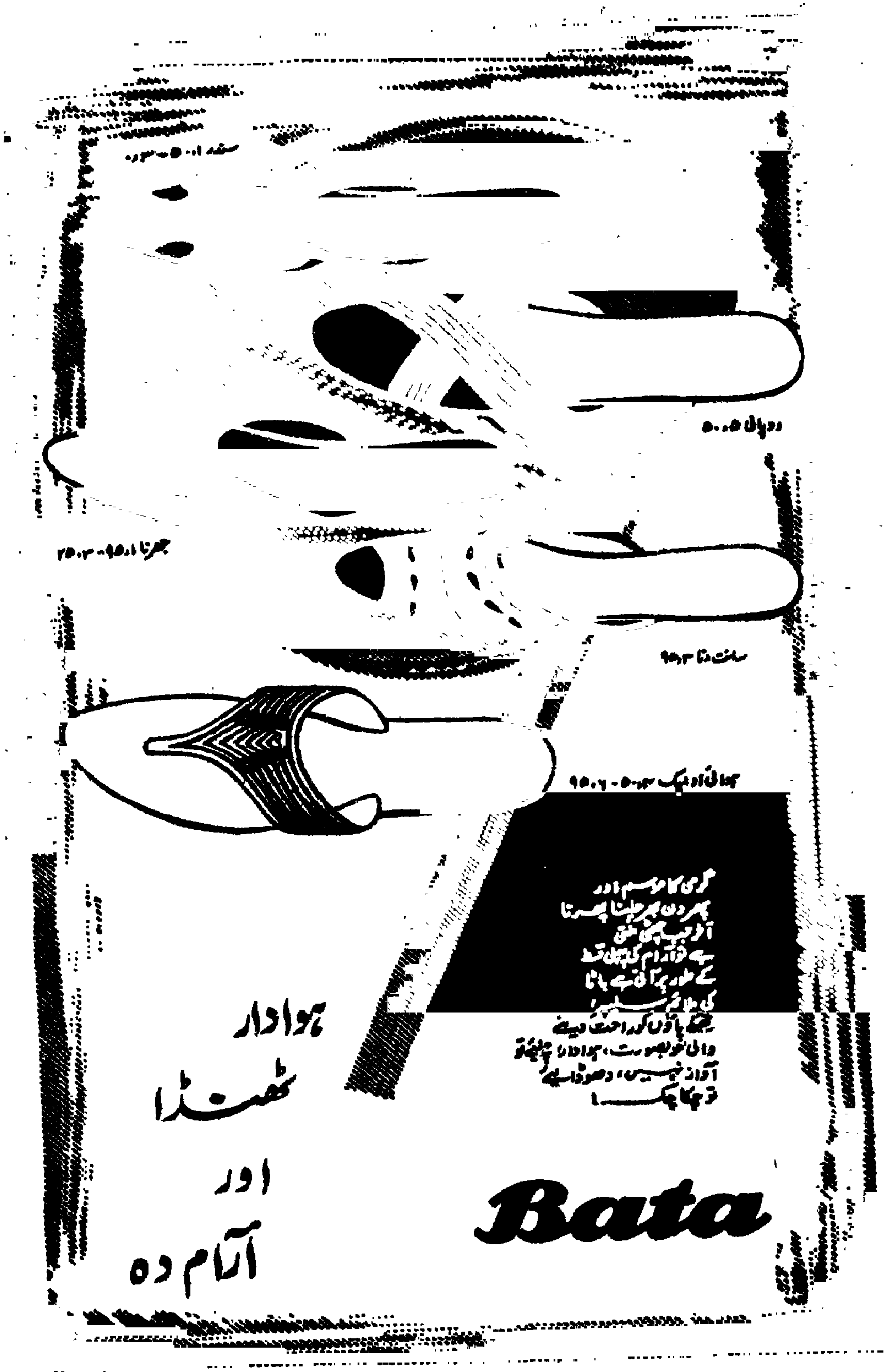
"وہ کیا؟" وہ ہنس کر بولی۔

"یہی کہ خاکسار آپ کا سچا عاشق ہے۔"

"بالکل تھرڈ کلاس عاشق ہے۔" فوزیہ منہ بنا کر بولی۔

"پچھتائیں گی۔ یاد رکھیے گا۔"

"آپ بھی کوئی سنبھالنے کی چیز ہیں؟" وہ ذرا طنز سے بولی تھی۔


گرمی کا موسم اور
ہر دن بھر چلنا پھرنا
ہوادار
ٹھنڈا
اور
آرام دہ
Bata


LIFEBUOY
SOAP

اور اب [illegible] کیا آرہا تھا۔ فوزیہ نے کب سوچا
تھا کہ وہ [illegible] ہی [illegible] جائے گی۔ وہ کلنٹرا سا لڑکا جو اپنے کمرے میں
پڑھتے پڑھتے اچانک چھت میں جاکر کھڑے ہو جانے لگتا تھا۔ بور ہو جانے
سے ہی [illegible] آم کے درختوں پر چڑھ کر ناول پڑھا کرتا تھا۔ جو اکیلے میں
بالکل فلموں کی طرح ڈائلاگ بولنے لگتا تھا۔ اچانک اِس طرح اُس کے
ہوش و حواس پر چھا جائے گا کہ اُس کی یاد کے ساتھ ہی آنسو نکل آیا کریں گے۔

"میں تمہاری طرح اتنا خوبصورت ہوتا کہ آنکھوں کے پانی پر موتیوں کا
دھوکا ہوتا تو خدا کی قسم موتیوں کی دکان کھول لیتا۔"

لیکن اب اُس کی بلوریں آنکھوں میں کتنے ہی موتی چھپے تھے کہ وہ
چاہتا تو اُن کا سہرا گوندھ سکتا تھا۔ لیکن وہ موتی سمیٹنے والا کہاں تھا؟ پتہ نہیں
کیسے اُسے علم ہو گیا کہ ماموں جان نے پیام صرف غربت کی وجہ سے ٹھکرا
دیا۔ بس وہ دن اور آج کا دن ——— اُس کی کسی کو خبر نہ ملی کہ کہاں چلا گیا۔
دُور دیس کو چلے جانے والے کبھی یہ نہیں سوچتے کہ درد کی سوغات سنبھالنا
کتنا کٹھن ہوتا ہے۔ اُس نے کھڑکی میں کھڑے کھڑے نیلے آسمان کو تکتے
ہوئے انتہائی دُکھ کے ساتھ سوچا۔

پھر ایک ایک کر کے سب موسم آئے اور چلے گئے۔ وہ جان لیوا موسم
بھی گزر گیا۔ جب شام کو بادل جھومتے تو ملگجا ملگجا اندھیرا چھا جاتا۔ اور کسی نہ کسی
کونے سے نکل کر وہ سرگوشی میں پوچھتا۔

"میں نے کہا فوزیہ بی بی! آپ نے کہیں اپنی زلفیں تو نہیں کھول دی ہیں
جو فضاؤں میں ایسا اندھیرا رچ گیا ہے؟"

چھم چھم مینہ برساتی سہ پہریوں کو وہ کسی آم کی شاخ سے کود کر کپڑے
نچوڑتا ہوا اُس کے قریب آتا۔

"شکر ہے آپ بھلی چنگی ہیں۔ ورنہ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ موتیوں کی برسات
کہیں آپ کی حسین آنکھوں کا فیضِ عام تو نہیں!"

اور پھر جاتی سردیاں اور آتی گرمیاں۔ اُسے وہ یادوں سے بوجھل موسم
موتیا کی ادھ کھلی کلیوں سے جب ساری فضائیں مہک جاتیں۔ اندھیروں میں تاروں
کی طرح چمکتے ہوئے گول گول پھول جھومتے۔ تب کیسے کیسے اُسے اس غیر اہم
سے لڑکے کی یاد آنے لگتی جو کبھی اُس کے لئے کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اور پھر
بی اب کس کو تکنا دیکھنے کے لئے بھٹکے گی؟ کیسے اپنے دل کو سمجھائے گی۔ شادی
کے ہنگامے اپنے عروج پر آجائیں گے اور سارے گھر میں دھوم دھڑکا ہو جائیگا
اُس وقت اُس کا یہ ادل کتنا ویران ہوگا وہ کیسے زندہ رہے گی؟ ابو کتنے خوش ہیں
بارہ سو روپے ہونے بھی تو بہت ہیں، جبکہ اُن کے ساتھ ایک بنگلہ اور گہرے
ہرے رنگ کی پلے متھ کار بھی ہو۔ لیکن کبھی کبھی ایسا سوچنا بھی تو خوشگوار معلوم ہوتا
ہے کہ چھوٹا سا ایک گھر ہو۔ جس میں گیرج ہو نہ صوفے، نہ بھاری بھرکم پردے ہوں
نہ پیانو۔ لیکن ایک شفیق سا چہرہ ہو۔ محبت کرنے والا! جو بچوں کی آنکھ بچا کر اندھیرے
اُجالے، کونے کھدرے، کندھوں سے پکڑ لے۔ اور اپنی گرم گرم سانسوں کا شہد
کانوں میں گھولتے ہوئے بولے۔

"اللہ قسم تم تو پوری قیامت ہو!"

اُس نے اپنے تپتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ چمکتے آنسو پانی کا روپ
دھار کر اُس کے ہاتھ کو بھگو گئے۔ کھلا کھلا آسمان جو شفو کے دل کی طرح وسیع
تھا۔ چاند جو اُس کی آرزو کی طرح روشن تھا۔ ستارے جو اُس کے آنسوؤں کی طرح
چمکدار تھے۔ یہ سارے کے سارے مل کر کسی نہ کسی طرح اُسے شفو کی یاد دلاتے تھے
پیلے اور سوکھے پتے اِدھر سے اُدھر اُڑتے پھر رہے تھے۔ اُس کا دل بھی اپنی
جگہ پر نہ تھا۔

اندر شاہینہ بے سُری تانوں کے ساتھ الاپ رہی تھی۔

پتہ ٹوٹا ڈال سے لے گئی پون اُڑائے
اب کے بچھڑے کب ملیں دُور پڑیں ہیں جائے

وہ کھڑکی میں بیٹھے بیٹھے بہت دیر تک اِن درد بھرے بولوں کو دُہراتے
ہوئے گنگناتی رہی۔

پتہ ٹوٹا ڈال سے....
پتہ ٹوٹا ڈال سے.......

اور پھر یہ سب کچھ ایسے ہوا جیسے خواب میں ہوتا ہے۔
وہ اُس رات آم کے مضبوط تنے سے لگی کھوئی کھوئی بیٹھی تھی کہ کسی کی

گیلی گیلی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"میں یہاں ہر چیز چھوڑ گیا۔ سوچا صرف ایک ہی چیز کیوں ساتھ لیتا جاؤں؟ آج واپس کرنے آیا ہوں۔ اپنی امانت سنبھال لو" اُس نے اپنا مضبوط ہاتھ سامنے کر دیا۔

اُس نے پھٹی پھٹی حیران آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ یہ کون تھا جو اُسے اُٹھنے بیٹھنے آیا تھا، یہ کون تھا جو اُس کی زندگی کا درد بیچنے آیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کومل کومل ننھی پتیوں کی طرح کانپے۔

"لیکن تم ایک امانت لوٹا بھی دوگے تو وہ سب کچھ کیسے لوٹاؤ گے جو میں اب تک تھا سے ... "

آواز اُس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔

شفقو حیران سا اُس کے قریب آکر بولا۔

"فوزی! میں جان کر تمھیں دُکھ دینے نہیں آیا۔ راستے میں تمھارا شہر پڑتا تھا سوچا وہ درد کی سوغات دیتا چلوں جس نے چار برسوں میں کبھی ایک لمحے کو بھی مسکرانے کا موقع نہیں دیا۔ یہ تمھاری وہ تصویر ہے جو میں نے باغیچے میں کھینچی تھی۔ تم نہا کر اپنی سیاہ زلفوں کو جھٹکار ہی تھیں" وہ جھک کر بولا۔

"اب وہی سیاہی میرا مقدر بن گئی ہے شفیق!"

وہ روہانسی آواز میں بولی۔

وہ ذرا اُبھر کر بولا۔

"تم نے خود اندھیروں کو گود لیا ہے۔ شکایت کیوں کرتی ہو اب؟"

وہ قدرے رُکا۔ پھر سر اُٹھا کر آسمان کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اِن بادلوں کا بھی کوئی بھروسا نہیں، نہ جانے کب اور کہاں برس پڑیں۔ تو میں چلوں؟"

اِس کے ساتھ ہی فوزیہ نے بھی سر اُٹھا کے آسمان کو دیکھا۔ اُس کے چہرے پہ نور سا چھا گیا۔ قدرے مسکرا کر بولی۔

"شفقو! ایک بار تم نے کہا تھا کہ جب یہ ستارہ چاند سے بالکل مل جائے گا تو قیامت آجائے گی!"

شفقو نے حیران حیران نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ فوزیہ تیزی سے آگے بڑھی اور اپنی ساڑی کے آنچل سے ... کی راہ روکتی ہوئی بولی۔

"میں خدا نہیں ہوں اور نہ خدا ہو کر تمھاری آنکھوں سے اوجھل رہنا چاہتی ہوں! کیا تم بھی اس بات سے خوش نہیں ہو شفقو کہ ہم صرف انسان ہیں جو ایک دوسرے کو نہ صرف دیکھ سکتے ہیں بلکہ چھو بھی سکتے ہیں؟"

شفقو نے حیران ہو کر پہلے فوزیہ کو اور پھر آسمان کو دیکھا۔ جہاں چاند اور ستارے کو ایک بدلی نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ ●●

ہفت غزلہ

چھٹی غزل

پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم اے، پی ایچ ڈی

ترے بخشے ہوئے غم کی خوشی میں
نکل آتے ہیں آنسو تک ہنسی میں

سنائے جا رہا ہوں حال اُن کو
بلند آہنگ ہو کر خامشی میں

نہیں کھلتی ہماری چشمِ بینا
ستاروں سے اِدھر کی روشنی میں

نکالو کچھ سبیلِ دل کشائی
گھٹن سی ہو رہی ہے زندگی میں

رہا سامان سالم میکدے کا
گرا ہوں کیا سنبھل کر بے خودی میں

نظر آتا نہیں، اے عقل، کچھ بھی
تری اِس روشنی کی تیرگی میں

انھیں شاید ابھی تک گفتگو ہے
ہماری حالتِ ناگفتنی میں

گزر ہی جائے گا غم کا زمانہ
گزر کر یادِ ایامِ خوشی میں

ابھی رفتار سے عاجز نہیں ہوں
ابھی تاخیر ہے منزل رسی میں

"فراغت" بخشدی ہے دوستوں نے
ہمیں برباد کر کے دوستی میں

نہ مٹ جائیں "سلامت" کوشش "انور"
اسی جنگ و جدالِ باہمی میں

۳/۵، ایسٹ پٹیل نگر، نئی دہلی

کلپنا

سہیل اعجاز دریاآبادی بی۔ کام۔ ایل ایل۔ بی

دریاآباد ہاؤس۔ تارا گنج۔ لشکر۔ گوالیار

۱۰ اپریل ۱۹۷۲ء

خورشید بھائی! ہدیۂ خلوص

اس وقت جب میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں میرے ذہن میں پارک سیڈ کے نقوش اُبھر رہے ہیں۔ وہی پارک سیڈ جہاں میں نے آپ کی بے حد مصروفیت دیکھی تھی۔ جہاں خلوص و محبت کا ایک سیلاب دیکھا تھا۔ آپ کے یہاں کا ہر فرد انتہائی مہمان نواز و پیکرِ خلوص ہے۔ میں نے اس ماحول میں کتنی اپنائیت دیکھی تھی۔ مجھے اس ماحول میں کتنا سکون ملا تھا۔ لکھنے سے قاصر ہوں ——— میں نے اس کہانی میں بہت کوشش کی کہ کلپنا کے ساتھ انصاف کرسکوں۔ لیکن کیا کروں افسانہ نگار کا قلم مجبور ہے۔ جب کلپنا کی مجبوریاں ہی اُس کا جرم ہیں تو پھر انصاف کرہی کیا سکتا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک ذرا سی بھول پر ایک معمولی جرم پر کلپنا کو کتنی بڑی سزا ملی ہے جس کا شاید وہ کبھی تصور بھی نہ کرسکتی تھی۔ کچھ لوگ کلپنا اور شارلٹ میں فرق سمجھیں گے۔ بہرحال وہ اور کسی اعتبار سے فرق کرسکتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں روح ایک ہے۔ روپ اور نام جُدا جُدا ہیں ——— راج کے لئے مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ خود ہی اُس سے دریافت کیجئے۔ ویسے تو وہ کافی سنجیدہ ہے۔ شاید ہی کسی بات کا جواب دے.....

خلوص کار ——— سہیل اعجاز

گاڑی کی رفتار اپنے پورے زور پر پہنچ چکی تھی۔ اور کلپنا اپنے ماضی کے اتھاہ سمندر میں مستغرق تھی۔

اُس کا ذہن ماضی کے اُن کھنڈروں میں بھٹک رہا تھا جہاں آج سے پندرہ سال پہلے راج نے اُس کی محبت کو آواز دی تھی۔ زندگی کی اس کچی ڈگر پر یہ انجانی آواز سن کر اُسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے بجلی کے تار پر اُس کی انگلی لگ گئی ہو۔ اور وہ ہلکے ہلکے جھٹکے محسوس کرنے لگی ہو۔ ایک بھولی ہوئی سی جس کی موج کہیں قوسِ قزح کے پاس پیدا ہوتی ہے اُس کے ذہن کی سطح پر لہرائی۔ وہ دل ایک ساتھ دھڑکے اور کئی کہانیاں ایک دوسرے میں مدغم ہوگئیں۔ حیات کے بند دریچوں سے ایک بے نام جذبہ جاگا تھا۔

دل کو کچھ کھونے کچھ پانے کی خواہش ہوئی تھی۔ خاموش دل میں خواہشوں کی ایک نئی دُنیا آباد ہوئی تھی۔ پیاسے خوابوں کے ہونٹ تھرتھرانے لگے تھے اور اُسے محسوس ہوا تھا جیسے اُس کی زندگی میں کوئی انقلاب آگیا ہو۔

کالج کے چنچل اور مدھر ماحول میں راج نے اُسے ایک نئی زندگی بخشی تھی۔ اُمیدوں کے ساز پر تھرکتی ہوئی یہ زندگی بھی کتنی الوکھی، کتنی عجیب تھی۔ جہاں ہر شام ایک نیا سپنا، ہر صبح ایک نئی تمنا جنم لیتی تھی، اس نے اپنے سپنوں کے آنچل کی چھاؤں میں خوابوں کی ایک بستی بسائی تھی۔ ایک ایسی بستی جہاں غم، درد اور مایوسی نام کی کوئی شے نہ تھی۔ اور اپنی نئی زندگی پانے کے بعد اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ تاروں کے دیس کی باسی ہو۔ جو

کہکشاں کی وہ پہلی ڈگر پر کسی انجانی منزل کی تلاش میں نکل پڑی ہو۔ وہ مسرت انگیز لمحات، خاک کی خوشبو میں بسے ہوئے دن رات، محبت کی شاداب وادیوں میں ڈوبے ہوئے وہ سال کتنے پیارے، کتنے دلکش تھے۔ کالج کے ماحول میں اُس کا اور راج کا ۵ سال تک ساتھ رہا۔ اور آج اُن پانچ سال کے واقعات اُس کی نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ اور وہ اُن سارے واقعات کو چھونے کی جسارت کر رہی تھی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد راج کے حالات نے اُسے نوکری کرنے پر مجبور کر دیا ––– اور اُسے ایک دن ملٹری میں ایک جگہ بھی مل گئی۔ راج کو یہ نوکری مل جانے کی کتنی مسرت تھی۔ لیکن اُسے دُکھ ہوا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ راج کسی ایسی نوکری پر جائے جس سے اُسے جُدائی کا منہ دیکھنا پڑے۔ لیکن راج کی ضد کے آگے اُس کی ایک بھی نہ چل سکی۔

گاڑی چیختی، چنگھاڑتی اپنی منزل کی طرف تیزی سے دَوڑ رہی تھی۔ لیکن وہ راج اور اپنے ماضی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

پھر ایک دن راج نے اُسے بتایا کہ وہ یو۔ این۔ او کی فورس کی طرف سے کانگو بھیجا جا رہا ہے۔ وہ اس خبر کو سُنتے ہی مرجھا گئی۔ جُدائی کی خوفناک اور بھیانک پرچھائیوں کا تصوّر کر کے وہ کانپ اُٹھی تھی۔ اُسے اپنی ہر راہ تاریک نظر آنے لگی تھی۔

اُس وقت اُس کی نظروں کے سامنے وہ منظر بھی گھوم رہا تھا جب راج اُس سے رخصت ہونے آیا تھا۔ راج کے چہرے پر اُس دن کتنی مایوسی تھی اور آنکھوں میں ایک بے چارگی سی تھی۔ لیکن جلد ہی اُس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا جیسے وہ اپنی اِس حالت کو چھُپانا چاہتا تھا۔

اور پھر اُسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"کلپنا! آج میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ آج میں اِن آنکھوں میں انتظار کی شمعیں روشن کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے ڈر ہے تمہارے آنسو اِن شمعوں کو خاموش نہ کر دیں۔"

"میں مجبور ہوں راج! آج تو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم مجھ سے کبھی اِتنی دُور ہو گے۔ مجھ سے شاید یہ جُدائی برداشت نہ ہو سکے۔ راج! تم میرے حالات جانتے ہو۔ سماج کے آہنی رواج بھی جانتے ہو۔ پھر تم مجھے تنہا کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟"

"میں تمہیں اُس بھگوان کے حوالے کر کے جا رہا ہوں جس نے ہم دونوں کو آج تک ثابت قدم رکھا۔ کلپنا! کیا تم میں اِتنی بھی ہمت نہیں ہے کہ میرا دو سال تک انتظار کر سکو۔ لیکن تم خود نا اُمید ہوتی ہو، مجھے نراش کرتی ہو۔ اور مایوس ہونا ہی انسان کی موت ہے! کلپنا! مجھے رخصت کرنے سے پہلے آج تم مجھے وچن دو کہ تم میرا انتظار کرو گی۔ بولو، انتظار کرو گی نا؟"

"راج! میں وچن دیتی ہوں کہ میں زندگی کی آخری سانسوں تک تمہارا انتظار کروں گی! یہ آنکھیں تمہارے انتظار میں اُس وقت تک جاگتی رہیں گی جب تک تم خود آ کر اِن آنکھوں میں روشن انتظار کی شمعوں کو خاموش نہ کر دو!"

اِن جملوں کا خیال آتے ہی اُس کی آنکھوں میں نہ جانے کس جذبے کے زیرِ اثر نمی آ گئی۔ پلکوں پر موتی ڈھلک آئے اور اُس نے اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف کر لیا باہر کا افسردہ ماحول سسک اُٹھا۔ اُس کی وحشت اور بڑھی اور یکایک اُس کی نگاہوں کے سامنے کسی چھوٹے اسٹیشن کے مدھم سے حروف اُبھرے اور ڈوب گئے۔ اور کچھ لمحہ بعد یہ اسٹیشن بھی اُس کی اُن ہی راہوں میں شامل ہو گیا جن سے شاید وہ اب کبھی نہ گزرے گی۔

راج کے جانے کے بعد اُس کے حالات اور بھی سنگین ہو گئے۔ سماج کے شکنجے اور بھی سخت ہو گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُس کی مجبوریاں بڑھ گئیں۔ لیکن اُس کی جدّوجہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ ہر صبح کی پہلی کرن سے شام کی سسکتی ہوئی اُداسی تک راج کا انتظار کرتی۔ اور جب شام کی سیاہی رات کی گمبھیر تاریکیوں میں گُم ہو جاتی تو وہ اُداس اور مغموم ہو جاتی۔ انتظار کی آنچ اور حادثاتِ زمانہ نے اُسے بالکل نحیف اور کمزور کر دیا تھا۔ جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔

دن گزرتے رہے۔ اُس کی پلکوں پر روشن انتظار کی شمعیں پگھلتی اور کانپتی رہیں۔ اور اسی طرح چار سال بیت گئے لیکن راج ہندوستان نہ آ سکا۔

اور پھر ایک دن وہ بھی آ پہنچا جب اُس کے انتظار کی لڑیاں توڑ دی گئیں

اُس کی پلکوں پر روشن انتظار کی شمعیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی گئیں۔ اُس کے ارمانوں کی چتا تو کب کی جل چکی تھی۔ ہونٹوں پر کھلی ہوئی آرزوؤں کی کلیوں کو مسل دیا گیا۔ اُس کی شاداب تمناؤں کا خون اُس کی مانگ میں سیندور کی جگہ بھر دیا گیا۔

اور سماج نے شہنائیوں سے اُس کی شکست کا اعلان کر دیا۔

وہ ایک شرابی اور عیش کوش مرد کی بیوی بن چکی تھی۔ اُس کی زندگی کا یہ نیا موڑ کتنا بھیانک، کتنا ڈراؤنا تھا۔ اس گھناؤنے ماحول میں اُسے اپنی سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ زندگی کے اِس حصّے میں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی تپتے ہوئے ریگستان میں چل رہی ہو۔ یا موت کی تاریک گلیوں میں کسی لاش کی طرح رینگ رہی ہو۔

جب کسی انسان کی زندگی میں کچھ غم جاگتے ہیں، کچھ تلخیاں رُونما ہوتی ہیں تو وہ اُن تلخیوں سے فرار چاہتا ہے۔ اُن کی مکروہ پرچھائیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی زندگی میں کچھ ایسے ہی غم جاگے تھے۔ کچھ ایسی ہی تلخیاں رُونما ہوئی تھیں۔ جن کی خوفناک پرچھائیاں اُسے دن رات ڈستی تھیں اور وہ اُن تمام چیزوں سے فرار چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اِس ماحول سے کہیں دُور چلی جائے۔ ماضی کی اُن شاداب وادیوں میں گُم ہو جائے جہاں وہ اپنے راج کو پا سکے۔ جہاں وہ آسانی سے سانس لے سکے۔ جہاں اُسے اپنی کھوئی ہوئی زندگی اور نغمات مل سکیں۔ اپنی زندگی کے حسین خوابوں کے دامن میں سو جائے۔ اور اُس وقت تک سوتی رہے جب تک اُس کے تمام غم تھک کر اپنے محور پر نہ تھم جائیں۔

اور پھر ایک دن وہ رات کے تاریک دامن کو چاک کرتی ہوئی دُور، بہت دُور نکل گئی۔ ایک مقام پر اُس کے قدم تھم گئے۔ جہاں صرف وہ تھی اور گرجے کے مقدس پوپ کی نصیحتیں تھیں۔ جہاں اُسے صرف ایک ہی آواز سُنائی دیتی تھی کہ "خدا محبت ہے"۔ اِس ماحول میں اُسے کتنا سکون ملا تھا، اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی تپتے ہوئے ریگستان پر چلنے کے بعد وہ کسی شاداب وادی میں آگئی ہو۔ جہاں ہر طرف سکوت تھا۔ خاموشی تھی۔ کوئی طوفان نہ تھا کوئی ہنگامہ نہ تھا۔

اور یہیں سے اُس کی زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ جہاں اُس کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہر چیز بدل گئی۔ اور وہ کلپنا سے شانتی بن گئی! اور وہ شانتی اب مشن اسکول میں مسٹریس کے فرائض انجام دے رہی تھی!

اور پرسوں جب اُس نے اپنی ایک سہیلی سے سُنا تھا کہ راج امریکہ سے واپس آگیا ہے اور اُس کا قیام نئی دہلی میں ہے تو اُس کے انگ انگ میں پھر سے تھرتھری سی ہونے لگی تھی۔ ایک بے نام خلش جاگ اُٹھی تھی۔ اور کئی گھنٹوں کی مسلسل کشمکش کے بعد اُس نے راج سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور آج وہ اپنے محبوب سے ملنے کے لئے سفر کر رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے یقین سا ہو گیا تھا کہ یہ اُس کی زندگی کا آخری سفر ہے۔ اِس سفر کے بعد وہ کسی منزل کی تلاش میں سرگرداں نہ پھرے گی۔ اپنی زندگی کی ہر منزل کی تلاش میں اُس نے ایک سفر کیا ہے۔ اِس منزل کے لئے بھی وہ ایک آخری سفر کرے گی انسان کتنا ہی چاہے لیکن زندگی کا کارواں کسی ایک خاص مقام پر نہیں ٹھہرتا۔ وہ رَواں دَواں آگے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ لیکن اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اب اپنی زندگی کے کارواں کو ایک مخصوص سنگِ میل پر روک دے گی۔ اپنی سُلگتی ہوئی زندگی کو کچھ سکون بخشے گی۔ پھر اُس کی زندگی میں کوئی اضطراب، کوئی خلش نہ رہے گی ــــــــــ!

گاڑی کی رفتار دھیمی پڑنے لگی۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ یقیناً یہ نئی دہلی ہے۔ مسرت اور اضطراب کی شدت میں اُسے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ وہ کب گاڑی سے اُتری۔ کب ٹیکسی میں بیٹھی اور ٹیکسی والے سے کیا کہا۔

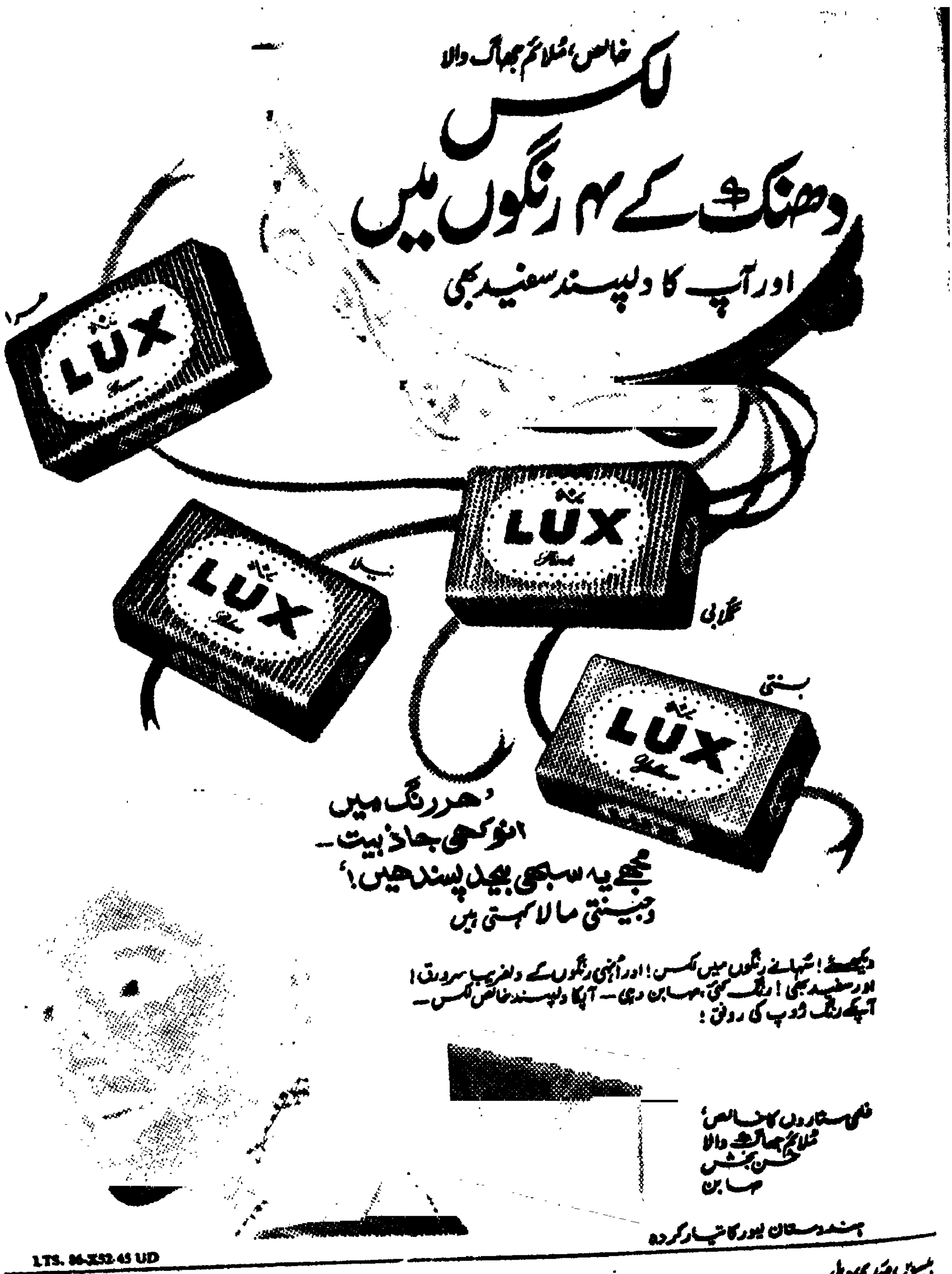
اُس وقت اُس کے دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

کچھ دیر کے بعد ٹیکسی "روز کاٹیج" کے آہنی گیٹ کے سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بُوندیں اُبھر آئیں۔ اُس نے پرس سے رومال نکال کر پسینہ پونچھا۔ اور بنگلے کے آہنی گیٹ میں داخل ہو گئی ایک معمر شخص اُس کی طرف دَوڑ کر آیا۔

"کیا مسٹر راج یہیں رہتے ہیں؟ مجھے اُن سے ملنا ہے۔"

"جی ہاں! وہ ابھی باتھ روم میں گئے ہیں۔ آپ تشریف رکھیے۔"

اور وہ نوکر کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئی۔ اطمینان کا


خالص، ملائم جھاگ والا
لکس
دھنک کے ۴ رنگوں میں
اور آپ کا دلپسند سفید بھی
نیلا
گلابی
بسنتی
LUX
"ہر رنگ میں
انوکھی جاذبیت۔
مجھے یہ سبھی بیحد پسند ہیں!"
وجینتی مالا کہتی ہیں
دیکھئے! سہانے رنگوں میں لکس! اور انہی رنگوں کے دلفریب سرورق!
اور سفید بھی! رنگ کوئی بھی صابن وہی — آپکا دلپسند خالص لکس —
آپکے رنگ روپ کی رونق!
فلمی ستاروں کا خالص،
ملائم جھاگ والا
حسن بخش
صابن
ہندوستان لیور کا تیار کردہ
LTS. 86-X52-45 UD


اپنے خاندان کو
درد سے محفوظ
رکھنے کے لئے
سیریڈون استعمال کیجئے
بدن میں درد
سر میں درد
تکلیف کے دن
دانت میں درد
Saridon
ایک ہی ٹکیہ کافی ہے
آپ کے خاندان میں کوئی بھی سر میں درد، بدن میں درد، حرارت یا
طبیعت میں بےچینی محسوس کرے تو اسے فوراً سیریڈون دیجئے۔
سیریڈون سے جلد و یقینی آرام ملتا ہے اور نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ ساتھ ہی
اس سے تازگی بھی آجاتی ہے۔ سیریڈون کی ایک ٹکیہ بالغوں کے لئے پوری
خوراک ہے۔ بچوں کے لئے ½ سے ½ ٹکیہ کافی ہے۔
روش کی تیار کردہ
سول ڈسٹری بیوٹرز: وولٹاس لیمیٹڈ

سانس لے کر اُس نے اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا دیا۔ اور کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی کہ راج کا ذوق ابھی تک بلند ہے۔ ہر چیز اپنے موزوں مقام پر نہایت سلیقے سے رکھی ہوئی تھی۔ اُس کی نظر ایک تصویر پر پڑی جسے کسی زمانے میں اُس نے بے حد پسند کیا تھا۔ اُس تصویر میں ایک عورت تھی جس کی زلفیں کھُلی ہوئی تھیں۔ اُس کی معصوم آنکھوں میں کئی کہانیاں سسک رہی تھیں کئی کہانیوں کے عنوان اُس کے ہونٹوں پر تڑپ رہے تھے۔ کئی خوابوں کے عکس اُس کی زلفوں میں اُلجھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھیں جیسے خاموش اور ساکت جھیل ہر سمت ایک ٹھہراؤ، ایک سکون تھا۔ اُس کے مغموم ہونٹوں کی کلی خاموش اور بے جان تھی۔ اور دُور آسمان کے دامن میں ایک زرد چاند سسک رہا تھا۔ ایک طرف سازِ حیات کا ہر تار خاموش تھا اور دوسری طرف ایک رات اپنی آغوش میں ایک بیمار افسردہ چاند لئے سسک رہی تھی۔

'اِتنے عرصے بعد اِس تصویر کو دیکھ کر وہ تڑپ اُٹھی۔

پھر یکایک اُس کی نظر کمرے کی بائیں سمت ایک کافی بڑی تصویر پر پڑی یہ تصویر اُس کی اور راج کی تھی۔ یہ کالج کے زمانے کی تصویر تھی۔ جسے راج نے اِنلارج کرالیا تھا۔ قریب جاکر اُس نے غور سے تصویر کو دیکھا۔ تصویر کے نقوش اُجاگر ہوتے اور اُس نے سوچا، کل کی کلپنا اور آج کی شارلٹ میں کتنا فرق ہے؟ کتنا فاصلہ ہے۔ کلپنا کے چہرے پر کتنی یاسیت اور معصومیت تھی زندگی اور شباب کی ہر کرن اُس تصویر میں نمایاں تھی۔ اور آج اُس (شارلٹ) کے چہرے پر کتنی تھکن، کتنی پژمردگی ہے۔ اُس کے چہرے پر وقت کے کئی کاروان گزر کر اپنے نقوشِ پا ایک نہ ختم ہونے والی وحشت کی صورت میں چھوڑ چکے ہیں۔ بمشکل تمام اُس نے اپنی نظریں تصویر سے ہٹائیں اور نہ جانے کس جذبے کے زیرِ اثر اُس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"بیگم صاحبہ! نوکر کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک اُٹھی۔

"ہوں!"

"میں تو بھول ہی گیا۔ صاحب سے کیا کہوں؟ کون ملنے آیا ہے؟"

"تم صرف اتنا کہہ دو کہ ایک عورت ملنے آئی ہے۔"

لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ آج وہ پندرہ برس بعد اپنے راج سے ملے گی

ابھی وہ آئے گا۔ کلپنا؟ اُس کے ہونٹوں سے نکلے گا۔ اور وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ جائے گا۔ پھر اُس کے ہونٹوں کو جنبش ہوگی اور وہ کہے گا۔ کلپنا دیکھو میں نے تمہارا کتنا انتظار کیا ہے۔ مجھے تمہارے وچن پر وشواس تھا۔ اپنی اِتنی زندگی تمہارے انتظار میں کاٹ دی۔ لیکن کسی عورت کو اپنا شریکِ حیات نہیں بنایا۔"

راج کے اِن جملوں کا وہ کیا جواب دے گی؟ ایک خیال اُس کے ذہن میں آیا۔ اُس نے تو راج کو وچن دیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اُس کا انتظار کرے گی۔ اُس کی آنکھیں اُس کے انتظار میں اُس وقت تک جاگتی رہیں گی۔ جب تک وہ خود آکر اُس کی آنکھوں میں روشن انتظار کی شمعوں کو خاموش نہ کر دے۔

بے اختیار ہو کر اُس نے ایک بار پھر اپنی اور راج کی تصویر کو دیکھا۔ اُسے راج کا مسکراتا ہوا چہرہ مغموم نظر آنے لگا۔ جیسے وہ کسی درد سے کراہ اٹھا ہو!! اُس کے شجرِ اُمید کی ساری شاخیں ایک ساتھ خشک ہوگئیں۔

اُس وقت وہ راج کی تصویر سے ہمکلام تھی۔

"راج! کیا تمہیں وشواس ہے کہ تمہاری کلپنا نے تمہارا انتظار کیا ہے؟ تم اُس کی پلکوں پر انتظار کی اُن شمعوں کو دیکھ رہے ہو جو تم نے ایک دن روشن کی تھیں۔ راج! اِن آنکھوں کو نہ دیکھو۔ تمہیں اِن آنکھوں میں انتظار کی صرف راکھ ملے گی۔ پیار کی ایک عُریاں لاش ملے گی جس کے تعفن سے تمہارا دم گھٹنے لگے گا۔ راج! تم مجھے کتنا ذلیل سمجھتے ہوگے کتنی گری ہوئی عورت تصور کرتے ہوگے۔ اور شاید اِسی جذبے کے تحت تم شارلٹ کو کلپنا کے روپ میں قبول بھی نہ کرو۔ لیکن کیا کروں؟ میں مجبور تھی راج! مجھ پہ وشواس کرو کہ میں مجبور تھی۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے انتظار کی کتنی بڑی سزا مجھے ملی ہے!"

اُس وقت وہ اپنے آپ کو ایک بہت بڑا مجرم تصور کر رہی تھی اور اُس کی آنکھوں سے برابر آنسو چھلک رہے تھے۔ رومال سے آنسو خشک کرکے اُس نے تصویر کے عین سامنے قدِ آدم آئینے میں دیکھا۔ آئینہ کی شفاف سطح پر اُسے اپنے چہرے پر ایک عجیب وحشت محسوس ہوئی۔ چہرے کی شگفتگی پھیکی

پڑگئی۔ آنکھوں کے نیلم تاریکیوں میں گم ہوگئے۔ اور وہ بالکل خشک معلوم ہونے لگیں۔ جیسے اُن میں کوئی دلکشی باقی نہ رہی ہو۔ اُسے اپنا چہرہ مرجھایا ہوا اور بُھدّا نظر آنے لگا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی۔

اور وسیع خلا میں گھورنے لگی۔

جہاں راج کا مغموم اور سنجیدہ چہرہ اُس کی نگاہوں کے سامنے رقص کر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں خلا کی اُن اُلجھی ہوئی راہوں میں اٹک کر رہ گئیں جہاں کئی سوالات آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چکنا چور ہو رہے تھے۔ کئی خیالات باہم سرگوشیاں کر رہے تھے!

دروازے پر آہٹ ہوئی۔

اُس کا دل کانپ اُٹھا۔

اُس کا ذہن تھرتھرانے لگا۔

اور آنکھوں میں ایک عجیب چبھن سی محسوس ہونے لگی۔

"صاحب نہا چکے ہیں ابھی آتے ہیں!"

نوکر کہہ رہا تھا۔

کلپنا نے ایک لمبی سانس لی اور تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

غزلیں

خلق حزیں ایچ اے

نیند آنکھوں میں اگر آجاتی
اک جھلک اُن کی نظر آجاتی
اُڑتے اُڑتے ہی اِدھر آجاتی
اُن کے آنے کی خبر آجاتی
دمِ آخر وہ اگر آجاتے
زندگی بارِ دِگر آجاتی
اُن پہ الزامِ ستم کیوں آیا
یہ بھی تہمت مرے سر آجاتی
دیر و کعبہ کی اِنھیں راہوں میں
اُن کی بھی راہ گزر آجاتی
ہم بھی منزل پہ پہنچ ہی جاتے
تیری آواز اگر آجاتی
تم مرے پاس نہ آتے لیکن
کم سے کم خیر خبر آجاتی
کاش غمخانۂ الفت میں حزیں
شام کے بدلے سحر آجاتی

احسان دانش

پاسِ ادب ہے اِسلئے ہم بولتے نہیں
جب بولتے ہیں آپ سے کم بولتے نہیں
اِس خاکدانِ دہر کا کچھ ماحصل بھی ہے
کیوں رہروانِ راہِ عدم بولتے نہیں
آواز دے رہا ہے یہ آذرکدے سے کون
ہم نے تو یہ سُنا تھا صنم بولتے نہیں
حائل ہے ہم میں اُن میں اِک ادنیٰ سا اختلاف
مدت گزر گئی ہے بہم بولتے نہیں
اللہ رے وہ اُن کی ندامت جفا کے بعد
گردن ہے اعتراف میں خم بولتے نہیں
گزرے ہیں ایسے لوگ بہت کم نگاہ سے
چہروں پہ جن کے رنج و اَلم بولتے نہیں
دُنیا سمجھ رہی ہے ہمیں اُن سے منسلک
جن کے معاملات میں ہم بولتے نہیں
منزل نہ لے سکیں گے کبھی اُن کے کارواں
جن رہبروں کے نقشِ قدم بولتے نہیں
ہم کو ہمارے مُنھ پہ وہ کہتے ہیں بے وفا
احسان ہم خدا کی قسم بولتے نہیں

افسانہ

تاج محل کی راکھ

مختار الرحمن راہی بی۔اے۔ایل ایل۔بی

ماسٹر منیر منزل۔ گلزار مسجد۔ گھاٹ گیٹ۔ جے پور

۱۱ مارچ ۱۹۶۱ء

محترمی ومکرمی خوشتر گرامی صاحب! تسلیمات

... عورت کیا ہے؟ اس کے لئے مختلف حضرات کی مختلف رائے ہیں۔ لیکن اس کہانی کے ہیرو جاوید کی نظر میں عورت کا مزاج اور اس کے خیالات موسم کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ ان میں استحکام اور پائیداری نہیں ہوتی۔ وہ ہر اس نشان کو اپنی منزل بنا لیتی ہے جس تک وہ آسانی سے پہنچ سکے ....

آپ کا اپنا ——— مختار الرحمن راہی

"ارے بھئی اب آ بھی جاؤ! دروازہ کھلا ہوا ہے۔" جاوید نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "گھنٹی کیوں بجائے جا رہے ہو؟"

لیکن گھنٹی پھر بجی۔

اور مسلسل بجتی رہی۔

جاوید جھلا گیا۔ اس کی پیشانی پر کئی لمبی لمبی شکنیں ابھر آئیں۔ وہ جمیل کی عادت سے بخوبی واقف تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ جب جمیل کی طبیعت جولانی پر ہوتی ہے تو وہ دن بھر عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ جاوید کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس کی آنکھوں میں بھی شرارت رقص کرنے لگی۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور دروازے پر پڑے ہوئے پردے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ گھنٹی بھی بند ہو چکی تھی۔ قدموں کی چاپ پردے کے قریب سنائی دے رہی تھی۔ جونہی قدموں کی چاپ پردے کے بالکل قریب سنائی دی جاوید نے آنے والے کو پردے میں لپیٹ لیا۔ اور زور سے بھینچنے لگا۔ اس کے بازوؤں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا اچانک اس کے کانوں کے پردوں سے کسی لڑکی کی تیز آواز ٹکرائی۔

"اوئی ——— !"

جاوید گھبرا گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سردی کا موسم ہوتے ہوئے بھی اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ ابھی وہ لڑکی کی آواز کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ "اف! ظالم نے کس کامیابی کے ساتھ لڑکی کی آواز کی کاپی کی ہے۔"

اور اس خیال کے آتے ہی اس نے پردے میں لپٹے ہوئے جسم کو جکڑ لیا۔ "آج میں تجھے خوب پریشان کروں گا۔ تجھے اتنا بھینچوں گا کہ تیرا دم گھٹنے لگے گا اور .... اور ...."

جاوید کے ہاتھوں کا شکنجہ تنگ ہوتا گیا۔

"اف! میں مری۔ میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

ایک نسوانی آواز پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اور اس بار جاوید کو یقین کرنا پڑا کہ وہ جمیل نہیں ہے۔

اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو ایک نوجوان اور حسین لڑکی کا نڈھال جسم اس کے سینے سے آ لگا۔

"ارے آپ؟!" جاوید نے حیرت اور مسرت کے ملے جلے لہجے میں کہا۔ "آپ آج یہاں کہاں؟"

"اف ——— !" پھولی ہوئی سانسوں میں رضیہ کی آواز گھٹ گئی۔

اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ چہرے پر پریشانی اور شرم کے جذبات اُبھر آئے تھے۔ آنکھوں میں سُرخ سُرخ ڈورے گہرے ہو گئے تھے۔ آنچل سر سے ڈھلک کر نیچے آ گیا تھا۔

جاوید بھی حیرت زدہ رضیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً رضیہ نے آنکھوں کی چلمن اُٹھائی۔ کچھ دیر تک رضیہ اور جاوید کی نظریں آپس میں اُلجھتی رہیں۔ اور پھر رضیہ کی آنکھوں پر پلکوں کے غلاف پڑ گئے۔ اُس کی سانسیں ابھی تک تیز تھیں۔ جیسے ابھی وہ دُور سے دوڑتی آئی ہو۔

"میں نے جمیل سمجھ کر آپ کو ..." جاوید ہکلانے لگا۔ "آپ میرے ہاں آ بھی سکتی ہیں، یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بہر نوع میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔"

رضیہ کے لبوں پر دلآویز تبسم کی لکیریں اُبھریں۔ اور پھر غائب ہو گئیں اور پھر اُس نے اپنے سر پر دوپٹہ درست کر لیا۔

"میں دراصل سوشیولاجی (SOCIOLOGY) پر آپ کے نوٹس کچھ دنوں کے لئے لینے آئی تھی۔ "سوسائٹی" پر میک آئی ور کی کتاب اتنی ضخیم ہے کہ اس کا مطالعہ میرے بس کی بات نہیں۔"

رضیہ جاوید کی طرف دیکھنے لگی۔

"ابھی وہ نوٹس نامکمل ہیں۔" جاوید نے اپنے چہرے میں لوچ اور تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "آج انہیں مکمل کر کے کل میں یونیورسٹی میں آپ کو ضرور دے دوں گا۔"

"میں کل یہیں آ کر لے جاؤں گی۔" رضیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ خواہ مخواہ کیوں زحمت کرتی ہیں؟"

"اس میں کیا زحمت ہے اور پھر آجکل ہم نے آپ کے قریب ہی مکان لے لیا ہے۔"

رضیہ کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" جاوید بولا۔

"تھینکس!" رضیہ کے یاقوتی لبوں کو جنبش ہوئی اور وہ جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

"چائے تیار ہو رہی ہے۔ صرف دو منٹ کی بات ہے۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو ..."

"شکریہ!"

رضیہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

جاوید نے اسٹوو پر کھولتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈال دی اور پھر رضیہ کو چائے کی پیالی دیتے ہوئے کہا۔

"چونکہ اس وقت دودھ نہیں مل سکتا اس لئے بغیر دودھ کی چائے حاضر ہے۔ یوں عموماً میں گرین ٹی پینے کا عادی ہوں میرا خیال ہے آپ ..." جاوید آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ کیونکہ رضیہ درمیان ہی میں بول اُٹھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں میں خود بغیر دودھ کی چائے یا آپ کے الفاظ میں گرین ٹی شوق سے پیتی ہوں۔"

اور دونوں ایک ساتھ مُسکرا دیئے۔

"ایک بات بتانا پسند کریں گے آپ؟" رضیہ نے چائے کی چُسکی لیتے ہوئے کہا۔

"ضرور!"

جاوید نے رضیہ کے کپکپاتے ہوئے ہاتھ کو جس میں چائے کی پیالی تھی، بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟"

"جی!" جاوید نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیوں؟"

رضیہ نے پھر سوال کیا۔

"اس لئے کہ میں تنہا ہوں۔ میرا کوئی نہیں۔ پڑھتا ہوں، پڑھاتا ہوں اور بس!"

رضیہ خاموش ہو گئی۔

اُس کا گلابی چہرہ فکر مند نظر آنے لگا۔

"سُنا ہے آپ اپنے چچا کے ساتھ رہتی ہیں؟"

"جی ——!" رضیہ آہستہ سے بولی۔ مگر اُس کی آواز میں سوز اور

ہوا تھا۔ اُس کی شربتی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اور پھر وہ چلی گئی۔

جاوید بہت دیر تک رضیہ کے متعلق سوچتا رہا۔ وہ رضیہ کو روز کالج میں دیکھتا تھا لیکن اُسے کبھی اُس کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی۔ اجنبیوں کی طرح اُن کی نظریں ملتی تھیں جن میں نہ کوئی پیغام ہوتا تھا اور نہ کوئی جذبہ۔ البتہ جاوید نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ رضیہ جاوید کی طرف دیکھ کر اپنی نظریں جھکا لیتی ہے جن میں شرم سے زیادہ گھبراہٹ ہوتی ہے۔ لیکن اُس سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کس جذبے کے تحت ایسا کرتی ہے۔

رضیہ چونکہ نوجوان تھی سراپا حُسن و رعنائی تھی۔ اپنی ذہانت، کم گوئی، اور سنجیدہ مزاجی کے باعث کالج میں قابلِ توجہ اور پُرکشش شخصیت کی حامل تھی۔ وہ سر پھرے لڑکے جو کالج کی دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر آوازے کسا کرتے تھے، رضیہ کو دیکھ کر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ اُن کی زبان گُنگ ہو جایا کرتی تھی اور رضیہ شانِ بے نیازی سے گزر جایا کرتی تھی۔ جاوید اور رضیہ کا کئی بار سامنا بھی ہوا تھا۔ لیکن جاوید کی حرکات و سکنات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ رضیہ سے ملاقات یا گفتگو کا خواہش مند ہے۔ وہ بے تعلق سا اپنے خیالات کے تانے بانوں میں کھویا ہوا گزر جاتا تھا۔ کلاس میں بھی اُس نے کبھی رضیہ کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ گو دوسرے لڑکے رضیہ سے بات کرنے کے لئے مختلف قسم کے پلان اور طریقے وضع کیا کرتے تھے

پھر جاوید کو وہ دن یاد آیا جب وہ کلاس میں تنہا بیٹھا ہوا "سوشل ڈس آرگنائزیشن" کی کتاب میں منہمک تھا۔ چونکہ پروفیسر معین الدین صدیقی رخصت پر تھے اس لئے سب لڑکے باہر لان میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اچانک رضیہ کلاس میں داخل ہوئی۔ کتابوں کو میز پر زور سے اس طرح ٹپکا جیسے کوئی بوجھ ہلکا کیا ہو۔ پھر پیشانی پر چمکتی ہوئی ننھی ننھی پسینے کی بُوندوں کو رومال سے صاف کیا اور ایک گہری سانس لی۔ جاوید نے رضیہ کی طرف اُچٹتی نظروں سے دیکھا اور پھر کتاب میں کھو گیا۔

"میں نے بہت کم لڑکے ایسے دیکھے ہیں جو حقیقتاً پڑھائی کے معاملہ میں سنجیدہ اور محنتی ہوتے ہیں لیکن آپ ..." رضیہ رومال کو ہوا میں لہراتی ہوئی بولی۔

"آج پروفیسر صدیقی رخصت پر ہیں۔" جاوید کا جواب بظاہر بے تعلق سا تھا۔

"مجھے علم ہے!"

رضیہ نے کہا۔

"آپ کی معلومات تازہ ترین ہونے کی وجہ سے قابلِ قدر ہیں۔" اِس بار جاوید کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

اور رضیہ بھی مسکرا دی۔

"آپ" رضیہ نے کہنا شروع کیا۔ "یا تو نہایت کُند ذہن واقع ہوئے ہیں یا پھر غیر معمولی ذہین۔"

"وہ کس طرح؟"

"آپ کا ہر وقت کتابوں میں کھویا رہنا یا بالفاظِ دیگر کتابوں کو چاٹتے رہنا یہی ظاہر کرتا ہے۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں ایسا صرف ظاہر کرنے کے لئے کرتا ہوں" جاوید نے مسکرا کر کہا۔

"اِس صورت میں آپ خود کو فریب دیتے ہیں۔"

"آپ یوں ہی سمجھ لیجئے۔" جاوید نے پھر کتاب کھول لی۔

رضیہ اُس کے قریب آ گئی۔

"کونسا چیپٹر پڑھ رہے ہیں آپ؟"

رضیہ نے کتاب کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اور پھر وہ ایک دم چونک پڑی۔

"ارے! اُس کی آواز میں تحیّر تھا۔ کتاب تو اُلٹی کھلی ہوئی ہے۔ آپ پڑھ کیا رہے ہیں؟"

جاوید نے مسکرا کر رضیہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ کتاب آپ کے لئے یقیناً اُلٹی ہے لیکن میرے لئے سیدھی ہے!"

اور رضیہ کے لبوں پر خجالت آمیز مسکراہٹ جھلک گئی اور وہ

کتابیں لے کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

جاوید کے خیالات کا سلسلہ اُس وقت ٹوٹا جب جمیل نے اُسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"چلو اُٹھو، کب تک اِس کنجِ تنہائی میں گھٹتے رہو گے؟ آج کلب میں میوزیکل کنسرٹ ہے۔"

اور وہ خاموشی سے جمیل کے ساتھ چلا گیا۔

دوسرے دن کالج میں جاوید کھویا کھویا سا تھا۔ آج پہلی بار وہ جسمانی طور پر کلاس میں موجود تھا لیکن اُس کا ذہن کہیں اور تھا۔ پروفیسر لیکچر دیتا رہا۔ رضیہ اور دوسرے لڑکے ضروری باتیں نوٹ کرتے رہے۔ لیکن جاوید گم صُم خیالات کے گورکھ دھندوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ اِس وقت اُس کے خیالات کے زرّیں پردوں پر بار بار رضیہ کی جوانی، شباب اور حُسن سے معمور تصویریں اُبھرتی اور مٹتی رہیں اور وہ اُن میں محو رہا۔

"اِس وقت آپ کس دُنیا میں ہیں؟"

رضیہ کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"اوہ ——— !"

"پیریڈ ختم ہو گیا۔" رضیہ زیرِ لب مُسکرائی۔

جاوید کے لبوں پر پھیکی پھیکی مسکراہٹ تھی۔

"آپ نوٹس لائے؟"

رضیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں!" اور جاوید نے اپنی نوٹ بک رضیہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "لیجئے، اگر ممکن ہو تو انہیں جلد لوٹانے کی کوشش کیجئے۔"

"بہت بہتر!"

جاوید کلاس سے باہر جانے لگا تو رضیہ نے کہا۔

"اب آپ گھر ہی جا رہے ہیں نا؟"

"جی ہاں!"

"تو پھر آئیے مجھے بھی گھر جانا ہے۔"

اور وہ ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ دونوں کے لبوں پر مُہرِ سکوت تھی۔

دونوں اپنے اپنے خیالات کی دُنیا میں محو تھے۔

"بی۔اے کے بعد آپ کیا کریں گی؟"

جاوید نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میرے چچا کا خیال ہے کہ بی۔اے کے بعد میں تعلیم ختم کر دوں اور ..." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔

"اور ..." جاوید نے پوچھا۔ "اور پھر وہ کیا چاہتے ہیں؟"

"وہ چاہتے ہیں کہ میری شادی اُن کے صاحبزادے انور سے ہو جائے لیکن میں چاہتی ہوں کہ اپنی تعلیم جاری رکھوں اور اِس کے لئے میں نے سوچا ہے کہ کسی اسکول میں ملازمت کر لوں۔" رضیہ خاموش ہو گئی۔

"مجھے آپ کے خیالات سے اتّفاق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اپنے چچا کی مرضی کے خلاف کر بھی سکیں گی؟"

"یہاں آ کر میری سوچ ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور میں خود کو بے بس تصور کرنے لگتی ہوں۔" رضیہ نے مایوسی سے کہا۔

"لیکن آپ شادی کے بعد بھی تو اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہیں۔" جاوید نے رضیہ کے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوال صرف تعلیم ہی کا ہوتا تو کوئی تشویش ناک یا غیر معمولی بات نہ ہوتی لیکن شادی کا مسئلہ ..."

وہ خاموش ہو گئی۔

اُس کے چہرے کے اثرات سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نہایت سنجیدہ اور پریشان ہے۔ اُس کی آنکھوں سے ایک انجانا سا خوف جھانک رہا تھا!

"تو انور آپ کو پسند نہیں؟"

جاوید نے پوچھا۔

رضیہ نے اپنی غلافی پلکیں اُٹھا کر جاوید کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی نظریں جھک گئیں۔ اُس کے لبوں کو خفیف سی جنبش ہوئی لیکن اُن سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ رضیہ کی خاموشی اور چہرے کے آثار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انور اُسے قطعی پسند نہیں۔ چونکہ رضیہ کا گھر آ چکا تھا اِسلئے جاوید

[illegible] ہوئے کہا۔

"پھر آپ اور سنجیدگی سے غور کیجئے۔ ممکن ہے کوئی حل نکل آئے۔"

"اب اس کا حل صرف میری موت ہے!"

رضیہ کے چہرے پر عزم کی سُرخی تھی۔

"حوصلہ کیجئے" جاوید کی آواز میں تڑپ تھی۔ ہمدردی کا پُرجوش جذبہ تھا۔ خلوص اور محبت کا اقرار تھا۔ "امتحان کے بعد ہم دونوں اِس کے متعلق کچھ سوچیں گے۔ کوئی معقول حل تلاش کریں گے۔ ابھی سے آپ کو اتنا پریشان نہ ہونا چاہیئے۔"

رضیہ جاوید کو الوداعی نظروں سے دیکھتی ہوئی اپنے گھر چلی گئی۔

رضیہ اور جاوید کی ملاقاتیں پابندی سے ہوتی رہیں۔ دل، دل کے قریب ہوتے گئے۔ اب وہ ہر روز کبھی کالج کے لان میں، کبھی لائبریری میں، کبھی تفریح گاہوں میں اور کبھی شہر کے بارونق بازاروں میں ملا کرتے تھے۔ وہ کبھی ادب، فن، تاریخ اور معاشیات پر اور کبھی فلسفۂ حُسن و عشق پر باہم تبادلۂ خیالات کیا کرتے تھے۔ اور اِس طرح اُن کی زندگی میں طلوع ہونے والے آفتاب کی ہر کرن اُن کے لئے ایک جانفزا اور حیات افروز پیغام لیکر آیا کرتی تھی۔ اور شرق سے جلوہ گر ہونے والے ماہتاب کی کیف زا اور دل نواز چاندنی اُن کے گہوارۂ اُلفت میں ایک ابدی اور لازوال نور کی بارش کیا کرتی تھی۔

دن گزرتے گئے۔

امتحانات شروع ہوئے اور ختم بھی ہو گئے۔ اور اب وہ اُس وقت کے بے چینی سے منتظر تھے جو اُن کو سلسلۂ جنبانی اور رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے والا تھا۔

ایک دن جب رضیہ جاوید سے ملی تو وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور خاموش تھی۔

"آج آپ اِتنی اُداس اور غمگین کیوں ہیں رضیہ؟ آپ کے شاداب رُخساروں پر مُردنی کیوں چھائی ہوئی ہے؟"

"آج اندر کا غبار آیا ہے!" رضیہ کے منہ سے آہوں اور کراہوں کا ایک طوفان اُٹھا جس میں حسرتوں کا خون تھا۔ تمناؤں کے گھُٹ جانے کی گھٹن تھی۔ اور جذبات کے مجروح ہو جانے کی کسک تھی۔ "[illegible] کے اندر اندر علی گڑھ سے آنے والا ہے۔"

رضیہ کی آنکھوں سے اشک ٹپک کر شبنم کے قطرے اُس کے رخساروں کے گلابوں پر پھسل رہے تھے۔

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

جاوید نے پوچھا۔

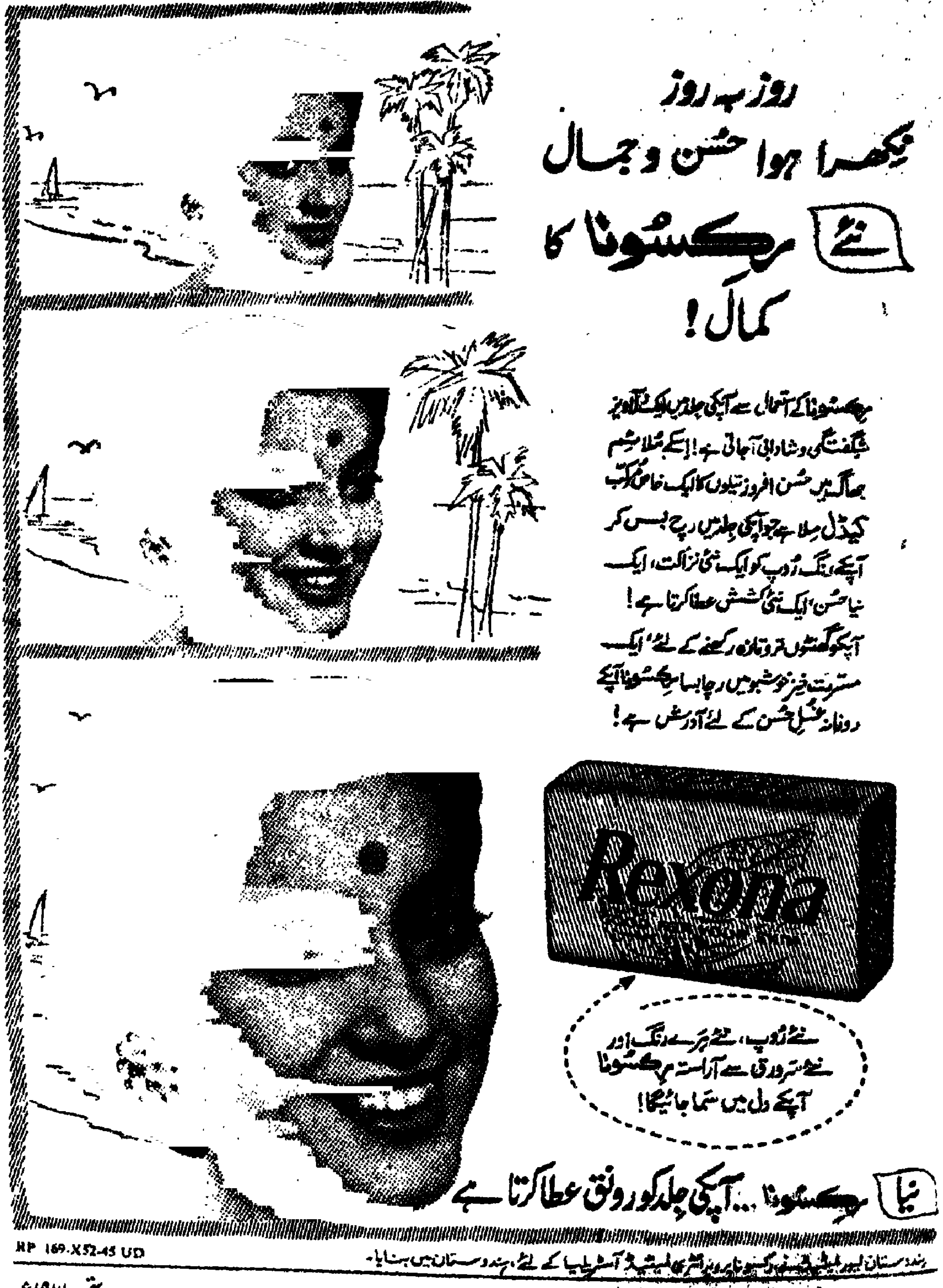
"مجھے سہارا دیجئے جاوید! اس وقت مجھے آپ کے مضبوط بازوؤں کے سہارے کی بے حد ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ مجھے منجدھار میں تنہا چھوڑ کر چل دیں اور میں اس اُمڈتے ہوئے طوفان میں کوئی سہارا نہ پا کر غرق ہو جاؤں۔ زندگی کے اِس طویل اور دُشوار گزار راستے میں جب آپ میرے ہم سفر ہوں گے تو ہم بہت جلد اپنی منزل کو پا لیں گے۔ ورنہ میں بھٹک جاؤں گی اور پھر نہ جانے میرا انجام کیا ہو؟"

"ایسا نہ کہئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہر ہر قدم پر میں آپ کو سہارا دوں گا۔ مجھ پر اعتبار کیجئے۔"

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ میری زندگی آپ ہی کے رحم و کرم پر ہے۔"

جاوید نے دیکھا کہ رضیہ کا انتشار بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں سفید سفید موتی چمک رہے تھے۔

پھر دفعتہً رضیہ نے گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا۔ جاوید روزانہ اُن مقامات پر جاتا جہاں وہ ملا کرتے تھے۔ لیکن گھنٹوں انتظار کرنے کے بعد وہ ناکام اور مایوس واپس آجاتا۔ اُس نے رضیہ کے گھر کے بھی چکر لگائے لیکن بے سُود۔ غیر متوقع طور پر اِس طرح رضیہ کے بدل جانے پر جاوید کو صدمہ بھی ہوا اور حیرانی بھی۔ اِتنی سرعت کے ساتھ حالات کے انقلاب نے جاوید کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ وہ یہ بھی نہ سوچ سکا کہ کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ اور اب کیا ہونے والا ہے؟


روز بہ روز
نکھرا ہوا حُسن و جمال
نئے رکسونا کا
کمال!
رکسونا کے استعمال سے آپکی جلد میں ایک دلآویز
شگفتگی و شادابی آجاتی ہے! اسکے مُلائم
جھاگ میں حُسن افروز تیلوں کا ایک خاص مُرکّب
کیڈل ملا ہے جو آپکی جلد میں رچ بس کر
آپکے رنگ رُوپ کو ایک نئی نزاکت، ایک
نیا حُسن، ایک نئی کشش عطا کرتا ہے!
آپکو گھنٹوں تروتازہ رکھنے کے لئے، ایک
مسرّت خیز خوشبو میں رچا بسا رکسونا آپکے
روزانہ غسلِ حُسن کے لئے آدرش ہے!
Rexona
نئے رُوپ، نئے ہرے رنگ اور
نئے سرورق سے آراستہ رکسونا
آپکے دل میں سما جائیگا!
نیا رکسونا ... آپکی جلد کو رونق عطا کرتا ہے
RP 169-X52-45 UD
ہندوستان لیور لمیٹڈ نے رکسونا پروپرائٹری لمیٹڈ آسٹریلیا کے لئے ہندوستان میں بنایا۔

یکایک جاوید کی نظریں سامنے اُٹھیں تو سامنے رضیہ نظر آئی اُس کے ہمراہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ رضیہ کے لبوں پر ہلکی سی تبسم رقص کر رہا تھا۔ ایک دم اُس کی نظریں جاوید پر پڑیں۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی۔ اُس کے گلابی رخساروں پر خشک پتے کی سی زردی پھیل گئی اور آنکھوں میں اُداسی لئے ہوئے تبسم کی جگہ خوف جھلکنے لگا۔

"کیا ہوا؟" دفعتاً رضیہ کو اِس حالت میں دیکھ کر اُس کے ساتھی نے گھبرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں!" وہ ایک دم بولی۔ "یونہی چکر سا آ گیا تھا۔ لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔"

ایک بار پھر جاوید اور رضیہ کی نظریں ملیں اور قبل اِس کے کہ وہ نوجوان کوئی اندازہ لگائے رضیہ نے نظریں پھیر لیں۔ جیسے کچھ نہ ہوا ہو اور آگے بڑھ گئی۔

دو دن بعد جاوید کو رضیہ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا۔

جاوید!

انور صاحب کے متعلق میں نے غلط رائے قائم کر لی تھی۔ دراصل آپ کے ساتھ رہ کر میں نے کبھی اُن کے متعلق سنجیدگی سے سوچا ہی نہ تھا۔ اور جب وہ علی گڑھ سے ایم اے کر کے یہاں آئے اور اُن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تو مجھے اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑے۔ اور اُن کے متعلق غلط رائے قائم کرنے پر مجھے افسوس بھی ہوا۔ اور اب بہت جلد ہم ایک دوسرے کے ہونے والے ہیں۔ اب رہا سوال آپ کا؟ تو سمجھ لیجئے کہ ہم سرِ راہ اجنبیوں کی طرح ملے تھے۔ چونکہ دونوں کو منزل کی تلاش تھی اِس لئے دونوں اِس اجنبی راستے پر چلتے رہے۔ راستہ سنسان تھا اور اُس وقت ہم دونوں ہمراہی تھے اِس لئے آپس میں بے تکلف ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ سفر کیسے کٹتا اور پھر جب وہ راستہ جس پر ہم دونوں گامزن تھے دو جدا جدا راہوں میں بٹ گیا تو پھر ہم دونوں کو ایک دوسرے سے بچھڑنا پڑا۔ جس طرح دو اجنبی اتفاقاً راہ میں مل جاتے ہیں اور پھر مختلف سمتوں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح ہم بھی ملے اور اب بچھڑ گئے۔ مجھے میری منزل مل چکی ہے اور میں مسرور و شاداں ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ بھی اپنی منزل کا جلد تعین کر لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہماری وقتی دوستی اور رفاقت کا غلط اور ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کریں گے۔

"ایک اجنبی"

خط پڑھ کر جاوید کے لبوں پر پھیکی اور تلخ مسکراہٹ پیدا ہوئی اور پھر یک لخت ختم بھی ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا جس طرح موسم بدلتا رہتا ہے۔ اِسی طرح عورت کا مزاج اور اُس کے خیالات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ وہ ہر اُس نشان کو اپنی منزل بنا لیتی ہے جس تک وہ بآسانی پہنچ سکے اور اُس کے حُسنِ ظاہری کو دوبالا کرنے کے لئے وہاں وافر تعداد میں نقرئی سکوں کی چمک دمک اور کھنک ہو۔

ایک بار پھر اُس نے رضیہ کا خط پڑھا اور پھر دہکتی ہوئی انگیٹھی کے سپرد کر دیا۔ انگیٹھی سے نکلتے ہوئے خط کا دھواں کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ رضیہ کے خط کا دھواں نہیں بلکہ اُس کے پیار کے تاج محل کے جل جانے کا دھواں ہو۔ وہ تاج جو امر ہے۔ جو کبھی نہیں گر سکتا۔ جو کبھی نہیں جل سکتا۔ وہ ایک عورت کی لازوال اور پاک محبت کی نشانی ہے۔ اور یہ تاج جو جل رہا ہے، ایک عورت کی بے مہری، بے وفائی اور متلون مزاجی کا ایک مضحکہ خیز خاکہ ہے۔ جس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔ کون جانے ایسے کتنے ہی تاج محل روزانہ تعمیر ہوتے ہیں اور راکھ ہو جاتے ہیں۔

اور چند شبنمی قطرے جاوید کی آنکھوں سے نکل کر اُس تاج محل کی راکھ میں جذب ہو گئے.....

●●

غزلیں

شبیر کاظمی کاظم مظفر پوری

خدا سمجھے دلِ رنگیں ادا سے
بتوں کو مانگ بیٹھا ہے خدا سے

تری رحمت کا پھر کیا حشر ہوگا
اگر ہم باز آجائیں خطا سے

فرشتوں کے لکھے کا کیا بھروسا
کہ یہ بدظن ہیں ہم سے ابتدا سے

ہوا ہے آپ کی آمد کا دھوکا
کبھی جو ہل گیا پردہ ہوا سے

نہ آئے آنچ دامانِ چمن پر
نشیمن خاک ہو جائے بلا سے

ہجومِ غم سے گھبراتا ہے جب دل
خیالِ یار دیتا ہے دلاسے

خودی نے اُس جگہ پہنچا دیا ہے
جہاں بندہ اُلجھتا ہے خدا سے

نہ جانے کیا گزرتی مجھ پہ کاظم
اگر محروم ہو جاتا خدا سے

[illegible] ایم۔ اے

خودسری کا بھرم نہ کُھل جائے
آدمی کا بھرم نہ کُھل جائے

ظلمتوں کا طلسم توڑ تو دوں
روشنی کا بھرم نہ کُھل جائے

موت کا راز جاننے والے
زندگی کا بھرم نہ کُھل جائے

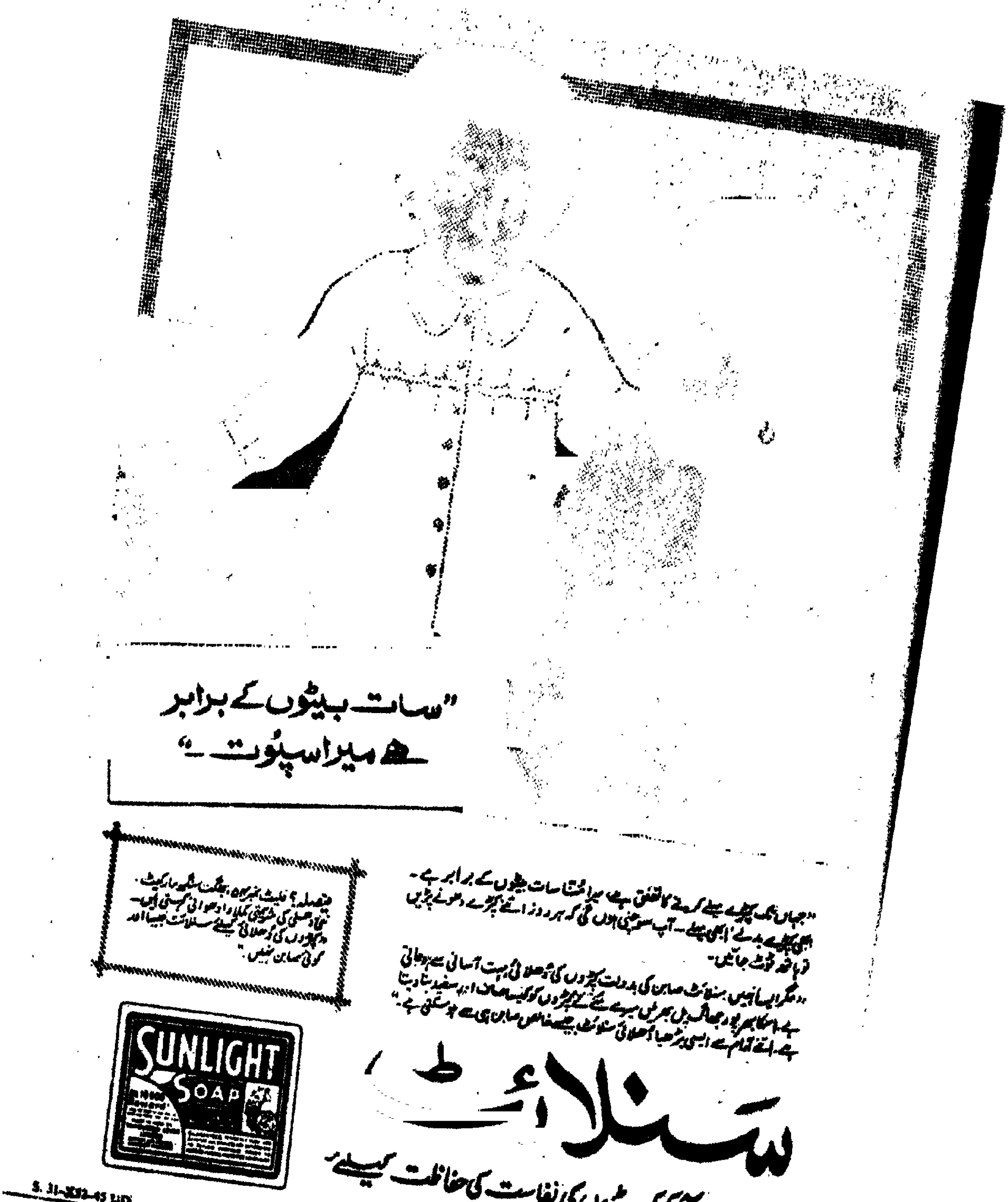
وہ ہیں مختار اور ہم مجبور
عاشقی کا بھرم نہ کُھل جائے

میری دیوانگی پہ غور نہ کر
آگہی کا بھرم نہ کُھل جائے

یوں تو ہم رہ شناسِ منزل ہیں
گمرہی کا بھرم نہ کُھل جائے

کیا محبت کو آزماتے ہو
حُسن ہی کا بھرم نہ کُھل جائے

اے ضیا میں غزل سُنا تو دوں
شاعری کا بھرم نہ کُھل جائے


"سات بیٹوں کے برابر
ہے میرا سپوت"
SUNLIGHT
SOAP
سنلائٹ
آپکے کپڑوں کی نفاست کی حفاظت کیلئے
S. 31-XX2-45 UD



rochex



ایک درد

ظفر احمد بی۔ اے

[illegible] روڈ۔ رانچی

نومبر ۱۹۶۶ء

بے حد پیارے خورشید بھائی! بے شمار دعائیں اور محبتیں

...... اِدھر چند مہینوں سے کچھ اِس قدر مصروف اور اُداس رہا ہوں کہ بس میں ہی جانتا ہوں۔ ویسے مصروفیات سے مجھے کوئی گلا نہیں۔ اِس لئے کہ زندگی اسی کا نام ہے۔ مگر یہ اُداسیاں؟ نہ جانے کیوں ساتھ لگ جاتی ہیں؟ "ایک درد" ایک ایسے ہی موڈ کی پیداوار ہے جو "بیسویں صدی" کے لئے میری پہلی تخلیق "کلب سے کالج تک" کی طرح مجھے بے حد پیاری بھی ہے۔ شاید اِس لئے کہ "OUR SWEETEST SONGS ARE THOSE THAT TELL SADDEST THOUGHTS(SHELLY) اُمید ہے کہ یہ مختصر سی بے حد جذباتی کہانی آپ کو اور قارئین "بیسویں صدی" کو ضرور پسند آئے گی۔ لیکن اِس یقین کے باوجود مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ کیوں؟ یہ اپنے اُس دل سے پوچھئے جو ہر خط میں خلوص و محبت کا وہ عزیز ترین تحفہ بھیجتا رہتا ہے جس کا پانا "بیسویں صدی" جیسے مقبول ترین پرچہ میں چھپنے سے کہیں زیادہ میرے لئے باعثِ مسرت ہے ——— اُمید ہے کہ اب تک کرشن چندر صاحب بخیریت دلی پہنچ گئے ہوں گے۔ اور جنگلوں کی شہزادی کا وہ گلدستہ آپ تک پہنچ گیا ہوگا جس میں یہاں کے آدی باسیوں کی محنت کے ساتھ ساتھ میری محبت اور عقیدت کے بھی چند پھول ٹکے ہیں... آپ کا اپنا ——— ظفر احمد

آج کی رات اُن ہزاروں ہزار راتوں سے بہت مختلف ہے جن کی قسمت میں کوئی چاند نہیں ہوتا۔ کوئی تارا نہیں ہوتا۔ روشنی کی کوئی ننھی سی کرن تک نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی گذر جاتی ہیں۔ بیت جاتی ہیں اور اپنی اُن محبوب پگلی سہیلیوں سے جا ملتی ہیں جو کسی چاہت کے الزام میں وقت کا بے رحم دیوتا اُنھیں تنہائی کی راتوں میں بھٹکنے کی سزائیں دے کر رات بھر اکیلی چھوڑ چلا ہے۔

لیکن یہ رات جو اُن سب راتوں سے بہت مختلف ہے اور جو ابھی ابھی آکاش گنگا میں نہا کر آئی ہے اور جس کے ریشمی جسم کو چاندنی بہت پیار سے چوم رہی ہے۔ اور جس کے سیاہ مخملی لباس میں ان گنت سنہرے تارے شرما شرما کر مسکرا رہے ہیں۔ اور جس کے کسی ان دیکھے پیار کے نشے میں لڑکھڑاتے قدموں کی مدھم آہٹ کچھ دیر پہلے میں نے اِسی پُل پہ بیٹھے بیٹھے سُنی تھی اور اِس ڈر سے کہ ——— یہ خوبصورت رات کہیں اپنے محبوب سے ملنے کی بے قراری میں اپنی چال تیز کر کے اُس صبح سے جلدی نہ جا ملے جس کی پہلی کرن سے پہلے پہلے مجھے اپنی وہ ادھوری کہانی پوری کر کے اُس ایڈیٹر کے حوالے کر دینی ہے جس کا پلاٹ سُن کر اُس نے آج ہی شام پچاس روپیہ کی پیش کش اِس شرط پر کی تھی کہ کہانی اُسے کل صبح تک مِل جانی چاہئے۔

اور جیسے ہی میں نے بڑی خوشی سے شکریہ کہا تھا ... کی تقسیم کرنے کی آخری تاریخ ہے اور آج میری جیب میں چار پیسے بھی نہیں۔ اور شاید اسی لئے میں نے شعل کے سارے تقاضوں اور ... کو ٹھکرا کر ایک لمبے عرصے کے بعد کہانی پوری کرنے کے لئے اپنے کمرے میں بند ہو جانا مناسب سمجھا تھا۔ جو کسی بینک میں ... والے چیک کی طرح آخری دستخط کے لئے میرا انتظار کر رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی میں کمرے میں پہنچا، نہ جانے کیوں میری نظر اس انگریزی اخبار پر پڑی جس کے ایک صفحے پر نئے شادی شدہ جوڑوں کی تصویریں چھپی تھیں۔ اور جسے آکر نے کچھ اس انداز سے اندر پھینکا تھا کہ وہی صفحہ سامنے کھلا پڑا تھا۔ اور جسے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی عادت سے مجبور ہو کر میں نے ایک نظر دیکھ ہی لیا تھا۔ اور اب جسے دیکھنے کے بعد کہانی کی ایک سطر لکھے بغیر میں پھر اسی پل پر آبیٹھا ہوں اور نہ جانے کیوں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ آکاش گنگا، یہ چاند، یہ تارے، یہ سب ایک زبردست دھوکا ہے، فریب ہے اور چند لمحوں ہی میں دھوکے اور فریب کا یہ پردہ چاک ہو جائے گا۔ اور اس کے پیچھے سے ایک ایسا خوفناک دیو جنم لے گا جو رات کے سارے سیاروں کو، سارے چاند تاروں کو نگل لے گا اور اس عالم کو دیکھ کر سورج کا دل بیٹھ جائے گا۔ وہ چاند کی بے کار اور بے سود چیخیں چھوڑ دے گا۔ اور پھر ایک ایسی تاریکی جنم لے گی جس سے خود تاریکی بھی گھبرا کر خودکشی کر لے گی۔ اور پھر اس کے بعد کوئی سویرا نہ ہوگا ——

میری اداس آنکھیں رات کی اس دم گھٹ جانے والی گھٹن سے بچنے کے لئے نہ جانے کس ان کہی بات کی تلاش میں سڑک کے اداس اور تکلیف دہ سفر کو طے کر کے منسٹر ہاؤس کی باؤنڈری اور آم کے پیڑوں کو پھلانگتی ہوئی ان دو ملٹری بیرکوں تک جا پہنچتی ہیں جنھیں ان دنوں پی ڈبلیو ڈی والوں نے خرید کر گرام پنچایت کے اس ڈپٹی ڈائریکٹر کے حوالے کر دیا ہے جس کے شریر بچے سارے دن وہاں شور مچایا کرتے ہیں۔ اور اس جگہ جہاں کبھی جوہی اور بیلے کی شرمیلی اور نازک کلیاں ... کھلا کرتی تھیں۔ وہاں ایک ... والا گیراج بنا دیا گیا ہے جس سے ہر وقت پٹرول اور موبل آئل کی بو آیا کرتی ہے۔ مگر ... مگر میری آنکھیں پٹرول اور موبل آئل کی اس بو کو پار کر کے جوہی اور بیلے کی اس خوشبو تک جا پہنچتی ہیں جو آج سے بہت سال پہلے تمھاری خوبصورت کھڑکی تلے رات رات بھر جاگتی رہتی تھیں۔ جب وہاں کے ایک بیرک میں ملٹری سے متعلق ایک چھوٹا سا دفتر ہوا کرتا تھا اور جس میں تمھارا شریف اور بے حد رحم دل باپ انچارج کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور سامنے والے بیرک میں تم اپنی ماں اور چھوٹی بہن کے ساتھ سارا دن نہایت سکون سے گزارا کرتی تھیں اور میں پڑھنے کے لئے کتابیں لے کر تمھارے بیرک کے پیچھے والے میدان میں جاڑے کی نیم گرم، نرم دھوپ میں جا بیٹھتا تھا۔ اور اسی بہانے سے تمھیں پہروں دیکھا کرتا تھا۔ لیکن ... یہ دیکھتے رہنا تو کوئی خاص بات نہیں تھی اور نہ یہ کوئی خاص بات تھی کہ جتنی دیر میں وہاں پڑھنے کے لئے بیٹھا رہتا، اتنی ہی دیر تم بھی کوئی نہ کوئی رسالہ یا کتاب لئے کھڑکی میں بیٹھی رہتیں۔ پھر وہ کون سی بات ہے میں جس کی ان دیکھی سلگتی آگ میں اس طرح جل رہا ہوں؟ اور جس کے باعث تمھاری شادی کی تصویر دیکھ کر اتنا اداس ہو گیا ہوں کہ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ رات ..... یہ رات کبھی نہ گزرے گی۔ کبھی نہ کٹے گی۔ اور میں رات کی اس نہ ختم ہونے والی تاریکی سے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ اور ایک بار پھر اپنی یادوں کے ویران اور خاموش جزیرے میں کسی گمشدہ خزانے کی طرح اس بات کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ شاید، شاید کوئی سراغ مل جائے۔ لیکن مجھے اس کے سوا اور کچھ یاد نہیں آتا کہ اسی طرح کئی مہینے گزر جاتے ہیں۔ اور پھر ایک دن جب تم کھڑکی میں آ کر بیٹھتی ہو تو تمھارے ہاتھوں میں کوئی کتاب یا رسالہ نہیں ہوتا۔ کوئی بات تک نہیں ہوتی۔ کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ صرف آنکھوں میں چند بے نام خاموش آنسو ہوتے ہیں۔ جن کا تم کچھ مطلب بتائے بغیر کچھ سنے بغیر، کچھ کہے بغیر اسی شام اپنے سارے خاندان کے ساتھ کسی دوسرے شہر کو چلی جاتی ہو۔ اور ..... اور پھر کبھی واپس نہیں آتی ہو۔

اور پھر چھ سال بیت جاتے ہیں

اِن چھ سالوں میں وقت بہت سے زخموں کو بھر دیتا ہے۔ بہت سی بےکار اور بے سُود یادوں کو بُھلا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ویران بستی جو قحط آجانے سے ایک بار پھر آباد ہو گیا تھا۔ ویران ہو کر ایک بار پھر آباد ہو جاتا ہے۔ مگر... مگر طلعت نے طلعت کیسی ویرانی تھی جو آج تک آباد نہ ہو سکی اور جس کے ویرانے میں بھٹکتا بھٹکتا میں وہاں آ پہنچا ہوں جہاں روشنی کی کوئی ننھی کرن تک جنم نہیں لیتی.....

اور میں اس گھٹن، اس تڑپ، اس بے چینی اور بے کلی کی وجہ جاننے کے لئے اپنے مکان کے اُداس اور ویران لان میں بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ آخر میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں؟ کیوں میرا دل تمھاری شادی کی تصویر دیکھ کر یکایک اس قدر اُداس ہو گیا ہے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے جیون بھر ساتھ دینے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ محبت کی کوئی چھوٹی سی قسم تک نہیں کھائی تھی۔ یہاں تک کہ ہم نے ایک دوسرے سے کبھی بات تک نہیں کی تھی۔ پھر پھر وہ کون سی بات ہے جس کی ناکامی نے مجھے اتنا اُداس کر دیا ہے کہ میں ہر رات کے بعد آنے والی صبح کی اُمید تک سے نا اُمید ہو گیا ہوں.....؟

لیکن.....

لیکن سوالوں کے ریگستان میں یہ بھٹکنا ہی آج بڑا کام آ گیا ہے اور وہ بے سہارا اور ویران رات، جس کی صبح کی اُمید تک سے میں نا اُمید ہو گیا تھا وہ اسی بھٹکنے میں، اسی سوچنے میں نہ جانے کیسے اتنے آہستہ سے گزر گئی ہے کہ اب مجھے ایسا گمان ہونے لگا ہے کہ شاید... شاید کوئی ایسی رات ہی نہیں آئی تھی۔

◆◆

غزلیں

عبدالحبیب فرحت

شمع میں سوز ہی ہے جو ہے پروانوں میں
دفن جلتے ہوئے دیکھے ہیں شبستانوں میں

ایسے دیوانے بھی ہیں آپ کے دیوانوں میں
ایک بھی تار نہیں جن کے گریبانوں میں

ایک افسانہ سہی رونقِ بزمِ ہستی
کچھ حقیقت بھی مگر ہوتی ہے افسانوں میں

کم فرشتوں سے نہیں ہوتے خصائل جن کے
ایسے انسان بھی مل جاتے ہیں انسانوں میں

بات تو جب ہے کوئی اہلِ نظر قدر کرے
پھول کھلنے کو تو کھلتے ہیں گلستانوں میں

امتیازات ہیں مذہب کے کہیں ملت کے
ان خرافات سے مطلب نہیں دیوانوں میں

جو لگا دیتی ہیں کشتی کو کنارے فرحت
ایسی موجیں بھی ہوا کرتی ہیں طوفانوں میں

سحر گونڈوی

دورِ خزاں ہے گلشن گلشن
کیسے پھیلے کلیوں کا دامن

کیا غمِ دوراں کیا غمِ جاناں
دونوں ہی ہیں جان کے دشمن

دل سے غافل رہنا پیارے
دل ہی دوست ہے دل ہی دشمن

سب کی اپنی اپنی راہیں
کیسے رہبر، کیسے رہزن

جتنا جتنا دل وہ ڈھائیں
ضبط کا چھوٹا جائے دامن

دھوم ہے اُن کے دیوانوں کی
صحرا صحرا گلشن گلشن

ترکِ تعلق کام نہ آیا
ہے وہی اب تک دل کی اُلجھن

[illegible]

جہاں جہاں ترے گیسو بکھر گئے ہوں گے
طبیعتوں کو پریشان کر گئے ہوں گے

جگہ ملی نہ تری محفلِ طرب میں جنھیں
وہ غم نصیب جانے کدھر گئے ہوں گے

خبر بھی اہلِ قفس کو نہ مل سکی ہوگی
کئی بہار کے موسم گزر گئے ہوں گے

مری ہی آہِ شرربار کے شرر شاید
ستارے بن کے فلک پر بکھر گئے ہوں گے

کسی نے بھی انھیں دل میں جگہ نہ دی ہوگی
وہ لوگ جو ترے دل میں اُتر گئے ہوں گے

انھیں کو سیرِ جہاں کا مزا ملا ہوگا
مسافروں کی طرح جو گزر گئے ہوں گے

یہ آج شور ہے کیسا درونِ میخانہ
جناب شاد یقیناً اُدھر گئے ہوں گے

افسانہ

نئی بات

اعجاز نسرین بی ۔ اے

مین دھوبی گھاٹ ۔ لائل پور (پاکستان)

۱۳ اپریل ۱۹۶۱ء

محترم خوشتر بھائی!

ایک طویل عرصے سے "بیسویں صدی" کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ لیکن ہمارے "بیسویں صدی" میں آج پہلی بار "نئی بات" لے کر حاضرِ خدمت ہوئی ہوں۔ یہ جرأت و جسارت اس لیے ہوئی کہ آپ فن کو پہلے، اور فنکار کو بعد میں دیکھتے ہیں ۔۔۔ "نئی بات" ایک ایسی کہانی ہے جو میرے قریبی ماحول سے تعلق رکھتی ہے۔ کہانی کی ہیروئن شازی ایک عجیب حساس سی لڑکی ہے جو منزل منزل بھٹکتی ہے۔ جیسا ہم انسان جو خود کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کبھی کبھی اپنی ہی تھاہ کو نہیں پا سکتے لیکن شازی بھی ایسی ہی لڑکی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کہاں تک انصاف کیا ہے، یہ آپ اور قارئین ہی بہتر جان سکیں گے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ ۔۔۔ خدا کرے "نئی بات" آپ کی بلند نگاہ اور "بیسویں صدی" کے بلند معیار پر پوری اترے۔ اگر کہانی آپ کو اور قارئین کو پسند آ گئی تو میں سمجھوں گی کہ میری کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ بلکہ میں نے بہت کچھ پا لیا ہے . . .

آپ کی اپنی بہن ۔۔۔ ۔۔۔ اعجاز نسرین

میں کوئی پندرہ منٹ سے فاطمہ جناح کالج کے بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ اس لیے رش بہت زیادہ تھا۔ لوگ گنگارام ہاسپٹل میں اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں سے مل کر واپس ہو رہے تھے اور میں اتنے لوگوں کے درمیان گھٹن محسوس کر رہی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ جلد سے جلد بس آ جائے۔ لاہور کی ایک ہی چیز سے تو مجھے چڑ ہے۔ اور وہ ہے بس کا انتظار۔ اس روح فرسا انتظار سے دامن بچانے کے لئے میں اکثر تانگہ لے لیا کرتی ہوں۔ لیکن اس دن ایک تو ویسے ہی طبیعت بری طرح اداس ہو گئی تھی۔ پھر مہینے کے آخری دن تھے اور تانیشہ نے سختی سے کہہ دیا تھا۔

"شازی! میرے پاس آتی ہو تو دیکھو خدا کے لئے اپنے پیسے ضائع نہ کیا کرو۔ تم نہیں جانتیں کہ بعض اوقات انسان ایک ایک پیسے کو ترس جاتا ہے۔"

خدا خدا کر کے بس آئی اور بھیڑ میں میں بھی کسی نہ کسی طرح بس کے اندر پہنچ ہی گئی۔ وہ تو خیر ہوئی میرے پاس سامان زیادہ نہ تھا۔ ایک فائل تھی، ایک "بیسویں صدی" کا تازہ شمارہ تھا۔ اور ایک چھوٹی سی باسکٹ تھی۔ کنڈکٹر آیا تو میں نے پرس سے پیسے نکال کر رنگ محل تک کا ٹکٹ خرید لیا۔ مجھے حاجی کریم بخش کی دکان سے تانیشہ کے لئے کچھ چیزیں خریدنی تھیں۔

میں رنگ محل اسٹاپ پر اتری تو نامعلوم اداسی میرے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ اور مدتوں بعد یہ خواہش پھر جاگ اٹھی تھی کہ کسی کی گود میں سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کر روؤں۔ اسٹاپ پر رک کر میں نے اپنا

وہ پتہ دوست کیا جو اس بھیڑ میں شانوں سے ڈھلک کر بازوؤں پر آن گرا تھا۔ سامان اُتار کر ہاتھ میں پکڑ لیں — اور پہلا قدم اُٹھایا ہی تھا کہ وہ مجھے نظر آ گیا۔

وہ بھی اِسی بس سے اُترا تھا۔ اُس کے خشک بال بے ترتیبی سے بکھرے تھے۔ چہرہ پتھر کی طرح سخت تھا۔ اور پیشانی پر تیوریوں کے درمیان ایک پُرانے زخم کا نشان اور بھی گہرا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے درخت کی چھال جیسے پھٹے پھٹے ہونٹوں میں کوئی گھٹیا سگریٹ دبا رکھا تھا۔ گدلی سی قمیص پہنے تھا اور کالی بوسیدہ سی پینٹ کی کریز گم ہو چکی تھی۔ اُس نے ایک لمحہ کے لئے رُک کر بہت سا دُھواں ہوا میں اُچھالا اور آگے بڑھ گیا۔ لیکن میرے ذہن میں اُس دُھوئیں نے بہت سی دُھندلی تصویریں بکھیر دی تھیں اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اِن دُھندلی تصویروں کو کبھی اِن کی اصلی حالت میں دیکھ چکی ہوں۔ کہاں؟ ذہن ایک دم کئی سال پیچھے لوٹ گیا اُف! یہ تو نیمی ہے! میرے دل نے سرگوشی کی۔

"نیمی — !"

میں پکار اُٹھی۔

اُس نے اُٹھتے ہوئے قدم وہیں روک لئے اور بہت بے نیازی سے مُڑ کر دیکھا۔ اُف! اُس کی وہ جانی پہچانی کالی آنکھیں آج بھی وہی ہیں۔ ویران اور خالی خالی سی۔ اور دیکھنے کا انداز بھی بالکل وہی تھا۔

"اوہ! شازی تم!"

وہ میرے پاس چلا آیا۔

"ہاں نیمی! تم بتاؤ کہاں رہے اتنے دنوں؟" میرے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"شازی! جانے کون کون سے شہر، کون کون سی گلیاں اور کون کون سی راہوں کو ماپ چکا ہوں۔ کیا کیا بتاؤں؟" اُس کی آواز میں آج کڑواہٹ نہ تھی کسی گہرے کرب کی کیفیت تھی۔ ہم نے ساتھ ساتھ قدم اُٹھائے۔ ہم دونوں خاموش تھے لیکن ذہنوں میں تلاطم برپا تھا۔ میں اُس کے ساتھ بہت باتیں کرنا چاہتی تھی۔ شاید وہ بھی جان گیا تھا۔ اِس لئے ہم "شیزان" میں آ گئے۔

کونے والی میز پر بیٹھ کر اُس نے چائے کا آرڈر دے دیا۔ یہ بہت پُرسکون جگہ تھی۔ ہم اکیلے بیٹھے تھے۔ اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں سے بھی قدرے دور تھے۔ ہوا میں کچھ خنکی آ گئی تھی۔ نیمی نے سگریٹ سلگا لیا اور میں میز پر رکھے ہوئے گلدان میں سے ایک پھول نکال کر اُس کی پتیاں نوچنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔ نیمی نے یہ مشکل بھی آسان کر دی۔

"اچھا تو شازی! اب سناؤ اپنی کہانیاں۔ سارے تم آج بھی اکیلی ہو۔ کوئی مجنوں نہیں۔ کوئی فرہاد نہیں؟" اُس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا۔

"نیمی! برسوں بعد ملے ہو آج تو سنجیدگی سے بات کرو۔" میری آواز رُندھ گئی اور آنکھوں میں اپنے آپ آنسو آ گئے۔

"اوہ ونڈرفُل! ایکسیلنٹ! تم تو آج بھی وہی ہو۔ بالکل وہی! میں نے تو سُنا تھا تم گریجویٹ ہو گئی ہو۔ تم نے بی۔ ٹی کر لی ہے۔ اور اب ایک ذمہ دار اسکول مسٹریس ہو۔ لیکن تم تو وہی بات بات پہ رو پڑنے والی شازی ہو۔"

"ہاں نیمی! میں نے ڈگریاں اکٹھی کر لی ہیں۔ رُتبہ پایا ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے اپنے سینے میں کوئی بہت بڑا زخم چھپا رکھا ہے۔ کوئی بہت بڑا روگ پال رکھا ہے۔ نیمی میں خود بھی نہیں جانتی کہ وہ کیا ہے؟"

"اچھا ڈائیلاگ ہے!" اُس نے سگریٹ کے ننھے ٹکڑے سے دوسرا سگریٹ سُلگا کر اُسے ایش ٹرے میں پھینک دیا۔ "ہاں یہ بھی بتا دو تمہارے کس افسانے میں بولے تھے ہیروئن نے یہ ڈائلاگ؟"

اُس نے سگریٹ کا بہت سا دُھواں میرے چہرے پہ بکھیر دیا۔ میں جھلائی اور پاؤں پٹخ کر کھڑی ہو گئی۔

"نیمی تم ڈھنگ سے بات نہیں کرو گے۔ میں جاتی ہوں۔" میں نے میز پر سے "بیسویں صدی" اور دوسری چیزیں اُٹھا لیں۔

"اوہ مِس شہزانہ حمید صاحبہ ذرا رُکئے۔ ابھی آپ کی کوئی اسٹوڈنٹ دیکھ لے تو کیا کہے؟ دیکھئے قسم کھاتا ہوں اب کچھ نہیں کہوں گا۔" اُس نے کہا

شکل بنا کے کہا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اور میں پھر بیٹھ گئی۔ میرا جانے کب جانے رکا ہوا غم گیا تھا۔ میں نے دو پیالیاں بنا کے ایک نیمی کی طرف بڑھا دی۔ چائے کی پیالیوں میں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ نیمی دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا۔ کچھ کھویا کھویا سا، کچھ چپ چپ سا۔ ہال میں پلیٹوں، چمچوں، پیالیوں کے ٹکرانے سے جلترنگ سا بج رہا تھا۔ اور میرے ذہن میں یادوں کی اونچی اونچی لہریں شور مچا رہی تھیں۔ یہ لہریں جانے کیوں وقت بے وقت گھیر لیتی ہیں؟ کہ انسان کو اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔ نیمی بھی شاید اُن ہی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔

نیمی میرا بچپن کا دوست ہے۔ ہمارے گھر بالکل ساتھ ساتھ تھے۔ درمیان میں ایک اونچی سی دیوار تھی جسے ہم نے کاغذی دیوار سمجھ رکھا تھا۔ اُن کے مکان کا دروازہ گلی میں کھلتا تھا۔ اور ہمارا سڑک پر۔ لیکن دروازوں کا یہ فرق کبھی کوئی فاصلہ پیدا نہ کر سکا۔ اِس لئے دن بھر وہ اودھم مچایا جاتا تھا کہ آج برسوں بعد بھی یاد کرتی ہوں تو دل میں ہوک سی اٹھتی ہے۔ نیمی نے کہاں اُن باتوں کو یاد رکھا ہوگا۔ وہ تو شروع ہی سے بہت بے پروا تھا۔ اپنے آس پاس سے، اپنے آپ سے بیگانہ! شاید اِس لئے کہ اُس کے اپنے گھر نے اُسے اپنا نہ سمجھا تھا۔ ماں سوتیلی تھی۔ دن بھر ڈانٹتی رہتی تھی۔ ذرا گھر جاتا تو گالیاں، کوسنے، تھپڑ کیا کیا نہ ملتا۔ اِسی ڈر سے وہ زیادہ وقت گھر سے باہر سڑک کے پار باغ میں گزارا کرتا تھا۔ شہتوت اور جامن کے درختوں تلے جہاں ہم چھپن چھوت کھیلا کرتے تھے۔ اور جہاں میرے لئے جامن توڑتے ہوئے ایک بار نیمی کو پیشانی کا یہ گہرا زخم ملا تھا۔ وقت کا کیا ہے، وہ تو سدا چلتا ہی رہتا ہے۔ بھلا اُس نے کبھی کسی کا ساتھ دیا ہے لیکن جو کچھ وہ ہماری جھولی میں ڈال دیتا ہے اُسے ہم جنم جنم تک سینے سے لگائے رہتے ہیں۔ اِسی لئے تو آج میں دامن پھیلا کے ایک ایک یاد کو غور سے دیکھنے لگی ہوں۔

میں آٹھویں میں پاس ہوئی تھی اور نیمی نے میٹرک کیا تھا۔ ہم دونوں کتنے خوش تھے۔ نیمی نے باغ میں وہ ننھا سا گلاب کا پھول میرے بالوں میں لگا کر کہا تھا "شازی! میں تمھیں کوئی ایسی چیز نہیں دے سکتا جو پیسوں سے ملتی ہو۔ اِس لئے یہی لے لو" اور میں اِتنی چھوٹی تھی پھر بھی اُس کا ہاتھ پکڑ کے کہا تھا۔

"نیمی! خریدی ہوئی چیزیں تو کم بھی ہو جایا کرتی ہیں لیکن سچی خوشی تو وہی ہے جو بے قیمت ملے۔ مجھے آج بڑی خوشی ملی ہے"

ہم دونوں تیز تیز چلتے ہوئے گھر جا رہے تھے۔ ہم جلد سے جلد گھر پہنچ کر یہ خوش خبری سنانا چاہتے تھے۔ لیکن کاش ہم اُس دن نہ آتے۔ کہیں راستے

آنکھیں

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانہ ہے — **جگر**

چشم و ابرو کا حسن کیا کہیے
جامِ مے زیبِ طاق ہے گویا — **عزیز**

حسرت آنکھوں میں ہے لب خاموش ہے
شیوۂ عرضِ تمنا دیکھیے — **وحشت**

میری آنکھوں میں جو آنسو ہے سمجھ لے کیا ہوں
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہہ جائے تو دریا ہے — **فانی**

آنکھوں میں کچھ نمی سی ہے ماضی کی یادگار
گزرا تھا اِس مقام سے اِک کارواں کبھی — **آنند نرائن ملا**

مرسلہ: شگفتہ مایا سیفی

میں بھٹک جاتے۔ راہ بھول جاتے۔ نیمی کے گھر کے باہر بڑی سی بھیڑ لگی تھی۔ اُس کے ڈیڈی کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ اور گھر میں چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ نیمی آگے نہیں گیا۔ ہمارے گھر کے پاس ہی رُک گیا۔

"نیمی جاتے کیوں نہیں؟" میں پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"شازی! ڈیڈی زندہ تھے تو اُنھوں نے مجھے کیا دیا تھا جو اِس وقت

جا کے اُس کے سامنے جھولی پھیلا دیں۔"

نیمی کی آنکھ میں ایک بھی آنسو نہ تھا۔ اُس کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا اور اُس نے اپنے ہونٹوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر رکھا تھا۔ بس اُس دن کے بعد نیمی ایسا کرخت ہو گیا تھا کہ کبھی ڈھنگ سے بات بھی نہ کرتا تھا۔

اُس کے ڈیڈی ساری جائداد دوسری بیوی اور بچوں کے نام کر گئے تھے۔ نیمی کو تو یوں بھلا دیا تھا جیسے دنیا میں اُس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ نیمی اِس بات کو بھی چپ چاپ سہہ گیا تھا۔ اُس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ دن بھر آوارہ گردی کرتا رہتا۔ اور رات کو کسی قہوہ خانے میں بیٹھ کر جُوا کھیلا کرتا تھا۔ کبھی بھولے سے اِدھر آ نکلتا تو ماں جی اُسے بٹھا کر پیار سے سمجھایا کرتی تھیں۔

"نعیم بیٹے! دیکھو تم سب سے بڑے ہو۔ تم ماں کا ساتھ نہ دو گے تو وہ اتنا بوجھ کیسے اٹھا سکے گی؟"

"ماں جی!" اُس کے ہونٹ کانپنے لگتے۔ "ماں جی! اُس نے میرے بازوؤں میں اِتنی طاقت کہاں چھوڑی ہے کہ میں کوئی بوجھ اُٹھا سکوں۔ ماں جی! یہی بہت ہے کہ میں اپنا بوجھ سہار لوں۔"

میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگتی۔ اُس پاگل لڑکے کو کیسے سمجھاتی؟ کہ زندگی کے اس سفر میں ابھی نہ جانے کیسے کیسے بوجھ اُٹھانے پڑیں۔ تم نے تو ابھی حوصلہ ہار دیا ہے۔ لیکن میں اُس سے کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی۔

میں نے میٹرک پاس کر کے کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ ایک دن کالج سے لوٹ رہی تھی کہ راستے میں نیمی مل گیا۔ وہی بوسیدہ سا لباس، بڑھی ہوئی شیو، بکھرے ہوئے بال۔ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ کترا کے نکل جاؤں۔

لیکن اُس نے میرا راستہ روک لیا۔

"شازی اچھی بات ہے کہ تم مجھ سے آگے قدم بڑھا رہی ہو۔"

"نیمی تم بھی کچھ کر لو نا!"

"کس کے لئے؟" اُس نے خود مجھی سے سوال کر دیا تھا۔ میرے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُس نے میرے جواب کا انتظار نہ کیا اور مجھے حیران چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں کتنے ہی دن اِس سوال کا جواب ڈھونڈتی رہی۔ جب ذہن نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں نے خود کو پڑھائی میں گم کر دیا۔

انھیں دنوں بھیا کا تبادلہ لاہور ہو گیا۔ اور مجھے بھی لاہور آنا پڑا۔ لاہور مجھے بہت پسند ہے۔ اِس پسند کا تجزیہ تو میں کبھی نہ کر سکی لیکن اتنا جانتی ہوں کہ لاہور کا نام سُن کر کوئی انجانی سی خوشی ضرور ہوتی تھی۔ یہاں آ کر میری صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع ملا۔ اور میں کچھ ہی دنوں میں بہت آگے بڑھ گئی۔ میرے ذہن میں جو طوفان اُٹھا کرتا تھا اُسے میں نے کاغذ پہ بہانا شروع کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں میں نے قلم کا سہارا لے لیا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ زندگی نے مجھے کوئی زخم نہیں دیا تھا۔ پھر بھی میری کہانیوں میں جانے کیسے زخم تھے کیسی پیاس تھی کہ میں خود بھی کبھی گھبرا جایا کرتی تھی۔ اُس انجانے کرب اور پیاس کی وجہ سے ایک اُداسی نے دل میں گھر کر لیا تھا اور اِس اُداسی سے بچنے کی غرض سے میں کالج کے ہر فنکشن میں حصہ لیا کرتی تھی۔ ڈبیٹ ہو پکنک ہو۔ ڈرامہ ہو میں سب میں آگے آگے ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ روح کی پیاس ڈرامے میں پیاسی لڑکی کا کردار میں نے کچھ اِس طرح ڈوب کر ادا کیا تھا کہ بہت دنوں تک اُس کے چرچے ہوتے رہے تھے۔ اور مجھے فرسٹ پرائز بھی ملا تھا۔ لڑکیاں اور پروفیسروں کے علاوہ کالج کے لڑکوں نے بھی میری خوب خوب تعریفیں کی تھیں اور ہر لڑکے کا یہی جی چاہتا تھا کہ وہ گھنٹوں اُس رول کے بارے میں باتیں کرتا رہے۔ اور میں بھی اُن دنوں کبھی طارق کے ساتھ ہوتی کبھی اطہر کے ساتھ گھومتی اور کبھی راشد کے۔ اور راوی کے کنارے سورج ڈوبنے کا منظر دیکھا کرتی۔ میں خود بھی اُن دنوں نہیں جانتی تھی کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ مجھے کس کی تلاش ہے۔ وہ لمحے کتنے جانگسل ہوتے ہیں جب انسان خود اپنے کو نہ سمجھ سکے اپنی تھاہ نہ پا سکے!

"شازی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

اور میں ساری لہروں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اُسی شیزان ہوٹل میں لوٹ آئی جہاں نیمی کی انگلیوں میں سگریٹ ہولے ہولے سُلگ رہا تھا۔ دھوئیں کی ایک

...کیسی ... ہو رہی تھی۔ باہر اس کی شرٹ ... جل چکی تھیں اور نیمی گہری نظروں سے
... رہا تھا۔

"نہیں، میں ذرا ..."

میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"کس کی بات سوچنے لگ گئی ہو ہماری نامور افسانہ نگار کی افسانہ نگار امرت

میں بہت اور ڈائیلاگ ڈھونڈتی ہو؟ چائے پی لو ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

میں پیالی کو ہونٹوں سے لگائے سوچنے لگی۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں

کیوں اپنے آپ کو بھول رہی ہوں؟ مجھے جذباتی لڑکیوں کی طرح خیالوں میں کھو

جانا کہاں ہوا لگتا ہے۔ نیمی اتنے سالوں بعد ملا ہے۔ میں نے اس سے کچھ بھی نہیں

پوچھا۔ اپنے ہی دل کے سمندر کی لہروں کو گن رہی ہوں۔ لیکن نہ چاہتے ہوئے

بھی ایک اونچی لہر مجھے بہا لے گئی۔

اُس دن موسم بہت پیارا تھا۔

بہار کے ابتدائی دن تھے!

میں راوی کے کنارے انجم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ انجم سے میری ملاقات ایک

مشاعرے میں ہوئی تھی۔ وہ کیا لکھتا ہے؟ خود کیسا ہے؟ میں نے اس کے بارے

میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے اُس کی ایک غزل اتنی پسند آئی تھی کہ میں نے پہروں

اُسے گنگنایا تھا۔ پہروں اُس کے ایک ایک لفظ، ایک ایک شعر میں جھانک کے

دیکھا تھا۔ اور اسی ایک غزل کی وجہ سے میں نے اُسے بہت بڑا شاعر مان لیا۔

اُس وقت سورج کی ساری سُرخی راوی کے شفاف پانی میں گھل مل گئی تھی۔ اور

شام دبے پاؤں دھرتی پر اتر رہی تھی۔ میں نے شعروں میں سے چاہتیں نکالتے

ہوئے انجم کو دیکھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ وجیہہ اور پُر وقار معلوم ہو رہا تھا

سرمئی رنگ کا سوٹ پہنے تھا۔ اُس کے گھنگھریلے بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر

آ گئی تھی۔ اور وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں سارا پیار سمیٹے مجھے دیکھ رہا تھا

میں نے اپنے دل کو بہت ٹٹولا کہیں انجم کے لئے پیار ہے، چاہت ہے؟

اُس کا ساتھ دینے کی کوئی تمنا ہے؟ لیکن میرا دل تو یوں چُپ تھا جیسے سدا یونہی

چُپ رہے گا۔ یہ میرا دل کس کے لئے دھڑکے گا۔ میں کھو سی گئی اور اُسی وقت

نہ جانے کہاں سے نیمی آ گیا۔ اُس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ بے ڈھنگا سا لباس

جسم پہ تھا۔ وہ بہت سا ... چلا آیا۔

"شازی کیسی ہو؟"

"میں ... میں ..."

میری زبان نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ میں آگے ... کر ... گئی۔

"مس شہزادہ کون ہیں یہ؟" انجم نے پوچھا۔

اور میں بمشکل خود کو سنبھال سکی۔

"یہ نعیم ہیں۔ ہمارے محلے میں رہا کرتے تھے۔"

جانے میں نے کیوں اور کیسے الفاظ کہہ دیئے تھے۔ مجھے خود اپنی آواز

بہت اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔

نیمی نے آنکھ اُٹھا کے ایک نظر مجھے دیکھا۔ سگریٹ کا ایک طویل کش

لیا۔ "شازی میں جانتا تھا۔ زندگی میں ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب اپنے مجھ کو

پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ میں تو خود اپنے کو

نہیں پہچان سکا۔ تم کہاں پہچان سکو گی؟ ہاں آشنا یا درکھنا کہ نہ جانے ہم کب اور

کہاں برف کی طرح ٹھنڈے ہو جائیں۔ اس لئے ... اس لئے ..."

اُس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ اور چلا گیا۔ میں اُداس

ہو گئی۔ شام کے اندھیرے میری روح میں اُتر آئے اور مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے

میرا وجود ابھی، اسی وقت برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ اُس دن جانے کی آگ

بھی میرے جسم میں گرمی پیدا نہ کر سکی۔ اُف! میں نے کیا کہہ دیا تھا۔ وہ تو میرے

بچپن کا دوست تھا۔ لیکن میں اُسے کیسے اپنا کہہ دیتی۔ آخر وہ کیوں ڈھنگ

سے زندگی نہیں گزارتا۔ اپنے آپ کو آگے نہیں بڑھاتا۔ کون ہے جو رُک رُک

کر اُس کا انتظار کرے، میں نے خود کو تسلی دی۔

اُس دن کے بعد وہ آج مجھے ملا تھا۔ آج جب میں نے بی۔ اے کرنے

کے بعد بی۔ ٹی بھی کر لی تھی۔ اور سمن آباد کے ایک اسکول میں ہیڈ مسٹریس تھی

میں جو بچوں کو روشنی دکھاتی تھی خود اپنے راستے میں ایک کرن بھی نہ بکھیر سکی۔ میں

جو بچوں کے ننھے ذہنوں میں سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں بیدار کرتی تھی اپنے

من دل کی بات نہ سمجھ پائی۔ اسی لئے زندگی کی ان راہوں پر میں آج بھی اکیلی

اور تنہا قدم آگے بڑھا رہی تھی۔



لمبے سفر اور راستے میں انگلیاں جل گئیں ...
برنال
تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ برنال لگائیے یہ بہت جلد آرام دیگا اور زخم کو بھی بسُرعت بھریگا۔ برنال کٹی ہوئی جگہوں، جل جانے، کیڑے کوڑوں کے کاٹ لینے اور رگڑ سے چھل جانے پر لگانے کا بے نظیر پیپ روک مرہم ہے۔ اچانک حادثات میں بروقت کام دیتا ہے۔ برنال کا ایک ٹیوب اپنے ساتھ رکھئے ممکن ہے آپ کو اس کی ضرورت پڑ جائے۔
بے نظیر پیپ روک مرہم
جس کی شہرت کو بیس برس سے اوپر ہو چکے ہیں
کا ایک اعلےٰ درجے کا مال
فینکس اور گرافیکس کے بنانے والے
مفت - برنال کے ہر ٹیوب کے خریدار کو ایک خوشنما "فٹ رول" مفت دیا جاتا ہے۔

مُلک کے مایۂ ناز ادیبوں کے لکھے ہوئے نئے شاہکار ناول

جنہیں ادارۂ بیسویں صدی نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے

- جب سائنس کے کمال کی بدولت چاند، مریخ اور دوسرے سیاروں تک پہنچنا بچوں کا کھیل ہو جائے گا۔
- جب مرد نہ صرف عورت بلکہ ماں بنکر اولاد کی پرورش کریں گے۔
- جب پورا نظامِ زندگی حُسن و شباب اور مستی و رعنائی کے زیرِ نگیں ہو جائے گا۔
- جب عورت مرد کے پنجۂ اقتدار سے آزاد ہو کر معاشرے پر چھا جائے گی۔

اُردو ادب میں ایک انوکھا تجربہ۔ حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ایک دل فریب ناول

فریدہ موہنی (ناول)

حقیقت اور طنز سے بھر پور عورتوں کے اُس دیس کی کہانی جہاں مرد کا تصور بھی ایک جرم تھا۔

صدیوں بعد کی فضاؤں میں لکھی ہوئی عجیب و غریب داستان جو اوّل سے آخر تک دلچسپیوں اور حیرت آفرینیوں سے بھر پور ہے۔ جناب کوثر چاند پوری کا لکھا ہوا بیحد شوخ دلچسپ ناول جو قاری کو کئی صدی آگے کی فضا میں پرواز کراتا ہے۔ اور نئی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھتا ہے۔ انتہائی دلکش اور شگفتہ اندازِ نگارش۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، بہترین کاغذ، دیدہ زیب سرورق گرد پوش۔ قیمت فی جلد محض تین روپے۔

نئے فرہاد

جناب پروفیسر شکیل الرحمٰن ایم۔اے کا اچھوتا شاہکار ناول

ایک بڑی شوگر فیکٹری کے منیجر کی ہوسناکیوں اور حُسن پرستیوں کی بھیانک تصویر۔ جس نے بہارِ حُسن و شباب کو خوش آمدید کہتی ہوئی نازک اور معصوم کلیوں کو سُنہری، روپہلی سکوں کی جھنکار کے بل پر رقص و نغمہ اور شراب و شعر کے طوفان میں غرق کر کے گناہ پر مجبور کر دیا۔ ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی المناک داستان۔ محنت و زر کی کشاکش کے اسٹیج پر لکھی ہوئی ایک انتہائی دل چسپ کہانی جو آپ کے دل و دماغ پر چھا جائے گی شکیل الرحمٰن کے اسٹائل میں انکی انفرادیت کی جاذبیت ہے حُسن ہے، زور ہے، جوش اور شگفتگی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک تیز اور شفاف چشمہ بہہ رہا ہے اور اُس کا بہاؤ ہمیں اپنے ساتھ بہا لے جائے گا بہترین کتابت طباعت عمدہ کاغذ دیدہ زیب گرد پوش کور۔ قیمت فی جلد صرف چار روپے

فرانس کے عظیم ترین ناول نگار اسپیچ پریوسٹ کا غیر فانی شاہکار

راہیں شباب کی

- جس کا ترجمہ دُنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔
- جس کی دس کروڑ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔
- جسے عشق و محبت کی بے نظیر داستان تسلیم کیا جاتا ہے۔
- جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ "بیسویں صدی" نے شائع کیا ہے۔
- جس کی اشاعت پر پیرس کے رنگین ماحول میں ایک زلزلہ آ گیا۔
- جسے نوخیز لڑکیاں ہی نہیں بُوڑھے بھی حاصل کرنے کیلئے بے قرار رہتے ہیں

عشق و محبت کا جاوداں افسانہ جس کے سامنے وامق و عذرا، لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد کے قصّے بھی پھیکے ہیں۔ اِس ناول کی ہیروئن قلوپطرہ اور سلمیٰ سے بھی زیادہ حسین اور عظیم ہے مترجمہ جناب مخمور جالندھری۔ نظر فریب کتابت و طباعت، بہت عمدہ کاغذ، قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

یادوں کے کھنڈر

جناب ٹھاکر پونچھی کا ایک بے حد دلچسپ نیا رومانی ناول

جس میں آج معصوم محبتوں ، تمناؤں اور سپنوں کی حسین داستانیں بیان کی گئی ہیں جنھوں نے اپنے کمسن خیالوں میں محبت کے حسین محل تعمیر کئے لیکن حقیقی زندگی میں صرف یادوں کے تاریک کھنڈر ہی نصیب ہوئے۔ یادوں کے کھنڈر کے درد ناک قہقہے، سسکتی ڈوبتی آہیں، ناموش پلکوں پر منجمد آنسو، آج کے معاشرے کے وہ گھناؤنے نقوش اُجاگر کرتے ہیں جو محبت کی موت ہیں، اور زندگی کے قاتل۔ ایک ایک سطر میں جذبات اور آرزوؤں کا حسین طوفان مچل رہا ہے فاضل مصنف نے دل کی دھڑکنوں کو ایسے دلکش انداز سے اُبھارا ہے کہ قلبی نزاکت اور خلوص و محبت کی تصویر نگاہوں کے سامنے کھنچ گئی ہے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، دہلی

رات کو جب ماں جی میرے کمرے میں دودھ لے کر آتیں تو اُن کی زبان پر ہمیشہ یہی ہوتا "شہزادی بیٹی! یہ بوڑھی جان کب تک تیرا ساتھ دے سکے گی میں تو چاہتی ہوں جیتے جی تیرا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے جاؤں کہ بیٹیاں اپنے ہی گھروں میں بھلی لگتی ہیں" میں اُن کے کانپتے ہاتھوں سے گلاس لے کر میز پر رکھ دیتی اور پھر اپنی باہیں بڑے پیار سے اُن کی گردن میں ڈال دیتی۔ "ماں جی! مجھے کسی گھر بکسی جانے کی ضرورت نہیں۔ ماں جی میں یہاں بہت خوش ہوں!" ماں جی کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ اور وہ میری باہیں آہستہ سے الگ کر دیتیں۔ "تو تو پاگل ہے۔ تو کہاں ممتا کی لذت محسوس کر پائے گی!" وہ لوٹنے لگتیں تو میری میز پر ڈھیر سارے کاغذات دیکھ کر بھڑک اُٹھتیں "میں کہتی ہوں شہزادی نہ لکھا کر یہ اُلٹی سیدھی کہانیاں۔ جانے کیا لکھتی رہتی ہے۔ اپنی جان کو یہ روگ لگا لیا ہے۔ نہ لڑکیوں کی طرح ہنستی ہے نہ قہقہے لگاتی ہے۔ نہ شوخیاں کرتی ہے۔ شہزادی میں کہتی ہوں آگ لگا دوں گی کسی دن تیرے اِن کاغذوں کو!"

میں جانتی ہوں ماں جی کا غصہ پانی کے اُس بلبلے کی طرح ہوتا ہے جو پل بھر میں ٹوٹ جاتا ہے۔ اِس لئے میں جلدی سے اُن کے گلے میں باہیں ڈال دیتی۔

"سچ ماں جی! اب کوئی کہانی نہیں لکھوں گی۔ آپ سو جائیے اب۔ دیکھئے رات کتنی ہو گئی ہے۔"

ماں جی کو اُن کے کمرے میں چھوڑ کر آتی تو ایک لمبی آہ بھر کر اور لائٹ آف کر کے ٹیبل لیمپ جلا لیتی کہ کہیں بھائی اور بھیا کی نظر نہ پڑ جائے۔ اور پھر رات کے اُس گہرے سناٹے میں بیٹھ کر کسی ایسی لڑکی کی کہانی لکھنے لگتی جو ہاتھوں میں مہندی رچائے۔ بھڑک دار کپڑے پہنے، بھاری بھاری زیوروں سے سجی، گھونگھٹ نکالے پی کے گھر چل دیتی ہے۔ لیکن جس کی روح میں جنم جنم کی پیاس، موت کے سے سناٹے اور رات کی سی تاریکیاں ہیں۔

ہائے میں کتنا کچھ سوچ گئی تھی۔

نیمی نے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پُشت پر ٹکا دیا تھا۔ اور چائے کی دونوں پیالیاں برف کی طرح ٹھنڈی ہو چکی تھیں۔

میں نے متاسف ہو کر بیرے کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

"نیمی!" میں نے آہستہ سے پکارا۔

نیمی نے اپنا سر اُٹھایا۔ نیا سگریٹ سُلگا کے کہنیاں میز پر ٹکا دیں۔

"شازی! تم نے پھر کوئی نئی بات نہیں سُنائی۔ کچھ تو کہو۔ یوں چُپ بیٹھی ہو۔"

اُس نے دھوئیں کے مرغولے بکھیرتے ہوئے کہا۔

"نیمی! نئی بات؟ میرا دل تو پُرانی ہی باتیں نہیں سمجھ سکا۔ نئی کہاں سے سناؤں؟ نیمی! کتنے دُکھ کی بات ہے نا! دوسروں کے دلوں کی زبان سمجھنے والی خود اپنے ہی دل کی بات نہیں سمجھ سکی" میری آواز میں کتنا درد اُمڈ آیا تھا۔

"شازی! میری بھی کچھ ایسی ہی حالت ہے۔ جانے کیوں کبھی کبھی انسان خود اپنے کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اپنی ہی کھوج میں بھٹکتا رہتا ہے۔ ہر نئی راہ کی طرف یوں لپکتا ہے جیسے اپنے آپ کو پا لے گا۔ لیکن قریب جانے پر پتہ چلتا ہے کہ ابھی اور آگے جانا ہے۔"

نیمی جانے کب تک باتیں کرتا رہا۔

کیا کیا کہتا رہا۔

میں اتنا جانتی ہوں جب ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو ہم دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں کچھ پا لینے کی چمک تھی۔ اور دل اِس طرح دھڑک رہے تھے جیسے ہم نے صدیوں بعد اُن کی زبان کو سمجھ لیا ہو۔ اور ہمارے دونوں سائے ساتھ ساتھ یوں اپنائیت کے ہوسٹل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جیسے اُسے بھی کوئی نئی بات سُنانا چاہتے ہوں!

●●

غزلیں

[illegible] صدیقی ایم اے

سخن وروں کی زباں میں حق گوئی کی جرأت ہے
نہیں شکستگیِ عشق سے انساں کی عظمت ہے

نہ کہہ کہ چپ وہ کس نے صفا دی چمنِ گلشن میں
صبا بیتاب سی ہے غنچہ غنچہ محوِ حیرت ہے

مٹایا فرق کفر و دیں حقیقت آشنائی نے
نہیں ہے دیر و حرم سے نہ اب کعبے سے نسبت ہے

تمنا ہے کہ دیکھیں اک جھلک اُس حسنِ تاباں کی
درخشاں جس کے جلووں سے جمالِ روئے فطرت ہے

نظر میں کر سما جائے مری چشمِ تحیر میں
ترا سحر آفریں جلوہ مجھے اتنی سی حسرت ہے

قناعت حسنِ فانی پر نہ کر اے طالبِ جلوہ
کہ تیری جستجو میں خود ازل سے حسنِ فطرت ہے

غنیمت ہے کہ جیتے جی کہیں کچھ ذکر ہے اپنا
کہ بعد از مرگ اے صابر کسے رونے کی فرصت ہے

[illegible]

منشاء الرحمٰن منشاء ایم۔ اے

یہاں تو یوسف سے حسیں اور جواں تھے پہلے
آپ سے لوگ زمانے میں کہاں تھے پہلے

روزِ اول سے ہیں ہم سوختہ دل کشتۂ غم
آج جیسے ہیں یونہی شعلہ بجاں تھے پہلے

عشق نے کھول دیئے ہم پہ وہ اسرارِ حیات
جو زمانے کی نگاہوں سے نہاں تھے پہلے

آخر آنا ہی پڑا لوٹ کے تیری جانب
قافلے دل کے بہر سمت رواں تھے پہلے

اُن بہاروں کو عجب رنگ میں پایا ہم نے
جن سے وابستہ حسیں وہم و گماں تھے پہلے

وہ سیہ بخت یہاں محوِ فغاں آج بھی ہیں
جو سیہ بخت یہاں محوِ فغاں تھے پہلے

مرحلے عشق کے آسان سمجھ بیٹھے تھے
منشا ہم لوگ بھی کیا سادہ گماں تھے پہلے

اختر [illegible] آبادی

لالہ و گل کے سہاروں کی ضرورت کیا ہے
جب نہیں تم تو بہاروں کی ضرورت کیا ہے

دل تو غم ہی سے بہل جاتا ہے تنہائی میں
حسنِ دنیا کے نظاروں کی ضرورت کیا ہے

جب چمن ہی نہیں اپنا تو نشیمن کیوں ہو
چار تنکوں کے سہارے کی ضرورت کیا ہے

کم نہیں داغِ جگر اپنے درخشانی میں
چرخ پہ چاند ستاروں کی ضرورت کیا ہے

جب ترے غم کے سہارے بھی گزر سکتی ہے
پھر مجھے تیرے سہاروں کی ضرورت کیا ہے

تجھ سے جب میرا سفینہ ہی بچایا نہ گیا
دوست اب ساحل سے اشاروں کی ضرورت کیا ہے

زندگی کی جسے خواہش ہی نہ ہو اے اختر
اُس کو طوفاں میں کناروں کی ضرورت کیا ہے

آل انڈیا ہسٹری کانفرنس

فکر تونسوی

آل انڈیا ہسٹری کانفرنس کی رسمِ افتتاح شری گردھاری کھنڈو بھائی سابق وزیر تیل نے ادا کی۔ اس موقع پر تقریر کرنے کی بجائے انھوں نے وہ سرکلر پڑھ دیا جو کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں مورخین کو ارسال کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر مندرجہ ذیل فقرہ پر ختم کی۔

"چنانچہ حضرات مندوبین اب وہ وقت قریب آپہنچا ہے جب ہمیں اپنے اتہاس پر سنجیدگی سے غور کرنا ہے کہ ہمارا اتہاس کیا ہے۔ کیوں ہے۔ اور کہاں ہے؟"

تقریر ختم ہوتے ہی ایک ڈیلی گیٹ اٹھ کھڑا ہوا اور شاید اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اب اتہاس پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وقت آگیا ہے؟"

کنوینر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ایک کوے کے ذریعے!"

اس پر ساری کانفرنس میں ایک [illegible] ناراض ہوکر واک آؤٹ کرگیا۔

کانفرنس ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ہونی تھی لیکن ایک ہندو مورخ نے اعتراض اٹھایا کہ کانفرنس اشوک کی لاٹ پر ہونی چاہئے۔ اور جب ووٹ لئے گئے تو دونوں کے حق میں برابر ووٹ نکلے۔ چنانچہ کاسٹنگ ووٹ کے ذریعے فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس احاطہ بلاقی شاہ میں منعقد کی جائے کیونکہ احاطہ بلاقی شاہ کی ایک تاریخی اہمیت بھی تھی کہ وہاں کسی زمانے میں خچروں اور گھوڑوں کے غیر ملکی سوداگر آکر ٹھہرا کرتے تھے اور بلاقی شاہ کو کمیشن ادا کیا کرتے تھے

پہلے خیال تھا کہ صدر کسی مورخ کو بنایا جائے لیکن صدارت کے لئے اتنی زیادہ عرضیاں آگئیں کہ کسی مورخ کے صدر بننے کا چانس قریب قریب ختم ہوگیا۔ آخر ایک ایسے شخص کو صدر بنایا گیا جس نے ایک کروڑ روپے کی لاگت سے ایک تاریخی مندر تعمیر کرایا تھا۔ کہا گیا ہے کہ مندروں کی تاریخ میں اتنا مہنگا مندر آج تک کسی نے نہیں بنایا۔

کانفرنس میں ساڑھے پانچ سو ڈیلی گیٹ تشریف لائے۔ ان میں امامِ مسجد سے لے کر آئرن مرچنٹ اور ایک کلاسیکل رقاصہ تک سب مورخ شامل ہوئے۔ ایک اسپیشل ڈیلی گیٹ کو اعزازی طور پر شمولیت کی دعوت دی گئی جس کے والدِ محترم نے ایک تاریخی کتاب قلم بند کی تھی۔ اس ڈیلی گیٹ نے اپنی بیش بہا معلومات کے ذریعے بتایا کہ اُن کے والد محترم کے ناشتے میں کون کون سی چیزیں شامل ہوتی تھیں اور وہ کس قسم کی ورزش پسند کرتے تھے۔ جب اس ڈیلی گیٹ نے یہ انکشاف کیا کہ میرے والد صاحب قبلہ کے دانت اتنے مضبوط تھے کہ وہ مرتے دم تک کاٹھا بادام توڑ لیا کرتے تھے تو احاطہ بلاقی شاہ تالیوں سے گونج اٹھا

جناب صدر شری [illegible] رام کا خطبۂ صدارت بے حد عالمانہ تھا اگرچہ خطبہ پڑھتے وقت وہ کئی اردو الفاظ کے تلفظ میں غلطیاں کرجاتے تھے۔ لیکن بعد میں اسٹیج سکریٹری نے اعلان کیا کہ صاحبِ صدر کا گلا خراب تھا۔ اس لئے وہ صحیح تلفظ ادا نہ کرسکے۔ خطبۂ صدارت انتہائی صبر و تحمل سے سنا گیا۔ کسی نے چوں تک نہ کی۔

کانفرنس کے سامنے سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ ہندوستان کی تاریخ کب سے شروع کی جائے۔ اس پر مندوبین میں دو مختلف رائیں تھیں۔

کچھ لوگ کہتے تھے کہ جب انسان نے ہندوستان میں قدم رکھا تاریخ شروع ہو گئی۔ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ انسان سے پہلے یہاں بندر رہتے تھے۔ اس لئے تاریخ ہند بندروں سے شروع کرنی چاہئے۔

ایک بوڑھے مورّخ نے پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا کہ تاریخ ہند انسان اور بندر دونوں کے متعلق ایک کروڑ سال سے اندھیرے میں ہے۔ اس لئے اس سوال پر بحث ملتوی کی جائے۔

ایک اور مورّخ جو پہلے سے ذرا کم بوڑھا تھا، بول اٹھا۔

"ایک کروڑ سال غلط ہے۔ میرے حساب سے اٹھاسی لاکھ سال سے

- مریض کا باپ کوئی ہو، خراب غذا اُس کی ماں ضرور ہوتی ہے؛ (جارج ہربرٹ)
- جو شخص دوا کھاتا ہے لیکن غذا کا خیال نہیں رکھتا وہ اپنے معالج کی قابلیت کو خاک میں ملاتا ہے؛
- جسم کو کمزور اور مریض رکھنے سے بڑا کوئی گناہ نہیں؛ (لوک مانیہ تلک)
- جو شخص اپنی روٹی بانٹ کر کھاتا ہے اُسے بھوک کی بیماری کبھی پریشان نہیں کرتی؛ (تردو للودر)
- ہر دُکھ کسی مسرت کا باعث ہوتا ہے؛ (فارسی مقولہ)

تاریخ ہند اندھیرے میں ہے"۔ چنانچہ تاریخ کے اندھیرے پر بحث شروع ہو گئی۔ ایک حساب داں مورّخ نے بحث کو راہِ راست پر لاتے ہوئے کہا۔

"ایک چیتا لیجئے۔ چیتے کا موجودہ سائز وہ نہیں جو پہلے تھا۔ چنانچہ ہر ہزار برس کے بعد ایک سینٹی میٹر کا ہزارواں حصہ کم ہوتا رہا ہے۔ اس لئے اگر ہم چیتے کو تاریخ ہند کا ماخذ مان لیں تو ابتدائے آفرینش میں اس کا جسم ہاتھی اور سائز ایک فرلانگ ہوگا۔ اور اس حساب سے ہندوستان کی عمر دو کروڑ سولہ لاکھ سال بنتی ہے"۔

مندوبین ان اعداد و شمار پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ ایک ڈیلی گیٹ نے حیرت سے پوچھا: "اتنے بڑے چیتے کو چڑیا کیسے ہضم ہوتی ہوگی؟"

"اُس وقت کی چڑیا دیل مچھلی کے برابر تھی"

مورّخ مذکور نے جواب دیا۔

اس پر ڈیلی گیٹوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا یہ مبالغہ ہے۔ کسی نے کہا۔ پوری تاریخ عالم ایک مبالغہ ہے۔ ایک نے کہا کہ سائز اور حجم کے اس سوال کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان کا اپنا سائز بھی کتنا بڑا ہوگا۔ ایک آریہ سنتری نے کہا کہ شاستروں کی رُو سے ہندوستان کسی زمانہ میں واقعی اتنا بڑا تھا کہ سارا سنسار ہندوستان کے اندر تھا۔ لیکن وہ چڑیا اور چیتے کی طرح آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ ہندوستان کا راجہ چکرورتی کہلاتا تھا۔ اور اشومیدھ گھوڑا چھوڑتا تھا جو لندن اور ٹوکیو تک جاتا تھا۔ بنارس کے ایک ودّوان برہمن نے ایک شاستر کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ اشومیدھ گھوڑے کا سائز اتنا لمبا تھا کہ اگر اُس کی دُم لاہور میں ہوتی تھی تو سر قاہرہ میں ہوتا تھا۔ اس پر ایک مسلمان مورّخ نے بے نیازی سے کہا کہ قاہرہ میں اسلام کی حکومت سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا ہے اُس کے لئے مسلمان ذمّہ دار نہیں ہیں۔ لیکن اسلامی اقتدار کے بعد کوئی گھوڑا قاہرہ کا رُخ نہیں کر سکا۔

آخر دن بھر کی بحث و تمحیص کے بعد ایک کمیٹی قائم کی گئی اور اُس سے کہا گیا کہ وہ چیتے، چڑیا اور گھوڑے اور دوسرے ایسے تاریخی ماخذوں پر ریسرچ کر کے ہندوستانی تاریخ کے تاریک دور کی صحیح عمر کا اندازہ لگا کر رپورٹ پیش کرے۔

دوسرے سیشن میں تاریخ کے روشن عہد پر بحث ہوئی۔ ایک امر پر سب مورّخین متفق تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد کی تاریخ شجاعت سے بھری پڑی ہے۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد ہندوستان میں نہ ہوتے تو تاریخ اتنی عظیم اور شاندار نہ ہوتی۔ یہ فقرہ بار بار دہرایا گیا اور بار بار تالیاں بجائی گئیں۔ شجاعت اور عظمت کے سلسلے میں ایک مورّخ نے بتایا کہ ہمارے ہی آباؤ اجداد نے تمباکو دریافت کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج دُنیا کی تمام سیاسی طاقت تین بڑے بڑے تمباکو ڈیلروں کے ہاتھ میں ہے۔ آج دُنیا کا ہر ملک کا حکمران

بِن تمباکو ڈیلروں کی اجازت کے بغیر کسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ اگر آج تمباکو کی خرید و فروخت بند ہو جائے تو ہر حکومت کر بجٹ فیل ہو جائیں۔

ایک اور مورّخ نے بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمباکو حکومتیں بناتا بھی ہے بگاڑتا بھی ہے۔ مثلاً مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلا حُقّہ کا شائق تھا اِس لئے نادر شاہ درّانی نے اُسے حُقّہ پیتے پیتے گرفتار کر لیا۔"۔۔

"حُقّہ نہیں جُوتا کہیے" ایک اور مورّخ گرجا "تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ محمد شاہ کو جوتے نے گرفتار کرایا تھا۔"

چنانچہ کانفرنس میں شیم شیم کے نعرے لگائے گئے۔ اِس پر حقّہ والے مورّخ کو بھی طیش آ گیا۔ اُس نے غصّہ میں آ کر کہہ دیا۔

"نادر شاہ درّانی ترقی پسند تھا۔ کیونکہ اُس نے ایک گلے سڑے نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا اور نئی تاریخ کی بنیاد ڈالی۔" اِس پر محمد شاہ کے حامی چُپ نہ رہ سکے۔ اور بولے کہ مورّخ مذکور زر خرید معلوم ہوتا ہے۔ اِس کے آبا و اجداد نے نادر شاہ درّانی سے ضرور جاگیر حاصل کی ہوگی۔ نادر شاہ درّانی کے حامیوں نے جوابی الزام لگایا کہ نادر شاہ درّانی مورّخوں کا قدر دان تھا اور انھیں عزت اور روپیہ دونوں چیزیں دیا کرتا تھا۔ لیکن محمد شاہ رنگیلے کا یہ عالم تھا کہ وہ مورّخوں کو کئی کئی مہینے تنخواہ نہیں دیتا تھا۔

جب تاریخ ہند کے روشن عہد پر تاریخ کچھ تلخ ہو گئی تو اُسے والنٹیروں کی مدد سے بند کرنا پڑا۔ صاحبِ صدر کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ کسی مورّخ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ وہ جُوتے کو اہمیت دے یا تمباکو کو۔ محمد شاہ رنگیلا جوتا بھی استعمال کرتا تھا اور تمباکو بھی۔

کانفرنس کا تیسرا سیشن بہت گمبھیر اور گہرا تھا۔ اِس میں زیرِ بحث موضوع یہ تھا کہ مذہب اور کلچر کا ہماری تاریخ پر کیا اثر پڑا ہے۔

اِس موضوع پر ایک مورّخ جناب شام بہاری لال صاحب سابق ہیڈ ماسٹر نیشنل ہائی اسکول شام گڑھ، حال وزیرِ زراعت نے ایک زبردست مقالہ پڑھا اور ثابت کیا کہ لگان کی وصولی کے سسٹم ہی نے مذہب اور کلچر کو زندہ رکھا۔ فصل کاٹنے کے وقت مذہبی رہنما اور آرٹسٹ لوگ گھوڑی پر سوار ہو کر کسان سے اپنے حصّہ کا اناج مانگنے آیا کرتے تھے۔ اور پھر غذا کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ عبادت گاہوں میں عبادت کرتے، اوپدیش دیتے، کویتائیں لکھتے، رقص سیکھتے، فلسفہ، دھرم اور آرٹ کی تصویریاں بنایا کرتے تھے۔ پھر مورّخ مذکور نے بتایا کہ مذہب اور کلچر کو جب سے اناج کا یہ لگان ملنا بند ہوا ہے سکولوں کے ٹیچر بوکھلاہٹ میں بیربل کو احمد شاہ ابدالی کا مشیرِ خاص کہہ دیتے ہیں۔ اور جب تک کسان دوبارہ اناج دینا شروع نہیں کرتا بیربل کو احمد شاہ ابدالی کے دربار سے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ مورّخ شام بہاری لال کے اِس انکشاف پر کانفرنس بے حد محظوظ ہوئی۔ اور لگان کے موجودہ سسٹم کی

- جو شخص حق کے خلاف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ (حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)
- جو شخص انتقام کا خواہشمند ہوتا ہے وہ گویا اپنے زخموں کو تازہ رکھتا ہے۔ (حکیم عرب)
- صبح اُٹھتے ہی اپنے مقصدِ حیات کا دھیان کرو اور سوتے وقت دیکھو کہ اُس مقصد کے لئے دن بھر کیا کیا ہے۔ (سوامی سار شید انند جی)
- بلند آدرش رکھنے ہی سے انسان بلندی کی طرف محوِ پرواز ہوتا ہے۔ (سوامی رام تیرتھ)

مذمت میں ایک ریزولیشن پاس کیا گیا۔ صرف ایک مورّخ نے ریزولیشن کے خلاف ووٹ دیا۔ اور کہا کہ ڈیموکریسی میں اختلافِ رائے ضرور ہوتا ہے۔

تیسرے سیشن میں ایک دوسرے اہم مسئلہ پر بحث کا آغاز ہوا کہ وہ کونسی طاقتیں ہیں جو ہندوستانی تاریخ کو آگے بڑھاتی رہی ہیں۔ تمام ڈیلیگیٹوں کی متفقہ رائے تھی کہ تاریخی طاقتیں ضرور ہوں گی۔ ورنہ تاریخ آگے نہ بڑھتی۔ اِس مسئلہ پر ایک مورّخ نے سب سے زیادہ پریشان کُن تقریر کی اور کہا "ہندوستان کی تاریخی طاقت صرف ایک ہے اور وہ ہے جغرافیہ ہندوستان کا اگر کوئی جغرافیہ نہ ہوتا تو اِس کی تاریخ کبھی پیدا نہ ہوتی مثال

کے لیے ہندوستان کی آب و ہوا نہایت گرم ہے۔ اور یہاں اتنی زیادہ گرمی پڑتی ہے کہ ہندوستانی باشندہ ٹھنڈے پانی کے ایک گلاس پر سارا ملک بیچ دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔"

اس پر کئی وطن پرست مورخ سخت اشتعال میں آ گئے۔ انھیں ٹھنڈا پانی پلا کر سمجھایا بجھایا گیا کہ مورخ وطن پرست نہیں ہوتا بلکہ عالمگیر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ خوفناک سوال اٹھا کہ کیا غداری ہی وہ طاقت ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ بنائی ہے۔ ایک صاحب نے تجزیہ کیا کہ گرمی انسان میں کاہلی پیدا کرتی ہے اور کاہلی شرافت پیدا کرتی ہے اور شرافت بیک وقت دو متضاد چیزیں پیدا کرتی ہے۔ ایک تہذیبِ نفس اور دوسرے غداری۔ چنانچہ ہمیں تاریخِ ہند میں جہاں اشوک اور اکبر ایسے تہذیب یافتہ انسان ملتے ہیں وہاں جے چند اور میر جعفر ایسے غدار بھی نظر آتے ہیں۔

"اکبر بادشاہ ڈپلومیٹ تھا۔ مہذب نہیں تھا۔"

ایک آواز آئی۔

"دونوں ایک تصویر کے دو رُخ ہیں۔"

ایک اور آواز نے فیصلہ کر دیا۔

چنانچہ جغرافیہ کو مرکز مان کر اس کے اردگرد تاریخ پر تقریریں کی جانے لگیں۔ ایک مورخ نے دریاؤں کو لیا اور بتایا کہ ہندوستانی دریا عام طور پر فراز سے نشیب کی طرف بہتے ہیں۔ جو عجز و انکسار کا ثبوت ہے۔ ان دریاؤں کی وجہ سے راجاؤں اور بادشاہوں میں بھی عاجزی پائی جاتی تھی۔ وہ دشمنوں کو معاف کر دیتے انھیں کوہِ نور ہیرے تک بخش دیتے تھے۔ پورس کے ہاتھیوں تک میں اتنا عجز تھا کہ انھوں نے حملہ آور سکندر کو بھی معاف کر دیا اور سر جھکا کر گھر لوٹ آئے۔

ایک مورخ نے اعتراض اٹھایا۔

"مگر انھوں نے اپنی فوج کو روند ڈالا تھا۔ کیا یہ عجز تھا یا تشدد؟"

معترض کو جواب دیا گیا "یہ عجز کی ایک گہری قسم ہے۔ اسے ہندوستانی میں خود اذیتی کہتے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو اذیت دو اور اپنی فوج کو کچلو۔ اپنے ہی نفسِ امارہ کو مارو۔ کیونکہ یہ عجز کا عروجی مقام ہے۔ ہندوستان کی ساری تاریخ نفسِ امارہ کو مارنے کی تاریخ ہے۔ اپنے آپ کو مارو تو تمھیں زوال پراپت ہوگا جیسے پورس کو زوال پراپت ہو گیا تھا۔ اور سکندرِ اعظم نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔"

دوسرے مقررین نے جغرافیہ کے دوسرے پہلوؤں کا تجزیہ پیش کیا۔ پانی کی تاثیر زمین کی پیداوار، سمندری تجارات۔ مختلف قسم کے اناج۔ گندم۔ چاول۔ مکی اور جوار کو زیرِ بحث لایا گیا۔ اور بتایا گیا کہ پانی پت کی لڑائی پر گندم کی روٹی کا کیا اثر پڑا۔ اور بنگالیوں کی چاول خوری سے تقسیمِ بنگال کیونکر ہوئی۔ ہندوستان کے جنوبی ساحل پر اُگنے والی کالی مرچوں نے کس طرح غیر ملکی حملہ آوروں کو دعوت دی۔ جنوبی ہند کے راجاؤں نے پہلے کالی مرچیں بیچیں پھر اپنے نفسِ امارہ کو بیچا اور پھر انگریزوں کے ہاتھ ملک بھی بیچ دیا۔ ایک مورخ نے یہاں تک بتایا کہ آموں کی لذیذ رس میں مست ہو ہو کر ہی مغل راجیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

متفقہ طور پر ایک ریزولیشن پاس کیا گیا کہ آئندہ نصابِ تعلیم میں صرف جغرافیہ ہی پڑھایا جائے۔ تاریخ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اصل چیز جغرافیہ ہے۔ ورنہ تاریخ تو صرف اس کا سایہ ہے۔

کانفرنس کے دوران میں رواج کے مطابق ایک پریس کانفرنس بھی بلائی گئی۔ جس میں مورخین کی ایک منتخب کمیٹی نے پریس نمائندوں کے سوالوں کے جواب دیئے جن میں سے چند اہم سوال و جواب یہ تھے۔

سوال۔ ہندوستانی تاریخ کو کتنے ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ ہندوستانی تاریخ تین ادوار پر مشتمل ہے۔

(۱) اوتاروں کا دور۔

(۲) بادشاہوں کا دور۔

(۳) لیڈروں کا دور۔

س۔ غیر ملکی حکمران ہندوستان پر کیوں حملہ کرتے تھے؟

ج۔ انھیں ایک چڑیا کی تلاش تھی جو ہندوستان میں رہتی تھی لیکن جب چڑیا نہ ملتی تھی تو وہ شرمندگی مٹانے کی خاطر یہیں بس جاتے تھے۔

س۔ ہمارے آباواجداد کونسی تاریخی یادگاریں اپنے پیچھے چھوڑ گئے؟

ج۔ مقبرے۔ قلعے اور مندر۔

س۔ اتنا بڑا ملک ہونے کے باوجود ہندوستان متحد کیسے رہا۔

ج۔ انھیں گرمی نے متحد کر رکھا تھا۔ جو ہر علاقہ میں ایک جیسی پڑتی ہے۔

۲- ہندستانی اپنی تاریخ کیوں نہیں لکھتے تھے۔
۳- ملک باہر کے لوگوں کو لکھنے کا موقع مل سکے۔
۴- ہندستانی تاریخ کا مستقبل کیا ہے؟
۴- اس کا انحصار پیدائش بچگان پر ہے۔

آخری نوٹ :-

کانفرنس کے آخری جلسے پر تین غیر ملکی مندوبین بھی آشامل ہوئے جنھیں کانفرنس کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ لیکن وہ کانفرنس میں حصہ لینے کی بجائے ہندستان کے تاریخی مقامات تاج محل، اجنتا، ایلورا، اور کھاجوراؤ دیکھنے چلے گئے۔ انھوں نے اپنے دورے کے تاثرات بیان کئے اور مورخین کو ہندوستان کی حقیقی تاریخ کے لئے آمادہ کیا۔ جنھیں سن کر کانفرنس کے تمام فیصلے کالعدم کر دینے پڑے ——!

●●

رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد "بیسویں صدی" ہر ماہ باقاعدگی سے سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے۔

(مینیجر رسالہ بیسویں صدی۔ دریا گنج۔ دہلی نمبر ۶)

امانت

موہن یاور

راج ملک روڈ۔ جموں توی

۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء

برادرم خوشتر صاحب، تسلیمات

. . . . امانت امانت ہے اور اس میں خیانت کا شائبہ نہیں ——— یوں تو بیسویں صدی کا ہر شمارہ افسانہ نمبر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن افسانہ نمبر تو دنیائے ادب میں ایک نیا سنگِ میل ہوتا ہے اور یہ کمال ہے ہمارے خوشتر صاحب کا . . . .

آپ کا اپنا ——— موہن یاور

ایک خوب صورت البم جس میں خوب صورت لڑکیوں کی خوب صورت تصویریں تھیں اور ساتھ ہی ایک فائیل بھی تھی جس میں پیلے کے نیلے، کاسنی اور سفید معطر ورق تھے۔ خوب صورت لڑکیوں کے خوب صورت محبت نامے۔ خوب صورت کاغذ خوب صورت سیاہی۔ خوب صورت باتیں اور خوب صورت الفاظ!

یہ دونوں قیمتی چیزیں کیپٹن رامیش نے شادی سے دو دن پہلے اپنے دوست سمپورن کو سونپ دیں۔ تصویروں اور محبت ناموں سے گھر کو آگ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اِس لئے اُس نے آگ سے اپنے خوب صورت گھر کو بچا لیا اُس نے کئی بار ارادہ کیا کہ وہ تصویروں کو پھاڑ کر ہوا میں اُڑا دے اور محبت ناموں کو چولہے میں ڈال دے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ جب کبھی وہ ایسی حماقت کرنے لگتا اُس کے سامنے البم کے صفحے اُڑنے لگتے۔ لڑکیاں آنکھوں کے سامنے آجاتیں اور وہ اِس خیال کو اپنے دل سے یکسر نکال دیتا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ماضی کے گزرے ہوئے دن، البم اور فائل سے وابستہ دن! کیسے بھول جائے وہ زندگی کے اُن حسین لمحات کو؟

یہ خوب صورت البم جس کی ہر تصویر کے نیچے واٹر پروف کلر سے کچھ نہ کچھ لکھا تھا، ایک نظم بن کر رہ گیا تھا۔ جیسے ایک لڑکی سفید ساڑھی باندھے سمندر کے کنارے کھڑی ہے۔ آکاش پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ سمندر شور کر رہا ہے اور نیچے لکھا ہے۔ کیوں نہ پری! کسی کے نیچے لکھا ہے ورڈز ورتھ کا کوئی شعر اور کسی کے نیچے کوئی انگریزی شعر۔ کتنی محنت کی ہوگی اُس نے تصویروں کو سجانے اور پھر موزوں شعر یا جملے تلاش کرنے میں۔

اِس البم میں اُس کی جوانی کے پانچ سات برس، چھپے ہوئے تھے۔ محبت ناموں میں اُس کے دل کی دھڑکنیں بند ہوئی تھیں۔ چند حسین سال اور اُن کا ایک ایک معطر لمحہ اُن نیلے پیلے کاسنی اور سفید کاغذوں میں سما گیا تھا۔ وہ لاکھ چاہتے اُن لمحوں کو، لاکھ جتن کرے۔ لیکن وہ لمحے۔ وہ گھڑیاں، وہ دن لوٹ کر آنے والے نہ تھے۔ کاش وہ اُن لمحوں کو روک سکتا۔ اور اُن حسین ملاقاتوں کا سلسلہ ختم نہ ہو جاتا۔ لیکن وقت گزرتا رہا۔ لمحے آگے بڑھتے گئے۔ ملاقاتیں سپنے بنتی گئیں سب باتیں سپنے بن گئیں۔ اب سپنے بھی چھینے جا رہے تھے۔ ریتا جو آ رہی تھی۔ ریتا جو آج صرف اُس کی منگیتر تھی۔ اور دو دن بعد دُلہن بن کر آ رہی تھی۔

کیپٹن رامیش نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے دوست! اپنی سب سے زیادہ گراں مایہ متاع تمہیں سونپ رہا ہوں ——— !"

[illegible] آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

[illegible] اور زور زور سے آواز دینے لگیں۔

"[illegible] اتنی دیر کر دی!"

[illegible]

اور [illegible] لے کر آ گیا۔

کیپٹن راجیش اور سمپورن دونوں بچپن کے دوست تھے۔ ایک ساتھ تعلیم پائی، ایک ساتھ [illegible] بے کاری میں ساتھ ساتھ رہے لیکن بیکاری میں بچھڑ گئے۔ راجیش [illegible] بھرتی ہو کر کہیں چلا گیا اور سمپورن وہیں رہ گیا۔ اپنی مٹی میں، اپنے [illegible] میں، اپنے بہن بھائیوں میں۔ لیکن راجیش کو اپنی مٹی نے کہیں دور پھینک دیا۔ زندگی سپاہی سے شروع کی اور کیپٹن بن گیا جس تمنا کو وہ مدتوں پہلے اپنے سینے میں دبائے ہوئے تھا وہ تمنا پوری ہو گئی۔ وہ خوش تھا۔ اُس نے جو چاہا، جو مانگا، اُسے مل گیا۔ شوخیاں بھی رنگ لائیں اور نزاکتیں بھی۔

جگہ جگہ گھوما، شہر شہر کا پانی پیا۔ مختلف تہذیبیں دیکھیں، مختلف لباس دیکھے، مختلف رعنائیاں، مختلف پسند۔ طرح طرح کی لڑکیاں۔ بال کٹی، لمبے بالوں والی۔ دو چوٹیوں والی۔ زلفوں والی۔ سکرٹوں، شلواروں، ساڑیوں والی سلیکس، جینس والی۔ برف پر پھسلتی ہوئی لڑکیاں۔ تاج محل کی گود میں بیٹھی ہوئی سمندر کے کنارے ریت پر دوڑتی ہوئی لڑکیاں۔ شوخ و شنگ تتلیوں کی طرح منڈلاتی ہوئی پکنک کرتی ہوئی لڑکیاں۔ اور راجیش نے اُن تمام شوخ و شنگ لڑکیوں کو البم میں بند کر دیا۔ اُن کی مسکراہٹیں، اُن کی ادائیں البم میں بند تھیں۔ ہنستی ہوئی زندگی کی ہنستی مسکراتی نزاکتیں تھیں۔ یہ نزاکتیں، یہ ادائیں، یا یہ کھیل تماشا، یا وقت گزارنے کا عجب خار سولا سب کچھ البم میں بند تھا۔ حسین ماضی، حسین لمحات، حسین دن، حسین خطوط جن میں رومیو جولیٹ کا سا انداز تھا۔ ویسی ہی باتیں، ویسی ہی فضائیں، ویسا ہی انداز ویسا ہی طور طریقہ، ویسے ہی رٹے رٹائے جملے۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کوئی جدت نہ تھی۔ ازل سے لے کر ابد تک یہی انداز رہے گا۔ یہ عشق بھی خوب

[illegible] زہر کھا کر مر جاتا ہے۔ یا قطب مینار سے کود جاتا ہے اور اسی محبت کر [illegible] تفریح کے طور پر جیسے محبت کی کوئی فلم دیکھ لی۔ سمپورن نے البم کی ہر تصویر دیکھی ہر محبت نامہ پڑھا۔ ایک جیسی لڑکیاں، ایک جیسے خطوط۔ وہی باتیں۔ وہی رٹے رٹائے جملے!

سادھنا! ایک معصوم سی لڑکی، ایک حسین سی یاد، جو سمپورن کی زندگی میں بھولے بھٹکے کہیں سے آ گئی تھی اور ایک موڑ پر جا کر بچھڑ گئی۔ کوئی دولھا آیا اور اُسے دلہن بنا کر لے گیا۔ لیکن وہ سادھنا کو بھول نہ سکا۔ کئی لڑکیوں نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھائے لیکن اُس نے سب کے ہاتھ جھٹک دیئے اور اکیلا اپنی ماں کے پیار کے سہارے جینے لگا۔ اور سب کچھ بھول گیا۔ یہ بھول گیا کہ کبھی سادھنا نے اُس کی زندگی میں پھول کھلانے کی بجائے کانٹے بکھیر دیئے تھے۔ اور وہ اب تک کانٹے چن چن کر دن گزار رہا تھا کہ کبھی تو بہار آئے گی کبھی تو کانٹوں کی جگہ پھول مسکرائیں گے۔

وہ کلرک ٹھہرا اور راجیش آفیسر۔ آخر کلرک اور آفیسر کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہی ہے۔ دونوں کے درمیان سکے بجتے ہیں سرسراتے ہوئے کرنسی نوٹ ہوتے ہیں۔

سمپورن نے صرف سادھنا سے محبت کی اور سادھنا کو بھول نہ سکا۔

لیکن راجیش نے بہت سی لڑکیوں سے محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ ساتھ گھومے ساتھ سیر و تفریح کی۔ پھر سب بچھڑ گئے۔ اور کسی کی آنکھوں میں بچھڑتے وقت آنسو آئے۔ کسی کو دکھ نہ ہوا جیسے کوئی کسی کو جانتا نہ تھا۔ کوئی کسی کو پہچانتا نہ تھا جیسے سب مسافر تھے، جو آ رہے تھے، جو جا رہے تھے۔ کسی کو کسی کے جانے کا غم نہ تھا۔ کوئی جا رہا ہے تو چلا جائے کوئی آ رہا ہے تو چلا آئے۔ برف پر پھسلنا اور پھسلنے کے لئے ساتھی کی ضرورت ہے۔ سمپورن نے البم اور فائل کو اپنے ٹرنک میں رکھ دیا۔

اپنے دوست کی حسین امانت جس میں اُس کے دوست کی حسین زندگی دھڑک رہی تھی!

[illegible] سے راجیش کا بیاہ ہوا۔ ایک خوبصورت لڑکی [illegible] سمپورن نے بھابی دیکھی۔ اچھی لڑکی تھی۔ اور تحفہ کے طور پر اُس نے ایک بہت ہی پُرانی تصویر دی۔ ریتا یہ دیکھ کر بہت ہنسی۔ تصویر میں سمپورن اور راجیش دونوں گتھم گتھا تھے۔

"بھابی! یہ ہمارا بچپن ہے۔ اور اس سے اچھا تحفہ میں آپ کو دے نہیں سکتا۔"

پھر وہ چلا آیا۔

اور سب بچھڑ گئے۔

راجیش اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا اور وہ وہیں رہ گیا۔

تین برس بیت گئے۔

سمپورن بھول چکا تھا کہ اُس کے پاس راجیش کی کوئی امانت تھی۔

اب جب کہ راجیش گھر آ رہا تھا اُس کے سامنے امانت بھی گھومنے لگی۔

راجیش آ رہا تھا۔ ریتا اور ننھے مُنے کے ساتھ۔

راجیش آ گیا تھا۔

وہ فوراً البم اور فائل لے کر اپنے دوست سے ملنے چلا گیا۔ راجیش اور ریتا برآمدے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اور ننھا پاس بیٹھا ایک کھلونے سے کھیل رہا تھا۔

دونوں دوست بغلگیر ہوئے۔

تین برس کے بعد ملے تھے۔ گلے شکوے ہونے لگے۔

ریتا بول اُٹھی۔

"بھائی صاحب! گلے شکوے تو ہوتے ہی رہیں گے۔ پہلے چائے تو پی لو۔"

اور ریتا نے چائے کا پیالہ بنا کر اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس نے پیالہ پکڑ کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

راجیش نے پُوچھا۔

"یہ بغل میں کیا دبائے ہو؟"

سمپورن نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"بھابی! یہ مُنا بہت پیارا ہے۔"

راجیش نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بالکل اپنی ماں پر گیا ہے۔"

اور ریتا شرما گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"بھائی صاحب! یہ کیا ہے؟ ہم کو بھی تو معلوم ہو!"

"ہاں سمپورن یار! آخر یہ کیا ہے؟" راجیش نے پوچھا۔

"ذرا باہر چلو۔ بتاؤں!"

سمپورن نے کہا۔

"یار جانے بھی دو۔ بتاؤ کیا ہے؟" راجیش بالکل بھول ہی گیا تھا کہ اُس نے سمپورن کو کبھی کوئی امانت سونپی تھی۔

"یہ، یہ تمھاری امانت ہے۔" سمپورن نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں تمھارے کسی دوست کی امانت!"

مگر کیپٹن راجیش کے چہرے کا رنگ فوراً اُڑ گیا۔

دوسرے لمحے سنبھل کر بولا۔

"یار رہنے دیجئے۔ کیا ضرورت تھی اس کی؟"

ریتا نے ہنستے ہوئے پُوچھا۔

"راجیش! بھلا ہم بھی دیکھیں یہ کیا امانت ہے؟"

راجیش نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "ریتا! یہ میرا البم ہے اور یہ فائل۔ البم میں چند تصویریں ہیں اور فائل میں چند خطوط۔"

ریتا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ البم میں کیا ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ تم میری امانت کسی کو سونپ دو گے۔ خیر، اب میری امانت مجھے لوٹا دو!"

راجیش حیرانی سے ریتا کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں پیار اور خوشی گلے مل رہے تھے!

●●

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی کارڈ ارسال فرمایئے۔ ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ پاکستانی کارڈ اور لفافے ہندوستان میں کارآمد نہیں ہیں اسلئے پاکستانی بھائی اس شرط سے مستثنیٰ ہیں: (مینیجر)

غزلیں

ہادی مصطفےٰ آبادی

بیکار ہے گلوں کی جوانی ترے بغیر
کس کام کی ہے تیری نشانی ترے بغیر

کہتے نہیں اسی کو کہیں خونِ آرزو
آنکھوں سے بہہ رہا ہے جو پانی ترے بغیر

وہ دل جو تجھ سے داد کا طالب تو کیا عجب
کاٹی ہے جس نے رات سہانی ترے بغیر

تارے نہ دیں گے نور مری چشمِ شوق کو
خوشبو نہ دے گی رات کی رانی ترے بغیر

موقع ملے تو حالتِ ہادی بھی دیکھنا
کیسے کو کٹ رہی ہے جوانی ترے بغیر

نافع رضوی ایم اے۔ ایل ایل۔ بی

نہ آئیں گے، مجھے اس کا یقیں ہے
مگر دل کا دھڑکنا کم نہیں ہے

یہ شامِ ہجر کیوں اتنی حسیں ہے
کسی کافر کی زلفِ عنبریں ہے

محبت میں عجب دستور دیکھے
جو دل سے دور ہے دل کے قریں ہے

کرم کا لطف اس میں پا رہا ہوں
ترا طرزِ ستم کتنا حسین ہے

کبھی تھا رونقِ بزمِ حسیناں
یہی نافع جواب گوشہ نشیں ہے

راکھی بلند شہری

گزرا ہے شبِ غم میں وہ عالم بھی سحر تک
جب دل کے دھڑکنے کی رہی ہم کو خبر تک

پھر قافلۂ شوق بھی لُٹ جائے تو کیا غم
اک بار پہنچ جائیں تری راہ گزر تک

اب دیتا ہے کیوں ہمتِ پرواز کے طعنے
صیاد نے جب کاٹ لیے ہیں مرے پر تک

آتے ہیں نظر تب مہ و خورشیدِ مسرت
چھا جاتی ہے جب ظلمتِ غم حدِ نظر تک

بہتر تو یہی ہے کہ مرے لب پہ نہ آئے
وہ آہ جو پہنچے نہ کبھی بابِ اثر تک


ٹاٹا کا
او ڈی
کولون
صابن
Tata's
EAU DE
COLOGNE
Toilet Soap
ڈی کولون آمیز اور سنہرے ریپر میں بند
TESY-14

بیسویں صدی کی نئی پیشکش — دو نئے شاہکار ناول

جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

پیاسے بادل

جنم جنم کی پیاسی ایک پہاڑی دوشیزہ کے پیار کی کہانی، جو اپنی محبت اور محبوب کی تلاش میں بلند بالا پہاڑی وادیوں میں جنم لیتی رہی۔ ایک حساس نوجوان کی داستانِ محبت جس نے اپنے بڑے گھرانے کی رنگینیاں، رعنائیاں اور مسرت کی خوشیاں چھوڑ کر رومانی پر اسرار وادیوں کی خاموش کہانیوں کو اپنا لیا۔ تاکہ اپنی محبوبہ کی شبنمی سانسوں سے اپنے تشنہ خیالوں کی پیاس بجھا سکے۔ "پیاسے بادل" میں ایک اچھوتا موضوع لیا گیا ہے ایک انوکھی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جس میں چاندنی راتوں کی مقدس سرگوشیاں اور اندھیری راتوں کے ہوسناک قہقہے ہیں۔ جدید اردو ادب میں ٹھاکر پونچھی کا ایک بلند مقام ہے اور "پیاسے بادل" مصنف کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ پاکیزہ اور دلآویز رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ پہاڑی رومانوں کے ترجمان نے ایک بار پھر پہاڑی دوشیزاؤں کی پیار بھری "ہرتوں اور حسرتوں" کو "پیاسے بادل" میں سمویا ہے۔ دیدہ زیب کتابت، طباعت اور گیٹ اپ۔ سہ رنگا جاذبِ نظر ٹائٹل پیج۔ اعلیٰ ولایتی کاغذ۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

پگھلتے خواب

اردو ادب کے جواں سال ادیب پر خیر حمید نے... یہ ایک دلچسپ سماجی ناول ہے جس میں مصنف نے اپنی... کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ یہ ناول جہاں کشمیر کی سماجی زندگی اور معاشرے کے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے، وہاں آج کے دور کی گھناؤنی تصویریں بھی ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ اگر آپ کشمیر کی مہکتی ہوئی گلپوش بہاروں اور ان بہاروں میں بسنے والے حسین انسانوں کی جذباتی، فکری اور سماجی زندگی کے پیچ و خم کو قریب سے دیکھنے کے تمنائی ہیں تو "پگھلتے خواب" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک ایسا بے مثل ناول ہے جس میں آپ کو کشمیر جنت نظیر کے حسین و دلفریب مناظر اور ان مناظر تلے ہلکی سسکتی کہانیوں کے خدوخال صاف دکھائی دیں گے۔ جن میں آپ کی اپنی دھڑکنیں بھی ہیں اور آپ کی محبت اور محبوبہ کے آنسو بھی۔ "پگھلتے خواب" واقعی اردو ناول نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاذبِ نظر سہ رنگا گردپوش، کتابت و طباعت اعلیٰ، کاغذ عمدہ، مضبوط جلد، قیمت صرف دو روپے۔

جو عورت ننگی ہے

نامور فنکار رام لعل کی رومان پرور اور تلخ کہانیوں کا حسین مجموعہ۔ ان افسانوں میں رومان و محبت کی رنگینیاں بھی ہیں اور حسن و شباب کی سرمستیاں بھی۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

میرے سپنے

نامور افسانہ نگار خاتون پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے بہترین دلچسپ رومانی افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

سنگھار کمرے میں

پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے جذبات آفریں افسانوں کے اس مجموعے کے ہر صفحے پر مستیوں کا ایک طوفان اور جذبات کا ایک محشر انگڑائیاں لے رہا ہے۔ اس میں آرزو کے پُرکیف گیت بھی ہیں آہوں کا دھواں بھی۔ قیمت فی جلد دو روپے

دُکھتی رگیں

ہر افسانے میں جوانی کا اضطراب ہے، حسن کی بے کلی ہے، عشق کی بے قراری ہے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

ایک حمام میں تین ننگے

زندگی کی عریاں تصویریں۔ وقت کی دکھتی ہوئی رگ پر سید امرت کی فنکارانہ ضرب۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

کالی راتیں

سید امرت کے افسانوں کا تازہ ترین مجموعہ۔ تشنہ جوانیوں کے اندھے جذبات کی ترجمانی، بہکے ہوئے بڑھاپے کی ہوسناکیوں پر طنز ہیں۔ گناہگار جوانیوں کے لئے تیز نشتر ہیں۔ کالی راتوں میں رینگنے والے گناہوں پر کاری ضرب ہیں۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

یہ لڑکیاں

گلابی چہروں، ساقی آنکھوں والی، سانولی سلونی رنگت اور دلفریب اداؤں والی۔ رنگین ریشمی ساڑیوں میں لپٹی ہوئی تتلی کی سی شوخ و شنگ بیباک اداؤں اور مخمور نگاہوں سے دلوں کو تڑپانے والی شوخ رنگ کی لڑکیوں کے جذبات، احساسات کی تصویریں۔ آپ کے محبوب رومانی نگار اختر ملیح آبادی کے قلم سے۔ تین روپے

عورت ایک پہیلی

کیا عورت واقعی ایک پہیلی ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والی پہیلی؟ اس کا جواب آپ درج کتاب کے سولہ دلکش رومانی افسانوں میں پائیں گے۔ ہر افسانے میں آپ ایک سے ایک الگ ایک سے ایک جدا عورت پائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی

افسانہ

آنچلوں کے سائے

ایس۔ سورن ایڈیٹر "چیتنا"

بھاگیرت پیلس۔ چاندنی چوک۔ دہلی نمبر ۶

۱۲ر فروری ۱۹۶۱ء

مکرمی خوشتر صاحب!

.... ہندی اور پنجابی میں تو عرصہ سے لکھ رہا ہوں۔ لیکن میری خواہش تھی کہ اردو میں بھی کبھی کبھار لکھتا رہوں دیکھئے یہ کہانی کیسی ہے....

مخلص کار ——— ایس۔ سورن

"آپ کے پاس ٹارچ ہے؟"

میں نے دیکھا، کوئی پندرہ سولہ برس کی ایک لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی۔ شاید پڑوس کے مکان میں نئے آنے والے کرایہ دار کی لڑکی ہوگی میں نے سوچا۔

"جی ——— !"

اور اُٹھ کر ٹارچ اُسے دے دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر آئی۔

"مین سوئچ کہاں ہے؟"

اور پھر لمحہ بھر رُک کر بولی۔

"پتہ نہیں ہمارے کمرے کی بجلی کو کیا ہو گیا ہے۔ جل ہی نہیں رہی ہے۔"

میں اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ سامنے رسوئی میں ایک عورت موم بتی کی روشنی میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ بغل کے کمرے میں دیوار پر لگے ہوئے بجلی کے میٹر تک پہنچنے کے لئے میز پر کرسی رکھ کر ایک سیڑھی سی بنا دی گئی تھی۔ اور ایک صاحب بجلی کی خرابی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ ذرا آپ مین سوئچ آف کر دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی ہم نے آج شام ہی کو یہاں شفٹ کیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بجلی خراب ہے۔ بغیر بجلی کے بہت تکلیف ہے۔"

اُنھوں نے جو شاید اُس لڑکی کے باپ تھے مجھ سے کہا۔

میں نے مین سوئچ آف کر دیا۔ اور لوٹ کر کمرے کے باہر آ گیا۔ دیر تک اُنھیں بجلی ٹھیک کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بہت دیر تک وہ بجلی ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن اُنھیں خرابی کا پتہ نہ چل سکا۔

"کسی الیکٹریشین کو بلانا پڑے گا۔"

وہ بولے

"ذرا میں بھی دیکھوں!" اور میں آگے بڑھا۔

اُس لڑکی کے پتا جی نیچے اُتر آئے۔ اور میں اُس میز کرسی کی بنی ہوئی سیڑھی پر چڑھ کر تار دیکھنے لگا۔

ایک تار کا کنکشن مین سوئچ سے کٹ گیا تھا۔ میں نے اُسے بآسانی جوڑ دیا۔

"بجلی درست ہو گئی" میں نے کہا۔

"آپ تو اس کام میں ایکسپرٹ معلوم ہوتے ہیں۔" اُن مہاشے کی آنکھوں میں مسرت اور ممنونیت کے جذبات تھے۔

"پتا جی! آپ تو گھنٹے بھر تک لگے رہے۔ انھوں نے منٹوں میں ٹھیک کر دی"

اُس لڑکے نے سرزدہ ہو کر کہا۔

کمرے میں مدہوشی پھیل چکی تھی۔

میں اپنے کمرے میں واپس جانے لگا۔

"معاف کیجئے گا!" لڑکی کے پتاجی نے کہا۔ "میرا نام چمن لال ہے۔ آج ہی آپ کا پڑوسی بنا ہوں۔"

"جی... بہت خوشی کی بات ہے۔ میرا نام تیش ہے۔"

"یہ مینا ہے، میری لڑکی! اور یہ ہے مینا کی ماں!" رسوئی کی طرف سے آنے والی ایک عورت کی طرف اُنھوں نے اشارہ کیا۔

"آپ کہاں کام کرتے ہیں؟" اُنھوں نے پوچھا۔

"میں یہاں ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتا ہوں۔"

نئے کرایہ دار ملنسار اور ہر دل عزیز قسم کے آدمی تھے۔ مختصر سا گھرانہ تھا۔ میاں بیوی اور ایک لڑکی! ایک لڑکا تھا جو پچھلے سال مر گیا۔ بی۔اے میں تعلیم پا رہا تھا۔ وہ اچانک بیمار پڑا اور ہمیشہ کے لئے اُن سے بچھڑ گیا۔

"بڑا ہونہار تھا جی!" لمبی ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اُنھوں نے کہا۔ "دسویں سے لے کر بی۔اے تک ہمیشہ فرسٹ آتا رہا لیکن قسمت!"

مینا دسویں میں پڑھتی تھی۔ بہت سمجھدار لڑکی تھی۔ اور عام لڑکیوں کی طرح شرمیلی نہیں، کسی حد تک شریر اور چنچل تھی۔ وہ ایک جگہ سکون سے بیٹھنا جانتی ہی نہ تھی۔ ابھی یہاں ہے، ابھی رسوئی میں۔ اور ابھی چھت پر!

دو کمروں کا یہ فلیٹ تھا۔ میں ایک کمرے میں رہتا تھا اور دوسرے میں وہ خاندان۔ صحن مشترک تھا۔ مجھے صبح شام دو گھنٹے پڑھانے کے لئے جانا ہوتا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کے امتحان کی پرائیویٹ تیاری کرانے کے لئے میں ایک کوچنگ اسکول میں پڑھاتا تھا۔ باقی سارا وقت گھر ہی پر گزرتا تھا۔ کبھی کبھی اُن کے ساتھ گپیں ہانکتا۔ یا مینا سے اُس کی تعلیم کے بارے میں پوچھتا رہتا اور جب کچھ بھی نہ سوجھتا تو مینا کو ویسے ہی کسی نہ کسی بات پر چھیڑتا رہتا۔ ہم ایک دوسرے سے بہت بے تکلف ہو گئے تھے۔

"بھیا....."

"کاہے کی بھاجی؟ شلجم کی یا بینگن کی.....؟" میں نے اُسے بات کہنے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔ وہ شرما گئی اور پھر جب کوئی جواب نہ سوجھا تو منہ پھیر کر جا بیٹھی۔

"تم میرا نام کیوں نہیں لیتیں؟"

میں نے اُس سے پوچھا۔

"میرے بھیا بھی آپ ہی کی عمر کے تھے۔ آپ بھی بھیا!" اُس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ "آپ میرے بھیا بنیں گے؟ مجھے آپ بھائی جی کہنے کا حق دیں گے؟" اور اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

میں چپ رہا۔

پھر کبھی میں نے اُسے بھائی جی کہنے سے نہ روکا۔

اب وہ بہت بے تکلفی سے میرے کمرے میں آجاتی۔ دیر تک بیٹھی باتیں کرتی۔ اپنے اسکول کی، اپنی سہیلیوں کی، اپنی اُستانیوں کی۔ کبھی کوئی کتاب کھول لیتی، میں سوال پوچھتا۔ اور صحیح جواب نہ ملنے پر اُسے سمجھا دیتا۔

"ہم ایک ڈرامہ کھیل رہے ہیں۔ میں اُس کی ہیروئن ہوں۔" ایک دن اُس نے کہا۔

"اور ہیرو کون ہے؟"

میری ایک سہیلی۔

میں ہنس پڑا۔

"میں نے جھوٹ تھوڑا ہی کہا ہے۔ لڑکیوں کے اسکول میں لڑکیاں ہی مردوں کا پارٹ بھی ادا کرتی ہیں۔"

اُس نے معصومیت سے کہا۔

"ڈرامہ ہوگا تو مجھے بلاؤ گی؟"

"باہر کے لوگوں کو اُس میں آنے کی اجازت نہ ہوگی۔"

پھر ایک دن اُس نے کہا۔

"آج میں نے انتاکشری میں انعام جیتا ہے۔"

ہر سنیچر کو اسکول میں آدھے دن کی چھٹی ہو جاتی۔ اور چھٹی کے اُس وقت ایک چھوٹا سا جلسہ ہوتا جس میں کبھی بحث مباحثہ ہوتا، کبھی لڑکیاں گیت سناتیں، کبھی لطیفے اور کبھی لڑکیاں دو ٹولیوں میں بٹ جاتیں اور شعروشاعری کا مقابلہ ہوتا۔ پہلے

جب کبھی وہ بہت غصہ ہوتی تو اپنی ماں کی کسی بات کو پڑھنا چاہتا اس وقت اُسے شرمندگی ہوتی تھی۔

آج وہ سب سے زیادہ شرمندہ تھی جب اُس کی تھیلی کی کسی لڑکی کو کبھی شرم سی آتی تو اُس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو جاتا۔ آخر میں اُس کی تھیلی جیت گئی۔

پھر اُس نے ایک دن بتایا۔

"کل ہمارے اسکول میں ڈیبیٹ ہے۔"

"کیا ہے ڈیبیٹ ہے؟"

"لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں!"

"تم بھی بولو گی؟"

"ہاں!"

"کیا بولو گی؟"

"آپ بتائیں کیا بولنا چاہئے؟"

"تمہیں جو کچھ بولنا ہے پہلے وہ بتاؤ۔"

"میں کہوں گی کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو مل کر دیش کی ترقّی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ دونوں کو آپس میں دوستوں کی طرح رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔"

"کیا کرنا چاہئے دونوں کو؟"

میں نے ہنس کر پوچھا۔

"اچھا آپ ہی بتائیے۔ جب ایک لڑکا کسی لڑکے کا اچھا دوست بن سکتا ہے اور ــــ ایک لڑکی کسی لڑکی کی سہیلی بن سکتی ہے اور کسی کو اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک دوسرے کے اچھے دوست کیوں نہیں بن سکتے؟ ــــ ہوس کے بغیر بھی تو اچھی دوستی ہو سکتی ہے۔"

"یہ ہوس کیا ہوتی ہے؟"

میں نے اُسے چھیڑنے کے لئے کہا۔

وہ شرما گئی۔

"چھوڑئیے میں آپ سے بات نہیں کرتی۔" یہ کہتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی۔

"صبا ــــ صبا ــــ!" میں پکارتا رہا۔

"کیا بات ہے؟"

اُس کے پتا جی نے پوچھا جو ابھی باہر سے آئے تھے۔

"کچھ نہیں ویسے ہی بلا رہا تھا۔"

مجھے اور کوئی جواب نہیں سوجھا۔

اِسی طرح میں اکثر اُسے چھیڑ دیتا اور وہ ناراض ہو جاتی۔ اکثر کر میرے کمرے سے چلی جاتی۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُسے نئی نئی باتیں سوجھنے لگیں۔ نئے نئے ... اُس کے دماغ میں آنے لگے۔ اور زندگی کے نت نئے موضوعات کا علم حاصل کرنے کی تڑپ اُس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ وہ دسویں کلاس پاس کر چکی تھی ... انٹر کی تیاریاں کر رہی تھی۔ امتحان کی تیاری میں اُسے میری مدد کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اور میں اُسے پوری لگن سے پڑھانے لگا۔

"صبا! یہ میری سہیلی ہے رانی!"

رانی نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور اپنی جھکی ہوئی نظریں ... اُس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

"یہ بھی میرے ساتھ آپ سے پڑھا کرے گی۔"

میں نے چپ چاپ کتاب کھولی۔ اور اگلا سبق پڑھنے کے لئے ... صبا کو پکڑا دی۔

"آپ نے کچھ جواب نہیں دیا؟"

مجھے چپ دیکھ کر صبا نے پھر کہا۔

"کیا جواب دوں؟ تم نے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ پڑھے گی۔ میری ... پوچھی ہی نہیں تم نے؟ کہیں ... خیر تمہارا حکم سر آنکھوں پر!"

میں نے جان بوجھ کر اُسے چڑانے کے لئے یہ بات کہی تھی۔ لیکن میری بات رانی کو شاید اچھی نہ لگی۔ میں نے دیکھا اُس کے چہرے پر کچھ عجیب سے جذبات نمودار ہو رہے تھے۔ جیسے وہ سوچ رہی ہو کہ میں اُسے پڑھانے کو تیار نہیں ہوں۔

"شاید ــــ آپ کو کچھ اعتراض ــــ"

"بھیا! اس میں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

میں نے رانی کی بات کی پرواہ نہ کی۔

"بھیا ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں رانی! تو فکر نہ کر۔" وینا نے رانی کو دلاسا دیا۔

مجھے محسوس ہوا کہ رانی کو میری بات بُری لگی ہے۔

"نہیں رانی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ میں خوش ہوں گا تمھیں پڑھا کر۔ اس کے بعد رانی ہر روز آنے لگی۔

میں دونوں کو پڑھا دیتا۔

وینا جتنی بے تکلف اور چنچل تھی، رانی اتنی ہی شرمیلی اور لجیلی تھی۔ جب تک میرے پاس بیٹھی نظریں جھکائے رہتی۔ پڑھنے لکھنے میں بھی وہ وینا سے کمزور تھی۔

"تم سمجھ رہی ہو رانی؟"

"ہاں جی!"

"جی ـــــ ہاں جی ـــــ اس سے زیادہ اس کا کوئی جواب نہ ہوتا۔

میں اس کی اس غیر ضروری شرم اور جھجک سے چڑ جاتا۔ اور بار بار اس سے سوالات پوچھتا۔

رفتہ رفتہ رانی کی جھجک ختم ہو گئی۔ اب وہ 'جی' اور 'ہاں جی' کی منزل پار کر چکی تھی۔

ایک دن میں انھیں کورس کی ایک نظم پڑھا رہا تھا۔

"اس کا مطلب بتاؤ رانی؟" میں نے کہا۔

"میں بتاؤں بھیا؟"

وینا فوراً بول اٹھی۔

"تم خاموش رہو وینا! میں رانی سے پوچھ رہا ہوں۔"

وینا آزردہ ہو کر چپ ہو گئی اور جب تک رہی چپ چپ اور اداس اداس بیٹھی رہی۔

"تمھیں کیا ہوا ہے وینا؟" میں نے اسے اس طرح چپ اور اداس اداس دیکھ کر کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"بھیا! کل پکچر دیکھنے چلیں گے؟" وینا نے ایک دن پوچھا۔

"نہیں۔ کل مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" میں نے ٹالنے کے لئے کہا۔

"جب بھی آپ سے کوئی بات کہی اور آپ نے انکار کر دیا۔" وہ روٹھنے کے سے انداز میں بولی۔

"لیکن وینا وہ کام بہت ضروری ہے۔"

"بہت دنوں سے ایک دوست سے نہیں ملا۔ کل اتوار ہے۔ سوچتا ہوں اس سے مل آؤں؟"

میں دوست کے گھر سے ناامید لوٹ رہا تھا کیونکہ وہ مجھے گھر پر نہیں ملا تھا۔ اچانک راستے میں رانی مل گئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو رانی؟"

میں نے اس سے پوچھا۔

"بازار آئی تھی۔ وہ سامنے میرا گھر ہے۔ آئیے میرے گھر چلئے۔" وہ بولی۔

"نہیں رانی، اس وقت نہیں۔ پھر کبھی آؤں گا۔"

میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

لیکن رانی نہ مانی۔ اور مجھے اس کا کہنا ماننا ہی پڑا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چل دیا۔ اس کے گھر پہنچا ہی تھا کہ وینا آ گئی۔ اسے وہاں میری موجودگی اچھی نہ لگی۔

"رانی! میری کویتا کی کتاب تیرے پاس ہے۔ وہ مجھے چاہئے۔" وینا نے رانی سے کہا۔

وہ کتاب لے کر چلی گئی۔

رانی نے اسے بہت روکا، لیکن وہ گھر پر ضروری کام کا بہانہ کر کے چلی گئی۔ رانی کی ماتاجی میرے لئے چائے بنا رہی تھیں۔ اس لئے مجھے رکنا پڑا۔

دوسرے دن رانی پڑھنے آئی تو وینا اپنے گھر سے جا چکی تھی۔

[illegible] گیا۔

"وہ نہیں آئی۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیسے بینا! تمہیں آج پڑھنا نہیں ہے؟"

میں خود وینا کے کمرے میں گیا۔

"نہیں، مجھے نہیں پڑھنا ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"کیوں؟"

"کہہ تو دیا، کہ مجھے نہیں پڑھنا۔ رانی کو پڑھائیے آپ!"

"لیکن تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا۔"

"تیری طبیعت تو خراب نہیں؟"

"ہاں خراب ہے!" اُس نے اور بھی چڑ کر کہا۔

اب میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

"اُٹھو میری اچھی بہن، تُو تو بہت سمجھدار بہن ہے۔ بھائیوں کے ساتھ کبھی بہنیں ...."

"میں نہیں آپ کی بہن وہن۔" اُس نے غصہ سے میری بات کاٹ دی۔ اور شرما کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

میرے دل کے پردے پر رانی اور وینا۔ دونوں کے آنچل لہرا رہے ہیں۔ دونوں کے سدا ئے حسین ہیں۔ لیکن رانی رانی ہے، وینا وینا!! ●●

رنگ محل محترمہ حمیدہ سلطان جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند، شاخ دہلی کا تاریخی اور رومانی شاہکار۔ یہ ایک اعلیٰ پایہ کا معیاری اور دلچسپ ناول ہے۔ زبان کی بے تکلفی اور برکات کی شائستگی اور لوچ نے اسے خاصہ کی چیز بنا دیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے دلی کی مٹی ہوئی تہذیب معاشرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مجلد قیمت چھ روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر۶

غزلیں

[illegible]

مسکرا کے ملی گئی سِتارا

تڑپنے لگا دل وہ فرقت کا مارا

مرا عشق تیری جفا نے سنوارا

ترا حسن میری وفا نے نکھارا

ابھی تک نفس کی خوشبو ہے باقی

گلے اس طرح مل کے کوئی سدھارا

ہیں تیری قریب پہلو بہ پہلو

ہنسی نے جلایا نگاہوں نے ملا

یہ دنیا غریبوں کی دنیا نہیں ہے

امیروں کا ہے زندگی پر اجارا

سلامت رہے میرا عزمِ مصمم

بھنور میں نظر آ رہا ہے کنارا

جھکا اٹھا پر کار میرا مقدر

یہ کس نے مرا نام لے کر پکارا

[illegible]

فیض الحق خیال

تم کو اپنا بنا کے روتے ہیں

چاندنی مسکرا کے روتے ہیں

تیری محفل میں آ کے روتے ہیں

پیاس دل کی بجھا کے روتے ہیں

جستجو میں تھا لطف جینے کا

ہم تو منزل کو پا کے روتے ہیں

تیرہ بختی بہت غنیمت تھی

ہم مقدر جگا کے روتے ہیں

اے محبت ترے بھروسے پر

دل کی دنیا بسا کے روتے ہیں

شاخِ نازک پہ آرزوؤں کا

آشیانہ بنا کے روتے ہیں

جب تمہارا خیال آتا ہے

ہم بہت تلملا کے روتے ہیں

[illegible]

جل گئی شاخ آشیاں یارو

گلستاں ہے دھواں دھواں یارو

حوصلے تھے ابھی جواں یارو

رک گیا قافلہ کہاں یارو

سخت سے سخت مرحلوں میں بھی

ہم کو رہنا ہے نغمہ خواں یارو

دل کو جس طرح چاہو بہلا لو

کون ہوتا ہے مہرباں یارو

مفلسوں کے چراغ گل نہ ہوئے

ہو چکی ختم داستاں یارو

کون سنتا ہے اس زمانے میں

دکھ بھرے دل کی داستاں یارو

اجنبیت ہے اس نگر کا چلن

آ گئے ہم کہاں یارو

شادی کا بجٹ

راز یوسفی

مکان نمبر ۱ دیوان سٹریٹ نمبر ۳۳ محرم پورہ ۔ پوسٹ آفس مغلپورہ ۔ لاہور

۳۰ جنوری ۱۹۶۱ء

خورشید بھائی! ہدیۂ خلوص و عقیدت!!

حسبِ عادت ایک طویل سکوت کے بعد شکستِ سکوت کی جرأت کر رہا ہوں۔ "شادی کا بجٹ" حاضر ہے۔ میں نے ایک بہت سنجیدہ موضوع پر نہایت احتیاط سے ایک ہلکا پھلکا طنزیہ سپردِ قلم کیا ہے۔ میں اس میں تاثر کی شدت قائم رکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، میرے لئے اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ اس کا صحیح فیصلہ یا تو آپ کی فن شناس نگاہ کر سکتی ہے یا بیسویں صدی کے وہ بالغ نظر قارئین جو اس سے پہلے بھی مجھے اپنی قیمتی آراء سے مستفید کر چکے ہیں۔۔۔

نیاز آگیں ۔۔۔۔۔ راز یوسفی

ناشتے سے فارغ ہو کر اور قیمتی سوٹ زیبِ تن کرنے کے بعد ٹائی کی گرہ درست کرنے کی غرض سے جب شکیل قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہوا تو اچانک اُسے گزشتہ شام کی دلچسپ شرارت یاد آ گئی۔ اور وہ شفاف آئینے کی سطح پر اپنا چہرہ دیکھ کر یوں کھلکھلا کر ہنس دیا جیسے آئینے میں منعکس چہرے نے شرارتاً اُس کا منہ چڑا دیا ہو۔

"بیچارہ رفیق!"

وہ زیرِ لب منمنایا۔

رفیق کا نام زبان پر آتے ہی اُس کے تصور میں میرینا کا حسین سراپا ابھر آیا۔ شاخِ بنفشہ کی طرح ایک نرم و نازک سی سانولی سلونی لڑکی جو ٹائپسٹ گرل سے زیادہ گرل فرینڈ تھی اور گرل فرینڈ سے زیادہ ٹائپسٹ گرل! اور اس حسین تصور کے ساتھ اُسے ماضی کی بہت سی سہانی شامیں یاد آ گئیں جو اُس نے میرینا کی سیاہ زلفوں کے سائے میں گزاری تھیں۔

"بے چاری میرینا!"

وہ پھر ایک آہِ سرد کے ساتھ منمنایا۔

اچانک اُس کی پیشانی پر فکر و تشویش کی گہری لکیریں ابھر گئیں اور وہ کچھ اُلجھا اُلجھا سا نظر آنے لگا۔ پھر اُس نے بہت تھکے ہوئے انداز میں اپنے آپ کو پاس بچھے ہوئے صوفے پر گرا دیا۔ اور دیر تک آنکھیں بند کئے سوچتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ پیشانی پر بکھری ہوئی لکیریں پھیلنے لگیں۔ اور اس کے چہرے پر شگفتگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میرینا بہت ہوشیار لڑکی ہے۔ وہ اپنے ڈرامائی کردار کو سلیقے سے نباہنا جانتی ہے۔"

وہ اپنے دھڑکتے ہوئے دل کو خیالی کھلونوں سے بہلانے لگا۔ پھر وہ عجلت کے ساتھ اُٹھا اور آخری بار اُلجھے ہوئے بالوں کو سنوار کر ڈرائنگ روم سے باہر جانے ہی کو تھا کہ اُسے باہر کے دروازے پر میرینا کا حسین سایہ لہراتا ہوا

نکلا۔ اُس کے قدم وہیں رک گئے۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورنے لگا۔ اُس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی۔ اور ایک انجانے خوف سے اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

شکیل کو دیکھتے ہی میرینا کی خواب آلود آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ڈارلنگ ——"

وہ لپک کر شکیل کے پاس پہنچی۔ اور بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔

"تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو ڈارلنگ؟"

"معاف کرو۔ گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ڈارلنگ! وہ ایک دم بولا سے [illegible] کا۔"

"صاف صاف بتاؤ ڈارلنگ! مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

"نیند تو مجھے بھی نہیں آئی!"

اُس کے تبسم میں تلخ شرارت پنہاں تھی۔

"اوہ!" جیسے اُس کا دل بجھ کر رہ گیا۔ اور وہ کھویا کھویا سا نظر آنے لگا۔

"ڈارلنگ! تمہارے بغیر مجھے کیسے نیند آسکتی تھی؟" اُس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

شکیل کا رکا ہوا سانس پھر معمول پر آگیا۔ اور اُس نے کسی حد تک اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔ ڈارلنگ! اب مجھے پورا واقعہ سناؤ۔ میں پوری بات سننے کے لئے بے تاب ہوں۔"

"کل جب تم مجھے اور رفیق کو سنیما ہال میں چھوڑ کر غائب ہوگئے اور بہت دیر تک نہ لوٹے تو وہ بہت جھنجھلایا۔ جب تک پردے پر فلم چلتی رہی اُس کی نظر گیٹ پر جمی رہی۔ یہاں تک کہ انٹرول ہوگیا۔ وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر ہال سے باہر چلا گیا۔ اور پھر فلم شروع ہونے پر منہ لٹکائے ہوئے اندر آگیا۔ جب تک فلم چلتی رہی وہ بہت بے چینی سے کرسی پر بیٹھا پہلو بدلتا رہا۔ پھر شو ختم ہونے کے بعد ہم ہال سے باہر آگئے۔ وہ جھینپے ہوئے انداز میں دور تک میرے ساتھ چلتا رہا۔ میں بھی جان بوجھ کر خاموش

[illegible] پھر وہ گھبرائی ہوئی کیوں [illegible]

میرینا! شکیل نے اُسے کہیں بھگا دیا [illegible] تم اپنے گھر چلی جاؤ!"

"نو!" میں نے بناوٹی غصے سے کہا۔ "[illegible] گھومتی رہوں گی۔ شکیل ضرور یہاں پہنچے گا۔"

وہ سہم گیا۔

پھر اُس نے وہیں سے تانگہ کرایہ پر لیا اور مجھے لے کر گھر گیا!

"پھر کیا ہوا؟"

شکیل بے تاب ہوگیا تھا۔

"پھر کچھ بھی نہیں ہوا" میرینا مطمئن لہجے میں بولی۔ "اُس نے ڈرائنگ روم میں بہت گدگدے سے بستر پر مجھے لٹا دیا۔ اور خود ساری رات باہر برآمدے میں کھری چارپائی پر لیٹا رہا۔

پھر صبح اُس نے مجھے بہت قیمتی ناشتہ کھلایا۔ جب ناشتے سے فارغ ہوکر میں چلنے لگی تو اُس نے دبی زبان میں کہا۔

"شکیل سے کہنا بجھی ہوئی راکھ میں چنگاریوں کی تلاش بے سود ہوتی ہے۔"

میرینا ایک طویل قہقہہ لگا کر خاموش ہوگئی تھی لیکن شکیل کی روح کے تار جھنجھنا اٹھے تھے۔

"رفیق عظیم انسان ہے!"

وہ سوچ کی گہری جھیل میں ڈوب گیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب میرینا چلی گئی تو رفیق کے ذہنی الجھاؤ کو دور کرنے کے لئے اُس نے ایک اور پروگرام تیار کیا۔ یہ پروگرام بہت دنوں سے اُس کے ذہن میں تھا۔ لیکن اُسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے وہ رفیق کو آزمانا چاہتا تھا۔ اور وہ اُس آزمائش میں پورا اترا تھا۔ وہ اُسی وقت رفیق کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

رفیق بھی ایک جھٹکے سے جاگ پڑا تھا۔ شاید وہ رات کی نیند پوری کر رہا تھا لیکن شکیل کے ہاتھ کی دستک کی آواز سنتے ہی جاگ اٹھا۔ اس نے خواب آلود آنکھوں سے سامنے دروازہ کھول دیا۔ شکیل کو دروازے پر دیکھ کر اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اتوار کی خوشی میں ابھی تک پڑے سو رہے ہو؟"

شکیل نے بلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔

"ہوں!" وہ ابھی تک گم صم کھڑا تھا۔

"میرا راستہ روکے کیوں کھڑے ہو؟ کیا اس وقت میرا آنا تمہیں اچھا نہیں لگا؟"

وہ اک دم پیچھے ہٹ گیا۔

اور شکیل آگے بڑھ کر صوفے میں دھنس گیا۔

پھر وہ چپ چاپ اس کے پیچھے آیا اور سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک دم سرخ ہو گئیں۔

"شکیل! تم مجھے کیسا آدمی سمجھتے ہو؟" اس نے بہت متاثر لہجے میں سوال کیا۔

"ایک دم بور۔ ایڈیٹ!"

"تم ٹھیک کہتے ہو" اس نے جیسے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

شکیل کو رفیق کی یہی ادا بہت بھاتی تھی۔ وہ اس سے عمر، علم اور تجربے میں کہیں بڑا تھا۔ اس کے باس کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔ لیکن مزاج کا اتنا نرم اور اور گاؤدی ہونے کی حد تک سیدھا تھا کہ بعض اوقات رحم کی بجائے شکیل کو اس پر غصہ آنے لگتا تھا۔ اس نے ایک غریب گھرانے میں جنم لیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اُسے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا علم نہ تھا۔ اور وہ کسی وقت بھی احساسِ کمتری کے خول سے باہر نہ نکلتا تھا۔

پھر شکیل نے ایک اور چٹکی بھری۔

"یہ میری ہی رائے نہیں ہے۔ بلکہ میرینا کا بھی یہی خیال ہے۔"

میرینا کا نام سن کر وہ چونک اٹھا۔

"وہ بھی ٹھیک کہتی ہے" اس نے دوبارہ ہار مان لی تھی۔

پھر وہ دیر تک دریچے سے باہر دور خلاؤں میں گھورتا رہا۔ آج شکیل اُسے زیادہ زچ کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لئے اُس نے جلد ہی بات کا رُخ بدل دیا۔

"رفیق! آج میں تم سے بہت سنجیدہ موضوع پر بات کرنے والا ہوں۔ اور کسی نتیجے پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔"

وہ خاموش رہا۔

"میں نے تمھاری عادات و اطوار کا بہت گہری نگاہ سے جائزہ لیا ہے۔ اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم ایک شدید قسم کے نفسیاتی مرض کا شکار ہو۔ تم زندگی کے تیس سال گزار چکے ہو اور ابھی تک کنوارے ہو اور یہی مرض تمھاری ذہنی کشاکش کا نتیجہ ہے۔ میں نے تمھیں آزمانے کے لئے اپنے جذبات کا خون کیا تھا۔ اور تمھیں میرینا کی قربت بخش دی تھی۔ لیکن تمھاری نفرت و عاجزی کا وہی عالم ہے۔ اب ایک ہی راہ باقی رہ گئی ہے کہ تم کسی لڑکی سے شادی کر لو۔"

"مگر میری مالی حالت . . . ؟"

"میں نے اس کے بارے میں سب کچھ سوچ لیا ہے۔ تمھاری ماہانہ آمدنی کے مطابق میں نے تمھاری شادی کا جو بجٹ تیار کیا ہے اس کی تفصیل اس کاغذ پر موجود ہے۔"

شکیل نے یہ کہتے ہوئے جیب سے ایک کاغذ نکال کر میز پر رکھ دیا جس پر رفیق کی آمدنی اور اخراجات کی پوری تفصیل کچھ اس طرح لکھی تھی۔

کُل آمدنی ـــــ ۱۵۰ روپے

اخراجات

آٹا ـــــــــ	۲۰ روپے
دودھ ـــــــــ	۲۰ روپے
گھی ـــــــــ	۲۰ روپے
لکڑی ـــــــــ	۱۰ روپے
کپڑا ـــــــــ	۲۰ روپے
گوشت سبزی وغیرہ ـــــ	۳۰ روپے

جگل اسد صوفی ——— ۱۰ روپے
بھلی فنانی ——— ۱۰ روپے
ساقی شیخ وغیرہ ——— ۱۰ روپے

کل میزان ۱۵۰ روپے

[illegible]

رفیق دیر تک وحشت بھری نگاہوں سے شکیل کو گھورتا رہا پھر

مٹھیاں بھینچ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا

شکیل! تم نے شادی کا بجٹ غلط بنایا تھا!

رفیق اشتیاق کے ساتھ میز پر جھک گیا اور بجٹ آمدنی اور اخراجات کے نقشے پر اُس کی نگاہیں جمی رہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں خوشگوار مستقبل کا حسین نقشہ اُبھرنے لگا اور شکیل کے پاس آ کر چہرے پر مسرت کی شعاعیں رقص کرنے لگیں۔

رفیق کی ازدواجی زندگی مسرتوں اور کامرانیوں کا تابناک امتزاج تھی اور وہ ذہنی اضمحلال کی کرب انگیز دسترس سے بہت دور جا چکا تھا۔

چھ ماہ بعد....

رفیق تبدیل ہو کر کراچی چلا گیا۔

کچھ دنوں تک تو شکیل سے اُس کی خط و کتابت جاری رہی۔ لیکن پھر اچانک یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شکیل بھی اپنی کاروباری مصروفیتوں کی بنا پر اس طرف توجہ نہ دے سکا۔

ایک سال بعد.....

تو ایک روز شکیل ڈرائنگ روم میں کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھا، اچانک رفیق ہوا کے شریر جھونکے کی طرح کمرے میں داخل ہو گیا۔ اُس کے بال اُلجھے ہوئے تھے اور چہرے سے

"کیا کہتے ہو؟"

شکیل چونک اٹھا۔

"تم خوراک اور لباس کی تفصیل کے ساتھ ڈاکٹر کی فیس اور دواؤں کے اخراجات بھول گئے تھے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نہیں سمجھا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھو گے اور اب اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑے گا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔"

"کیا ہو چکا؟"

"وہ میرے ہونے والے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ وہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ چارپائی سے لگ گئی۔ ڈاکٹر نے طاقت پہنچانے والی غذاؤں کے ساتھ ساتھ قیمتی انجکشن لگانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تمہارے بنائے ہوئے بجٹ میں بہت سی تبدیلیاں کر کے اس کا علاج جاری رکھنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی میں ڈاکٹر کے مشورہ پر پوری طرح عمل نہ کر سکا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

شکیل نے کمال بے تابی سے پوچھا۔

"میں اسے بچا نہ سکا۔ وہ مر گئی۔"

وہ بلبلا کر رونے لگا۔

شکیل کے دل پر ایک دھچکا سا لگا۔

"ہائیں مر گئی اور تم نے مجھے خبر تک نہ کی ظالم؟"

لیکن یہ سب کچھ سننے سے پہلے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرہ چھوڑ چکا تھا اور بازار میں چلتے پھرتے انسانوں کے ہجوم میں اس طرح گم ہو گیا جیسے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک قطرۂ ناچیز اپنی ہستی فنا کر دیتا ہے ——!

••

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن منی آرڈر پر یہ ضرور تحریر فرمایئے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد میں دیر نہ ہو۔ خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ "رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶" لکھنا کافی ہے۔ (منیجر)

غزل

عنوان چشتی ایم۔ اے

دیدنی ہے یہ عشق کا اسلوب
دل ہے جرمِ نگاہ پر مجبوب

زندگانی کے روشن امکانات
اُن کی چشمِ کرم سے ہیں منسوب

غمِ جاناں کی جھلکیوں کے طفیل
زندگی کتنی ہو گئی محبوب

آپ سے چوک ہو گئی شاید
آپ اور مجھ پہ مہرباں کیا خوب

جب سے روٹھا ہے کوئی اے عنوان
زندگی کا بدل گیا اسلوب

غزل

اُلفت۔ امن آبادی

جو تری رہ گزر سے گزرے ہیں
حدِ جذب و اثر سے گزرے ہیں

کیا چمن میں ہے جز بہار و خزاں
رنگ دونوں نظر سے گزرے ہیں

شبِ ہجراں ہو جیسے عمر دراز
ہم اُمیدِ سحر سے گزرے ہیں

راہِ ہستی میں لاکھ جلوے تھے
خود ہمیں بے خبر سے گزرے ہیں

راہِ الفت سے روکنے والے
خود اسی رہ گزر سے گزرے ہیں

افواہیں

جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

شراب کے بعد سگریٹ! ———•

جانکار حلقوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا شراب بندی کی طرح سگریٹ بندی کی اسکیم پر بھی غور کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو خود سگریٹ نوشوں کی طرف سے کئی عرضداشتیں موصول ہوئی ہیں کہ انھیں سگریٹ نوشی کے سبب جہاں اقتصادی نقصان ہوتا ہے وہاں ان کے اندر کام کرنے کی اسپرٹ بھی ختم ہو رہی ہے لیکن وہ کہنہ عادت کی وجہ سے اسے ترک نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر قانونی پابندیاں لگا دی جائیں تو شاید ڈر کے مارے یہ بد عادت ترک کر دیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ اگر خود سگریٹ نوش اپنا دلی تعاون پیش کریں تو امتناعِ سگریٹ کی پالیسی فوراً کامیاب ہو سکتی ہے سرکار صرف ایک نکتہ پر شش و پنج میں ہے کہ وزیرِ خزانہ شری مرارجی ڈیسائی جو خود سگریٹ سے سخت نفرت کرتے ہیں امتناعِ سگریٹ کی شدید مخالفت کر رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس اسکیم سے کروڑوں روپے کا نقصان ہو جانے کی وجہ سے بجٹ غیر متوازن ہو جائے گا۔ اگر اس اسکیم کو اپنایا گیا تو وہ وزارت خزانہ سے استعفیٰ دے دیں گے۔

دُودھ الگ پانی الگ ———•

ہندوستان کے کانگریسی حلقوں میں اس افواہ سے بڑی ہلچل مچ گئی ہے کہ کانگریس ہائی کمانڈ فرقہ پرستی کے خلاف ایک ہندوستان گیر تحریک شروع کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ تحریک پہلے اپنے ہی گھر شروع کرنا چاہتا ہے سنا گیا ہے کہ اس تحریک کے پہلے دور میں کانگریس کے اندر چھپے ہوئے فرقہ پرستوں کے خلاف چھان بین کی جائے گی اور کانگریس سے تمام فرقہ پرستوں کو نکال کر پارٹی کو پاک کر دیا جائے گا۔ تطہیر کی یہ تحریک چھوٹے بڑے بہت سے کانگریسیوں کے لئے ایک ضربِ عظیم ثابت ہوگی۔ جہاں گرد نے ہر صوبے کے چند کانگریسیوں سے ملاقات کے بعد اندازہ لگایا ہے اگر تو کانگریس کھنگالے جائیں گے تو ان کے اندر سے فرقہ پرست ہی نکلیں گے اور اس اعتبار سے کانگریس ملک کی سب سے چھوٹی اقلیت کی پارٹی بن کر رہ جائے گی۔

کہا جاتا ہے کہ شاید اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کا یہ خوفناک اقدام کچھ دیر کے لئے ملتوی کرنا پڑے۔ کیونکہ ملک ابھی اس حادثہ کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن ہائی کمانڈ کے چند سچے لیڈروں کا خیال ہے کہ ہمیں حکومت کرنے کی بجائے اپنے اصول زیادہ پیارے ہیں۔ اس لئے یہ تطہیر ضرور کرائی جائے تاکہ دودھ الگ ہو جائے اور پانی الگ۔

بھگوان سر کے پاس ———•

ہند سرکار کا ایک نمائندہ ضرور جلد ہی کیلاش پربت کی طرف روانہ ہونے

... بھگوان شوشنکر سے ملاقات کرے گا۔ اِس وفد کے بھیجے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی سرکار اس بات سے بڑی پریشان تھی کہ فیملی پلاننگ کے نتائج حوصلہ افزا کیوں نہیں ہیں۔ چنانچہ اِس سلسلہ میں سرکار کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس نے رپورٹ دی ہے کہ ہندوستان میں بچوں کی زیادہ تعداد صرف غریب افراد کے ہاں پیدا ہوتی ہے۔ اُس کے مقابلے میں امیروں کے ہاں اوّل تو بچے پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو بہت کم۔ علاوہ ازیں غریب لوگ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے فیملی پلاننگ اسکیم کو سمجھ نہیں پاتے۔ اور امیر لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اِس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

+++++++++++++++++++++++++

- اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو۔ خدا اُس پر رحم کرے گا اور تمھیں اُس میں مبتلا کر دے گا۔ (حضور سرورِ کائنات صلعم)
- ہر کام اِس انداز سے کرو کہ تمھاری انسانیت کا پایہ بلند نظر آئے۔ (انگریز مفکر سیکوا)
- گلاب کے پھول کو آپ چاہے جس نام سے پکاریں لیکن اُس میں جو خوشبو ہے اُسے وہ کبھی نہ چھوڑے گا۔ (ملٹن)
- بے انصافی کرنے والے کی نسبت بے انصافی برداشت کرنے والے کا قصور زیادہ ہوتا ہے۔ (ٹالسٹائی)

+++++++++++++++++++++++++

چنانچہ فیملی پلاننگ کو لاعلاج سمجھ کر سرکار نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک وفد بھگوان شوشنکر کے پاس بھیجا جائے۔ جو یہ معلوم کرے کہ بھگوان غریبوں کے ساتھ یہ سخاوت کیوں برتتا ہے؟ اور امیروں کے ہاں بچوں کا توڑا کر کیوں بھیجتا ہے۔ یہ وفد ایک میمورنڈم بھی پیش کرے گا جس میں بھگوان شوشنکر کو ایک سمجھائش بھی دیا جائے گا کہ وہ اپنی پُرانی پالیسی بدل دے۔ اور ایک سال غریبوں کے ہاں اور دو سال امیروں کے ہاں زیادہ اولاد پیدا کیا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس طرح امیروں کی دولت زیادہ ہاتھوں میں تقسیم ہو جائے گی اور غریبوں کی دولت تھوڑے ہاتھوں میں۔ اِس سے ہندوستان کی اقتصادی زندگی میں ایک [illegible] پیدا ہو جائے گا۔ [illegible] وفد کو بھگوان شوشنکر کی بیوی پاربتی کی حمایت بھی حاصل ہے اور [illegible] پر نہرو ڈالیں گی کہ تجاویز منظور کر لیا جائے۔ اِس وفد میں [illegible] ایک [illegible] اور تپاشو بھگت بھی شامل ہوگا جس کے چھ بچے ہیں۔

دو سو روپے والے مریض

سرکاری ہسپتالوں کے متعلق عام شکایت سننے میں آتی رہی ہے کہ وہاں بااثر اور باستطاعت طبقہ کو داخل کر لیا جاتا ہے اور کم آمدنی والے مریضوں کے ساتھ سوتیلے بچوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ اِس کمپلینٹ کو ختم کرنے کے لئے سرکار نے ایک اسکیم تیار کر لی ہے۔ اِس اسکیم کے تحت صرف دو سو روپے ماہانہ تک آمدنی والے مریض افراد کو سرکاری ہسپتالوں میں داخل کیا جائے گا۔ اِس سے زیادہ آمدنی والوں سے صاف کہہ دیا جائے گا کہ وہ پرائیویٹ ڈاکٹروں سے علاج کرائیں۔ آمدنی کی تصدیق کسی ایم ایل اے، ممبر پارلیمنٹ یا میونسپل کمشنر سے کرائی جا سکے گی۔ پرائیویٹ ڈاکٹروں میں اِس خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور وہ اپنی اپنی فیس بڑھانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں کا اسٹاف اِس اسکیم سے سخت ناخوش ہے۔ کیونکہ بارسوخ طبقے سے اُنھیں کئی فوائد حاصل ہوتے تھے جن سے وہ اب محروم رہیں گے۔ جہاں گرد نے چند العار آدمیوں سے اِس اسکیم کے متعلق رائے پوچھی۔ تو اُنھوں نے ہنس کر کہا۔ ہم بھی اپنی آمدنی صرف دو سو روپے لکھ سکتے ہیں۔ اور تصدیق بھی کرا سکتے ہیں کسی ایم۔ ایل۔ اے یا ممبر پارلیمنٹ سے تصدیق کرانا یا جھوٹ بولنا کون سا مشکل کام ہے۔

سرکاری دفترات کو

۱۹۶۲ء سے برسات کے موسم میں سرکاری دفتروں کی چھتیں رات کو کھلا کریں گے۔ پتہ چلا ہے کہ سرکاری ملازموں کی طرف سے مرکزی اور صوبائی سرکاروں کو یہ عام شکایت موصول ہوئی ہے کہ موسم برسات میں

مدیر بیسویں صدی کے نام [illegible]

اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشادات کی تعمیل ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

(منیجر رسالہ بیسویں صدی)

مضمون نگار حضرات

سے درخواست ہے کہ وہ بیسویں صدی کے لئے مضامین لکھتے وقت حتی الامکان اختصار سے کام لیا کریں۔ بغرض اشاعت موصول ہونے والے مضامین میں سے مختصر افسانوں کو طویل افسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور طویل افسانے مضمون نگار حضرات کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ غیر مطبوعہ مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ لگے لفافے پر اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ بھیجیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ مضمون کے کاغذ پر لفظ غیر مطبوعہ ضرور لکھیئے۔

(منیجر رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر ۶)

۱۸۵۷ء کی دِلّی

جناب جہیشور دیال نے اسمیں تاریخی خاکوں کے واضح نقوش کو ایک پرکیف داستان کے روپ میں پیش کیا ہے۔ جسمیں آپ حسن و شباب کی رنگینیوں ہی سے نہیں، جذبۂ حب الوطنی ایثار، اخوت و محبت اور رواداری کے چشموں سے بھی سیراب ہوں گے۔ دلّی کی ٹکسالی زبان، قلعہ معلّیٰ کی رسیلی، دل موہ لینے والی زبان کی حلاوت آپ کو جناب جہیشور دیال ہی کے زورِ قلم میں پائیں گے۔ کیونکہ یہ ان کی اپنی مادری زبان ہے۔ کتابت و طباعت کے اعلیٰ ترین مراحل سے گزر کر کتاب دلہن کی طرح سجی ہوئی ہے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

ڈارلنگ

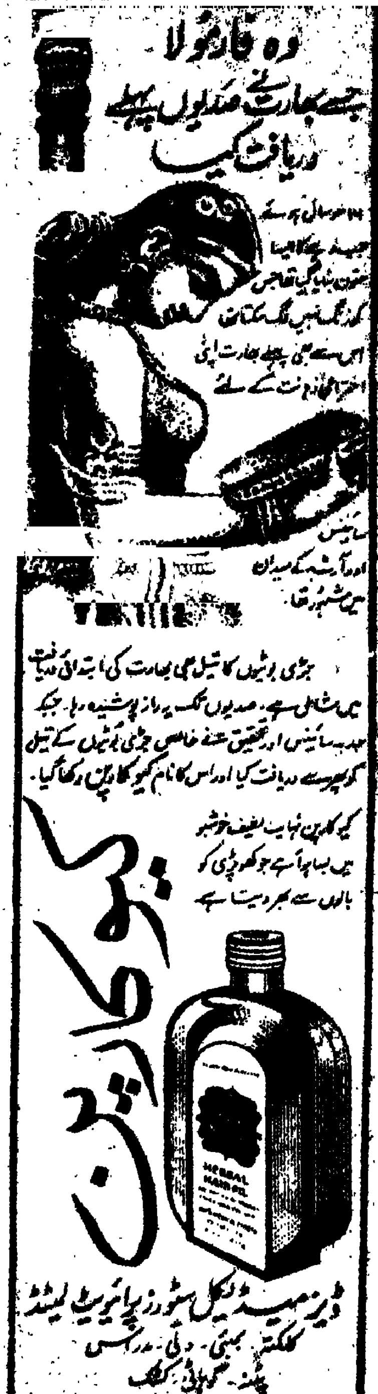
جناب نرلش کمار شاد کے منتخب طبع زاد افسانوں کا بے مثل اور حسین و جمیل مجموعہ۔ قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے۔

سُرخ حاشیئے۔ اُردو کے مشاہیر ادیبوں کے دلچسپ لطیفے قیمت دو روپے پچہتر نئے پیسے

راکھ تلے۔ غیر ملکی افسانہ نگاروں کے شاہکار افسانے ہندوستانی لباس میں۔ قیمت دو روپے

ماں۔ میکسیم گورکی کے شہرۂ آفاق ناول کا ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ پچہتر نئے پیسے

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر ۶



جیسا ہوتا ہے کہ یا تو صبح دس بجے سے پہلے پہلے بارش شروع ہو جاتی ہے یا شام کو پانچ بجے ہی موسلادھار مینہ برسنے لگتا ہے۔ ملازم بے حد پریشان ہیں کہ وہ یا تو صبح گھر سے آ ہی نہیں سکتے۔ یا شام کو دفتر سے گھر نہیں پہنچ سکتے۔

چنانچہ اس کی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے طے کیا گیا ہے کہ جولائی، اگست اور ستمبر کے مہینوں میں سرکاری دفترات کو کھلا کریں گے۔ پہلے خیال تھا کہ سائنس کی مدد سے بارش کے اوقات بدل دیئے جائیں گے۔ لیکن سائنس داں نے کہا کہ ابھی تو ہم موسمی پیش گوئی کی صحیح صحیح رپورٹ بھی نہیں دے سکتے بارش کے اوقات کیسے بدل سکیں گے۔ چنانچہ بارش کے اوقات کی بجائے آپ دفتر کے اوقات ہی بدل دیجئے۔ امید ہے ۱۹۶۲ء سے یہ سسٹم چالو ہو جائے گا اور ہندوستان میں رات کو دفاتر شروع ہو جائیں گی اور دن سونے سونے ہو جائیں گے۔

ریلوں کا رش ختم ——— •

گزشتہ ہفتہ جہاں گرد گھومتا گھومتا سنٹرل ریلوے ایڈوائزری بورڈ کے دفتر کی طرف نکل گیا۔ جہاں بورڈ کی ایک خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی۔ اور ریلوے منتری شری جگجیون رام جی بے حد پریشان خاطر دکھائی دے رہے تھے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ریلوے میں بڑھتے ہوئے رش کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں اور انھوں نے ریلوے بورڈ کے سامنے سوچ بچار کے بعد اچھوتی تجویزیں پیش کی ہیں جن سے رش گھٹانے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) ہر سیٹ پہ نمبر لگائے جائیں اور ہر جاری شدہ ٹکٹ پر مقررہ سیٹ نمبر چھاپ دیا جائے۔ جیسے سنیما ہالوں میں ہوتا ہے۔ تاکہ مسافر صرف اپنے اپنے نمبر کی سیٹ پر بیٹھ سکیں۔ نہ کھڑے ہو سکیں، نہ فرش پر بیٹھ سکیں اور نہ برتھ پر لیٹ سکیں۔ اس طرح مسافروں کی تھوڑی تعداد ہی گاڑی میں بیٹھ سکے گی۔ باقی لوگ دوسری گاڑی کا انتظار کیا کریں گے۔

بورڈ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس طرح سیٹ نمبر والی ٹکٹوں کی بلیک شروع ہو جائے گی۔ اور کرپشن کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس سے محکمہ ریلوے کی داغ دار چادر اور بھی داغدار ہو جائے گی۔

(۲) دوسری تجویز یہ تھی کہ صرف پچاس میل سے زیادہ سفر والوں کے لئے ہی ٹکٹ جاری کئے جائیں۔ اس سے کم فاصلے کے مسافر بسوں اور لاریوں، اونٹوں اور تانگوں پر سوار ہونے کی عادت ڈالیں۔ اس تجویز پر کافی سنجیدگی سے بحث کی گئی۔ اور قریب تھا کہ تجویز پاس ہو جاتی کہ اسی دوران ایک ممبر نے کہا کہ مجھے تجویز کے پیچھے پرائیویٹ ٹرانسپورٹ کمپنیوں کا خفیہ ہاتھ دکھائی دے رہا ہے۔ اسی شبہے کی بنا پر اس تجویز پر خط تنسیخ پھیر دیا گیا۔

(۳) تیسری تجویز یہ سامنے لائی گئی کہ بھارت سیوک سماج کے والنٹیرز کی مدد لی جائے۔ جو ہر گاڑی کے روانہ ہونے سے پہلے بکنگ کی کھڑکی کے سامنے

+++++++++++++++++++++++++

◆ جب قسمت مسکراتی ہے تو میں یہ سوچ کر مسکرانے لگتا ہوں کہ اس کی پیشانی جلد ہی شکن آلود ہو جائے گی۔ (رابرٹ ساؤتھے)

◆ دولت پر اعتماد نہ کیجئے بلکہ دولت کو اعتماد میں رکھیئے۔

(الیور ہومس)

◆ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اس لئے شاہراہِ حیات پر آج ہی گامزن ہو جاؤ۔ (رالف ٹڈسن)

◆ ہم غلطیاں کرتے ہیں اور اُن کا نام تجربہ رکھتے ہیں۔

(یونانی مقولہ)

+++++++++++++++++++++++++

کھڑے ہو جائیں۔ اور ہاتھ جوڑ کر ہر مسافر سے کہیں "کیوں بھائی صاحب! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سفر کا ارادہ ترک کر دیں تاکہ آپ کی وجہ سے رش نہ بڑھ جائے" اس تجویز پر تمام گاندھی بھگتوں نے صاد کیا۔ اور کہا کہ اس طرح مسافروں کا دل جیت کر انھیں سفر کرنے سے باز رکھا جائے۔ ریلوے منتری نے کہا کہ وہ خود دہلی ریلوے اسٹیشن پر والنٹیر کے فرائض سر انجام دیا کریں گے۔ لیکن اس تجویز کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ والنٹیر ہر مسافر کا دل جیت لیں اور کوئی مسافر گاڑی پر سوار ہونا پسند نہ کرے اور ریل گاڑی خالی ہی اسٹیشن سے روانہ ہوا کرے۔

[illegible]

[illegible] ... کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... کیا جائے

[illegible] ... اور ... تو

[illegible] ... کر رہی ہیں۔

آخری افواہ

پچھلے دنوں ہندوستان بھر کے ... اور ... کی ایک ... فیصلہ کیا ... کی طرف سے ... کر کے ... ہے ہم اس کی ... کیونکہ ... میں

[illegible]

آنکھیں بند کر کہا۔

"میں اس بات پر یقین نہیں کرتا۔"

شری مرار جی ڈیسائی نے ... کہا

[illegible]

ایک ساتھی ... نے ... [illegible]

نہیں ... ہم نے اس قسم کا فیصلہ کیا ہے یا نہیں؟"

ایک ... نے کہا۔

[illegible]

... ہوتی ہے۔"

... نہیں ہو سکتے۔" منیجر

چھینٹے

پروفیسر جوگیندر پال ایم اے

پوسٹ بکس ۹۱۹، نیروبی، کینیا، برٹش ایسٹ افریقہ

۲ مارچ ۱۹۹۱ء

محترمی خوشتر صاحب! آداب

"چھینٹے" حاضر ہے۔ امید ہے آپ یہ ننھی کہانیاں پسند فرمائیں گے کئی موضوعات ایسے ہوتے ہیں جو ذرا سی طوالت ہو جانے سے اپنی برجستگی کھو دیتے ہیں۔ پیش کش آپ کی ادب نوازی کا اعتراف بھی ہے اور بیسویں صدی کی وسیع ریڈرشپ تک پہنچنے کی خواہش بھی۔۔۔

خلوص کار ـــ جوگیندر پال

مر کے بھی

پہلا انسان چاند پر پہنچا۔ اپنے راکٹ کی کھڑکی کھول کر سر باہر نکالا۔ اور وہاں کے پُراسن ماحول سے بہت متاثر نظر آنے لگا۔

پھر جیسے یکبارگی اَن گنت پرندے آدھی رات کو یک دم اٹھے ہوں اور راکٹ کے آس پاس پھڑپھڑانے لگے ہوں۔

"کون ـــــ؟"

انسان نے بمشکل اپنے تحیر پر قابو پاکر نہایت اونچی آواز میں پوچھا۔

"انسانی روحیں" جواب آیا۔ "تم یہاں تو پہلا پہنچا ہے نا؟"

"تمہارا پہنچا!!"

"ہاں، مر مر کے یہاں پہنچے تھے کہ خدا ہمیں مل جائے گا مگر تم یہاں بھی آ پہنچے ـــــ!"

دبدبہ

تاج محل پر نگاہ جاتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کناروں پر چار میناروں کی بجائے شاہجہاں کے چار مسلح سپاہی کئی سو سال سے کھڑے کھڑے اکڑ گئے ہوں۔

"ارے بھئی جاؤ اپنی اپنی قبروں میں آرام کرو۔"

"نہیں، شہنشاہ کا حکم ہے کہ ہم ہمیشہ یہیں کھڑے رہیں اور کڑا پہرہ دیں۔"

"لیکن وہ تو ابدی نیند سو رہا ہے۔"

"نہ بابا! ذرا کروٹ بدلتے ہوئے آنکھ کھل گئی تو سر قلم کر دے گا!"

نیوفاؤنڈلینڈ

برات روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے دولہا کو پتہ چلا کہ اس کی منگیتر نیوفاؤنڈلینڈ کلب میں پورے تین سال بار میڈ رہی۔

"بار میڈ بھی دکھاوے کے لیے تھی" اس کے دوست نے کہا۔ "در حقیقت تو کچھ اور ہی تھی۔"

دولہا لال پیلا ہوگیا۔ "دھوکا! مجھے دھوکا دیا گیا ہے!"

باجے والوں نے کوئی نہایت ہی دُھن چھیڑ دی۔ اسے دولہا گھوڑے پر بیٹھا ہوا سہرے سے منہ کو چھپا کر انتظار کرنے لگا۔

"میں ایک ریشتا گھر میں کیسے لے جاؤں ؟"

باجے کے پیچھے پیچھے برات روانہ ہوئی۔

دولہا سوچ رہا۔

"ابھی کام ملنے میں شاید سال چھ ماہ اور لگ جائیں یا شاید اس سے بھی زیادہ یا شاید ——"

برات لڑکی والوں کے دروازے پر آپہنچی۔ باجے والوں نے شاید پیسے ملنے کے خیال سے اپنی دُھنیں اب واضح اور بلند کر دی تھیں۔ دولہا اطمینان سے گھوڑے سے نیچے اُترا۔ جیسے اس نے بہت سوچ کے بعد اپنے دوست سے پوچھا ہو۔

"یار اوہ نیو فاؤنڈ لینڈ کلب میں کتنی رقم پیدا کر لیتی تھی !"

ست یگی ——•

"ماں !"

"ماں !"

"میں ولایت میں سورگیہ پتا جی سے مل کر آیا ہوں !"

"ارے اوہ کیسے ؟"

"وہاں کچھ لوگ ہیں ماں ! جو مرے ہوئے لوگوں کی روحوں سے ملاقات کراتے ہیں۔ ولایت پہنچ کر میں سیدھا اُن کے دفتر میں گیا۔"

"تم سچ مچ اپنے باپ سے مل آئے بیٹا ؟"

"ہاں ماں ! پہلے میں نے روحوں کی ملاقات کے پیسے اتنے خرچ کئے مگر میں نے سوچا پتا جی کی ایک جھلک کے لئے اتنی بھی چھوڑتے ہیں۔"

"تم تو میرے ست یگی بیٹے ہو بیٹا !"

"میں پتا جی سے باتیں بھی کر آیا ہوں۔"

"کیا کہا انھوں نے ؟"

"یہی کہ تم شہر سے باہر بیٹھے رہ سکتے ہو تمہیں ملنی چاہئے !"

کسر ——•

"مرض حکیم صاحب کی سمجھ میں آیا ؟"

"نہیں مگر وہ کہتے ہیں روپے پیسے میں جلد آنے کی کسر ہے۔"

"کیا بے ہودگی ہے ! اِن حکیموں کو چھوڑو کسی ڈاکٹر سے مشورہ لو !"

"ڈاکٹر سے بھی مل چکا ہوں !"

"پھر ؟"

"اس نے میرا نمبر ٹیکہ کر کے پانی نکالا اور ٹیسٹ کرنے کے لئے جی۔ بی لیبارٹری میں بھیجا !"

"وہاں سے رپورٹ آئی ؟"

"ہاں، وہ بھی مرض کو نہیں سمجھ سکے مگر لکھا ہے کہ صرف نبّے فیصدی الرجی ہے !"

بھوکا ——•

"جب میری جیب پیسوں سے بھری ہوتی ہے تو میں ہوٹل امپریل میں جا کر نہایت تہذیب سے کھانا کھاتا ہوں۔"

"اور جب جیب خالی ہوتی ہے ؟"

"تو سستے لوگوں سے چھپ چھپا کر لنگر میں بے تہذیب کھانا کھاتا ہوں۔"

بیئر شاپ ——•

میں نے بیئر شاپ میں داخل ہو کر ...

"پلیز بیئر، پلیز۔ جلدی !"

"معاف کیجئے یہاں اب بیئر نہیں ملتی ..."

میں بوکھلاہٹ پیدا کر رہا تھا۔

"تو کیا تجھے معلوم ہے وہ بیئر شاپ ہیں!"

"بک بیئر شاپ!"

میرے ادیب دوست نے قہقہہ لگایا۔ اسے بمبئی، بیئر شاپ کی بابت کچھ کہتے ہوئے مجھ سے اُنہوں کی بیئر شاپ کی نسبت ہے۔ نام ہے بیئر شاپ اور تصنیف پڑھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے اس بیان نے گرد میں سے کرکٹ بال کو اُچھال دیا ہے۔"

ضمیر ———— •

"کیوں بھائی حبشی، ہندوستان سے واپس کیوں چلے آئے۔ تم تو کہتے تھے اب افریقہ نہیں لوٹوں گا!"

"کیا بتاؤں دوست! اپنے دیش میں غریبی بہت ہے۔ ہر طرف بھوکے ننگے نظر آتے ہیں۔ کبھی موٹے آدمی سے کچھ چاہتا تو خواہ مخواہ اپنے کو مجرم سمجھنے لگتا۔"

"مگر یہاں بھی تو لاکھوں افریقی بھوکے ننگے ہیں۔"

"یہاں کی بات اور ہے۔ یہاں کم از کم اپنی قوم تو بھوکی ہے!"

اسپیشلسٹ ———— •

"مرتے دم تک مریض کا دل بالکل نارمل رہا۔"

ہارٹ اسپیشلسٹ نے فخریہ انداز سے مرحوم کے رشتہ داروں سے کہا۔

"آپ نے تو اپنا فرض خوب نبھایا ڈاکٹر صاحب، لیکن بے چارے کی قسمت۔ قلب بھی کرنے سے کام بگڑ گیا۔"

"جی ہاں! اگر مریض کی موت دل کی خرابی کی وجہ سے واقع ہوتی تو میں پریکٹس چھوڑ دیتا۔" ••

"بیسویں صدی" میں بوگس اور مبہم قسم کے اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے اس میں شائع ہونے والے اشتہارات پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں۔ — مینجر بیسویں صدی دہلی



سیرولین 'روش' لیجئے
SIROLIN
اپنے گھر میں سیرولین ضرور رکھیے
روش کی تیار کردہ



صحت و زندگی

اعجاز فاطمہ رضویہ

۱ ـــــ آم ـــ وٹامنز کا خزانہ

آم اپنے ذائقے اور خوشبو کے اعتبار سے پھلوں کا سرتاج ہے۔ اس کا متواتر استعمال خون میں حفاظت کرتا ہے اور جسم طاقت ور اور فربہ ہو جاتا ہے۔ یہ قبض کشا ہے اور اعضائے رئیسہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ حیات اور دوسرے اجزائے خوراک کے علاوہ بچوں کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔ اس میں وٹامنز اے اور سی بہت زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔ آم کے بعد دودھ پینے سے اس کا فائدہ دوچند ہو جاتا ہے۔ جامن آم کا مصلح ہے۔ آم دوپہر کے کھانے کے بعد کھانا چاہئے۔ نہار منہ کھانا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

۲ ـــــ غم و غصہ

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ دل کی کیفیات کا اثر براہ راست صحت جسمانی پر پڑتا ہے۔ پروفیسر ڈیگروس نے لکھا ہے کہ حرص، کینہ، حسد اور حسد سے اور تعصب انسانوں کی صحت ٹھیک نہیں رہ سکتی۔

ہر وقت خوش و خرم رہنا چاہئے۔ مشکلات کا ہجوم انسان کو قبل از وقت بوڑھا بنا دیتا ہے اور پھر پریشان ہونے سے کوئی مسئلہ بھی تو حل نہیں ہوتا۔

۳ ـــــ خود اعتمادی

خود اعتمادی انسانی زندگی کے لئے ایک اہم چیز ہے۔ ہر فرد کو اپنی زندگی کی مختلف منازل میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی مشکلوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ مقابلہ اگر خود اعتمادی کے پختہ جذبے کے ساتھ کیا جائے تو ہر صورت میں آپ کی جیت ہوگی۔ ابراہیم لنکن نوجوانی میں سنتی ہوئی ایک وکیل کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے وکیل بننے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ وکالت کے پیشے تک پہنچنے کے لئے شاپ کیپر، سپاہی، ڈاکیہ اور نامعلوم کیا کیا بنا۔ ہر کام کرتے وقت یہی دھن رہتی تھی کہ وکیل بننا ہے اور پھر آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ صدارت کے عہدے تک پہنچا۔ یہ جذبہ خود اعتمادی ہی تھا جس کی بدولت وہ آخر کار وکیل بن گیا۔ اگر آپ بھی طے کر لیں کہ فلاں کام ضرور کرنا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کام پورا نہ ہو۔

۴ ـــــ آلو ـــــ ایک مفید سبزی

آلو ایک عام پسند ترکاری ہے۔ ہندوستان میں اس کا سالن پکاتے ہیں لیکن یورپ میں اس کی روٹی پکا کر کھائی جاتی ہے۔ آلو میں بدن کی پرورش کرنے والے اجزاء کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اس میں نشاستہ کے علاوہ شکر اور روغنی اجزاء بھی ہوتے ہیں۔ اس میں سوڈا اور پوٹاشیم کے ساتھ وٹامنز اے اور بی بھی شامل ہیں۔ اسے پرورش بدن اور جوڑوں کے درد کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔ جلے ہوئے عضو پر آلو کا رس لگانے یا اس کو پیس کر لیپ کرنے سے ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔

۵ ـــــ پان حاضر ہے!

پان کھانا اور کھلانا ہماری تہذیب میں شامل ہو گیا ہے۔ اس کا استعمال طبیعت میں فرحت پیدا کرتا ہے اور کھانسی اور دمہ کی حالت میں اخراج بلغم میں مدد دیتا ہے۔ طبیعت کی سستی کو دور کرتا اور پیاس بجھاتا ہے۔ لیکن تمباکو کے ساتھ اس کا استعمال نہایت نقصان دہ ہے۔ اس کے بکثرت استعمال سے مسوڑھے گل جاتے ہیں، دانت خراب ہو جاتے ہیں اور قبض رہنے لگتا ہے۔ بعض افراد کے اختلاج قلب کی بنیاد بھی یہی ثابت ہوا ہے۔

۶ ـــــ درد

خلیل جبران نے لکھا ہے کہ درد گویا اس صدف کے ٹوٹنے کی تکلیف ہے جس کے اندر تمہاری فہم بند ہے۔ جس طرح پھول کی پتیوں کے باہر آنے کے لئے شگوفے کا چاک ہونا ضروری ہے اسی طرح تم بھی اپنے صدف کے ٹوٹنے کا دکھ برداشت کرو۔ تمہارا دکھ تمہاری مسرتوں سے کچھ کم دل نواز نہ ہوگا۔

کام سے نفرت

اگر آپ کو کام سے نفرت ہے تو آپ جلد تھک جائیں گے۔ اس کا [illegible] ہے کہ کام سے رغبت پیدا کیجئے۔ اس طرح آپ کم طاقت صرف کر کے زیادہ کام کر سکیں گے کسی کام کے سلسلے میں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ بے ترتیبی اور بے سلیقگی سے بھی تھکن پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہر چیز سلیقے اور ترتیب سے کی جائے تو اس کی انجام دہی میں تھکن کم محسوس ہوگی اور اس کی تکمیل کے بعد ایک خاص قسم کا سکون اور سرور محسوس ہوگا۔

●●

---

۸ — اختلاج — ایک مہلک مرض

اس مرض کا سبب عموماً ضعف قلب، ہضم کی خرابی، معدے اور آنتوں میں ریاح کی زیادتی اور گرمی کی شدت ہوا کرتی ہے۔ بعض اوقات ضعف و نقاہت بھی اس کا سبب ہوتی ہے جب کوئی شخص زیادہ دنوں تک کسی مرض میں مبتلا رہتا ہے تو وہ ضعف سے اختلاج قلب کی شکایت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں میں اس کا سبب جنسی کمزوری ہوتی ہے اور بعض کو شراب نوشی، قہوہ، چائے، تمباکو اور بھنگ نوشی کی کثرت سے بھی یہ شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض آدمیوں کو اتفاقی طور پر اختلاج ہونے لگتا ہے۔ جب مریض کو دفعتاً کوئی صدمہ پہنچتا ہے یا کسی چیز سے خوف کھاتا ہے یا غصہ و غضب میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی طرح کا رنج پہنچتا ہے یا کسی اور نفسیاتی عارضہ سے واسطہ پڑتا ہے تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔ بعض اوقات یہ دھڑکن کم ہوتی ہے جسے خود مریض ہی محسوس کر سکتا ہے لیکن بعض اوقات یہ دھڑکن اتنی شدید ہوتی ہے کہ دوسرے آدمیوں کو بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اگر مریض بستر پر لیٹا ہوا ہو تو اس کے سینے کا کپڑا ہلتا ہوا نظر آتا ہے بلکہ بعض شدید حالات میں تو چارپائی تک ہلنے لگتی ہے۔

بعض مریضوں کا دل بیٹھے بٹھائے عجیب طرح پھڑپھڑانے لگتا ہے جس سے مریض گھبرا جاتا ہے۔ وہ گھبرا کر سینہ پر ہاتھ رکھ کر دل کو دبانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو موت سے قریب سمجھنے لگتا ہے۔

اگر اختلاج قلب کے مریض کا ہضم خراب ہو تو ضعف قلب کی رعایت کرتے [illegible] ہے۔ اگر ہضم خراب نہ ہو تو [illegible] سے پہلے [illegible] آنتوں کا [illegible] اسباب کا احتراز کرنا چاہئے۔ فکر و غم، غصہ و غضب اور [illegible] ہر وقت خوش و خرم رہنے کی کوشش کرے۔ کوئی سخت کام نہ کرے۔ اگر موسم گرم ہو تو مریض کو [illegible] ضروری ہے۔

اختلاج قلب کے مرض کی طرف سے بے پرواہی ہرگز نہ برتی جائے بلکہ فوراً کسی اچھے معالج سے علاج کرانا چاہئے۔

اختلاج کے مریض کی غذا اور پرہیز کا خاص خیال رکھا [illegible] بادی اور دیر ہضم غذاؤں سے پرہیز ضروری ہے۔ مرغ [illegible] تیتر، بٹیر کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں بکری کے گوشت [illegible] کا جز، شلجم، چقندر اور پھل [illegible] سبزیاں بھی مفید ہیں۔ دالوں میں مونگ کی دال مناسب ہے۔ پھلوں میں [illegible] سیب، سنترہ، انگور، انار دیں۔ سرخ مرچ اور گرم مصالحہ کم استعمال کرنا چاہئے۔ لہسن، پیاز، آلو، اروی، بینگن، مسور کی دال اور بڑے جانوروں کا گوشت بالکل نہ دیں۔

اس مرض میں غذا اور پرہیز کی طرف سے ہرگز بے پرواہی نہ برتیں یہ مرض تکلیف دہ ہی نہیں بلکہ مہلک بھی ہے۔

۹ — آپ کے بچے

بچے ماں باپ کی [illegible] تعلیم و تربیت [illegible] سے شعور حاصل کرتے ہیں شروع میں ذرا سی غفلت سے ان کا مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔ بچے کی نشو و نما میں ماں کی محبت کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔

امریکہ میں کچھ بالکل کم عمر اور نوزائیدہ بچوں کو پالا گیا اور ماں کے [illegible] سے بالکل مشابہ لوگوں کو جن میں ان کے والدین بھی شامل تھے، ایک صف میں کھڑا کر دیا گیا جب ان بچوں کو اس صف کے قریب لایا گیا تو انہوں نے اپنے حقیقی والدین کے سوا دوسروں کے پاس جانے سے انکار کر دیا اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ بچے کے

بچاتا آپ کو بارش سے چھاتہ ہے

اور

صافی

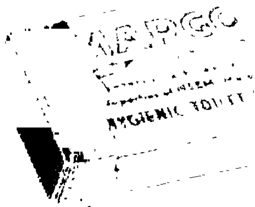


آپ کو برسات کے ناخوشگوار اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ ہاضمہ کو درست کرتی ہے خون کو صاف کرتی ہے پھوڑے پھنسیوں اور جلد کی بہت سی بیماریوں کو دور کرتی ہے اور شفاف خون پیدا کر کے چہرے پر سرخی و شادابی لاتی ہے۔

دہلی — کانپور — پٹنہ

خاندان
کے
ہر فرد کے لئے
عمدہ





زہر مار نیم کے تیل سے تیار شدہ اور مکمل خوشبودار مارگو نیم سے تمام جلدی امراض کے لئے کافی لاجواب ثابت ہوا ہے۔ مارگو صابن کے پھین اور ملائم جھاگ بدن کی تمام خراشوں میں داخل ہوتے ہیں اور جلد کو تمام آلائشوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ مارگو صابن کی تیاری کے ہر مرحلہ میں اس کی جانچ کی جاتی ہے اور یہ آپ کو ہر موسم میں صفائی اور دن بھر تروتازہ رکھتا ہے۔

مارگو سوپ

خاندان کے لئے لاجواب صابن

دی کلکتہ کیمیکل کمپنی لمیٹڈ کلکتہ ۲۹

دہلی برانچ :- ۲۳ — دریا گنج — دہلی

ذہن پر بڑا تناؤ (اعصابی دباؤ) ہوتا ہے جو کافی عرصہ تک رہتا ہے۔ یہی باتیں ان بچوں کی شخصیت کو آگے چل کر متاثر کرتی ہیں اور پھر وہ طرح طرح کی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اکثر بچوں کی نفسیاتی الجھن کا سبب ان کے والدین کا گھریلو ماحول ہوتا ہے۔ گھر میں ماں باپ کا جھگڑا ہوتا ہو اور کشیدگی رہتی ہو تو اس کا اثر ان کے بچوں پر بھی لازمی طور پر ہوتا ہے۔ جب بچہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے والدین ہمیشہ جھگڑا کرتے رہتے ہیں تو اس سے بچے کے جذبات کو صدمہ پہنچتا ہے اور یہ صدمہ اس کی جسمانی صحت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

بڑے بھائی بہن کی حرکات و سکنات بھی بچے کی ذہنی تشکیل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جو والدین اس بات کو محسوس نہیں کرتے وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ حسد، کینہ، غفلت اور حقارت کے جذبات بچوں میں بڑوں ہی کو دیکھ کر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر والدین اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

۱۰ ـــــ خوف سے کیسے نجات ہو؟

اگر آپ خوف کے جان لیوا اثرات سے بچنا اور پریشانیوں اور نامعلوم تشویش سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے آپ مندرجہ ذیل تجربات سے فائدہ اٹھائیں جو امریکہ کے بڑے بڑے سائنس داں اور ماہرین نفسیات کر چکے ہیں۔

دل میں خوف کو کبھی پوشیدہ نہ رکھئے۔ اگر اسے پوشیدہ رکھا جائے گا تو اس کا زہر آہستہ آہستہ آپ کے اعصاب کو ماؤف کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اپنی پریشانیوں میں دوسروں کو بھی شامل کر لیں۔ بلکہ یہ کیجئے کہ اپنے کسی قریبی عزیز یا دوست کو اپنا ہمراز بنائیں اور اپنے دل کی کیفیت اس سے بیان کر دیں۔ اگر آپ اپنا خوف ظاہر کر دیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر بے معنی اور مضحکہ خیز ہیں۔

ہر وہ کام کیجئے جس سے آپ خوف محسوس کرتے ہیں۔ اگر آپ خوف کا مقابلہ کریں گے تو یقین رکھیں کہ خوف آپ کا مقابلہ نہ کر سکے گا اور اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ امریکہ کی ایک یونیورسٹی کے شعبہ ماہر نفسیات جو خوف کی نفسیات کے ماہر ہیں پروفیسر ڈرامنڈ کا تجربہ ہے کہ جب آپ خوف زدہ ہوں تو سوچنا ترک کر دیں۔ خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے سے گریز کرنے کی عادت چھوڑ دیں اور اگر آپ دیکھیں کہ آپ کسی چیز سے خوف نہیں کھاتے پھر بھی ایک نامعلوم سا خوف آپ پر غالب رہتا ہے تو ایسی صورت میں ہمت سے کام لیکر ہر وہ کام کیجئے جس میں آپ خوف محسوس کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ خوف آپ سے کوسوں دور بھاگے گا۔

۱۱ ـــــ زندگی کا ایک بڑا وصف

زندگی کا ایک بڑا صحت بخش وصف یہ ہے کہ مایوسی، محرومی اور ناکامی کا مقابلہ خوش اسلوبی اور ہمت سے کیا جائے۔ ناکامی کی حالت میں غصہ میں آکر گوشہ نشین ہو جانا بہت ہی ناقص اور مضر ردعمل ہے اس لئے کہ یہ فعل کسی درد کا درمان نہیں ہے۔ نہ یہ اس چیز کا قائم مقام یا بدل بن سکتا ہے جو ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ اس ردعمل کی زد جسم پر بھی پڑتی ہے۔ ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔ دوران خون پر برا اثر اور جسم کے دفاعی نظام پر غیر واجب دباؤ پڑتا ہے۔

جو لوگ معمولی باتوں پر پریشان اور غمگین ہونے کے عادی
ہوتے ہیں وہ بہت سے کام ایسے ہی کرتے ہیں اور پہلے سے فرض کر لیتے ہیں کہ بیماری لاحق ہو گی
... پریشان ہونے لگتے ہیں
... اس طرح کی پریشانی زندگی کا ایک حصہ بن جاتی ہے
... پریشانی اور غم ...
... کے سامنے ... طرح اپنا ...
... ہوتے ہیں۔

ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ پریشانی اور بے چینی سے ضعف معدہ، دمہ،
کمزوری، ذیابیطس، السر، گٹھیا، دمہ اور دوسری بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سب سے
اہم بات یہ ہے کہ کسی طرح کا غم ہو، یہ گھن آہستہ آہستہ زہر کی طرح سارے جسم میں
پھیل جاتی ہے۔ آپ کسی معاملے سے متاثر ہوتے ہیں تو وہ آپ کو بتاتا ہے کہ کوئی بیماری کوئی
علامت نہیں ہے، بظاہر کوئی مرض بھی نہیں معلوم ہوتا، جسم کی مشین میں کوئی خاص خرابی
نہیں ہے لیکن پھر بھی طبیعت مضمحل ہے۔ پریشان اور اداس رہتی ہے۔ آپ نہیں جانتے
سبب کچھ بھی نہیں، پریشانی اور بے چینی کی دین ہے جس نے غیر محسوس طور پر آپ
کی صحت کو گھن لگا دیا ہے۔

۲۔ صحت کیلئے ڈاکٹری معائنہ کی اہمیت

خواہ آپ کی مصروفیات بے شمار ہوں، بہتر تندرستی کے لئے مناسب اوقات پر
ڈاکٹری معائنہ بے حد ضروری ہے۔ اگر ڈاکٹر نے آپ کو کوئی شکایت بتائی ہو یا بیماری
بتائے تو اس کا علاج کرنے میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ ڈاکٹری ہدایات پر پورا پورا عمل کرنا چاہئے۔
جب ان معائنوں کے دوران میں آپ اپنے جسم میں کسی طرح کی بے قاعدگی دیکھتے ہیں
مثلاً بھوک کی کمی وغیرہ تو اس وقت فوراً آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دیتی
ہے۔ یہ حفظ ماتقدم آپ کو آنے والے بڑے خطرات سے محفوظ رکھے گا۔ یہ بہت آسان
لیکن نہایت اہم کام ہے جس کی طرف سے بیشتر لوگ غافل رہتے ہیں اور اسے
معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی غفلت پھر آگے چل کر کبھی کبھی بڑے
خطرناک نتائج سے دوچار کر دیتی ہے اور وہی معمولی بات ایک مصیبت کا پہاڑ
بن کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔

۳۔ اپنے آپ پر اعتماد کیجئے

اپنے آپ پر اعتماد کیجئے، اپنی شخصیت پر بھروسہ کیجئے۔ اپنے ذہن میں یہ یقین
رکھیے کہ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ توہمات اور ... کو ...
اُٹھانے والی باتوں ہی کو ذہن میں جگہ دیجئے۔ اپنے خیالات میں یقین رکھئے کہ آپ
کچھ کر سکتے ہیں۔ سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ آپ یقیناً ...
اور سب سے اہم جگہ پانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہی اعتماد آپ کو ...
انسان بنا دے گا۔

افسانہ نمبر دیکھا

اہلِ قلم حضرات کی رائیں

...جن راستوں سے اس کی ترتیب و تزئین ہوئی ہے، ہم ان راستوں کو چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے بیسویں صدی کو واقعی فکر و فن کی رفعتوں پر پہنچا دیا ہے۔ آج ہم اردو والے فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اردو میں بیسویں صدی جیسا صاف ستھرا حسین معیاری پرچہ نکلتا ہے.... (پروفیسر حامدی کاشمیری (ایم اے، سرینگر)

...افسانہ نمبر میں اپنا کارٹون دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ جسونت سنگھ آرٹسٹ نے میری شکل کو تو شاید نہ پہچانا ہو لیکن میری روح کو بخوبی پہچانا ہے۔ صوری و معنوی لحاظ سے یہ خاص نمبر بہت خوب ہے.... (پروفیسر ستیہ پال آنند (چندی گڑھ)

...افسانہ نمبر دیکھا، پرکھا، پڑھا اور پڑھتا ہی رہا۔ خدا کی قسم ایسا پتہ چلتا ہے کہ اب آپ کسی کو جینے نہ دیں گے.... موہن یاور (جموں)

...افسانہ نمبر خوب ہے...اپنا فکر تونسوی "ماڈرن درویش" کے روپ میں بھی کامیاب ہے۔ اور ظفر پیامی اور ست پرکاش سنگر بھی۔ سچ مانیئے اس بار طنزو افسانے پورے نمبر پر چھائے ہوئے ہیں.... وشوا ناتھ درد (نئی دہلی)

...آپ نے بہت معیاری افسانہ نمبر نکالا ہے۔ نت نئے کارٹون، معیاری نظمیں و غزلیں، بلند پایہ کہانیاں، اچھوتے مضامین، نفیس اور عمدہ تصاویر۔ ہندو پاک میں اِس شاندار نمبر کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس بحرانی دور میں زبان و فن کے لئے آپ نے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ تن من دھن سمیت۔ آپ کے اس خلوص

بیکراں کو اردو دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی خوش تر بجائی.... ایم کوٹھیاوی راہی (گورکھپور)

...."بیسویں صدی" کے افسانہ نمبر کا جواب نہیں۔ آپ کی انتھک محنت اور سچی لگن نے پرچہ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جو دوسروں کے لئے بہر طور قابلِ رشک ہے.... بر ہگوان شاد (جموں)

....افسانہ نمبر ہر زاویئے سے خوب تر ہے۔ ہر ورق آپ کے شعور و ذہانت کے خد و خال ہیرا ماد کی مانند جگمگا رہے ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی صحافی دنیا کے لئے عظیم اور متبرک ہے.... رشید جعفری آنولوی (آنولہ)

....افسانہ نمبر دیکھ کر میں یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ "بیسویں صدی" اب ادب کی اُن بلندیوں کو چھو رہا ہے جہاں آج تک اردو کا کوئی دوسرا جریدہ نہیں پہنچ سکا۔ اور یہ سب آپ کی بے لوث محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے.... عابد مناروی (جموں)

"بیسویں صدی" کو ہم نے کبھی اشتہارات کا پلندہ نہیں بنایا۔ قارئین کے مفاد کے پیشِ نظر ہمیشہ زیادہ سے زیادہ ریڈنگ میٹر پیش کیا ہے۔ "بیسویں صدی" میں بوگس اور ۴۲۰ قسم کے وہ اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے جن کا مقصد محض خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔ اس میں شائع ہونے والے اشتہارات پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں! (منیجر

افسانہ نمبر مفت حاصل کیجئے مستقل خریداروں کی خدمت میں افسانہ نمبر بلا قیمت بھیجا جا رہا ہے۔ اسے مفت حاصل کرنے کیلئے آپ آج ہی سالانہ قیمت مبلغ آٹھ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں۔ وی پی بھیجنے کی اجازت نہیں۔ منی آرڈر بھیجنے میں آپ کا ۵۲ نئے پیسے کا فائدہ ہوگا۔ منیجر رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی

ادارہ بیسویں صدی دہلی کی طرف سے

عنقریب شائع ہونے والا ہندی رسالہ

نئی صدی

جس کی ادارت کے فرائض ہندی اور انگریزی کے بالغ نظر افسانہ نگار اور بیدار مغز ادیب جناب کرشن کمار سر انجام دیں گے۔
"نئی صدی" کے لئے ملک کے بلند پایہ ادیب اور نامور افسانہ نگار صحت مند، مفید مضامین اور اعلیٰ پایہ کی اصلاحی اور دلچسپ کہانیاں لکھ رہے ہیں
"نئی صدی" میں وہ سب کچھ تو ہوگا ہی جس کے لئے "بیسویں صدی" مقبول اور ہردلعزیز ہے اور آپ کا محبوب پرچہ ہے۔ اس کے علاوہ "نئی صدی"
میں ایسی جدتیں اور ندرتیں بھی ہوں گی جن سے آپ یقیناً محظوظ ہوں گے اور ایسے دوسرے رسالوں پر ترجیح دیں گے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے
ہیں کہ "نئی صدی" ہندی ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کرے گا اور بلا شبہ بے مثل رسالہ ثابت ہوگا اور آپ اسے ایک بار دیکھنے کے بعد ہمیشہ
اپنے پاس رکھیں گے اور اپنے مستقل مطالعہ کے لئے اس کی جلدیں محفوظ کریں گے۔ ہندی دنیا میں اعلیٰ پایہ کے معیاری افسانے اور اصلاحی
کی کہانیاں پڑھنے والوں کی کمی نہیں۔ مگر موجودہ دور کے اکثر و بیشتر رسائل ہندی جگت کی اس ضرورت کو پورا نہیں کرتے۔ "نئی صدی" اس کمی کو
پورا کرے گا اور اس میں کوئی افسانہ یا مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو معیاری نہ ہو ★ روزمرہ کی گھریلو زندگی میں کام آنے والے مفید لٹریچر کی
اشاعت بھی "نئی صدی" کی زندگی کا مقصدِ اولیں ہے ★ ہم نے قارئینِ "بیسویں صدی" کے مسلسل اصرار اور ہزارہا خطوط سے متاثر ہو کر
"نئی صدی" کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔

مستقل خریداروں کیلئے خاص رعایت "نئی صدی" کی قیمت فی کاپی ساٹھ نئے پیسے اور سالانہ قیمت مبلغ سات روپے مقرر ہے آج ہی
سالانہ قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج کر "نئی صدی" کے مستقل خریدار بن جائیں یا اپنے شہر کے ایجنٹ اخبارات سے اپنی کاپی محفوظ کرا لیں۔ براہ راست
مستقل خریدار بننے والوں سے سالنامہ کی قیمت جدا نہیں لی جائے گی۔ بلکہ سات روپے کی قلیل رقم میں قیمتی سالنامہ بھی دیا جائے گا سالانہ
قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں آپ کا ۵۶ نئے پیسے کا فائدہ ہے۔

ایجنٹ صاحبان اپنے آرڈر بلا تاخیر جلد بھیج دیں۔ "نئی صدی" کی شرائطِ ایجنسی "بیسویں صدی" سے جدا نہیں ہیں یعنی "نئی صدی"
کی شرائطِ ایجنسی بھی وہی ہیں جو "بیسویں صدی" کی ہیں ؏

مینیجر "نئی صدی" دریا گنج پوسٹ بکس نمبر ۱۳۴۳ دہلی نمبر ۶

سرگوشیاں

سوال و جواب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ غیر علمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھیئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی۔ دہلی)

ثمینہ شاہین بنگلور

س۔ میں جب بھی پھولوں کو گلے کا ہار بنانا چاہتی ہوں تو مجھے کانٹوں سے اُلجھنا پڑتا ہے۔ بتایئے میں کیا کروں؟

ج۔ اپنے حریمِ دل میں عزم و یقین کی شمع فروزاں کر کے اُس دن کا انتظار کیجئے جب کانٹے پھول بن جائیں گے۔

س۔ اگر زندگی کے حسین سفر میں کھانے کو ٹھوکر پینے کو آنسو اور دل کو بہلانے کے لئے اپنوں کے طعنے ملیں تو....؟

ج۔ پھر بھی بددل نہ ہونا چاہیئے۔ حالات خودبخود بدل جائیں گے۔

علیم اشک۔ ڈالٹین گنج۔ پلاموں

س۔ بھیا! اگر ایک نیک انسان سے عظیم گناہ سرزد ہو جائے تو ایسی حالت میں اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ سچے دل سے نادم و پشیمان ہونا چاہیئے نیک کام کر کے اُس کی تلافی کرنی چاہیئے۔

س۔ حضرت جگر مراد آبادی کا کوئی حسین شعر سنایئے۔

ج۔ سُنیئے ؎

میری حیرت کی قسم آپ اُٹھائیں تو نقاب
میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے

ہارون شاداں ہزاری باغ

س۔ رازِ زندگی کیا ہے؟

ج زندگی کا راز جینے کے لئے موت کو آنکھیں دکھانا چاہیئے

س۔ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

ج۔ سو فیصدی صحیح ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

حال و استقبال ہر دو حاملِ تدبیر ہست
دل بجہد آمادہ شو در دستِ تو تقدیر ہست

س۔ ایک ادیب کے لئے کن کن صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے؟

ج۔ حساس و پُرخلوص، بلند خیال و بالغ نظر ہونا چاہیئے۔

مس ارجمند بانو کراچوی۔ اسلام پور

س۔ چین امن کا حامی ہوتے ہوئے بھی ظلم

رشتہ کیسا ہوگا؟

ج۔ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔

س۔ ایک عورت اپنے ملک کی خدمت کس طرح کر سکتی ہے؟

ج۔ اپنے فرائض کو خلوص اور خوش اسلوبی سے انجام دے کر۔

س۔ اپنے لوگ اگر وقت پر کام نہ آئیں تو؟

ج۔ انھیں طعنے دے کر، برا کہہ کر انھیں تلخ نہ بنا دینا چاہئے۔

عبدالغنی مکرانوی۔ کٹک

س۔ لے کے دینے میں دنیا دکھی کیوں ہوتی ہے؟

ج۔ اس لئے کہ دنیا خود غرض ہے، تنگ دل ہے!

س۔ انسان کھانے کے لئے جیتا ہے یا جینے کے لئے کھاتا ہے؟

ج۔ سمجھدار انسان جینے کے لئے کھاتا ہے اور بے سمجھ انسان کھانے کے لئے جیتا ہے

س۔ مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے....؟

ج۔ اپنے حال کو سنواریئے۔

ایم۔ اے۔ ورد۔ دربھنگہ

س۔ پتنی اپنے پتی کو کب وناسپتی سمجھتی ہے؟

ج۔ جب وہ اس سے جھوٹا پیار جتاتا ہے۔

س۔ وفا کے بدلے وفا نہ ملے تو وفا کروں؟

ج۔ وفا کے پرستار تو جفا کے بدلے وفا کرتے ہیں۔

[illegible] وفا زیبا [illegible] نہیں [illegible] رہے ہیں؟

بدرالنساء بدنصیب۔ فاربس گنج۔ پورنیہ

س۔ وہ کون سی طاقت ہے جو انسان کو برے خیالات سے بچا سکتی ہے۔

ج۔ ضمیر!

س۔ آنسو اور قہقہے جب ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں تو؟

ج۔ تو اس کا انجام اپنے ظرف اور ذوق پر موقوف ہے۔

شفیع احمد۔ فاربس گنج۔ پورنیہ

س۔ اکثر انسان دولت پاتے ہی انسانیت کھو دیتے ہیں۔ کیوں؟

ج۔ اس لئے کہ دولت اندھی ہوتی ہے۔ انسانیت کا حسن نہیں دیکھ سکتی۔

س۔ کیا زندگی بغیر پیشے کے کامیاب ہو سکتی ہے؟

ج۔ زندگی گزارنے، زندہ رہنے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا لازمی ہے۔

عبدالقیوم شیخ سجادروا ہی۔ رام بن

س۔ اگر کوئی شخص ہر وقت مغموم اور پریشان رہتا ہو تو؟

ج۔ مغموم اور پریشان رہنے کی عادت ترک کر دینی چاہئے۔

[illegible] ہے۔

ج۔ [illegible]

نکہت پروین۔ بنگلور

س۔ اگر قدرت کسی کے دامن میں پھولوں کی جگہ کانٹے ڈال دے تو؟

ج۔ قدرت کسی کے دامن میں کانٹے نہیں ڈالتی یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔ کوئی اپنا دامن کانٹوں سے بھر لیتا ہے [illegible]

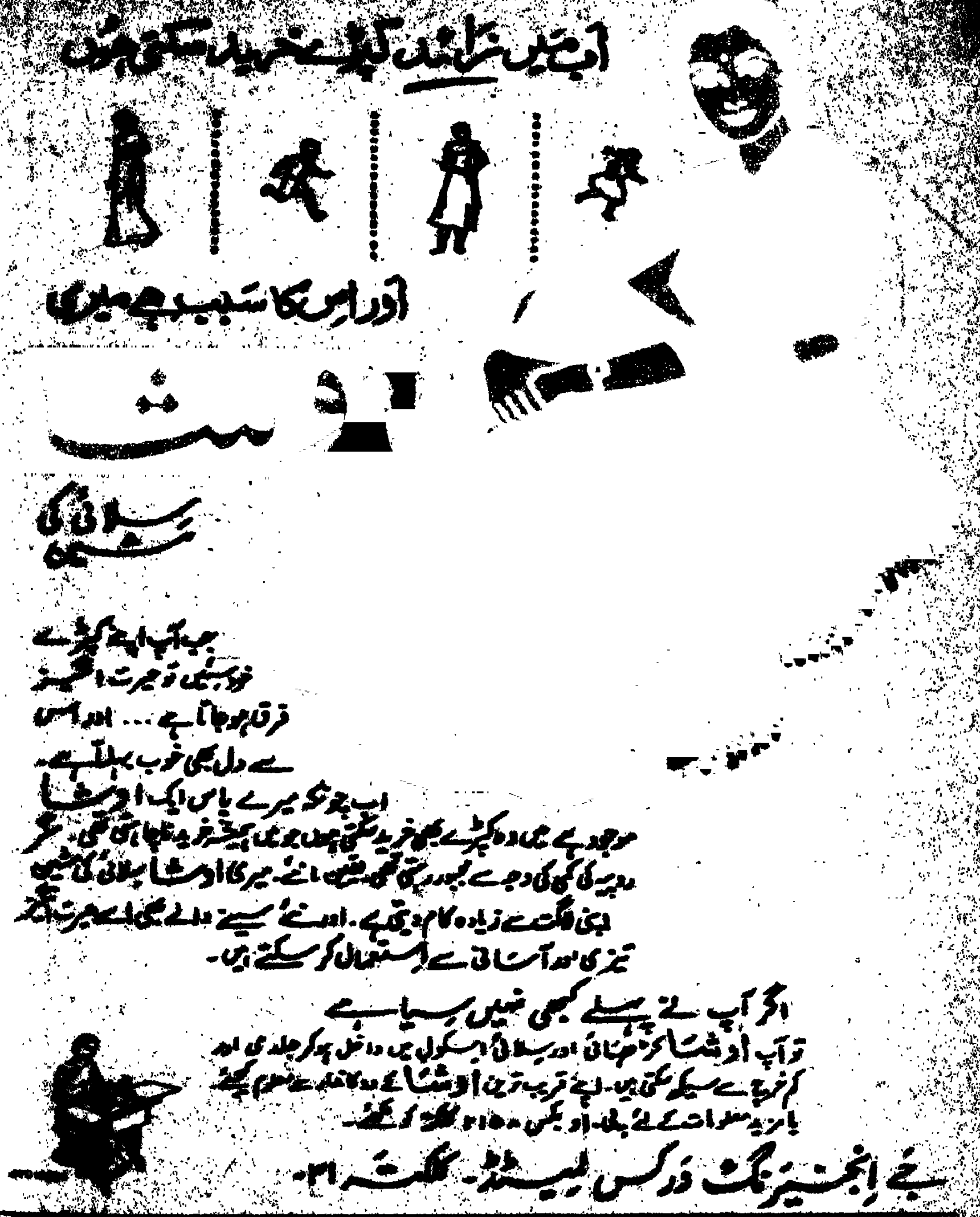
س۔ لوگ کہتے ہیں شیشہ گر کے سامنے [illegible] کا سایہ نہ پڑنا چاہئے۔ ایسا کیوں؟

ج۔ اس لئے کہ کہیں شیشہ گر [illegible] نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس خیال کی، اس وہم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

عبدالرزاق محمد [illegible]۔ جالنہ

س۔ بیسویں صدی میں لکھنے والے اکثر افسانہ [illegible]


رن فلاور
سیٹ ڈی ۳۶۶
ڈلی پر" کورن فلاور" دلکش اور مقبول ڈلی پر کے پھولوں
کا تازہ ڈیزائن سنہری کور ڈلی پر" کورن فلاور"
ٹی، کافی اور ڈنر سیٹ میں دستیاب ہے۔ سیٹ نمبر ڈی ۳۶۶
بنگال پوٹریز لمیٹڈ
عمدہ چینی مٹی کے برتن بنانے والے
سول سیلنگ ایجنٹس: او تیسیڈ ڈسٹری بیوٹرس اینڈ کمپنی ۱۲/۱ برابورن روڈ، کلکتہ ۱


اب میں نئے انداز کے کپڑے خرید سکتی ہوں
اور اس کا سبب ہے میری
اوشا
سلائی کی مشین
جب آپ اپنے کپڑے خود سیتی ہیں تو حیرت انگیز فرق ہو جاتا ہے... اور اس سے دل بھی خوب بہلتا ہے۔
اب جبکہ میرے پاس ایک اوشا موجود ہے
تیزی اور آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں۔
اگر آپ نے پہلے کبھی نہیں سیا ہے
جے انجینئرنگ ورکس لمیٹڈ۔ کلکتہ ۳۱

[illegible]
کرتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ شعر و ادب میں گنجائش ہے۔ بہت سے بے سروں کی وسعتوں کی گنجائش ہے۔

منیر انجم۔ کراچی

س۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان کے سر پہ کتنے بال ہوتے ہیں؟

ج۔ شیمپو کے یہ اشتہار دیکھ کر کسی کے سر کے بال آپ خود گن لیں۔ ویسے اندازہ ہے کہ آدمی کے سر پر تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار بال ہوتے ہیں۔

قاسم صدیقی۔ [illegible]

س۔ ہماری سرکار صرف اسکیموں اور رات دن نئے نئے ٹیکسوں کی بھرمار کرتی ہے لیکن بے کاری دور کرنے کے لئے کوئی ٹھوس قدم کیوں نہیں اٹھاتی؟

ج۔ صرف اتنی سی بات پر اعتراض کرنا آسان ہے۔ حکومت ایسے اسکیم بناتی ہے جن پر کافی خرچ ہوتا ہے جن میں بہت سے مزدور بہت سے لوگ کام کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ اسکیم ٹوٹ جاتے ہیں اور مزدور معطل کر دیئے جاتے ہیں [illegible]

[illegible]
سے بے ایمانی کا الزام دیتے ہیں۔

س۔ اگر مسلسل کوششوں کے بعد بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے تو؟

ج۔ حالات سے سمجھوتہ کر لیں۔

س۔ محبت رحمت ہے یا زحمت؟

ج۔ مرد محبت کو رحمت ہی جاننے پر مجبور ہیں کہ عورت سراپا رحمت ہے!

احمد سرور۔ داؤد نگر۔ گیا

س۔ خوشتر صاحب! کچھ دنوں پہلے میں نے ملک کے کئی بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان میں بھی آپس میں حاسدانہ مقابلہ اور تنگ نظری دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ عام آدمیوں اور ان خاص آدمیوں میں کیا فرق ہوا؟

ج۔ آپ ان "بڑے" آدمیوں کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ ان میں اور عام آدمیوں میں کیوں فرق نہیں؟ ان میں اپنی برتری و بڑائی کا غرور و ناز ہے۔ اور عام آدمی اپنی سادگی سے اور اپنی کمتری کا شکار ہیں۔

س۔ کچھ دن ہوئے بھوپال کے ایک بڑے ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا۔ وہاں ملک کے کئی بڑے بڑے ادیب اور شعراء کچھ نئے لکھنے والوں کے ساتھ آئے اور ان لوگوں نے مرغ، انڈے، بکری کی رانیں وغیرہ کھائیں۔ پھر ان لوگوں نے شراب پی۔ نئے لکھنے والوں میں کچھ لوگوں نے شراب کے دور میں شریک ہونے سے انکار کیا لیکن پرانے لکھنے والوں میں سے ایک نے انہیں یہ کہہ کر زبردستی شراب پلائی کہ بغیر شراب کے کوئی ادیب یا شاعر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ ان آٹھ آدمیوں کے لئے ۶۰ روپے کا بل بنا جو مقامی انجمن ادب کے چندے سے ادا کیا گیا۔ میں شاعروں اور ادیبوں کی ان حرکات کو کیا سمجھوں؟

ج۔ ان کے یہ کارنامے قابلِ ستائش ہیں!

س۔ ادیب کی تعریف کیجئے۔ ادیب کسے کہتے ہیں؟

ج۔ مذکورہ بالا سوالات میں آپ نے جن لوگوں کا ذکرِ خیر کیا ہے!

احمد محی الدین۔ حیدر آباد

س۔ انسان مر گیا یا سو گیا۔

ج۔ انسان مر گیا۔ آدمی زندہ ہے!

ج۔ [illegible]

س۔ داستان گو خستہ ہے سنتا اسلام
تمام عالم کہ ہم ہی سے وہ کیا اسلام
جب خیر مانگتا ہے؟

ج۔ [illegible]

...لے ۔ شیو پور کلاں

س۔ کیا سچ کہنا گناہ ہے؟

ج۔ آج کل کے دور میں تو بہت بڑا گناہ ہے۔

س۔ جرم نہ کرنے پر بھی سزا ملے تو کیا کیا جائے؟

ج۔ انصاف کو دعائیں دینی چاہئیں۔

ماہ پارہ ۔ پورنیہ

س۔ خوشتر بھائی کوئی حسین شعر سنائیے۔

ج۔ سنئیے۔

غم کو ضبطِ غم کے سلیقے سکھا دیئے
حد سے بڑھا ملال تو ہم مسکرا دیئے

س۔ اپنے آپ کو خود فریبی کا شکار کرنے والوں کا انجام؟

ج۔ برا ہوتا ہے۔

منصور احمد ۔ کلکتہ

س۔ آپ کی نظر میں پردہ نشینوں کی کیا اہمیت ہے؟ جب کہ پنڈت نہرو اس کے قطعی خلاف نظر آتے ہیں۔

ج۔ اپنا اپنا خیال، اپنی اپنی رائے ہے۔ ہم پردہ کو ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔

س۔ دنیا [illegible] ہوگی۔

ج۔ جب تک دنیا کے ہر فرد کو اس برائی کا احساس نہ ہوگا۔ جب تک دنیا کا ہر فرد اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرے گا۔

س۔ اگر اس زندگی میں موت نہ ہوتی؟

ج۔ تو پھر زندگی میں اتنی کشش بھی نہ ہوتی۔

معین الدین احمد ۔ پورنیہ

س۔ انسان کب انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے؟

ج۔ جب اس کے کردار انسانیت نواز ہوں۔

س۔ اگر انسان کو اپنی منزل تک پہنچنے میں دشواری یا ناکامی ہو تو؟

ج۔ کوشش جاری رکھنی چاہئے۔ ایک دن منزل خود اس کے قدموں میں آ جائے گی۔

بڑھ جاؤ خلوص [illegible] کی حرارت سے
نکل آتی ہے جوئے شیر پتھر کی فطرت سے

منظور احمد صدیقی ۔ الٰہ آباد

س۔ کیا ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کا کوئی توڑ ہے؟

ج۔ انسانیت اور انسان دوستی کے جذبات

[illegible]

س۔ [illegible] میں ہی [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ انسان کو کسی [illegible] سے نفرت کیوں ہو جاتی ہے؟

ج۔ انسان اپنے کسی عمل سے [illegible] کو [illegible] کر دیتا ہے تو [illegible] اس کے وجود سے نفرت ہو جاتی ہے۔

سعید اختر انصاری ۔ بہرائچ

س۔ انسان اور فرشتے میں کیا فرق ہے؟

ج۔ انسان، انسان کا دشمن ہے۔ فرشتہ فرشتے کا دشمن نہیں۔ انسان گناہ کر کے بھی خجل و منفعل نہیں ہوتا لیکن فرشتے گناہ کرتے ہی نہیں۔

س۔ زندگی کا قیمتی وقت کس چیز میں صرف کرنا چاہئے؟

ج۔ زندگی کو قابلِ رشک زندگی بنانے میں۔

ایل ۔ دکھیاری ۔ گونڈا

س۔ آج کل کے سادھو اور فقیر؟

ج۔ کانگریسی وزیروں کے تیاگ تپسیا کا مقابلہ کریں گے۔

س۔ غالب کا کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔

ج۔ [illegible]

[illegible] کی آواز

محمد امین الدین ۔ گیا

س۔ [illegible] کیا سمجھوں؟

ج۔ [illegible] میں [illegible] جاتی ہیں

ن ۔ سوز پورنوی

س۔ کس ماہ کی چاندنی حسین ہوتی ہے اور کس ماہ کی بارش؟

ج۔ [illegible] کی چاندنی حسین ہوتی ہے اور ساون کی بارش!

ج۔ کب!

س۔ روٹھے ہوئے کو کس طرح منایا جا سکتا ہے؟ [illegible]

ج۔ [illegible] والا ہو۔ [illegible] آپ کو منا لیا۔

خالد ضیائی ۔ لاہور

س۔ امریکہ کی آبادی زیادہ ہے یا روس کی؟

ج۔ روس کی۔ امریکہ کی آبادی [illegible] کروڑ [illegible] لاکھ ہے۔ روس کی آبادی [illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible]

[illegible]

س۔ ایک انسان دوسرے کے [illegible] کب بنتا ہے؟

ج۔ جب دو انسان [illegible] مرکب [illegible] انسان [illegible]



ابوالبرکات - حیدرآباد

س۔ بیسویں صدی کا خاص نصب العین؟

ج۔ ادب اور انسانیت کی خدمت!

س۔ حدیث پاک کی تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

ج۔ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد!

خلیل کلٹوی - کلٹی

س۔ میرے سرپرست میری شادی ایک جاہل لڑکی سے کر رہے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں میری شادی کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے ہو۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ج۔ آپ اس قابل ہیں تو اپنی یہ آرزو پوری کرنے کی کوشش کیجئے۔ اور اگر پڑھے لکھے نام محمد فاضل ہیں تو ہرگز تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی نہ کیجئے۔ ورنہ سکھ اور سکون کے پھولوں کے بدلے دکھ کے کانٹے آپ کو ملیں گے۔

س۔ قدرت کی بدترین تخلیق؟

ج۔ بدکردار انسان۔

ساحل مانک پوری

س۔ سماج اور ادب میں کیا رشتہ ہے؟

ج۔ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے جس میں اپنے خد و خال دیکھ کر سماج اپنی برائیاں دور کر سکتا ہے۔

س۔ ہمارے ملک میں اچھے اور سچے لیڈروں کی اتنی کمی کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ لوگوں کا مذاق بلند نہیں ہے۔

نصرت حسین - ڈھاکہ

س۔ کوئی مزاحیہ شعر سنائیے۔

ج۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر سنئے ؎

جناب اکبر نے جوش پیری پہ کی بہت کچھ کہا کہا کا
قضا بُلٹ ہی دی اس نے کہکر کہ ہے یہ لڑکا

سبی خاں سہسرامی - کلکتہ

س۔ محلوں کے خواب ....

ج۔ اپنے جھونپڑوں میں محلوں کے خواب دیکھنے والے جلد ہی اپنے خواب کی تعبیر دیکھیں گے۔

منظر حسن مونگیری - کلکتہ

س۔ غیروں کی دوستی اچھی ہے یا اپنوں کی؟

ج۔ غیر اچھے ہوں اور اپنے برے ہوں تو اپنوں سے غیروں کی دوستی اچھی ہے۔

س۔ گرمی سے بچنے کا کیا علاج؟

ج۔ رم جھم بوندوں اور گھنگھور گھٹاؤں سے لطف اندوز ہوئیے۔ اسے علاج بالخیال کہتے ہیں۔

س۔ بیسویں صدی کے لئے دل بے چین کیوں رہتا ہے؟

ج۔ یہ تو اپنے دل سے پوچھئے۔

منصور - برہان پور

س۔ رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج؟

ج۔ جی ہاں!

ہجوم غم ہی پیغام خوشی ہے۔

س۔ آج کے طالب علم تعلیم یافتہ ہو کر بھی جاہل کیوں ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ آج ساری توجہ تعلیم پر صرف کی جاتی ہے۔ تربیت پر نہیں۔

حسن نعمانی - اورنگ آباد

س۔ مرد باوفا ہے یا بے وفا؟

ج۔ بیشتر مرد بے وفا ہوتے ہیں۔

س۔ محبت قربانی چاہتی ہے یا ....؟

ج۔ اور بھی کام ہیں دنیا میں محبت کے سوا
اک عشق ہی علاج غم زندگی نہیں

س۔ جگر مرحوم کا کوئی اچھا سا شعر سنائیے۔

ج۔ سنئیے ؎

مانوس اعتبار کرم کیوں کیا مجھے؟
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

قابلِ مطالعہ منتخب شعری مجموعے

[illegible]	جگر مراد آبادی	پانچ روپے
کلیاتِ اقبال	ڈاکٹر اقبال	چھ روپے
[illegible]	جوش ملسیانی	چار روپے
جشنِ رنگ	جوش ملسیانی	تین روپے
آہنگِ [illegible]	〃	ایک روپیہ
سحرِ غزل	[illegible]	تین روپے
رنگ	زریں کار شاد	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
نکھار	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
کاوشیں	〃	تین روپے
کلیاتِ جنوں	〃	ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
نغمہ	〃	تین روپے
کلیاتِ محروم	تلوک چند محروم	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
گنجِ معانی	〃	سات روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	فراق گورکھپوری	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
رمز و کنایات	〃	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
مشعل	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
بیکراں	جگن ناتھ آزاد	چار روپے ۵۰ نئے پیسے
ستاروں سے ذروں تک	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
کلیاتِ اکبر الہ آبادی	اکبر الہ آبادی (اول)	پانچ روپے
〃 حصہ دوم	〃	چھ روپے
کلیاتِ اختر شیرانی	اختر شیرانی	آٹھ روپے
رعنائیاں	شکیل بدایونی	تین روپے
صنم و حرم	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے

خرابات	[illegible]	پانچ روپے
[illegible]	〃	پانچ روپے
[illegible]	〃	[illegible] روپے ۵۰ نئے پیسے
قول و قرار	〃	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
گردشِ جام	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
گجر	قتیل شفائی	تین روپے
جھومر	〃	تین روپے
روزن	〃	تین روپے
جلترنگ	〃	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
شبنم شبنم	کرشن موہن	پانچ روپے
گفتنی	محمود سعیدی	دو روپے
نئی صبح	ضیا فتح آبادی	ایک روپیہ
طلوع	〃	۵۰ نئے پیسے
نورِ مشرق	〃	ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
آہنگِ غزل	[illegible]	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
ساحلِ صبح	عشرت کرتپوری	دو روپے ۵۰ نئے پیسے

آئینۂ اصلاح

یعنی فصاحت جوش ملسیانی کی اصلاحات

شاگردوں کے کلام پر مع توجیہہ اس کتاب میں درج ہیں۔ یہ کتاب مبتدی اور فن نہ جاننے والے شعراء کے لیے رہنما کا کام دے گی۔ قیمت تین روپے۔

جوش ملسیانی

کے مکمل حالاتِ زندگی۔ انتخابِ کلام۔ شاگردوں [illegible]

کے حالات اور کلام منتخب [illegible]
غزلیات۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

گلستانِ ہزار رنگ [illegible]
اشعار [illegible] ترتیب دیے گئے ہیں [illegible]
مقدمہ [illegible] ابوالکلام آزاد مرحوم [illegible]
کتاب کا [illegible] ڈاکٹر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

شاہنامۂ اسلام جناب حفیظ جالندھری [illegible]
چار حصوں میں [illegible] اسلامی تاریخ [illegible]
ہر حصہ [illegible]
چھپا ہے۔ قیمت [illegible]
ہے۔ محصول ڈاک [illegible] آنے الگ ہوگا۔

تلامذۂ غالب [illegible]
[illegible]
سوانح حیات اور کلام [illegible]
[illegible]
اس سال کا بہترین [illegible]
[illegible]

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی - دہلی نمبر ۶



طاقت کی سب سے مشہور دوا
جو
فوراً اثر دکھاتی ہے
ریڈیم ٹانک پلز
کشتہ فولاد، کشتہ سونا اور یوہمبین جیسی قیمتی دواؤں
نیا خون بکثرت پیدا کر کے ناطاقتی کو دور کرتی ہیں
اور خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت
واپس لانے کیلئے ملک کے کونے کونے میں مشہور
لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری
ہو کر زور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت اور نئی جوانی
تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے استعمال سے اپنی
گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج صرف
سول ایجنٹس
چاندنی چوک دہلی
کیمیکل ورکس (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵

BISWIN SADI
...TH YEAR OF PUBLICATION
Telephones Office : 26637 Residence : ...


ISWIN SADI

[illegible] [illegible]



اب تو کانٹوں میں گزر ہو رہی ہے

فوٹو ۔ پرشاد گوڑ



تم کتنی اچھی ہو!

فوٹو:۔ ایس پی سونی۔ نئی دہلی

بیسویں صدی

ٹیلیفون دفتر ـــــــ ۲۲۹۹۳۷
ٹیلیفون رہائش ـــــــ ۴۳۹۲۷

۱ تیر و نشتر ـــــــ ادارہ ـــــــ ۷
۲ شاوان ـــــــ افسانہ ـــــــ کرشن چندر ایم۔ اے ـــــــ ۱۳
۳ ہفت غزلہ ـــــــ پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم۔ اے ـــــــ ۱۹
۴ ایک پھول ایک مسکراہٹ ـــــــ افسانہ ـــــــ کوثر چاندپوری ـــــــ ۲۱
۵ غزل ـــــــ احسان دانش ـــــــ ۲۹
۶ غزل ـــــــ رشی پٹیالوی ـــــــ ۲۹
۷ ہیں شمع ہیں پروانے ـــــــ افسانہ ـــــــ پروفیسر اطہر راہی ایم۔ اے ـــــــ ۳۱
۸ کش مکش ـــــــ سعادت نظیر ایم۔ اے ـــــــ ۳۹
۹ ساربان ـــــــ افسانہ ـــــــ پروفیسر وقار بن الہٰی ایم۔ اے ـــــــ ۴۱
۱۰ آنکھیں ـــــــ مختلف شعراء ـــــــ ۴۵
۱۱ غزل ـــــــ محسن زیدی ایم۔ اے ـــــــ ۵۲
۱۲ غزل ـــــــ مظہر امام ـــــــ ۵۲
۱۳ غزل ـــــــ رشید جعفری آنولوی ـــــــ ۵۲
۱۴ ماکن ـــــــ افسانہ ـــــــ رتن سنگھ بی۔ اے ـــــــ ۵۳
۱۵ غزل ـــــــ بیتاب پلی بھیتی ـــــــ ۵۹
۱۶ غزل ـــــــ روشن پٹیالوی ـــــــ ۵۹



مستقل خریداروں کو سالانہ قیمت آٹھ روپے میں سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ دو عظیم الشان قیمتی خاص نمبر بھی دیے جاتے ہیں جن کی قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے فی پرچہ ہوتی ہے

قیمت فی پرچہ

تمہ رسالہ بیسویں صدی۔ دریا گنج۔ دہلی نمبر ۷

۱۷ غزل — [illegible]

۱۸ [illegible] — طنزیہ — شکر تونسوی

۱۹ کیسی ہو سکتی کیسا اندھیرا — افسانہ — عظیم دہلوی

۲۰ غزل — منیر احمد صوفی بی اے، ایل ایل بی

۲۱ غزل — ش۔ ا۔ شہنشاہ

۲۲ غزل — آفتاب احمد خاں آذر سہارنپوری

۲۳ دو پرچھائیاں — افسانہ — گوربچن سنگھ

۲۴ غزل — مختار الرحمٰن راہی بی اے۔ ایل ایل بی

۲۵ غزل — گلزار بانو تسنیم اکبر آبادی

۲۶ غزل — نیاز بدایونی بی اے

۲۷ افواہیں — طنزیہ — جہاں گرد کے قلم سے

۲۸ باقیاتِ سالک — مولانا عبد المجید سالک

۲۹ صحت و زندگی — جو لوگ بوڑھے ہو رہے ہیں۔ دو دوسری دوائیں کیوں مضرِ صحت ہیں؟ سگریٹ نوشی۔ بچوں کا خوف۔ ایک خطرناک مرض —

۳۰ سرگوشیاں — سوال و جواب —

مستقل خریداروں کی خدمت میں افادہ نمبر بلا قیمت بھیجا جا رہا ہے۔ ایسے حضرات جنہوں نے آپ آج ہی سالانہ قیمت مبلغ آٹھ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر یا وی۔ پی بھیجنے کی اجازت دے کر خریدار بن جائیں۔ یہ افادہ نمبر کے لئے آپ کو علٰیحدہ قیمت دینی پڑے۔ سالانہ قیمت منی آرڈر سے بھیجنے میں آپ کا ۱۶ نئے پیسے کا فائدہ ہوگا۔ آٹھ روپے کی قلیل رقم میں سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ قیمت کے دو خاص نمبر بھی دیئے جاتے ہیں۔

(سالانہ خریدار بننے کا طریقہ) "بیسویں صدی" کے پاکستانی خریداروں کے لئے سالانہ قیمت بھیجنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ منی آرڈر سے عابد حمید صاحب ۵۲/بی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کو بھیج دیں۔ کوپن پر "سالانہ قیمت رسالہ بیسویں صدی" کے الفاظ ضرور لکھیئے۔ منی آرڈر کی رسید جو پوسٹ آفس سے ملتی ہے ہمیں بھیج دیجئے۔ رسید ملتے ہی "بیسویں صدی" آپ کے نام فوراً جاری ہو جائے گا۔ ادارہ اسی طرح خدمت ہوتا رہے گا ——— خریدار بننے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی مقامی بنک کو یہ درخواست دیں کہ وہ "بیسویں صدی" دہلی کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں۔ اسلئے "بیسویں صدی" سالانہ قیمت مبلغ آٹھ روپے کے عوض ایکسچینج ڈرافٹ دیا جائے۔ اس درخواست پر آپ کو ڈرافٹ مل جائے گا۔ جسے آپ بذریعہ رجسٹری "بیسویں صدی" دہلی کے نام بھیج دیں۔ لفافہ ملتے ہی رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔ سالانہ قیمت بذریعہ پوسٹل آرڈر ہرگز نہ بھیجیں۔ پوسٹل آرڈر راستے میں ضبط کر لئے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی — کے لئے — اعلیٰ پایہ کی — حسین — اور — دلکش — تصاویر

تیر و نشتر

"انگریزی کو قومی زبان کی حیثیت سے باقی رکھا جائے"۔ وزیرِ اعلیٰ بہار کا مطالبہ ——— اور انگریزوں کو قوم کے آقا کی حیثیت میں واپس بلا لیا جائے۔

"تیسرے پانچسالہ منصوبے میں سائنس دانوں کی حالت بہتر بنا دی جائے گی"۔ پنڈت جواہر لال نہرو ——— گویا باقی سب کی حالت بہتر ہو چکی ہے صرف سائنس داں باقی رہ گئے تھے۔ اب اُن کی بھی باری آ گئی۔

اِس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

"دہلی میں آنکھوں کا بینک قائم کرنے پر غور"۔ ایک خبر ——— تاکہ حکومت کی اندھا دھند کارروائیوں کے سدِّ باب کے لئے وزیروں کو آنکھیں سپلائی کی جائیں۔

"ہندوستانی نوجوان بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں"۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن ——— بہت دن تک صدارت، وزارت اور ممبریوں کا انتظار کیا۔ آخر مایوس ہو گئے۔

"آگرہ میں پولیس کی زیادتی"۔ ایک عنوان ——— کچھ کمی کر کے دہلی بھیج دیجئے۔

"نسلی، مذہبی یا لسانی منافرت پھیلانا ناقابلِ معافی جرم ہوگا"۔ لوک سبھا میں بل ——— اِن بنیادوں پر اپنی دکان چمکانے والے جلدی کریں ورنہ پھر موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

ادارہ

"برما کو چین سے والہانہ محبت نہیں ہے"۔ وزیرِ اعظم برما کا بیان ——— یہ ہندوستانی کمیونسٹوں کا حصہ ہے۔

"ضروریاتِ زندگی کی گرانی اور ٹیکسوں کی بھرمار کی وجہ سے لوگوں کی پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں"۔ ایک عنوان ——— یہ تو ابتدائے عشق ہے اور ہمیں اُس منزل پر پہنچنا ہے جہاں سوویت روس ہے۔ جہاں دو دو سو روپے میں جوتے کا جوڑا بکتا ہے۔

"سیلاب کی تباہ کاریاں" ——— تو کیا سیلاب سے آباد کاری ہوگی۔



"آرائشِ حسن میں برطانوی مرد عورتوں سے بڑھ گئے ہیں"



"... ہم آگے کی جوش نہیں حاصل کر سکتے" ایک عنوان ـــ لیکن ٹھیکیدار طبقے میں تو جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ عوام بیچاروں کو ملتا ہی کیا ہے جو ان میں جوش و خروش پیدا ہو

"کانگرسیوں کو ہندو کنونشن میں شرکت کی اجازت نہیں دی جائے گی"
صدر کانگرس ـــــ اور اگر انھوں نے بغیر اجازت شرکت کر لی تو پھر مجبوری ہے۔

"ہندو مہا سبھا اور جن سنگھ میں سمجھوتہ ممکن نہیں" ۔ صدر ہندو مہا سبھا کا بیان ـــــ اچھا ہوا ورنہ دونوں دکانوں کی ایک دکان کرنی پڑتی اور ایسے میں کاروبار اچھا نہیں ہوتا۔

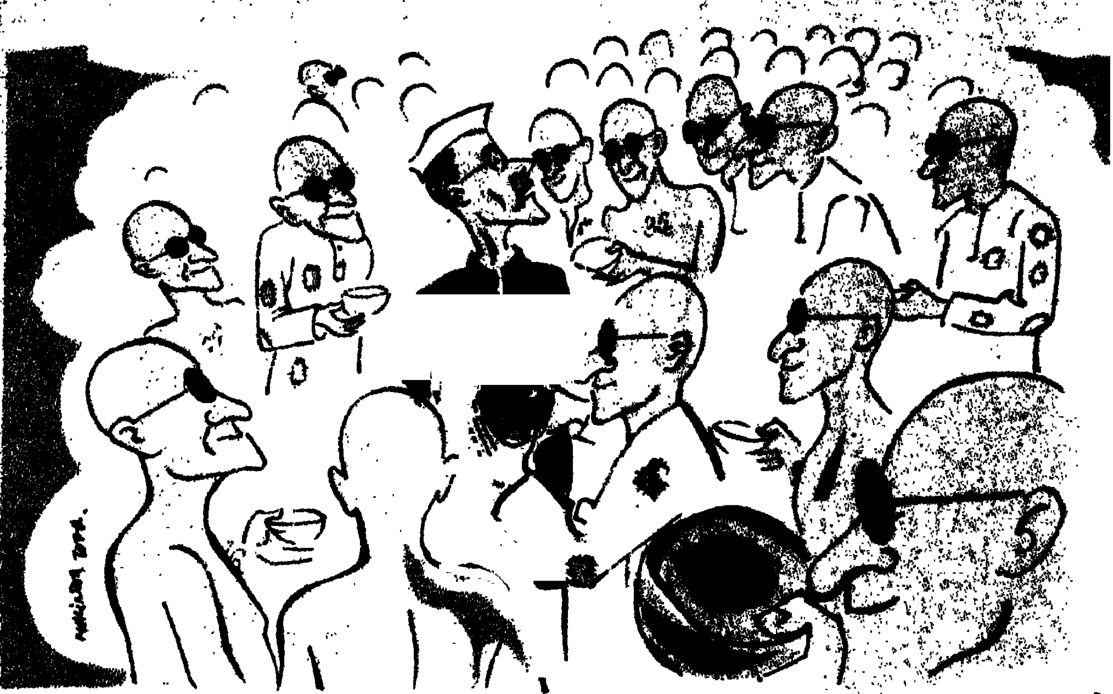
"سائنس داں نئی دنیا بناتے ہیں مگر ایڈمنسٹریٹر دنیا کا نظم و نسق چلاتے ہیں" پنڈت جواہر لال نہرو ـــــ اور سیاست داں لڑائیاں کرا کر دنیا کو تباہ کراتے ہیں۔

"ہندوستان کی فوج جدید طرز کی فوج ہے" پنڈت جواہر لال نہرو ـــــ اور ہندوستان کا ڈیفنس منسٹر بھی انوکھا ہے

"یو۔ پی میں لڑکیوں کی مفت تعلیم" ـــــ لڑکے بھی فائدہ اٹھانا چاہیں تو جنس تبدیل کر لیں۔

"ایک جاپانی لڑکی نے بے پوری ناچ سیکھا" ایک خبر ـــ حکومتِ ہند کی کلچرل سرگرمیوں کی سرپرستی کا نتیجہ۔

"فرخ آباد اسٹیشن پر لوگوں نے ٹرین روک لی اور ڈرائیور کو پیٹ ڈالا" ایک خبر ـــــ جمہوریت اور آزادی کے نظارے۔



"تیسرے پنجسالہ منصوبے نے صرف نوکرشاہی کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں جبکہ ملک دیوالیہ پن کی طرف بڑھ رہا ہے" راجگوپال آچاریہ کا بیان ــــ اور جو لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں وہ راجہ جی کا سایہ چھوڑ کر تیسرے منصوبے [illegible]

"ایران کمیونزم کے آگے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے گا" شاہ ایران کا اعلان ــــ پہلے یہ تو فرمایئے کہ آپ کے پاس ہتھیار ہیں بھی؟ یا سوت نہ کپاس جولاہے سے لٹھم لٹھا۔

"پٹاخے پھٹنے سے مکان گر گیا" ایک خبر ــــ اور یہاں بم پھٹتے ہیں تو بھی کچھ نہیں ہوتا۔

"بیرمٹ سے سیاسی مسائل حل نہیں ہوتے" سردار دربارہ سنگھ ــــ اور اگر مسائل سیاسی نہیں لسانی ہوں تو؟

"مغربی برلن کے باشندوں نے پھول برسا کر امریکی فوجیوں کا استقبال کیا" ایک خبر ــــ اور اب امریکی ان کے حق میں کانٹے بوئیں گے۔

"اہل ملک اپنے وطن کی حفاظت کی تیاریاں کریں" کرشنا مینن کی تقریر ــــ اس لئے کہ وہ خود اس میں ناکام رہے ہیں۔

"وزیر اعلیٰ آسام کی موٹر پر پتھروں کی بارش" ایک خبر ــــ وزیر اعلیٰ آسام سے اللہ میاں بھی ناراض ہیں کہ پانی کی جگہ پتھر برسائے۔

"لڑکیوں کے گھروں سے فرار ہونے کے واقعات میں اضافہ" ایک عنوان ــــ دوسرے پنجسالہ پلان کی ترقیات کی ایک جھلک۔

"حکومت قوم دشمن تحریکوں کو برداشت نہیں کرے گی" ڈاکٹر شریمالی۔ البتہ ان وزیروں کو ضرور برداشت کیا جائے گا جو چین کی جارحانہ سرگرمیوں پر خاموش ہے اور آج بھی صفائی سے اس کے خلاف زبان نہیں کھولتے۔



"سیاست دانوں اور حکمرانوں سے فیض یافتہ نئے طبقہ کا ظہور" —— اور یہ طبقہ ۱۹۴۷ء کے بعد گاندھی ٹوپی اوڑھ کر سیاست میں آگیا ہے۔

"بلوچستان کی بنیادی جمہوریتوں کے ممبروں سے خطاب کرتے ہوئے صدر ایوب نے کہا کہ ہند اور پاکستان کی دوستی بہت اہم ہے" —— اور دوستی کی شرطِ اوّلین یہ ہے کہ ع

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

"کمیونسٹ پارٹی کی نیشنل کونسل کا اجلاس جالندھر میں ہوگا" ایک خبر —— اور اس میں ہندوستانی سرحدوں پر چین کی جارحانہ کارروائیوں کے علاوہ ہر چیز پر غور کیا جائے گا۔

"شکر اور کپڑا تیار کرنے والے اور دوسرے کارخانے سرکاری ملکیت میں لے لئے جائیں" پرجا سوشلسٹ پارٹی کا مطالبہ —— اور ان کے مالکان کو بھی سرکار اپنی ملکیت میں لے لے تو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

"سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج بھیج دی گئی" —— شاید چینیوں کی بہ نسبت یہ مقابلہ آسان ہوگا۔

"دیہات میں ثقافتی ہال تعمیر کرنے کے لئے مرکزی حکومت کی طرف سے امداد" —— تاکہ سادہ لوح دیہاتی بھی نائٹ کلب کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں۔

"یو۔پی کے وزیر داخلہ مسٹر چرن سنگھ نے اعتراف کیا ہے کہ جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔ پولیس میں بھی اضافہ کیا جائے گا" —— اس لئے پولیس میں بھرتی ہونے کے خواہشمند جرائم کو بڑھا دیں تاکہ جلدی ملازمت ملے۔

"رشوت لینے کے جرم میں گرفتاری" —— رشوت دے کر چھوٹ جائیے۔



"اُردو ادب میں اردو شاعری کو بلند مقام حاصل ہے" وزیراعلیٰ یوپی
—— اس لئے کہ اُردو شاعر قطب مینار پر بیٹھ کر شاعری کرتے ہیں۔

"میری مصروفیتوں سے بچاؤ" پنڈت جواہرلال نہرو کی شکایت ——
جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا کی خدمات حاضر ہیں۔

"روس کے ایک اخبار نے روسی راکٹوں کی پیداوار سے ہلکا سا پردہ اُٹھایا ہے" ایک خبر —— ہلکا پردہ تو اُٹھا دیا ہے مگر آہنی پردہ بدستور پڑا ہوا ہے۔

"نئے ڈیم ہمارے لئے بوجھ بنتے جارہے ہیں" ایک عنوان ——
اس لئے وزیر پلاننگ یہ ہدایت کریں کہ آئندہ بننے والے ڈیموں میں ہلکے اور چھوٹے پتھر استعمال کئے جائیں۔

"صبر و ضبط سے کام لے کر لوگوں کو متحد کیا جاسکتا ہے" نائب صدر جمہوریہ —— صبر و ضبط بھی کوئی گوند یا سریش جیسی چیز ہے جو لوگوں کو چپکا کر متحد کرسکتی ہے۔

"بیویوں کی طرف توجہ دو ورنہ سزا ملے گی" ایسٹرن ریلوے کا ملازمین کو سرکلر —— محکمہ ریلوے ہے یا قاضی کا دفتر؟

"اگر ہندوستان لسانی یا فرقہ دارانہ جھگڑوں میں اُلجھ گیا تو ترقیاتی پلان ناکام ہوجائیں گے" ایک عنوان —— ہوجایا کریں۔ ہماری بلا سے۔

"دس جاٹوں کو دس سال قید سخت" ایک خبر —— یعنی فی جاٹ ایک سال۔

"گپتا وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک ناکام" —— سمپورنا نند اینڈ کمپنی کی اُمیدوں پر اوس۔



"ٹوڈن کا اسا ئیرا پر کوئی حق نہیں"۔ چینی حکام الودعی! ـــــ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ ہندوستانی کیونسٹ پارٹی بیچ اِس مسئلے کے؟

• "پنجاب میں گندی بستیوں کی صفائی کی اسکیم"۔ ایک عنوان ـــــ اُس بستی کو نہ بھول جائیں جس میں پنڈت سریرام شرما اینڈ کمپنی براجمان ہے۔

• "پاکستان میں کشتی کا فن روبہ زوال ہے"۔ رستمِ ہند امام بخش کا بیان ـــــ گیارہ برس تک جو سیاست دانوں کی شان دار کشتیاں ہوتی رہی ہیں اُس عروج کی یاد دل سے محو ہو گئی۔

• "دو لاکھ جوتوں کی سپلائی کے سلسلے میں ناروے سے معاہدہ"۔ ایک خبر ـــــ اِس لئے اب کے اپنے جوتوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار

"سماجوں کے مقابلہ پر جن سنگھی اُمیدوار"۔ ایک خبر ـــــ جن سنگھی بڑے احسان فراموش ہیں۔ اپنوں کو بھی نہیں بخشتے۔

• "وقت آنے پر گوا کی آزادی کے لئے مناسب قدم اُٹھایا جائے گا"۔ پنڈت جواہر لال نہرو ـــــ اور اُس کے لئے ایک وقت متعین ہے

پھر گوا والوں کو یہ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

"چینی کمیونسٹوں کو سوشلزم کی تعمیر کا کوئی تجربہ نہیں"۔ ایک عنوان ـــــ مسٹر خروشچوف کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کریں کہ مرنے کے بعد اپنے لیڈر کو گالیاں دی جاتی ہیں۔

"بہت سے مزدور لیڈر گرفتار" ـــــ براہِ کرم، ڈالمیا کمیں کے جانے جائیں۔

"بلند شہر بھی سیلاب کی زد میں" ـــــ اگر کہیں نشیب میں شہر ہوتا تو سیلاب کام تمام کر چکا ہوتا

شاداں

کرشن چندر ایم۔اے

سا سے علاقے میں ایسی واردات نہ پہلے کبھی ہوئی تھی نہ سُنی گئی تھی۔ جو سُنتا تھا کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا۔ ریتہ گاؤں کی ایک بیوہ عورت شاداں نے پولیس کے ایک سپاہی کو گولی سے ہلاک کر دیا تھا۔ کہتے ہیں پولیس کا سپاہی ریتہ گاؤں میں کسی تفتیش کے سلسلے میں آیا تھا۔ اور رات کو رہنے کے لئے اُس نے شاداں کے گھر میں ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اُس نے سوچا تھا رات بھی اچھی کٹے گی اور دوسرے دن تفتیش بھی ہو جائے گی۔ نمبردار نے تھانے کے سپاہی کو بہت منع کیا تھا۔ کیونکہ وہ شاداں کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ اور ایک بار خود بھی شاداں سے پٹ چکا تھا۔ لیکن تھانے کا سپاہی بھی کسی سے کم نہ تھا۔ کسی طرح نہ مانا۔ ’ایسی ایسی بہت عورتیں رجب علی نے دیکھی ہیں میں انھیں سیدھا کرنے کا فن جانتا ہوں‘۔ سپاہی نے فخریہ لہجے میں نمبردار سے کہا تھا۔

شاداں لیس نائک نثار محمد کی بیوہ تھی۔ دو سال ہوئے اُس کا شوہر پہلی جنگِ عظیم میں مارا گیا تھا۔ اُسے انگریزی خزانے سے بارہ روپے ماہانہ پنشن ملتی تھی۔ یہ پنشن ہر ماہ انگریزی ڈاک خانے سے منتقل ہو کر ریاستی ڈاک خانے میں آتی تھی اور شاداں ہر ماہ کی چھ تاریخ کو کوراٹے کے ڈاک خانے سے پنشن وصول کرنے جاتی تھی۔ بارہ روپے پنشن کے علاوہ اُس کے پاس اپنے خاوند کی زمین تھی اور نثار محمد کا کوئی رشتے دار آگے پیچھے اُس زمین کا حصہ بٹانے کے لئے موجود نہ تھا۔ اِس لئے شاداں اپنے علاقے کی ایسی نوجوان بیوہ تھی جس سے شادی کرنے کے خیال ہی سے بہت سے لوگوں کے مُنہ میں پانی آ جاتا تھا کیونکہ شاداں خوبصورت بھی بہت تھی لیکن شاداں کا ابھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اُس کے شوہر کو مرے ابھی صرف دو ہی سال ہوئے تھے۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر اُس نے شادی کر لی تو پنشن فوراً بند ہو جائے گی۔ وہ سستے زمانے تھے۔ اُس زمانے کے بارہ روپے آج کے ڈیڑھ سو کے برابر ہوتے ہیں۔

رجب علی شاداں کے بارے میں کچھ زیادہ نہ جانتا تھا۔ اُس نے صرف کسی من چلے سے اتنا سُن لیا تھا کہ ریتہ گاؤں میں ایک بے حد حسین بیوہ رہتی ہے۔ جس کا نام شاداں ہے رجب علی کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ جب وہ ریتہ گاؤں میں تفتیش کرنے کے لئے اپنی رائفل لے کر روانہ ہوا تو اُس نے چلتے وقت ہی یہ طے کر لیا تھا کہ وہ رات کو شاداں کے ہاں مہمان رہے گا۔

شاداں کو رجب علی کی بات چیت، اُس کے انداز، اُس کی ہیکڑی بالکل پسند نہیں آئی لیکن رجب علی سرکاری کارندہ تھا۔ اِس لئے مہمان نوازی کے سلسلے میں جو کچھ اُس سے ہو سکا اُس نے کر دیا۔ اُس نے اپنے مرحوم شوہر کا بستر نکالا اور اُسے اپنے گھر کی سب سے عمدہ کھاٹ پر سپاہی کے لئے بچھا دیا اُس کے لئے ایک مرغی ذبح کی اور مکئی کے ڈھوڈے خود اپنے ہاتھ سے سینکے اِن باتوں سے رجب علی بہت خوش ہوا اور اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا شاداں کے مضبوط مگر لچکتے ہوئے جسم کو گہری دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

دوسرے دن شاداں کے گھر کے باہر رجب علی کی لاش ملی اور شاداں سپاہی کی رائفل لے کر مفرور ہو چکی تھی۔

کوراٹے کا تھانے دار حشمت علی فوراً دو حوالدار اور دو سپاہی لے کر جائے وقوع کی طرف روانہ ہوا۔ ریتہ گاؤں کوراٹے سے پندرہ میل جنوب کی طرف واقع تھا۔ دریائے جہلم اُس کے دھان کے کھیتوں کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا

[illegible] ملے کے مجرم بہت چالاک تھا۔ [illegible] اگر وہ

[illegible] جانے کے بعد ایک بڑا جاتا تھا تو حشمت علی نے سوچا پہلے

پتہ کر لے کہ [illegible] اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ شاداں واقعی مجبور کر کے

گاؤں کے علاقے میں نہیں گئی ہے۔ اِس جگہ کے سوا کسی جگہ وہ زیادہ اچھا

دور جہاں سے نہیں جا سکتا۔ ویسا اس قدر تنہا سے بہت آسانی سے گھیر کر پہنچ جانے

کا سوال ہی پیدا ہوتا تھا پھر بھی احتیاطاً اس مقام سے حشمت علی نے ایک علاقہ

[illegible] ایک سپاہی روانہ کیا انگریزی علاقے میں تفتیش کے لئے روانہ کر دیا اور

خود صرف ایک حوالدار اور ایک سپاہی لے کر سیدھا گاؤں کو روانہ ہوا جو اوپر کی

گھاٹیوں پر آباد تھا۔ اس کے اوپر گیارہ ہزار فٹ اونچا لالاسرائے کا پہاڑ تھا جس

کی چوٹیوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔ حشمت علی بڑا خونخوار تھانے دار تھا اور ڈاکوؤں

اور مفروروں کو پکڑنے میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ اُسے قدم سے قدم قدموں کے

نشان پہچان لینے میں بڑی مہارت تھی۔ اور لوگ تو یہاں تک کہتے تھے کہ وہ مفرور

کے جسم کو آدھے میل سے ایک کتے کی طرح سونگھ لیتا ہے خیر یہ تو مبالغہ تھا

لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دس سال کی ملازمت کا اکثر و بیشتر حصہ

ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے اور مفروروں کو پکڑنے میں گزار چکا تھا۔ اس کے جسم

پر گولیوں کے کئی نشان تھے کئی بار ڈاکوؤں نے اُسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن

اُس کے جسم میں کسی گینڈے کے جسم کی طرح بندوق کی گولیوں سے صحت

یاب ہونے کی صلاحیت تھی۔ وہ اپنی دُھن کا پکا، ضدی اور بے حد ایمان دار

تھانے دار تھا۔ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ کہتا تھا جب گھر میں

عورت آجاتی ہے اور بچے ہو جاتے ہیں تو تھانے دار کے دل میں خود بخود

بے ایمانی آجاتی ہے ——— اپنے چھوٹے چھوٹے بچے دیکھ کر کس کا دل

ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے کو چاہے گا۔ یہ عورتیں ہمیشہ مرد کو بے ایمانی اور

رشوت پر اکساتی ہیں۔ در اصل حشمت علی کو گھریلو زندگی اور عورت سے نفرت

سی تھی۔ اُسے کھلی جگہ اور شدید جدوجہد کی زندگی پسند تھی۔ [illegible] گاؤں میں آ

کر پہلے تو اس نے سارے گاؤں والوں کو بند کروایا۔ بدمعاشوں کو جوتے لگوائے

اور مشتبہ لوگوں کو مُرغا بنا لیا۔ اور دن بھر لوگوں سے سوال و جواب کرتا رہا۔ دن بھر کی

تفتیش سے اُسے اتنا معلوم ہو گیا کہ گاؤں کا کوئی اور آدمی شاداں کے سوا اس

[illegible]

[illegible] احتیاط تفتیش کے لئے اس نے [illegible]

دیا۔ اور خود شاداں کے گھر سے گھاٹی گھاٹی اوپر چڑھا۔ جہاں اُسے بہت سے

قدموں کے نشان ملے تھے۔ وہ رات [illegible] جنگلوں میں [illegible] کسانوں

کے گھر [illegible] کئی گھنٹے بات چیت کرنے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ شاداں یہاں

نہیں آئی۔ البتہ کسان نے شام گہری ہوتے وقت گاؤں کے [illegible] قدموں کے

چلنے کی آواز سنی تھی بس۔ صبح وہ رات کے لئے اس کسان کے گھر [illegible]

پر چلتے ہی گھاٹی کے دوسری طرف [illegible] جنگلوں کے

درمیان لال کسی بہتی تھی جس کے پاس لالاسرائے کا اونچا پہاڑ تھا۔ [illegible] جنگل

اترتا ہوا آخر لال کسی پر پہنچا جس کا پانی شمالی پہاڑیوں کی [illegible] برف پگھلنے کی

وجہ سے ہمیشہ لال رہتا تھا۔ وہ دیر تک اسی کسی کے کنارے کنارے گھومتا رہا۔

آخر اُسے ایک جگہ قدموں کے نشان مل گئے۔ اور یہ نشان انہی قدموں سے ہو بہو

ملتے تھے جو شاداں کے گھر سے گھاٹی کی طرف جاتے ہوئے اُسے ملے تھے حشمت

علی خان اِس نشان دہی پر بہت خوش ہوا اور [illegible] اُٹھاتے لال کسی

پار کر گیا۔ گھاٹی گھاٹی چڑھتے ہوئے وہ اوپر [illegible] کے جنگلوں میں پہنچ گیا۔ صنوبر

کے مضبوط تنے سنتریوں کی طرح ایستادہ تھے اور اُن پر سبز کائی کے علاوہ جنگلی

بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ یہاں سورج کی روشنی چھن چھن کر اور سبز رنگ کی کیفیت

لئے ہوئے پہنچتی تھی۔ جنگل میں چاروں طرف اِس قدر سناٹا تھا کہ وہ اپنے خاموش

قدموں کی چاپ تک سُن سکتا تھا۔ وہ دیر تک اِن جنگلوں میں گھومتا رہا۔ آخر

اُسے ایک کانٹے دار جھاڑی میں پھول دار سرخ سوسی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مل

گیا۔ جو غالباً شاداں کی مخملی شلوار سے اٹک کر اِس کانٹے دار جھاڑی میں اُلجھ

کر رہ گیا تھا۔ حشمت علی خان بہت خوش ہوا۔ بہت دیر تک غور سے اُس سوسی

کے ٹکڑے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ جنگلوں میں آگے جا کر

اُسے چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی ایک کھوہ نما جگہ نظر آئی۔ یہاں زمین پر کچھ

جلی ہوئی لکڑیاں اور راکھ نظر آئی۔ حشمت علی کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ اس

اس نے چاروں طرف نہایت غور سے دیکھا۔ شاداں نے غالباً رات یہیں کاٹی

ہے۔ اب وہ یہاں سے کس طرف گئی ہو گی؟ بہت سوچنے کے بعد اُس نے

والا ایک راستہ اختیار کر لیا۔ یہ راستہ دشوار گزار ننگی چٹانوں میں سے ہو کر اوپر کالاسرائے کی ڈھلوان کی طرف جاتا تھا۔ جہاں گرمیوں میں سبز اور شاداب گھاس کے بڑے بڑے قطعے ہوتے ہیں اور جہاں بکروال لوگ دور دور سے آ کر گرمیوں کے موسم میں اپنے ریوڑ چرایا کرتے ہیں۔ یہاں سے اوپر کالاسرائے کی اونچی برفانی چوٹیاں تھیں۔ جو اس وقت گہرے بادلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں پھر دھند بڑھتی جا رہی تھی۔ اوپر کی چوٹیوں سے دھند پھیل کر نیچے جنگلوں کی طرف جا رہی تھی اور اس نیم شفاف دھند میں کالاسرائے کی کئی سفید چوٹیاں کسی بہت بڑے قلعے کے کنگروں کی طرح نظر آتی تھیں۔ وہ جوں جوں آہستہ آہستہ اوپر چڑھتا گیا دھند گہری ہوتی گئی اور سردی بڑھتی گئی۔ حشمت علی نے محسوس کیا کہ اسے اپنا اندازہ درست ہی لگانا چاہئے تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اسے مفرور کی تلاش میں اتنا اونچا جانا پڑے گا۔ ورنہ وہ پوری طرح سے تیار ہو کے آتا۔ کم سے کم وہ ایک سپاہی تو سامان خورد و نوش اور ضرورت کی دوسری چیزوں سے لدا ہوا ساتھ لاتا۔ واقعی اس نے حوالدار اور سپاہی دونوں کو پیچھے چھوڑ کر سخت حماقت کی تھی۔ دھند گہری ہوتی گئی۔ اس کے قدم برف پر پڑنے لگے۔ پھر ہلکی ہلکی بے آواز بارش شروع ہو گئی۔ کہیں کہیں اس کے پاؤں برف سے پھسل جاتے تھے اس کے چاروں طرف دھند اتنی دبیز اور گہری ہو چلی تھی کہ دو تین گز سے آگے راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ محض ایک سمت کو دھیان میں رکھ کر چل رہا تھا۔ لیکن دھند کے مرغولوں میں محصور ہو کر اسے اب یہ یقین بھی نہ رہا تھا کہ وہ ٹھیک سمت کی جانب جا رہا ہے یا غلط سمت اختیار کر رہا ہے۔ یکلخت ایک چٹان سے اس کا پاؤں پھسلا اور اس نے سنبھلنے کے لئے اپنے پچھلے قدم کو اگلے قدم کے ساتھ ملا دیا اور یکایک عین اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس کے دونوں قدم اب ہوا میں معلق ہیں اور وہ نیچے گرتا جا رہا ہے۔ اس نے دونوں طرف چٹانوں کو پکڑنے کے لئے آگے پیچھے ہاتھ چلائے لیکن اسے کوئی سہارا نہ ملا اور وہ پچاس ساٹھ فٹ نیچے ایک گہری کھڈ میں گر پڑا۔ اس کی قسمت اچھی تھی۔ کھڈ میں برف تھی۔ ورنہ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی پھر بھی اسے کئی جگہ چوٹیں آئیں اور دائیں پاؤں کی ایڑی برف میں ابھری ہوئی ایک چٹان سے ٹکرا کر کٹ گئی۔ خون بہنے لگا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن وہ پھر کھڈ میں گر گیا۔ وہ دیر تک کھڈ میں گرا پڑا رہا۔ اب بارش بند ہو چکی تھی اور برف پڑنے لگی تھی۔ سردی سے اس کا سارا جسم سن ہو رہا تھا لیکن شکر ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو رگڑ کے ایک دوسرے سے ملایا۔ اور گھسٹ کر چٹانوں کا سہارا لے کر کھڈ کی دوسری دیوار سے اوپر چڑھنے لگا۔ بیچ میں دیودار کا ایک چھوٹا سا پیڑ برف سے آدھا باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے تنے کو پکڑ کر چند منٹ تک حشمت نے آرام کا سانس لیا۔ پھر گھسٹتا، اٹھتا، گرتا پڑتا کسی طرح کھڈ کی دوسری طرف چڑھ گیا کھڈ کی دوسری جانب کالاسرائے پہاڑ کی برفانی ڈھلان تھی۔ اور کہیں کہیں ننگ کے اکا دکا درخت دھند میں چھپے ہوئے تاریک سایوں کی طرح نظر آتے تھے۔ برف اب بہت تیزی سے گر رہی تھی۔ اس کے شانوں پر جمتی جا رہی تھی۔ اور اس کی پلکوں سے گر کر اس کے رخساروں پر پگھلتی جا رہی تھی اور اس کے رخسار ایسے گیلے ہو چلے تھے جیسے وہ گھنٹوں سے رو رہا ہو۔ ایڑی سے خون جاری تھا اور خون نکلنے سے وہ بے حد کمزور ہو چلا تھا۔ سردی کی شدت سے اس کا سارا جسم سرد اور بے حس سا ہو چلا تھا اور اس کی آنکھیں ایک غیر قدرتی نیند سے بند ہوتی جا رہی تھیں لیکن اس حالت میں بھی اس نے اپنی بھاری اور بوجھل رائفل کو نہ چھوڑا۔ اور کبھی اٹھتا کبھی گرتا کبھی گھٹنوں کے بل چلتا وہ ایک روشنی کے قریب پہنچ گیا جو شدید اور تند برف باری میں چمکتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آخری فاصلہ اس نے گھٹنوں پر چلتے ہوئے طے کیا۔ یہ لکڑی کا ایک کیبن نما گھر تھا جس کی چھت سے دھواں نکل رہا تھا اور لکڑی کے جڑے ہوئے کندوں کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ حشمت علی دہلیز پر جا گرا اور اس نے رائفل کے کندے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ دھیرے سے کھلا اور اس میں سے ایک عورت کا چہرہ نظر آیا جس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

شاداں نے سب سے پہلے تو حشمت علی کی رائفل اپنے قبضے میں کی اور پھر اسے چوکھٹ سے گھسیٹ کر اندر لائی اور اسے بہت مشکل سے اٹھا کر کھاٹ پر لٹایا۔ حشمت علی کھاٹ پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ آخری لمحے میں اسے صرف اتنا یاد تھا کہ ایک دراز قد دلکش خدوخال والی عورت

[illegible] ہوتی شربی سمجھ [illegible] [illegible] آراستہ ہے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس [illegible] سے بندھا لیا ہے۔ اُس کے پاؤں پر کسی نے [illegible] ہے اور شاداں اُس کے سرہانے شوربے کا پیالہ لئے کھڑی ہے

مسلسل [illegible] برف وباراں کا طوفان اُس کیبن کے گرد گرجتا رہا [illegible]۔ اور شاداں برابر اُس کی تیمارداری کرتی رہی۔ اُس کی ایڑی کا زخم اچھا ہو گیا اور دوسری چوٹیں بھی ٹھیک ہو گئیں۔ لیکن شاداں اُس کی نگرانی میں شدید احتیاط سے کام لیتی تھی۔ اُس نے حشمت علی کی رائفل برف میں کسی جگہ دبا دی تھی اور اپنی رائفل ہر وقت اپنے ہاتھ میں رکھتی تھی۔ چند گھنٹوں کے لئے جب وہ نیچے جنگل جاتی تو جنگلی مرغ شکار کر کے لاتی۔ اُس وقت وہ حشمت علی کو اچھی طرح سے رسّیوں سے باندھ دیتی۔ اور ہر طرح سے اطمینان کر کے دروازہ باہر سے بند کر کے جاتی۔

”یہ سب احتیاط غلط ہے!“ حشمت علی اُسے سمجھاتا۔ ”ایک نہ ایک دن تم ضرور پکڑی جاؤ گی!“

”میرے جیتے جی تو مجھے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔“

شاداں جواب دیتی۔

”اگر مفرور رہو گی تو پھانسی پاؤ گی“ حشمت علی نے کہا۔ ”لیکن اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو گی تو صرف کالے پانی جاؤ گی۔ رجب علی نے تمہاری عزت لی تھی۔ تم نے اپنی عزت کے بدلے اُس کی جان لے لی۔ کورٹ سزا دیتے وقت اس کا خیال کرے گی۔“

”میں کالے پانی نہیں جانا چاہتی۔ میں جیل بھی جانا نہیں چاہتی میں آزاد رہنا چاہتی ہوں!“

حشمت علی نے دراز قد والی، تیکھے نقش والی شاداں کی طرف تعریفی نگاہ سے دیکھا۔ اُس کے سارے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی۔ اور اُس نے جلدی سے اپنا منہ پھیر لیا۔ یہ کیسی کمزوری تھی۔ شاداں جب اُس کے قریب آتی تو اُس کے جسم سے کیسی خوشبو آتی؟ بے چین اور بے تاب کر دینے والی۔ اُس [illegible] اُس کے جسم میں سنسنی سی پھیل جاتی اور خون [illegible]

سے اُس کے [illegible] تھا!

ایک دن حشمت علی نے اُس سے کہا۔

”اگر تم نے پھر شادی کر لی ہوتی تو رجب علی [illegible] کی ہمت نہ ہوتی۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے!“

”پھر تم نے شادی کیوں نہیں کی؟“

”مجھے کوئی مرضی کا مرد نہیں ملا۔“

”کیسا مرد چاہتی ہو تم؟“

”ایسا جس کے سینے سے لگ کر میرا دل رونے کو چاہے۔“

شاداں نے آنکھیں جھکا کر آہستہ سے کہا۔

پھر وہ سامنے کی دیوار کی طرف دیکھنے لگی اور اُس کی بڑی بڑی [illegible] آنکھیں خوابیدہ سی ہو گئیں۔

دس دن کے بعد جب حشمت علی بالکل اچھا ہو گیا تو شاداں اُس کی رسّیاں کھول کر اُسے باہر لائی۔ اب طوفان ختم ہو چکا تھا۔ ڈھلوانوں کے [illegible] قطعوں میں برف پر سنہری دھوپ چمک رہی تھی۔ اور درختوں کی شاخوں پر برف کی مرمریں جھالریں خوشنما لیس کی طرح لٹک رہی تھیں۔ ہوا میں [illegible] تازگی اور خنکی تھی۔ آسمان دور تک نیلا صاف اور شفاف تھا اور جو تھوڑے [illegible] بادل کا ایک ٹکڑا نہ تھا!

حشمت علی نے چاروں طرف دیکھ کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ لیکن شاداں نے رائفل کے کندے سے اُس کی پیٹھ کو ٹھوکا دے دیا۔

”آگے بڑھو!“

”کہاں؟“

حشمت علی نے حیران ہو کر کہا۔

”میں تمہیں [illegible] چھوڑ دوں گی۔ جہاں سے جنگل [illegible] ہوتے [illegible] [illegible] [illegible]

"میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے؟"

حشمت علی آگے آگے چلنے لگا۔

رائفل دونوں ہاتھوں میں تانے ہوئے شاداں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ احتیاط سے اُس کی طرف دیکھتی ہوئی کہ اگر حشمت علی ذرا بھی کوئی غلط حرکت کرے تو وہ فوراً اُسے گولی کا نشانہ بنا دے۔

زینہ بہ زینہ ڈھلوان سے اُتر کر وہ دونوں اُس گہری کھڈ کے قریب پہنچے جو جنگل کی گھاٹیوں کو ڈھکی کی سطح مرتفع سے جدا کرتی تھی۔ یہ بہت ہی گہری کھڈ تھی اور یہیں حشمت علی کا پاؤں پھسلا تھا۔ اِس کھڈ کے دوسری جانب چٹانوں سے پرے کالا سرائے کی نچلی گھاٹیوں کا جنگل شروع ہوتا تھا کھڈ خاصی گہری تھی۔ لیکن اس کے اِس کنارے اور اُس کنارے میں اتنا فاصلہ تھا کہ ایک آدمی زور سے چھلانگ لگا کر دوسرے کنارے جا سکتا تھا۔ شاداں اسی طرح چھلانگ لگا کر اِس کنارے آئی تھی۔ اگر دھند نہ ہوتی تو شاید یہ بھی یہی کرتا۔ حشمت علی نے اُس گہری کھڈ کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہا۔ اُس صورت میں نہ میں زخمی ہوتا اور نہ شاداں کے ہاتھوں اِس طرح بے بس ہو جاتا!

"چھلانگ لگاؤ!"

شاداں نے حشمت علی کو کھڈ کے کنارے کھڑا کر کے کہا۔

حشمت علی نے کہا۔

"اب بھی کہتا ہوں شاداں مان جاؤ۔ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو۔ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا۔"

شاداں زور سے ہنسی۔

رائفل سے حشمت کی پیٹھ کو ہلکا سا ٹھوکا دے کر بولی۔

"پولیس والوں کا کیا اعتبار؟ اب اگر تم یہاں سے زندہ جانا چاہتے ہو تو کھڈ کے پار چھلانگ لگاؤ۔"

"ابھی میں بہت کمزور ہوں!"

حشمت علی نے بہانہ کیا۔

"اللہ کا نام لے کر زور سے چھلانگ لگاؤ۔ پار چلے جاؤ گے!"

اللہ کا نام لے کر حشمت زور سے چھلانگ لگانے کے لئے اپنے کندھے سکوڑ کر نیچے جھکا۔ پھر بجلی کی سی تیزی سے پلٹ کر شاداں کی ٹانگوں کو قینچی دیتا ہوا دوسری جانب کھڑا ہو گیا۔

اب شاداں زمین پر تھی اور رائفل حشمت علی کے ہاتھوں میں۔ اور یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہوا تھا۔

شاداں کے اوسان ابھی بجا نہ ہوئے تھے کہ حشمت علی نے دونوں ہاتھ قابو میں کر کے اُسے ہتھکڑی پہنا دی۔

اب وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے۔

حشمت علی نے وہ کھڈ والا راستہ چھوڑ دیا تھا اور کسی دوسرے راستے سے شاداں کو نیچے گھاٹیوں میں لے جا رہا تھا۔ جنگل خاموش تھا اور وہ دونوں بھی خاموش چلے جا رہے تھے۔ شاداں حشمت علی سے بات کرتی تھی نہ حشمت علی شاداں سے آنکھیں ملانے کی جرأت کر سکتا تھا۔ ہتھکڑی شاداں کے ہاتھوں میں تھی اور زنجیر حشمت علی کے ہاتھ میں۔ اور دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

جنگل سے اُترتے وقت حشمت نے شاداں کو ایک جگہ دکھائی جہاں چٹانوں کی کھوہ میں شاداں نے ایک رات گزاری تھی۔ پھر گھاٹیاں اُتر کر حشمت نے لال کتی پار کی۔ اور دوسرے کنارے کا پہاڑ چڑھ کر [illegible] ہارے کسان کے گھر جا کر دونوں نے پانی پیا۔ اور چند منٹ کے لئے آرام کیا۔

اب شام کے دھندلکے چھا رہے تھے۔ لیکن حشمت علی نے اِس کسان کے گھر آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ شام ختم ہوتے ہوتے ریتہ گاؤں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اُترائی کا راستہ اُس کا جانا پہچانا تھا۔ چند منٹ آرام کرنے کے بعد وہ شاداں کو لے کر پھر نیچے اُترنے لگا۔

نیچے اُترتے اُترتے وہ بالکل تلے ریتہ گاؤں کے نیچے دھان کے کھیتوں میں اُتر گیا۔ جہاں دریائے جہلم کا کنارا تھا۔ اور ملاح آخری سواریاں اُس پار اُتار کر بیڑے کو باندھ رہا تھا۔

[illegible] لگا۔
[illegible] سے پوچھا۔
"تم یہاں پار جاؤ گے؟"
"ابھی [illegible] سرکار!"
حشمت علی نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ملاح کے ہاتھ
میں تھما دیا۔
ملاح پھر بیڑہ کھولنے لگا۔
"چلو کشتی میں بیٹھو!"
حشمت علی نے شاداں سے کہا۔
شاداں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"
"چلو کشتی میں میرے ساتھ! میں بتاتا ہوں۔"
شاداں حیران و لرزاں کشتی میں بیٹھ گئی۔ ملاح بیڑہ کھینے لگا۔
حشمت علی نے شاداں کے ہاتھوں سے ہتکڑی کھولتے ہوئے کہا۔
"اب تم آزاد ہو۔ انگریزی علاقے میں پہنچ کر تم پنڈی چلی جاؤ۔
لاہور چلی جاؤ۔ جہاں جی چاہے چلی جاؤ!"
"اور تم؟"
"اگر تم مجھے اجازت دو گی!" حشمت علی نے کہا۔ "تو جہاں جہاں تم
جاؤ گی میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"
شاداں کا چہرہ شرم اور حیا سے لال ہو گیا اور ایک گھٹی اور لرزتی
سی آواز میں بولی۔
"اور تمہاری نوکری؟"
"وہ اسی جہلم کے پانیوں میں بہہ گئی۔"
شاداں دیر تک حشمت علی کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ یکایک
اُس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ اور وہ جھک کر حشمت علی کے
سینے سے لگ گئی۔
اور سسک سسک کر خوشی سے رونے لگی۔

ملاح بیٹھ [illegible]
"اور [illegible] [illegible] پہلا [illegible]
ملے —؟" ●●

ایشیا کے عظیم فنکار کرشن چندر کے قلم سے لکھے ہوئے
نئے شاہکار ناول

دل کی وادیاں سو گئیں [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
حسرت ناک داستان۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

کتاب کا کفن نہایت دلچسپ بلند پایہ افسانوں کا [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible]
حسن و شباب کی [illegible] [illegible] [illegible]۔ قیمت فی جلد صرف [illegible] روپے۔

ناول "ایک عورت ہزار دیوانے"

جناب کرشن چندر کا غیر فانی شاہکار "ایک عورت ہزار دیوانے" [illegible]
اپنے انداز کا پہلا ناول ہے جس میں جادو نگار فنکار نے فن کی ساری بلندیاں [illegible]
دی ہے۔ یہ بے مثل ناول شاخِ گل سی نازک [illegible] [illegible] [illegible]
کی ایسی حسین کہانی ہے جس میں پھول بھی ہیں اور انگارے بھی شعلے بھی [illegible]
[illegible] کا کردار ایک بے مثل اور انوکھا کردار ہے۔ ناول کا [illegible] [illegible]
انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف ساڑھے تین روپے۔ [illegible]
یہ ناول حاصل کرنے کے لئے [illegible] [illegible] [illegible]
کتاب اور ایک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کتب بذریعہ
رجسٹری پیکٹ فوراً روانہ کر دی جائے گی۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر [illegible]

ہفت غزلہ

ساتویں غزل

پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم۔اے۔پی ایچ۔ڈی

تجھے پا کر بہشتِ دُنیوی میں | رہے کس بات کا ارمان جی میں
ہوئی ہے خیر پرسی ، یا الٰہی | ہماری خیر رکھنا اِس خوشی میں
نظر ملتے ہی یکدم بے محابا | وہ در آئے ہماری زندگی میں
نہ کر آزارِ بے حد کی تلافی | مجھے آرام ہے تکلیف ہی میں
یہ موقع خوب ہے اے شوقِ دیدار | وہ مُنھ کھولے کھڑے ہیں چاندنی میں
رہا ہے خانہ و مسجد میں کیا فرق | نِکالا جا رہا ہوں بے خودی میں
خدا تک جا پہنچتا تھا زمانہ | زمانِ تیرگی کی تیرگی میں
غمِ دِل کا ڈھنڈورا پیٹ ڈالا | پڑیں چھالے زبانِ خامشی میں
دِکھاؤں راہ اپنے راہبر کو | جلا کر شمع دِن کی روشنی میں
ہمارے "دوستانِ باصفا" نے | "صفائی" خوب کی ہے دوستی میں

غزل لِکھنا نہیں آسان انور
زبانِ میر و داغِ دہلوی میں

پتہ ۱۴، ایسٹ پٹیل نگر، نئی دہلی

[illegible] لگا۔
[illegible] سے پوچھا۔
"[illegible] جاؤ گے؟"
"[illegible] کہاں جا رہا ہے؟"

حشمت علی نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر ملاح کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ملاح پھر بیڑہ کھینے لگا۔

"چلو کشتی میں بیٹھو!"

حشمت علی نے شاداں سے کہا۔

شاداں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"پھر کشتی میں میرے ساتھ! پھر بتاتا ہوں۔"

شاداں حیران و لرزاں کشتی میں بیٹھ گئی۔ ملاح بیڑہ کھینے لگا۔

حشمت علی نے شاداں کے ہاتھوں سے ہتکڑی کھولتے ہوئے کہا۔

"اب تم آزاد ہو۔ انگریزی علاقے میں پہنچ کر تم پنڈی چلی جاؤ۔ لاہور چلی جاؤ۔ جہاں جی چاہے چلی جاؤ!"

"اور تم؟"

"اگر تم مجھے اجازت دو گی!" حشمت علی نے کہا۔ "تو جہاں جہاں تم جاؤ گی میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

شاداں کا چہرہ شرم اور حیا سے لال ہو گیا اور ایک گھٹی اور لرزتی سی آواز میں بولی۔

"اور تمہاری نوکری؟"

"وہ اِسی جہلم کے پانیوں میں بہہ گئی۔"

شاداں دیر تک حشمت علی کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ یکایک اُس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ اور وہ جھک کر حشمت علی کے سینے سے لگ گئی۔

اور سسک سسک کر خوشی سے رونے لگی۔

ملاح بیڑہ کھینچتے ہوئے [illegible]

"اور [illegible] چلنا [illegible] ملے ——!"

ہفت غزلہ

ساتویں غزل

پروفیسر ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم-اے پی ایچ-ڈی

مجھے پاکر بہشتِ دُنیوی میں ۔ رہے کس بات کا ارمان جی میں

ہوئی ہے خیر پرسی ، یا الٰہی ۔ ہماری خیر رکھنا اس خوشی میں

نظر ملتے ہی یکدم بے محابا ۔ وہ در آئے ہماری زندگی میں

نہ کر آزارِ بے حد کی تلافی ۔ مجھے آرام ہے تکلیف ہی میں

یہ موقع خوب ہے اے شوقِ دیدار ۔ وہ منہ کھولے کھڑے ہیں چاندنی میں

رہا میخانہ و مسجد میں کیا فرق ۔ نکالا جا رہا ہوں بے خودی میں

خدا تک جا پہنچتا تھا زمانہ ۔ زمانِ تیرگی کی تیرگی میں

غمِ دل کا ڈھنڈورا پیٹ ڈالا ۔ پڑیں چھالے زبانِ خامشی میں

دکھاؤں راہ اپنے راہبر کو ۔ جلا کر شمع دن کی روشنی میں

ہمارے دوستانِ باصفا کے ۔ صفائی "خوب" کی ہے دوستی میں

غزل لکھنا نہیں آسان انور

زبانِ میر و داغِ دہلوی میں


سدا بہار چہرہ
اگر آپ چہرہ پر "ہیزلین اسنو" لگاتے ہیں تو تمازت
دھوپ، ہوا یا بارش کوئی چیز آپ کی صورت کو
خراب نہیں کر سکتی۔ "ہیزلین اسنو" چہرہ کے
بناؤ کے لئے عمدہ ترین شے ہے۔ اس سے آپ کی جلد ملائم اور
"HAZELINE" SNOW"
"ہیزلین اسنو"
ٹریڈ مارک
ایک برروز ویلکم پروڈکٹ

افسانہ

ایک پھول ایک مسکراہٹ

کوثر چاندپوری

بھوپال —— ۱ اپریل ۱۹۷۱ء

پیارے خوشتر! خلوص بیکراں

.... کہانی رومانی ہے مگر فراری نہیں۔ اُرملا اور دلیپ اپنے کردار کے نمائندہ آپ ہیں —— آپ آتے کیوں نہیں۔ مرغ و ماہی کی یہاں بھی کمی نہیں۔ بلکہ یہاں مچھلیوں کا جنم داتا ایک تالاب بھی ہے۔ جو ہمارے خلوص کی طرح بے کراں تو نہیں، ننگ ضرور ہے اور حسین بھی! ....

آپ کا پرستار —— کوثر چاندپوری

راؤ منگل سنگھ آخر آ ہی گئے۔

انتظار کی اندھیری چھٹ گئی اور اُمید کی شوخ اور چنچل کرنیں مستانہ وار رقص کرنے لگیں۔

سڑک پر نکلتے ہی موٹر کا ہارن اُرملا کے السیشین کی آواز کے ساتھ فضا میں گونج گیا اور سبز پوش پہاڑیوں سے ٹکرا کر اُس کی یہ گونج جھیل کی لہروں پر بکھر گئی۔ اُرملا جو رات کو راؤ صاحب کے آنے کی راہ دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی، ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا چھت میں لگا ہوا نیلا بلب دن بھر کی اُبھرتی ہوئی روشنی میں مدھم ہونے لگا تھا۔ باغ میں لاؤ کامنی کے گھنے درختوں کی شاخوں پر سوتی ہوئی چڑیاں بیدار ہو گئی تھیں۔ اور وفورِ مسرت سے اِس طرح چہچہا رہی تھیں جیسے شادی کے گیت گا رہی ہوں۔ اُن کے معصوم نغموں میں مسرت کی مٹھاس اِس طرح گھلی ہوئی تھی جیسے ترنجبین شبنم کی بُوندوں میں حل ہو گئی ہو۔ اُرملا نے نیند کے خمار سے بوجھل پلکوں کو ہتھیلیوں سے ملا۔ رات بھی کئی بار ہارن کی آواز سُن کر اُس کی آنکھ کھل گئی تھی لیکن وہ آواز تصوّر کی رنگین وادیوں سے بلند ہوئی تھی۔ اور ابھی ابھی جس آواز نے صبح کے خمار آگیں ماحول کو بیدار کر دیا تھا اُس میں حقیقت کی جھنکار تھی۔ وہ زور سے چیخی

"شکورن! دیکھو راؤ صاحب آ گئے۔ کمرہ کھلوا دو جلدی!"

"کون راؤ صاحب؟"

چڑیوں کی چہکار کے درمیان ایک بھاری اور نیند سے بوجھل آواز گونجی۔

"ارے وہی ہمارے مہمان جو پنّا سے آ رہے تھے موٹر میں!"

پنّا کا نام سُنتے ہی شکورن ہیروں کے خوبصورت جزیرے میں پہنچ گئی۔ آنکھوں میں یاقوت، زمرّد، لعل اور پکھراج کی چمک آ گئی۔ اُس نے مُنہ میں دبے ہوئے باسی پان کو اِدھر سے اُدھر گھما کر نیچے رکھی ہوئی سلابچی میں ایک لعل اُگل دیا۔ اور کھڑکی کھول کر جھانکنے لگیں۔

"ارے ہاں! سچ مچ کوئی آیا تو ہے۔ دو موٹریں آگے پیچھے کھڑی ہیں!"

"جلدی جاؤ اور رشید کو جگا کر مہمان خانہ کھلوا دو۔ چابی اُسی کے پاس ہے۔"

"اور تم جھپاکے سے نہا کر کپڑے بدل ڈالو!"

[illegible] نے ایک معقول مشورہ دیا۔ پھر وہ پلنگ سے اُٹھیں۔ نیند کی جماہی لی۔ اور بھاری سے پھولے ہوئے جسم کو سنبھالا اور ٹائر کے سے جھولتے ہوئے چپل پیروں میں ڈال کر بمشکل زینہ اُترنے لگیں۔ [illegible] کمر بند پر اُس وقت اُن کی نظر پڑی جب وہ منگل سنگھ کے سامنے پہنچ گئیں۔ وہ شرم سے پانی پانی تو نہ ہوئیں لیکن بوکھلا ضرور گئیں۔ اُنھوں نے جلدی سے وہ ہاتھ جس میں کمر بند پکڑے ہوئے تھیں اُٹھا کر ماتھے پر رکھ دیا اور رشیدے کو جو ہال خانے کے سامنے بے خبر سو رہا تھا جھنجھوڑ ڈالا۔

"ارے وہ تیرے باپ راؤ صاحب آگئے۔ اُٹھ پھرتی سے!"

"وہ مسکرین اماں!" رشیدے انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔ "میرا باپ تو ایک آنکھ کا نائی تھا جس نے نیم تلے گرمیوں کی دوپہر میں تم سے نہ جانے کتنی بار اظہارِ محبت کیا تھا۔ اور تم نے اُسے ٹھکرا کر دوسری آنکھ کا نور بھی چھین لیا تھا۔"

"بستر چھوڑ جلدی، مخول کا وقت نہیں ہے!"

"اور یہ کمر بند کیوں سنبھال رکھا ہے تم نے؟"

"میں کہتی ہوں کمرہ کھول فوراً!"

ارملا باتھ روم میں جا چکی تھی۔ اُس نے جلدی جلدی برش کیا اور نہا کر کپڑے بدل ڈالے۔ پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر پاؤڈر لگایا۔ ہونٹوں پر لپ اِسٹک کا ہلکا سا ہاتھ پھیرا۔ بال فن کاری کے ساتھ شانوں پر بکھیر لئے۔

ابھی چند روز پہلے اُس نے راؤ صاحب کو ایک تصویر بھیجی تھی۔ اُس کا پوز بالکل اِسی طرح کا تھا۔ ارملا نے پوری کوشش کی کہ تصویر میں اور اُس میں بال برابر فرق نہ رہ جائے۔ جب اطمینان ہو گیا کہ وہ ٹھیک طور پر اپنا اسکیچ بنا چکی تو راؤ صاحب کو خوش آمدید کہنے چلی۔

راؤ منگل سنگھ پروڈیوسر بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اِسی دُھن میں دو کوٹھیاں بیچ ڈالی تھیں۔ اور بینک بیلنس بڑھا لیا تھا۔ اب اُنھیں فلم سازی کی لَو لگی ہوئی تھی۔ چاہتے تھے کوئی عمدہ سی پکچر تیار ہو جائے۔ نئے نئے حسین چہروں کے درمیان [illegible] جنم ہوئی تھی۔ اُن کے پرائیویٹ سکریٹری ارجن نے ارملا کو [illegible] کے [illegible] پر دیکھا تھا اور اُسی کے ساتھ فرسٹ کلاس [illegible] سفر کیا تھا۔ وہ اُس کے لمبے قد اور چھریرے بدن سے بہت متاثر ہوا تھا [illegible] دلربائی کا ایک عجیب انداز نظر آیا تھا۔ [illegible] لرزتی محسوس ہوتی تھیں۔ باتوں باتوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ [illegible] پر عقیدہ رکھتی ہے اور فلمی زندگی میں آنے کے لئے بے چین ہے۔ [illegible] کی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ وہ ایکٹریس بن کر کسی فلم میں کوئی اچھا سا رومانی رول ادا کرے۔ رانی، ملکہ، یا صرف محبوبہ بن کر کسی [illegible] کے ساتھ پہاڑی ڈھلوان پر قدرتی پھیرے یا کشتی میں سوار ہو کر دریا کی سیر [illegible] اُس وقت راجکمار اُس کے سنہری بالوں سے کھیلتا رہے۔ اور دونوں کوئی گیت گاتے رہیں۔ ایک دلچسپ لطیفہ بھی ہو گیا تھا۔ ارجن سنگھ پست قد اور نہایت سیاہ رنگ کا آدمی تھا۔ زمانہ دسہرے کا تھا۔ وہ دریا سے آرہا تھا۔ وہاں کے دسہرے کی تعریف کرتے ہوئے [illegible] میں ایک جوان بھینسے کو خود [illegible] کر بھاگنے سے ذرا ابال ہے۔

ارملا فوراً بول اُٹھی۔

"اچھا ہوا آپ دسہرے سے پہلے ہی چلے آئے۔"

ارجن سنگھ اِس طنز پر تڑپ گیا اور دیر تک مسکراتا رہا۔ بے اختیار جی چاہا کہ ارملا سے اظہارِ محبت کر ڈالے۔ لیکن فوراً ہی یاد آیا کہ اُس کا [illegible] نہیں۔ وہ راؤ صاحب کا بے تکلّف دوست ضرور ہے لیکن پرائیویٹ سکریٹری بھی ہے اور اُنھیں کے لئے چہروں کی تلاش میں گھوم رہا ہے۔ [illegible] اُس کا حصہ نہیں۔ اُس کے سارے حقوق راؤ صاحب کے لئے محفوظ ہیں۔ واپسی پر ارجن نے ملاقات کی پوری کیفیت راؤ صاحب سے بیان کر دی تھی [illegible] کہانیوں کے شہزادے کی طرح ارملا پر مر مٹے تھے۔ ایک ہی سانس میں اُنھوں نے بہت سے سوالات کر ڈالے تھے۔

"قد بہت لمبا ہے اُس کا؟"

"جسم چھریرا ہے یا بھاری؟"

"بالکل ایک شہزادی تو نہیں کہ وہ اسپین کی دوشیزہ معلوم ہوتی ہو"
"ہنسنے کا انداز کیا ہے ؟"
"واہ بہت چھوٹا تو نہیں ؟"
"اور پتلیوں کا رنگ کیا ہے ؟ — کالا، نیلا یا شربتی ؟"
"ایک بات اور ارجن !" راؤ صاحب بالکل جہاں شاہ عالم کے انداز میں بولے
"تم نے خوب کیا ہنستے وقت اُس کے گالوں میں گڑھے بھی پڑتے ہیں ؟"
"بھگوان کی قسم !" راؤ صاحب چیخ اُٹھے۔ "میری فلم میں ہیروئن وہی رہے گی۔ میں شہزادہ بن کر اُس سے محبت کروں گا۔ ارجن! تمھیں وہ شعر بھی یاد ہے کہ

محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں!"

ارجن نے ارملا کی تصویر اس چابک دستی سے کھینچی تھی کہ وجے سنگھ کے ذہن پر چھپ کر رہ گئی تھی اور وہ فضا میں ارملا کے سنہری بال بکھرے دیکھ رہے تھے۔ وہ زمین ہی پر نہیں، آسمان پر بھی مسکراتی محسوس ہو رہی تھی اُنھیں یقین ہو گیا کہ پہلی فلم کی کامیابی اُسی پر منحصر ہے۔ صرف فلم ہی کی نہیں زندگی کی بھی!

وہ ابھی سے ارملا کی جانب کھنچنے لگے تھے۔ اُنھیں ارجن کی ہر بات پر پورا بھروسا تھا۔ یوں بھی وہ اُس کے بنائے ہوئے ڈرافٹ پر آنکھیں بند کر کے دستخط کر دیا کرتے تھے۔ ارملا پر اس وقت اُس نے نثر میں جو شعری پڑھی تھی اُس کے ایک ایک لفظ پر دل دھڑک رہا تھا۔ اور اُس کی ہر دھڑکن میں کیوپڈ مسکرا رہا تھا۔ لڑکیوں سے محبت کرنا اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ پروڈیوسر بننا چاہتے تھے۔ ورنہ کنبہ کے دوسرے نوجوان تجارت، ٹھیکے داری اور ایسے ہی دوسرے دھندوں میں لگ گئے تھے۔ اُن کی جائداد بھی محفوظ تھی۔ راؤ صاحب نے طے کر لیا کہ ارملا مرکزی کردار بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے کہانی کا مالک ہو یا شریک، ہیرو وہ آپ ہی بنیں گے۔ اُن کے دل میں محبت کے بہت سے داغ تھے۔ وہ سب چراغ بن کر روشن ہو گئے اور دیوالی کی اس رات میں اُنھوں نے ارملا کو ایک خط لکھ دیا۔ جواب بھی جلد ہی آ گیا

کہانیوں کی شہزادی جیسے کسی عاشق کی منتظر ہی تھی۔ اُس کا جواب پا کر بکرمل سنگھ نے طے کر لیا کہ بزنس چلے یا نہ چلے وہ ارملا سے ملاقات ضرور کریں گے اور معاملات آخر تک حسب دلخواہ رہے تو شادی بھی! ہاتھ پیلا بھی رہے۔ کئی بار ارجن کو تحائف دے کر بھیجا گیا۔ اور پھر اُنھیں خطوں میں عشق کی کلیاں چٹکنے لگیں۔ وہ مہکتے، چہکتے اور مسکراتے ہوئے آتے۔

راؤ صاحب کا ایک لفافہ ارملا کے باپ شری ہربنس لال ریٹائرڈ کلکٹر نے کھول لیا۔ پتہ انگریزی میں تھا اور اُردو وہ جانتے نہ تھے۔ اُنھوں نے ملازم کو دیتے ہوئے کہا۔

"عبداللہ خاں ذرا پڑھو کس نے بھیجا ہے؟"

رومان القاب ہی سے شروع ہو گیا تھا۔

"میرے من مندر کی دیوی کماری ارملا دیوی!"

عبداللہ وہی لائنیں پڑھ سکا تھا کہ شرما کر مسکرانے لگا۔ اور [illegible] پسینے پسینے ہو گئے۔

کسی زمانے میں اُنھوں نے بھی ارملا کی ماں کو ایسے ہی خطوط لکھے تھے وہ جذباتی ہو کر بولے۔

"بس عبداللہ خاں ٹھہر جاؤ، لیٹر ہمارا نہیں ہے۔ بیٹی کو دے آؤ"

اُسی وقت سے راؤ اور ارملا کا رومان رات کی رانی کی مانند مہک اُٹھا مگر یہ مہک صرف اُڑنے ہی کے لیے تھی۔

ارملا نے اپنے ایک خط میں اپنے شہر اور اُس کے جنگلات کی بہت تعریف کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا۔

"یہاں نربدا بہتی ہے۔ اُس کے دونوں طرف مور ناچتے ہیں، پپیہے بولتے ہیں۔ اور ایک جگہ اُس کے دونوں کناروں کو لوہے کا ایک پل ایک کر دیتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے پریم کی زنجیر دو دلوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتی ہے۔ پل پر ریل دوڑتی ہے تو جنگلوں اور پہاڑوں میں سوئی ہوئی فطرت کی پریاں چونک پڑتی ہیں۔ اور اپنے خوبصورت ہونٹوں کو مسکرانے کے انداز سے پھیلا دیتی ہیں۔ سچ سچ یہ حسن اور خوبصورتی کا دیش ہے لامتناہی پہاڑی سلسلے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں پہاڑ [illegible] نے

[illegible] ہے۔ وہاں اُن کے سامنے فرشتے بھی [illegible] راؤ صاحب کو اتنا پسند تھا کہ اُنھوں نے فیصلہ [illegible] اُن پہاڑیوں اور ان کی باہوں میں سمٹی [illegible] کے لئے ہی وہ آ گئے تھے۔

ارملا [illegible] پر اتنی دیر ٹھہری کہ سانس ذرا ٹھیک ہو جائے۔ اور گھبرائے ہوئے گالوں کا رنگ ہلکا پڑ جائے لیکن نہ سانس ٹھیک ہوئی نہ گالوں کی تمتماہٹ میں کمی آئی۔ منگل سنگھ پہلا نوجوان تھا جسے پہلی بار اُس نے اپنے رنگین خیالوں کی حسین دنیا میں بسایا تھا۔ اُس کا خیالی مجسمہ آنکھوں میں رقص کرتا تھا کبھی سانس کے پردوں کو ہلا دیتا۔ کبھی دل کی دھڑکنوں پر تیرنے لگتا۔ اُس وقت وہ قریب ہی موجود تھا۔ تصوّرات کا حسن سمٹ کر ایک نقطہ پر آگیا تھا اور وہ نقطہ مجسم ہو کر منگل سنگھ کی صورت اختیار کرنے والا تھا۔

ارملا ہانپ رہی تھی اور اپنے اور منگل سنگھ کے درمیان تیزی سے ایک آہنی پل بنتا دیکھ رہی تھی۔ اُس کا ایک کنارا منگل سنگھ کے دل میں پیوست تھا اور دوسرا اُس کی اپنی جان میں ڈوب چکا تھا۔ ارملا سہمی نہیں تھی خوف اور دہشت کا بھی کوئی اثر نہ تھا۔ پھر بھی وہ کانپ رہی تھی۔ جھجک رہی تھی۔ اشتیاق کی لہریں تیزی سے دل و دماغ میں دوڑ رہی تھیں۔ ارملا نے ہمت کی اور آخری سیڑھی سے بھی اتر آئی۔ اُس کا اسٹیشن ساتھ تھا۔ سامنے چند قدم کے فاصلہ پر ایک دبلا پتلا بہت ہی کم رو نوجوان بانس کی طرح لمبے قد پر خاکی وردی میں کھڑا تھا۔ انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ صبح کی خنک ہوا کے دوش پر اُس کا دھواں ناچ رہا تھا۔ ارملا نے نوکر سمجھ کر اُسے نظر انداز کر دینا چاہا۔ مگر وہ آگے بڑھ کر بولا۔

"مجھے منگل سنگھ کہتے ہیں!"

"آئی سی!"

ارملا کی آواز میں موسیقی نہیں تھی۔ دبی دبی ایک چیخ اور کراہ تھی شراب سے بھری ہوئی صراحی کے ٹوٹ جانے کا چھناکا بھی تھا۔ دل کا آبگینہ ٹھیس لگنے سے پگھلا نہ تھا۔ بلکہ مایوسی کی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟"

[illegible] کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"ضرورت بھی نہیں۔ خط ملنے کا [illegible] ــــ [illegible] آپ کے آنے کی منتظر تھی۔"

"راستہ میں ایک جگہ انجن [illegible] ٹھیک کرانے میں دیر ہو گئی۔ پھر ایک جگہ [illegible]"

"سفر بہت لمبا ہے۔ کہاں پتا اور کہاں ــــ پاگل [illegible] بن گئے آپ!"

"لیکن مجھے تلاش نئی دنیا کی تھی صرف ایک ننھے چہرے [illegible]"

"اس میں بھی تو ایک نئی دنیا ہوتی ہے!"

ارملا راؤ صاحب کو اپنے ساتھ مہمان خانے میں لے گئی۔ درمیان والے کمرے سے گزرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں جا بیٹھی۔ دونوں کمروں کے درمیان دروازہ تھا۔ اُس پر سبز رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اور اُس پردہ [illegible] میں صرف محبوب ہی نہ تھا راؤ منگل سنگھ بھی تھے۔ جو عاشق [illegible] نہ جانے کیا کیا تھے۔

راؤ صاحب کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے۔ دو ڈرائیور ایک اردلی ایک ارجن پرائیویٹ سکریٹری۔ اور ایک دلیپ راؤ صاحب کا اسٹینوگرافر!

ذرا دیر بعد پردہ کو جنبش ہوئی۔

پھر اُس کے پیچھے نغمہ کی ایک تان لہرائی۔

"مے آئی کم ان سر؟"

"آجاؤ مسٹر دلیپ!"

ایک متوسط قد و قامت کا خوبصورت نوجوان کمرے میں آگیا۔ اُس کے حسین نقوش میں متانت اور سنجیدگی کا گہرا رنگ تھا۔ اُس کے نیچے ایک ٹھہری سی سطح تھی جس میں نہ جانے کتنے تاریک اسرار دفن تھے۔

"میرے اسٹینو مسٹر دلیپ ایم اے!"

دلیپ غزل کے ایک شعر کی طرح ارملا کی آنکھوں میں لہرایا اور پھر فرش پر کھڑے ہو کر اُس نے نہایت دلفریب انداز سے سلام کیا۔ آپ سے مل کر بہت

"خوشی ہوئی" اُس نے [illegible] کہا۔
"سالان [illegible] کیا آپ کا؟" ارملا نے پوچھا۔
"جی ہاں [illegible] یہی اطلاع دینے آیا تھا۔"
دلیپ خاموش کھڑا رہا۔

اُس کے لبوں پر عجیب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جو اداس نہیں تھی بڑے لوگ مخصوص ہونے کا بچپن لے کر پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اُس کے ہونٹوں پر قدرت نے یہ تبسم بکھیر دیا تھا جو سونے سے زیادہ قیمتی اور دائمی تھا اور گلاب کی پنکھڑی سے زیادہ نازک اور معطر۔ دلیپ کا تمتماتا ہوا مضمحل چہرہ سلوٹیں پڑا ہوا سوٹ اور شگفتہ اندازِ کلام ارملا کو بہت پسند آیا۔ اِس ہیئت میں وہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جس نے بہت محنت اور ریاضت کے بعد کوئی بہت بڑی فتح حاصل کی ہو۔ اور اپنے کسی تاریخی دشمن کو شکست دے کر اُس کے مضبوط حصار کو توڑ دیا ہو۔ اگر منگل سنگھ اپنا تعارف نہ کرا چکے ہوتے اور وہ آجاتا تو ارملا اُسی کو منگل سنگھ سمجھتی۔ اور اپنے رومانی خطوط کے ٹکڑے ہوا میں اُڑتے نہ دیکھتی۔ اُس نے چند بار دلیپ کے سراپا کو دیکھا۔ سچ مچ اُس میں مثنوی سحر البیان سے زیادہ حسن اور رومان تھا۔ وہ ایک ایسی مسلسل غزل تھا جس میں نظم کا آہنگ تھا اور رباعی کا اختصار بھی۔ ارملا کی نگاہیں رعنائیوں کے سمندر میں ڈوب کر رہ گئیں منگل سنگھ اُس کے سامنے اردلی معلوم ہو رہا تھا اور ارملا سوچ رہی تھی کہیں یہی تو منگل سنگھ نہیں ہے؟ شاید منگل نے مجھے مغالطہ دیا ہے اور یہ اُس کی کہانی کا کوئی فنکارانہ "سسپنس" ہے۔

منگل سنگھ اجازت لے کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اور دلیپ فائلیں درست کرنے لگا۔ اُس وقت ارملا سمجھی کہ دلیپ کہانی نہیں وہ کوئی تلخ حقیقت ہے۔ چائے کی میز پر ارملا کے ساتھ صرف منگل اور ارجن تھے دلیپ نہ تھا۔ شاید اِس لئے کہ وہ اسٹینو گرافر تھا۔ صاحب اور اسٹینو ایک میز پر چائے نہیں پی سکتے۔

"کہئے ارجن صاحب!" ارملا بولی۔ "دسہرہ کتنی دور ہے؟"

منگل سنگھ بہت سنجیدہ موڈ میں تھے۔ وہ بات کو نہ سمجھ سکے لیکن ارجن سمجھ گیا۔ اُس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"حضور! مجھے تو بسنت ہی کی خبر نہیں۔ دسہرہ کی بات کیسے کروں؟"

ارملا مسکرائی۔

اور اُس کی نظریں زرد رنگ کی ساڑی پر جھک گئیں جن پر بہت سی نیلی پیلی تتلیاں اُڑ رہی تھیں۔ اِس برجستہ جواب میں ارجن کی جمالیاتی فطرت مچل رہی تھی۔

ارملا چپ تھی۔

اُس کی روح اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔

میز پر بہت دیر تک دلچسپ گفتگو رہی۔ ارجن کے سیاہ رنگ کے اندر اُس کی اُجلی شخصیت بولتی رہی لیکن منگل سنگھ کے متعلق معلوم ہو گیا کہ وہ بالکل رُوڈ اور فوجی قسم کا آدمی ہے۔ وہ چائے سپ کرتے وقت بھی منہ سے رائفل کی سی آواز نکال رہا تھا۔ اُس میں محبت کا موضوع بننے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ محبت جو امن اور دوستی کی ترجمان ہے۔ خشونت اور رعونت سے کبھی مفاہمت نہیں کر سکتی۔

"میں سمجھتا ہوں شوٹنگ کے لئے یہ جگہ بہت موزوں ہے!"

"بشرطیکہ فلم رومانی ہو۔ مار کاٹ والی فلمیں مجھے ذرا پسند نہیں۔"

"جس فلم میں دونوں حصّہ لیں گے وہ رومانی ہی ہو سکتی ہے میرے ساتھ اور جتنے آدمی ہیں وہ سب کہانی کے کردار ہیں۔"

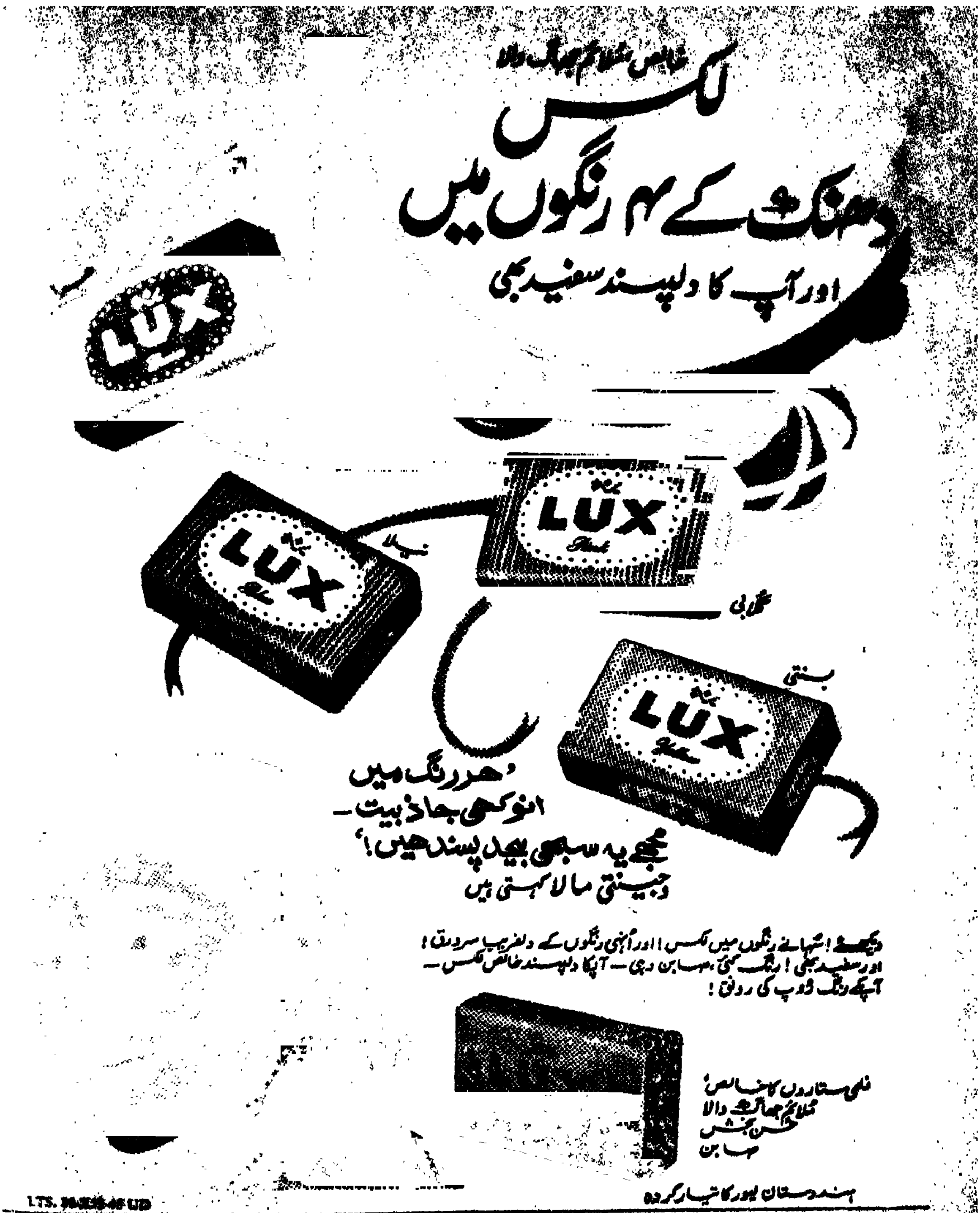
"دلیپ کو کون سا رول دے رہے ہیں آپ؟"

"وہ کہانی میں بھی میرا اسٹینو رہے گا!"

"کوئی اِس سے اچھا کردار نہیں آپ کی کہانی میں؟"

"ایک جج، ایک بیرسٹر اور ایک سیٹھ بھی ہوگا۔"

"وہ تو ہر پکچر میں ہوتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موجودہ ماحول سے آگے نہیں جائیں گے۔ لوگ چاند تک جا رہے ہیں۔ آپ کو کہکشاں تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ راؤ صاحب! پبلک ایسی چیز چاہتی ہے جس میں جدت اور دلچسپی کے ساتھ مارل بھی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی قتل یا خودکشی ضرور کرائیں گے۔"


خالص ملائم جھاگ والا
لکس
دھنک کے ۷ رنگوں میں
اور آپ کا دلپسند سفید بھی
نیلا
گلابی
بسنتی
'ہر رنگ میں
انوکھی جاذبیت۔
مجھے یہ سبھی بیحد پسند ہیں!'
وجینتی مالا کہتی ہیں
دیکھئے! سہانے رنگوں میں لکس! اور اُنہی رنگوں کے دلفریب سرورق!
اور سفید بھی! رنگ کئی، صابن وہی — آپکا دلپسند خالص لکس —
آپکے رنگ روپ کی رونق!
فلمی ستاروں کا خالص،
ملائم جھاگ والا
حسن بخش
صابن
ہندوستان لیور کا تیار کردہ

"دوستوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ دو آدمیوں میں رقابت پیدا ہو جاتی ہے۔
اور بات یہیں سے ایک ملا جلا ہے؟"
"تو اُن دونوں کے درمیان لڑائی کا سبب عورت ہوگی؟"
"اِس اِن بالکل یہی بات ہے۔ اب سوچتا ہوں کہ دلیپ کو قاتل بنا دوں یا پھر مقتول۔"
"وہ قاتل نہیں بن سکتا۔ اُس کی پیشانی پر سادگی اور انسانیت کا نور چمک رہا ہے۔ نگاہیں جھکی رہتی ہیں۔ اُس کی باتوں میں نرمی ہے۔ قاتل میں یہ اوصاف نہیں ہوا کرتے۔ اور وہ ایک تعلیم یافتہ اور خوب صورت نوجوان ہے۔ اس لئے اُسے قتل ہوتے دیکھ کر عوام کو دُکھ ہوگا۔ ایسی ٹریجیڈی محبت اور انسانیت کی فتح مندی کا نشان نہیں۔ دلیپ کی خوب صورتی کامرانی چاہتی ہے۔ اُس میں انسان اور اُس کی زندگی کے ارتقار کا پیر تو ہے پھر عورت کو فتنہ و فساد کا باعث بنانا کُھلی رجعت پرستی ہے۔ عورت فساد یا ہنگامہ نہیں، وہ صلح و آشتی اور آرام و سکون کا پیغام ہے۔ وہ تخلیق کا دروازہ کھولتی ہے اور یہ عمل امن اور دوستی چاہتا ہے۔"
"دلیپ کے قتل سے کسی کو دُکھ نہیں ہوگا!" منگل سنگھ نے ایک مصنوعی اور کھوکھلا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"ہر آدمی اپنی جگہ ادھورا ہے۔ اُس کی زندگی، مسرت اور موت ایک مستقل دُکھ ہے۔"
جلد ہی پتہ چل گیا کہ منگل سنگھ بالکل تیسرے درجے کے آدمی ہیں۔ اُن کی فطرت اندر سے بہت بدشکل ہے۔ اُنھیں اظہارِ محبت کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ رومانی اشاروں کو وہ قطعی نہیں سمجھتے۔

دو ہفتہ ٹھہرنے کے بعد منگل سنگھ ارجن کو ساتھ لے کر بمبئی چلے گئے۔ اور لوگ اُرملا کے یہاں مقیم رہے۔ لیکن اُرملا کی میزبانی کا دور ختم ہو گیا ——!
یہ دلیپ کے کیریکٹر اور حُسن کو اندر اور باہر سے دیکھنے کا بہترین موقعہ تھا۔ اُرملا نے محسوس کیا کہ وہ بہت پاکیزہ ادبی ذوق اور احساس جمال رکھتا ہے۔ اُس کی فطرت آبگینہ سے زیادہ نازک اور توقع سے زیادہ حساس ہے وہ شاعر نہیں لیکن شاعر کا احساس اور جذبہ رکھتا ہے۔ عورت کے متعلق اُسے انگریزی، اُردو اور ہندی کے اکثر مفکرین کے اقوال اور نظمیں یاد ہیں۔ وہ عورت کو تتلی کہتا ہے جو آزاد فضا میں پھولوں پر اُڑتی ہوئی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کا حُسن آزادی ہی میں نکھرتا ہے۔ اِسی لئے وہ اپنے دلیش کی عورت کو بالکل آزاد اور مرد کے برابر دیکھنا پسند کرتا ہے۔
اُرملا اور دلیپ زیادہ تر ساتھ ہی رہتے۔ اُرملا نے اُسے اپنے شہر کے خاص خاص مقامات کی سیر کرائی۔ دونوں نے نربدا کو پہاڑوں کی بانہوں میں مچلتے دیکھا۔
اُرملا نے کہا
"نربدا عورت ہے اور اُس کے کنارے کھڑے پہاڑوں میں مرد اکڑا ہے۔ نربدا اُن سے ڈرتی نہیں، وہ اُن کے سائے میں آزادی سے بہتی ہے اور جب غصہ میں آتی ہے تو اُن کی چوٹیوں کو اپنی طوفانی لہروں سے روند ڈالتی ہے۔ وہ حسین ہو کر بھی باہمت ہے!"
دلیپ روز بروز زیادہ مہذب، دل کش اور بلند نظر آتا رہا۔ اور آخر کار وہ اُرملا کی نگاہوں میں پہاڑوں سے بھی بلند ہو گیا۔ وہ نربدا کی پایاب دھارا کی مانند اُس کے دامن میں مچلنے کی آرزو مند رہتی۔ اُس کی فطرت دلیپ کے مقابلے میں طوفانی ہونا ہی نہیں چاہتی تھی۔ دلیپ انسانیت کا ایسا ہمالہ نہ تھا جس کی چوٹی سے برف پگھل جاتی اور وہ رفتہ رفتہ پست ہو جاتا۔ اُسے تعلیم، ماحول اور کردار نے بلندی دی تھی۔ اِن میں سے کوئی چیز پگھلنے والی نہ تھی۔
ایک دن دونوں دریا کی سیر کو گئے۔
رات چاندنی تھی۔
کشتی پگھلی ہوئی چاندی پر بہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ روشنی میں آس پاس کے مناظر بہت نکھر گئے تھے۔ قدرت کی دوشیزگی، دلکشی اور رعنائی سے معمور نظر آ رہی تھی۔
"منظر کتنا حسین ہے اور دل کش!" اُرملا نے دھیمی آواز میں کہا۔

”اُسی وقت تک جب تک گناہ کی سیاہی سے دُور ہے۔“ دلیپ نے فیاض الدین کا ذکر کیا۔

”تو میں تک گناہ کا تصوّر بھی نہیں پہنچ سکتا!“

”بے شک! آپ ٹھیک کہتی ہیں!“

آدھی رات کے بعد کشتی کنارے لگی۔

دلیپ نے ارملا کو سہارا دے کر اُتارا۔

ارملا نے معصوم نگاہوں سے دلیپ کو دیکھا۔ چاند مسکرانے لگا۔ جیسے انسان نے اُس کی چھاتی میں فتحمندی کا پرچم گاڑ دیا اور وہ اُسی سے بھی ناراض ہو گیا۔

دسویں دن منگل اور ارجن لوٹ آئے۔ پروگرام یہ تھا کہ دو ماہ کے بعد منگل پھر یہاں آئیں گے اور شوٹنگ شروع ہو جائے گی۔

اسی رات کو راؤ منگل سنگھ موٹروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ اور دلیپ ارملا سے باتیں کرتا رہا۔ اُس نے پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ منگل سنگھ اُس کے رشتہ دار ہیں۔ جاگیر دلیپ کے حصّہ میں آنی چاہیے تھی لیکن منگل کے بزرگوں نے زبردستی اُس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب جاگیر کا معاوضہ بھی اُنھیں کو مل رہا ہے۔ میں نے اپنی معاشی مجبوریوں سے تنگ آ کر اُن کی ملازمت کر لی ہے اور اب اِس ملازمت سے بھی تنگ آ گیا ہوں۔

اگلی صبح کو راؤ صاحب کا سامان موٹروں میں بھرا جا رہا تھا۔ دلیپ اور ارجن بھی نوکروں کی مدد کر رہے تھے۔ راؤ منگل سنگھ اپنی سیٹ پر آ بیٹھے۔ اسٹیشن ویگن آگے جا چکی تھی۔

جس وقت جیپ اسٹارٹ ہوئی اور منگل سنگھ نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو دلیپ پچھلی سیٹ پر نہ تھا۔ اُنھوں نے جیپ روکنے کو کہا اور جیپ رُکتے ہی پوچھا۔

”ارجن! ——— ارے ارجنا!! یہ دلیپ کہاں رہ گیا؟“

”وہ یہیں رہے گا۔ آپ چلیے!“

”کیوں؟“ منگل سنگھ نے سخت آواز میں سوال کیا۔

ارجن نے ایک انداز سے اُن کی طرف دیکھا ہوا کہا ———

”اُس نے نوکری چھوڑ دی ہے۔“

راؤ منگل سنگھ کا سر گھوم گیا۔

اُنھوں نے مُڑ کر دیکھا۔

دلیپ شستہ و الٰہ نما انداز میں گلاب کے ایک شاخ کے قریب کھڑا تھا۔ ایک اُدھ کھلا پھول شاخ پر جھول رہا تھا۔ دلیپ کے ہونٹوں پر وہی پُر اسرار مسکراہٹ تھی جس سے اُن لوگوں کے ہونٹ محروم رہتے ہیں جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوا کرتے ہیں۔

منگل سنگھ اُسے وہاں دیکھ کر جل گئے۔ اُن کے ذہن میں پچھلی تاریخ اُبھر آئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے آج صدیوں کے بعد دلیپ نے اپنا حق اُن سے چھین لیا ہے!

●●

غزلیں

لسان دانش

مفت بازارِ محبت میں تماشا نہ بنے
جس کو بننا ہو سمجھ سوچ کے دیوانہ بنے

اس زمانے میں ہیں آدابِ محبت کچھ اور
اب کوئی حسن کے ہاتھوں میں تماشا نہ بنے

ٹمٹماتے ہوئے مٹی کے دیئے پر نہ ہنسو
یہ بھڑک کر نہ کہیں آتشِ کاشانہ بنے

کوئی خود بھی کہیں رسوائی کو کرتا ہے قبول
تم نے دیوانہ بنایا ہے تو دیوانہ بنے

چشم و دل جلوہ طلب، جلوہ پرستار طلب
وہ نہ اصنام تراشیں نہ صنم خانہ بنے

اب کہاں حسن کو تعزیرِ محبت کا شعور
اب کہاں عشق کو فرصت ہے کہ دیوانہ بنے

عشق جس دل میں جگہ پائے ہو عرفانِ حیات
حسن کا جس سے تعارف ہو وہ دیوانہ بنے

مائل اب تک بھی محبت میں چلے آتے ہیں
چند وہ غم جو کبھی میری تمنا نہ بنے

عشق اک راز ہے اور راز بھی دل تک محدود
حسن کی سطح پہ آجائے تو افسانہ بنے

گرچہ اک نقشِ حقیقت ہوں میں لیکن دانش
بعض لوگوں کی یہ کوشش ہے کہ افسانہ بنے

رشی پٹیالوی

جسے بھلا نہ سکے ہم وہ ہم کو بھول گیا
خلوصِ عشق اکارت گیا، فضول گیا

خدا کرے کہ محبت کی راہ کٹ جائے
مری طرح مری ہمت کا دامن بھی بھول گیا

کہاں کا وعدہ، کہاں کی زباں، کہاں کی وفا
مجھے بھی اپنی قسم کی طرح وہ بھول گیا

نظر کچھ آتے ہیں آثار تیری آمد کے
گلِ امید ہمارا خوشی سے پھول گیا

نہ فکرِ عاقبت اس کو نہ خوفِ پرسشِ حشر
بشر خودی کے نشے میں خدا کو بھول گیا

کہاں حضور کا رتبہ، کہاں مری ہستی
میں جوشِ عشق میں اپنی بساط بھول گیا

کسی نے گھٹ کے ہی مرنے میں عافیت سمجھی
رہِ وفا میں سرِ دار کوئی جھول گیا

یہ سرگزشت فسانہ بھی ہے حقیقت بھی
وہ آگئے تو مجھے اپنا آپ بھول گیا

گزر رہا ہے زمانہ یہ کن مراحل سے
وفا کی رسم گئی عشق کا اصول گیا

کئے تھے جس نے وفا کے بڑے بڑے دعوے
وہ دو ہی دن میں رشی اپنی بات بھول گیا

افسانہ

ہمیں شمع ہمیں پروانے

پروفیسر اطہر راہی ایم۔اے

شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج سیہور (ایم۔پی)

۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء

محبی خوشتر صاحب! تسلیمات

آپ کی نوازشاتِ پیہم کا سلسلہ پچھلے دو سال سے ختم ہو گیا۔ اِس خوف سے کہ شاید آپ نے مجھے مرحومین کے زمرہ میں شامل کر لیا ہے اپنی زندگی کا ثبوت "ہمیں شمع ہمیں پروانے" سے دے رہا ہوں۔ اِدھر ایک عرصہ سے ایسا تعطل چھایا رہا کہ کوئی نئی چیز نہ لکھ سکا۔۔۔۔

آپ کا ——— اطہر راہی

کتنی ہارمنی ہوئی جوتشی کی داستان آج پھر شروع کرکے نسرین مجھے یاد کرنے لگی۔ اُس جوتشی کی بات مجھے بھولتی نہیں جس نے کہا تھا "بیٹی! تو بڑی بھاگوان ہے۔ جہاں جائے گی راج کرے گی!" جوتشی کے بیٹھتے ہی منے بھائی نے ڈھٹائی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے تلک دھاری جوتشی سے پوچھا "جوتشی جی مہاراج! ذرا میری قسمت کا حال تو بتایئے۔ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی؟" جوتشی نے کچھ دیر تک ہاتھ دیکھ کر منے بھائی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر جھلاہٹ سے ہاتھ چھوڑ دیا اور اُٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "بچہ ہم سادھو سنتوں سے مذاق کرنا اچھا نہیں۔ تیری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اولاد کہاں سے ہوگی؟"

منے بھائی کھسیا گئے اور اُس سے معافی مانگ کر اپنے امتحان میں پاس ہونے کی بات پوچھنے لگے۔ جس میں وہ تیسری بار بیٹھ رہے تھے۔

جب سب کے ہاتھ دکھائے جا چکے اور جوتشی پانچ آنے کے حساب سے سب سے پیسے وصول کر چکا تو میری باری آئی۔ میں کھڑی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھی۔ چاہتی تو تھی کہ اپنا ہاتھ بھی دکھاؤں لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ میں نے جھٹ اپنا مہندی سے سجا ہاتھ اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اُس نے غور سے دونوں ہاتھ دیکھے میرا نام پوچھا اور میری پیشانی کی سلوٹوں کو غور سے دیکھ کر اُنگلیوں پر نہ جانے کیا گنتا رہا۔ پھر بولا۔

"بیٹی! تو بڑی بھاگوان ہے۔ تیری قسمت کا ستارہ ہمیشہ بلندی پر رہے گا۔ اور جہاں جائے گی وہاں راج کرے گی۔"

اپنے راج کرنے کی بات سے میں شرما سی گئی۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ منے بھائی نے ایک دھول میرے سر پر جماتے ہوئے کہا۔

"جوتشی جی! راج تو یہ کمبخت یہاں بھی کرتی ہے۔ جب جی چاہتا ہے ہر کسی کی شکایت کرکے پٹوا دیتی ہے۔ ہر امتحان میں پاس ہوتی ہے۔ چچا جب آتے ہیں اِسی کے لئے ایک سے ایک اچھا کپڑا لاتے ہیں۔ امی اور پاپا کا لاڈ بھی اِسی کے لئے پھٹا پڑتا ہے۔ اور ہم لوگوں کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔"

"تم ہو اِسی قابل!" میں نے جھٹ سے جواب دے ڈالا۔

"ہاں تجھ میں تو لال ٹنکے ہیں!"

کہتے ہوئے منے بھائی چلے گئے۔

جوتشی کو ہاتھ دیکھنے کے پیسے نہ ملے تھے۔ اِس لئے وہ خاموشی سے بیٹھا ہم دونوں کی نوک جھونک دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر اُس کے آگے ہاتھ

"جوتشی چچا! یہ بتاؤ کہ میں اس سال امتحان میں فرسٹ نمبر پر پاس ہو سکوں گی یا نہیں؟ وہ کمبخت رضیہ گھر پر دو دو ماسٹروں سے پڑھتی ہے اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ کیا اب کے وہ فرسٹ نمبر پر آ جائے گی؟"

جوتشی نے میرا ہاتھ دیکھے بغیر شاید مجھے خوش کرنے کے لئے فوراً کہہ دیا۔

"تم بیٹی! اللہ ہمیشہ فرسٹ نمبر پاس ہوگی۔"

اور میں نے اسی خوشی میں اپنے بکس سے پانچ آنے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

لیکن نہ جانے اس کے دل میں رحم کا جذبہ کہاں سے آ گیا تھا یا وہ ہم لوگوں سے پانچ آنے فی آدمی کے حساب سے اتنے پیسے وصول کر چکا تھا کہ مجھ سے لینا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے پیسے یہ کہتے ہوئے واپس کر دیئے۔

"بیٹی! یہ پیسے تو میری طرف سے لے لے۔ ان کی مٹھائی کھا لینا!"

وہ پیسے میں نے کچھ خوشی اور کچھ حیرت کے ساتھ واپس لے لئے۔

پروین آپا شاید اس بات پر جل گئیں۔ اور جھٹ امی سے جا لگائی۔

"دیکھا امی! آپ اور چچا تو سب اس کا خیال رکھتے ہی ہیں اس کمبخت جوتشی نے بھی اس سے پیسے نہیں لئے۔ اور کہہ دیا کہ میری طرف سے مٹھائی کھا لینا۔ ہم سے تو کمبخت نے فوراً لے لئے۔"

امی جان نے خوش ہو کر مجھے سینے سے لگا لیا۔

"بھائی میری لڑکی قسمت والی ہے۔ جبھی تو اس کا سب خیال رکھتے ہیں۔ دیکھا اور جوتشی نے بھی ہاتھ دیکھتے ہی کہا کہ جہاں جائے گی راج کرے گی۔"

پروین آپا اس پر جل ہی تو گئیں اور برا سا منہ بنا کر بولیں۔

"یہ سڑی صورت راج کیا کرے گی جوتیاں اٹھائے گی جوتیاں!"

امی نے جل کر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"تیرے منہ میں خاک! جوتیاں اٹھائیں اس کے دشمن!"

جوتشی کی داستان سنا کر نسرین نے ایک سرد آہ بھری۔ جیسے اس کی زندگی بہت تنگی سے گزر رہی ہو۔ پھر بولی۔

"آج باجی کا کہنا ہی سچ ہو رہا ہے۔ میں راج کیا خاک کروں گی تمہاری جوتیاں اٹھائے پھرتی ہوں۔ صاحب کی [illegible] سے اٹھا مجھ پر لادے کر جب اس [illegible] رات کے دو دو بجے واپس آتے ہیں۔ دوستوں میں [illegible] کی فرمائش ہو رہی ہے، کبھی یہاں کی کبھی [illegible] کر چلے جاتے ہیں۔ اور یہ لونڈی ہے کہ ہر وقت صاحب کے [illegible] سے کھڑی رہتی ہے۔

میں کہتی ہوں اب تو جانے بھی دو کب کی جاگ رہی ہوں۔ اب [illegible] بھی ہو گئی ہو گی۔ رات کا ایک بجنے والا ہے لیکن صاحب کو [illegible] کی تلاش رہتی ہے۔ میں کب سے بک بک کر رہی ہوں۔ تم نے کچھ سنا بھی ہے؟"

میں نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر اسی بے تعلقی سے جواب دیا۔

"جی ہاں سن رہا ہوں۔ اور آپ کے جوتشی جی مہاراج کی داستان شاید شادی کے بعد ایک سو اکیاون بار سن چکا ہوں۔ اب اس داستان میں کوئی مزا نہیں رہا۔ کوئی اور بات کرو۔ صبح جب عدالت سے واپس آؤں گا [illegible] رنگ کا بلاؤز کا کپڑا جس کے لئے تم مجھ سے کئی بار کہہ چکی ہو اور آج بھی کہا تھا ضرور لیتا آؤں گا!"

"خیر مجھے پوری امید ہے کہ وہ کپڑا زندگی بھر نہ آئے گا۔ لیکن اب رات کا ایک بج رہا ہے۔ صبح اٹھ کر کام کرنا ہے۔ اب سو جائیے۔"

"ہاں ہاں ابھی سوتا ہوں۔" میں نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے جواب دیا لیکن وہ جاتے وقت بجلی بجھا کر تیزی سے نکل گئی اور مجھے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

مجھے اس بات کا اعتراف رہا ہے کہ نسرین سے شادی کے بعد سے اب تک اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکا۔ ایک وکیل کی حیثیت سے میری ذمہ داریاں اتنی زیادہ ہیں کہ مجھے وقت ہی نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ اپنے پیشہ اور شخصیت کو مقبول بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کچھ [illegible] سیاسی پارٹیوں سے تعلقات رکھتا ہو، تاکہ عوام میں اس کی ساکھ [illegible] اور شہر کے معزز لوگوں سے واقفیت حاصل کرے [illegible]

پڑھیں، شاید ایسا ضروری ہے۔ اپنی سب مصروفیات نے اتنا جکڑ رکھا ہے کہ میں صرف تعطیل ہی کے دن کوئی فرمائش ہی پوری کر سکتا ہوں اور نہ گھر میں زیادہ رہ سکتا ہوں۔ میری اِن مصروفیات سے وہ بھی اچھی طرح واقف ہے۔ ساتھی بے فکری بھی ہے۔ لیکن اِس کے باوجود کچھ اور تقاضے بھی ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اب یہی بات کہ بلاؤز کے کپڑے کے لئے ایک ہفتہ سے برابر کہا جا رہا ہے لیکن میں ہمیشہ بھول جاتا ہوں۔ یاد رکھتا ہوں تو کچھ ایسی مصروفیات آ جاتی ہیں کہ بھول جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

صبح اتوار تھا۔ اِس لئے میں نے رات ہی پروگرام بنا لیا کہ شام کے وقت تفریح اور پھر کسی اچھے سینما میں فرسٹ شو! میں نے صبح اُٹھ کر شام کے پروگرام سے نسرین کو مطلع کیا۔ اور جلد تیار ہونے کی تاکید کر کے باہر آ گیا اِس اچانک پروگرام نے نسرین کو متحیر کر دیا۔ اُس کے چہرے کی سُرخی اور آنکھوں کی شوخی میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ مجھے اُس کے چہرے کے نفیس نقوش میں اُس کی آنکھیں ہمیشہ حسین لگتیں۔ اور اُن کا حُسن اُس وقت اور دوبالا ہو جاتا جب کاجل کی سیاہی بھوری آنکھوں کی سیاہ گھنیری پلکوں کو اور سیاہ بنا دیتی۔ اُس کی آنکھیں ہمیشہ میری کمزوری رہیں۔ خوشی، غم، غصّہ، شوخی، فکر اور شرارت اُن آنکھوں سے بآسانی معلوم کر لی جاتی۔ اُس کی آنکھیں میرے لئے ہمیشہ ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتیں۔ جن سے میں اُس کے دل کا حال بخوبی معلوم کر لیتا۔ وہ بھی اپنی اِس خصوصیت اور آنکھوں کی خوب صورتی سے بخوبی واقف تھی اور شاید اُسے میری کمزوری بھی معلوم ہو گئی تھی۔

آج جب میں اُن آنکھوں کے مسکراتے، ہنستے ہوئے کنول دیکھ کر مسکرایا تو وہ فوراً سمجھ گئی کہ میری خوشی کا راز، راز نہ رہ سکا۔ اور جھینپتی ہوئی گھر کے کام جلدی جلدی ختم کرنے لگی۔ اور تفریح کی تیاریاں شروع ہو گئیں میں بھی تیار ہو کر اِدھر اُدھر کے سودے دیکھنے لگا۔ جب اِس سے کچھ طبیعت اُکتائی تو باہر نکل کر مدھو کامنی اور سورج مکھی کے پودوں کو دیکھنے لگا جو کل ہی مالی نے لگائے تھے۔ دن کا ایک طویل حصّہ ختم ہو چکا تھا۔ اچانک کسی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اور مسٹر دیو ایڈیٹر نوجیون کی کار گیٹ پہ آ کر رُکی۔ دیو کھادی میں ملبوس باہر نکلے۔ میں خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ یہ نئی مصیبت گلے نہ پڑ جائے۔ اُنھوں نے آتے ہی جملہ کسا۔

"وکیل صاحب! آج کیا بات ہے۔ ابھی تک کلب نہیں گئے، کیا اتوار کا دن بیگم صاحبہ کے ساتھ گزارنے کا پروگرام ہے؟"

میں خاموش رہا۔

دیو کو میری یہ خاموشی شاید اچھی نہ لگی۔ وہ میرے اُن دوستوں میں سے ہیں جنھیں بے تکلف کہا جاتا ہے اور میں بھی بے تکلفی اِسی وجہ سے قائم کئے ہوئے ہوں کہ وہ ایک روزنامہ کا ایڈیٹر ہے اور میرے مقدمات اور میری قابلیت کی شہرت کا ذریعہ ہے۔ دیو نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی کار کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"چلو ابھی پانچ منٹ میں آتے ہیں۔ ہوم منسٹر کا ایٹ ہوم ہے۔ وہاں تقریباً سب ہی آ رہے ہیں۔ تمھارا بھی سب سے تعارف ہو جائے گا۔ میں بھی پیپر کے لئے کچھ گرما گرم مواد لے آؤں گا۔"

میں نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اور عذر کیا کہ آج مجھے بہت ضروری کام ہے۔ میں نہ جا سکوں گا اور دوسرے یہ بھی کہ دعوت نامہ میرے نام آیا نہیں۔ اور بغیر بُلائے جانا اچھی بات نہیں ہے۔ اِس لئے مجھے تو معاف ہی رکھو!

لیکن اُس کم بخت نے فوراً میرے نام کا کارڈ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لیجئے آپ کے نام کا کارڈ! میں اِس کارڈ کو خود اِس لئے لے کر آیا ہوں کہ تمھیں بھی ساتھ لیتا چلوں۔"

میں نے اپنا یہ داؤ نہ چلتا دیکھ کر بہت باتیں بنائیں۔ لیکن دیو کے آگے ایک نہ چلی۔ البتّہ وہ اِس بات پر راضی ہو گیا کہ فرسٹ شو سے پہلے مجھے گھر چھوڑ دے گا۔ اس لئے چُپ چاپ گھومنے کا پروگرام ختم کر کے میں خاموشی سے کار میں بیٹھ گیا۔ ایٹ ہوم پانچ بجے شروع ہونے والا تھا لیکن چھ بجے تک معزز مہمان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ساڑھے چھ بجے وہ تشریف لائے اور معذرت کر کے ساڑھے سات تک بولتے رہے اور لوگ بور ہوتے

کبھی میں دیو کے چہرے کو دیکھتا اور کبھی گھڑی کو۔ خدا خدا کرکے ایسے ہم ختم ہوئے جب [illegible] میں کچھ منٹ باقی تھے۔ مجھے نسرین کی آنکھیں جن میں غصہ تھا، شکایت تھی، بیزاری تھی، اپنے چاروں طرف نظر آ رہی تھیں۔ وہی بولتی ہوئی آنکھیں جو میری کمزوری ہیں۔

فرسٹ شو کا وقت کبھی کا ختم ہو چکا تھا۔ اِس لئے دل میں یہ سوچ کر کہ سیکنڈ شو دیکھا جائے گا، ایک قریبی ہوٹل میں کافی کے تلخ گھونٹ اتارتے ساڑھے نو بجے کا انتظار کرنے لگا۔ تاکہ وقت پر پہنچ کر اور کوئی بہانہ بنا کر سیکنڈ شو چل دیں۔ لیکن اب وقت کاٹنا دشوار ہو رہا تھا۔ دیو بھی میرے ساتھ بور ہو رہا تھا اور شرمندہ بھی تھا کہ اُس نے میرا سارا پروگرام بگاڑ دیا۔ دیو نے تجویز کی کہ یہاں سے کلب چلا جائے اور وہاں سے نو بجے وہ مجھے چھوڑ کر پریس چلا جائے گا۔ میں نے تجویز مان لی۔

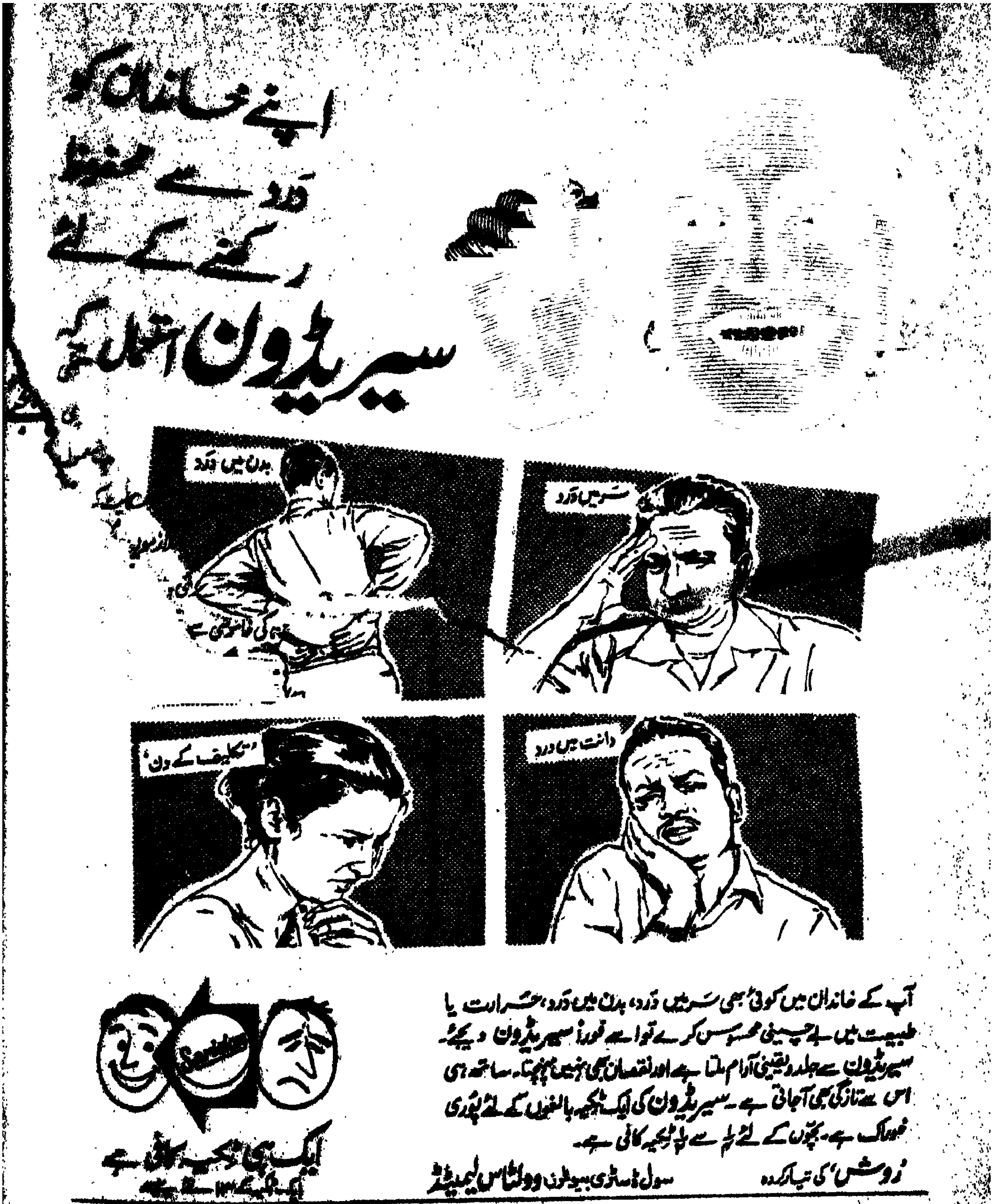
کلب میں دوستوں کے بہت اصرار کے باوجود میں نو بجے گھر چل دیا۔ گھر کافی دور تھا۔ موٹر کو دھچکا لگا اور دیو نے تیزی سے بریک لگا کر کار روک دی۔ پچھلا پہیہ پنکچر ہو چکا تھا۔ میں سڑک پر کسی ٹیکسی کی اُمید میں کھڑا تھا۔ دس بج گئے تھے کوئی ٹیکسی نہ تو اب تک اُدھر سے نکلی تھی اور نہ دیو ہی اب تک گاڑی میں لگا تھا۔ گیارہ بجے کے بعد جب میں گھر پہنچا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گھر کی ایک ایک دیوار، ایک ایک دروازہ میرے لئے آنکھ بن گیا ہو۔ کاجل کی سیاہی میں سے جھانکتی ہوئی بھوری بھوری پتلیاں، جھکی ہوئی گھنیری پلکیں مجھ سے شکایت کر رہی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں ہم نے اِن چند خوشگوار لمحوں کے انتظار میں دن کا طویل حصہ کس بے چینی سے گزارا تھا۔ اِن آنکھوں نے تمہارا کتنا انتظار کیا۔ نہ جانے کب تک تمہارے انتظار میں سنگی شاہراہ پر منتظر رہیں۔ لیکن تم، تم صرف جھوٹے وعدے ہی کرنا جانتے ہو۔ تمہیں تو صرف تسلیاں اور دلاسے ہی دینا آتا ہے۔ تم ایک عورت کی خوشیوں اور اُس کے جذبات کو کیا سمجھ سکتے ہو۔ تم ہمیشہ ایسے ہی جھوٹے وعدے کرتے چلے آئے ہو۔ میں جانتا تھا کہ میں اِتنا جھوٹا پڑ چکا ہوں کہ آج میرا کوئی بہانہ، کوئی جھوٹ نہیں مانا جائے گا۔ لیکن پھر بھی میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے شکایت کرے۔ مجھ سے جھگڑے۔ گھر خاموش تھا۔ شاید سب سو گئے تھے لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ میری منتظر ہوگی۔ اُس کی [illegible] بولتی ہوئی آنکھیں جن میں غصہ ہوگا اور بے چارگی [illegible] میری راہ تک رہی ہوں گی۔ میں دبے پاؤں کمرے میں آیا۔ وہ سادہ لباس میں [illegible] لیٹی ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ وہ ہمیشہ [illegible] ہے۔ لیکن میں خاموشی سے کپڑے بدل کر سو گیا۔ صبح بھی کوئی خاص بات [illegible] اِس کے سوا کہ میں اُس سے آنکھ نہ ملا سکا۔ اُس نے بھی بہت کوشش کی کہ میں ایک نظر اُس کے چہرے کو دیکھ لوں۔ وہ میری کمزوری سے واقف تھی نسرین اِس طرح کام میں لگی ہوئی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حالانکہ یہ میری بہت سی وعدہ خلافیوں میں سے ایک تھی۔ لیکن میں نے اُسے حسبِ معمول خاموش پایا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ اب شاید کچھ کہے گی۔ کچھ شکایت کرے گی لیکن کچھ نہ ہوا۔ مجھ پر عجیب جھلاہٹ سوار ہو گئی۔ غصہ ملازموں پر اُترنے لگا۔ لیکن پھر بھی وہاں کوئی اثر نہ ہوا۔ دن گزر گیا۔ شام ہو گئی۔ میں خاموشی سے مختلف فائلیں اور مسودے دیکھتا رہا۔ نسرین کی خاموشی سے میں سخت ذہنی الجھن میں تھا۔ طوفان کے بعد کی خاموشی یقیناً خوشگوار ہوتی ہے۔ لیکن بغیر طوفان آئے اگر فضا ساکت ہو جائے تو وہ کسی طوفان ہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ میں بھی اُس طوفان ہی کا منتظر تھا۔

دوسرے دن صبح ہی سے بکسوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آواز نے میری نیند کھول دی۔ اِتنی صبح سے سامان کی اُلٹ پلٹ میری سمجھ میں نہ آئی میں نے بستر سے اُٹھ کر دیکھا۔ نسرین اپنے کپڑے اٹیچی کیس میں رکھ رہی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ یہ وہ تین دن کی خاموشی کا ردِ عمل ہے۔ لیکن خاموش بیٹھا رہا۔ وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ پھر بشیر کو تانگہ لانے کے لئے کہا گیا۔ بشیر اِس اچانک تانگہ کی فرمائش پر گھبرا گیا۔

”بی بی جی! اِس وقت سویرے سویرے آپ کہاں جائیں گی؟“

”اسٹیشن جاؤں گی۔ صبح کی گاڑی پکڑنا ہے۔ مجھے جب اِس گھر میں کوئی پوچھتا ہی نہیں، جب میرا خیال ہی نہیں رکھا جاتا، میری کوئی ضرورت نہیں، کوئی اہمیت نہیں تو میرا یہاں رہنا کیا ضروری ہے۔ میرا بھی خاندان ہے۔ مگر تجھے اِس سے کیا، تُو تانگہ لے آ!“


آجکل کے گھروں میں سرف ...
"نئے رنگ، نئے ڈھنگ"
نئی دہلی کی رہنے والی سیکریٹری شریمتی چندر موہنی سرن کہتی ہیں...
"گھریلو زندگی میں نئے نئے رنگ بھرنے کی اُمنگ کس کے دل میں نہیں؟ اپنے رہن سہن میں خوبصورتی اور چمک دمک پیدا کرنے کے لئے انسان نئے نئے ڈھنگ سوچتا ہے، نت نئے طریقے استعمال میں لاتا ہے۔
مجھے بھی اپنے گھر کو نت نیا روپ دینے کا بیحد شوق ہے — وہ چاہے نئے ڈھنگ سے پھولوں کا سجانا ہو یا کپڑے دھونے کیلئے نئے پاؤڈر کا استعمال۔
سرف کا استعمال میں بہت دنوں سے کر رہی ہوں۔ سرف میں دھلائی کی زائد قوت ہے جس سے کپڑے ایسے سفید اور چمکدار دھلتے ہیں کہ اپنی دھلائی کو دیکھ کر میں پھولی نہیں سماتی۔
اور سرف کا جھاگ بھی کیسا بھرپور ہے! میں تو سرف ہی سے چادریں، پتلونیں، فراک، گھر کے سبھی کپڑے دھوتی ہوں"
آپ بھی اپنے گھر میں سرف استعمال کیوں نہیں کرتیں؟
Surf
Surf
سرف سے
کپڑے
سفید ترین
دھلتے ہیں
ہندوستان لیور نے بنایا
SU. 20-X52-45 UD


اپنے خاندان کو
درد سے محفوظ
رکھنے کے لئے
سیریڈون استعمال کیجئے
بدن میں درد
سر میں درد
تکلیف کے دن
دانت میں درد
Saridon
آپ کے خاندان میں کوئی بھی سر میں درد، بدن میں درد، حرارت یا طبیعت میں بے چینی محسوس کرے تو اسے فوراً سیریڈون دیجئے۔ سیریڈون سے جلد و یقینی آرام ملتا ہے اور نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ ساتھ ہی اس سے تازگی بھی آجاتی ہے۔ سیریڈون کی ایک ٹکیہ بالغوں کے لئے پوری خوراک ہے۔ بچوں کے لئے ½ سے ½ ٹکیہ کافی ہے۔
ایک ہی ٹکیہ کافی ہے
زوش کی تیار کردہ
سول ڈسٹری بیوٹرز وولٹاس لمیٹڈ

ہیں مکمل ہو جاتا تھا لیکن ہوا نے کیف عاشقی بکھار رہا۔ اصل میں مجھے
یں منتظر تھا بات اتنی جلدی ہی جتنا اُس کا طرز بانڈھا گیا تھا۔ اور نہ
بے اُمید اک بات یہاں تک پہنچ گی۔

تانگہ آیا۔ سامان اُس پر رکھا جانے لگا میری اس بے توجہی نے اُسے
منتظر بنایا ہیں چاہتا تو روک بھی سکتا تھا منع بھی کر سکتا تھا۔ اور شاید وہ
ن بھی جاتی لیکن یہ کچھ نہ ہوا۔

تانگے میں سوار ہوتے ہوئے نسرین نے بشیر سے کہا۔

"صاحب بہادر اُٹھیں تو کہہ دینا میں گھر جا رہی ہوں۔ کھانے وغیرہ کی
تکلیف ہو تو کسی ملا کو ملازم رکھ لیں۔ اُنہیں اُس کا نہ کوئی وعدہ پورا کرنا پڑے
گا اور نہ فکر رکھنی پڑے گی۔"

تانگہ روانہ ہو گیا۔

اور گھوڑے کی ٹاپوں کی صدا دُور ہوتی گئی۔

میں بستر سے اُٹھا۔ بشیر نے چائے لا کر دی۔ اور نسرین کے چلے جانے
کی اطلاع دی۔ جو میں پہلے ہی سُن چکا تھا۔ وہ میرا موڈ دیکھ کر خاموشی سے
چلا گیا۔ گھر میں ہر طرف خاموشی تھی۔ نہ تو برتن کھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی
تھی اور نہ نسرین کی ہلکی ہلکی گنگناہٹ جو اکثر اکیلے پن کو دُور کرنے کے لئے
دبے سُروں میں کسی گیت کی لے سے ڈوبتی اُبھرتی رہتی۔ صبح کی خاموشی
میں زندگی کا یہ نغمہ فضا میں ملکوتی حُسن پیدا کر دیتا۔ لیکن آج فضا بالکل سونی
تھی۔ دروازوں کے بے جان پردے ہل رہے تھے لیکن اُنھیں اُٹھا
کر آنے والا کوئی نہ تھا۔ میں نے چائے کا پہلا گھونٹ حلق سے اُتارنے کی
کوشش کی لیکن چائے بہت بدمزہ تھی۔ پیالہ وہیں رکھ کر کپڑے تبدیل کئے
جو شاید صبح ہی سے میرے سرہانے رکھ دیئے گئے تھے۔ اپنے کمرے میں
آ کر بیٹھ گیا۔ کئی فائلیں دیکھ ڈالیں۔ سارے حروف میرے سامنے سے گزر
رہے تھے لیکن مفہوم ذہن میں سما ہی نہیں رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
میں نے فائل پھینک دی۔ اور باہر لان میں ٹہلنے لگا۔ مدھو کامنی کے پھولوں کا
ڈھیر۔ سورج مکھی کا حُسن، بوگن ویلیا کی لہراتی ہوئی بیلیں مجھے اپنی طرف
متوجہ نہ کر سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے صرف اُن آنکھوں کی تلاش
ہو جنھیں مسکراتی نظر آنکھوں کی جن سے یہ سب کچھ حسین تھا۔ یہ ماحول،
یہ سورج مکھی کے پھول۔ یہ مدھو کامنی کی بھینی بھینی خوشبو سب اُس کے
بغیر بے رنگ و بُو تھے۔

عدالت میں بھی کوشش کے باوجود وقت نہ کٹ سکا۔ کلب کے
زندگی سے بھرپور قہقہوں میں بھی تصنع ہی تصنع تھا۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ
آ رہا تھا۔ میں کیا اتنا معذور ہوں کہ اُس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا
میری بھی تو ذمہ داریاں ہیں۔ کیا میں اُس کا خیال نہیں رکھتا پھر اُس کا اس
طرح چلے جانا میری ہتک ہے۔ بے عزتی ہے۔ وہ مجھ پر جھنجھلا سکتی تھی
شکایت کر سکتی تھی۔ اور کوئی ایسی خاص بات بھی نہ تھی جس پر اتنا غصہ
کیا جاتا۔ میرے اندر کا مرد جاگ گیا تھا۔ میں غصہ میں شہر کی زندگی سے
بھرپور شاہراہوں اور بارونق ہوٹلوں میں آزادی سے گھومتا رہا۔ میری
خودداری جاگ گئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ آج رات بھر خوب گھوموں گا تفریح
کروں گا۔ میں کسی کا قیدی نہیں۔

میں آزاد ہوں!

بالکل آزاد!!

کلب میں رات گئے تک فلیش ہوتا رہا۔ میری پہلی ہی ہار نے مجھے اس
قدر بوکھلا دیا کہ میں پھر ہارتا ہی چلا گیا۔ رات کے دو بجے جب میرے پاس
ایک پیسہ بھی نہ بچا تو مجبوراً گھر کی راہ لینا پڑی۔ بارونق بازار ویران ہو چکے تھے
اِکا دُکا لوگ تیز تیز قدموں سے اپنے گھروں کی راہ لے رہے تھے ٹیکسی
یا تانگہ کے انتظار نے جب مجھے مایوس کر دیا تو میں نے پیدل ہی گھر کی راہ
لی۔ میں گھر جانا نہ چاہتا تھا لیکن اُن سونی سڑکوں کی اُداسی بھی تکلیف دہ
تھی۔ وہ جیسے کہہ رہی تھیں۔

"تمھارے لئے اب یہاں کوئی جگہ نہیں ہے!"

تھوڑا ہی فاصلہ طے ہوا ہوگا کہ ہلکی ہلکی بوندوں کی سرسراہٹ شروع
ہو گئی۔ میں تیز تیز چلنے لگا۔ ایک چھوٹی سی بدلی پھیلتی گئی۔ اور بارش کی
تیزی میں اضافہ ہو گیا۔ میں سر سے پاؤں تک شرابور ہو گیا تھا۔ لیکن قدم
تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔ معدہ بالکل خالی تھا۔ میں نے صبح سے چند کپ

[illegible] تھا۔ دہاں کی [illegible] ہوگئی تھی۔ گھر کے
[illegible] پیچھے [illegible] لگ گئی۔ اور پھر میں کیسے اپنے گھر سے [illegible]
[illegible]

جب میری آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو بستر پر لیٹا ہوا پایا۔ بخار کی شدت سے
میرا [illegible] رہا تھا۔ کسی کی گرم گرم انگلیوں کے لمس نے مجھے بیدار کر دیا۔
مجھے اپنے آپ پر یقین نہ آ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا۔ وہ
نسرین تھی۔ لیکن میں نے غصے سے کروٹ بدل لی۔

نسرین نے تقریباً بچہ پر گرتے ہوئے کہا۔

"بس ایک دن میں یہ حالت بنا ڈالی؟ اور جاتے وقت یہ بھی نہ پوچھا
کہاں جا رہی ہو اور کیوں جا رہی ہو؟"

میں خاموش رہا۔

"وہ تو خیر ہوئی کہ گاڑی چھوٹ گئی۔ ورنہ تم تو اپنا نہ جانے کیا حال کر
لیتے اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی۔"

اُس کی سسکیاں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں
کھول کر بغور دیکھا۔ اُن آنکھوں میں التجا تھا، بے بسی تھی۔ جیسے کہہ رہی
ہوں ———

"میرے لئے اتنی ہی سزا کافی ہے۔"

حالانکہ یہ سزا مجھے ہی دی گئی تھی۔ اور میں سوچ رہا تھا۔ جو تشی نے
سچ ہی تو کہا تھا۔ وہ یہاں راج کرتی ہے۔ اُس کے بغیر یہ مملکت کتنی ویران
ہو جاتی ہے!

●●

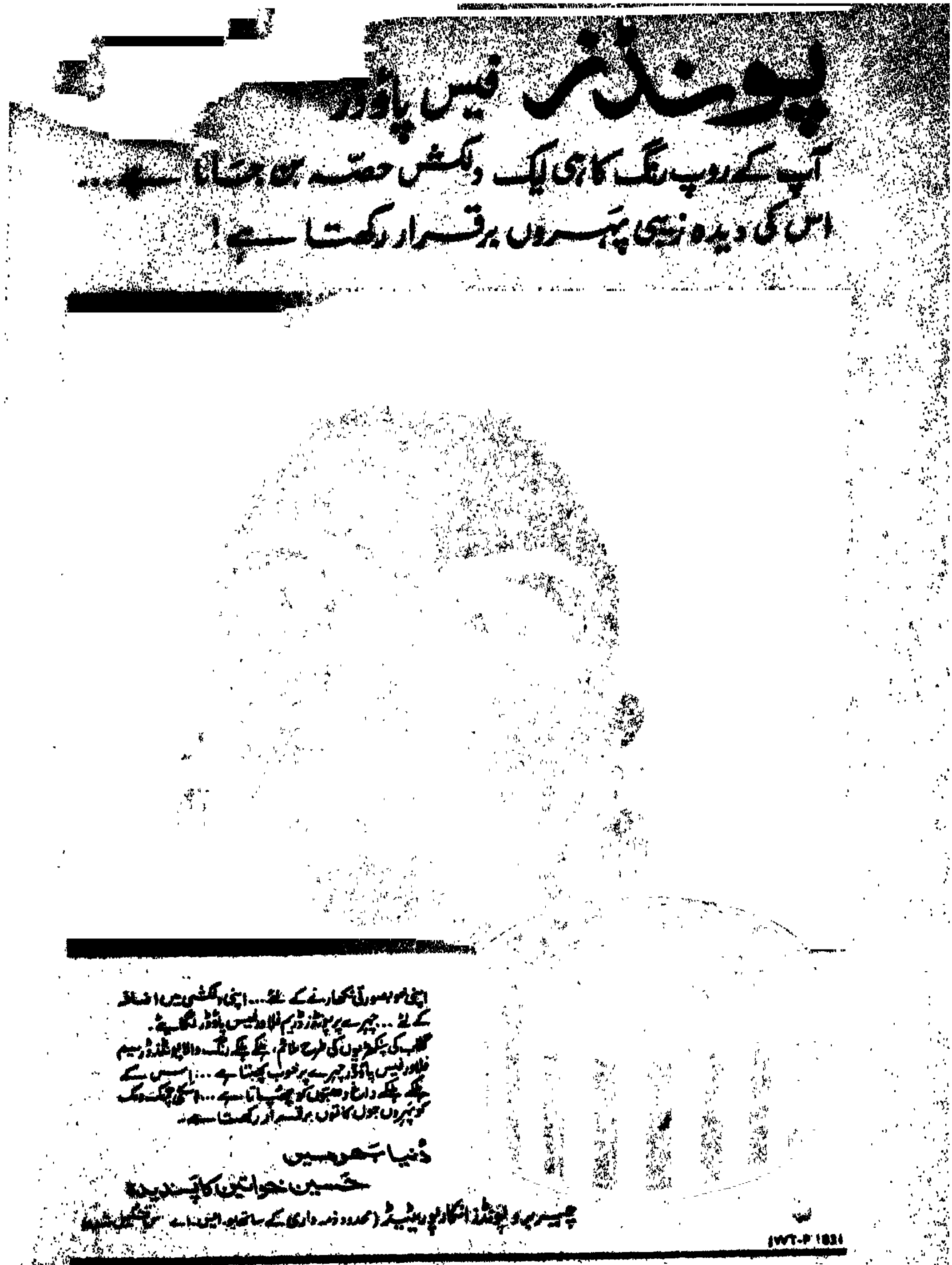
کشمکش

یہ واقعہ ہے، فسانہ نہیں ہے، خواب نہیں

ہماری ایک پڑوسن فریدۂ زہرہ جبیں — کہ جس کی شوخ اداؤں سے تھی عذار نگیں
فروغِ حسن کی اک دل کش و لطیف مثال — نہ بچے جو ہر نظرِ معتبر میں، تھا وہ جمال
شباب کا یہ مچلتا ہوا اتھاہ سا تھا — کہ ہو سکے تو بنا لے کوئی مجھے اپنا
امنگیں لیتی تھیں رہ رہ کے مچلیاں دل میں — بھری تھیں کتنی، نہ معلوم! بجلیاں دل میں
نگاہِ لطف کی امیدوار تھی معصوم — نہ تھا زمانے میں کوئی معاونِ مظلوم
نہ باپ کی شفقت تھی، نہ ماں کا پیار ہی تھا — کوئی رفیق نہ تو کوئی غم گسار ہی تھا
قتیلِ تیغ بلا نے دوام تھی گویا — شہیدِ زندگیٔ ناتمام تھی گویا
دل و دماغ کا اندازِ انتشار نہ پوچھ — بھری بہار میں پامالیٔ بہار نہ پوچھ
اسیرِ پنجۂ ظلم و ستم تھے احساسات — حیات اس کی نگاہوں میں تھی فریبِ حیات
جلا رہی تھیں مگر سوزشیں محبت کی — اک آگ سی تھی دلِ زار میں قیامت کی
نظر بچا کے زمانے سے آہیں بھرتی تھی — رواج و رسم کی دنیا میں گھٹ کے مرتی تھی
معادِ ذات جو بھائی کا یاد آتا تھا — جوان خون رگ و پے میں کھول جاتا تھا
کسی طرح نہ تھا یوسفؑ کے بھائیوں سے وہ کم — کبھی نہ خواہرِ کم سن کا بن سکا ہمدم
ہٹا دیا اسے ظالم نے اپنی منزل سے — کھٹک رہا تھا جو کانٹا، نکل گیا دل سے
پھر اس پہ ناز کہ گھر اپنا بھر لیا میں نے — اسے حقوق سے محروم کر دیا میں نے

یہ حادثات بھی دیکھے نگاہِ دوراں نے
کیا ہے حسرتِ انساں کا خون انساں نے

سعادت نظیر ایم۔ اے



پونڈز فیس پاؤڈر
آپ کے روپ رنگ کا ہی ایک دلکش حصہ بن جاتا ہے...
اس کی دیدہ زیبی پہروں برقرار رکھتا ہے!
اپنی خوبصورتی نکھارنے کے لئے... اپنی دلکشی میں اضافہ کے لئے... چہرے پر پونڈز ڈریم فلاور فیس پاؤڈر لگایئے۔
گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح ملائم، ہلکے پھلکے رنگ والا پونڈز ڈریم فلاور فیس پاؤڈر چہرے پر خوب پھبتا ہے... اس کے ہلکے پھلکے داغ دھبوں کو چھپاتا ہے... اس کی چمک دمک کو پہروں جوں کا توں برقرار رکھتا ہے۔
دنیا بھر میں
حسین خواتین کا پسندیدہ
چیزبرو پونڈز انکارپوریٹیڈ (محدود ذمہ داری کے ساتھ یو.ایس.اے. میں تشکیل شدہ)
IWT-P 1821

ساربان

پروفیسر وقار بن الٰہی ایم-اے

گورنمنٹ کالج گوجرخان (مغربی پاکستان)

۱۰ اپریل [illegible] برادرِ محترم! آداب

. . . . بہت مدت کی بات ہے ایک بار صحراؤں میں جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ریت کی بارشوں، غنودگی طاری کر دینے والی صبحوں اور خنک شاموں کی گود سے یہ ایک کہانی چھین لایا تھا جو کوئی ایک برس بعد لکھی اور اب آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ساربان سے میری بھی ملاقات ہوئی تھی۔ عجیب کھویا کھویا اور گم سا انسان تھا وہ بھی ــــ ایک بات اور۔ آپ اپنے خطوط میں جس اشتیاق اور جتنی شفقت کا اظہار کرتے ہیں، میں ہر بار شرمندہ ہوتا ہوں۔ آپ کا کہنا درست، میری بیتابی بھی اپنی جگہ لیکن ابھی تک تو پاسپورٹ بھی نہیں بن سکا۔ اُمید ہے کہ ایک آدھ ماہ تک بن جائے گا۔ اور پھر ــــ

آپ کا اپنا ــــ وقار بن الٰہی

کبھی یہی نواز تھا کہ جب سانڈنی پر سوار گاؤں کے مشرقی کونے میں پہنچتا تو اُسے الوداع کہنے کے لئے سارا گاؤں اکٹھا ہو جاتا تھا۔ گاؤں کے چھوٹے چھوٹے دکان دار، غریب ہاری اور سیٹھ کہلانے وڈیرے اُسے جھک کے سلام کرتے اور خیریت سے واپس آنے کی دعائیں مانگتے تو نواز کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سید پور قصبہ کی کمیٹی کا وہ ایک معمولی سا انسپکٹر نہیں، کوئی ڈپٹی کمشنر ہے جو علاقے کا دورہ کر کے واپس جا رہا ہے۔ اُن دنوں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی بلّم بغل میں دبائے ساربان اُس کے دروازے کے سامنے آن کھڑا ہوتا تھا۔ اور نواز شفق کی لالی سے اپنی نگاہوں کو دھوتا ہوا گاؤں سے نکل جاتا۔ کجاوے میں اُس کے لئے خاص طور سے اہتمام برتا جاتا۔ ایک طرف بوجھ رکھے جاتے تھے۔ اُن پر چادر پھیلا دی جاتی تھی اور دوسری طرف نیچے گدا بچھا کے کجاوے کی چاروں دیواروں کے ساتھ تکیے کمر سے کر دیئے جاتے تھے۔ ٹانگیں سکیڑ کے اس نرم نرم سے کجاوے میں بیٹھے بیٹھے نواز سوچا کرتا تھا کہ گاؤں کا کوئی وڈیرہ بھی کہاں اتنے ٹھاٹھ اور اتنے آرام سے کہیں گیا ہوگا۔ اور سانڈنی کی گھنٹیاں تھیں کہ اتنے زور سے بجتیں جیسے کسی اسکول میں چھٹی کا گھنٹہ بج رہا۔ پر وہ اور دنوں کی بات تھی اب نواز سید پور کمیٹی کا انسپکٹر تو رہا ایک طرف، چونگی محرر بھی نہ رہا۔ بلکہ اب تو وہ یوں جان چھپائے بھاگ رہا تھا جیسے گاؤں میں بہت سے قتل کر کے آیا ہو۔ اب نہ تو کجاوے کے پتھروں پر چادر تھی اور نہ اُس کے حصے میں بے شمار تکیے ہی تھے۔ بس ایک دری تھی جس پر بیٹھا وہ بار بار کروٹیں بدل رہا تھا۔ کجاوے کے ڈنڈے اُس کی کمر میں بُری طرح چبھ رہے تھے۔ پھر آج تو وہ گاؤں سے ایسے وقت میں نکلا تھا جب گلیاں تک سو رہی تھیں۔ اور اُسے الوداع کہنے کے لئے کوئی بھی تو نہ آیا تھا۔ کسی موڑ پر کسی آنچل نے لہرا کے اُسے دعا نہ دی تھی۔ جانے کیا بات تھی جو آج نواز یوں چوروں کی طرح بھاگ رہا تھا اور سانڈنی ہلکے ہلکے بھاگتے ہوئے گاؤں کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک

[illegible] ایک بار رشتہ ان ہاتھوں میں آئے تھے جیسے کمائی
[illegible] تک ریت کا ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ پانی کے سمندر میں
[illegible] لگے تو بھید بہا آتا ہے۔ لیکن یہاں اِس ریت کے سمندر میں
وہ ایک وحشت کی [illegible] چھا جاتی ہے کہ انسان اپنے آپ سے بھی خوف
کھاتا ہے۔ چاندنی اتنی تیز ہونے کے باوجود اِس وحشت کو اور بھی تیز
اور شدید کر دیتی ہے۔ ہوا خنک تھی اور ساربان کمبل پکڑے چپ چاپ [illegible]
سے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ وہ جب گاؤں کی گلیوں میں تھا تو ساربان نے
اپنا چہرہ چادر میں چھپا رکھا تھا اور اب اِس ویرانے میں بھی چادر ابھی تک اُس کے
چہرے پر تھی۔ اور اُس کے برتاؤ میں بے نیازی اِتنی زیادہ تھی کہ جیسے وہ
ایک مسافر کو نہیں لے جا رہا، خالی کجاوے کے ساتھ جا رہا ہے۔ اور اُسے
سخت نیند آ رہی ہے۔ نواز نے دور ستاروں کے جھرمٹ کو دیکھ کر اندازہ
لگایا کہ وہ اگر اسی رفتار سے چلے گا تو گاڑی کے آنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر
پہنچ جائے گا۔ اُس جھرمٹ کو پھر سے دیکھتے ہوئے نواز کو اچانک خیال آیا
کہ پہلے تو وہ اتنی دیر تک اسٹیشن پہنچ بھی چکا ہوتا تھا۔ پتہ نہیں اِس میں کیا
راز ہے کہ اگر ماضی میں ایک بھی تلخ دن گزرا ہو تو وہ ہمیشہ ہمیشہ یاد رہتا ہے
اُس زخم کی طرح جو مندمل تو ہو جاتا ہے لیکن جس کا نشان زندگی بھر نہیں مٹتا
اور نواز کا تو سارا بچپن ہی تلخیوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہ تو کبھی بھولے سے بھی یہ
نہ سوچ سکتا تھا کہ اُس نے بھی بچپن میں شرارتیں کی ہیں۔ کھیل کھیلے ہیں۔
ماں باپ اور بھائی بہنوں کو پریشان کیا ہے۔ گھر سے پیسے چرائے ہیں اور...
وہاں تو اُس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا ہر لمحے صرف دو ہی ہستیوں کو دیکھا
تھا ایک چچا اور دوسرے چچی یا پھر قطار میں کھڑے اُن کے بے شمار بچے
اُس کا بچپن وہیں چچا کے آنگن میں گزرا تھا۔ لیکن اُس نے کتنے ظلم سہے
تھے۔ اور کتنی سختیاں برداشت کی تھیں۔ اُن سے کچھ وہی واقف تھا۔ ایک
سے بڑھ کے اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی مہمان آ جائے تو نواز کا تعارف بھتیجے
کی بجائے نوکر کی حیثیت سے کرایا جاتا۔ اور یہ تو خیر روز کی بات تھی کہ کھانا نہ ملتا
تو وہ بھوکا ہی سو رہتا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے، مار کھاتے
اور اپنے پہلو سہلاتے ہوئے اُس نے دسویں کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ گاؤں

وہ جب [illegible] ہو چکا تھا لیکن [illegible]
تھا جو اتفاق سے [illegible] وہاں [illegible]
جگہ ڈاکر کے اُس کی تنخواہ [illegible]
بھی بھیج سکے [illegible] لیکن اُس کی قسمت [illegible]
وحشت سے [illegible]
قصبے میں [illegible] اور ذکر ہو گیا۔ [illegible]
سے زیادہ دو ہزار کی آبادی تھی۔ کچھ کچی [illegible] گلیاں
سب کی سب ریت کی بنی ہوئی تھیں۔ مکان بھی [illegible] تھے۔ اور وہ کسی
قصبے میں بجلی نہ تھی لیکن پھر بھی [illegible] لوگوں کے سروں پر سوار تھی
محصول کے ساتھ ساتھ اور ٹیکس بھی وصول کیا جاتا تھا اور لوگوں کو
یہ سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں کہ کسی کسی گلی کے موڑ پر کبھی کبھی لیمپ روشن کیا
جاتا تھا۔ یا کبھی سقے موج میں آتے تو گلیوں میں چھڑکاؤ کر دیتے کہ گرد
جم جائے۔ گرد بیٹھ ضرور جاتی تھی لیکن چلنے والوں کے پاؤں کے ساتھ [illegible]
بُری طرح چمٹتی کہ اُترنے کا نام ہی نہ لیتی۔ ابھی لوگوں کی [illegible] اور کمیٹی کے
سامنے کو چلانے کی ذمہ داری نواز کے سر تھی۔ [illegible] تلاش
کرتا رہتا تھا کہ کوئی ایسا راستہ یا تدبیر نکل جائے جس سے سارا محصول [illegible]
بغیر لئے جا رہا ہو اور یہ اُس کی گردن ناپ سکے۔ شروع شروع میں جب
چند لوگوں کو پکڑ کے اُس نے بھاری جرمانے کئے تو سارا قصبہ جیسے [illegible]
کو ڈپٹی کمشنر سمجھنے لگا۔ [illegible] وہ جس گلی سے [illegible] گزرتا لوگ [illegible]
الگ دیوار کے ساتھ چپک کے کھڑے ہو جاتے اور [illegible] جھک کے سلام
کرتے ہوئے گزر جاتے ------- نواز نے پہلا [illegible] آ کے
پر بھاگتے ہوئے [illegible] اور پھر ستاروں کے [illegible] دیکھ کے اُس
نظریں ساربان پر جا رکیں۔ جو اُسی طرح ایک ہی دھن میں [illegible] بند
چلا جا رہا تھا۔ [illegible] گزرتے ہوئے [illegible]
بُری طرح یاد آ رہے تھے۔ اُس نے پھر [illegible]
[illegible] اور جیسے پھر ایک بار [illegible] کے قصبے کی گلیوں [illegible] گیا۔
نوکری ملی۔ ابھی تنخواہ ملنے لگی تو [illegible]


روز بہ روز
نکھرا ہوا حُسن و جمال
نئے ریکسونا کا
کمال!
ریکسونا کے استعمال سے آپکی جلد میں ایک انوکھی
شگفتگی و شادابی آجاتی ہے! اسکے مُلائم
جھاگ میں حُسن افروز تیلوں کا ایک خاص ترکیب
کیڈل ملا ہے جو آپکی جلد میں رچ بس کر
آپکے رنگ رُوپ کو ایک نئی نزاکت، ایک
نیا حُسن ایک نئی کشش عطا کرتا ہے!
آپکو ہمیشہ تروتازہ رکھنے کے لئے ایک
مسرت خیز خوشبو میں رچا بسا ریکسونا آپکے
روزانہ کھِلے حُسن کے لئے ایک ورزش ہے!
نئے رُوپ، نئے پیرہن رنگ اور
نئے تیوری سے آراستہ ریکسونا
آپکے دل میں سما جائیگا!
نیا ریکسونا... آپکی جلد کو رونق عطا کرتا ہے
ہندوستان لیور لمیٹڈ نے رکسونا انٹرنیشنل لمیٹڈ آسٹریلیا کے لئے ہندوستان میں بنایا۔
RP. 170-X32-48 UD

گزشت کی تہیں جمتی چلی گئیں۔ اب وہ کھاتا اچھا تھا۔ پہننے کے لئے صاف ستھرے اور کسی قدر قیمتی کپڑے بھی مل گئے تھے۔ اور رہنے کو گھر تو بہت ہی معمولی تھا۔ جو تھا تو ایک تاجر کا لیکن جس نے نواز کو اس لئے دیا تھا کہ اسی بہانے حصول کی اچھی خاصی رقم بچتی رہے گی۔ کام تو تھا نہیں۔ سوائے گلیاں ناپنے کے وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ جن راتوں میں چاند ابھر کے جلد ہی ڈوب جاتا تھا گلیوں میں کمیٹی کے لیمپ روشن ہوا کرتے تھے۔ بہت دنوں سے نواز کو یہ شکایت مل رہی تھی کہ کمیٹی کا نوکر تیل ڈالتے ہوئے بچا لیتا ہے۔ اسی لئے لیمپ بجھ جاتے ہیں۔ ایک رات اس نے سوچا، وہ خود گھوم کے ساری گلیاں دیکھ ڈالے گا اور جب باری والا ہو کے تھکے ماندے اپنی اپنی نیند سو گئے تو وہ گھر سے نکل کے گلیوں کے چکر کاٹنے لگا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ پھر جلد ہی ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور رات کے ابتدائی حصہ میں بہت ٹھنڈی ہوا چلنے لگتی تھی جو دن بھر کے جھلسے ہوئے بدنوں سے ٹکراتی اور ایک عجیب سا سرور محسوس ہوتا تھا۔ نواز تین چار گلیاں طے کر چکا تھا اور اب وہ تیسرے لیمپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گلی کا موڑ کاٹ کے جیسے اس کے قدم وہیں رک گئے اور دل ایک بار اچھلا تو پہلو سے باہر آتے آتے رہ گیا۔ سامنے چند قدم کے فاصلے پر لیمپ روشن تھا۔ اس کی لو مدھم تھی اور لیمپ کے نیچے کوئی عورت کھڑی تھی۔ اسے ایک بار جھرجھری سی بھی آئی کہ ان ویرانوں میں اکثر چڑیلیں بھی تو اپنا بھیس بدل کے گھوما کرتی ہیں۔ لیکن پھر جی کڑا کر کے پاؤں سے شور مچاتے ہوئے چلنے لگا۔ عورت نے پلٹ کے اس کی طرف نہیں دیکھا اور جب قدموں کی چاپ اس کے عقب میں آ کے رک گئی تو جیسے گھبرا کے اس نے فوراً ہی مڑ کے دیکھ لیا۔ وہ تو سمجھی تھی کوئی راہگیر ہوگا۔ گزر جائے گا۔ نواز نے اس مدھم سی روشنی میں بہت گہری نظروں سے دیکھا۔ سترہ اٹھارہ برس کی نوجوان لڑکی تھی جس کا آنچل سر سے ڈھلک آیا تھا۔ اس کے بال کھلے تھے اور شانوں پر لہرا رہے تھے۔ پیشانی کشادہ تھی۔ جس کے نیچے آنکھیں ہلکی سی تاریکی میں چھپ گئی تھیں۔ نواز نے گھبرا کے ایک بار اور اس بھرے بھرے جسم کی مورت کو دیکھا اور پھر جیسے ایک دم ہوش میں آ گیا۔

"کیا لیمپ سے تیل چرانے کا ارادہ تھا؟"

لڑکی نے اتنی گھبرائی اور بے بس نگاہوں سے اُسے دیکھا جیسے ابھی رو دے گی۔ اُس نے اپنا آنچل پکڑا اور اُسے اپنی اُنگلی پر لپیٹتے ہوئے کٹے کٹے لہجے میں ہولے سے بولی۔

"نہیں تو۔ میں تو آموں کے باغ میں گئی تھی۔ سہیلیاں پیچھے رہ گئی ہیں، اُن کا انتظار کر رہی ہوں۔" پھر اُس نے سہمی سہمی سی نگاہوں سے گلی کے دوسرے موڑ کی طرف دیکھا جہاں سے شاید اُس کی سہیلیاں آنے والی تھیں۔

آنکھیں

جو دِل میں کدورت ہے آنکھوں سے عیاں ہوگی
جتنی ہو گھٹا کالی اُتنی ہی برستی ہے —— مہپا لندنوی

اُٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُن کے رُوبرو
نادیدہ اِک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں —— جگر

ہمیں کیا عشق میں رونے کو کم تھے
وہ گوشہ آنکھ کا پُرنم ہوا کیوں؟ —— عرش ملسیانی

ابھی کچھ خام ہے آزاد رُودادِ اَلم تیری
ابھی تو آنکھ بھی اِس داستاں سے نم نہیں ہوتی —— جگن ناتھ آزاد

لبوں پہ ہے جو تبسّم تو آنکھ پُرنم ہے
شعورِ غم کا یہ عالم عجب عالم ہے —— محمود سعیدی

(مرسلہ:۔ بلقیس بیگم ادیب کامل)

دوسری گلی سے چند لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز بھی آرہی تھی۔ لڑکی کی جیسے ڈھارس بندھ گئی۔ اُس نے آنچل چھوڑ دیا۔ جھکی پلکوں کو اُٹھا لیا اور کسی قدر تیز لہجے میں بولی "تیل چرانا ہے تو کمیٹی کا، تمہارا تو نہیں۔ پھر چُرا کے اُسے کیا اسے منہ میں ڈال کے لے جاؤں گی؟" وہ ہلکی سی ہنسی ہنس دی اور نواز جیسے ڈھیر ہو کے رہ گیا۔ اُسے تو اردگرد کا ہوش بھی نہ رہا تھا۔ اُسے تو اِس بات کا بھی

احساس نہ تھا کہ اگر کسی وڈیرے کی لڑکی بگلی تو اُسے صبح ہی نوکری سے جواب مل جائے گا۔ اُس کے کانوں میں تو وہ ہلکی سی ہنسی گونج رہی تھی جیسے کسی کوٹھے میں کانچ کی گولی گھوم رہی ہو۔ اُسے یہ بھی تو یاد نہ رہا کہ کب اُس کی سہیلیاں آئیں اور کب نکلے وہ بھاگتی ہوئی اُن کے ساتھ جا ملی۔ نواز تو جیسے سیڑھی چڑھتے چڑھتے بہت بلندی سے نیچے آگرا تھا۔ اور اب جیسے اُس کے حواس بھی اُس سے چھن گئے تھے۔ کجاوے میں بیٹھے بیٹھے اُس رات کی ایک ایک بات جب اُس کے ذہن میں کسی مشعل کی طرح روشن ہوا ٹھی تو مسکراہٹ خود نواز کی اچھیں چیرکے بہتی چلی گئی۔ یہ وہی رات تھی جب زینی اُسے پہلی بار ملی تھی۔ وہ زینی جس نے چند لمحوں میں نواز کو اپنے آپ سے بھی بے خبر کر دیا تھا۔ اور جس نے پھر نواز کا ہاتھ تھاما تو اُس سے سب کچھ چھن گیا۔ کجاوے میں سیدھے بیٹھ کے اُس نے فاصلے کا اندازہ کرنا چاہا تو آسمان کی وسعتوں میں بھی زینی کی مسکراہٹیں پھول ہی پھول بن کے بکھر گئی تھیں۔ جیسے یہ زینی کے بال تھے جو صحرا کو ہلکے ہلکے نور سے سرشار کئے ہوئے تھے۔ خوشی سے اُس کا سینہ پھول گیا اور اُس نے جھک کے ساربان کو آواز دی۔

”کیوں بھائی! کتنا راستہ باقی رہ گیا ہے؟“

ساربان نے مڑ کے نہیں دیکھا۔

آگے ڈھلوان تھی۔ وہ سنبھل کر قدم رکھتے ہوئے بولا۔

”معلوم ہوتا ہے آج پہلی بار آئے ہو اِس راستے پر بابو! یہ ستاروں کے جھنڈ جب ہمارے سر پہ آجائیں گے تو راستہ ختم ہو جائے گا۔ آرام سے لیٹے رہو ورنہ ایک طرف گر جاؤ گے۔“

کھردری آواز کی گہرائی کو وہ نہ سمجھ سکا۔ کہ اُس میں نصیحت تھی یا بھرپور طنز تھا!

پھر تو جیسے نواز کو اِس بات کا یقین ہو گیا کہ تیل ہر روز ہی چرایا جاتا ہے اور جب تک وہ ہر رات چکر نہ لگائے گا یہ چوری کسی طرح ختم نہ ہوگی۔ اب یہ اُس کا معمول ہو گیا تھا کہ اندھیرا گھرتے ہی جب گلیوں کے لیمپ روشن ہو جاتے وہ گھر سے نکل کر پہلی، دوسری، تیسری، حتیٰ کہ ساری گلیوں میں گھوم جاتا۔ پھر زینی تو ایسی گم ہوئی تھی کہ پھر وہ کسی گلی میں دکھائی نہ دی۔ ایک رات جب آخری گلی کا چکر کاٹ کے وہ لوٹ رہا تھا تو اُس نے بہت سنجیدگی سے اپنے آپ سے پوچھا بھی تھا کہ آخر زینی پھر آتے کیوں نہیں؟ اُسے کیا پڑی ہے جو گلیوں میں ماری ماری پھرے۔ مایوس دل کے لئے تسلی کا جو آخری سہارا تھا وہ بھی چھن کے رہ گیا۔ اور وہ بجھے بجھے قدموں سے لوٹنے لگا۔ مُسے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایک ایسی آگ اُس کے چاروں طرف بھڑک اُٹھی ہے کہ وہ جہاں جاتا ہے آگ اُس کا پیچھا کرتی ہے۔ وہ پھر اُس گلی میں تھا اور اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ زینی وہیں کھڑی تھی۔ آج اُس کی نگاہوں میں جھجک قدرے کم تھی۔ ہلکی سی نسائیت تھی۔ زینی نے اُسے دیکھا تو جیسے لپکی چلی آئی جس نے اتنے دنوں سے نواز کو بے کل کر رکھا تھا۔

”آج پھر چور پکڑنے نکلے ہوں گے۔ ہو یا اتنے دنوں سے جو گھوم رہے ہو تو کیا وہ تیل چرانے والا آج تک تمہارے ہتھے نہیں چڑھا؟“

زینی نے اُسے چھیڑا ہی نہیں، لاجواب کر کے رکھ دیا۔ اب وہ اُسے کیا جواب دے؟ اُس سے کہے تو کیا؟

گم سم کھڑے کھڑے جیسے اُسے بات سوجھ ہی گئی۔

”اور تم آج پھر سہیلیوں سے آگے نکل آئی ہو!“

زینی نے جواب دینا چاہا لیکن بُری طرح جھینپ گئی۔ کہ ابھی ابھی باقی لڑکیاں دوسری گلی میں سے گزر چکی تھیں اور اُن کی باتیں نواز بھی سن چکا تھا! جھجک جیسے ایک بار پھر اُس کی نگاہوں میں سرک آئی۔ اور ایک بار اُس نے ہولے سے سر اُٹھا کے نواز کو دیکھا۔

اور نواز نے اُس کی نگاہوں کو جیسے چھو لیا۔

ہلکا سا اعتراف تھا!

پھر ایسا ہوتا کہ چند گلیوں کی لڑکیاں اکٹھی ہو کے جب آم کے باغوں کی طرف چلی جاتیں کہ کچی امبیاں توڑ کے صرف کھائیں نہیں بلکہ ڈھیر لگا دیں تو زینی یا تو پہلے ہی اُن سے پیچھا چھڑا لیتی اور یا پھر باغ میں جا کر کوئی بہانہ بنا کے ایسی غائب ہوتی کہ اُس کی سکھیاں اُسے ڈھونڈتی ہی رہ جاتیں اور تلاش نہ کر پاتیں۔ وہ چھ ایسے نکڑ سے بھی تھے جو روز نواز کے پاس آکے تاش کھیلا کرتے۔ پہلے وہ بیچارے تو اُنھوں نے خود ہی



مدیر بیسویں صدی کے نام خط لکھتے وقت

اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشادات کی فوراً تعمیل ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

(منیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

مضمون نگار حضرات

سے درخواست ہے کہ وہ بیسویں صدی کے لئے مضامین لکھتے وقت ہمیشہ اختصار سے کام لیا کریں۔ بغرض اشاعت موصول ہونے والے مضامین میں سے مختصر افسانوں کو اولین اہمیت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور طویل افسانے مضمون نگاروں کو واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ لگا ہوا اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ بھیجیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ مضمون کے لفافے پر لفظ غیر مطبوعہ ضرور لکھیے۔

(منیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۱)

جناب جھیشور دیال سنگھ ایک تاریخی ناول

۱۸۵۷ء کی دِلّی

کے واضح نقوش کو ایک پُر کیف داستان کے روپ میں پیش کیا ہے۔ جس میں آپ حُسن و شباب کی رنگینیوں ہی سے نہیں، جذبۂ حُب الوطنی ایثار، اخوت و محبت اور رواداری کے چشموں سے بھی سیراب ہوں گے۔ دلّی کی ٹکسالی زبان، قلعہ معلیٰ کی رسیلی، دل موہ لینے والی زبان کی حلاوت آپ کو جناب جھیشور دیال ہی کے زورِ قلم میں پائیں گے۔ کیونکہ یہ ان کی اپنی مادری زبان ہے ـــــ کتابت و طباعت کے اعلیٰ ترین مراحل سے گزر کر کتاب دلہن کی طرح سجی ہوئی ہے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

ڈارلنگ

جناب نریش کمار شاد کے منتخب طبع زاد افسانوں کا سب سے شاندار حسین و جمیل مجموعہ۔ قیمت دو روپے پچاس نئے پیسے

سُرخ حاشیے شاعر کے شاہکاروں کے دلچسپ لطیفے۔ قیمت دو روپے پچیس نئے پیسے

راکھ تلے چنگاری ... ہندوستانی لباس میں۔ قیمت دو روپے

الوداع ... آفاق ناول کا ترجمہ۔ قیمت ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶

پھر پایا کہ بچہ وقت سے پہلے گیا ہوا ہے۔ لیکن جب اُنھوں نے زینی کے دروازے پر پٹے ہوئے عقل کو منہ چڑاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی سب کے سب اِس بات کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ گئے کہ کچھ بھی ہو اِس بات کا سراغ لگا کر رہیں گے کہ یہ نواز راتوں کو غائب کہاں ہو جاتا ہے؟ خود نواز اور زینی کو بھی اِس کا علم نہ تھا کہ ایک روز یہ ساری کہانی لوگ سُن لیں گے۔ اور وہ جو کبھی ایک باغ میں کبھی دوسرے میں کبھی کنوئیں کے درختوں کے تاریک جھنڈ اور کبھی صحرا کی گرد سے اَٹی جھاڑیوں کے پیچھے ملتے ہیں تو لوگ جیسے اُنھیں کچا چبا جائیں گے۔ پر اِس منزل پر تو اِس ڈپٹی کمشنر کی عقل بھی جواب دے گئی تھی کہ وہ کیا کرے۔ وہ تو ایسے بھنور میں گر چکا تھا جس سے بچ نکلنے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے وہ اگر کسی رات زینی سے نہ مل سکتا تو ساری رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی اور دوسری طرف اُس کے بس میں یہ بھی نہ تھا کہ وہ آگے بڑھ کے زینی کا ہاتھ تھام لے۔ اُسے زینی نے بتا دیا تھا کہ اُس کی منگنی ہو چکی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ زینی کا باپ اِتنا ضدی اور خوددار تھا کہ وہ کسی قیمت پر اِس منگنی کو نہیں توڑے گا۔ اور اگر وہ راضی ہو بھی جائے تو وہ دو ہزار روپے کہاں سے آئیں گے جن سے زینی کے باپ نے ایک کنواں اور رہٹ خریدا تھا۔ اور جو زینی کے منگیتر نے دیئے تھے۔ دو ہزار تو کیا، نواز کے پاس دو سو بھی نہ تھے۔ اُسے ملتا ہی کیا تھا اور پھر اُس نے پس انداز کرنے کے بارے میں سوچا ہی کب تھا؟ چند دن پہلے وہ ایک ہنسی جو ایسی خوشی تھی جس سے دونوں جھوم اُٹھتے تھے آہستہ آہستہ رخصت ہو گئی۔ اب ملتے تو زینی کی آنکھوں میں آنسو تیرتے رہتے اور نواز سر جھکائے سوچتا رہتا کہ آخر اِس گتھی کو کیونکر سلجھائے۔

چلتے چلتے پتہ نہیں ساربان کو کیا سوجھی کہ وہ رُک گیا۔ نکیل جب ڈھیلی ہوئی تو سانڈنی بھی رُک گئی۔ اور پھر ساربان کے اشارے کا انتظار کئے بغیر ٹھنڈی ریت پر بیٹھ گئی۔ وہ ابھی تک اُسی طرح کھڑا تھا۔ اُس نے پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا۔ پھر نکیل پھینک کے اُس نے بغل سے قلم نکال لیا اور چاند کی مدھم کرنیں تیز قلم پر اپنا سنہری ناچ ناچنے لگیں۔ ساربان چند لمحے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے دوبارہ قلم بغل میں دبا لیا۔ اور نکیل پکڑ کے دو تین جھٹکے دیئے۔ سانڈنی اُٹھ کھڑی ہوئی اور ساربان نے چلو کہہ کے نکیل پکڑ لی۔

اور پھر چلنے لگا۔ اُس کے قدم تھم گئے تھے اور جب اُس نے چلو کہا تھا تو نواز کو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ساربان کا گلا بھیگا ہوا ہو۔ پر نواز کو اِس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ ساربان کا گلا بھیگا ہوا ہے یا سانڈنی آہستہ چل رہی ہے یا چاند ڈوبنے والا ہے۔ وہ تو اپنی کہانی کے ایسے موڑ پر پہنچ گیا تھا جہاں وہ کسی اور شے کے متعلق نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ اُس نے مسکرا کے پھر ساربان کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔

نواز کو وہ رات اچھی طرح یاد تھی جب زینی کے گھر کے سامنے اُس کی برات اُتری تھی اور اُس رات چاند جلد ہی ڈوب گیا تھا۔ چاروں طرف شدید تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ زینی کے بوڑھے باپ نے نواز کو خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ اُسے اِس بات کا خدشہ تھا کہ اگر نواز کو نہ بلایا گیا تو پھر آموں کا موسم قریب ہے محصول دوگنا ادا کرنا پڑے گا۔ اُسے اِس بات کا علم ہی نہ تھا کہ نواز تو اُس سے آج کی رات ایسا محصول وصول کرنے والا ہے جس سے اُس کا گھر ویران ہو جائے گا۔ دولہا کو نواز نے بھی دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کا ایک کڑیل گبرو تھا۔ اور جس نے اپنی محنت اور مزدوری سے پیسے دو ہزار اکٹھے کر کے زینی کے باپ کو دیئے تھے۔ نواز نے اُسے دیکھ کے غور سے اُس کے چہرے کو گھور کے دیکھا اور پھر جی ہی جی میں ہنس کے سوچا۔ آج اُس کے چہرے پر ہنسی پھیل رہی ہے۔ کل اِسی پر اُداسی ملی ہوگی۔ یہ اُٹھی ہوئی مونچھیں نیچے گر چکی ہوں گی۔

آدھی رات کے قریب جب اکثر براتی سو چکے تھے اور گھر کے اندر لڑکیاں ڈھولک پیٹ پیٹ کے تھک گئی تھیں۔ اچانک قبائلیوں کا ایک گروہ آنکلا۔ اُنھوں نے کسی سے کہے بغیر سارے گیس اُٹھا کے میدان میں رکھے میل سے اَٹی شلواریں اُڑس لیں اور پھر سب کے سب کھڑے ہو کر ایک حلقے کی شکل میں ناچنے لگے۔ اُن کی ہو ہا، اُن کے پاؤں کی دھمک، اُن کی تالیوں کی گونجتی آواز سے براتی جاگ گئے۔ گھر کی عورتیں چھتوں پر آ بیٹھیں۔ قبائلی چیتھڑے پہنے ننگے پاؤں ناچ رہے تھے۔ وہ ایک پاؤں اُٹھا کے بازو ہوا میں لہراتے، دو تین چکر کاٹتے اور پھر فوراً ہی بڑی تیزی سے جھٹکے کے اُٹھا ہوا پاؤں نیچے آتا اور ساتھ ہی زور سے تالی بجتی۔ اور وہ اپنے منہ سے عجیب

جھرجھری اٹھتیں کی آواز نکالتے اور پھر پاؤں اٹھا کے چکر کاٹتے چلے جاتے۔ اُن کی کھنگھریاں کھُل کر کندھوں پر بکھرنے اور گلے میں لٹکنے لگیں۔ اُن کا رقص تیز ہوگیا۔ ڈھول والے ہاتھ مشین کی طرح چلتے گئے۔ گرد کے بادل آسمان کی طرف لپکتے چلے جاتے تھے۔ اور جب بہت دیر بعد ایک قبائلی انعام لے کے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیتا ہوا چلا گیا اور براتی پھر لیٹنے لگے اور عورتیں صحن میں اُترنے لگیں تو نواز اور زینی اُس وقت آدھا صحرا طے کر کے گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ ایک زمیندار کا گھوڑا اُنھیں اُڑا کے یہاں لے آیا تھا۔ اور اب وہ ایک انجانی اور نئی منزل کو جا رہے تھے۔ ایسی منزل جس میں مسرتوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔

راستے میں ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو نواز نے چادر لپیٹ لی تھی۔ چہرے سے چادر ہٹا کے اُس نے دُور دُور تک دیکھا تو قریب ہی اسٹیشن کی سرخ سبز اور پیلی روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ مسافر خانے کا تیز جلتا ہوا لیمپ یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا۔ پر ایک لمحے کے لئے جیسے نواز نے اپنے آپ سے پوچھا۔

"آخر اُس گبرو کا کیا ہوا جو زینی کا منگیتر تھا۔ اور جس نے دو ہزار روپے دیئے تھے!؟

دُوسری بات کا تو خیر اُسے علم تھا کہ وہ زینی کو لئے شہر آ نکلا تھا اور ایک برس بعد اُس نے زینی کے باپ کو خط لکھا تھا۔ زینی کے باپ نے اُسے نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ التجا کی تھی کہ وہ آ کے اُن سے مل جائے۔ اور وہ آج اُن سے مل کے جا رہا تھا۔ اور اُس نے دیکھا بھی تھا، زینی کا بوڑھا باپ اِس ملاپ پر کتنا خوش تھا۔ اور اُنھوں نے اُس سے وعدہ لیا تھا کہ اگلی مرتبہ وہ زینی کے ساتھ آئے گا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ گبرو کہاں مر گیا۔ حالانکہ اِس علاقہ کے ماں باپ، اُن کی بیٹی اُن کی عزت یوں مٹی میں ملا کے بھاگ جائے تو وہ اتنا دُکھ نہیں کرتے لیکن منگیتر تو جیسے مارے شرم کے خودکشی کر لیتا ہے۔ پھر نواز کو اچانک یاد آیا کہ زینی کے باپ نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ اُس نے اُسے دو ہزار لوٹانے کی کوشش کی تھی لیکن گبرو نے لینے سے انکار کر دیا۔ کجاوے میں پہلو بدلتے ہوئے نواز کے مُنہ سے

خود بخود نکل گیا۔ "پاگل کہیں کا!" ساربان نے اُس کی طرف اچٹتی نظروں سے دیکھا اور پھر سے مُنہ موڑ لیا۔ نواز کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گبرو وہ تنومند سا نوجوان تو مٹی کا بنا ہوا تھا۔ اور جو بہت ہی بے غیرت تھا۔ ورنہ تو دُنیا کا چپہ چپہ چھان مارتا۔ اور زینی اور نواز کو کبھی معاف نہ کرتا۔ نواز کو عجیب سی برتری کا احساس ہوا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے زینی کو لے کے اُس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے۔ اور جب وہ اپنی اِس خوشی پر قابو نہ پاسکا تو اُس نے فوراً اُچک کے ساربان کو آواز دی اور کہا۔

"تمھارے گبرو تو بڑے بے غیرت ہیں یار! اُن میں شرم تو ذرا بھی نہیں۔ لعنت ہے اُن پر!" ساربان نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسی

- شریف آدمی وہ ہوتا ہے جو اُس وقت بھی نرمی اور شائستگی کا مظاہرہ کرتا ہے جب اُسے کسی سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

(ولیم۔لیون۔فلپس)

- شریف انسان کی سب سے پہلی اور آخری نشانی یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کی بھی عزت کرتا ہے جن سے اُسے کسی فائدے کی اُمید نہیں ہوتی۔ (ولیم۔لیون۔فلپس)

- حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اُس وقت آتا ہے جب ساری دُنیا آپ کو چھوڑ چکی ہوتی ہے۔

(والٹیر ونچیل)

طرح چلتا رہا۔ نواز خوشی سے سرشار ہو کے جیسے سب کچھ بھول گیا۔ ساربان اسٹیشن کے جنگلے کے باہر کھجور کے ایک اونچے درخت کے پاس رُک گیا۔ چاند ڈوب ہی رہا تھا۔ پاس ہی پلیٹ فارم پر بتیاں جھلملا رہی تھیں۔ اور سامنے ذرا دُور سبز روشنی بتا رہی تھی کہ گاڑی آیا ہی چاہتی ہے۔ ساربان نے پچکار کے سانڈنی کو بٹھایا اور دوسری طرف سے بکس اُتار کے اُس طرف کھڑا ہو گیا جس طرف سے نواز کو اُترنا تھا۔ نواز بہت ہی سنبھل کے اُترا۔ ساربان اُسے دیکھتا رہا اور جب نواز اُتر کے اپنا بکس اُٹھانے لگا تو

ساربان نے لپک کے اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

نواز نے سر اُٹھا کے دیکھا۔

اُس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"شنو نواز! اسید پور کے گبرو بے غیرت نہیں ہیں۔ میں چوری سے آیا بھی اِسی لئے تھا۔ اور میں نے راستے میں تین بار قلم بغل میں سے نکال کے کوشش بھی کی۔ پھر یہی سوچ کے رہ گیا۔ کہ اگر میری جھونپڑی روشن نہیں ہو سکی تو تمہارا روشن گھر کیوں تاریک کروں!" اُس نے بھیگی پلکیں جھکا کے نواز کا گریبان چھوڑ دیا۔ "بے غیرت کوئی بھی نہیں ہوتا دوست! جاؤ، زینی پوچھے تو میرا سلام کہہ دینا۔"

اُسی لمحے ساربان کی پگڑی کا وہ پلو جو اُس کا چہرہ چھپائے ہوئے تھا، اچانک کھل گیا اور نواز نے پتھر کے بُت کی طرح بے جان آنکھوں سے مدھم روشنی میں اُسے دیکھا۔

وہ ساربان، زینی کا منگیتر تھا ——!! ●●

ایجنٹ صاحبان پرچہ کی کمی بیشی کی اطلاع ہر ماہ کی یکم تاریخ تک بھیج دیا کریں جو ہر حالت میں تین تاریخ تک ہمیں مل جانی چاہئے۔ اس کے بعد آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ پوسٹ آفس کے نئے قانون کے مطابق رسالہ کی پوسٹنگ کی مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد رسالہ بھیجنے پر بہت زیادہ محصول لگتا ہے۔ اِس لئے کسی ایجنٹ کو رسالہ دوبارہ بھیجنے سے ہم قطعی معذور رہتے ہیں۔

(مینیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

غزلیں

محسن زیدی ایرانی

جب زمانے کا ستم یاد آیا
تیرا اندازِ کرم یاد آیا

سخت کافر ہے یہ دل بھی کہ اسے
طوفِ کعبہ میں صنم یاد آیا

اُف وہ عالم کہ جہاں آپ تو کیا
دلِ برباد بھی کم یاد آیا

منحرف دیر و حرم سے ہے جبیں
پھر ترا نقشِ قدم یاد آیا

اشک اپنے نہ تھمے پھر محسن
جب کوئی دیدۂ نم یاد آیا

مظہر امام

یہ کس نے حالِ غم اپنا سنایا
پسینہ وقت کے ماتھے پہ آیا

نگاہیں تیری کیا کچھ پوچھتی تھیں
بڑی مشکل سے حالِ دل چھپایا

نظر آتا ہے اپنا بھی پرایا
اِسی کا نام دُنیا ہے؟ خدایا!

زمیں رک سی گئی محور پہ اپنے
اشاروں سے مجھے کس نے بلایا

اماؔم! اب خیر ہو میرے جنوں کی
سرِ محفل کسی نے پھر بلایا

رشید جعفری آنولوی

اسیرِ زُلف کو معلوم کیا انجام کیا ہوگا
نویدِ صبح کیا ہوگی پیامِ شام کیا ہوگا

خیالِ جام ہی سے ہوش اُڑے جاتے ہیں اے ساقی
خدا جانے بہ ہنگامِ طلبِ جام کیا ہوگا

حقائق کو فسانوں سے بدل دینا مبارک ہو
مگر جو اس کے اے مُنصِف ترا اقدام کیا ہوگا

خرد کو تو جنوں کہہ ہی دیا اہلِ سیاست نے
اب اِن کے ذہن دیکھیں جنوں کا نام کیا ہوگا

جنوں نے کر لیا طے عشق کی پُرخار منزل کو
فراست ہوچکی ہو گی انجام کیا ہوگا

افسانہ

مالکن

رتن سنگھ بی۔اے

صاف گوئی سے کام لینا زیادہ مناسب ہوگا۔ کمرہ تو مجھے پسند آیا ہی، مگر اس کی مالکن اس سے بھی زیادہ پسند آئی۔ خوبصورت، خوش اخلاق اور خوش مزاج!

"میرے محلے میں ایک کمرہ دو دن سے خالی ہے" میرے ایک دوکاندار نے بتایا "لیکن یار اگر مل جائے تو پو بارہ ہیں!"

اور وہ ہنس پڑا جس کا مطلب میں اس وقت نہ سمجھ سکا۔

"تو چلوں تمہارے ساتھ؟"

"چند روز تک جاؤ مالک مکان باہر گیا ہوا ہے!"

مجھے ڈر تھا کہ کہیں کمرہ اُٹھ نہ جائے۔ اس لئے شام کو سیدھا اس کے بتلائے ہوئے پتہ پر پہنچا۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ گھنٹی بجائی تو کچھ منٹ بعد سانولے سے رنگ کی ایک پتلی دُبلی عورت شلوار قمیص پہنے، دوپٹہ کندھے پر لٹکائے مجھ سے مخاطب تھی۔

"فرمایئے!"

"میں حاضر ہوا تھا... پتہ چلا ہے... ایک کمرہ..."

"جی ہاں! تشریف لایئے!"

اور وہ اس طرح مکان کے اندر لے گئی جیسے وہ مجھے ایک عرصہ سے جانتی تھی۔ یا کم از کم اُسے یقین تھا کہ میں کوئی چور یا اُچکا نہیں ہوں جو اس کے شوہر کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر اُسے دھوکا دینے آیا ہوں۔ چھوٹی سی گلی سے گزر کر سامنے صحن تھا۔ صحن سے لگتا ہوا ایک کمرہ تھا۔ جس کی کنڈی اُس نے کھولی۔ کنڈی کھولتے ہوئے اُس کا دوپٹہ ایک کندھے سے سرک گیا اور جب گھٹنوں تک لٹک رہا تھا۔ اُس نے بہت بے پروائی سے دوپٹہ کو ویسے ہی لٹکتے رہنے دیا۔ چوٹی نیچے سے کھلی تھی۔ اِس لئے بال سینے پر پھیل رہے تھے۔ اُس نے ایک انداز سے چوٹی گھما کر اُسے دیکھ کی طرف پھینکا اور پھر جُوڑا باندھتے ہوئے بولی۔

"یہ کمرہ ہے!"

میں ابھی تک اُسے دیکھے جا رہا تھا لیکن فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"جی، جی ہاں ٹھیک ہے۔ کمرہ کافی کھلا ہے۔ ہوادار ہے۔ اور کیا چاہیئے؟" میں یہ سب ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ "اور کرایہ؟"

"شروع ہی سے پندرہ رُوپے لیتے آئے ہیں۔ اب بھی وہی!"

لکھنؤ ایسے شہر میں ایک کمرے کے لئے پندرہ روپے کرایہ زیادہ نہیں ہے۔ میں نے فوراً ہاں کر دی۔ ویسے میں اُس کے حسن کے طلسم میں اِس قدر کھو کر رہ گیا تھا کہ اگر وہ تیس روپے مانگتی تو بھی شاید انکار نہ کرتا میں۔ نہ اسی وقت پندرہ رُوپے بٹوے سے نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیئے۔ اُس نے یہ بھی نہ پُوچھا، آپ کون ہیں؟ کیا کام کرتے ہیں؟ کس نے بھیجا ہے؟ اکیلے ہیں یا بیوی بچے بھی ہیں؟ فوراً پندرہ رُوپے لے کر جیب میں رکھ لئے۔

"تو آپ کب آ رہے ہیں؟"

اُس نے کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"بس کل ہی!"

شاید اُسے کچھ یاد آیا ہو۔ بولی۔ "آپ اکیلے ہیں یا..."

"جی... جی... نہیں اماں تو اکیلا رہتا ہوں۔ ویسے میری شادی...؟"

یکایک مجھے احساس ہونے لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ اکیلا سمجھ کر کمرہ دینے سے انکار کر دے۔ اس سے پہلے کئی دفعہ صرف اسی وجہ سے کمرہ ملتے ملتے رہ گیا تھا!

"کوئی بات نہیں۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے میں نے کہا "صبح میں سامان لے آؤں گا۔ زحمت نہ ہو تو کسی سے کمرہ صاف کرا دیجئے گا۔"

وہ ہنس دی۔

"عجیب تم کو اب یہیں رہنا ہے تو کیا میں اتنا کام بھی نہیں کر سکتی؟ اور آئیے غسل خانہ وغیرہ دکھا دوں۔"

صحن کے اس پار غسل خانہ تھا۔ جس کا دروازہ اس نے کھولا۔ اندر شاور لگا ہوا تھا۔ وہ چلا کر دکھانے لگی۔

"اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہے۔ ہاں آپ چائے تو پئیں گے ہی...؟"

"جی نہیں!"

"اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟" اور پھر وہ رسوئی کی طرف بڑھی۔ "آئیے وہیں بیٹھیں گے۔ رسوئی کافی کھلی ہے۔"

جلدی جلدی اس نے سٹوو جلایا۔ چائے تیار کی۔ اور وہیں چائے پیتے ہوئے اس نے میرے بارے میں ذاتی واقفیت حاصل کر لی۔ اپنے بارے میں بتایا کہ میں نے سلائی سکھانے کا ایک اسکول کھول رکھا ہے۔ دو سو کے قریب آمدنی ہو جاتی ہے۔ شوہر سوشل ورکر ہیں۔ زیادہ تر اپنے ہی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ آج یہاں تو کل وہاں۔

میں خوش خوش وہاں سے نکلا۔ ایک تو رہنے کا انتظام ہو گیا تھا۔ دوسرے رومان کا رنگین موقعہ۔ وہ بھی ایک بیباک اور بے تکلف عورت سے!

میں اسی نشے میں چور تھا کہ میرے وہی واقف کار مل گئے۔

"کیوں دوست! آ ہی گئے کیا؟ میں نے تو کہا تھا..."

[illegible] مل گیا ہے۔"

"جی! اب تو آ ہی گئی ہیں۔ [illegible]!"

یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھ ماری اور چل دیا۔

دوسرے ہی دن سے میں وہاں رہنے لگا۔

کچھ دن بعد میں اپنے سامان کو ترتیب دے رہا تھا کہ مالکن آ گئی۔

"آئیے پہلے چائے پی لیں پھر سامان کی ترتیب [illegible]"

"جی!"

"جی وہ کچھ نہیں۔"

اور وہ میرا بازو پکڑ کر رسوئی کی طرف چل دی۔ اس کے ہاتھ کے لمس سے میرے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اتنے میں ایک لڑکی دودھ کا گلاس لوٹانے کے لئے صحن میں داخل ہوئی۔

"یہ لڑکا بہت شرمیلا ہے۔" مالکن میرا بازو چھوڑتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔ "اتنے دن یہاں رہتے ہو گئے لیکن اب بھی..."

رسوئی میں سٹوو پہلے سے جل رہا تھا۔ اس نے کیتلی دھو کر چائے کا پانی کھولنے کے لئے رکھ دیا۔ اور خود کپ دھونے لگی۔

"یہاں اس محلے میں آپ کو کوئی دقت نہیں ہوگی۔ ہاں اچھی سوسائٹی نہ مل سکے گی!" اس نے بات چیت کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی موجودگی میں وہ کمی بھی دور ہو جائے گی۔"

"جی نہیں میں تو محلے کی بات کر رہی تھی۔ کوئی کسی کو اچھے کپڑے پہنے یا ہنستے کھیلتے دیکھ کر خوش نہیں ہوگا۔ منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بنا شروع کر دیتے ہیں احمق!"

اسی وقت مجھے اپنے اس واقف کار کا خیال آیا جس کی وساطت سے مکان ملا تھا۔ 'ہمارا بھی خیال رکھنا میرے یار!' اس نے کہا تھا۔

چائے پیتے ہوئے وہ کہنے لگی۔ "شاید تمہیں [illegible] گے۔" اس کا اشارہ اپنے شوہر کی طرف تھا۔ "انہیں کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ سارے [illegible]..."


آپ ہیں ایک بگڑے ہوئے نواب ...
"میرے شوہر نامدار ایک بگڑے ہوئے نواب سے کم نہیں" ڈی ۸/اے، بونیں ہاؤس، ماہم، بمبئی ۱۶ کی
مسز آر پھر کہتی ہیں "اور ایک زمانہ تھا کہ کپڑوں کی دھلائی پر انکا ماتھا میلا ہوتے دیر نہ تھی۔
لیکن جب سے اُن کے کپڑے میں نے سنلائٹ سے دھونے شروع کیے ہیں، یہ بھی خوش ہیں اور
میں بھی! سنلائٹ کا ڈھیروں جھاگ میل کے ساتھ ساتھ دھلائی کی محنت کو بھی بہا لے جاتا ہے۔
اور ہر کپڑا کیسا سفید دُھلتا ہے، کیسا اُجلا — کیسا شاندار صاف! مجھے تو
سنلائٹ کے سوا کچھ پسند نہیں!"
عورتیں جانتی ہیں کہ خالص، گاڑھے جھاگ والے سنلائٹ کی دھلائی میں ان کے کپڑوں کی بھلائی ہے۔ آپ بھی اُن سے متفق ہو جائیں گی۔
سنلائٹ
SUNLIGHT SOAP
آپ کے کپڑوں کی نفاست کی حفاظت کیلئے
UD

"جی ہاں سوشل ورکر ہونا کوئی آسان کام تھوڑا ہی ہے۔ تو تمدن کی خاک
ہ نوا دینا لا کچھ بھی نہیں" میں کچھ دیر کے لئے رُکا۔ پھر جیسے انجانے
ے میں میں نے اُس کی دُکھتی رگ کو چھو لیا۔ شوہر کی غیر حاضری میں آپ اُداس تو
بت رہتی ہوں گی۔ کوئی بچہ بھی نہیں ہے جو دل لگا رہے۔"
ہ ایک دم اُداس ہوگئی۔
"مالک کی مرضی ہے۔"
کچھ دیر کے لئے ہم دونوں میں سے کوئی نہ بولا۔ اُس نے جلدی جلدی
چائے ختم کی اور اُٹھی۔
"آؤ سامان ٹھیک کرلیں۔"
پلنگ کو ایک کونے میں بچھایا گیا۔ پھر ہٹا کر دوسرے کونے میں بچھایا گیا
اُس کا خیال تھا کہ کھڑکی کھلنے سے وہاں زیادہ ہوا آئے گی اور صحن میں اُگے پھول
پھول بھی دکھائی دیں گے۔ کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر ریک پر لگایا گیا۔ وہ کتابیں
سنوارتے سنوارتے ٹالسٹائی کی آنا کرینا دیکھ کر بولی۔
"مجھے یہ کتاب بہت پسند ہے۔ چار پانچ بار پڑھ چکی ہوں۔"
"جی ہاں، ماسٹر پیس ہے۔ آنا کا کردار بہت خوب صورتی سے اُبھارا
گیا ہے۔"
"ہاں! لیکن آنا کا کردار لاکھ گرا ہوا ہو۔ پڑھنے والے کو اُس سے نفرت
نہیں ہوتی۔ دیکھئے نا، بے چاری کتنی مظلوم ہے۔ شوہر مانا بہت بڑے عہدے
پر فائز ہے۔ سوسائٹی میں عزت ہے لیکن بہت سی ذاتی خوبیوں کے باوجود وہ
اچھا شوہر نہیں ہے۔ وہ وزیر ہے۔ اس لئے اُسے دنیا بھر کی تو فکر ہے،
لیکن اپنی بیوی کی فکر نہیں۔ اُسے نہیں معلوم کہ اُس کی بیوی کے سینے میں
ایک جوان دل دھڑکتا ہے۔ جو اُس سے محبت کی بھیک مانگتا ہے۔ وہی آنا
اگر شوہر سے مایوس ہو کر خوب صورت ایلاسکی کی طرف جھک جاتی ہے تو
اس میں اُس کا کیا قصور ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے گردن سے لپٹا ہوا
دوپٹہ کھولا۔ اور پلنگ پر رکھتے ہوئے بولی۔
"بہت گرمی ہے!"
میں اب اُس کے دوپٹے سے بے نیاز سینے کو اچھی طرح دیکھ

سکتا تھا۔ جسے ڈھانپنے کی اُس نے ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ وہیں آنکھیں
جمانے میں سوچ رہا تھا۔ اور کہنا چاہتا تھا۔ تم بھی تو مظلوم ہو تمھارا شوہر
بھی دس دس پندرہ پندرہ دن غائب رہتا ہے۔ تمھاری پروا کئے بغیر۔
لیکن میں کچھ نہ کہہ سکا۔

مجھے وہاں رہتے ہوئے چھ مہینے گزر گئے۔
اُس کا شوہر دو چار دن کے لئے آتا اور پھر اپنے کام کے سلسلے میں
باہر چلا جاتا۔ آج فلاں گاؤں میں کسانوں کا جلسہ ہو رہا ہے تو آج فلاں گاؤں
میں مزدوروں کو شعور دکھایا جا رہا ہے۔
ہر صبح جب میں سو کر اُٹھتا تو مالکن اپنے ڈھلکے ہوئے دوپٹے سے
بے خبر چائے کا کپ لئے میرے کمرے میں مسکرا رہی ہوتی۔ زیادہ تو ہم کر ہی
نہیں سکتے۔ ہاں صبح کی چائے آپ کو میرے ساتھ ہی پینا ہوگی۔" اُس نے کہا
تھا۔ "یہ یہاں رہنے کی شرط ہے!"
رات کو بھی وہ کبھی کبھی تاش لے کر آجاتی تو دس گیارہ بجے تک تاش
ہی کھیلا جا رہا ہے۔ اگر اُس کا شوہر کبھی یہاں ہوتا اور مجھے چھٹی ہوتی تو دن
پھر تینوں تاش کھیلتے رہتے یا پھر روزمرہ کے حالات پر بحث ہو جاتی۔
کبھی کوئی اچھی پکچر ہو تو وہ میرے ساتھ چلی جاتی۔ رات کا شو ہو
تو وہ سائیکل پر بیٹھنے میں بھی نہ ہچکچاتی۔
کہتی۔
"رات کو یہ اِکے تانگے والے بہت پیسے لیتے ہیں۔ پیسے ضائع
کرنے سے فائدہ؟"
بظاہر مجھے مالکن کی اِن مہربانیوں میں اُس کی نیت کی کوئی بُرائی نظر
نہیں آئی۔ لیکن میرا وہ واقف کار جس کی وساطت سے مکان ملا تھا ہماری
حرکات کو نوٹ کرتا رہتا تھا۔
جب ملتا، کہتا۔
"تم بڑے خوش نصیب ہو میرے یار!"
ایک دن رازدارانہ لہجہ میں بولا۔ "آج کل اچھی کٹ رہی ہے نا؟"

"وہ ایسی عورت نہیں ہے!"

میں نے کہا۔

"تم تو احمق ہو احمق! اتنی لغت سے رکھتی ہے اُس نے اور پھر بھی۔"

ایک رات کو جب اُس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا تھا وہ میرے کمرے میں کرتا دن تک تاش کھیلتی رہی۔ آخر اُس نے تاش کے پتے ایک طرف پھینک کر انگڑائی لی۔ بازو اپنی کمر پر گراتے ہوئے اُس نے میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"اب تو نیند آ رہی ہے!"

اُسی وقت مجھے خیال آیا کہ صبح کے لئے ٹوتھ پیسٹ نہیں ہے۔ میں نے اُس سے کہا۔

"صبح کے لئے ٹوتھ پیسٹ بالکل نہیں ہے۔ قریب کی دکان سے لے کر ابھی آتا!"

اور کپڑے بدل کر بازار کی طرف چل دیا۔

چلتے ہوئے میں نے دیکھا، وہ شیلف میں سے ایک کتاب نکال کر پڑھ رہی تھی۔

بازار گیا تو وہاں کچھ دوست مل گئے۔ میں نے لاکھ جان چھڑائی لیکن انھوں نے ملنے ہی نہ دیا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔

واپس آیا تو دیکھا، وہ سینے پر کتاب رکھے میرے پلنگ پر بے خبر سو رہی تھی۔

میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اور اپنے جنون میں اس وقت کمرے میں پھیلے ہوئے اندھیرے کی طرح اندھا ہو گیا تھا۔

لیکن یکایک ایک زلزلہ سا آیا۔

اور اُسی وقت وہ کود کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔

بتی روشن کر دی۔ میری طرف ایک گہری نظر سے دیکھا۔ اور پھر تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اُس رات میں سو نہ سکا! اور سوچ رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی اِس کمرے کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزری اور صبح کے آخری پہر میں رات بھر جاگنے کی وجہ سے آنکھ لگ گئی۔

مجھے سوتے میں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا ہو۔ چونک کر دیکھا تو مالکن تھی۔ ایک ہاتھ میں چائے کا پیالہ لئے۔ وہی مسکراہٹ، وہی انداز!

وہ کہہ رہی تھی۔

"اُٹھو اُٹھو! وہ بھی صبح کی گاڑی سے لوٹ آئے ہیں۔ کہہ رہے تھے دن بھر تاش کا پروگرام رہے گا!"

●●

غزلیں

بیتاب صدیقی

نیچی نظروں کا شرمگیں انداز
بھر گیا میرے دل میں سوز و گداز

تیرگی اور بڑھ گئی غم کی
کھُل گئی جب کبھی وہ زُلفِ دراز

آپ ہی کا مجھے بھروسا تھا
آپ ہی کر گئے نظر انداز

آپ کا نام لے کے ڈوب گئی
ڈوبتے دل کی ڈوبتی آواز

کتنے خوابیدہ فتنے جاگے ہیں
دیکھ کر اُن کو محوِ خوابِ ناز

آپ نظریں بھی پھیر سکتے ہیں
میں نے سوچا نہیں تھا بندہ نواز

فیضِ ثاقب سے مل گیا بیتاب
تجھ کو فکرِ سخن کا یہ انداز

روشن بٹالوی بی۔ اے

کوئی چھیڑ کے تو دیکھے دلِ مضطرب کسی کا
نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا کبھی غم کا رنگ پھیکا

ہوئے جب سے وہ کسی کے ہوں تبھی سے یہ پتیاں
نہ ہے زندگی مرنے کی، نہ مزا ہے زندگی کا

مری کم نصیبیوں سے مرا حال یہ ہوا ہے
کہ بدوشِ حسرتِ دل ہے جنازہ بے کسی کا

لئے رنگ و بُو کی دُنیا کوئی آگیا چمن میں
نظر آرہا ہے پھیکا مجھے رنگ ہر کلی کا

کوئی بات تو بتاؤ، کوئی دو جواب مجھ کو
کہ سلوک کیوں ہے مجھ سے مرے دوست بے رُخی کا

مجھے روکنا چلا میں، مجھے تھامنا گرا میں
تری آنکھ دے رہی ہے مجھے حکم مے کشی کا

ہوئے مجھ سے منحرف وہ اسی غم میں بجھ گیا ہوں
کہ عدو کے گھر میں روشن ہے چراغ آج کسی کا

عابد اسعدی

ایک گُل کے صِلے — کِتنے کانٹے مِلے
آج یُوں وہ مِلے — رہ گئے سب گِلے
جوش پر ہے جنوں — جب سے غنچے کِھلے
ٹوٹتے ہی نہیں — فِکر کے سِلسلے
ماندگی ہے مگر — کم نہیں حوصلے

بلند پایہ دل چسپ ناول اور دل گداز افسانے

طوفانِ بہار رُوس کے عدیم المثال ناول نگار تورگنیف کا رومانی شاہکار جسے حضرت محمود عالم ندوی نے اُردو کا لباس پہنایا۔ جس کا ترجمہ دُنیا کی بیالیس زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس کا شمار دُنیا کے دس عظیم رومانی ناولوں میں ہوتا ہے۔ جس کی دو کروڑ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ جسے دُنیا کے مشہور نقادوں نے لافانی رومان قرار دیا ہے۔ اور جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ بیسویں صدی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ناول پاکیزہ اور دلآویز رومان کی ایک دردانگیز داستان ہے۔ جاذبِ نظر کتابت وطباعت، عمدہ کاغذ، مجلد۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

زنجیر ایک گناہ گار لڑکی کی حسین وجمیل داستان۔ جس کے گناہ یہ تھے کہ وہ غریب تھی۔ وہ حسن وجمال کا مجسمہ تھی۔ وہ رقص کے ایک اسکول میں کام کرتی تھی وہ تنہا تھی اس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک شریف گھر کے لڑکے سے محبت کرتی تھی چنانچہ وہ ایک شریف وکیل صاحب کو گناہوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی نظر آئی اور وکیل صاحب نے اُسے اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔ عشق ومحبت کی ایک ایسی پہنچی رومان پرور داستان، جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے جسے زکی انور نے لکھا اور ادارۂ "بیسویں صدی" نے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

آج کی بات آپ کے محبوب افسانہ نگار جناب جگدیش بہل کے دلچسپ بلند پایہ، رومان پرور افسانوں کا حسین مجموعہ جس کے افسانے آج کے سماج، آج کے معاشرے اور آج کے ماحول کی رنگینیوں، مسرت کوشیوں اور الجھنوں کی ایک ایسی تصویر ہیں جس کے خدوخال کو حقیقت کی لکیروں سے ترتیب دیا ہے۔ آپ ان میں بکھرے ہوئے قہقہوں کو اپنے قہقہے، ان میں سسکتی ہوئی آہوں کو اپنی آہیں اور ان کے کرداروں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے آنسو سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پوسٹ مارٹم جناب عرش ملسیانی کے مزاحیہ افسانوں اور مزاحیہ مضامین کا حسین وجمیل مجموعہ۔ جس میں طنز ومزاح، مسکراہٹوں اور قہقہوں کی ایک دُنیا آباد ہے۔ قیمت دو روپے پچیس پیسے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی

مرحوم فکر تونسوی کی یاد میں

ایک ماتمی مضمون

فکر تونسوی

آخر کار ہندوستان کے بزعمِ خود طنز نگار جناب فکر تونسوی کو بھی مرگِ ناہنجار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان سے پہلے مرحوم کے والد صاحب انتقال فرما گئے تھے۔ اور والد صاحب سے پہلے ان کے دادا صاحب نے وفات پائی تھی۔ (سچ ہے دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے)

کئی برس پہلے مرحوم فکر تونسوی کو ایک پامسٹ نے بتا دیا تھا کہ جس دن تم لکھ پتی بن جاؤ گے اسی دن راہیِ ملکِ عدم ہو جاؤ گے۔ پامسٹ مذکور کی دوسری بات صحیح اور پہلی غلط نکلی۔ اس پامسٹ کے بارے میں مشہور تھا کہ اس کی وہی بات صحیح نکلتی ہے جو واقعی صحیح ہوتی ہے۔

مرحوم کا انتقال اس نقطۂ نگاہ سے زیادہ دردناک ہے کہ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ انھیں ابھی دنیا میں بہت سے کام کرنے تھے۔ مثلاً انھیں ایک صوفہ سیٹ خریدنا تھا جس کی تمنا وہ گزشتہ پندرہ برس سے لئے پھرتے تھے۔ ایک پبلشر سے تو تو میں میں کرنی تھی جو ابھی تک مرحوم کی شرافتِ طبع کے باعث ملتوی چلی آ رہی تھی۔ پھر انھیں کسی حسینہ سے محبت بھی کرنی تھی کیونکہ یہ کام گزشتہ چالیس برس سے التوا میں پڑا تھا۔

مرحوم اپنی وفات سے چند دن پہلے کہا کرتے تھے "اگر میری موت واقع ہوئی تو کسی اونچی جگہ سے گر کر ہوگی!" چنانچہ مرحوم ہر اونچی جگہ سے بچتے تھے اونچے پہاڑ، اونچی سواری، اونچے جانور، اونچے آدمی، اونچے مرتبہ۔ ہر ایک سے دور بھاگتے تھے۔ ایک مرتبہ کمیونسٹ پارٹی میں انھیں ایک اونچا عہدہ مل رہا تھا تو مرحوم نے اس ڈر سے کہ کہیں واقعی وہ لیڈر نہ بن جائیں کمیونسٹ پارٹی چھوڑ دی۔ موت سے پہلے چھت پر جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بس، ٹیکسی، حتیٰ کہ بائیسکل پر بھی سوار نہیں ہوتے تھے۔ عام طور پر پیدل چلتے تھے اور ویسے بھی انھیں پیدل چلنے کا کافی شوق تھا۔ کیونکہ انھوں نے عالمِ افلاس کے پورے پندرہ سال پیدل چل کر ہی کاٹ دئیے تھے۔ لیکن نوشتۂ تقدیر کو کیا کیجئے کہ باوجود احتیاطِ کامل کے بھی وہ اونچی جگہ سے گر کر جاں بحق ہوئے یعنی ایک دن پیدل ایک کتاب پڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ایک چھوٹے سے گڑھے میں پاؤں جا پڑا اور گر گئے۔ پھر اسی وقت اٹھے جب انھیں جلانے کے لئے اٹھایا گیا۔ چنانچہ احتیاط ان کے کسی کام نہ آئی۔ پوری زندگی احتیاط میں گزار دی۔ اتنے وہمی ہو گئے تھے کہ گول گپّے تک نہیں کھاتے تھے کہ کہیں کھانسی نہ ہو جائے اور اگر کھانسی ہو جاتی تو علاج نہ کراتے کہ کہیں ڈاکٹر غلط سلط دوا نہ دے دے۔

مرحوم اپنے پیچھے ایک بیوی، تین بچے اور چند دشمن چھوڑ گئے۔ جنازے میں ان کے تمام دشمن شریک ہوئے۔ اور انھوں نے مرحوم کی بیوہ کو یقین دلایا کہ اب وہ کس سے دشمنی کریں گے جب کہ وہ انتقال ہی فرما گئے۔ کئی آدمی تو مرحوم کے دشمن اس لئے بن گئے تھے کہ انھوں نے مرحوم سے قرضہ لے کر واپس نہیں کیا تھا۔

مرحوم اس سے پہلے بھی ایک بار فوت ہوئے تھے اور ڈیڑھ ماہ تک فوت رہے تھے۔ لیکن ڈیڑھ ماہ بعد انھوں نے خود ہی ایک اخبار کو چٹھی لکھ دی کہ وہ گنگاپور ضلع بریلی میں بدستور بقیدِ حیات ہیں۔ اور یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوئے ہیں کہ ان کی موت پر کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ اپنی موت کا اعلان کر کے دنیا کو ایک زبردست شاک دینا چاہتے تھے۔ لیکن سوائے ان کی بیوی اور چند قرضخواہوں کے کسی نے ایک آنسو تک نہ بہایا۔ اس لئے وہ اپنی موت کی تردید پہ مجبور ہو گئے۔ اس مرتبہ وہ واقعی انتقال کر گئے ہیں۔ ان کی موت

کی تصدیق بڑے بڑے اہل الرائے اور ثقہ حضرات نے کی ہے۔ اس مرتبہ کی موت پر آنسو [illegible] ماتم ضرور بہائے گئے ہیں۔ آہیں بھی بھری گئیں۔ جنازے کا جلوس بھی [illegible] جلوس کے بعد ایک ماتمی جلسہ بھی کیا گیا جس میں زیادہ تر چندے کی اپیل کی گئی۔ ایک حاتم دوراں نے برسرِ جلسہ اعلان کیا کہ انھیں مرحوم سے جو قرضہ روپیہ لینا تھا وہ اُسے مرحوم کی بیوہ کے امدادی فنڈ میں تصور کرتے ہیں۔ ایک پبلشر نے وعدہ کیا کہ ایک کتاب کی رائلٹی کے تنازعہ کے سلسلے میں اُن پر میں نے جو مقدمہ دائر کر رکھا تھا اُسے واپس لیتا ہوں۔ اِس اعلان پر تالیاں بجائی گئیں۔ اور پبلشر مذکور کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔

- بخیل خواہ دولت مند ہو مگر ذلیل ہو گا۔ سخی خواہ مفلس ہو لوگ اُس کی عزت کریں گے۔ (ارسطاطالیس)
- ہم اُس وقت عظمت کے قریب ہوتے ہیں جب ہم علم اور بُردباری کی بلند چوٹی پر ہوتے ہیں۔ (ٹیگور)
- سب لوگوں سے محبت کرو۔ بہت کم لوگوں پر بھروسا کرو لیکن کسی کی بُرائی مت کرو۔ (شیکسپیر)
- کسی کے محاسن کی تعریف و تحسین کرنے میں وقت ضائع نہ کرو بلکہ اُسکے اوصاف کو اپنانے کی کوشش کرو۔ (کارل مارکس)

مرحوم چند اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے اور چند اوصافِ حمیدہ کے مالک نہ تھے۔ مثلاً وہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا گوارا نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر خود اپنے بچے کے بھی تھپڑ مارتے تو بچے کے بجائے خود رونے لگتے تھے۔ شفقتِ پدری کی وجہ سے نہیں، بلکہ اِس احساس سے کہ کہیں بچہ بُرا نہ مان جائے۔ اِس خوف سے کہ کسی بات پر اختلافِ رائے نہ ہو جائے۔ محلہ کے کسی پڑوسی سے بولتے ہی نہیں تھے۔ کم تعلیم یافتہ لوگوں میں عزت کی نگاہ سے اور زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں میں حسد کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قرض خواہ نے کراتنی جلدی واپس کر دیتے کہ قرض خواہ کو شک پڑ جاتا کہ مذاق کر رہے ہیں

لیکن کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ قرض لے کر بھول جاتے [illegible] اپنے آپ کو ذلیل محسوس کرتے۔ ڈاکٹر اقبال سے خودی کا درس لے رکھا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس میں بہت خوشامدی ہو گئے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خوشامد کے بغیر خودی برقرار نہیں رہ سکتی۔ لیکن اصولی طور پر خوشامد کے سخت خلاف [illegible] گویا اس اعتبار سے صرف تخیل پرست ہی نہیں تھے بلکہ [illegible] بھی تھے۔

مرحوم کو اپنے خیالات ظاہر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ [illegible] لے ڈوبا یعنی اپنی روح کو پہلے عریاں کر بیٹھتے اور جب ترکش خالی [illegible] لوگ ہنستا پا کر انھیں ہلاک کر دیتے۔ بچا رے اپنی طاقت کو [illegible] تھے۔ بلکہ معصوم بچوں کی طرح کھُل کھیلتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ [illegible] آدمیوں سے بھی مار کھا جاتے اور پھر آنسو بہاتے کہ دنیا کتنی [illegible] ذوق ہے۔ بدتمیز ہے۔ آہ! دُنیا کے متعلق اُن کا تجزیہ کتنا غلط [illegible]

مرحوم کی زندگی کا آغاز بے وقوفیوں سے ہوا۔ مثلاً ماں اُنھیں [illegible] کے سُوکھے باسی ٹکڑے پانی میں بھگو بھگو کر کھلاتی تو مرحوم ہنس [illegible] کھا لیا کرتے۔ اُستاد اُن کی تعلیمی قابلیت کی داد دیتے تو اس داد کو [illegible] سے نہ کرتے۔ اُن کے ہمجولی انھیں مجنوں کہہ کر چڑایا کرتے تو یہ اُلٹا [illegible] حملہ نہ کرتے بلکہ گھر آ کر اُن کے خلاف صرف نظم لکھ دیتے۔ بعد میں اُن [illegible] کو آرٹ کا درجہ دے دیا گیا لیکن اُس وقت تک وہ نظم لکھنا ترک کر [illegible] طنز نگار بن چکے تھے اور کہا کرتے تھے میری نظمیں بہت گھٹیا [illegible] اِنہی مسلسل بے وقوفیوں میں اُن کی روح و جسم کی نشوونما ہوئی۔ [illegible] فطرتاً ذہین نہ ہوتے تو یہ بے وقوفیاں انھیں تباہ و برباد کر چکی ہوتیں۔ دراصل انھیں اُن کی فطری ذہانت نے بچا لیا۔ مگر فطری ذہانت کی وجہ سے انھوں نے یونیورسٹی کی تعلیم پر بھی یہ کہہ کر لات مار دی کہ والدین کی مالی حالت افسوسناک ہے۔ چنانچہ تعلیم چھوڑ کر ایک رنگریز کے ہاں پگڑیاں [illegible] رنگنے کا کام کرنے لگے۔ بعد میں جب وہ مشہور ادیب بن گئے تو اُس رنگریز نے انھیں خط لکھا کہ اب تم مغرور و متکبر ہو گئے ہو۔ [illegible] جب [illegible] رنگا کرتے تھے تو کتنے شریف دکھائی دیتے تھے۔ مرحوم نے رنگریز کی [illegible]

بعد کئی پیشے اپنائے۔ رنگ سازی، کمپوزیٹری، کلرکی، اسکول ماسٹری، پنساری کی دکانداری، چپراسی گری۔ اور جب کہیں کامیاب نہ ہو سکے تو والدین نے تنگ آ کر ان کی شادی کر دی۔ اگر شادی نہ ہو جاتی تو سنیاس دھارن کرنے کا پختہ عزم کر چکے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قدرت کو ان سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔ اس لئے ان کا بیاہ کر دیا۔ ان کی رفیقۂ حیات نے آتے ہی ان کی نیک شرافت اور نجابت پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ یہ ان کی رفیقۂ حیات ہی کی دین ہے کہ وہ آخری عمر میں بڑے ڈپلومیٹ ہو گئے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ان کے اندر مناسب مقدار میں کمینگی بھی پیدا ہو گئی تھی جس سے انھیں کئی فائدے حاصل ہوئے۔ وہ بہ کمال حسرت کہا کرتے تھے کہ اگر بچپن ہی سے کمینگی کو اپنا لیا ہوتا تو آج کسی اسٹیٹ کا چیف منسٹر ہوتا۔ مرحوم اچھے خاصے انسانیت پرست تھے۔ ہر وقت انھیں انسانیت کی بربادی کا خطرہ لاحق رہتا۔ جب تک جئے بہبودیٔ آدم کے لئے جئے۔ کچھ پوری طرح تو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرح کی بہبودیٔ آدم چاہتے تھے لیکن ان کے کارنامے دیکھ کر شک ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کو بہت زیادہ بلند کرنا چاہتے تھے۔ مثلاً وہ چاہتے تھے کہ ایک بھی انسان جھوٹ نہ بولے۔ انھیں بہت سمجھایا گیا کہ یہ ناممکن ہے مگر وہ مصر رہے کہ یہ ممکن ہے۔ مرنے سے ایک ہفتہ پہلے بمشکل تمام اس حد تک راضی ہوئے کہ دنیا میں پچیس فی صدی سے زیادہ سچ بولنا ممکن نہیں۔ بہرکیف انھوں نے عمر بھر بنی نوع انسان کی خاطر کام کیا۔ خدمتِ خلق کے لئے نظموں کی ایک کتاب قلم بند کی۔ مگر اس میں بہبودیٔ آدم کچھ زیادہ گہری ہو گئی تھی۔ اس لئے کسی کی ناقص سمجھ میں نہ آ سکی۔ ادیبوں کی کئی انجمنیں قائم کیں جو لڑ بھڑ کر ختم ہو گئیں۔ دو ہفتہ وار اخبار اور چار ماہانہ رسالے جاری کئے جو بنی نوعِ انسان کی بے توجہی کے باعث یکے بعد دیگرے بند ہو گئے۔ ایک بار ایک ماہانہ رسالے کے نئے خریدار بنانے نکلے تو تند و تیز لو کے باعث سڑک پر گر کر بیہوش ہو گئے۔ لیکن قربانی کا جذبہ اتنا بے غرضانہ تھا کہ کسی سے یہ نہیں کہا کہ وہ بہبودیٔ آدم کے لئے بے ہوش ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ بہبودیٔ آدم کے سلسلے میں گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن بعد میں میڈیکل گراؤنڈ پر رہا کر دیئے گئے۔ عام طور پر انڈر گراؤنڈ انارکسٹوں اور باغیوں کو اپنے گھر پناہ دیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور وہ خود بھی انڈر گراؤنڈ ہو گئے۔ انھیں چند دنوں بعد معلوم ہوا کہ ان کے وارنٹ سیاسی وجوہ کی بنا پر نہیں نکالے گئے تھے بلکہ قرضے کی وصولی کے سلسلے میں نکالے گئے تھے۔ آخر بیوی نے زیور بیچ کر سارا قرضہ چکا دیا۔ اس سلسلے میں اپنی بیوی کو بنی نوعِ انسان کی حقیقی خادمہ کہا کرتے تھے۔ تیسری مرتبہ جب گرفتار ہوئے تو ایک ٹیکسی والے سے ناجائز کرایہ وصول کرنے کے سلسلے میں دنگا کرنے کی بنا پر۔ ہر ناجائز امر کے خلاف سینہ

◆ جب میں اپنے سب دوستوں کی ہمدردی سے محروم ہو گیا تو میری کتابیں ہی میری مونس و غمخوار تھیں: (جارج ایلیٹ)

◆ کتابوں کا مطالعہ دماغ کو روشن کرتا ہے: (ابراہم لنکن)

◆ کتابیں جوانی میں رہنما، بڑھاپے میں تفریح اور تنہائی میں رفیق اور مونس و غمگسار ہیں: (سر جان لبک)

◆ کتاب دماغ کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا ضروری ہوتی ہے: (کارلائل)

◆ انسان کا بہترین دوست اچھی کتاب ہے: (ایک عربی شاعر)

تان کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سینہ میں گھونسا لگا۔ ایک دانت ٹوٹ گیا۔ ایک ناخن اتر گیا۔ اور پاؤں میں موچ آ گئی اور ایک بار پھر میڈیکل گراؤنڈ پر رہا کر دیئے گئے۔ انھوں نے بہبودیٔ آدم کے سلسلے میں آدھ درجن طنزیہ کتابیں لکھیں اور سب کی سب مقبولِ خاص و عام ہوئیں۔ پبلشر ان سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جاسوسی ناول آپ کی کتابوں سے زیادہ مقبول ہیں۔ چنانچہ پبلشروں کی مانگ پر ایک جاسوسی ناول بھی لکھ ڈالا۔ مگر وہ نہیں بکا۔ افسوس ہے کہ ان کی طنزیہ کتابوں کا صرف ایک ہی ایڈیشن شائع ہوا۔ طنزیہ کتابوں کے علاوہ انھوں نے ایک کتاب اور لکھی تھی جس

میں ایک بہت بڑے سیاسی رہنما کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ مگر کتاب شائع ہوتے ہی لیڈر صاحب کا سیاسی زوال شروع ہو گیا۔ اور کتاب نہ بک سکی۔ یہ لیڈر کبھی ہندو دی قوم کے سلسلہ میں ہی لیڈری کر رہا تھا۔

اعلیٰ پایہ کی کتابوں کے علاوہ اُنھوں نے ایک گھٹیا اور نہایت سستی قسم کا بازاری ناول بھی لکھا تھا۔ جو گرما گرم پکوڑوں کی طرح فروخت ہو گیا۔ صرف اسی کتاب کی رائلٹی سے اُن کی بیوی نے طلائی زیور بنوائے۔ اِن زیوروں کو دیکھ دیکھ کر مرحوم کُڑھا کرتے تھے اور بیوی سے کہا کرتے تھے "تم نے یہ زیور نہیں پہن رکھے بلکہ بنی نوعِ انسان کی ہڈیاں پہن رکھی ہیں" افسوس کہ اُنھوں نے مزید گھٹیا ناول لکھنے سے توبہ کر لی۔ ورنہ بنی نوع انسان کی تمام ہڈیاں اُن کے گھر سونے کی ڈلیاں بن کر پہنچ جاتیں۔

اور آج —— جب کہ مرحوم اِس دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں اُن کے تمام کارہائے نمایاں کی دوبارہ قدر و منزلت ضروری ہے۔ اُن کی بُرائیاں اُن کے ساتھ چلی گئی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اُن کی بُرائیوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا البتہ اُن کی خوبیاں ہمارے درمیان رہ گئی ہیں۔ اور اب یہ دُنیا کا فرض ہے کہ اُن کی خوبیوں پر دوبارہ غور کرے۔ اپنی غلطیاں تسلیم کرے اور انسانیت سیکھے۔ اور جس عظیم آدرش کو مرحوم ادھورا چھوڑ گئے ہیں اُسے پُورا کرے یہی ایک طریقہ ہے جس سے مرحوم کی رُوح کو تسکین مِل سکتی ہے ورنہ خطرہ ہے کہ اُن کی رُوح دوبارہ اِس دُنیا میں لوٹ آئے گی اور ہم سب کو پھر بور کرے گی۔ ●●

افسانہ

کیسی روشنی کیسا اندھیرا

عظیم واسطی

۲۳۵ بزاز محلہ صدر بازار لاہور چھاؤنی

۲۵ر اپریل ۱۹۹۱ء

... ... کے متعلق مجھے پاکستان اور ہندوستان سے قدر دانوں سے بے شمار خطوط ملے ہیں جن کا میں نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ ایک دلی تھا "کو شائع ہونے میں دن ہی گزرے ہیں اس کے تعلق بھی مجھے بہت خطوط مل چکے ہیں۔ جن میں لوگوں نے پوچھا ہے کہ کیا یہ سچا ... ان خطوط سے بیسویں صدی کی مقبولیت اور پڑھنے والوں کے منفرد ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ کو خطوط بہت تھے پھر بھی میں نے وقت نکال کر سب کو جواب دے دیا ... "کیسی روشنی کیسا اندھیرا" بھیج رہا ہوں۔ ہر کہانی ... بنا رنگ ... جو کہانی جس کو پسند آتی ہے وہی دوسرے کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ دُنیا میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ بستے ہیں لیکن اس کہانی کے متعلق میں یہ اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہر شخص کو پسند آئے گی۔ اس کہانی کے متعلق بھی پڑھنے والوں کی آرا کا خوشی سے خیر مقدم کروں گا ... آپ کا — عظیم واسطی

دولت مند امریکن سیاح وائی ایم سی اے ہوسٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اپنے قیام کے مختصر سے عرصہ میں اُس نے لاہور کے سب قابلِ دید مقامات دیکھ لیے تھے ——

شالامار دیکھ کر اُس نے کہا۔

"کسی عظیم آرٹسٹ کے ذہن ہی میں باغ کا ایسا حسین نقشہ آسکتا ہے۔ وہ کتنا بڑا فنکار ہوگا جس نے اس جنت نظیر باغ کو زمین پر اُتار دیا۔"

جہانگیر کا اور پھر نور جہاں کا مقبرہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ اور دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

راوی کی سادگی دیکھ کر اُسے اپنے دریاؤں کا خیال آیا۔ وہ گنگناتے ہوئے لہراتے پانی کو دیکھنے لگا۔

مال کی رونق میں ... کا رچاؤ بہت بھلا لگا۔ شیزان سے باہر رات کو کول کلیوں کے گجرے خرید کر وہ بہت دیر تک انھیں سونگھتا رہا۔ اور ... جیسی خوشبو اُس کی رُوح کی گہرائیوں تک سچ گئی تو پھر وہ ... کوشش کر کے ان حسین تتلیوں میں جو شام کو مال پر چہل قدمی کرتی ہیں ... دیکھنے لگا تھا۔ یہ حسین تتلیاں ان کول کلیوں سے کتنی ملتی تھیں۔ رنگ رُوپ میں، حُسن و خوب صورتی میں۔ جاذبیت اور خوشبو میں ——!

اُس نے گجرے کو آہستہ سے چھوا۔

ایک نرم سا گداز لمس اُس کے ہاتھ نے محسوس کیا اور پھر وہ گجرے کو بے اختیار سونگھنے لگا۔

جناح باغ دیکھ کر وہ اُداس ہوگیا۔ انگریزوں کی گزشتہ حکومت کا ایک مبہم سا خاکہ اُس کے ذہن کی سطح پر اُبھرا اور یہ خاکہ پھیلتا پھیلتا اُس کے

گئ وہ پہلے ہی سرایت کر گیا۔ وہ اور اُداس ہو گیا۔ اُس کا دل، ایک خوش مزاج امریکی کا دل، اپنے بھائیوں کی غفلت پر رونے لگا۔ اور وہ اُداس ہوتا گیا۔ اور پھر یہ اُداسی اُسے کھینچ کر برٹ انطی چیوٹ میں لے گئی۔ جہاں اُس نے ذہن کی اس تلخی کو دبانے کے لئے شراب کے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اُتارے۔ شراب اُس کے سینے کو چیرتی ہوئی اُس کے دل کی خشک وادی میں اُتر گئی۔ اور وہاں سبزہ لہلہانے لگا۔ رنگ برنگ کے پھول کھلنے لگے۔ اور اُن پھولوں کی خوشبو اُڑ کر اُس کے دماغ تک پہنچ گئی۔ اُس کا دماغ لطیف خوشبو سے بوجھل ہو اُٹھا۔ وقتی طور پر وہ سب کچھ بھول گیا۔ اور نیم وا آنکھیں لئے اُس نے گلاس کو میز کی چکنی سطح پر زور سے رکھ دیا۔ بار میں قائدِ اعظم کی تصویر تھی۔ بار میں دو ایک سیزیاں بھی تھیں۔ اُس نے پہلے سیزیوں کو اور پھر قائدِ اعظم کی تصویر کو دیکھا۔ قائدِ اعظم کی تصویر کو بار میں آویزاں دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔ اُسے پھر کچھ یاد سا آنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اب وہ اس طرح کے کسی تاثر کو لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے وہ پھر سیزیوں کو دیکھنے لگا۔

سیزیوں سے نظریں پھسلیں تو اُس نے بار میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کو دیکھا۔ ایک کونے میں ایک ادھیڑ عمر اینگلو انڈین اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ڈرائی جن پی رہا تھا۔ پاس ہی تین دیسی بے فکرے میز پر مکے مار مار کر باتیں کر رہے تھے۔ ایک طرف ایک نوجوان بیٹھا بے تحاشا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ دوسری طرف ایک جوان جوڑا بیٹھا میز پر سر جھکائے راز و نیاز کی گفتگو میں مصروف تھا۔ اور پاس ہی دو میزیں خالی پڑی تھیں۔ اُس نے ایک بار پھر سگریٹ پھونکنے والے نوجوان کو دیکھا۔ کشادہ پیشانی اور ذہین آنکھوں والے نوجوان کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

امریکن سیاح خاموشی سے اُٹھا۔

نوجوان نے دروازے کو دیکھ کر اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔

وہ میز کے نزدیک آ گیا۔

نوجوان بڑبڑایا۔

"وہ آج بھی نہیں آئی!"

دولت مند امریکن سیاح نے [illegible]

نوجوان نے اُس کے سراپا کا جائزہ لیا اور مسکرایا۔ امریکن سیاح نے پوچھا۔

"آپ کیا پئیں گے؟"

"اوہ۔ نو تھینکس!"

"پھر بھی؟" امریکن سیاح نے اصرار کیا۔ [illegible]

نوجوان نے بے چینی سے گھڑی دیکھی اور پھر بے التفاتی سے نگاہیں گاڑ دیں۔

سیاح نے پوچھا۔

"آپ کسی کے منتظر معلوم ہوتے ہیں؟"

"جی ہاں!" نوجوان بولا۔ "اُس نے وعدہ کیا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں آئی۔"

"اوہ! چھوڑو یار، کتنی ہی بار ایسا ہوا ہے؟ روز ایسے جھوٹے وعدے کرتی رہتی ہیں!"

"لیکن اُس نے آج تک کبھی ایسا نہیں کیا۔"

"ابھی کو آج کوئی اور مل گیا ہوگا۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ میری منگیتر ہے۔"

"اور اسی لئے تم اُس پر اعتماد کرتے ہو۔ سنو! ابھی تمہاری منگیتر بعد میں ہے۔ پہلے وہ ایک عورت ہے۔ اور عورت اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ اب نہیں آئے گی۔ تم آج کی رات، صرف آج کی رات اُس کا خیال دل سے نکال دو۔ اور میرا ساتھ دو۔ میں ایک امریکن سیاح ہوں۔ میں نے چار دن میں لاہور کو خوب دیکھا ہے۔ لاہور مجھے حسن، خوشبو اور روشنی کا شہر نظر آتا ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کوئی ایک شہر صرف روشنیوں کا شہر نہیں ہو سکتا۔ اُس کے تاریک گوشے بھی ہوتے ہیں اور اُس تاریکی میں رینگتے اور سسکتے ہوئے ہزاروں لاکھوں انسان ہوتے ہیں۔ تم آج مجھے وہ گوشے دکھا دو۔ وہ سسکتے ہوئے انسان دکھا دو۔ تم آج کی رات میرے گائیڈ بن جاؤ۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ بھی دے سکتا ہوں۔" امریکن سیاح نے بھرا ہوا بٹوہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔



گوری
یعنی لازوال حسن

نوجوان [illegible] کہا۔

"ادھر [illegible] کوئی [illegible] نہیں ہیں تھیں ویسے ہی شہر۔

[illegible]

نوجوان [illegible] لیکن امریکن سیاح نے اُسے [illegible] دیا۔

[illegible] اُنھوں نے ٹیکسی لی اور ٹیکسی کشادہ سڑکوں اور بلند و بالا عالیشان جگمگاتی عمارتوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور پھر [illegible] کی جلتی شمع پر [illegible] ابھر آئے۔ ہزاروں گڑھے نمودار [illegible] اور ٹیکسی اُن پر اچھلنے لگی۔

کشادہ سڑکیں تنگ سڑکوں میں تبدیل ہوگئیں۔ اور ڈرائیور نے [illegible] کر دی۔

سڑکیں گلیاں سی معلوم ہونے لگیں اور اُن کے چاروں طرف [illegible] سے مکانوں کی دیواریں تن گئیں۔

[illegible] چپ چاپ بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اُس نے [illegible] میں کیچڑ دیکھا۔ اور کیچڑ کے کنارے بھونکتے ہوئے [illegible] کتوں کو دیکھا۔ مدقوق چہروں والے فاقہ زدہ [illegible] کے عالم میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ [illegible] پاس آکر اُنھوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اور پیدل اُن اندھیرے [illegible] اندھیرے میں جہاں اونچے اونچے مکان اپنی دیواروں [illegible] ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو ہولے ہولے بچانے کے [illegible] کے عین بیچوں بیچ نالیاں بہہ رہی تھیں۔ [illegible] کو دریا کی طرح پھلانگ رہا تھا۔ اور امریکن سیاح [illegible] اُن میلے گھروندوں کو دیکھتا ہوا بچ بچ کر قدم اُٹھا [illegible] میں کہیں کہیں کوئی بجلی کا بلب اپنی پیلی روشنی بکھیر رہا تھا جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُن گلیوں کو دیکھ رہا [illegible] آسمان کو دیکھنے لگا۔ نوجوان اُس کے ارادے

"اِن محلّوں کا کوئی آسمان نہیں ہے!"

امریکن سیاح کو ایسا معلوم ہوا جیسے نوجوان نے کہا ہو۔

"اِن محلّوں کا کوئی خدا نہیں ہے!"

سامنے تیسری منزل پر ایک کھڑکی کھلی اور کسی نے زناٹے دار آواز کے ساتھ گلی میں منہ بھر کر تھوک دیا۔ اور پھر کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی۔ امریکن سیاح نے جیسے کھڑکی اور زمین کا فاصلہ ناپا۔ برابر کی ایک کھڑکی سے [illegible] جھانکنے کی [illegible] لیکن فوراً ہی یہ نغمہ کھانسی کی کھوں کھوں میں ڈوب گیا۔

امریکن سیاح دم سادھے نوجوان کے پیچھے چلتا رہا۔ اور نوجوان بتاتا رہا۔ کتنے سو سالوں سے یہ مکان، یہ محلے اور یہ گلیاں آباد ہیں۔ اور یہاں کتنی مخلوق کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتی ہوئی علی الصبح دفتروں اور کارخانوں میں چلی جاتی ہے۔ اور شام ہوتے ہی [illegible] گھس کر [illegible] بند کر لیتی ہے۔

[illegible] اپنے محور پر گھومتی رہتی ہے [illegible] گونج [illegible] علاقوں میں آکر کہیں سو جاتی ہے۔

نوجوان [illegible] انگلستان کی [illegible] کبھی [illegible] بھی [illegible] مکان [illegible] لیکن امریکن سیاح [illegible] خیالوں میں غرق [illegible] ہوا اُس کے ساتھ چلتا [illegible] اُس کا ذہن تکلیف میں مبتلا [illegible] ذہن [illegible] ہو گیا تھا۔ [illegible]









نوجوان نے مڑ کر ادھر اُدھر دیکھا۔

"اور اگر ہو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمھیں ویسے ہی شہر دکھا دیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ!"

نوجوان نے چاہا کہ وہ بل ادا کر دے۔ لیکن امریکن سیاح نے اُسے روک دیا۔

باہر نکل کر انھوں نے ٹیکسی لی اور ٹیکسی کشادہ سڑکوں اور بلند و بالا عظیم الشان جگمگاتی عمارتوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور پھر سڑک کی چکنی سطح پر ہزاروں پھوڑے اُبھر آئے۔ ہزاروں گڑھے نمودار ہو گئے اور ٹیکسی اُن پر اُچھلنے لگی۔

کشادہ سڑکیں تنگ سڑکوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور ڈرائیور نے رفتار کم کر دی۔

سڑکیں گلیاں سی معلوم ہونے لگیں اور اُن کے چاروں طرف اُونچے اونچے اندھیرے مکانوں کی دیواریں تن گئیں۔

امریکن سیاح چپ چاپ بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اُس نے متعفن گلیاں دیکھیں۔ گلیوں میں کیچڑ دیکھا۔ اور کیچڑ کے کنارے بھونکتے ہوئے مریل اور خارش زدہ کتوں کو دیکھا۔ مدقوق چہروں والے فاقہ زدہ لوگ افرا تفری کے عالم میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔

ایک آبادی کے پاس آ کر انھوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اور پیدل اُس اندھیرے میں گھس گئے۔ اُس اندھیرے میں جہاں اُونچے اُونچے مکان اپنی دیواروں کے ہاتھوں سے، جیسے کسی ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو ہوا سے بچانے کے لئے جھکے ہوئے تھے۔ گلی کے عین بیچوں بیچ نالیاں بہہ رہی تھیں۔ جنھیں نوجوان کسی مشاق کوہ پیما کی طرح پھلانگ رہا تھا۔ اور امریکن سیاح حیرت و استعجاب سے اُن میلے گھروندوں کو دیکھتا ہوا ناک بچا کر قدم اُٹھا رہا تھا۔ اندھیری گلیوں میں کہیں کہیں کوئی بجلی کا بلب اپنی پیلی روشنی بکھیرتا ہوا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُن گلیوں کو دیکھ رہا ہو۔ امریکن سیاح رک کر آسمان کو دیکھنے لگا۔ نوجوان اُس کے ارادے کو بھانپ گیا اور بولا۔

"اِن محلّوں کا کوئی آسمان نہیں ہے۔"

امریکن سیاح کو ایسا معلوم ہوا جیسے نوجوان نے کہا ہو۔

"اِن محلّوں کا کوئی خدا نہیں ہے!"

سامنے تیسری منزل پر ایک کھڑکی کھلی اور کسی نے زنّاٹے دار آواز کے ساتھ گلی میں بلغم تھوک دیا۔ اور پھر کھڑاک سے کھڑکی بند کر دی۔ امریکن سیاح نے جیسے کھڑکی اور زمین کا فاصلہ ناپا۔ برابر کی ایک کھڑکی سے چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آئی لیکن فوراً ہی یہ نغمہ کھانسی کی کھوں کھوں میں ڈوب گیا۔

امریکن سیاح دم سادھے نوجوان کے پیچھے چلتا رہا۔ اور نوجوان بتاتا رہا۔ کتنے سو سالوں سے یہ مکان، یہ محلے اور یہ گلیاں آباد ہیں۔ اور یہاں کتنی مخلوق کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتی ہوئی علی الصبح دفتروں اور کارخانوں میں چلی جاتی ہے۔ اور شام ہوتے ہی اِن کھڈیوں میں گھس کر دروازے بند کر لیتی ہے۔

یہ اُونچے اُونچے اندھیرے مکان اُداس مرغی کی طرح ان سب چوزوں کو اپنے پروں میں سمیٹ لیتے ہیں۔ اور زمین اسی طرح اپنے محور پر گھومتی رہتی ہے۔ کئی سو سالوں سے اِن محلّوں میں بچوں کی ریں ریں گونج رہی ہے اور یہی ریں ریں دل سوز چیخوں اور سہاگ لٹنے کے واویلوں میں تبدیل ہو کر جنازوں کی صورت میں کھلے اور ہوادار علاقوں میں آرام کی نیند سو جاتی ہے۔

نوجوان کہہ رہا تھا۔ انگلستان کی منحوس آگ کی طرح اگر کبھی یہ علاقہ بھی جل جاتا تو عین ممکن تھا یہاں بھی کھلے اور جدید طرز کے مکان بن جاتے لیکن امریکن سیاح نہ جانے کن خیالوں میں غرق مشینی طور پر قدم اُٹھاتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اُس کے ذہن کی نرم سطح پر چاندی کے کھنکتے ہوئے سکے ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور اُن سکوں کی یورش سے اُس کا ذہن تکلیف میں مبتلا تھا۔ اِن سکوں کے وزن سے اُس کا ذہن بوجھل ہو گیا تھا۔ روپیہ، روپے کا مصرف اور خلق خدا۔۔۔ اگر وہ۔۔۔ اگر وہ صرف۔۔۔



گوری
گوری
یعنی لازوال حسن
ہر جگہ ملتی ہے

نوجوان نے ادھر ... ادھر دیکھا۔

"اور ... ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں ویسے ہی شہر دکھا دوں گا ... میرے ساتھ آؤ!"

نوجوان نے چاہا کہ وہ بل ادا کر دے۔ لیکن امریکن سیاح نے اُسے روک دیا۔

باہر نکل کر انھوں نے ٹیکسی لی اور ٹیکسی کشادہ سڑکوں اور بلند و بالا عظیم الشان جگمگاتی عمارتوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور پھر سڑک کی چکنی سطح پر ہزاروں پھوڑے اُبھر آئے۔ ہزاروں گڑھے نمودار ہو گئے اور ٹیکسی اُن پر اُچھلنے لگی۔

کشادہ سڑکیں تنگ سڑکوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور ڈرائیور نے رفتار کم کر دی۔

سڑکیں گلیاں سی معلوم ہونے لگیں اور اُن کے چاروں طرف اُونچے اونچے اندھیرے مکانوں کی دیواریں تن گئیں۔

امریکن سیاح چپ چاپ بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اُس نے متعفن گلیاں دیکھیں۔ گلیوں میں کیچڑ دیکھا۔ اور کیچڑ کے کنارے بھونکتے ہوئے مریل اور خارش زدہ کتوں کو دیکھا۔ مدقوق چہروں والے فاقہ زدہ لوگ افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک آبادی کے پاس آکر انھوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اور پیدل اُس اندھیرے میں گھس گئے۔ اُس اندھیرے میں جہاں اُونچے اونچے مکان اپنی دیواروں کے ہاتھوں سے، جیسے کسی ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو ہوا سے بچانے کے لئے جھکے ہوئے تھے۔ گلی کے عین بیچوں بیچ نالیاں بہہ رہی تھیں۔ ... نوجوان کسی مشاق کوہ پیما کی طرح پھلانگ رہا تھا۔ اور امریکن سیاح ... حیرت و استعجاب سے اُن میلے گھروندوں کو دیکھتا ہوا بچ بچ کر قدم اُٹھا رہا تھا۔ اندھیری گلیوں میں کہیں کہیں کوئی بجلی کا بلب اپنی پیلی روشنی پھینکتا ہوا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُن گلیوں کو دیکھ رہا ... امریکن سیاح رُک کر آسمان کو دیکھنے لگا۔ نوجوان اُس کے ارادے کو بھانپ گیا اور بولا۔

"اِن محلّوں کا کوئی آسمان نہیں ہے"

امریکن سیاح کو ایسا معلوم ہوا جیسے نوجوان نے کہا ہو۔

"اِن محلّوں کا کوئی خدا نہیں ہے!"

سامنے تیسری منزل پر ایک کھڑکی کھلی اور کسی نے زناٹے دار آواز کے ساتھ گلی میں بلغم تھوک دیا۔ اور پھر کھڑاک سے کھڑکی بند کر دی۔ امریکن سیاح نے جیسے کھڑکی اور زمین کا فاصلہ ناپا۔ برابر کی ایک کھڑکی سے چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز آئی لیکن فوراً ہی یہ نغمہ کھانسی کی گھوں گھوں میں ڈوب گیا۔

امریکن سیاح دم سادھے نوجوان کے پیچھے چلتا رہا۔ اور نوجوان بتاتا رہا۔ کتنے سو سالوں سے یہ مکان، یہ محلے اور یہ گلیاں آباد ہیں۔ اور یہاں کتنی مخلوق کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتی ہوئی علی الصبح دفتروں اور کارخانوں میں چلی جاتی ہے۔ اور شام ہوتے ہی اِن ڈربوں میں گھس کر دروازے بند کر لیتی ہے۔

یہ اُونچے اونچے اندھیرے مکان اُداس مرغی کی طرح ان سب چوزوں کو اپنے پروں میں سمیٹ لیتے ہیں۔ اور زمین اسی طرح اپنے محور پر گھومتی رہتی ہے۔ کئی سو سالوں سے اِن محلّوں میں بچوں کی ریں ریں گونج رہی ہے اور یہی ریں ریں دل سوز چیخوں اور سہاگ لٹنے کے واویلوں میں تبدیل ہو کر جنازوں کی صورت میں کھلے اور ہوادار علاقوں میں آرام کی نیند سو جاتی ہے۔

نوجوان کہہ رہا تھا۔ انگلستان کی منحوس آگ کی طرح اگر کبھی یہ علاقہ بھی جل جاتا تو عین ممکن تھا یہاں بھی کھلے اور جدید طرز کے مکان بن جاتے لیکن امریکن سیاح نہ جانے کن خیالوں میں غرق مشینی طور پر قدم اُٹھاتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اُس کے ذہن کی نرم سطح پر چاندی کے کھنکتے ہوئے سکے ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور اُن سکوں کی بوچھاڑ سے اُس کا ذہن تکلیف میں مبتلا تھا۔ اِن سکوں کے وزن سے اُس کا ذہن بوجھل ہو گیا تھا۔ روپیہ ... روپے کا مصرف اور خلق خدا ... اگر وہ ... اگر وہ صرف ...

[illegible]!

ایک دم [illegible] اُس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ ایک لڑکے کو [illegible] تھے۔ ایک لڑکا اپنے میلے پیروں ہی جوتوں اُس سے کہہ رہا تھا۔

"بابوجی! — بوٹ پالش — شیشے کی طرح چمکا دوں گا۔"

امریکن سیاح نے اُسے دیکھا۔

اُسے سر سے پیر تک دیکھا اور محسوس کیا جیسے اُس نے چاولوں کے ڈھیر میں سے ایک مٹھی اُٹھالی ہو۔ اُس کے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور آنکھوں میں نمی سی آگئی۔ اُس نے لڑکے کے کندھے کو تھپتھپایا اور جیب میں سے روپیہ نکال کر لڑکے کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکا روپیہ لینے سے ہچکچایا اور حیرت سے اُس صاحب کو دیکھنے لگا۔

صاحب بولا۔

"لے بھی لو!"

لڑکے نے گردن ہلا کر نفی میں جواب دے دیا اور کچھ کہا۔

نوجوان نے امریکن سیاح کو بتایا کہ وہ کہہ رہا ہے یہ اُس کی ماں کا سبق ہے کہ محنت سے کما کر لاؤ۔ سڑک پر پڑا ہوا روپیہ نہ اُٹھاؤ وہ تمھارا نہیں ہے۔

امریکن سیاح نے حیرت سے لڑکے کو سر سے پیر تک دیکھا۔ لڑکا اُسے عظیم انسان نظر آیا۔ اور بالآخر اُس نے عظمت کے آگے اپنے بوٹ بڑھا دیے اور جب لڑکے نے اُنھیں شیشے کی طرح چمکا دیا تو امریکن سیاح روپیہ دے کر آگے بڑھ گیا۔ اور لڑکا جیب میں ریزگاری تلاش کرتا رہ گیا۔

امریکن سیاح اِس ماحول سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اُس کی طبیعت شگفتہ ہو گئی۔ یہ وہ دُنیا تو نہیں ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ جہاں وہ گھومتا پھرتا ہے اور جو دُنیا وہ دیکھتا ہے۔ یہ تو بالکل اُس کے برعکس ہے۔ وہاں دولت، جھوٹ، مکر اور فریب ہے۔ یہاں غربت، حسن، سادگی اور سچائی ہے۔ وہاں بناوٹ ہے۔ یہاں بے ساختہ پن ہے۔ وہاں ریاکاری ہے۔ یہاں خلوص ہے۔ وہاں پیسوں کی جھنکار ہے یہاں آہوں کا تسلسل ہے۔ گو وہاں روشنی ہے اور یہاں اندھیرا ہے۔ لیکن وہاں روشنی میں بھی کچھ نظر نہیں آتا اور یہاں اندھیرے میں سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ وہ

[illegible]

امریکن سیاح [illegible] تھا اگر [illegible] نوٹ نے۔ [illegible] پاگل ہو گیا ہے۔ ایک دولت مند کے سینے میں [illegible] ایک اندھے کی بینائی لوٹ آئی ہے۔ ایک [illegible] ہے۔ آؤ میں تمھیں دکھاؤں۔ یہ [illegible] نوٹ تو میرے سامنے پڑے ہیں —

اُس کی محویت اُس وقت ٹوٹی جب اُس کے کانوں میں ایک [illegible] کے رونے کی آواز پہنچی۔ [illegible] اپنی پوری طاقت سے چیخ رہا تھا جیسے وہ اِس سوتی ہوئی آبادی اور اُونگھتے ہوئے ماحول کو جگا رہا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ ایک کپ کافی پی لیں۔"

امریکن سیاح نے نوجوان سے کہا۔

"کافی؟ — کافی تو امیر لوگوں کے [illegible] یہاں کافی [illegible]"

"یہاں کافی نہیں ملے گی تو کیا کریں!"

"یہاں کافی، کوکو، ڈرنکنگ چاکلیٹ، جیلی، کسٹرڈ، سینڈوچ کچھ نہیں ملے گا۔ یہاں صرف کھانا ہے جسے تم [illegible] کہتے ہو اور سیخ کباب اور چائے ملے گی۔"

"چائے ہوگی تو پھر آؤ چائے ہی پی لیں۔"

امریکن سیاح اور نوجوان اندر چلے گئے۔ اندر لمبی میزیں اور لمبے بنچ تھے۔ وہ کھڑکی کے نزدیک ایک چھوٹی میز کے گرد چھوٹے بنچ پر بیٹھ گئے۔

کچھ عرصے سے عام بیرونی سیاح ان علاقوں اور محلوں میں آتے تھے اس لیے کسی نے اُن کی طرف توجہ نہیں دی۔ اندر بہت شور تھا۔ باتیں ہو رہی تھیں اور پیسے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور ایک آدمی دوسرے آدمی کی بات سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اُن سب آوازوں میں ایک آواز متواتر گا رہی تھی۔ [illegible] کسی طرح گا رہا تھا۔

...کے ... بہت لذیذ معلوم ہوئے۔ لیکن معمار ایک ... آنکھوں کے ... دیکھ رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ پکنیک منانے والے کباب ہیں۔ کیونکہ وہ کوئی ... کی چیز کباب میں سے نکال کر نوجوان کو دکھا رہا تھا۔

گرم گرم چائے جب اُن کے سینوں میں اُتر گئی تو اُنھیں کچھ آرام ملا۔ اور تمنّا نے اوورکوٹ کو اپنے گرد لپیٹ لیا۔ باہر ٹھٹھرا دینے والی شمالی ہوا چلنے لگی تھی۔ جس کے اِکّا دُکّا سرد جھونکے ہوٹل کی گرم فضا پر بھی یلغار کر رہے تھے۔

سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے امریکن سیّاح کی نظر باہر فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے ایک کمبل فروش پر چلی گئی۔ کمبل فروش پرانے کمبلوں کا ڈھیر لگائے کمبل بیچ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر عجیب بے بسی اور بے چارگی کھیل رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں قبروں کا سکوت لرز رہا تھا۔ ایک گرم واسکٹ اور ایک پاجامے میں کھڑا ہوا یہ بیسویں صدی کا انسان ہاتھ پھیلا پھیلا کر لوگوں کو اپنے کمبلوں کی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے کی زردی۔ اُس کے بازوؤں کی رگیں اُس کے فاقہ مست ہونے کا اعلان کر رہی تھیں۔ یکا یک اُس کے حلق کی آواز دب گئی۔ اُس کے دل کی پکار بیٹھ گئی۔ اُس کا انسانی شعور فاقہ کے بھنور میں ڈوب گیا تھا۔

امریکن سیّاح دلچسپی سے اُس بیسویں صدی کے انسان کو دیکھ رہا تھا۔ جو زندگی کی چند سانسوں کے لئے بھرے بازار میں کھڑا جدوجہد کر رہا تھا۔ جو بھاگتے دوڑتے لوگوں کو اپنے کمبلوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخ رہا تھا۔ "لوگو! آؤ، یہ کمبل تمھیں گرمی پہنچائیں گے۔ تمھارے سرد جسموں کو، تمھارے سرد دلوں کو اپنی آغوش میں لے کر گرمی پہنچائیں گے۔ اور آرام کی نیند سُلا دیں گے۔ اس منحوس سردی کی یلغار سے تمھیں محفوظ رکھیں گے۔ آؤ ایک کمبل لے جاؤ۔ یہ کمبل تمھارے ہیں۔ میں بھی تمھارا ہوں۔ میری بھوک کی آگ کو بجھاؤ۔ مجھے روٹی دو۔ میں قصور وار نہیں کہ میں بیسویں صدی میں پیدا ہوا۔ آؤ، آؤ کر یہ کمبل خرید لو۔ اور نہیں تو مجھے مار دو۔ مجھے قتل کر دو! بھوک کا دیو بڑا بھیانک ہے۔ لوگو! تم دیکھتے کیوں نہیں تم سمجھتے کیوں نہیں؟"

امریکن سیّاح اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نوجوان بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

باہر وہ کمبلوں والے کے پاس آ کر رُک گئے۔ کمبل والے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"بابوجی! کمبل دیکھئے۔ بالکل بے داغ اور شاندار ہے۔ کہیں سے پھٹا ہوا نہیں ہے اور پھر سستا بھی ہے۔"

"کتنے کا ہے؟"

نوجوان نے پوچھا۔

"پانچ روپے باسٹھ پیسے کا! چلئے آپ ساڑھے پانچ دے دیجئے۔"

امریکن سیّاح نے نوجوان سے کہا۔

"اِس سے پوچھو کہ یہ کتنے روپے روز کما لیتا ہے؟"

نوجوان کی زبان سے یہ سوال سُن کر کمبل والا مایوس ہو گیا۔ تو اُس کا کمبل نہیں بکے گا۔ یہ صاحب لوگ یونہی پوچھتے ہیں اور پھر فوٹو اُتار کر چلتے بنتے ہیں۔

"بابوجی چھوڑئیے، آپ کو فوٹو اُتارنا ہے تو اُتار لیجئے۔ اِن باتوں میں کیا دھرا ہے؟"

"نہیں بھئی، تمھارا حرج ہی کیا ہے بتا دو۔ صاحب کمبل ضرور خریدے گا۔" نوجوان بولا۔

"دو چار کمبل روز بیچ لیتا ہوں۔ بارہ چودہ آنے بچ جاتے ہیں۔"

"تو پھر گھر کیسے چلاتے ہو؟"

"گھر؟" کمبل والے کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "گھر کس کا ہے بابوجی؟ یہ کمبل ہی میرا گھر ہیں!"

اُسی وقت سیّاح سے ایک فقیر نے سوال کیا جو ایک پھٹی ہوئی قمیص میں سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ امریکن سیّاح نے ایک کمبل خرید کر اُس فقیر کو دے دیا۔

کمبل والا مطمئن ہو گیا۔ ایک کمبل تو بک گیا۔ اب رات کو پیٹ کا جہنم

پھر کسے معلوم تھا کہ اتنی جلدی کے بعد وہ نیکی بھی نہیں آئی!

نوجوان سوچ رہا تھا۔

امریکن سیاح کتنا رحم دل ہے۔ یہ کتنا بڑا انسان ہے جس کا دل ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔

اور امریکن سیاح خوش تھا۔ اُس نے ایک پنتھ دو کاج والی بات کی تھی۔ فقیر کو کمبل مل گیا۔ اور غریب کا کمبل بک گیا۔ دونوں کو فائدہ۔ دونوں کو نفع اور مجھے سکونِ قلب جیسی دولت میسر آئی۔ وہ یہ نیک کام کر کے بہت خوش تھا۔

امریکن سیاح کے دل میں کمبل والے کے لئے بہت ہمدردی تھی۔ بہت درد تھا۔ وہ اُس کا اپنا غریب عکس تھا۔

بزنس شروع کرنے سے پہلے نیویارک میں کبھی وہ بھی ایک سیلز مین تھا۔ اور کمبل فروخت کرتا تھا۔

ہمارے ملک کا یہ دستور ہے کہ اگر ایک فقیر کو کچھ زیادہ دے دو تو وہ دوسرے فقیروں کو بتا دیتا ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں فقیروں کا جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ امریکن سیاح ایک ایک کمبل اُٹھا کر انھیں دیتا رہا۔ اور نوجوان گنتا رہا۔ ایک ایک کر کے سب کمبل ختم ہو گئے۔ نوجوان نے حساب لگایا اور امریکن سیاح نے بل ادا کر دیا۔

آج امریکن سیاح کا دل سچی خوشی سے ہمکنار ہوا تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ مسرور تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار اُس نے ایسا نیک کام کیا تھا جس سے کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا۔

اور اگلے دن وہ سیر و سیاحت کے لئے روانہ ہو گیا۔ ایک مہینہ گھومنے پھرنے کے بعد وہ پھر لاہور پہنچا۔ اُس نے شیزان کے باہر کھڑے ہو کر گول گپوں کے گجرے خریدے۔ اور جب اُن کی بھینی بھینی خوشبو اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں رچ گئی تو وہ اپنی سیلز مین کے زمانے کو دیکھنے کے لئے پھر اُسی علاقے میں جا پہنچا۔

وہاں آج کمبل والا نہیں تھا۔

امریکن سیاح نے اُس کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

وہ کہیں نہ تھا۔

اُس نے ایک دکاندار سے پوچھا۔

"یہاں جو شخص کمبل بیچتا تھا وہ کہاں گیا؟"

"وہ کمبل والا!" دکاندار نے امریکن سیاح کو ایک نظر دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"وہ تو مر گیا!"

"مر گیا! —— کیسے؟؟"

سیاح نے بوکھلا کر پوچھا۔

"عجیب کی بات ہے۔ رات کو ایک صاحب آیا تھا جس نے اُس سے سارے کمبل خرید لئے تھے۔ اور وہ غریب اُسی رات سردی سے ٹھٹھر کر مر گیا!"

غزلیں

سفیر احمد صوفی بی۔اے

شب تھی معراجِ محبت
جس شب اُن سے بات ہوئی

نرم تکلم، نرم تبسم
ہلکی سی برسات ہوئی

درد نے لی انگڑائی دل میں
شاید آدھی رات ہوئی

صوفی اب تو توبہ توڑو
ایسی کب برسات ہوئی

ش۔ا۔ قمر

جب سے وہ یاد آنے لگے ہیں
زخمِ دل مسکرانے لگے ہیں

چوٹ پر چوٹ کھانے لگے ہیں
عشق کا فیض پانے لگے ہیں

عشق کی کامیابی ہے شاید
وہ تو آنسو بہانے لگے ہیں

سامنے دیکھ کر اپنی منزل
کیوں قدم ڈگمگانے لگے ہیں

آفتاب احمد خاں اثر متھوری

ترے جلوے نے روشن کر دیئے ہیں
ضیا ورنہ چراغوں میں کہاں ہے

کہیں بجلی سے جلتا ہے نشیمن
کہیں بجلی چراغِ آشیاں ہے

نشیمن کیا بناؤں گلستاں میں
ابھی ہر سو گلستاں میں دھواں ہے

اثر یہ پوچھئے اُن کی نظر سے
مجھے کیا ہوش میرا دل کہاں ہے

ملک کے مایۂ ناز ادیبوں کے لکھے ہوئے مشہور ناول

جنہیں ادارۂ بیسویں صدی نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے

○ جب انسان مکمل طور پر چاند، مریخ اور دوسرے سیاروں تک پہنچ کر پھیل جائے گا۔
○ جب مرد صرف عورت کے مکان میں بیٹھ کر اولاد کی پرورش کریں گے۔
○ جب نظامِ زندگی حسن و شباب اور مستی و رعنائی کے زیرِ نگیں ہو جائے گا۔
○ جب عورت مرد کے پنجۂ اقتدار سے آزاد ہو کر معاشرے پر چھا جائے گی۔

مستقبل میں ایک انوکھا تجربہ۔ حیرت انگیز واقعات پر مشتمل ایک دل فریب ناول

فرید موہنی (ناول)

حقیقت اور طنز سے بھرپور عورتوں کے اُس دیش کی کہانی جہاں مرد کا تصور بھی ایک جرم تھا۔

سہانے مستقبل کی فضاؤں میں لکھی ہوئی عجیب و غریب داستان جو اوّل سے آخر تک دلچسپیوں اور [illegible] سے لبریز ہے۔ جناب کوثر چاند پوری کا لکھا ہوا بے حد شوخ دلچسپ ناول جو قاری کو مستقبل کی فضا میں پرواز کراتا ہے۔ اور مستقبل کی زندگی کا رنگ دکھاتا ہے۔ انتہائی دلکش اور شگفتہ اندازِ نگارش۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، بہترین کاغذ، دیدہ زیب سرورق۔ قیمت فی جلد محض تین روپے۔

نئے فرہاد

جناب پروفیسر شکیل الرحمٰن ایم اے کا اچھوتا شاہکار ناول

ایک بڑی شوگر فیکٹری کے منیجر کی ہوسناکیوں اور حسن پرستیوں کی بھیانک تصویر۔ جس نے بہارِ حسن و شباب کو خوش آمدید کہتی ہوئی نازک اور معصوم کلیوں کو سنہری اور روپہلی سکوں کی جھنکار کے بل پر رقص و نغمہ اور شراب کے طوفان میں غرق کر کے گناہ پر مجبور کر دیا۔ ایک حسین و جمیل دوشیزہ کی المناک داستان۔ محنت و زر کی کشاکش کے اسٹیج پر لکھی ہوئی ایک انتہائی دل چسپ کہانی جو آپ کے دل و دماغ پر چھا جائے گی۔ شکیل الرحمٰن کے اسٹائل میں ایک انفرادیت ہے [illegible] حسن ہے، رومانیت ہے، جوش اور شگفتگی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ایک تیز اور [illegible] دریا بہہ رہا ہے اور اُس کا بہاؤ ہمیں اپنے ساتھ بہا لیے جانے کا [illegible] بہترین کتابت، طباعت [illegible] سرورق۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے

فرانس کے عظیم ترین ناول نگار ا[illegible] کا شہرۂ آفاق ناول

راہیں شباب کی

○ جس کا ترجمہ دنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔
○ جس کی دس کروڑ جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔
○ جسے عشق و محبت کی بے نظیر داستان تسلیم کیا جاتا ہے۔
○ جسے اردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ بیسویں صدی نے شائع کیا ہے۔
○ جس کی اشاعت پر پیرس کے رنگین ماحول میں ایک زلزلہ آ گیا۔
○ جسے نوخیز لڑکیاں ہی نہیں بوڑھے بھی حاصل کر کے [illegible] کرتے [illegible]

عشق و محبت کا جادو بھرا فسانہ جس کے سامنے [illegible] کے قصے بھی پھیکے ہیں۔ اس ناول کی ہیروئن [illegible] سے بھی زیادہ حسین اور [illegible] مترجم جناب محمود جالندھری۔ دلفریب کتابت و طباعت، بہت عمدہ [illegible] قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

یادوں کے کھنڈر

جناب شاکر [illegible] کا ایک بے حد دلچسپ نیا رومانی ناول

جس میں اُن معصوم محبتوں [illegible] کی حسین داستانیں بیان کی گئی ہیں جنہوں نے اپنے [illegible] محبت کے حسین [illegible] محل تعمیر کیے لیکن حقیقی زندگی میں صرف یادوں کے [illegible] نصیب ہوئے۔ یادوں کے کھنڈر کے ویرانے [illegible] سسکتی [illegible] آج کے معاشرے کے وہ گھناؤنے نقوش [illegible] محبت کی [illegible] زندگی کے قاتل ایک ایک سطر [illegible] نے دل کی دھڑکنوں کا [illegible] قیمت فی جلد صرف دو روپے

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی - دہلی

دو پرچھائیاں

گوربچن سنگھ

۲۹۔ این روڈ۔ جمشید پور

۱۹ اپریل [illegible]

محترم خوشتر صاحب! آداب

"بیسویں صدی" مجھے باقاعدہ مل رہا ہے۔ اس سے آپ کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔ میں بہت ہی مصروف آدمی ہوں۔ افسانوں کی مانگ زیادہ رہتی ہے اور بہت کم لکھ پاتا ہوں۔ غلطی سے بہت جگہ پاؤں پھیلا رکھے ہیں۔ سب کو خوش رکھنا پڑتا ہے۔ آج تک "بیسویں صدی" میں میرا ایک ہی افسانہ شائع ہوا ہے اور وہ تھا "ہاتھ، کنگن اور آرسی"۔ اس افسانے کے سلسلے میں مجھے بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ کچھ لوگوں نے اپنے شکوک بیان کئے تھے اور کچھ دوستوں نے اپنی پریشانیاں۔ پڑھنے والوں نے مجھے "بیسویں صدی" میں مزید افسانے بھیجنے کی ترغیب دی تھی۔ میرے دماغ میں "ہاتھ، کنگن اور آرسی" کے دوسرے پہلو کو لے کر ایک افسانہ لکھنے کا خیال آیا جو بہت دل کش ہے۔ لیجیے "دو پرچھائیاں" حاضر ہے۔ اس کے متعلق مجھے قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا . . . آپ کا ——— گوربچن سنگھ

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ سسکیاں پھر اُبھریں گی۔ گھاٹ کے پتھر رو دیں گے اور سونی فضا میں لمحہ بھر کو ایسا محسوس ہوگا جیسے گنگا کا بہتا ہوا پانی رک سا گیا ہے۔ جانے کیوں سامنے ٹمٹماتی ہوئی روشنیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ روشنیاں بجلی کی ہیں۔ سامنے گھاٹ کی ہیں۔ پانی پر تیرتے ہوئے [illegible] کی ہیں۔ لیکن گنگا کا پانی ساکن نہیں ہے۔ مسلسل بہہ رہا ہے۔ گھاٹ سونا پڑ چکا ہے۔ سب چلے گئے ہیں۔ میں ہی اکیلا بیٹھا ہوا ہوں۔ بابا پورن ناتھ کے مندر کا سایہ بھی گھاٹ پر ڈولتا دکھائی نہیں دیتا۔ ناقوس خاموش ہو چکے ہیں۔ اگربتیوں کی خوشبو بکھر چکی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انجلی ابھی ابھی یہاں سے گئی ہے۔ اُس کی دبی گھٹی سی سسکیاں اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ گھاٹ کے اُس کونے میں ایک سایہ اُبھرے گا، پھر دوسرا۔ ان میں سے ایک واقعی انجلی ہوگی اور دوسرا اُس کا مریض خاوند۔ اور وہ دونوں ویران نظروں سے بہتے ہوئے پانی کو دیکھ رہے ہوں گے۔

ڈیڑھ دو برس پہلے بھی جب میں اکثر ہلکی سی چہل قدمی کے بعد آرام کرنے کی غرض سے اس گھاٹ پر آکر بیٹھتا تھا تو انجلی مجھے سیمنٹ کے اُس چبوترے پر اس مریض کے ساتھ بیٹھی بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی ہوئی دکھائی دیتی۔ اُس کے چہرے پر چھائی ہوئی اُداسی کی اوٹ سے ایک عجیب سا بھولاپن اور خوبصورتی جھانک رہی ہوتی۔ اور اُس کی بڑی بڑی سی آنکھوں میں پھیلی ہوئی ویرانی سارے ماحول میں اُداسیاں بھر دیتی تھی۔ اُس کا شوہر جس کے چہرے پر بے بسی کے آثار اور آنکھوں میں سونا پن چھایا رہتا، ٹکٹکی لگائے ندی کی طرف دیکھتا رہتا۔ کبھی کبھی کھلی ہوا کے جھونکوں سے اس کا جسم کانپنے سا لگتا اور کھانسی کے جھٹکوں سے اُس کا جسم دوہرا

[illegible] تھا ... سوا انھیں وہاں اور کبھی اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا میں نے کبھی جو تھی اُن کی خاموشی۔ میں نے انھیں بہت کم آپس میں باتیں کرتے دیکھا تھا۔ بہت کم ہنستے اور مسکراتے دیکھا تھا۔ اُن کی کھوئی کھوئی نظریں جیسے گنگا کے بہتے ہوئے پانی میں کچھ ڈھونڈتی رہتی ہیں اور جب شام کا دھندلکا گنگا کے بہتے ہوئے پانی پر اداسی کی دھند چھا جاتی تو وہ اُٹھ کر چل دیتے۔ چلتے چلتے انجلی ایک نظر میری طرف دیکھتی۔ کچھ دیر بعد میں بھی اُٹھ کر وہاں سے چل دیتا۔

گھاٹ پر تنہا بیٹھنے سے دماغ میں تازگی پیدا ہونے کی بجائے طرح طرح کے خیالات اُلجھنے لگتے ہیں۔ تنہائی میں غور و فکر انسان کو فلسفی بنا دیتا ہے لیکن مجھے کچھ جذباتی۔ اور یہ جذباتیت اکثر میری سانسوں میں گھٹن پیدا کر دیتی ہے۔

وہ شام مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اُس دن گنگا کا پانی کنارے تک اونچا اُٹھ آیا تھا۔ اِس لئے تیراک اور خاص کر سیر و تفریح کرنے والے بہت کم لوگ گھاٹ پر آئے تھے۔ اِکّے دُکّے بوڑھوں، انجلی اور اُس کے مریض شوہر کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ ہوا میں کچھ خنکی تھی۔

اچانک اُس کے مریض شوہر کو کھانسی اُٹھی اور وہ کھانستا ہی چلا گیا۔ اُس کا دم اُکھڑنے لگا۔ اُسے متلی سی آنے لگی۔ انجلی اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئی اور پریشان نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر مریض کو سنبھالا۔ پیٹھ سہلائی۔ تب کہیں جا کر اُس کی متلی اور کھانسی رُکی۔ اُس نے کھنکھار کر ایک طرف تھوکا اُس میں خون تھا۔ وہ بہت اُداس دکھائی دیتا تھا۔

میں نے انجلی سے کہا۔

"آج ایسی حالت میں اِنھیں یہاں نہیں لانا چاہئے تھا۔"

وہ اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"اب میں اِنھیں واپس کیسے لے چلوں؟"

مریض وہیں فرش پر لیٹ گیا۔ اُس کی سانسیں تیز چل رہی تھیں۔ اُسی وقت ایک رکشا والا اُس طرف سے جا رہا تھا۔ میں نے رکشا والے کو کھڑا کر کے [illegible] سے دور ... ہو گیا۔ اُس ... آنکھیں ... میری طرف اُٹھ گئی تھیں اور وہ اُداس ... میری آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔

دوسرے دن بھی انھیں گھاٹ پر نہیں دیکھا۔

تیسرے دن بھی نہیں!

ہفتہ بیت گیا!!

گھاٹ پر بیٹھنے والے ایک آدمی نے مجھے بتایا۔

"وہ مریض مر گیا!"

یہ غمناک خبر سن کر مجھے افسوس ہوا۔

مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد اچانک ایک دن میں نے شام کے وقت پھر انجلی کو گھاٹ پر دیکھا۔ اُس دن اُس کے ساتھ آٹھ نو برس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ وہ اپنی پرانی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اور ٹکٹکی باندھے بہتے ہوئے پانی کو دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد جب اندھیرا جھک چلا تو وہ چھوٹا لڑکا میرے قریب آ کر بولا۔

"دیدی آپ کو بلاتی ہیں!"

میں اُٹھ کر اُس کے پاس گیا۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ کہنے لگی۔

"آپ نے اُس دن میری مدد کی تھی۔ میں اُس کے لئے بہت احسان مند ہوں!"

"نہیں ایسی بات نہیں۔ وہ تو میرا فرض تھا۔ اُن کی موت کی خبر سن کر مجھے دکھ ہوا۔" میں نے افسوس ظاہر کیا۔

وہ بولی۔

"ایسا تو ہونا ہی تھا۔ اُن کی بیماری ہی ایسی تھی۔"

میں نے سوال کیا۔

"یہ روگ اُنھیں کب سے تھا؟"

"ٹھیک نہیں ہو سکتی؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔ "تین برس پہلے جب میری
ممی سے شادی ہوئی تھی تب ہی انھیں کینسر کی شکایت تھی۔ اور پھر یہ روگ
انھیں اندر ہی اندر کھوکھلا کرتا گیا۔ دیمک کی طرح! لیکن انھوں نے بہت دیر کے
بعد مجھ پر یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ ایک خطرناک روگ کا شکار ہیں۔"

"وہ بھلے آدمی معلوم ہوتے تھے!"

میں نے کہا۔

وہ اسی طرح کھوئی کھوئی سی بولی۔

"کیا میں انھیں کبھی بھول سکوں گی؟ وہ جیسے بھی تھے میرے لئے
بہت اچھے تھے!"

اس دن جنگل میں طوفان سا اُٹھ رہا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے بارے میں
بہت سی باتیں مجھے بتا رہی تھی۔ جیسے میں ہی اس کا سب سے بڑا مونس و
غمخوار تھا۔ اور اس کی باتیں خلوص و ہمدردی سے سن سکتا تھا۔ اس دن جب
زیادہ اندھیرا ہو چلا تھا تو وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

"میں چلی۔ بہت وقت ہو گیا ہے۔"

میں پوچھ بیٹھا۔

"کیا آپ کو کچھ دور تک چھوڑ آؤں؟"

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔ یہ میرا بھائی جو ساتھ ہے!"

کچھ دیر بعد گھاٹ مجھے بالکل سونا سونا سا نظر آنے لگا۔ دور ایک
اسٹیمر گزر رہا تھا۔ اس کے انجن کے شور کے ساتھ سیٹی کی بھونڈی سی
آواز فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا کر رہی تھی۔ کنارے سے پانی کی لہریں
ٹکرا رہی تھیں۔ اوپر نہیں تو اندر ایک طوفان ہے۔ میں نے سوچا۔ پانی کے
سینے میں اس کے دل کی دھڑکنیں لہروں کے روپ میں سنائی دے
جاتی ہیں۔ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ کچھ نہیں!

اب گھاٹ پہ روز ہی اس سے ملاقات ہونے لگی تھی۔ اس بہتے
ہوئے پانی کے کنارے پھر آج تک کسی کا ہمدرد نہیں بن سکا تھا۔ اس کے
آنے سے گھاٹ کی شام خوشگوار ہو جاتی تھی۔ باتوں باتوں میں وقت کٹ
جاتا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے۔ اس درمیان
میں اس نے مجھے اپنے متعلق بہت کچھ بتا دیا تھا۔ اس کے ماں باپ بہت
غریب تھے۔ کس طرح لوک لاج کے ڈر سے انھوں نے اس کی شادی ایک
مریض سے کر دی تھی۔ کیسے اس کا شوہر دفتر کی کلرکی کر کے ایک مختصر سی
آمدنی میں عمر بھر حالات سے لڑتا رہا۔ کیسے اس نے اپنی خواہشوں کا گلا
گھونٹا۔ سب کچھ بھول کر مریض شوہر کی خدمت کی۔ گہنے، کپڑے تک بیچ ڈالے
اور اب۔ اب وہ کس طرح دکھ بھری زندگی گزار رہی تھی۔ بوڑھی ماں اور چھوٹے
بھائی کا بوجھ اسی کے سر آ پڑا تھا۔ اگر یہ ذمہ داریاں اس کے سر نہ ہوتیں تو
شاید ... شاید وہ بھی اس بہتے ہوئے پانی میں کہیں بہہ جاتی۔

ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگی۔

"میں نے ایک مقامی فرم میں نوکری کی درخواست دے دی ہے۔
شاید مجھے نوکری مل جائے۔ پھر میں روز نہ آ سکوں گی یہاں۔" پھر وہ فوراً ہی
مجھ سے پوچھ بیٹھی۔ "تارک بابو! ایک بات پوچھوں؟ کیا آپ کو اس گھاٹ سے
خاص لگاؤ ہے؟"

میں نے کہا۔

"ہاں! میں ایک تنہائی پسند آدمی ہوں۔ بہتے ہوئے پانی سے مجھے
دلچسپی ہے۔ بہتا ہوا پانی ایک مقصد کے لئے ہمیشہ حرکت پذیر رہنے کی
تحریک دیتا ہے۔"

"زندگی کا ایک مقصد ہونا چاہئے نا؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں ضرور!"

میں نے جواب دیا۔

اور پھر میں سوچتا رہا۔ بہت بار دھرتی کا سینہ پھٹ جاتا ہے
اور سارا بہتا ہوا پانی اسی میں سما جاتا ہے۔ میں نے دیکھا، انجلی کسی فکر میں
کھو گئی تھی۔

اُسے جب فرم کی نوکری مل گئی تو اس کا گھاٹ پہ آنا کم ہو گیا۔ نوکری
تو میں بھی کرتا تھا لیکن شام کے وقت طبیعت گھاٹ کے سوا کہیں نہ لگتی
تھی۔ نوکری ملنے کے بعد اس نے بتایا کہ اب اس کی معاشی تکلیفیں کچھ کم ہو گئی
ہیں۔ ڈیڑھ، دو سو روپے میں وہ اپنا، ماں اور بھائی کا خرچ چلا لیتی ہے۔

بھاگی کی تعلیم پر بہت [illegible] سے بتاتے

[illegible] بہت [illegible]

ایک دن میں نے اُسے بہت پریشان دیکھا۔ اُس جن گھاٹ
[illegible] سے کہنے لگی۔

"بابو جی! آج میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے اتنی پریشانی پہلے
کبھی نہیں ہوئی۔ سوچ رہی ہوں، اب کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟ کس سے
[illegible] کے لئے کہوں؟ آپ ہی مدد کیجئے ....!"

میں نے پوچھا۔

"بات کیا ہے۔ کچھ معلوم ہو؟"

"بات معمولی سی ہے اور بہت بڑی بھی۔ اب تو میرا اپنی گلی سے نکلنے
جانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ لوگوں کی بکواس سے کان پک گئے ہیں۔
میرے خلاف لوگ کیسی کیسی باتیں اُڑانے لگے ہیں۔ میں کیا بُری ہوں یا
بدنام ہوں؟" کہتے کہتے اُس کا دم پھولنے لگا۔ "آپ ہی کہیے کیا یہ تہمت
جھوٹی نہیں؟" اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"اِن باتوں پر دھیان نہ دو۔"

میں بہت مشکل سے کہہ پایا۔

"پھر میں کیا کروں؟ میں گلی پار کرتی ہوں تو لوگ انگلیاں اُٹھاتے
ہیں، اشارے کرتے ہیں۔ چٹکیاں لیتے ہیں۔ میرے لئے تو راہ چلنا بھی
مشکل ہو گیا ہے۔ اب تو میں یہاں آتے ہوئے بھی ڈرتی ہوں۔"

پانی کی ایک تیز لہر کنارے کی طرف آئی اور چھپ سے گھاٹ سے
ٹکرا کر اپنی ہیئت کھو بیٹھی۔ بہت بار لہریں گھاٹ سے ٹکرائی ہیں
بہت بار انھوں نے اپنا سر پھوڑا ہے۔ لیکن گھاٹ کے پتھر ساکن اور
خاموش ہیں۔ لہریں آئیں گی، اور آتی رہیں گی۔ لیکن پتھر خاموش
رہیں گے۔ کبھی نہ بولیں گے۔ گنگا بہتی رہے گی۔

پھر اُس نے بہت عاجزی سے مجھ سے پوچھا۔

"کیا آپ میرے لئے کچھ کر سکیں گے؟ کہیں کرائے کا مکان پاکر
[illegible] میں اب اس محلے میں نہیں رہنا چاہتی۔"

[illegible]

[illegible]
[illegible] کوشش کرتی رہی۔

[illegible]
لیکن [illegible]

ایک اُداس شام جب [illegible]
[illegible] کے کنارے [illegible] کی طرف دیکھ رہا تھا [illegible]
بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ [illegible] پانی پر [illegible] ایک
انجان سا آدمی میرے قریب آ بیٹھا۔ اُس نے [illegible]
کا جواب پاکر وہ آہستہ سے بولا

"آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت دیں تو کہوں؟"

میں نے کہا۔

"بڑے شوق سے کہئے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"شاید آپ مجھے بالکل نہ پہچانتے ہوں۔" وہ میرے بالکل قریب ہو کر
بولا "میرا نام [illegible] ہے۔ [illegible] میں کام کرتا ہوں۔ [illegible]
ذات کا برہمن ہوں لیکن ذات کے بھید بھاؤ کو نہیں مانتا۔ میں نے [illegible] سے
شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

چند لمحوں کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے میری آنکھوں کے سامنے [illegible]
سی روشنیاں جگمگانے لگی ہیں۔

میں نے کہا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے لیکن یہ بات آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے
ہیں؟"

"بات یہ ہے [illegible] صاحب!" وہ [illegible]
تو [illegible] کا فیصلہ [illegible]

"میری ماں اور [illegible]"
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ایک گہری فکر کیا ہے کے بعد وہ بہت خوبصورت ہوا میں اپنے دل میں چھپا رازِ الٰہی نے مجھے خود کا اتنا احترام کیوں سمجھا کیوں ہے گھاٹ سے جب میں بال ہو گہر تھا۔ اس کے گھر بھی نہیں گیا تھا۔ اس لئے گھاٹ پہ آنکھ کھلا۔ وہ کب آئے اور میں اس سے ساری باتیں پوچھوں۔ اس دوران سے ملاقات ہونے کے ایک ہفتہ بعد میں نے انجلی کو گھاٹ پر دیکھا

کچھ ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد میں پوچھ بیٹھا۔

"کیا سنیل نام کے شخص کو تم جانتی ہو؟"

اس نے سر کے اشارے سے ہاں کہا۔

"وہ میرے پاس آیا تھا" میں بولا۔ "کیا تم نے اسے بھیجا تھا؟"

"ہاں!"

وہ صرف اتنا ہی بولی۔

میں ایک کشتی کی طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحے میری نظریں اسی طرف گڑی رہیں پھر میں اس سے کہنے لگا۔

"لیکن جو بات پوچھنے کے لئے تم نے اسے میرے پاس بھیجا تھا۔ تم ہی کہو میں کون ہوتا ہوں اس کا جواب دینے والا۔ مجھے کیا حق ہے؟"

وہ سر جھکائے چپ بیٹھی رہی۔

اس کی طرف سے جواب نہ پاکر میں نے کہا۔

"اس کا فیصلہ تو تم خود ہی کر سکتی ہو۔ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔"

اس پر وہ آہستہ سے بولی۔

"اس کے لئے کوئی ضامن تو چاہئے۔"

"تمہارا ملاقی بیٹا" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

میں کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "اگر تم اسے اپنی بہتری سمجھتی ہو تو دوسرا ساتھی چن لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

اس کا سر پھر جھک گیا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد وہ ایک نئی زندگی کی الجھنوں میں کھو گئی میرے لئے گھاٹ رہ گیا، بہتا ہوا پانی اور اداس شامیں رہ گئیں جن کے

افسانہ نمبر "بیسویں صدی" دہلی

... حسبِ معمول "بیسویں صدی" کا یہ افسانہ نمبر محنت اور سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے اور کسی بھی افسانے میں کوئی افسانہ ایسا نہیں جس کا پڑھنا اخلاقی اور سماجی اعتبار سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ناگوار ہو۔ ہر افسانہ ایک نئے طرز اور انداز فکر کا حامل ہے۔ کسی افسانے کا پڑھنا طبیعت پر بار نہیں گزرتا۔ افسانوں کی زبان بھی کافی سلیس، عام فہم اور دلکش ہے۔ لکھنے والوں میں ہندوستان و پاکستان کے وہ شاعر ہیں جن پر ادب اور شاعری کو ناز ہے۔ غزلوں کا معیار بھی بلند اور فکر انگیز ہے۔ جو شخص بھی ان افسانوں کو پڑھے گا اسے محسوس ہوگا کہ اس نے وقت ضائع نہیں کیا ... روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی

۱۳ اگست ۱۹۶۱ء

دھندلکے میں بہتی ہوئی کشتیاں، اسٹیمر اور دھند میں دوسرے کنارے کی عمارتوں اور کارخانوں کی چمنیوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے کبھی شہر کے شور و غل اور رنگینیوں میں دلچسپی نہیں لی۔

اکثر اس کا سوال یاد آتا۔

اس نے پوچھا تھا۔

"تارک بابو! کیا آپ کو اس گھاٹ سے خاص لگاؤ ہے؟"

"ہاں! میں ایک تنہائی پسند آدمی ہوں۔ بہتے ہوئے پانی سے مجھے دلچسپی ہے۔" میں نے کہا تھا!

کئی باتیں یاد آئیں۔ گھاٹ پر آکر بیٹھنے والے لوگوں سے جان پہچان بڑھانے کو جی چاہتا لیکن ایسا نہ کر پاتا۔ ان کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ ایک دن دفتر جاتے وقت ٹرام میں انجلی سے ملاقات ہو گئی۔ اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ وہ پہلے سے آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔

میں فوراً بولا۔

"ارے تم! یہ کیا ... بہت دنوں سے تمہیں دیکھا نہیں۔ ابھی تو ..."

"ہاں اچھی ہوں" وہ آہستہ سے بولی اور کھانسنے لگی۔ کھانستی رہی۔ پھر جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی بولی "گھر کے جھنجھٹوں سے فرصت نہیں ملتی جو آپ کے درشن کروں۔"

"اور سب ٹھیک ہے نا؟"

مجھے اُس کی بات کا یقین نہ ہوا۔

"ہاں ٹھیک ہی ہے۔" وہ پھر کھانسنے لگی۔

"تمھیں تو بہت زور کی کھانسی ہے۔" میں نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے، کیا طبیعت خراب ہے؟"

● دیوار کے کان نہیں ہوتے مگر سنتی ہے۔
(جاپانی کہاوت)

● قدرت نے انسان کو زبان ایک دی ہے اور کان دو تاکہ جتنا وہ کہتا ہے اُس سے دوگنا سن سکے۔ (ڈاؤگلس ماڈٹین)

● کیا ہی اچھا ہو اگر ہم آنکھوں کی طرح کانوں کو بھی بند کر سکتے۔ (جارج برنشوف)

● گزرتی ہوئی زندگی ایک تجویز ہے جس پر ہم ابھی تک غور کر رہے ہیں۔ (ایڈورڈ ہنس)

● دشمن کے لئے بولنا دنیا کا بدترین کام ہے۔ (…)

وہ بولی "ایسے ہی ہے ...." اور پھر کھانسنے لگی۔

کھانستی رہی۔

اگلے اسٹاپ پر میں ٹرام سے نیچے اتر گیا۔ اُس سے کوئی خاص بات نہ ہو سکی۔

اُس ملاقات کے بعد وہ ایک دن گھاٹ پر آئی۔ بہت فکرمند سی، بہت مغموم سی!

میں نے پوچھا۔

"تم اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہو۔ کیا طبیعت اچھی نہیں رہتی؟"

"مالک بابو!" اُس نے گہری سانس لے کر کہا "بہت پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ مجھے بہت بُرا بھلا کہتے ہیں۔"

"کون؟ ...... تمھارا شوہر؟"

"ہاں!"

"کیوں ....؟"

میں نے تعجب سے پوچھا۔

"کہتے ہیں بہن بھائی اور ماں کو چھوڑ دوں۔"

"وہ بے چارے کہاں جائیں گے؟"

"یہی تو میں اُن سے پوچھتی ہوں۔ میری اندھی ماں اور چھوٹے … مجھ سے الگ کیسے رہ سکیں گے؟ کیسے گزر ہوگی اُن کی؟"

"منع ایسا کیوں کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اُس نے روتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اُن کی پانچ بہنیں اور تین چھوٹے بھائی ہیں۔ بہنوں کا … اور بھائیوں کو تھوڑا بہت پڑھانا ہے۔ وہ میری ساری کمائی اپنا حق سمجھتا ہے۔" پھر وہ کھانسنے لگی۔

"یہ تو بُری بات ہے!"

کہہ کر میں چپ ہو گیا۔

آگے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ گھاٹ پر چلتے ہوئے … کی ٹھنڈی ہوائیں سہارا دے رہی تھیں۔ نہ جانے چند لمحوں کے لئے ایسا کیوں محسوس ہوا جیسے گنگا کا بہتا ہوا پانی رک سا گیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ کھانس رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب وہ وہاں سے اُٹھ کر جانے لگی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے دریا سے ایک زندہ لاش نکل کر اوپر گھاٹ کی سیڑھیاں چڑھ رہی ہے۔ شاید ہواؤں میں اُس کا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ کھانس رہی ہے۔ کھانس رہی ہے مسلسل کھانسے جا رہی ہے ....

"سنو تو ...."

میں نے اُسے پکارا۔

وہ رک گئی۔

"تم اس قدر کھانستی کیوں ہو؟" میں نے پریشانی ظاہر کی۔ "کچھ دوا کھانی چاہئے۔"

"کھا تو رہی ہوں۔"

کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی۔

میں کھڑا سوچتا رہا۔

"یہ اس کے پیٹ کا معاملہ تو اس کا ذاتی معاملہ ہے میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ مجھے اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔"

سامنے سے گزرتے ہوئے ایک بوٹ کی سیٹی کی بھونڈی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اور میں واپس چلا آیا۔

پھر میں نے اُسے بہت دنوں تک نہیں دیکھا۔ مجھے ایسا شک ہوا کہ شاید وہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ لیکن میں اُس کی کیا مدد کر سکتا تھا۔

اس شام کو میرے لئے بھول سکنا بہت مشکل ہے۔ جب وہ آخری بار میرے پاس گھاٹ پر آئی تھی۔ بہت پریشان بہت گھبرائی ہوئی سی۔ اُس سے چلا بھی نہیں جاتا تھا۔ ہوا کے جھونکوں سے اُس کا جسم کانپ رہا تھا۔ میں نے پریشانی کی حالت میں اُس سے پوچھا۔

"کیا تم بیمار تھیں؟"

وہ کھانسنے لگی۔

"ہاں!"

"کیا بات ہے؟"

میں نے اُس سے پوچھا۔

وہ مجھ سے کچھ پرے ہٹ کر بیٹھ گئی اور کھانستی رہی۔

"کھانسی تو بہت خطرناک شکل اختیار کر چکی ہے" میں نے کہا۔

"مجھے اس کی فکر نہیں" وہ ہانپتی ہوئی سی بولی۔ "لیکن ..... وہ

آگے کچھ کہتی کہتی رک گئی۔

"کیا بات ہے بولو نا ....."

"انھوں نے مجھ سے رشتہ توڑ لینے کی دھمکی دی ہے" بھرائی ہوئی آواز میں وہ بولی۔

"کیوں؟"

میں نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے ..." وہ کہنے لگی۔ "مجھے ... کھانسی ... خون ... تھوک میں خون ..." اور وہ پھر کھانسنے لگی۔

● حسنِ اخلاق اللہ کی رحمت کی ایک ڈور ہے۔

(حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

● خدا تمھاری شکل و صورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

(حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

● میں اُس شخص کی تعریف کرتا ہوں جو میرے لئے یہ نہیں چاہتا کہ مجھے عزت و شہرت حاصل ہو بلکہ اُس شخص کی جو میری اصلاح کرنا چاہتا ہے … اور … کرتا ہے۔

(حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ)

ایسا معلوم ہوا جیسے آسمان سے چاند ٹوٹ کر بہتے ہوئے پانی میں آگیا ہے۔ آپ ... دریا میں آگ لگ گئی ہے۔ آگ ... شعلے ... اور مجھے بہتے ہوئے پانی میں کنارے کی کوٹھیوں کی جلتی ہوئی روشنیوں کے عکس کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

اور کچھ دیر بعد گھاٹ کے اُسی کونے پر جہاں کبھی کبھی وہ اپنے بیمار شوہر کے ساتھ آ کر بیٹھا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ ایک ہیولا سا ابھرنے لگا۔ گھاٹ کے اُس کونے میں ایک زندہ لاش بیٹھی دھیرے دھیرے کھانس رہی ہے۔ اچانک وہ زور زور سے کھانسنے لگی۔ اُس کا دم گھٹنے لگا اور وہ آنکھوں

کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

میں گم سم بیٹھا رہا۔

انجلی خاموش رہی۔

کچھ دیر بعد پھر اُس نے اپنے الفاظ دہرائے۔

"اب میں کیا کروں؟"

"ہوں... " جیسے میں چونک اُٹھا۔

"بولئے اب میں کیا کروں؟" وہ اُداس لہجے میں بولی۔

"اب کیا کرو گی... " میں نے انجانے پن میں اُس سے پوچھا۔ اور سوچنے لگا۔ اُسے کیا جواب دوں۔ پھر میں بچپچایا۔ "رونے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہو!"

"نہیں نہیں" وہ پھوٹ پڑی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سوتا اُبل پڑا۔

میں کچھ نہ بولا۔ وہ بہت دیر تک بیٹھی روتی رہی۔ میں کچھ نہ بولا۔ شاید وہ میرے منہ سے اور بھی کچھ سننا چاہتی تھی۔ لیکن میں کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ اُٹھ کے جانے لگی تب دل چاہا۔ کچھ بولوں اُس سے کوئی بات کروں... لیکن کیا بولوں؟... کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

وہ چلی گئی۔

چار دن تک گھاٹ پر ایسا معلوم ہوا جیسے وہاں دریا کا بہتا ہوا پانی چند لمحوں کے لئے رُک سا گیا۔

اچانک کسی کی سسکیاں اُبھریں۔ سویا ہوا پانی پھر بہنے لگا۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک طوفان اُٹھا۔ اب وہاں ایک شور سا پیدا ہو گیا۔ گھاٹ کے پتھر جیسے طوفان کے تھپیڑوں سے رونے لگے۔

اُسی طوفان کے وقت ایک دن انجلی کا بھائی آیا۔ اور کھوئے ہوئے سے گھٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

"دیدی کا کوئی پتہ نہیں...... آج چار دن سے کوئی پتہ نہیں!"

اُس کے جملے میرے دل کو چیرتے ہوئے میرے اندر سے گزر گئے

"کوئی پتہ نہیں...... ؟!"

میں نے آہستہ سے پوچھا۔

اور پھر اُسے کوئی جواب نہ دے سکا......

کئی دن بیت چکے ہیں ان باتوں کو۔ آج تک خود مجھے اس بات کا کوئی جواب نہ مل سکا۔ روز گھاٹ کے اُس کونے میں وہ پتھر تنہا سا اُداس دیکھتا ہوں...... اور پھر آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جاتی ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا......!!

••

گلِ رعنا

جناب برج لال جی رعنا کا تازہ ترین مجموعۂ کلام جو دَورِ حاضر کی بہترین صوری و معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ مطالعہ کے بعد آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ گلِ رعنا واقعی اُردو کا بہترین شعری مجموعہ ہے۔ قیمت مع محصول ڈاک تین روپے

پتہ: دفتر رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون صاف صاف اور خوش خط لکھا کریں۔ درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض لوگ مضامین نا صاف ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں جو شائع شدہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے بغیر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں جو مناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل رکھیں کیونکہ ناقابل اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے ایک طرف لکھا کریں۔ نو آموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ کر لیں۔ اگر وہ چاہیں کہ ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں واپس کئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر ہوں گے۔


ٹاٹا کا
او ڈی
کولون
صابن
Tata's
EAU DE
COLOGNE
Toilet Soap
او ڈی کولون آمیز اور سنہرے ریپر میں بند

بیسویں صدی کی نئی پیشکش — ڈھیر نئے شاہکار ناول

جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

پیاسے بادل جو جنم کی پیاسی ایک پہاڑی دوشیزہ کے پیار کی کہانی، جو اپنی محبت اور محبوب کی تلاش میں ہاں پہاڑی وادیوں میں جنم لیتی رہی۔ ایک حساس نوجوان کی داستانِ محبت جس نے اپنے بڑے گھرانے کی رنگینیاں، رعنائیاں اور مسرت کو شیاں چھوڑ کر ان پہاڑ وادیوں کی خاموش کہانیوں کو اپنایا تاکہ اپنی محبوبہ کی شبنمی سانسوں سے اپنے تشنہ خیالوں کی پیاس بجھا سکے۔ پیاسے بادل میں ایک اچھوتا موضوع لیا گیا ہے۔ ایک انوکھی کہانی بیان کی گئی ہے جس میں چاندنی راتوں کی مقدس سرگوشیاں اور اندھیری راتوں کے ہولناک قہقہے ہیں۔ جدید اردو ادب میں شاکر پرنجی کا ایک بلند مقام ہے اور پیاسے بادل مصنف کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ پاکیزہ اور مقدس رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ پہاڑی وادیوں کے ترجمان نے ایک پہاڑی دوشیزہ کی پیار بھری مسرتوں اور حسرتوں کو پیاسے بادل میں سمویا ہے۔ دیدہ زیب کتابت، طباعت اور گیٹ اپ۔ سہ رنگا جاذب نظر ٹائیٹل پیج۔ اعلیٰ ولایتی کاغذ۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

پگھلتے خواب اردو ادب کے جواں سال ادیب پروفیسر مقدری کا ... ایک دلچسپ رومانی ناول جس میں مصنف نے اپنی ... کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ یہ ناول جہاں کشمیر کی سماجی زندگی اور ... کو ابھار کرتا ہے وہاں آج کے دور کی گھناؤنی تصویریں بھی سامنے لاتا ہے۔ کشمیر کی جھکتی ہوئی گلپوش بہاروں اور ان بہاروں میں بسنے والے حسین ... فکری اور سماجی زندگی کے پیچ و خم کو قریب سے دیکھنے کے تمنائی ہیں تو پگھلتے خواب کا مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک ایسا بے مثال ناول ہے جس میں آپ کو کشمیر جنت نظیر کے مناظر اور ان مناظر تلے سسکتی کہانیوں کے خدوخال صاف دکھائی دیں گے۔ آپ کی اپنی دھڑکنیں بھی ہیں اور آپ کی محبت اور محبوب کے آنسو بھی۔ پگھلتے خواب ناول نگاری میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ دیدہ زیب ... اعلیٰ کاغذ عمدہ مضبوط جلد، قیمت صرف دو روپے۔

جو عورت ننگی ہے نامور فنکار رام لعل کی رومانی، پرمعنی اور تلخ کہانیوں کا حسین مجموعہ۔ ان افسانوں میں رومان و محبت کی رنگینیاں بھی ہیں اور حسن و شباب کی سرمستیاں بھی۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

میرے سپنے نامور افسانہ نگار خاتون پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے بہترین دلچسپ رومانی افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

سنگھار کمرے میں پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے جذبات آفریں افسانوں کے اس مجموعے کے صفحے صفحے پر سینوں کا ایک طوفان اور جذبات کا ایک محشر انگڑائیاں لے رہا ہے۔ ایسی آمد جس کی مثال ... قیمت فی جلد دو روپے۔

دہکتی رگیں ہر افسانے میں جوانی کا اضطراب ہے، حسن کی بے کلی ہے، عشق کی بے قراری ہے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

کالی راتیں سعید امرت کے افسانوں کا تازہ ترین مجموعہ۔ تشنہ جوانیوں کے اندر کے جذبات کی ترجمانی، بہکے ہوئے بڑھاپے کی ... نشتر ہیں۔ گناہگار جوانیوں کے لئے تیز نشتر ہیں۔ کالی راتوں میں رستے ہوئے ... کاری زخم ہیں۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

یہ لڑکیاں گلابی چہروں، ساقوں آنکھوں والی، سانولی سلونی رنگت ... اداؤں والی۔ رنگین ریشمی ساریوں میں لپٹی ہوئی تتلی کی ... بیباک اداؤں اور مخمور نگاہوں سے دلوں کو تڑپانے والی سنگ سنگ کی لڑکیوں ... احساسات کی تصویریں۔ آپ کے محبوب رومان نگار اختر ہوشیار پوری کے ...

عورت ایک پہیلی کیا عورت واقعی ایک پہیلی ہے۔ سمجھ ... والی پہیلی ہے؟ اس کا جواب آپ ... دلکش رومانی افسانوں میں پائیں گے۔ ہر افسانے میں آپ ایک سے ایک بڑھ کر عورت پائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

ایک حمام میں تین ننگے زندگی کی عریاں تصویریں۔ وقت کی دکھتی ہوئی رگ پر ... کی خنکار ... قیمت فی جلد دو روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی

بیسویں صدی دہلی

غزلیں

عبدالرحمٰن دامی بی اے۔ ایل ایل بی

یک بیک پھر ہو گئی ہے آنکھ تر
آ گیا ہے یاد کچھ بھولا ہوا

اپنے دل سے کہہ رہا ہوں حال میں
آپ کو کس بات کا دھوکا ہوا

ان کی چشمِ مست کا اعجاز ہے
جو قدم اُٹھتا ہے وہ بہکا ہوا

آشیاں کا برق سے شکوہ عبث
خود نشیمن سوز ہر تنکا ہوا

کوششِ ضبطِ الم کے باوجود
آنسوؤں سے رازِ دل افشا ہوا

محترمہ بانو تسنیم اکبرآبادی

نہ فکرِ طعنۂ عالم نہ خوفِ رسوائی
مری روش پہ محبت انھیں بھی لے آئی

ہمارے ذکر پہ ہنستے تھے وہ مگر اک دن
ہمارا حال جو دیکھا تو آنکھ بھر آئی

غمِ حیات بھی احساں ہے آدمیت پر
کہ اس سے اور بھی انسانیت نکھر آئی

ہوا نہ اہلِ محبت کے درد کا چارہ
سماج نے کبھی تکلیف ہی نہ فرمائی

ہماری نغمہ گری جرم ہے تو اے تسنیم
سوال یہ ہے چمن میں بہار کیوں آئی

شہناز زیبا ایوبی بی اے

جب گزرتے ہیں تیرے کوچے سے
کوئی ہم سا کہاں گزرتا ہے

یادِ محبوب کا ہر اک لمحہ
گلفشاں گلفشاں گزرتا ہے

جن کو اختر شماریاں ہوں عزیز
اُن سے دن پھر کہاں گزرتا ہے

ایک شب پر فراق میں اے دوست
اک صدی کا گماں گزرتا ہے

تم ہی خوش ہو نیازِ دل دے کر
سب سے یہ غم کہاں گزرتا ہے

حسین آبشاروں کا عکاس پہاڑی فضاؤں کا ترجمان اور ہر طبقے کا محبوب ناول نگار

ٹھاکر پونچھی کے لکھے ہوئے شاہکار ناول جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

راتُ کے گھونگھٹ

(ناول) جو شروع سے آخر تک دلچسپیوں اور دلفریبیوں کا مرقع ہے۔ جس میں نئی تہذیب کے اُن فرشتوں "کی کہانی ہے جنھیں نئے نظام کی تاریک راتوں نے جنم دیا۔ مصنف نے آج کے سماج کے حسین چہروں سے پارسائی کے رنگین گھونگھٹ اُلٹ دیئے ہیں۔ ہر باب ایک ایسی شوخ رومانی داستان ہے جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اٹھیں گے۔ فاضل مصنف نے حقائق کو عدیم المثال نقشکاری، اور بیباکی سے پیش کیا ہے ــــ ناول کا ذوق رکھنے والے کسی شخص کو اس سے محروم نہ رہنا چاہئے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت، نفیس کاغذ، پختہ جلد مع حسین گردپوش قیمت صرف دو روپے۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے

(ناول) جناب ٹھاکر پونچھی کی ایک بیحد دلچسپ، مسرت انگیز اور صحت مندرومانی تخلیق۔ جس کی ہر سطر سے چاندنی راتوں کی پُر بہار فضائیں اور حیات بخش زندگی کی رعنائیاں نغمہ بار ہیں۔ اُن مردوں کی کہانی جو عورت کو ایسے عریاں انداز میں دیکھنے کے تمنائی ہیں جس پر سے نظریں پھسل پھسل جائیں۔ اپنی اُجڑی ہوئی تہذیب کی دھڑکنوں کا درد لئے، اپنی تلخ اور شیریں یادوں کے رنگین نقوش ابھارنے والے ایک ایسے نوجوان کی حقیقت افروز کہانی جس کے ہاتھوں نے عورت کو حُسن بخشا، اور لباس پہنانا سکھایا تھا لیکن سماج کے ٹھیکیداروں نے اُسے ننگا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اعلیٰ کتابت وطباعت، نفیس کاغذ، مجلد مع رنگین گردپوش۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

وادیاں اور ویرانے

جناب ٹھاکر پونچھی کا ایک شاہکار ناول جسے چوٹی کے نقادوں نے ایک بہترین تہذیبی ناول قرار دیا ہے۔ سنو کھےسٹے میدانوں اور سرسبز و شاداب پہاڑوں کی ایک حسین وجمیل کہانی۔ جنگل کی سادگی اور شہر کی شوخی مل کر جس کی تصویر مکمل کرتے ہیں۔ پونے چار سو صفحات قیمت فی جلد صرف چار روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی دہلی

زُلف کے سر ہونے تک

ٹھاکر پونچھی کا ایک قابلِ قدر نیا ناول۔ عشق و محبت اور حسن و ... رعنائیوں اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں کا سنگم تین معصوم بھولی بھالی اور تین بےسہارا لڑکوں کی حسین ترین کہانی۔ جو اپنے لُٹے ہوئے ماضی سے زندگی ... کو سنبھالنے محض اضطراب کے تاریک اندھیرے خلاؤں میں وارد ہوتے ہیں۔ جہاں ... اور بھوک کی افراط ہے۔ اور جن کے ٹکراؤ سے پجاری منکھن باوا اور اُسکے چیلے ... چاندنی بھگتن عورتیں جنم لیتی ہیں۔ پجاری منکھن باوا کی کہانی۔ پوتر تالی ... چکنی تصویر، جو مندر سے زیادہ ایک خوبصورت حرم کا پجاری ہے ... کی حسین بھولی بھالی دیوانیوں پر گدھ کی طرح جھپٹتا پھرتا ہے۔ قیمت فی جلد صرف ... جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

چاندنی کے سائے

ٹھاکر پونچھی کا ایک انتہائی دلچسپ نیا ناول

جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور مقدس جذبات ... خدوخال نمایاں کئے گئے ہیں کہ محبت اگر انسان کی رُوح، اُس کی زندگی اور ... کو حسین نہ بنائے تو وہ محبت نہیں گناہ ہے۔ اپنی نئی تخلیق میں فاضل مصنف نے ... رُوح کا سارا کرب، سارا اضطراب، اور بے قرار یادوں کا درد بھر دیا ہے۔ اور جذبات کے اظہار کے لئے نئی نئی راہیں تراشی ہیں۔ "چاندنی کے سائے" میں شبنم کی ... بھی ہے اور شعلے کی حرارت بھی۔ مصنف کے منفرد اُسلوب کی شاعرانہ لطافت ... حُزنیہ کی دھیمی دھیمی آنچ، اور کہیں طنز کی نشتریت، جو ٹھاکر پونچھی کا طرۂ امتیاز ہے ناول میں اپنے پورے حُسن اور بھرپور خدوخال کے ساتھ بدرجۂ اتم موجود ہے کتاب کو ایک بار شروع کر کے ختم کئے بغیر آپ کو چین نہ آئے گا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی

افواہیں

جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اُسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

پہلی افواہ

افواہ ہے کہ سرودئے لیڈر آچاریہ ونوبا جی کو مدھیہ پردیش کی چمبل گھاٹی کے ڈاکوؤں سے ایک خفیہ مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں تحریر ہے۔

"محترم آچاریہ جی! آپ جب سے ہماری تبدیلیٔ قلب کر کے گئے ہیں، ہم بڑے پریشان خاطر ہیں۔ ہمارے قلب تبدیل ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب ہم ڈاکہ ڈالنے کے اہل نہیں رہے۔ اور دوسری طرف ہمیں سماج میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی۔ کیونکہ پولیس ہمیں گرفتاری کی دھمکی دیتی ہے اور عوام ہمیں اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔ برادرم! ہماری رہنمائی کیجئے۔ اور دوبارہ تشریف لا کر ہماری امداد کیجئے۔ (نوٹ) اور اگر یہ سب کچھ ناممکن ہو تو برادرم! ہمارے وہی سابقہ دل لوٹا دیجئے۔"

سنا ہے کہ آچاریہ جی نے ڈاکوؤں کو جواب میں لکھا ہے کہ اب میں ڈاکوؤں کا علاج نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس سلسلہ میں میرا اپنا قلب بھی تبدیل ہو چکا ہے اور باقی رہی یہ بات کہ میں آپ لوگوں کا سابقہ دل لوٹا دوں تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ مجھ پر ایک الزام ہے کہ میں نے آپ لوگوں کا قلب تبدیل کیا ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا۔ سابقہ دل آپ ہی لوگوں کے پاس ہوگا۔ اپنے اندر ڈھونڈ لیجئے۔

دوسری افواہ

دلی میں مقیم امریکی سفارت خانے کے اردگرد یہ زبردست افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ شاید اگلے مہینے تیسری عالمگیر جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں جہاں گرد نے سفارت خانے کے ایک اعلیٰ افسر سے استفسار کیا تو دونوں کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

"کیوں جی! کیا برلن کے مسئلہ پر جنگ چھڑ رہی ہے؟"

"جی نہیں۔ روس کے بیس سالہ پلان کے مسئلہ پر۔ کیونکہ جرمنی سے یہ خبر واشنگٹن میں پہنچی ہے کہ نئے روسی پلان کے مطابق ۱۹۸۰ء میں ہر روسی باشندے کو ضرورت کی ہر چیز مفت ملا کرے گی۔ اس سے واشنگٹن میں ہلچل مچ گئی اور مسٹر کینیڈی نے اعلان کیا کہ ....."

"... کہ جنگ چھیڑ دی جائے؟"

"نہیں جناب! انہوں نے اعلان کیا کہ روس تو ۱۹۸۰ء میں ہر چیز مفت سپلائی کرے گا لیکن ہم یکم اگست ۱۹۶۱ء ہی سے ہر چیز مفت سپلائی کرنی شروع کر دیں گے۔ اور اس طرح روس کو بیس برس پیچھے چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ہر دکاندار کو آرڈر دیا گیا کہ جو آدمی جتنی چیز لے جانا چاہے اُسے مفت دے دی جائے۔ اور اُس کا بل امریکی گورنمنٹ کو بھجوا دیا جائے۔"

"واقعی یہ تو بڑا انقلابی قدم تھا! پھر کیا ہوا؟"

"جی جناب پھر کیا تھا۔ پہلے ہی دن کا تجربہ فیل ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے ہی دن سرکار کے پاس اتنے بل پہنچ گئے کہ خزانہ خالی ہو گیا اور ابھی آدھے

بلوں کی ادائیگی باقی تھی کہ گورنمنٹ نے استعفیٰ دے دیا۔"

"لیکن اس سے تیسری جنگ چھڑنے کا کیا تعلق ہے؟"

"جناب اُدھار کو ختم کرنے کے دو ہی طریقے تھے۔ ایک طریقہ تو فیل ہو گیا اور دوسرا طریقہ صرف جنگ کا ہے۔ اس لئے روس کے بیس سالہ پلان کو فیل کرنے کا یہی دوسرا طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

تیسری افواہ ——— •

دہلی کو کلاس شہر قرار دے دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں پچھلے دنوں دہلی کے جیب کتروں کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی۔ جس میں مندرجہ ذیل ریزولیشن باتفاق رائے سے پاس کیا گیا۔

"دہلی کے جیب کتروں کی یہ نمائندہ انجمن ہند سرکار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ اس نے دہلی کو کلاس شہر قرار دے کر ہم جیب کتروں پر احسان عظیم کیا ہے۔ کیونکہ اب سرکاری ملازموں کی تنخواہ بڑھ گئی ہے اور اُن کی جیب میں زیادہ روپے ہوا کریں گے اور ہم جیب کترے اُن کی جیبوں سے زیادہ روپے حاصل کر لیا کریں گے۔"

ایک دوسرے ریزولیشن میں اس بات کی شدید مذمت کی گئی کہ کلاس شہر بننے کے بعد دہلی میں دوسرے چھوٹے شہروں کے جیب کترے دھڑا دھڑ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ تجویز پاس ہوئی کہ انجمن جیب کتروں کو جیب کترنے کے لائسنس جاری کرے۔ اور بغیر لائسنس کے جو جیب کترا نظر آئے اُس کی پٹائی کی جائے اور اُسے شہر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے۔

چوتھی افواہ ——— •

اسکولوں اور کالجوں کے سالانہ امتحانات میں شامل ہونے والے طلبا کی تعداد ہر سال خوفناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کے سدباب کے لئے ہند سرکار نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس نے اپنی رپورٹ تیار کر لی ہے رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے کہ ہر سال پچاس فی صدی کے قریب طلبا کو فیل کر دیا جاتا ہے جو آئندہ سال پھر امتحان دینے آ جاتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہر سال سو فیصدی طلبا کو پاس کر دیا جائے۔ اس خبر سے طلبا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے لیکن ایمپلائمنٹ ایکسچینج نے شدید اعتراض کیا۔ اس سے محکمہ روزگار کے حسن کارکردگی پر بہت برا اثر پڑے گا بلکہ ایمپلائمنٹ ایکسچینج نے مطالبہ کیا ہے کہ پچاس کے بجائے پچھتر فی صدی طلبا کو فیل ...

پانچویں افواہ ——— •

معلوم ہوا ہے کہ سرکار کے قریب قریب ذمہ دار حلقوں میں ایک تجویز زیر غور ہے کہ سیلابوں کی روک تھام ناممکن ہو گئی ہے۔ اس لئے ہندوستان کے تمام شہر پہاڑوں پر از سر نو بسائے جائیں۔ ایک تجویز یہ ہے کہ تمام آبادی کوہ ہمالیہ پر منتقل کر دیئے جائیں کیونکہ کوہ ہمالیہ طویل و عریض بھی ہے اور ازل سے بیکار بھی پڑا ہے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ کوہ ہمالیہ کو کاٹ کر میدانی علاقوں میں لایا جائے۔ اور ہندوستان بھر کی سرزمین پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا ایک جال بچھا دیا جائے۔ اور ہر پہاڑی پر ایک شہر بسایا جائے۔ ہمالیہ کو ایٹم انرجی کی مدد سے کاٹا اور میدان میں لایا جائے گا۔ جس شہر پر یہ تجربہ کیا جائے گا وہ دہلی ہوگا۔ اس تجویز میں ... کہ فصلیں صرف زمین پر ہی اُگائی جا سکیں گی۔ اور انہیں سیلاب سے بچانا غیر ممکن ہوگا۔ اس مشکل پر عبور پانے کے لئے جنوبی ہند کے ایک یوگی سے بات چل رہی ہے جس نے اعلان کیا تھا کہ فصل اُگانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یوگ کی مدد سے انسان بغیر خوراک کے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ یوگی مذکور کا یہ نسخہ پہلے دہلی شہر کے باشندوں پر آزمایا جائے گا۔ اگر یہ کامیاب رہا تو اس کے بعد فصلیں اُگانے کی ضرورت نہیں ... اور انسان کا تعلق زمین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گا ... صرف پہاڑوں کا باسی بن کر ڈاکٹر اقبال کے اس مصرع کو عملی ... دے گا جس میں کہا گیا ہے کہ ؎

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

چھٹی افواہ ——— •

ہند سرکار کے انٹیلی جنس بیورو کے مشورہ پر فیصلہ کیا گیا ہے

۔۔۔ سرکاری طور پر مکھیوں کی ہول سیل خریداری کی جائے گی۔ مکھیوں کی مفید صلاحیتوں کا انکشاف ایک اعلیٰ جیل افسر نے یوں کیا کہ ایک سمگلر جس نے اپنے حلق کے اندر ایک طلائی گھڑی چھپا رکھی تھی اُس کے حلق میں کچھ مکھیاں داخل کی گئیں۔ اِس سے سمگلر کو ایک زوردار اُبکائی آئی اور گھڑی باہر آ رہی۔ چنانچہ ہندوستانی سرکار نے فیصلہ کیا ہے کہ مکھیوں کی بہ ترتیب پرحفاظت کی جائے۔ ورنہ وہ اور تر و تازہ مکھیوں کو فی مکھی ایک پیسے میں خرید لیا جائے۔ اور انھیں سمگلروں سے مال اُگلوانے کے لئے استعمال کیا جائے۔ غیر ممالک اس انوکھے تجربہ کی کامیابی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور اگر ہندوستان میں یہ تجربہ کامیاب رہا تو دوسرے ممالک بھی اسے آزمائیں گے اور ہندوستانی مکھیاں دوسرے ممالک کو بھیجی جائیں گی۔ اور اس طرح زرِ مبادلہ کمایا جائے گا۔

ساتویں افواہ —————— •

پولیس کے متعلق عام طور پر شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں کہ عوام سے ان کا رویہ نہایت وحشیانہ اور غیر مہذبانہ ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے کہ پولیس میں بھرتی ہونے والے اشخاص یا تو ان پڑھ ہوتے ہیں یا صرف مڈل پاس ہوتے ہیں۔ چنانچہ افواہ ہے کہ پولیس میں بھرتی کے قواعد کو سرے سے بدل دیا جائے گا یعنی اِس محکمہ میں صرف ایم اے پاس گریجویٹ ہی بھرتی کئے جائیں گے۔ اور اُن کی موجودہ تنخواہوں کے گریڈ تین گنا بڑھا دیئے جائیں گے۔ اعلیٰ پولیس افسروں کی ڈائرکٹ بھرتی بھی بند کر دی جائے گی، اور وہ نیچے کانسٹیبلوں سے ترقی کر کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ سکیں گے۔ اس طرح پولیس صحیح معنوں میں ایک ڈیموکریٹ، مہذب اور آدرش پولیس بن سکے گی۔ سُنا گیا ہے کہ ڈاکوؤں، غداروں اور خطرناک مجرموں میں اس خبر سے مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ پڑھا لکھا مہذب قسم کا نوجوان اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ایسے پولیس مین اُن کے لئے بے ضرر ہوں گے۔ اُن کا خیال ہے کہ وہ صرف اُس تھانے دار سے ڈرتے ہیں جو گرج کر یہ کہے کہ ——

"او بے سُور کے بچے میں خود بہت بڑا غنڈہ ہوں! —— اور

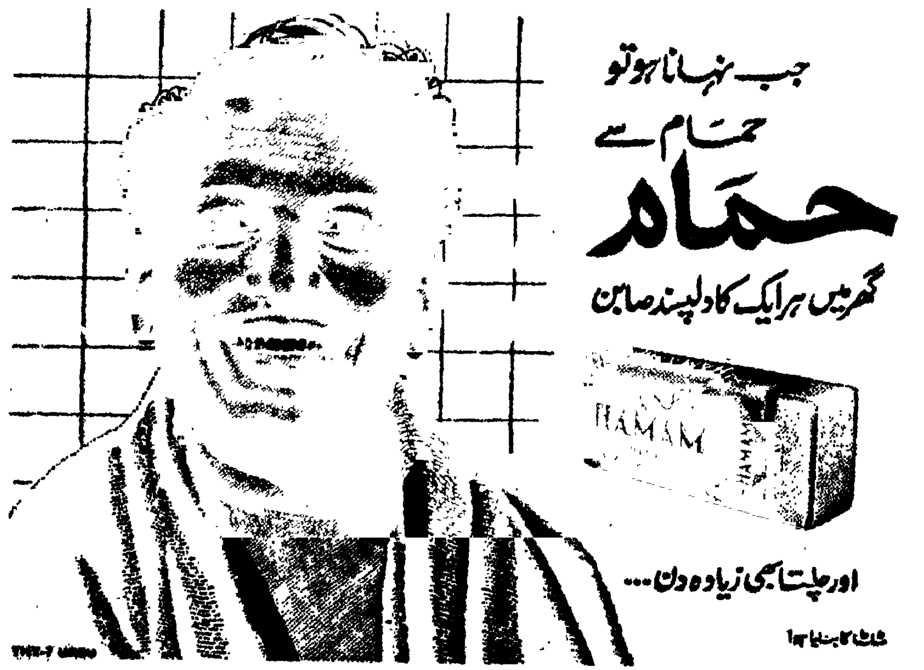
باقیاتِ سالک (رح)

غم کے ہاتھوں جو مرے دل پہ سماں گزرا ہے
حادثہ ایسا زمانے میں کہاں گزرا ہے
زندگی کا ہے خلاصہ وہی اک لمحۂ شوق
جو تری یاد میں اے جانِ جہاں گزرا ہے
حالِ دل غم سے ہے [illegible] جیسے کسی [illegible]
کبھی اک دانۂ [illegible] گراں گزرا ہے
[illegible] یادِ [illegible]
رونقِ باغ [illegible] گزرا ہے
بلبلیں بند تھے وہ آزاد نظر آتے ہیں
شاید اِس باغ سے وہ موسمِ [illegible] گزرا ہے
اے اجل جلد کہ ہم [illegible] تری فرقت میں
تجھ پہ جو شخص بھی گزرا ہے گراں گزرا ہے
نگرانیِ دل و دیدہ ہوئی ہے دشوار
کون ہے جو مری جانب نگراں گزرا ہے
حالِ دل سُن کے وہ آزردہ ہیں شاید اُن کو
اِس شکایت پہ شکایت کا گماں گزرا ہے
[illegible] سالک
آج تو چپکے سے [illegible] اشک فشاں گزرا ہے

تاریخ ولادت ۔۔ ۱۳ دسمبر [illegible]   تاریخ وفات ۔۔ [illegible] ستمبر [illegible]
مقام بٹالہ   مقام لاہور

اگر تو نے شرارت کی تو میں وردی کی طاقت سے تیرا [illegible] ناش کر دوں گا!" ۔۔ غنڈوں کو یقین ہے کہ اس مجوزہ تبدیلی کے بعد انھیں ایسے تھانے داروں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔


تندرست قوم کے لئے
تندرست ماں
بچے والی یا حاملہ ماں کو
وِنومالٹ کے سہارے کی ضرورت ہے
قوت بحال کرنے والا یہ ایک خاص ٹانک ہے - جو
تندرست ماں کے لئے زائد معدنیات اور نشو و نما
دینے والے اجزا کے ساتھ تیار
کیا گیا ہے
وِنومالٹ
VINO MALT
بنگال
امیونٹی
کمپنی لمیٹڈ
امیونٹی ہاؤس ــــ کلکتہ ۱۳۰


جب نہانا ہو تو
حمام سے
حمام
گھر میں ہر ایک کا دلپسند صابن
HAMAM
اور چلتا بھی زیادہ دن...



صحت و زندگی

۱ — جو لوگ بوڑھے ہو رہے ہیں

ڈاکٹر ہارڈن نے لکھا ہے۔ جو لوگ عمر رسیدہ ہو رہے ہوں اُنھیں ہنسی مذاق، دلچسپ اور دلپسند تفریح میں کافی حصہ لینا چاہئے۔ اگر تم جوان رہنا چاہتے ہو تو بچوں اور جوانوں کی صحبت میں اپنا زیادہ وقت گزارو۔ جہاں تک ہو سکے بچوں کے ساتھ کھیلو، کودو، دوڑو، بھاگو۔ ایسا کرنے سے طبیعت بہت ہشاش ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو اُن کی حالت میں تصور کرو۔ اور اُن کی طرح سوچو۔ اِس سے تمھیں حیرت انگیز فائدہ ہوگا۔ اگر تمھیں اپنے اعضاء اور جوڑوں میں سختی معلوم ہو اور حرکت کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو اپنے جسم اور اعضاء کو حرکت دیتے رہو۔ چلتے پھرتے رہو۔ اپنے دل میں یقین و اعتماد کی شمع روشن رکھو۔ نوجوانوں اور بچوں سے ملتے جلتے رہو۔ انسان کی طبیعت کو کھیل اور تفریح سے جو قدرتی لگاؤ اور میلان ہے، اُسے جاری رکھو۔ یہ شوق تمھیں بڑھاپے میں بھی جوان رکھے گا۔ جوانی کی اُمنگیں بخشے گا۔

۲ — دردِ سر کی دوائیں کیوں مضرِ صحت ہیں؟

کچھ دن ہوئے ڈاکٹر رابرٹ انچ فیلڈ پروفیسر میڈیکل اسکول وسکانسن یونیورسٹی امریکہ نے اپنے ایک مقالے میں لکھا تھا۔ آج کل دردِ سر کی شکایت جس قدر عام ہے، اُسی قدر اس کی "شرطیہ" اور "گارنٹی" والی دوائیں عام ہو گئی ہیں۔ یہ کھلی ہوئی حماقت ہے کہ دردِ سر کے اسباب تو تیس سے بھی زیادہ ہوں اور اُن سب کو دُور کرنے کے لئے دوا ایک ہی طرح کی استعمال کی جائے دردِ سر کے مریض ایسی کھلی اور آسان بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ کسی بیماری کا علاج کرنے وقت سب سے پہلے اور ضروری بات اُس کی دُرست تشخیص ہے۔ جب تک یہ نہ ہو بیماری کیسے دُور ہو سکتی ہے۔ یہی حال دردِ سر کا ہے بیشتر لوگ اِس اصول کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور دردِ سر کی حالت میں آنکھیں بند کر کے پیٹنٹ دواؤں کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُنھیں فائدہ کی بجائے اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔ بازاروں میں ہر دوا فروش کے ہاں پیٹنٹ دوائیں فروخت ہوتی ہیں۔ تقریباً اُن سب دواؤں میں ایک ایسی زہریلی اور نشیلی چیز ڈالی جاتی ہے جس کے استعمال کی کثرت بھلے چنگے آدمی کو پاگل خانے پہنچا دیتی ہے۔ وہ مضر چیز برومائڈ ہے۔ اِتفاقاً کسی کو آرتی کیا۔ کبھی کسی دماغی علاج کے ہسپتال میں تشریف لے جائیے۔ آپ پر یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی کہ وہاں کے مریضوں میں زیادہ تعداد اُن مریضوں کی ہے جو پیٹنٹ دواؤں سے دردِ سر کا علاج کرنے کے خوگر تھے۔ دردِ سر کی بیشتر زود اثر گولیوں میں ایک ایسی دوا ڈالی جاتی ہے جس کے زیادہ استعمال سے خون کی ایک خطرناک بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوا فنا سٹین ہے۔ اُس بیماری سے خون کا رنگ بدل جاتا ہے۔ اور زبان، لب، یہاں تک کہ ناخن بھی زرد یا نیلے ہو جاتے ہیں۔ امریکہ کے محکمۂ غذا و دوا نے اِسے خطرناک دواؤں میں شمار کیا ہے تاکہ اِسے صرف طبّی نسخے میں استعمال کیا جائے۔ دردِ سر کی اکثر پیٹنٹ دواؤں کے مضرِ صحت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مریض اُن کے استعمال کا خوگر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایسی طبّی ادویہ عموماً ان پیٹنٹ دواؤں میں پڑتی ہے، اس کے کثرتِ استعمال سے جسم میں

زہریلا مادہ پیدا کر کے دردِ سر پیدا کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ دوسری اسی طرح کی پیٹنٹ دواؤں کا بھی یہی حال ہے۔ اُن کے استعمال کی عادت سے جو سمیت جسمانی نظام میں پیدا ہو جاتی ہے وہ خود بھی شدید دردِ سر پیدا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک نہایت ضروری بات یہ بھی یاد رکھیئے کہ بعض اقسام کے دردِ سر خطرناک بیماریوں کی علامتوں کے طور پر رُونما ہوتے ہیں۔ اس لیے دردِ سر سے ہمیشہ خبردار رہیئے۔ اور پیٹنٹ دواؤں کو خیرباد کہہ کر کسی تجربہ کار ڈاکٹر سے مشورہ کیجیے۔

۳ —— سگریٹ نوشی

لاس اینجلز (امریکہ) کے نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر لائنس پالنگ نے یونیورسٹی آف سدرن کیلی فورنیا میں اپنے ایک لیکچر کے دوران کہا کہ فطری اعتبار سے انسان غیر فانی ہے کیونکہ اُس کی جسمانی بافتیں خود نئی بافتیں تیار کر لیتی ہیں۔ انسان اپنی ٹوٹ پھوٹ خود ٹھیک کر لینے والی مشین ہے۔

لیکن اس کے باوجود اُس پر بڑھاپا آجاتا ہے۔ اور وہ مر جاتا ہے اور اس کے اسباب ابھی تک پردۂ راز میں ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کے خیال میں انسان کے بڑھاپے کا ایک سبب غالباً یہ ہے کہ وہ اپنی بُری عادتوں سے اپنے جسم کی مسلسل تذلیل کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سگریٹ نوشی کی طرف بھی اشارہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ ایک پیکٹ سگریٹ سے انسان کی عمر ایک گھنٹے پانچ منٹ کم ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر پالنگ نے کہا "آپ کو حیاتِ ابدی حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ آپ سگریٹ نوشی اور دوسری بے اعتدالیوں سے بچے رہیں"

۴ —— بچوں کا خوف

قدیم حکماء کا خیال تھا کہ نسلِ انسانی کے دل میں بعض اشیاء اور تجرباتِ زندگی کا خوف جبلّی ہے۔ لیکن زمانۂ حاضرہ کی تحقیقات اس کے خلاف ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خوف کا منبع صرف دو قسم کے تجربات

ہیں۔ ایک تو بچہ زور کی آواز یا دھماکے سے خوف کھا جاتا ہے اور دوسرے وہ اُس وقت ڈرتا ہے جب اُس کے بدن کو زور سے جھٹکا دیا جائے۔ انھیں دونوں تجربات کے بعد ایک ذرا سا خوف بھی رفتہ رفتہ بڑھ کر اُس کے دائمی خوف کا باعث بن جاتا ہے۔

امریکہ کی ایک لیڈی ٹیچر کہتی ہے "میرا بچہ اندھیرے میں جانے سے بہت ڈرتا تھا میں نے ایک اندھیرے کمرے میں اس کی پسندیدہ مٹھائی رکھ دی اور بچے سے کہا جاؤ کمرے میں سے مٹھائی لے آؤ! شام کا اندھیرا ہو چکا تھا اور کمرہ بالکل تاریک تھا۔ بچے کی تمام تر توجہ مٹھائی پر مرکوز ہو گئی۔ اور وہ بے جھجک اندر چلا گیا۔ کئی بار یہی عمل کیا گیا اور بچہ بے خوف ہو کر اندھیرے میں جانے لگا۔ اس کے بعد یہ تجربہ اور کئی بچوں پر کیا گیا اور کامیاب ثابت ہوا۔"

۵ — ایک خطرناک مرض — زُکام

عام طور پر زُکام کو ایک معمولی شکایت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ لیکن درحقیقت زُکام اتنی معمولی شکایت نہیں ہے جتنی عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ بڑے بڑے مفکرین کی رائے میں زُکام کی کیا اہمیت ہے، آپ بھی سُنیئے۔

"بگڑے زُکام کا خطرہ ڈاکٹروں کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو ادیبوں کے لئے اعراف کا یعنی سونے کی کان۔" (نکولس کیمنڈ)

"انتہائی ناسپاسی ہوگی اگر میں اُس عزت کا اعتراف نہ کروں جو میرے دل میں ڈاکٹروں کے پیشے کے لئے ہے۔ میرے واقفوں میں ڈاکٹر لوگ بحیثیت انسان بہترین ثابت ہوئے ہیں۔ اِس وقت میرے ذہن میں ان کی قابلیت نہیں ہے۔ حالانکہ میرے دل میں اُن کی وقعت کہیں زیادہ ہوتی اگر اُنھوں نے زُکام کو روکنے یا اُس کے علاج کا طریقہ دریافت کر لیا ہوتا۔" (ولیم۔ آر۔ انگے)

"زُکام کا علاج کرو۔ بخار خود ٹوٹ جائے گا۔" (ایک انگریزی کہاوت)

۶ — خیالات کی اہمیت

مشہور امریکی مفکر ڈیل کارنیگی نے اپنی کتاب "جینا سیکھیے" میں ایک جگہ لکھا ہے "گزری ہوئی عادت سے اُٹھ کر ساؤ باب بہترین انسان بن جانے والے نوجوان وانشور پورن سے جب میں نے پوچھا۔ کیا آپ اُن نوجوانوں کو کوئی مشورہ دینا چاہتے ہیں جو دنیا میں ترقی پانے اور کامیابی حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ ہر روز اپنے آپ سے ہر کام کرنے کی کوشش کیجئے۔ ہم اپنے آپ کو نیم خوابی سے بیدار کرنے کے لئے ذہن میں ہم میں سے اکثر لگاتار ہوا ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں جسمانی ورزش کی اہمیت کے تعلق سے اس قدر باتیں بناتے ہیں لیکن ہمیں ہر روز اُس سے بھی زیادہ روحانی اور ذہنی ورزش کی ضرورت ہے جو ہمیں عمل پر اُبھار سکے۔ ہر روز اپنے آپ سے سنجیدگی اور استقلال کی کوئی گفتگو کیجیے۔"

کیا ہر روز اپنے آپ سے استقلال کی گفتگو کرنا کوئی سطحی، احمقانہ اور طفلانہ حرکت ہے؟ نہیں، اس کے برعکس یہ تو صحیح نفسیات کا نچوڑ ہے "ہمارے خیالات ہی ہماری زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔" یہ خیالات آج بھی اسی قدر صحیح اور حقیقت پر مبنی ہیں جتنے کہ آج سے اُنیس صدیاں پہلے جب مارکس اوریلیس نے انھیں پہلی بار اپنی زندۂ جاوید تصنیف "سوچ بچار" میں لکھا تھا۔ "ہمارے خیالات ہی ہماری زندگی کی تشکیل کرتے ہیں۔" روزانہ ایک گھنٹہ اپنے آپ سے گفتگو کر کے آپ اپنے آپ کو جرأت، مسرت، قوت، امن اور خوشحالی کے خیالات سوچنے پر لگا سکتے ہیں۔ صحیح قسم کے خیالات سوچنے سے آپ اپنے کام کی ناگواری اور بے لطفی کو کم کر سکتے ہیں۔ آپ کا مالک چاہتا ہے کہ آپ اپنے کام میں دلچسپی اور شوق کا اظہار کریں۔ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ کما سکے۔ لیکن آئیے

ہم سمجھو۔ جانئے کہ ہمارا مالک کیا چاہتا ہے۔ صرف یہ سوچئے کہ کام میں دلچسپی لینے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟... اپنے آپ کو یاد دلائیے کہ آپ زندگی سے جو

کیونکہ آپ اپنی بیداری کے نصف لمحات اپنے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اگر آپ کو اُس دوران میں خوشی نہیں مل رہی تو پھر کہیں سے بھی نہیں مل سکتی۔ اپنے آپ کو یاد دلائیے کہ اپنے کام میں دلچسپی لینے سے آپ کے دماغ سے پریشانیاں ہوا ہو جائیں گی۔ اور بالآخر شاید آپ کی ترقی اور آپ کی تنخواہ میں اضافہ کا موجب ہوں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو بھی آپ کی تکان گھٹ کر کم سے کم رہ جائے گی اور آپ اپنے اوقاتِ فرصت کا زیادہ سے زیادہ لطف اٹھانے میں رہ جائیں گی۔

۷ —— کیا آپ شکست خوردہ انسان ہیں؟

ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے "جو فرد ایک ممتاز شخصیت کا مالک بننا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے خوف اور دبدبے کو اپنے دامن سے جھاڑ کر پھینک دے۔" کیا آپ ایک شکست خوردہ اور ناکام انسان ہیں؟ اگر آپ نے اِس شکست اور ناکامی سے کوئی علم حاصل کیا ہے تو یہ نیک شگون ہے اور یہ آپ کی شخصیت کو معراج پر پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی انسان اُس وقت تک عظیم نہیں بنا جب تک اُس کو لغزش نہ ہوئی۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہی لوگ عظمتوں کے مالک ہوتے ہیں جنھوں نے کبھی گر کر بھی ہمت نہیں ہاری، جو زندگی کے طمانچے میں مُردہ کھوپڑیاں دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوئے اور کبھی کسی کے رعب میں نہیں آئے۔ اِس کے علاوہ منفی قسم کے نکتہ چین آپ کے دل پر ایک خراش کے سوا اور کوئی نشان نہیں چھوڑتے۔

اگر آپ شکست خوردہ انسان ہیں، اپنے مقاصد کے حصول میں آپ زندگی کی شاہراہ پر ناکام رہے ہیں تو اپنے دل و دماغ سے گزشتہ باتوں اور ناکامیوں کے مایوس کن اثرات کو یکسر جھٹک دیجئے اور پچھلے تجربے کی روشنی میں نئے عزم کے ساتھ نئی زندگی شروع کیجئے۔ یقیناً آپ مشکلات سے کبھی شکست نہیں کھائیں گے۔ جو لوگ اپنی ناکامیوں پر روتے رہتے ہیں وہ کبھی بامِ ترقی پر نہیں پہنچ سکتے۔ وہ تقدیر کو روتے رہیں گے اور زمانہ انھیں روندتا ہوا آگے نکل جائے گا۔

سرگوشیاں

سوز [illegible] ادب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب [illegible] لیکن [illegible] کہ [illegible] اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و غیر اخلاقی سوالات [illegible] ایک [illegible] زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ [illegible] لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ [illegible] کرتا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

محمد احتشام اکٹونوی

س۔ پنڈت ہری کی [illegible] کہانی پہلے کس زبان میں منظر عام پر آئی؟

ج۔ [illegible]

س۔ [illegible] کی شاعری سے ملک اور قوم کو کیا فائدہ پہنچا؟ تفصیل سے بتائیں۔

ج۔ [illegible] فائدہ ہوا۔ قوم بیدار ہوئی۔ ملک [illegible] آزادی کے لئے آگے بڑھا [illegible] سرگوشیوں میں تفصیل ممکن نہیں۔

س۔ بڑے لوگوں کی سوانح حیات پڑھنے کا فائدہ؟

ج۔ ان کی طرح بڑا بننے، عظمت و احترام پانے کے لئے روشنی ملتی ہے۔ ان کی طرح جدوجہد کرنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

[illegible]

س۔ جہاں [illegible] حسین صورت نظر آئی نگاہیں قدم [illegible] کیوں کرنے لگتی ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حسین صورتوں کے ساتھ حسین سینڈل بھی ہوتے ہیں۔

س۔ آج کل انسانیت کیوں لوگوں سے دور بھاگتی جا رہی ہے؟

ج۔ بھائی جان! انسانیت لوگوں سے دور نہیں بھاگتی جا رہی ہے۔ لوگ انسانیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

خطرناک اور [illegible] شے [illegible] ہے وہ عورت ہے۔ پھر بھی لوگ عورتوں کے پیچھے دیوانے کیوں رہتے ہیں؟

ج۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ ایک مفکر نے عورت کے لئے یہی کہا ہے۔ "عورت شبنم کا ایک قطرہ ہے جس سے کانٹوں کا منہ موتیوں سے بھر جاتا ہے"

س۔ کیا مظلوموں سے ہمدردی ظاہر کرنا کمزوری ہے؟

ج۔ جی ہاں!

ایم۔ روشن رشید۔ کٹک

س۔ شیکسپیر نے کہا ہے "دنیا میں جو سب سے

ایم۔ انوار الہدیٰ انور گیا

س۔ انسان غم سے گھبرا جائے تو؟

ج۔ غم کو خوشی بنا لے۔ کسی نے کہا ہے ؎

ہم مشکل باتیں کہ ہمارا ملک کہاں جا رہا ہے صرف سوچئے کہ کام اعلیٰ دلچسپی لیتے ایک کہاں تک پہنچ سکتا ہے؟... اپنے آپ کو یاد دلایئے کہ آپ زندگی سے جو لطف اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کی دلچسپی اُس کی مقدار کو دوگنا کر سکتی ہے کیونکہ آپ اپنی بیداری کے نصف لمحات اپنے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اگر آپ کو اُن لمحات میں خوشی نہیں ملتی تو پھر کہیں سے بھی نہیں مل سکتی۔ اپنے آپ کو یاد دلایئے کہ اپنے کام میں دلچسپی لینے سے آپ کے دماغ سے پریشانیاں ہوا ہو جائیں گی۔ اور بالآخر شاید آپ کی ترقی اور آپ کی تنخواہ میں اضافہ کا موجب ہوں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو بھی آپ کی تکان گھٹ کر کم سے کم رہ جائے گی اور آپ کو اپنے لمحاتِ فرصت کا زیادہ سے زیادہ لطف اُٹھانے میں مدد ملے گی۔

۷ —— کیا آپ شکست خوردہ انسان ہیں؟

ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے: جو فرد ایک ممتاز شخصیت کا مالک بننا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ دوسروں کے خوف اور رعب کو اپنے دامن سے جھاڑ کر پھینک دے۔ "کیا آپ ایک شکست خوردہ اور ناکام انسان ہیں؟ اگر آپ نے اس شکست اور ناکامی سے کوئی علم حاصل کیا ہے تو یہ نیک شگون ہے اور یہ آپ کی شخصیت کو معراج پر پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی انسان اُس وقت تک عظیم نہیں بنا جب تک اُس کو لغزش نہ ہوئی۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہی لوگ عظمتوں کے مالک ہوتے ہیں جنھوں نے کبھی گر کر بھی ہمت نہیں ہاری جو زندگی کے طمانچے میں مُردہ کھوپڑیاں دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوتے اور کبھی کسی کے رعب میں نہیں آتے۔ اِس کے علاوہ منفی قسم کے نکتہ چین آپ کے دل پر ایک خراش کے سوا اور کوئی نشان نہیں چھوڑتے۔

اگر آپ شکست خوردہ انسان ہیں، اپنے مقاصد کے حصول میں آپ زندگی کی شاہراہ پر ناکام رہے ہیں تو اپنے دل و دماغ سے گزشتہ باتوں اور ناکامیوں کے مایوس کن اثرات کو یکسر جھٹک دیجئے اور پچھلے تجربے کی روشنی میں نئے عزم کے ساتھ نئی زندگی شروع کیجئے۔ یقیناً آپ مشکلات سے کبھی شکست نہیں کھائیں گے۔ جو لوگ اپنی ناکامیوں پر روتے رہتے ہیں وہ کبھی بامِ ترقی پر نہیں پہنچ سکتے۔ وہ تقدیر کو روتے رہیں گے اور زمانہ اُنھیں روندتا ہوا آگے نکل جائے گا۔

سرگوشیاں

سوال و جواب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی۔ دہلی)

محمد احتشام اکٹونوی

س۔ پنڈت نہرو کی "میری کہانی" پہلے کس زبان میں منظرِ عام پر آئی؟

ج۔ انگریزی میں۔

س۔ اقبالؒ کی شاعری سے ملک اور قوم کو کیا فائدہ پہنچا؟ تفصیل سے بتائیں۔

ج۔ بہت فائدہ ہوا۔ قوم بیدار ہوئی۔ ملک منظم ہو کر حصولِ آزادی کے لئے آگے بڑھا۔ سرگوشیوں میں تفصیل ممکن نہیں۔

س۔ بڑے لوگوں کی سوانح حیات پڑھنے کا فائدہ؟

ج۔ اُن کی طرح بڑا بننے، عظمت و احترام پانے کے لئے روشنی ملتی ہے۔ اُن کی طرح جد و جہد کرنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

لمی جاوید۔ ہزاری باغ

س۔ جہاں کوئی حسین صورت نظر آئی نگاہیں تعاقب کیوں کرنے لگتی ہیں؟

ج۔ اِس لئے کہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حسین صورتوں کے ساتھ حسین سینڈل بھی ہوتے ہیں۔

س۔ آج کل انسانیت کیوں لوگوں سے دُور بھاگتی جا رہی ہے؟

ج۔ بھائی جان! انسانیت لوگوں سے دُور نہیں بھاگتی جا رہی ہے، لوگ انسانیت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔

ایم روشن رشید۔ کٹک

س۔ شیکسپیئر نے کہا ہے "دُنیا میں جو سب سے خطرناک اور زہریلی شے دیکھی ہے وہ عورت ہے" پھر بھی لوگ عورتوں کے پیچھے دیوانے کیوں رہتے ہیں؟

ج۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ ایک مفکر نے عورت کے لئے یہ بھی کہا ہے "عورت شبنم کا ایک قطرہ ہے جس سے کانٹوں کا مُنہ موتیوں سے بھر جاتا ہے۔"

س۔ کیا مظلوموں سے ہمدردی ظاہر کرنا کمزوری ہے؟

ج۔ جی ہاں!

ایم۔ انوار الہدیٰ آنور گیا

س۔ انسان غم سے گھبرا جائے تو؟

ج۔ غم کو خوشی بنا لے۔ کسی نے کہا ہے ؎

ایم۔ گلاب سنگھ اینڈ سنز کے علاوہ سبھی بک اسٹالوں پر بیسویں صدی کی سپلائی بھی ہم نے بند کر دی ہے۔ رسالہ کے خریدار مقامی ایجنٹوں سے "بیسویں صدی" خرید سکتے ہیں!

ہم مشغلہ جاتے کہ ہلا ملک کیا جاتا ہے۔ صرف یہ سوچئے کہ کام میں دلچسپی لینے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟... اپنے آپ کو یاد دلائیے کہ آپ زندگی سے جو لطف اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ آپ کی دلچسپی اس کی مقدار کو دوگنا کر سکتی ہے کیونکہ آپ جاگنے کے نصف لمحات اپنے کام میں صرف کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ان لمحات میں خوشی نہیں مل رہی تو پھر کہیں سے بھی نہیں مل سکتی۔ اپنے آپ کو یاد دلائیے کہ اپنے کام میں دلچسپی لینے سے آپ کے دماغ سے پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور بالآخر شاید آپ کی ترقی اور آپ کی تنخواہ میں اضافہ کا موجب ہوں گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو بھی آپ کی تھکان گھٹ کر کم سے کم رہ جائے گی اور آپ کو اپنے لمحاتِ فرصت کا زیادہ سے زیادہ لطف اٹھانے میں مدد ملے گی۔

۷ —— کیا آپ شکست خوردہ انسان ہیں؟

ایک مغربی مفکر نے لکھا ہے "جو فرد ایک ممتاز شخصیت کا مالک بننا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ دوسروں کے خوف اور دبدبے کو اپنے دامن سے جھاڑ کر پھینک دے۔" کیا آپ ایک شکست خوردہ اور ناکام انسان ہیں؟ اگر آپ نے اِس شکست اور ناکامی سے کوئی علم حاصل کیا ہے تو یہ نیک شگون ہے اور یہ آپ کی شخصیت کو معراج پر پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ دُنیا میں کوئی انسان اُس وقت تک عظیم نہیں بنا جب تک اُس کو لغزش نہ ہوئی۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہی لوگ عظمتوں کے مالک ہوتے ہیں جنھوں نے کبھی گر کر بھی ہمت نہیں ہاری جو زندگی کے طمانچے میں مُردہ کھوپڑیاں دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوتے اور کبھی کسی کے رعب میں نہیں آتے۔ اِس کے علاوہ منفی قسم کے نکتہ چیں آپ کے دل پر ایک خراش کے سوا اور کوئی نشان نہیں چھوڑتے۔

اگر آپ شکست خوردہ انسان ہیں، اپنے مقاصد کے حصول میں آپ زندگی کی شاہراہ پر ناکام رہے ہیں تو اپنے دل و دماغ سے گزشتہ باتوں اور ناکامیوں کے مایوس کن اثرات کو یکسر جھٹک دیجئے اور پچھلے تجربے کی روشنی میں نئے عزم کے ساتھ نئی زندگی شروع کیجئے۔ یقیناً آپ مشکلات سے کبھی شکست نہیں کھائیں گے۔ جو لوگ اپنی ناکامیوں پر روتے رہتے ہیں وہ کبھی بامِ ترقی پر نہیں پہنچ سکتے۔ وہ تقدیر کو روتے رہیں گے اور زمانہ انھیں روندتا ہوا آگے نکل جائیگا۔

سرگوشیاں

سوال و جواب

اِس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھیئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی۔ دہلی)

محمد احتشام اکٹونوی

س۔ پنڈت نہرو کی "میری کہانی" پہلے کس زبان میں منظرِ عام پر آئی؟

ج۔ انگریزی میں۔

س۔ اقبالؔ کی شاعری سے ملک اور قوم کو کیا فائدہ پہنچا؟ تفصیل سے بتائیں۔

ج۔ بہت فائدہ ہوا۔ قوم بیدار ہوئی۔ ملک منظم ہو کر حصولِ آزادی کے لئے آگے بڑھا سرگوشیوں میں تفصیل ممکن نہیں۔

س۔ بڑے لوگوں کی سوانح حیات پڑھنے کا فائدہ؟

ج۔ اُن کی طرح بڑا بننے، عظمت و احترام پانے کے لئے روشنی ملتی ہے۔ اُن کی طرح جدوجہد کرنے کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

لمی جاوید۔ ہزاری باغ

س۔ جہاں کوئی حسین صورت نظر آئی نگاہیں تعاقب کیوں کرنے لگتی ہیں؟

ج۔ اِس لئے کہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ حسین صورتوں کے ساتھ حسین سینڈل بھی ہوتے ہیں۔

س۔ آج کل انسانیت کیوں لوگوں سے دُور بھاگتی جا رہی ہے؟

ج۔ بھائی جان! انسانیت لوگوں سے دُور نہیں بھاگتی جا رہی ہے، لوگ انسانیت سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔

ایم روشن رشید۔ کٹک

س۔ شیکسپیر نے کہا ہے "دُنیا میں جو سب سے خطرناک اور زہریلی شے دیکھی ہے وہ عورت ہے۔" پھر بھی لوگ عورتوں کے پیچھے دیوانے کیوں رہتے ہیں؟

ج۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ ایک مفکر نے عورت کے لئے یہ بھی کہا ہے۔ "عورت شبنم کا ایک قطرہ ہے جس سے کانٹوں کا مُنہ موتیوں سے بھر جاتا ہے۔"

س۔ کیا مظلوموں سے ہمدردی ظاہر کرنا کمیونزم ہے؟

ج۔ جی ہاں!

ایم۔ انوار الہدیٰ آفو۔ گیا

س۔ انسان غم سے گھبرا جائے تو؟

ج۔ غم کو خوشی بنا لے کسی نے کہا ہے ؎

کرتی جو تھا اب ہے اس کو مصیبت کی کمی
مجھ کو تو اک عمر ملا ہر غمِ جاں گریزاں ہیں

س۔ زندگی سے گھبرا کر بھاگنا چاہتا ہوں۔ بتلائیے کیا کروں؟

ج۔ آپ زندگی سے بھاگنا چاہتے ہیں مگر زندگی کا یہ شعر پیارا ہے ؎
گھبرائیے کیوں زندگی بے کیف اگر ہے
آخر شبِ تاریک کا انجام سحر ہے

س۔ زندگی اور موت میں کیا رشتہ ہے؟

ج۔ جو صبح اور شام میں رشتہ ہے!

رؤف عادل۔ دھاروی

س۔ شادی کس عمر میں کرنی چاہیے؟

ج۔ جب آدمی شادی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔

س۔ خدا محفوظ رکھے سب کو ان تین بلاؤں سے
حکیموں سے وکیلوں سے حسینوں کی نگاہوں سے
یہ کہاں تک صحیح ہے؟

ج۔ سو فیصدی صحیح ہے۔

س۔ ایک مصنف کو کیا کرنا چاہیے جب کہ اُس کے لکھے ہوئے مضامین ہر طرف سے رد کیے جاتے ہوں؟

ج۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر جوہر پیدا کرنا چاہیے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرنی چاہیے۔ کسی منزل آشنا رہنما کا دامن پکڑ کر کامیابی کی منزل کی طرف بڑھنا چاہیے۔

امداد شاکر۔ اورنگ آباد

س۔ زندگی؟

ج۔ زندگی ہے یہ موجوں سے ٹکرانے کا نام
ڈوب کر بحرِ حوادث میں ابھر آنے کا نام

مس سلمہ۔ رام پور

س۔ خوشتر بھیا! ذرا جلدی سے بتلائیے کہ میں کہاں ہوں؟

ج۔ ......

س۔ آپ میرے سوالات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

ج۔ آپ کے سوال لاجواب، اپنا جواب آپ ہوتے ہوں گے۔ جیسا کہ آپ کا یہی پہلا سوال ہے!

محمد سلیمان۔ پورنیہ

س۔ حقیقت میں زندگی زندہ دلی کا نام ہے؟

ج۔ جی ہاں۔ مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

س۔ یہ کس کا شعر ہے ؎
میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو
کہ اپنے آپ کو مانندِ مہماں لے کے آیا ہوں

ج۔ غالباً جگن ناتھ آزاد کا۔

نواب خاں۔ گیان پور (اڑیسہ)

س۔ ایک ماں اپنے بچے کے لئے کہاں تک جھوٹ بول سکتی ہے؟

ج۔ ماں اپنے بچے کے لئے وہ سب

کچھ کر گئی ہے جان سے [illegible]

زہرہ جبیں۔ کلکتہ

س۔ موجودہ دور میں ہر آدمی خود کو بہتر اور دوسروں کو کمتر کیوں سمجھتا ہے

ج۔ اس لئے کہ اس دور میں خود پرستی، خود ستائی ہر آدمی کا شعور بن گئی ہے۔

س۔ دنیا میں نام پیدا کرنے کا سہل طریقہ؟

ج۔ سب سے آسان طریقہ لیڈری کا ہے اس میں بدنامی بھی ہوتی ہے۔ لیکن۔ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

اتفاق سرہٹے خانی پوری

س۔ میرا ایک دوست کہتا ہے آپ بچے ہیں میں کہتا ہوں نہیں۔ فیصلہ آپ پر ہے۔

ج۔ اپنے دوست سے کہیے افسردہ دل نہ ہوں۔ ہم اُن کے اس امتیازِ خاص میں اُن کے شریک و حریف نہیں ہیں۔

س۔ بھیا! آجکل کے زمانے میں مرد و زن کو کیا جاننا ضروری ہے؟


بچوں کو کھانسی اور زکام میں
قطعی آرام کے لئے
سیرولین روشؔ دیجئے
بچوں کی کھانسی یا زکام کی طرف سے لاپرواہی نہ برتیئے۔۔ انہیں سیرولین دیجئے۔ یہ بے ضرر دوا انہیں جلد اور قطعی آرام پہنچائے گی۔ خوش ذائقہ اور آسانی سے تکلیف دور کرنے والی سیرولین کو بچے بیحد پسند کرتے ہیں۔
سیرولین آپ کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔ یہ کھانسی کو صرف دبا ہی نہیں کرتی بلکہ ان جراثیم کا مقابلہ بھی کرتی ہے جو کھانسی پیدا کرتے ہیں۔ سیرولین گلے کی خراش میں آرام اور بلغم دور کرنے میں مدد پہنچاتی ہے اور سخت سے سخت کھانسی کی شکایت کو بغیر تکلیف جلد دور کر دیتی ہے۔
ہندوستان کے گھر گھر میں استعمال کی جانے والی کھانسی و زکام کی دوا
SIROLIN
"ROCHE"
اپنے گھر میں سیرولین ضرور رکھئے
روشؔ کی تیارکردہ
سول ڈسٹری بیوٹرز: وولٹاس لمیٹڈ

ج۔ سب سے زیادہ ضروری یہ جاننا ہے کہ عورتوں کے فرائض کیا ہیں؟

عبدالرشید عالم ہمری۔ پروان

س۔ اجنبی اور پردیسی میں کیا فرق ہے؟

ج۔ آپ کے لئے اجنبی وہ ہے جسے آپ جانتے نہ ہوں اور پردیسی وہ ہے جس کا یہاں دیس نہ ہو۔ وطن نہ ہو۔

س۔ اُردو کے مشہور ادیب کا نام بتائیں عین نوازش ہوگی۔

ج۔ بیسویں صدی میں آپ ہر ماہ اُردو کے مشہور ادیبوں کے نام دیکھتے ہیں، اُن کی تخلیقات پڑھتے ہیں۔

شمیم فاروقی

س۔ مجروح سلطان پوری کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ اسرار الحسن۔

س۔ نریش کمار شاد کا کوئی بہترین شعر سنایئے۔

ج۔ آغوشِ حادثات میں خنداں رہا ہوں میں
دل ٹوٹتا رہا ہے غزلخواں رہا ہوں میں

کاظمہ خاتون رضوی۔ فرخ آباد

س۔ حال سے زیادہ مستقبل کیوں سنہرا نظر آتا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ مستقبل میں اُمید کی کرن شامل ہوتی ہے۔

س۔ آج کل والدین لڑکیوں کو بھی کیوں لڑکوں کے برابر تعلیم دلانا چاہتے ہیں؟

ج۔ تاکہ احساسِ برتری کے شکار و پرستار لڑکے لڑکیوں کو حقیر نہ سمجھیں۔

س۔ کیا یہ سچ ہے؟ بس نہیں چلتا کبھی تقدیر سے تدبیر کا!

ج۔ مردِ خود آگاہ کی تدبیر ہی تقدیر ہے۔

کلیم الرحمٰن۔ بیکوپور

س۔ انسان کو روحانی تسکین کن باتوں سے حاصل ہوتی ہے؟

ج۔ ہر نیک کام سے!

سیما نسرین۔ لکھنؤ

س۔ خوشتر بھیا! جب اخلاق اور انسانیت کا بدلہ بُرائی اور دھوکے فریب سے دیا جائے؟

ج۔ بُرائی کو بھلائی سے جیتنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

س۔ زندگی کیا ہے؟ جب زندگی کا ہر آنے والا لمحہ اس کی ایک نئی شکل پیش کرتا ہے

ج۔ کون ہمت کا دھنی ہے مردِ میداں کون ہے
آزمائش زندگی ہے امتحان ہے زندگی

یونس سالک۔ آکولہ

س۔ حضرتِ جوش ملیح آبادی کا کوئی پُرجوش شعر سنایئے۔

ج۔ سُنیئے

بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے
جو مرد ہے تو خزاں سے بہار پیدا کر

س۔ امام الہند حضرت مولانا آزاد کی سوانح عمری پر کسی مکمل اور جامع کتاب کا نام تحریر فرمایئے۔

ج۔ رئیس احمد جعفری کی کتاب "تذکرۂ آزاد"

ایم۔ انور۔ برہان پوری

س۔ اگر دوستی دشمنی میں بدل جائے تو؟

ج۔ دشمنی کو پھر دوستی میں بدلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

س۔ انسان کے عالم آب و گِل میں آنے کا مقصد؟

ج۔ جسے جانتے ہوئے بھی انسان انجان بنا رہتا ہے۔

خالد خلیل نعمانی۔ کراچی

س۔ دُنیا میں کس طرح راحت مل سکتی ہے؟

ج۔ دوسروں کو راحت دے کر!

پاکستانی اصحاب غلام محی الدین خضر مقیم کراچی کے ہتھکنڈوں سے بچیں
یہ جعلساز اعظم بیسویں صدی کے ہزاروں روپے دھوکہ اور فریب سے ہضم کر چکا ہے

ایس ضیاء الدین علی گڑھی

س۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عورت افکار کی آہنی گرفت ہے۔ میں کہتا ہوں عورت بجلی کی تڑپ، شمع کی پاکیزگی اور شبنم کی تصویر ہے۔ آپ کے خیال میں عورت کی سب سے بہتر تعریف کیا ہے؟

ج۔ علامہ اقبال کی زبان میں۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

س۔ میں اپنی زندگی کی ناکامیوں اور محرومیوں پر کیسے فتح پا سکتا ہوں؟ جب کہ اُمید کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آتی۔

ج۔ حوصلہ نہ چھوڑیئے، آس نہ توڑیئے۔
صبح بھی ہوگی تیرہ شبی کی۔
تنگ محل میں آگ لگے تو دھرتی پر اُجیالا ہو
جب تک پنچھی پت زندہ ہیں تب تک اندھیارا ہو

س۔ اگر اپنے عزیز محض دولت کی خاطر دھوکے اور فریب سے کام لیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

ج۔ تلخی کو مٹھاس بنانے، بُرائی کو بھلائی سے جیتنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مکتب اورین ۔ یم ۔ اجمل

س۔ مذہب تو عورت اور مرد دونوں کو شریکِ زندگی کے انتخاب کی اجازت اور آزادی دیتا ہے۔ مگر ماں باپ اور ہمارا سماج اسے سرکشی کا حق سمجھتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ج۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں مرد زیادہ ہیں اور ماں باپ سماج سے ڈرتے ہیں۔

کیول کرشن ۔ دہلی

س۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ عورت کی سب سے بڑی خواہش ماں بننا ہے۔ تو پھر مرد کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟

ج۔ مرد کی نہ پوچھئے۔
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش...
کسی مرد شاعر نے کہا ہے
دُنیا نے آنند ہے میرے دل میں کب رہی
دو چار دن جو ہوں تو کہوں دل کی آرزو

ہارون الرشید ۔ میسر

س۔ فی زمانہ مرد عورت کو سب سے بڑے اعزاز کی مستحق کیوں سمجھتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ عورت اعزاز و احترام کی مستحق ہے۔

س۔ کالج کے طالبِ علم خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اُن کے اندر خودی کیوں پیدا ہو جاتی ہے؟

ج۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں سنہرا مستقبل قریب آ رہا ہے۔ اُن کے قدم پہلے سے ہی بہک چکے ہیں۔

س۔ ہندوستانی مسلمان عورت میں ہندو عورت کی جھلک کیوں پائی جاتی ہے؟

ج۔ ماحول سے متاثر ہو جاتی ہے۔

سید محمد حسن مجاہد ۔ کلکتہ

س۔ بتائیے اگر تقدیر نہ ملے تو کیا اسے کوشش سے بنایا جا سکتا ہے؟

ج۔ بے شک!

لے ۔ رحمٰن ۔ شاہجہاں پور

س۔ حسرت موہانی کا کوئی اچھا شعر سنائیے۔

ج۔ سنئیے
شادماں تھا جو تجھے رنج [illegible]
غم دُنیا سے گراں [illegible]

س۔ میں اچھے اچھے افسانے لکھتا [illegible] کیا آپ انھیں اپنے رسالے میں جگہ دے سکتے ہیں؟

ج۔ ہماری پُرخلوص رائے ہے کہ ابھی آپ [illegible] سرگوشیاں ہی کو زینت بخشتے رہیں [illegible] ہمارا نہیں آپ کا ہے۔

س۔ بیسویں صدی کی سالانہ قیمت کیا ہے؟

ج۔ آٹھ روپے (خاص نمبر [illegible])

محمد اعظم پاشا کار ۔ جہلم

س۔ یہ حقیقت ہے کہ ماں کے پاؤں تلے [illegible] ہے۔ اگر ماں زندہ نہ ہو تو؟

ج۔ باپ کی خدمت کرنی چاہئے [illegible] سے محبت اور مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔



قابلِ مطالعہ منتخب شعری مجموعے

آتش گل	جگر مراد آبادی	پانچ روپے
کلیات اقبال	ڈاکٹر اقبال	چھ روپے
جنون و ہوش	جوش ملسیانی	چار روپے
[illegible]	جوش ملسیانی	تین روپے
آہنگ حجاز	"	ایک روپیہ
[illegible]	ساحر ہوشیارپوری	تین روپے
[illegible]	نرش کمار شاد	دو روپے پچاس نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	"	تین روپے
آیات جنوں	"	ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
سنگم	"	تین روپے
کلیات محروم	تلوک چند محروم	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
گنج معانی	"	سات روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	فراق گورکھپوری	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible] کلیات	"	تین روپے ۵۰ نئے پیسے
مشعل		دو روپے ۵۰ نئے پیسے
بیکراں	جگن ناتھ آزاد	چار روپے ۵۰ نئے پیسے
ستاروں سے ذروں تک	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
کلیات اکبر الٰہ آبادی	اکبر الٰہ آبادی (اول)	پانچ روپے
" حصہ دوم	"	چھ روپے
کلیات اختر شیرانی	اختر شیرانی	آٹھ روپے
رعنائیاں	شکیل بدایونی	تین روپے
صنم و حرم	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے

غزلیات	[illegible]	[illegible] روپے
رم آہو	"	چار روپے
گلنار	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
قول و قرار		تین روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]		دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]		دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	[illegible] شفاقی	تین روپے
جھومر	"	تین روپے
روزن	"	تین روپے
جلترنگ	"	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
شبنم شبنم	کرشن موہن	پانچ روپے
گفتنی	مخمور سعیدی	دو روپے
نئی صبح	ضیا فتح آبادی	ایک روپیہ
طلوع	"	۵۰ نئے پیسے
نور مشرق	"	ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے
[illegible]	پورن سنگھ ہنر	دو روپے ۵۰ نئے پیسے
[illegible] صبح	عشرت کرتپوری	دو روپے ۵۰ نئے پیسے

آئینہ اصلاح

ابوالفصاحت جوش ملسیانی کی اصلاحیں شاگردوں کے کلام پر مع توجیہ اس کتاب میں درج ہیں یہ کتاب مبتدی اور فن نہ جاننے والے شعراء کے لئے رہنما کا کام دے گی۔ قیمت تین روپے۔

جوش ملسیانی

کے مکمل حالات زندگی۔ انتخاب کلام۔ شاگردوں [illegible]

کے حالات اور کلام [illegible]
[illegible] [illegible]

گلستانِ ہزار رنگ

[illegible] اشعار عنوان وار ترتیب دیئے گئے ہیں۔ [illegible] مقدمہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے لکھا ہے [illegible] کتاب کا راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد نے [illegible] راشٹرپتی کا نام نامی ہی اس امر کی ضمانت ہے [illegible] کی ہوگی۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین، جناب [illegible] نیاز فتحپوری نے اس کتاب کو اس صنف کی بہترین کتاب [illegible] اردو ایڈیشن دس روپے اور ہندی ایڈیشن [illegible]

شاہنامۂ اسلام

جناب حفیظ جالندھری کا [illegible] چار حصوں میں، جن میں تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ [illegible] ہر حصہ تقریباً تین سو صفحات کا ہے [illegible] ایڈیشن [illegible] چھپا ہے قیمت [illegible] روپے [illegible] ہے محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے الگ ہوگا۔

تلامذۂ غالب

غالبیات کے مشہور ماہر مالک رام صاحب کی [illegible] تصنیف اس کتاب میں [illegible] شاگردوں کی سوانح حیات اور کلام [illegible] شامل کتاب ہیں ہندوستان بھر کے ادیبوں کا فیصلہ [illegible] اس سال کا بہترین ادبی تحفہ ہے قیمت [illegible] آٹھ آنے [illegible]

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی - دہلی نمبر ۶

محمد معین الرحمٰن ادیب ۔ علیگ

س۔ جگر مرحوم کا کوئی درد ناک شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ۔

ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت
اب نہیں کوئی مونسِ شبِ ہجراں کے قریب

الشفیٰ بن عطا ۔ اورنگ آباد دکن

س۔ محترم خوشتر صاحب! کچھ دن ہوئے میں نے ایک فلم "بس کنڈکٹر" دیکھی جس میں آپ کے رسالے "شیوپی صدی" کا ذکر تھا۔ فلم والے آپ کے پرچے کی مقبولیت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن آپ فلم کو آج کی زندگی کا تفریحی لحاظ سے جز ماننے کے لئے تیار نہیں۔ میں آپ کے خیالات جاننے کے لئے بے تاب ہوں۔

ج۔ یہ درست ہے فلمیں آج کی زندگی کا تفریحی جز ہیں۔ لیکن یہ تفریح تباہ کن ہے۔ ہمارے ملک کی بیشتر فلموں میں تفریحی اور تعمیری حصہ برائے نام ہوتا ہے اور تخریبی زیادہ!

س۔ حضرت سالک مرحوم کے کچھ حیات افروز شعر سنائیے۔

ج۔ دو شعر سنیئے ۔

رہے گا مشغلۂ یادِ رفتگاں کب تک
چمن کی فکر کرو، آشیاں کی بات کرو
نہیں ہوا جو طلوعِ آفتاب تو فی الحال
قمر کی بات کرو کہکشاں کی بات کرو

ابو الیث فرید صاحب گنج

س۔ خوشتر صاحب! آپ کا دین کیا ہے؟

ج۔ جو ہر انسانیت پرست ہر انسان دوست کا دین ہے۔

ایم عباس ثاقب ۔ رمضان پور

س۔ دنیا کے سارے مذاہب کی بنیاد؟

ج۔ صداقت شعاری و نیکوکاری!

س۔ کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہے لیکن اپنے آپ کو سچا کہتا ہے۔ آخر کیوں؟

ج۔ یقیناً وہ کوئی لیڈر ہوگا۔ اگر بڑا جھوٹ بولتا ہے بڑا لیڈر ہوگا۔

انور خاں آزاد ۔ اورئی

س۔ زندگی کیا ہے؟ (جواب غالب کے کسی شعر سے دیجئے۔ ہو سکے تو اور دیگر شاعروں کے اشعار سے بھی۔)

ج۔ سرگوشیوں میں اس سوال کا جواب بہت بار دیا جا چکا ہے۔ زندگی پہ غالب کا ایک شعر سنیئے ۔

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

زندگی کیا ہے، یہ علامہ اقبال کی زبان میں سنئے ۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

س۔ حضرت جگر مراد آبادی کے استاد کا نام کیا تھا؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے راشد مراد آبادی، کچھ لوگوں کا کہنا ہے اصغر گونڈوی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

ج۔ "انتخابِ کلامِ جگر مراد آبادی" پیش کردہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن کے مرتب تبسم نظامی کے بیان کے مطابق حضرت جگر کو ابتدا میں حضرت داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ اس کے بعد رسا اور تسلیم سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد حضرت اصغر گونڈوی سے بھی فیض یاب ہوتے رہے۔

س۔ کامیابی کا راز؟

ج۔ بڑھے جاؤ خلوص کا سکی سچی حرارت سے
نکل آتی ہے جوئے شیر بھی پتھر کی فطرت سے

ماہ پارہ ۔ پورنیہ

س۔ زندگی کیا ہے؟

ج۔ انہیں کالموں میں ہم یہ کئی بار بتا چکے ہیں۔ آپ سے پہلے اسی صفحہ پہ پھر اس کا جواب ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

سِرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی

غفور آرزو ۔ بوگرا

س۔ انسان کی سب سے بڑی طاقت کیا ہے؟

ہے؟

ج۔ انسان کی سب سے بڑی طاقت اُس کا عزم و ارادہ، ناقابلِ شکست عزم و حوصلہ ہے!

خدیجہ خاتون۔ صاحب گنج

س۔ زندگی کی کامیابی کس چیز میں ہے!

ج۔ زندگی کی تلخیوں کو مٹھاس بنانے، مٹھاس بڑھانے میں، زندگی کی سختیوں اور دشواریوں کو آسان بنانے میں، زندگی کی راہوں میں عزم و عمل کی شمع جلانے میں!

س۔ ایک اچھی زندگی کے لئے ایک عورت کو کیا کیا چاہئے؟

ج۔ سلیقہ شعاری، نیکوکاری، بلند کرداری، اچھا گھر، اچھا شوہر۔

محمد شمس الدین خاں۔ بکرم گنج

س۔ بیوی حقیقی رازدار ہے یا دوست؟

ج۔ کسی کی بیوی، کسی کا دوست، جو اس کا اہل ہو۔

س۔ انسان کا ضمیر انسان کو کب دھتکارتا ہے؟

ج۔ جب انسان ضمیر کشی کرتا ہے۔ ضمیر کی آواز نہیں سنتا۔

س۔ اُس وقت کیا کرنا چاہئے جب وقت بیدردی سے کام لے اور زمانہ نفرت سے۔

ج۔ ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہئے

اے۔ کے شارق۔ گیاوی

س۔ بعض لوگوں کو دوسروں کی ناکامی پر کیوں مسرت ہوتی ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ وہ اچھے لوگ نہیں ہوتے اچھے لوگ دوسروں کو خوشی دے کر، دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

س۔ کھلتی کلی، نوکیلے کانٹے...؟

ج۔ دیدۂ بینا دونوں میں حسن دیکھتا ہے۔

محمد یوسف۔ بھوپال

س۔ میں نے آپ کے پاس ایک افسانہ بھیجا تھا۔ آپ کے لکھنے کے بموجب اُس میں ایک لفافہ بھی رکھ دیا تھا۔ افسانہ زیادہ طویل بھی نہ تھا۔ چھاپنا تو درکنار آپ نے جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ آخر کیوں؟

ج۔ "بیسویں صدی" میں وہی مضامین شائع ہوتے ہیں جو "بیسویں صدی" کے معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔ ناپسندیدہ مضامین لازمی طور پر واپس کر دیئے جاتے ہیں جن کے ساتھ جوابی لفافے ہوتے ہیں۔

س۔ موت سے بھی زیادہ خوفناک کوئی چیز ہے؟

ج۔ وہ زندگی جو ننگِ زندگی ہو وہ حیات جو ننگِ حیات ہو۔

محسن زیدی۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

س۔ میرے سامنے ایک سوال ہے جسے کوئی حل نہ کر سکا ہے
محبت میں کوئی مجھے یہ بتلائے
بسر کس طرح ہوتی ہے زندگانی
مجھے اُمید ہے آپ جیسی عظیم شخصیت
اِسے حل کرنے میں ناکام نہ ہوگی۔

ج۔ ہم تو آپ کے اِس سوال کے جواب میں یہی کہیں گے
زندگی صرف محبت ہی نہیں ہے اے دوست
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

احمد حسین خاں عزمی۔ اجمیر

س۔ زندگی کیا ہے؟

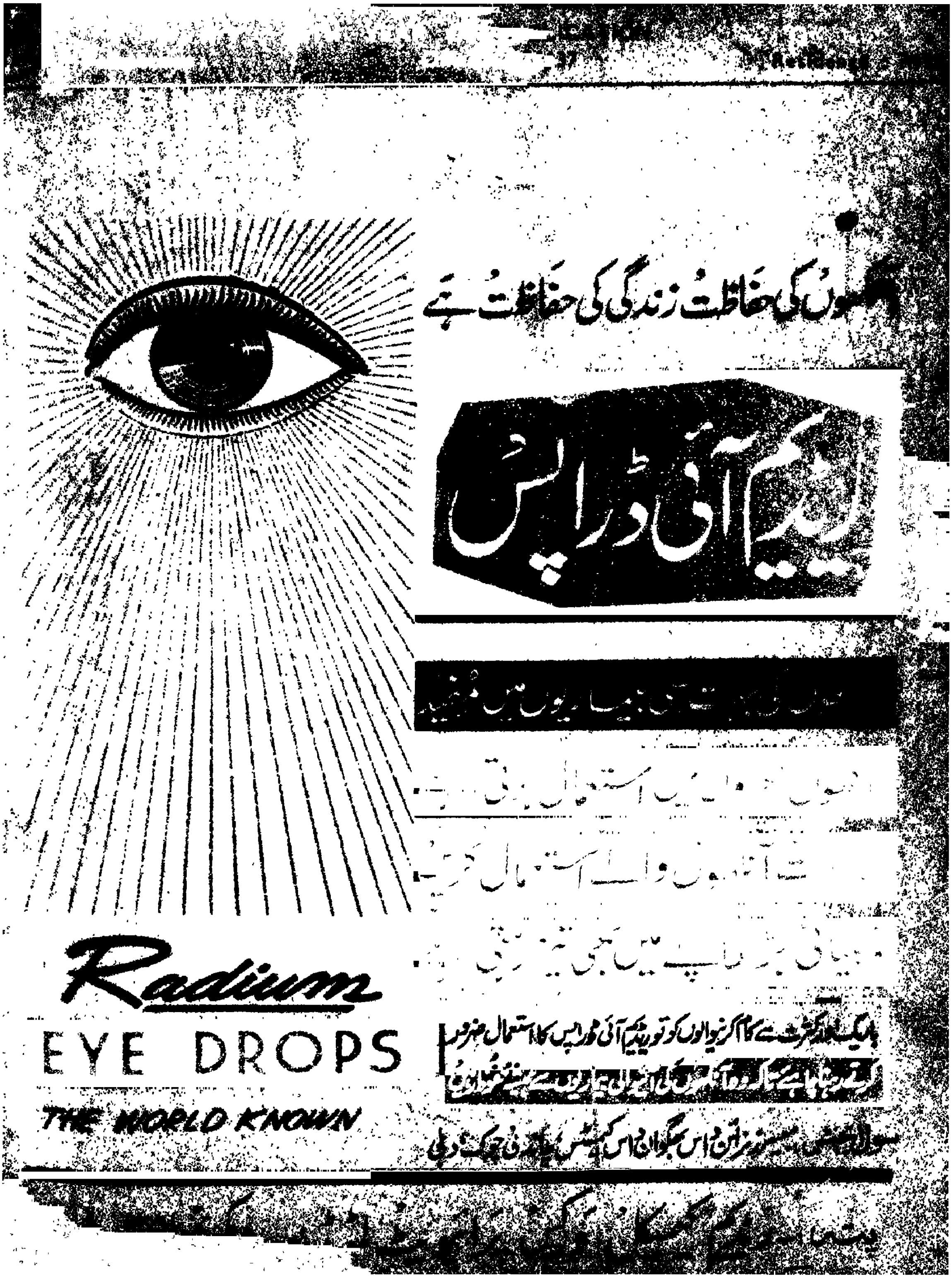
ج۔ ایک اہم امانت، قدرت کا سب سے عظیم عطیہ!

س۔ محبت میں حمیت سے کام لینا چاہئے یا صبر سے؟

ج۔ محبت کرنے کی حماقت کرنے سے پہلے عقل سے کام لینا چاہئے۔ تاکہ ہمت و صبر کو آزمانے کی نوبت ہی پیش نہ آئے

[illegible]


طاقت کی سب سے مشہور
جو
فوراً اثر دکھاتی ہے
ریڈیم ٹانک پلز
کشتہ فولاد، کشتہ سونا اور لوہمین جیسی قیمتی
نیا خون بکثرت پیدا کر کے ناطاقتی کو دور کرتی
اور خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت
واپس لانے کیلئے ملک کے کونے کونے میں مشہور
لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ
ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت اور نئی جوانی
تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے استعمال سے
کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج
سول ایجنٹس



آنکھوں کی حفاظت زندگی کی حفاظت ہے
ریڈیم آئی ڈراپس
Radium
EYE DROPS
THE WORLD KNOWN



اب تک آئے نہ اب وہ آئیں گے   وقت سرگوشیوں میں کہتا ہے

خُوگرِ اِنتظار آنکھوں کو   پھر بھی اِک اِنتظار رہتا ہے

مخمور سعیدی ——————— فوٹو [illegible]



ب ساحر لدھیانوی نے اپنا نیا مجموعہ " آؤ کہ کوئی خواب بُنیں "
ے کالج کے ساتھی، مرکزی وزیر جناب آئی ۔ کے گجرال کو پیش کیا۔



جناب ساحر نے سب سے پہلی کتاب اپنی ماں کو دی
جن کی دُعاؤں کے طفیل وہ آج بامِ شہرت پر پہنچے۔



جناب ساحر، ڈاکٹر رفیق ذکریا کو اپنی کتاب
پیش کر رہے ہیں۔ جناب صابر دت کھڑے ہیں۔



حضرتِ ساحر اُردو کی نامور ناول نگار محترمہ
قرۃالعین حیدر کو اپنا نیا مجموعہ پیش کر رہے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible]





اُردو کے نامور شاعر حضرتِ مولانا ابر احسنی گنوری کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں گزشتہ دنوں پٹیالہ میں "جشنِ ابر" منایا گیا۔ سردار لال سنگھ صاحب ممبر پبلک سروس کمیشن نے افتتاحی تقریر میں فرمایا "اُردو کسی خاص خطے کی زبان نہیں۔ اس کا مقام سبھی ہندوستانیوں کا دل ہے یہ اقبال، چکبست اور جوش کی زبان ہے۔ اُردو کو اس کے جائز حقوق ملنے چاہییں ۔"



پدم شری حضرت جوش ملسیانی ابھینندن گرنتھ موسوم "نذرِ ابر" کی ایک جلد مولانا ابر احسنی کو پیش کر رہے ہیں۔



مولانا ابر احسنی کے ممتاز شاگرد اور "جشنِ ابر کمیٹی" کے صدر ڈاکٹر ... مولانا صاحب کی زندگی اور فن سے متعلق سیر حاصل تقریر فرما رہے ہیں



صدرِ مشاعرہ حضرتِ جوشؔ ملسیانی سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ فرما رہے ہیں۔

اِتنا گُم راہ نہ کر ناصحِ ناداں مجھ کو
بڑھ کے ایماں سے ہے وُہ دشمنِ ایماں مجھ کو

سوزشِ داغ دروں سے نظر آتا ہے یہی
پھونک دے گا یہ چراغِ تہِ داماں مجھ کو

ہوسِ سیرِ گلستاں ہے خدا خیر کرے
خواب میں بھی نظر آتے ہیں بیاباں مجھ کو

گرم اشکوں سے مرے دِل کی لگی کیا بجھتی
کر گئے اور بھی یہ شعلہ بہ داماں مجھ کو

آج وُہ شانِ کریمی ہیں دِکھانے والے
کہیں رُسوا نہ کرے تنگیٔ داماں مجھ کو

کوئی ہم دم نہیں، مُونس نہیں، دم ساز نہیں
کِس جگہ چھوڑ گئی عُمرِ گُریزاں مجھ کو

دولتِ کُفر کی اُمید نہ چھوڑوں گا کبھی
مِل ہی جائے گا کوئی دشمنِ ایماں مجھ کو

ہوسِ جاہ رہی مانعِ طاعت اے جوشؔ
سر و ساماں نے کیا بے سر و ساماں مجھ کو

ٹیلیفون دفتر

ٹیلیفون رہائش

۱۔ باتصویر فیچر	ادارہ	۳
۲۔ تیر و نشتر	خوشتر گرامی	۹
۳۔ مجلسِ اقوام متحدہ	خوشتر گرامی	۱۴
۴۔ قربتیں اور فاصلے	پروفیسر طارق جمیلی ایم۔ اے۔ بی۔ ایل	۱۵
۵۔ جانِ غزل	قمر مراد آبادی	۲۰
۶۔ سیاہ حاشیہ	م۔ک۔ مہتاب ایم۔ اے	۲۳
۷۔ غزل	پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ اے	۲۰
۸۔ غزل	ساحر لدھیانوی	۲۷
۹۔ آکاش دیپ	مس صفیہ سلطانہ ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ	۲۹
۱۰۔ غزل	جاں نثار اختر ایم۔ اے	۳۹
۱۱۔ غزل	ڈاکٹر عتیق پریمی ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی	۳۹
۱۲۔ غزل	محمد وصی بی۔ اے	۳۹
۱۳۔ جذبوں کا کھیل	ڈاکٹر کیول دھیر	۴۱
۱۴۔ یاد	مختلف شعراء	۴۳
۱۵۔ آنکھیں	مختلف شعراء	۴۳
۱۶۔ غزل	علیم اختر مظفر نگری	۵۱
۱۷۔ غزل	شوکت پردیسی	۵۱
۱۸۔ پیاس جو بجھ نہ سکی	شاکر کریمی	۵۲



سالانہ قیمت ہندوستان

چودہ روپے

بائیس شلنگ

۱۹	غزل		حباب ہاشمی ایم۔اے، بی۔ایڈ	۵۶
۲۰	غزل		احساس گونڈوی	۵۶
۲۱	غزل		دل ایوبی بی۔اے (علیگ)	۵۶
۲۲	سفید ہونٹ	افسانہ	انیس قیوم فیاض بی۔ایس سی (عثمانیہ)	۵۹
۲۳	ہاتھ		مختلف شعراء	[illegible]
۲۴	تبسم		مختلف شعراء	۶۱
۲۵	غزل		مسعودہ حیات ایم۔اے، بی۔ٹی	۶۲
۲۶	غزل		پروفیسر جاوید وششٹ ایم۔اے	۶۲
۲۷	غزل		رتین رامپوری	۶۳
۲۸	خوشبو	افسانہ	ایس۔پی ملہوترہ دینش چترکار بی۔اے	۶۵
۲۹	غزل		ن۔ن۔نجمی ایم۔اے	۶۵
۳۰	غزل		پورن کمار ہوش	۶۹
۳۱	عشق کا حاصل		صادق علیگیرین بی۔ایس سی (علیگ)	۶۹
۳۲	بند لفافہ	افسانہ	اکرم فاروقی ایم۔اے، بی۔ٹی	[illegible]
۳۳	غزل		عبدالقدوس ناطق	۷۷
۳۴	غزل		پروفیسر ایم۔اے شمیم ایم۔اے	۷۷
۳۵	غزل		کیلاش چندر ناز ایم۔اے	۷۸
۳۶	ایک خط		فکر تونسوی	۷۹
۳۷	اُلجھن	افسانہ	فیض الحسن	۸۱

۳۸۔ صحت و زندگی ــــ زندگی میں خیالات کی اہمیت ــــ خود کو پہچانو ــــ انداز فکر کی اہمیت سمجھئے ــــ
کیا آپ جانتے ہیں؟ ــــ انسان حالات کا غلام نہیں ــــ ایک غلط فہمی سے بچیئے ــــ ۸۵

۳۹۔ سرگوشیاں ــــ سوال و جواب ــــ ۹۵

تیر و نشتر

- دلّی میں بڑھتے ہوئے جرائم پر وزیرِاعظم اندرا گاندھی کا تشویش: ایک عنوان ــــ کاش اِس میں سیاستدانوں کے سیاسی جرائم بھی شامل ہوں۔

- اِشتعال انگیزی: ایک عنوان ــــ جس سے سیاسی دکانداری چلتی ہے۔

- پنجاب کانگرس کا تماشہ: ایک عنوان ــــ اور کانگرس ... تماشائی۔

- دلّی میونسپل کونسلر کے مکان پر چھاپے کی گونج: ایک خبر ــــ چھاپہ تھا کہ بم پھٹا جس کی گونج ہوئی۔

- بحرِ ہند میں رُوسی آبدوز دیکھی گئی: ایک خبر ــــ ... سوتے سوتے آپ کی آنکھ کھل گئی۔

- جن سنگھ پنجاب اسمبلی کی ساٹھ سیٹوں پر الیکشن ... کا: ایک خبر ــــ اور پارلیمنٹ کی طرح سَو فیصدی ہار کا شاندار ریکارڈ قائم کرے گا۔

- بنگال میں ہائر سیکنڈری اسکول سسٹم ختم کرنے کی سفارش: ایک خبر ــــ دِلّی بازی لے جائے۔ کالج اور یونیورسٹی ختم کر ڈالے۔

- میکسیکو (امریکہ) میں اجتماعی شادیاں: ایک خبر ــــ لڑکیوں کا ہول سیل سمگلنگ۔



پاکستان کی سیاسیات



گورنر نے بادل وزارت کے وزیروں کے خلاف اِلزامات کی دُوسری رپورٹ پیش کردی

"پنجاب کی اکالی سیاست" ایک عنوان ــــ صُبح کُچھ شام کُچھ۔

"آگ بُجھانے کے لئے نئی قِسم کا پانی" ایک خبر ــــ جو دل کی آگ بھی بُجھائے گا۔

"جن سنگھ اور بنگلہ دیش" ایثار نفس لیڈر میر مشتاق کا ایک مقالہ ــــ ایک ڈھونگ، سیاسی مداری کا تماشہ اور مگرمچھ کے آنسو۔

"کاغذ کرمچاری سنگھ کے نئے صدر" ایک خبر ــــ کاغذی کارروائیوں کے لئے مُنتخب۔

"کانگرسی لیڈر عوام کو بُدھو بنا رہے ہیں" ایک عنوان ــــ ہمیں آپ سے ہمدردی ہے۔

"تعلیمی پالیسی میں تبدیلیاں متوقع" وزیرِ اعظم سے ٹیچروں کی مُلاقات ــــ تبدیلی ایسی ہو کہ طلباء کو بغیر پڑھے ڈگری اور ٹیچروں کو بغیر پڑھائے تنخواہ مل جائے۔

"پرنسپل کے گھر سے بم برآمد" ایک خبر ــــ ملٹری اکیڈمی کا پرنسپل ہوگا۔

"بھارت کا سب سے بڑا دردِ سر" ایک عنوان ــ

- نیم خواندہ سیاستداں۔
- اَن پڑھ لیڈر۔
- سیاستدانوں کی کرپشن۔
- سیاستدانوں کی دَل بدلی۔
- دھوکا، فریب اور بد دیانتی۔
- کوٹے، پرمٹ اور لائسنس۔
- سیاستدانوں کی ایڈمنسٹریشن میں مداخلت۔

"جن سنگھ کے ورکروں کی میٹنگ میں ہنگامہ" ایک خبر ——— یعنی آپس میں جوتیوں میں دال بٹی۔

"بریلی میں بلیک آوٹ کی مشق" ایک خبر ——— اور دِلّی میں بغیر مشق کے بلیک آوٹ ہوتا رہتا ہے۔

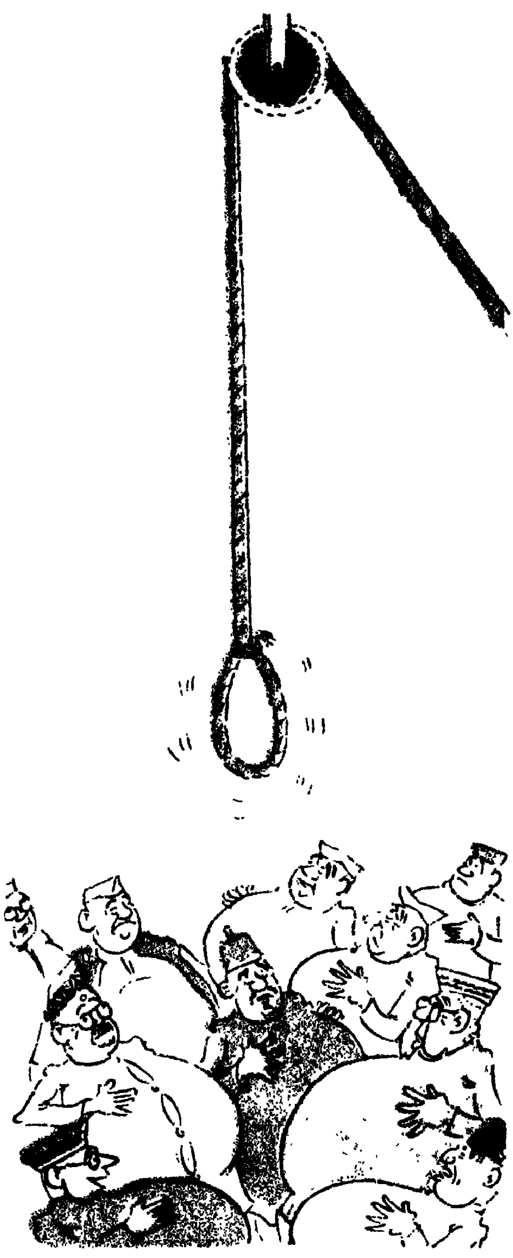
"ماؤ زندہ ہے" جاپانی نامہ نگار کی اِطلاع ——— یہ جھوٹ جاپانی مال جیسا ہوگا۔

"میرٹھ کالج کینٹین میں چاقو چل گئے" ——— کیا وہاں چمچے اور چمچے نہیں تھے؟

"میرے زمانے میں قیمتیں اِتنی نہیں بڑھیں" مرارجی ڈیسائی ———

- آپ نے اخباروں کا ڈاک خرچ بڑھا کر اخباروں کا گلا گھونٹا اور آزادیٔ تحریر و تقریر پر چھاپہ مارا۔
- آپ نے گولڈ کنٹرول کر کے غریب سُناروں کا پیٹ کاٹا اور سونے کے سمگلروں کی پرورش کی۔
- آپ نے لازمی بچت اسکیم کے ذریعہ سب کی جیبیں کاٹیں اور آخر میں مُنہ کی کھانی پڑی۔
- آپ کے عہد میں افلاس میں اضافہ ہُوا اور سُناروں نے خودکُشیاں کیں۔
- عورتوں کا سُہاگ لُٹا اور بچّے یتیم ہوئے۔
- آپ نے ہند روس دوستی کے معاہدے کی مخالفت کی۔ آپ ہندوستان کو امریکہ کی گود میں دھکیلنے کے خواہاں ہیں۔
- آپ کی حرکتوں سے بیزار ہو کر آخرکار وزیرِ اعظم نے آپ کو ڈِسمس کیا۔

"حوضِ خاص دِلّی میں چکلہ" ایک خبر ——— اور بیلن کہاں ہے؟



"قیمتوں میں اضافہ نہ رُکا تو کنٹرول نافذ ہوں گے۔" ایک خبر



گورنر نے بادل وزارت کے وزیروں کے خلاف الزامات کی دُوسری رپورٹ پیش کردی۔

"پنجاب کی اکالی سیاست" ایک عنوان ——— صبح کچھ شام کچھ۔

"آگ بجھانے کے لئے نئی قسم کا پانی" ایک خبر ——— جو دل کی آگ بھی بجھائے گا۔

"جن سنگھ اور بنگلہ دیش" ایثار نفس لیڈر میر مشتاق کا ایک مقالہ ——— ایک ڈھونگ، سیاسی مداری کا تماشہ اور مگرمچھ کے آنسو۔

"کاغذ کرمچاری سنگھ کے نئے صدر" ایک خبر ——— کاغذی کارروائیوں کے لئے منتخب۔

"کانگرسی لیڈر عوام کو بدھو بنا رہے ہیں" ایک عنوان ——— ہمیں آپ سے ہمدردی ہے۔

"تعلیمی پالیسی میں تبدیلیاں متوقع" وزیر اعظم سے ٹیچروں کی ملاقات ——— تبدیلی ایسی ہو کہ طلباء کو بغیر پڑھے ڈگری اور ٹیچروں کو بغیر پڑھائے تنخواہ مل جائے۔

"پرنسپل کے گھر سے بم برآمد" ایک خبر ——— ملٹری اکیڈمی کا پرنسپل ہوگا۔

"بھارت کا سب سے بڑا دردِ سر" ایک عنوان ———

- نیم خواندہ سیاستداں۔
- اَن پڑھ لیڈر۔
- سیاستدانوں کی کرپشن۔
- سیاستدانوں کی دَل بدلی۔
- دھوکا، فریب اور بددیانتی۔
- کوٹے، پرمٹ اور لائسنس۔
- سیاستدانوں کی ایڈمنسٹریشن میں مداخلت۔

"جن سنگھ کے ورکروں کی میٹنگ میں ہنگامہ" ایک خبر ـــــ یعنی آپس میں جوتیوں میں دال بٹی۔

"بریلی میں بلیک آؤٹ کی مشق" ایک خبر ـــــ اور دلی میں بغیر مشق کے بلیک آؤٹ ہوتا رہتا ہے۔

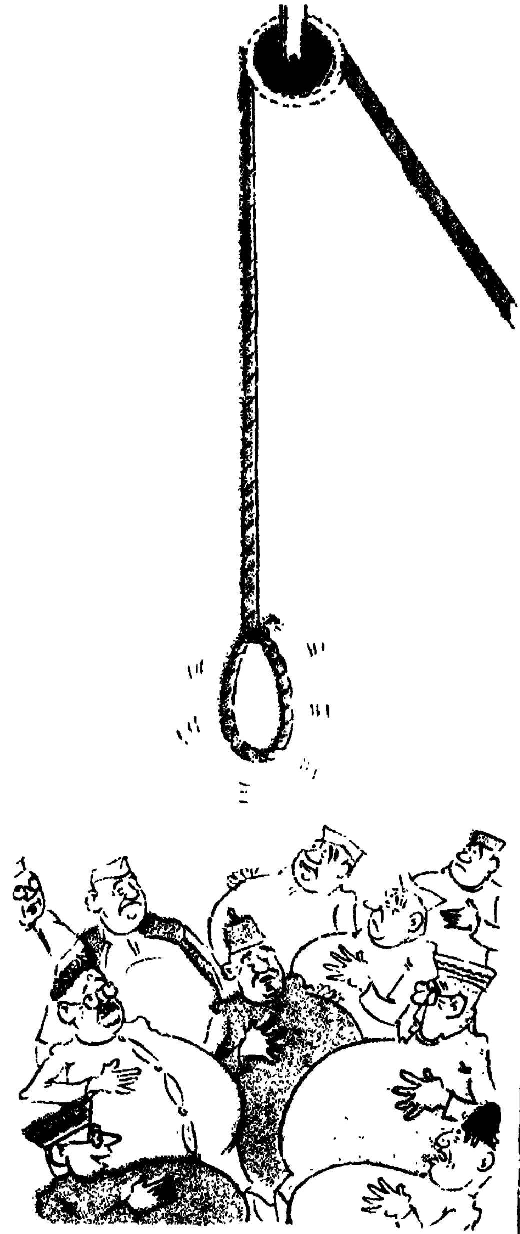
"ماؤ زندہ ہے" جاپانی نامہ نگار کی اطلاع ـــــ بیچ صورت جاپانی مال جیسا ہوگا۔

"میرٹھ کالج کینٹین میں چاقو چل گئے" ـــــ کیا وہاں چنے اور چمچے نہیں تھے؟

"میرے زمانے میں قیمتیں اتنی نہیں بڑھیں" مرارجی ڈیسائی ـــــ

- آپ نے اخباروں کا ڈاک خرچ بڑھا کر اخباروں کا گلا گھونٹا اور آزادی تحریر و تقریر پر چھاپہ مارا۔
- آپ نے گولڈ کنٹرول کرکے غریب سناروں کا پیٹ کاٹا اور سونے کے سمگلروں کی پرورش کی۔
- آپ نے لازمی بچت اسکیم کے ذریعہ سب کی جیبیں کاٹیں اور آخر میں منہ کی کھانی پڑی۔
- آپ کے عہد میں افلاس میں اضافہ ہوا اور سناروں نے خودکشیاں کیں۔
- عورتوں کا سہاگ لٹا اور بچے یتیم ہوئے۔
- آپ نے ہند روس دوستی کے معاہدے کی مخالفت کی۔ آپ ہندوستان کو امریکہ کی گود میں دھکیلنے کے خواہاں ہیں۔
- آپ کی حرکتوں سے بیزار ہو کر آخرکار وزیر اعظم نے آپ کو ڈسمس کیا۔

"حوض خاص دلی میں چکلہ" ایک خبر ـــــ اور بیلن کہاں ہے؟



"قیمتوں میں اضافہ نہ رکا تو کنٹرول نافذ ہوں گے": ایک خبر



بھٹو کی طرف سے اختیارات منتقل کرنے کا مطالبہ

"دلّی میں اُردو مادری زبان رکھنے والوں کے لئے بھی سنسکرت لازمی قرار دے دی گئی"—— دلّی کی زبان اُردو تو لازمی نہ بنائی گئی۔ مُردہ زبان کو ڈنڈے کے زور سے زندہ کرنے کے جن سنگھی خواب۔

"اندرا ڈکٹیٹر بن رہی ہے" جن سنگھی لیڈر کی دریافت ——— ع اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سوجھی

"اچانک بجلی بند ہونے کی وبا" ایک عنوان —— جو اب دِلّی سے باہر بھی پھیل رہی ہے۔

"دِلّی کی سات اُولوالعزم لڑکیاں جو پہاڑ کی چوٹی پر رات بسر کریں گی" ایک خبر —— یہ خبر دِلّی کے منچلے لوگوں نے پڑھی اور اُن کی رگِ حمیت نہیں پھڑکی۔

"بیمار ملیں سرکار اپنے قبضہ میں لے لے گی" ایک خبر اور اپنے خرچ سے اُن کا علاج کرائے گی۔

"پٹیالہ میں بڑے بڑے نکسلیوں کی تلاش" ایک خبر —— بڑے کو چوہے دان لگاتے ہیں یا مچھلی کے جال پھینکے ہیں۔

"اکالی لیڈروں کے استعفے" ایک خبر —— ع بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

"جمنا رُخ بدل رہی ہے" ایک خبر —— یعنی ہم سے آنکھیں پھیر رہی ہے۔

"میونخ میں بیر پینے کا میلہ" —— ہندوستانی میخواروں کا داخلہ ممنوع۔

"آزادی، وطنیت اور قومیت" ایثار نفس لیڈر میر مشتاق کا ایک مقالہ ——— تینوں لازم و ملزوم۔ دیش بھگتی کے ٹھیکیدار کان کھول کر سن لیں۔

"یہ ریڈیو جھوٹستان ہے" ایک عنوان ——— جہاں سے سچی خبروں کو جھوٹ ملا کر پیش کیا جاتا ہے۔

"مرادآباد میں پاکٹ مار حسینہ گرفتار" ایک خبر ... داد کیا کہنے ہیں زندہ دلانِ مرادآباد کے۔

"اردو کی آہستہ خرامی" ایک خبر ——— مگر یہ بھی بعض لوگوں کو نہیں بھاتی۔

"دریا گنج دلی میں مہلک حادثہ" ——— کیا کوئی کشتی الٹ گئی؟

"تاریخ ہمیں بتاتی ہے" ایک عنوان ———

- آپس کی پھوٹ غلامی کا سبب بنتی ہے۔
- فرقہ پرستی آپس کی پھوٹ کا سبب بنتی ہے۔
- اور فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے جن سنگھ، ہندو مہاسبھا، مسلم لیگ، جماعتِ اسلامی اور اکالی دل کے کیمپوں میں۔

"سید میر قاسم (کشمیر) نے وزارت میں شامل ہونا مان لیا" ایک خبر ——— نئی

بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

"لندن میں شوقین کے خلاف مقدمہ خارج" ایک خبر ... فیصلہ انسان کے ہاتھوں اور ایک انسان کے خلاف۔

"کشمیر نے رہنمائی کی ہے" ایک عنوان ——— مگر ہم نے پیروی بھی نہ کی۔



"امریکی صدر کے مشیر ڈاکٹر کیسنگر غیر ملکی سیاستدانوں کے علاوہ عورتوں کے دل جیتنے میں بھی ماہر ہیں" ایک تصویر کی عبارت۔



بھٹو کی طرف سے اختیارات منتقل کرنے کا مطالبہ

"دلّی میں اُردو مادری زبان رکھنے والوں کے لئے بھی سنسکرت لازمی قرار دے دی گئی" ــــ دِلّی کی زبان اُردو تو لازمی نہ بنائی گئی۔ مُردہ زبان کو ڈنڈے کے زور سے زندہ کرنے کے جن سنگھی خواب۔

"اندرا ڈکٹیٹر بن رہی ہے" جن سنگھی لیڈر کی دریافت ــــ ع اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی

"اچانک بجلی بند ہونے کی وبا" ایک عنوان ــــ جو اب دلّی سے باہر بھی پھیل رہی ہے۔

"دِلّی کی سات اُولوالعزم لڑکیاں جو پہاڑ کی چوٹی پر رات بسر کریں گی" ایک خبر ــــ یہ خبر دِلّی کے منچلے لوگوں نے پڑھی اور اُن کی رگِ حمیت نہیں پھڑکی۔

"بیمار ملیں سرکار اپنے قبضہ میں لے لے گی" ایک خبر ــــ اور اپنے خرچ سے اُن کا علاج کرائے گی۔

"پٹیالہ میں بڑے بڑے نکسلیوں کی تلاش" ایک خبر ــــ پکڑنے کو چوہے دان لگاتے ہیں یا مچھلی کے جال پھینکتے ہیں۔

"اکالی لیڈروں کے استعفے" ایک خبر ــــ ع بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

"جمنا رُخ بدل رہی ہے" ایک خبر ــــ یعنی ہم سے آنکھیں پھیر رہی ہے۔

"میونخ میں بیر پینے کا میلہ" ــــ ہندوستانی میخواروں کا داخلہ ممنوع۔

"آزادی، وطنیت اور قومیت": ایک ترقی پسند لیڈر میر مشتاق کا ایک مقالہ —— تینوں لازم و ملزوم۔ دیش بھگتی کے ٹھیکیدار کان کھول کر سن لیں۔

"یہ ریڈیو مجھوٹستان ہے": ایک عنوان —— جہاں سے سچی خبروں کو جھوٹ ملا کر پیش کیا جاتا ہے۔

"مرادآباد میں پاکٹ مار حسینہ گرفتار": ایک خبر ——
واہ! کیا کہنے ہیں زندہ دلانِ مرادآباد کے۔

"اُردو کی آہستہ خرامی": ایک خبر —— مگر یہ بھی بعض لوگوں کو نہیں بھاتی۔

"دریا گنج دلّی میں مہلک حادثہ —— کیا کوئی کشتی اُلٹ گئی؟

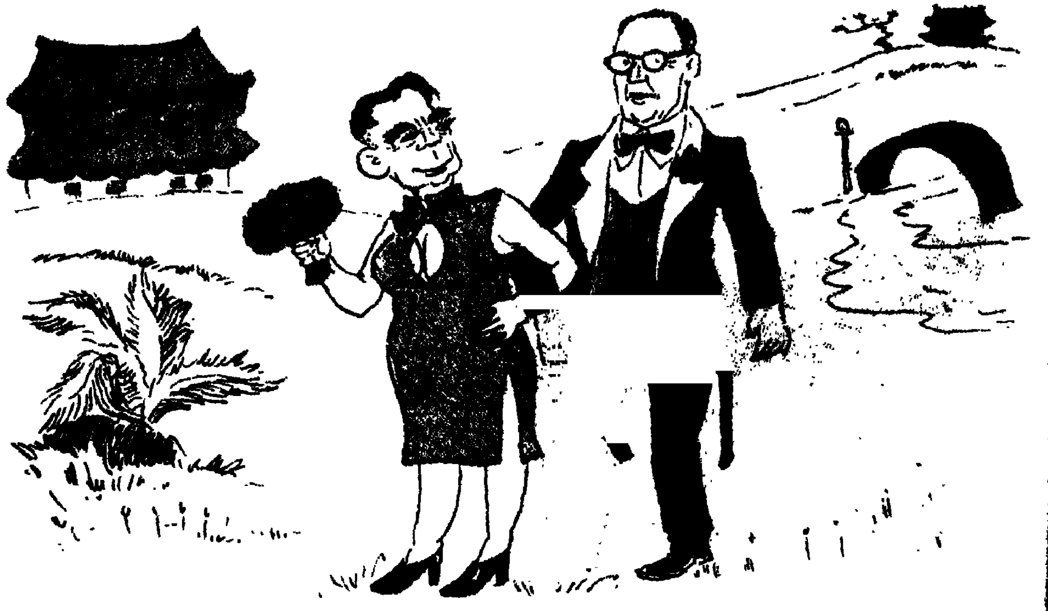
"تاریخ ہمیں بتاتی ہے": ایک عنوان ——

- آپس کی پھوٹ غلامی کا سبب بنتی ہے۔
- فرقہ پرستی آپس کی پھوٹ کا سبب بنتی ہے۔
- اور فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے جن سنگھ، ہندو مہاسبھا، مسلم لیگ، جماعتِ اسلامی اور اکالی دل کے کیمپوں میں۔

"سید میر قاسم (کشمیر) نے وزارت میں شامل ہونا مان لیا": ایک خبر —— ع
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

"لندن میں کُتّے کے خلاف مقدمہ خارج": ایک خبر ——
فیصلہ انسان کے ہاتھوں اور ایک انسان کے خلاف۔

"کشمیر نے رہنمائی کی ہے": ایک عنوان —— مگر ہم نے پیروی بھی نہ کی۔



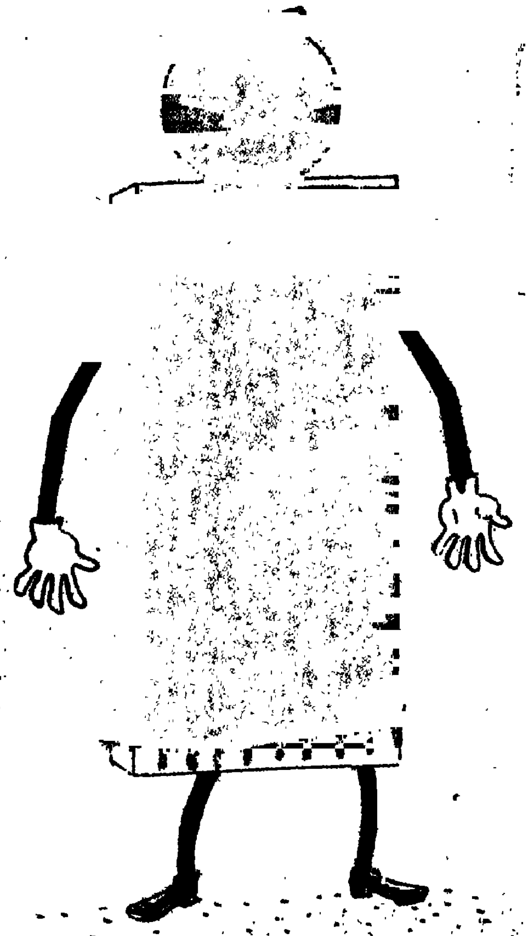
"امریکی صدر کے مشیر ڈاکٹر کیسنگر غیر ملکی سیاستدانوں کے علاوہ عورتوں کے دل جیتنے میں بھی ماہر ہیں": ایک تصویر کی عبارت۔

مجلسِ اقوامِ مُتّحدہ ـــــــــــ

خورشید گرامی

کُرّۂ ارض پر بکھری ہوئی اولادِ آدم کے لئے ایک ادارہ جہاں کالے پیلے، لال اور گورے، ہر رنگ و نسل، ہر مذہب و ملت کے ملکوں میں آباد ملکوں کے نمائندے جمع ہوتے ہیں تو اسے کہتے ہیں ــــ

مجلسِ اقوامِ مُتّحدہ



یہاں بیٹھ کر امن و سلامتی، اُخوّت و بھائی چارہ کے ترانے گائے جاتے باہمی میل ملاپ کے پرچم لہرائے جاتے، کوئی کسی کا ہمدرد ہوتا، کوئی کسی کا غمگسار ہوتا، کمزوروں کو سہارا ملتا ــــ طاقتور ملک پھل دار درخت کی طرح جھکا ہوتا، انسانی دُکھ درد کا، انسانوں کی یہ عالمی برادری مداوا کرتی دُنیا کے ایک کونے کے لوگ تکلیف میں مبتلا ہوتے تو پوری انسانی دنیا اُس کو محسوس کرتی۔ ہر طرف ہلچل مچ جاتی۔ مگر یہاں محض لمبی لمبی تقریریں ہوتی ہیں، الزام تراشیاں ہوتی ہیں، یاوہ گوئیاں اور بہتان طرازیاں ہوتی ہیں، انسانی قتل و غارت گری پر مگرمچھ کے آنسو بہائے جاتے ہیں اور درندوں سے بدتر انسانوں کے جرائم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے ــــ اِس مجلس کا دامن خون کے بہت سے دھبّوں سے داغدار ہے۔ یہ ویت نام کی قتل و غارت گری نہ روک سکی۔ اسرائیل کی چیرہ دستیوں کا سدِّ باب نہ کر سکی اور مشرقی بنگال میں انسانی خون سے جو ہولی کھیلی گئی وہ انسانی تاریخ اور مجلسِ اقوامِ مُتّحدہ کی ۳۶ سالہ زندگی کا ہولناک اور ناقابلِ معافی جرم ہے جس کی یہ ذمّہ دار ہے۔ مگر آج بھی یہ محفل گرم ہے اور ہزاروں لاکھوں لاشیں مرثیہ خواں ہیں اور یہاں نشستند و گفتند و برخاستند کا افسانہ دُہرایا جائے گا اور ہم ڈاکٹر اقبال کا وہ شعر پڑھیں گے جو انھوں نے مجلسِ اقوامِ مُتّحدہ کے متعلق کہا تھا ؎

بیچاری کئی روز سے [illegible]
[illegible]

قربتیں اور فاصلے

پروفیسر طارق جمیل ایم۔اے، بی۔ایل
پورنیہ کالج۔پورنیہ (بہار)

برادرِ محترم! تسلیمات

"قربتیں اور فاصلے" پیشِ خدمت ہے۔ مجھے یقین ہے یہ افسانہ بھی "بیسویں صدی" کے قارئین کو "درد کی دوا پائی، دردِ لا دوا پایا" کی طرح پسند آئے گا۔۔۔۔۔ دلی میں آپ سے ملاقات ہوئے کافی دن ہو گئے۔ لیکن آپ کے خلوصِ بیکراں نے آج تک اِس قربت کو فاصلے میں نہیں ڈھلنے دیا ہے۔ آپ یہ جان کر ضرور خوش ہوں گے کہ "آگ اور پانی" کی طرح میرا دوسرا ڈرامہ "شکست کی آواز" بھی اسٹیج ہو چکا ہے اور اب وہ بھی کتابی صورت میں بہت جلد منظرِ عام پر آ رہا ہے . . .

ناچیز ۔۔۔۔۔۔۔ طارق جمیل

★

موسلا دھار بارش اور طوفانی ہواؤں کا اثر ہے کہ بے شمار درخت
ے گئے ہیں، جھونپڑیاں اور مٹی کے مکانات گر چکے ہیں۔ غیر معمولی فضا
باعث کلاس سسپنڈ کر دیا گیا ہے اور میں کالج سے لوٹ کر اپنے
نگ روم میں آگیا ہوں۔

رحمت دروازہ بند کرتے ہوئے کہہ رہا ہے "سر ایک ۔۔۔ لڑکی
سے ملنے آئی تھی"

"کیا کام تھا اُسے؟"

"یہ تو انھوں نے نہیں بتلایا، مجھ سے پوچھا: انیل کا یہی مکان
؟ مجھے غصہ آگیا۔ وہ شاید سمجھ گئی۔ فوراً بولی: پروفیسر انیل کمار
مکان ہے؟ میں نے کہا: ہاں جی یہی مکان ہے۔ وہ کار سے
ی: میں نے کہا: وہ تو کالج گئے ہیں۔ اس ویدر میں بھی کالج گیا
اُن کی عادت نہیں بدلی۔ اس طوفان میں تو کوئی پاگل ہی گھر
ہر نکلے گا۔ یہ سنتے ہی مجھے بے تحاشہ ہنسی آگئی۔ وہ بھی ہنستے
لگی۔ ہوں تا ... پاگل! میں یہ بات سن کر جھینپ سا گیا۔
... جی، ... کہ آپ تو بہت اچھی ہیں!"

"اچھا اچھا اپنے صاحب سے کہنا۔" کہتی ہوئی وہ کار میں جا بیٹھی۔ میں نے لپک کر پوچھا: کیا کہہ دوں گا بی بی جی؟ "کہہ دینا ایک پاگل آئی تھی" یہ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔"

مجھے انیل اور خود کو پاگل کہنے والی کون ہو سکتی ہے؟ کار تو صرف رجنی کے پاس ہے۔

میں رحمت سے پوچھ رہا ہوں "وہ لڑکی خود کار چلا رہی تھی یا اُس کا ڈرائیور؟"

"وہ خود چلا رہی تھی۔ کار میں کوئی نہ تھا۔"

"گوری اور گداز بدن کی لڑکی تھی؟"

"جی نہیں بہت دبلی پتلی، سانولی سی۔"

تعجب ہے، تو پھر وہ کون ہو سکتی ہے؟

"رحمت! اُس نے کہا تھا کہ اِس ویدر میں بھی کالج جانے کی میری عادت نہیں چھوٹی؟"

"جی ہاں سر! یہ تو وہ بولی تھی۔"

یعنی وہ میری اسٹوڈنٹ نہیں، کالج کے زمانہ کی کوئی ساتھی ہے۔

مجلسِ اقوامِ متحدہ

خورشید کمال

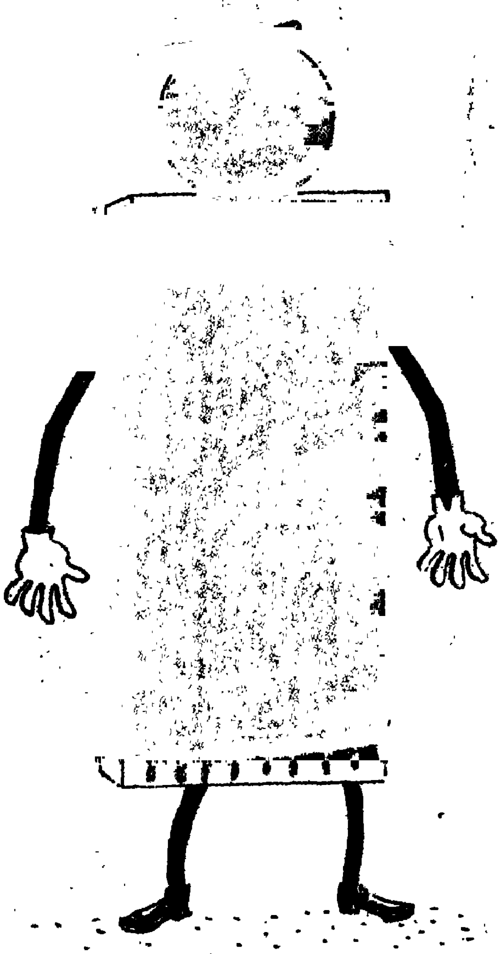
کرۂ ارض پر بکھری ہوئی اولادِ آدم کے لئے ایک ادارہ جہاں کالے پیلے، لال اور گورے، ہر رنگ و نسل، ہر مذہب و ملت کے ۱۳۰ ملکوں میں آباد ملکوں کے نمائندے جمع ہوتے ہیں تو اسے کہتے ہیں ـــــ

مجلسِ اقوامِ متحدہ

یہاں بیٹھ کر امن و سلامتی، اخوت و بھائی چارہ کے ترانے گائے جاتے، باہمی میل ملاپ کے پرچم لہرائے جاتے۔ کوئی کسی کا ہمدرد ہوتا، کوئی کسی کا غمگسار ہوتا، کمزوروں کو سہارا ملتا ـــــ طاقتور ملک پھل دار درخت کی طرح جھکا ہوتا، انسانی دکھ درد کا، انسانوں کی بے حالی، بے بسی کا مداوا کرتی۔ دنیا کے ایک کونے کے لوگ تکلیف میں مبتلا ہوتے تو پوری انسانی دنیا اس کو محسوس کرتی۔ ہر طرف ہلچل مچ جاتی۔ مگر یہاں محض لمبی لمبی تقریریں ہوتی ہیں، الزام تراشیاں ہوتی ہیں، یاوہ گوئیاں اور بہتان طرازیاں ہوتی ہیں، انسانی قتل و غارت گری پر مگرمچھ کے آنسو بہائے جاتے ہیں اور درندوں سے بدتر انسانوں کے جرائم کی پردہ پوشی بھی ہوتی ہے ـــــ

اس مجلس کا دامن خون کے بہت سے دھبوں سے داغدار ہے۔ یہ ویت نام کی قتل و غارت گری نہ روک سکی۔ اسرائیل کی چیرہ دستیوں کا سدِ باب نہ کر سکی اور مشرقی بنگال میں انسانی خون سے جو ہولی کھیلی گئی وہ انسانی تاریخ اور مجلسِ اقوامِ متحدہ کی ۲۶ سالہ زندگی کا ہولناک اور ناقابلِ معافی جرم ہے جس کی یہ ذمہ دار ہے۔ مگر آج بھی یہ محفل گرم ہے اور ہزاروں لاکھوں لاشیں مرثیہ خواں ہیں اور یہاں نشستند و گفتند و برخاستند کا افسانہ دہرایا جائے گا اور ہم ڈاکٹر اقبال کا وہ شعر پڑھیں گے جو انہوں نے مجلسِ اقوامِ متحدہ سے متعلق کہا تھا ؎

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبرِ بد نہ مرے منہ سے نکل جائے



قربتیں اور فاصلے

پروفیسر طارق جمیل ایم۔اے، بی۔ایل

پورنیہ کالج۔ پورنیہ (بہار)

برادرِ محترم! تسلیمات

"قربتیں اور فاصلے" پیشِ خدمت ہے۔ مجھے یقین ہے یہ افسانہ بھی "بیسویں صدی" کے قارئین کو "درد کی دوا پائی، دردِ لادوا پایا" کی طرح پسند آئے گا ـــــ دلی میں آپ سے ملاقات ہوئے کافی دن ہو گئے۔ لیکن آپ کے خلوصِ بیکراں نے آج تک اِس قربت کو فاصلے میں نہیں ڈھلنے دیا ہے۔ آپ یہ جان کر ضرور خوش ہوں گے کہ "آگ اور پانی" کی طرح میرا دوسرا ڈرامہ "شکست کی آواز" بھی اسٹیج ہو چکا ہے اور اب وہ بھی کتابی صورت میں بہت جلد منظرِ عام پر آ رہا ہے . . .

ناچیز ـــــ طارق جمیل

★

موسلا دھار بارش اور طوفانی ہواؤں کا اثر ہے کہ بے شمار درخت، [illegible] کے کھمبے، جھونپڑیاں اور ٹین کے مکانات گر چکے ہیں۔ غیر معمولی فضا [illegible] بائسٹ کلاس سسپنڈ کر دیا گیا ہے اور میں کالج سے لوٹ کر اپنے [illegible] ڈرائنگ روم میں آ گیا ہوں۔

رحمت دروازہ بند کرتے ہوئے کہہ رہا ہے "سر! ایک ـــــ لڑکی [illegible] ملنے آئی تھی۔"

"کیا کام تھا اُسے؟"

"یہ تو اُنھوں نے نہیں بتایا، مجھ سے پوچھا: انیل کا یہی مکان [illegible]؟ مجھے غصہ آ گیا۔ وہ شاید سمجھ گئی۔ فوراً بولی: پروفیسر انیل کمار [illegible] کا مکان ہے؟ میں نے کہا: ہاں جی یہی مکان ہے۔ وہ کار سے [illegible] بڑی۔ میں نے کہا: وہ تو کالج گئے ہیں۔ اِس ویدر میں بھی کالج گیا [illegible]۔ اُن کی عادت نہیں بدلی۔ اِس طوفان میں تو کوئی پاگل ہی گھر [illegible] باہر نکلے گا۔ یہ سنتے ہی مجھے بے تحاشہ ہنسی آ گئی۔ وہ بھی ہنستے [illegible] بولی۔ ہوں تا میں بھی پاگل؟ میں یہ بات سن کر جھینپ سا گیا۔ [illegible] نہیں بی بی جی! آپ کو پاگل کون کہے گا۔ آپ تو بہت اچھی ہیں!

'اچھا اچھا اپنے صاحب سے کہنا' کہتی ہوئی وہ کار میں جا بیٹھی۔ میں نے لپک کر پوچھا: کیا کہہ دوں گا بی بی جی؟ کہہ دینا ایک پاگل آئی تھی۔ یہ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔"

مجھے انیل اور خود کو پاگل کہنے والی کون ہو سکتی ہے؟ کار تو صرف رنجنی کے پاس ہے۔

"میں رحمت سے پوچھ رہا ہوں" وہ لڑکی خود کار چلا رہی تھی یا اُس کا ڈرائیور؟"

"وہ خود چلا رہی تھی کار میں کوئی نہ تھا۔"

"گوری اور گداز بدن کی لڑکی تھی؟"

"جی نہیں بہت دُبلی پتلی، سانولی سی۔"

تعجب ہے، تو پھر وہ کون ہو سکتی ہے؟

"رحمت! اُس نے کہا تھا کہ اِس ویدر میں بھی کالج جانے کی میری عادت نہیں چھوٹی؟"

"جی ہاں سر! یہ تو وہ بولی تھی۔"

یعنی وہ میری اسٹوڈنٹ نہیں، کالج کے زمانہ کی کوئی ساتھی ہے۔

لیکن کالج میں کوئی لڑکی کبھی میرے قریب اِتنی نہ تھی کہ برسوں بعد مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کرنے اور اِس جزیرے میں بھی تنہا ملنے آتے۔ ایک ساتھی [illegible] میں ضرور میرے قریب تھی۔ لیکن وہ اِتنے زمانے بعد، کیا یہ ممکن ہے؟ نہیں، نہیں، وہ نہیں ہو سکتی —— تو پھر یہ کون ہے؟ پاگل . . . نہیں . . . یہ ضرور کوئی ایسی لڑکی ہے جو کبھی میرے قریب رہ چکی ہے۔ میں اُسے بھول گیا ہوں۔ لیکن وہ مجھے نہیں بھولی ہے۔ یہ ملاقات کی کوشش رسمی نہیں ہے، بہت ہی گہری اور گمبھیر یاد ہے۔ اِس طوفانی فضا میں جب ہر آدمی اپنے اپنے مکان میں چھپا بیٹھا ہے، ایک لڑکی کا کسی ایسے شخص سے ملنے آنا، جسے وہ یاد بھی نہ ہو۔ ایک معمولی اور غیر اہم سی بات نہیں ہو سکتی۔

اِس طوفانی فضا نے جس طرح مکانوں کی چھتیں اور درختوں کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے شاید اُس کے دل میں بھی میری یاد نے ایسی ہی اُتھل پتھل مچا دی ہو اور وہ طوفانی ہواؤں کی لہروں پر میرے در تک آگئی ہو —— اگر ایسا ہے تو آج ایک لڑکی نہیں آئی، یادوں کا ایک طوفان آیا۔ گزرا ہوا وقت پلٹ کر آیا —— کتنی عجیب بات ہے کہ مجھے شہر میں آتے ہوئے طوفان کی خبر ہے۔ لیکن اپنے در تک آنے والے طوفان کا کوئی اتہ پتہ نہیں معلوم!

اُسے اپنا نام تو بتا کر جانا چاہئے تھا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ کہہ دیتا ایک پاگل آئی تھی —— پاگل . . . اُس نے شاید اپنا صحیح نام بتایا ہے۔ اِس طرح ملنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

نہیں نہیں —— وہ پاگل نہیں۔ ضرور کوئی ایسی لڑکی ہے جو مجھ سے کسی بات کا بدلہ لے رہی ہے۔ مجھے بیوقوف بنانا چاہتی ہے۔ بدنام کرنا چاہتی ہے۔ اُس کی بیتاب یادوں نے نہیں، اُس کے خطرناک منصوبوں نے اُسے میرے در تک بھیجا ہے۔ اِس کے پیچھے ضرور کوئی سازش ہے۔ میرے کسی کلیگ کی یا محلّہ والوں کی —— وہ شریف ہے تو ایب نارمل ہے۔ اگر نارمل ہے تو بے حد خطرناک ——!

"رحمت! اگر وہ لڑکی پھر کبھی آئے تو ڈرائنگ رُوم میں بٹھا کر مجھے خبر کر دینا۔ میں پولیس کے حوالے کر دوں گا!"

"لیکن سر! وہ خطرناک نہیں معلوم ہوتی تھی۔"

"ایسی لڑکیوں کی خصوصیت، اُن کا میک اَپ ہُوا کرتی ہے۔ تم نہ سمجھوگے۔ میں نے جیسی ہدایت دی ہے، ویسا کرنا۔"

"بہت اچھا، سر!"

کلاس سے نکلتے ہی چپراسی نے خبر دی ہے۔ میرا ٹیلیفون!

"ہیلو!"

"پروفیسر انیل کمار؟"

"جی، لیکن آپ کون ہیں؟"

"ایک پاگل!"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ، کون ہو تم؟"

"تو مجھے پہچانتا کیوں نہیں رے انیل؟"

میں عجیب اُلجھن میں ہوں۔ یہ آواز جانی پہچانی ہے۔ یہ انداز گفتگو، یہ لہجہ شناسا ہے۔ لیکن کہاں؟ کب؟ . . . یاد آیا۔ اسکول کی ایک ساتھی! میں اُس کا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اچانک اُس کا نام میری زبان پر آگیا ہے "تم شمشا تو نہیں؟"

"تم نے کیسے پہچانا انیل؟"

"تمہاری آواز سے۔ لیکن یہ تو بتاؤ تم کہاں سے آئی تھیں؟"

"یہ بھی کہنے کی ضرورت ہوگی!"

"تم کب آئیں، کیسے آئیں؟ کہاں ٹھہری ہو؟ اور پھر میں کیسے تمہیں یاد آگیا؟"

"مجھ سے ابھی تمہارے اِتنے سوالوں کے جواب نہیں دیے جا سکیں گے۔ تم نے مجھے پہچان لیا، یہ میرے لئے بہت خوشی کی بات ہے!"

"خوشی تو مجھے بھی بہت ہے۔"

"تو پھر آج شام کو میرا انتظار کرنا!"

"تم آؤ گی؟"

"ضرور!"

میں نے رسیور رکھ دیا ہے۔ لیکن اُس کی آواز میرے ذہن میں گونج رہی ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی سے سامنا ہونے پر بھی نہ اُس کی صورت پہچان میں آتی ہے نہ نام ہی زبان پر آتا ہے اور کبھی تو کسی کی صرف آواز سنتے ہی اُس کی صورت آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے۔ نام ہونٹوں پر گونج اُٹھتا ہے اور اُس کے ساتھ گزارے ہوئے سارے لمحات ذہن میں رقص کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی کی آواز ہی اُس کا

نام۔ اُس کی صورت۔ اُس کی شخصیت بن جاتی ہے۔ صورت کھو جاتی ہو۔ نام مٹ جاتا ہے۔ لیکن آواز؟ وہ نہ مٹتی ہے، نہ کھوتی ہے۔ زندہ رہتی ہے۔ وہ تو اِس کائنات میں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

کتنے عرصے کے بعد ششما کا نام میرے ہونٹوں پر آیا ہے۔ اُس کی صورت میری آنکھوں میں اُبھری ہے۔ آواز ——— اُس کی جادوگری اور کرشمہ سازی دیکھئے کہ اِس وقت پروفیسر انیل کمار ایم۔اے پی ایچ۔ڈی ایک ہائی اسکول کے ساتویں درجہ میں بیٹھا ہُوا ہے۔ سامنے کی سیٹ پر ایک سانولی سی لڑکی ہے۔ انگریزی ٹیچر شبو دبسواس بنگالی لہجہ میں انگریزی نظم کا خلاصہ لکھا رہا ہے۔ لڑکے جملے نوٹ نہیں کر پاتے ہیں۔ ٹیچر سے جملہ دُہرانے کی درخواست ہو رہی ہے۔

شبو دبو بن بگڑ رہا ہے: فوسٹ ہیار دِن رائٹ! "Firstly hear then write)

لڑکی پلٹ کر انیل سے پوچھ رہی ہے: "یہ شبو دبی 'ہیار' کیا بولتے رہے ہیں؟"

"ہیار نہیں، ہیر ایچ۔ای۔اے۔آر!" انیل دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے۔

"تو شبو دبی کی بات سمجھ لیتا ہے رے؟"

"چپ رہو، میں تمھیں اپنی کاپی بعد میں دے دوں گا۔"

"تجھے کیا لگتا کیوں ہے رے؟"

انیل ششما کی بات سُن کر ہنس رہا ہے۔

اُسے اب ہنسی کی سزا مل رہی ہے۔ شبو د بسواس نے اسے بینچ پر کھڑے ہو جانے کا حکم صادر کر دیا ہے۔

ہنسنا اِس دُنیا میں بہت بڑا جُرم ہے۔ اسکول میں بچّوں کو ہنسنے پر ہمیشہ کڑی سے کڑی سزا دی جاتی ہے۔

پرنسپل کھیورکی آواز سُنتے ہی انیل اپنے ساتویں درجہ سے نکل کر پروفیسر انیل کمار بن چکا ہے۔ وہ اب گورننگ باڈی کے ایجنڈا پر پرنسپل سے تبادلۂ خیالات کر رہا ہے۔

"مسٹر انیل! آپ کا فون" پرنسپل رسیور بڑھا رہا ہے۔

ساڑھے چھ بج چکے ہیں۔ میری نظر گھڑی پر ہے اور ہاتھ میں رسیور!

"ہیلو!"

"میں ہوں رحمت! سر! وہ پگلی لڑکی پھر آئی ہے۔ میں نے ڈرائنگ رُوم میں اُسے بٹھا دیا ہے۔ آپ آئیں گے یا ٹھکانہ جتا کر خبر کر دوں؟"

"ایسی غلطی نہ کرنا۔ تم اُن کے لئے ناشتہ اور کافی تیار کرو، میں ابھی آ رہا ہوں!"

"معاف کرنا، دیر ہو گئی۔"

"تم آ تو گئے، یہی کیا کم ہے!"

"میں تو آ گیا، تم کیسے یہاں آئیں، یہ تو کہو!"

"دو ہفتے ہوئے میں یہاں اپنی بہن کے پاس آئی ہوں۔ پڑوس کی ایک لڑکی تمھارے کالج میں پڑھتی ہے۔ وہ تمھاری بہت تعریف کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے تم تنہا ایسے پروفیسر ہو جس کی کوئی کلاس آج تک سسپنڈ نہیں ہوئی! اِن باتوں سے مجھے شک ہُوا کہ کہیں تم انیل تو نہیں؟ اُس روز کی موسلا دھار بارش میں تم اور بھی یاد آئے۔ ایسی ہی زوروں کی بارش تھی۔ تم اسکول جا رہے تھے۔ میرے منع کرنے پر تم نے کہا تھا کہ آندھی ہو یا طوفان، جب اسکول کھلا ہے تو میں غیر حاضر نہیں ہو سکتا! اِسی بات کی جانچ کے لئے میں اُس روز تمھارے گھر پر آئی تھی۔ تمھارے کالج جانے کی خبر سُن کر مجھے یقین ہو گیا کہ تم اب تک وہی انیل ہو، اور آج تو ٹیلیفون پر تم نے مجھے پہچان کر کمال کر دیا!"

ششما جذبات کے جس دھارے پر رواں دواں ہے، میری ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ یہ کہہ دوں کہ میں تمھیں بالکل بھول گیا تھا۔ ایسے لمحہ میں ایسی بات کہنی، اُسے زہر دینے سے زیادہ اذیت ناک حرکت ہوگی!

وہ جتنی دیر سے بیٹھی ہے، بولتی جا رہی ہے اور میں سُن رہا ہوں۔ وہ مخاطب ہے اور قریب بھی ہے۔ مجھے اُس سے بولنے سے زیادہ اُس کی باتیں سُننے اور سُنتے رہنے میں مسرّت محسوس ہو رہی ہے۔ جب سے اُس کا سامنا ہُوا ہے، میرا بچپن مجھ میں سماتا جا رہا ہے۔ بچپن کی ایسی تازہ اور نرم ہوا جھونکے چل رہی ہے کہ شباب کی گھنگھور گھٹائیں چھٹتی جا رہی ہیں۔ ابر کے کیسی

ننھے سے لکچرے کا بھی اب کہیں دُور تک نام و نشان نہیں ہے۔ میرے سامنے وہ یوں بیٹھی ہے جیسے اسکول کے سامنے کی سیٹ پر دو چوٹیاں لٹکائے فراک پہنے ایک سانولی سی لڑکی!

وہ بول رہی ہے جیسے کوئی اپنی ڈائری کے پُرانے اوراق اُلٹ رہا ہو۔ وہ بول رہی ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے بنسری نے بچپن کی تان چھیڑ دی ہے اور اس کی سُریلی تانوں پر اُس کے معصوم جذبات جھوم جھوم کر ناچ رہے ہوں۔ میں سرور کا یہ مصرع اکثر گنگناتا رہتا تھا ؎

دو دن کو لے جوانی دے دے اُدھار بچپن!

لیکن آج میری زندگی مجھ پر خود یوں مہربان ہے کہ اُس نے مجھے بن مانگے بچپن کا وہ معصوم زمانہ لوٹا دیا ہے۔

"گزرا ہوا وقت پلٹ کر نہیں آتا" یہ مقولہ سراسر جھوٹ ہے اور جو سچ ہے وہ میرے سامنے ہے! اور جو میرے سامنے ہے وہ اپنی پیاری اور معصوم آواز کے جھرنوں میں چھوڑ کر مجھے ابھی ابھی جا رہی ہے اور میں آپ اس جھرنے میں اُچھل کر، کُود کر، تالیاں بجا بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ لیکن بچپن بھی کم دیوانہ نہیں ہوتا۔ دونوں آگ سے کھیلنے میں مسرت محسوس کرتے ہیں۔ دونوں کے لئے تپتی ہوئی دھوپ، چھلکتی ہوئی چاندنی سے کم نہیں۔ دونوں کے لئے کسی کے باغ کے کچے پکے امرود توڑ لانا ایک محبوب کھیل ہُوا کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جوانی کے لئے زمانہ کے ہاتھوں میں کوڑا اور بچپن کے لئے چھڑی ہوتی ہے۔

وقت آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ ہم دونوں پیچھے لوٹتے جا رہے ہیں۔ جوانی سو گئی ہے۔ بچپن جاگ رہا ہے۔ ہم دونوں نے ابھی یہ نہیں سوچا کہ ایسی ملاقاتیں کیا ہیں؟ دو بہتے ہوئے صاف شفاف جھرنوں کا سنگم یا راکھ تلے دبی چنگاریوں کا ملن۔ حال ماضی کی وادیوں میں گم ہے۔

گزرے ہوئے وقت کے رواں دواں دریا میں اپنے اپنے بچپن کی کشتی پر سوار ہم دونوں دُور بہت دُور نکل جاتے ہیں۔ جنّاتی بچپن ساحلوں پر اُتر آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قدموں کے معصوم نشانات دیکھتے ہیں۔ ریت پر چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گندھے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھروندوں کو تکتے رہ جاتے ہیں۔

"انیل! کاش اسکول کے زمانہ کی وہ ساری کاپیاں کسی طرح مجھے مل جاتیں اور میں ورق ورق پر لکھے ہوئے شبد شبد سا کر سب کچھ بھول جاتی، وہ سب کچھ جو میں نے کالج میں پڑھا، سب کچھ جو میں نے بچپن کے بعد جانا اور پہچانا ہے۔ جی چاہتا ہے پھر ہم دونوں کسی اسکول میں داخل ہو جائیں۔ ساتھ ساتھ اسکول جایا کرتے۔ چھٹیوں میں نت نئے کھیل کھیلا کرتے۔ کبھی میں نرس بنتی اور تم مریض، کبھی تم ماسٹر بنتے، میں اسٹوڈنٹ اور کبھی کبھی مار پیٹ بھی ہو جاتی۔"

سشما نے یہ کہہ کر قہقہہ لگایا ہے اور اس قہقہے کے جھرنوں میں نہ جانے کتنے بیتے لمحے، صاف شفاف آئینوں کی طرح چمکتے ہوئے گزرتے جا رہے ہیں۔

"سچ کہتی ہو سشما! کل سائنس سوسائٹی کے ایک لیکچر میں سائنس کی ترقی اور کارنامے بیان کئے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا سائنس ابھی کتنا پیچھے ہے۔ اس نے ابھی تک انسان کو وہ طاقت کہاں عطا کی ہے کہ وہ اپنا بچپن واپس بُلا سکے!"

"جھوٹ بولتے ہو انیل! تمھاری ایسی خواہش ہوتی تو تم اپنے نیم پلیٹ سے ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں ہٹا دیتے۔ مجھے دیکھو، میں نے اپنے لیٹر پیڈ سے اپنے نام کے آگے بی۔ اے کی ڈگری کاٹ ڈالی ہے۔"

سشما کی مانگ کتنی معصوم ہے: "یہ ڈگریاں ہٹاتے کیوں نہیں دیتے؟" بھلا اس سے کیا ہوگا۔ پروفیسر انیل کمار تم ابھی کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اُس کی باتیں سُننے کے بجائے آج چور نگاہوں سے اُسے تک کیوں رہے ہو؟ کیا تم نے سشما کو پہلے نہیں دیکھا تھا؟ —— دو چوٹیاں لٹکائے فراک پہنے تمھارے سامنے بیٹھی ہے۔ لیکن یہ ریشمی ساڑی میں میرے سامنے آج کون ہے؟ سشما ہی تو ہے۔ نہیں نہیں، وہ سانولا سا چہرہ شاداب اور شگفتہ پھول بن چکا ہے!

"کیا سوچ رہے ہو انیل؟"

"کچھ نہیں۔"

"کچھ سوچ رہے ہو اور کہتے ہو، کچھ نہیں۔"

"سوچ رہا تھا کہ ہم دونوں اتنے دنوں سے مل رہے ہیں۔ لیکن تمہاری موجودہ زندگی کے متعلق میں نے کچھ نہیں پوچھا۔"

"موجودہ زندگی؟ اس سے میں بہت مطمئن اور خوش ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ اپنا بچپن مجھے عزیز ہے۔ تم سے مل کر میرے بچپن نے اور بھی لمبی عمر پالی ہے انیل!"

مخاطب انیل کو کیا گیا ہے۔ لیکن جس نے یہ باتیں سنی ہیں وہ صرف پروفیسر انیل کمار ہے۔

آج میرے دل میں یہ ارمان کیوں جاگ رہا ہے۔ وہ چپ رہے اور میں اُسے صرف تکتا رہوں!

میرے دل میں ایک نامعلوم سا خوف سماتا جا رہا ہے۔ میں اُسے دیکھ رہا ہوں اور ڈر بھی رہا ہوں۔ میں ڈرتا جا رہا ہوں۔ لیکن پھر بھی اُسے تکتا جا رہا ہوں۔

وہ تو جانے کو تیار ہے۔ نہیں نہیں، میں اُسے کچھ دیر اور رُکنے کو کہوں گا۔ لیکن یہ کیا ہو گیا ہے مجھے۔ کتنی بار تو اُسے روک چکا ہوں۔ لیکن آج یہ بزدلی کیوں؟

کیا بچپن کھو دینے سے ہمت بھی کھو جاتی ہے؟

ہاں ہاں پروفیسر انیل کمار تمہیں خبر نہیں، بچپن ایک طاقت ہے اور جوانی ایک کمزوری!

چار دنوں سے ششما نہیں آ رہی ہے۔ یہ چار دن عجیب بے چینی میں گزرے ہیں۔ ہر پل ایک پہاڑ، ایک انتظار!

میں ششما کے یہاں جاؤں گا ــــــ ششما کے مکان کی طرف گھومنے والی گلی کے پاس پہنچ کر میں کھڑا کیوں ہو گیا ہوں؟ لوگ مجھے آج یوں گھور کیوں رہے ہیں؟ نہیں نہیں، میں خود ڈر رہا ہوں؟ میرے قدم واپس پلٹ رہے ہیں۔ میں اب ڈرائنگ روم میں آ گیا ہوں۔

ششما کو دیکھ کر خوش بھی ہوں اور خوفزدہ بھی!

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں!"

"بارش میں اُس دن بھیگ گئی تھی۔ زکام میں مبتلا ہو گئی تھی۔ میں کل یہاں سے جا رہی ہوں۔ جانے سے پہلے تمہیں ایک تحفہ دینے آئی ہوں۔"

جانے کی خبر سن کر پروفیسر انیل کمار جتنا مغموم ہے، تحفے کے ذکر سے اُتنا ہی مسرور ہے۔

"یہ تصویر لو!"

ششما ــــ اسکول ڈریس میں اپنے چچی کے ساتھ۔

"انہیں تم نے پہچانا انیل؟"

"بھلا چاچی کو میں بھول سکتا ہوں۔ میں جب جاتا وہ پوچھتیں، بیٹا حلوہ کھائے گا رے؟"

"انہیں کی صحبت میں تو مجھے 'رے' بولنے کی عادت ہو گئی تھی۔"

"تحفے کے لئے شکریہ!"

"تمہارے پاس بچپن کی کوئی تصویر ہو تو مجھے بھی پریزنٹ کر دو!"

"ایسی کوئی تصویر نہیں ہے۔ کہو تو کوئی تازہ تصویر دے دوں؟"

"وہ لے کر کیا کروں گی؟"

پروفیسر انیل کو اپنے سینے میں سوئی سی چبھتی محسوس ہو رہی ہے۔ وہ فریاد کی لے میں مخاطب ہے۔

"میری تازہ تصویر بھی تو اُسی انیل کا رُوپ ہے۔ ایک سے محبت، دُوسرے سے نفرت۔ ایسا کیوں؟"

"نفرت کا سوال نہیں، رشتہ کا سوال ہے۔ اس رُوپ سے ششما کا رشتہ؟"

"بہت گہرا، بہت پُرانا!"

"وہ جس ششما سے ہے اُسے میں چھوڑے جا رہی ہوں۔"

ششما جا رہی ہے۔ ڈرائنگ روم سے نکل چکی ہے۔ اب تو کار بھی اسٹارٹ ہو گئی، لیکن پروفیسر انیل کمار ان قربتوں اور فاصلوں کے درمیان معلّق لٹکا ہوا ہے!!

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر روشن سیاہی سے خوشخط لکھا کریں اور دو سطروں کے درمیان فاصلہ چھوڑنا بہت ضروری ہے۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس مضمون کی نقل ضرور رکھیں کیونکہ ناقابل اشاعت مضامین ضائع کر دئے جاتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ یا لفافہ ارسال کریں ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ منیجر

غزلِ جاناں

قمر مرادآبادی

چشمِ میگوں میں لرزتی ہوئی یہ موجِ شراب — جیسے اک شاعرِ رنگیں کے خیالوں میں غزل
یہ مچلتا ہوا آغوشِ جوانی میں شباب — جیسے بیتاب ہو دِل، عشق میں اوّل اوّل
روشِ نازک پہ یہ کاکل، رُخِ تاباں پہ نقاب — ہلکے ہلکے ہوں شبِ ماہ میں جیسے بادل
دِل کی باتوں میں آ، اپنے ارادے نہ بدل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

اے مری سیم بر و گلبدن و زہرہ جبیں — پھول کا رنگ ہے شبنم کی چمک ہے تجھ میں
سو بہاروں کی بہار ایک جوانی کا یقیں — نغمۂ بلبل کا ہے غنچے کی چٹک ہے تجھ میں
ایک چڑھتا ہوا نشہ ہے شبابِ رنگیں — مستیِ بادہ ہے ساغر کی کھنک ہے تجھ میں
میری خاطر ابھی جذبات کے سانچے میں نہ ڈھل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

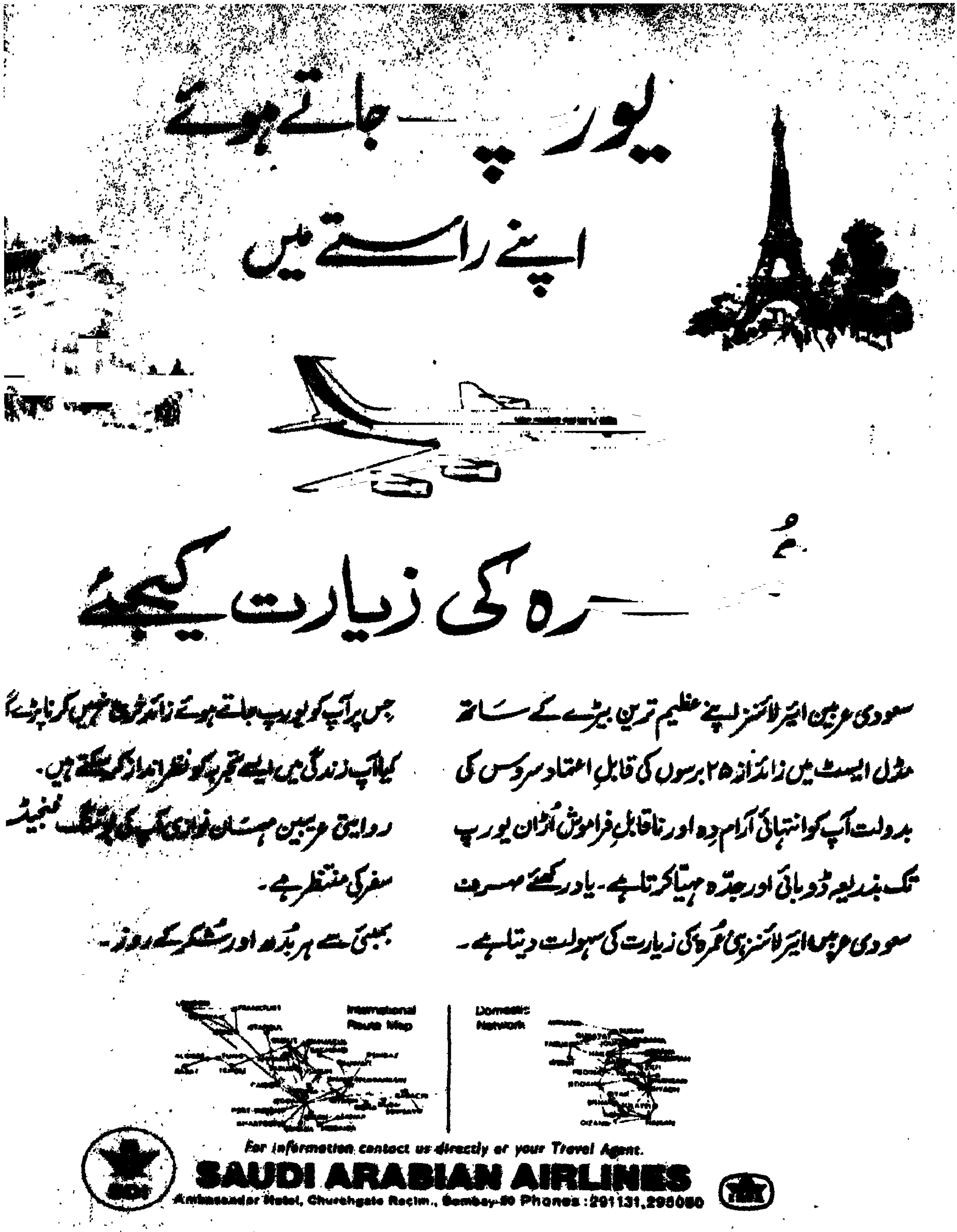
تیری افشاں پہ ستاروں کو نچھاور کر دوں — مانگ بھرنے کو تری کاہکشاں مُفت نہ لوں
تجھ پہ دُنیا کی بہاروں کو نچھاور کر دوں — تیرے دامن کے لیے باغِ جناں مُفت نہ لوں
قصرِ شاہی کے نظاروں کو نچھاور کر دوں — عشق میں دبدبۂ شاہجہاں مُفت نہ لوں
تیرے قدموں پہ تصدّق کر دوں سو تاج محل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

چاند تاروں کی نگاہوں میں شرارت ہے ابھی — مستقل دیکھ رہے ہیں تری راہوں کی طرف
کہکشاں کو ترے قدموں کی ضرورت ہے ابھی — ہے ثریا کی نظر تیری نگاہوں کی طرف
مُشتری، زہرہ کو احساسِ محبت ہے ابھی — دِل فرشتوں کے بھی مائل ہیں گناہوں کی طرف
عشق کے ساز پہ اِس وقت نہ گا میری غزل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

پھن اُٹھائے چلی آتی ہے وہ شب کی ناگن — آ کہ آغوشِ محبت میں چھپا لوں تجھ کو
چھو نہ جائے ترے رُخسار کو سورج کی کرن — آ ہماری نگاہوں سے بچا لوں تجھ کو
تجھ پہ قربان کروں صبحِ چمن شامِ چمن — اس شبِ وردز کی اُلجھن سے نکالوں تجھ کو
دیکھ ابھی وقت کے ماتھے پہ نظر آتے ہیں بل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

سخت نیرنگِ گلستاں سے پریشان ہے دِل — پھول تو پھول کلی رنگ بدل جاتی ہے
آ کے اِس گلشنِ ہستی میں پشیمان ہے دِل — چُپکے چُپکے ہی بہار آ کے نکل جاتی ہے
بس خوشی یہ ہے ترے غم کا نگہبان ہے دِل — کچھ طبیعت ترے وعدوں سے بہل جاتی ہے
ہو سکے تو کسی صورت سے یہ ماحول بدل
تُو ابھی راہِ محبت میں مرے ساتھ نہ چل

اُف یہ بے رحم جہاں ہائے یہ بے رحم سماج — آج معصوم خیالوں کی کوئی قدر نہیں
جذبۂ مہر و وفا موردِ الزام ہے آج — دِل کے خاموش سوالوں کی کوئی قدر نہیں
زندگانی ہے ابھی تک وہی افسردہ مزاج — موت سے کھیلنے والوں کی کوئی قدر نہیں
تُو ابھی پردۂ احساس سے باہر نہ نکل
اے مری جانِ غزل، جانِ غزل، جانِ غزل


یورپ جاتے ہوئے
اپنے راستے میں
عُمرہ کی زیارت کیجئے
سعودی عربین ایئر لائنز اپنے عظیم ترین بیڑے کے ساتھ
مڈل ایسٹ میں زائد از ۲۵ برسوں کی قابلِ اعتماد سروس کی
بدولت آپ کو انتہائی آرام دہ اور ناقابلِ فراموش اڑان یورپ
تک بذریعہ ڈوبائی اور جدہ مہیا کرتا ہے۔ یاد رکھئے صرف
سعودی عربین ایئر لائنز ہی عمرہ کی زیارت کی سہولت دیتا ہے۔
جس پر آپ کو یورپ جاتے ہوئے زائد خرچ نہیں کرنا پڑے گا
کیا آپ زندگی میں ایسے تجربہ کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔
روایتی عربین مہمان نوازی آپ کی
سفر کی منتظر ہے۔
بمبئی سے ہر بدھ اور سنیچر کے روز۔
International Route Map
Domestic Network
For information contact us directly or your Travel Agent.
SAUDI ARABIAN AIRLINES
Ambassador Hotel, Churchgate Reclm., Bombay-20 Phones : 291131, 295080

سیاہ حاشیہ

م۔ک۔ مہتاب ایم۔اے

ڈبلیو۔ زیڈ ۳۳۴۲۔ سنشیو نگر۔ نئی دہلی نمبر ۱۸

مکرمی و محترمی خوشتر صاحب! آداب

کچھ مصروفیات کے باعث افسانہ نمبر کی رسید نہیں بھیج سکا۔ حالانکہ میں آپ کے انتخاب کی داد دینا چاہتا تھا۔ کچھ دوستوں کی تخلیقات بہت پسند آئیں۔۔۔ "بیسویں صدی" کے لئے ایک افسانہ "سیاہ حاشیہ" ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے قارئین شرفِ قبولیت عطا فرمائیں گے۔۔

نیاز مند۔۔۔۔۔۔۔ م۔ک۔ مہتاب

★

جیسے چراغوں کی روشنی میں ایکدم اضافہ ہوگیا ہو۔ جیسے شہنائیوں کے سُر ایکدم اُونچے ہوگئے ہوں۔ اشوک اُسے دیکھتے ہی پوری آواز سے پکار اُٹھا۔

"ریتا!"

لیکن جلد ہی اُسے احساس ہوگیا کہ اِس بھرے جلسے میں وہ یہ کیا بے وقوفی کر رہا ہے اور کچھ اور کہنے سے پہلے اُس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

ریتا شامیانے کے دوسرے کونے میں آخری قطار میں ایک بزرگ عورت کے ساتھ بیٹھی ساز اور سنگیت کے اِس پروگرام سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہی پریوں جیسا خوبصورت معصوم چہرہ، وہی اُجلی اُجلی آنکھیں، وہی سر پر گرجتا ہُوا بالوں کا طوفان اور گودی میں جھولتی ہوئی ننھی منی چوٹی۔ ہاں وہ پہلے سے کچھ موٹی ہوگئی تھی۔ [illegible] لیکن اُس کے بالوں میں مانگ چاندی سی [illegible] صحرا میں قدموں سے بنا کوئی راستہ [illegible] میں جیتا چلا جا رہا ہو۔ اُس نے سفید ریشم کی [illegible] رکھی تھی جس میں وہ بہت ہی پیاری معلوم ہو رہی تھی، جیسے کسی نے صبح کے منظر کے گرد سیاہ حاشیہ لگا دیا ہو۔ تو کیا ریتا ابھی تک کنواری ہے؟ اشوک کے دل میں ایکدم سوال اُٹھا۔ ورنہ اِس شادی کی خوشی میں وہ سادگی کی تصویر بن کر کیوں آتی۔ جیسی شوخ وہ تھی اُس لحاظ سے اگر وہ کنواری نہ ہوتی تو اُسے قوسِ قزح کی طرح رنگین ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اُس کے چہرے پر خوشی کی ترنگ کی بجائے اُداسی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ جیسے اُس کا دل اِس تقریب میں نہ ہو، جیسے وہ کسی اور دُنیا میں کوئی خیالی منظر دیکھ رہی ہو۔ وقت کتنا ظالم ہے! کیسے کیسے رنگین پھول کھلاتا ہے اور پھر خود ہی اُن کی پتّیاں نوچنے لگتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اشوک اپنی جگہ سے اُٹھ کر ریتا کی جانب چل دیا۔

دُولہا کی سہرا بندی ہو رہی تھی۔ شہنائیاں بج رہی تھیں۔ لاؤڈ سپیکر الگ گلا پھاڑ رہا تھا۔ وسیع شامیانے سے باہر بیٹھے والے قطار باندھے اپنا حق نمک ادا کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ کانوں پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ بتّیوں کی جگمگاتی روشنی میں رنگا رنگ لباسوں اور چمکتے چہروں پر نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ تیرے

[illegible] کی [illegible] سے مہمانوں کے درمیان [illegible] پر سینکڑوں کی تعداد میں جمع ہو رہے تھے [illegible] تھا جیسے پوری زندگی اس شامیانے کی حدود میں [illegible] ہو۔ لوگ ایک دوسرے سے مل کر تعلقات کی تجدید [illegible] تھے۔ ہر طرف مسکراہٹیں اور قہقہے بکھر رہے تھے۔ کاش رنگ [illegible] کی یہ محفل یونہی دن جاری رہتی!

اشوک اس برادری، رشتہ داری، ماحول کی گرمی اور لوگوں کے خلوص کا مقابلہ انگلستان میں لوگوں کی سرد مہری سے کر رہا تھا۔ وہاں ہم ہندوستانی چند سکے جمع کرنے کے لئے کولہو کے بیل کی طرح دن رات جتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ رونق اور رنگینی وہاں کوسوں تک کہیں نظر نہیں آتی۔ وہاں لوگ جمع ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن صرف تحائف دینے اور شراب پی کر رخصت ہو جانے کے لئے۔ وہاں یہ بڑی بوڑھیاں کہاں ہیں جو محبت بھرا ہاتھ بچوں کے سر پر پھیر دیتی ہیں۔ اس طرح پیار سے کون گلے ملتا ہے۔ وہاں تو ہر طرف سرد مہری ہی سرد مہری ہے یا جذبات کے اشتعال کے الاؤ بھڑک رہے ہیں۔

اس تین گھنٹے کے وقفے میں کتنی ہی بزرگ عورتیں اور مرد اسے پیار کر چکے تھے، دعائیں دے چکے تھے، اس کے حالات پوچھ چکے تھے۔ لیکن ان سب کی شفقت کو بھول کر اب تو وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کی موسی کے لڑکے کی شادی میں یہ ریتا کہاں سے آ گئی؟ اور دوسرا خیال یہ تھا کہ رنگ اور روشنیوں کے اس سیلاب میں ریتا نے یہ سفید سادہ لباس کیوں پہن رکھا ہے اور قہقہوں کے سیلاب میں وہ صرف مسکرا کیوں رہی ہے؟

"ریتا!" اشوک ریتا کے پاس پہنچ کر اس کے کندھوں کو جھنجھوڑتا ہوا چیخ اٹھا۔

"اشوک!" ریتا گھبرا کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مسکرائی اور اس کے گالوں میں وہی گڑھے پھر نمودار ہو گئے جن میں کبھی اشوک ڈوب جانے کی تمنا کیا کرتا تھا۔

"ریتا تم یہاں کیسے؟"

"شادی دیکھنے۔ بارات میں شامل ہونے کے لئے۔"

"لیکن ان لوگوں کے ساتھ تمہاری جان پہچان کیسے ہے؟"

"میری [illegible] ہوئی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا لندن میں آئی۔ لیکن تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں ——— میں [illegible]

میری موسی کا لڑکا ہے [illegible] اس لئے [illegible] تھی کہ اشوک بیٹا اگر آپ سب لوگ یہاں [illegible] شادی نہ ہوگی۔ اسی لئے اپنے ملک سے [illegible] ہیں۔ کام دھندا چھوڑ کر آنا پڑا۔"

"تو بچے کہاں ہیں؟"

"آؤ نا! تمہیں دکھاؤں۔ تم اس ہنگامے میں کب سے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھی رہی ہو؟ شادی میں آئی ہو تو ہنسو، ناچو، گاؤ، کھاؤ پیو۔ اگر گا نہیں سکتیں تو دوسروں کو ناچتے گاتے دیکھو۔ یہ کیا کالا حاشیہ لگا رکھا ہے؟ جیسے اخبار میں کسی المناک حادثے کی خبر ہوتی ہے! شہنائی کی دھنوں اور اس سیاہ حاشیے میں کوئی مطابقت بھی ہے؟ اور پھر تم ٹریجڈی کا رونا روؤ گی کہ میں بہت ٹریجڈی کیس پروفیسر ہوں!"

ریتا ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اشوک کے ساتھ چل دی۔ لیکن کہے جا رہی تھی کہ اسے یہ باجے گاجے، یہ بچوں کا شور و غل اچھا نہیں لگتا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم ابھی تک شمن [illegible] کمزوری میں ہو؟"

"یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو ریتا! اگر ایسی ہی رہو گی تو پھر تمہیں شور و غل ہی سے نہیں آہستہ آہستہ شہر اور اس کے باشندوں سے بھی نفرت ہو جائے گی۔ پھر تمہیں ویرانے، صحرا اور قبرستان پسند آیا کریں گے۔ اچھا اس وقت قبرستان کی بات چھوڑو۔ یہ کرسی لو۔ پائن ایپل کا یہ گلاس پیو اور ان سے ملو۔" اشوک نے ریتا کو شامیانے کے دوسرے کونے میں لا کر شہنائی بجانے والوں کے دائیں ہاتھ ایک کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کون ہیں؟" ریتا نے پوچھا۔

"یہ میرے بچے ہیں۔ یہ ٹیٹو ہے۔ یہ [illegible] ہے [illegible] ہے اور یہ اس گڑیا کا نام ریتا ہے۔ دیکھ لو میں تمہارا نام انگلستان جا کر بھی نہیں بھولا! میں نے سوچا چلو تم نہیں [illegible] تمہارا نام

ہی رکھ دیا جائے جس طرح اِس دور دراز ملک میں رہنے کے لئے ایک جذباتی سہارا تو بنا رہے گا اور پیار کے درد کی یاد کو ستاتی رہے گی۔"

"اشوک! تم اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ لیکن اب بھی ویسے ہی شریر ہو! زندگی سے تم نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا؟" ریتا انناس کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

"ریتا اگر تم ویسی ہی حسین، ویسی ہی ظالم رہ سکتی ہو تو کیا میں ویسا شریر نہیں رہ سکتا؟ یہ شرارت اور سنجیدگی تو انسان کے خون میں ہوتی ہے۔ جیسے رونا ہے وہ شہنائی بجاتا ہوا بھی روتا ہی رہے گا اور جسے ہنسنا ہے وہ کسی کی ارتھی اٹھاتے ہوئے بھی ہنستا چلا جائے گا۔ اس میں تجربے کو کیا دخل حاصل ہے۔ کہو بچے پسند آئے؟"

"بہت ہی اچھے بچے ہیں! بہت خوبصورت ہیں! یہ اتنے گورے چٹے کیسے ہیں؟ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں!"

"ایسی تعلیم یافتہ پروفیسر ہو کر اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں؟"

"ہاں ہوں" ریتا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"تو اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر یہ معمولی سی بات نہیں سمجھ سکتیں کہ انگلستان میں شادی ہوئی، انگلستان میں بچے ہوئے تو کیا وہ یورپین نہ ہوں گے۔ میں کہتا ہوں انگلستان میں تو مرغیوں کے انڈوں کی زردی بھی سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ وہاں بچے کیسے گورے چٹے نہ ہوں گے!"

اشوک کی بات پر ریتا کھل کھلا کر ہنسی۔ پائن ایپل کا جوس ناک میں چلا گیا۔ وہ کھانسنے اور چھینکنے لگی۔ ساڑی کا پلو ضبط کے دامن کی مانند ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ سر پر اِدھر اُدھر ٹانکی ہوئی کچھ زلفیں بکھر گئیں۔ چوٹی کا ناگ سینے پر پھنکارنے لگا اور وہ رومال سے ناک منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"تم بہت شریر ہو اشوک!"

"اسی شرارت کی سزا بھی تو بہت بھگت چکا ہوں!——لو تھوڑا نمکین کاجو لو۔ اچھا تھوڑی برفی لو۔ نہایت لذیذ ہے۔ چیتے میں نے خود حلوائی کے پاس بیٹھ کر بنوائی تھی۔ کھاؤ تو سہی۔ مجھے تو بھول گئی ہو۔ برفی کی لذت کو عمر بھر نہ بھول سکو گی!"

ریتا نے نگاہیں اٹھا کر اشوک کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے کوئی بات یاد آنے پر شرمندہ ہو۔ پھر برفی کے کچھ ٹکڑے اٹھا کر پلیٹ میں رکھ لئے اور بچوں کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ان کی ممی؟"

"جانے دو اس بات کو۔ اس سے مل کر کیا لوگی۔ تمہیں ناحق یہ سوچ کر پشیمانی ہوگی کہ جس شخص کی موت کی درخواست ٹھکرا دی گئی تھی اسے ہیرا مل گیا! وہ اپنے کمرے میں میک اپ کر رہی ہے۔ ابھی اِدھر آتی ہوگی۔ اسے دیکھ کر تم دانتوں میں انگلیاں داب کر سوچتی رہ جاؤ گی کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں تمہارے دروازے پر ایک برس کشکولِ گدائی ہاتھ میں لئے خیرات کا طلب گار رہا۔ لیکن نہ تمہیں رحم آیا نہ تمہاری ممی کو! اور نتیجہ یہ ہے کہ میرے آنگن میں بہار آئی ہوئی ہے اور تم وہ بیری ہو جس پر پھل تو کیا ابھی پھول بھی نہ آسکے! جس کے نوکیلے کانٹے خود اُس کے پتوں ہی کو چھید رہے ہیں۔"

ریتا اشوک کی بات سن کر ایکدم سنجیدہ ہو گئی اور کاجو کے دو دانے منہ میں رکھتے ہوئے قدرے خفگی کے لہجے میں بولی۔

"یہ شادی کے موقع پر تم کیا گڑے مردے اکھاڑ بیٹھے ہو۔ یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔ تمہیں انگلستان جانا پسند تھا۔ تم تعلیم ادھوری ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ تمہاری ممی تمہاری شادی کے بعد ہی تمہیں جانے دینا چاہتی تھیں۔ لیکن میری ممی کو شادی کی نسبت تعلیم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ میں خود بھی اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی تھی۔ میرے پتا جی بھی مجھے ابھی شادی کی زنجیریں نہیں پہنانا چاہتے تھے۔ اِس لئے بات نہ بنی۔ تم انگلستان چلے گئے اور میں نے اپنا تعلیمی شغل جاری رکھا۔"

"اِس مغز کھپائی سے تمہیں کیا حاصل ہوا؟"

"کیا حاصل نہیں ہوا۔ اِن آٹھ برسوں میں میں نے ایم۔ اے کیا۔ پروفیسر بنی۔ تین کتابیں لکھیں جو ہمیشہ میری یادگار رہیں گی۔ اِس کے مقابلے میں تمہیں شادی کی زنجیروں میں بندھ کر کیا حاصل ہوا کہ ابھی انڈر گریجویٹ ہی گھوم رہے ہو؟" ریتا نے انناس کا خالی گلاس میز پر رکھ دیا۔

مشروبات کی بوتلیں اور مٹھائیوں کی پلیٹیں لئے مہمانوں کے درمیان گھوم رہے تھے جو اس تقریب پر سیکڑوں کی تعداد میں جمع ہو رہے تھے۔ کیا پُرلطف ماحول تھا جیسے پوری زندگی اس شامیانے کی حدود میں سمٹ آئی ہو۔ لوگ ایک دوسرے سے مل کر تعلقات کی تجدید کر رہے تھے۔ ہر طرف مسکراہٹیں اور قہقہے بکھر رہے تھے۔ کاش رنگ رنگ کی یہ محفل کچھ دن جاری رہتی!

اشوک اس برادری، رشتے داری، ماحول کی گرمی اور لوگوں کے خلوص کا مقابلہ انگلستان میں لوگوں کی سرد مہری سے کر رہا تھا۔ جہاں ہم ہندوستانی چند ٹکے جمع کرنے کے لئے کولھو کے بیل کی طرح دن رات جُتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ رونق اور رنگینی وہاں کوسوں تک کہیں نظر نہیں آتی۔ وہاں لوگ جمع ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن صرف تھوڑی دیر بیٹھنے اور شراب پی کر رخصت ہو جانے کے لئے۔ وہاں یہ بڑی بوڑھیاں کہاں ہیں جو محبت بھرا ہاتھ بچوں کے سر پر پھیر دیتی ہیں۔ اس طرح پیار سے کون گلے ملتا ہے۔ وہاں تو ہر طرف سرد مہری ہی سرد مہری ہے یا جذبات کے استعمال کے الاؤ بھڑک رہے ہیں۔ اس تین گھنٹے کے وقفے میں کتنی ہی بزرگ عورتیں اور مرد اُسے پیار کر چکے تھے، دُعائیں دے چکے تھے، اس کے حالات پوچھ چکے تھے۔ لیکن اُن سب کی شفقت کو بھول کر اب تو وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اُس کی موسی کے لڑکے کی شادی میں یہ ریتا کہاں سے آ گئی؟ اور دوسرا خیال یہ تھا کہ رنگ اور روشنیوں کے اس سیلاب میں ریتا نے یہ سفید سادہ لباس کیوں پہن رکھا ہے اور قہقہوں کے سیلاب میں وہ صرف مسکرا کیوں رہی ہے؟

"ریتا!" اشوک ریتا کے پاس پہنچ کر اُس کے کندھوں کو جھنجھوڑتا ہوا چیخ اُٹھا۔

"اشوک!" ریتا گھبرا کر کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مسکرائی اور اُس کے گالوں میں وہی گڑھے پھر نمودار ہو گئے جن میں کبھی اشوک ڈوب جانے کی تمنا کیا کرتا تھا۔

"ریتا تم یہاں کیسے؟"

"شادی دیکھنے۔ بارات میں شامل ہونے کے لئے۔"

"لیکن اِن لوگوں کے ساتھ تمھاری جان پہچان کیسے ہے؟"

"میری بہان گوشا کی بہن ہوتی ہیں۔ انھوں نے مجھے بلایا تھا اور میں آگئی۔ لیکن تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں ـــ میں ـــ ریتا! یہ جو لڑکا سہرا باندھے ہوا ہے یہ میری موسی کا لڑکا ہے۔ بہت ضدی ہے۔ اس نے دھمکی دے رکھی تھی کہ اشوک بھیّا اگر آپ سب لوگ بال بچوں کے ساتھ نہ آئے تو شادی نہ ہوگی! کئی لوگ اپنے خلوص سے دوسروں کو مجبور کر دیتے ہیں۔ کام دھندا چھوڑ کر آنا ہی پڑا۔"

"تو بچے کہاں ہیں؟"

"آؤنا! انھیں دکھاؤں۔ تم اس ہنگامے میں کہاں ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ رہی ہو؟ شادی میں آئی ہو تو ہنسو، ناچو، گاؤ، کھاؤ پیو۔ اگر گا نہیں سکتیں تو دوسروں کو ناچتے گاتے دیکھو۔ یہ کیا کالا حاشیہ لگا رکھا ہے؟ جیسے اخبار میں کسی المناک حادثے کی خبر ہوتی ہے! شہنائی کی دھنوں اور اس سیاہ حاشیے میں کوئی مطابقت بھی ہے؟ اور پھر تم ٹیکنگ ماروگی کہ میں بہت پہنچی ہوئی پروفیسر ہوں!"

ریتا ہنستی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اشوک کے ساتھ چل دی۔ لیکن کہے جا رہی تھی کہ اُسے یہ باجے گاجے، یہ ہلچل کا شور و غل اچھا نہیں لگتا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم ابھی تک ٹھن ٹھن کنواری ہی بیٹھی ہو؟"

"یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو ریتا! اگر ایسی ہی رہو گی تو پھر تمھیں شور و غل ہی سے نہیں آہستہ آہستہ شہر اور اس کے باشندوں سے بھی نفرت ہو جائے گی۔ پھر تمھیں ویرانے، صحرا اور قبرستان پسند آیا کریں گے۔ اچھا اِس وقت قبرستان کی بات چھوڑو۔ یہ کرسی لو۔ پائن ایپل کا یہ گلاس پیو اور اِن سے ملو۔" اشوک نے ریتا کو شامیانے کے دوسرے کونے میں لا کر شہنائی بجانے والوں کے دائیں ہاتھ ایک کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کون ہیں؟" ریتا نے پوچھا۔

"یہ میرے بچے ہیں۔ یہ ٹیٹو ہے۔ یہ راجو ہے یہ موتی ہے اور یہ اس گڑیا کا نام ریتا ہے۔ دیکھ لو میں تمھارا نام انگلستان جا کر بھی نہیں بھولا! میں نے سوچا چلو تم نہیں ملیں تو تمھارا نام

ہی رکھ لیا جائے۔ کسی طرح اس دور دراز ملک میں رہنے کے لئے ایک جذباتی سہارا تو بنا رہے گا اور پیار کے درد کی یاد کو ستاتی رہے گی۔"

"اشوک! تم اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ لیکن اب بھی ویسے ہی شریر ہو! زندگی سے تم نے کوئی تجربہ حاصل نہیں کیا۔" ریتا انناس کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

"ریتا اگر تم ویسی ہی حسین، ویسی ہی ظالم رہ سکتی ہو تو کیا میں ویسا شریر نہیں رہ سکتا! یہ شرارت اور سنجیدگی تو انسان کے خون میں ہوتی ہے۔ جسے رونا ہے وہ شہنائی بجاتا ہوا بھی روتا ہی رہے گا اور جسے ہنسنا ہے وہ کسی کی ارتھی اٹھاتے ہوئے بھی ہنستا چلا جائے گا۔ اس میں تجربے کو کیا دخل حاصل ہے۔ کہو بچے پسند آئے؟"

"بہت ہی اچھے بچے ہیں! بہت خوبصورت ہیں! یہ اتنے گورے چٹے کیسے ہیں؟ بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں!"

"ایسی تعلیم یافتہ پروفیسر ہو کر اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں؟"

"ہاں ہوں!" ریتا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"تو اتنی موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر یہ معمولی سی بات نہیں سمجھ سکتیں کہ انگلستان میں شادی ہوئی، انگلستان میں بچے ہوئے تو کیا وہ یورپین نہ ہوں گے۔ میں کہتا ہوں انگلستان میں تو مرغیوں کے انڈوں کی زردی بھی سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ وہاں بچے کیسے گورے چٹے نہ ہوں گے!"

اشوک کی بات پر ریتا کھل کھلا کر ہنسی۔ پائن ایپل کا جوس ناک میں چلا گیا۔ وہ کھانسنے اور چھینکنے لگی۔ ساڑی کا پلو ضبط کے دامن کی مانند ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ سر پر ادھر اُدھر ٹانکی ہوئی کچھ زلفیں بکھر گئیں۔ چوٹی کا ناگ سینے پر پھنکارنے لگا اور وہ رومال سے ناک منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"تم بہت شریر ہو اشوک!"

"اسی شرارت کی سزا بھی تو بہت بھگت چکا ہوں!۔۔۔ لو تھوڑا نمکین کاجو لو۔ اچھا تھوڑی برفی لو۔ نہایت لذیذ ہے۔ صبح میں نے خود حلوائی کے پاس بیٹھ کر بنوائی تھی۔ کھاؤ تو سہی۔ مجھے تو بھول گئی ہو۔ برفی کی لذت کو عمر بھر نہ بھول سکو گی!"

ریتا نے نگاہیں اٹھا کر اشوک کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے کوئی بات یاد آنے پر شرمندہ ہو۔ پھر برفی کے کچھ ٹکڑے اٹھا کر پلیٹ میں رکھ لئے اور بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ان کی ممی؟"

"جانے دو اس بات کو۔ اُس سے مل کر کیا لو گی۔ تمھیں ناحق یہ سوچ کر پشیمانی ہوگی کہ جس شخص کی موتی کی درخواست ٹھکرا دی گئی تھی اُسے ہیرا مل گیا! وہ اپنے کمرے میں میک اپ کر رہی ہے۔ ابھی ادھر آتی ہوگی۔ اُسے دیکھ کر تم دانتوں میں انگلیاں دبا کر سوچتی رہ جاؤ گی کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں تمھارے دروازے پر ایک برس کشکول گدائی ہاتھ میں لئے خیرات کا طلب گار رہا۔ لیکن نہ تمھیں رحم آیا نہ تمھاری ممی کو! اور نتیجہ یہ ہے کہ میرے آنگن میں بہار آئی ہوئی ہے اور تم وہ بیری ہو جس پر پھل تو کیا ابھی پھول بھی نہ آئے! جس کے نوکیلے کانٹے خود اس کے پتوں ہی کو چھید رہے ہیں۔"

ریتا اشوک کی بات سن کر ایکدم سنجیدہ ہو گئی اور کاجو کے دو دانے منہ میں رکھتے ہوئے قدرے خفگی کے لہجے میں بولی۔

"یہ شادی کے موقع پر تم کیا گڑے مردے اکھاڑ بیٹھے ہو۔ یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔ تمھیں انگلستان جانا پسند تھا۔ تم تعلیم ادھوری ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ تمھاری ممی تمھاری شادی کے بعد ہی تمھیں جانے دینا چاہتی تھیں۔ لیکن میری ممی کو شادی کی نسبت تعلیم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ میں خود بھی اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی تھی۔ میرے پتا جی بھی مجھے ابھی شادی کی زنجیریں نہیں پہنانا چاہتے تھے۔ اس لئے بات نہ بنی۔ تم انگلستان چلے گئے اور میں نے اپنا تعلیمی شغل جاری رکھا۔"

"اس مغز کھپائی سے تمھیں کیا حاصل ہوا؟"

"کیا حاصل نہیں ہوا۔ ان آٹھ برسوں میں میں نے ایم۔ اے کیا۔ پروفیسر بنی۔ تین کتابیں لکھیں جو ہمیشہ میری یادگار رہیں گی۔ اس کے مقابلے میں تمھیں شادی کی زنجیروں میں بندھ کر کیا حاصل ہوا کہ ابھی انڈر گریجویٹ ہی گھوم رہے ہو!" ریتا نے انناس کا خالی گلاس میز پر رکھ دیا۔

"ریتا! میں تمہیں کالج میں بھی اُلٹی کھوپڑی کہہ کر پکارتا تھا اور میرے خیال میں اب بھی تمہارے لئے وہی نام موزوں ہے۔ کیا تم نے کچھ حاصل نہیں کیا؟ کتنی لاکھ روپیہ کمایا ہے۔ ہیروں کی جھالر جیسی بیوی حاصل کی ہے! شگفتہ پھولوں جیسے چار بچے ہیں۔ اِس کے مقابلے میں تمہاری کامیابی کیا ہے؟ تین کتابیں لکھ لی ہیں جی۔ بڑا تیر مارا ہے! یادگار رہیں گی۔ بیوی جی جب تک تمہاری کتابوں کا پہلا ایڈیشن بکے گا یہ بچے جوان ہو جائیں گے۔ ٹیپو فوج میں کپتان ہوگا۔ بابی انجینئر بن کر ملک کے لئے کوئی بندھ باندھ رہا ہوگا۔ موتی ایک ماہر قانون دان ہوگا اور ریتا ایک نامور ڈاکٹر ہوگی۔ ہو سکتا ہے اُس وقت تک یہ قطار لمبی ہو جائے۔ پھر بھی اگر یہ میرا نہیں تو ملک کا نام ضرور روشن کریں گے۔ اِس سے بڑی یادگار میں اور کیا چھوڑ سکتا ہوں" اشوک نے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ڈٹ کر برفی اور کاجو کھا رہے تھے۔

ریتا جل کر اشوک کی باتوں کا جواب دینا چاہتی تھی۔ لیکن وہ قطار میں بیٹھے بچوں کے منہ میں ٹھسی برفی دیکھ کر ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ لیکن اشوک ابھی ریتا کو کنارے لگانے پر تلا ہوا تھا۔ وہ پھر بول اٹھا۔

"ریتا! سکول میں بچوں کو پڑھانا یا کتابیں لکھنا اور بات ہے۔ لیکن بچے پیدا کر کے انہیں ٹھیک ڈھنگ سے پالنا کچھ اور ہی بات ہے۔ یہ تخلیق اُس سے کہیں اونچی ہے۔ پھر تم ان دونوں مدارج کا مقابلہ کیا کر سکتی ہو جب کہ تمہیں ماں بننے کا شرف ہی حاصل نہ ہوا۔ لو ایک گلاس پائن ایپل کا اور لو اور ٹھنڈے دل سے سوچو کہ تم نے آج تک کتنی بڑی بڑی غلطیاں کی ہیں"

"اور یہ کیا چھوٹی بے وقوفی ہے۔ توبہ توبہ! آٹھ برس میں چار بچے!" ریتا کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

"اسے بے وقوفی کون کہتا ہے؟ کیا پھول اُگانا بھی بے وقوفی ہے؟ تم نے تو مجھے ٹھکرا دیا۔ مجھے بنا محبت کے صرف رضامندی کی شادی کرنی پڑی۔ تم مان گئی ہوتیں اور محبت کی بیل کو پروان چڑھنے دیا ہوتا تو آج تمہاری گود بھری ہوتی کیونکہ بچے ہوتے۔"

ریتا اشوک کی بات پر [illegible] جیسے تصور میں اس کی ساری کا پلو [illegible] ہو۔ رنگ پھیکا پھیکا سا [illegible] ساری [illegible] ہو۔ پھر [illegible] سات بچوں سے بھر گئی ہو اور وہ ان کے [illegible] کانوں میں انگلیاں دے کے بیٹھی ہو۔ [illegible] کیا خوش کن ہوتا ہے! [illegible] کبھی چھاتیوں کے ساتھ۔

"تم بہت ظریف ہو اشوک!"

"ظریف کہاں ہوں۔ کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ جب محبت ہو تو نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ شاہجہاں کو ممتاز سے محبت تھی۔ دیکھ لو تیرہ برس میں گیارہ بچے ہوئے! میں تمہیں ممتاز سے بھی زیادہ پیار کرتا تھا، کیا سات برس میں سات بچے ناممکن تھے؟"

"اب چھوڑو یہ باتیں! کچھ اور باتیں کرو۔" ریتا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"شادی والے گھر میں ہنسی مذاق چلتا ہی ہے۔ یہ کیا کہ ماتمی حاشیے کی ساڑی پہن کر چہرے پر [illegible] لکیریں کھینچ کر شادی والے کے ایک کونے میں بیٹھ [illegible] کاش! ہمارا بھی کوئی ننھا منا ہوتا! اِس وقت تم ویسی ہی شوخ اور چنچل دکھائی دیتیں جیسی کالج کے دنوں میں ہوا کرتی تھیں۔ جب تم پھولوں پر تتلیوں کا تعاقب کرتے کرتے پھسل کر گرا کرتی تھیں۔ دیکھو اگر تم [illegible] ہو۔ میں نے آدھ گھنٹے کی صحبت میں تمہارے چہرے [illegible] میں کھینچی گئی لکیریں صاف کر دی ہیں۔ آئینہ لا کر اپنا چہرے کا نکھار تو دیکھو اور بتاؤ کہ اب [illegible] یا نہیں! میرا تو اب بھی مشورہ ہے کہ [illegible] شہنائی بجنے بھی دو۔"

"اشوک! اب تو زندگی کی [illegible] ہیں۔ اب شادی..." ریتا یہ کہہ کر کچھ افسردہ ہو گئی۔

"اب شادی سے کیا مطلب؟ [illegible] میں بھی ہو سکتی ہے؟"

"پھر وہ سب کون کرے گا؟"
"کوئی نہیں کرے گا۔ تم میرے ساتھ۔ میں کراتا ہوں تمہاری شادی! اپنی تنہائیوں کے سنگیت میں اپنا سُر بھی ملا دو۔"
"لیکن کس کے ساتھ اشوک؟"
"اپنے ساتھ! اور کس سے؟"
"تمہاری بیوی تو ٹیک اپ کرکے آ رہی ہے۔ تمہاری تو شادی ہو چکی ہے؟"
"کیسی کی شادی رچتا! تم سے محبت کرکے کوئی کیسے اور سے شادی کر سکتا ہے؟ تم کنواری رہو گی تو میں نے بھی تنہا رہنے کا عہد کر رکھا ہے!"
"مگر یہ بچے؟"
"یہ بچے میرے بڑے بھائی کے ہیں۔ لو منہ کھولو۔ یہ لو مٹھائی تاکہ اس مٹھاس سے گزشتہ آٹھ برسوں کی سب تلخیاں دُور ہو جائیں!!"

[illegible]

غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ اے

زلفوں کے واسطے نہ مزاروں کے واسطے
گل مسکرا رہے ہیں بہاروں کے واسطے

شب ہائے انتظار میں اک اک نظر ہے گم
لاؤں نظر کہاں سے نظاروں کے واسطے

دل کے چمن سے رنگ تمنا کے شوخ پھول
لایا ہوں اُن کی راہگزاروں کے واسطے

اُن کی نگاہِ لطف پہ ہے زندگی مری
جیتا ہوں اُن کے شوخ اشاروں کے واسطے

دل کی چبھن، نظر کی خلش اور جگر کا سوز
سوغات ہے یہ سینہ فگاروں کے واسطے

سرگرمیاں حیات کی مضمر ہیں موج میں
ہے موت کا جمود کناروں کے واسطے

محدود ہو گئے ہیں کرامت جگر کے داغ
کیا اب رہا ہے شراروں کے واسطے

غزل

ساحر لدھیانوی

یہ زمیں جس قدر سجائی گئی
زندگی کی تڑپ بڑھائی گئی

آئینے سے بگڑ کے بیٹھ گئے
جن کی صورت جنہیں دکھائی گئی

دشمنوں ہی سے بیر نبھ جائے
دوستوں سے تو آشنائی گئی

نسل در نسل انتظار رہا
قصر ٹوٹے، نہ بے نوائی گئی

زندگی کا نصیب کیا کہئے
ایک سیتا تھی جو ستائی گئی

ہم نہ اوتار تھے نہ پیغمبر
کیوں یہ عظمت ہمیں دلائی گئی

موت پائی صلیب پر ہم نے
عمر بن باس میں بتائی گئی



عام صابنوں کے استعمال سے اپنے بالوں کی قدرتی
چمک دمک ماند نہ پڑنے دیجیے۔۔۔
Swastik
SHIKAKAI
سواستک شکاکائی
شمپو صابن ہی استعمال کیجیے۔
قدرتی حفاظت اور ریشم کی مانند ملائم بالوں کے واسطے
سواستک آئل ملز بمبئی

آکاش دیپ

مس صفیہ سلطانہ ایم۔اے، بی۔ایڈ
معرفت قاری عبدالخالق صاحب، محلہ شیرازان، سہارنپور۔

مکرم و معظم! آداب و خلوص

ایک تازہ ترین افسانہ "آکاش دیپ" پیشِ خدمت ہے۔ اُمید ہے پسند آئے گا۔ پھکر ناتھ جی نے ایک بار مجھے لکھا تھا "اگر افسانہ میں خونِ دل کی آمیزش ہو تو افسانہ کا اثر انگیز ہونا قدرتی ہے۔ ۔ ۔" زیرِ نظر افسانہ بھی کسی کے خونِ دل کی آمیزش سے سجایا گیا ہے۔ ہر ممکن اختصار کے باوجود افسانہ طویل ہو گیا ہے۔ ایک سو صفحات کے ناول کا پلاٹ اور تاثر افسانہ میں جذب کرتے وقت ایسا ہونا غیر فطری نہیں ہے۔ ۔ ۔

مخلص ——— صفیہ سلطانہ

★

برسوں پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ وہ خواب کوشش ...نے پر بھی بھول نہ سکی۔ اُس کا تاثر آج بھی میرے ذہن میں موجود ...ہے۔

بھری گرمی کی ایک دوپہر تھی۔ سیلنگ فین آگ برسا رہا تھا۔ ...ا اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی Cooler کی کمی پر شدت سے غور ...رہی تھی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے نہ جانے کس طرح میرا تھکا ہوا ذہن ...ند کے دُھندلکوں میں ڈوب گیا۔ جبھی میں نے محسوس کیا کہ میں ...ک بہت بڑے ریگستان میں اکیلی کھڑی ہوں۔ میرے سر سے ...وڑے فاصلے پر سورج دہک رہا ہے۔ دھوپ کی روپہلی شعاعوں ...ں ریت کے ذرّے ہیرے کی کنیوں کی طرح دمک رہے ہیں۔ مجھے ...ت گرمی اور پیاس لگی ہے۔ میں پیاسی نظروں سے چاروں طرف ...تی ہوں۔ حدِ نظر تک ریت کے ٹیلے بکھرے ہوئے ہیں۔ دُور دُور ...ت زندگی کے آثار نہیں ہیں۔ کہیں گھاس کا کوئی پتہ نہیں۔ کہیں ...کی ایک بوند نہیں۔ ۔ ۔ میرے ننگے پیر جل رہے ہیں۔ میرا گلا ...ہ رہا ہے۔ ۔ ۔ میں گھبرا کر ایک ٹیلے پر چڑھ جاتی ہوں۔ ٹیلے کی دُوسری طرف نظر پڑتے ہی میں گھبرا جاتی ہوں۔ وہاں جنگلی بونوں کا ایک غول ہے۔ اُن کے جسم کی سیاہی دھوپ میں چمک رہی ہے۔ اُن کی آنکھوں میں خون کی چمک دار سُرخی ہے۔ اُن کے ہاتھوں میں فولادی زنجیر کے ٹکڑے لہرا رہے ہیں۔ میں اُن کی نگاہوں سے بچنے کے لئے بھاگ کر ٹیلے کی دُوسری جانب اُتر جاتی ہوں۔ لیکن وہ ٹیلے کی دونوں طرف سے آگے بڑھ کر مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ میرے چاروں طرف پھیل گئے ہیں۔ میں انھیں غُچ دینے کے لئے لگاتار بھاگ رہی ہوں۔ میرے جسم سے پسینے کی دھاریں بہہ رہی ہیں۔ میری زبان پتھرا گئی ہے۔ میرے پاؤں درد سے پھٹے جا رہے ہیں۔ بھاگتے بھاگتے میں لڑکھڑا کر جلتے ہوئے ریت پر منہ کے بل گر پڑتی ہوں۔ بونے مجھے گھیر کر فولادی کوڑے برسانے لگتے ہیں۔ ہر کوڑا جلتی ہوئی سلاخ کی طرح میرے جسم پر پڑتا ہے۔ لیکن میرے سوکھے گلے سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔ میں اُن خوفناک کالے بونوں کے قدموں میں تڑپ تڑپ کر رہ جاتی ہوں۔ کپڑوں کے ساتھ میرے جسم کی دھجیاں اُڑی جا رہی ہیں۔ میرے زخموں سے خون بہہ بہہ کر گرم

ریت میں جذب ہو رہا ہے۔ میں تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہوتی جا رہی ہوں۔ اچانک میری ڈوبتی ہوئی نظریں ٹیلے کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلہ بیچ میں سے پھٹ جاتا ہے اور اب وہاں پر ایک نخلستان کا منظر ہے۔ ایک ہرا بھرا چھوٹا سا نخلستان! جہاں رم جھم رم جھم بارش کی پھوار پڑ رہی ہے۔ بارش میں ایک انتہائی خوبرو نوجوان کھڑا ہے۔ اس کا لباس بارش میں بھیگ کر جسم سے چپک گیا ہے۔ جسم کے بے حد متناسب خطوط بھیگے ہوئے لباس میں صاف نظر آ رہے ہیں۔ وہ مجھے دیکھ کر اپنے بازو پھیلا دیتا ہے۔ کچھ ایسا ہے کہ وہ اپنی سرحد سے باہر نہیں آ سکتا۔ مجھے ہی اس کے پاس پہنچنا ہے۔ میں گھٹنیوں کے بل اس کی طرف سرکتی ہوں۔ بونے کوڑے برسانے کی رفتار کئی گنا تیز کر دیتے ہیں۔ لیکن میں نیم بے ہوشی کی حالت میں ایک ہی سمت میں سرکتی جا رہی ہوں۔ سرحد کے بالکل قریب پہنچ کر میں نڈھال ہو جاتی ہوں۔ میرا جسم لہولہان ہے۔ میرے کپڑے تار تار ہو چکے ہیں۔ میرے اور نوجوان کے درمیان صرف چند فٹ کا فاصلہ ہے۔ بونے انتہائی شدت سے کوڑے برسا کر مجھے آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں۔ میں اپنی پوری قوت جمع کر کے آخری کوشش کرتی ہوں اور زور لگا کر اپنے جسم کا اگلا حصہ نخلستان کی سرحد میں داخل کر دیتی ہوں۔ اب کوڑوں کی چوٹ صرف جسم کے نچلے حصے پر لگ رہی ہے۔ نوجوان تیزی سے جھک کر مجھے اندر کھینچ لیتا ہے۔ بونے مایوس ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔ میں نوجوان کی گود میں پڑی سسک رہی ہوں۔ بارش کی پھوار پڑتے ہی میرے زخموں کی جلن دور ہو گئی ہے۔ اب میرے جسم پر کسی چوٹ کا نشان نہیں ہے۔ بارش کے قطرے میری زبان پر پڑتے ہوئے میری روح تک کو سیراب کر گئے ہیں۔ نوجوان کے جسم میں گرم صندل کی مہک ہے جو مجھے مدہوش کیے دے رہی ہے۔ نوجوان کی مسکراتی ہوئی نگاہیں میری نگاہوں سے ملتی ہیں۔ میں اس کے بھیگے ہوئے جسم سے [illegible]

جب میری آنکھ کھلی تو [illegible] بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے [illegible] کے پردوں سے ٹکرا رہے تھے۔ موسم یک بیک بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ میرے جسم میں ابھی تک ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی۔ [illegible] دو گھنٹے تھے جو مجھے خواب کی شکل میں نظر آئے [illegible] جتنی شدت سے میں نے محسوس کیا تھا [illegible]

میں نے تاہم [illegible] اپنا رکھی تھیں۔ کچھ خوبصورت پرندے پال رکھے تھے۔ [illegible] میں کچھ بیلیں اور پودے لگا رکھے تھے۔ جن سے پھلوں اور پھولوں کے علاوہ کچھ سبزی بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ ان چیزوں کی دیکھ بھال میں اپنا اچھا خاصا وقت گزر جاتا تھا۔ شام کے وقت محلے والوں کی دو چار لڑکیاں پڑھنے آ جاتی تھیں۔ ان سے کچھ کچھ مشغلہ حاصل ہو جاتا تھا۔

ایک دن میری ایک پرانی شاگرد پروین مجھ سے ملنے آئی۔ پچھلے ہی سال اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں تین ماہ کا ایک پیارا سا بچہ تھا۔ پروین بہت دیر تک باتیں کرتی رہی۔ اپنے اور پرانے گھر کی باتیں، رشتہ داروں کی باتیں۔ اسی دوران میں وہ بولی "دیدی! آپ نے مجھے تو پڑھایا تھا اب منّے کو پڑھا دیجئے گا۔ اس کی پڑھائی کا کوئی بندوبست ہی نہیں ہو رہا ہے۔۔۔"

"کون دیپو؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ارے آپ دیپو کو بھول گئیں؟ میرے چھوٹے بھائی [illegible] جو مجھے اکثر یہاں چھوڑنے آیا کرتا تھا۔"

مجھے دیپو یاد آ گیا۔ [illegible] سال کا دبلا پتلا سا لڑکا۔ چاکلیٹی نیکر، سفید قمیص پہنے ہوئے۔ گورے چہرے اور [illegible] چمکتی ہوئی آنکھوں والا لڑکا۔ میں نے پروین سے کہا "وہ تو اب کافی بڑا ہو گیا ہوگا۔"

پروین [illegible] تو اب بھی چھوٹا ہے۔ آپ [illegible]

ضرورت ہے وہ کالج ہی میں دل لگا کر پڑھنا چاہتے ہیں۔"

پریتی بولی: "مجھے تو ہمیشہ سے پرائیویٹ پڑھنے کی عادت تھی۔ وہ کہتا ہے میں پرائیویٹ نہ پڑھوں گا تو ڈویژن گر جائے گی۔ میری اچھی دیدی! آپ اسے ضرور پڑھا دیجئے۔"

پریتی کے ڈیڈی میرے ڈیڈی کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ اس لئے صاف انکار کرنے کی بجائے میں نے کہا: "اچھا میں اس سلسلے میں غور کروں گی۔"

پریتی فوراً بولی: "میں تو کل شام دیپو کو یہاں بھیج دوں گی۔ [illegible] لڑکا ہے۔ آپ کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔"

پریتی چلی گئی اور میں سوچنے لگی۔ دیپو تو اب جوان ہو گیا ہوگا۔ میں اسے کیسے پڑھاؤں گی؟ مجھے محسوس ہوا میرا چہرہ گلابی ہو گیا ہے۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ شام کے وقت جب میں کچن گارڈن کی دیکھ بھال کر رہی تھی، مجھے خبر ملی کہ پریتی کا بھائی مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی میرا دل دھڑک اٹھا۔ میرے سامنے مسٹرڈ کلر کی ٹیریکاٹ کی پینٹ اور سفید بش شرٹ پہنے ہوئے ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا تھا۔ میرے ذہن میں دھندلے ہوتے ہوئے کچھ نقش ایک دم اُجاگر ہو گئے۔ اُس کی آنکھیں پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش ہو گئی تھیں۔ چہرے پر ایک سدا بہار تازگی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کی تعظیم کا جواب دیتے ہوئے میں اُس کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ بولا: "مجھے پریتی دیدی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

میں نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: "پریتی اِس بات کو بھولی نہیں۔"

"اُن کی [illegible] اتنی [illegible] تو نہیں ہے کہ چوبیس ہی گھنٹے میں کوئی بات بھول جائیں۔"

"[illegible] تمہارا [illegible] حاضر جواب بھی ہے۔ [illegible] تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"[illegible]"

"[illegible] گھر والے تو تمہیں دیپو ہی کہتے ہیں نا؟"

"گھر والے تو مجھے ابھی تک بچہ سمجھتے ہیں۔ آپ میرا پورا ہی نام لیجئے۔"

"تمہارا نام خوبصورت ضرور ہے، لیکن تم سے زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے۔ اِس لئے دیپو ہی ٹھیک رہے گا۔"

"دیپو تو بچوں جیسا نام ہے۔ آپ مجھے آکاش کہہ لیجئے۔ یا پھر دیپ کہہ کر پکاریئے۔ میرے دوست مجھے دیپ کہتے ہیں۔"

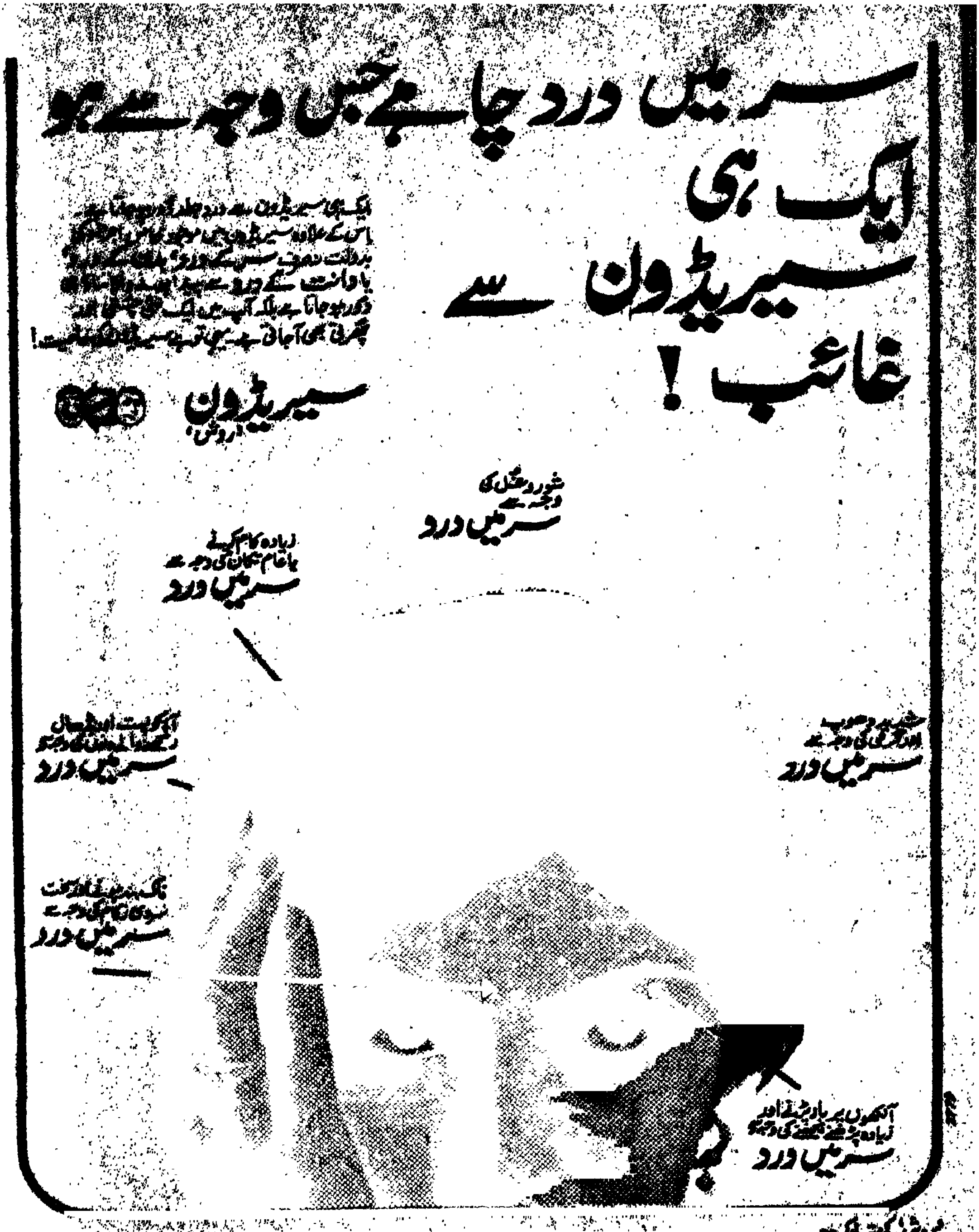
"اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دیپ کہوں گی۔" میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ پھر اُس کی تعلیم کے سلسلہ میں بات شروع ہو گئی۔ اُس نے مجھے بہت سی باتیں بتائیں۔ کالج کی، پروفیسرز کی اور دوستوں کی باتیں۔ دو گھنٹے بعد جب وہ گیا تو میں نے سوچا پریتی کا بھائی مجھے بور نہ کرے گا۔

دیپ پڑھنے آنے لگا۔ میں نے اُسے چھ بجے کا وقت دیا تھا۔ وہ شام کو چھ ہی بجے آ جاتا۔ اُس وقت تک میری دوسری اسٹوڈنٹس جا چکی ہوتی تھیں۔

میں نے جلدی ہی محسوس کیا کہ دیپ کافی ترقی کر رہا ہے۔ اسٹوڈنٹ اگر ذہین ہونے کے ساتھ محنتی اور فرمانبردار ہو تو بہت جلدی ٹیچر کے دل میں اپنا مقام بنا لیتا ہے۔ دیپ میں یہ ساری خوبیاں تھیں۔ میں اُس پر کافی محنت کر رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ دیپ امتحان میں فرسٹ ڈویژن بنا لے گا۔

تھرڈ سیمسٹر میں دیپ نے فرسٹ ڈویژن مارکس ہی حاصل نہیں کئے، پہلی کمی بھی پوری کر دی۔ جس دن انگلش کے مارکس آئے صبح ہی سے بارش ہو رہی تھی۔ دوپہر ہوتے ہوتے بارش طوفانی شکل اختیار کر گئی۔ میرے بیڈروم میں بھیگی بھیگی ہوائیں بھری ہوئی تھیں۔ بادلوں کی گرج چمک کے باوجود مجھے گہری نیند آ گئی۔ مجھے سوتے ہوئے ابھی آدھ گھنٹہ ہوا تھا کہ میرے چھوٹے بھائی شتندر نے مجھے جگا دیا۔ وہ بہت جوش میں بھرا ہوا تھا۔ مجھے کروٹ بدلتے دیکھ کر بولا: "دیدی! دیپ بھیا آئے ہیں۔ وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے!"

میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ دروازے میں [illegible] کندھے پر تولیہ ڈالے ہوئے دیپ کھڑا تھا۔ بارش پہلے سے زیادہ تیز


سر میں درد چاہے جس وجہ سے ہو
ایک ہی
سیریڈون سے
غائب!
سیریڈون
شور و غل کی وجہ سے
سر میں درد
زیادہ کام کرنے
یا عام تھکان کی وجہ سے
سر میں درد
سر میں درد
سر میں درد
سر میں درد
آنکھوں پر بار پڑنے اور
زیادہ پڑھنے لکھنے کی وجہ سے
سر میں درد

ہو گئی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں ایک دم بہت زیادہ بڑھ گئیں۔ دیپ مسکراتے ہوئے اندر چلا آیا۔ اس نے رین کوٹ کھڑکی میں ڈال دیا اور مٹھائی کا ڈبہ میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ میں نے خواب گوں آواز میں کہا "مبارک ہو دیپ! آخر تمہاری محنت رنگ لائی ہے!"

وہ میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا "محنت تو میں نے پچھلے سال بھی اتنی ہی کی تھی۔ آج تو گرو کی محنت رنگ لائی ہے۔ اسی لئے خوش خبری سنانے کالج سے سیدھا یہیں آرہا ہوں ۔۔۔"

تبھی میرے کچی نیند میں بھرے ہوئے ذہن نے سوچا "اس طوفانی بارش میں دیپ میرے پاس آیا ہے۔ اپنی خوشی مجھے بانٹنے کے لئے ۔۔ کیا خوشیاں ایسے ہی طوفانوں میں بانٹی جاتی ہیں ۔۔۔؟"

پھر اچانک مجھے اپنا خواب یاد آگیا۔ میرے جسم پر رنگین روشنیاں بکھرنے لگیں۔ جنھیں میں محسوس کر سکتی تھی۔ کمرہ میں گرم صندل کی خوشبو بھر گئی۔ جسے میں دیکھ سکتی تھی۔ خوشبو کے یہ کچھے دیپ کے جسم سے نکل کر فضا میں تیر رہے تھے۔

یکایک بہت زور سے بادل گرجا۔ میں سر سے پیر تک کانپ گئی۔ تب مجھے یاد آیا ۔۔ 'میں پریہ ہوں۔ یہ دیپ ہے جو مجھ سے عمر میں چھ سال چھوٹا ہے۔ یہ میرا شاگرد ہے۔ صرف شاگرد!'

ان دنوں میری شادی کی بات چل رہی تھی۔ پائل نگر کے کوئی بزنس مین تھے۔ ان کے انجینئر بیٹے منیش کی Posting ساؤتھ انڈیا میں ہوئی تھی۔ منیش کا پردیس میں رہنے کا امکان تھا۔ اس کی تنہائی دور کرنے کے لئے شادی کی ضرورت تھی۔

ماڈرن لڑکیاں خواب میں شہزادوں کی بجائے ڈاکٹر یا انجینئر دیکھتی ہیں جو فلمی ہیروز کی طرح خوبرو اور صحت مند ہوتے ہیں۔ لیکن میرا دل جس کے قدموں کی آہٹ پر پہلی بار جاگا تھا وہ نہ ڈاکٹر تھا اور نہ انجینئر میں اس کی آنکھوں کی گہرائی کو کافی عرصہ سے نظر انداز کر رہی تھی۔ میں نے اس کی بہت سی بار بط اور بے ربط باتوں کا مطلب سمجھنے کے باوجود ناسمجھی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے لئے میرے دل میں پلنے کچھ جذبے جاگے تھے میں نے انھیں اس اٹیچ منٹ کا نام دیا تھا جو ٹیچرز کے دل میں اپنے اسٹوڈنٹس کے لئے پیدا ہو جاتا ہے۔

فورتھ سے ہسٹری پڑھائی شروع ہو چکی تھی۔ دیپ مجھے اپنے کالج کی ایکٹی ویٹیز کے بارے میں بتلانے لگا۔ ایک دن وہ مجھے اپنے کلاس فیلوز سوتم اور نیتا کے رومانس کے بارے میں بتا رہا تھا۔ میں نے ہنس کر پوچھا "دیپ! تم بھی تو دو سال سے ڈگری کالج میں پڑھ رہے ہو۔ تم نے کسی سے پریم نہیں کیا ۔۔۔؟"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟"

"تم نے اپنی پریم کہانی جو نہیں سنائی؟"

"میں تو سنانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن آپ سن بھی سکیں گی؟"

"میں نے تمہارے کالج کی اتنی پریم کہانیاں سنی ہیں۔ ایک اور سننے میں کیا حرج ہے؟"

"کالج میں تو کوئی لڑکی میرے ٹیسٹ کی ہے ہی نہیں۔ میری پرواز بہت اونچی ہے!"

"پرواز لینے سے پہلے ایک نظر اس دھرتی پر بھی ڈال لینا جہاں تھک کر واپس آنا ہے۔"

"یہ دھرتی کسی کی جاگیر تو نہیں ہے۔ سب ہی برابر کے حق دار ہیں ۔۔"

مجھے دیپ کی باتوں سے الجھن ہونے لگی تھی۔ میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ جسے اس نے بھی محسوس کیا۔

مجھے دیپ کی موجودگی میں گھبراہٹ سی رہنے لگی تھی۔ کون جانے کب کیا بک دے! میں کب تک چڑھتی ندی پر پشتوں کے باندھ بناتی رہوں گی۔

جب مجھے پائل نگر والے رشتہ کے بارے میں بتایا گیا تو میں نے مخالفت نہیں کی۔ آخر کہیں تو شادی ہونی ہی تھی۔ میں کب تک اور کس لئے گھر والوں کی مخالفت مول لیتی۔

دیپ کے امتحان میں ابھی دو مہینے باقی تھے۔ وہ پلا ناغہ پڑھنے آرہا تھا۔ میں اس کی توجہ تعلیم کی طرف مرکوز رکھنے کے لئے روزنئے حربے استعمال کرتی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں دیپ کے آگے ہی امتحان قریب آنے کا ذکر بڑے پر تشویش انداز میں اعداد کے تسلسل کے ساتھ کرتی کہ وہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا۔ کبھی میں اس

[illegible] کسی نئے مضمون کی کتاب لے کر بیٹھ جاتی اور پریکٹس کرانے کے بہانے کسی مضمون کا بہانہ کر کے ٹال دیا کرتی۔ اس طرح اُسے [illegible] کی باتیں کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ ہر ممکن موقع پر میں اُسے ایک [illegible] ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتی۔ میرے بزرگانہ رویے سے کبھی کبھی وہ چڑ جاتا تھا۔ ایسے موقع پر اُس کی آنکھوں [illegible] بہت مشکل ہوتا۔

ادھر کچھ دنوں سے اُس کے رویے میں بغاوت سی محسوس کر رہی تھی۔ میرے کہنے پر جب وہ کسی کتاب کے پیج پلٹتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ صرف میرا بھرم رکھنے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔

ایک دن کتاب کا پیج پلٹتے وقت دیپ بولا: "آج پروفیسر صاحب نے ایک مزیدار بات سنائی۔۔"

"کیا۔۔؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ڈاکٹر جانسن کی بیوی عمر میں اُن سے بیس سال بڑی تھیں!"

"اچھا۔۔؟" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"ہاں" اُس نے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا: "ویسٹرن کلچر میں شادی کے سلسلے میں عمر کے فرق پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا۔ انڈیا میں دو رُخی پالیسی چلتی ہے۔ شوہر اگر بیوی سے پچاس سال بڑا ہو تو زیادہ دھیان نہ دیا جائے گا۔ لیکن اتفاق سے بیوی شوہر سے دو چار سال بڑی ہو تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔"

"کلچر ہے اپنا اپنا۔۔" میں نے بات ختم کرنی چاہی۔ مجھے اپنے چہرے کا رنگ اُڑتا ہوا صاف محسوس ہوا تھا۔

دیپ جھلا کر بولا: "یہی تو میں پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہے؟ کلچر ہم لوگوں نے خود ہی بنایا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی سہولت کے لئے ہم اُسے بدل کیوں نہیں سکتے؟"

دیپ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اُسے روکنے کے لئے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

"یہ سوال تمہارے امتحان میں نہ آئے گا۔ اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دیپ کے تیور آج بدلے ہوئے تھے۔ وہ تڑپ کر بولا: "اگر یہی سوال میری زندگی میں آ جائے تو۔۔؟"

"تو اُسے چوائس (Choice) میں چھوڑ دینا چاہئے۔" میں نے جواب دیا اور [illegible] دیپ کچھ سا گیا۔

دوسرے دن میں دیپ کو اطلاع دئے بغیر [illegible] کے لئے اپنے انکل کے پاس کانپور چلی گئی۔

گھر میں زور شور سے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ میں کی اطلاع مجھے ریتو اور پونم کے خطوط سے [illegible] میرے ساتھ تھا۔ شادی سے پندرہ دن پہلے [illegible] کے لئے کانپور آ گیا۔ میں نے اُسے بہن کے گھر [illegible] روک لیا۔ انکل شادی اٹینڈ کرنے کے لئے چھٹی لینے کے چکر میں تھے۔

ایک ہفتہ بعد انہیں ڈیڈی کا تار ملا: "بچوں کو فوراً بھیج دو۔"

میں کچھ دن اور رکنے کے لئے بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔ لیکن اُسی رات ڈیڈی مجھے لینے کے لئے کانپور پہنچ گئے اور مجھے دوسرے ہی دن گھر واپس آنا پڑا۔

K. U. Wom. S?

پھر ایک دن میری شادی بڑی دھوم دھام سے منیش کے ساتھ ہو گئی۔ اس ساری پروسیس میں میری حیثیت ایک خاموش تماشائی کی تھی۔ رخصتی کے وقت سب گھر والے باری باری مجھ سے مل کر رو رہے تھے۔ لیکن میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ پلکوں پر آنے سے پہلے ہی ہر آنسو سوکھ کر جل جاتا تھا۔ دل میں ایک خوفناک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اُسی وقت مجھے دُور سے دیپ کا چہرہ نظر آیا۔ بکھرے بال، بڑھا ہوا شیو اور سُرخ آنکھیں! اُس کے چہرے پر وحشت تھی۔ اُسے دیکھ کر میرا دل اپنے ہی خون میں ڈوب گیا۔ اُس وقت پہلی بار میں نے سوچا: "دیپ! کاش تم چھ سال پہلے دُنیا میں آئے ہوتے!"

سہاگ رات کو مجھے پتہ چلا کہ منیش کو میری ضرورت نہ تھی۔ اُس کے باپ نے پردیس کی تنہائی دُور کرنے کے لئے میری [illegible] لی تھی! اِس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے منیش نے مجھے بے شمار قسمیں دیں۔ میں اُس کی قسموں کی پابند نہ تھی۔ اِس کے باوجود میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ ہندوستانی لڑکیاں عام طور پر ایسا ہی کرتی ہیں۔

دُوسرے دن میں شادی میں آئے ہوئے [illegible]

رہی تھی۔ ایک پیکٹ پر پنسل سے بنے ہوئے مجسّمے دیئے کی
پر دیکھ کر میں چونک اُٹھی۔ اُس کے اُوپر لکھا تھا: "تمہیں زندگی
بھانے منیاز کے لئے!"

میں نے کانپتے ہاتھوں سے پیکٹ کھولا۔ جس میں ایک چھوٹا
خوبصورت ڈیکوریشن پیس تھا۔ یہ قیمتی پتھر کا بنا ہُوا مسیح
صلوب کا مجسّمہ تھا۔ عیسیٰ مسیح ـــ جو دُنیا کو خوشی کی دَولت
دینے کے لئے خود سارے زمانے کے دُکھ ایک ساتھ اپنی جان پر
ھیل گئے... لیکن کیا حقیقت میں دُنیا کو دُکھوں سے نجات
لا سکی؟

ابتدا میں مُنیش کا رویّہ خوشامدانہ ہی رہا۔ شادی کے
وڑا بعد اُسے نئی سروس کا چارج لینے کے لئے 'اوٹی' جانا پڑا
یہ دو مہینے بعد وہاں جانا تھا۔ اِس دَوران میں مجھے مُنیش کے
ی چکنے چپڑے خط ملے۔ جن کے جواب میں میں نے بھی اُسے اپنی
وفاؤں کا یقین دلایا۔ یہ نہ جانتے ہوئے کہ میں بہتے پانی پر
اج محل کی تصویر بنانے کی کوشش کر رہی ہوں!

دو مہینے بعد مُنیش کی تنہائی دُور کرنے کے لئے میں 'اوٹی'
پہنچا دی گئی۔ مُنیش نے رہنے کے لئے ایک الگ تھلگ جگہ پر
وارٹر حاصل کر لیا تھا۔ میں نے 'اوٹی' کے قُدرتی حُسن کی بہت
تعریفیں سُنی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ مُنیش مجھے خود ہی قُدرتی حُسن
سے محظوظ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جب ایک ہفتہ تک
اُس نے میرے ساتھ گھر سے نکلنے کا نام نہ لیا تو میں نے 'اوٹی' گھومنے
کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ میری بات کو ٹال گیا۔ مجھ
پر عجیب تنہائی کا احساس چھایا تھا۔ کچھ دِنوں بعد میں نے پھر
اپنی خواہش کا اظہار کیا تو مُنیش جھنجھلا کر بولا: "تم یہاں گھومنے
پھرنے آئی ہو یا گھر بسانے؟ میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ سَودا دماغ
سے نکال دو۔"

میری آنکھیں معمول سے زیادہ کھُل گئیں۔ مُنیش اپنی کینچلی
بدل رہا تھا۔ اُس نے میرے آتے ہی دونوں نوکروں کی چھٹی کر دی
تھی۔ گھر کا سب کام مجھے خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ کچھ دن بعد میں
نے محسوس کیا کہ مُنیش میری نگرانی کیا کرتا ہے۔ دھوبی سے کپڑے
لیتے دیتے، بجلی کا بِل لیتے ہوئے یا پوسٹ مین سے ڈاک لیتے ہوئے
مُنیش اچانک میرے پاس آجاتا۔ کبھی وہ کواڑ کی اوٹ سے چُپ
چاپ جھانکتا ہُوا نظر آتا۔ اُس کی اِن ذلیل حرکتوں پر میرا خون
کھول اُٹھتا تھا۔ لیکن میں نے سُنا تھا مُنیش جیسے لوگ فطرتاً شکّی
ہوتے ہیں۔ میں یہ سوچ کر خاموش رہی کہ وہ اپنی فطرت سے
مجبور ہے۔

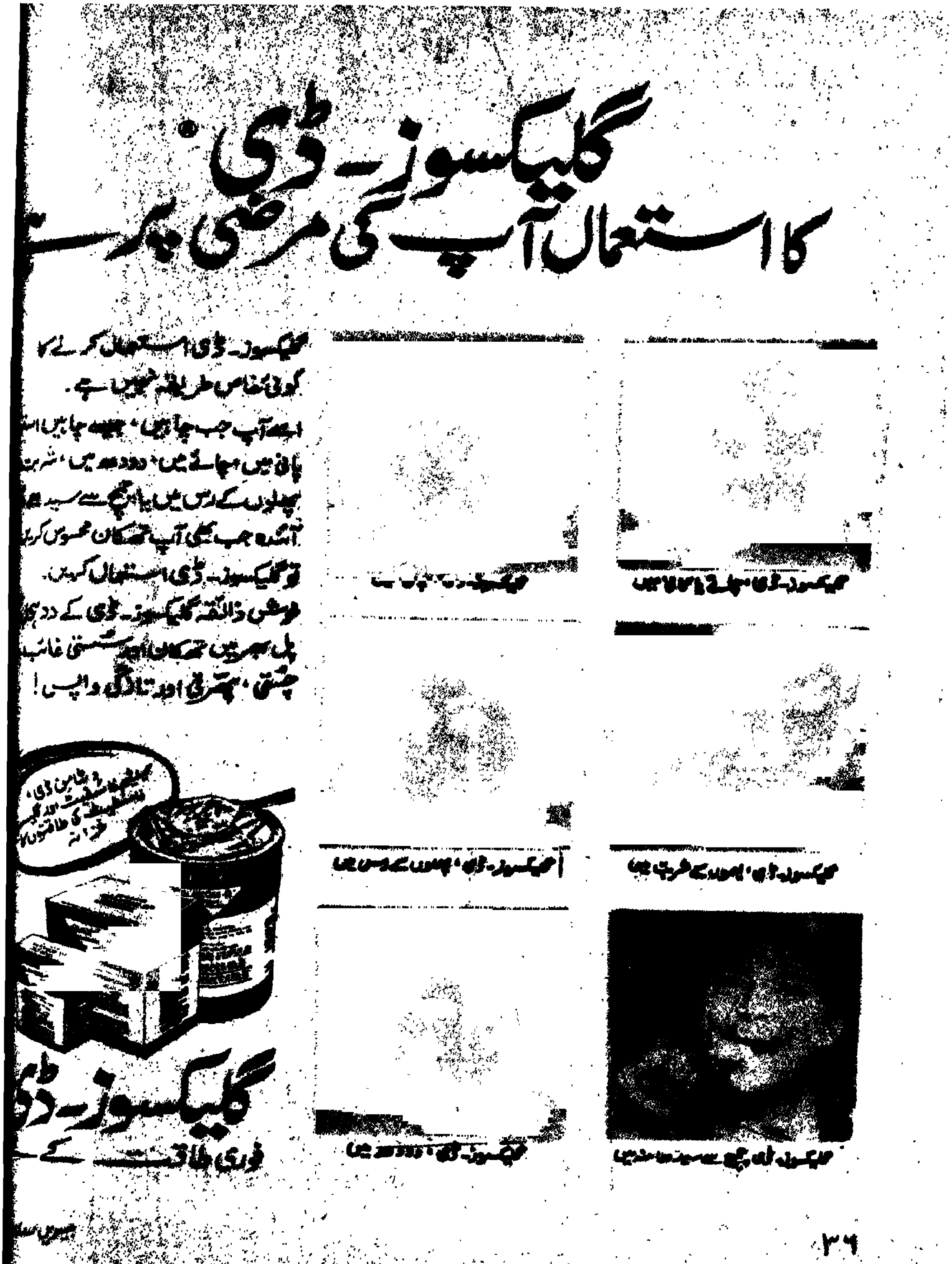
مُنیش ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اب وہ میرے کاموں
میں نقص نکالنے لگا۔ اُس کی زبان روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔
مجھے رُلا کر اُسے خوشی ہوتی تھی۔ کھانا بناتے ہوئے کبھی میرا
ہاتھ جل جاتا یا سبزی کاٹتے ہوئے اُنگلی کٹ جاتی تو اُس کا چہرہ
خوشی سے کھِل اُٹھتا۔ میرا کرب اُس کے لئے خوشگوار تفریح تھی۔
کچھ ہی دنوں میں مجھے احساس ہو گیا کہ مُنیش فطرتاً اذیّت پسند
ہے۔

ایک دن اتّفاق سے میری طبیعت خراب ہو گئی۔ صُبح ہی
سے میرے سر میں شدید درد تھا اور بخار سے جسم جل رہا تھا۔
کئی بار میں نے چاہا کہ کچن میں جا کر کھانا بنا لوں۔ لیکن مجھ سے
اُٹھا ہی نہ گیا۔ دو بجے مُنیش گھر آیا۔ کھانا تیار نہ ہونے کی خبر
سُن کر وہ غصّہ میں بھر گیا اور بولا: "میں نے شادی پر اِتنا روپیہ
محض اِس لئے خرچ کیا تھا کہ مجھے وقت پر اچھا کھانا تیار مِل
جائے۔ یہاں نازک مزاجی سے کام نہ چلے گا۔ چلو ابھی کھانا
بنا کر دو!"

مُنیش کو میرے دُکھ درد سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میں
نے سوچا جیسے بھی ہو مجھے کھانا بنانا ہی چاہیئے۔ کیونکہ اِس گھر
میں میرا یہی ایک مصرف ہے۔ میں کچن میں پہنچی تو مجھے چکّر آ رہے
تھے۔ لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح تھوڑے سے مسالے دار چاول
تیار کئے۔ مُنیش کچن میں ہی آ گیا تھا۔ جب میں پلیٹ میں چاول
نکالنے لگی تو بولا: "مجھے تو بھُوک نہیں ہے۔ میں نے تو ایک دوست
کے ساتھ کھانا کھا لیا تھا۔"

میں نے جھلّا کر پُوچھا: "تو تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا۔ مجھ
سے اِس وقت کھانا بنوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ ہنس کر بولا: "میں تمہاری عادتیں خراب نہیں کرنا چاہتا۔


گلیکوز-ڈی
کا استعمال آپ کی مرضی پر
گلیکوز-ڈی استعمال کرنے کا
کوئی خاص طریقہ نہیں ہے۔
اسے آپ جب چاہیں، جیسے چاہیں
پانی میں، چائے میں، دودھ میں، شربت
پھلوں کے رس میں یا چمچ سے سیدھا
آئندہ جب بھی آپ تھکان محسوس کریں
تو گلیکوز-ڈی استعمال کریں۔
خوش ذائقہ گلیکوز-ڈی کے دو چمچ
پل بھر میں تھکان اور سستی غائب
چستی، پھرتی اور تازگی واپس!
گلیکوز-ڈی، پھلوں کے رس میں
گلیکوز-ڈی، دودھ میں
گلیکوز-ڈی
فوری طاقت کے لئے

ں کے لئے دونوں وقت کھانا بنانا ضروری ہے ۔"
میری قوتِ ضبط جواب دے گئی۔ میں نے چاولوں کی پتیلی
پر اُلٹی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی منیش کا ہاتھ گھوما اور میں
چھ میرے منہ پر لگ گئے۔ شاید وہ اس موقع کا دیر سے منتظر
ین کچھ لموں تک بے حس و حرکت اُسے دیکھتی رہی۔ پھر میں نے
رتانے دار الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ میری ساری
مدافعت شاید میرے ہاتھ میں جمع ہو گئی تھی۔ منیش خون
کنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس
ے زمین پر گرا کر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔
کہتے ہیں پتی بھگوان کا رُوپ ہوتا ہے۔ یہ بھگوان کا نہ جانے
سا رُوپ تھا جو مجھ پر گھونسے اور ٹھوکریں برسا رہا تھا! میں
ہوئے ویران ریگستان میں منہ کے بل پڑی ہوئی تھی اور مجھ
فولادی کوڑے برس رہے تھے۔
میں دو دن تک بھوک پیاس سے نڈھال اپنے کمرہ میں پڑی
ی۔ دو دن بعد جب بخار کچھ کم ہوا تو میں نے بسکٹ کھا کر پانی
۔ نقاہت دُور ہونے پر میں اپنی زندگی کے المیہ پر غور کرنے لگی۔
یش کے ساتھ ساری زندگی گزارنے کا تصور بہت اذیت ناک
گیا تھا۔ رُوح کے زخم چھپائے جا سکتے ہیں۔ لیکن جسم کے زخم
ں کب تک چھپا سکتی تھی؟ میں نے منیش سے آج تک کوئی گلہ نہ
تھا۔ لیکن اب میری قوتِ ضبط ختم ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود
ں نے منیش کا ساتھ نبھانے کی آخری کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔
میں نے کچن کا چارج سنبھال لیا۔ حالات پھر معمول پر آ گئے۔
یش کا رویہ البتہ تلخ تر ہو گیا تھا۔ اس کی پالیسی اب میری سمجھ
ں آ رہی تھی۔ وہ مجھے اس حد تک دبا دینا چاہتا تھا کہ میں ساری
ندگی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہ بول سکوں۔ نہ جانے کیوں
ے دیکھ کر اس پر ایک قسم کی جھلاہٹ سی طاری ہو جاتی تھی۔ اسی
دوران میں مجھ پر اس خوفناک حقیقت کا انکشاف ہوا کہ جسم کا رشتہ
ں کے تمام رشتوں پر بھاری ہے۔ اس کے بغیر لوگ بیوی سے
یادہ گلدان کی قدر کرتے ہیں۔ تاج محل کی بنیاد رکھنے کے لئے
مین پہلی ضرورت ہے۔ خلاؤں میں تاج محل کبھی نہیں بن سکتے!
ایک دن میں چاٹ بنانے کے لئے بیسن چھیل رہی تھی۔ منیش

میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اسے چھینک آ گئی۔ جس سے میرا ہاتھ بہک گیا۔ چاقو کی تیز دھار میری اُنگلی میں خراش ڈال گئی۔ میرے ہونٹوں سے سسکی نکل گئی۔ منیش نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کچھ دیر تک وہ میری سفید اُنگلی پر اُبھرے ہوئے خون کے سُرخ موتی کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے چاقو اُٹھا کر میری اُنگلی پر بہت گہرا زخم لگا دیا۔ میں نے چیخ کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ منیش ہنستا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔

منیش کے جسم میں کسی اذیت پسند جانور کی رُوح سما گئی ہوئی تھی۔ اب اس کے ساتھ رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اُس سے لڑنا جھگڑنا بے سُود تھا۔ میں نے اپنی اُنگلی پر پٹی باندھنے کے بعد اٹیچی میں اپنا ضروری سامان رکھ کر تالا ڈال دیا۔

دُوسرے دن صبح کو میں بغیر کچھ کہے سُنے ناشتے کے لئے پراٹھے بنانے بیٹھ گئی۔ میں اپنے سفر کے لئے کچھ زائد ناشتہ بنانا چاہتی تھی۔ میری خاموشی سے حیران ہو کر منیش کچن ہی میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی موجودگی سے مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ میں نے فرائی پین میں پراٹھا ڈالا تو کچھ گھی چھلک کر زمین پر گر گیا۔ منیش کی نگاہیں بدل گئیں۔ وہ بولا "یہ گھی زمین پر گرنے کی بجائے تمہارے پیروں پر گرتا تو پتہ چلتا کہ یہ حرام کی کمائی کا گھی نہیں ہے!"

اُس گھر میں وہ میرا آخری دن تھا۔ اس لئے میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا "منیش! کیا تم کبھی انسان نہیں بن سکتے؟"

"کیا میں تمہیں حیوان نظر آتا ہوں؟"

"نظر تو نہیں آتے لیکن محسوس ضرور ہوتے ہو"

میں نے آگ تیز کر دی۔ شعلوں کا عکس منیش کی آنکھوں میں نظر آنے لگا۔ اُس نے جلتی ہوئی لکڑی چولہے میں سے نکال لی اور خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میرے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ منیش نے کچھ سوچ کر لکڑی پھر چولہے میں رکھ دی۔ تھوڑی دیر تک وہ لہراتے ہوئے شعلوں کو دیکھتا رہا۔ اُس نے پھر ایک جھٹکے سے وہی لکڑی باہر نکال لی۔ اتفاق سے اُس کا ہاتھ فرائی پین کے ہینڈل پر لگا۔ فرائی پین اُلٹ گیا اور جلتا ہوا گھی منیش کے بائیں ہاتھ پر گر گیا۔ وہ چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی کلائی کی چربی تک

چل گئی تھی۔ میں نے جلدی سے برنول لگا کر کلائی پر پٹی باندھ دی۔ اُس دن رات کے اندھیرے میں میں نے تمنیش کا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

جب میں پریشان حال اپنے گھر میں داخل ہوئی تو سب حیران رہ گئے۔ میری بربادی کی داستان سُن کر گھر میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ڈیڈی تمنیش کو شُوٹ کرنے کے لئے تیار ہو گئے! اُن کا بس چلتا تو اُسی وقت تمنیش کا گلا گھونٹ دیتا۔ سُندر اپنی چھوٹی سی ناک لئے گھر میں تیز تیز قدموں سے گھومنے لگا۔

تمنیش نے شاید مجھے لاوارث سمجھ لیا تھا۔ لیکن میں لاوارث نہ تھی۔ ڈیڈی نے طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت میں درخواست دے دی۔ تمنیش نے عدالت میں بیان دیا —— "یہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے مجھے کوئی لِفٹ نہیں دی اور ایک دن وہ میری کلائی جلا کر گھر سے فرار ہو گئی"۔

کچھ دن تک عدالتی کارروائی چلتی رہی۔ آخرکار تمنیش کا ناقابلِ معافی جُرم ثابت ہو گیا۔ ڈیڈی طلاق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور میں تمنیش کی بہیمانہ دسترس سے ہمیشہ کے لئے باہر ہو گئی۔

عزیز و اقارب نے مجھ سے ہمدردی ظاہر کی۔ دیپ بھی آیا۔ اُس کا چہرہ میری بدنصیبی کا ترجمان تھا۔ لیکن اِس سِلسلے میں اُس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ شاید وہ میرے دُکھوں کا ذِکر کر کے مجھے اور زیادہ دُکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تمنیش نے دیکھتے ہی دیکھتے میری رنگین خوابوں سے سجی ہوئی زندگی ویران سناٹوں کی نظر کر دی۔ کچھ لوگ کتنے ظالم، کتنے بے رحم ہوتے ہیں۔ کسی کے سپنوں کی دُنیا توڑتے وقت اُن کے ہاتھ کیوں نہیں جلتے۔ شادی سے پہلے میرے دل میں جینے کی آرزو تو تھی۔ کسی منزل کو پانے کی جستجو تو تھی۔ زندگی میں کسی خوشگوار حادثے کا انتظار تو تھا۔ لیکن اب ۔ ۔ ۔ ! اب تو ہر احساس مِٹ گیا ہے۔ ہر انتظار ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی بے خواب زندگی کے دروازے خود ہی مقفل کر لئے۔

ایک دن مجھے کسی نے بتایا کہ دیپ نے ایم۔اے میں ایڈمیشن لینے سے اِنکار کر دیا ہے۔ بی۔اے میں اُس کی گُڈ سیکنڈ ڈویژن آئی تھی۔ اُس کی ڈویژن آخر گر ہی گئی۔ کیونکہ فورتھ سیمیسٹر میں وہ مشکل

سے پاس مارکس حاصل کر سکا تھا۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ اور اب دیپ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کی مخالفت سے چڑ کر اُس نے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

مجھے دیپ سے اِتنی جُرأت کی توقع نہ تھی۔ اُس کی بغاوت نے دُنیا کو میرا دُشمن بنا دیا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں نے دیپ کو بہکایا ہے۔ میں کِس کِس کو یقین دلاتی کہ میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ میں تو خود دیپ کے راستے سے بہت دُور چلی گئی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ قسمت مجھے پھر اُسی موڑ پر لا کر کھڑا کر دے گی جہاں دیپ کے قدموں کے نِشان ہوں گے!

"نہیں ۔ ۔ ۔ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا! کیونکہ ہم دونوں مُجرم ہیں۔ دیپ کا جُرم یہ ہے کہ وہ عُمر میں مجھ سے چھ سال چھوٹا ہے۔ میرا جُرم یہ ہے کہ میں جلتے ہوئے لاوے کے کنوئیں میں گر کر زندہ نِکل آئی ہوں۔ میری زندگی خود ہی ایک بھڑکتا ہوا شعلہ ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی بھی اِس شعلے کی زد میں آ سکے۔"

وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زبانیں زیادہ تکلیف دہ ہو گئیں۔ طنز کے کوڑے میری زندگی پر تیزی سے برس رہے تھے۔ لوگ مجھ سے جلتے تھے جن کا میں نے کچھ نہیں بگاڑا تھا۔

دیپ مجھے بُلا رہا تھا۔ اُس کی خاموش نِگاہیں میری مُنتظر تھیں۔ دیپ کے گھر والوں نے اُس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ اب میں تنہا ساری دُنیا سے لڑ رہی تھی۔ دیپ سے لڑ رہی تھی۔ خود اپنے آپ سے لڑ رہی تھی۔ میری ہِمّت جواب دیتی جا رہی تھی۔ میں بہت تھک گئی تھی۔ کئی جنموں میں کسی کو اِتنے دُکھ نہ ملے ہوں گے جتنے ایک ہی جنم میں مِل گئے تھے۔ کِتنا درد تھا ۔ ۔ ۔ کِتنا اندھیرا تھا! گہرے اندھیرے میں بس ایک دیپ جگمگا رہا تھا —— کاش دیپ! چھوٹا ہونے پر بھی کِتنا بلند تھا! اُس کی زندگی کا مقصد کِتنا عظیم تھا۔ تنہا اندھیروں سے لڑ کر بھٹکے ہوئے راہ چلنے والوں کو راستہ دکھا رہا۔

اماوس کی ایک رات —— اُس دیپ کی روشنی میں زندگی کا راستہ مِل گیا!!

[illegible]

غزل

جمال شاد اختر ایم۔ اے

…ارے یہ لٹانے کے لئے ہیں
…شعر فقط اُن کو سُنانے کے لئے ہیں

آنکھوں میں جو بھر لوگے تو کانٹوں سے چُبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لئے ہیں

…ب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹا دیں
…درد کلیجے سے لگانے کے لئے ہیں

دیکھوں ترے ہاتھوں کو تو لگتا ہے ترے ہاتھ
مندر میں فقط دیپ جلانے کے لئے ہیں

…سوچو تو بڑی چیز ہے تہذیب بدن کی
…ورنہ تو بدن آگ بجھانے کے لئے ہیں

یہ علم کا سودا یہ رسالے یہ کتابیں
اک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لئے ہیں

غزل

ڈاکٹر وسیلہ پریمی ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی

اک ایک سانس مصروفِ آفات ہو گئی
اب جشنِ زندگی کی شروعات ہو گئی

مدّت کے بعد اُن سے ملاقات ہو گئی
آلامِ روزگار کو پھر مات ہو گئی

ہم خود رووں کی دوریٔ منزل نہ پوچھیے
پچھلے پہر چلے تھے مگر رات ہو گئی

اِس شہر میں کسی کو کوئی جانتا نہیں
وارستگی میں آج یہ اوقات ہو گئی

جیوں نے اپنے نام بھی محضر پہ لکھ دیئے
سیتی سمجھ گئے کہ مساوات ہو گئی

غزل

احمد وصی بی۔ اے

دور شہر سے تو ذرا دل سے کوئی بات کریں
منتظر ہیں کہ ہم اپنے سے ملاقات کریں

دن تو آوازوں کے صحرا میں گزارا لیکن
اب ہمیں فکر ہے ختم کہاں رات کریں

اور اک تازہ تعارف کا بہانہ ڈھونڈیں
اُن سے کچھ اُن کے ہی بارے میں سوالات کریں

آؤ دو چار گھڑی بیٹھ کر اک گوشے میں
کسی موضوع پہ اظہارِ خیالات کریں

میری تصویر اُدھوری ہے ابھی کیا معلوم
کیا مری شکل بگڑتے ہوئے حالات کریں


ہر قدم
منزلوں سے
بھرپور...
باٹا
ستارا

جذبوں کا کھیل

ڈاکٹر کیول دِھیر

میڈیکل آفیسر۔ ناگوک۔ ضلع امرتسر (پنجاب)

محترم خوشتر صاحب! تسلیم

افسانہ نمبر میں شریک نہ ہو سکنے کے لئے معذرت چاہتا ہوں، آپ سے اور اپنے اُن بہت سے قارئین سے جنھوں نے شکایت بھرے خط لکھے ہیں۔ مجھے یقین ہے یہ تازہ ترین افسانہ "جذبوں کا کھیل" میری طویل غیر حاضری کی تلافی کرے گی۔ آپ کی اور قارئین کی گرانقدر رائے کا انتظار ہے ——گذشتہ دنوں میری بہن کی شادی کے موقع پر کافی بڑی تعداد میں ادباء، شعراء اور کلاکاروں نے شرکت کی تھی۔ آپ کا شدید انتظار رہا۔ لیکن عین موقع پر آپ کے تار نے جب انتظار ختم کر دیا تو سب کو مایوسی ہوئی——اب آپ کی صحت کا کیا حال ہے؟ ...

آپ کا اپنا——کیول دھیر

"اپنے بارے میں مختصر الفاظ میں کچھ کہیئے"۔ ایک پُرکشش آواز میرے کانوں میں پڑی۔ میری طرف وہ پُشت کئے بیٹھی تھی۔

"میرا نام سُدھیر ہے۔ نفسیات کا ایم۔ اے ہوں۔ کاروباری انتظامیہ میں ڈپلوما حاصل کیا ہے"۔

"کچھ ذاتی زندگی کے بارے میں؟" یہ ایک عجیب سوال تھا۔ میں سوچنے لگا تھا کیا کہوں۔ پھر وہی آواز سُنائی دی "آپ کی شادی ہو چکی ہے؟"

"جی نہیں!" میں نے اطمینان کی سانس لی۔ مختلف موضوعات پر کئی سوال اور بھی کیے گئے جن کا مختصر جواب میں دیتا رہا۔ دراصل اپنے آپ کو میں کچھ مضطرب سا محسوس کرنے لگا تھا۔ بیش قیمت سامان سے آراستہ اُس کمرے میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں میری نظریں سامنے ایک دُھندلی سی پرچھائیں دیکھ رہی تھیں۔ میرے کان ایک میٹھی سی آواز سُن رہے تھے اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اچانک ہی کمرے میں سفید روشنی پھیل گئی اور اُس کی بیباک نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لئے میں نے اُس کی طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا اُس کی پتھریلی نگاہوں میں سختی ہے، رنجش ہے اور اُس کے چہرے پر کوئی جذبہ نہیں۔ یقین نہ ہوا کہ چند لمحے پہلے جو میٹھی آواز میرے کانوں میں پڑی تھی وہ اُسی کی آواز تھی۔ نگاہیں جھکائے، خاموشی میں بیٹھا رہا۔ اپنے آپ کو میں پہلے سے زیادہ نروس محسوس کرنے لگا تھا۔ شدت کی سردی میں بھی میری پیشانی پر پسینے کی بوندیں اُبھر آئی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ کل سے آپ ڈیوٹی جوائن کر سکتے ہیں"

"تھینک یو میڈم!" میں بھاگنے کے سے انداز میں جیسے ہی کمرے سے باہر جانے لگا پھر وہی آواز سُنائی دی —— "ٹھہرو! یہ لو پانچ سو روپے اور سلیقے سے دفتر آنا" کانپتے ہاتھوں میں سو سو کے پانچ نوٹ تھامے میں "روز لمیٹڈ" کے دفتر سے باہر آ گیا۔ سڑک کے کنارے کھلی ہوا میں کچھ سانس لینے کے بعد اپنے آپ پر بمشکل قابو پا سکا تھا۔

یاد

جن کو تم بھول گئے یاد کرے کون اُس کو

جس کو تم یاد ہو وہ اور کسے یاد کرے ——— جوش

پھر یاد کرکے آنکھ سے آنسو نکل پڑے

مدت کے بعد گزرے جو اُس کی گلی سے ہم ——— زاہد سعید

رنج، غم، درد، الم، یاس، تمنا، حسرت

اک تری یاد کے ہونے سے ہے کیا کیا ملا ہیں ——— جوش

اور کچھ دیر نہ گزرے شبِ فرقت سے کہو

دل بھی کم دکھتا ہے، وہ یاد بھی کم آتے ہیں ——— فیض احمد فیض

میں آج صرف محبت کے غم کروں گا یاد

یہ اور بات ہے تیری بھی یاد آجائے ——— فراق

مرسلہ: عتیق صدیقی، بی کام، چار مینار، حیدرآباد

اُس کا نام مس نیلم تھا اور مشہور فرم "روز لمیٹڈ" کی وہ پروپرائٹر تھی۔ مجھے پرسنل سکریٹری کے طور پر کام کرنا تھا۔ اگلے روز میں ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا تھا۔ لیکن مس نیلم کسی کام سے باہر چلی گئی تھی، اس لئے پہلے ہی دن کئی باتوں کا علم مجھے ہوا تھا۔

"دیکھیں بیچارے کیسے دن کاٹتے ہیں!" ایک نے کہا تھا۔

"ہاں بھئی! اس آسامی پر کوئی بھی دس بیس دن سے زیادہ نہ ٹک سکا" دوسرے نے پہلے کی تائید کی تھی۔

"بڑی ظالم عورت ہے!"

"دولت نے اُسے مغرور بنا دیا ہے"

"جوان ہے، خوبصورت ہے، تعلیم یافتہ اور دولت مند ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں ابھی تک شادی نہیں کی"

"ایسی عورت سے کون شادی کرے گا۔ دیکھتے نہیں، ہم سب پر بے رخی سے حکومت کرتی ہے۔ کون مرد اس سے نباہ کر سکتا ہے!"

سارے دن کی ایسی باتوں نے مجھے خوفزدہ بنا ڈالا تھا۔ ساری رات میں سو نہ سکا تھا۔ طرح طرح کے خیالات میں الجھا رہا۔

نیلم کے بارے میں سوچتا رہا تھا [illegible] حالات تھے، روزی کا مسئلہ تھا اور دوسری طرف [illegible] وجود تھا۔ آخر اپنے آپ پر میں نے قابو پا لیا تھا اور [illegible] کر لیا تھا کہ جو بھی ہوگا میں حالات کا [illegible] میں نے مطالعہ کیا تھا۔ اب [illegible] تھی۔ میرے وجود میں ایک [illegible] تھی۔ میرے جذبوں نے میں نیلم کے عجیب و غریب [illegible] اور ٹٹولنے کی خواہش محسوس کی تھی اور دوسری صبح اسی ارادے کے ساتھ میں دفتر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

میرا کیبن مس نیلم کے دفتر سے ملحق تھا۔ درمیان میں صرف شیشے کا ایک پردہ حائل تھا۔ مس نیلم میری ہر نقل و حرکت کو دیکھ سکتی تھی اور میں بھی اس کے دفتر کا جائزہ بخوبی لے سکتا تھا۔ پہلا دن بہ عافیت گزر گیا تھا، کیونکہ سارا دن میں کام کی نوعیت سمجھنے میں مصروف رہا تھا۔ دوسرے دن معمولی باتوں پر مجھے آٹھ دس بار ڈانٹ کھانی پڑی تھی۔ اس کے بعد دن میں دس بیس بار ڈانٹ کھانا جیسے میرا معمول بن گیا تھا اور ایک فرمانبردار بچے کی طرح میں یہ سب برداشت کرتا رہا تھا۔ اس طرح تین ماہ گزر گئے۔ میرے ارادے کی پختگی نے مجھے اس کی پتھریلی آنکھوں کی چبھن کو برداشت کرنے کا عادی بنا ڈالا تھا۔ اس دوران مس نیلم میں ہوئی چند تبدیلیوں کا احساس بھی مجھے ہوا تھا۔ جب کبھی وہ مجھ پر برس پڑتی تو تھوڑا بعد ہی اُس کا کرخت لہجہ جیسے پگھل جاتا۔ مجھے وہ اپنے چہرے کا تاثر بدل کر وہ چھپانے کی کوشش کرتی۔ لیکن احساس پھر بھی دل ہی دل میں مسکرا دیتا۔ ویسے بھی ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ بھی کچھ کم پڑنے لگا تھا۔

اُس رات میں مس نیلم کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس کے وجود کا نفسیاتی تجزیہ کرتا رہا تھا۔ کیوں وہ مرد کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتی ہے؟ کیوں وہ اُس پر حکومت کرنے میں لذت محسوس کرتی ہے؟ میرے ذہن کی الجھن الجھتی گئی تھی۔ اس کی زندگی کا ہر پہلو پوشیدہ تھا، ایک ایسا راز تھا جو شاید اس کے سینے میں دفن تھا۔ میرے ذہن کی

آنکھیں

کچھ مجھے جرأت ہوئی کچھ اُن کی آنکھیں جھک گئیں
ہوتے ہوتے یوں ہی اظہارِ تمنا ہو گیا —— حفیظ

سبھی خوبیاں ہیں اِن آنکھوں میں تیری
مروّت جو شے ہے وہ کم دیکھتے ہیں —— غالب

تو میرے غم میں نہ ہنستی ہوئی آنکھوں کو رُلا
میں تو مر مر کے بھی جی سکتا ہوں میرا کیا ہے —— [illegible]

گر یہاں جاگ ہے، آنکھوں میں آنسو لب پہ آہیں ہیں
یہی کافی ہے دُنیا کی ہوا سے اور کیا مانگوں —— ساحر لدھیانوی

اِس ایک قطرے کی قیمت ملا کے بھی نہ جہاں والے
جسے آنکھوں کے دامن سے جُدا ہونا نہیں آیا —— [illegible]

مرسلہ:- جاوید رشید، [illegible]

نیلم کے گرد مغموم رہتی تھی۔ جیسے، اچانک ہی ذہن کے دریچوں سے جھانکتی ہوئی رتنا کی معصوم صورت نے مجھے چونکا دیا——

وہ بھی ایک عورت تھی، ہوش سنبھالتے ہی جسے میں نے اپنا محسوس کیا تھا، ساتھ ساتھ بچپن کے کھیل کھیلے تھے، ساتھ ساتھ بڑے ہوئے تھے۔ جذبوں نے ایک ساتھ دھڑکنا سیکھا تھا اور جس وقت تک ہم نے ایک دوسرے سے والہانہ محبت کی تھی، تب تک ہماری زندگی کی راہیں جدا ہو گئی تھیں۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ بی۔ اے کیا تھا۔ رتنا کے ماں باپ نے اُس کی شادی کہیں اور طے کر دی تھی۔ یہ علم ہوتے ہوئے بھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اِس کی وجہ ہم دونوں کے خاندان میں ہونے والا جھگڑا تھا۔ ہم دونوں نے شدید احتجاج کیا، لیکن ضد اور خاندانی وقار ذرا بھی کم نہ ہوا اور رتنا کی چاہت کچل دی گئی، میرے جذبات کا خون کر دیا گیا۔ دل پہ پتھر رکھ کر ہم دونوں نے اپنی مجبور زندگی کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا۔ شہر چھوڑ کر میں اپنے چچا کے یہاں چلا آیا تھا کہ درد کی چبھن شدید نہ ہو جائے، چاہت جنون نہ بن جائے۔ دل کی عمیق گہرائیوں میں محبت کی یادوں کو سمیٹے میں زندگی کا بوجھ اٹھائے آگے بڑھتا رہا تھا۔ اِس بوجھ کو ہلکا کرنے میں میرے ادبی لگاؤ نے، میرے قلم نے میرا ساتھ دیا تھا۔ اِس دوران بار بار رتنا کی یاد نے میرے جذبوں کو جگایا تھا۔ بہت بار میرا ماضی تڑپ بن کر میری آنکھوں کی نمی بنا تھا۔ لیکن ایک بار بھی رتنا کی کوئی خبر مجھے نہ ملی تھی۔ وہ کیسی ہے؟ کس حال میں ہے، کہاں ہے؟ ایم۔ اے کر لینے کے بعد ابھی اپنے مستقبل کا میں فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک خبر ملی کہ رتنا نے خودکشی کر لی! چچا نے صرف اتنا بتایا تھا کہ شوہر کے برتاؤ سے پریشان ہو کر اُس نے زہر کھا لیا۔ میں کانپ اٹھا تھا۔ پاگلوں کی طرح سر کے بال میں نے نوچ ڈالے تھے۔ چیخ چیخ کر میں رو دیا تھا—— یقیناً رتنا کے جذبوں کو ٹھیس پہنچی ہوگی۔ وہ بے حد جذباتی تھی، بے حد حساس تھی۔ اُس کے حساس جذبات ٹھیس برداشت نہ کر سکے ہوں گے اور اُس نے خودکشی کر لی ہوگی!

ذہن کے دریچوں سے اب بھی رتنا کا معصوم چہرہ جھانک رہا ہے۔ نیلم کی سوچ پھر اُبھر آئی ہے۔ عورت رتنا بھی تھی، عورت نیلم بھی ہے۔ ایک عورت کے جذبوں کے احساس نے زندگی کو موت کی آغوش میں ڈال دیا اور دوسری عورت نے اپنے جذبوں ہی کو مسل ڈالا . . . شاید نیلم کی بھی کوئی ایسی ہی کہانی ہو! شاید زندگی میں کبھی اُس نے بھی جذبوں کا کھیل کھیلا ہو اور شاید اُس کا موجودہ کردار اُسی سب کا نفسیاتی ردِ عمل ہو۔ دل ہی دل میں میں نے فیصلہ کر لیا کہ نیلم کے نزدیک ہونے کی کوشش کروں گا—— کوشش کروں گا کہ اُس کے کردار کی گہرائی میں اُتر سکوں، اُس کی زندگی کا بوجھ ہلکا کر سکوں!

اُس روز نیلم کی طبیعت ناساز تھی۔ وہ دفتر نہ آئی تھی۔

ہمت کر کے میں نے ٹیلیفون پر کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا۔

"گڈ مارننگ میڈم! میں شبیر بول رہا ہوں"

"کیا بات ہے؟" آواز میں کرختگی تھی۔

"سنا آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے"

"سن لیا تھا تو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" صاف سپاٹ جواب پا کر میں کچھ گھبرا سا گیا۔

پچھلے ... سو ... ہم ... کو بدل دیا ہے

اب ... لال اور ... لیکن ... وہی ...

اس طرح کے ... صرف شمالی اور مشرقی ہندوستان میں عام ہیں۔

لیکن بسکٹ میں ہم ہرگز کوئی تبدیلی نہیں کریں گے

وہ تو ہمیشہ کی طرح پُرلطف ہی رہے گا
اور اس کی یہ ... باقی رہیں گی:

- نشوونما کے لئے طاقت سے بھرپور
- ناقابلِ نقل لذت
- مرغوب ذائقہ
- ... دار کرکرا پن



پارلے گلوکو

ہندوستان کے سب سے زیادہ بکنے والے بسکٹ

"اگر میری ضرورت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں؟" بہت ہمت کر کے
یہ جملہ ادا کیا۔
"شٹ اپ!" اور اُسی لمحے اُدھر سے فون پٹک دینے کی
آواز دی۔
اُسی شام گُلاب کے پھولوں کا ایک گُلدستہ لئے میں نیلم کی
پہنچ گیا تھا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ دیکھتے ہی وہ برس پڑے گی۔
کوٹھی پر میں پہلی بار آیا تھا۔ اُس عالیشان عمارت کے اندر
ہوتے ہوئے میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، پاؤں
کانپ رہے تھے۔
"کیا بات ہے بابو؟" بوڑھا نوکر صدر دروازے کے قریب
سوالیہ نشان بنا میرے سامنے کھڑا تھا۔
"مجھے مس نیلم سے ملنا ہے۔ میں اُن کا پرسنل سکریٹری ہوں۔
اُنہوں نے مجھے بُلایا تھا۔" جان بوجھ کر میں جھوٹ بول گیا۔
"سچ کہہ رہے ہیں بابو؟ . . . ایک عرصے سے کسی آدمی کے
پاس کوٹھی میں نہیں پڑے۔" وہ عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا
دکھائی دے رہا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اپنے کندھوں کو
ایک جھٹکا اور دائیں جانب گیلری کے آخری کمرے کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے خود ایک طرف بڑھ گیا۔ نیلم کے کمرے کا
دروازہ کُھلا ہُوا تھا اور وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ لرزتے قدموں
آگے بڑھ کر گُلاب کے پھول میں نے مسہری پر رکھ دئے۔ چند
لمحے خاموش کھڑا رہا اور پھر باہر گیلری میں لوٹ آیا۔ مخالف
سمت میں ایک وسیع ہال جیسا کمرہ تھا۔ اُس کا دروازہ بھی کُھلا
تھا۔ باہر سے یوں دکھائی دیا جیسے کوئی بڑی سی لائبریری ہے
میرے قدم اُس طرف بڑھ گئے۔ واقعی یہ نیلم کی ذاتی لائبریری
تھی۔ شیلف اور الماریوں میں قرینے سے آراستہ مختلف موضوعات
پر بے شمار کتابیں تھیں۔ شروع سے ہی میں کتابوں کا دلدادہ
تھا۔ میں اُن میں کھو سا گیا۔ ایک جگہ اچانک ہی میرے قدم
رُک گئے جہاں میری پسندیدہ ادیبہ ویشالی کے ناولوں کا مکمل
سیٹ رکھا تھا۔ ویشالی کے کردار ہماری سماجی زندگی کے وہ
پہلو ہوتے تھے جن کے نزدیک زندگی محض ایک کھیل ہوتی، جن
کی محبت ہوس کی آگ کے انگاروں پر دہکتی محسوس ہوتی، جن کے

جذبوں میں مفاد پلتا نظر آتا۔ ویشالی کا قلم عورت کو ہمیشہ اُس
مقام پر پہنچا دیتا جہاں وہ اپنی ذہنی تسکین کے لئے مرد کو
سنگینوں جیسی چبھن عطا کر کے ذہنی سکون حاصل کرتی۔ کبھی کبھی
مجھے اُس کی تحریر سے اتفاق نہ ہوتا۔ لیکن اُس کے اندازِ تحریر سے
میں بے حد متاثر تھا۔ یقیناً وہ ایک عظیم فنکار تھی بانتر جانے کیوں
میں نے محسوس کیا کہ نیلم بھی ویشالی کے کسی ناول کا ایک کردار
ہے۔ شاید اسی لئے نیلم بھی اُس کی مدّاح ہے۔ میرے ہاتھوں
میں ویشالی کا ایک ناول تھا۔ بظاہر میں اُس کی ورق گردانی کر رہا
تھا۔ لیکن میرا ذہن نیلم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جبھی نیلم کی
چیختی سی آواز نے مجھے چونکا دیا — "تمہیں یہاں آنے کی اجازت
کس نے دی؟" وہ دروازے میں کھڑی مجھے قہر آلود نگاہوں سے
گھور رہی تھی۔
"آپ کی مزاج پُرسی کے لئے حاضر ہُوا تھا۔" قہر آلود نگاہوں
کا سامنا کرنے کی ہمت مجھ میں کہاں تھی۔ نظریں جھکائے کسی مجرم
کی طرح کھڑا رہا۔ چند لمحے یوں ہی نیلم مجھے گھورتی رہی اور پھر
آگے بڑھ کر دائیں طرف پڑی ہوئی آرام کُرسی میں گِر گئی۔ کنکھیوں
سے میں نے دیکھا، آنکھیں مُوندے وہ کچھ سوچ رہی تھی۔
"سدھیر ——!" اِس بار اُس کی کرخت آواز میں نرمی تھی۔
بُت بنا میں کھڑا تھا۔ چونک کر اُس کی جانب کُھلی آنکھوں سے دیکھا
وہ اب بھی آنکھیں مُوندے پڑی تھی۔ اُس کے ہاتھوں میں گُلاب
کے پھولوں کا وہی گُلدستہ تھا جو کچھ دیر پہلے میں مسہری پر
چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے ہاتھ اُن پھولوں سے کھیل نہیں رہے تھے،
اُنہیں مسل رہے تھے۔ گُلاب کی مسلی کُچلی پتّیاں فرش پر بکھرتی
جا رہی تھیں۔ اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ سانس کی اُلجھی
رفتار کچھ بڑھ گئی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا، محسوس کر رہا تھا کہ شاید
اُس کے دل و دماغ میں کوئی کہانی، کوئی یاد کوئی جذبہ جاگ اُٹھا
ہے۔ چند لمحے اور گُزر جانے کے بعد ایک دھیمی سی آواز میرے
کانوں میں پڑی —— "سدھیر! تم چلے جاؤ۔" نیلم کی آواز میں
جیسے بیچارگی تھی، التجا تھی! اور خاموشی سے میں کمرے سے
باہر چلا آیا۔
وہ رات میرے لئے کرب و درد کی رات تھی۔ نیلم کی

ذہنی کیفیت نے، اُس کی بیچارگی نے میرے جذبوں میں ہیجان بپا کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں نیلم کا درد مجھے اپنا درد محسوس ہونے لگا تھا۔ ایسا اُس وقت محسوس ہُوا تھا جب رتنا کی موت کی خبر میں نے سُنی تھی۔ رتنا میری تھی، میری چاہت تھی، اُس کا غم میرا غم تھا۔ لیکن نیلم ——— نیلم میری کون ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ محض ملازم ہوں میں اُس کا۔ تب یہ درد کیسا؟ یہ تڑپ کیسی، یہ بیقراری کیسی؟ شاید دیشالی کے کسی ناول کے محبت کی ناکامیوں کا شکار ہوئے کردار جیسی کوئی کہانی نیلم کی بھی ہے ——— ایک کہانی میری بھی ہے، محبت کی ناکام داستان! ہوسکتا ہے غیر شعوری طور پر محبت کے اِن جذبوں کا کوئی تعلق ہو! ہوسکتا ہے میرا جذبہ اِسی غیر شعوری تعلق کا ردِ عمل ہو!

میں نے محسوس کیا نیلم میں غیر معمولی تبدیلی رُونما ہوئی ہے۔ دفتر میں اب زیادہ تر وہ خاموش رہتی تھی۔ اپنے سٹاف کے ساتھ اُس کا برتاؤ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ اُس کی آواز کی کرختگی نرمی میں بدلنے لگی تھی۔ اُس کی پتھرائی آنکھیں سنجیدہ ہونے لگی تھیں۔ اپنے کیبن سے میں نے اکثر نیلم کو آنکھیں موندے سوچ میں کھوئی دیکھا تھا۔ کاروباری معاملات کے علاوہ ہم دونوں میں کبھی کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ لیکن یہ میرا احساس تھا کہ میں اکثر اُس کی توجہ کا مرکز بنا رہتا ہوں۔ اِسی طرح چند ماہ اور گزر گئے۔

نیلم کے وجود نے میرے قلمکار کو بیدار کر دیا تھا۔ اُس دَوران ایک ایسا ناول میں نے لکھا تھا جس کا مرکزی کردار نیلم جیسی ایک عورت تھی جو ناکام محبت کا شکار ہو کر جذبۂ انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی ساری زندگی تڑپتی رہی تھی۔ اچانک اُس کی زندگی میں ایک ایسا حادثہ ہوا کہ اُسے اپنا وجود ادھورا سا محسوس ہونے لگا۔ آخر اُس احساس نے اُس کے جذبوں کو ایک نیا موڑ دیا۔ اُس نے ایک ساتھی کی چاہت محسوس کی۔ لیکن اُس وقت وہ زندگی کے اُس موڑ تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی ایسا ہاتھ اُسے نہ مِلا جو اُس کی چاہت کے دامن کو تھام لیتا۔ شائع ہونے والا یہ میرا پہلا ناول تھا۔ لیکن اپنے قلم پہ مجھے بھروسا تھا، اُن جذبوں پر یقین تھا جنھوں نے میرے قلم کو تحریک بخشی تھی۔

دفتر کا وقت ختم ہو رہا تھا اور نیلم جانے کو تیار تھی۔ قریب پہنچ کر میں نے ناول کی ایک جلد اُس کی طرف بڑھا دی۔

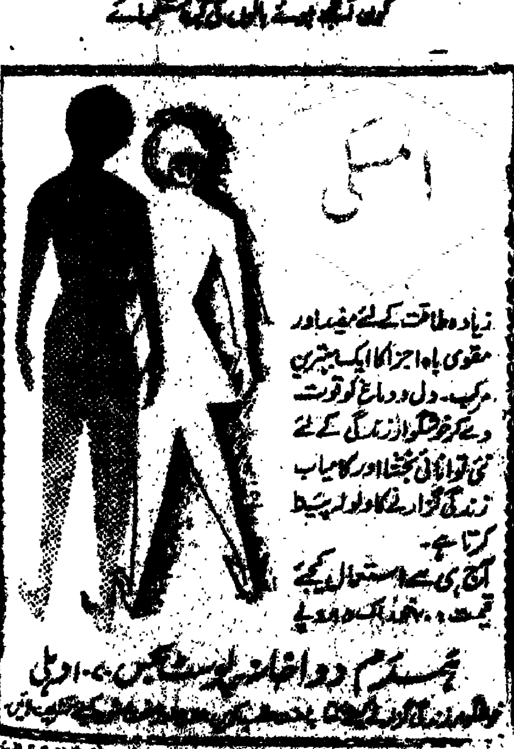
"کیا ہے یہ؟" نیلم کی سوالیہ نگاہیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"ایک حقیر سا تحفہ ——— میرا پہلا ناول شائع ہوا ہے، قبول فرمایئے۔" نیلم نے ہاتھ بڑھا کر ناول تھام لیا اور اُس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ نظریں پہلے صفحہ پر ٹک گئیں جہاں اِس شعر سے کہانی کا آغاز میں نے کیا تھا ؎

مختصر ہے ہماری داستانِ زندگی
اِک سکونِ دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کئے!

اچانک ہی نیلم کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تڑپ جیسا احساس میں نے محسوس کیا۔ فوراً ہی اُس نے اوراق پلٹ دیئے۔ اُس کے سامنے آخری صفحہ تھا جہاں اِس شعر پہ ناول کا اختتام میں نے کیا تھا ؎

کون پونچھے میری آنکھوں سے [illegible] آنسو
کون [illegible]



نیلم کو شاید چبھن کا احساس ہوا تھا چہرے پر ابھرا ردِ عمل صاف بتا رہا تھا۔

"آپ کو ادب سے گہری دلچسپی ہے نا! اپنی گرانقدر رائے سے نوازیے گا۔" اُس کی سوچ بدلنے کی میں نے کوشش کی۔ خالی خالی نگاہوں سے اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر دفتر سے روانہ ہو گئی۔

نیلم اگلے دن بہت دیر سے دفتر آئی تھی۔ اپنے کیبن سے کئی بار میں نے اُس کی طرف دیکھا اور محسوس کیا تھا کہ بار بار اُس کی نظریں میری طرف بڑھتی اور رکتی رہی ہیں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ نیلم کی آنکھوں میں اُداسی ہے۔ چہرے کی سنجیدگی بھی اُداس ہے جیسے لگاتار وہ سوچتی رہی ہے، جیسے پتھر ہوتے اُس کے دل و دماغ میں جذبوں کا طوفان اُمڈا ہے۔ اُس دن کسی بھی کام کے لئے اُس نے مجھے بُلایا نہ تھا اور نہ اُس کے کمرے میں جانے کی مجھ میں ہمت ہوئی تھی۔

"مسٹر صبیر!" نیلم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میرے کیبن میں وہ میرے سامنے کھڑی مجھی سے مخاطب تھی۔ "مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھ بجے کوٹھی آجاؤ۔" اور بغیر میرا ردِ عمل جانے وہ دفتر سے روانہ ہو گئی تھی۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرے ناول نے نیلم کے جذبوں کو جھنجوڑ ڈالا ہے۔ شاید اُس کے ماضی کی کہانیاں اُس کے ذہن میں اُبھر آئی ہیں۔ لیکن مجھ سے کچھ کہنے کا مطلب ———؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔ آنے والے لمحات کا سامنا کرنے کی ہمت اپنے آپ میں پیدا کر کے میں دفتر سے روانگی کی تیاری کرنے لگا ——— جبھی فون کی گھنٹی لرز اُٹھی۔ پٹیل نرسنگ ہوم سے کوئی اطلاع دے رہا تھا کہ نیلم کی کار کا حادثہ ہو گیا ہے اور نیلم کی حالت سیریس ہے۔ میں کانپ کانپ اُٹھا۔ ابھی آدھ گھنٹہ پہلے وہ جس ذہنی کیفیت میں مبتلا یہاں سے روانہ ہوئی تھی شاید یہی حادثے کی وجہ بنی تھی۔ نہ جانے میرے ذہن میں یہ خیال یک بیک کیوں پیدا ہُوا تھا کہ اِس حادثے کی وجہ میں ہوں؟ تھوڑی ہی دیر بعد میں نرسنگ ہوم میں نیلم کے قریب کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بیہوش پڑی تھی۔ اُس کا جسم لہولہان ہو چُکا تھا اور ڈاکٹر اُس کی دَم توڑتی زندگی کو محفوظ رکھنے کے لئے کوشاں تھے۔

"ڈاکٹر! کیا حال ہے اِن کا؟" میرے الفاظ کانپ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں میں یوں محسوس کرنے لگا تھا کہ میرے سامنے نیلم نہیں رتنا بیہوش پڑی ہے۔ نیلم کی نہیں، رتنا کی زندگی دَم توڑ رہی ہے۔

"حالت تشویشناک ہے۔" ڈاکٹر کا مختصر سا جواب تھا۔ "آپریشن کرنا ہوگا۔ خون کی ضرورت بھی پڑے گی۔"

"چاہے جتنا خون میرے جسم سے لے لیجئے، کچھ بھی کیجئے۔ لیکن انھیں بچا لیجئے ڈاکٹر!" میں گڑگڑایا تھا۔ ڈاکٹر نے خاموش نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تھا "آیئے میرے ساتھ!"

نیلم کے جسم میں خون داخل کیا گیا، آپریشن ہُوا، لیکن وہ ابھی تک بیہوش تھی ——— "اڑتالیس گھنٹے بعد بھی اِن کی بیہوشی قائم رہی تو بچنا مشکل ہوگا۔" ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا اور میری نظریں گھڑی کی طرف اُٹھ گئی تھیں، ہاتھ دُعا کے لئے۔ شاید زندگی میں پہلی بار میں نے بھگوان سے کوئی دُعا کی تھی! ڈاکٹر جی توڑ کوشش کر رہے تھے۔ نہایت خاموشی سے میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ میری نظریں نیلم کے چہرے اور گھڑی کے درمیان گھومتی رہی تھیں۔ میرا دل برابر اُس کی زندگی کے لئے دُعائیں مانگتا رہا تھا۔ میرے جذبے اُس کے لئے تڑپ رہے تھے۔ میری آنکھیں اُس کے لئے روتی رہی تھیں۔ لگ بھگ چالیس گھنٹوں کے بعد اچانک ہی نیلم نے آنکھیں کھولی تھیں اور خوشی سے میرے جذبے مچل اُٹھے تھے۔ نیلم کے ہونٹ بدبدائے ———

"پانی!" میں نے بڑھ کر چمچے سے اُس کے مُنہ میں پانی ٹپکا دیا تھا۔ نیم وا آنکھوں سے نیلم نے میری جانب دیکھا تھا، دیکھتی رہی تھی اور پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ آنسوؤں کے دو موٹے قطرے اُس کی آنکھوں سے نکل کر رُخساروں پر لڑھک آئے تھے۔ میری آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک پڑے تھے اور بے اختیار اپنے کپکپاتے ہاتھ سے اُس کے آنسوؤں کو میں نے پونچھ ڈالا تھا۔

چند دن بعد نیلم نرسنگ ہوم سے گھر آگئی تھی۔ اب اُس کی حالت اچھی تھی۔ لیکن ڈاکٹروں نے ابھی مکمل آرام کا

ہر آن، اونچی اڑان ـــ ایئر انڈیا!



آپکی خدمت کے لئے ہمارے ۳۱ مہمان نواز مراکز ہر پل منتظر ہیں۔

آپ کو پاسپورٹ، ویزا، پی فارم، صحت سے متعلق عام کارروائی، طلبا کے لئے رعایتی کرایہ، امیگریشن، ریزرویشن، یا فرامیلی کے لئے کم کرایہ، کم سفرخرچ پر چارٹر کرایہ یا اسکے علاوہ اور کوئی الجھن ہو تو ہمارے کسی بھی مرکز پر تشریف لائیے۔

مغربی بھارت
بمبئی۔ پونا۔ احمدآباد۔ بڑودہ
سورت۔ گوآ۔ ناگپور۔ راجکوٹ*
تھانہ*۔ کولہاپور*

شمالی بھارت
دہلی۔ کانپور۔ جالندھر۔ سری نگر
لدھیانہ۔ چنڈی گڑھ۔ جے پور
اندور۔ بھوپال۔ وارانسی۔ لکھنؤ
نوال شہر۔ جبل پور۔ مرادآباد

مشرقی بھارت
کلکتہ۔ جمشید پور۔ رورکیلا
کھڑگپور۔ پٹنہ۔ رانچی
بھوبنیشور۔ گوہاٹی*

جنوبی بھارت
مدراس۔ بنگلور۔ کوچین
حیدرآباد۔ مدورائی۔ کوئمبٹور
منگلور۔ تریوندرم*
وساکھاپٹنم

* جلد کھلنے والے ہیں۔

ایئر انڈیا
آپ کی اپنی ایئر لائن

AI 3664 (A)

شور دیا تھا۔ نرسنگ ہوم میں ہر لمحہ میں اس کے قریب رہا تھا۔ ہر بات کا اُسے علم ہو چکا تھا۔ لیکن ہم دونوں کے درمیان بہت مختصر باتیں ہوتی تھیں۔ اب اُس کی نگاہوں میں خیر مقدم کی جھلک ہوتی، اُس کے اندازِ گفتگو میں جھجک ہوتی۔ کبھی محسوس ہوتا کہ وہ بہت باتیں کرنا چاہتی ہے، لیکن خاموش نگاہوں سے صرف تکتی، دیکھتی رہ جاتی اور کچھ ایسی ہی حالت میری بھی ہوتی۔

اُس دن گلاب کے شگفتہ پھول لئے میں نیلم کی مزاج پرسی کے لئے جیسے ہی اُس کے کمرے کی طرف بڑھا تو میرے قدم رُک گئے۔ نیلم آنکھیں بند کئے پلنگ پر لیٹی تھی۔ اُس کے ہونٹ بہ سترت گنگنا رہے تھے ؎

کون پونچھے مری آنکھوں کے سُلگتے آنسو
کون اُلجھے ہوئے بالوں کی گرہ سُلجھائے

ٹھٹک کر میں نے دروازے کی اوٹ لے لی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد نیلم جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی تھی ——— "سدھیر! کتنے عجیب ہو تم! کتنی خاموشی سے تم نے میری زندگی ہی بدل ڈالی... زندگی، جس سے مجھے گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ میرے جذبے جو کب کے پتھر بن چکے تھے، محبت جس کے نام سے مجھے شدید نفرت تھی، یہ سب موم کی طرح پگھل گیا، اِک ہلکی سی تپش سے۔ تمھاری خاموشیوں میں نہ جانے وہ کیسا شور ہے جو نغمے بن کر دل کی گہرائیوں کو چھو جاتا ہے۔ تم کوئی بات نہیں کرتے، لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم بہت کچھ کہہ رہے ہو... میں جب تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں تو نہ جانے کیوں کچھ کہہ نہیں پاتی... اب صاف صاف تم سے کہہ دوں گی کہ میری آنکھوں کے سُلگتے ہوئے آنسوؤں کو تمھیں کو پونچھنا ہے۔ زندگی کو تم نے جو سلیقہ بخشا ہے، اُسے تمھیں کو سجانا سنوارنا ہے...!" میں چونک اُٹھا تھا۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب نیلم کہہ رہی ہے۔ وہ نیلم جس کا دل پتھر بن چکا تھا، جس کے جذبوں میں کوئی ہلچل نہ تھی۔ نیلم کہہ رہی تھی ——— "... کتنا فرق ہے انسان اور انسان میں! ایک

میرے ڈیڈی تھے جن کی میں اکیلی اولاد تھی۔ ماں بچپن میں مر گئی تھی۔ میری زندگی تنہائیوں میں گزری۔ ڈیڈی نے دوسری شادی نہیں کی۔ اِس لئے نہیں کہ انھیں میرا خیال تھا۔ اِس لئے کہ وہ ازدواجی زندگی کو ایک قید سمجھتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی بات اُنھوں نے مجھ سے کی تھی۔ کبھی میری تعلیم کے بارے میں کچھ پوچھا تھا، کبھی میری ضرورتوں کا کوئی خیال رکھا تھا۔ اِس سب سے مجھے بہت کوفت ہوتی تھی۔ میرے حسّاس جذبات باغی ہو اُٹھتے تھے۔ لیکن اُس ماحول کی میں عادی ہو گئی تھی... کالج کا زمانہ بھی کیسا تھا جب راکیش میری زندگی میں داخل ہوا تھا۔ اُسے میں پیار کرنے لگی تھی۔ میری تنہا زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ میرے جذبے مچل اُٹھے تھے۔ دن مسرت کی آنکھ مچولی میں گزرتا اور رات سپنوں کے جھولے میں... لیکن راکیش نے ایک دن میری محبت کو، میرے جذبوں کو دہکتے ہوئے انگاروں پر پھینک دیا۔ اُس نے چاہا کہ میں اُس سے قریب سے قریب تر ہو جاؤں۔ چند ہی لمحوں میں محبت کا نقاب اُس نے اُلٹ دیا تھا اور وحشی ہو گیا ——— میری باغی فطرت بھڑک اُٹھی تھی۔ ڈیڈی کا پستول میرے ہاتھ میں تھا، لیکن شاید اُس کی قسمت میں ابھی زندہ رہنا تھا، وہ بچ گیا... نفرت، جس کا بیج میرے دل میں ڈیڈی کے کردار نے بویا تھا اُسے راکیش نے شدید تر بنا دیا تھا اور یہی نفرت میری زندگی بن گئی... اِس دُنیا میں تنہا چھوڑ کر ایک دن جب ڈیڈی چل بسے تو میری آنکھ نے ایک بھی آنسو نہ بہایا تھا۔ دل کی گہرائیوں تک بسی نفرت کی دہکتی آگ نے شاید آنسوؤں کو بھی جلا ڈالا تھا۔"

نیلم کی زندگی کے جس راز کو جاننے کا میں خواہاں تھا آج اُسی کی زبانی وہ فاش ہو چکا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد نیلم نے جو بات کہی تھی اُس نے مجھے بُری طرح چونکا دیا تھا ——— "حالات نے مجھے یکسر بدل ڈالا تھا۔ ڈیڈی کا کاروبار جو قریب قریب آخری سانسیں لے رہا تھا، میں نے سنبھال لیا۔ یہ میری

قارئین کے مسلسل اصرار پر اُن کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ادارہ 'بیسویں صدی' دہلی کا 'بیسویں صدی' لاہور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ہمارے تمام مضامین بلا حوالہ نقل کر لیتے ہیں اور ہمارے 'تیر و نشتر' اور 'صحت و زندگی' کے مضامین بھی اپنے نام سے شائع کر لیتے ہیں اور پڑھنے والوں کو مغالطے میں رکھنے کے لئے ہمارے سرورق کا ہو بہو چربہ بھی چھاپ لیتے ہیں ——— منیجر رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج دہلی نمبر

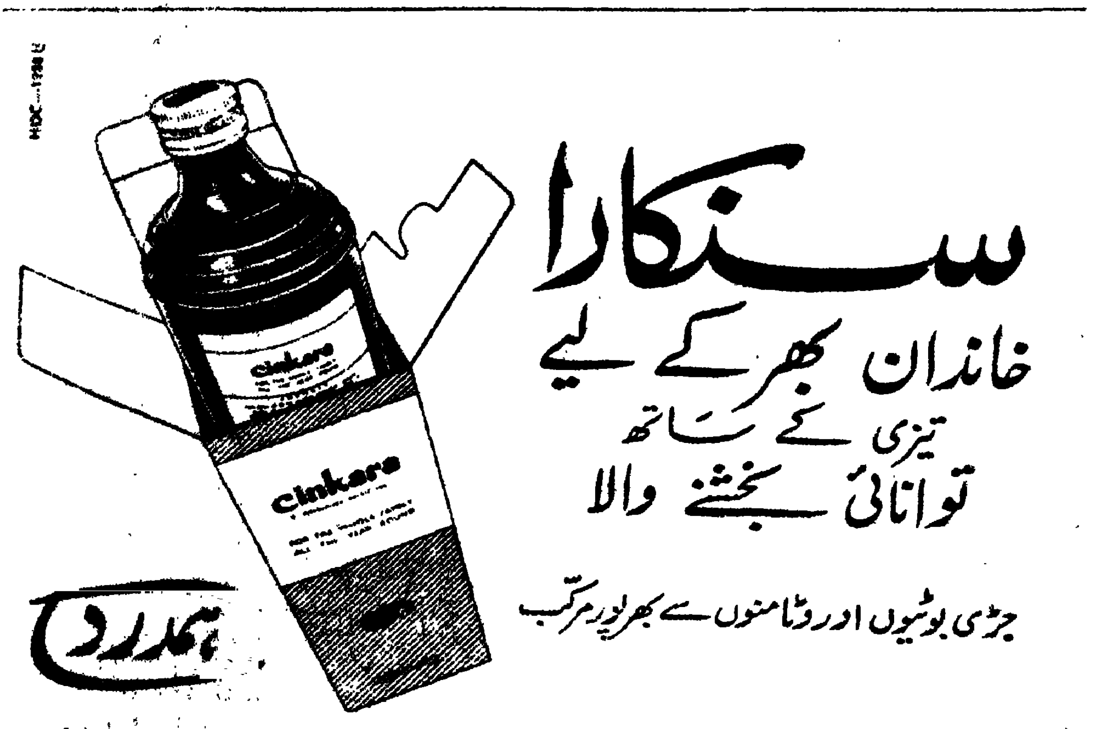
کاروباری زندگی کا آغاز تھا۔ ساتھ ہی میرے حسّاس جذبات نے ویشالی کو جنم دیا اور اِس طرح میں نے اپنی زندگی کو کاروبار اور قلم تک محدود کر دیا۔۔۔ لیکن آج برسوں بعد شہمیرا تم نے میرے جذبوں کو پھر چھیڑا ہے۔۔۔!" نیلم ہی ویشالی ہے، یہ انکشاف میرے لئے حیران کُن تھا ـــ پُرکیف بھی! نیلم نے اُسے سکون عطا کیا تھا۔ پہلی بار میں نے محسوس کیا تھا کہ نیلم کے لئے میرے دل میں چاہت موجود ہے۔ بے اختیار میں کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

"نیلم ـــ!" میرے ہونٹ کپکپائے تھے۔ بے خودی میں یوں پہلی بار میں بے تکلف ہو گیا تھا۔ خوابیدہ نگاہوں سے نیلم نے میری طرف دیکھا، اُس کے ہونٹ مُسکرا دیئے تھے۔ یہ پہلی مُسکان تھی جو میری نظروں نے دیکھی تھی۔ پہلی بار اُس کے لبوں میں زندگی ناچی تھی۔ پہلی بار اُس کی آنکھوں میں سپنوں کا طوفان اُمڈا تھا۔

"نیلم ـــ! تمھارے ماضی کی کہانی میں نے سُن لی ہے۔ انجانے میں اِس جُرم کا مُرتکب ہُوا ہوں"

"اچھا ہُوا شہمیرا ماضی کو بھول جانے کے لئے دل کا غبار میں نے نکال دیا ہے۔۔۔ ایک انسان نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے اور وہ عظیم انسان تم ہو!" نیلم کی آنکھوں میں زندگی کی چمک تھی۔

میری آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ آواز نیلم کی بھی جیسے کانپ رہی تھی۔ اُٹھ کر وہ میرے سامنے، میرے قریب آکھڑی ہوئی تھی۔ لرزتے ہاتھوں سے میں نے گلاب کے شگفتہ پھول اُس کی طرف بڑھا دیئے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اُن پھولوں کو اُس نے تھامنے کی کوشش کی تھی۔ اور پھول گر گئے تھے، میرے ہی قدموں پر! نیلم جھک کر پھولوں کو سمیٹنے لگی تھی۔ میرے قدموں نے نیلم کے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا، اُن گرم آنسوؤں کی تپش بھی محسوس کی تھی جو نیلم کی آنکھوں سے بہہ کر، رُخساروں سے پھسل کر میرے قدموں پر آگرے تھے۔ بے اختیار جُھک کر میں نے نیلم کا ہاتھ تھام لیا ـــ ۔۔۔ دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو گئیں!!



غزل

علیم اختر مظفر نگری

جذبۂ بے اختیارِ شوق کام آجاتا ہے
اک قدم اٹھتے ہی منزل کا پیام آجاتا ہے

ناامیدی آرزوؤں کے کنول کھلنے بھی دے
صبح ہونے بھی نہیں پاتی کہ شام آجاتا ہے

ہائے وہ بے ربط سے جملوں میں اقرارِ ستم
اُف وہ خط جو بے ارادہ میرے نام آجاتا ہے

مے فروش آنکھوں میں اقرارِ محبت دیکھ کر
اعتبارِ وعدۂ بادہ بہ جام آجاتا ہے

بزم میں مجبوریٔ شرم و حیا کے باوجود
مجھ تک ان نیچی نگاہوں کا سلام آجاتا ہے

تیرے جلووں کی تجلی کا تو کیا کہنا مگر
یاد رہ رہ کر ترا حُسنِ کلام آجاتا ہے

ایسا ہوتا ہے طبیعت پر خیالِ شوق بھی
راہِ منزل میں ایسا بھی مقام آجاتا ہے

آنکھ سے چھپ کر، ہجومِ آرزو کی اوٹ سے
دل میں چپکے سے کوئی مست خرام آجاتا ہے

میرے جرمِ شوق کی تعزیر ملتی ہے مجھے
بر سبیلِ تذکرہ اُن کا بھی نام آجاتا ہے

کوئی بے منزل ہی بن جاتا ہے میرِ کارواں
کوئی منزل سے بھی بے نیلِ مرام آجاتا ہے

پھر مری حیرت کو آئینہ دکھانے کے لئے
کوئی لے کر جلوۂ حُسنِ تمام آجاتا ہے

صرف کہنے کو ہم تغزل کے قائل نہیں
مجھ تک اُس محفل میں اک بے بادہ جام آجاتا ہے

گو یہاں یادوں کی اختر چھیڑتی ہیں بار بار
جب لبوں پر دفعتاً "رادھا" کا نام آجاتا ہے

طلسمِ ذات

شوکت پردیسی

مہکی ہوئی حیات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

یہ نورِ ماہتاب، یہ تاروں کا بانکپن
یہ غنچہ فضا، یہ بہاروں کا بانکپن
یہ زندگی نواز نظاروں کا بانکپن

یہ انجمن، یہ رات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

یہ روپ یہ نکھار نگاہوں کے سامنے
یہ نقش زرنگار نگاہوں کے سامنے
یہ کیف یہ بہار نگاہوں کے سامنے

ہر منظرِ حیات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

تم سے نئی اُمنگ، نئی روشنی ملی
مایوسیٔ حیات گئی، زندگی ملی
ہر ہر قدم پہ دل کو سنبھالے خوشی ملی

ہر موجِ التفات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

آنچل کی اوٹ سے یہ جھلکتی ہوئی حیات
جیسے شفق کی گود میں ہو شام کی فضا
یہ حُسنِ دلفریب، یہ اندازِ دلربا!

یہ پیچ و خم کی بات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

گر تم نہیں تو کیفِ غمِ روزگار کیا
میری نظر میں ہوگی متاعِ بہار کیا
میرے وجود کا بھی رہے گا وقار کیا

ہاں یہ طلسمِ ذات بہت دلفریب ہے
تم ہو تو کائنات بہت دلفریب ہے

پیاس جو بجھ نہ سکی

شاکر کریمی

> گنج نمبر ۱۔ بتیا (بہار)
>
> برادرم! سلام نیاز
>
> ... "پیاس جو بجھ نہ سکی" محض ایک کہانی ہی نہیں ایک تلخ حقیقت بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حقیقی کرداروں نے وہ سب کچھ کر دکھایا ہے جو اس کہانی کے فرضی کردار نہ کر پائے (اس پر طرّہ یہ کہ ہم اونچی اور بہت اونچی سوسائٹی کے افراد ہیں!) میں نے اس واقعہ (حادثہ بھی کہہ سکتے ہیں) کو کہانی کا روپ دے کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ پسند آجائے تو قارئین "بیسویں صدی" تک بھی پہنچا دیں، نوازش ہوگی...
>
> آپ کا اپنا ـــــــ شاکر کریمی

★

اُف! یہ بے پناہ حُسن!!

اُس نے زیبا کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہ زلفوں کی مدہوش کُن گھٹائیں، یہ آنکھوں سے چھلکتی ہوئی شراب، یہ سُلگتے ہوئے عارض، یہ مہکتے ہوئے ہونٹ، یہ کُندن سا جسم، حُسن وصحت کا بے مثال امتزاج، اُمڈتا شباب، انگ انگ سے اُبلتی ہوئی شراب ـــــ اور محسوس ہوا جیسے اُس کے خوابوں میں آنے والی، اُس کی تلاش، اُس کی منزل زیبا ہی ہے۔ اگر آنکھیں بند کر کے حُوران خُلد کا تصوّر کیا جائے تو زیبا ہی کی شبیہہ ذہن کے پردے پر اُبھر آئے گی! خوش نصیب ہے وہ جسے زیبا کا قُرب حاصل ہو جائے! ـــــ اور وہ مچل اُٹھا زیبا کے قُرب کے لئے۔ اُس کی زلفوں کی گھنی چھاؤں کے لئے، اُس کے سُلگتے ہوئے شباب کی دھیمی دھیمی آنچ کے لئے ـــــ اور رفتہ رفتہ ٹُھک ٹُھک زیبا کے قدموں کی آہٹیں اُس کے دل کی دھڑکنیں بنتی گئیں، اُس کی مُسکراہٹیں رگِ جاں میں برق بن کر لہراتی رہیں، اُس کی دلربا ادائیں اور رسیلی آنکھیں اُس کے جذبات کو مشتعل کرتی رہیں۔ اضطراب بڑھتا رہا، تمنائیں مچلتی رہیں، راتوں کی نیندیں اور دن کا سکون زیبا کے تصوّر کی نذر ہوتا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا، زیبا نگاہوں کے زینوں سے گزر کر دل کے نہاں خانے میں جلوہ افروز ہو چکی ہے اور اب، زیبا کے بغیر کسی شے میں دل کشی نہیں، زندگی نہیں!

لیکن وہ جب بھی زیبا سے قریب ہونے کی کوئی صورت سوچتا، ایک شبیہہ ذہن میں اُجاگر ہو کر اُس کے بڑھتے ہوئے قدم کو تھام لیتی۔ اُس کا حوصلہ پست ہو جاتا۔

آج بھی وہ زیبا سے کچھ فاصلے پر بیٹھا قُرب کی کوئی راہ ڈھونڈ رہا تھا کہ وہی شبیہہ ذہن کے پردے پر اُبھر آئی۔ جانی پہچانی صورت نے اُسے پھر چونکا دیا ـــــ زرینہ، اُف ـــــ! ایک دیوار، ایک خلیج، ایک فاصلہ ـــــ!! اور اِس بار اُس نے اِس شبیہہ کو ذہن سے کھرچ کر پھینک دینے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن دیوار توڑی جا سکتی ہے، خلیج پاٹا جا سکتا ہے، فاصلہ مٹایا جا سکتا ہے۔ میں یہ سب کر سکتا ہوں، زیبا کو

پانے کے لئے، کون روک سکتا ہے مجھے، زرینہ: اُونہہ ـــــ اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے کان کے قریب سرگوشی کی ہو ـــــ زرینہ بھی تو تمھیں بہت اچھی معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی تو تمھاری پسند ہے: اور اُس نے ذہن کو جھٹک دیا۔ تب میرا جمالیاتی شعور پختہ نہ تھا۔ ذوقِ حُسن کو بالیدگی میسّر نہ تھی، ذوقِ نظر خام تھا اور اب ـــــ میں پرکھ سکتا ہوں، اچھے بُرے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ میں زیبا کو پانے کی ہر مُمکن کوشش کروں گا! زرینہ ایک زخم ہے زیبا مرہم، زرینہ درد ہے زیبا کیفیت و نشاط، زرینہ جلن ہے زیبا سکونِ قلب و نظر، زرینہ ایک بھُول ہے اور زیبا حاصلِ جُستجو، حاصلِ زندگی ـــــ ایک ہی حرف

- انصاف کی ایک ساعت (برسہا برس کی) عبادت سے بہتر ہے۔ (سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم)
- انسانوں سے محبت کرنا ہی دراصل خُدا سے محبت کرنا ہے اور انسانوں کی خدمت کرنا ہی دراصل خُدا کی خدمت ہے۔ (حضرت ابوذر غفاریؓ)
- دل آئینہ کی طرح صاف، زبان شہد کی طرح میٹھی، کام برف کی طرح صاف رکھو۔ (حضرت [illegible])
- والدین کے چہروں پر محبت سے نظر [illegible] کی خوشنودی کا موجب ہے۔ (حضرت [illegible])

سے شروع ہونے والے ان دو ناموں [illegible] دُوری ہے ـــــ؟ اور اُس کی ہر سانس [illegible] "زیبا، زیبا، زیبا ـــــ!!" اور جیسے فضا میں [illegible] اور جب آرکسٹرا کی مدھر دُھنیں [illegible] تیرنے لگیں اور حسین جوڑے ایک دوسرے [illegible] اور سنبھلنے، سنبھلنے اور گرنے لگے تو وہ [illegible] قریب آیا اور کمالِ انکساری کا مظاہرہ کرتے [illegible] میں کہا۔

"آپ میرے ساتھ رقص کرنا پسند کریں گی؟"

"Sure!" زیبا نے مُسکرا کر اُس کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

زیبا کی ہتھیلی میں سُلگتی دھیمی آنچ اُس کے وجود کو [illegible] لگی۔ نس نس میں شراب سی دوڑنے لگی، آنکھوں [illegible] لگا۔ اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے ـــــ پھر تو [illegible] کبھی وہ زیبا کو سنبھالتا اور کبھی زیبا اُسے سنبھالتی۔

"آپ کے ساتھ رقص کرتے ہوئے محسوس ہو رہا ہے جیسے کائنات محوِ رقص ہو!"

زیبا نے مُسکرا کر اُس کی طرف کنکھیوں سے دیکھا [illegible]

"بڑے ہوشیار ہو، پہلی ہی ملاقات [illegible] لگے، لیکن مجھ پر جادُو نہ چلے گا تمھارا!"

"تو پھر تم ہی مجھ پر جادُو کر دو۔ [illegible] بندۂ بے دام ہو جاؤں! تمھارا قُرب میری زندگی [illegible] ہے!"

"سچ؟" اُس کے انداز میں شوخی [illegible]

"یقین کرو تم وہ پہلی لڑکی ہو جس [illegible] کرتے ہوئے محسوس ہو [illegible] رقص ہو، کاش [illegible]

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تو لو، بانہوں کے اِس حصار کو میں توڑ رہی ہوں!" اور وہ اُس کے بازوؤں سے نکل کر شاخِ گُل سی لچکتی بل کھاتی اپنی جگہ واپس آگئی۔

پھر وہ ملنے لگے۔ ہر روز، ہر شام۔ قہقہے بکھرتے رہے، مسکراہٹوں کی کلیاں چٹکتی رہیں، دل کے کنول کھلتے گئے، سینوں میں ارمان مچلنے لگے، خاموشی زبان بنتی گئی، نگاہیں نگاہوں کی باتیں سمجھنے لگیں، دھڑکنیں دھڑکنوں کی راز دار بنتی گئیں۔

"زیبا!" اُس نے سرگوشی کی۔

"ہُوں!"

"تم بہار میں کھلا ہوا وہ پھول ہو جس کی تازگی اور شگفتگی رشک چمن ہے، اور تم ... ہو! تم کسی مصور کا حسین شاہکار ... کسی ...

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اختر کے قریب کھسک آئی۔

"اختر! مجھے اِس طرح چھپا لو کہ کسی کی نظر بھی مجھ پر نہ پڑ سکے، میرے گرد ایسا گھیرا ڈال دو کہ کوئی اُسے توڑ نہ سکے، مجھے وہاں لے چلو جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ ماضی کی یادیں بھی نہیں، مستقبل کا خوف بھی نہیں!"

"تو پھر اِن بازوؤں میں سمٹ جاؤ، کوئی میرے بازوؤں کے حلقے کو نہ توڑ سکے گا، کوئی تمھیں مجھ سے جُدا نہ کر سکے گا!"

اور وہ اُس کے بازوؤں کے حلقے میں سمٹتی چلی گئی۔

مطلع ابر آلود تھا، خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہواؤں کے

◆ نادان لوگ دولت کے لئے دل کا چین گنوا دیتے ہیں۔ دانشمند دل کے چین کی خاطر دولت لٹا دیتے ہیں۔

◆ ... وہاں
... نہیں ہے۔ (تلسی داس)
... بلند اخلاق، بلند خیال اور
... بت کرو۔ (سوامی وویکا نند جی)
خوبی اپنانے کے قابل ہے، چاہے وہ دشمن
(مہاتما ... جی)

... ندی کی موجوں میں ہلکا
... کی اٹھتی ہوئی لہروں
... پاس بیٹھے تھے۔ دلوں کی دھڑکنیں
... چمک رہی تھیں، تمناؤں کے
... سرور سا چھاتا لگا تھا۔ اُس نے اپنا

... کی کبھی نہیں!"

پانے کے لئے کون روک سکتا ہے مجھے، زرینہ، اُونہہ ـــــ اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے کان کے قریب سرگوشی کی ہو ـــــ زرینہ بھی تو تمھیں بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ وہ بھی تو تمھاری پسند ہے؟ اور اُس نے ذہن کو جھٹک دیا۔ تب میرا جمالیاتی شعور پختہ نہ تھا، ذوقِ حُسن کو بالیدگی میسّر نہ تھی، ذوقِ نظر خام تھا اور اب ـــــ میں پرکھ سکتا ہوں، اچھے بُرے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ میں زیبا کو پانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا! زرینہ ایک زخم ہے زیبا مرہم، زرینہ درد ہے زیبا کیف و نشاط، زرینہ جلن ہے زیبا سکونِ قلب و نظر، زرینہ ایک بھول ہے اور زیبا حاصلِ جستجو، حاصلِ زندگی ـــــ ایک ہی حرف

- اِنصاف کی ایک ساعت (برسہا برس کی) عبادت سے بہتر ہے۔ (سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم)
- انسانوں سے محبت کرنا ہی دراصل خُدا سے محبت کرنا ہے اور انسانوں کی خدمت کرنا ہی دراصل خُدا کی خدمت ہے۔ (حضرت ابوذر غفاریؓ)
- دل آئینہ کی طرح صاف، زبان شہد کی طرح میٹھی، کام برف کی طرح صاف رکھو۔ (حضرت شبلیؒ)
- والدین کے چہروں پر محبت سے نظر کرنا بھی خدا کی خوشنودی کا موجب ہے۔ (حضرت خواجہ اجمیریؒ)

سے شروع ہونے والے اِن دو ناموں میں کتنا تضاد ہے؟ کتنی دُوری ہے ـــــ؟ اور اُس کی ہر سانس آواز دینے لگی ـــــ 'زیبا، زیبا، زیبا ـــــ!' اور جیسے فضا میں نغمے بکھر گئے۔

اور جب آرکسٹرا کی مدھم دُھنیں کیف بن کر فضا میں تیرنے لگیں اور حسین جوڑے ایک دُوسرے کی بانہوں میں گرنے اور سنبھلنے، سنبھلنے اور گرنے لگے تو وہ ضبط نہ کر سکا۔ زیبا کے قریب آیا اور کمالِ انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"آپ میرے ساتھ رقص کرنا پسند کریں گی؟"

"Sure!" زیبا نے مُسکرا کر اُس کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھوں میں دے دیا۔

زیبا کی ہتھیلی میں شگفتی جیسی آنچ اُس کے وجود کو پگھلانے لگی، نس نس میں شراب سی دوڑنے لگی، آنکھوں پر خمار سا چھانے لگا۔ اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے ـــــ پھر تو رقص کے دوران کبھی وہ زیبا کو سنبھالتا اور کبھی زیبا اُسے سنبھالتی۔

"آپ کے ساتھ رقص کرتے ہوئے محسوس ہو رہا ہے جیسے کائنات محوِ رقص ہو!"

زیبا نے مُسکرا کر اُس کی طرف کنکھیوں سے دیکھا اور بولی۔

"بڑے ہوشیار ہو، پہلی ہی ملاقات میں جادو جگانے لگے، لیکن مجھ پر جادو نہ چلے گا تمھارا!"

"تو پھر تم ہی مجھ پر جادو کر دو۔ ایسا جادو کہ میں تمھارا بندۂ بے دام ہو جاؤں! تمھارا قُرب میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے!"

"سچ؟" اُس کے انداز میں شوخی تھی اور بے تکلفی تھی۔

"یقین کرو تم وہ پہلی لڑکی ہو جس کے ساتھ رقص کرتے ہوئے محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ رقص میری زندگی کا اہم رقص ہو۔ کاش یہ رقص کبھی ختم نہ ہوتا ـــــ کاش!"

"تم مَردوں کی یہی بات بہت بُری ہے، جہاں کوئی بھی لڑکی دیکھی چاپلوسی شروع کر دی!"

"کاش میں تمھیں یقین دِلا سکتا کہ میں اُن عام مَردوں میں سے نہیں ہوں!" وہ بھی بے تکلف ہو گیا۔

"کیا تم میرے بارے میں وہی سب کچھ نہیں سوچتے جو سب سوچتے ہیں؟" وہ اٹھلائی۔

"سوچتا ہوں، لیکن دُوسرے انداز سے، جس کا تعلق ذہن سے ہے، محض جذبات سے نہیں!"

"کیا؟"

"دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کیا پتہ تم خفا ہو جاؤ!"

"ذرا سُنوں تو سہی؟" وہ دلربا انداز سے مُسکرائی۔

"دل کہتا ہے تمھیں اِن بانہوں میں اِس طرح قید کر لوں کہ تم کبھی آزاد نہ ہو سکو!" اُس کی سانسیں بے ربط ہو گئیں۔

وہ کھِل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تو لو، بانہوں کے اِس حصار کو میں توڑ رہی ہوں!" اور وہ اُس کے بازوؤں سے نکل کر مطلع کی سی چلتی بل کھاتی اپنی جگہ واپس آ گئی۔

پھر وہ ملتے رہے۔ ہر روز، ہر شام۔ قہقہے بکھرتے رہے، مُسکراہٹوں کی کلیاں چٹکتی رہیں، دل کے کنول کھلتے گئے، سینوں میں ارمان مچلنے لگے، خاموشی زبان بنتی گئی، نگاہیں نگاہوں کی باتیں سمجھنے لگیں، دھڑکنیں دھڑکنوں کی رازدار بنتی گئیں۔

"زیبا!" اُس نے سرگوشی کی۔

"ہُوں!"

"تم موسمِ بہار میں کھِلا ہُوا وہ پھول ہو جس کی تازگی اور شگفتگی رشکِ چمن اور فخرِ چمن ہے! تم کسی مصوّر کا حسین شاہکار ہو، کسی شاعر کی خوبصورت ترین و وجد آفرین غزل ہو، کسی مغنی کی سحر آگیں لَے پر چھیڑا ہُوا گیت، آتشیں نغمہ ہو، تم... تم...!"

اور زیبا کی آنکھیں بند ہوتی گئیں، وہ بے خود و مدہوش ہوتی گئی اور ——— اور اُس کی بانہوں میں جھول گئی ——— اور جب ہوش میں آئی تو اُسے اپنے گرد و پیش بے حد اُداسیاں اور مایوسیاں نظر آئیں۔ گھٹا گھٹا ماحول، ہر ہر قدم پر بندشیں، رُکاوٹیں، شکوے، شکوک ——— اور وہ محسوس کرنے لگی اِس وحشت ناک و کربناک فضا میں اُس کا دَم گھُٹ جائے گا، وہ مُرجھا جائے گی، اپنی ساری دلکشی و رعنائی کھو بیٹھے گی ——— اُف یہ زندگی! بے کیف، گھُٹن سے بھری ——— اور وہ سرکش ہو گئی، اپنے ماحول سے بغاوت پر آمادہ ہو گئی اور اُسے محسوس ہُوا فرار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، اور وہ اختر کا ہاتھ تھام کر دوڑنے لگی۔ تیز، بہت تیز ——— ! پلٹ کر دیکھے بغیر، یہ سوچے بغیر کہ کسی کے ہاتھ اُسے روک لینے کے لیے آگے بڑھ بھی سکتے ہیں، کوئی اُس کے قدموں میں بیڑیاں بھی ڈال سکتا ہے، کوئی اُسے قید کر لینے کی سعی بھی کر سکتا ہے ——— اور وہ اُس مقام پر پہنچ گئی جہاں اطمینان ہی اطمینان تھا، سکون ہی سکون تھا۔ نہ تو کسی کے تصور سے پیدا ہونے والا خوف تھا، نہ دُکھ، نہ اُلجھنیں، نہ پریشانیاں!

اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اختر کے قریب کھسک آئی۔

"اختر! مجھے اِس طرح چھپا لو کہ کسی کی نظر بھی مجھ پر نہ پڑ سکے، میرے گرد ایسا گھیرا ڈال دو کہ کوئی اُسے توڑ نہ سکے، مجھے وہاں لے چلو جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ ماضی کی یادیں بھی نہیں، مستقبل کا خوف بھی نہیں!"

"تو پھر اِن بازوؤں میں سمٹ جاؤ، کوئی میرے بازوؤں کے حلقے کو نہ توڑ سکے گا، کوئی تمھیں مجھ سے جُدا نہ کر سکے گا!"

اور وہ اُس کے بازوؤں کے حلقے میں سمٹتی چلی گئی۔

مطلع ابر آلود تھا، خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہواؤں کے

- نادان لوگ دولت کے لئے دل کا چین گنوا دیتے ہیں۔ دانشمند دل کے چین کی خاطر دولت لُٹا دیتے ہیں۔ (گرو گرنتھ صاحب)
- جہاں کرم ہے وہاں ایمان ہے، جہاں حرص ہے وہاں مصیبت ہے، جہاں غصہ ہے وہاں تباہی ہے۔ (تلسی داس)
- ہر حال میں اپنے آپ کو بلند اخلاق، بلند خیال اور بلند معیار ثابت کرو۔ (سوامی وویکا نند جی)
- ہر نیکی اور خوبی اپنانے کے قابل ہے۔ چاہے وہ دشمن ہی میں ہو۔ (ماتا ریحانہ جی)

جھونکوں سے سامنے بہتی ہوئی شوخ پہاڑی ندی کی موجوں میں ہلکا ہلکا ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ اُن کے اپنے جذبات کی اُٹھتی ہوئی لہروں کی طرح ——— دونوں ایک چٹان پر پاس پاس بیٹھے تھے۔ دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو رہی تھیں، آشاؤں کی کلیاں چٹک رہی تھیں، تمناؤں کے پھول مہک اُٹھے تھے، آنکھوں میں سُرور سا چھانے لگا تھا۔ اُس نے اپنا سر اختر کے شانے پر رکھ دیا۔

"اختر!"

"جانِ اختر!"

"میں نے سوچ لیا ہے، فیصلہ کر لیا ہے، اب میں واپس نہ جاؤں گی، کبھی نہیں!"

"سچ؟" وہ کھل اُٹھا۔

"ہاں، لیکن آخری فیصلہ تو تم کرو گے نا؟"

"زیبا، میری اچھی زیبا! میں تو کب سے منتظر تھا تمہارے فیصلے کا۔ میں تیار ہوں۔ ہر وقت، ہر لمحہ۔ کب آ رہی ہو میری زندگی میں بہار بن کر؟ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے!"

"کل کا طلوع ہونے والا سورج ہمارے لئے ایک نئی زندگی کا پیغام لے کر آئے گا، کل سے ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ ہم پہلی گاڑی سے یہ شہر چھوڑ دیں گے۔ تم بھی تیار ہو کر اسٹیشن آجانا!"

"اوہ زیبا! کتنی اچھی ہو تم!" اُس نے بالوں کی گھٹاؤں میں چہرہ چھپا لیا۔

"لیکن ــــــ!"

"ہاں، ہاں، کہو زیبا! مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے!"

"میں سب کچھ چھوڑ رہی ہوں، لیکن شہزادہ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ بھی میرے ساتھ ہوگا!"

"شہزادہ؟" وہ چونکا۔

"ہاں شہزادہ۔ میرا بیٹا۔ تین سال کا ہے۔ میں اُسے بہت پیار کرتی ہوں۔ گو اُس کے باپ نے مجھے ہمیشہ ہی نفرت دی۔"

"تو کیا تم... تم...!" اُس کی آواز حلق ہی میں اٹک کر رہ گئی۔

"کچھ بولو نا اختر، چپ کیوں ہو؟"

اُس نے تھوڑے توقف سے کہا۔

"مجھے تھوڑا وقت دو زیبا تاکہ میں زبیدہ کو راضی کر لوں؟"

"زبیدہ؟" وہ چونک گئی اور جواب طلب نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

اُس نے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں زبیدہ۔ شادی کے سات سال بعد بھی ماں نہ بن سکی ہے۔ مجبور ہو کر اُس نے مجھے دوسری شادی کی اجازت تو دے دی ہے۔ لیکن شاید وہ تمہارے اِس بچے کو قبول کرنے پر راضی نہ ہو سکے!"

اور دونوں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر اس طرح خاموش اور سرنگوں بیٹھے تھے جیسے اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر چلتے چلتے تھک کر نڈھال ہو گئے ہوں، پیاس کی شدت سے بے جان ہو گئے ہوں۔ لیکن سامنے بہتی ہوئی شوخ اور چنچل پہاڑی ندی کے ٹھنڈے میٹھے پانی سے اپنی اپنی پیاس بجھا نہ سکتے ہوں!!

زل

حبابؔ ہاشمی ایم اے، بی ایڈ

وہ گر آج ہے وہ مہرِ منوّر کی طرح
ت اپنا بھی چمکتا ہے سکندر کی طرح

اس کی رفتار ہے لبِ موجۂ کوثر کی طرح
گفتگو میں ہے کھنک شیشہ و ساغر کی طرح

س کیا رانے سخن ہے طے ہم بھی دیکھیں
دو مطلب ہے نگر داورِ محشر کی طرح

منزلِ فقر و فنا کیا ہے یہ ہم سے پوچھو
زندگی ہم نے گزاری ہے قلندر کی طرح

کیا خبر لوگ کسے اپنا خدا کہہ دیں گے
اد بت ہم نے تراشے تو ہیں آذر کی طرح

حسنِ اخلاص و وسیع النظری کیا کہیے
کون ہے دورِ پر آشوب میں بوذر کی طرح

کتنے طوفان ہیں پنہاں کوئی دیکھے تو حباب
موجزن ہے دلِ شاعر بھی سمندر کی طرح

غزل

احساسؔ گونڈوی

میرے ہونٹوں پہ تھوڑی ہنسی رہ گئی
کچھ تو بربادیوں میں کمی رہ گئی

گمرہی نے لیا جا کے منزل پہ دم
رہبری تھی کہ بس سوچتی رہ گئی

حادثاتِ مسلسل نے کیا کر دیا
زندگی رقص کرتی ہوئی رہ گئی

جستجو کی ہیں وارفتگی کیا کہوں
میری منزل مجھے ڈھونڈتی رہ گئی

مصلحت نے دئے لاکھ ہم کو سبق
جو طبیعت تھی اپنی وہی رہ گئی

گفتگو اک حسیں سے رہی رات بھر
زندگی رات بھر جاگتی رہ گئی

سب تو سرمایۂ زندگی لٹ گیا
اور احساسؔ اک شاعری رہ گئی

غزل

دلؔ ایوبی بی۔ اے (علیگ)

سارے انداز مرے خواب پریشاں ہو گئے
صبح نو سے تو اندھیرے بھی پشیماں ہو گئے

عشق میں کچھ حادثے تھے جن سے افسانہ بنا
کچھ تصادم تھے جو افسانے کا عنواں ہو گئے

مصلحت اندیشیٔ اہلِ خرد کو کیا خبر
کتنے دامن وقت کے ہاتھوں گریباں ہو گئے

یوں بھی لیتا ہے کوئی اہلِ وفا کا امتحاں
عزت و ناموس کے بھی تم تو خواہاں ہو گئے

میرے خرمن کو بہر عنواں پناہیں مل گئیں
تم رہے ناکام تو شعلے نگہباں ہو گئے

آرزو مندو! بسا لو پھر جہانِ آرزو
وہ جو ویراں کر دیا کرتے تھے ویراں ہو گئے

شکوہ سنجی اپنا مسلک تو نہیں اے دلؔ مگر
اس نے خود ہی ہم کو چھیڑا تو غزل خواں ہو گئے


آپ کے سُکھ دُکھ کا ساتھی
پنجاب نیـ
بیج۔ کھاد۔ ا
یتا ہے
اور کسان۔ اسے
نیشنل بنک سے
آسان
یں
Panjab National Bank of India
پنجاب نیشنل بنک
۱۸۹۵ سے قوم کی خدمت کے لئے

افسانہ

سفید ہونٹ

انیس قیوم فیاض بی۔ ایس سی (عثمانیہ)

۲۲۷۔ سی ملّے پلی۔ حیدرآباد (اے پی)

عزیز ترین چچا جان! تقدیس و اکرام

. . . ایک اور تازہ ترین تخلیق ملاحظہ ہو ۔۔ "سفید ہونٹ"۔ مجھے امید ہے میری یہ تخلیق آپ کے دل کو چھو لے گی۔ جلد ہی دہلی آ رہی ہوں۔ ملاقات کا شرف بخشئے گا۔ خدا کرے آپ اچھے ہوں۔ صحت مند ہوں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

آپ کی بھتیجی۔۔۔۔۔۔ انیس قیوم فیاض

★

"نہیں ۔۔۔۔!!!"

ذیشان اپنے ہی آپ میں چیخ کر رہ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، دانت پیس لئے اور آنکھیں بند کر کے صوفے پر دھڑام سے گر پڑا۔

"خدایا . . . یہ کیسا مذاق ہے ۔۔۔ میرے خوابوں کی تعبیر ۔۔۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا! میں ایسا کبھی نہ ہونے دوں گا! چاہے کچھ ہو جائے!!"

اور ایک شام اُس کی نگاہوں میں مسکرا رہی تھی۔

شب افسانہ منائی جا رہی تھی۔ کلیم اُس کا عزیز دوست اسے یہاں کھینچ لایا تھا۔ وہ لٹریچر کا دلدادہ تھا۔ لیکن ذیشان ایک کامیاب انجینئر تھا۔ اُسے ادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ملک کے سارے مشہور افسانہ نگار جمع تھے۔ جن میں چند خواتین افسانہ نگار بھی تھیں۔ ذیشان کچھ دلچسپی سے نہیں سُن رہا تھا۔ افسانہ نگار باری باری اپنے افسانے پڑھتے جا رہے تھے اور قارئین داد و تحسین سے نواز رہے تھے۔ افسانے زیادہ تر سماجی تھے۔ اخلاقی قدروں پر تھے۔ سیاسی لیڈروں پر تھے۔ سماج کے اجارہ داروں پر تھے۔

اور کلیم اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً نزہت جوّاد کا نام پکارا گیا۔ کلیم نے پہلو بدلا۔

"بھئی ذرا دلچسپی سے، غور سے سُننا۔ یہ میری پسندیدہ فنکار ہیں۔ میں اِن کے اندازِ نگارش سے بے حد متاثر ہوں۔"

ذیشان پھر بھی کچھ نہ بولا۔ خاموش سُنتا رہا۔

نزہت صاحبہ اپنا افسانہ سُناتی رہیں۔ پسند کرنے والے اُن کے ایک ایک جملے پر عش عش کرتے رہے۔

فنکشن کے اختتام پر کلیم نزہت جوّاد سے ملنے بہت ہی تپاک سے جا پہنچا۔

ذیشان بھی ساتھ ہو لیا۔

"افسانے کی کامیابی کے لئے مبارکباد قبول فرمایئے!"

"تھینکس ۔۔۔!" انہوں نے کہا اور کچھ مسکرائیں۔

لیکن اُن کی مسکراہٹ، اُن کا اندازِ تخاطب ذیشان کو ایک پَل نہ بھایا۔ اُردو کے جلسے میں انگریزی بولنا اُردو کو خود اپنے ہاتھوں قتل کرنے کے مترادف ہے۔ لوگ جب اُردو بولنا نہیں چاہتے تو اِسے زندہ کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟

"جو زبان اپنی ہو ۔۔۔ اُس سے ہم یہ برتاؤ کریں تو

ہاتھ

کیا ہی بے شرم تیرے بھولے پن کی میں نثار
منہ پہ دونوں ہاتھ رکھ لینے سے پردہ ہو گیا —— متی

بے ساختہ نگاہیں جو آپس میں مل گئیں
کیا منہ پہ اُس نے رکھ لیا آنکھیں جھکا کے ہاتھ —— نظامؔ

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تم کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اِس دعا کے بعد —— غالبؔ

چوم لیتا ہے مصوّر اپنے ہاتھ
کھینچ کر خاکہ تیری تصویر کا —— نواب عزیز الدین احمد

اللہ رے نازکی کہ سلام جواب میں
ہاتھ اُٹھتے اُٹھتے رہ گیا مہندی کے بوجھ سے —— ن۔م

مرسلہ۔ ایم۔ اے۔ مقیت رکریم نگر (اے۔پی)

تو مسرت لوگوں کا کیا برتاؤ ہوگا؟

ذیشان کو نزہت صاحبہ کا افسانہ پسند آیا تھا نہ اُن کی ملتفع چڑھی شخصیت ہی۔ وہ چُپ چاپ گھر لوٹ گیا۔ کلیم نے اسکوٹر پر اُس کے گھر پہنچا دینے کی پیشکش بھی کی۔ لیکن وہ انکار کر کے چل دیا۔

گھر آکر اُس نے دیکھا کلیم کے چند اُردو رسالے اُسی کے ہاں رہ گئے تھے۔ شاید وہ جلدی میں واپس لینا بھول گیا تھا۔

وہ رات کے کھانے کے بعد اُن رسالوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔

سارے معیاری رسالوں میں نزہت جوّاد کی تخلیقات شامل تھیں۔

ذیشان نے ساری تخلیقات پڑھ ڈالیں۔

اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ خدا جانے کلیم کیوں پسند کرتا ہے نزہت صاحبہ کی تحریریں؟

مگر اُس کی نظریں ایک مختصر افسانے پر پڑیں۔ اُس کا عنوان تھا "آگ"۔ اُس کی تخلیق کار تھیں رُوحی نیازی۔

اُس نے افسانہ پڑھا۔ اُسے بے حد پسند آیا۔ ایک خاص انفرادیت تھی موضوع کی تحریر میں جو اُسے نزہت جوّاد کے ہاں نظر نہ آئی۔

دلوں میں اُتر جانے والے جملے... حسین اندازِ تحریر۔

پہلی بار اُسے محسوس ہوا جیسے رُوحی نیازی ایک [illegible] لڑکی ہے۔ جب ہی تو اُس کے افسانے میں دل کی تڑپ، جذبہ [illegible] آنکھوں کے موتی شامل ہیں۔

وہ بے حد متاثر ہوا۔

اُس نے رُوحی سے ایک ادبی رشتہ استوار کرنا چاہا۔ وہ پسندیدگی کے دو جملے لکھ کر رُوحی کو بھیج دیتا اور اُدھر سے شکریے کے ساتھ خط کی رسید مل جاتی۔

کچھ دنوں بعد اُس نے محسوس کیا اُس کی وہی حالت ہے جیسی نزہت جوّاد کے افسانے پڑھ کر کلیم کی ہو چکی ہے۔ کلیم تو صرف نزہت صاحبہ کے فن کا پرستار تھا۔ لیکن ذیشان رُوحی کی شخصیت کا بھی پرستار ہو گیا۔ اب اُسے ادب سے کافی دلچسپی ہو گئی تھی۔ اُس کے ہاں انجینئرنگ کے رسالوں کے ساتھ ساتھ ادبی رسائل بھی آنے لگے تھے۔ اُس کا ادبی ذوق نکھر کر سنہرا ہو گیا تھا۔

رُوحی کے بھی خط اُسے برابر ملتے تھے۔ لیکن اُن کا سامنا کہیں نہ ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ روایتیں اُن کے بیچ درمیان حائل تھیں —— اور اُن روایتوں کے علاوہ وہ دوریاں بھی تھیں۔

وہ کانپور میں تھا تو رُوحی دہلی میں!

ایک ادبی رشتہ تھا جو اُن کے درمیان استوار ہو گیا تھا۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد ذیشان رُوحی کو بے حد پسند کرنے لگا!

رُوحی اُس کے احساسات پر چھا گئی۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ رُوحی کسی اور کی ہو جائے۔

لیکن دوسری طرف رُوحی بھی ہوئی چٹان تھی... بے حس چٹان!

وہ ہمیشہ کہا کرتی ——

"ذیشان! یہ تمہارے شایانِ شان نہیں۔ میں ایک فنکار ہوں۔ لیکن صرف یہی کافی نہیں کچھ اور بھی ضروری ہے۔ تمہیں میرے ہاں کچھ نہ ملے گا۔"

اور وہ بات کاٹ کر کہہ دیتا ——

"رُوحی! تم جیسی بھی ہو مجھے پسند ہو... میں تمہیں ہر حال میں اپنانے کے لئے تیار ہوں!"

ذیشان کا اضطراب اِتنا بڑھ گیا کہ مزید تاخیر اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اِس لئے اُس نے ایک بار رُوحی سے ملنے کی ٹھان لی۔

اور ایک دن وہ چلا آیا۔

رستہ میں وہ بے حد خوش تھا۔ شاعروں کے تخیل کی طرح رُوحی کی حسین شبیہہ اُس کے لاشعور میں مسکرا رہی تھی جسے وہ ہر گام پر پُوجتا چل رہا تھا۔

رُوحی کے افسانوں کے خوبصورت فلیٹ کی طرح نہ تو اُس کا فلیٹ تھا اور نہ کوئی پائیں باغ، نہ لان، نہ پھول نہ خوشبو، نہ جھولے... نہ ہنستی گاتی سہیلیاں، نہ چٹانیں نہ سبزہ زار، نہ کھیت نہ کھلیان۔

بس ڈیڑھ کمرہ کا گھر تھا جس کے سامنے سے ایک گندی موری بہتی تھی۔

نہ جانے اِس نفرت انگیز ماحول میں وہ کیسے رہتی ہوگی...؟ ذیشان نے سوچا۔

اُس نے کوئی توجہ نہ دی۔

پھر اُس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

ایک سفید ہاتھ لہرایا۔ سفید بالکل سفید! جیسے یوروپین لڑکی کا ہاتھ! پھر گھٹی ہوئی آواز آئی۔

"اندر تشریف لے آیئے!"

کمرہ خالی تھا۔ معمولی طریقے سے سجا ہُوا تھا۔

ذیشان بے تکلفی سے اندر چلا گیا اور ایک نشست سنبھال لی۔

اُس کی آنکھیں بس ڈھونڈ رہی تھیں اُس بتِ طناز کو جسے اُس نے چاہا تھا... پُوجا تھا۔

تبسّم

تبسم تھا اِس رنگ سے اُن کے لب پر
میں سمجھا کوئی جام چھلکا رہے ہیں —— جلیل مانکپوری

خندۂ گُل ہے تیرے حسن تبسم کی جھلک
برق کیا ہے تیری ٹوٹی ہوئی انگڑائی ہے —— منشاء

تو تبسم بھی شریکِ نگہ ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری —— داغ

لُٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
بس ایک تبسم عاجز نواز رہنے دے —— جگر مرادآبادی

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسم وہ تکلم تیری عادت ہی نہ ہو —— ساحر لدھیانوی

مُرسلہ:- عتیق الرحمٰن خان، ناگپور

"آر... رے یہاں کوئی نہیں؟"

"آداب عرض ہے" ذیشان بے حد خوش ہوتے ہوئے بولا... حالانکہ اب بھی کوئی وجود اُس کے سامنے نہ تھا۔

"آداب" آواز آئی۔

پھر ذیشان بولا۔

"میں رُوحی صاحبہ سے ملنا چاہتا ہوں"

"جی خاکسار ہی کو رُوحی کہتے ہیں"

رُوحی ——! اُس نے کُرسی کے دونوں ہتھے پکڑ لئے۔

"رُوحی تم ہو ——؟"

"فن اور فنکار میں بڑا فرق ہوتا ہے ذیشان صاحب!"

"نہیں ——!!!"

وہ تقریباً چیخ پڑا۔

اُس کے سامنے ایک کوڑھی لڑکی کھڑی تھی! جس کے چہرے اور سارے جسم پر جا بجا بڑے بڑے سفید دھبے تھے اور... سفید ہونٹوں سے وہ مُسکرا رہی تھی!!

بھروسے کے ساتھ ایلپار خریدیئے



بھروسے کے ساتھ ایلپار پہنئے

بنت نبیا، خوشنما اور دیکھنے میں دلکش، شکن نہ پڑنے والا کپڑا
قسم قسم کے جدید رنگوں اور ڈیزائنوں میں
پیسہ واپس کرنے کی بے نظیر گارنٹی
اگر ایلپار کپڑے کا رنگ روپ بگڑ جائے تو ہم کپڑے کی قیمت
سلائی کا پیسہ بھی واپس کر دیں

اس بات کے اطمینان کے لئے کہ آپ اصلی ایلپار کپڑا ہی خرید رہے ہیں
کنارے پر چھپے ہوئے "ایلپار پرا گان" الفاظ ضرور دیکھ لیں

سوٹنگس • شرٹنگس • ساڑیاں
فراک و بلاؤز کے کپڑے

ELPAR

ایلپار کپڑے قابلِ اعتبار ہیں

غزل

مسرت حیات ایم اے، بی ٹی

ندگی کی نئی تصویر نظر آتی ہے
ت دہر شانے کو نظر آتی ہے

یاد آتی ہیں شبِ ہجر کسی کی باتیں
دل میں ہر شکل کی تصویر اُتر آتی ہے

ل تخیل کے کہستان پہ چھائے کوئی
شامِ غم آج بہ اندازِ سحر آتی ہے

کر دیا جس نے محبت کو کسی پہ قرباں
اُس کی دنیا بڑی مسرور نظر آتی ہے

یک اک گام پہ روشن ہے مرا عزم یقیں
سامنے منزلِ مقصود نظر آتی ہے

بہکے بہکے سے ہیں پھر اُن کی نظر کے انداز
پھر مرے شوق تمناؤں میں اُتر آتی ہے

ٹھا کے کوچۂ جاناں سے مرے ساتھ حیات
سونی سونی سی پھر اک راہ گزر آتی ہے

غزل

پروفیسر جاوید وششٹ ایم۔ اے

ہر طرف چمن میں ہے غم کی پریشانی سی
اس بہار میں دیکھی ایک سرگرانی سی

آج رات سو جائیں پیاس ہی کی بانہوں میں
خود ہی کل جگائے گی صبح، ارغوانی سی

تیرگی کا ساماں ہیں بیاباں میں اُجالوں کے
انقلاب کی آمد وقت کی کہانی سی

تشنہ لب مسافر کی پیاس کیوں نہ لہرائے
دھوپ میں سرابوں کی ریت بھی ہے پانی سی

دیپ جب بجھا کوئی جل اُٹھے چراغِ دل
انجمن میں رہتی ہے ایک زندگانی سی

عمر اک گزار آئے درد و غم کے سائے میں
تب کہیں ملی یارو ایک شادمانی سی

ہم نے ٹوٹے دل جوڑے اپنے دل کو پگھلا کر
پھر بھی کچھ دلوں کو ہے ہم سے بدگمانی سی

ہم تو میکدے میں بھی تشنہ لب رہے جاوید
کیا ادائے ساقی تھی تیغِ ترکمانی سی

غزل

رئیس رامپوری

کیا سبھی شکوۂ بیدادگری کرتے ہیں
آپ کیوں اپنی جفاؤں میں کمی کرتے ہیں

کون اب کس کو یہ سمجھائے کہ ہم سے میکش
گلہ ہے گلہ ہے غمِ دوراں کی خوشی کرتے ہیں

بعض اوقات نصیحت کا سہارا لے کر
بعض احباب بڑی دل شکنی کرتے ہیں

جامِ مئے چھین لیا کرتے ہیں ہم اے ساقی
پست ہمت گلۂ تشنہ لبی کرتے ہیں

لاکھ ہم کشمکشِ غم سے نہ گھبرائیں مگر
اُف وہ حالات جو ہمت شکنی کرتے ہیں

ہم نے کی اُن سے محبت تو کوئی جرم نہیں
زندگی کے لئے اپنی سی سبھی کرتے ہیں

احتیاطوں کے تو قائل ہی نہیں آپ رئیس
آپ کے جی میں جو آ جائے وہی کرتے ہیں


کس قدر
حسین
کرشمہ
مَفرین

[redacted]

خوشبو

ایس۔ پی ملہوترہ دلیش چترکار۔ بی۔ اے

'اندرو یلا' 72/A-4 اندر پوری۔ نئی دہلی نمبر۱۲

محترمی خوشتر صاحب! آداب و نیاز

"انسپکٹر ماتا دین چاند پر" کی اشاعت پر (مارچ ۱۹۷۱ء) بہت سے پرخلوص تعریفی خطوط ملے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ براہ راست میں خود کو اس تعریف کا حقدار نہیں سمجھتا۔ میں نے تو اُس طنزیہ کو محض اُردو جامہ پہنایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیجئے، اِس بار "خوشبو" بھیج رہا ہوں۔ یہ میری تازہ ترین کہانی ہے جو آپ کے لئے خاص طور سے لکھی گئی ہے۔ یقین ہے آپ کو پسند آئے گی ــــــ کہانی میں حقیقی محبت کا ایک نیا پہلو روشن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناکامیٔ محبت ہر حالت میں ٹریجڈی بن کر رہ جائے، میرے خیال میں یہ ضروری نہیں۔ میرے افسانے کے مرکزی کرداروں کا ردِّ عمل عام رد سے بالکل جدا ہے۔

نیازمند ــــــــــ دلیش چترکار

ساون بھادوں کی اُمڈی گھٹاؤں اور دہلی کی ڈی۔ ٹی۔ یو کی بسوں کا بھروسہ؟ کون جانے بادل کا کون سا ٹکڑا کب آسمان سے پھوٹ پڑے اور دھرتی پر پل بھر میں جل تھل کر دے۔ اسی طرح کون جانے وہ کون سی مبارک گھڑی ہوگی جب بس کے منتظر کسی مسافر کی نگاہوں کو بس کا دیدار نصیب ہو سکے گا!

شام کے دھندلکے میں "مائی ریکویسٹ" اسٹاپ پر کھڑے اجنبی کے ذہن پر یہی الجھیں باتیں کا ایک بوجھ سا طاری تھا۔ وہ شہر کی آبادی سے دور، ایک نئی کالونی کو جانے والی سڑک پر کھڑا تھا۔ موسم کی ستم ظریفی سے ڈرتے ہوئے بس اسٹاپ پر کھڑے سارے مسافر رفتہ رفتہ کھسک گئے تھے۔ لیمپ پوسٹ کے سہارے صرف وہی کھڑا رہ گیا تھا۔ یا پھر اُس نے دیکھا، چند گز کے فاصلے پر ایک لڑکی چپ چاپ کھڑی ہے۔ اُسے بھی شاید بس ہی کا انتظار تھا۔

اچانک بوندا باندی شروع ہو گئی۔ اس نے جلدی سے سر پر چھاتا تان لیا۔ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا بارش سے بچنے کے لئے۔ کیوں کہ دور تک سر چھپانے کو کہیں کوئی درخت یا کوئی دوسری جگہ نظر نہ آتی تھی۔

جبھی اُسے کچھ ہی دور بارش کی بوندوں کے باعث دُبکی سہمی کھڑی اُس لڑکی کا خیال آگیا اور نہ جانے کس خیال کے زیر اثر ڈرتے ڈرتے وہ لڑکی کے قریب جا کر بولا۔

"بارش میں بھیگ جائیں گی آپ۔ مناسب سمجھیں تو چھتری کے نیچے چلی آئیں۔"

اور اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ لڑکی بلا تکلف اُس کے بالکل قریب کھسک آئی۔

"شکریہ!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

دوسرے ہی لمحہ دونوں کے جسموں میں رچی بسی خوشبوؤں نے جیسے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

"ارے، تم!"

دونوں ایک ساتھ بول اُٹھے۔

پھر خاموشی ــــ!

[illegible] طب سے ملنے والی بار [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہو گئی تھی۔

"نجمہ! تم یہاں کہاں؟" آخر خاموشی کو توڑتے ہوئے اُس نے امجد کی بیوی کو ٹٹولتے ہوئے امجد بولا۔

"بس، ایسے ہی۔"

"کہاں ٹھہری ہو؟"

"ولیسٹ کورٹ ہوٹل میں۔"

اُسی وقت دُور ایک خالی ٹیکسی آتی دکھائی دی۔ ٹیکسی کو روکنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے امجد بولا۔

"چلو، تمہیں ٹیکسی پر چھوڑ آؤں۔"

ٹیکسی رکی تو دونوں گاڑی کی پچھلی سیٹ کے کناروں سے الگ الگ ہو کر بیٹھ گئے۔

چند لمحوں تک ٹیکسی کول تار کی سڑک پر دوڑتی رہی۔

"کتنی عجیب بات ہے، نجمہ! اتنے سالوں کے بعد ملاقات بھی ہوئی تو وہ بھی کس انداز سے؟ اور پھر کس اتفاق سے ——؟" آخر امجد نے خاموشی توڑی۔

نجمہ کے ہونٹوں سے ایک دبی سی، سہمی ہوئی ہاں نکلی —— "ہوں!"

"یاد ہے وہ بھی کیا دن تھے —— ! کالج کی وہ رومان پرور فضا جذباتی طور پر بھی ہم ایک دوسرے کے کتنے قریب آچکے تھے؟"

"ہاں، اُن دنوں کی یاد کو بھلا کیسے دل سے نکالا جا سکتا ہے!"

"اور جب کبھی دل کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھتا ہوں تو نہ جانو، اُس منحوس گھڑی کی یاد آج بھی دل میں بے پناہ طوفان جگا دیتی ہے، جب تم نے سچی محبت کے تمام عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر کالج کے اُس شوخ و شنگ، تیز و طرار، جوانی کے سانچے میں ڈھلے، رقص، مہکتی، چہکتی لڑکیوں کو اپنی ایک ہی ادا سے گرویدہ بنا لینے والے امیرزادے اور خوش طبع و خوبرو سلطان محمد سے شادی کر لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ سلطان محمد جو دور کے ایک رشتے سے تمہارا خالہ زاد بھائی ہوتا تھا۔ جانتی ہو، اپنی پہلی محبت کی تو ہین نے میرے دل و دماغ کی کیا حالت بنا دی تھی —— اُس آگ کی ایک ہی چنگاری سے میری محبت کا آشیانہ جل کر خاکستر ہو گیا، لیکن تمہیں بھلا کیا احساس ہو سکتا تھا!"

[illegible]
"[illegible] شادی [illegible] شادی ہوئی [illegible] سلطان سے [illegible] کیسی شادی؟ کیسی کی شادی —— ؟" نجمہ [illegible]
"آہ! انہیں کیسے بتاؤں،" امجد [illegible] ایک فریب تھا! ایک سراب تھا! اُس [illegible] انداز تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ اُس [illegible] کا قلیل عرصہ گزارنے کے بعد میں اُس سے [illegible] —— اب میں بھی اُدھوری [illegible] ہوں [illegible] اور شاید آئندہ بھی اسی طرح ادھوری رہوں۔"

امجد نے چونک کر [illegible] —— اور پھر اُسے کیا دیکھتا! اُس کی نیلی جھیل جیسی آنکھوں کی گہرائیوں [illegible] لیکن دوسرے لمحے ہی اچانک اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"تم نے بھی تو شادی ضرور کر لی ہوگی؟" نجمہ نے پوچھا۔ "خوب، کیا کیا ہو رہا ہے؟"

امجد نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ لیکن مجھے تمہاری طرح [illegible] نہیں۔ مجھے اپنے جیون ساتھی سے کوئی [illegible] میں پوری طرح سے مطمئن ہوں۔"

"کیا؟"

"ہاں، دُنیا کی نظروں [illegible] بات [illegible] میری رفیقۂ حیات اُتنی حسین ہے کہ شگفتہ کلی کی طرح [illegible] کے ساتھ میرے دل کی گہرائیوں [illegible] سے چھٹکارا ممکن نہیں [illegible] میرے جذبات [illegible] پہچان لیتی ہے۔ شاید اس بات کا احساس [illegible] اس وقت کی میری [illegible] ...... [illegible] ہو جاتی ہے ......"

نجمہ [illegible] سے امجد کو گھورنے لگی۔ اُس کی [illegible] ایک حسین امکان کی جھلک دکھائی دی [illegible] ہونے لگا۔ اُس کے رخسار [illegible]

"تمہاری [illegible] کیا نام ہے [illegible]"
[illegible] ایک [illegible]

"میری [illegible] سا [illegible] کا نام ہے" امجد بولا —
کلام ہے تخیل —— اب [illegible] جانے میری سوچ ہے نجمہ! جس سے
ہم کنارہ رہتا [illegible] ہمارا ترجمان
ہے۔ ہماری ادبی [illegible] —— کچھ [illegible] امجد نے [illegible]
کتاب نکالی [illegible] ایک ادبی شہ پارہ! "
کہنے لگا [illegible] —— "پیاسی روح!" یہ
ناول کا نسخہ تھا جس کے مصنف کو [illegible] سال پہلے ساہتیہ اکادمی نے [illegible]
[illegible] انعام دیئے [illegible] جب نجمہ نے کتاب پر
مصنف کے نام کو [illegible] —

"میرا قلمی نام [illegible] ادبی کاوشیں اب اِسی نام سے شائع ہوتی

اچانک [illegible]

"ویسٹ کورٹ ہوٹل، صاحب!" ڈرائیور بولا۔
امجد کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالے نجمہ چند لمحات ساکن بیٹھی رہی۔
جبھی نجمہ نے ہاتھ بڑھا کر نجمہ کی طرف کھلنے والا ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا
اور اس کو دُرست کرتی ہوئی نجمہ جھکے سے ٹیکسی سے باہر نکلی اور دروازے
کو عجیب انداز سے امجد کی طرف دیکھتی ہوئی بولی —
"آؤ نا، میرے شبستانِ خلوت کدہ میں چند لمحوں کے لئے رنگینیاں
لے نہ آؤ گے کیا؟"
"معاف کرنا، نجمہ! اب مجھ میں وہ بات کہاں۔ ہر بات کو کہنے اور کر
نے کا ایک خاص موقع و محل ہوتا ہے۔ اُس کے بعد وہ بات خاص اہمیت
نہیں رکھتی — یہی دیکھو نا، اِس دل کی حالت کو۔ مایوسیوں اور نا اُمیدیوں
میں جذبات کا وہ چشمہ سوکھ گیا جس سے پیار و محبت کے ارمان انگیز
نغمے اُبلا کرتے تھے — میں تو بس اب راکھ کا وہ ڈھیر بن کر رہ گیا
جس میں نہ شعلے ہیں نہ چنگاری باقی رہ گئی ہے —— !"
ٹیکسی کی مدھم روشنی میں امجد نے دیکھا نجمہ کی آنکھوں میں آنسو
آ گئے ہیں۔ اُس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ خود بخود نگاہیں جھک گئیں۔
نجمہ نے ٹیکسی کے دروازے سے ہاتھ ہٹا لیا۔
امجد نے آہستہ سے دروازہ بند کر لیا۔
"اچھا، رخصت!" —— چلو، ڈرائیور!"
ٹیکسی چل دی۔

جبھی اچانک امجد نے دائیں ہاتھ کی پُشت پر جیسے کہیں ایک ہلکی سی چبھن، ایک جلن سی محسوس کی۔ ٹیکسی کی مدھم روشنی میں اُس نے غور سے دیکھا تو جلن کی جگہ پر نجمہ کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا آنسو کا گرم قطرہ تھا!

اُس نے جیب سے رومال نکالا اور بہت پیار سے آنسو کے اُس موتی کو اُٹھا لیا — اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا، وہ موتی دمک رہا ہے اور مہک بھی رہا ہے! "ہاں، نجمہ کے پیار کی خوشبو رچی ہوتی ہے۔


فاسفومن
سارے خاندان کی صحت کے لیے
سارے خاندان کی صحت کیلئے فاسفومن
فاسفومن ...
پھلوں کے ذائقہ والا
ہرے رنگ کا
وٹامن ٹانک۔
Sarabhai Chemicals

...زل

ن سلن نجمی ایم اے

...و جی بھیں گزر جائیں ابھی سے ہم
...گے ایک بار تو اُن کی گلی سے ہم

جور و جفائے حسن ہے لطف و کرم ہمیں
کیا کیا فریب کھاتے ہیں اپنی خوشی سے ہم

...اشتیاقِ خانہ خرابی ہے شعلہ خیز
پھونک دیں نہ اپنا نشیمن ہی آپ ہی سے ہم

دِل میں رہے نہ دیدِ مکرر کی آرزو
اِک بار دیکھ لیں جو تجھے دُور ہی سے ہم

...ے تڑپ رہی ہے جبینِ نیاز کیش
...دیں نہ پاسِ ناز پہ سر عاجزی سے ہم

طوفان اُٹھ رہے ہیں ہمارے خلاف اُدھر
بیٹھے ہیں سر جھکائے اِدھر خامشی سے ہم

...ے ہم نشیں فراق کی راتوں کا ذکر کیا؟
...ن بھی گزارتے ہیں بڑی بے رُخی سے ہم

غزل

پورن کمار ہوشش

بولے تو جھیری کہیں بجتی سنائی دے
ایسا بدن کہ کرشن کا مندر دکھائی دے

چہرہ تمام نغمگی، آنکھیں تمام مے
دیکھوں اُسے تو زندگی گاتی دکھائی دے

خوشبو اُڑے کبھی تو نہین کی طرح لگے
گاہے گھنیری زُلف دھوپن دکھائی دے

آنکھوں میں بس گئی ہے وہ صورت کچھ اس طرح
ہر راستے سے اب وہی آتا دکھائی دے

کھویا ہوا ہوں ایسے غمِ انتظار میں
دھڑکن میں اُس کے پاؤں کی آہٹ سنائی دے

وہ بولتا بدن ہے گھٹاؤں کے بھیس میں
بوندوں میں اُس کا لہجہ کھنکتا سنائی دے

تیرے ہے یوں نگاہ میں پرچھائیں آپ کی
پانی میں جیسے برف کا ٹکڑا دکھائی دے

پھر چشمِ بے نیاز میں تحریرِ اُنس ہے
پھر کوئی خواب ٹوٹ کے جڑتا دکھائی دے

عشق کا حاصل

صادق بلیگیرین۔ بی ایس سی انجینئرنگ ڈی بی (علیگ)

سوچتے سوچتے اکثر یہ خیال آتا ہے
حسنِ نسوانی میرے عشق کا حاصل ہی نہ تھا
تُو نے اچھا کیا ٹھکرا دی محبت میری
میں حقیقت میں ترے پیار کے قابل ہی نہ تھا

دِل کے مندر میں سجایا تھا تجھے بُت کی طرح
اور کرتا تھا پرستش بھی پروہت کی طرح
میں ترے حسنِ دِل آویز کا دیوانہ تھا
ہاں مگر قلب کے احساس سے بیگانہ تھا

مجھ کو اُلفت نہ ترے فکر و خیالات سے تھی
اور نہ ہی دِل کے مچلتے ہوئے جذبات سے تھی
میں تو بس حسن فقط حسن کا سودائی تھا
حسن ہر دم پیشِ نظر اِس کا تمنائی تھا
تُو نے اچھا کیا ٹھکرا دی محبت میری
میں حقیقت میں نہ عاشق تھا نہ شیدائی تھا



بجلی کی سفید چمکار رن سے
RIN
دہلی، اور راجستھان، اتر پردیش، ہریانہ،
پنجاب اور جموں میں دستیاب ہے۔
ہاتھی جیسی دھلائی!
صابن کو ۵۰ فیصدی زیادہ کپڑے دھونے کیلئے رن!

بند لفافہ

اکرم فاروقی ایم۔ اے، بی۔ ٹی

پرنسپل آر۔ یو۔ ایم۔ ہائر سکنڈری اسکول۔ شیرکوٹ ضلع بجنور (یو۔ پی)

محترم خوش تتر بھائی! آداب

"بند لفافہ" ارسالِ خدمت ہے! امید ہے افسانہ آپ کو نیز 'بیسویں صدی' کے بلند ذوق قارئین کو پسند آئے گا۔ یہ افسانہ اُس عورت کے ذہن و مزاج کا نفسیاتی تجزیہ ہے جو اولاد کی محرومی کے باعث اپنے شوہر کے التفات ہی سے محروم نہیں ہو جاتی، طلاق کے اُن روح فرسا لمحوں سے بھی گذرتی ہے جو "منظم دنیا" کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں ۔۔۔۔ یہ "بند لفافہ" ہے جو کھُلنے ہی پر مضمون کی دُھوپ چھاؤں کا پتہ دیگا۔

اُمیدوارِ کرم ۔۔۔۔ اکرم فاروقی

★

"شادی ایک سماجی سمجھوتہ ہے جو کبھی بھی توڑا جا سکتا ہے"

اکثر و بیشتر اُن کی زبان سے نکلا ہوا یہ جُملہ آج نشتر بن کر میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا ہے میز پر ایک بند لفافہ پڑا ہے۔ لیکن میرے ہاتھوں میں اِتنی سکت نہیں کہ اِسے کھول کر پڑھ لوں۔ آنکھوں کے سامنے دُور تک اندھیرے پھیل گئے ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے گھر کی دیواریں ہل رہی ہوں اور آن کی آن میں مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائیں گی۔

جس گھر کی تعمیر کے لئے ہم دونوں نے برسوں خواب دیکھے تھے، صدہا جتن کئے تھے اور کس کس طرح پس انداز کر کے اتنی پونجی جمع کی تھی۔ ہم کرایہ کے مکان کو چھوڑ کر گذشتہ ماہ اپنے ذاتی مکان میں آگئے تھے۔ لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ ایک دن یہ مکان ہماری خوشگوار زندگیوں کو تلخیوں میں بدل دے گا اور اِس کی بلند دیواریں ہماری زندگی کے درمیان اِس طرح آکر کھڑی ہو جائیں گی کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے بھی ترس جائیں گے؟ ہائے! وہ کونسی منحوس گھڑی تھی جس میں ہم نے اپنے نئے گھر کا سنگِ بُنیاد رکھا تھا۔ افسوس میں نہ جانتی تھی کہ یہ بُنیاد کا پتھر ایک دن میری تقدیر کی قبر کا پتھر بن جائے گا! مجھے معلوم نہ تھا کہ اِس نئے مکان کا رنگ و روغن میری زندگی کی شادابِ مسرتوں کا لہو چوس کر خوبصورت بنے گا۔ میں نہ جانتی تھی کہ اِتنی جلدی بہاریں خزاؤں کا کفن اوڑھ لینگی!

چاند کی دسویں تاریخ کو ہماری شادی ہوئے پورے پانچ سال بیت گئے۔

یہ پانچ سال کی زندگی خوشی اور غم کے لمحوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں بہاروں کی تازگی بھی ہے اور خزاں کی پژمُردگی بھی، جس میں چاندنی کا نکھار بھی ہے اور شبنم کے آنسو بھی، جس میں شگفتہ کلیوں کی مہک بھی ہے اور کانٹوں کی چبھن بھی! اِن پانچ سالوں میں اماوس کی وہ گہری سیاہ راتیں بھی ہیں جن میں مجھے اِس بات کا شدید احساس ہوا ہے کہ


"میری جگہ یہ نہیں!
میں تو جنگل کا باسی تھا جہاں میں آزادانہ گھومتا پھرتا تھا۔
میں معصوم تھا۔ اس آدمی کے پاس ایک بندوق تھی۔ ایک روز جب میں اپنے
بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس نے مجھے نشانہ بنایا۔ اس نے بے خیالی میں
مجھ پر گولی چلائی۔
میرا بچہ اب تک بڑا ہو چکا ہوگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب کوئی دوسرا سر پھرا آدمی اس پر گولی
نہیں چلائے گا۔ ہمیں اپنی نسل پر فخر ہے اور آدمیوں کی پچھلی پشت نے بھی اس کی
تعریف کی ہے مگر موجودہ پشت ہمیں بڑے ڈھنگ سے تباہ کرنے میں لگی ہے"
جنگلی جانوروں کی حفاظت کیجیئے ـــــ یہ قدرت کا عطیہ ہیں
davp 71/260

نہ جانے کب میرے وجود کی تکمیل ہوگی اور کب میرے گھر کے آنگن میں کلکاریاں بن کے ننھے منے مسکرائیں گے اور وہ پیارے چاندی روح پرور راتیں بھی ایسا ہی پانچ سالوں کی باہوں میں مقید ہیں جن میں ارشد نے مجھے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ "سلطانہ! تم میری زندگی کے آکاش پر وہ ستارہ ہو جس کی روشنی کبھی مدھم نہ ہوگی۔ تم میری زندگی کے چمن کا وہ پھول ہو جس کی خوشبو کبھی کم نہ ہوگی۔ میں تم سے جدائی کا تصور کرتا ہوں تو روح کانپ کانپ جاتی ہے، تم میری روح کی گہرائیوں میں اس طرح رچ بس گئی ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے جدا نہیں کر سکتی!"

ارشد! کاش یہ جملے تمہاری روح کی گہرائیوں سے نکلے ہوتے! کاش! تم نے مجھے دل کی مقدس گہرائیوں سے چاہا ہوتا۔ کاش! تم نے مجھے یہ یقین نہ دلایا ہوتا کہ میں تمہاری زندگی کا کوئی ستارہ ہوں، کوئی پھول ہوں۔ کاش! میرے بھی دل میں اپنے کئے ہوئے وعدوں کی آبرو کا احساس نہ جاگا ہوتا تو مجھے آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ کون جانتا تھا کہ میں اس طرح زندگی کی پُرخار وادیوں میں ایک دن اکیلی بھٹکوں گی۔ زندگی کے تپتے سُلگتے ریگ زاروں میں تنہا سرگرداں پھروں گی۔ یہ کون جانتا تھا کہ محبت کی بزم جمیل سے خلوص کے بیش بہا موتی چن چن کے لانے والے ارشد اور سلطانہ ایک دن دریا کے دو ایسے کنارے بن جائیں گے جو کبھی نہیں مل سکتے!

محبت اور نفرت یہ دو ایسے جذبے ہیں جن سے دنیا کا ہر بشر آشنا ہوتا ہے۔ غم اور خوشی دو ایسی کیفیتیں ہیں جن سے دُنیا کا ہر فرد آگاہ ہوتا ہے۔ اگر یہ جذبے اور یہ کیفیتیں انسان کی زندگی میں نہ ہوتیں تو مرنے اور جینے کا کوئی لطف نہ ہوتا، آدمی اور آدمیت کی تکمیل نہ ہوتی، جنت اور جہنم دو لایعنی وجود تصوّر قرار دئے جاتے اور یہ ساری دنیا ایک گہرا کنواں بن جاتی، ایک عمیق غار بن جاتی جہاں اُبھرنے اور ڈوبنے میں کوئی لذت نہ ہوتی اور پھر یہ رنگ و نور اور سوز و ساز سے بھری ہوئی زندگی، زندگی نہ ہوتی، کچھ اور ہی ہوتی۔ قدرت نے مجھے ابھی تک زندگی کے صرف اُسی ایک پہلو سے ہمکنار کئے رکھا تھا جہاں سورج کی ننھی نولی کرنیں مسرتوں کا پیغام لے کر گھر کے صحن میں اُترتی ہیں، جہاں نسیم سحر کی ہلکی ہلکی لہریں خوشبوؤں کا ہجوم لئے رقصاں ہوتی ہیں، جہاں ڈوبتے سورج کی شعاعیں، جھلملاتے ستاروں کی دمک اور اُبھرتے چاند کی ضو فشانی، گرم نرم خوابوں کی دنیا میں بہار آفریں فردوسی نغمے گنگناتی ہے اور پھر جہاں زندگی خیام کی رباعیوں کے سانچے میں ڈھل کر پلکیں موندتی ہے۔ لیکن ارشد! تم نے مجھے زندگی کے اُس پہلو سے بھی روشناس کرا دیا جہاں جون کی تپتی سلگتی گرم ہواؤں کی آنچ ہے، جہاں کانٹوں کی چبھن ہے، جہاں مرثیوں کا سوز ہے اور جہاں غروب ہوتے ہوئے سورج کی وہ سُرخی ہے، جو بے گور و کفن لاشوں کے لئے درد کا ساگر بن جاتی ہے۔ میں اب ایک بے گور و کفن لاش ہی تو ہوں۔ نہ جانے کب تک اور کہاں تک میں اپنی لاش کا بوجھ اپنے ہی کاندھے پر رکھے صحرا صحرا بھٹکتی پھروں گی۔ اُس میرا کی طرح جو کرشن بھگتی میں ڈوب کر نگر نگر سرگرداں پھری تھی۔ ارشد! تم میرے کرشن تھے، میری زندگی کے اوتار تھے۔ میں نے تمہاری بھگتی کی تھی، تمہاری پوجا کی تھی، میرے کرشن! میری بھگتی، میری پوجا کا انعام مجھے دے دو!

میری نگاہیں بند لفافہ پر مرکوز ہو گئی ہیں اور مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے لفافہ کے جھروکوں سے ارشد کی آواز آ رہی ہو — 'تمہاری پوجا کا انعام اِس لفافہ میں بند ہے!' لیکن مجھ میں اِتنی قوت نہیں کہ اِس لفافہ کو چاک کروں۔ یہ لفافہ تو تم نے صرف اس لئے دیا ہے کہ تمہاری تحریر سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ جو کچھ تم نے زبان سے ادا کیا ہے میرے لئے تو وہی کافی تھا۔ لیکن خدارا رشتے کی ڈور توڑنے سے پہلے ایک بار پھر تم میرے اُس پرچے کو دیکھ لو جس میں، میں نے اپنی زندگی کی بھیک مانگی ہے۔ چوڑیوں کی کھنک اور آنچل کی آبرو مانگی ہے۔ جانے یا انجانے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ اِس طرح بیچ منجدھار میں میرا ہاتھ چھوڑ

ہوگے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت محبت کے نام پر یقین نہ کرے گی۔ یہ محبت ہی ہے کہ تم انمول جذبے تھے کہ میں نے تمہیں پا لیا۔ کسی کی ایک شاداں اور دھن دولت کی سنہری دیواروں کو پھلانگ کر تمہارے افلاس کے ویرانوں میں چلی آئی تھی۔ میں کس منہ سے گھر لوٹ کر جاؤں گی۔ گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی طنز و طعن کی اتنی برچھیاں مجھے چاروں طرف سے گھیر لیں گی کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیگا اور میں وہاں بھی تمہارے ہی تصور میں دم توڑ دوں گی!

ارشد! میں اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہوں کہ عورت جب تک تخلیق کا فرض ادا نہیں کرتی، اُس کی تکمیل نہیں ہوتی یہی ایک درد، ایک کرب اور ایک گہرا اضطراب ہے۔ جس نے تمہاری دولت اور شہرت کے باوجود مجھے وہ روحانی سکون نہ دیا جس کی تلاش میں کہاں کہاں نہ گئی، لیکن مایوسی، محرومی اور اندھیرے جس کی قسمت کے جز بن چکے ہوں اُن سیاہ دھبوں کو تقدیر کی تختی سے کون کھرچ سکتا ہے۔ ارشد! میں اس حقیقت سے روگردانی نہیں کر سکتی کہ تمہاری بیکراں محبت نے میرے اس درد کو دبا رکھا تھا۔ لیکن آج جبکہ تم اپنی عظیم محبت کی سوغات مجھ سے چھین رہے ہو تو پھر برسوں کا خوابیدہ درد جاگ اُٹھا ہے۔ مندمل زخم ہرے ہو گئے ہیں۔ روح فرسا خلش بتدریج بڑھ رہی ہے اور نہ جانے کیوں مجھے وہ شام یاد آ گئی ہے جو ہماری زندگی کی صبح بن گئی تھی!

وہ شام بے حد دلنواز تھی کہ جب میں کالج کے سالانہ جلسہ میں تمہاری نظم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ سامعین معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ سکھی سہیلیاں آنکھوں آنکھوں میں پوچھ رہی تھیں، پورا سیشن گذر گیا اور یہاں ساون کا ان کو کچھ خبر بھی نہ ہوئی کہ کب ساون آیا، کب کالی گھٹا چھائی اور کب رِم جھم رِم جھم پھوار برسی اور کب یوں زندگی کی وادیوں میں وہ پاگل بہاریں آئیں کہ ہم محروم خوشبوئے گل و سمن رہے ـــــــ سلطانہ میری شیرانی! بڑے غضب کا شکار مارا ہے؟ جلسہ برخواست ہونے پر یہ ریمارک تبسم نے پاس کیا تھا۔

[illegible] ہے اور پاکا موسمی [illegible] کی گہرائیوں کی طرف [illegible] نے میری گم آ بیوری پر تحسین کی ـــــــ [illegible] ساحن آنکھوں کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے۔ تم بھی اس موقع پر خاموش نہ رہی۔

جلسہ برخواست ہوا تو لوگ منتشر ہو گئے۔ لیکن ہم پارک کے ایک گوشے میں بیٹھے گھنٹوں اس طرح باتیں کرتے رہے جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے انجان نہ تھے، صدیوں کے شناسا تھے۔ ہماری روحیں ایک دوسرے کی تلاش و جستجو میں بھٹکتے بھٹکتے اچانک ایک مقام پر آ کر مل گئی تھیں۔

وقت گذرا، موسم بدلے، رُتیں بدلیں، حالات بدلے اور عہد و پیمان کی منزلیں گذریں، انتظار کے اذیت ناک لمحے ماضی کے جزیروں میں گم ہو گئے اور ایک دن ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے نئی منزل کی طرف کشاں کشاں بڑھنے لگے

...کی بارش ہوتی، خوشیوں کے کاروان اُترے، ...نے شفق اطلس کی ستاروں سے چاند سے سرگوشیاں ...ات چاندنی میں نہاتی، شگفتہ کلیوں نے چٹک ...سین گلستان میں جشن بہاراں منایا۔ ہماری زندگی کے ...چاندنی اور دھوپ کے سائے سنورتے، پیشتر ہے ...آسودگی کے دن آتے اور ارشد! تم کالج کے ...ہو گئے۔ وہ دن میرے خوابوں کی سنہری تعبیر کا دن تھا۔

...ارشد! تم کالج چلے جاتے ہو اور اکیلے پن کا احساس ...چوستا ہے تو آخر ایک دن دل کی بات زبان پر آگئی ...، تنہائی کی بہترین دوست ہیں، جن سے ہر وقت تم ...ف باتیں کر سکتی ہو۔ ارشد نے میری دلجوئی کی۔

لیکن جب میں اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتی تو دنیا نے ...یں گھنٹوں اُداس رہتی۔ میرے دل میں یہ خواہش ...بھی بڑی شدت سے سر اُبھارتی ——— کاش! میں صبح سویرے ...، اُٹھ کر اپنے بچوں کو ناشتہ کراتی، اُنہیں نہلاتی، کپڑے ...سجاتی اور اُنھیں اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے اسکول ...تی۔ وہ جب اسکول سے واپس آتے تو اُنھیں گود میں ...اکر خوب، خوب پیار کرتی۔ سینے سے چمٹا کر سُلاتی ...وہ ننھی ننھی شرارتیں کرتے جن سے اُن کی غلافی معصوم آنکھوں ...ب پلکوں کی جھالریں گر جاتیں اور جب وہ سوتے میں مسکراتے ...ں جھوم جھوم جاتی! میرے خدا! کاش!! تُو نے میری ...آرزوؤں کے کنول کھلائے ہوتے تو آج میری زندگی میں ...خوشی کی گھڑی نہ آئی ہوتی ——— وہ آج میری آباد دنیا ...ویرانوں میں نہ بدلتے۔

ارشد خدا کے لئے میرا خط پڑھ لو۔ میری معذرت ...قبول کر لو۔ مجھے معاف کر دو اور اپنے قدموں کی دھول سے ...مانگ سجا دو۔ میری طرف دیکھو، میں ہاتھ پھیلائے تم سے ...کی بھیک مانگ رہی ہوں!" [illegible] ارشد نے کہہ ...ہے کہ [illegible] لکھ رہے ہیں [illegible] لیکن جیسے وہ ...نے کی ریشمیں ڈور توڑ کر بے حد مسرور ہوں۔ مجھے ایسا ...لگ رہا ہے جیسے انھوں نے اپنا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔

میں ایک بار پھر ——— شاید یہ آخری بار ہو، بہت حسرت بھری نگاہوں سے گھر کے در و دیوار کو تک رہی ہوں۔ شاید گھر کی ایک ایک چیز میرے اِس غم سے نڈھال ہے۔ میرا جی چاہتا ہے گھر کی ساری بے زبان چیزوں سے اپنے غم کی بات کہوں اور سب کو ایک بار سینے سے لگا کر جی بھر کر رو لوں۔ لیکن میرے آنسو میری قسمت کی سیاہی تو نہیں دھو سکتے!

یکبارگی میری نگاہیں کچھ لفافہ پر مرکوز ہو گئیں، اور آخرکار میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی لرزتی انگلیوں سے بند لفافہ کو چاک کر ہی ڈالا۔

"میری بہت اچھی سلطانہ! میں نے اپنی تازہ کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے تمہارے جذبات کو چھیڑا تھا۔ اِس گستاخی کے لئے معذرت خواہ ہوں اور ایک بار پھر دل کی پاکیزہ ترین گہرائیوں سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں ہمیشہ تمہیں پہلی شام کی طرح چاہتا رہوں گا! اور یقین کرو کہ کالج کے طلباء ہماری اولاد ہی تو ہیں جن کے خط و خال نکھار کے ہم ملک و قوم کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں!"

ارشد کا خط پڑھ کر دل کا غبار دُھل گیا میرا دل مسرت سے معمور ہو گیا ——— مجھے ایسا محسوس ہوا، بھیانک اندھیرے سے ضو بار کرنیں پھوٹ پڑی ہوں! میری زندگی کے آنگن میں اب اُجالا ہی اُجالا تھا!


اپنی آنکھوں سے دیکھئے
ٹینوپال سب سے زیادہ سفید کرتا ہے
Tinopal

غزلیں

ں ناطق

یام آتے نہ آئے
شام آتے نہ آئے
ہوں سے بجھا ہیں جل رہی ہیں
اِرِ دعدِ جبّام آتے نہ آئے
رز ہیچ آرزو ہے
ِ شام آتے نہ آئے
آتے کا مریا آئے، تمہیں کیا
ارادِل ہے کام آتے نہ آئے
رِامِ غم ہے حاصل
ترام آئے نہ آئے
صوّر میں ہے لطفِ دیدحاصل
وئی بالائے بام آتے نہ آئے
ب اعتباری کا ہے عالم
نہ تو شام آتے نہ آئے
تری ہوگا جو ہے معصوم ناطق
سمجھ میں یہ نظام آتے نہ آئے

پروفیسر ایم۔ اے شمیم ایم۔ اے

اُمید کی اِس دِل میں کرن ڈول رہی ہے
ہر لمحہ تمنّا ہے کہ پَر تول رہی ہے
یہ کس نے فضاؤں میں بکھیرا ہے ترنم؟
یہ کس کی صدا کانوں میں رس گھول رہی ہے؟
محرومِ تکلّم ہے زباں سامنے اُن کے
لیکن مری خاموش نظر بول رہی ہے!
اخلاص کو نیلام نہ کیجے سرِ بازار
دُنیا میں یہی جنس تو انمول رہی ہے
تیزاب کی مانند ہے احساس کی تلخی!
مدّت سے مرے ذہن میں اِک گھول رہی ہے
حسرت زدہ شوق کی اُمید کا عالم!
اِک ڈوبتی کشتی ہے کہ جو ڈول رہی ہے
قاتل پہ کہیں خون کا الزام نہ آئے
زخموں کی زباں رازِ نہاں کھول رہی ہے
کیا جانیے کیا سوچ کے غنچے ہیں کھلے
آوارہ صبا کون سا رس گھول رہی ہے؟

کیلاش چندر ناز ایم۔ اے

جب وفا اپنی ضد پہ آتی ہے
پھر جفا آنکھ کب ملاتی ہے
جب محبت فریب کھاتی ہے
نبضِ عالم ہی ڈوب جاتی ہے
زندگی میں خوشی کی کلیوں کو
بارشِ رنج و غم کھلاتی ہے
حسنِ گلشن سنوارنے والو
خونِ دِل سے بہار آتی ہے
زِندگی راہ میں محبت کی
آنسوؤں کے دیئے جلاتی ہے
نامُرادی ہی دِل میں انساں کے
خودکشی کے سوال اُٹھاتی ہے
تیرے نقشِ قدم کی رنگینی
گُل ہر اِک گام پر کھلاتی ہے
ایٹمی دور کی تباہی سے
زِندگی کانپ جاتی ہے
دِلِ ویراں میں اُن کی یاد اکثر
اِک نیا حشر روز اُٹھاتی ہے

ایک خط

فکر تونسوی

۱۸، مہوا نگر، نئی دہلی

خوشترا میری جان!!

روز فالج کے قہار و جبار خدا نے میرے جسم میں سے اپنی نوازشوں کے جو کانٹے اگائے تھے انھیں ایک ایک کر کے چن رہا ہوں۔ میرا ہر لمحہ (جو بڑا ظالم ہے) ان کانٹوں کی نذر ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسا عذاب ہے جو اگر شیطان پر بھی ٹوٹے تو وہ خدائی کے دعویٰ سے دستبردار ہو جائے (اگرچہ اس کو افسوس ضرور ہوگا)

ہر کیف اس یقین پر زندہ ہوں کہ میرے ذہن کو فالج نہیں ہوا اور میرے پاس ذہن کے علاوہ تھا بھی کیا؟ جسم تو اللہ تعالیٰ نے مجھے عارضی طور پر دے دیا تھا۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ نیم اپاہج ہوں۔ کہیں آتا جاتا نہیں کیونکہ میرے دائیں پاؤں میں مالک بن کر بیٹھ گیا ہے۔ یہ محترم نروان پراپت کر جائیں تو مجھے بھی کوئی روشنی ملے۔ ایسی سبہ نسی کبھی دیکھی نہ تھی، اس لئے غصہ بھی آ جاتا ہوں۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے غصے کو بلڈ پریشر کا منبع بنا لیا ہے۔ ذرا تھوڑی دیر کے لئے غصہ حرکت و حرارت کی علامت تھا۔ عیب میں سے وہ بھی چھین لیا گیا ہے۔ دایاں ہاتھ متاثر ہوا اور یہی ہاتھ قلم پر شاہسواری کرتا تھا۔ اب یہ خط لکھا ہے، وہ بھی چیونٹی کی رفتار سے۔ احباب کہتے ہیں اب تمہارا ہینڈ رائٹنگ خوبصورت ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے چیونٹی کا ہینڈ رائٹنگ خوبصورت ہوتا ہے۔

اور قبلہ! میرا یہ خط اشاعت کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو لیٹر نہیں ہے کہ آنے والی عاشقوں کی نسل کے کام آئے اور نہ یہ اس دانشمند کے لئے جو دوسرے دانش مند پر اپنی حماقتوں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ میں صرف ایک بات پر آپ کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ مشکل یہ آن پڑتی ہے کہ آپ الفاظ کی قید میں نہیں سما سکتے۔ الفاظ میں جو مفہوم ہوتا ہے، آپ اس مفہوم سے کچھ مختلف چیز ہیں۔ لفظ ایک تحیر سا پیدا کر دیتے ہیں اور اس تحیر کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مفہوم کی گرفت احساس کی گرفت کے مقابلے پر ہوتی ہے۔

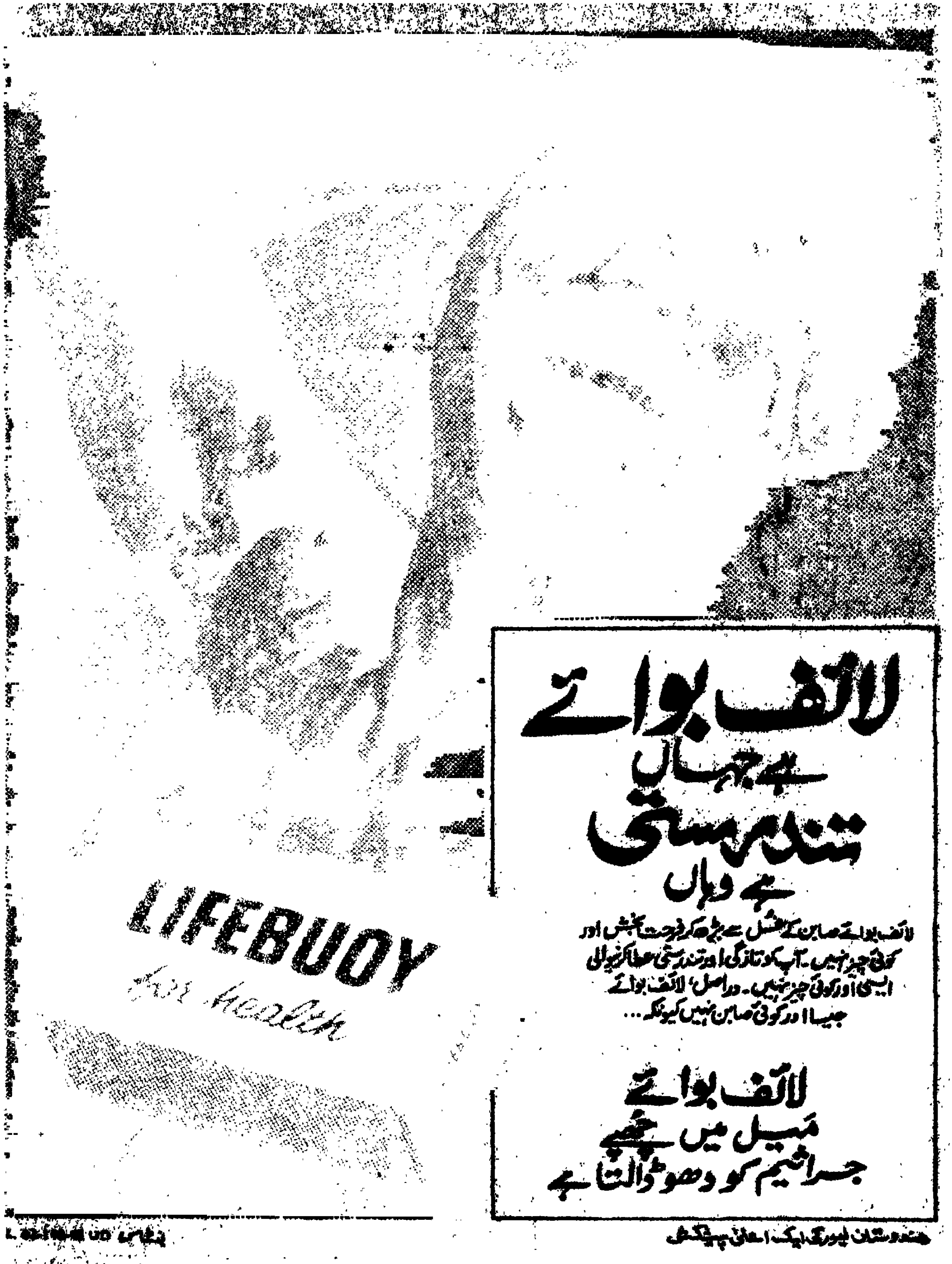
آپ جب ہسپتال میں میری عیادت کو آئے تھے تو میری بجائے اس گندم کے خوشے ایسی سنہری نرس کو دیکھتے رہے تھے جو وقت کی سیڑھی پر قدم رکھ رہی تھی۔ لیکن آپ نا کام بدھن آخری سیڑھی پر پہنچ چکے تھے۔ آپ کے لئے نیچے اترنا کتنا کٹھن ہوگا، اس کا اندازہ شاید اس خوشے کو تو نہ ہو۔ لیکن میں آپ کے حسن تخیل اور جرأتِ رندانہ پر کفِ افسوس بھی ملتا رہا اور یہ دعا بھی کرتا رہا کہ کاش! دونوں میں کوئی لغزش پیدا ہو جائے کہ سیڑھی الگ ہو جائے اور آپ صرف دونوں باقی رہ جائیں۔

لیکن اس کے بعد آپ نے ایسی بے نیازی برتی کہ ایک دن میں نے دیکھا، وہ گندم کا خوشہ تکیے میں منہ چھپائے رو رہا تھا۔

اسے شوخیِ طبع سمجھ کر در گزر کیجئے اور میری سنئے کہ چھ ماہ کا روزنامچہ ختم ہوا اور اب کہ میں فالج کے کانٹے چن رہا ہوں، میرے لئے لکھنا نا ممکن ہے۔ تمہارے بہت دنوں تک لکھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ کیونکہ

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں!

فکر تونسوی


LIFEBUOY
for health
لائف بوائے
ہے جہاں
تندرستی
ہے وہاں
لائف بوائے صابن کے غسل سے بڑھ کر فرحت بخش اور
کوئی چیز نہیں۔ آپ کو تازگی اور تندرستی عطا کرنے والی
ایسی اور کوئی چیز نہیں۔ دراصل، لائف بوائے
جیسا اور کوئی صابن نہیں کیونکہ...
لائف بوائے
میل میں چھپے
جراثیم کو دھو ڈالتا ہے
ہندوستان لیور کی ایک اعلیٰ پیشکش

الجھن

از شرندو بندو پادھیائے

ترجمہ: آصف فرخ آبادی

بائیڈل ڈویژن۔ جون پور (یوپی)

محترمی خوشتر صاحب! تسلیم

'بیسویں صدی' کے لئے ایک بنگلہ کہانی "الجھن" ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ پسند آئے گی۔ براہِ کرم رسید اور اپنی رائے سے جلد نوازیں۔۔۔۔

آپ کا ——— آصف فرخ آبادی

ایک زُلف ہاتھ آگئی۔

مصنوعی بالوں کی تجارت میں نہیں کرتا۔ شوقیہ ڈراموں میں کام کرنا بھی میں نے چھوڑ دیا ہے۔ اِس لئے جب میں ایک زُلف کا مالک بن بیٹھا تو سوچنے لگا اِسے کس مصرف میں لاؤں؟ لیکن یہ زُلف کس طرح ہاتھ لگی۔ اِس کا مفصّل حال قارئین کو بتا دینا ضروری ہے، ورنہ یک بیک زُلف کے ذکر سے قارئین مجھ پر بازی گر ہونے کا شک کریں گے۔ اس لئے مشتبہ شخصیت بن کر زندہ رہنے کے بجائے یہ زُلف لے کر سادھو بننا زیادہ بہتر ہے۔

میں اتوار کو صبح باہر کے دروازہ کے سامنے کرسی پر بیٹھا دھوپ سے لطف اندوز (ENJOY) ہو رہا تھا۔ اُسی وقت ایک تنومند شخص قریب المرگ سادھو میرے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور ہیبت ناک آواز میں بولا "بم مہادیو! بھیک لاؤ!"

باباجی کی ناف تک دراز زُلف لٹک رہی تھی۔ چہرہ پر ہیبت تھا۔ پھر بھی میرے ذہن میں نہ جانے کیوں عقیدت کے تاثرات پیدا نہ ہوئے۔ میں نے کہا۔ "آگے تشریف لے جائیے یہاں کچھ نہ ملے گا!"

باباجی نے چراغ پا ہو کر کہا۔ "کیوں؟ کیا تو سادھو سنتوں سے عقیدت نہیں رکھتا؟"

باباجی کی بات سن کر میں آگ بگولا ہو گیا۔ "میں سادھو سنتوں کو نہیں مانتا سب ڈھونگی ہوتے ہیں۔"

باباجی کے فلک شگاف قہقہے سے سارا محلّہ چونک اُٹھا۔ "تو بنگالی ہے، بنگالی لوگ بھرشٹ ہوتے ہیں۔"

میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ میں نے اُٹھ کر باباجی کی زُلف پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ کچھ لمحے دونوں ہی ششدر رہے۔ اُس کے بعد باباجی زُلف میرے ہاتھ میں چھوڑ کر سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے۔ راستے میں کئی لوگوں نے شور و غل مچایا۔ لیکن باباجی نے کسی کی طرف دھیان نہ دیا۔ سیدھے ناک کی سیدھ میں دوڑتے چلے گئے۔

ایک راہ گیر نے بتایا کہ وہ ایک اوباش اور بدنام شخص ہے۔ حال ہی میں جیل سے رہا ہو کر نیا روپ دھارن کیا ہے۔

خیر جو بھی ہو لیکن اب اِس زُلف کو کس مصرف میں لاؤں۔ معاً ایک خرافات سوجھی، کیوں نہ بیوی کو اس سے ڈرایا جائے!

پرمیلا کو ماڈرن ہونے کا فخر ہے۔ گو وہ اسے ظاہر نہیں کرتی۔ گذشتہ تین سالہ خانگی زندگی میں کبھی اُسے یہ بتانے کا موقع نصیب نہ ہوا کہ وہ قدامت پرست ہے۔

وہ خود کو کسی طرح مردوں سے کم نہ مانتی۔ اِس لئے اِس میں شرم و حجاب کا دُور دُور تک پتہ نہیں ہے۔ کسی بھی حالت میں شرم و حجاب

[illegible] کسی بھی حالت میں شرم و حجاب یا خوف و ہراس کو وہ صنفِ نازک کی ایک بڑی کمزوری مانتی ہے۔

اُس کی یہ لامحدود ہمت بار ہا میرے مردانہ وقار کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے کبھی کبھی دل میں ایک مبہم خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔

میں نے سوچا کیوں نہ آج بیوی کا امتحان لیا جائے۔

رات کو ایک محفوظ جگہ چھپا کر میں گھر کے اندر ایک بار گھوم آیا۔

پرمیلا کمرے میں بیٹھی ہوئی ایک خط پڑھنے میں محو تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی اُس نے پوچھا۔ "کچھ چاہئے؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ خط کس کا ہے؟"

- ایمان والوں کے دل اللہ کی یاد سے سکون پاتے ہیں۔ خبردار رہو کہ دلوں کا چین اللہ کے ذکر میں ہے۔ (قرآن پاک)
- انسان کے لئے کتنا بُرا ہے کہ باطن بیمار اور ظاہر حسین رہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- بہادری یہ ہے کہ آڑے وقت میں پڑوسی کا ساتھ دیا جائے اور مصیبت کے وقت صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ (حضرت امام حسنؓ)
- تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھ کر عمل کرنا اور پھر اوروں کو سکھانا ہے۔ (حضرت غوث پاکؒ)

"پتاجی کا۔"

"گھر پر سب خیریت تو ہے؟"

پرمیلا نے ہاں میں گردن ہلا دی۔

میں نے کہا۔ "آج مجھے [illegible] جانا پڑے گا۔ رات کو گیارہ بجے کی گاڑی سے لوٹوں گا۔"

"ٹھیک ہے"

"رات کو گھر پر تنہا ہوگی تو ڈر تو معلوم ہوگا؟"

"ڈر!" ایک قہقہہ لگا کر اُس نے کہا۔ "مجھے ڈر نہیں معلوم ہوتا۔"

"اچھی بات ہے" کہہ کر میں باہر چلا آیا۔

رات [illegible] دوست کے [illegible] میں نے چہرے پر [illegible] لگا کر آئینہ میں شکل دیکھی۔

دوست نے ہنس کر کہا "بہت خوب ایک [illegible] لے لیجئے تو ....؟"

"نہیں عادت نہیں ہے" [illegible] دوست کے [illegible] چلا آیا۔

اپنے گھر کے سامنے پہنچا۔ دروازہ [illegible] پھاند کر میں اندر داخل ہوا خوابگاہ روشن تھی۔ [illegible] جھانک کر دیکھا کہ پرمیلا ٹیبل لیمپ کے سامنے [illegible] بنیائن بننے میں مشغول ہے۔

معاً کمرے میں داخل ہو کر آواز بدل کر میں نے کہا [illegible] پرمیلا کے ہاتھ سے سلائیاں گر پڑیں۔ وہ ایک [illegible] ہوگئی اور چونک کر بولی۔ "کون ہے؟"

میں نے ایک [illegible] پرمیلا چشم حیرت [illegible]

اُس نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس [illegible] پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "سرفراز [illegible] اس بھیس میں کیوں؟"

میں ششدر رہ گیا۔ "سرفراز [illegible] کیوں کہتی ہے؟"

پرمیلا نے [illegible] سرفراز [illegible] لیکن تم [illegible] کیوں؟ میں نے [illegible] میرے سارے [illegible] شناسائی [illegible] کے ساتھ اُس [illegible]

میں نے [illegible]

پرمیلا [illegible]

اس جسم میں [illegible] پاس نہ آسکو گی!"

دانت پیس [illegible] سے پیار ....."

"... پیار کرتی تھی۔ آج بھی کرتی ہوں۔ لیکن سرشید! تم جاؤ، [illegible] وہ [illegible] راستہ [illegible] جائے گی۔"

میں اُس کے بالکل پاس چلا گیا۔ لیکن وہ اپنی جگہ ساکت و جامد رہی۔

"نہیں جاؤ گے؟ مجھے رسوا کئے بغیر تم نہ جاؤ گے؟ بھگوان کے لئے جاؤ، تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ وہ ابھی آ جائیں گے! پھر کیا کرو گے؟ جاؤ اِس جا جاؤ...."

یک بیک اُس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "جاؤ!" اور میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی۔ میں مجرم سا چل پڑا۔

پچھلا دروازہ کھول کر پرمیلا نے کہا۔ "آئندہ کبھی ایسا پاگل پن نہ کرنا۔ [illegible] میری یاد ستائے تو خط لکھ دینا۔ وہ میرے خط نہیں پڑھتے۔ لیکن بھگوان کے لئے اِس طرح میرے پاس کبھی نہ آنا۔ [illegible] جا تو [illegible] ہوں۔ تمہاری ہی ہوں۔ صرف تمہاری...!"

تاریکی میں مجھے اُس کے چہرے کے تاثرات نظر نہ آئے۔ لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

اپنے ہی گھر میں پچھلے دروازے سے میں چپ چاپ باہر نکل آیا۔ پرمیلا [illegible] تھا۔ اور اُس کی باتیں میرے سینے میں نشتر [illegible]

دوستانے کر [illegible] کیا ہوا؟ ڈرامہ کامیاب رہا؟"

"ہوں"

"خوب دیکھا [illegible] کیا؟"

"ہاں [illegible] کہا ——"

پرمیلا [illegible] میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ لیکن آج میں [illegible] اور [illegible] اور [illegible] جاؤں گا — [illegible] انسان [illegible] اُس کے بعد بھی پرمیلا [illegible]

[illegible] دروازہ کھولا۔ اُس کے چہرے پر [illegible] آنکھوں میں [illegible] جرم کی جھلک بھی نہ تھی۔

"اتنی جلدی اسٹیشن سے کیسے لوٹ آئے؟ ٹرین کو آنے کے پانچ منٹ ہی تو گزر رہے ہیں، میں نے آواز سنی تھی۔" اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔

کپڑے بدلتے ہوئے میں نے کہا۔ "تم تنہا تھیں اِس لئے جلد چلا آیا۔"

"پہلے مجھے بھی تو اداکاری کرنا پڑے گی۔!"

"کچھ کھاؤ گے، وہ دو مٹھائی میں نے ڈھانک کر رکھ دیا ہے۔"

"نہیں کھا کر آیا ہوں۔" ٹیبل لیمپ کی بتی تیز کر کے میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سوؤ گے نہیں کیا؟ بتی تیز کر دی۔"

"تمہارا چہرہ غور سے دیکھنے کے لئے روشنی تیز کر دی ہے!"

اُس نے گردن کو ایک دلکش جُنبش دیتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "کیوں میرا چہرہ پہلی ہی بار دیکھ رہے ہو کیا؟"

- انسان اصول کو وُسعت دے سکتا ہے، اصول انسانیت کو وُسعت نہیں دے سکتے۔ (کنفیوشس)
- عقل مند انسان اپنے نقصان پر کبھی افسوس نہیں کرتا۔ خوشی خوشی اپنے نقصان کو پُورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (شیکسپیئر)
- دُنیا کا سب سے بڑا اور بدترین دُشمن افلاس ہے۔ (برنارڈ شا)
- جس کا ارادہ مستحکم اور اٹل ہے وہ دُنیا کو اپنے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ (گوئٹے)

"نہیں لیکن چہرہ کیا خواہش ہی ہونے پر دیکھا جا سکتا ہے۔ میرا چہرہ کیا تم دیکھ سکی ہو؟"

"اتنی رات گئے اور بتی نہ بجھاؤ جاؤ سو جاؤ میں تمہارے پاؤں دابنے آتی ہوں۔"

پاس کے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کر کے وہ جلد لوٹ آئی۔ "ابھی تک سوئے نہیں! کیا سردی نہیں لگ رہی ہے؟ میں بھی ٹھہری اور کھڑی نہ رہ سکوں گی۔" وہ پھر مسکرائی۔

"پرمیلا!"

گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُس نے کہا۔ "کیا ہے جی؟"

"نہیں کچھ نہیں۔ رات کافی گذر چکی ہے سو جاؤ۔"

سما پرمیلا نے کہا "آج شام کو آئی تھی۔"

"کامنی؟"

"ہاں جی کامنی! جسے تم شادی سے پہلے چاہتے تھے، اُس کی پوجا کرتے تھے۔ بھول گئے کیا؟"

"اُسے چاہتا نہیں تھا، وہ میرے بچپن کی دوست ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ کوئی تین دن ہوئے وہ اپنے پتا کے گھر آئی ہوئی ہے۔ آج یہاں آئی تھی۔ بہت دیر تک باتیں کرتی رہی۔"

"کیا باتیں ہوئیں؟"

"تم ایک بار مُنہ پر کالک لگا کر بھوت بن کر اُس کے سونے کے کمرے میں گھس گئے تھے، وہی کہانی سُنا رہی تھی۔"

کچھ لمحے خاموش رہ کر میں نے پوچھا۔ "اور کیا کہا اُس نے؟"

"اور بہت ساری باتیں۔ اچھا آدھی رات کے وقت جوان لڑکی کے کمرے میں کیوں گھسے تھے ادو؟"

"خوف زدہ کرنے کے لئے!"

"اور کوئی مطلب نہ تھا؟"

میں بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ "پرمیلا!"

"ہوں۔"

"تمہارا سرش دا اس وقت کہاں ہے؟"

اُس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ لہجے میں کہا۔ "سرش دا!"

"ہاں سرش دا! جس سے شادی سے پہلے تم پیار کرتی تھیں۔ یاد نہیں آ رہا؟"

کچھ توقف کے بعد پرمیلا نے آہستہ آہستہ کہا۔ "یاد ہے۔ شادی ہونے سے پہلے اُس سے پیار تھا اور آج بھی ہے۔"

میں حیرت و استعجاب سے اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی بے باکی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ سرش دا سے اپنی محبت کا اعتراف میرے سامنے کرتے وقت اُسے ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔

"تمہارا سرش دا اس وقت کہاں ہے، بتا سکتی ہو؟"

"بتا سکتی ہوں۔ سُننا چاہتے ہو؟"

"بولو، تمہارے ہی مُنہ سے سُنوں۔"

پرمیلا نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سورگ باسی ہے۔"

"سورگ باسی؟ کیا مطلب؟"

پرمیلا [illegible] ہیں [illegible]

دنیا میں نہیں رہے [illegible] سرش دا [illegible] میں نے [illegible] نہیں بتایا۔"

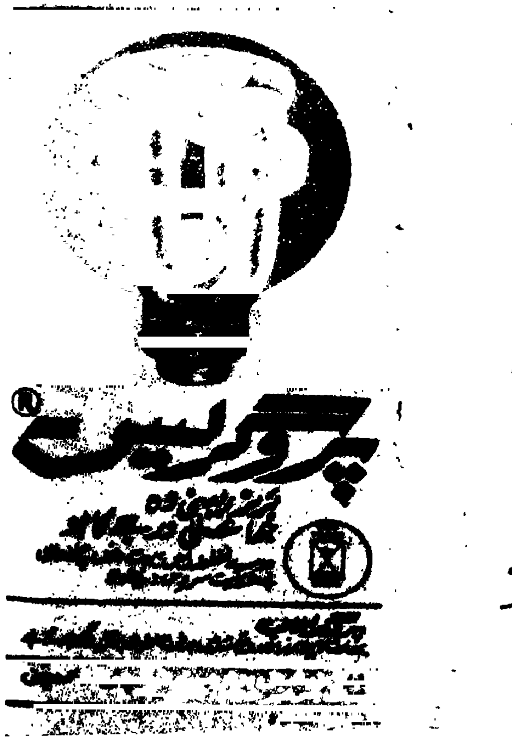
پرمیلا نے میرے سینے پر [illegible] ایک [illegible] کے ساتھ کہا۔ "اب سہاگ [illegible] ہی ہوں کسی اور کی نہیں۔۔۔"

رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ [illegible] ہر ماہ باقاعدگی سے [illegible]

اس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ [illegible] تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ [illegible] ہم معذور ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت [illegible] ڈاک سے کیجئے۔ (منیجر)

مشہور افسانہ نگار [illegible] [illegible] ایک مستند ادیب کی [illegible] [illegible] کیجیے۔ پتہ [illegible]



صحت و زندگی

زندگی میں خیالات کی اہمیت

زندگی میں کامیابی پانے کے لئے خیالات کی بڑی اہمیت ہے۔ خیالات ہی انسان کو کامیاب بناتے ہیں اور ناکام بھی۔

مشہور مفکر ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے — ہمارے خیالات کے اعضاء اور خلیاتِ حیات پر نہ مٹنے والا اثر پڑتا ہے۔ لئے ہم اپنے خیالات کو اُمید ہی سے معمور رکھیں۔ خلیات کو اپنے اپنے کام کے قابل بنائے رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم انھیں پُر اعتماد اور توانا رکھیں۔ ایسا کرنے سے ہماری زندگی پُر مسرت اور پُرکشش رہے گی۔

جب کبھی آپ دل میں مایوسی، دُکھ یا غریبی کا خیال لاتے ہیں تو جسم کا ہر خلیۂ حیات اُسی سے متاثر ہوتا ہے۔ اُسی طرح اُمید اور مسرت سے لبریز آپ کا ہر خیال اُن خلیات پر دیپا اچھا اثر ڈالتا ہے۔ آپ کے خیالات ہی کی بدولت اُن کی قوتیں گھٹتی یا بڑھتی ہیں — وہ شخص جو ہر وقت اپنے جسم کے اعضاء اور خلیاتِ حیات کی طاقت پر شک کرتا ہے اور اُن کے کام میں نقص نکالتا رہتا ہے اُن سے کیا اُمید کر سکتا ہے؟ جسم کے خلیاتِ حیات اُس کی بد اعتمادی سے مایوس ہو کر ناکام نہ ہو جائیں گے؟

۱ — خود کو پہچانو

ایک مفکر نے کہا ہے — سب سے بڑا علم خود شناسی ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ اس مفکر نے بالکل صحیح کہا ہے۔

ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے — خود کو حقیر اور نا اہل سمجھنے والے کتنے ہی لوگ جوں ہی اپنی عظمت کو پہچان گئے، نیچے سے اُوپر اُٹھ گئے۔ دُشمن ہو کر سماج کے دوست بن گئے۔ نئی اُمنگیں جگانے والی یہ آنچ اگر اُن لاکھوں سوتے ہوئے انسانوں کو چھو پائے جو خود کو حقیر سمجھ کر زندگی گزار رہے ہیں تو انسانیت کا اُس سے کتنا بھلا ہوگا۔

دُنیا میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ساری زندگی کسی ایسے کرشمے کا لاحاصل اِنتظار کرتے رہتے ہیں جو جادو کی چھڑی سے انھیں بلندی پر پہنچا دے، جو اُن کی طاقتوں کی تکمیل کر کے اُن کی رُوح کی پیاس بُجھا دے اور اُن کے خوابوں کو حقیقت بنا دے — اگر تم بھی کسی ایسے ہی کرشمے کا اِنتظار کر رہے ہو تو تمھارا اِنتظار، اِنتظار ہی رہے گا! تم کچھ بننا چاہتے ہو، اپنی زندگی کو قابلِ رشک بنانا چاہتے ہو تو اپنے قوتِ بازو سے کام لو۔"

لاطینی میں ایک مقولہ ہے — "زندگی میں کامران ہونا چاہتے ہو تو اپنے کو جاننے کی کوشش کرو۔"

۳ — اندازِ فکر کی اہمیت سمجھئے

کامیابی و کامرانی کے پھولوں سے زندگی کا دامن بھرنے کے لئے اندازِ فکر کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان کا اندازِ فکر ہی اُسے کامیابی و کامرانی کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے۔ اُس کا اندازِ فکر ہی اُسے ناکامی کی پستی میں گرا دیتا ہے۔

مشہور مفکر ڈاکٹر نپولین ہل نے لکھا ہے — اندازِ فکر ہی ہماری ساری دولتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی انسان میں آگے بڑھنے اور کامیابیاں حاصل کرنے کے جذبے کو اُبھارتا ہے۔

انسان کو صحیح مسرت اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب

سنا پریملا نے کہا۔ "آج شام کو وہ آئی تھی۔"

"کامنی؟"

"ہاں جی کامنی جسے تم شادی سے پہلے چاہتے تھے، اُس کی پوجا کرتے تھے۔ بھول گئے کیا؟"

"اُسے چاہتا نہیں تھا، وہ میرے بچپن کی دوست ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔ کل تین دن ہوئے وہ اپنے پتا کے گھر آئی ہوئی ہے۔ آج یہاں آئی تھی بہت دیر تک باتیں کرتی رہی۔"

"کیا باتیں ہوئیں؟"

"تم ایک بار منہ پر کالک لگا کر بھوت بن کر اُس کے سونے کے کمرے میں گھس گئے تھے، وہی کہانی سُنا رہی تھی۔"

کچھ لمحے خاموش رہ کر میں نے پوچھا۔ "اور کیا کہا اُس نے؟"

"اور بہت ساری باتیں۔ اچھا آدھی رات کے وقت جوان لڑکی کے کمرے میں کیوں گھسے تھے بولو؟"

"خوف زدہ کرنے کے لئے!"

"اور کوئی مطلب نہ تھا؟"

میں بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ "پریملا!"

"ہوں۔"

"تمہارا سریش دا اِس وقت کہاں ہے؟"

اُس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ لہجے میں کہا۔ "سریش دا!"

"ہاں سریش دا! جس سے شادی سے پہلے تم پیار کرتی تھیں۔ یاد نہیں آرہا؟"

کچھ توقف کے بعد پریملا نے آہستہ آہستہ کہا۔ "یاد ہے۔ شادی ہونے سے پہلے اُس سے پیار تھا اور آج بھی ہے۔"

میں حیرت و استعجاب سے اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کی بے باکی دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ سریش دا سے اپنی محبت کا اعتراف میرے سامنے کرتے وقت اُسے ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔

"تمہارا سریش دا اِس وقت کہاں ہے بتا سکتی ہو؟"

"بتا سکتی ہوں۔ سُننا چاہتے ہو؟"

"بولو تمہارے ہی منہ سے سُنوں۔"

پریملا نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سورگ باسی ہو گئے۔"

"سورگ باسی؟ کیا مطلب؟"

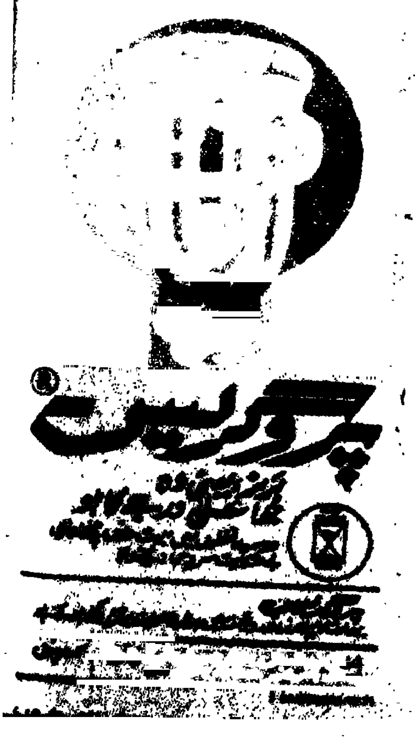
پریملا [illegible] دنیا میں نہیں ہے [illegible] نہیں بتایا۔

پریملا نے [illegible] کے ساتھ کیا۔ اب سمجھا [illegible] یہی ہے کسی اور کی نہیں...."

رسالہ نہ ملنے کی شکایت

[illegible] اِس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہوتے ہیں [illegible] تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہوتے ہیں [illegible] ہم معذور ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت فوراً ڈاک سے کیجئے۔ (منیجر)

مشہور افسانہ نگار [illegible]



صحت و زندگی

ـــــ زندگی میں خیالات کی اہمیت

زندگی میں کامیابی پانے کے لئے خیالات کی بڑی اہمیت ہے۔ خیالات ہی انسان کو کامیاب بناتے ہیں اور ناکام بھی۔

مشہور مفکر ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے ـــــ "ہمارے خیالات کا جسم کے اعضاء اور خلیاتِ حیات پر نہ مٹنے والا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے خیالات کو اُمید ہی سے معمور رکھیں۔ خلیاتِ حیات کو اپنے اپنے کام کے قابل بنائے رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم انھیں پُراعتماد اور توانا رکھیں۔ ایسا کرنے سے ہماری زندگی پُرمسرت اور پُرکشش رہے گی۔

جب کبھی آپ دل میں مایوسی، دُکھ یا غریبی کا خیال لاتے ہیں اسی لئے جسم کا ہر خلیۂ حیات اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح اُمید اور مسرت سے لبریز آپ کا ہر خیال اُن خلیات پر ویسا ہی اچھا اثر ڈالتا ہے۔ آپ کے خیالات ہی کی بدولت اُن کی طاقتیں گھٹتی یا بڑھتی ہیں ـــــ وہ شخص جو ہر وقت اپنے جسم کے اعضاء اور خلیاتِ حیات کی طاقت پر شک کرتا ہے اور اُن کے کام میں نقص نکالتا رہتا ہے اُن سے کیا اُمید کرسکتا ہے؟ کیا جسم کے خلیاتِ حیات اُس کی بداعتمادی سے مایوس ہوکر اپنا کام نہ چھوڑ دیں گے؟"

۲ـــــ خود کو پہچانو

ایک مفکر نے کہا ہے ـــــ "سب سے بڑا علم خود شناسی ہے" یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ اُس مفکر نے بالکل صحیح کہا ہے۔

ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے ـــــ "خود کو حقیر اور نا اہل سمجھنے والے کتنے ہی لوگ جوں ہی اپنی عظمت کو پہچان گئے، نیچے سے اُوپر اُٹھ گئے۔ دُشمن نہ رہ کر سماج کے دوست بن گئے۔ نئی اُمنگیں جگانے والی یہ آنچ اگر اُن لاکھوں سوئے ہوئے انسانوں کو چھو پائے جو خود کو حقیر سمجھ کر زندگی گزار رہے ہیں تو انسانیت کا اُس سے کتنا بھلا ہوگا۔

دُنیا میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ساری زندگی کسی ایسے کرشمے کا لاحاصل اِنتظار کرتے رہتے ہیں جو جادو کی چھڑی سے اُنھیں بلندی پر پہنچا دے، جو اُن کی طاقتوں کی تکمیل کرکے اُن کی رُوح کی پیاس بجھا دے اور اُن کے خوابوں کو حقیقت بنا دے ـــــ اگر تم بھی کسی ایسے ہی کرشمے کا اِنتظار کر رہے ہو تو تمھارا اِنتظار، اِنتظار ہی رہے گا! تم کچھ بننا چاہتے ہو، اپنی زندگی کو قابلِ رشک بنانا چاہتے ہو تو اپنے قوتِ بازو سے کام لو"

لاطینی میں ایک مقولہ ہے ـــــ "زندگی میں کامراں ہونا چاہتے ہو تو اپنے کو جاننے کی کوشش کرو"

۳ـــــ اندازِ فکر کی اہمیت سمجھئے

کامیابی و کامرانی کے پھولوں سے زندگی کا دامن بھرنے کے لئے اندازِ فکر کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان کا اندازِ فکر ہی اُسے کامیابی و کامرانی کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے۔ اُس کا اندازِ فکر ہی اُسے ناکامی کی پستی میں گرا دیتا ہے۔

مشہور مفکر ڈاکٹر نپولین ہل نے لکھا ہے ـــــ "اندازِ فکر ہی ہماری ساری دولتوں کا سرچشمہ ہے۔ یہی انسان میں آگے بڑھنے اور کامیابیاں حاصل کرنے کے جذبے کو اُبھارتا ہے۔

انسان کو صحیح مسرت اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب

وہ اُس کام کو اپنا ذریعہ معاش بنالے جس سے محبت ہے۔ انسان ایسے کام سے کبھی نہیں تھکتا جسے وہ اپنا نصب العین بنا چکا ہو، انسان جتنا زیادہ کام کرتا ہے اُس کی مسرت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ مسرت ہمیں صحیح اندازِ فکر کے بغیر نہیں حاصل ہوتی۔

۴ــــ کیا آپ جانتے ہیں؟

صحت اور زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہوا کے بعد پانی سب سے ضروری چیز ہے۔ پانی میں بذاتِ خود کوئی غذائیت نہیں لیکن پانی انسان کی غذا اور خون کا ضروری جزو ہے۔

تندرست انسان کو معقول مقدار میں ٹھنڈا پانی پینا چاہیئے۔ ٹھنڈے پانی کا مطلب وہ ٹھنڈا پانی ہے جو از خود ٹھنڈا ہو، برف سے نہ ٹھنڈا کیا گیا ہو۔ برف ہاضمہ کو کمزور کرتی، ہضم میں فتور پیدا کرتی ہے۔

پانی معدہ کو قوت دیتا ہے، بھوک پیدا کرتا ہے، ابخرات کو دماغ کی طرف چڑھنے سے روکتا ہے۔ اخلاط کے جوش اور عفونت کی حالت میں نہایت مفید ہے۔ لیکن زیادہ ٹھنڈا پانی اعصاب اور ورم احشا کے لئے مُضر ہے۔

پانی اعضاء کو تر رکھتا ہے، چلنے پھرنے اور زیادہ حرکت کرنے سے جسم کی رطوبات کم خارج ہوتی ہیں اور اُن سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ پانی ہی کی رطوبت جسم میں تری پہنچا کر جسم کو اُن بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

صبح نہار منہ پانی پینا بے حد مفید ہے۔ صبح کچھ کھانے سے پہلے پانی پینا کئی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ کھانے کے درمیان بہت کم اور کھانے کے ایک دو گھنٹے بعد کافی مقدار میں پانی پینا ہاضمہ کو قوت بخشتا اور ہاضمہ کے فعل کو قوی کرتا ہے۔ اس طرح غذا کے طاقت بخش اجزاء بخوبی جزو بدن ہو کر انسان کی صحت کو برقرار رکھتے ہیں۔

چائے پینے اور تر میوہ کھانے کے بعد پانی نہ پینا چاہیئے۔ اس لئے کہ تر میوہ کے پانی اور اس پانی کی جنس و خاصیت میں فرق ہے اور بیک وقت مختلف جنس کا پانی معدہ میں جمع ہونا

ہضم کمزور ہوتا ہے۔ سرد طبیعت کے تر پھل کھانے کے بعد پانی پینے سے پھل کا پانی معدے میں بغیر اچھی طرح ہضم ہوئے پانی کے ساتھ اعضاء میں نفوذ کرے گا اور غیر منہضم رطوبات میں اعضاء کی حرارت سے عفونت پیدا ہوتی ہے، جس سے اکثر، ورم اور کھجلی زخم پیدا ہوتا ہے۔

سونے کے وقت یا سو کر اٹھنے کے بعد سرد پانی نہ پینا چاہئے۔ اس سے اکثر دماغی اور اعصابی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر رات میں سونے سے پہلے پیاس محسوس ہو تو پانی پینے کے بعد کچھ چلئے پھرئے یا کچھ دیر کے بعد سونا چاہئے۔

۵ — انسان حالات کا غلام نہیں

جو لوگ انسان کو حالات کا غلام سمجھتے ہیں وہ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انسان حالات کا غلام نہیں۔ تاریخ کی ایک بڑی شخصیت بنجامن ڈیزرائیلی اس حقیقت کا روشن ثبوت ہے۔ وہ غیر ملکی تھا، پھر بھی اپنی غیر معمولی قابلیت اور ناقابلِ شکست عزم و حوصلہ سے برطانیہ کا وزیرِ اعظم بن گیا! اس کے یہ الفاظ نامساعد حالات سے مقابلہ کرنے والے ہر بلند حوصلہ انسان کے لئے شمعِ راہ کا کام دیں گے — "انسان حالات کا غلام نہیں، حالات ہی انسان کے غلام ہیں"

آپ کو اپنے گرد و پیش بھی اس روشن حقیقت کا ثبوت مل سکتا ہے۔

۶ — ایک غلط فہمی سے بچئے

صحت مند رہنے کے لئے ورزش ضروری ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا غلطی ہے کہ ورزش ہی سب کچھ ہے یا ورزش میں بذاتِ خود کوئی فائدہ ہے۔ اصل چیز مناسب ورزش کا انتخاب اور اس پر صحیح عمل ہے۔ ورزش ایسی ہونی چاہئے جو قوتِ حیات کو مدد دے نہ کہ ایسی جو قوتِ حیات پر بار ہو۔ کسی خاص ورزش کے مقابلے میں ایسے مشاغل زیادہ مفید ہیں جن سے دل کو بھی سکون اور خوشی ہو۔ مثلاً باغبانی، صبح و شام کی لمبی سیر۔ میدانوں، باغوں اور ساحلِ دریا کی سیر صبح کے وقت کھلے میدان میں لمبے لمبے سانس لینا۔ صبح کے وقت چہل قدمی [?] ضروری ہے۔ جسمانی طاقت بڑھتی ہے اور قوتِ ہاضمہ تیز ہوتی ہے۔ ہوا جتنی صاف اور تازہ ہوگی، اس میں آکسیجن اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ علم الاجسام کے ماہرین کا فیصلہ ہے کہ [illegible] سارے بیٹے اُس ہوا سے بنتے ہیں جو سانس کے ذریعے اندر جاتی ہے۔ وہ انسانی مشین کے اندر جذب اور محسوس ہو کر گوشت اور ہڈیوں کی صورت میں نشو و نما ہوتی ہے۔

ورزش سے جسم کے اعضاء طاقت ور ہوتے ہیں۔ لمبے اور گہرے سانس لینے سے طبیعت ہلکی اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ دل و دماغ کو فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے۔

سانس کی یہ ورزش صحت کے لئے بے حد مفید ہے:

کھلی جگہ آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائیں اور سینے کو خوب تان لیں۔ پھر آہستہ آہستہ سانس اندر کھینچیں یہاں تک کہ سینہ خوب پھول جائے اور سانس لینا دشوار ہو جائے۔ پھر جتنی دیر تک روک سکیں سانس کو اندر روکے رہیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کریں یہاں تک کہ ساری ہوا باہر نکل جائے۔ اسی طرح چالیس پچاس سانس لیں۔ صبح و شام دونوں وقت خالی پیٹ یہ ورزش کرنے سے صحت میں نمایاں ترقی ہوتی ہے۔

جو لوگ ورزش نہیں کرتے وہ جان بوجھ کر بیماریوں کو دعوت دیتے ہیں۔ جو لوگ بہتر صحت کے متمنی ہیں، لیکن ورزش نہیں کرتے وہ ایک ناممکن چیز کی تلاش کرتے ہیں۔ ورزش ہمارے جسم کے گرد ایک مستحکم قلعہ بنا دیتی ہے جس سے ہمارا جسم امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

"بیسویں صدی" میں وہی مضامین شائع ہو سکتے ہیں جن کے نیچے "غیر مطبوعہ" لکھا ہو۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے —————— ایڈیٹر

صلائے عام

شعرائے کرام، بنگلہ دیش سے متعلق اپنی نظمیں مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں۔ عنقریب کتابی صورت میں شائع ہوں گی۔

رتنی پنیالوی [?] سی-۹/۲۱۹ - چنڈی گڑھ

زیادہ سُود
اور
ٹیکس کی چھوٹ

بنک سیریز کے
7- سالہ نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹس
کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے اِجرا پر

* دوسرے اور تیسرے اجرا پر 5 فیصدی ——— ٹیکس معاف
* چوتھے اجرا پر 7½ فیصدی ——— ایک سال میں 3 ہزار روپے تک سُود کی رقم پر انکم ٹیکس معاف۔
* اس میں دوسری قابلِ ٹیکس کفالتوں پر سُود بھی شامل ہے۔
* نامزدگی اور ضمانت وغیرہ کی سہولتیں بھی مہیا ہیں۔

دستیاب:-
اسٹیٹ بنک آف اِنڈیا
اور اس کے معاون بنکوں سے

جاری کردہ:-
قومی بچت آرگنائزیشن

davp 71/35

سرگوشیاں

> اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، معاشرتی، علمی و ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ غیر اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شامل اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔
>
> (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

مس سروج۔ نئی دہلی

س۔ کھجور کے بارے میں کچھ بتائیں۔

ج۔ معتدل طبیعتوں کو بے حد مفید ہے۔ دل اور معدے کو تقویت پہنچاتی ہے۔ خون پیدا کرتی اور خون کی شکایت رفع کرتی ہے۔ جسم کو موٹا کرتی ہے۔ خشک کھانسی اور دمے میں مفید ہے۔ کسی قدر قابض ہے۔

جمال شاہ۔ بیجاپور

س۔ کہتے ہیں زندگی کے اَن گنت رُوپ ہیں۔ اُن میں آپ کو زندگی کا کون سا رُوپ عزیز ہے جس پر آپ اپنی زندگی بھی قربان کر سکتے ہیں؟

ج۔ زندگی کے وہ رُوپ جن پر زندگی ناز کرتی ہے ـــ انسانیت پرستی، انسان دوستی، صداقت شعاری، نیکوکاری، بلند کرداری!

س۔ کیا آپ بھی لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، شیریں فرہاد، سوہنی مہیوال کی داستانوں کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں؟

ج۔ یہ نام فرضی نہیں ہیں۔ ہاں اِن کی داستانوں میں یقیناً ننانوے فیصد افسانہ طرازی کی گئی ہے۔

سرفراز خاں۔ ہوڑہ

س۔ اُلّو ویرانہ کیوں پسند کرتا ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ وہ آبادی میں رہنے والے اُن انسانوں سے نفرت کرتا ہے جنھیں خدا نے اشرف المخلوقات بنایا، لیکن جو اپنی وحشت و بربریت سے حیوانوں سے بدتر ہے!

س۔ ہُما کے معنی کیا ہیں؟

ج۔ ہُما ایک مشہور پرندہ ہے۔ جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

نواب کمال احمد۔ ڈلیسر گڑھ۔ بردوان

س۔ خوشتر بھائی جان! یہ بتائیے وہ کیا چیز ہے جو انسان کی زندگی میں آ کر واپس نہیں جاتی؟

ج۔ بڑھاپا۔ کسی نے کہا ہے ؎

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

س۔ انسانیت کب دم توڑتی ہے؟

ج۔ جب انسان انسانیت کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔

محمد جمال خاں پروانہ۔ مونگیر

س۔ ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے والی کیا چیز ہے؟

ج۔ بلند خیال، بلند کردار!

محمد جاوید اسلم خاں

س۔ دوستی کس سے کرنی چاہئے؟

ج۔ جو چین کے چاؤ جیسا وفا ناآشنا نہ ہو!

مس ... [illegible]

مس ... [illegible]

س۔ اصل ماں کی محبت، باپ کی شفقت، بھائی بہن کا پیار ۔۔۔ ان میں کس کا درجہ بلند ہے؟

ج۔ ماں کی محبت کا!

س۔ دنیا کی سب سے بڑی لائبریری کہاں ہے؟

ج۔ دنیا کی سب سے بڑی لائبریری امریکہ کے شہر واشنگٹن میں ہے۔ اس میں تین کروڑ چالیس لاکھ کتابیں ہیں ۔۔۔ کچھ لوگ کہتے ہیں دنیا کی سب سے بڑی لائبریری لینن لائبریری ماسکو (روس) میں ہے۔

پرویز صدیقی۔ دیو بند

س۔ کوئی ایسا تیل بتائیے جو بالوں کو سیاہ

[illegible]

ج۔ آدھ [illegible]

س۔ ہومیو پیتھی کے کسی ایسے ادارے کا پتہ دیجئے جہاں غیر مستند ڈاکٹروں کو رجسٹرڈ کیا جاتا ہو اور ایسا کوئی پروانہ ملتا ہو جو ہندوستان گورنمنٹ کا منظور کردہ ہو۔

ج۔ کسی ایسے فراڈ ادارہ کا ہمیں علم نہیں ہے۔

ثریا پروین جائسی۔ کلکتہ

س۔ سچ اور جھوٹ دونوں ساتھ ہو دیں تو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ خود سچ کا ساتھ دینا چاہئے۔

س۔ کچھ لوگ پڑھ لکھ کر بھی پرانے خیال کو کیوں ۔ پنالتے ہیں؟

[illegible] لوگوں کی [illegible] آنکھوں سے دیکھتے ہیں

حسن عسکری [illegible]

س۔ دنیا میں کس چیز کو ثبات ہے؟

ج۔ دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں [illegible] دنیا کو ثبات [illegible]

س۔ موجودہ دور میں [illegible] سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟

ج۔ اپنی کمزوری کو کمزوری نہ سمجھنا!

اختر انصاری۔ الٰہ آباد

س۔ قلم مذکر ہے یا مؤنث؟

ج۔ مذکر۔

تذکرۂ آبر اس کتاب میں حضرت مولانا آبر احسنی کا فوٹو مع مکمل سوانح حیات، ان کی سحر انگیز شاعری کا انتخاب اور اس پر مضامین چند شاگردوں کے کلام پر اصلاح نیز توجیہہ۔ تلامذہ کی دو دو غزلوں کے اشعار اور تصاویر شامل ہیں۔ عوام کی دلچسپی کے علاوہ یہ کتاب مبتدی اور فن سے کم آشنا شعراء کے لئے بیک وقت تفریح طبع اور رہنما کا کام دے گی۔ قیمت فی جلد دس روپے۔

گلستانِ ہزار رنگ اس میں تقریباً پانچ ہزار شعراء کے اشعار عنوان وار ترتیب دئے گئے ہیں۔ اس یادگار کتاب کا مقدمہ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا اور ہندی ایڈیشن کا ڈاکٹر راجندر پرساد نے۔ مولانا آزاد اور ڈاکٹر راجندر پرساد کا نام نامی ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہوگی۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین (مرحوم) جناب رشید احمد صدیقی اور جناب نیاز فتحپوری (مرحوم) نے اس کتاب کو اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا ہے۔ قیمت اردو ایڈیشن بیس روپے۔

آئینۂ اصلاح ابوالفصاحت جوش ملیسانی کی اصلاحات شاگردوں کے کلام پر مع توجیہہ اس کتاب میں درج ہیں۔ یہ کتاب مبتدی اور منجھے ہوئے شعراء کے لئے رہنما کا کام دے گی۔ قیمت پانچ روپے

شرارِ رنگ ہندوستان کے مقبول و ممتاز شاعر حضرت [illegible] مجموعۂ کلام۔ صدر جمہوریۂ ہند جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اس مجموعہ کو بہت پسند فرمایا ہے۔ قیمت آٹھ روپے

آوازیں ابھرتے ہوئے جواں سال شاعر [illegible] کے خیالات [illegible] جس میں رومان کی چاشنی کے ساتھ آپ کو اپنی آوازیں [illegible]

تصنیفات جناب محروم

کاروانِ وطن	۶/۵۰	پیکراں	۲/۵۰	[illegible]	۱/۲۵
بہارِ طفلی	۶/۵۰	ستاروں سے ذروں تک	۲/۷۵	ابوالکلام آزاد	۰/۲۵
نیرنگِ معانی (نیا ایڈیشن)	۵/۰۰	وطن میں اجنبی	۲/۵۰	رفیع صاحب کے کلام / مزامیر	۰/۲۵
شعلۂ نوا	۴/۵۰	نوائے پریشاں	۲/۵۰		
بچوں کی دنیا	۳/۵۰	اقبال اور اس کا عہد	۲/۵۰	[illegible]	۰/۲۵
انتخابِ کلامِ محروم	۱/۰۰	میرے گزشتہ شب و روز	۱/۲۵	[illegible]	۰/۲۵
تصنیفات جناب جگن ناتھ آزاد		ماتمِ نہرو	۰/۷۵	[illegible]	[illegible]
		اجنتا	۰/۷۵	[illegible]	
تلوک چند محروم	۳/۰۰	دہلی کی جامع مسجد	۰/۲۵		

منیجر رسالہ بیسویں صدی دریا گنج دہلی نمبر ۶

س۔ زندگی کو حسین اور خوشگوار بنانے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟
ج۔ بلند کردار اور نیکوکار ہو جانا چاہئے۔
س۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص بتایئے جس میں کوئی خامی نہ ہو۔
ج۔ مجھے ــ
ہم سے ملئے یہاں ملے گا آپ کو ایسا شخص ... ہر خوبی ہو ... دل میں چراغ جلتا ہو ... آدمی کا

امین۔ عرفان احمد۔ بھوپال

س۔ اس دور کے طلباء کی خطرناک بیماریوں اور کمزوریوں کے اسباب کیا ہیں؟
ج۔ غلط طریقۂ تعلیم، غلط تربیت۔

محمود تنویر۔ حیدرآباد دکن

س۔ کیا پڑھنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے؟
ج۔ تعلیم کی کوئی حد نہیں یہ بحرِ ناپیدا کنار ہے۔
س۔ اچھے آدمی کو اکثر لوگ بُرا کیوں سمجھتے ہیں؟
ج۔ اس لئے کہ بُروں کو اچھے بھی بُرے نظر آتے ہیں۔

فیاض احمد آرزو۔ ڈسٹرکٹ بردوان

س۔ دولت سے علم خریدا جا سکتا ہے؟
ج۔ آج کے دور میں دولت سے بہت کچھ خریدا جا سکتا ہے۔ لوگ روپوں سے ڈپلوما اور ڈگریاں خرید لیتے ہیں۔
س۔ عورت کو اپنے حسن پر ناز ہے تو مرد کو؟
ج۔ اپنے مرد ہونے پر!
س۔ ہندوستان کے عوام کی حالت اتنی

بدتر کیوں ہوتی جا رہی ہے؟
ج۔ اس لئے کہ ہندوستان کے خواص خود غرض اور خویش پرور ہو گئے ہیں۔

شاہد حسین خاں لہرپوری سیتاپور

س۔ چچا جان! میں "بیسویں صدی" کا سالانہ خریدار نہیں ہوں۔ کیا آپ میرے افسانہ کو "بیسویں صدی" کے دامن میں جگہ دیں گے؟
ج۔ "بیسویں صدی" میں جگہ پانے کے لئے اس کا خریدار ہونا ضروری نہیں۔ آپ کا افسانہ "بیسویں صدی" کے معیار کا ہوگا تو شکریہ کے ساتھ شریکِ اشاعت کیا جائے گا۔
س۔ "بیسویں صدی" کے لئے افسانہ لکھتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟
ج۔ صرف ایک بات کا! افسانہ "بیسویں صدی" کے معیار اور مزاج کے مطابق ہو۔
س۔ ازراہِ کرم یہ بھی بتایئے کہ نئے فنکاروں کی بہ نسبت "بیسویں صدی" کے پرانے فنکاروں کو ترجیح دی جاتی ہے؟
ج۔ "بیسویں صدی" ہر اچھے فنکار کا خیرمقدم کرتا ہے۔

انور حسین۔ پٹنہ

س۔ ہندوستان کی سب سے بڑی لائبریری کہاں ہے؟
ج۔ کلکتہ میں۔ اس میں ۱۵ لاکھ ہزار کتابیں ہیں۔

محمد مشکور۔ پٹنہ

س۔ کیا کسی نے یہ سچ کہا ہے ــــ
یہاں ہر چیز ملتی ہے سکونِ دل نہیں ملتا!
ج۔ سب کے لئے یہ بات سچ نہیں ہے۔
س۔ غم غلط کرنے کا کوئی ذریعہ بتایئے۔
ج۔ غم کو خوشی بنا لیجئے۔

ثروت حسین۔ باندہ

س۔ کلاغ کے معنی کیا ہیں؟
ج۔ جنگلی کوا۔ بڑا کوا۔

جناب ایس۔ اے۔ ای۔ پاٹن والا

جاپان اور دوسرے ملکوں کے تاثرات

میسرز پاٹن والا پرائیویٹ لمیٹیڈ بمبئی جو کہ مشہور زمانہ افغان سنو کریم، پوڈر وغیرہ کے مالک ہیں، شری ایس۔ اے۔ ای۔ پاٹن والا نے اپنے حال ہی کے غیر ممالک کے دورہ کے اندر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے طویل سفر کے دوران میں بھارت کا ایک ایسا مینوفیکچرر کے مسائل کا خیال ہی آگیں رہتا جو اپنی مصنوعات کو مشرقِ بعید اور کی منڈیوں میں ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ اس ایکسپورٹ میں اُن کی یا بہ دو آمید دونوں وابستہ ہیں۔ لیکن انتھک کوششوں سے اور مینوفیکچررز اور ہماری گورنمنٹ میں حکومت کے عملی تعاون سے ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں اور اپنے کاروبار کی مستقبل کو عظیم الشان بنا سکتے ہیں۔ ہمیں کبھی اس بات کو نہ بھولنا چاہئے کہ ہماری کوالٹی بلند پایہ ہو اور قیمتیں مقابلتاً سستی ہوں۔ غیر ممالک میں بھارت کی مصنوعات کو پسند کیا جاتا ہے۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم منسٹری آف فارن ٹریڈ کو تعاون کر سکتے ہیں اور ان کی عملی امداد چاہوں کی توقع رکھتا ہیں کر سکتے ہیں۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ حکومت ہماری مشکلات پر ہمدردانہ غور کرے گی اور ہمیں وہ سہولیات دے گی جس سے ہمارے غیر ملکی کاروبار کو تقویت ملے۔

نامور مصنفین کی مشہور کتابیں

[illegible]	محمد یعقوب	۵/۰۰	یلغار	نسیم حجازی	۱۰/۰۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	سید امام مرتضیٰ نقوی	۱۵/۰۰	غالب اور آہنگِ غالب	ڈاکٹر یوسف حسین خان	۱۵/۰۰	[illegible]	〃	[illegible]
[illegible]	عظیم بیگ چغتائی	۱/۵۰	[illegible]	حمیدہ جبیں	۶/۵۰	خوفناک جزیرہ	[illegible]	[illegible]
[illegible]	خلیل جبران	۳/۵۰	لکھنؤ کی زبان	شمس لکھنوی	۵/۵۰	[illegible]	[illegible]	۳/۰۰
[illegible]	رئیس احمد جعفری	۴/۵۰	محمود و سلمیٰ	صادق سردھنوی	۴/۵۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] خواب	حمیدہ جبیں	۳/۵۰	خون اور دھماکے	مظہر الحق	۵/۰۰	[illegible]		[illegible]
[illegible]	〃	۴/۵۰	ولایتی بھوت	ایم۔ کوکب	۳/۵۰	دشمن	[illegible]	[illegible]
[illegible]	پریم چند	۳/۵۰	بیگم کی کرسی	شوکت تھانوی	۳/۵۰	حالِ دل	[illegible]	[illegible]
انارکلی	امتیاز علی تاج	۲/۵۰	غالب کے ڈرامے	〃	۴/۵۰	جاگو اور جگاؤ	[illegible]	[illegible]
اسیرِ حرص	آغا حشر کاشمیری	۱/۵۰	راجہ صاحب	〃	۲/۵۰	میری کہانی	پروفیسر [illegible]	[illegible]
سفید خون	〃	۲/۰۰	ہالہ	اے۔ آر۔ خاتون	۱۰/۰۰	پیاسی دوشیزہ	ایم۔ [illegible]	[illegible]
رستم و سہراب	〃	۲/۰۰	ثریا	فاطمہ مبین	۶/۰۰	اسلام کا نظامِ مساجد	مولانا ظفیر الدین	[illegible]
یہودی کی لڑکی	〃	۱/۵۰	فرزانہ	〃	۷/۰۰	نوائے سروش		[illegible]
بیوی	〃	۳/۵۰	انور	فیاض علی	۱۰/۰۰	پرانی تلوار	[illegible]	[illegible]
[illegible]	عذرا اجمال	۵/۰۰	شمیم	〃	۱۰/۰۰	تاش کا جادوگر	پروفیسر [illegible]	[illegible]
زہرناب	رضیہ بٹ	۵/۰۰	شکار بیتی	ریحان احمد عباسی	۴/۵۰	غم اور بھی ہیں	مسافر [illegible]	۳/۵۰
ہمسفر	سلمیٰ کنول	۵/۰۰	عظمیٰ	بیگم رقیہ سلیم	۶/۷۵	فانوس	اختر [illegible]	۱/۲۵
آگ	عزیز احمد	۷/۵۰	ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر	۳/۹۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شیشے میں بال آگیا	ضیاء عظیم آبادی	۶/۰۰	[illegible]		۴/۵۰	[illegible] غالب		۲/۵۰
پتوار	〃	۴/۵۰	میر صاحب	عادل رشید	۵/۰۰	لالہ رخ	مترجم [illegible]	۲/۵۰
جلوے	〃	۲/۰۰	زندگی کا سفر		۴/۵۰	داغِ رسوائی		۳/۵۰
نقشِ غالب	اسلوب احمد انصاری	۱۲/۰۰	دلِ نادان	خان محبوب طرزی	۲/۵۰	نقدِ اقبال	[illegible]	[illegible]
گناہ	رئیس احمد جعفری	۵/۵۰	[illegible]	پریم چند	۱/۵۰	زہرِ حیات	زاہدہ زیدی	[illegible]
ڈائری کا راز	〃	۴/۵۰	[illegible]	[illegible]	۴/۵۰	چیری کا باغ	مترجم زاہدہ زیدی	[illegible]
نغمۂ دل	نادرہ خاتون	۶/۵۰	میک اپ	〃	۵/۲۵	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	عابدی جعفری	۷/۵۰	خوفناک قبیلہ	ایم۔ جے۔ عالم	۵/۰۰	طلوع	[illegible]	[illegible]
[illegible]	زبیدہ سلطانہ	۱۲/۰۰	خونخوار [illegible]	〃	۵/۵۰	نئی صبح		[illegible]
[illegible]	〃	۹/۵۰	دردناک افسانے	نسیم انہونوی	۲/۰۰	نورِ مشرق		[illegible]

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

ہمت علی ساحل قمری تلیا

کیا ادب سماج کا آئینہ ہے؟

ادب کو سماج کا آئینہ ہونا چاہئے۔

انسان گمراہ کب ہوتا ہے؟

جب نصیحت سے محروم ہو جاتا ہے۔

نواب سعید علی محمد علی دھنباد

دل کا راز کب فاش کرنا چاہئے؟

کبھی نہیں! ایک دانشور نے کہا ہے ——
"دل کا راز کہہ کر فاش نہ ہونے کی امید نہ رکھو۔"

س۔ خواہش کب ادھوری رہ جاتی ہے؟

ج۔ جب اس کی تکمیل کے لئے جدوجہد نہیں کی جاتی۔

س۔ ارمان کب پورے ہوتے ہیں؟

ج۔ جب انھیں پورے کرنے کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے۔

قاضی محمد شمس الدین۔ کریم نگر۔ دکن

س۔ اردو کو کب تک قومی اور سرکاری زبان کا درجہ مل جائے گا؟

ج۔ آپ بھی کتنے خوش فہم ہیں! اردو کو علاقائی زبان کا درجہ مل جائے، یہی بڑی بات ہوگی۔ سرکاری اور قومی زبان تو ہندی ہے۔

س۔ آم؟

ج۔ مقوی اور زود ہضم پھل ہے۔ نیا خون پیدا کرتا ہے، آنتوں کو طاقت بخشتا ہے، جسم کو موٹا کرتا ہے، دافع قبض اور پیشاب آور ہے۔ آم کا مربہ فرحت بخش اور قبض کشا ہوتا ہے۔ دل و دماغ، معدے اور پھیپھڑے کو طاقت بخشتا ہے۔

ایم۔ ادیب سیکری۔ سیکر

س۔ یہ شعر کس کا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ملتے گئے قافلہ بنتا گیا

ج۔ یہ شعر مجروح سلطان پوری کا ہے اور یوں صحیح ہے

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

س۔ شیخ سعدیؒ کے کچھ اقوال سنائیے۔

ج۔ "استاد کی سختی باپ کی مہر و الفت سے بہتر ہے۔"
"سارے انسان باہم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں۔"
"اس کی ہمت پر قربان جو نیک کام میں اخلاص سے کام کرتا ہے۔"
"وطن کی الفت ملک سلیمان سے خوشتر ہے، وطن کے کانٹے سنبل و ریحاں سے عزیز تر ہیں۔"

بشن دیال سیٹھی۔ بنگلور

س۔ کرشن چندر کے کچھ ناولوں کے نام بتائیے۔

ج۔ "شکست" "ایک عورت ہزار دیوانے" "باون پتے" "غدار" "دل کی وادیاں سو گئیں" "برف کے پھول" "سڑک واپس آتی ہے" "درد کی نہر" "چاندی کا گھاؤ" "آسمان روشن ہے" "کاغذ کی ناؤ"۔

س۔ کرشن چندر کے ناول "ایک گدھا نیفا میں" اور "گدھے کی واپسی" —— ان میں زیادہ فکر انگیز ناول کون ہے؟

ج۔ دونوں فکر انگیز ہیں۔

ایس۔ مسرور احمد سہسرام

س۔ نامور شاعر فیض احمد فیض کہاں پیدا ہوئے؟

ج۔ سیالکوٹ میں۔

س۔ موجودہ دور کے کچھ مقبول شاعروں کے نام بتائیں۔

ج۔ یہ فہرست بہت طویل ہے ——
جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے!

اعجاز احمد۔ واثم باڑی

س۔ احساس کمتری کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟

ج۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر کے۔

عتیق احمد صدیقی۔ حیدرآباد دکن

س۔ سپنوں کے محل زمین بوس ہو جائیں تو؟

ج۔ حقیقت کے محل کی تعمیر کرنے میں مصروف ہو جانا چاہئے۔

س۔ یہ شعر کس کا ہے ؎

دل کی بستی عجیب بستی ہے
روز اجڑتی ہے روز بستی ہے

ج۔ آپ کے دل کی بستی روز اجڑ کر روز بستی ہوگی۔ میر نے کہا ہے ؎

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کے

س۔ انسان کو کم سے کم کتنے گھنٹوں کی نیند ضروری ہے؟

ج۔ سات گھنٹے کی۔

عرفان حیات جوہر سہارنپوری

س۔ حضرت ذوق کا پورا نام کیا تھا؟

ج۔ محمد ابراہیم۔

س۔ غالب کا کوئی مزاحیہ شعر سنائیے۔

ج۔ غالب مزاح نگار نہ تھے۔

س۔ آپ کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ ہم آپ بیسویں صدی کے ہر شمارے کے آخری صفحہ کی پیشانی پر دیکھتے ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ ہمارے پورے نام کو ادھورا سمجھتے ہیں۔

ناصر ضیا۔ وقار حسین۔ جونپور

س۔ [illegible] اس شعر کی حقیقت آج ہندوستان [illegible] صادق آتی ہے [illegible]

[illegible] حال سناتا ہوں [illegible]!

ج۔ یہ شعر ہمارے سیاسی رہنماؤں پر صادق آتا ہے!

اعجاز اظہار۔ رانچی

س۔ صحت قائم رکھنے کے لئے دوا کا استعمال زیادہ اچھا ہے یا صحیح غذا کا؟

ج۔ صحیح غذا کا۔

س۔ عالم شباب میں جسم کی [illegible] صحت گری ہوئی ہو۔ ایسی حالت میں جسمانی ورزش؟

ج۔ ایسی حالت میں جسمانی ورزش مضر ثابت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو کھلی فضا میں صبح و شام سیر کرنی چاہئے۔

غفران احمد۔ ہردے چک۔ گیا

س۔ ہندوستان کے آئین میں ترمیم کئے بغیر سیکولرزم ممکن ہے یا ناممکن؟

ج۔ آئین میں ترمیم سے کیا حاصل ہوگا؟ آئین پر عمل کہاں ہوتا ہے۔ آئین میں اردو کو اس کا حق دیا گیا ہے، لیکن اردو کو اس کا حق آج تک نہ مل سکا!

س۔ آپ کا آبائی وطن؟

ج۔ علامہ اقبال اور فیض کا مولد سیالکوٹ۔

[illegible] نظام الدین [illegible]

س۔ [illegible] کیا آپ بتا سکتے ہیں [illegible] کا کبھی پوسٹ مارٹم ہوا تھا؟

ج۔ کبھی نہیں۔

[illegible]





دوراہا　　فوٹو:- ایس، پی، سونی۔ نئی دہلی



پھول

فوٹو۔ مرزا عادل [illegible]



ع پھر وہ تیر نگہِ نظر یاد آیا

فوٹو:- ایس - احمد - مدراس

بیسویں صدی

ٹیلیفون دفتر — [illegible]
ٹیلیفون رہائش — [illegible]

جلد — ۲۵
نمبر — ۱۲

۱ تیرو نشتر		خوشتر گرامی	[illegible]
۲ ساغرِ دل	افسانہ	شمیم شفیعی ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ	[illegible]
۳ غزل		رعنا اکبر بی۔ اے	[illegible]
۴ پل	افسانہ	ہرچرن چاولہ بی۔ اے	[illegible]
۵ غزل		احسان دانش	[illegible]
۶ غزل		روشن پٹیالوی	[illegible]
۷ نئی لڑکی	افسانہ	نجیب اسلم	۲۹
۸ غزل		رفعت سلطان بی۔ اے	[illegible]
۹ قطعات		ظفر احمد نظامی ایم۔ اے	[illegible]
۱۰ عشق		روشن پٹیالوی بی۔ اے	[illegible]
۱۱ روشنی، سکون اور زندگی	افسانہ	م۔ م۔ راجندر ایم۔ اے	[illegible]
۱۲ آنکھیں		مختلف شعراء	۴۹
۱۳ غزل		عرش صہبائی	[illegible]
۱۴ غزل		نسیم عارف	[illegible]
۱۵ غزل		جینی سرشار	[illegible]
۱۶ غزل		احمد نسیم مینا نگری	[illegible]
۱۷ افسردہ گلاب	افسانہ	پُشکر ناتھ بی۔ اے	[illegible]
۱۸ مہمان		راجہ مہدی علی خاں	[illegible]
۱۹ ٹائم کیپر	افسانہ	پروفیسر عابدی کشانی ایم۔ اے	۵۵
۲۰ غزل		علی احمد علی جلیلی ایم۔ اے	۵۹
۲۱ غزل		محشر منظری مصطفےٰ آبادی	[illegible]
۲۲ غزل		جعفر شیرازی	[illegible]

قیمت فی پرچہ

۷۵ نئے پیسے

[illegible]

۲۲ … ——— … حسن
۲۳ … ——— … نعت ——— …
۲۵ غزل ——— [illegible]
۲۶ غزل ——— [illegible]
۲۸ غزل ——— جمیل مظہری
۲۹ غزل ——— واصل رشید عثمانی
۲۹ افوہیں ——— طنزیہ ——— جناب گرو کے قلم سے
۳۰ غزل ——— دھرم سروپ بی۔اے۔ آشفتہ
۳۱ اور شعلہ جل گئی ——— افسانہ ——— شاہدہ نکہت
۳۲ غزل ——— الفت امین آبادی
۳۳ غزل ——— شیخ تجمل حسین بیدار
۳۴ غزل ——— حفیظ مالیگانوی
۳۵ غزل ——— بیتاب پیلی بھیتی
۳۶ چاند کے سائے ——— افسانہ ——— مختار الرحمٰن راہی بی۔اے۔ایل ایل۔بی
۳۷ صحت و زندگی ——— کھانے کا نمک۔ زندگی کے لئے مسرت کی اہمیت۔ وقت زخموں کا مرہم ہے۔ متوازن غذا تفریح بھی ضروری ہے
۳۸ سرگوشیاں ——— سوال و جواب

سالنامہ ۱۹۶۲ آئندہ ماہ تمام آب و تاب سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ سالنامہ بلاشبہ گوناگوں جدتوں اور ندرتوں کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہوگا۔ مضمون نگار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اپنے شاہکار افکار اور بلند پایہ افسانوں سے سالنامہ کی زینت بڑھائیں۔ غیر معیاری اور طویل افسانوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پاکستانی خریدار (سالانہ خریدار بننے کا طریقہ) "بیسویں صدی" کے پاکستانی خریداروں کے لئے سالانہ قیمت بھیجنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ … روپے منی آرڈر سے عابد حمید صاحب … لاہور کو بھیج دیں۔ کوپن پر "سالانہ قیمت رسالہ بیسویں صدی" کے الفاظ ضرور لکھئے۔ منی آرڈر کی رسید جو پوسٹ آفس سے ملتی ہے ہمیں بھیج دیجئے۔ رسید ملتے ہی "بیسویں صدی" آپ کے نام فوراً جاری ہو جائے گا۔ … خریدار بننے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی مقامی بنک کو یہ درخواست دیں کہ وہ بیسویں صدی دہلی کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں۔ … بیسویں صدی سالانہ قیمت مبلغ … روپے کے عوض ایکسچینج ڈرافٹ دیا جائے۔ اس درخواست پر آپ کو ڈرافٹ مل جائے گا۔ جسے آپ بذریعہ رجسٹری بیسویں صدی دہلی کے نام بھیج دیں۔ رجسٹری لفافہ ملتے ہی رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔ سالانہ قیمت بذریعہ پرشل آرڈر ہرگز نہ بھیجیں پوسٹل آرڈر راستے میں ضبط کر لیے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی — کے لئے — اعلیٰ پایہ — کی — حسین اور — دلکش — تصاویر

تیر و نشتر

خوشتر گرامی

"مذہب اور سیاسیات" ایک عنوان — وہ دونوں سیاسی ہو گئے۔

"روس اور امریکہ جنگ کو ناممکن بنانے کی کوشش کریں گے" ایک شری — اور روس میں تباہ کن زہریلے بموں کے تجربات اس کا ثبوت ہیں۔

"جنید میں آنکھوں کا مفت علاج" — اب بھی اندھے سیاستداں اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو قوم کی بدبختی ہے۔

"سارے وزیر ٹھیرے نہیں" ڈھیبر — پہلے جو ٹھیرے ہیں ان کے نام گنوا دیجئے۔



"فسادات سے ہمارے منہ پر سیاہی لگ گئی ہے" سچیتا کرپلانی — اور گومتی کا سیلاب بھی اسے نہ دھو سکے گا۔

"عوام پارٹی بازی سے متنفر ہیں" وزیر خزانہ پنجاب کی تقریر — اس لئے کہ لیڈر اور وزیر اس مقصد کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

"پنجاب میں الیکشن بخار شروع" — پنجاب کا ہیلتھ ڈپارٹمنٹ توجہ کرے۔



شری تیواری جی نے کانگریسیوں سے کہا کہ "وہ اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑے ختم کردیں" —— اب الیکشن آرہا ہے بڑے بڑے جھگڑوں کے لئے لنگر لنگوٹ کس لیں۔

"دیہاتی علاقوں میں ساٹھ ہزار میل لمبائی کی سڑکیں تعمیر ہوں گی اور ایک ارب ساٹھ کروڑ روپے خرچ ہوں گے" ایک خبر —— کانگریس الیکشن فنڈ میں چندہ دینے والے ٹھیکیدار فوراً ٹنڈر پیش کریں۔

"فرقہ وارانہ فسادات شرمناک" یو۔پی کے ڈپٹی منسٹر مسٹر نول کشور کی تقریر —— شرم کی کیا بات ہے۔ اس سے ملک بدنام ہی تو ہوتا ہے اور بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔

"کانگریس کو گدی سے اتار دو" مہارانی جے پور کی تقریر —— اور مہارانی کو بٹھا دو۔ یہ ہے اگلا مصرع۔

"پجاری نے خودکشی کرلی" —— بے چارے نے زندگی کی بازی بھی ہار دی۔

"گومتی کا سیلاب ... گھر میں داخل ہوگیا" —— ایک نئے جانور کا اضافہ ہوا۔

"فرقہ پرستی ابھر رہی ہے" ایک فرقہ پرست اخبار —— آپ کی دعاؤں اور آپ کی کوششوں کے نتیجے میں۔

"ہسپتال میں ڈاکٹروں کی ہڑتال" —— [illegible]



"یو۔پی میں جاسوس کتے رکھے جائیں گے" ——— جو کانگریسیوں کی اندرونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا پتہ لگائیں گے۔

"کانگریسیوں میں حب الوطنی اور بے غرضانہ خدمت کا جو جذبہ تھا وہ اب ختم ہو رہا ہے۔" صدر کانگریس ——— پرانی لکیر کب تک پیٹتے رہیں۔ اب عہدوں اور کرسیوں پر بے غرضانہ قبضہ کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

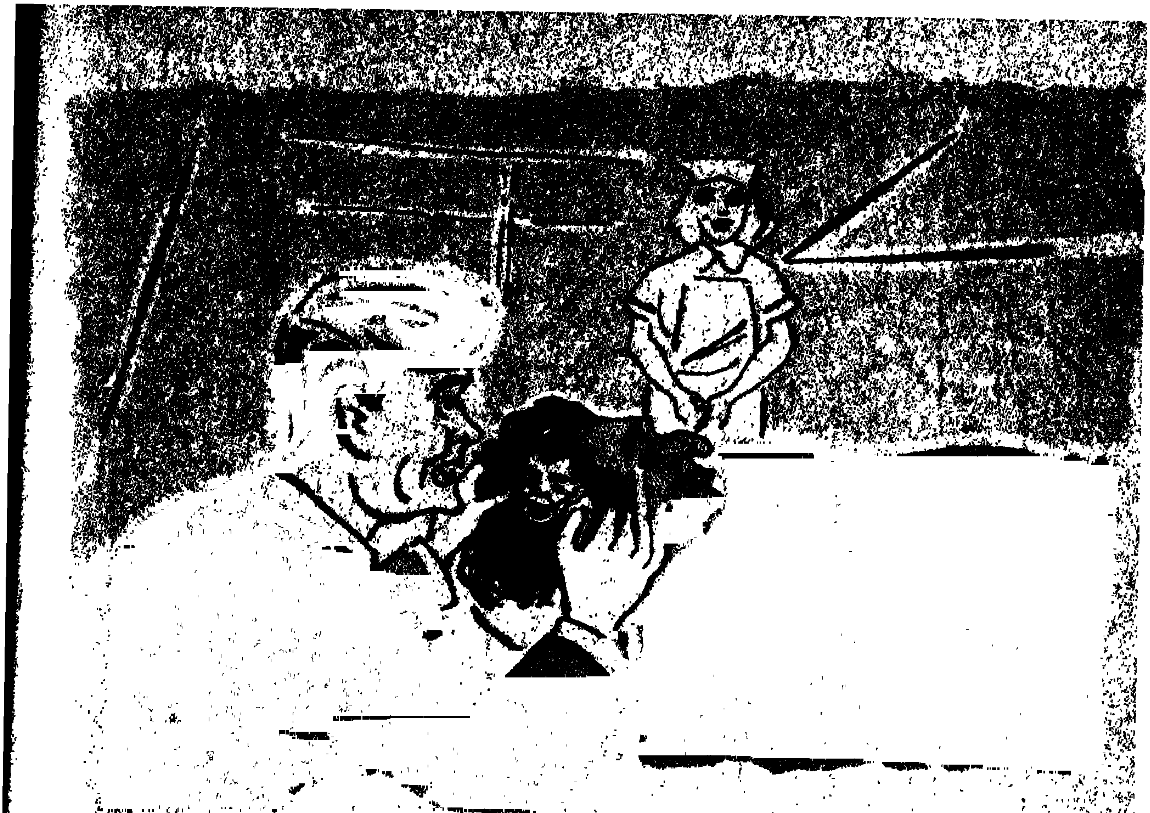
"بعض لوگ ملک کو نہیں مٹانا چاہتے صرف لیگ کو مٹانا چاہتے ہیں" [illegible]
——— اور بعض لوگ لیگ کو نہیں ملک کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔

"پاکستان میں ترقی پسند عناصر کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا ہے" فیض ——— اور روس میں یہ دشواری نہیں۔ وہاں سرکار کی طرف سے آکسیجن فری فراہم کی جاتی ہے۔

"لوگوں کے دماغ ابھی صاف نہیں ہوتے" ڈی، آئی، جی یو۔پی کا بیان ——— انھیں صاف کرنے کے لئے گنگا جمنا کے سنگم پر غوطے دینے کی ضرورت ہے۔

"کانگریس سے ایمان داری کا جنازہ نکل چکا ہے" پنڈت سری رام شرما کا بیان ——— یہ آپ فرما رہے ہیں پنڈت جی! آپ کی ایمان داری تو ہے۔ جب ایمانداری کا تقاضا ہوا کانگریس میں آ گئے۔ جب چاہا باہر نکل گئے۔ پھر کوئی اور جماعت بنالی اور چار دن بعد پھر کانگریس میں آ گئے۔

"سیتاپور میں فاقہ کشی سے اموات نہیں ہوئیں" سرکاری بیان ——— موت نے آ لیا، بیمار ہوں گے۔



"کرشنا مینن کے سر میں خون جم گیا۔ امریکن ہسپتال میں آپریشن" ——— چینیوں کے پیدا کردہ صدمہ کا شاخسانہ۔

"امریکہ میں گندم، چنے اور مکئی کے نرخ بڑھ گئے" ——— وہ سیاسی بہت ختم ہونے کا نتیجہ۔

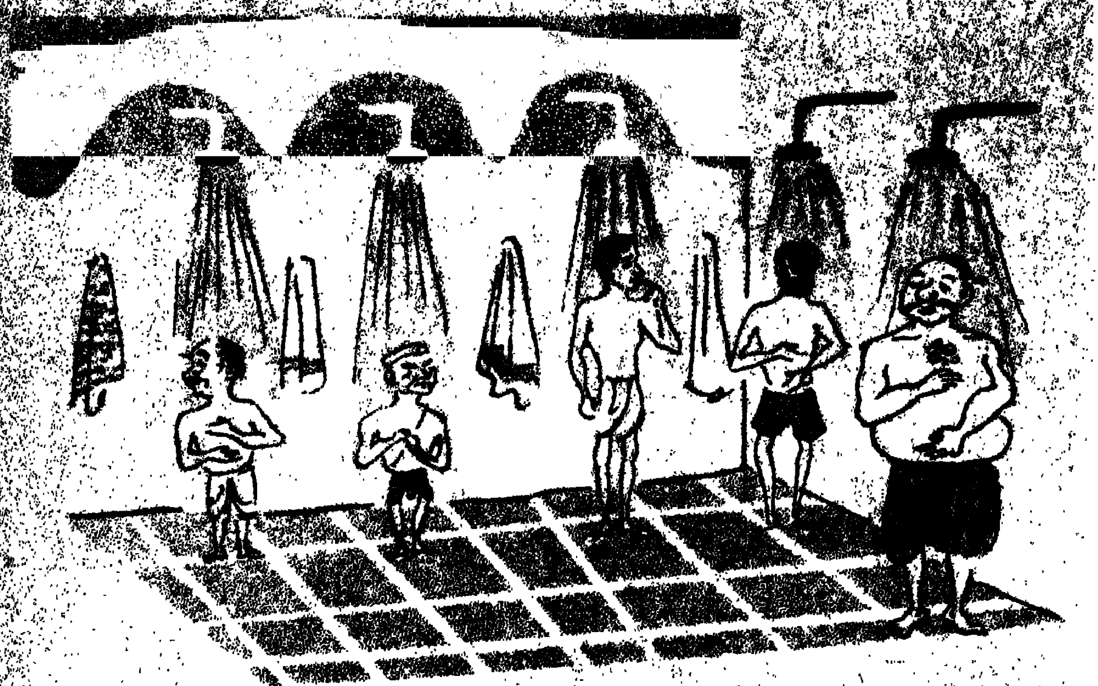
"دھرم استھانوں کو سیاسی اڈہ نہ بننے دو" سردار پرتاپ سنگھ کیروں کی اپیل ——— اپیل سے کام نہیں چلے گا۔
یہ لاتوں کے بھوت ہیں یہاں باتیں نہیں چلتیں

"ہندوستان میں انگریزی زبان کو فروغ دینے کا مسئلہ" بنگلور میں امریکہ، برطانیہ اور ہندوستان کے انگریزی پروفیسروں کی کانفرنس ——— اس کا توڑ کرنے کے لئے ہندی رکھشا سمتی ہندی پروفیسروں کی کانفرنس طلب کرے۔

"گوا کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سپرد کر دینا چاہئے" برطانوی لیبر پارلیمنٹ کی تجویز ——— تاکہ مغربی ممالک بساطِ سیاست پر اپنے پیادے بڑھا سکیں اور یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے کھٹائی میں پڑ جائے۔

"جنگ کو ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے" ڈیفنس منسٹر کرشنا مینن کا اعلان ——— یہ کیا حماقت ہے جنگ ہمیشہ کے لئے ترک کر دی گئی تو جناب کا عہدہ کہاں رہے گا۔

"چین نیپال [illegible]" ——— اب نیپال اور ماؤنٹ ایورسٹ پر چین کا حق تسلیم کرنے [illegible] ہوگی۔



"ہم سب پاپی ہیں" : آچاریہ کرپلانی ——— یعنی گناہ کے حمام میں سب ننگے ہیں۔

"امریکہ برلن کے سوال پر کسی بے بوجھ فارمولے کا پابند نہیں": صدر کینیڈی ——— یعنی اگر روس فارمولا فولاد کی بجائے ربڑ پر لکھ کر دے تو قابلِ قبول ہوگا۔

"ایک باتونی نے مسلسل دو سو گھنٹے بول کر بین الاقوامی مقابلہ جیت لیا" ——— ہندوستان میں لمبی لمبی تقریریں کرنے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت۔ ہندوستانی اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے جلد کانفرنس بلائیں۔

"ملک حسن کے بعد فرانس میں مسٹر لنگا کا نیا اعزاز" ——— اگر ہندوستان پاکستانی اس طرف توجہ فرمائیں تو یہاں "مسٹر گیسو دراز" کے مقابلے کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

"دس لاکھ موتیں بے وقت ہوں گی۔ روس کے ایٹمی دھماکوں کا نتیجہ"۔ ایک خبر ——— فیملی پلاننگ کی شاندار یوجنا۔

"مزید بھارتی علاقوں پر چینی قبضہ کی خبریں بالکل غلط ہیں" ——— جو ہزاروں میل پر قبضہ کر رکھا ہے وہی کیا کم ہے۔

"لکھنؤ جیل کی دیوار گر گئی" ——— قیدیوں کی آہوں کا اثر۔

"وزراء کے دورے پر سرکاری محکمے استقبالیہ دروازے نہ بنائیں"۔ حکومتِ جموں و کشمیر کو حکومتِ ہند کی ہدایت ——— ہندوستان کی دیگر ریاستوں پر اس کا اطلاق نہ ہوگا۔ وہاں کے وزراء اطمینان رکھیں۔



"اُردو ہندوستان میں ترقی کر رہی ہے" ——— پنڈت جواہر لال نہرو۔

"چرواہے ڈپٹی کمشنر روہتک بے راہ ہو گئے" ایک خبر ——— راہی صاحب انھیں راہ دکھائیں۔

"جاپان میں ریڈیائی بارش" ——— اب اللہ میاں برسائیں نہ برسائیں انھی کی مرضی ہے۔

"ایک چور ہلاک ایک گرفتار" ——— مال بھی ففٹی ففٹی بانٹتے یہاں بھی ففٹی ففٹی ہی رہا۔

"آزاد تبت کے لئے مجوزہ آئین" ایک خبر ——— جسے دلائی لامہ اور ہندوستان میں مقیم تبتی مہاجرین اپنے اوپر نافذ کریں گے۔

"ٹیچروں کو مصائب اٹھا کر بھی اپنا کام کرنا چاہیے" یو۔ پی کے وزیر تعلیم کی تقریر ——— یعنی تین تین ماہ کی تنخواہ نہ ملنا، اس پر طلبا کا ہڑبونگ اور ٹوپیاں اچھالنا مصائب میں شامل نہیں۔

"امریکہ کے ارادے خطرناک ہیں" کیمونسٹ پارٹی کے سکریٹری کا ماسکو میں بیان ——— نیک ارادے تو ماسکو ہی کے ہیں وہ زہریلے بموں کے تجربات اُن کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔

"ایک سے زیادہ بیویوں کے خاوند سرکاری ملازمت میں نہیں لئے جائیں گے" ہند سرکار کی تجویز ——— نوکری کا جو کوئی طالب ہے اسے ایک کو چھوڑنا ہوگا۔

ساغرِ دل

شمیم شفیق ایم۔اے۔ بی۔ایڈ

بکلال اللہ۔ بہار شریف۔ ضلع

۱۷ جولائی ۱۹۷۱ء

خورشید بھائی! تسلیم

ایک عرصے کے بعد آپ کی بزم میں شرکت کی غرض سے حاضر ہو رہا ہوں۔ ممکن ہے میری اس طویل غیر حاضری کی وجہ سے بہتوں کی طرح آپ نے بھی مجھے مرحوم گردان لیا ہو لیکن میں زندہ ہوں میرے بھائی! وہ جو غالب نے کہا ہے "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے...." ٹھیک یہی ہے ہر رنگ میں جینا پڑتا ہے۔ میں اور کیا کہوں میری زندگی کا ہر رنگ ایک وہ بھی گزرا ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ میں آپ کی بزم میں "ساغرِ دل" لے کر آسکوں۔ "ساغرِ دل" میرے اپنے خیال میں میری دیرینہ عدم موجودگی کی تلافی کرے گا۔ خورشید بھائی! مجھے یقین ہے آپ یہ کہانی ضرور پسند فرمائیں گے۔ "خرد و جنوں کی جنگ تو ازلی ہے۔ خرد نے کہاں کہاں تک نہ پہنچی لیکن دل ہمیشہ کا ناکارہ سمجھا گیا۔ دیکھئے میں ساغرِ دل میں کیا بھر کر لایا ہوں۔

ناچیز ——— شمیم شفیقی

بات تھی پھول کی۔ لیکن وہ اگر آرٹس کے کسی پروفیسر کی زبان سے نکلی ہوتی تو بے شک تعجب خیز نہ ہوتی۔ لیکن پھول! اور پروفیسر بنرجی، جیسے آگ اور پانی۔ پھر سٹوڈنٹس کیوں نہ چونکتے۔

پروفیسر بنرجی ایم، ایس، سی کیمسٹری کے کلاس میں بہت ہی انہماک سے پڑھا رہے تھے۔ نہ جانے کس طرح ان کی نظر دروازے کے باہر چلی گئی اور وہ یکایک اچھل پڑے۔

"ارے وہاں ایک بڑا خوبصورت پھول تھا کس نے توڑ لیا اُسے؟"

اور وہ کلاس سے باہر نکل گئے اور سیڑھی کے پاس کھڑے ہو گئے جس کے نیچے گملا لگا کے پھولوں کی کیاری تھی۔ اور اُن میں سے ایک پودے کی اُجڑی ہوئی شاخ کو دیکھ کر ایک سرد آہ بھر لی۔

"اور یہ لڑکے بھی کتنے SAVAGE ہیں!! ——— کتنے وحشی!!

"THEY DON'T KNOW HOW TO TREAT THE BEAUTY"

کلاس میں بیٹھے ہوئے لڑکوں نے مُنہ چڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے کہا

"جی ہاں! ہم تو وحشی ہیں!"

ایک نے دوسرے کے کان میں کہا۔

"ارے یار! یہ تو حسن اور حسن سلوک کی بات کرنے لگے!!"

ایک اور نے فقرہ کسا۔

"بھئی تعجب ہے یہ INSOLUBLE METAL کیسے پگھل گیا۔"

کوئی اور کچھ کہنے والا تھا کہ پروفیسر بنرجی کلاس میں واپس آ گئے وہ کلاس میں آ تو گئے لیکن خاموش کمرے کے کونے میں اپنے ہونٹ چباتے رہے جیسے وہ یہ بھول گئے ہوں کہ انہیں کلاس میں کیا پڑھانا ہے لیکن ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] گئے

[illegible] ——— [illegible] کوئی بات ہے؟

ایک لمحے کے لیے [illegible] دوسرے کی طرف دیکھا۔

[illegible] جواب میں سر ہلایا۔

اور [illegible] پروفیسر [illegible] نے دیکھ لیا۔ اس کی [illegible]

[illegible] تھا لیکن ——— لیکن پروفیسر [illegible] مسکرا دیے۔

[illegible] آپ [illegible] کوئی تکلیف [illegible] ہو سکے گا۔ لیکن

"DON'T BOTHER A LITTLE MAN, IT [illegible]" [illegible] ہے

ان کے [illegible] آگئے تھے۔ ان کے چہروں پر

[illegible] گئی تھی۔

[illegible] سر!

پروفیسر [illegible] اپنے [illegible] سے [illegible] کلاس

[illegible] گئے

[illegible] کلاس سے نکل کر [illegible] کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کی [illegible]

اس انقلاب کے پیچھے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ [illegible]

[illegible] اپنے اندر کیا جادو رکھتا تھا۔

[illegible] نے کہا۔ [illegible] اس [illegible] کے [illegible]

[illegible] پروفیسر [illegible] جیسے [illegible] کر کے [illegible]

[illegible]

[illegible] کا کرشمہ تھا ....؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہی؟

[illegible] گئیں۔

[illegible]

[illegible] ایسا معلوم ہوتا تھا [illegible]

باتیں آج [illegible] تھیں۔

[illegible] سے متعلق نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] تھا۔

وہ تمام لڑکے کلاس میں [illegible] پروفیسر [illegible]

طرف دیکھ رہے تھے [illegible] ان کی طرف [illegible] رہے تھے۔

[illegible]

جانے [illegible] یقیناً اُن کی نظر [illegible] پروفیسر ریحانہ

پہنچیں لیکن ان کے چہرے پر [illegible] نہیں آیا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] پروفیسر ریحانہ کے سامنے [illegible]

[illegible]

[illegible] سے کہا

[illegible] ایسی کیا بات ہے؟

[illegible] نے کہا

[illegible] ہے؟

[illegible]

[illegible]

ہم سب اپنی اپنی ... اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں DAN'S ... [illegible]

لیکن پھر آکر انھیں تھوڑا سا اپنے آپ پر حیا سا محسوس ہونے لگی تھی۔ ... کی ساری کتابیں الماری میں بند کر کے اپنے ... کی ایک موٹی سی کتاب سامنے کھول کر بیٹھ گئے تھے لیکن پھر تھوڑی دیر بعد جیسے کیٹس نے آکر ان کے کان میں کہہ دیا تھا۔

LIFE IS THE ROSE'S HOPE WHILE YET UNBLOWN,

THE READING OF AN EVER-CHANTING TALE,

THE LIGHT UPLIFTING OF A MAIDEN'S VEIL,

تو انھیں وہ کتاب بند کر دینی پڑی تھی۔ پھر عجیب عجیب خیالوں نے انھیں گھیر لیا تھا اور وہ بالآخر ٹیگور کی گیتانجلی کھول کر بیٹھ گئے تھے۔

"تھی تب ... پڑھنے"

(... آپ ہی تم!)

پہلی ہی سطر ... اور وہ سوچنے لگے کہ ٹیگور ... [illegible] ؟ پتہ نہیں [illegible] آ گیا ہے! [illegible] نئے [illegible] کسی کی طلب [illegible]

[illegible]

ہو گیا ہے۔

"آپ پروفیسر ... سے ملنا چاہتی ہیں!"

"ہاں، یس سر! ... [illegible]

ہوں اور آپ کو ... [illegible]

"اوہ! آئی ایم ساری! بیٹھیے ... [illegible]

کرتا ہوں ــــ چپراسی کو دیکھو ... پروفیسر ... کہاں ہیں ... [illegible]

... کہ ... ان! پروفیسر ... کیا آپ کا ... [illegible]

"ٹھیک ہے!"

اور وہ بیٹھ گئی۔

پھر خاموشی چھا گئی ... [illegible] اور اس نے ... پیپر ویٹ سے کھیلنے لگیں۔ لیکن ... [illegible] کر شیشے کے ... سے ٹکرا گیا۔ اور ... سے خاموشی ٹوٹ گئی۔

"اوہ!"

"اوہ!"

اس کے سوا اور کوئی کیا کہہ سکتا تھا۔ ... [illegible] ہیں وہ زخم تو گہرے چھوڑ جاتے ہیں لیکن ... [illegible] کہے تو کیا کہے۔

پیپر ویٹ ... تھا۔ ... سے ٹکرا گیا ... [illegible]

لیکن چوٹ تو آئی ہو گی اسے!!

اتنے میں چپراسی واپس آ گیا۔

"سر، ... صاحب ابھی نہیں آئے!"

اور چپراسی کی آواز ... کے ذہن سے ٹکرائی ... [illegible]

اس حادثے کے ذہنی اثرات سے ... [illegible]

[illegible]

... کبھی ... آج ایسا کیوں ...

... یہ انتظار کی لذت، یہ انتظار

...!

"کس کا انتظار؟"

وہ اپنے آپ پر جھنجھلا گئے۔

اور ان خیالوں سے چھٹکارا پانے کے لئے انھوں نے ریڈیو کا بٹن دبا دیا۔ ... کوئی گا رہا تھا ...

دیکھئے کب تک نظر بزم میں بھٹکا کرے
حسرتِ دیدارِ یار دیکھئے کب تک رہے

"اُف!" انھوں نے ریڈیو بند کر دیا۔ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

پھر بھی انتظار اور حسرت جیسے الفاظ سے وہ آشنا ضرور تھے۔

وہ پھر سوچنے لگے۔

کیا انتظار کیسی حسرت، کون ہے جس کا مجھے انتظار ہے؟ غلط، بالکل غلط، یہ باتیں سراسر جھوٹ، محض شاعری! زندگی ایک ٹھوس حقیقت ہے شورشِ قلب و نظر سے بالاتر، احساس و فکر کے فتنوں سے ماورا!

"کون ——؟"

باہر کسی کے قدموں کی آواز انھیں سنائی دی۔ وہ اس طرح چونک کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے جیسے سچ مچ انھیں جس کا انتظار تھا وہ آگیا ہو۔

"آپ ——؟!"

ان کی آواز کپکپا گئی۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زمین سے بہت اوپر اٹھ کر ہواؤں میں معلق ہو گئے ہوں۔

دروازہ کھلا اور ... ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ... معاف کیجئے ... آپ کی تنہائی میں مخل ہوئی۔"

[illegible]

... نہ جانے کیسے یہ بات ان کے ذہن میں آگئی تھی۔

اور وہ اتنا ہی بول سکے۔

"کدھر تشریف لائی ہیں آپ، کیا خدمت؟"

بالکل خشک اور ازلی سی بات!

"میں ان کے سلسلے میں آپ کو تکلیف دینے آئی ہوں۔" ... نے اپنے ساتھ آئے ہوئے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ... کے رہنے والے ہیں جہاں کی میں رہنے والی ہوں بلکہ میرے گھر کے بالکل قریب رہتے ہیں۔"

"یہ تو ایم۔ ایس۔ سی کیمسٹری کے اسٹوڈنٹ ہیں؟"

پروفیسر بیزاری نے عجیب انداز سے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! اور اسی لئے میں انھیں آپ کے پاس لائی ہوں۔ ... کبھی کبھی ہیلپ کر دیا کیجئے۔"

"جی ——؟!"

پروفیسر بیزاری بہت زور سے چونکے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں ابھریں کوئی اور ہوتا تو اس بات پر وہ اسے کبھی کا نکال چکے ہوتے۔

کالج کے تمام لیکچرر ٹیوشن کرتے تھے۔ لیکن ان کا اصول ہمیشہ سے اس کے خلاف تھا اور انھوں نے یہی کہا بھی۔

"میں ٹیوشن نہیں کرتا۔ اسے ہرگز اچھا نہیں سمجھتا۔"

"وہ میں جانتی ہوں ... صاحب نے بھی ... اس سلسلے میں آپ سے کچھ کہا تھا۔ ان کی جرأت ... آپ سے کچھ کہہ سکیں ... ہوں آپ اصول کے بہت سخت آدمی ہیں لیکن ...

[illegible]؟
[illegible]
[illegible] انھوں نے جواب [illegible] کی نظر [illegible] کیوں [illegible]
[illegible] ہے پھر وہ [illegible] اس طرح بے تکلف ہو جاتے

پروفیسر ہرجی کا اپنا رنگ ان پر غالب آگیا۔
"تو آپ کیا ہیں؟"
[illegible] سے بے تکلفی ظاہر تھی۔
پھر ماحول [illegible] عجیب سا ہوگیا لیکن مس ریکھا [illegible]
پروفیسر [illegible] نے [illegible] پوچھا۔
"[illegible] کی ضرورت؟"
اب [illegible] تھا کہ مس ریکھا ان کی آگاہٹ کو سمجھ سکیں۔ انھوں نے [illegible] معافی مانگی۔ اور جانے سے پہلے سلام کرنے کے لیے [illegible] پروفیسر ہرجی نے جب ان کے چہرے کی طرف اپنی نظر اٹھائی وہاں انھیں وہ آنکھیں ملیں۔ عجیب آنکھیں طلسم خیز اور شرمسار۔
پھر جب وہ اپنے آپ میں واپس آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ مس ریکھا جا چکی ہیں ——!

اس رات وہ بہت سنجیدگی اور نہایت انہماک سے پروفیسر مس ریکھا کے متعلق سوچنے لگے۔ پھر انھیں اپنی زندگی کا خلا بہت ڈراؤنا معلوم ہونے لگا۔ گہری تنہائی کے علاوہ کتنے گہرے زخم ان کی نس نس میں دُکھتے محسوس ہونے پھر وہ سوچنے لگے، اس کا ذمہ دار کون ہے، اس بے کیفی کا؟ اس تنہائی کا؟
وہ خود!
ہاں شاید وہ خود! جنھیں زمانۂ طالب علمی سے اب تک ان [illegible] کی طرف توجہ دینے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ آرٹس میں اوّل آئے۔ ایم۔ اے میں بھی اُسی سے [illegible] نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کامیاب پروفیسر ہوگئے۔ پھر

[illegible]

[illegible] لیکن محض [illegible] اور اپنے احساسات [illegible] کی طلب کے [illegible] اپنی [illegible] زندگی کی [illegible] کوشش بھی [illegible] خود کبھی ان اہم مسائل پر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ زندگی ان کے لیے [illegible] کا نام ہے۔ زندگی شہرت، عزت اور دولت کا نام ہے۔ زندگی آگے بڑھتے رہنے کا نام ہے۔ وہ بس اب تک یہی جانتے تھے اور [illegible] نے وہ بہت کچھ حاصل کر چکے تھے اور بہت کچھ حاصل کرنے والے تھے اور اسی چکر میں انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی کچھ اور بھی ہے۔ زندگی [illegible] اور چیز کا نام بھی ہے۔ اور آج جانے کس ضرورت نے، کس جذبے نے انھیں زندگی کی مسرتوں کے اور چیزوں کی تلاش پر مجبور کیا تھا۔
انھیں ایک قطرہ خون کی [illegible] "طاقت" کا اندازہ کرنے کا پہلے کہاں موقع ملا تھا۔ جس "قطرۂ خون" نے انطونی جیسے انسان سے بھی یہ کہلوا دیا تھا
"LET ROME IN TIBER MELT....."
لیکن اب تک ——!
اب تک انھیں کوئی قلوپطرہ کہاں ملی تھی؟ یا انھوں نے اپنے "روم" سے نکل کر کسی مصر کی تلاش ہی کہاں کی تھی؟ پتہ نہیں اس کی ذمہ داری کس پر آتی لیکن یہ حقیقت تھی کہ اب زندگی کی عمومی حقیقتوں سے نکل کر ان خواب ناک حقائق کی طرف جھکنے کو ان کا دل چاہنے لگا تھا۔
زندگی واقعی یہی سب کچھ نہیں۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔
پھر ایک روز لڑکوں نے ایک اور انہونی بات دیکھی۔ پروفیسر [illegible] ہرجی آرٹس بلاک کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس کے بعد سے وہ اکثر اس طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے۔
یہ بہت عجیب بات تھی!
پروفیسر سریواستو جو ڈی۔ ایچ لارنس اور فرائڈ سے بے حد متاثر تھے بولے۔
"آخر سیکس نے انھیں بھی آ لیا!"
پروفیسر کشور نے جو اچھے شاعر بھی تھے کہا۔
"میں سیکس اور فرائڈ کے اصولوں کو نہیں مانتا لیکن یہ ضرور کہوں گا

[illegible]

یہ انتظار کی لذت ہے انتظار کرتا رہا

کس کا انتظار؟

دل نے آپ ہی جواب دیا

اضطراب خیالات سے چھٹکارا پانے کے لیے انھوں نے ریڈیو کا بٹن دبا دیا جہاں کوئی گا رہا تھا۔

دیکھیے کب تک نظر بزم میں بھٹکا کرے

حسرت دیدار یار دیکھیے کب تک رہے

"اُف!" انھوں نے ریڈیو بند کر دیا۔ بات ان کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ پھر بھی انتظار اور حسرت جیسے الفاظ سے وہ آشنا ضرور تھے۔

وہ پھر سوچنے لگے۔

کیسا انتظار کیسی حسرت، کون ہے جس کا مجھے انتظار ہے، غلط بالکل غلط، یہ سب باتیں سراسر جھوٹ، محض شاعری! زندگی ایک ٹھوس حقیقت ہے شعر و ادب سے بالاتر۔ احساس و فکر کے فتنوں سے ماورا!

"لیکن ——؟"

باہر کسی کے قدموں کی آواز انھیں سنائی دی۔ وہ اس طرح چونک کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے جیسے سچ مچ انھیں جس کا انتظار تھا وہ آگیا ہو۔

"آپ ——؟!"

ان کی آواز کپکپا گئی۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زمین سے بہت اوپر اٹھ کر ہوا میں معلق ہو گئے ہوں۔

دروازہ کھلا اور ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ "معاف کیجیے میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوئی۔"

[illegible]

جانے کیسے یہ بات ان کے ذہن میں آگئی تھی۔

[illegible]

"[illegible] آپ کا کوئی دوست؟"

[illegible]

"میں ان کے سلسلے میں آپ کو تکلیف دینے آئی ہوں۔" جس نے ساتھ آئے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ وہیں کے رہنے والے ہیں جہاں کی میں رہنے والی ہوں بلکہ میرے گھر کے قریب ہی رہتے ہیں۔"

"یہ تو ایم۔ ایس۔ سی کیمسٹری کے اسٹوڈنٹ ہیں!"

پروفیسر بخاری نے عجیب انداز سے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! اور اسی لیے میں انھیں آپ کے پاس لائی ہوں۔ ان کی بھی کچھ ہیلپ کر دیا کیجیے۔"

"جی ——؟!"

پروفیسر بخاری بہت سنجیدہ ہو گئے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔ کوئی اور ہوتا تو اس بات پر وہ آپے سے کبھی کا نکل چکے ہوتے۔

کالج کے تمام لیکچرر ٹیوشن کرتے تھے لیکن ان کا اصول تھا وہ اس کے خلاف تھے اور انھوں نے یہی کہا بھی۔

"میں ٹیوشن نہیں کرتا۔ اسے ہرگز اچھا نہیں سمجھتا۔"

"یہ میں جانتی ہوں لیکن [illegible] اس سلسلے میں آپ سے کچھ کہا تھا۔ [illegible] میں جانتی ہوں آپ اصول کے بہت سخت ہیں لیکن [illegible]

[illegible]

... شہرت ... سوالوں کا علاوہ ... سکیں ...
... ایک ... پھر ان ... ختم ہو جاتے
والی؟

اور پھر پروفیسر ... کا ایک ... پیغام آگیا۔

"... ہو گئی؟"

"... آواز ... ظاہر تھی۔

پھر ... جا کر ... عجیب ... لیکن میں ... بیٹھی رہی
پروفیسر ... کے ...

"... ہے؟"

اب ایسا بھی کیا تھا کہ مس ریکھا ان کی گھبراہٹ کو نہ سمجھ سکیں۔ انھوں نے ایک بار پھر ... سنائی ... اور جانے سے پہلے سلام کرنے کے لئے ہاتھ جوڑے تو پروفیسر ... نے جب ان کے چہرے کی طرف اپنی نظر اٹھائی تو وہاں انھیں دو آنکھیں ملیں۔ عجیب آنکھیں طلسم خیز اور شرمسار۔ اور پھر جب وہ اپنے آپ میں واپس آئے تو انھیں معلوم ہوا کہ مس ریکھا جا چکی ہیں ——!

اس رات وہ بہت سنجیدگی اور نہایت انہماک سے پروفیسر مس ریکھا کے متعلق سوچنے لگے۔ پھر انھیں اپنی زندگی کا خلا بہت ڈراؤنا معلوم ہونے لگا۔ گہری تنہائی سے گھبرا کر وہ گھر سے ... کی ... میں ... محسوس ہوتے۔ پھر وہ سوچنے لگے، اس کا ذمہ دار کون ہے، اس بے کیفی کا؟ اس تنہائی کا؟

وہ خود!

ان ... خود انھیں زمانہ طالب علمی سے اب تک ان ... احساسات کی طرف توجہ دینے کی کبھی فرصت نہیں ملی۔ آنرز میں اول آئے۔ ایم۔ ایس سی میں ... نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کامیاب پروفیسر ہو گئے۔ پھر

... کر رہے تھے لیکن انھیں ... اپنے ...
... کا ... زندگی کی ...
خود کبھی ان اہم سوالات پر سوچ کرنے کی ضرورت نہیں ... زندگی کامیابی کا نام ہے۔ زندگی شہرت، عزت اور دولت کا نام ہے۔ زندگی کام کرتے رہنے کا نام ہے۔ وہ ان سب ... اور ... سے وہ بہت کچھ حاصل کر چکے تھے اور بہت کچھ حاصل کرنے والے تھے اور اسی چکر میں انھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی کچھ اور بھی ہے۔ زندگی کسی اور چیز کا نام بھی ہے۔ اور آج نہ جانے کس ضرورت نے، کس مجبوری نے انھیں زندگی کی مسرتوں کے اور جزیروں کی تلاش پر مجبور کر دیا تھا۔

انھیں ایک قطرہ خون کی "اپنی ہرکولین" طاقت کا اندازہ کرنے کا پہلے کہاں موقع ملا تھا۔ جس "قطرہ خون" نے انطونی جیسے انسان سے بھی یہ کہلوا دیا تھا

"LET ROME IN TIBER MELT....."

لیکن اب تک ——!

اب تک انھیں کوئی قلوپطرہ کہاں ملی تھی؟ یا انھوں نے اپنے "روم" سے نکل کر کسی مصر کی تلاش ہی کہاں کی تھی؟ پتہ نہیں اس کی ذمہ داری کس پر آتی لیکن یہ حقیقت تھی کہ اب زندگی کی جھوٹی حقیقتوں سے نکل کر ان خوابناک حقائق کی طرف جھکنے کو ان کا دل چاہنے لگا تھا۔

زندگی واقعی یہی سب کچھ نہیں۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

پھر ایک روز لڑکوں نے ایک اور انہونی بات دیکھی۔ پروفیسر شیلیندر ... آرٹس بلاک کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس کے بعد سے وہ اکثر اس طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے۔

یہ بہت عجیب بات تھی!

پروفیسر سریواستو جو ... ایک لارنس اور فرائڈ سے بے حد متاثر تھے بولے۔

"آخر سیکس نے انھیں بھی آلیا!"

پروفیسر کشور نے جو اچھے شاعر بھی تھے کہا۔

"میں سیکس اور فرائڈ کے اصولوں کو نہیں مانتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ

[illegible]

[illegible] یہ انتظار کی لذت [illegible] انتظار

[illegible] ہے

"مگر یہ انتظار؟"

وہ لمحے آپ پہنچا گئے۔

اسی خیال سے جی کو بہلانے کے لئے انھوں نے ریڈیو کا بٹن دبا دیا۔ پتہ نہیں کون گا رہا تھا۔

دیکھئے کب تک نظر بزم میں بھٹکا کرے
حسرتِ دیدارِ یار دیکھئے کب تک رہے

"اُف!" انھوں نے ریڈیو بند کر دیا۔ بات اُن کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ پھر بھی انتظار اور حسرت جیسے الفاظ سے وہ آشنا ضرور تھے۔

وہ پھر سوچنے لگے۔

کیسا انتظار، کیسی حسرت، کون ہے جس کا مجھے انتظار ہے؟ غلط، بالکل غلط ہیں یہ باتیں۔ اسرار جھوٹ، محض شاعری۔ زندگی ایک ٹھوس حقیقت ہے شعور، قلب و نظر سے بالاتر، احساس و فکر کے فتنوں سے ماورا!

"مگر کون ۔۔۔؟"

باہر کسی کے قدموں کی آواز انھیں سنائی دی۔ وہ اس طرح چونک کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے جیسے سچ مچ انھیں جس کا انتظار تھا وہ آ گیا ہو۔

"آپ ۔۔۔؟!"

اُن کی آواز کپکپا گئی۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زمین سے بہت اوپر اٹھ کر ہواؤں میں معلق ہو گئے ہوں۔

دروازہ کھلا اور [illegible] ایک اسٹوڈنٹ کے ساتھ [illegible]
"معاف کیجئے میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوئی۔"

[illegible]

جانے کیسے [illegible] کے ذہن میں آ گئی تھی۔

اور وہ اتنا ہی بول سکے۔

"کہئے! تشریف لائیں آپ، کوئی خدمت؟"

بالکل ٹھیک [illegible]!

"میں ان کے سلسلے میں آپ کو تکلیف دینے آئی ہوں۔" مس [illegible] نے اپنے ساتھ آئے ہوئے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ [illegible] کے رہنے والے ہیں جہاں کی میں رہنے والی ہوں۔ [illegible] رہتے ہیں۔"

"یہ تو ایم۔ ایس۔ سی کیمسٹری کے اسٹوڈنٹ ہیں؟"

پروفیسر بزمی نے عجیب انداز سے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! اور اسی لئے میں انھیں آپ کے پاس لائی ہوں۔ ان کی کبھی کبھی ہیلپ کر دیا کیجئے۔"

"جی ۔۔۔؟!"

پروفیسر بزمی بہت زور سے چونکے۔ اُن کی پیشانی پر شکنیں ابھریں کوئی اور ہوتا تو اس بات پر وہ اسے کبھی کا نکال چکے ہوتے۔

کالج کے تمام لیکچرر ٹیوشن کرتے تھے۔ لیکن ان کا اصول [illegible] اس کے خلاف تھا اور انھوں نے یہی کہا بھی۔

"میں ٹیوشن نہیں کرتا۔ اسے ہرگز اچھا نہیں سمجھتا۔"

"مجھے معلوم ہے [illegible] صاحب سے بھی میں نے اس سلسلے میں آپ سے کچھ کہا تھا۔ [illegible] آپ سے کچھ کہنا [illegible] آپ اصولوں کے بہت سخت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مختلف ہو جانے والی؟

اور پھر پروفیسر حجازی کا اپنا [illegible] پر غالب آگیا۔

یہ لڑکی کون ہے!

[illegible] ظاہر تھی۔

پھر [illegible] اُن کا دل عجیب سا ہوگیا لیکن [illegible]

پروفیسر [illegible]

[illegible] کی ضرورت؟

اب وہاں بھی کیا تھا کہ اس نے دیکھا اُن کی گھبراہٹ کو نہ سمجھ سکیں۔ اُنھوں نے ایک بار پھر [illegible] کی معافی مانگی۔ اور جانے سے پہلے سلام کے لئے ہاتھ جوڑے۔ پروفیسر حجازی نے جب اُن کے چہرے کی طرف اپنی نظر اُٹھائی تو وہاں اُنھیں وہ آنکھیں ملیں۔ عجیب آنکھیں۔ طلسم خیز اور شرساماں۔ اور پھر جب وہ اپنے آپ میں واپس آئے تو اُنھیں معلوم ہوا کہ [illegible] جا چکی ہیں ——

اُس رات [illegible] اور نہایت انہماک سے [illegible] کے متعلق سوچتے [illegible] اپنی زندگی کا خلا بہت ڈراؤنا معلوم ہونے لگا۔ گہری تنہائی کے عطا کردہ گہرے زخم اُن کی نس نس میں دُکھتے محسوس ہونے۔ پھر وہ سوچنے لگے، اس کا ذمہ دار کون ہے، اس بے کیفی کا! اس تنہائی کا؟

وہ خود!

اُن کا اپنا وجود جنھیں زمانۂ طالب علمی سے اب تک ان نرم احساسات کی طرف توجہ دینے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ آنرز میں اوّل آئے۔ ایم۔ ایس سی میں اُس سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کامیاب پروفیسر ہوگئے۔ پھر

ریسرچ کرنے لگے کیونکہ اُنھیں [illegible] سمجھتے تھے۔ اپنی [illegible] زندگی کی [illegible] خود کبھی ان اہم سوالات پر ریسرچ کرنے کی ضرورت [illegible] زندگی کامیاب بننے کا نام ہے۔ زندگی شہرت، عزت اور دولت کا نام ہے۔ زندگی کام کرتے رہنے کا نام ہے۔ وہ بس اب تک یہی جانتے تھے اور اسی حساب سے وہ بہت کچھ حاصل کر چکے تھے اور بہت کچھ حاصل کرنے والے تھے اور اسی چکر میں اُنھوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی کچھ اور بھی ہے۔ زندگی کسی اور چیز کا نام بھی ہے۔ اور آج نہ جانے کس ضرورت نے کس مجبوری نے اُنھیں زندگی کی مسرتوں کے اور جذبوں کی تلاش پر مجبور کر دیا تھا۔

اُنھیں ایک قطرۂ خون کی اپنی "ہرکولین" طاقت کا اندازہ کرنے کا پہلے کہاں موقع ملا تھا۔ جس "قطرۂ خون" نے انطونی جیسے انسان سے بھی یہ کہلوا دیا تھا

"LET ROME IN TIBERMELT....."

لیکن اب تک ——!

اب تک اُنھیں کوئی قلوپطرہ کہاں ملی تھی؟ یا اُنھوں نے اپنے "روم" سے نکل کر کسی مصر کی تلاش ہی کہاں کی تھی؟ پتہ نہیں اس کی ذمہ داری کس پر آتی لیکن یہ حقیقت تھی کہ اب زندگی کی جھوٹی حقیقتوں سے نکل کر ان خواب ناک حقائق کی طرف جھکنے کو اُن کا دل چاہنے لگا تھا۔

زندگی واقعی یہی سب کچھ نہیں۔ اُنھوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔

پھر ایک روز لڑکوں نے ایک اور انہونی بات دیکھی۔ پروفیسر حجازی آرٹس بلاک کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس کے بعد سے وہ اکثر اُس طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے۔

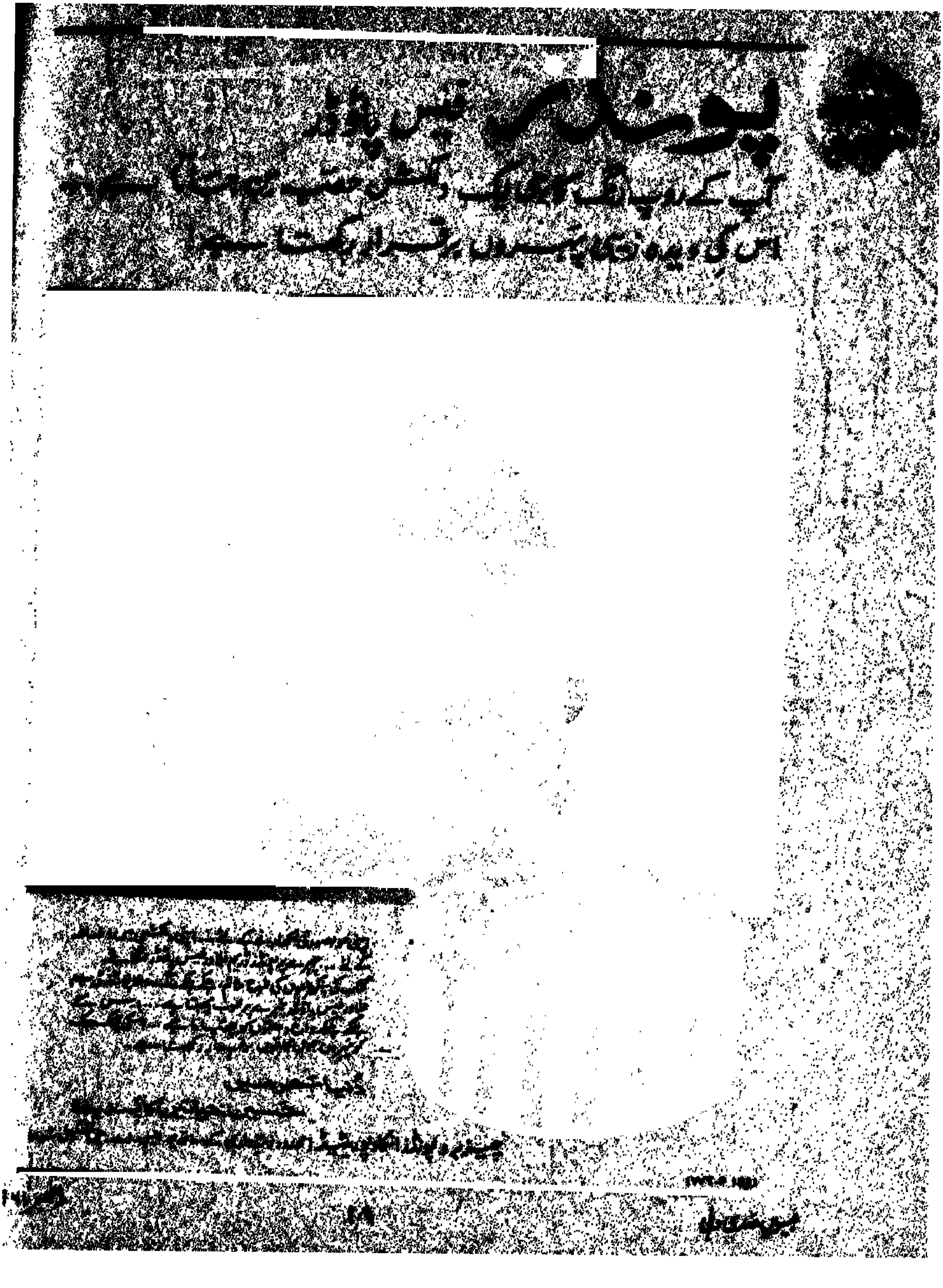
یہ بہت عجیب بات تھی!

پروفیسر سریواستو جو ڈی۔ ایچ لارنس اور فرائڈ سے بُری طرح متاثر تھے بولے۔

"آخر سیکس نے انھیں بھی آلیا!"

پروفیسر کشور نے جو اچھے شاعر بھی تھے کہا۔

"میں سیکس اور فرائڈ کے اصول تو نہیں مانتا لیکن یہ ضرور کہوں گا



[illegible]

... کر دیا ...

پروفیسر ... کے پیچھے ... مسز رکھا کے ... [illegible]

[illegible]

... کہا۔

... ایک سے ایک

... [illegible] ... آ گئے ہیں

... کر دیتا۔

اور ان ... کی باتوں، اپنے طنز و مذاق کے پیچھے جو بات تھی وہ اس

سے پروفیسر شلین ... واقف تھے۔ وہ خود ان باتوں سے عالم ... [illegible]

... ایک ... سال کی ایک ... نے ... [illegible]

... اپنے دل ... [illegible] ... چھپا لی تھی

... [illegible] ... پھر ان کے سامنے پروفیسر

... اور رکھا کے تعلقات ... [illegible] ... لیکن یہ بات بھی عجیب تھی

... کے تعلقات کس سے ... [illegible] ... سے قریب تر تصور کرنے

... تھا۔

ایک ... [illegible] ... کے ساتھ کہا تھا۔

شلین ... [illegible] ... یہ جو آپ کے ... صاحب

... [illegible] ... شام میرے یہاں آئے تھے۔ اس وقت میں ... کے

... [illegible] ... کر رہی تھی ... کچھ ... کے

... [illegible] ... CRARE ...

... [illegible] ... سے کیا

... [illegible] ... شلین ...

... [illegible] ... صاحب ... [illegible]

[illegible]

پھر نے لگے کہ ان کے علاوہ بھی اور ... [illegible]

ان سے ... ان کی ... [illegible]

۔ ۔ ۔ ۔ ؟

پروفیسر شلین جب ... [illegible] ... کے ... [illegible]

پھر ... [illegible] ... آواز ... [illegible]

شلین ... آپ کو بھی ... [illegible]

آپ ـــ آپ کو ... [illegible] ... ہیں۔

وہ ... جواب کیا ہے؟

وہ خاموش ہے۔

وہ تو ابھی خاموش ہے۔

اور پھر مسز رکھا اُن کے پاس سے اٹھ کر چلی گئیں۔ اور جب وہ چلی گئیں تو شلین نے سوچا کہ دل تو اُن کا بھی ... چاہتا ہے لیکن وہ اُن کے اپنے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

پھر ایک اور عجیب بات ہوئی۔

پروفیسر مسز رکھا سے زیادہ ... ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے انھوں نے سب سے یک لخت اپنے تعلقات منقطع کر لیے ہوں۔

میرا کون اپنا ہے۔ میں سب کے ... باقی ہوں؟

ایک بار چلا کر انھوں نے اپنے آپ سے کہا تھا۔

"لیکن اس طرح؟"

جیسے اس طرح تو ان کا دم گھٹ جائے گا۔

"زندگی میں کوئی تو اپنا کہنے کے لائق ہو لیکن کون اپنا ہے؟ پرسل صاحب؟ جن کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ اشتیاق صاحب؟ ... [illegible] وہ مجھ سے زیادہ ... ہیں۔ اور وہ ـــ اور وہ ـــ وہ ـــ"

وہ سوچنے لگیں۔

بلکہ اس طرح بہت کچھ سوچتی رہیں۔

لیکن محض سوچتے رہنے سے کوئی اپنا نہیں مل جاتا۔

جذبات کے تقاضے ... انھیں ... ضرورت تھی۔ ایک ... [illegible]

آخر کب تک بے نیاز آرزو رکھ سکتا ہے۔ دل کی طلب اور دل کے بھی تو کچھ ہیں، لیکن ان کے دل کے تقاضے بھی عجیب ہیں۔ ہائے بیچارے کے مسئلے بھی تو کہاں؟ ان کی جبینِ نیاز کو اور کوئی آستاں نہیں ملا تھا ـــــ؟"

گپتا اور صاحب بولے۔

"بھئی تم کیوں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے ہو۔ مس ریکھا کے امیدوار بھی تھے کیا؟"

پروفیسر کشور نے انھیں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے کون پوچھتا ہے اُن کے امیدواروں کی بھیڑ میں۔ ایک سے ایک ہینک شامل ہیں اُن میں اور پھر میرے دن اتنے بُرے بھی تو نہیں آگئے ہیں کہ ایسی امیدواری کروں!"

اور ایسی تضحیک کی باتوں، ایسے طنز و مذاق کے پیچھے جو بات تھی اُس سے پروفیسر شیلین بھی واقف تھے۔ وہ خود ان باتوں سے لاعلم نہ تھے کہ مس ریکھا نے بغاوت کیا ہے۔ چھبیس، ستائیس سال کی ایک سانولی سی عورت نے، ہاں جسے بہت کتنا بے ربانہ ہوگا۔ اپنے دل میں بڑی تند اور خوفناک آندھیاں چھپائے کالج میں بہت سوں کے دل کو سمندر میں ڈال دیا تھا۔ پھر اُن کے سامنے پروفیسر شیلین اور ریکھا کے تعلقات کی گرم گرم خبریں تھیں۔ لیکن یہ بات بھی عجیب تھی، کہ ریکھا کے تعلقات کسی سے نہیں تھے۔ ہر شخص خود کو اُن سے قریب تر تصور کرنے لگا تھا۔

ایک روز تو خود مس ریکھا نے سسکتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"شیلین بابو! پتہ نہیں لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ یہ جو آپ کے تھاپر صاحب ہیں انگلش والے، کل شام میرے یہاں آئے تھے۔ اُس وقت میں انھیں کے ڈیپارٹمنٹ کے ایک لڑکے سے باتیں کر رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر وہ کچھ سٹپٹائے، کچھ ہچکچائے۔ پھر جب وہ چلا گیا تو مجھ پر خفا ہونے لگے کہ مجھے GKARE ہونا چاہئے اور ہر کسی سے یوں آزادی سے نہیں ملنا چاہئے۔ میں بھلا اُن سے کیا پوچھتی کہ آخر یہ خفگی کیوں؟ کس حق سے مجھ پر یہ حکم صادر ہو رہا ہے؟ شیلین بابو! یہاں کے لوگ عجیب ہیں۔ وہ جو ہیں لعل صاحب وہ ایک روز مجھ پر لال پیلے ہونے لگے کہ اُن کے علاوہ میں اوروں سے کیوں بے تکلف ہو جاتی ہوں۔ اب [illegible] اُن سے میں اُن کی اِس بے جا بے تکلفی کے بارے میں کیا پوچھتی۔ اور وہ......"

پروفیسر شیلین چپ چاپ اپنی عینک کے شیشے صاف کرتے رہے۔

پھر یکایک مس ریکھا کی آواز کا لہجہ بدل گیا اور وہ بولیں۔

"شیلین بابو! آپ کو بھی تو میری یہ حرکتیں ناگوار معلوم ہوتی ہوں گی؟ لیکن آپ ـــــ آپ کیوں نہیں خفا ہوتے مجھ پر!"

وہ اِس کا جواب کیا دیتے!

وہ خاموش رہے۔

دونوں ہی خاموش رہے۔

اور پھر مس ریکھا اُن کے پاس سے اُٹھ کر چلی گئیں۔ اور جب وہ چلی گئیں تو شیلین بابو نے سوچا کہ دل تو اُن کا بھی یہی چاہتا ہے لیکن اُن کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

پھر ایک اور عجیب بات ہوئی۔

پروفیسر مس ریکھا حد سے زیادہ سنجیدہ بن گئیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے انھوں نے سب سے یک لخت اپنے تعلقات منقطع کر لئے ہوں۔

"میرا کون اپنا ہے؟ میں سب کے ارادے اور نیتیں جانتی ہوں!"

ایک بار جھلا کر انھوں نے اپنے آپ سے کہا تھا۔

"لیکن اِس طرح؟"

جیسے اِس طرح تو اُن کا دم گھٹ جائے گا۔

"زندگی میں کوئی تو اپنا کہے جانے کے لائق ہو لیکن کون اپنا ہے؟ یہ لعل صاحب؟ جن کی نئی نئی شادی ہوئی ہے! تھاپر صاحب؟ جن کے نصف درجن سے زیادہ بچے ہیں۔ اور وہ ـــــ اور وہ ـــــ وہ ـــــ"

وہ سوچنے لگیں۔

بلکہ اِس طرح بہت کچھ سوچتی رہیں۔

لیکن محض سوچتے رہنے سے تو کوئی اپنا نہیں مل جاتا!

جذبات کے تپتے صحرا میں انھیں چھاؤں کی ضرورت تھی۔ ایک سکون بخش

ٹھنڈے پانی کے چشمے کی حاجت تھی۔ اور اِس جستجو اور تلاش میں وہ اب تک ہر سراب کی طرف دوڑا کیں لیکن سراب سے کسی کی پیاس بجھتی ہے کیا؟

پھر ایک روز وہ اسٹاف روم سے نکل کر کنٹین کی طرف جا رہی تھیں کہ اُنھوں نے کچھ لڑکوں کو آپس میں باتیں کرتے سُنا۔

"پروفیسر شیلین بنرجی پھر خشک ہوتے جا رہے ہیں۔ اُنھیں پھولوں سے اب پیار نہیں رہا۔"

"پروفیسر شیلین!؟"

مِس ریکھا کے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی۔

وہ مُسکرائیں۔

"تو آپ کو بھی پھولوں سے پیار رہا ہے! میں تو آپ کو ایک زاہدِ خشک سمجھتی تھی۔ بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر کچھ اور ——— محض ایک سائنٹسٹ! پھر میں آپ کے متعلق سوچنے کی جُرأت کیسے کرتی؟"

"لیکن پروفیسر بنرجی! میں کہوں" مِس ریکھا سوچتے سوچتے فلسفی بن گئیں۔ "سائنٹسٹ ٹھوس حقیقت کے چکر میں پھنس کر FRUSTRATED ہو جاتے ہیں اور تب ہی ——— تب ہی دُنیا ہیروشیما بن جاتی ہے۔ جہنم زار۔ لیکن آپ ——— شیلین بابو ——— !"

اُنھوں نے اُنکا نام دہرایا۔

اور اُنھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سرت چندر کے کسی ناول کے ہیرو ہوں۔ اور وہ خود ——— لیکن اپنے بارے میں کچھ سوچتے ہوئے وہ شرمانے لگیں۔

پھر سب سے بڑی عجیب بات ہوئی۔

پروفیسر شیلین اور ریکھا کی شادی ہو گئی۔

اور دعوت کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ سوچنے لگے۔ شاید اب ایٹم بموں سے صرف پھولوں کی بارش ہو گی۔ بمبار طیارے کیف آگیں اور روح پرور نغمے بکھیریں گے ———!!

●●

"بیسویں صدی" میں بوگس اور ۴۲۰ قسم کے اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے (مینجر)

غزل

رعنا جگی۔ بی۔ اے

وہ کچھ یوں اِس دل میں سمائے
ہاتھ آکر بھی ہاتھ نہ آئے

دل پہ اُمڈے غم کے سائے
میتا نے پر بادل چھائے

آنسو بھی کچھ کام نہ آئے
دل کی لگی کو کون بجھائے

دِل پہ مایوسی کا عالم
جیسے دیپک بجھتا جائے

تیری یاد نے دل کو چھیڑا
آنکھوں میں آنسو بھر آئے

دل کا تو کچھ رنج نہیں ہے
غم کا رشتہ ٹوٹ نہ جائے

تیرا تصور دل میں جیسے
بادل میں بجلی لہرائے

حُسن کی سادہ سی باتوں نے بھی
کتنے رنگیں گیت سُنائے

غم کی کڑکتی دھوپ میں اکثر
یاد آئے اُس زلف کے سائے

ضبطِ جنوں کا عالم جیسے
کوئی جیتے جی مر جائے

پھولوں میں رہ کر کانٹوں کو
گُلشن کے آداب نہ آئے

ایک خوشی کی خاطر ہم نے
دُنیا بھر کے رنج اُٹھائے

سونے من میں آشا جیسے
کوئی کھنڈر میں دیپ جلائے

دُنیا کی ہمدردی جیسے
کوئی چِتا پر پھول چڑھائے

حسرتِ غنچہ، ایک تبسم
وہ بھی شاید راس نہ آئے

دِل کا دِل سے ملنا جیسے
دیپک سے دیپک جل جائے

گُل کا تبسم دیکھ کے رعنا
بھولے بسرے دن یاد آئے

افسانہ

پُل

ہرچرن چاولہ بی۔اے

۱۳/۳۳ بی۔ تلک نگر، نیو دہلی نمبر ۱۸

۱۴ اگست ۱۹۶۱ء

محترمی خوشتر صاحب! تسلیم

..... یہ تکنیک نئی نہیں، اس پر پہلے بھی تجربے ہو چکے ہیں لیکن بہت کم۔ اس لئے مجھے یقین ہے افسانہ آپ کو ضرور پسند آئے گا.....

مخلص ــــــ ہرچرن چاولہ

میں اتنے بڑے اسٹیشن کے اس پُل پر کھڑا ہوں جس کا ایک پاؤں بازار کے سر پر ہے اور دوسرا اسٹیشن کے درمیانی پلیٹ فارم پر۔ میرے پاؤں کے نیچے چھک چھک کرتے انجن شنٹنگ کر رہے ہیں۔ اور میرے دائیں بائیں مال گاڑیوں کا بہت بڑا یارڈ ہے۔ یہ اسٹیشن ایک نہیں، دو نہیں، پورے پانچ اطراف کا نقطۂ اتصال ہے۔ پُل کے نیچے کتنی ہی گاڑیاں مال، پسنجر، ایکسپریس اور میل دھڑدھڑاتی ہوئی نکل رہی ہیں۔ یہ وقت گاڑیوں کی آمدورفت کا ہے۔ پلیٹ فارم پر بالی کے بیٹے انگد کے پاؤں کی طرح جمے اس پُل کے پاس ہی سندھی کا چھوٹا سا ٹی سٹال ہے جہاں گاڑیوں کے آتے ہی مسافروں کا جمگھٹا سا لگ جاتا ہے۔ اس سٹال کے برتنوں کے لبوں نے کئی ماہ وش کافر اداؤں اور بدصورت و بدہیئت لوگوں کے ہونٹوں کے لمس محسوس کئے ہیں۔ جہاں میں کھڑا ہوں وہاں سے ہر آدمی (جسے شہر یا شہر کے بازار کی طرف جانا ہوتا ہے) گزر کر جاتا ہے۔ اس لئے مجھے یہاں کئی چہرے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ کھلی کتاب کی طرح صاف چہرے۔ اُن پر لکھا جب چاہو پڑھ لو۔ اور میں یہ کتابیں ایک عرصہ سے پڑھ رہا ہوں۔ کیونکہ فرصت کے لمحات میں یہی میرا شغل ہے۔ جب میں اپنی تھکا دینے والی ڈیوٹی سے فراغت پاتا ہوں تو سیدھا یہیں چلا آتا ہوں۔ اِن کتابوں سے بھری لائبریری سے دل بہلانے۔ یہ کتابیں ایک خوبصورت شیشے کے پہیوں والے ریک میں رکھی میرے سامنے سے گزرنے لگتی ہیں۔ اور پھر میں جسے چاہتا ہوں انتخاب کر کے پڑھ ... سچ کہتا ہوں کبھی آپ کو بھی اِن کتابوں کے پڑھنے کا چسکا لگ جائے تو ... کالی داس اور غالب کو بھول جائیں گے۔

اب یہ دیکھئے، یہ صاحب جو جا رہے ہیں گنجے سے۔ شاید اِن ہی کے ... نے کہا تھا۔ خدا گنجے کو ناخن نہ دے۔ مگر صاحب! خدا نے انھیں ناخن ... اور بڑے تیز دیئے ہیں۔ اور گنجی کھوپڑی تو یوں چمکتی ہے جیسے سو واٹ ... بلب! ابھی پرسوں کی بات ہے یہ ایک نوجوان کے ساتھ جا رہے تھے۔ یہ کہتے ...

"ارے رمیش! تم اپنی بیوی کے ساتھ بمبئی گئے تھے نا، فلم کے ... میں! اُس کا کیا ہوا؟"

"چاچا! ابھی تو ہم علاج کے لئے گئے تھے!"

"ارے بیٹا! مجھ سے کیوں چھپاتے ہو، میں بھی قیامت کی نظر رکھتا ...

"چاچا! یہ تمہاری قیامت کی نظر اُس چھوکری پر کیوں نہیں ... ابھی پچھلے دنوں اپنے یار کے کہنے پر سیر آب کر لیتے ہیں۔"

"رمیش! زبان سنبھال کر بات کرو ــــ میں ــــ میں تمہار...

اور چاچا غصے سے کانپنے لگے۔

"چاچا! دیکھو غصہ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے خوبصورتی زائل ...

جاتی ہے۔ اور ہاں وہ بھاگ کر کہاں گئی تھی ؟"

ایک تیز جھکڑ نے اس کتاب کے اوراق اُلٹ پلٹ کر رکھ دیئے۔ چاچا بازار کی طرف جا رہے تھے۔ اب اپنی کوٹھی کی طرف لوٹ گئے ہیں اور رمیش بازار کی طرف چلا گیا ہے۔

یہ پُل ایسی جگہ ہے جہاں ہر چہرہ کبھی نہ کبھی سامنے آہی جاتا ہے۔ مگر یہ چاچا "جینئے کی جوڑی مجھے پھر کبھی اس پُل پر نظر نہیں آئی۔

آج میں کام سے فارغ ہو کر ابھی ابھی اس پُل پر آیا ہوں۔ آج بہت تھکا ہوا ہوں۔ یہ پُل میرے لئے ایک سکرین کے پردے کی طرح ہے۔ جس پر ہر روز ایک نئی فلم دیکھتا ہوں۔

یہ دیکھئے۔ پُل کے پاس ہی جو صاحب کھڑے ہیں۔ ہاں ہاں، بالکل وہی جن کے بال صاف رنگے نظر آتے ہیں۔ میرا خیال ہے اگر یہ اپنے صاف چاندی جیسے بالوں کو نہ رنگتے تو ان کا دل بھی رنگ پکڑ کر کالا نہ ہو جاتا۔ ٹھیک ہی تو ہے رنگ کے اتنے بڑے تجربے کو کالے رنگ تلے چھپانے سے دل کی سیاہی بڑھے ہی گی۔ لو وہ دیکھو۔ وہ ٹکٹ کلکٹر سے کچھ کہہ رہے ہیں۔

"بھیّا! یہ دس آدمی اپنے ہی ہیں۔ انھیں جانے دینا۔"

دسوں آدمی گیٹ سے پار نکل گئے ہیں۔ یہ لمبی پھر سندھی کے اسٹال پر رُکتے ہیں۔ اس کے ٹافیوں سے بھرے مرتبان سے ایک ٹافی نکال کر مُنھ میں ڈالتے ہوئے خاکی وردی کا کوٹ بغل میں دبا کر اور ٹکٹ کلکٹر کی نظریں بچا کر پُل کی طرف بڑھتے ہیں۔ میں اُن کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں اور اب میں اپنی مخصوص جگہ پر آ کر رُک گیا ہوں۔ اِس جگہ کے نزدیک ہی پُل کا دوسرا پاؤں بازار کے اُس سرے پر ایستادہ ہے۔ اُن دس آدمیوں میں سے ایک آدمی پُل کے پاؤں کے پاس ویران جگہ پر رُک گیا ہے۔ اور پھر میں دیکھتا ہوں اُس میں اور ہمارے رنگے ہوئے بالوں والے صاحب میں تھوڑی دیر کھسر پھسر ہوتی ہے۔ میں زیادہ تو نہیں سُن سکتا کیونکہ یہ جگہ میری آنکھوں سے نزدیک سہی کانوں سے دُور ہے۔ لیکن پھر بھی ایک نامکمل سا فقرہ جو میری سمجھ میں آسکا وہ یہ ہے۔

"بمبئی میں تم لوگوں کو دِلّی سے لایا ہوں۔ آدھا کرایہ بھی اگر....."

اور پھر میں دیکھتا ہوں کچھ ہرے کچھ سُرخ نوٹ اُس آدمی کے ہاتھوں سے نکل کر اِن صاحب کی جیب کی زینت بن جاتے ہیں۔

ذرا دیکھئے تو یہ آج پلیٹ فارم پر پارسل آفس کے آگے شور سا کیا ہے؟ اوہ! یہ تو اپنے ہردیال بابو ہیں۔ بڑے ایماندار بڑے بھلے۔ کسی سے ایک بیڑی تو کیا، پانی کے ایک گھونٹ کے بھی روادار نہیں۔ مگر آج یہ غصے میں کیوں ہیں؟

"کہہ دیا۔ یہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

"آخر کیوں ؟"

"آخر کیوں!" وہ اُس کا منھ چڑاتے ہیں۔

"اس پر تمھارا نام کندہ ہے؟ کیوں نہیں۔ یہ راستے میں گم ہو سکتا ہے۔ کہو ہاں! تم کلیم کر سکتے ہو؟ بولو ہاں۔ تم نے فارورڈنگ نوٹ بھرا ہے؟ نہیں۔ تو بولو، یہ سب کون کرے گا؟"

"بابو جی! میں تو گانوں کا آدمی ہوں میں یہ سب کیا جانوں، آپ ہی ٹھیک کر دیجئے۔"

"ارے بھی جا رہی۔ میں ہردیال ہوں۔ وہ صاحب تبدیل ہو گئے جو آپ ہی سب کچھ ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔"

میں اپنے دفتر میں آ بیٹھا ہوں۔ چار بجتے ہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پُل پر جا کھڑا ہوں گا۔

اِس وقت سوا چار بجے ہیں۔ اپنی مخصوص جگہ پر آ کر میں کھڑا ہو گیا ہوں۔ لو وہ دیکھو، لالہ ہردیال جی بھی اِدھر ہی آ رہے ہیں۔ شاید گھر جا رہے ہوں گے۔ چار بجے ڈیوٹی سے چھوٹتے ہیں۔ مگر پیچھے یہ ایک میلا سا مزدور (لوڈر) کیوں اُن سے قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لو وہ اب اُن سے کندھے سے کندھا ملا کر چلنے لگا۔ مگر یہ کیا ... یہ کیا ؟ ...... اچھا تو یہ بات ہے مزدور تو اُن سے کچھ کہہ بھی رہا ہے۔ ذرا سُنوں تو۔

"بڑے بابو جی! یہ آج کے لوگوں کے پیسے ہیں!"

آج میں بہت تھک گیا ہوں۔ تھک تو خیر روز ہی جاتا ہوں۔ کیا کروں کام ہی ایسا ہے۔ آپ ہی بتائیے، آپ ٹائپ تو کر سکتے ہیں مگر ٹائپ کی ٹپ ٹپ کی آواز سے الفاظ اخذ کرنا کتنا دماغ سوزی کا کام ہے؟ اور پھر دن بھر پتیل پیٹنا کھوپڑی خالی ہو جاتی ہے ...... آج مجھے یہاں سے دوسرے اسٹیشن جانا ہے۔

وہاں میرا ایک دوست ہے۔ اُس نے مجھے خاص طور پر بلایا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں ویران اسٹیشن پر تعینات ہے جہاں دن کو اُلّو بولتے ہیں۔ جہاں کوئی سوسائٹی نہیں۔ جہاں اگر بیمار پڑ جائے تو کوئی تیماردار نہ ہو اور اگر خدانخواستہ مر جائے تو کوئی نوحہ خواں نہ ہو۔ جہاں دُنیا سے بچھڑے ہوئے ایک دو بہت ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں تو ہیں لیکن علم کا نور نہیں۔ جہاں دُور دُور تک اندھیرے گھُپ اندھیرے اور خونخوار درندوں سے بھرے جنگلات ہیں۔ وہاں میرا دوست صرف ایک روپے ماہانہ پر قربانی کا بکرا بنا ہوا ہے۔ وہ وہاں اکثر اُداس اور غمگین رہتا ہے۔ وہ وہاں رہنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ غریب ہے۔ اور اُس کی ماں گھر پر بیمار رہتی ہے اُس نے مجھے اپنے پاس بُلایا ہے۔ کیونکہ کل میری ہفتہ واری چھٹی ہے۔ وہ کہتا ہے میری موجودگی اُس کے دل سے اُداسی کی گھٹاؤں کو ہٹا دیتی ہے۔ میں دفتر سے باہر آ گیا ہوں۔ پُل کے پاس انکوائری آفس ہے۔ وہاں سے پوچھنے پر مجھے پتہ چلا ہے کہ میری منزل کی طرف جانے والی ڈیزل ریل کار آدھ گھنٹہ لیٹ ہے۔ تو میں یہ آدھ گھنٹہ کیوں نہ پُل پر ہی گزاروں۔ کیونکہ اس پُل کے نیچے گھُٹا گھُٹا سا ماحول ہے۔ ذمہ داریوں کا بھاری احساس ہے۔ جہاں میں نے اپنی ڈیوٹی کے آٹھ گھنٹے گزارے ہیں۔ اور پُل کے اُوپر ننھے ننھے چہروں کی کتابیں ہیں کھُلی ہوئی ہے۔ بازار اور شہر کے نظارے ہیں۔ پُل کا دوسرا پاؤں جو بازار کے کندھے پر رکھا ہوا ہے اُس کے دائیں طرف بکنگ آفس ہے۔ اس بکنگ آفس سے لوگوں کو ٹکٹ ملتے ہیں۔ ٹکٹ جو انھیں اُن کے گھروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ٹکٹ جو بچھڑوں کو ملاتے ہیں۔ ٹکٹ جو ملٹری کے اُن جوانوں کو اپنی محبوباؤں سے ملاتے ہیں جو کئی کئی ماہ اُن کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھی رہتی ہیں۔ مگر آپ کیا جانیں، کبھی کبھی یہی ٹکٹ اپنے مسافروں کو اپنی راہ سے اس قدر بھٹکا دیتے ہیں کہ وہ ہوش میں آنے تک اپنی منزل سے کوسوں دُور جا چکے ہوتے ہیں۔

جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا وہ ٹھیک ہے مجھے یقین نہیں آتا۔ ذرا دیکھئے وہ حسینہ۔ ہاں ہاں بالکل وہی۔ جس نے سفید سادہ سُوتی ساڑی پہن رکھی ہے۔ واہ رے بھگوان! تُو نے اُسے حُسن دیا تھا۔ تو جانے کون سا جیتا جاگتا تھا۔ ٹکٹ لے کر وہ پُل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ لو وہ میرے قریب آ گئی لیکن یہ سائے کی طرح اُس کے پیچھے لگا نوجوان کون ہے؟ ہوگا کوئی۔ مجھے کیا! کیا میں اس کا محافظ ہوں۔ پُل کے نیچے میری منزل کو جانے والی ڈیزل ریل کار دھڑدھڑاتی ہوئی گزر رہی ہے۔ وہ حسینہ اور وہ نوجوان ڈیزل ریل کار کی طرف لپکے ہیں۔ میں اُن کے پیچھے ہوں ابھی۔ وہ دونوں کی اس ریل کار میں ذرا لیٹ ہو جاتا تو جگہ نہیں ملتی۔ دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ نوجوان حسینہ کی سامنے والی سیٹ کے برابر براجمان ہو گیا ہے۔ میں اُن سے تیسری کونے والی سیٹ پا سکا ہوں جہاں سے میں اُن کی ہر حرکت نہایت آسانی سے نوٹ کر سکتا ہوں۔ اُن کی سیٹ کونے کی اور آخری ہونے کی وجہ سے صرف دو سیٹوں والی ہے۔ جس پر وہ آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ اُن کے پاس بھیڑ بھی زیادہ ہے۔ ڈیزل کار ہولے ہولے رینگنے لگی ہے۔ نوجوان کی آنکھیں اُٹھی ہیں۔ ہونٹ مسکرائے ہیں اور پھر اُس نے اپنا پاؤں ہولے سے لڑکی کے پاؤں سے مس کر دیا ہے۔ مگر لڑکی نے اپنا پاؤں کھینچا نہیں بلکہ جواباً اُس کے ہونٹوں پر بھی ایک مدھر مسکان رینگنے لگی ہے شاید وادیٔ محبت میں اُس کا پہلا قدم ہے .... تنا کر پڑنے سے پہلے اس کا سینہ دھڑ دھڑاتا ہے۔ نوجوان نے دھڑکتے دل سے چہرہ لٹکا کر بیمار صورت بنا کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے لڑکی سے کہا ہے۔

"ذرا دیکھنا مجھے بخار تو نہیں؟"

لڑکی نے بخار دیکھنے کے لئے نوجوان کی کلائی تھام لی ہے۔ وہ کچھ دیر کلائی تھامے رکھتی ہے جیسے غور سے دیکھ رہی ہو مریضِ عشق کو کتنے ڈگری بخار ہے نوجوان نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔ "دیکھو آج ہاتھ تھاما ہے تو اسے چھوڑ نہ دینا۔"

مگر لڑکی نے جیسے گھبرا کر ہولے سے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک عجیب شرمیلی مسکراہٹ کا پرتو ہے۔ نوجوان نے اُس کی اس کمزوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا پتہ لکھا ہوا کاغذ لڑکی کی ایک کتاب میں رکھ دیا ہے اور لڑکی یہ دیکھتے ہوئے بھی انجان بنی ہوئی ہے۔

ریل کار میری مطلوبہ منزل پر رُک گئی

نوجوان تو اُترا نہیں لیکن لڑکی اُتر گئی ہے۔

میں بھی اُتر گیا ہوں۔

لڑکی شاید اسی گاؤں کی گوری ہے۔ شہر میں پڑھتی ہوگی۔ کل اسکول کو

میں چھپی ہے۔ آج گھر جا رہی ہوگی۔ مگر وہ نوجوان، وہ اُترا کیوں نہیں ....

میں لڑکی کے ساتھ ساتھ چلتا اُس کے چہرے کی کھُلی کتاب صاف پڑھ سکتا ہوں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ اپنے پہلے پیار پر بہت خوش ہے۔ لیکن وہ بیچاری کیا جانے کہ وہ جو سُہانا خواب دیکھ رہی ہے۔ اُس کی تعبیر کتنی بھیانک اور رُوح کو لرزا دینے والی ہے!

کاش میں اُسے بتا سکتا کہ وہ جسے اپنا سمجھے بیٹھی ہے وہ صرف اُس کا نہیں ایک بیوی کا شوہر اور تین بچوں کا باپ بھی ہے ---- !! ◆◆

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ اور سطور کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھ دیا کریں۔ نوآموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ لے لیا کریں اگر وہ چاہیں کہ مسترد مضامین ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔

(ایڈیٹر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

ایجنٹ صاحبان پرچہ کی کمی وبیشی کی اطلاع ہر ماہ کی یکم تاریخ تک بھیج دیا کریں جو ہر حالت میں تین تاریخ تک ہمیں مل جانی چاہئے۔ اِس کے بعد آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ پوسٹ آفس کے نئے قانون کے مطابق رسالہ کی پوسٹنگ کی مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد رسالہ بھیجنے پر چھ گنا زیادہ محصول لگتا ہے۔ اِس لئے کسی ایجنٹ کو رسالہ دوبارہ بھیجنے سے ہم قطعی معذور رہتے ہیں۔

(مینجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

غزلیں

احسان دانش

گلشن میں اعلانِ نسیمِ سحری ہے
پھولوں کی ہنسی کچھ بھی نہیں بے خبری ہے

ہشیار رہیں اپنے دیاروں سے کو اکب
اب مائلِ پرواز مذاقِ بشری ہے

حیراں ہوں کہاں جاؤں کدھر آنکھ اٹھاؤں
انجامِ نظارہ تو پریشاں نظری ہے

ہر چند ہیں خاموش گُل و لالہ و نسریں
گھبرائی ہوئی پھر بھی نسیمِ سحری ہے

پیاسے نہیں زخموں پہ تو فریاد کے معنی
اے دوست ابھی عام یہاں بے بصری ہے

اُس چشمِ فسوں گر سے اُلجھتا نہیں کوئی
رُسوائے زمانہ مری شوریدہ سری ہے

تُو اپنے مقاماتِ طلب سے نہیں آگاہ
سمجھے تو وہ جلوہ بھی تری خوش نظری ہے

حیراں ہوں کسے رازِ حیاتِ ابدی دوں
اِس دَور میں معراجِ خرد بے خبری ہے

مرتا ہوں زمانے کی روش دیکھ کے دانش
اب موت کا پیغام مری چارہ گری ہے

رشی پٹیالوی

تیرے غم کو خوشی ہم کہے جائیں گے
دردِ افزوں کو بھی کم کہے جائیں گے

لذت اندوزیٔ زخمِ دل کی قسم
تیرے پیکاں کو مرہم کہے جائیں گے

انتہائے طرب کو بھی غم آشنا
آرزوؤں کا ماتم کہے جائیں گے

تجھ سے وابستگی ہو گئی اس قدر
ہر الم کو ترا غم کہے جائیں گے

جان کیا چیز ہے جانِ جاں کیوں کہیں
ہم تجھے جانِ عالم کہے جائیں گے

نام دے کر زمانے کی رُوداد کا
داستاں آپ کی ہم کہے جائیں گے

وہ جلائیں گے کیا آنسوؤں کے دیے
خشک پلکوں کو جو نم کہے جائیں گے

کس کو فرصت سُنے کون احوالِ غم
دل سُنے جائے گا ہم کہے جائیں گے

وہ فسوں ساز، عیار، دم باز ہے
ہم رشی اُس کو ہمدم کہے جائیں گے


LIFEBUOY
SOAP

نئی لڑکی

——— نجیب اسلم

رمضان منزل، موری گیٹ، سیالکوٹ شہر (ویسٹ پاکستان)

۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء   مکرمی و محترمی! گلہائے عقیدت

"بیسویں صدی" کا حسین و جمیل افسانہ نمبر نظر نواز ہوا۔ جس میں کچھ افسانے تو لاثانی و لافانی ہیں اور یہ آپ ہی کے خلوص اور انتھک کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آپ کو ایسی بلند پایہ تخلیقات مل جاتی ہیں، جو دوسرے ادبی رسائل کو کسی قیمت پر بھی نصیب نہیں ہوتیں۔۔۔۔ ایک تازہ ترین تخلیق "نئی لڑکی" لے کر بزم "بیسویں صدی" میں شریک ہونے کی جرأت کر رہا ہوں۔ یہ کہانی آپ کے بلند معیار پر پوری اتر آئی تو سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔۔۔۔ آپ کا ——— نجیب اسلم

خالد ملک اور میں ایک روز سیر و تفریح کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ہم دونوں کے پاس معمولی رقم تھی اور خالد ملک کو وقت گزاری کے لئے کسی ایسے شغلے کی سخت ضرورت تھی جس سے اس کا دل بہل جائے کیونکہ کچھ دن پہلے اس کی بیوی رفعت اس کی کل پونجی چرا کر فرار ہو گئی تھی۔ پھر ایک ایسے خط میں جس میں کوئی ایڈریس نہ تھا اس نے لکھا تھا کہ وہ اس کے پاس واپس آ رہی ہے۔ لیکن اس خط کو موصول ہوئے چار دن ہو گئے تھے اور نہ وہ خود آئی تھی۔ نہ اس کا سراغ ہی ملا تھا۔ اس لئے خالد ملک کی اتنی بے چینی بجا تھی۔ بے چارے نے اخبارات میں گمشدگی کے اشتہارات بھی دیئے۔ لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

میں اور خالد ملک یہی سوچ کر شہر سے بہت دور نکل آئے تھے کہ وہاں سیر کر کے شاید دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ لیکن اس کی وحشت اور اداسی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ ہونے کو کراچی شہر کے اس حصے میں بھانت بھانت کی دلچسپیاں تھیں۔ علاوہ ازیں سکاچ وہسکی پینے میں بھی ہم نے بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ پھر بھی خالد ملک کے چہرے پر شگفتگی نہ آ سکی تھی۔ وہی اداسی اور پریشانی تھی۔ جو گھر سے چلتے وقت اس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ آخر کار میں اسے ایک ہجوم سے کھینچ کر ایک طرف لے گیا۔ اس طرف دکانیں زیادہ نہیں تھیں۔ شور و غوغا بھی نہیں تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی دکان کے سامنے جو کوئی تین گز لمبی اور دو گز چوڑی ہو گی خالد رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی جھلک پیدا ہو گئی۔ کیوں نہ میں ان حضرت کو جو عامل کامل نجومی کا بورڈ لگائے ہوئے ہیں اور علم رمل و جفر کے استادِ یگانہ ہیں) اپنا ہاتھ دکھاؤں۔ دیکھو تو قسمت کیا کہتی ہے خالد ملک عجیب وہمی انسان تھا۔ وہ کالی بلیوں کی نحوست، اعداد کے مبارک و نامبارک اثرات اور اخبارات میں چھپنے والی پیشین گوئیوں کی صداقت پر اعتماد رکھتا تھا۔ ہم اسی دکان پر پہنچ گئے جن کی دیواروں پر ہاتھ کی لکیروں کے نقشے، تعویذوں کے چارٹ آویزاں تھے۔ ایک کونے میں گھسی پٹی عملیات کی کتابوں پر دھول جم رہی تھی۔ خالد ملک نے سوا روپیہ نجومی کی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ اس کا ہاتھ گھوڑے کے سُم سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اور اس نے ہاتھ پھیلا کر رکھا بھی اسی طرح تھا جیسے وہ شخص نجومی نہ ہو نعلبند ہو۔ نجومی تھوڑی دیر تک ہاتھ کی لکیریں پڑھتا رہا۔ خاموشی سے، پھر کہنے لگا۔" آپ کے ہاتھ کی ریکھائیں کہہ رہی ہیں کہ آپ کو زندگی میں بڑے کشٹ اور مصیبتیں سہنی

پڑی ہیں۔ ابھی آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ یہ زہرہ کی پہاڑی، بشرطیکہ زہرہ کی پہاڑی ہی ہو بتا رہی ہے کہ آپ پچھلے دنوں کسی سے محبت کرتے رہے ہیں اور آپ کو اپنے محبوب کی طرف سے تکلیف بھی پہنچی ہے۔"

خالد ملک نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا۔

"سُن لیا تم نے ؟ ان کا اشارہ رفعت کی طرف ہے!"

پھر نجومی سے بلند آواز میں مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"خیر صاحب! اس سے آگے بھی کچھ فرمائیے!"

"آپ کو ایک ایسی ہستی کی طرف سے جسے آپ بھلانا بھی چاہیں تو نہیں بھلا سکتے، بہت کچھ جذباتی اور رُوحانی صدمے پہنچیں گے۔ آپ کے ہاتھ کی ریکھائیں بتاتی ہیں کہ اُس کے نام کا پہلا لفظ "ر" سے شروع ہوتا ہے۔"

"دیکھا ——— ؟!"

خالد ملک حیرت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"آگے سُنیئے ——— !"

نجومی نے بڑے فنکارانہ انداز سے ہاتھ دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سانولے آدمی اور جوان عورت سے ہمیشہ ہُشیار رہیئے۔ اُن کے ہاتھوں آپ کو نقصان پہنچے گا۔ آپ کے ہاتھ میں سفر کی ریکھا بھی ہے۔ عنقریب پانی کا سفر درپیش آنے گا۔ اور کچھ مالی خسارہ بھی آپ کے مقدر میں لکھا ہے۔ لیکن یہ ریکھا"

نجومی نے اُنگلی کے اشارے سے ایک لکیر دکھائی۔ "یہ ریکھا بتاتی ہے کہ آپ کی تقدیر چمکنے والی ہے۔ ایک شخص سے آپ کو لابھ ہوگا۔ اُس شخص کی پہچان یہ ہے کہ اُس کی ناک ٹوٹیاں طوطے جیسی ہوگی! مُڑی ہوتی۔"

"کیا اُس کا نام بھی لکھا ہے ؟" خالد ملک کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی "اگر نام لکھا ہے تو بتا دیجئے۔ تاکہ اگر وہ لابھ کا سامان لے کر آئے تو اُسے مخاطب کر کے دعا سلام کر سکوں۔"

"اُس کا نام تو ریکھاؤں سے ظاہر نہیں ہوتا۔" نجومی نے کہا "لیکن یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ نام لمبا ہوگا۔"

"اور کچھ ؟" خالد ملک کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اور یہ کہ اُس نام میں "خ" کا حرف ضرور ہونا چاہیئے۔ اور یقیناً ہوگا۔

بس اتنا ہی ہے۔ اچھا اب خدا حافظ! اب دوسرے صاحب کی باری ہے صاحب!"

"حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسے اتنا کچھ معلوم کیسے ہو گیا؟"

خالد ملک نے میرے کاندھے پہ اپنا بازو رکھ کر وہاں سے رخصت ہو وقت اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

ہم بھیڑ میں سے دھکّے کھاتے دھکّے دیتے ہوئے نکل رہے تھے کہ مکرانی کا سگریٹ خالد ملک کے کان سے چھو گیا۔ اور اُس پہ جھگڑا اُٹھ کھڑا ملک نے اُس کی پسلیوں میں گھونسا مارا اور مکرانی منہ کے بل زمین پر وہ تو خیریت ہوئی کہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی ہم لوگ وہاں سے نکل کیونکہ خالد ملک کو غصہ آجائے تو قیامت ہی برپا کر دیتا ہے۔ تھوڑی دور ایک شخص دکھائی دیا جو آئس کریم بیچ رہا تھا۔ خالد ملک نے یہ دیکھنے کے جیب میں کُل کتنے پیسے رہ گئے ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا منہ دانت کی طرح پیلا پڑ گیا۔ وہاں تو بس اللہ کا نام تھا۔ اُس بھیڑ میں کسی کترے بغیر ہی اُڑا لئے تھے سب پیسے۔ وہ آئس کریم کی خواہش دل میں آگے چل دیا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ راستے میں کھڑی خاتون کے پاؤں پر خالد ملک کا پاؤں پڑ گیا۔ اگر وہ بچتے ہوئے ہوتو زیادہ اخلاق برتنے لگتا ہے۔ چنانچہ معذرت کرتے ہوئے اُس نے اپنی ٹوپی کو چھوا تو وہ نیچے گر گئی۔ اور ہوا کے دوش پہ اُڑتی ہوئی کچھ نا پر جا گری۔ خالد ملک کی جھنجھلاہٹ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اب تو مجھے فکر ہو گئی۔ کیونکہ ایسے حادثے پر حادثہ پیش آرہا تھا میں جانتا ہوں کہ اگر ایک آدھ سانحہ اور گزر جاتا تو خالد ملک کسی نہ کسی کا سر ضرور پھوڑ دیتا۔

یکایک میرے بازو پر اُس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور سامنے ہوئے مکرانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اِس نے میرا کان جلا دیا تھا اور میرا نقصان بھی ہوا ہے۔ سب روپے غائب ہو گئے ہیں میری جیب سے۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی جھنجھلاہٹ کے جواز میں حادثوں کی فہرست پیش کر رہا ہے۔ انسان اکثر ایسا کرتا ہے۔ اِس لئے میں نے اُس

"کچھ خیال نہ کرو۔ معمولی باتیں ہیں۔ ایسا ہو ہی جاتا ہے۔"

"سنئیے۔۔۔!" وہ کہنے لگا۔ "تم علمِ غیب اور نجومیوں کے قائل نہیں تھے لیکن دیکھو نجومی نے میرا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بتایا تھا حرف بحرف سچ ثابت ہو رہا ہے؟ اُس نے کہا تھا کہ سانولے آدمی اور خوبصورت عورت سے ہوشیار رہنا ان سے تمہیں نقصان پہنچے گا۔ تم اُس بکراہی کو بھول گئے۔ خیر وہ میرے روپے کر واپس کر دے گا۔ اور تم اُس عورت کے جوان بیٹے سے کبھی شک نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے میری ملازمت خطرے میں پڑ گئی ہے اور پھر میری رقم بھی ضائع ہوئی ہے!"

خالد ملک نے جس انداز سے یہ بات بیان کی تھی اُس سے واقعی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہوتی تھی۔ اگرچہ مجھے اب بھی یہی نظر آرہا تھا کہ نجومیوں کی پیشین گوئیوں کے بغیر بھی ہجوم میں ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔ خالد ملک اپنے سامنے سے جاتے ہوئے ہر آدمی کو اپنی گول مٹول آنکھوں سے گھور گھور کے دیکھنے لگا تھا۔ جب تک وہ خود نہ بتائے اُس کے دل کا بھید پانا نہایت مشکل ہے میں نے اُس سے وجہ دریافت کی۔

"میں اُس لاہور کا انتظار کر رہا ہوں جو میرے ہاتھ کی لکیروں میں لکھا ہے۔ مجھے اُس مڑی ہوئی ناک والے شخص کا انتظار ہے، اُس کی تلاش ہے جو میرے لئے خوشی کا پیغام بن کے آئے گا۔ اب تو یہی آس لگائے ہوں مگر راہگیروں میں کوئی بھی مڑی ہوئی ناک والا نظر نہیں آتا۔"

ایک گلی کے موڑ پر بجلی کے ایک کھمبے کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ دراز قامت تھا۔ خوش پوش اور منہ میں سگار دبائے ہوئے۔ اُس کی ناک ایک جگہ کی بجائے دو جگہ سے مڑی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی سانپ لہرایا بنایا جا رہا ہو۔ میری اور خالد کی نظر بیک وقت اُس پر پڑی۔ اور خالد نے اس طرح اطمینان کی سانس لی جیسے کوئی گھوڑا پیٹھ سے کاٹھی اترنے پر لیتا ہے۔ وہ فوراً اُس شخص کے پاس پہنچا۔ اور میں بھی اُس کے ساتھ ہو لیا۔

"السلام علیکم حضرت!"

خالد ملک نے بہت بے باکانہ انداز میں اُس سے کہا۔

"ہو سکتا ہے ہمیں آپ سے متعارف ہونا پڑے!"

اُس شخص کے لہجے میں بڑی ملائمت تھی۔

"میرا نام ہے خلیق احمد خلیق رائے پوری!"

نام تو بالکل مطلوبہ شخص ہی کا تھا۔ اور اُس میں "خ" کا حرف بھی موجود تھا!

"اچھا اب ہم سے ملئے"

خالد ملک نے مسکراتے ہوئے کہنا شروع کر دیا۔

"آپ اِس وقت خالد ملک اور نجیب اسلم سے ہمکلام ہیں"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر" اُس شخص نے تعظیماً جھک کر بہت دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اچھا اب خدا حافظ!"

مڑی ہوئی ناک والا شاید اپنا پیچھا چھڑا کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"مگر سنئیے تو!"

خالد ملک نے اُس کا پیچھا کیا۔

میں بھی اُس کے ساتھ تھا۔

"آپ لوگ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" وہ گھبرایا ہوا تھا۔ "میں کہتا ہوں آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ لیکن اب خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ میں گھر جا رہا ہوں!"

"ضرور جائیے!" خالد ملک نے اُس کے قریب رُک کر کہا۔ "لیکن میں آپ کے در پر بیٹھ جاؤں گا۔ اور کل صبح آپ کے گھر سے نکلنے تک یونہی بیٹھا رہوں گا۔۔۔!"

"یہ عجیب مصیبت ہے!"

اُس شخص نے اُسے پاگل تصور کرتے ہوئے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"پھر یوں کیجئے صاحب کہ میرے ساتھ چلئے۔"

"کہاں؟" میں نے دریافت کیا۔

"جہاں میں لے جاتا ہوں!"

یہ کہہ کر وہ آگے آگے چلنے لگا۔ اور ہم اُس کے پیچھے پیچھے۔ تھوڑی دور جا کر ایک کیفے تھا۔ جس کے عقبی کمرے میں وہ ہمیں لے گیا۔ اور کچھ مشروبات

پڑی ہیں۔ ابھی آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ یہ زہرہ کی پہاڑی ہے، بشرطیکہ زہرہ کی پہاڑی ہی ہو۔ بتارہی ہے کہ آپ پچھلے دنوں کسی ... کرتے رہے ہیں اور آپ کو اپنے محبوب کی طرف سے تکلیف بھی پہنچی ہے۔"

خالد ملک نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا۔

"سن لیا تم نے؟ اِن کا اشارہ رفعت کی طرف ہے!"

پھر نجومی سے بلند آواز میں مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"خیر صاحب! اِس سے آگے بھی کچھ فرمائیے!"

"آپ کو ایک ایسی ہستی کی طرف سے جسے آپ بھلانا بھی چاہیں تو نہیں بھلا سکتے، بہت کچھ جذباتی اور روحانی صدمے پہنچیں گے۔ آپ کے ہاتھ کی ریکھائیں بتاتی ہیں کہ اُس کے نام کا پہلا لفظ "ر" سے شروع ہوتا ہے۔"

"دیکھا ——— ؟!"

خالد ملک حیرت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"آگے سُنیئے ———!"

نجومی نے بڑے فنکارانہ انداز سے ہاتھ دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سانولے آدمی اور جوان عورت سے ہمیشہ ہوشیار رہیئے۔ اُن کے ہاتھوں آپ کو نقصان پہنچے گا۔ آپ کے ہاتھ میں سفر کی ریکھا بھی ہے۔ عنقریب پانی کا سفر درپیش آئے گا۔ اور کچھ مالی خسارہ بھی آپ کے مقدر میں لکھا ہے۔ لیکن یہ ریکھا"

نجومی نے اُنگلی کے اشارے سے ایک لکیر دکھائی۔ "یہ ریکھا بتاتی ہے کہ آپ کی تقدیر چمکنے والی ہے۔ ایک شخص سے آپ کو لابھ ہوگا۔ اُس شخص کی پہچان یہ ہے کہ اُس کی ناک ٹوٹیاں طوطے جیسی ہوگی! مُڑی ہوئی۔"

"کیا اُس کا نام بھی لکھا ہے؟" خالد ملک کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی "اگر نام لکھا ہے تو بتا دیجئے۔ تاکہ اگر وہ لابھ کا سامان لے کر آئے تو اُسے مخاطب کر کے دعا سلام کر سکوں۔"

"اُس کا نام تو ریکھاؤں سے ظاہر نہیں ہوتا۔" نجومی نے کہا "لیکن یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ نام لمبا ہوگا۔"

"اور کچھ؟" خالد ملک کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اور یہ کہ اُس نام میں "خ" کا حرف ضرور ہونا چاہئے۔ اور یقیناً ہوگا۔

بس اتنا ہی ہے۔ اچھا اب خدا حافظ! ایسے دوسرے صاحب کی ... صاحب!"

"حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اِسے اتنا کچھ معلوم کیسے ہو گیا؟"

خالد ملک نے میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر وہاں سے ... وقت اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

ہم بھیڑ میں سے دھکے کھاتے دھکے دیتے ہوئے ... مکرانی کا سگریٹ خالد ملک کے کان سے چھو گیا۔ اور اُس ... ملک نے اُس کی پسلیوں میں گھونسا مارا اور مکرانی نے اُسے جواب ... وہ تو خیریت ہوئی کہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی ہم اُسے وہاں سے ... کیونکہ خالد ملک کو غصہ آجائے تو قیامت ہی برپا کر دیتا ہے۔ تھوڑی دور ... ایک شخص دکھائی دیا جو آئس کریم بیچ رہا تھا۔ خالد ملک نے یہ دیکھنے ... جیب میں کُل کتنے پیسے رہ گئے ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس کا ... دانت کی طرح پیلا پڑ گیا۔ وہاں تو بس اللہ کا نام تھا۔ اُس بھیڑ میں کسی ... کترے بغیر ہی اُڑا لئے تھے سب پیسے۔ وہ آئس کریم کی خواہش ... آگے چل دیا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ راستے میں کھڑی ہوئی ... خاتون کے پاؤں پر خالد ملک کا پاؤں پڑ گیا۔ اگر وہ ... زیادہ اخلاق برتنے لگتا ہے۔ چنانچہ معذرت کرتے ہوئے اُس نے ... اپنی ٹوپی کو چھوا تو وہ نیچے گر گئی۔ اور ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی ... پر جا گری۔ خالد ملک کی جھنجھلاہٹ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اب تو مجھے ... فکر ہو گئی۔ کیونکہ اُسے حادثے پر حادثہ پیش آرہا تھا۔ میں جانتا ہوں ... آدھ سانحہ اور گزر جاتا تو خالد ملک کسی نہ کسی کا سر ضرور پھوڑ دیتا۔

یکایک میرے بازو پر اُس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور سامنے ... ہوئے مکرانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اِس نے میرا کان جلا دیا تھا اور میرا نقصان بھی ہوا ہے۔ سب ... سب روپے غائب ہو گئے ہیں میری جیب سے:

میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی جھنجھلاہٹ کے جواز میں حادثوں ... فہرست پیش کر رہا ہے۔ انسان اکثر ایسا کرتا ہے۔ اِس لئے میں نے اُس ...

کچھ خیال نہ کرو معمولی باتیں ہیں۔ ایسا ہوہی جاتا ہے۔"

"سنو — !" وہ کہنے لگا "تم علم غیب اور معجزوں کے قائل نہیں تھے

ان دیکھو مجوسی نے میرا ہاتھ دیکھ کر جو کچھ بتایا تھا حرف بحرف سچ ثابت ہو رہا ہے

؟ اس نے کہا تھا کہ سانولے آدمی اور خوبصورت عورت سے ہوشیار رہنا

ہے تمہیں نقصان پہنچے گا۔ تم اس لکھائی کو بھول گئے۔ خیر وہ میرے

دینے کو یاد رکھے گا۔ اور تم اس عورت کے جوان ہونے میں بھی شک نہیں کر

سکتے جس کی وجہ سے میری ٹوپی مغرور جا گری ہے اور پھر میری رقم بھی ضائع ہوئی

ہے !"

خالد ملک نے جس انداز سے یہ بات بیان کی تھی اس سے واقعی پیشین گوئیوں کی

تصدیق ہوتی تھی۔ اگرچہ مجھے اب بھی یہی نظر آرہا تھا کہ نجومیوں کی پیشین گوئیوں

کے بغیر بھی ہجوم میں ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔ خالد ملک اپنے سامنے سے جاتے

ہوئے ہر آدمی کو اپنی گول مٹول آنکھوں سے گھور گھور کے دیکھنے لگا تھا۔ جب

تک وہ خود نہ بتائے اس کے دل کا بھید پانا نہایت مشکل ہے میں نے اس

سے وجہ دریافت کی۔

"میں اس لا بھد کا انتظار کر رہا ہوں جو میرے ہاتھ کی لکیروں میں لکھا ہے

مجھے اس مڑی ہوئی ناک والے شخص کا انتظار ہے، اس کی تلاش ہے جو میرے

لئے خوشی کا پیغامبر بن کے آئے گا۔ اب تو یہی آس لگائے ہوں مگر راہگیروں

میں کوئی بھی مڑی ہوئی ناک والا نظر نہیں آتا۔"

ایک گلی کے موڑ پر بجلی کے ایک کھمبے کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھا۔

وہ دراز قامت تھا۔ خوش پوش اور منہ میں سگار دبائے ہوئے۔ اس کی ناک

ایک جگہ کی بجائے دو جگہ سے مڑی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی سانپ لہریا بناتا جا رہا

ہو۔ میری اور خالد کی نظر بیک وقت اس پر پڑی۔ اور خالد نے اس طرح اطمینان

کی سانس لی جیسے کوئی گھوڑا پیٹھ سے کاٹھی اترنے پر لیتا ہے۔ وہ فوراً اس

شخص کے پاس پہنچا۔ اور میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"السلام علیکم حضرت !"

خالد ملک نے بہت بے باکانہ انداز میں اس سے کہا۔

"ہو سکتا ہے ہمیں آپ سے متعارف ہونا پڑے !"

اس شخص کے لہجے میں بڑی ملائمت تھی۔

"میرا نام ہے خلیق احمد خلیق رائے پوری !"

نام تو بالکل مطلوبہ سائز ہی کا تھا۔ اور اس میں "خ" کا حرف بھی موجود

تھا !

"اچھا اب آپ سے ملئے"

خالد ملک نے مسکراتے ہوئے کہنا شروع کر دیا۔

"آپ اس وقت خالد ملک اور حبیب سلیم سے ہمکلام ہیں !"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر!" اس شخص نے نعظیماً جھک کر بہت

دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اچھا اب خدا حافظ !"

مڑی ہوئی ناک والا شاید اپنا پیچھا چھڑا کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"مگر سنیئے تو !"

خالد ملک نے اس کا پیچھا کیا۔

میں بھی اس کے ساتھ تھا۔

"آپ لوگ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں ؟" وہ گھبرایا ہوا تھا "میں کہتا ہوں

آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن اب خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ

دیجئے میں گھر جا رہا ہوں !"

"ضرور جائیے !" خالد ملک نے اس کے قریب تر ہو کر کہا "لیکن میں

آپ کے در پہ بیٹھ جاؤں گا۔ اور کل صبح آپ کے گھر سے نکلنے تک پہرہ دیتا رہوں

گا — !"

"یہ عجیب مصیبت ہے !"

اس شخص نے اسے پاگل تصور کرتے ہوئے مجھ سے خطاب کرتے

ہوئے کہا۔

"دیکھئے صاحب کیجئے میرے ساتھ چلئے"

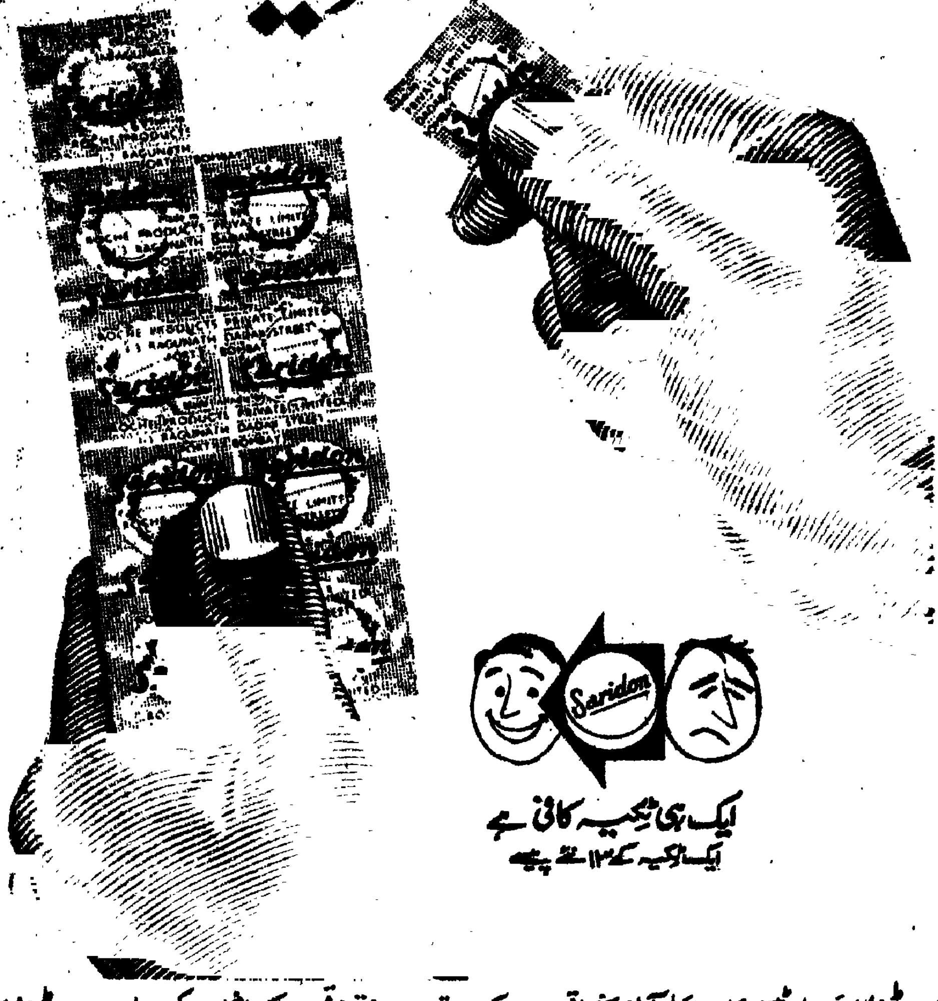
"کہاں ؟" میں نے دریافت کیا۔

"جہاں میں لے جاتا ہوں !"

یہ کہہ کر وہ آگے آگے چلنے لگا۔ اور ہم اس کے پیچھے پیچھے۔ تھوڑی

دور جا کر ایک کیفے تھا جس کے عقبی کمرے میں وہ ہمیں لے گیا۔ اور کچھ مشروبات

درد اور ٹیس میں سیریڈون لیجئے



سیریڈون درد اور ٹیس میں جلد آرام پہنچاتی ہے۔ بیک وقت اپنے تین قسم کے اثرات کی بدولت سیریڈون درد دور کرتی ہے، آرام پہنچاتی ہے اور تازگی بخشتی ہے۔ سر میں درد، بدن میں درد، دانت میں درد، حرارت یا طبیعت میں بے چینی محسوس ہوتے ہی سیریڈون لیجئے... اس سے آپ کو جلد اور یقینی آرام ملے گا اور کوئی نقصان بھی نہ پہنچے گا۔ سیریڈون کی ایک ٹکیہ بالغوں کے لئے پوری خوراک ہے۔ بچوں کے لئے ½ سے ¼ ٹکیہ کافی ہے۔

"روش" کی تیار کردہ
سول ڈسٹری بیوٹرز: وولٹاس لمیٹڈ

کالا کوٹ اُٹھنے کر جیب سے نکالی ہوئی کچھ ریزگاری اُس نے میز پر رکھ دی۔ پھر میری جانب اور خالد ملک کی طرف اِس شفقت سے دیکھا جیسے ہم اُس کے بھائی ہوں۔

"اچھا صاحب!" مڑی ہوئی ناک والے نے اپنی گھٹی ہوئی گردن میری طرف گھما کر دیکھا ——

"اب اِس کے بعد کیا پروگرام ہے آپ لوگوں کا؟"

اِتنے میں بیرا ایک طشتری میں سُرخ سوڈے سے بھرا ہوا بوتلیں، مگ اور تین خوب صورت گلاس لے کر آ گیا۔ اِس لئے میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ جب وہ سب کچھ میز پر رکھ کے چلا گیا تو مڑی ہوئی ناک والے نے گلاسوں میں سوڈا اُنڈیلنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو میرے سوال کا جواب؟"

"یہی کہ ——!" خالد ملک کے گھنگھریالے بالوں کا رنگ بیئر کے رنگ کی طرح سنہری تھا۔ اُس نے اُن میں بہت اطمینان کے ساتھ کنگھی کرتے ہوئے جواب دیا۔ "اب ہم آپ کے ساتھ رہیں گے!"

"شاید آپ تفریح چاہتے ہیں؟" اُس شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"چلئے یہی سمجھ لیجئے۔"

خالد ملک نے پورے کا پورا گلاس چڑھا جانے کے بعد کہا۔

"ہونہہ!" وہ شخص کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ "تو میرا خیال ہے کہ گھر میں جا کر کچھ دیر کے لئے سستا لیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں جب تک لیٹ نہ لوں میری تھکن دُور نہیں ہوتی۔ اور دفتر سے لَوٹنے کے بعد اگر میری عادت پوری نہ ہو تو طبیعت خراب ہی رہتی ہے۔"

اِتنے میں بیرا آ گیا۔ اُس کی پلیٹ میں بل تھا۔

بل ادا کر کے بیرے کو ٹِپ دے کر ہم باہر نکل آئے اور اُس مڑی ہوئی ناک والے شخص کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ایک گلی میں پہنچ گئے۔ جہاں اونچے آہنی جنگلوں اور سُرخ اینٹوں کے مکانات کی ایک قطار تھی۔ وہ شخص ایک مکان کے سامنے رُک گیا۔ اور بالائی منزل کی کھڑکیوں کی طرف جن میں روشنی کی کرن تک نہ تھی دیکھنے لگا۔

"یہ ہے میرا غریب خانہ!" اُس شخص نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "اور آثار کہتے ہیں کہ بیگم صاحبہ استراحت فرما رہی ہیں۔ اِس لئے اب آپ کی ضیافت کا کچھ سامان کرتا ہوں۔ مُرغ اور قیمہ تو ضرور ہوگا اور ایک دو بوتلیں شیمپین کی بھی! آپ کھائیں پئیں گے نا؟"

بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اور جی بھی چاہ رہا تھا۔ اِس لئے میں نے جھٹ سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں!"

لیکن خالد ملک کو شاید یہ خلش پریشان کر رہی تھی کہ نجومی نے جس لابھ کی بشارت دی تھی کیا اُس سے مُراد محض یہ شنڈا کھانا اور شراب کے جام تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اُس شخص نے ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"آئیے آئیے —— میں اِس دروازے سے جا کر اندر کی کنڈی کھولتا ہوں۔ اِس کے علاوہ ہم نے جو نئی لڑکی کھانا پکانے کے لئے رکھی ہے۔ اُس سے کہتا ہوں کہ ذرا کافی بھی بنا دے۔ جانے سے پہلے ایک ایک کپ کافی کا بھی ہو جائے۔ رفعت کافی خوب بناتی ہے۔ حالانکہ اُسے ہمارے ہاں کام کرتے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔ میں ایک منٹ میں اُسے آپ لوگوں کے پاس بھیجتا ہوں!"

غزل

رفعت سلطان بی۔اے

دل پہ جو زخم ہے وہ کاری ہے
زندگی پھر بھی مجھ کو پیاری ہے

آج کی رات وہ نہیں آئے
آج کی رات ہم پہ بھاری ہے

رُو کشِ آفتاب ہے ذرہ
آپ سے دوستی ہماری ہے

ہم نفس آ کہ دو گھڑی ہنس لیں
روتے رہنے کو عمر ساری ہے

مجھ سے احوالِ عاشقی مت پوچھ
دلفگاری ہی دلفگاری ہے

آج پھر کوئی یاد آیا ہے
آج پھر جوشِ اشکباری ہے

کچھ ہمیں تیرہ بخت ہیں، ورنہ
فیض تیرا تو ورنہ جاری ہے

قطعات

ظفر احمد نظامی ایم۔اے

عارض و زلفِ عنبریں لے کر
حُسن کی شاہزادیاں آئیں
یوں بیک وقت راہِ الفت میں
نُور و ظلمت کی وادیاں آئیں

زندگی عشق کے اندھیروں میں
جانبِ درد مُڑ گئی اے دوست
یہ تری یاد کا کرشمہ ہے
نیند آنکھوں سے اُڑ گئی اے دوست

اپنی آسودہ آرزوؤں کو
موت کی گود میں سُلا دوں گا
تم نے مجھ کو بھلا کے ٹھیک کیا
میں بھی اِک دن تمہیں بھلا دوں گا

عِشق

روشن پٹنیاوی

سجدۂ عجز و نیاز
حُسنِ فطرت کی نماز
نخلِ ہستی کا ثمر
نغمۂ جادو اثر
درد کی تصویر ہے
سوز کی تفسیر ہے
مشعلِ بزمِ حیات
ایک رنگیں کائنات
آتشِ خاموش ہے
قُلزمِ سرجوش ہے
شوق کی تکمیل ہے
جوش کی تشکیل ہے
روشنی ایمان کی
زندگی اِنسان کی

"آپ ہیں ایک بگڑے ہوئے نواب ...



"میرے شوہر نامدار ایک بگڑے ہوئے نواب سے کم نہیں" ڈی/۸، یونین ہاؤس، ماہم، بمبئی ۱۶ کی شریمتی آر۔ آر۔ پربھو کہتی ہیں "اور ایک زمانہ تھا کہ کپڑوں کی دھلائی پر انکا ماتھا میلا ہوتے دیر نہ لگتی۔ لیکن جب سے اُن کے کپڑے میں نے سن لائٹ سے دھونے شروع کئے ہیں، یہ بھی خوش ہیں اور میں بھی۔ سن لائٹ کا ڈھیروں جھاگ میل کیساتھ ساتھ دھلائی کی محنت کو بھی بہا لے جاتا ہے۔ اور ہر کپڑا کیسا سفید دُھلتا ہے۔ کیسا اُجلا ۔ کیسا شاندار صاف! مجھے تو سن لائٹ کے سوا کچھ پسند نہیں!"

عورتیں جانتی ہیں کہ خالص، ملائم جھاگ والے سن لائٹ کی دھلائی ہی اُن کے نہایت دیر پا کی بھلائی ہے۔ آپ بھی اُن سے متفق ہو جائینگی۔

سن لائٹ



آپکے کپڑوں کی نفاست کی حفاظت کیلئے

S. 30-X52-43 UD

ہندوستان لیور نے بنایا

روشنی، سکون اور زندگی

ایم۔ ایم۔ راجندر ایم۔ اے

بی۔ ۱۹ (ای ٹائپ)، موتی باغ، نئی دہلی

۴ اگست ۱۹۶۱ء

برادرم مکرم۔ تسلیم!

... افسانے کا عنوان ہے "روشنی، سکون اور زندگی"۔ یہ تین لفظ تین نظریوں کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن افسانے میں اِسی نظریے کو پیش کیا گیا ہے جس کا تعلق زندگی سے ہے۔ کبھی کبھی کچھ غلط جذبے غلط وقت میں پیدا ہو جاتے ہیں لیکن زندگی بڑی طاقتور ہے اور حقیقتیں جھوٹے اور عارضی جذبوں پر کبھی نہ کبھی فتح پا لیتی ہیں۔ اِس کہانی میں اِسی نظریے کے گرد ایک لڑکی کی نفسیاتی زندگی کو سمویا ہے ...

مخلص ... ایم۔ ایم۔ راجندر

من بھری نوجوان لڑکی تھی لیکن اُس کا دل و دماغ دھرم کی طرف بہت مائل تھا۔ اُس کے ماتا پتا اُس کے بچپن ہی میں گزر گئے تھے۔ اور اُسے اُس کے ماما نے پالا تھا۔ ماما نے اپنا فرض تو پورا کیا تھا لیکن اُس نے من بھری کو جھڑکا زیادہ اور پیار کم کیا تھا۔ لیکن اِس میں اُس کا کوئی خاص قصور نہیں تھا کیونکہ اُس کے بھی اپنے بچے تھے۔ اُس کی بجائے کوئی اور رشتے دار بھی ہوتا تو وہ بھی من بھری کے ساتھ شاید ایسا ہی سلوک کرتا۔ ماما کے بچوں نے من بھری کو کبھی اپنی بہن نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ مامی نے اپنی لڑکی۔ ماما کے دل میں من بھری کے لئے پیار اور درد تھا لیکن وہ گھر میں چوبیس گھنٹے تھوڑا ہی رہتا تھا اور پھر وہ یہ بھی جان گیا تھا کہ بہن کی لڑکی پر اپنے بچوں کی طرح خرچ کرنا اور اُس کا اتنا ہی دھیان رکھنا عملی طور پر مشکل تھا۔ اِس لئے من بھری کی زندگی اپنے ماما کے گھر میں بھی ایک خادمہ لڑکی کی طرح گزری تھی۔ وہ ہر وقت میلے کچیلے کپڑے پہنے کام میں لگی رہتی۔ مامی بھی کام لینے میں بہت سخت تھی۔ اُس نے من بھری کے ماما کو پہلے ہی سے سمجھا دیا تھا کہ بے ماں باپ کی لڑکی کو زیادہ پڑھانا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ بُرا ہے۔ بہت مشکل سے کسی طرح وہ پانچ جماعت تک پڑھ پائی تھی۔ اور پھر اُسے اسکول سے اُٹھا لیا گیا تھا۔ وہ پڑھنے میں ہوشیار تھی اور ہندی اچھی طرح پڑھ لیتی تھی۔ اُس نے ماما کی الماری میں رکھی ہوئی ہندی کی رامائن بھی پڑھ لی۔ پھر ایک کتاب۔ ترنمک دو دنوں کی پڑھ ڈالی۔ وہ دھارمک کتابوں میں دلچسپی لینے لگی۔ اُسے یہ کتابیں پڑھنے میں عجیب شانتی ملتی۔ گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر دھارمک کتابیں پڑھنے بیٹھ جاتی۔ وہ دھرم کے کئی مسئلوں پر اپنے ماما سے بھی بحث کرنے لگتی۔ اُسے دھارمک کتابیں کھینچتی گئیں۔ اور اُسے محسوس بھی نہیں ہوا کہ وہ جوان ہو گئی ہے۔ وہ اڑوس پڑوس میں کیرتن میں جانے لگی۔ یہ موسم ہی شاید یہ یگ ہی کیرتن کا تھا۔ جدھر دیکھو کیرتن منڈلیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور گھر گھر میں کیرتن ہو رہا تھا۔ من بھری بھی کیرتن میں جاتی اور اُس کی مامی بھی۔ جلد ہی من بھری کیرتن کی دلدادہ عورتوں میں مقبول ہو گئی۔ کیونکہ اُس کی آواز بھی اچھی تھی اور وہ ڈھولک بھی اچھی بجاتی تھی۔ وہ دھارمک خیالوں کی بھی تھی۔ اِس لئے وہ اِن دھارمک گیتوں کے کیف و سرور میں سرشار ہو جاتی۔ وہ گرد و پیش کی دُنیا سے بے خبر دیوانہ وار ٹک ٹک کر گاتی۔ زیادہ گیتوں اور بھجنوں کی دھنیں فلمی تھیں لیکن

اُس نے تو اب تک اپنی زندگی میں صرف دو فلمیں دیکھی تھیں۔ اور اُس کی یہ دو
سرشاری مضمون پر نہیں، اُس کے پاکیزہ خیالات پر مبنی تھی۔ اِدھر من بھری جہاں
تک عمر کا تعلق تھا جوانی تیزی سے آرہی تھی۔ لیکن اُس کا دل زیادہ سے زیادہ
دھرم کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دھرم میں اُس کی دل چسپی
اُس کی جوانی کی طغیانی کو ایک مضبوط بندھن کر روکے ہوئے ہے۔ کیونکہ اُسکے
چہرے پر ایک آتشیں لپک کی بجائے ایک سایہ، ایک سکون تھا۔ اُس کی آنکھوں
میں ابھی تک ضرورت سے زیادہ حیا تھی۔ اُس کے بن نے اُس میں کوئی مستی
کوئی خمار، کوئی نشہ پیدا نہیں کیا تھا۔ اسی طرح اُس کے ہونٹ بے جان سی پنکھڑیاں
تھیں۔ اور جلتے سلگتے انگارے نہیں بنے تھے۔ ماما نے ایک دن شام کو بتایا
کہ باہر بھیروں کے مندر میں ایک بہت بڑے مہاتما آئے ہیں۔ جو دس پندرہ دن
ٹھہریں گے۔ وہ ایک گدی وار سنت تھے اور اُن کے چیلے انھیں عزت سے
پتا جی کہا کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک سنت مہیلا بھی تھیں۔ جنھیں سب ماتا
جی کہتے تھے۔ اُن کا مٹھ بہار میں گیا کے پاس تھا۔ اُن کے ہزاروں چیلے تھے
اُن کا مٹھ ایک پورا نگر تھا۔ جہاں ہزاروں چیلے، مرد اور عورتیں رہتے تھے۔
او نام، بھجن اور گورو سیوا میں وقت گزارتے تھے۔ مٹھ کی آمدنی بہت زیادہ
تھی اور مٹھ کا سارا خرچ گورو دکشنا ہی سے چلتا تھا۔ ماما، مامی اور من بھری اگلے
روز ہی شام کو بھیروں کے مندر گئے۔ وہاں سینکڑوں آدمی پہلے ہی سے جمع
تھے۔ کوئی ڈھائی گھنٹے بعد اُن کی باری آئی۔ من بھری نے ماتا جی اور پتا جی
دونوں سے بات کی۔ من بھری نے ماتا جی کو بتایا کہ شروع ہی سے اُس کا من
دھرم کی طرف لگا ہوا ہے۔ اور وہ اپنی ساری زندگی دھرم کے لئے ارپن کرنا
چاہتی ہے۔ ماتا جی نے من بھری کو آشیرواد دی اور اُس سے چند منٹ باتیں کیں
من بھری بے حد متاثر ہوئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے ماتا پتا اُسے
پھر مل گئے۔ ماتا جی کے چہرے پر کتنا جلال تھا۔ کتنی روشنی اور کتنی شانتی تھی
من بھری صبح شام دونوں وقت بھیروں کے مندر جانے لگی۔ اُس نے کیرتن
میں جانا بھی چھوڑ دیا۔ گھر کا کام کرنے کے بعد وہ مندر چلی جاتی اور اُس وقت
لوٹتی جب پھر کام کرنا ہوتا۔ اور کام کر کے وہ پھر آجاتی۔ مامی حیران تھی کہ من بھری
کو کیا ہو گیا ہے۔ لیکن من بھری ایک چھوٹے سے لوہے کے ٹکڑے کی مانند

ایک مقناطیس کی طرف کھنچی جا رہی تھی۔ مامی نے ماما سے ذکر کیا تو ماما نے کہا
لڑکی کا دھیان ہی دھرم کی طرف ہے۔ اور پتا جی اور ماتا جی کی سنگت تو بڑے بھاگ
کی بات ہے۔ کوئی دس گیارہ دن کے بعد ایک شام جب من بھری نے مندر سے
آکر اچانک مامی کو بتایا کہ وہ ساری دنیاداری کو چھوڑ کر اپنی باقی زندگی ماتا جی کے
مٹھ میں گزارنے جا رہی ہے تو مامی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ من بھری کی
آنکھیں پھاڑ کر دیکھتی رہی۔ لیکن من بھری کے چہرے پر ایک شیر ینوں میں
ایک معصومیت اور ایک اطمینان کے نشان تھے۔ ایک بے پایاں سمندر
اور گہرائی صاف عیاں تھی۔ ماما آیا تو مامی نے اُسے بیٹھے بٹھائے ساری
کہانی سنائی۔ ماما نے من بھری کو بلایا۔ بہت سمجھایا۔ لیکن من بھری کا فیصلہ اٹل تھا
ماما نے اُسے بتایا سب اونچ نیچ سمجھائی اور سوچنے کو کہا اور یہ بھی بتایا کہ
اُس کے لئے شادی کی بات چیت بھی کر رہا ہے۔ اور لڑکے والے تقریباً
گئے ہیں۔ لیکن من بھری پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ماما نے اگلے روز بھی من کو
سمجھایا۔ بات بڑھ کر اُلجھ گئی تھی اور کچھ رشتہ دار اور پڑوسی بھی سمجھانے آئے
لیکن من بھری ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اُس نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ من
کی ایک بالغ عورت ہے اور اُسے اختیار ہے کہ وہ جیسی زندگی چاہے گزارے
مامی دل میں خوش تھی کہ اچھا ہے کہ بلا ٹلا اور شادی کے خرچے سے بھی بچے لیکن
ماما کے دل میں اپنی بھانجی کے لئے پیار بھڑک اُٹھا۔ اُس کی آنکھوں سے
بار بار آنسو ٹپکے۔ من بھری آخر اُس کی بہن کی آخری نشانی تھی۔ جس دن من بھری
پتا جی اور ماتا جی کے ساتھ جا رہا تھا وہ بہت رویا۔ وہ بازار سے اُس کے لئے
دو جوڑے دھوتیاں اور دوسری چیزیں لایا لیکن من بھری نے صرف دو دھوتیاں
رکھ کر باقی سب چیزیں واپس کرنے کو کہہ دیا۔ من بھری سارے گھر کو روتا چھوڑ
کر ماتا جی اور پتا جی کے ساتھ چلی گئی اور ماما کی حالت اُس دن بہت غیر تھی
اُس کا دل رو رہا تھا۔ گورو جی کا مٹھ گیا کے پاس ایک خوبصورت جگہ پر
سنگلاخ ہی وادی پر بنا ہوا تھا۔ مٹھ کیا تھا ایک پورا شہر سا آباد تھا۔ اُن
مٹھ کا اپنا بجلی گھر اور اپنی پانی کی ٹنکی تھی۔ کئی دکانیں بھی تھیں۔ لیکن لوگوں کے
اپنے مکان نہ تھے۔ کئی بڑی بڑی سرائے نما عمارتیں اور بہت سے بڑے
بڑے چبوترے بنے ہوئے تھے جہاں گورو جی کے بھگت ٹھہرتے تھے

اس مندر کی مستقل آبادی بھی کوئی ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی لیکن اس کے
تقریباً اتنے ہی آدمی مندر کی یاترا کے لئے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ گورو جی
اپنی اہل خانہ سمیت ماتا جی اور چالیس سیوا داروں کے ساتھ رہتے تھے
ان کے رہنے کی وجہ سے یہ جگہ مندر کہلاتی تھی۔ باہر کے یاتری گورو جی اور
کے درشن صبح شام مندر میں بھی کر سکتے تھے اور اس کے علاوہ گورو جی
روز شام کو باہر آکر ایک چبوترے پر جس پر اُن کا بیش قیمت سونے چاندی
کا ہوا تخت رکھ دیا جاتا تھا، اپنی پار تھنا سبھا بھی کرتے تھے۔ جس میں اُس مٹھ
سارے رہنے والے اور باہر سے آئے ہوئے سارے یاتری شامل ہوتے
اور پرشاد بٹتا تھا! من بھری کے ذمے ماتا جی کی رسوئی سونپ دی گئی۔ جو
خوش نصیبی کی بات تھی۔ جن افراد کے ذمے ماتا جی اور پتا جی کے کھانے
پینے کا انتظام تھا، وہ پتا جی اور ماتا جی کے بہت قریب سمجھے جاتے تھے۔
یہ قرب نصیبے ہی سے ملتا تھا۔ من بھری بہت عقیدت اور شردھا سے ماتا جی
کے لئے کھانے پینے کی چیزیں اپنی دیکھ بھال میں بنوانے لگی۔ ماتا جی کو من بھری کی
سیوا اور دھرم میں اس کی لگن نے بہت متاثر کیا اور من بھری اُن کی منظور نظر
بن گئی۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ختم کرکے بھی کافی وقت ماتا جی کے کمرے میں گزارتی
اور اُن کے سکھ اور آرام کا بہت دھیان رکھتی۔ اس خدمت سے خوش ہو کر
ماتا جی نے اُسے رام نام اور بھگتی کے کچھ ایسے سادھن بتائے کہ من بھری نے
اپنے آپ کو روحانی طور پر بھی کافی بلند پایا۔ من بھری کے دن یونہی گزرتے گئے
وہ اپنے نئے ماحول میں بہت خوش تھی۔ اُسے ماں، ماسی اور بہن بھائی یاد آتے
تھے اور وہ اُسے اس دوری پر جتنے دم تھے اُس سے زیادہ اچھے لگے۔ لیکن
وہ ماں کے خیال سے تو وہ بہت مضطرب ہو اُٹھنا چاہتی تھی۔ اُس نے انھیں دو
ایک خط لکھے اور بس۔ اور اُن خطوں میں بھی اُس نے اپنے ملک کو مٹھ میں آنے کی
اور پتا جی اور ماتا جی کے درشن کرنے کی ترغیب دی۔ اُس کے دل میں اُن سے
ملنے کی کوئی تڑپ پیدا نہیں ہوئی۔ اگرچہ اُس کا خیال تھا کہ جب کبھی پتا جی اور
ماتا جی اُدھر جائیں گے اور بھیروں کے مندر میں ٹھہریں گے تو وہ بھی اُن کے
ساتھ چلی جائے گی اور اپنے ماں سے مل لے گی۔ من بھری کی زندگی کسی تالاب
میں ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح پُرسکون تھی۔ لیکن ایک دن ایک عجیب سی بات

ہوئی جس نے اُس ٹھہراؤ میں چلتی ہوئی لہریں اور ہلچل ڈال دی۔ پتا جی کے رسوئی
گھر کا لڑکا شروَن جب ماتا جی کے لئے شہد لایا تو اُس نے شہد کا برتن من بھری کے
ہاتھ میں تھما تو دیا لیکن اُسے چھوڑا نہیں۔ اگرچہ من بھری نے برتن کو کھینچا۔ اُس
نے من بھری کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور مسکرانے لگا۔ پہلے تو من بھری
کچھ نہ سمجھی لیکن جب وہ ماتا جی کو شہد کھلا کر شروَن کو برتن لوٹانے آئی تو شروَن نے
برتن کے ساتھ ساتھ من بھری کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور پھر مسکرا دیا۔ من بھری نے

آنکھیں

رازو نیازِ حُسن کے قربان اے قمر
خاموش ہے زبان تو آنکھیں ہیں ہم کلام — قمر جبیں کاشف

وہ آنکھوں سے سُنے تو سُن سکے گا
فغاں کا شور میری خامشی میں — منور سہیل آنند

میری آنکھیں بھی ہیں ویراں مرا دل بھی خالی
چند آنسو بھی نہیں خود پہ بہانے کے لئے — محمود سعیدی

وہ چہرہ منوّر وہ آنکھیں شرابی
شبِ ماہ میں پھول جیسے کنول کے — سکندر علی وجد

تیری آنکھوں کو بھی انکار تری زلف کو بھی
کس نے یہ عشق کو دیوانہ بنا رکھا ہے — فراق گورکھپوری

مرسلہ:۔ لقمان انصاری۔ بہار شریف

کچھ عجیب سا محسوس کیا۔ لیکن یہ سب صرف چند لمحوں میں ہوا اور شروَن اتنی جلدی
لوٹ گیا کہ وہ کچھ سوچ بھی نہ سکی۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں ایک جھنجھناہٹ ابھی
تک ہو رہی تھی۔ شروَن ہر روز کا آنے والا تھا لیکن ابھی تک اُس نے ایسی
بات نہیں کی تھی۔ جب من بھری نے چند لمحے اس بات پر غور کیا تو اُس کے دل
میں شروَن کے لئے سخت غصہ پیدا ہوا۔ وہ شروَن کے حوصلے پر جھنجھلا اُٹھی اور

وہ کے چہرے پر جیسے ایک عجیب سی [illegible] پھیل گئی۔ ایک بار تو اُس کے جی میں [illegible] رہے لیکن پھر سوچ کر رہ گئی۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ شروان [illegible] کرے گی لیکن من بھری نے شروان کو کچھ نہیں کہا۔ اُس نے اپنے دل کے بیچ جانے اور ان دیکھے کونے میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوتی ہوئی محسوس کی۔ جب وہ رات کو سونے کے لئے لیٹی تو اُسے بہت دیر تک نیند نہ آئی۔ شروان اچھی شکل وصورت کا نوجوان لڑکا تھا۔ اور تندرست چُست تھا۔ من بھری نے شدت سے محسوس کیا کہ جیسے اُس کی زندگی میں کوئی خلا ہے کوئی کمی ہے۔ اور وہ کئی متضاد خیالوں اور جذبوں سے دل ہی دل میں اُلجھتی اور جنگ کرتی ہوئی بہت دیر تک جاگتی رہی۔ اگلے دن شروان آیا تو اُس نے پھر من بھری کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی اور مسکرایا۔ لیکن اُس وقت اُجالا تھا اور من بھری کے رات کے جذبات بھی جیسے جاگ کر اپنا کام کر رہے تھے۔ اُس نے زور سے شروان کو جھڑک دیا۔ اپنا ہاتھ تک اُٹھایا اور شروان ڈر کے مارے بھاگ گیا۔ مٹھ کے ضابطے بہت سخت تھے۔ اُن شادی شدہ جوڑوں کے سوا جو مٹھ میں مقیم تھے، پتا جی اور ماتا جی کے تمام چیلوں کا رشتہ بھائی بہن کا تھا۔ کوئی مرد اور عورت ایک دوسرے پر بُری نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اُس مٹھ میں، چاہے وہ کنوارے اور جوان ہوں سب دھرم کے متوالے ہی تھے۔ اور حُسن وعشق کی داستانوں کے ملنے کا یہاں سوال ہی نہیں تھا۔ پتا جی اِس معاملے میں بہت سخت تھے اور سارا مٹھ جانتا تھا کہ اگر اُن تک اِس بارے میں کوئی شکایت پہنچ گئی تو قصوروار کی خیر نہیں۔ من بھری کی جھڑکی سے اور پتا جی کے خوف سے شروان کانپ گیا۔ من بھری نے شروان کو جھڑک تو دیا تھا لیکن وہ جھڑکی اُس کے ہونٹوں کی آواز تھی، اُس کے دل کی نہیں۔ وہ یہ جان کر حیران رہ گئی کہ اُس کے دل میں چھپا ہوا کوئی چور یہ چاہتا ہے کہ شروان اُسے چھیڑے لیکن شروان اب آتا تھا اور بغیر مسکرائے اور من بھری کو ہاتھ لگائے لوٹ جاتا تھا۔ من بھری نے ایک بے چینی کا احساس کیا اور وہ کئی بار تنہائی میں اُس بجلی کا احساس کرتی جو شروان کے ہاتھ لگتے ہی اُس کے سارے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ وہ ماتا جی کو کھلاتی ہوئی، خدمت کرتی ہوئی، یہاں تک کہ بھجن کرتی ہوئی بھی شروان کے بارے میں سوچنے لگتی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی

عجیب [illegible] رہی ہے۔ ایک دن شروان پھر [illegible] من بھری [illegible] لیکن پھر کسی خیال کے آتے ہی اُس نے [illegible] کو چھوڑا نہیں۔ بلکہ بات کرنے لگی۔ شروان نے من بھری کے رویے میں کچھ تبدیلی محسوس کی اور وہ اب پھر [illegible] مسکرانے لگا۔ وہ من بھری کا ہاتھ [illegible] لگا ــــ وہ اپنا ہاتھ فوراً چھڑا لیتی لیکن دل [illegible] ہوتا۔ [illegible] اور من بھری نے محسوس کیا کہ اُس کی حالت اُس انسان کی سی ہے جو [illegible] ہوا ایسی کشتی پر سوار ہو گیا ہے جو تیزی سے ڈھلان کی طرف بہتی جا رہی ہے۔ نہ جانے کیوں شروان زیادہ سے زیادہ اچھا لگنے لگا۔ اُس کے ساتھ [illegible] وہ ایک عجیب سے لطف کا احساس کرتی۔ اُس کی قربت میں اُس کا سارا جسم جاگ سا جاتا۔ نہ جانے کونسی چیز اُس کے خوابیدہ جذبات کو جھنجھوڑ سی جاتی۔ ایک دن شروان نے اُسے شام کو، گورو جی کی پارتھنا سبھا کے بعد گورو جی کے باغیچے میں ملنے کو کہا۔ من بھری سوچ میں پڑ گئی۔ کسی نے دیکھ لیا تو آفت آ جائے گی۔ اُس نے سُنا تھا کہ بہت وقت ہوئی مٹھ میں ایک ایسا ہی قصہ ہوا تھا اور اُس مرد اور عورت پر سارے مٹھ والوں نے آوازے کسے تھے۔ اُن کی بے عزتی ہوئی تھی اور گورو جی نے سزا کے طور پر اُن سے اپنا نام واپس لے لیا تھا۔ اور انہیں ہمیشہ کے لئے مٹھ سے نکال دیا تھا۔ من بھری بہت دیر تک سوچتی رہی لیکن خوف وہراس کے باوجود کوئی غیبی طاقت اُسے گورو جی کے باغیچے میں لے ہی گئی۔ باغیچے میں بہت اندھیرا تھا۔ اور اُس نے کئی جگہ ٹھوکر کھائی۔ وہ ٹھوکر کھاتی اور درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے چند لمحوں کے لئے پھڑپھڑاتے۔ وہ اُس سُنسان جگہ پر اکیلی آتی ہوئی بار بار گھبرا رہی تھی۔ لیکن نہ جانے کون سا جذبہ اُسے آگے دھکیل رہا تھا۔ شروان نے پچھلے کنویں پر ملنے کو کہا تھا جو باغیچے کے کونے پر تھا اور جہاں کوئی پانی بھرنے یا نہانے نہیں آتا تھا۔ اُس کنویں میں پانی بہت کم تھا اور اُس پر ایک گھنے پیپل کے درخت کا سایہ تھا۔ من بھری درختوں کے تلے روشوں پر چلتی ہوئی، اپنے قدموں سے چونک کر ڈرتی ہوئی کنویں پر پہنچ گئی۔ شروان اُس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ڈرتے جھجکتے ہوئے بھی ایسے ملے جیسے دو [illegible]

پنے تھم بہت مشکل سے ملتی ہیں۔ اُنھیں محنت سے محروم ہو کر وہ ایک مرے لیے سو جاتے ہیں۔ وہ دونوں کنویں کی منڈیر پر اندھیرے کے ایک ٹکڑے میں بیٹھ گئے۔ شروَن کو آج وقت ملا تھا اور وہ جذبات میں بہہ کر بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کا گاؤں یہاں سے قریب ہی تھا۔ اور وہ پانچ سال پہلے اپنے پتاجی کے ساتھ اِس مٹھ میں آیا تھا۔ اُس کے پتا دو سال ہوئے اِس مٹھ ہی میں سورگباش ہو گئے تھے۔ وہ یہیں رہنے لگا تھا لیکن اُسے یہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ وہ جا کر اپنی زمین پر کام کرنا چاہتا تھا یا پھر اپنی زمین بیچ کر کہیں کوئی دکان کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے من بھری کا ہاتھ پکڑ کر اُس سے پوچھا کہ کیا وہ اُس سے شادی کرنے کو تیار ہے؟

من بھری نے سر اُٹھایا۔ چاروں طرف گھُپ اندھیرا تھا۔ گہرے سکوت کو شجر درختوں پر بسیرا لیتے ہوئے پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ توڑ رہی تھی۔ اُس نے ایک خنکی کا احساس کیا اور وہ شروَن کے اور قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے شروَن کی آنکھوں میں جھانکا اور اقرار کر لیا۔ وہ دونوں خنکی اور تاریکی کا لحاف اوڑھے ایک دوسرے کے قریب ہو کر اُسی طرح بیٹھے رہے۔ جیسے اُس اقرار نے اُن دونوں کے درمیان حائل پابندی کی اُونچی دیوار کو گرا دیا تھا۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز بیٹھے تھے۔ اور وقت کے بے آواز پر اُن کے سروں پر سے گزرتے رہے۔ نہ شروَن شہد لے کر ماتاجی کے پاس پہنچا اور نہ ماتاجی کو من بھری نے شہد کھلایا۔ اور وہ اپنے خوابوں سے اُسی وقت چونکے جب باغیچے کے پکّے کنویں میں کسی نے زور سے ڈول گرایا۔ اور کنویں کی چرخی تیزی سے گھومنے لگی۔ وہ تیزی سے اُٹھے اور باغ کو جلد جلد پار کر کے گورو جی کے مندر کی طرف بڑھے۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ اور سارا مٹھ سویا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گورو جی کے مندر کے اُوپر ہر روز کی طرح روشنی تھی۔ مندر کے دروازے پر پہنچنے سے کچھ پہلے شروَن نے من بھری کو ذرا پیچھے کر دیا۔ مندر کے کواڑ بند ہو گئے تھے لیکن مندر کا چوکیدار شروَن کو دیکھ رہا تھا۔

"شروَن! من بھری کہاں ہے؟ سب کو پتہ لگ گیا ہے۔ اب مندر میں آنے کا کیا فائدہ؟"

"مجھے بس رات کاٹنی ہے من بھری وہ پیچھے آ رہی ہے۔ ہم دونوں نے بیاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تو بھائی یہاں سے فوراً لوٹ جاؤ۔ صبح ہوتے ہی گورو جی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور بے عزتی سے مٹھ سے نکلو گے۔ جاؤ گورو جی کے باغیچے میں کہیں پڑے رہو۔ پو پھٹتے ہی یہاں سے چل دینا۔"

شروَن اور من بھری واپس ہو گئے۔

شروَن نے گورو جی کے مندر کی طرف ایک بار دیکھا اور اُس میں جلتی ہوئی روشنی کو پرنام کیا۔ من بھری رو رہی تھی۔ وہ دونوں پھر باغیچے پر پہنچ گئے لیکن اندر نہیں گئے۔ وہ باہر بنے ہوئے کچے چبوترے پر ہی بیٹھ گئے۔ شروَن اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں لے کر لیٹ گیا۔

من بھری چپ چاپ بیٹھی رہی۔

پھر بولی۔

"تم پہلے میرے گھر چلنا میں اپنے ماں کو سب کچھ بتا دوں گی۔ ہماری شادی میں اُن کی آشیرواد ضروری ہے!"

شروَن نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ شاید سو گیا تھا۔

دُور گورو جی کے مندر کے اُوپر کی روشنی یہاں سے ایک ستارے کی طرح چمک رہی تھی۔ وہ اُس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ مندر کی طرف اُس روشنی کے نیچے کتنا سکون، کتنی شانتی تھی!!

پھر اُس نے شروَن کی طرف دیکھا۔ اور آہستہ سے اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھ دیا۔ یہاں وہ ستارے کی طرح روشنی نہ سہی لیکن جیسے اُس کا دل، اُس کی زندگی یہاں پڑی ہو۔ وہ آہستہ سے جھکی اور اُس نے پیار سے اپنا سر اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔

◆◆

غزلیں

عرشی صہبائی

عشق تو ہے زندگی کی ہر خوشی بے لطف ہے
غم کے ہنگامے نہ ہوں تو زندگی بے لطف ہے

وہ نہیں جب روبرو تو کچھ نہیں رنگِ بہار
یہ مناظر، یہ فضا، یہ چاندنی بے لطف ہے

لطف جب ہے پئے ہو رات بھر کیف و سرور
جو نہ ہو ایسی بے خودی بے لطف ہے

دل جلوں سے یہ ہنسی یہ دل لگی اچھی نہیں
آپ نے جو کچھ کہا، جو بات کی بے لطف ہے

عرشی جس میں زندگی کی دھڑکنیں شامل نہ ہوں
آپ کچھ کہئے مگر وہ شاعری بے لطف ہے

نسیم عارف

ترے آنے سے مٹ گئی اے دوست
مری دُنیا کی تیرگی اے دوست

مجھ سے پوچھے نہ کوئی بہرِ خدا
شامِ غربت کی بے کسی اے دوست

چشمِ مے گوں کا جب خیال آیا
بڑھ گئی اور تشنگی اے دوست

میری منزل بتا رہی ہے مجھے
زرد تاروں کی روشنی اے دوست

آپ کے قُرب کی حسین گھڑی
ایک موجِ نسیم تھی اے دوست

جوہر شاکر

ہم [illegible] آپ کا
اللہ اللہ مذاقِ نظر آپ کا

کر دیا آپ کی نذر ہم نے انھیں
اب یہ دل آپ کا ہے جگر آپ کا

سینکڑوں زخم میرے کلیجے میں ہیں
کر گیا کام تیرِ نظر آپ کا

شام دن رات ہے آپ کی یاد سے
نام لب پہ ہے شام و سحر آپ کا

آپ یوں بھی ہیں سرشارِ خواب آگہی
پھر یہ اندازِ فکر و نظر آپ کا

نہ جھیلا جائے گا اندوہِ تنہائی تو کیا ہوگا؟
طبیعت ضبطِ پیہم سے جو گھبرائی تو کیا ہوگا؟

سناتا ہوں انھیں ہنس ہنس کے دردِ دل کا افسانہ
کہیں ایسے میں اُن کی آنکھ بھر آئی تو کیا ہوگا؟

اِدھر موسم بھی ہے جیب و گریباں چاک کرنے کا
نسیم اُن کی طرف سے بھی نوید آئی تو کیا ہوگا؟

احمد نسیم مینانگری


HAZELINE
SNOW



بلند پایہ دلچسپ ناول اور دل گداز افسانے

طوفانِ بہار روس کے عدیم المثال ناول نگار تورگنیف کا رومانی شاہکار جسے حضرت محمود جالندھری نے اُردو کا لباس پہنایا۔ جس کا ترجمہ دُنیا کی چالیس زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس کا شمار دُنیا کے دس عظیم رومانی ناولوں میں ہوتا ہے۔ جس کی دو کروڑ سے زائد جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ جسے دُنیا کے مشہور نقادوں نے لافانی رومان قرار دیا ہے۔ اور جسے اُردو میں پہلی مرتبہ ادارۂ بیسویں صدی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ ناول پاکیزہ اور دل آویز رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، مجلد سجلد۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

زنجیر ایک گناہ گار لڑکی کی حسین و جمیل داستان، جس کے گناہ یہ تھے کہ وہ غریب تھی۔ وہ حُسن و جمال کا مجسمہ تھی۔ وہ رقص کے ایک اسکول میں کام کرتی تھی وہ تنہا تھی اُس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک شریف گھر کے لڑکے سے محبت کرتی تھی چنانچہ وہ ایک شریف وکیل صاحب کو گناہوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی نظر آئی اور وکیل صاحب نے اُسے اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا۔ عشق و محبت کی ایک ایسی پُرپیچ رومان پرور داستان جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے۔ جسے زکی [illegible] نے لکھا اور ادارۂ بیسویں صدی نے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

آج کی بات آپ کے محبوب افسانہ نگار جناب جگدیش بن کے دلچسپ بلند پایہ، رومان پرور افسانوں کا حسین مجموعہ، جس کے افسانے آج کے سماج، آج کے معاشرے اور آج کے ماحول کی رنگینیوں، مسرت کوشیوں اور الجھنوں کی ایک ایسی تصویر ہیں جس کے خدوخال کو حقیقت کی لکیروں سے ترتیب دیا گیا ہے آپ ان میں بھرے ہوئے قہقہوں کو اپنے قہقہے، ان میں چمکتی ہوئی آنکھوں کو اپنی آنکھیں اور ان کے کرداروں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے آنسو سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پوسٹ مارٹم جنابِ عرش ملسیانی کے مزاحیہ افسانوں اور مزاحیہ مضامین کا حسین و جمیل مجموعہ۔ جس میں طنز و مزاح، مسکراہٹوں اور قہقہوں کی ایک دُنیا آباد ہے۔ قیمت دو روپے [illegible] پیسے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی

افسردہ گلاب

پُشکر ناتھ بی۔ اے

بٹہ یار سری نگر نمبر ۲
۷ اگست ۱۹۶۱ء

برادرِ گرامی! آداب

.... افسانہ نمبر ۱۹۶۱ء کی بے حد کامیابی پر مبارک باد قبول فرمائیے۔ مبارک باد دیر سے اس لئے بھیج رہا ہوں کہ مجھے افسانہ نمبر ابھی ہفتے پڑھنے کو ملا ہے اور اس میں آپ کا نہیں، پوسٹ آفس والوں کا قصور ہے۔ بہرحال بقولِ ابنِ تبسّم۔ "افسانہ نمبر دیوانوں کی طرح پڑھا ہے، بھوکوں کی طرح کھایا ہے اور پیاسوں کی طرح پی ڈالا ہے" ......

خیر اندیش ...... پُشکر ناتھ

اچھا! تم جا کے سو جاؤ۔

رات بہت ہو گئی ہے۔ تم ہرے بھرے چیل کے تنے سے ٹیک لگائے سایوں میں مدغم سی ہو کر بیٹھی میری ہر حرکت کا چوری چھپے جائزہ لے رہی ہو۔ میں نہیں جانتا تمہارے ذہن میں اس وقت کون سے خیالات کے سائے تیر رہے ہیں اور تم نہیں جانتیں کہ میں موم بتی کے آنسوؤں کی روشنی میں کیا لکھ رہا ہوں؟

تم یہ ضرور جانتی ہو کہ میں دن بھر تمہارے بھیا کے ساتھ شطرنج کھیلتے کھیلتے بہت تھک گیا ہوں۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ پہلگام کی خنک ہوائیں جسم کے اندر گھس آتی ہیں اور آدمی کے بیمار ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لئے تم جا کے سو جاؤ۔

انل خیمے کے اندر سو گیا ہے اور میں آج کی رات ستاروں کی اس مدھم روشنی میں جلتی ہوئی موم بتی کے سامنے گزار دینا چاہتا ہوں۔

جاؤ! کل صبح تک اس کہانی کا جلتا ہوا حصہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور کل صبح تک میں بھی اپنے ذہن اور دل کا بوجھ ہلکا کر چکا ہوں گا۔ کل میں تم سے بہت دُور جا چکا ہوں گا اور تم حسبِ معمول کسی خوابوں کی شہزادی کی طرح ایک خوبصورت پلنگ پر بیٹھ کر اپنے حسین بال لہراتی چندن واڑی تک گھوم آنا۔ پھر روز کی طرح کئی دل پامال ہوں گے۔ کئی آہیں تمہارا راستہ کاٹیں گی۔ کئی نازک فقرے تمہارے کانوں سے ٹکرائیں گے۔ کئی ذہنوں میں جنّت کا تصور آ جائے گا لیکن تمہارے اپنے ذہن کی جنّت ویران ویران ہو گی۔

میں اسی ویران جنّت کی حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں کیا کروں؟ تمہاری یہ دو آنکھیں، آنسوؤں سے لبریز، نامعلوم جذبوں سے جلتی ہوئی یہ دو آنکھیں مجھے برابر گھور رہی ہیں۔ اور میں اپنے اندر سے جلتی سی محسوس کر رہا ہوں۔

اس وقت یادیں تازہ ہیں۔ زخم ہرے ہیں۔ کل تک یہ تازگی ماند پڑ جائے گی۔ کل تک ایک کہانی لکھی جا چکی ہو گی، کہی جا چکی ہو گی، سُنی جا چکی ہو گی۔ دُنیا کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔

اس لئے میری طرف یوں گھور گھور کے دیکھنا چھوڑ دو اور اپنے خیمے میں جا کر سو جاؤ ...... سو جاؤ!! ...... سو جاؤ!!! ......

بالوں کے بوجھ سے جھکی جھکی، الگ الگ سے ڈولتی لہکاتی۔ قدم قدم میں ... خوشبو میں بھیگی ہوئی، البیلی، رنگیلی ناشپاتی کی ڈال۔ یہ انیتا ہے۔

ایک ہفتہ پہلے میں اسی طرح اپنے خیمے کے باہر تاروں کی چھاؤں میں رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گزارنے کا ارمان لئے بیٹھا تھا۔ لیکن اس دن میرے سامنے کوئی موسم بھی نہ تھی۔ صرف میرے دل میں محبت کا ایک شعلہ موجزن تھا۔ میرے انگ انگ میں پیار کا نشہ رواں تھا۔ اور پاس کے خیمے میں آہستہ آہستہ کوئی گا رہا تھا۔ اور ایک چنچل نغمہ ہواؤں پر اڑتا ہوا جانے کن جذبوں کی چٹکی کھا رہا تھا۔ گیت کے بول میری سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ لیکن آواز کا جادو ہی دل کی جھیل میں ہلچل مچانے کے لئے کافی تھا۔ رات چپ چاپ گزر رہی تھی اور میں صبح کا انتظار کر رہا تھا۔

اس صبح کی بھی ایک دلکش کہانی ہے۔ میں اپنے خیمے کے باہر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اچانک چوڑیوں کی کھنک نے میرا قلم تھام لیا۔ اور میری نظریں کاغذ پر سے پھسلنے لگیں۔ اور پھسلتے پھسلتے نرم گھاس پر سے ہوتی ہوئی دو خوبصورت پاؤں پر جم گئیں۔

اور میں نے دیکھا۔

اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

بالوں کا ایک آبشار تھا۔ کل کل کرتا ہوا۔

دو جھیل سی آنکھیں تھیں گہری گہری۔

دو پھول سے عارض تھے گلابی گلابی۔

دو ہونٹوں کی تحریریں تھیں سرخ سرخ۔

دو.....

رک جاؤ!

میرے البیلے قلم رک جاؤ۔ کہیں تحریر بے ہوش نہ ہو جائے۔

"یہ میری بہن ہے انیتا!"

انل نے کہا۔

انل اور میں آج ہی دوست بن گئے تھے۔ آدمی چند روز گزارنے کے لئے آیا ہو کسی پہاڑی مقام پر اور وہ پہلی ملاقات ہی ... میں رس گھول رہی ہو تو وہ اچھے دوست بن ہی جاتے ہیں۔ ... قدرت کی فیاضی کی داد دے سکے۔ مگر انل اور میں صرف اسی جذبے کے تحت دوست نہیں بنے تھے۔ شطرنج کے باہمی شوق نے ہمیں دوست بنایا تھا۔ اور صبح ہم بازی لگانے آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ اور ہم مہروں کے کھیل میں اتنے محو ہو گئے تھے کہ ناشتا اور شیو کرنا تک بھول گئے۔ یہاں تک کہ سورج چیل کی پھنگوں کے اوپر چڑھ آیا۔ اتنے میں انیتا چائے لے کر آ گئی تھی۔

"یہ میری بہن ہے انیتا ——— اور یہ شہر ———"

انل نے کہا۔

اور میں چائے کی خوبصورت پیالیوں کی طرف دیکھنے لگا جن پر سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ کے ساتھ ساتھ میری نظریں اوپر اٹھنے لگیں اور پھر اٹھ کر جھک گئیں۔ اور مجھے یاد آیا کہ میرے بادشاہ کو شہ لگی ہے۔ میں نے نظریں جھکائے ہی انیتا کے سامنے کو سلام کیا۔

اور نمستے کا جواب چند نظر کی گھنٹیوں نے دیا۔

میرے اندر ——— بہت اندر ——— چند ریشے وا ہوئے۔

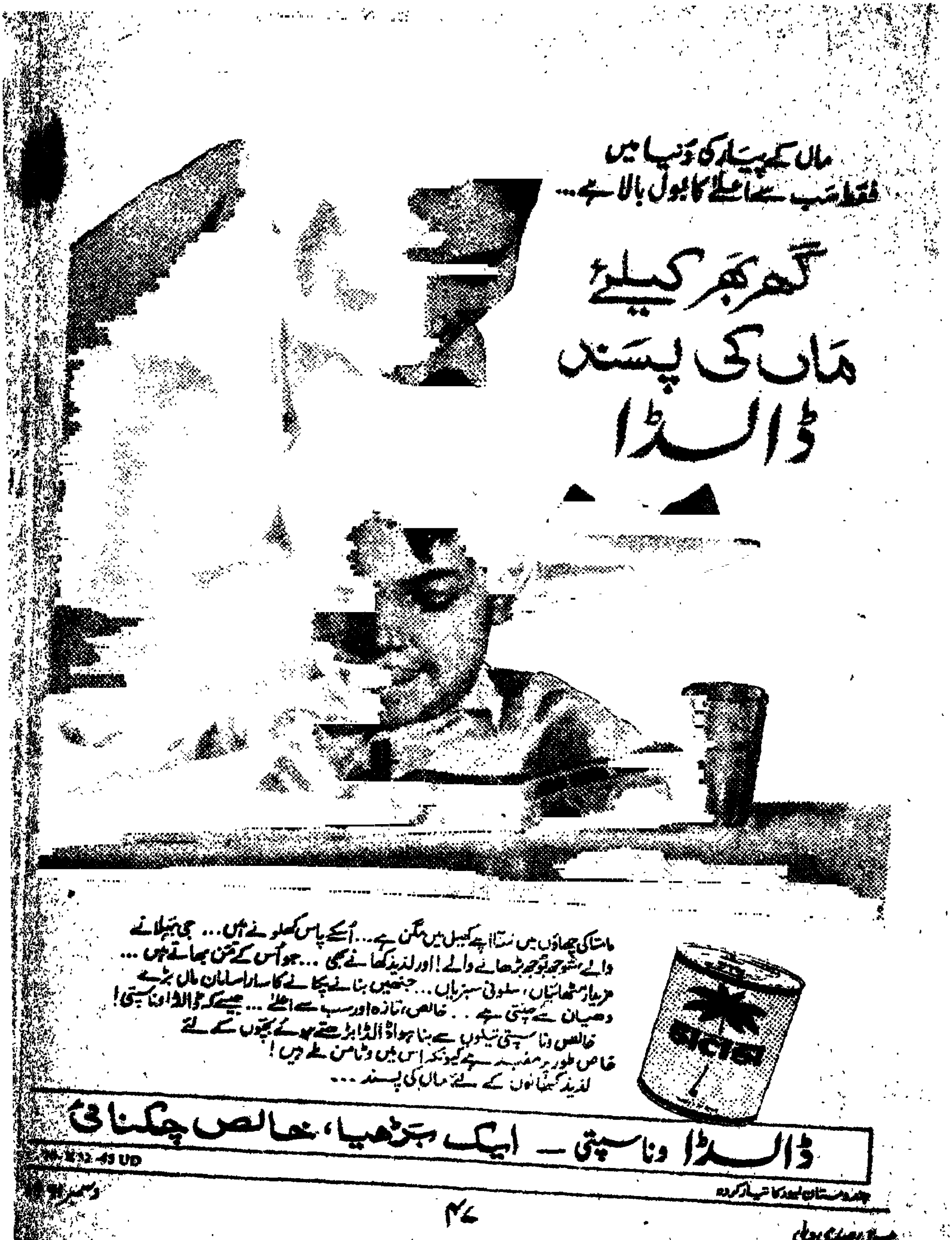
دریچوں کے اس اچانک کھلنے کو محبت تو نہیں کہتے؟

آؤ! تمہیں گلے لگالوں میری محبت کے پہلے گلاب!

میں نے شہ بچائی۔

انل نے دوبارہ شہ دی اور میرا فرزین مار لیا۔ شہ بدستور قائم رہی اور میں نے دیکھا کہ مجھے مات ہو گئی ہے۔

شام کو جب انل، تم اور میں لدر کے کنارے بیٹھے تھے اور جب تم اپنے شانوں پر ساون کی گھٹائیں لہرائے جاکوی کا گیت سنا رہی تھیں اس وقت بھی میں اپنے دل میں کھلے ہوئے نوخیز گلاب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ اپنے ہی دل میں کھلے ہوئے گلاب سے ڈر لگ رہا تھا۔ کہتے ہیں آنے والے واقعات اپنا سایہ پہلے ہی ڈال دیتے ہیں۔


ماں کے پیار کی دنیا میں
فقط سب سے اعلے کا بول بالا ہے...
گھر بھر کیلئے
ماں کی پسند
ڈالڈا
ماتا کی چھاؤں میں منا اپنے کھیل میں مگن ہے... اُسکے پاس کھلونے ہیں... جی بہلانے والے شوق و توجہ بڑھانے والے! اور لذیذ کھانے بھی... جو اُس کے تن بھاتے ہیں... مزیدار مٹھائیاں، سلونی سبزیاں... جنھیں بنانے پکانے کا سارا سامان ماں بڑے دھیان سے چنتی ہے... خالص، تازہ اور سب سے اعلیٰ... جیسے کہ ڈالڈا وناسپتی!
خالص وناسپتی تیلوں سے بنا ہوا ڈالڈا بڑھتے ہوئے بچوں کے لئے خاص طور پر مفید ہے کیونکہ اس میں وٹامن ملے ہیں!
لذیذ کھانوں کے لئے ماں کی پسند...
ڈالڈا وناسپتی — ایک بڑھیا، خالص چکنائی
DL 32-45 UD
ہندوستان لیور کا تیار کردہ





پھر تم نے مجھے ساحری کے بنگالی گیت کا ترجمہ انگریزی میں سُنایا تھا۔
تمھاری آواز میں سُن رہا تھا۔ تمھارا گیت نہیں سُن رہا تھا۔ میں صرف وہ
سُن رہا تھا جو تمھارے گلے میں تھی جس میں جھیلوں کی گہرائیوں کو دیکھ رہا تھا
اُن کے ... کو ختم کر دیکھ رہا تھا میں اُن خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو میری
سانسوں میں بس رہی تھی۔ بچھڑ جانے سے تم نے میری آنکھوں میں کیا دیکھ لیا تھا۔ نہ
میرے من میں کیا پڑھ لیا تھا۔ نہ جانے کس اجنبی جس نے تمھیں جو دی تھی
یک بیک چپ ہو گئی تھیں۔
ارے آدمی اپنے ارادوں کو کس طرح عیاں کر دیتا ہے!
اُس کے بعد تمھاری ہر حرکت سے بے چینی کا اظہار ہونے لگا۔
انیتا! تم سچ بتاؤ اُس دن تمھاری بے چینی کا سبب کیا تھا اور جب انل
کہانی سنائی تھی کہ کس طرح پُرانے وقتوں میں بنگال کی کنواریاں اپنے کنوارپن
سے تنگ آ کر کسی براہمن کے گلے میں جے مالا ڈال کر اپنے آپ کو سہاگن
سمجھنے لگتی تھیں۔ تو تم اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ تمھارے چلے جانے
میں اپنا قرار کھو بیٹھا تھا۔ تمھیں کیسے بتاؤں کہ میں نے اپنے اِس قرار کو کن
دنوں سے پالا تھا۔ کیا اِسی دن کے لئے پالا تھا؟
تمھیں اپنے دل کے اندر ٹٹول کر اِس سوال کا جواب دینا ہوگا انیتا!

"انل! تم نے شادی کیوں نہیں کی ہے؟"
اُس دن چندن واڑی سے آتے آتے میں نے انل سے پوچھا تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ جواب دیتا انیتا نے اپنی پونی قریب لا کر کہا۔
"اس لئے کہ میں نے نہیں کی ہے۔"
"اور تم ـــــ تم نے کیوں نہیں کی ہے؟"
"میں بتاتا ہوں، انیتا کو مردوں سے نفرت ہے۔"
انل نے کہا۔
اور میں نے ایک زور کا قہقہہ مارا۔ مگر انل اور انیتا کی نظروں نے میرے
... میرے ہونٹوں پر منجمد کر دیا۔ ہم سب گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے
... کل کرتے ہوئے جھرنے کے کنارے بیٹھ گئے۔ نہ جانے ہم سب

کیوں یک بیک خاموش ہو گئے تھے ہم چپ چاپ جھرنے کے کنارے بیٹھے رہے
لمحے بیت گئے۔ چند جان لیوا لمحے۔ اور اس کے بعد انل نے کہا۔
"واجد! میں تمھیں ایک کہانی سُناؤں گا۔"
"ہوں!"
"ایک بنگالی نوجوان تھا۔ بے چارے کا باپ مر گیا تھا۔ اُس کی ایک بہن تھی
جو سکنڈ ایئر میں پڑھتی تھی ـــــ"
انل نے کہنا شروع کیا۔
اور انیتا اُٹھ کے ٹہلنے لگی۔
ٹہلتے ٹہلتے دُور نکل گئی۔
میں خاموش رہا۔
"بنگالی نوجوان ایک سرکاری دفتر میں کلرک تھا۔ ایک دن نوجوان کی ماں
نے اُس سے کہا۔ اپنی بہن کے لئے کوئی شریف سا لڑکا تلاش کرو کیونکہ جوان
لڑکی کی ماں تب تک انگاروں پہ لوٹتی ہے جب تک اُس کی لڑکی کے ہاتھ پیلے
نہ ہو جائیں۔ بھائی نے اپنی بہن کے لئے لڑکا تلاش کیا۔ لڑکا ایف، ایس، سی
تھا۔ اور شریف خاندان کا تھا اور ایک سرکاری دفتر میں ایل، ڈی، سی تھا۔
بات چیت کا سلسلہ چل پڑا۔ ایک دن وہ لوگ لڑکی دیکھنے کے لئے آ گئے۔
تم سُن رہے ہو نا؟"
"ہوں ـــــ"
"بھائی نے بہن سے کہا، وہ چائے لے کر اندر آئے۔ تاکہ وہ لوگ اُسے
دیکھ سکیں۔ کیا کرتا رواج ہی ایسا تھا۔ اُس کی بہن چائے لے کر اندر آ گئی۔
وہ بہت گھبرا رہی تھی۔ وہ چائے میز پر رکھ کر جانے لگی تو دیکھنے والوں کے
ساتھ آئی ہوئی ایک عورت نے کہا۔
"کہاں جا رہی ہو بیٹی۔ تمھیں گانا وانا نہیں آتا؟ کچھ تو سُناؤ!"
بہن نے بھائی کی طرف دیکھا۔
لیکن بھائی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کیا کہتا بے چارہ۔ بہن دوسرے
کمرے سے ستار لائی اور انھیں گانا سُنایا۔ گانا سُنا کر وہ جانے لگی تو اُسی عورت
نے کہا۔ "ٹھہر جاؤ بیٹی! ذرا اپنے بال کھول دو۔"

بہن نے بال کھول دیئے۔ اور پھر جانے لگی۔
بھائی نے چوری چھپے اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

"ادھر آؤ بیٹی! کیا نام ہے تمھارا؟"
"کہاں تک پڑھا ہے تم نے؟"
"مچھلی کا اچار ڈالنا جانتی ہو؟"
"سفید کپڑوں کو نیل سے دھوتی ہو یا سرف سے؟"
"طبلے پر تین تال بجا سکتی ہو؟"

- دوست کو اپنے حالات سے اُتنا ہی آگاہ کرو کہ اگر دشمن ہو جائے تو نقصان نہ پہنچا سکے۔ (ہربرٹ)
- سچے دوست کا ملنا مشکل ہے۔ پھر بھی ایک ایسا شخص ضرور ہونا چاہیے جو تمھارے جذبات کا مختار ہے۔ (بیکن)
- اگر کوئی شخص زندگی کی راہ میں پیش قدمی کرتے وقت اجنبی لوگوں کو دوست نہیں بناتا تو وہ خود کو تنہا محسوس کرے گا۔ دوستی ایک ایسا پیرہن ہے جس میں وقت اور مقام کی تبدیلیوں کے ساتھ پیوند لگانا ضروری ہے۔

(سیموئل جانسن)

"ذرا کتنا کلی کے بجاؤ تو بتا دو۔"

اور اِن تمام سوالوں کے دوران بھائی سوچ رہا تھا، کاش! وہ کسی لڑکی کا بھائی نہ ہوتا۔ تاکہ کوروؤں کے دربار میں دروپدی کا یہ چیر ہرن ہوتے نہ دیکھتا۔

انھیں ساری باتیں پسند آئیں لیکن جہیز کے نو ہزار کی سطح سے نیچے آنا پسند نہ آیا۔ بے چارہ کلرک بھائی کیا کرتا۔ صرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ رشتہ منظور نہیں ہوا۔ اور اُس کے بعد انیتا دو مہینے تک بیمار رہی اور پھر ایک دفتر میں ایل۔ ڈی۔ سی ہو گئی۔

بیٹھی مسکراتی ہے

تب اپنا بے ساختہ قہقہہ لگاؤ نا!
لگاؤ قہقہہ ــــ!"

انیتا! تم نہیں جانتیں کہ جب تم ہنس کر یہ کہہ گئی تو میں کن وادیوں سے گزر رہا تھا۔ تم میرے چہرے پر رنگ ... تھیں۔ تمھیں میرا سر جھکا ہوا دیکھ کر اچنبھا ہوا تھا اور ... آنکھوں میں ... اُبھر آیا تھا۔

لیکن میری آنکھوں نے وہ سوال پڑھنے کی کوشش ... کیونکہ دھند کے چند دبیز پردوں نے میری آنکھوں سے ہر سوال ... دیا تھا۔

اور کل شام تم اُسی سوال کا جواب لیے میرے پاس آئی تھیں۔
اِس کل شام ہی کی تو بات ہے۔
میں اپنے خیمے سے باہر جھیل کے درخت سے ٹیک لگائے کن سوچوں میں غرق ہو گیا تھا اور ستاروں کی مدھم روشنی میں اپنے ... نکال کے دیکھ رہا تھا۔ کہ تم چپ چاپ آ کے میرے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔
میری آنکھیں نم تھیں۔
شاید میں کچھ کچھ اُداس بھی تھا۔
نہ جانے کسی کی محبت اُداس کیوں کر دیتی ہے۔
تم نے بہت دیر چپ رہ کر کہا تھا۔
"مجھ سے بہت محبت کرتے ہو نا؟"
میں چونک اُٹھا تھا۔ تم کیسے جان گئی تھیں کہ میں تم سے ... کرتا ہوں۔ تم نے کس طرح میرے دل کی گہرائیوں سے وہ موتی نکال ...
میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔
زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔
کیسے کہتا کہ مجھے تم سے بے اندازہ محبت ہے۔ یہ محبت اتنا ستا ہو گیا ہے کہ میں اسے زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔ ایسا ... ہے زبان پر آبلہ پڑ جائے گا۔

"کیسی محبت ہے تمھاری؟"

تم نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

"بہت گہری ـــــ بہت ہی گہری!" میں نے بھی سرگوشی ہی میں جواب دیا تھا۔

اور تم چند لمحوں کے لئے مسرور ہو گئی تھیں۔

لیکن صرف چند لمحوں کے لئے۔

اور اُس کے بعد تم نے کہا تھا۔

"لیکن مجھے تم سے نفرت ہے! ـــــ ہر مرد سے نفرت ہے!"

انیتا! تم ابھی تک سوئی نہیں؟

میں جانتا ہوں تمھارے اندر کون سے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب میں اسی جگہ نیم تاریکی میں بیٹھ کر اپنے ارمانوں کی گرہیں کھول رہا تھا تم دبے پاؤں میرے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے تمھاری طرف دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"اب بات بھی نہ کرو گے؟"

تم نے دھیرے سے کہا۔

میں پھر بھی چپ رہا۔

"انل نے تمھیں میری کہانی ضرور سنائی ہے۔ لیکن ادھوری۔ باقی وہ سنو گے؟ میں نے یہ حصہ آج تک کسی سے نہیں کہا ہے۔"

میں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔

صرف ٹکر ٹکر تمھاری طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر تم نے خود ہی کہنا شروع کیا۔

"ایک دن جب میں باہر جا رہی تھی۔ یہ انھیں دنوں کی بات ہے۔ وہ لڑکا مجھے پھر ملا تھا۔ وہی جو مجھے شادی کے لئے دیکھنے آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔ تم مجھے بہت پسند آئیں۔ اپنے چاچا سے کہو وہ کہیں سے نو ہزار روپے ادھار لائے۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے تقریباً چیخ کر کہا۔ تمھیں شرم نہیں آتی؟ وہ کہنے لگا۔ کیا کروں میری ماں مانتی ہی نہیں۔ کہتی ہے روپیہ بہت بڑی چیز ہے۔ میں مجبور ہوں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ وہاں کھڑے کھڑے ہی میری آنکھوں سے گنگا بہہ نکلی۔ مجھے کچھ نہ سوجھا۔ میں دوڑی دوڑی کالی کے مندر میں گئی اور سوگند کھائی کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی اور ہر مرد سے نفرت کروں گی!

اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟

تم بولتے کیوں نہیں۔ تمھاری یہ خموشی مجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔"

میں کیا بولتا!

بولنے کو رہ ہی کیا تھا۔

- دنیا بہتر اور زیادہ پُر لطف بن سکتی ہے اگر لوگوں کو یہ سکھا دیا جائے کہ خوش رہنا اُن کا فرض ہے۔ خود خوش رہنے سے دوسروں کی خوشی میں اضافہ ہوتا ہے!

  (سر جان لبک)

- جب تم سے ہو سکے ہنسو۔ یہ بہت سستی دوا ہے!

  (ایمرسن)

- خوشی مقویات میں سب سے بڑھ کر ہے! (ڈاکٹر سپنسر)

- آغاز رفاقت کے لئے قہقہے بُری چیز نہیں۔ اختتام رفاقت قہقہوں کی گونج میں ہو تو مستحسن ہے! (آسکر وائلڈ)

میں نے دیکھا تمھاری آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے باہر چھلک پڑے اور پھر تم آنکھیں چھپاتی وہاں سے چلی آئیں۔

انیتا! تم جا کے سو جاؤ۔ تمھیں جل کر راکھ ہونے کی ضرورت نہیں۔

تم نے سوگند کھائی ہے۔ میں نے محبت کی ہے۔ میں شنکر کی طرح غم کا سارا زہر خود پی لوں گا۔

کل صبح تمھارے جاگنے سے پہلے ہی میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔

دور ـــــ بہت دور ـــــ!!

اب تم جا کے سو جاؤ! ـــــ سو جاؤ!! ـــــ سو جاؤ!!!


سیرولین 'روش' لیجیے
ہندوستان کے گھر گھر میں استعمال کی جانے والی کھانسی و زکام کی دوا
کھانسی یا زکام ہونے پر لاپرواہی نہ برتیے... سیرولین لیجئے۔ یہ سب سے موثر دوا آپ کو جلد اور قطعی آرام پہنچائے گی۔ سیرولین کھانسی کو صرف دبانے ہی نہیں بلکہ ان جراثیم کا بھی مقابلہ کرتی ہے جو کھانسی پیدا کرتے ہیں۔ یہ گلے کی خراش میں آرام اور بلغم دور کرنے میں مدد پہنچاتی ہے۔ تیز سخت سے سخت کھانسی کی شکایت کو بھی جلد اور بغیر تکلیف دور کر دیتی ہے۔ بے حد مزیدار اور خوش ذائقہ سیرولین خاندان میں فوراً ہر دلعزیز ہو جاتی ہے۔ اور بچے تو اسے بیحد پسند کرتے ہیں۔
اپنے گھر میں سیرولین ضرور رکھیے
'روش' کی تیار کردہ
سول ایجنٹ: وولٹاس لمیٹڈ
SIROLIN
ROCHE
No. VT. 2400

مہمان

راجہ مہدی علی خاں

بن کے آیا ہوں میں مہمان نہیں جاؤں گا
سب کو کر دوں گا پریشان نہیں جاؤں گا

صرف اک چائے کی پیالی پہ نہ ٹالو مجھ کو
پک رہے ہیں ابھی پکوان نہیں جاؤں گا

بیٹھ کر چین سے پھونکوں گا تمہارے سگرٹ
کھا کے دو پیسے کا اک پان نہیں جاؤں گا

ذبح ہوتی ہوئی مرغی کی صدا آئی ہے
گھر میں دعوت کا ہے سامان نہیں جاؤں گا

ہو گیا ہے مجھے معلوم کہ "گڑبڑ" ہے یہاں
اب تو دے دوں گا میں یہ بیان نہیں جاؤں گا

ذائقے دار ہر اک چیز ہے مجھ کو بھی پسند
چھوڑ کر قورمہ و نان نہیں جاؤں گا

دل پہ میں جبر کئے، صبر کئے بیٹھا ہوں
لے کے میں بھوک کے طوفان نہیں جاؤں گا

گھورتے کیوں ہو مجھے قہر بھری آنکھوں سے؟
میرے قابو میں ہیں اوسان نہیں جاؤں گا

خشمگیں نظروں سے آخر مرا کیا بگڑے گا؟
تم کو ہو جائے گا خفقان نہیں جاؤں گا

کھا رہا ہوں میں نگاہوں کے ہزاروں دھکے
پھر بھی ہونٹوں پہ ہے مسکان نہیں جاؤں گا

کیوں پکائی ہیں یہ سب چیزیں مزیدار لذیذ
میرا ہر چیز میں ہے دھیان نہیں جاؤں گا

مجھ کو معلوم نہ تھا اتنے کمینے ہو تم!
جاؤ جاؤ علی الاعلان، نہیں جاؤں گا

اتنا کھاؤں گا کہ آجائے گا غش تم سب کو
تم کو کر دوں گا میں حیران نہیں جاؤں گا

اے رذیلو! مجھے جانے کے اشارے نہ کرو
جب تلک جسم میں ہے جان نہیں جاؤں گا

خود ہی کہہ دو کہ "اجی جائیے کھانا کھا کے"
ورنہ میں خود بھی مری جان نہیں جاؤں گا


سپنسر
کے فروٹ جوس
ہر موقع کے لئے موزوں...
یہ ہر کوشش اور احتیاط سے تیار کئے جاتے ہیں
پھلوں کی اصلی خوشبو اور
نشوونما دینے والے وٹامن کو برقرار رکھا جاتا ہے
ٹوماٹو جوس
Spencer's
پائین ایپل جوس
سپنسر اینڈ کمپنی لمیٹڈ
کے جدید ترین پراسیسنگ پلانٹ کاپنور، انڈیا کے تیار کردہ
تمام سرکردہ اسٹوروں سے دستیاب ہیں

ٹائم کیپر

پروفیسر عاصی کرنالی ایم۔اے

ممتاز آباد، ملتان، پاکستان

۷ اگست ۱۹۷۱ء

گرامی قدر خوشتر صاحب! سلام و نیاز

بیسویں صدی کے سالنامہ ۱۹۷۱ء میں اپنے افسانہ "ڈائری" کی اشاعت کے بعد آج ایک اور افسانہ "ٹائم کیپر" ارسال کر رہا ہوں۔ طویل غیر حاضری کا شکوہ بجا ہے۔ لیکن عذر تغافل سن لیجئے۔ اس سال ایک اور مضمون میں ایم۔اے کا امتحان دے بیٹھا ہوں۔ دعا کیجئے ڈبل ایم۔اے ہو جاؤں۔ بیسویں صدی کی بزم سے غیر حاضر رہنے کا سبب یہی تھا۔ ڈائری بہت ہی پسند کی گئی۔ اس سلسلے میں بہت سے خطوط آئے۔ خط لکھنے والے بیشتر دوستوں کی خواہش ہوتی ہے کہ فرداً فرداً ان کے خطوط کے جواب لکھے جائیں۔ میرے خیال میں ہم پر اپنے قارئین کے جذبۂ محبت کا جواب اتنا ہی ضروری ہے جتنا بجائے خود کہانی لکھنا۔ چاہے وہ جواب دو ہی سطروں میں کیوں نہ ہو۔ قارئین کی آراء، ان کی پسند ناپسند ہمیں ہمارے فن کی پرورش میں ایسی ہی مدد دیتی ہیں جیسے سورج کی روشنی پودوں کی نشوونما میں۔ ہمارے پڑھنے والے ہمارا ضروری حصہ ہیں۔ اور بقدر فرصت ہمیں ان سے رابطہ رکھنا چاہئے...... "ٹائم کیپر" ایک معاشرتی افسانہ ہے۔ محبت کے ہلکے پھلکے اور پاکیزہ بہاؤ کے ساتھ! ادھوری اور مضطرب تمنائیں ـــــ اور بے تاب دل کی دھڑکنوں نے اس کہانی میں جمال اور فرحانہ کا روپ دھار لیا ہے اور میں سوچتا ہوں، یہ ایک جمال اور ایک فرحانہ کی کہانی نہیں بلکہ.....

عاصی کرنالی

آخر اسے ایک کاٹن مل میں نوکری مل ہی گئی۔ اس نے پچھلے سال میٹرک کیا۔ پھر نوکری کی تلاش شروع کر دی۔ وہ آٹھ دس مہینے جوتیاں چٹخاتا پھرا۔ دربدر کی خاک چھانتا پھرا۔ اس نے شہر کا کوئی دفتر، کوئی فرم، کوئی دکان نہ چھوڑی اور جب وہ بالکل مایوس ہو گیا تو اسے نوکری مل گئی۔ ملازمت ٹائم کیپر کی تنخواہ پچاس روپے ماہوار، کام آٹھ گھنٹے روزانہ، شفٹ کبھی دن کی کبھی رات کی۔ وہ پھر بھی خوش تھا۔ نہ ملنے سے کچھ نہ کچھ ملنا بہتر ہے۔ پھر سیٹھ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ دو روپے سالانہ ترقی ملے گی۔ وہ کام پر جانے لگا۔

ٹائم کیپر کی نوکری بڑی ذمہ داری، احتیاط اور الجھن کی نوکری ہوتی ہے مل میں دو ڈھائی ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ ہر شفٹ میں پانچ سات سو آدمی مصروف رہتے تھے۔ ان کے متعلق سینکڑوں الجھنیں تھیں۔ لیکن وہ [illegible] انتھک اور سخت جان تھا۔ غریب لوگ جو مصائب کی گود میں پلتے ہیں اور غموں کے سائے میں پرورش پاتے ہیں وہ سخت جان نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔ پھر اس کام کی ادھیڑ بن میں اسے ایک اور دھن تھی۔ بہت پیاری، شیریں اور خوب صورت دھن! وہ زندگی کی پہلی تنخواہ، پچاس چکنے کاغذوں کے سرسراتے اور خوشبودار نوٹ فرحانہ کے ہاتھ میں رکھے گا۔ وہ پہلی تاریخ کو دبے پاؤں فرحانہ کے گھر جائے گا۔ چپکے سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے

پھر کہے گا۔

"ہاتھ پھیلاؤ میں تمہارے ہاتھوں پر ایک خوب صورت چڑیا بٹھانا چاہتا ہوں۔ یہ اُڑے گی نہیں۔ میں نے اس کے پر کتر دیئے ہیں۔"

پھر وہ نوٹوں کی گڈی ایک دم اُس کے ہاتھوں میں تھما دے گا۔ کبھی وہ سوچتا۔ نہیں یوں نہیں، میں جاتے ہی اپنی مٹھی بند کر کے کہوں گا۔

"بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟"

وہ کہے گی۔

"پگلے! غریبوں کی مٹھی بند بھی ہو تو خالی ہی ہوتی ہے۔"

میں قہقہہ لگا کر کہوں گا۔

"نہیں فرحانہ! آج میری مٹھی میں قارون کا خزانہ ہے، لے گن!"

پھر میں ایک ایک نوٹ اُس کے ہاتھ میں رکھتا جاؤں گا اور گنتا جاؤں گا۔

"ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ چار ـــــ"

جوں جوں تعداد بڑھتی جائے گی وہ حیران ہوتی جائے گی۔ اور جب میں کہوں گا۔

"پچاس ـــــ!"

میری سانس پھول جائے گی۔ اور وہ فرطِ مسرت سے چیخ مار کر کہے گی۔ "اوئی اللہ! اتنے بہت سے نوٹ!"

اور میں فاتحانہ انداز میں کہوں گا۔

"اور کیا تُو مجھے ہمیشہ قلاش سمجھتی رہے گی؟ اب میں بڑا آدمی بن گیا ہوں پگلی! سیٹھ دولت خاں کے مل میں ٹائم کیپر ہوں۔ پچاس روپے ماہوار اور دو روپے سالانہ ترقی ملے گی!"

کبھی وہ سوچتا۔ یوں نہیں، یہ سب غلط ہے۔ میں اُس کے لئے کپڑے سلوا کر لے جاؤں گا۔ ڈیڑھ سال سے اُس کے سر پر ایک اوڑھنی ہے، اُس کے بدن پر ایک قمیص ہے۔ وہ اُنہی کپڑوں کو دھو دھو کر پہنتی رہتی ہے۔ اب اُن کپڑوں پر پیوند بڑھتے جا رہے ہیں۔ اوڑھنی کے دھاگے کھلنے لگے ہیں۔ اُس کی ہرنی جیسی آنکھیں کاجل کو ترستی ہیں۔ اُس کی ریشمی زلفوں کو آج تک خوشبودار تیل نصیب نہیں ہوا۔ اُس کے برگِ لالہ جیسے کان پیتل کی بالیوں تک سے محروم ہیں۔ چمکتے دمکتے زیور اور بھڑکیلے کپڑے پہننے کی خواہش کس لڑکی کو نہیں ہوتی! ایک جوان جسم کا مزارِ مفلسی بن جانا کتنا بڑا المیہ ہے۔ میں آج فرحانہ کے لئے ایک خوب صورت جوڑا، لپ اسٹک، کریم، چنبیلی کا تیل، کس کس سامان سے لد کر جاؤں گا۔ پچاس روپے بہت ہوتے ہیں۔ میں سب کچھ خریدوں گا، سب کچھ!

جمال کی ماں زندہ تھی۔ اور فرحانہ کا اندھا باپ اور ایک جوان بھائی۔ فرحانہ اُس کی عم زاد بہن تھی۔ دونوں گھرانے عسرت و افلاس کا شکار تھے۔ اِن ویرانوں میں کبھی خوشی کا ایک پھول نہ کھلا تھا اور زندگی کے ان تاریک غاروں میں کبھی مسکراہٹ کی ایک کرن نہ چمکی تھی۔ یہاں آہوں کا دھواں تھا اور آنسوؤں کی آگ۔ یہ اپنی ہی آگ میں سلگتے تھے۔ اِس کبھی نہ ختم ہونے والے دھوئیں میں گھٹ گھٹ کر ان کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے رہتے تھے جنہیں معلوم نہیں کہ یہ دُنیا خوش رنگ تتلیوں اور نظر فریب پھولوں سے بھی آباد ہے۔ فرحانہ کا ان پڑھ بھائی پانچ سال سے نوکری ڈھونڈ رہا تھا۔ اور اب اُسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اُس میں اور نوکری میں ریل کی پٹڑی کے دونوں کناروں کی طرح متوازی فاصلہ ہے جو کبھی کم نہیں ہو سکتا۔

پہلی تنخواہ ملنے میں چار دن باقی تھے۔

جمال کے دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ رات کی شفٹ پر تھا۔ بارہ سے آٹھ تک، وہ کرسی پر بیٹھا حاضری کا رجسٹر درست کر رہا تھا۔ اچانک وہ دل کش خیالات میں گم ہو گیا۔ یہ خیالات شاید فرشتوں کے پَر ہوتے ہیں۔ جب آدمی غم کی کڑی دھوپ میں جلتا ہے تو یہ اپنا خنک سایہ پھیلا دیتے ہیں۔ یا شاید یہ خیالات، محبت بھرے خیالات، ننھے منے تارے ہوتے ہیں یا چنبیلی کے پھول جو روح میں کھل اُٹھتے ہیں اور دماغ میں مہکنے لگتے ہیں۔ ان کی خوشبو، اِن کا اُجالا کتنے زخموں کا مرہم اور کتنے دکھوں کا مداوا ہے۔

جمال نے سوچا، اوہو! میں چوڑیاں تو بھول ہی گیا کھنکتی اور چھنک چھنک کرتی چوڑیاں! میں فرحانہ کو یہ چوڑیاں سب سے آخر میں دوں گا۔ اور کہوں گا۔

"فرحانہ! یہ چوڑیاں ہیں۔ اور دیکھو یہ پیار کی بیڑیاں بھی ہیں اور یہ

بنت کے خضیوط پھندے بھی ہیں!"

یہ کہہ کر میں بھاگ جاؤں گا۔ اور فرحانہ اور منی کے آنسو سے سر ڈھانک لے

— !!

"حرام زادہ ——— !"

اچانک ایک آواز سنائی دی۔

وہ چونک پڑا۔

اُس کے سامنے سیٹھ کھڑا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" سیٹھ نے چیختے ہوئے کہا۔ "یہ رجسٹر کے پورے صفحہ پر چڑیاں بنا رہے ہیں، چوڑیاں ——— اُلّو کا پٹھا! ——— گیٹ آؤٹ۔ سسپنڈیڈ!"

جمال کا اُس بل سے باہر نکل رہا تھا۔

وہ بھاری بھاری قدموں سے سڑک طے کرنے لگا۔ کچھ دیر اُس پر سناٹے کی کیفیت طاری رہی۔ پھر اُس کا دماغ سُلگ اُٹھا۔ شعلے، چنگاریاں، دُھواں جیسے اُس کا جسم نہ تھا کوئی آتش فشاں پہاڑ تھا۔ سیٹھ نے مجھے گالی دی۔ حرام زادہ کہا۔ اُس نے میری ماں پر تہمت لگائی۔ ماں! خدا کے بعد سب سے بڑی ہستی۔ ماں! جس کا دامن فرشتوں کا مصلّےٰ ہوتا ہے۔ ماں! جو ہماری زمین پر خدا کا تبسم ہے۔ ماں! جو سُلگتی اور جلتی دُنیا میں امن کی جنت ہے۔ ماں! جو محنت کش اولاد کے لئے ایک سایہ دار درخت ہے۔ ماں ——— ماں ——— !

اُس کا دماغ کانچ کی چوڑی بن گیا۔

پھر اُسے فرحانہ کا خیال آیا۔

"چوڑیاں! میرے پیار کی علامت، میرے معصوم جذبے کی پکار، میرے احساس کا جشن گاہ۔"

سیٹھ نے میری محبت کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ اور پھر اُس کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ چہرہ تمتما اُٹھا۔ تنفس تیز ہو گیا۔ جیسے اُن کے نتھنوں میں دھونکنی لگا دی گئی ہو۔ اُس کے دل میں ایک خطرناک ارادہ جنم لے چکا تھا۔ پٹرول، ماچس، روئی کا ڈھیر، آگ اور پھر سرخ لال راکھ کا ڈھیر۔ کل رات بارہ بجے نہیں جلنے بجے جب سب کام پر لگ چکے ہوں گے۔ کوئی چہل پہل نہیں ہوگی۔ سناٹا، اندھیرا

اور پھر آگ!!!!!

وہ گھر پہنچا۔

بستر پر لیٹ گیا۔ ماں نے جلدی آنے کا سبب پوچھا۔ اُس نے بہانہ بنا دیا۔ سر میں درد ہے، چھٹی لے کر چلا آیا۔ وہ ساری رات بے کل رہا۔ جیسے بستر پر نہیں، انگاروں پر لوٹ رہا ہو۔ رنج، غصہ، انتقام، یہ سانپ ساری رات اُسے ڈستے رہے۔

اگلے دن اُس نے اپنا انتظام مکمل کر لیا۔ شام ہوئی۔ وہ انگڑائی لے کر ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھا۔ ہونے والا واقعہ اُس کے تصور میں پھر گیا۔ روئی، آگ، راکھ، اُس نے تصور کی کتاب کے اِس صفحے کو پلٹ دیا۔ فرحانہ کا خیال اُس کے ذہن میں جہنم سے آ گیا۔ میری رُوحِ زندگی فرحانہ! میں اُس سے ملنے جاؤں گا۔ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ شاید پھر اُس جانِ تمنا کو نہ دیکھ سکوں۔ ہو سکتا ہے رُوئی کو آگ لگا کر بچ نکلوں۔ ہو سکتا ہے آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاؤں۔ طویل قید، عمر قید، نہ جانے کیا ہو۔ اُس کا دماغ جھنجھنا اُٹھا۔ پھر اچانک اُس کی پلکوں پر آنسو تیرنے لگے۔

پہلی تنخواہ، فرحانہ کے لئے خوبصورت کپڑے، بالیاں، اور ——— اور ——— اُس نے ایک جھٹکے سے سر کو اُٹھایا جیسے وہ خیالات کا ایک کیف۔

- ادب کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے بھی شرمانے لگے۔
  (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- جو شخص اپنے جسم پر غلبہ نہیں پا سکتا اُس کا جسم ہی اُس کی قبر بن جاتا ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- رات کو سوتے وقت دن بھر کے کاموں پر تنقید کیا کرو۔
  (حضرت امام غزالیؒ)
- سیرت کے بغیر صورت خوشبو سے محروم اور کانٹوں سے پُر پھول کی طرح ہے۔ (ارسطاطالیس)
- خوشی واقعی بخیل ہے مگر غم بہت سخی ہے۔ (ایک مفکر)

بوجھ نہیں بر گرا دینا چاہتا ہوں! وہ تیزی سے گھر سے نکلا۔ چند لمحوں کے بعد وہ فرحانہ کے دروازے پر تھا۔ اُس نے اندر جانے سے پہلے جی کڑا کیا۔ چہرے کو دل کے جذبات سے خالی کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا فرحانہ اُسے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑی۔

"ہیلو جمال! آؤ یہاں بیٹھو۔ دیکھو ایک چیز!"

وہ لپکی اور تکیہ کے نیچے سے ایک لفافہ نکال لائی۔

"پڑھو اسے! میرے بھیا کو نوکری مل گئی ہے۔ اُسی کاٹن مل میں جہاں تم نوکر ہو۔ جمال! پڑھو نا، زور زور سے پڑھو۔ اب میرے بھیا کو تنخواہ ملے گی میں اچھے اچھے کپڑے سلواؤں گی۔ بابا کے لئے نئی چھڑی خریدوں گی۔ اور تم جانتے ہو جمال، تمہارے لئے کیا خریدوں گی ——— کیا خریدوں گی؟ ——— کان میں آہستہ سے بتاؤں گی ——— دیکھو میں تمہارے لئے خریدوں گی ——— کیا خریدوں گی؟ ——— ہاں یاد آیا، گول گپّے!"

جمال گھر آیا۔ اُس نے پٹرول نالی میں بہا دیا۔ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں کے کناروں کو چھو رہی تھی ——— !!

●●

غزلیں

بس ... ...

... ... دیکھے جاتے

... کے منظر نہیں دیکھے جاتے

... زمانے کا بدلنا لیکن

ان کے بدلے ہوئے تیور نہیں دیکھے جاتے

... ... ہوگا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

محشر منظری مصطفیٰ آبادی

گلستاں میں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی

بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

یقیناً موت آتی ہے حیات جاوداں بن کر

محبت میں کبھی بے سود قربانی نہیں جاتی

غم ... ... آنکھ میں اشک ... ...

[illegible]

کوئی دیکھے تو ... ...

[illegible]

جعفر شیرازی

یادوں کے طاق پر ابھی تک دھرے ہوئے

اب ... کے سامنے بھی ہم ... ہوئے

چھیڑو نہ میری روح کی شادابیوں کے راز

آنسو کے تو زخم جگر کے ہرے ہوئے

آتے ہیں ... دل کے ارمان اس طرح

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جب رات گئے پاس مرے کوئی نہ ہوگا ۔ اس وقت ... سے ... کروں گا

اے نرگس مخمور جھلک جائے گی ... ۔ جب یاد ... کروں ... کروں گا

... ...

پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو چھپانا چاہتا ہو! وہ تیزی سے گھر سے نکلا۔ چند لمحوں کے بعد وہ فرحانہ کے دروازے پر تھا۔ اُس نے اندر جانے سے پہلے جی کڑا کیا۔ چہرے کو ہر طرح کے جذبات سے خالی کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا فرحانہ اُسے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑی۔

"ہیلو جمال! آؤ یہاں بیٹھو۔ دیکھو ایک چیز!"

وہ لپکی اور تکیہ کے نیچے سے ایک لفافہ نکال لائی۔

"پڑھو اسے! میرے بھیا کو نوکری مل گئی ہے۔ اُسی کاٹن مل میں جہاں تم نوکر ہو۔ جمال! پڑھو نا، زور زور سے پڑھو۔ اب میرے بھیا کو تنخواہ ملے گی میں اچھے اچھے کپڑے سلواؤں گی۔ بابا کے لئے نئی چھڑی خریدوں گی۔ اور تم جانتے ہو جمال، تمہارے لئے کیا خریدوں گی ـــــ کیا خریدیں گی؟ ـــــ کان اِدھر لاؤ، آہستہ سے بتاؤں گی ـــــ دیکھو میں تمہارے لئے خریدوں گی ـــــ کیا خریدوں گی؟ ـــــ اب یاد آیا، گول گپّے!"

جمال گھر آیا۔ اُس نے بٹوہ نالی میں بہا دیا۔ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں کے کناروں کو چھو رہی تھی ـــــ!!

●●

غزلیں

حسن جلیلی ایم اے

سے شیشہ و ساغر نہیں دیکھے جاتے
تشنہ لب رہ کے یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

نے دیکھا ہے زمانے کا بدلنا لیکن
اُن کے بدلے ہوئے تیور نہیں دیکھے جاتے

ہر ایک کے اِس راہ پہ چلنا ہوگا
عشق میں رہزن و رہبر نہیں دیکھے جاتے

عاشق کی خبر پاکے نہ سج کے بیٹھو
ایسے منظر تو سنور کر نہیں دیکھے جاتے

محشر منظری مصطفےٰ آبادی

گلستاں میں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی
بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

یقیناً موت آتی ہے حیاتِ جاوداں بن کر
محبت میں کبھی بے سود قربانی نہیں جاتی

غمِ بے چارگی سے آنکھ میں اشکوں کے موتی ہیں
فقیری میں بھی اپنی شانِ سلطانی نہیں جاتی

کوئی دیکھے تو اعجازِ خیالِ زلف و رُخ محشر
پریشاں بھی نہیں ہوں اور پریشانی نہیں جاتی

جعفر شیرازی

یادوں کے طاق پر ہیں ابھی تک دھرے ہوئے
اب جن دلوں کے سائے بھی ہم سے پرے ہوئے

پُوچھو نہ میری رُوح کی شادابیوں کے راز
آنسو گرے تو زخم جگر کے ہرے ہوئے

آتے ہیں دل میں وصل کے ارمان اِس طرح
پھرتے ہوں جیسے دشت میں آہو ڈرے ہوئے

جعفر جب آئی سر پہ ہمارے شبِ فراق
دل سے الگ تو غم سے الگ مشورے ہوئے

اختر حزیں

جب رات گئے پاس مِرے کوئی نہ ہوگا
اُس وقت ستاروں سے ترا ذکر کروں گا

اے نرگسِ مخمور چھلک جائیں گے ساغر
جب بادہ گساروں سے ترا ذکر کروں گا

سُرخ حاشیہ

زیشں کمار شاد

۱۵/الف، موتی باغ نمبر ۲، نئی دہلی

۲۳/ستمبر ۱۹۹۱ء

محبّی خوشتر صاحب!

....."بیسویں صدی" کی روز افزوں اور غیر معمولی مقبولیت کا باعث غالباً یہ ہے کہ "بیسویں صدی" سے آپ کی وابستگی محض کاروباری نہیں ہے۔ بلکہ اس کے توسط سے آپ اُردو کی بقا، اُس کی ترویج اور اُس میں زیادہ سے زیادہ دلکشی اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے رات دن کوشاں رہتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ پرچے جو گٹ اَپ، مضامین کی ترتیب و تدوین اور کتابت و طباعت تک میں "بیسویں صدی" کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن میں "بیسویں صدی" کی سی بات پیدا نہیں ہوتی۔ اور "بیسویں صدی" سے اُن کی ظاہری مطابقت دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے ؎

گر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی.....

آپ کا ——— نرلیش کمار شاد

اور ہوتے ہیں جو محفل میں خموش آتے ہیں

آندھیاں آتی ہیں جب حضرتِ جوش آتے ہیں

پچکاری

معین احسن جذبی کسی سنجیدہ ادبی مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کہہ رہے تھے

"بھائی! میں تو فن کا دلدادہ ہوں جہاں فن نظر آجاتے اپنا سر جھکا دیتا ہوں۔"

اسرار الحق مجاز نے یہ بات سُنی تو اُسی لہجے میں کہا۔

"خواہ یہ معلوم بھی نہ ہو کہ فن کیا ہے۔"

خصوصیت

جوش ملیانی جن دنوں کسی درسگاہ میں اُردو اور فارسی کے معلم تھے ایک روز اپنی کلاس میں پڑھانے کے لئے آئے تو تندو تیز آندھی شروع ہو گئی۔ جوش صاحب نے چلتے چلتے ایک شعر موزوں کر لیا اور کمرۂ جماعت میں پہنچ کر کرسی پر بیٹھنے سے پہلے تختۂ سیاہ پر لکھ دیا ؎

مشابہت

دِلّی میں محمود علی خاں کے ہاں جگر مراد آبادی کے اعزاز میں ایک مخصوص دعوت تھی۔ تمام مہمان تقریباً ایک دائرے کی شکل میں اپنی اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب جو کافی دیر سے تشریف لائے چُپکے سے ایک کرسی کے پیچھے کرسی رکھ کر اُس پر بیٹھ گئے۔

جگر صاحب نے مُسکراتی ہوئی نگاہوں سے اُنھیں دیکھا اور کہا۔

"ارے بھائی! ادھر آجاؤ۔ اس طرح کیوں بیٹھ گئے۔ جیسے ہندوستان کے نقشے میں سیلون!"

دلیل

ایک مشاعرے میں جب فراق گورکھپوری اپنی غزل پڑھ چکے تو سامعین کی طرف سے ایک نوجوان شاعر زبیر رضوی کا کلام سننے کی فرمائش کی گئی۔ مشاعرے کے سکریٹری نے زبیر کو مائک پر بلایا تو وہ نہایت نیازمندی سے جھجکتے ہوئے کہنے لگا۔

"قبلہ فراق صاحب کے بعد میں اپنے شعر کیوں کر پڑھ سکتا ہوں؟"

فراق صاحب نے یہ سن کر بڑی بے نیازی سے فرمایا۔

"واہ میاں! جم اگر میرے بعد پیدا ہو سکتے ہو تو میرے بعد اپنے شعر کیوں نہیں پڑھ سکتے؟"

جان بچی اور ———

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی، دونوں غیر معمولی فربہ اندام ایک ہی سائیکل رکشا پر سوار تھے اور رکشا ڈرائیور ان دونوں ہاتھیوں کو بڑی مشکل سے کھینچ رہا تھا اور پسینے پسینے ہوا جا رہا تھا۔ راستے میں ایک پنواڑی کی دوکان دیکھ کر مجید صاحب نے رکشا رکوایا اور پان لینے چلے گئے۔ اتفاق سے جب رشید اختر بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ٹہلنے لگے تو رکشا ڈرائیور اس لمحہ کو غنیمت جان کر ایک دم خالی رکشا سرپٹ دوڑانے لگا۔ مجید صاحب نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا تو بلند آواز سے کہا۔

"ارے لڑکے کہاں جا رہے ہو، اپنے پیسے تو لیتے جاؤ؟"

رکشا ڈرائیور نے گردن گھمائی اور ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں صاحب! زندگی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا!"

تشریح

دِلّی کے انڈو پاک مشاعرے میں ساغر نظامی اپنی غزل سنا رہے تھے جب انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

بہت تلخ تھی زندگانی مگر ٭ گلوں گل رخوں میں بسر ہو گئی

[illegible]

"سبحان اللہ! کیا بات ہے، بسر ہو گئی [illegible] ہو گئی"

مقام

مشاعرے کے اسٹیج سکریٹری نے حضرت دلؔ شاہجہاں پوری سے کلام سنانے کی درخواست کی تو ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"آپ دلؔ ہیں اور عاشقوں کے پہلو میں رہتے ہیں۔"

دلؔ صاحب نے اس کے جواب میں شعر پڑھنے سے پہلے [illegible]

"لیکن اب وہاں نہیں، معشوقوں کی مٹھی میں رہتا ہوں!"

بے بس

اسرار الحق مجازؔ شراب کے نشے میں مدہوش دہلی کی سڑکوں پر بے مقصد گھومتے گھومتے ایڈورڈ پارک پہنچ گئے۔ پارک ہی کے گوشے میں ایڈورڈ کے مجسمے کو چند لمحوں تک دیکھتے رہے۔ پھر بڑے طنزیہ انداز میں اسی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"واہ بیٹا! چڑھ تو گئے ہو لیکن اب اترا نہیں جاتا!"

اور پھر جیسے ایڈورڈ کے مجسمے یا برطانوی سامراج کی بے بسی پر ایک فاتحانہ قہقہہ لگا کر لہراتے ہوئے آگے نکل گئے۔

بے چارہ

کنور مہندر سنگھ بیدی جن دنوں دلّی کے سٹی مجسٹریٹ تھے۔ ان کی عدالت میں چوری کے جرم میں گرفتار کئے گئے ایک نوجوان کو پیش کیا گیا۔

کنور صاحب نوجوان کی شکل دیکھتے ہی بولے۔

"میں ملزم کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ ہتھکڑیاں کھول دو۔ یہ بے چارہ شاعر ہے۔ شعر چوری کرنے کے علاوہ کوئی اور چوری کرنا اس بے چارے کے بس کی بات نہیں۔"



ماحول

ساحر لدھیانوی ایک بار دہلی گئے تو مشہور اداکارہ مینا شوری نے اُن کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ دعوت میں ساحر صاحب نے مینا کو چھیڑتے ہوئے سوال کیا۔

"مینا! جب تم لاہور میں تھیں تو تمہارے ساتھ الناصر تھا۔ وہ کہاں چلا گیا؟"

مینا نے سوال کا جواب دینے کی بجائے ساحر صاحب سے اُلٹا یہ سوال کر دیا۔

"اور لاہور میں جب آپ تھے تو کوٹ پہنے ہوئے تھے، وہ کیا ہوا؟"

"کوٹ ــــ؟"

ساحر صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ پرانا، میرا مطلب ہے ناکارہ ہو گیا۔"

"تو اپنے سوال کا جواب بھی انھیں الفاظ میں تلاش کر لیجیے۔" مینا بدستور سنجیدگی سے کہنے لگی۔

اور سُنا ہے کہ اب روپ کے شوری کا بھی کوٹ اُتار کر مینا مستقل طور پاکستان میں آباد ہو چکی ہے۔

ہونہار بروا کے

آج سے کئی سال پہلے چیفس کالج میں اُردو اور فارسی کے معلّم مولوی رحمت اللہ نے اپنے باذوق طلبا کو شعر کہنے کے لئے مصرعِ طرح دیا ع

بکِل جاتی ہے جب خوشبو تو گُل بے کار ہوتا ہے

اور بہترین شعر کے لئے ایک فونٹین پین کا انعام مقرر کیا۔ وہ انعام جس نوجوان طالب علم نے حاصل کیا اُس کا شعر یہ تھا ؎

خدا ہشیار رکھنا تم کہیں دھوکا نہ کھا جانا
حسینوں نے چھپا آستیں میں مار ہوتا ہے

یہی نوعمر طالب علم آگے چل کر کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی حیثیت سے دُنیائے شعر و ادب میں روشناس ہوا۔

بصورتِ دگر

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں تلوک چند محروم راولپنڈی سے دہلی آنے کی تیاری کر رہے تھے۔ گارڈن کالج میں پروفیسر محمد اعظم نے چپراسی کے ہاتھ ایک مصرع لکھ کر اُنھیں بھیجا۔

ع جاتے ہیں حضرت محروم پاکستان سے

محروم صاحب نے کچھ تامل کے بعد یہ مصرع لگا کر پروفیسر صاحب کو بھیج دیا ع

گر نہ پاکستان سے جائیں تو جائیں جان سے

فکرِ ہر کس

حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کے مطب میں مولانا عبدالمجید سالک داخل ہوئے تو وہاں مریضوں میں دو تین طوائفیں بھی موجود تھیں۔ ایک طوائف جو خاص طور پر قبول صورت تھی اور جس نے سر پر ایک نقرئی سفید لچکے والا ریشمی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سالک صاحب نے آہستہ سے حکیم صاحب سے کہا۔

"ڈبیہ کا انگور!"

حکیم صاحب یہ سُن کر پھڑک اُٹھے لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی طبی اصطلاح میں کہنے لگے۔

"خمیرہ گاؤزباں ــ ورقِ نقرہ پیچیدہ!"

ادب برائے ادب

جن دنوں اسرار الحق مجاز آل انڈیا ریڈیو کے معتوبین میں سے تھے، ایک بار احتشام حسین کو ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ کی بلڈنگ میں ملے۔ احتشام نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے مجاز! تم یہاں کیسے؟"

مجاز نے رونی سی صورت بنا کر جواب دیا۔

میں یو پی ڈیپو میں آئرن فار آرٹ کے کبھی کبھار ادھر آ نکلتا ہوں ۔

شانِ نزول

کسی مشاعرے میں منوہر سہائے انور اپنی غزل پڑھ رہے تھے۔ جس کی زمین تھی۔

یہاں کچھ بھی نہیں ہے، جہاں کچھ بھی نہیں ہے

پنڈت ہریچند اختر نے وہیں شعرا کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھے بیٹھے اس زمین میں یہ دو شعر کہہ لئے ۔

ہمیں ہم ہیں ہمارے خاندان میں ؛ ہمارا خانداں کچھ بھی نہیں ہے
مرا بچہ بہت اچھا ہے لیکن ؛ مرے بچے کی ماں کچھ بھی نہیں ہے

تردید

آج سے اٹھاون برس پہلے کی بات ہے، تلوک چند محروم مڈل اسکول کا امتحان دینے کے لئے بنوں گئے ۔ امتحان کے دوران میں ایک سپروائزر جو شعر سے دلچسپی رکھتے تھے اور محروم صاحب کا شاعر ہونا بھی جنھیں معلوم ہو چکا تھا محروم صاحب کے پاس آئے اور ایک چٹ پر یہ مصرع لکھ کر ان کے سامنے رکھ دیا اور خود ٹہلتے ہوئے آگے نکل گئے۔

ع ہر کہ محروم از ازل محروم ماند تا ابد

اور جب چند لمحوں کے بعد وہ محروم صاحب کے قریب آئے تو محروم صاحب اس چٹ پر یہ مصرع لکھ چکے تھے ع

ایں غلط گفتی بہ محروماں عنایت می رسد

عورت یا مرد کے لئے ایک جیز اکسیر ہے جس سے زندگی کو کامیاب کرنے کے ایسے شعور میں حصہ ہے جو عزت اور نیک نامی بخشتا ہے عمل کی عظمت علم سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ عمل ...
ہے۔ علم کا قدرتی پھول ۔ (سوامی ستیا نند)

غزلیں

ضیا اکبر آبادی

تجھ سے ملے نہ تھے تو کوئی آرزو نہ تھی
دیکھا تجھے تو تیرے طلبگار ہو گئے

ہم تلخیِ حیات گوارا نہ کر سکے
گھبرا کے خود ہی وقفِ غمِ یار ہو گئے

جب سر اُٹھا کے دار کی جانب چلے ضیا
فرطِ خودی میں اور بھی خوددار ہو گئے

عبدالستار شاد

پلکوں پہ جھلملانے لگے اشکِ تابناک
پھر چاندنی میں آئی ہے اِک دلستاں کی یاد

جس کی نگاہِ ناز کے مارے ہوئے ہیں ہم
سرمایۂ حیات ہے اُس مہرباں کی یاد

رہ رہ کے مسکراتی ہے بادل کی اوٹ سے
ساغر بدست ساقیِ آتش بجاں کی یاد

جبریل صدیقی

مدرسہ و کعبہ و بیت خانہ سے آگئے بہت آگے
کہاں جا کر سنبھلتا ہے ترا دیوانہ کیا کہیے

فسانہ یاد آجاتا ہے جنت سے نکلنے کا
کسی سے داستانِ لغزشِ مستانہ کیا کہیے

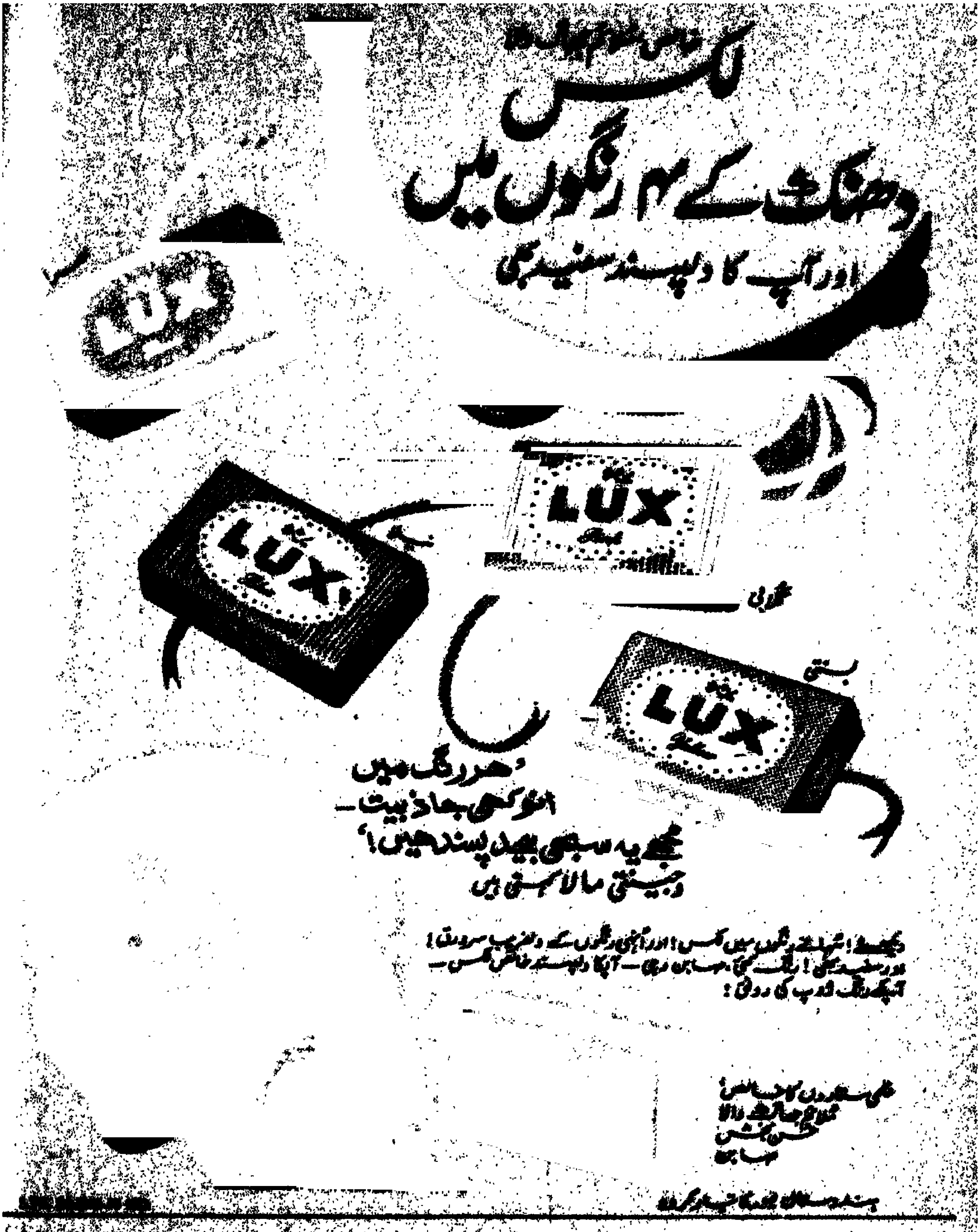
نہ پھولوں کو توجہ ہے نہ تاروں میں سماعت ہے
جہاں سنتا نہیں کوئی وہاں افسانہ کیا کہیے

واصل رشید حقانی ایم کام

غمِ جاناں تو بڑی دولت ہے
آرزوئے غمِ جاناں ہی سہی

خیر ہم کو تو سکوں حاصل ہے
ہم پریشاں ہیں پریشاں ہی سہی

میری محرومیِ قسمت نہ گئی
اُن کے الطاف فراواں ہی سہی


لکس
دھنک کے ۷ رنگوں میں
اور آپ کا دلپسند سفید بھی
گلابی
بسنتی
ہر رنگ میں
انوکھی جاذبیت۔
مجھے یہ سبھی بیحد پسند ہیں!
وجینتی مالا کہتی ہیں

افواہیں

جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اُسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اِس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

(نوٹ) آج جہاں گرد افواہوں کے تعاقب میں نہیں ہے بلکہ افواہیں جہاں گرد کا تعاقب کر رہی ہیں۔ اِس اُلٹی چال کی وجہ وہ آٹھ گرہ ہیں جو فروری ۱۹۶۲ء کو ایک تنگ و تاریک منحوس خطۂ افلاک میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور بنی نوعِ انسان کے خلاف ایک عالمگیر سازش کرنے والے ہیں۔

سازش کی اِس خبر نے افواہوں کو تیزی سے جنم دینا شروع کر دیا ہے۔ خام، نیم خام اور پختہ ہر قسم کی افواہ پیدا ہوتے ہی جہاں گرد کے پیچھے اُٹھ بھاگتی ہے۔ لہٰذا جہاں گرد آج بڑی مشکل میں ہے۔ دیکھئے آج افواہوں سے کس طرح عہدہ برا ہوتا ہے؟

پہلی افواہ

گردشِ افلاک کے ہند گرد یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ آٹھ گرہوں کی جو چوٹی کانفرنس ...... کے ایک خفیہ ہال میں ہو رہی ہے وہ فروری ۱۹۶۲ء کی بجائے کسی اور تاریخ پر ملتوی کر دی گئی ہے۔ التوا کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ انسان فروری ۱۹۶۲ء میں چاند پر حملہ کرنے والا ہے۔ اور دھرتی کے سیارے کا پہلا انسان چاند پر اُتر کر اُس پر اپنا جھنڈا لہرانا چاہتا ہے۔ اِس لئے خطرہ ہے کہ یہ حملہ کانفرنس ہال پر کیا جائے۔ کیونکہ چاند بھی اُس کانفرنس میں موجود ہوگا۔ ایک تجویز یہ بھی زیرِ غور لائی گئی تھی کہ چاند کو آٹھ گرہوں کی کانفرنس میں شامل نہ کیا جائے لیکن ماہرینِ افلاک نے کہا کہ چاند کی شمولیت اجرامِ فلکی کی نیچرل رفتار کا نتیجہ ہے اور قوانینِ فطرت کو روکنا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ بہرحال چوٹی کانفرنس کے مسئلہ پر ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ چاند کے کئی رفیق سیاروں نے اعلان کیا ہے کہ اگر چاند کو شمولیت سے روکا گیا تو وہ بھی شامل نہ ہوں گے۔ چنانچہ کانفرنس عارضی طور پر ملتوی کر دی گئی ہے۔ اگرچہ سنیچر نے جہاں گرد کے سامنے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کانفرنس ضرور ہوگی۔ کیونکہ یہ تو اجرامِ فلکی کی نیچرل رفتار کا نتیجہ ہے۔ قوانینِ فطرت کسی چاند یا اُس کے رفیق کے محتاج نہیں"۔

دوسری افواہ

بمبئی کے سیٹھ گھاٹا بھائی، بادھا بھائی نے آچاریہ ونوبا بھاوے جی کی سمپتی دان تحریک میں اپنی ساری جائداد دے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ جائداد کروڑوں روپے پر مشتمل ہے۔ یہ جائداد ابھی قانونی طور پر منتقل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اِس کے لئے امریکہ سے ایک ایکسپرٹ وکیل کو جائداد کی منتقلی کا مسودہ تیار کرنے کے لئے بلایا گیا ہے۔ جہاں گرد کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سمپتی دان مشروط ہوگا یعنی سیٹھ گھاٹا بھائی بادھا بھائی اپنی جائداد صرف اِس شرط پر دان دیں گے کہ آٹھ گرہوں کے مہلک اور منحوس اثرات ہندوستان پر نہ پڑیں۔ اور ہندوستان کی تمام جائدادیں تباہ نہ ہو جائیں۔ اگر تباہی آگئی تو اسے غیر مشروط دان تصور کیا جائے گا اور اگر تباہی نہ آئی تو اِس جائداد کا صرف اِتنا حصہ دان تصور کیا جائے گا جتنا سیٹھ گھاٹا بھائی بادھا بھائی یا ان کے کسی بھی جانشین وارث کی شردھا ہوگی۔

اِس دوران میں ایک شرط یہ بھی ہوگی کہ فروری ۱۹۶۲ء کے ختم ہونے تک سرمایہ دار ان کی ایک پائی تک استعمال کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ بمبئی کے سرمایہ دار حلقوں میں اس دان پر تعجب اور تعریف کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ خطرہ ہے کہ شاید دوسرے سرمایہ دار بھی ان ہی شرطوں پر اپنی جائدادیں دان دینے پر تیار ہو جائیں۔

تیسری افواہ ——————•

واشنگٹن کی پریس کلب میں یہ افواہ بڑے زور شور سے گشت لگا رہی ہے کہ دنیا کے دو آخری بڑے مسٹر خروشچیف اور مسٹر کینیڈی ایک ساتھ مل کر ہندوستان جا رہے ہیں تاکہ ہندوستانی جیوتشیوں سے بات چیت کر کے یہ اندازہ لگا سکیں کہ کیا فروری ۱۹۶۲ء میں واقعی آٹھ گرہ اکٹھے ہو رہے ہیں؟ یا ہندوستانی جیوتشیوں کی یہ گپ صرف روس اور امریکہ کو ہراساں کرنے اور اُن کے اندر احساسِ کمتری پیدا کرنے کے لئے اُڑائی گئی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اگر دو نوں عظیم لیڈروں کو یہ یقین ہو گیا کہ آٹھ گرہوں کی وجہ سے دُنیا کا خاتمہ ہونے والا ہے تو شاید دونوں حضرات یہ متفقہ فیصلہ کر لیں کہ فروری ۱۹۶۲ء سے پہلے پہلے دُنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے تباہ کر دیا جائے۔ تاکہ دُنیا کو تباہ کرنے کا کریڈٹ فطرت کو حاصل نہ ہو سکے۔ اور یہ ثابت ہو جائے کہ انسان فطرت سے زیادہ طاقت ور ہے۔ افواہ ہے کہ دوسری بات زیادہ صحیح ثابت ہوگی اور شاید جنوری ۱۹۶۲ء ہی میں ہماری یہ دُنیا اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے گی۔

چوتھی افواہ ——————•

سابق مہاراجہ پٹیالہ کے نہایت قریبی حلقوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ پچھلے دنوں ہند سرکار اور اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اُس کی بنیاد مجوزہ کمیشن پر نہیں بلکہ آٹھ گرہوں پر رکھی گئی تھی۔ چونکہ ماسٹر تارا سنگھ رُوحانیت پرست آدمی ہیں۔ اِس لئے جب اُنھیں بتایا گیا کہ فروری ۱۹۶۲ء میں پوری انسانی سوسائٹی "سواہا" ہو جائے گی اور پنجابی صوبہ بننے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ نہ اِس سے اکالی پارٹی کو فائدہ ہوگا۔ نہ جن سنگھیوں کو نقصان ہوگا۔ اور نہ آپ حضرات کو کوئی کریڈٹ ملے گا جو مرن برت رکھ کر اپنی قربانی دینا چاہتے ہیں۔ اِس لئے بہتر یہی ہے کہ فروری ۱۹۶۲ء تک زندگی کے خوشنما باقی دن اطمینان سے گزارے جائیں اور مرن برت ٹھنڈا کیا جائے۔ سمجھوتہ میں باہمی طور پر یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ اگر فروری ۱۹۶۲ء کو دنیا تباہ نہ ہوئی تو ماسٹر جی دوبارہ مرن برت شروع کر سکتے ہیں۔ ہند سرکار کو اِس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور نہ ماسٹر جی کو اس بات پر اعتراض ہوگا کہ وہ پنجابی صوبہ بنانے کے عارضی اصول پر ڈٹے رہیں۔

پانچویں افواہ ——————•

فروری ۱۹۶۲ء میں آٹھ گرہ اکٹھے ہو رہے ہیں اور فروری ۱۹۶۲ء ہی میں ہندوستان میں جنرل الیکشن ہونے والے ہیں۔ چنانچہ اِس اجتماعِ ضدین کی روشنی میں یہ افواہ گشت لگا رہی ہے کہ کانگریس کو الیکشن لڑنے کے لئے اُمیدوار نہیں مل رہے کیونکہ ہر اُمیدوار یہ سوچ رہا ہے کہ الیکشن پر اپنا ہزاروں روپیہ ضائع کرنے کا کیا فائدہ جبکہ الیکشن جیتنے کے بعد وہ اسمبلیوں اور پارلیمنٹ میں حکومت کرنے کا لُطف نہیں اُٹھا سکیں گے۔

معلوم ہوا ہے کہ اِس صورتِ حالات سے پریشان ہو کر کانگریس کی الیکشن کمیٹی نے تمام باغی کانگریسیوں کو ٹکٹوں کی پیش کش کی لیکن اُنھوں نے بھی ٹکٹ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کئی موجودہ کانگریسی منسٹر تک یہ سوچ رہے ہیں کہ عمر کے آخری چند مہینے بھگوان کی بھگتی میں صرف کر دیں۔ چنانچہ سُنا ہے کہ کئی صوبوں کے وزیر تو کوہ ہمالیہ کی گپھاؤں کی طرف چلے گئے ہیں۔ اور باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔

ہو سکتا ہے کانگریس کی طرف سے یہ تحریک شروع کر دی جائے کہ فروری ۱۹۶۲ء میں جنرل الیکشن ملتوی کر دیئے جائیں لیکن سُنا ہے پنڈت نہرو اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔ یہ بھی سُنا ہے کہ پنڈت نہرو چونکہ پارلیمنٹ کے آگے ہمیشہ اچھی روایات کے مطابق سرِ تسلیم خم کر دیا کرتے ہیں اِس لئے بالآخر وہ بھی التوا کو مجبوراً مان جائیں گے۔

چھٹی افواہ ——————•

پچھلے دنوں جہاں گرد جب گھومتے گھومتے بنارس کے قریب ایک گاؤں

میں پہنچا تو وہاں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ یہاں دو جیوتشیوں میں آٹھ گرہوں کے بارے میں سخت اختلافِ رائے پیدا ہو گیا ہے اور تجربے کے طور پر ..... نتیجہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے واقعہ سن لیجئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ گاؤں مذکور کے دو جیوتشیوں کی پیش گوئیاں اکثر ایک دوسرے کے خلاف نکلا کرتی تھیں۔ مثلاً ایک مرتبہ ایک جیوتشی نے ایک کسان سے کہا کہ فلاں تاریخ کو تمہاری گائے جنت سدھار جائے گی۔ لیکن اسی کسان کو دوسرے جیوتشی نے بتایا کہ گائے کے جنت سدھارنے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ البتہ تمہاری بیوی کے گرہ بھاری ہیں۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ گائے تو بچ گئی اور بیوی پرلوک سدھار گئی۔ اور گائے کے متعلق پیشین گوئی کرنے والے جیوتشی کو کسان نے گاؤں بھر میں بدنام کر دیا اگرچہ وہ بیچارا بار بار کہتا رہا کہ بیوی بھی ایک قسم کی گائے ہوتی ہے۔ خاموش گونگی، بے بس اور مظلوم!

بہرحال کچھ بھی تھا ان دونوں جیوتشیوں میں ایک پرانا اختلاف چلا آتا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ رہتے تھے۔ آٹھ گرہوں کے مسئلہ پر بھی یہی ہوا۔ ایک جیوتشی نے حساب لگا کر بتایا کہ مہابھارت کے وقت بھی یہی آٹھ گرہ مکر راشی میں اکٹھے ہوتے تھے اور دنیا میں مہابھارت کی ایک خوفناک جنگ ہوئی تھی جس میں آدھی دنیا تباہ ہو گئی تھی۔ لیکن دوسرے جیوتشی نے حساب لگا کر بتایا کہ مہابھارت کے وقت آٹھ گرہ اکٹھے نہیں ہوئے تھے اور جیوتشی نمبر ایک جاہلِ مطلق ہے۔

چنانچہ ایک دن دونوں جیوتشی آمنے سامنے ہو گئے۔ ان میں گرما گرم بحث ہوئی نوبت گالیوں تک پہنچی۔ گالیاں ہاتھا پائی میں تبدیل ہو گئیں اور پھر ہاتھا پائی کو ناکافی سمجھ کر دونوں نے ایک دوسرے کے سر میں ایک ایک ڈانگ اٹھا کر اس زور سے ماری کہ دونوں جاں بحق ہو گئے۔ یعنی ان دونوں کے لئے تو آٹھ گرہ اکتوبر ۱۹۶۱ء ہی میں اکٹھے ہو گئے۔ اور دونوں دنیا کے تباہ ہونے سے پہلے ہی تباہ ہو گئے۔ جب ان کی موت کے بعد ان دونوں کی جنم پتریاں دیکھی گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ جیوتش کی رو سے پندرہ سال پہلے پرلوک سدھار گئے ہیں۔

ساتویں افواہ

جہاں گرد نے اپنی ذاتی جیوتش کے حساب سے اعلان کیا ہے کہ فروری ۱۹۶۲ء سے پہلے پہلے دنیا کے تمام متنازعہ مسائل حل ہو جائیں گے اور تمام سنسار میں ایک ابدی شانتی چھا جائے گی۔ ستاروں کی رفتار کی رو سے فروری ۱۹۶۲ء سے پہلے دنیا میں مندرجہ ذیل واقعات رونما ہوں گے۔

(۱) چین سارے ہندوستانی علاقہ کو رضاکارانہ طور پر خالی کر دے گا۔ حتیٰ کہ شرم کے مارے ہندوستانی سرکار کو اس کی اطلاع بھی نہ دے گا۔

(۲) چین سرکار اپنے ایک خفیہ ایلچی کے ذریعے تبت کے دلائی لامہ کو واپس آنے کی دعوت دے گی جسے دلائی لامہ نامنظور کر دیں گے۔

(۳) دونوں جرمنی خود بخود متحد ہو جائیں گے اور مسٹر کینیڈی اور مسٹر خروشچیف کی طرف سے کوئی احتجاجی بیان جاری نہیں کیا جائے گا۔

(۴) شومبے کو پورے کانگو کا پردھان چن لیا جائے گا اور وہ پردھان بنتے ہی سب سے پہلے مسٹر لومومبا مرحوم کی قبر پر پھول چڑھانے جائیں گے اور رو رو کر قبر کے سامنے اعتراف کریں گے کہ میں نے ہی اپنے قتل

غزل

دھرم سروپ بی۔اے (آنرز)

ابھی نظر میں فسونِ جہاں باقی ہے
ابھی چمن میں بہارِ مجاز رہنے دے
ابھی پسند ہے جام و سبو کی ہر بندش
رسومِ مے کدہ اے چشمِ ناز رہنے دے
ابھی بھی ہے مرے دل میں آرزوئے نشاط
رگوں میں میری ابھی سوز و ساز رہنے دے
خلش میں دردِ محبت کی لطف باقی ہے
علاجِ درد ابھی چارہ ساز رہنے دے

کر لیا تھا۔

(۴) چیانگ کائی شیک درخت سے لٹک کر خودکشی کر لیں گے۔ اور وہ یہ وصیت چھوڑ جائیں گے کہ میں یو۔ این۔ او میں سے اپنی سیٹ اٹھا رہا ہوں۔ اب اس پر جوشی کمیونسٹ چین کے نمائندہ کو بٹھا دیا جائے۔

(۵) کشمیر کا مسئلہ جوں کا توں رہے گا۔ کیوں کہ یہ ملکوں کی بنیادی پالیسی کا مسئلہ ہے۔

(۶) بمبئی میں نشہ بندی ختم کر دی جائے گی۔ لیکن صرف فروری ۱۹۶۲ء کے مہینے کے لئے۔ تاکہ لوگ موت سے پہلے یہ بھول جائیں کہ وہ مر رہے ہیں۔

(۷) ہندوستان میں اشیاء میں ملاوٹ کا قطعی قلع قمع ہو جائے گا۔ اور نہایت صاف ستھری خالص اشیاء مارکیٹ میں آ جائیں گی اور ملاوٹ کرنے والے یہ سوچ کر پریشان ہو جائیں گے کہ ملاوٹ کرنے والے کہاں گئے۔

(۸) ہندوستان کے پچانوے فی صدی باشندے آتما کی شدھی کے لئے مرن برت رکھیں گے اور صرف پانی پی کر گزارہ کریں گے (پانی سارے ملک میں گھی کی طرح مہنگا ہو جائے گا۔)

(۹) لندن میں مذاہب کی ایک بین الاقوامی کانگریس منعقد کی جائے گی جس میں تمام مذہبی رہنما اپنی اپنی خامیاں بیان کر کے خدا کے حضور میں مشترکہ دعا کریں گے کہ اے خدائے برتر ہم آئندہ سے مذہبی منافرت پھیلانے کا پیشہ ترک کر دیں گے تو صرف ایک چانس اور دے دے اور اپنے آٹھ گرہوں کو اکٹھا ہونے سے روک دے۔

(۱۰) دنیا کے تمام بینکوں میں لین دین بند ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا پیسے سے بے نیاز ہو جائے گی۔

آخری افواہ ——————●

سنا ہے خدا کی طرف سے ایک اسپیشل ڈیلی گیشن دنیا میں اتر رہا ہے جو اہل دنیا کو سمجھائے گا کہ آٹھ گرہوں کے اکٹھا ہونے سے تمہیں ہراساں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کا خاتمہ ان کے ہاتھ میں نہیں میرے ہاتھ میں ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ دنیا کو قائم رکھا جائے۔ کیونکہ مجھے شبہ ہے کہ دنیا میں ابھی تک کچھ نیک لوگوں کی تعداد موجود ہے جب تک یہ نیک لوگوں کی تعداد ختم نہیں ہو جاتی دنیا یونہی چلتی رہے گی۔ اس لئے بوگس پروپیگنڈہ کر کے اور آٹھ گرہوں کے اکٹھا ہونے اور اس کے تباہ کن نتائج کا شور مچا کر میری خدائی کو رسوا کیا جائے۔ ●●

اور ڈولی چلی گئی

شاہدہ نکہت

فرخ آباد

۴/اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

محترمی خوشتر بھائی! آداب و نیاز

"بیسویں صدی" جیسے بلند معیار پرچے میں جگہ پانا کسی بڑے افسانہ نگار کے لئے بھی باعثِ افتخار ہے۔ پھر ہم نئے لکھنے والوں کو تو اپنی کوئی کوشش آپ کی خدمت میں بھیجتے ہوئے بڑی جرأت و ہمت چاہئے۔ لیکن میں یہ جسارت اسلئے کر رہی ہوں کہ بڑے افسانہ نگار بھی کبھی نئے تھے۔ جن میں سے اکثر کی یہ بڑائی اور بلندی آپ کی مرہونِ منت ہے۔ اس کہانی میں ایک مشرقی لڑکی کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ آپ کہانی کے انجام میں اس کے مقصد سے اتفاق کریں گے۔ کیونکہ آپ ہماری تہذیب کے نمائندہ ہیں اور "بیسویں صدی" ہمارے ذہنوں کا آئینہ ہے۔

آپ کی بہن ——— شاہدہ نکہت

.....

نیلو کی سفید ہتھیلی پر مہندی رکھی گئی تو اُس کا ہاتھ مجھے بالکل بے جان سا معلوم ہوا۔ میرے ہاتھوں میں وہ اِس طرح کانپ رہا تھا جیسے کسی پھول کی پتی کو ہوا آہستہ سے چھو گئی ہو۔ چاروں طرف لڑکیوں کا ہجوم تھا میراثنیں ڈھولک پر سہاگ گا رہی تھیں۔ سبز مہندی اب اُس کی ہتھیلی ڈھکنے کے بعد پوروں پر لگائی جا رہی تھی۔ نیلو کا چہرہ اُس کے گھٹنوں میں چھپا ہوا تھا لیکن جی چاہتے ہوئے بھی میں اُسے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ صبح جب میں اُسکے پاس آئی تھی تو اُس کی آنکھوں کو دیکھ کر میں نے یہی اندازہ کیا تھا کہ وہ ساری رات نرم تکیوں کی گہرائی میں ڈوبی رہی ہیں۔ اور اپنے آنسو اُس میں چپکے چپکے جذب کرتی رہی ہیں۔ میں نے چاہا تھا اُسے تسلی دوں گی۔ اُس کی آنے والی زندگی کے بارے میں باتیں کروں گی۔ لیکن مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی تھی اور روتے روتے میرے کندھوں کو دُکھا دیا تھا۔

آج نیلو کو مائیوں بٹھایا جا رہا تھا۔ ایک ہفتہ بعد اُس کے ہاں برات آنے والی تھی۔ ایک اجنبی ہمیشہ کے لئے اُسے اپنے ساتھ لے جانے والا تھا۔ اُس کے جسم کو اُبٹنے کی خوشبو سے بسایا گیا تھا۔ اور زرد کپڑے پہنا دیئے گئے تھے اِس لئے مہمانوں کے ہجوم میں مجھے اُس کی دلجوئی کے لمحات نہ مل سکے تھے۔ ویسے نیلو ہی کیا ہر لڑکی اپنے بابل کے آنگن کو چھوڑتے ہوئے آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہے۔ گھر کی ان چہار دیواریوں کے طاق جن میں کبھی اُس نے بھی گڑیاں سجائی تھیں، جب سونی آغوش کی طرح دکھائی دیتے ہیں تو وہ چاہتی ہے اُن سے کبھی دُور نہ ہو۔ لیکن در و دیوار سے یہ جُدائی تو لڑکیوں کا مقدر ہوتی ہے۔ چاہے اُن کی محرابوں کے دل کتنے ہی کیوں نہ دُکھیں۔ وہ لمحے آج نیلو کے لئے بھی آ گئے تھے۔ اِس لئے رسم و رواج کی اِس دُنیا میں اُس کے آنسوؤں کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اب مہندی نیلو کی اُنگلیوں تک لگ چکی تھی جس کے بعد رچنے کے لئے اُس کی مُٹھی بند کر دی گئی۔ اور آرزوؤں اور خوابوں کی یہ کتاب بند ہو گئی۔ اب اُس کا اجنبی جیون ساتھی

اُسے خضاب کا اضافہ کر دے گا۔۔۔۔

شام کو جب میں نیلو سے مِل کر واپس آنے لگی تو اُس نے کہا۔

"نسرین! آج میں تمہیں اپنی ایک امانت سونپنا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنے خوابوں اور خیالوں میں ایک دُنیا بسائی تھی۔ آج اُس پر میرا کوئی اختیار نہیں رہا۔۔۔"

اُس نے اپنے سرہانے سے ایک کاپی نکالی۔ "اِس میں کہیں کہیں پر میں نے کچھ لکھا ہے۔ جب میں سوچتے سوچتے تھک جایا کرتی تھی تو اپنے جنون کی حکایتیں اِس میں لکھ دیا کرتی تھی۔ آج اسے نذرِ آتش کر دینا۔"

میں نے سکتے کے عالم میں اُس کے چہرے کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"تمہیں تعجب ہے؟" وہ تقریباً رو پڑی۔ "جو دُنیا میں نے بنائی تھی اُسے خود اپنے ہاتھوں سے کس طرح مٹا سکتی ہوں؟"

اُسی لمحے کمرے کی طرف کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی۔ میں نے گھبرا کے وہ کاپی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور اُس سے زیادہ باتیں نہ کر پائی۔ واپس چلی آئی اُس رات میں بہت دیر تک اُس کے متعلق سوچتی رہی۔ اُس کے صحیفۂ حیات کے اوراق اُلٹتی رہی۔ ایک چھوٹی سی، کمزور، خاموش خاموش رہنے والی لڑکی کے جذبات میرے سامنے بکھرے ہوئے تھے جنھیں نذرِ آتش کرنے کا کام اُس نے مجھے سونپا تھا۔ ایک نغمے کو، ایک خوشبو کو کس طرح جلایا جا سکتا ہے؟ شاید یہ سب کچھ اُس نادان لڑکی نے نہیں سوچا تھا اور ایسا کام میرے سپرد کیا تھا جس کے لئے میں اپنے آپ کو تیار نہ کر پائی تھی۔ اُس کی کاپی میں کوئی مسلسل کہانی نہ تھی۔ کہیں کہیں کچھ لکھا تھا، جسے میں نے خود ہی ترتیب دے کر پڑھنا شروع کیا۔

پہلا صفحہ:۔

آج میری اٹھارویں سالگرہ منائی گئی۔ لیکن میں سارا دن اُداس رہی۔ سوچتی رہی میری زندگی کے اِتنے سال کیسے چپکے سے گزر گئے۔ آج میں نے اپنی گڑیوں اور بچپن کے سارے کھلونوں کو ایک ایک کر کے نکالا جنھیں میں نے اب تک بہت سلیقے سے رکھا تھا۔ ایک ایک کھلونا میری زندگی کا ایک ایک سال تھا۔ میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔ اب اِن سے کھیلوں گی تو سب میرا مذاق اُڑائیں گے۔ میں اِتنی بڑی کیسے ہو گئی؟ میرے بچپن کے دن کہاں گئے۔ سالگرہ پر مجھے بہت سے تحفے ملے لیکن مجھے اُن میں سے ایک بھی پسند نہ آیا۔ اِس دفعہ کوئی کھلونا، کوئی گڑیا نہیں، سب بڑی لڑکیوں کی چیزیں ہیں۔ سُہیل بھائی عجیب ہیں۔ میں نے انھیں اب تک کتنے ہی رومال سی کر دیئے ہیں اُن کے کتنے ہی کُرتوں پر بیلیں کاڑھنے کی بے کار کی ہے۔ مجھے اُمید تھی وہ کوئی اچھا سا تحفہ دیں گے۔ لیکن وہ سارا دن غائب رہے۔ اور پھر شام کو آئے اور کہنے لگے۔

"نیلو بھئی میں بالکل بھول گیا کہ آج تمہاری سالگرہ ہے۔ ابھی کہیں سے واپس ہو رہا تھا کہ تمہارا خیال آیا۔ سیدھا یہاں آرہا ہوں اور میرے ہاتھ خالی ہیں"

اُنھوں نے اپنا ریکیٹ ایک طرف رکھ دیا اور میرے تحفوں پر نظر ڈال کے کہنے لگے۔

"تمہارا تحفہ اُدھار رہا!"

میں خاموش رہی۔

آخر یہ اِتنا ضروری تو نہیں۔ لیکن شاید وہ اِس کمی کو بُری طرح محسوس کر رہے تھے۔ یکایک اُنھوں نے گملے سے گلاب کا ایک نیم وا پھول توڑا اور مجھے دیتے ہوئے کہنے لگے۔

"اِس وقت یہی قبول کر لو!"

آپا میرے پاس کھڑی تھیں، کہنے لگیں۔

"بہت چالاک ہو۔ خوب سستے چھوٹے!"

"نہیں، وہ دراصل ــــــ"

وہ کچھ بات بنا نہ پائے اور جلدی سے امّی کے پاس چلے گئے۔ اور وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر نظر نہ آئے۔

اُن کے جانے کے بعد نہ جانے کیوں اپنے تحفوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اِن بے مقصد تحفوں میں کم از کم ایک کارآمد شے تو ہے۔ پھول اور خوشبو محبت کی نشانی ہے۔ تو کیا سہیل بھائی مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ کیسی عجیب بات ہے نہیں محبت کوئی شے نہیں۔۔۔۔ لیکن پہلے اُنھوں نے کبھی مجھے پھول نہیں دیئے۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ محبت کیا ہے؟ مجھے اِس خیال سے کچھ عجیب


ٹاٹا کا
او ڈی
کولون
صابن
EAU DE
COLOGNE
ڈی کولون آمیز اور سنہرے ریپر میں بند
TESY-14

ایک نہایت کارآمد اور مفید کتاب

صحت و زندگی اس مفید کتاب کا مطالعہ آپ کے لئے اتنا مفید ثابت ہوگا کہ آپ اسے خود پڑھنے کے بعد اپنے اُن دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کی ہدایت کریں گے جن کی صحت آپ کو عزیز ہے۔ انسانی جسم کے پیچیدہ سے پیچیدہ اور پوشیدہ امراض کو سمجھنے کے ایسے آسان طریقے، تدابیر اور علاج درج کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے آپ بہت سی بیماریوں سے عمر بھر کے لئے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ مفید کتاب جناب خوشتر گرامی ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی کے برسوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ قیمت تین روپے۔

گلِ رعنا جناب برج لال جگی رعنا کا تازہ ترین مجموعۂ کلام جو موجودہ دور کی بہترین صوری خوبیوں سے مزین ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ "گلِ رعنا" واقعی اس سال کا بہترین شعری مجموعہ ہے۔ قیمت صرف ساڑھے تین روپے۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی نمبر ۶

... مطلب ہیں نے اُن تحفے پیک کر دیئے چھوڑ دیا۔ یہ تو یونہی دے دیا ہے۔ اِس کا کوئی مفہوم، کوئی معنی لیکن پھر بھی میں اُس پھول کو یوں چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ ....

دوسرا صفحہ:-

کئی دن بعد آج سہیل بھائی آئے۔ اُنھوں نے ایک پیکٹ میرے سامنے رکھ دیا۔

"میں نے تمہارے لئے تحفہ منتخب کر لیا ہے"

میرے سامنے کپڑوں کے مختلف رنگ اور نمونے پڑے تھے۔

وہ کہنے لگے۔

"اِن میں سے اپنے لئے پسند کر کے مجھے بتانا!"

میں جلدی سے رومال میں لپٹے ہوئے گلاب کو لے آئی۔ "میں اسے واپس کر دوں؟"

"نہیں۔ کوئی تحفہ اِس کا بدل نہیں ہو سکتا۔" اُنھوں نے آنکھیں مجھے دیکھا۔ اور پھر.... پھر وہ کہنے لگے ؎

"خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر"

میں سر سے پاؤں تک کانپ کے رہ گئی۔ یہ سہیل بھائی کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں لالہ و گُل سے پوچھوں گی۔

تیسرا صفحہ:-

پھول نے کہا: میں بہار کا پہلا گلاب ہوں۔ کھلنے سے پہلے میری خوشبو مستور تھی۔ تب میں اپنی شاخ پہ تنہا تھا۔ مجھے زینت بنانے کا خیال آیا؟ کھلنے کے بعد میری خوشبو کسی نے محسوس کر لی۔ اور مجھے اپنا لیا۔ ہر پھول کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اِس کی خوشبو پر رسم و رواج کا کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ سمندر میں اُٹھتی ہوئی لہر اور فطرت کی ایک حسین کشش پر کس کا اختیار ہے؟

چوتھا صفحہ:-

سہیل بھائی کی ہر نظر کچھ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ میں تنہائی میں اکثر اُن کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ پہلے میں تنہائی سے اکثر اُکتا جایا کرتی تھی اور فضول سے کام لے کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ لیکن اب اُن کے متعلق سوچتے ہوئے مجھے وقت گزرنے کا خیال ہی نہیں آتا۔ وہ جب آتے ہیں میں اُن کے سامنے نہیں آتی۔ بہانہ کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتی ہوں۔ مجھ میں اُن کے سامنے آنے کی ہمت ہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ مجھے دیکھتے ہی جان لیں گے کہ میں اُن کے لئے کیا سوچتی رہی ہوں۔ پھر بھی میں کبھی کبھی دروازے سے یونہی اُٹھتی ہوئی نظروں سے اُنھیں دیکھ لیا کرتی ہوں۔ اور آج اُنھوں نے بھی ایک آدھ بار پوچھا، کیا بات ہے؟ میں اُنھیں بھلا کیا بتاتی۔ مجھے اب سہیل بھائی کے سامنے جاتے ہوئے کچھ شرم آتی ہے۔

پانچواں صفحہ:-

آج نسیم (سہیل کی بہن) نے مجھے بلایا تھا۔ میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ سہیل بھائی کو موقع مل گیا اور اُنھوں نے میرے اِس طرح چھپے چھپے پھرنے کی وجہ پوچھی تو میں کیا جواب دوں گی؟ اُن کی نگاہیں جو کچھ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں وہ اُن کی زبان پر آگیا تو کیا ہوگا؟ میرا دل اور محبت کا بار نہیں اُٹھا سکتا۔

میں کیوں ڈرتی ہوں؟ کیا میرے دل میں کوئی چور ہے؟ کیا میں محبت کرتی ہوں؟ ... میرے اللہ! میں نے آج تک نہیں سُنا کہ خاندان میں کسی نے محبت کی ہے۔ مجھے اپنے دل کو مٹا دینا چاہئے۔

میں وہاں گئی اور نسیم کے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ پھر چچی جان نے اُسے باورچی خانے میں آواز دے لی۔ سہیل بھائی گھر میں موجود نہ تھے۔ میں یونہی ایک کتاب اُٹھا کر دیکھنے لگی۔

پھر نہ جانے کس طرح سہیل بھائی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے گھبرا کر اُن کی طرف دیکھا۔ اُن کی نظر میں جو گہرائی تھی وہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اُن کے پاس اکثر اِس طرح بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا کوئی نہیں تھا۔ لیکن یہ لمحہ کیسا تھا؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میرا دل دھڑکتے دھڑکتے رُک جائے گا۔ میں ایک بار بھی نظریں اُٹھا کر اُنھیں نہ دیکھ سکی۔

"تم مجھ سے خفا ہو نیلو؟" اُنھوں نے پوچھا۔ "کیا سکوتِ لالہ و گُل نے تم سے کچھ نہیں کہا؟"

صدیقی

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے نہ جانے کس طرح ہمت کر کے اُن سے پوچھا۔

"یہ تمہیں معلوم ہے۔" سہیل بھائی ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگے "تم جانتی ہو، کیا ہم ... ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؟"

میرا دل سہم کے رہ گیا۔

میں تمہیں کس طرح بتاتی کہ رواجوں کی اِس دُنیا میں محبت کرنا گناہ ہے۔ جہاں لڑکی کی زندگی کا فیصلہ دوسرے کرتے ہیں اور وہ صرف ہوں کہنے کی گنہگار ہوتی ہے۔ وہاں پھول کو اپنی خوشبو کو رُسوا کرنے سے کیا حاصل؟ گھر کی چہار دیواریاں اتنی بلند ہیں کہ اِن میں کسی روشنی، کسی خیال کو آنے کی اجازت نہیں۔ وہ بھولے سے آجائے تو اُسے ہمیشہ کے لئے سُلا دیا جاتا ہے۔ اِسلئے میں نے سوچا کہ میں جن راہوں پہ بے خیالی میں نکل آئی ہوں اُن پر سہیل بھائی کو آنے سے روک دوں تاکہ مستقبل میں میرے محبوب کو کسی صدمے سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ مجھے اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ فیصلہ کر کے میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"سہیل بھائی ایسی بات پھر کبھی نہ سوچیے گا۔ آپ نے جو کچھ سوچا، اُسے بھول جائیے۔"

اُن کا چہرہ یکایک اُداس ہو گیا۔

آنکھیں بجھ گئیں۔

"نیلو! میں تم سے شاید کبھی نہ کہتا لیکن میں بہت جلد پڑھنے کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ بہت دُور، سات سمندر پار۔ اِس لئے میں نے تم سے کہنا مناسب سمجھا۔ اچھا کیا جو تم نے مجھے بتا دیا۔"

اور پھر وہ مجھ سے پہلے کمرے سے باہر چلے گئے۔

کتنا اچھا ہوتا، میں گھر کی چہار دیواری کے بجائے نیلے آسمان کی لامحدود وسعتوں میں پیدا ہوتی تاکہ روایات کی کوئی زنجیر میرے پاؤں میں نہ ہوتی۔ کتنا اچھا ہوتا۔ لیکن اچھی باتیں ہماری دُنیا میں کم ہوتی ہیں۔

چھٹا صفحہ :۔

میں اتنا کبھی نہیں روئی جتنا اُس رات روتی رہی۔ سالگرہ کے بعد سے میں نے سہیل بھائی کے لئے کتنا ... آتے تھے۔ کتنی بار خوابوں کی اُس وادی میں اُنھوں نے مجھے ... اور میں نے اپنے دوپٹے سے اُن کے چہرے کو ڈھک ... کب سے محبت کرتے ہیں۔ اور اب باہر جانے سے ... لینا ... تھے۔ لیکن ہم صرف خاموش محبت کر سکتے ہیں کیونکہ ہم ... نہیں گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہیں۔

یہ کہانی ختم ہو گئی....

یہ کیسی کہانی ہے جس میں کوئی حسین ابتدا، کوئی خوبصورت موڑ ... کا کوئی رنگ نہیں۔ اندیشوں سے شروع ہو کر افسوس پہ ختم ہو گئی۔

میں ابھی سہیل بھائی کے پاس جاؤں گی اور اُن سے کہہ دوں گی۔ میرا وجود آپ کا ہے۔ آپ میرے ہیں تو مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ اور میں نے ... سے یہ کہہ دیا۔ جب وہ خوابوں میں میرے پاس آتے تھے۔ اُنھوں نے میرے سارے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور مجھ سے بے شمار وعدے کئے تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا۔

"نیلو! میں تم سے شادی کروں گا۔ پھر تو رواجوں کی دُنیا کچھ نہ کہہ سکے گی اور جن دیواروں سے تم ڈرتی ہو اُن میں تنہائی نہ بھٹکے گی۔"

لیکن سہیل بھائی نے یہ نہیں کیا۔

وہ تو خوابوں کی وادیوں میں میرے پاس آتے ہیں اور حقیقت کی ... میں مجھ سے دُور ہیں۔

ساتواں صفحہ :۔

پہلے میں سہیل بھائی کے سامنے آنے سے بچا کرتی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے وہ خود میرا سامنا کرنے سے بچنے لگے ہیں۔ میں اُنھیں شرمسار و غمگین پاتی ہوں۔ پہلے وہ ہمارے ہاں آتے تھے تو مجھے سامنے نہ پا کر مضطرب نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے تھے۔ اب اُن کی نگاہیں جھکی جھکی رہتی ہیں ... سب پا سکتی تھی۔ لیکن میں نے سب کچھ کھو دیا۔

اور سہیل بھائی چلے گئے ـــــــ!

سہیل بھائی چلے گئے۔ اب کون سالگرہ پہ مجھے تحفہ دے گا۔ کو

...الا دُلہن بنے جو کلام کرے گا کس کے سامنے آتے ہوئے شرم میرے رنگ لیا کرے گی۔ کون مجھ سے وعدہ چاہے گا اور میں کس کی دُلہن بنوں گی یہ کسی ایسے حادثے کے پیش آنے کا اندیشہ نہیں۔ لیکن وہ اندیشے کتنے خوبصورت تھے۔ اور تنہائی کے یہ سونے لمحے کتنے جان لیوا ہیں۔ میرا دل طائر بنا کبھی پھر پھڑاتا ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے اسے ایک روز یوں ہی پھڑپھڑاتے خاموش ہو جانا ہے!

سب میری خاموشی میں اضافے کو محسوس کرتے ہیں۔ امی کی شفقت روز بروز ہو گئی ہے۔ آپا نے کتنی بار سوال کئے ہیں۔

آپا میں بھی مسکرا سکتی ہوں بشرطیکہ تم رواجوں کی ان دیواروں کو توڑ دو، ہمارے دلوں پہ جو مہرے ہیں انھیں ہٹا لو۔ اور پھولوں کو کھلنے سے نہ روکو، چاند کو طلوع ہونے کی اجازت دو۔

تم یہ نہیں کر سکتیں تو محروم مسرت انسانوں سے خوشی کے نغموں کی امید عبث ہے!

آپا! تم لوگ میری شادی کی گفتگو چپکے چپکے کر رہے ہو۔ شاید تمھیں بھیّا بھائی کے چلے جانے کا انتظار تھا کس کی شادی کرو گے تم لوگ؟ صرف ایک دُلہن کہلوانے کی خاطر تم لوگ کتنے جشن مناتے ہو۔ گیت گاتے ہو، سہاگ کے مہندی لگاتے ہو اور شہنائیوں بجاتے ہو۔ کتنی خوشی خوشی تم ہمیں ایسے انسان کے سپرد کر دیتے ہو جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا جس کے کسی خیال کسی تصور کا ہمارے دریچوں میں گزر نہیں ہوا۔

اور صفحات :۔ بے ربط منتشر...

نیلو کی یہ تحریریں پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھیں نم ہو گئی ہیں۔ میں سوچتی رہی، انھیں کس طرح نذرِ آتش کروں میں سوچتی رہی پھر یکایک میری آنکھیں ایک خوش آئند خیال سے چمک اٹھیں۔ میں نے اُن صفحات کو شعلوں کی نذر کر دیا۔

اگلے دن جب میں نیلو سے ملنے پہنچی تو میں اُس کی خاموش نگاہوں کا پہلا سوال سمجھ گئی۔ وہ ایک ہمدرد و غمگسار کے سامنے جی بھر کے رونا، اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

"نیلو! اب دکھ کے سوا کچھ باقی نہیں ہے" میں نے شفقت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "لیکن اُن تحریروں کو یونہی مٹ جانا چاہئے تھا۔ تم نے محبت کی ابتدا وقت سے بہت پہلے کی تھی، محض جذباتی محبت تھی یہ صرف جذباتی محبت ..."

وہ حیرت سے مجھے دیکھتی رہی۔

میں نے کہا "نیلو! ہم مشرقی لڑکیاں محبت کی ابتدا شادی کے بعد کرتی ہیں۔ ہم ایک گھر اور اُس کے آنگن میں کھیلتے ہوئے بچوں اور اُس کی کیاریوں میں کھلنے والے گلاب کے پھولوں کے لئے محبت کرتی ہیں۔ یہی محبت خدا کی اس دُنیا کو بساتی ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سوچتیں؟"

وہ چُپ رہی۔

اور چُپکے چُپکے روتی رہی۔

اور لڑکیاں اُس کے چاروں طرف ڈھولک بجاتی رہیں اور سُر میں سُر ملاتی رہیں ؎

من ہی من مُسکائے ری دُلہنیا
کیسے کیسے ڈھونگ رچائے ری دُلہنیا

ایسے ڈھونگ رچانے کے بعد جب ایک دُلہن کی ڈولی چلی گئی تو میں نے سوچا، ایک کمزور اور خاموش لڑکی ہی اتنا بڑا ——— اتنا وسیع دل رکھتی ہے کہ ایک اجنبی کے ساتھ ساری زندگی گزارنے، راستے کے پیچ و خم کی طرف سے آنکھیں بند کئے، اپنے دل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھالے اس طرح چلی جائے، دُور —— بہت دور —— ایک انجانی دُنیا میں ——!! ●●

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" میں نے نہ جانے کس طرح ہمت کر کے ان سے پوچھا۔

"یہ تمھیں معلوم ہے۔" سہیل بھائی ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگے۔ "تم جانتی ہو کیا ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے؟"

میرا دل سہم کے رہ گیا۔

میں انھیں کس طرح بتاتی کہ رواجوں کی اس دُنیا میں محبت کرنا گناہ ہے۔ جہاں لڑکی کی زندگی کا فیصلہ دوسرے کرتے ہیں اور وہ صرف ہوں کہنے کی گنہگار ہوتی ہے۔ وہاں پھول کو اپنی خوشبو کو رُسوا کرنے سے کیا حاصل! گھر کی چہار دیواریاں اتنی بند ہیں کہ ان میں کسی روشنی کسی خیال کو آنے کی اجازت نہیں۔ وہ بھولے سے آجائے تو اُسے ہمیشہ کے لئے سُلا دیا جاتا ہے۔ اسلئے میں نے سوچا کہ میں جن راہوں پہ بے خیالی میں نکل آئی ہوں اُن پر سہیل بھائی کو آنے سے روک دوں تاکہ مستقبل میں میرے محبوب کو کسی صدمہ سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ مجھے اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔

یہ فیصلہ کر کے میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"سہیل بھائی ایسی بات پھر کبھی نہ سوچئے گا۔ آپ نے جو کچھ سوچا، اُسے بھول جائیے۔"

اُن کا چہرہ یکایک اُداس ہو گیا۔

آنکھیں بجھ گئیں۔

"نیلو! میں تم سے شاید کبھی نہ کہتا لیکن میں بہت جلد پڑھنے کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ بہت دُور، سات سمندر پار۔ اِس لئے میں نے تم سے کہنا مناسب سمجھا۔ اچھا کیا جو تم نے مجھے بتا دیا۔"

اور پھر وہ مجھ سے پہلے کمرے سے باہر چلے گئے۔

کتنا اچھا ہوتا، میں گھر کی چہار دیواری کے بجائے نیلے آسمان کی لامحدود وسعتوں میں پیدا ہوتی تاکہ روایات کی کوئی زنجیر میرے پاؤں میں نہ ہوتی۔ کتنا اچھا ہوتا۔ لیکن اچھی باتیں ہماری دُنیا میں کم ہوتی ہیں۔

چھٹا صفحہ:۔

میں اتنا کبھی نہیں روئی جتنا اُس رات روتی رہی۔ سالگرہ کے بعد سے [illegible] سہیل بھائی کے [illegible] خیال [illegible] آتے تھے۔ کتنی بار خوابوں کی اُن وادیوں [illegible] کا [illegible] اور میں نے اپنے دوپٹے سے اُن کے چہرے کو [illegible]۔ وہ مجھ [illegible] کب سے محبت کرتے رہے ہیں۔ اور اب [illegible] تھے۔ لیکن ہم صرف خاموش محبت کر سکتے ہیں کیونکہ ہم [illegible] نہیں گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہیں۔

یہ کہانی ختم ہو گئی....

یہ کیسی کہانی ہے جس میں کوئی حسین ابتداء، کوئی خوبصورت [illegible] کا کوئی رنگ نہیں۔ اندیشوں سے شروع ہو کر آنسوؤں پر ختم ہو گئی۔

میں ابھی سہیل بھائی کے پاس جاؤں گی اور اُن سے کہہ دوں گی [illegible] وجود آپ کا ہے۔ آپ میرے ہیں تو مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ اور میں [illegible] سے یہ کہہ دیا۔ جب وہ خوابوں میں میرے پاس آتے تھے۔ انھوں [illegible] سارے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور مجھ سے بے شمار وعدے کئے تھے۔ انھوں [illegible] مجھ سے کہا۔

"نیلو! میں تم سے شادی کروں گا۔ پھر تو [illegible] گی اور تین دیواروں سے تم ڈھلتی ہوا میں شہنائی بجے گی۔"

لیکن سہیل بھائی نے یہ نہیں کیا۔

وہ تو خوابوں کی وادیوں میں میرے پاس آتے ہیں [illegible] میں مجھ سے دُور ہیں۔

ساتواں صفحہ:۔

پہلے میں سہیل بھائی کے سامنے آنے سے بچا کرتی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے وہ خود میرا سامنا کرنے سے بچنے لگے ہیں۔ میں انھیں [illegible] پاتی ہوں۔ پہلے وہ ہمارے ہاں آتے تھے تو مجھے سامنے نہ پا کر مضطرب نظر سے اِدھر اُدھر دیکھتے تھے۔ اب اُن کی نگاہیں جھکی جھکی رہتی ہیں۔ میں [illegible] پا سکتی تھی۔ لیکن میں نے سب کچھ کھو دیا۔

اور سہیل بھائی چلے گئے ——— !

سہیل بھائی چلے گئے۔ اب کون سالگرہ پر مجھے [illegible] دے گا۔

ادو گئی ہے ظاہر کرے گا کس کے سامنے آتے ہوئے شرم میرے
وک یا آپ بھی کرنا ہے جو وہ چلا ہے گا اور میں کس کی دلہن بنوں گی
بے کسی ایسے حادثے کے پیش آنے کا اندیشہ نہیں لیکن وہ اندیشے کتنے
اور ستے۔ اور تنہائی کے یہ سونے لمحے کتنے جان لیوا ہیں۔ میرا دل ضائع
اس کی طرح میں ہوتا ہے لیکن مجھے معلوم ہے اسے ایک روز یوں ہی بجھ کر
خاموش ہو جانا ہے۔

ہے میری خاموشی میں اضطراب کو محسوس کرتے ہیں۔ امی کی شفقت روز
دں ہو گئی ہے۔ آپ نے کتنی بار سوال کئے ہیں۔
آپا میں بھی مسکرا سکتی ہوں بشرطیکہ تم رواجوں کی ان دیواروں کو توڑ دو۔
ہمارے دلوں پہ جو پہرے ہیں انھیں ہٹا لو۔ اور پھولوں کو کھلنے سے نہ روکو
چاند کو طلوع ہونے کی اجازت دو۔
تم یہ نہیں کرسکتیں تو محروم مسرت انسانوں سے خوشی کے نغموں کی امید
ش ہے!

آپا! تم لوگ میری شادی کی گفتگو چھپکے چھپکے کرتے ہو۔ شاید تمھیں بھی
بائی کے چلے جانے کا انتظار تھا کس کی شادی کر دو گے تم لوگ؟ صرف ایک
بن کہلانے کی خاطر تم لوگ کتنے جشن مناتے ہو۔ گیت گاتے ہو سہاگ کے
ر مہندی لگاتے ہو اور مائیوں بٹھاتے ہو۔ کتنی خوشی خوشی تم ہمیں ایسے
سان کے سپرد کر دیتے ہو جسے ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا جس کے کسی خیال
ی تصور کا ہمارے دریچوں میں گزر نہیں ہوا۔
اور صفحات :۔ بے ربط منتشر۔۔۔۔

نیلو کی تحریریں پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھیں نم
ہو گئی ہیں۔ میں سوچتی رہی، انھیں کس طرح نذرِ آتش کروں میں سوچتی رہی
پھر یکایک میری آنکھیں ایک خوش آئند خیال سے چمک اٹھیں۔ میں نے اُن
صفحات کو شعلوں کی نذر کر دیا۔
اگلے دن جب میں نیلو سے ملنے پہنچی تو میں اُس کی خاموش نگاہوں کا
پہلا سوال سمجھ گئی۔ وہ ایک ہمدرد و غمگسار کے سامنے جی بھر کے رونا، اور
اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

"نیلو! اب راکھ کے سوا کچھ باقی نہیں ہے" میں نے شفقت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "لیکن اُن تحریروں کو یونہی مٹ جانا چاہئے تھا۔ تم نے محبت کی ابتدا وقت سے بہت پہلے کی تھی، محض جذباتی محبت تھی یہ، صرف جذباتی محبت۔۔۔۔"

وہ حیرت سے مجھے دیکھتی رہی۔

میں نے کہا "نیلو! ہم مشرقی لڑکیاں محبت کی ابتدا شادی کے بعد کرتی ہیں۔ ہم ایک گھر اور اُس کے آنگن میں کھیلتے ہوئے بچوں اور اُس کی کیاریوں میں کھلنے والے گلاب کے پھولوں کے لئے محبت کرتی ہیں۔ یہی محبت خدا کی اس دُنیا کو بساتی ہے۔ کیا تم اِس بات کو نہیں سوچتیں؟"

وہ چپ رہی۔
بس چپکے چپکے روتی رہی۔
اور لڑکیاں اُس کے چاروں طرف ڈھولک بجاتی رہیں اور سُر میں سُر ملاتی رہیں ؎

من ہی من مُسکائے ری دُلہنیا
کیسے کیسے ڈھونگ رچائے ری دُلہنیا

ایسے ڈھونگ رچانے کے بعد جب ایک دُلہن کی ڈولی چلی گئی تو میں نے سوچا، ایک کمزور اور خاموش لڑکی ہی اِتنا بڑا ۔۔۔۔ اِتنا دیش دل رکھتی ہے کہ ایک اجنبی کے ساتھ ساری زندگی گزارنے، راستے کے پیچ و خم کی طرف سے آنکھیں بند کئے اپنے دل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھالے اِس طرح چلی جاتی ہے، دُور ۔۔۔۔ بہت دور ۔۔۔۔ ایک انجان دُنیا میں ۔۔۔!! ◆◆

غزلیں

اُلفت امین آبادی

نہ قید و بند، نہ دار و رسن سے ڈرتا ہوں
تری جبیں کی اِس اُبھری شکن سے ڈرتا ہوں

کلی کلی کے چٹکنے سے خوش تو ہوں، لیکن
مآلِ رنگِ گُل و یاسمن سے ڈرتا ہوں

یہ میری سادہ دلی ہی نہ مجھ کو اُلجھا دے
کسی کی زُلفِ شکن در شکن سے ڈرتا ہوں

فلک کے جور و ستم کا تو کوئی خوف نہیں
مگر زمین کے اہلِ فتن سے ڈرتا ہوں

مُریدِ اہلِ ہنر ہوں مگر ہنر کی قسم
کسی جہول کی تنقیدِ فن سے ڈرتا ہوں

شیخ تجمل حسین بیدار

کیسی آندھی کیسا طوفاں
ہاتھ میں ہو جب عزم کا داماں

حُسن پہ اُن کے کلیاں خنداں
حال پہ میرے شبنم گریاں

مجھ سے اب یوں دُور سکوں ہے
جیسے کسی سے سایہ گریزاں

داغِ محبت دل کی رونق
شمع سے جیسے بزم فروزاں

دُنیا کا دستور یہی ہے
کوئی گریاں کوئی خنداں

حفیظ [illegible]

جلوے برس رہے ہیں، خوشبو بکھر رہی ہے
وہ کیا سنور رہے ہیں دُنیا سنور رہی ہے

یوں جگمگا ئیں کرنیں جلوے کی میرے دل میں
اِک حُور آسماں سے جیسے اُتر رہی ہے

تیری خوشی کی خاطر اے چاند کے مسافر
اہلِ زمیں پہ کتنی آفت گزر رہی ہے

اے کاش کوئی کہہ دے دیوانۂ سحر سے
زینے سے آسماں کے اب شام اُتر رہی ہے

روشن ہے شاعروں سے فکر و نظر کی دُنیا
راہوں میں اُن کی پھر بھی ظلمت بکھر رہی ہے

بیتاب پیلی بھیتی

ذوقِ سجدہ اگر ہو سجدہ طراز — کھینچ کر آجائے بارگاہِ ناز
کتنا پُر کیف، کتنا شیریں ہے — تیری باتوں کا دلنشیں انداز
میرے افسانۂ تباہی کا — تم ہی انجام ہو تمھیں آغاز



چاندنی کے سائے

مختار الرحمٰن رآہی بی۔ اے۔ ایل ایل بی

ہاشمیہ منزل۔ محلہ مسجد۔ گھاٹ گیٹ۔ جے پور

محبی و مکرمی حضرت خوشتر گرامی صاحب اخلاص و عقیدت

۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء

کچھ دن پہلے میں اپنی ایک کہانی کی ریکارڈنگ کے لئے آکاش وانی۔ جے پور گیا تھا۔ وہاں کے حسین اور دلکش ہوٹل نے مجھے ایک کہانی دی۔ "چاندنی کے سائے" میں وہیں کا عکس ہے۔ لیکن اس میں آپ بہت سے فن کاروں اور فن کے پرستاروں کو اپنا عکس نظر آئے گا۔ میرا افسانہ "تاج محل کی راکھ" جو "بیسویں صدی" ماہ ستمبر میں شائع ہوا تھا، اُسے مردوں نے تو بے حد سراہا لیکن بہت سی عورتیں آتش زیر پا ہوگئیں۔ انھوں نے مجھ پر جانب داری اور ناانصافی کا الزام لگایا ہے۔ آپ ہی اس کا فیصلہ کیجئے....

آپ کا اپنا ہی۔ ...... مختار الرحمٰن راہی

ششی فلورا میں ایک طرف تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کی نظر دروازے پر گڑی ہوئی تھی۔

فلورا شہر کا ایک ممتاز ہوٹل ہے جس میں عموماً اونچے طبقے کے لوگ شام کو سانسیں لیا کرتے ہیں۔ جہاں ہر طرف قہقہے بکھرے رہتے ہیں۔ چائے کی پیالیوں اور جاموں کی کھنک ماحول کو رنگین اور پُر لطف بنا دیتی ہے۔ اِس میں آرکیسٹرا اور روک اینڈ رول کی دھیمی دھیمی دُھنیں دلوں پر عجیب سا کیف و سرور طاری کر دیتی ہیں۔ شباب اور جوانی سے بھرپور جوانیاں محوِ رقص رہتی ہیں۔ روز شام کے چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک وہاں خاصی چہل پہل اور رونق رہتی ہے۔

ششی اِن ہنگاموں سے بے نیاز کسی کی منتظر تھی۔

اُس کی آنکھوں میں انتظار کی بے چینی رچی ہوئی تھی۔

دفعتہً ایک نوجوان فلورا میں داخل ہوا۔ ساری سیٹیں پُر دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ حسن میں غرق اور جوانی میں سرشار دلوں کی دھڑکنیں ہر طرف سُنائی دے رہی تھیں۔ اُس کی نظریں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ کوئی صورت تھی یا خالی نشست، یہ اندازہ کرنا مشکل تھا۔ اور پھر وہ ششی کی میز کے قریب آکر رُک گیا۔ ششی میز پر تنہا بیٹھی ہوئی تھی اُس کے سامنے والی نشست خالی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟"

نوجوان نے مہذب اور پُر اخلاق لہجہ میں اجازت طلب کی۔

"آں ——؟"

ششی چونک پڑی۔

اُس کی گہری گہری سحر کُن آنکھوں میں سُرخ سُرخ ڈورے اُبھر آئے تھے۔ چہرے پر یاس اور مایوسی کے خطوط نمایاں طور پر واضح تھے۔

اُس نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ جی ہاں!"

اُس کی آواز میں خجالت آمیز گھبراہٹ تھی۔

اور وہ ششی کے سامنے بیٹھ گیا۔
ششی کی نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔

اس نوجوان نے ششی کے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ پیازی ساری زیب تن کئے تھی۔ چہرہ سُرخی اور پوڈر سے بے نیاز تھا۔ لیکن حسن کی اس سادگی میں بھی پُر کشش تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ انتظار کے آزار سے مضمحل اور اداس ہو رہا تھا لیکن یہی مضمحلیت کے لئے اور زیادہ پُرکشش اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے جسم سے ہلکی ہلکی مست کن خوشبو آرہی تھی۔

"کیا پیش کروں ؟"

بیرے نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

اور وہ دونوں چونک پڑے۔

"میں تو اس وقت کافی کے موڈ میں ہوں۔ آپ کیا پسند کریں گی ؟" نوجوان نے ششی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ششی نے نوجوان کی آنکھوں میں گھورا اور پھر بولی۔

"شکریہ ! مجھے اِس وقت کچھ نہیں چاہئے۔"

نوجوان خاموش ہو گیا۔

اور بیرا صرف کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"آپ غالباً کسی کی منتظر ہیں ؟" نوجوان نے ششی کی بے چینی کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جی ــــــ !"

ششی نے مختصر سا جواب دیا۔

"لوگ کہتے ہیں انتظار میں لذت ہوتی ہے" نوجوان نے سگریٹ کا گُل ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا "لیکن میں اسے مستقل آزار سمجھتا ہوں۔"

"آپ کو بھی کسی کا انتظار ہے ؟" ششی نے اِس بار زیرِ لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں !" وہ بولا۔ "انھوں نے سات بجکر چالیس منٹ پر یہاں ملنے کے لئے ٹیلیفون پر وعدہ کیا تھا۔"

"سات بجکر چالیس منٹ پر !" ششی نے چونک کر کہا "عجیب اتفاق ہے جیسے کبھی [illegible]

"غالباً اُن سے آپ کی پہلی ملاقات ہوگی ؟"

"جی ہاں ! یہاں اُن سے پہلی بار ملنا تھا۔"

"پہلی بار !" نوجوان نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "کیا آپ انھیں پہچانتی ہیں ؟"

"وہ ایک مصور ہیں۔ آج ہی صبح بمبئی سے جے پور آئے ہیں اور۔۔۔"

"ارے ! کیا آپ مسٹر راکیش کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں ؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ لیکن آپ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

ایک عرصہ سے میری اُن سے خط و کتابت تھی۔ انھوں نے مجھے جے پور آنے کی اطلاع دی تھی۔ اور میں آج ہی دہلی سے، اُن سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے آیا ہوں۔ انھوں نے خط میں آپ کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ غالباً آپ کا نام ششی ہے ؟"

"جی ہاں !" وہ بولی "میں تو سمجھ رہی تھی آپ کو کسی لڑکی کا انتظار ہے۔"

"کسی لڑکی کا انتظار ہو یا نہیں، لیکن اب نہیں رہا۔"

وہ مسکرایا۔

"وہ کیسے ؟" ششی کی آنکھیں حیرت سے بند ہوئیں پھر کھلیں۔

"آپ جو سامنے موجود ہیں۔ وہ راکیش ہیں اور آپ ششی بمعنوی اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ راکیش صاحب کو تو میں نے نہیں دیکھا لیکن ششی صاحبہ کی ضیا سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔"

بیرا کافی کی ٹرے لے آیا۔

اور وہ خاموش ہو گیا۔

اس نے ایک کپ ششی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ کو کافی پینے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

اور ششی نے خاموشی سے کپ لے لیا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموشی سے کافی کے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے رہے۔

"... دفعۃً ششی نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "میں کلاکاروں کو
...نہیں کرتی اور راکیش جیسے بڑے کلاکار تو لفٹ دینے کے عادی ہی نہیں"
نوجوان نے چونک کر ششی کی طرف دیکھا جس کی پیشانی پر بہت سی سلوٹیں
...ہوئی تھیں۔ اور آنکھوں سے حقارت اُبل رہی تھی۔
"ممکن ہے بروقت انھیں کوئی ضروری کام ہوگیا ہو" نوجوان نے آہستہ
...ہا۔
"میں ان ...بہانوں کی قائل نہیں" وہ روکھے پن سے بولی۔
"مسٹر راکیش سے آپ کی خط وکتابت کتنے عرصے سے ہے؟"
"تقریباً چھ ماہ پہلے میں بمبئی گئی تھی۔ وہاں نمائش میں راکیش کی بنائی ہوئی ...یریں نظر سے گزریں۔ مجھے وہ بے حد پسند آئیں اور میں نے کچھ تصویریں خرید ...لی تھیں۔ نمائش کے منیجر سے راکیش کا پتہ نوٹ کر لیا تھا۔ یہاں آکر میں نے ...یں خط لکھا۔ اُن کے فن کی تعریف وتوصیف کی اور پھر خط وکتابت کا سلسلہ ...چلتا گیا۔ یہاں تک کہ ...."
"ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوگئے اور آج وہ یہاں آگئے"
...نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"جی نہیں" ششی کا لہجہ تلخ تھا "میں نے صرف اُن کے فن کو سراہا ہے، ...کی بنائی ہوئی تصویریں پسند کی ہیں، انھیں نہیں"
"فن، فنکار کے ذہنی نشوونما اور اُس کے کردار کا آئینہ ہوتا ہے اور اُس ...میں ہر تصویر صاف اور نمایاں نظر آسکتی ہے۔ آپ اُن کی تصویریں پسند کرتی ...اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ انھیں بھی پسند کرتی ہیں"
"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی" ششی نے بے رخی سے کہا "لیکن آپ بہ زبردست ...ی کا شکار ہیں۔ آپ فن کی پسندیدگی سے شادی یا محبت کا رشتہ کیوں جوڑتے ...میں ایسے ضروری نہیں سمجھتی کہ جب فنکار کے فن کو پسند کیا جائے اُس سے ...ی بھی چاہی جائے۔ جو صرف ایک ہی زاویئے سے پسند کیا جاتا ہے۔ وہ زندگی ...مختلف اور ہر زاویئے سے کس طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔ گو یہ کلیہ تو نہیں ...ں میں آپ کو صاف صاف الفاظ میں بتادوں کہ میں کسی فنکار سے شادی ...نہیں کروں گی ...."

"تو پھر آپ اتنی بے چینی سے اُن کی منتظر کیوں ہیں؟ اُن کی راہ میں آپکے دیدہ ودل فرشِ راہ کیوں ہیں؟ آپ کا شوقِ دید، آپ کے دل کی بے تابی جو آپ کی آنکھوں سے واضح ہے کیا یہ ظاہر نہیں کرتی کہ آپ انھیں ایک سے زائد زاویوں سے پسند کرتی ہیں؟"
"قطعی نہیں" ششی نے برجستہ کہا "میں دراصل راکیش سے اپنی ایک تصویر بنوانا چاہتی تھی۔ اور اس کے لئے انھوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا اور میرا خیال ہے وہ اسی کے لئے بمبئی سے جے پور تشریف لائے ہیں"
"کچھ بھی ہو، یہ بھی حسنِ اتفاق ہی ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہوگئی اور ہم دونوں ایک ہی شخص کے منتظر ہیں"
اور ششی صرف مسکرا کر رہ گئی۔
"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئے۔ انتظار کے دو گھنٹے کم نہیں ہوتے"
ششی نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑی ہوگئی۔ نوجوان بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دونوں باہر نکل آئے۔
دونوں خاموش چلتے رہے۔
"آپ کہاں رہتے ہیں؟"
ششی نے پوچھا۔
"میرا قیام اشوک ہوٹل کے کمرہ نمبر ۵ میں ہے۔ میں بھی آج ہی صبح یہاں آیا ہوں" اُس نے جواب دیا۔
"ابھی تک میں آپ کے نام سے واقف نہیں ہوسکی" ششی نے ٹیکسی کو اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔
"اوہ!" نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ مجھے چندر پرکاش کہہ سکتی ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ میرا نام بھی آپ کے اور مسٹر راکیش کے نام کا ہم معنی ہی ہے"
"جی نہیں" وہ بولی "آپ خود چاند ہیں، اُس کی روشنی ہیں" ششی ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور پرکاش کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"اگر چاند میں روشنی نہیں تو وہ ایک دائرہ رہ جاتا ہے۔ چاند کی اہمیت

[illegible] سامنے بیٹھ گیا۔

ششی کی نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔

اس نوجوان نے ششی کے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ پیازی ساری زیب تن کئے تھی۔ چہرہ سرخی اور پوڈر سے بے نیاز تھا۔ لیکن حسن کی اس سادگی میں بھی پُر کاری تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ انتظار کے آزار سے مضمحل اور اداس ہو رہا تھا لیکن جنسِ مخالف کے لئے اور زیادہ پُرکشش اور توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے جسم سے ہلکی ہلکی مست کن خوشبو آ رہی تھی۔

"کیا پیش کروں ؟"

بیرے نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

اور وہ دونوں چونک پڑے۔

"میں تو اِس وقت کافی کے موڈ میں ہوں۔ آپ کیا پسند کریں گی ؟" نوجوان نے ششی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ششی نے نوجوان کی آنکھوں میں گھورا اور پھر بولی۔

"شکریہ ! مجھے اِس وقت کچھ نہیں چاہیئے۔"

نوجوان خاموش ہوگیا۔

اور بیرا صرف کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"آپ غالباً کسی کی منتظر ہیں ؟" نوجوان نے ششی کی بے چینی کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جی ——— !"

ششی نے مختصر سا جواب دیا۔

"لوگ کہتے ہیں انتظار میں لذت ہوتی ہے۔" نوجوان نے سگریٹ کا گُل ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اِسے مستقل آزار سمجھتا ہوں۔"

"آپ کو بھی کسی کا انتظار ہے ؟" ششی نے اِس بار زیرِ لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں !" وہ بولا۔ "انھوں نے سات بجکر چالیس منٹ پر یہاں ملنے کے لئے ٹیلیفون پر وعدہ کیا تھا۔"

"سات بجکر چالیس منٹ پر !" ششی نے چونک کر کہا "عجیب اتفاق

[illegible] ہے جیسے کبھی وقت ٹھہر سا گیا ہو۔

"غالباً اُن سے آپ کی پہلی ملاقات ہوگی ؟"

"جی ہاں ! یہاں اُن سے پہلی بار ملنا تھا۔"

"پہلی بار !" نوجوان نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "کیا آپ انھیں پہچانتی ہیں ؟"

"وہ ایک مصوّر ہیں۔ آج ہی صبح بمبئی سے جے پور گئے ہیں اور ..."

"ارے ! کیا آپ مسٹر راکیش کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں ؟" اُس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ لیکن آپ .... ؟"

"ایک عرصہ سے میری اُن سے خط و کتابت تھی۔ انھوں نے مجھے جے پور آنے کی اطلاع دی تھی۔ اور میں آج ہی دہلی سے، اُن سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے آیا ہوں۔ انھوں نے خط میں آپ کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ غالباً آپ کا نام ششی ہے ؟"

"جی ہاں !" وہ بولی "میں تو سمجھ رہی تھی آپ کو کسی لڑکی کا انتظار ہوگا۔"

"کسی لڑکی کا انتظار ہو یا نہیں، لیکن اب نہیں رہا۔"

وہ مسکرایا۔

"وہ کیسے ؟" ششی کی آنکھیں حیرت سے بند ہوئیں پھر کھلیں۔

"آپ جو سامنے موجود ہیں۔ وہ راکیش ہیں اور آپ ششی یعنی اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ راکیش صاحب کو تو میں نے نہیں دیکھا لیکن ششی صاحبہ کی ضیا سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔"

بیرا کافی کی ٹرے لے آیا۔

اور وہ خاموش ہوگیا۔

اُس نے ایک کپ ششی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ کو کافی پینے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا ؟"

اور ششی نے خاموشی سے کپ لے لیا۔

کچھ دیر تک دونوں خاموشی سے کافی کے [illegible] تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اُتارتے رہے۔

[illegible]

[illegible] دفعتہ ششی نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا "میں کلاکاروں کو قطعی پسند نہیں کرتی اور راکیش جیسے بڑے کلاکار تو لفٹ دینے کے روادار ہی نہیں۔"

نوجوان نے چونک کر ششی کی طرف دیکھا جس کی پیشانی پر بہت سی سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔ اور آنکھوں سے حقارت اُبل رہی تھی۔

"ممکن ہے بروقت انھیں کوئی ضروری کام ہو گیا ہو" نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"میں اِن لنگڑے بہانوں کی قائل نہیں" وہ روکھے پن سے بولی۔

"مسٹر راکیش سے آپ کی خط وکتابت کتنے عرصے سے ہے؟"

"تقریباً چھ ماہ پہلے میں بمبئی گئی تھی۔ وہاں نمائش میں راکیش کی بنائی ہوئی تصویریں نظر سے گزریں۔ مجھے وہ بے حد پسند آئیں اور میں نے کچھ تصویریں خرید بھی لی تھیں۔ نمائش کے منیجر سے راکیش کا پتہ نوٹ کر لیا تھا۔ یہاں آکر میں نے انھیں خط لکھا۔ اُن کے فن کی تعریف و توصیف کی اور پھر خط وکتابت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ...."

"ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو گئے اور آج وہ یہاں آ گئے" نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں" ششی کا لہجہ تلخ تھا "میں نے صرف اُن کے فن کو سراہا ہے، اُن کی بنائی ہوئی تصویریں پسند کی ہیں، انھیں نہیں۔"

"فن، فنکار کے ذہنی نشو ونما اور اُس کے کردار کا آئینہ ہوتا ہے اور اُس آئینہ میں ہر تصویر صاف اور نمایاں نظر آ سکتی ہے۔ آپ اُن کی تصویریں پسند کرتی ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ انھیں بھی پسند کرتی ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی" ششی نے بے رُخی سے کہا "لیکن آپ بڑی سخت غلطی کا شکار ہیں۔ آپ فن کی پسندیدگی سے شادی یا محبت کا رشتہ کیوں جوڑتے ہیں۔ میں ایسے ضروری نہیں سمجھتی کہ جس فنکار کے فن کو پسند کیا جائے اُس سے شادی بھی رچائی جائے۔ جو صرف ایک ہی زاویئے سے پسند کیا جاتا ہے۔ وہ زندگی کے مختلف اور ہر زاویئے سے کس طرح قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ گو یہ کُلیہ تو نہیں لیکن میں آپ کو صاف صاف الفاظ میں بتا دوں کہ میں کسی فنکار سے شادی نہیں کروں گی ...."

"تو پھر آپ اتنی بے چینی سے اُن کی منتظر کیوں ہیں؟ اُن کی راہ میں آپ کے دیدہ ودل فرشِ راہ کیوں ہیں؟ آپ کا شوقِ دید، آپ کے دل کی بے تابی جو آپ کی آنکھوں سے واضح ہے کیا یہ ظاہر نہیں کرتی کہ آپ انھیں ایک سے زائد زاویوں سے پسند کرتی ہیں؟"

"قطعی نہیں" ششی نے برجستہ کہا "میں دراصل راکیش سے اپنی ایک تصویر بنوانا چاہتی تھی۔ اور اس کے لئے انھوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا اور میرا خیال ہے وہ اِسی کے لئے بمبئی سے جے پور تشریف لانے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو، یہ بھی حُسنِ اتفاق ہی ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہو گئی اور ہم دونوں ایک ہی شخص کے منتظر ہیں۔"

اور ششی صرف مسکرا کر رہ گئی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئے۔ انتظار کے دو گھنٹے کم نہیں ہوتے۔"

ششی نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ نوجوان بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دونوں باہر نکل آئے۔

دونوں خاموش چلتے رہے۔

"آپ کہاں رہتے ہیں؟"

ششی نے پوچھا۔

"میرا قیام اشوک ہوٹل کے کمرہ نمبر ۸ میں ہے۔ میں بھی آج ہی صبح یہاں آیا ہوں" اُس نے جواب دیا۔

"ابھی تک میں آپ کے نام سے واقف نہیں ہو سکی" ششی نے ٹیکسی کو اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" نوجوان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ مجھے چندر پرکاش کہہ سکتی ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ میرا نام بھی آپ کے اور مسٹر راکیش کے نام کا ہم معنی ہی ہے۔"

"اجی نہیں" وہ بولی "آپ خود چاند ہیں، اُس کی روشنی ہیں" ششی ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور پرکاش کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اگر چاند میں روشنی نہیں تو وہ ایک دائرہ رہ جاتا ہے۔ چاند کی اہمیت

اور خصوصیت اُس کی روشنی ہی سے ہے۔ ورنہ آسمان پہ بے شمار ستارے بھی ہوتے ہیں۔ مدھم مدھم سے بجھے بجھے سے ۔ ۔ ۔ " چندر پرکاش نے اُس کے قریب ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور ٹیکسی ایم۔ آئی روڈ پر چلنے لگی۔ ششی کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن نہ کہہ سکی۔ دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔ اچانک ٹیکسی اشوک ہوٹل کے سامنے رُک گئی اور چندر پرکاش اُتر گیا۔

"ہو سکتا ہے ہماری ملاقات پھر فلورا میں ہو" ششی نے اپنی ساری کے پلّو کو بل دیتے ہوئے کہا۔

"جب تک میرا قیام جے پور میں ہے فلورا روز جاتا رہوں گا۔"

"بائی بائی!"

اور کار چل دی۔

ششی خیالات کے ہجوم میں غلطاں و پیچاں گھر پہنچی۔ وہ راکیش اور چندر پرکاش کے بارے میں سوچتی رہی۔ چندر پرکاش کی باتوں نے اُس کے دل پر خاص اثر چھوڑا تھا۔ اور پھر اُسے راکیش پر غصہ آنے لگا۔ یہ بڑے فنکار اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ اُن کی ہر بات حصول زر اور اپنے مفاد پر مبنی ہوتی ہے۔ خلوص اور انسانیت سے اُنھیں کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ ہو سکتا ہے راکیش کو جے پور میں کوئی موٹی اسامی مل گئی ہو۔ وہ اُسے چھوڑ کر مجھ سے ملنے کیسے آسکتا تھا۔ دفعتہً میز پر رکھا ہوا ٹیلیفون گنگنانے لگا۔

"ششی!" وہ ماؤتھ پیس میں بولی۔

"گڈ نائٹ مس ششی! میں راکیش بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی "میں نہایت شرمندہ ہوں کہ وعدے کے مطابق آپ سے نہ مل سکا میں یہاں دن بھر ضروری کاموں میں مصروف رہا اور ابھی ابھی کار سے اجمیر جا رہا ہوں۔ دو دن بعد واپسی ہوگی۔ آتے ہی آپ کے دولت کدے پر آ کر نیاز حاصل کروں گا۔ اُمید ہے کہ آپ میری مجبوریوں کے پیش نظر مجھے معاف فرمائیں گی!"

یہ سُن کر ششی آگ بگولا ہو گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ راکیش سے صاف صاف کہہ دے اب مجھ سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب میں نے تصویر بنوانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی اور اُس کی زبان سے صرف اتنا نکلا۔ "بہت بہتر" اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

دوسرے دن جب وہ فلورا پہنچی تو چندر پرکاش کو اپنا منتظر پایا۔

"نمستے!" ششی نے دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ جوڑ دیئے جواب میں پرکاش مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اور پھر ششی اور وہ دونوں مقابل بیٹھ گئے۔

"آپ کا چاند گیا" پرکاش نے کہا۔

"لیکن پرکاش تو ہے" ششی کے منھ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ شرما گئی۔ اُس کے کانوں کی لَویں سُرخ ہو گئیں اور اُس کی آنکھیں جُھک گئیں۔

"آپ ناحق شرما رہی ہیں" پرکاش نے کہا۔ "پرکاش ششی کا بھی تو ہوتا ہے!"

ششی نے اپنی بھرآگیں نظریں اُٹھائیں اور پھر جُھکا لیں۔

"مجھے راکیش نے ٹیلیفون پر اجمیر جانے کی اطلاع دی تھی" پرکاش نے کہا۔

"مجھے اب اُن کی ذرّہ برابر پروا نہیں" ششی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اِن کلاکاروں کے متعلق میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی۔ ہاں اُن کی کلا کو ضرور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہوں۔"

"آخر آپ اِن کلاکاروں سے اِتنی بدظن کیوں ہیں؟" پرکاش نے سوال کیا۔

"اِس لئے کہ وہ کلاکار زیادہ ہوتے ہیں انسان کم۔ وہ ہر وقت خیالات کے تانے بانوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔ رات دن اُن پر کلا کا بھوت سوار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں کسی کلاکار سے شادی کر کے اپنی زندگی کو تلخ اور ناخوشگوار نہیں بناؤں گی" ششی کے چہرے پر اُس وقت گہری سنجیدگی کی تہہ تھی۔ لہجہ میں پُر وقار ٹھہراؤ تھا۔

"میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" اچانک پرکاش نے پوچھا۔

ششی نے حیرت سے پرکاش کی طرف دیکھا جس کے لبوں پر مسکراہٹ انگڑائی لے رہی تھی۔ اور آنکھوں میں تیز چمک تھی۔

"ظاہر ہے ایک اجنبی کے بارے میں اتنی جلدی کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اگر آپ بھی کلاکار ہیں تو میں شادی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔" ششی نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

اور پرکاش صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"اور اگر میں کلاکار نہیں ہوں تو؟"

"تو غور کیا جا سکتا ہے!"

"آپ مسٹر راکیش سے اپنی تصویر کیوں بنوانا چاہتی ہیں؟"

"کوئی خاص وجہ تو نہیں۔" ششی نے بے پروائی سے کہا۔ "پرسوں میری سالگرہ ہے اور میں چاہتی تھی کہ اپنی تصویر ایک بڑے کلاکار سے بنواؤں تاکہ جب زمانے کی بے ہنگم رفتار میرے چہرے کے نقوش میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کر دے اور زندگی کے حادثات جھرّیاں بن کر میرے رُخساروں اور پیشانی پر جم جائیں گے تو وہ تصویر عہدِ رفتہ کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔۔۔"

ششی خاموش ہو گئی۔

"اگر آپ چاہیں تو آپ کی یہ خواہش میں بھی پوری کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

ششی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس کا دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔

"میں بھی آپ کی تصویر بالکل آپ ہی جیسی اُتار سکتا ہوں۔" پرکاش نے اپنے گلے میں لٹکے ہوئے کیمرے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "اور پھر اُس تصویر کو آپ جتنا چاہیں انلارج کرا سکتی ہیں۔"

"اوہ!" ششی نے اطمینان کا سانس لیا۔ "یہ کام تو کوئی بھی فوٹو گرافر کر سکتا ہے۔"

"اگر آپ اسے مناسب نہیں سمجھتیں تو اور بات ہے۔"

ششی خیالات میں کھو گئی۔

اُس نے پرکاش کے الفاظ نہیں سُنے۔

"کیا آپ؟" ششی یکایک بولی۔ "پرسوں میری سالگرہ میں شرکت کریں گے؟ میرا خیال ہے آپ میری درخواست ضرور منظور فرمائیں گے۔" ششی کی آنکھوں میں سفید سفید موتی جھلملا رہے تھے۔

"میں مسٹر راکیش سے ملنے کے لئے دہلی سے یہاں آیا تھا۔ اِسے اتفاق کہئے کہ آپ سے شرفِ نیاز حاصل ہو گیا۔ اور آپ سے مل کر دو دن کے بیشتر لمحات بہت ہی پُرکیف اور حیات افروز گزرے ہیں۔ مسٹر راکیش اب یہاں نہیں ہیں۔ اس لئے کل میں یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔۔۔" پرکاش کچھ دیر کے لئے رُکا۔ اُس نے ششی کی طرف دیکھا جو اُس وقت تصویرِ غم بنی ہوئی اُس کی طرف مایوس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن۔۔۔" پرکاش نے پھر کہنا شروع کیا۔ "آپ اپنی سالگرہ میں میری شرکت ضروری سمجھتی ہیں اس لئے میں بسر و چشم حاضر ہوں گا۔ بھلا آپ مجھے اپنی سالگرہ کے موقع پر یاد فرمائیں اور میں نہ آؤں۔"

یہ سُن کر ششی کے رُخساروں پر شگفتہ گلاب کی سی سُرخی دوڑ گئی۔ آنکھوں اور لبوں پر دلآویز تبسم رقص کرنے لگا۔

"آپ پرسوں تک یہاں قیام فرمائیں گے نا؟" ششی نے پوچھا۔

"یقیناً!" پرکاش مسکرایا۔

"سچ تو یہ ہے پرکاش بابو! راکیش کی طرف سے مجھے جو مایوسی اور صدمہ پہنچا تھا اُسے آپ سے مل کر میں بھلا بیٹھی۔ اب میرے دل میں نہ تو راکیش سے اپنی تصویر بنوانے کی خواہش ہے اور نہ اُس سے ملنے کی تمنّا۔ اور اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے اپنے مسلک اور اپنی فطرت سے ہٹ کر ایک غلط قدم اُٹھایا تھا۔ لیکن لڑکھڑانے یا ٹھوکر کھانے سے پہلے ہی سنبھل گئی اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔" ششی کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ آنکھوں میں خلوص اور محبت کی گہرائیاں تھیں اور چہرے پر شرم و حجاب کی سُرخی۔ اور پھر وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔ ششی نے چاہا کہ وہ پرکاش کو ہوٹل تک چھوڑ آئے۔ لیکن وہ ٹال گیا اور پھر دوسرے دن فلورا میں ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

اور جب ششی بستر پر سونے کے لئے لیٹی تو اُس کے خیالات پھر

چاروں پرکاش کے گرد منڈلاتے رہتے۔ کبھی کبھی راکیش کا خیالی چہرہ بھی اُبھرتا لیکن فوراً اُس کی نظروں کے سامنے راکیش کے چہرے کی جگہ پرکاش آجاتا۔ دیر تک اپنے خیالات اور خیالی تصویروں سے اُلجھتی رہی۔ اور پھر نہ جانے کب اُسے نیند نے اپنی نرم و نازک گود میں لے لیا۔

دوسرے دن شام کو جب وہ فلورا پہنچی تو اُس کی نظروں نے چاروں طرف پرکاش کو تلاش کیا۔ لیکن وہ نظر نہ آیا۔ وہ نڈھال ہو کر اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئی۔ اُس کی نظریں بار بار دروازے تک جانے والی روش پر جاتی تھیں۔ کئی اندیشے اُس کے ذہن کے کونوں میں انگڑائی لینے لگے لیکن وہ ہر بار اُنھیں جھٹک دیتی۔ اُس وقت وہ سراپا انتظار تھی اور یاس و حسرت کا مجسمہ! دفعتاً اُس کے لبوں پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں۔ اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پرکاش اُس کی میز کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

"آج آپ نے بہت انتظار کرایا۔"

وہ رُوٹھنے کے انداز میں بولی۔

"مجھے اِس کا احساس ہے۔" وہ معذرت کرنے لگا۔ "دراصل مجھے ایک ضروری کام ہو گیا تھا۔"

"اور یہاں جان پر بنی ہوئی تھی۔" وہ بولی۔ "میں نے سوچا کہیں آپ ہی نہ چلے گئے ہوں۔"

"تو کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟"

"یہ میں نے کب کہا؟" ششی نے کہا۔ "اعتبار نہ ہوتا تو میں یہاں کیوں آتی۔"

اُس کی آواز میں رو دینے کا سا انداز تھا۔ بوائے کافی لے آیا اور پرکاش نے ایک کپ ششی کی طرف بڑھا دیا۔

"آج کا اخبار آپ نے پڑھا؟"

ششی نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں!"

پرکاش نے جواب دیا۔

"کل راکیش نے جے پور میں تصویروں کی نمائش کا افتتاح کیا تھا۔"

ششی کہے گئی۔ "اُنھوں نے ہم سے غلط بیانی کی [illegible] سمجھتی ہیں۔ اِسی لئے میں ان کلاکاروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوں۔ جو اچھا فن پیش کرتے ہیں، لکھتے ہیں [illegible] ہو سکتے ہیں۔ [illegible] باطن کچھ ہوتا ہے۔ وہ کس طرح قابلِ اعتبار ہو سکتے ہیں؟"

ششی کہتی گئی۔

اور پرکاش اُس کی طرف حیرت سے دیکھتا رہا۔

"کلاکاروں کی باتیں چھوڑیئے۔" پرکاش بولا۔ "آپ یہاں کب تک رہ سکتی ہیں؟"

"آپ سے راکیش صاحب کی ملاقات ہوئی یا نہیں؟"

ششی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

وہ کافی کی چسکی لیتے ہوئے چونک کر بولا۔

"اگر آپ اُن سے ملیں اور میرا تذکرہ ہو تو صاف صاف اُن سے کہہ دیا کہ میں اُن سے ملنے کی روادار نہیں۔ اور اگر اُنھوں نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی تو اُنھیں مایوسی ہوگی۔"

اور پرکاش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پرکاش بابو!"

کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ بولی۔

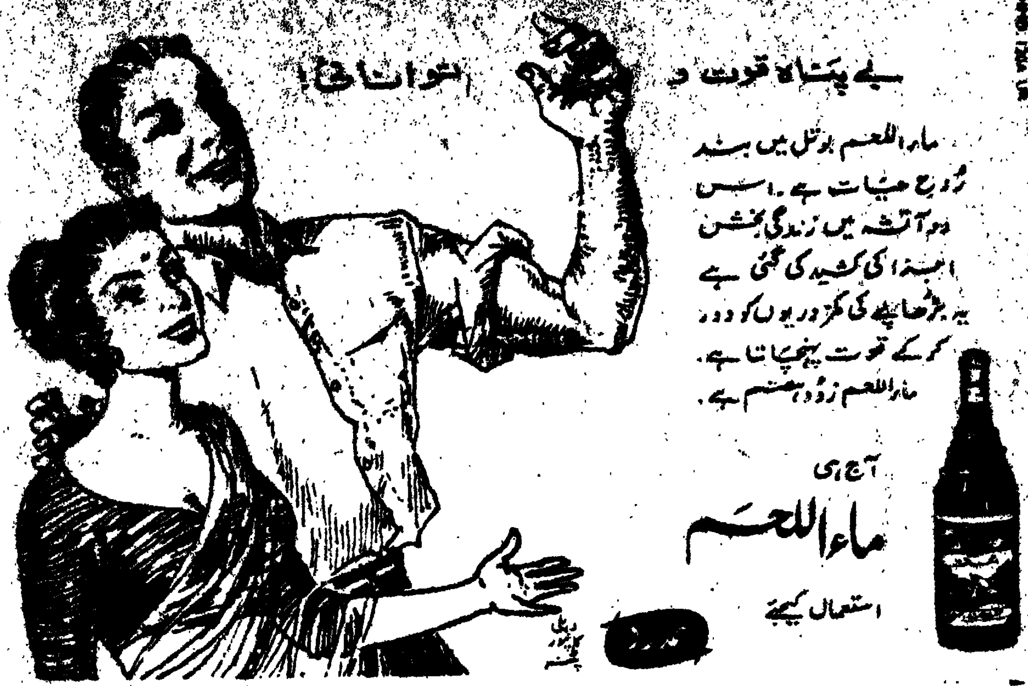
"فرمایئے؟"

وہ آگے کی طرف جھک گیا۔

"نہ جانے کیوں میں اپنے کو آپ کے اتنا قریب محسوس کرنے لگی ہوں۔ نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ سے ہر وقت باتیں کرتی رہوں۔ اگر آپ میری سالگرہ میں شریک نہ ہوتے اور یہاں سے چلے گئے تو... تو... تو کیا ہوگا؟"

"میں ضرور آپ کی سالگرہ میں شریک ہوں گا۔" اُس نے ششی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن..."

"لیکن کیا؟" وہ چونک پڑی۔ اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔



بے پناہ قوت و توانائی!
ماء اللحم بوتل میں بند
رُوحِ حیات ہے۔ اس
دوآتشہ میں زندگی بخش
اجزاء کی کشید کی گئی ہے
یہ بڑھاپے کی کمزوریوں کو دور
کر کے قوت پہنچاتا ہے۔
ماء اللحم زُود ہضم ہے۔
آج ہی
ماء اللحم
استعمال کیجیے



تندرست قوم کے لئے
تندرست ماں
بچے والی یا حاملہ ماں کو
وِنومالٹ کے سہارے کی ضرورت ہے
قوت بحال کرنے والا یہ ایک خاص ٹانک ہے۔ جو
تندرست ماں کے لئے زائد معدنیات اور نشوونما
دینے والے اجزاء کے ساتھ تیار
کیا گیا ہے
وِنومالٹ
بنگال
امیونٹی
کمپنی لمیٹڈ
امیونٹی ہاؤس ـــــ کلکتہ ۱۳

"مجھے کبھی تو یہاں سے جانا ہی ہوگا!"

وہ بولا۔

"کیا آپ مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا نہیں سکتے؟"

وہ ایک دم بول پڑی۔

دو شبنمی قطرے اُس کی آنکھوں میں بھر آئے۔

"ششی دیوی! مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی زیب نہیں دیتا ..... میں ایک معمولی .....؟"

"لیکن میں کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے ایک کلاکار کے علاوہ ہر شخص قبول ہو سکتا ہے چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو۔ اور پھر آپ تو ہر لحاظ سے مجھے پسند ہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے بغیر میں زندگی کی زیادہ سانسیں نہیں لے سکوں گی۔"

"اور اگر بعد میں مجھے کلا سے لگاؤ ہو گیا تو؟"

پرکاش نے پوچھا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ہمیں حال پر نظر رکھنی چاہئے۔"

ششی نے فوراً جواب دیا۔

اور دونوں کی نظریں ملیں۔

پیار کے پیغام تبدیل ہوئے۔

عہد و پیمان بندھے۔

اور پھر دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کل شام میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

ششی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ کو انتظار کرنے کی نوبت نہ آئے۔"

وہ مسکرایا۔

"آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" ششی نے وضاحت چاہی۔

"میں وقت سے پہلے ہی پہنچ جاؤں گا۔"

پرکاش بدستور مسکراتے ہوئے بولا۔

اور وہ اپنے اپنے راستوں پر چلے گئے۔

شام ہوتے ہی ششی کی کوٹھی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا اٹھی باہر لان پر کرسیاں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ گیندے، چنبیلی، جوہی، گلاب، نسترن اور دوسرے طرح طرح کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہے تھے۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ بہت سے مہمان آ چکے تھے اور آ رہے تھے۔ ششی آج سفید ساری میں کسی اپسرا سے کم نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ جدھر سے وہ گزر جاتی قہقہے اور مسکراہٹیں اُس کا تعاقب کرتیں۔ جوں جوں رات تاریک ہوتی گئی۔ لان پر روشنی پھیلتی گئی۔ کرسیاں پُر ہوتی گئیں۔ قہقہے بلند ہوتے گئے۔ سالگرہ مبارک۔ سالگرہ مبارک کے الفاظ گونجنے لگے لیکن ششی کی نظریں چندر پرکاش کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ اپنے دل کے اندر ایک طوفان اضطراب لئے اور لبوں پر پھیکے پھیکے تبسم کے ساتھ ہر مہمان کے پاس سے گزر رہی تھی لیکن پرکاش کہیں بھی نظر نہ آیا۔ اُس کا دل ڈوب گیا۔ اُس کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی۔ لان پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کے قہقہے اسے کھوکھلے سنائی دے رہے تھے۔

پھر ایک بڑا کیک جس پر بہت سی موم بتیاں روشن تھیں لا کر میز پر رکھ دیا گیا۔ سالگرہ کی رسم شروع ہونے لگی۔ چھری جس سے کیک کاٹنا تھا ششی کے ہاتھ میں کانپنے لگی۔ اُس کی نظریں بار بار جھلملاتے ہوئے دروازے کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

یکایک چندر پرکاش ہاتھ میں ایک بڑا پیکٹ لئے اندر داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی ششی کے چہرے پر تازگی دوڑ گئی۔ اور پھر اُس نے کیک کاٹ دیا۔

ہر طرف قہقہے اُبلنے لگے۔ مبارکباد اور زندہ باد کی آوازیں گونجنے لگیں چھری اور کانٹے تیزی سے حرکت کرنے لگے۔

میزوں پر رکھی ہوئی پلیٹیں خالی ہونے لگیں۔ اور پھر تحائف پیش کئے جانے لگے۔

اچانک ایک گوشے سے آواز اُبھری۔

"ملک کے عظیم مصور مسٹر پرکاش بھی اس سالگرہ میں شریک ہیں۔ یہ ہمارا سوبھاگیہ ہے!"

"ششی دیوی! آپ سے ملنے مسٹر راکیش آئے ہیں" کسی نے بلند آواز سے کہا۔ جہاں سے آواز آئی تھی ششی نے اُس طرف اپنی نظریں دوڑائیں۔ وہاں چندر پرکاش کسی خوبصورت نوجوان سے محوِ گفتگو تھا۔

"میں مسٹر راکیش سے ملنا نہیں چاہتی" ششی نے چلا کر کہا۔ "وہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کریں"

ششی کے یہ الفاظ سن کر ہر طرف سکتہ سا طاری ہو گیا۔ مسٹر راکیش کے لئے ہر ایک کے دل میں عزت تھی۔ وہ ایک عظیم اور نامور مصور تھا لیکن ششی کے ان الفاظ نے سارے مہمانوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اور پھر ہر طرف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ دفعتہً چند لوگوں کو ہٹاتا ہوا چندر پرکاش آگے بڑھا۔ ششی بھی اُس کے خیر مقدم کے لئے آگے آئی۔ اُس کے لبوں پر دلآویز تبسم تھا۔ چندر پرکاش اُس کے قریب آگیا۔ اپنے ہاتھوں میں دبا ہوا پیکٹ اُس نے ششی کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اور "پرماتما کرے تم سدا سکھی اور سلامت رہو" کہتے وقت چندر پرکاش کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اُس کی آواز بھرا گئی اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔

"سنیئے سنیئے پرکاش بابو!"

ششی چلاتی رہی۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔

ششی کے قریب کھڑی ہوئی کسی لڑکی نے کہا۔

"وہ پرکاش بابو نہیں، مسٹر راکیش تھے!"

"کیا؟" اُسے اپنی آواز اجنبی سی لگی۔ اُس کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ "مسٹر راکیش تھے؟"

"ہاں!" کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور جب اُس نے کپکپاتی انگلیوں سے پیکٹ کھول کر دیکھا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ ششی کی تصویر تھی مسکراتی ہوئی تصویر! یقیناً وہ مسٹر راکیش کا ایک عظیم شاہکار تھی۔ جس پر حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ جیسے کینوس پر نہیں بلکہ گوشت پوست کی ہوئی ششی شانِ بے نیازی سے مسکرا رہی ہو۔ اُس تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ ایک قابلِ نفرت، سیاہ دل اور بے اعتبار کلاکار کی طرف سے ششی جی کی خدمت میں اُن کی سالگرہ کے موقع پر حقیر سا تحفہ... گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف!......

سیاہ دل
راکیش

یہ پڑھ کر ششی کے ہاتھوں سے تصویر چھوٹ گئی۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ لیکن زمین پر پڑی ہوئی ششی کی تصویر اُسی طرح مسکراتی رہی۔ کون جانے وہ سیاہ دل راکیش پر ہنس رہی تھی یا گوشت پوست کی ششی کی قسمت پر!

اور ——

اور جب تک وہ تصویر اس کینوس پر رہے گی اسی طرح مسکراتی رہے گی!!



صحت و زندگی

زندگی بخش معلوماتی مقالات اور مفید کارآمد اشارات

۱ — کھانے کا نمک

نمک ہماری غذا کا ایک بہت ضروری جزو ہے انسان ہی نہیں ہر جاندار کے لئے نمک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کوئی شخص بھی نمک کے بغیر پکا ہوا کھانا پسند نہیں کرتا۔ اگر کھانے میں نمک کم ہوتا ہے تو آدمی اُس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتا جب تک یہ کمی پوری نہ ہو جائے۔ سبزی بھاجی میں ہر قسم کا مسالہ ڈالا جائے اور نمک نہ ڈالا جائے تو غذا ایسی بے مزہ رہتی ہے کہ ایک لقمہ بھی کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ غذا کو لذیذ اور مفید بنانے کے لئے نمک بہت ضروری اور اہم چیز ہے۔ اسے غذا سے نکال دیا جائے تو زندگی محال ہو جائے۔ کھانے میں اس کا شامل نہ کرنا مختلف بیماریوں کا سبب ہوتا ہے۔ نمک ہاضمے کو بڑھاتا ہے۔ بھوک لگاتا ہے۔ قبض کشا ہے۔ بلغمی امراض میں بہت مفید ہے۔ بدہضمی اور پیٹ کے درد کو دور کرتا ہے۔ بدہضمی کی کھٹی ڈکاروں کو روکتا ہے۔ معدے اور آنتوں کی صفائی کرتا ہے۔

مختلف ممالک میں نمک بہت افراط سے موجود ہے جس طرح پانی جیسی ضروری چیز کو قدرت نے افراط سے پیدا کیا ہے اسی طرح نمک کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کے ذخیرے دُنیا کے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ انگلستان، جرمنی، پولینڈ اور امریکہ میں نمک کی کانیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کی افراط کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پولینڈ اور جرمنی میں نمک کی کانیں چار ہزار فٹ کی گہرائی تک کھودی جا چکی ہیں لیکن نمک کی تہہ ختم نہیں ہوتی۔ پولینڈ کے ایک شہر ویلزکا میں ۶۵ میل کے علاقہ میں ایک ہزار فٹ کی گہرائی تک نمک ہی نمک ملتا ہے۔ یہاں سرنگوں کے ذریعے راستے بنا دیئے گئے ہیں جن میں ریلیں اور موٹریں چلتی ہیں۔ دراصل یہ نمک کا شہر ہے جس میں بازار، سڑکیں، مکانات، گرجے اور سنیما وغیرہ کی عمارتیں سب نمک کی بنی ہوئی ہیں۔

اِن قدرتی ذخیروں کے علاوہ نمک کا بڑا ذریعہ سمندر ہے۔ ویسے تو سمندر میں دوسرے کئی قسم کے نمک بھی ملتے ہیں۔ مگر بڑی مقدار کھانے کے نمک کی ہے۔ بمبئی کے ساحلی علاقے کے لوگ سمندری پانی سے نمک حاصل کرکے اس کی تجارت کرتے ہیں۔ سمندروں میں نمک کی مقدار ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ بارش کا پانی پہاڑوں اور میدانوں سے نمک حاصل کرکے اُسے دریاؤں کے ذریعے سمندر میں شامل کرتا رہتا ہے۔ یہ عمل جب سے دُنیا بنی ہے کروڑوں سالوں سے جاری ہے۔ سمندر کا پانی تو بخارات کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن نمک سمندر میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق سمندر کے ہر مکعب میل میں دس لاکھ ٹن نمک موجود ہے۔ اِس حساب سے ساری دُنیا کے سمندروں میں نمک پچاس لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ ہے اگر سمندروں کا سب نمک زمین پر پھیلا دیا جائے تو زمین کے اِرد گرد چار سو فٹ موٹی تہہ جمائی جا سکتی ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بات بھی دلچسپ ہے

خالی نہیں کہ اگر دنیا کے سب چھوٹے بڑے پہاڑ غائب ہو جائیں تو سمندروں کا نمک انہیں دوبارہ بنانے کے لئے کافی ہے۔

انسان نے نمک کا استعمال کس طرح سیکھا؟ یہ بتانا نا ممکن ہے۔ کیونکہ نمک کا استعمال اتنا ہی قدیم ہے جتنی انسانی تاریخ۔ نمک کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا زیادہ استعمال آنکھوں کے لئے مضر ہے۔ موتیا بند اور گلاکوما میں نمک کا استعمال خطرناک حد تک ضرر رساں ہے۔ ان امراض کے شروع میں بے نمک غذا کا استعمال شروع کر دیا جائے تو بہت مفید ثابت ہوتا ہے جریان اور احتلام میں بھی نمک کا استعمال بہت کم کرنا چاہئے۔ نمک خون کا ایک ضروری جزو ہے، اس کے باوجود اس کا زیادہ استعمال مضر ہے۔ مرض سرطان۔ معدے کی رسولی اور آنکھوں کے امراض میں نمک کا استعمال بہت مضر ہے۔

نزلہ، زکام یا کھانے کی کسی بے اعتدالی کے باعث حلق میں کسی قسم کی سوزش یا خراش ہو یا بلغم جما ہوا ہو تو ایک چائے کا چمچہ نمک گرم پانی کے گلاس میں ملا کر غرارے کئے جائیں اس سے حلق صاف ہو جاتا ہے۔ نمک کے پانی کو ناک کے نتھنوں میں پہنچانا بھی نزلہ زکام اور حلق کی سوزش یا خراش وغیرہ میں بہت مفید ہے۔

۲ —— زندگی کیلئے مسرت کی اہمیت

ایک مغربی ڈاکٹر کا قول ہے "اگر دنیا میں خوش طبعی اور قہقہوں کی کمی نہ ہوتی تو ہسپتالوں، صحت گاہوں، ڈاکٹروں اور نرسوں کے لئے اکثر حالات میں کوئی کام نہ ہوتا۔" ہو سکتا ہے اس دعوے میں کسی قدر مبالغہ ہو لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں اس کی بنیاد حقیقت پر ہے۔ ہنسی، امن، ہمدردی اور خوش دلی کی زبان ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ روح کی خوشبو ہے جو فضا میں پھیل کر صحت اور مسرت بکھیر دیتی ہے۔ ایک دوسرے ڈاکٹر نے لکھا ہے "فلک شگاف قہقہوں میں حجاب حاجز (عضلاتی پردہ جو سینے اور پیٹ کے مابین ہوتا ہے) کی اوپر نیچے کی حرکت تین چار انچ تک اسے زیر و زبر کر دیتی ہے اس حرکت سے قلب کے عضلات کی خوب ورزش ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر فوری طور پر فرحت بخش ہوتا ہے۔" ایک ڈاکٹر نے لکھا ہے "یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں دکھ اور غم بکثرت ہے لیکن دکھ کی زیادتی تو اور بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہمارے راستے میں کہیں کہیں جو پھول کھلے ہوتے ہیں ان سے ہم جی بھر کر مسرت حاصل کریں۔ خوف، فکر، اور غم وغصہ انسان کی صحت اور زندگی کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ ایک طرح کا زنگ اور میل ہے جو انسان کے جسمانی اور دماغی چولوں کو خراب اور بے کار کر کے گھس ڈالتا ہے۔ انسان کے لئے یہی بہتر ہے کہ ہنسی اور خوشی کا تیل دے کر اس زنگ کو دور کرتا رہے۔" ڈاکٹر او وینڈیل کا قول ہے "مسرت اور شادمانی قدرتی دوا کا چشمہ ہیں ہر شخص کو چاہئے کہ اس چشمے میں خوب نہائے۔" ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے "اگر مشکل درپیش ہو تو مسکرا دو۔ ہو سکتا ہے تمھاری بدقسمتی تم پہ ترس کھائے اور خود بخود بھاگ جائے۔ دن بھر موقع ملنے پر مسکرایا کرو۔ تم خواب میں بھی ہنسا کرو گے۔ اپنی ناکامی پر مسکرا دو۔ تمھیں کامیابی حاصل ہو گی۔"

۳ —— وقت زخموں کا مرہم ہے

امریکی مفکر لوئیس۔ ٹی۔ مان ٹینٹ جونیر نے لکھا ہے۔ "پریشانی نے میری زندگی کے دس سال ضائع کئے۔ وہ دس سال، اٹھارہ سے اٹھائیس سال تک۔ جو کسی نوجوان کی زندگی کے سب سے زیادہ قیمتی اور بار آور سال ہوتے ہیں۔ اب میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ سال کسی دوسرے کی وجہ سے نہیں، میری اپنی حماقت سے ضائع ہوئے۔ میں ہر بات کے لئے پریشان رہا کرتا تھا۔ اپنے کام، اپنی صحت، اپنے خاندان اور اپنے احساس کمتری کے متعلق میں اتنا خوف زدہ رہا کرتا تھا کہ اپنی جان پہچان کے لوگوں سے پہلو بچانے کے لئے راہ کاٹ جایا کرتا تھا۔ میں اجنبیوں سے ملتے ہوئے اتنا گھبراتا تھا اور ان کی موجودگی میں اتنا پریشان رہتا تھا کہ مجھے دو ہفتوں کے دوران میں تین ملازمتوں سے محض اس لئے محروم ہو جانا پڑا کیونکہ مجھ میں اپنے ان تینوں مالکوں کو اتنا بتانے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ میں اپنے خیال کے مطابق کیا کر سکتا ہوں۔ آٹھ سال ہوئے ایک دن میں اپنی پریشانیوں پر غالب آ گیا۔ اور اس وقت سے شاید ہی مجھے کبھی پریشانی لاحق ہوئی ہو گی۔ اس دن

ہیں ایک ایسے شخص کے دفتر میں بیٹھا تھا جن کو مجھ سے کہیں زیادہ مشکلات و مصائب درپیش تھے۔ لیکن اُس کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہ تھا۔ میں نے اُس جیسے مسرور و خوش باش انسان کم ہی دیکھے ہوں گے۔ اُس نے کبھی خوب دولت کمائی تھی لیکن پھر تجارت میں شکست و تہی دامن ہو گیا۔ اُس کا دیوالہ نکل گیا اور قرض خواہ بھوکے کتوں کی طرح اُس کے پیچھے پھرنے لگے۔ اگر ایسی مشکلات کسی دوسرے کو پیش آتیں تو وہ بالکل ہمت ہار دیتا۔ اور گھبرا کر خودکشی پر آمادہ ہو جاتا لیکن اُس پر یہ مشکلات ایسے گزر رہی تھیں جیسے بطخ کے پروں پر سے پانی۔ جب ہم باتیں کر رہے تھے اُس نے ایک خط میری طرف بڑھایا اور کہا "اسے پڑھیے" یہ غصہ اور تلخی سے بھرا ہوا ایک خط تھا۔ اگر مجھے ایسا خط ملتا تو میں غصہ [illegible] چکر میں پڑ جاتا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میں نے اُس سے پوچھا "اس کا کیا جواب دیں گے؟" بل نے کہا۔ "اچھا سنو! میں تمھیں ایک چھوٹی سی راز کی بات بتاتا ہوں۔ آئندہ جب تمھیں کوئی ایسی بات پیش آئے جو واقعی پریشان کن ہو تو ایک پنسل اور کاغذ کا پرزہ لے کر بیٹھ جاؤ اور پوری تفصیل سے لکھو کہ تم پریشان کیوں ہو۔ پھر کاغذ کے اُس پرزے کو اپنی میز کی دراز میں رکھ دو۔ وہاں اُسے دو ہفتے کے لیے پڑا رہنے دو۔ یہ وہاں بالکل محفوظ رہے گا۔ اس کا کچھ نہ بگڑے گا۔ لیکن اِس عرصے کے دوران میں جو مسئلہ تمھیں پریشان کر رہا ہے اُس کے ساتھ بہت کچھ گزر سکتی ہے۔
میں نے اکثر یہی دیکھا ہے کہ اگر ذرا بھی صبر و تحمل سے کام لوں تو جس پریشانی سے میں عاجز ہوتا ہوں وہ کاغذی غبارے کی طرح خود بخود کافور ہو جاتی ہے۔" اِس چھوٹی سی نصیحت نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں اب کئی سال سے بل کے مشورے پر عمل کر رہا ہوں۔ اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اب شاید ہی کسی بات کے متعلق پریشان ہوتا ہوں۔ وقت بے شمار مسائل حل کر دیتا ہے۔ وقت وہ مسائل بھی حل کر سکتا ہے جن کے متعلق آپ آج پریشان ہیں۔

۴ —— متوازن غذا کی اہمیت

کارل مارکس نے کہا ہے۔ انسان جیسی غذا کھاتا ہے ویسے ہی اُس کے خیالات بھی ہوتے ہیں اور خیالات اور صحت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آج سارے ڈاکٹر اِس بات پر متفق ہیں کہ ناقص غذا سے انسان کے ذہن میں ناقص خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ناقص اور غیر متوازن غذا سے انسان کی نشوونما اچھی طرح نہیں ہو پاتی اور اُس کا مزاج اِس حد تک زود رنج ہو جاتا ہے کہ وہ بات بات پر چراغ پا ہو جاتا ہے۔ علم جرائم کے ماہرین نے اِس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ خرابیٔ صحت کا نتیجہ مجرمانہ ذہنیت ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو جرائم پیشہ بن جاتے ہیں اُن کی صحت خراب ہوتی ہے۔ اُن کے دماغ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اور اُن کی قوتِ تمیز سلب ہو جاتی ہے۔ خرابیٔ صحت سے اُن کا ذہن اِس حد تک بے کار ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج پر غور نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر ہارورڈ نے ایک سفید چوہے کو نہایت قلیل اور غیر متوازن غذا دینی شروع کی۔ غذا دینے سے پہلے یہ چوہا لوگوں کی گودوں میں آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اور نہایت سکون کی زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن جیسے ہی اُسے غیر متوازن غذائیں ملنی شروع ہوئیں وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ اور اب اُس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ رنگوں کو دیکھ کر اُن کی طرف لپکتا تھا اور انھیں کاٹنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن جب پھر اُسے مقوی اور متوازن غذائیں دی جانے لگیں وہ رو بصحت ہو گیا۔ اگر آپ خوش و خرم، تندرست و توانا رہنا چاہتے ہیں تو متوازن اور صحت بخش غذاؤں کا استعمال کیجیے۔ متوازن غذا کے استعمال سے نہ صرف انسان کی جسمانی و ذہنی نشوونما ہوتی ہے بلکہ اِس کا اثر اخلاق اور سیرت پر بھی پڑتا ہے۔

۵ —— تفریح بھی ضروری ہے

صحت اور زندگی کے لیے تفریح بھی اِتنی ہی ضروری ہے جتنا ضروری کام۔ یہ انسان پر سے بے چینی، تردد اور فکر و پریشانی کا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ وہ لوگ جو جسمانی کام کرتے ہیں اُن کے لیے بہتر ہے کہ وہ تفریح کے لیے کچھ دماغی مشاغل تلاش کریں۔ اور وہ لوگ جو دماغی کام کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ ایسا تفریحی مشغلہ اختیار کریں جس سے جسم

تھکے اور جذبہ ان خوب صحیح ہو جائے۔ اصل میں کام کی زیادتی انسان کو اتنا نہیں تھکاتی جتنا کام کی یکسانیت اور فکر و پریشانیاں تھکاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ روزمرہ لگے بندھے کام کرنے کے بعد کوئی ایسا تفریحی مشغلہ اختیار کریں جس میں تنوع ہو اور جس سے وہ دلچسپی رکھتے ہوں، جسے پسند کرتے ہوں۔

۶ ــــ اگر آپ شکست خوردہ و ناکام ہیں

مغربی مفکر ڈگلس لرٹن نے ایک جگہ لکھا ہے۔ اگر آپ شکست خوردہ اور ناکام ہیں تو کوئی پروا نہ کیجئے اُسے ہنسی میں اُڑا دیجئے۔ اگر ممکن ہو تو ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو پھر چن لیجئے اور انھیں جوڑنے کی کوشش کیجئے اگر ایسا ممکن نہیں ہو تو اس غلطی، اس ناکامی سے تجربہ حاصل کریں اور اپنے ذہن میں اس حقیقت کو رکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں، کہ دوسرے لوگ بھی ناکام ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی غلطی اور ناکامی سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن میں کسی نقصان اور کسی ناکامی سے فائدہ اٹھانے کی لگن ہوتی ہے۔

۷ ــــ پریشانیاں دُور کیجئے

پروفیسر فلپس نے پریشانی دُور کرنے کے لئے یہ طریقے بتلائے ہیں:-

(۱) ولولے اور جوش کے ساتھ زندگی بسر کیجئے میں ہر روز اس طرح زندگی بسر کرتا ہوں جیسے یہ میری زندگی کا پہلا دن ہے اور یہی آخری دن ہوگا۔

(۲) کوئی دلچسپ کتاب پڑھیئے۔

(۳) اپنے پسندیدہ کھیل کھیلئے۔

(۴) ہر کام مکمل اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ کیجئے۔ کام میں عجلت اور تیزی سے کام ناقص اور نامکمل ہوتا ہے۔

سرگوشیاں

سوال و جواب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی ادبی سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

رضی الدین اسلام پوری۔ پٹنہ

س۔ آج کی سب سے خطرناک چیز؟

ج۔ انسان کی انسان دشمن ذہنیت۔

س۔ ترقی کا پہلا زینہ؟

ج۔ ترقی کی منزل سے ہمکنار ہونے کی سچی لگن!

منظور احمد۔ کراچی

س۔ ایک کامیاب زندگی کا دارومدار؟

ج۔ ناقابلِ شکست عزم و حوصلہ پر ہے۔

س۔ بھائی جان! کوئی نصیحت آموز شعر سنائیے۔

ج۔ سنئیے ؎

بدی کے دام پھیلاتا ہے جو کسی کے لئے
اخیر میں وہی خود زیرِ دام ہوتا ہے

ایس۔ محمد ظہیر الحق چھپروی

س۔ سائنس کی ترقی انسانیت کا زوال ہے یہ کس حد تک درست ہے؟

ج۔ سو فیصدی حقیقت ہے۔ کیا آپ سائنس کی تباہ کاریاں نہیں دیکھ رہے سائنس نے انسان کو دیا کم اور لیا زیادہ!

س۔ یہ دنیا اور سائنس!؟

ج۔ سائنس دنیا کو تباہ کر دے گی۔ آثار و قرائن کہہ رہے ہیں سائنس ہی کے ہاتھوں دنیا کا خاتمہ ہوگا۔

س۔ یہ دنیا اور انسانیت؟

ج۔ یہ دنیا انسانیت سے دور ہوتی جا رہی ہے!

اے۔ قدوس۔ رشڑا۔ ہگلی

س۔ انسان کا سب سے اچھا دوست کون ہے؟

ج۔ بلند کردار، بلند اخلاق!

س۔ محبت کیا ہے؟

ج۔ دیوانگی! آپ نے سنا نہیں ہے۔ کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا!

غلام حسین زاہدی۔ جمشید پور

س۔ شباب و جوانی میں انسان بھٹک کیوں جاتا ہے؟

ج۔ زندگی کی یہ منزل ہی ایسی ہوتی ہے۔

س۔ زندگی کے ساتھ الجھنیں ہیں پھر زندہ رہنے کی تمنا کیوں ہوتی ہے؟

ج۔ اس لئے کہ زندگی سنگین بھی ہے اور حسین و رنگین بھی!

س۔ محبت کے بعد....

ج۔ آپ کا یہ سوال کسی افسانے کا اچھا عنوان ہو سکتا ہے اسے عنوان ہی رہنے دیجئے۔

"بلگرامی" ....؟

س۔ آپ مسجد میں نماز پڑھتے ہیں یا مندر میں پوجا کرتے ہیں؟ لیکن جواب صرف "مسجد" یا "مندر" ہی میں دیجئے گا۔

ج۔ بھائی میرے! اپنا تو مسلک ہے ؎
ہزار سجدۂ دیر و حرم سے بہتر ہے
اک آہِ نیم شبی، ایک گریۂ سحری

س۔ آپ نے کچھ دنوں پہلے ایک سوال کے جواب میں نسیم کا جو شعر لکھا ہے، وہ شعر میرا خیال ہے روشؔ صدیقی کا ہے۔ شعر یہ ہے
زندگی نام ہے طوفانِ حوادث کا روشؔ
ننگِ ساحل ہے وہ جس کو کوئی طوفاں نہ ملا

ج۔ ہم نے اُس سوال کے جواب میں نسیم سے اس شعر کو منسوب نہیں کیا ہے۔ وہ نسیم نہیں، ندیم ہے اور ندیم بطورِ تخلص نہیں لکھا گیا ہے۔ ہم نشیں کے معنی میں لکھا گیا ہے۔ اِن روشؔ صاحب کے مقطع میں یہ برائے نام تصرف ضرور ہے۔

چونی لال سرحدی۔ نئی دہلی

س۔ اگر یہی لُوٹ کھسوٹ اور بلیک کے روپے کا بے جا صرف جاری رہا تو بھلا کب تک ہندوستان رُوس اور چین کے سے تیور اختیار کرے گا؟

ج۔ یہ تو کانگریس کے کھدر دھاری جوتشی ہی بتا سکتے ہیں۔

س۔ اگر کسی بلند پایہ شاعر کا کوئی شعر ذوق کے شعر کے عین مقابلے میں ہو تو تحریر فرمایئے۔

شعر ہے ؎
کھڑکیوں کے کھڑکنے سے کھڑکتا ہے کھڑک سنگھ
کھڑک سنگھ کے کھڑکنے سے کھڑکتی ہیں کھڑکیاں

ج۔ بھائی چونی لال جی! کھڑک سنگھ کے آپ پُجاری ہیں۔ آپ بے دھڑک ان کے نام کا جاپ کیجئے۔ دُوسروں کو ان سے کیا دلچسپی؟

ایف۔ آر صہبا منوناتھ بھنجن

س۔ آر۔ خان، پٹنہ کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ "محبت ایک حسین دھوکہ ہے۔" میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ محبت ایک عبادت ہے اور عبادت کرنا انسان کا اوّلین فریضہ ہے۔ اب آپ اپنے خیال پر نظرِ ثانی کریں۔

ج۔ محبت کی تباہ کاریاں کوئی سربستہ راز نہیں۔ محبت کی تباہ کاریوں کی خونچکاں داستانوں سے تاریخ کا دامن لالہ رنگ ہے۔ جس محبت کے نغمے آپ سُنتے ہیں، فلموں میں دیکھتے ہیں جس محبت کے لئے آپ [illegible] سجا رہے ہیں اور انسان کا اوّلین فریضہ ہے؟

احمد رضا صاحب۔ گنج

س۔ انسان کیسے ترقی کر سکتا ہے؟

ج۔ ترقی کی راہ میں چل کر کامیاب انسانوں کی زندگی کا مطالعہ کرکے۔

س۔ زندگی کی تاریک راہوں میں کامیابی کے ستارے کب جگمگاتے ہیں؟

ج۔ جب انسان زندگی کی تاریک راہوں میں عزم و عمل کی شمع فروزاں کرنے کا تہیہ کر لیتا ہے۔

معراج الدین فاروقی۔ بھوپال

س۔ بھوپال سے آپ کو کیا بَیر ہے جو گزشتہ شمارے (سالنامہ) میں صفحہ ۱۸۲ پر میرے نام کے آگے سے غائب ہے؟

ج۔ "سرگوشیاں" میں آپ کے نام کے ساتھ "بھوپال" کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے آئندہ کے لئے ہدایت کر دی گئی ہے۔

بھوپال ہمارے دل کے انتہائی قریب ہے
کیونکہ وہاں محترم کوثر صاحب جیسی پرخلوص
ہستی ہے پیارے کی ہر چیز پیاری ہوتی ہے
یہ آپ کو تیر کا گمان کیسے ہو گیا؟

محمد شجاع - لکھنؤ

س۔ بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
نومبر کی سرگوشیاں میں اس شعر کو شاد عظیم آبادی سے منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شعر سالک لکھنوی کے والد شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب خاطرؔ کا ہے۔ تصحیح فرمائیے۔

ج۔ کچھ ہی دنوں پہلے ایک فاضل تذکرہ نگار نے حضرت شاد عظیم آبادی کا انتخاب کلام پیش کرتے ہوئے یہی لکھا تھا۔

س۔ آپ کی عمر کیا ہے؟ سالوں میں جواب ہو۔

ج۔ ۵۸ بہاریں دیکھ چکا ہوں مگر عزم و عمل کے اعتبار سے جوان ہوں۔ صبح سے شام تک جوانوں کی طرح کام کرتا ہوں۔ میرے عزم جواں کے دامن پر ابھی کہن سالی کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی ہے۔

س۔ منزل؟

ج۔ عزم کامل کو مرے ہر گام پر منزل ملی
بن گئیں دشواریاں آسانیاں میرے لئے

طلعت شبنم نقوی - کراچی

س۔ حضرت جگر مرادآبادی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ؎
جنوں کم جستجو کم تشنگی کم
نظر آئے نہ کیوں دریا بھی شبنم

سیفی عباسی - برہان پور

س۔ کیا کسی کا یہ کہنا سچ ہے کہ حسن اور اچھا ادب روح کی غذا ہے

ج۔ جی ہاں!

س۔ مرد کی بہ نسبت عورت اتنی جلدی کیوں لوگوں سے ہمدردی حاصل کر لیتی ہے؟

ج۔ اس لئے کہ صنف نازک ہے۔ ہمدردی کی مستحق ہے۔

ایم۔ ایم حشمت علی مونگیری

س۔ دنیا کیا چاہتی ہے، دولت یا محبت؟ یا عزت؟

ج۔ آج کی دنیا سب سے پہلے دولت چاہتی ہے اس کے بعد عزت اور محبت چاہتی ہے۔

سرفراز حسین مردان - امراوتی

س۔ استاد ....؟

ج۔ آج کے شاگرد اپنے کو استاد سے بزرگ اور برتر سمجھتے ہیں۔

شعیب عالم - کلکتہ

س۔ آپ کا مذہب کیا ہے؟

ج۔ جو ہر انسانیت دوست کا مذہب ہے۔

منیر الدین سحر - اورنگ آباد

س۔ اصغر گونڈوی کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ سید اصغر حسین!

س۔ فیض کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ چمن پہ غارت گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

فرحت صابرہ ملیپور - وانم باڑی

س۔ بھیا! سماج کے قانون خدا کے قانون سے سخت کیوں ہوتے ہیں؟

ج۔ بانو! آپ دیکھتی ہیں انسان خدا کے احکام سے سرتابی کرنے سے نہیں ڈرتا۔

س۔ بھائی جان! آجکل کے شاعر اپنے کلام میں مایوسی اور ناکامی کا بیان اور زمانے کا گلہ کیوں کرتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ یہی آج کی زندگی کے حقائق ہیں۔

امیر حسن انصاری - چمپارن

س۔ جذبی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ؎
ہر داغ دل میں عکس رخ گلبدن لئے
بیٹھے ہیں اہل عشق چمن در چمن لئے

محمد صلاح الدین قمر۔ نظام آباد

س۔ کسی نیک نفس انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس داغ کو کس طرح مٹایا جاسکتا ہے؟

ج۔ غلطی کی تلافی کر کے۔ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کرنے کا عہد کر کے۔

تحریب بی۔ اے ۔ ۔ ۔ ۔

س۔ انسان زندگی سے کب اور کیوں بھاگتا ہے؟

ج۔ جب اس کے ہاتھ سے امید و عزم اور حوصلہ کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔

س۔ مخمور صاحب دہلوی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ۔

فقیری میں بھی مجھ کو مانگنے سے شرم آتی ہے
سوالی ہو کے مجھ سے ہاتھ پھیلایا نہیں جاتا

نظام الدین۔ جمال پور

س۔ زندگی جب بوجھ بن جائے تو؟

ج۔ اسے خوشگوار بنانے کے لئے جدّوجہد کرنی چاہیئے۔

س۔ آج کی دنیا میں اپنا کون ہے اور پرایا کون؟

ج۔ وقت پر جو کام آئے وہی اپنا!

ایم۔ کے۔ کلیم۔ گورکھپور

س۔ یہ شعر مجھے بے حد پسند ہے۔ ایسا ہی کوئی اور شعر سنائیے ۔

دلِ مضطرب سمجھ سکے شاید
اک شکستہ رباب کا عالم

ج۔ شب جانے کتنی گزریں جیسی یہ بھی آنکھوں میں
جس طرح پر بھی آنکھوں آیا نہ آئے جاتے ہیں

اے۔ قدوائی نگر۔ نئی دہلی

س۔ آپ کے خیال میں افسانہ نگار کس لئے افسانے لکھتے ہیں؟ نام کے لئے یا دام کے لئے؟

ج۔ پہلے نام کے لئے اور نام پا جانے کے بعد دام کے لئے۔ کچھ فن کار ایسے بھی ہیں جو نام اور دام سے بلند ہو کر زبان و ادب اور ملک و قوم کی خدمت کے لئے لکھتے ہیں۔

س۔ آپ نئے افسانہ نگاروں کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کرتے، ایسا کیوں؟

ج۔ "بیسویں صدی" نے نئے فن کاروں کی جتنی حوصلہ افزائی کی اور جتنے نئے افسانہ نگار پیدا کئے کسی اور نے نہ کئے ہوں گے۔ ہاں جن نئے فنکاروں کی تخلیقات "بیسویں صدی" کے معیار سے پست ہوتی ہیں انھیں مزید مشق اور مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ ہر فنکار "بیسویں صدی" کی بزم میں جگہ پانے کا اسی لئے تو متمنی ہوتا ہے کہ اس کا معیار بلند ہے۔

آر۔ کے۔ ساگر۔ بمبئی

س۔ آج کا انسان انسانیت کو چھوڑ کر مذہب

کے پیچھے کیوں مگر رہا ہے

ج۔ مذہب کا لیبل لگا کر اس کی آنکھوں سے حقیقت اوجھل ہو گئی ہے کیونکہ ہر مذہب کا مقصد انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنانا اور انسانیت کا پرستار بنانا ہے۔

س۔ حضرت داغ کا کوئی بہترین شعر سنائیے۔

ج۔ قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کم بخت ہوا جاتا ہے

م۔ ع۔ اختر۔ کلیپار

س۔ ایک انسان کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟

ج۔ وہ صحیح معنوں میں انسان ہو!

س۔ غریب عزت کے لئے اور امیر دولت کے لئے جان کیوں دیتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ غریب کو عزت جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور امیر کو دولت!

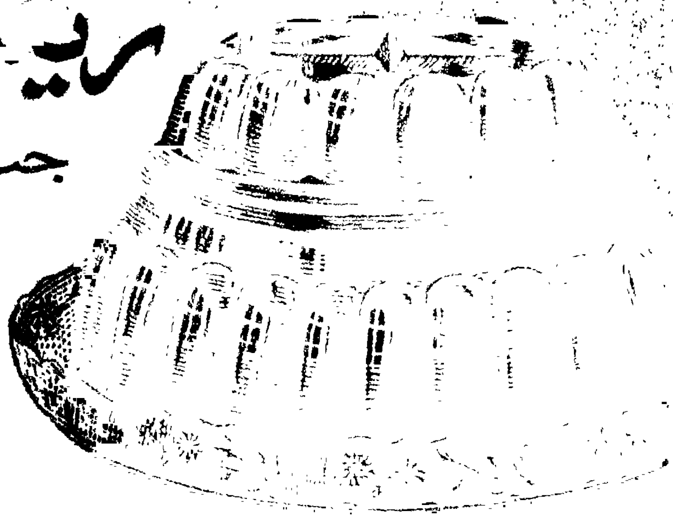
سراج النساء محمود۔ بمبئی

س۔ بھیا! ہندوستانی عورتیں آجکل اتنی مغرب پرست کیوں ہوتی جارہی ہیں؟ کیا بغیر آستین کے چست لباس ہم ہندوستانی عورتوں کو زیب دیتے ہیں؟

ج۔ عورتوں سے زیادہ مرد اس برائی کے ذمہ دار ہیں اس لئے کہ عورتیں مرد کی پسند کی پابند ہوتی ہیں۔

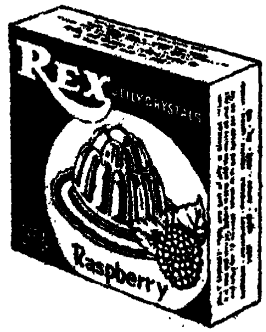
س۔ بزرگوں کا قول ہے کہ شرم و حیا عورت کا

ریکس جیلی



دیکھنے میں اچھی ... چکھنے میں اچھی ... اور سچ مچ ہے بھی اچھی !

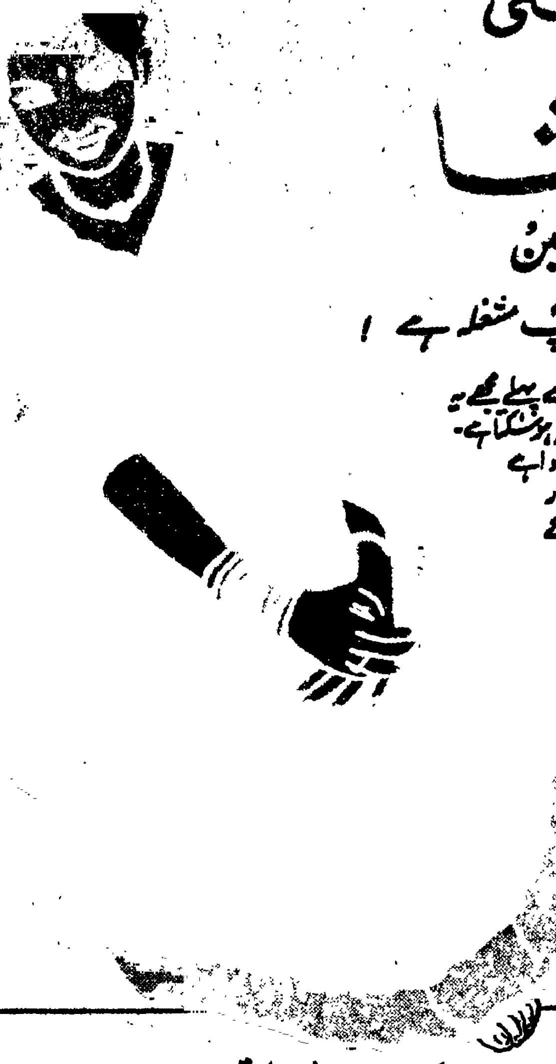
یہ ذائقہ دار، پھلوں کے سواد سے بھری جیلی بنانے میں بھی نہایت آسان ہے بس ریکس جیلی کرسٹلز کو گرم پانی میں گھولئے، تب ڈش چھٹانک بھر جیلی بنانے کے لئے ٹھنڈا پانی ملائیے سانچے (مولڈ) میں انڈیلئے اور برف میں جیلی کو جمنے دیجئے۔



بس زود ہضم، قوت بخش جیلی کو گھر بھر میں سبھی پسند کرینگے اور یہ بیماری سے اٹھنے کے بعد کھانے کیلئے بھی بڑی مفید ہے۔

ریکس جیلی کرسٹلز چھ ذائقوں میں دستیاب ہے یعنی رسبھری، اسٹرابری، لیمن، پائن ایپل اورنج اور چیری





زیور ہے۔ لیکن آج کل کی خواتین اِس زیور سے محروم کیوں نظر آتی ہیں؟

ج۔ اِس کی ذمہ داری کبھی بہت حد تک مردوں ہی کے سر ہے۔

ایم۔ اے بشیر۔ بودگم سہاڑہ

س۔ زندگی کی منزل؟

ج۔ زندگی کی کئی منزلیں ہیں۔ اُن میں شباب جوانی سب سے حسین و رنگین ہے۔ لیکن یہ منزل سب سے پُرآشوب اور پُرخطر بھی ہے!

س۔ فانی کا کوئی اچھا سا شعر سُنا دیجئے۔

ج۔ سُنیئے ؎

بہار اپنی، چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے
مبارک نکہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا

س۔ آرزو۔۔۔؟

ج۔ تکمیلِ آرزو، آرزو کی موت ہے۔ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے۔ ترکِ آرزو ہی تونگری ہے۔

سمیع احمد شیخانوی۔ پٹنہ

س۔ خوشتر بھائی! کیا آپ بھی اِن خیالات سے اتفاق کرتے ہیں کہ دولت انسان کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ یہ پردہ عارضی ہوتا ہے یا مستقل؟

ج۔ دولت انسان کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ لیکن وہ پردہ عارضی ہوتا ہے حقیقت ضرور ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

مشرف یوسف۔ گیا

س۔ سہاگن کی حالت اتنی خراب کیوں ہوتی جا رہی ہے؟

ج۔ زندگی سے بیزار ہے کیا جو ایسی بات زبان پر لاتے ہیں۔ سہاگن ہی شہزادوں کی کجکلاہی کی قسم خود پر رحم کھائیے۔ ایسی ناگفتنی زبان پر نہ لائیے۔ ورنہ جان کی خیر نہ ہوگی۔

س۔ کیا سوشلزم آنے پر کسانوں کی حالت سدھر جائے گی؟

ج۔ کسانوں کی حالت نہ سدھار سکے تو ہو سکتا ہے کچھ بھی بنا لے۔

سید اشتیاق احمد نواز۔ آرہ

س۔ بہت سی لڑکیاں "بیسویں صدی" کو سب پرچوں سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ اس کی بزمِ سرگوشیاں میں حصہ لینا چاہتی ہیں۔ کیا اس کے لئے "بیسویں صدی" کا خریدار ہونا ضروری ہے؟

ج۔ لڑکیاں شوق سے سرگوشیاں میں حصہ لے سکتی ہیں۔ اس کے لئے خریدار بننے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

س۔ کسی ایسی کتاب کا نام بتائیں جس سے لڑکے اور لڑکیاں دونوں فائدہ اُٹھائیں۔

ج۔ "صحت و زندگی"۔ یہ کتاب ادارۂ "بیسویں صدی" سے تین روپے فی جلد کے حساب سے مل سکتی ہے۔

محمد پرویز اقبال۔ لاہور چھاؤنی

س۔ عورت اگر پھول ہے تو کانٹا بھی۔ لیکن آپ سرگوشیاں میں ہمیشہ اسے پھول کے روپ میں پیش کرتے ہیں؟

ج۔ آپ نے سنا نہیں کسی نے کہا ہے ؎

عورت اِک پھول ہے جہاں بیں!

علامہ اقبالؒ نے ارشاد فرمایا ہے ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

محمد عتیق صدیقی۔ دہلی

س۔ میں بھی آپ کی طرح خادمِ ملت بننا چاہتا ہوں کیا میرا یہ خواب پورا ہوگا؟

ج۔ کیوں نہیں! دل میں قوم و ملت کی خدمت کا جذبہ ہو تو سب کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے۔

س۔ کیا میری غزل بھی "بیسویں صدی" میں جگہ پا سکتی ہے؟

ج۔ غزل دیکھنے کے بعد ہی بتایا جا سکتا ہے۔

کے۔ محمد۔ پورٹ بلیئر (انڈمان)

س۔ "بیسویں صدی" ہر ماہ کتنی تعداد میں شائع ہوتا ہے اور کن کن ممالک میں جاتا ہے؟

ج۔ "بیسویں صدی" ہر ماہ اتنی تعداد میں چھپتا ہے کہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی۔ بیسویں صدی ہر اُس ملک میں جاتا ہے جہاں اُردو بولنے اور سمجھنے والے

ایم مسلم سیاکھی ۔ پورنیہ

س۔ نیکوکار مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گی اور نیک عورتوں کو؟

ج۔ نیک عورتوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور نیکی و نیکوکاری کا یہ سب سے بڑا انعام، سب سے بڑا صلہ ہے!

س۔ ایک شعر سنائیے جس سے دل کا اضطراب دور ہو جائے۔

ج۔ سنیئے ؎

مصیبتوں سے نکھرنے والو مصیبتیں ہیں نقیبِ عشرت
خزاں کا دامن الٹ کے دیکھو بہار کی تازگی ملے گی

شہزادہ احمد ثمر ۔ چیتر پور ۔ ہزاری باغ

س۔ خوشتر بھیا! مغربی شاعر گوئٹے کے دیوان کا جواب علامہ اقبال نے کب دیا تھا؟

ج۔ علامہ نے گوئٹے کے دیوان کا جواب نہیں دیا تھا۔ گوئٹے کی نظم "سلامِ مغرب" کا جواب دیا تھا۔

س۔ ایک اچھا ادیب بننے کے لئے سب سے پہلے کیا ضروری ہے؟

ج۔ اچھے ادب کا مطالعہ، کسی اچھے ادیب سے استفادہ!

س۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے؟

ج۔ جی ہاں! مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

عفت آرا ۔ علی نگر پالی

س۔ بھیا! میری ایک سہیلی ہے، اس کا رنگ کالا ہے اس لئے وہ بہت مایوس رہتی ہے۔ بتائیے وہ کیا کرے؟

ج۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے میں باطنی حسن پیدا کرے۔ باطنی حسن، ظاہری حسن کا بدل ہی نہیں، اہلِ نظر کی نگاہوں میں باطنی حسن کے مقابلے میں ظاہری حسن کی کوئی قیمت نہیں۔

س۔ بھیا! آپ اِس عجیب و غریب دُنیا کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج۔ محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

س۔ خوشتر بھیا! اِس دُنیا میں آپ سے کون خفا ہے؟

ج۔ یہ تو لوگ ہی جانتے ہوں گے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم کسی سے خفا نہیں۔

فیران عابدی پھلواری شریف پٹنہ

س۔ خوشتر بھیا! بیسویں صدی کا سلور جوبلی نمبر نہیں نکالیے گا؟

ج۔ ضرور پیش کیا جائے گا۔ یہ عظیم اور عدیم النظیر پیش کش ہوگی۔

س۔ شاد عظیم آبادی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ سنیئے ؎

یوں حباب آسا کا نہ دل توڑ خدارا اے موج
انھیں قطروں کی بدولت تو ہے دریا تیرا

محمد صادق قصوری ۔ سیالکوٹ

س۔ موجودہ دور کا بہترین نثر نگار کون ہے؟

ج۔ گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن

س۔ کیا یہ درست ہے کہ مولانا حالی کی شاعری یاس و اُمید کے امتزاج کی حامل ہے؟

ج۔ بہت سے ناقدین کی یہی رائے ہے۔

س۔ ایسے دو اشعار سنائیے جو نہایت غمناک ہوں۔

ج۔ سنیئے ؎

زمانہ ہنس رہا ہے اور میں رو بھی نہیں سکتا
یہ حالت کس قدر مجبوریوں کی زندگانی ہے

دل کا رونا ہے دل کا ماتم ہے
اب تو ہر سانس نوحۂ غم ہے

ایس ۔ ایس یٰسین علی ۔ نرمل

س۔ ظاہری لباس جسم کی کھال کو ڈھانپ لیتا ہے لیکن جن کی عریاں روح کو کوئی لباس میسر نہیں، وہ لوگ کیا کریں بھیا؟

ج۔ جسم سے زیادہ روح کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ روح کا لباس نیک خیالات نیک جذبات ہیں۔

س۔ کیا یہ صحیح ہے محبت ایک ایسا پھول ہے جسے کوئی چھو نہیں سکتا لیکن اس کی خوشبو حسین و جمیل خوابوں کی سیر کراتی ہے۔

ج۔ یہ رنگین خواب اور خوش آئند خیال ہے، حقیقت نہیں۔

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر خوشتر گرامی ۔ مالکان خوشتر گرامی و کرشن کمار ... [illegible]

BISWIN SADI
25TH YEAR OF PUBLICATION
Telephones : Office : 226637 Residence : 749[illegible]

طاقت کی سب سے مشہور دوا

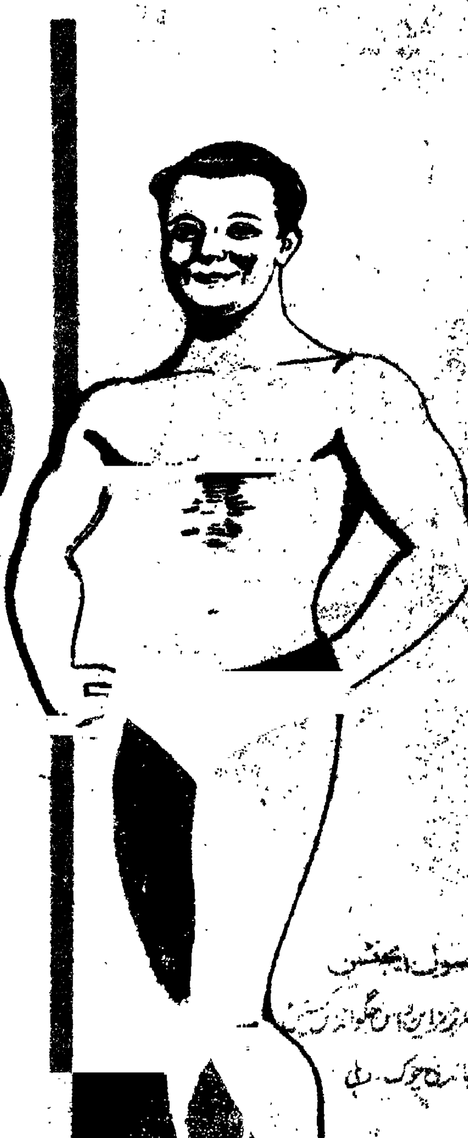
جو

فوراً اثر دکھاتی ہے

ریڈیم ٹانک پلز

کشتہ فولاد، کشتہ سونا اور پروٹین جیسی قیمتی دواؤں سے تیار شدہ

نیا خون بکثرت پیدا کرکے ناطاقتی کو دور کرتی ہیں۔ وزن اور خون کی کمی پوری ہو جاتا ہے کھوئی ہوئی طاقت اور صحت واپس لانے کیلئے ملک کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ کسی وجہ سے ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت اور نئی جوانی حاصل ہوتی ہے تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے استعمال سے اپنی طاقت کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج صرف چھ روپے

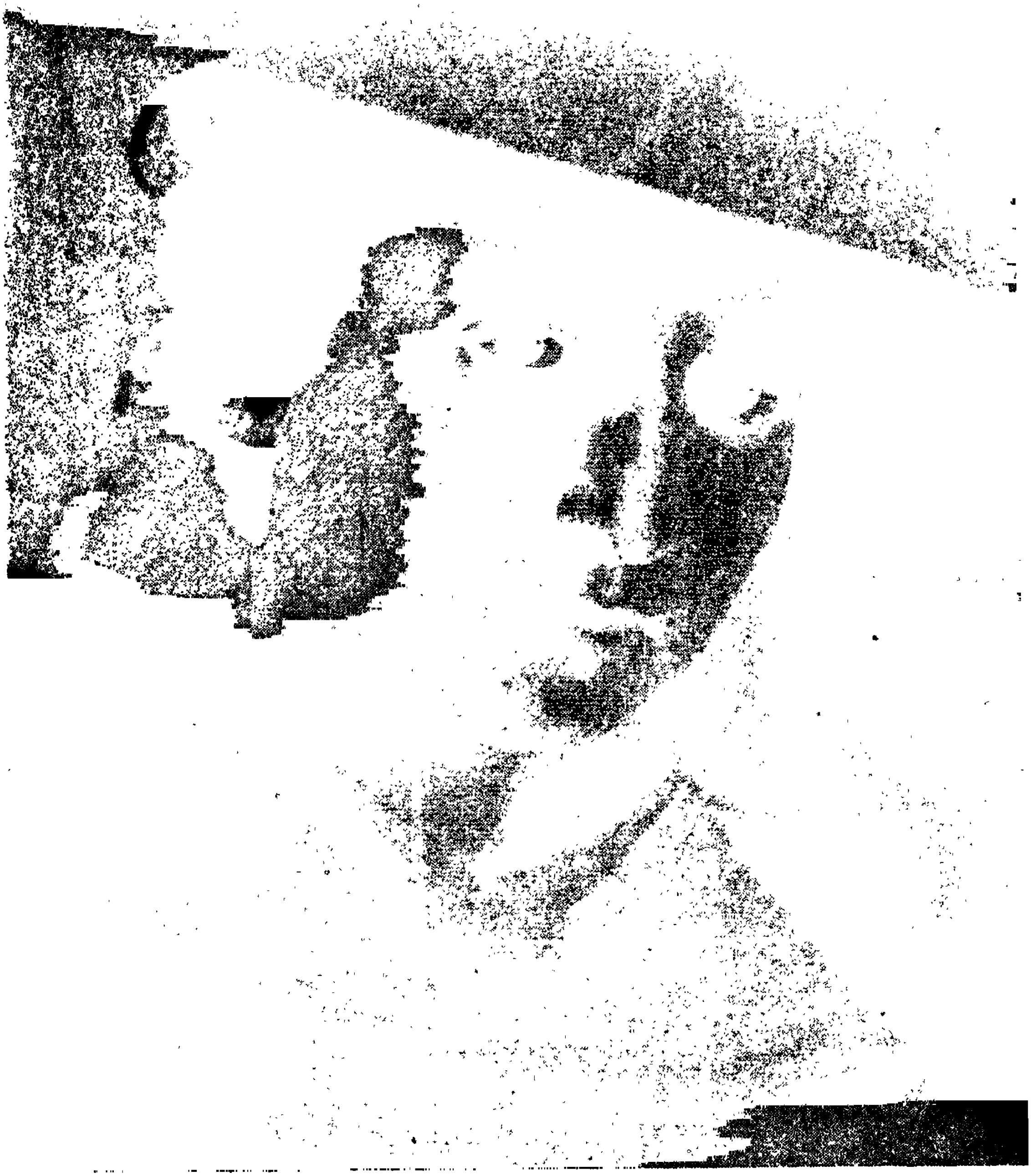


سول ایجنٹس

چاندنی چوک دہلی

پتہ:- ریڈیم کیمیکل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵۱ دہلی


بیسویں صدی
12
75
BISWIN SADI
DELHI



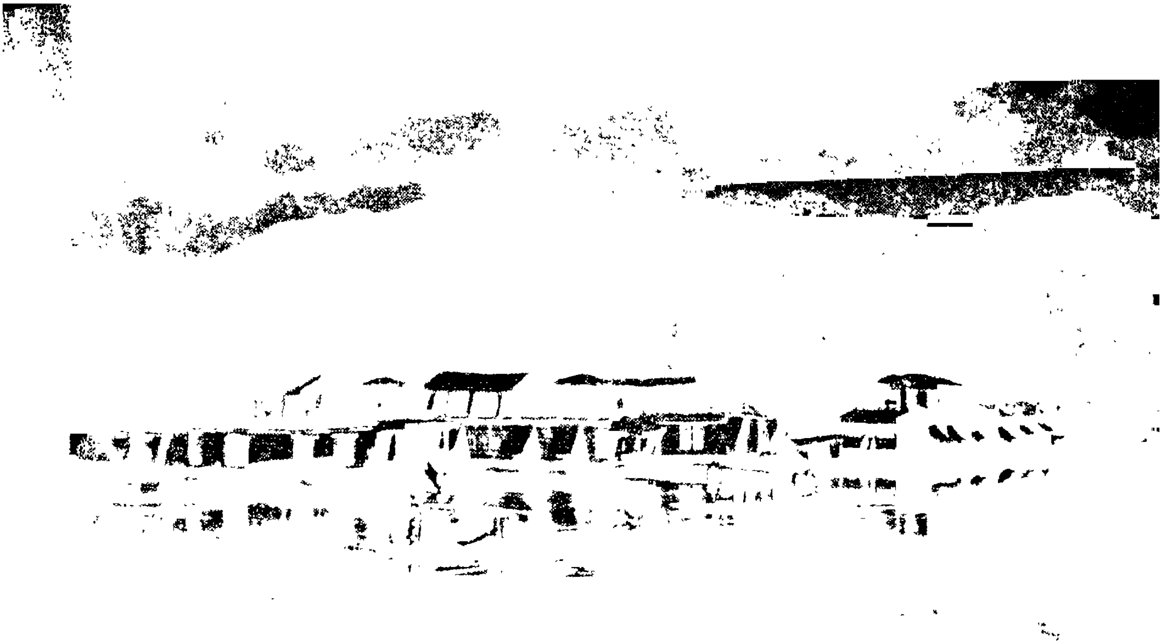
تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں
لوگ انھیں کہتے ہیں بیمار ہے کیا

فوٹو — [illegible]



ہائے میری ماں!

فوٹو۔ شیخ نذیر احمد راولپنڈی



سکوتِ شیریں

فوٹو:- روشن لال، نئی دہلی

بیسویں صدی دہلی

فروری ۱۹۶۲ء نگران: خوشتر گرامی ـــ کرشن کمار

جلد ـــ ۲۶ ٹیلیفون دفتر ـــ ۲۲۶۶۲۷

نمبر ـــ ۲ ٹیلیفون رہائش ـــ ۷۴۹۲۷

۱	تیرو نشتر		خوشتر گرامی	۷
۲	سمجھاپی	افسانہ	کرشن چندر ایم۔اے	۱۳
۳	غزل		ڈاکٹر عندلیب شادانی ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	۲۰
۴	چراغ کی لو	افسانہ	ٹھاکر پونچھی	۲۱
۵	خواب کی طرح سے ہے یاد		جگن ناتھ آزاد ایم۔اے	۳۰
۶	تضاد	افسانہ	محمود واجد ایم۔کام	۳۱
۷	آپ کی آنکھیں		نریش کمار شاد	۳۷
۸	درد، ایک افسانہ	افسانہ	گوربچن سنگھ	۳۸
۹	غزل		رشی پٹیالوی	۴۵
۱۰	جب بادل آتے ہیں	افسانہ	اختر ملیح آبادی بی۔اے۔ بی۔ٹی	۴۶
۱۱	غزل		محمود عشقی	۵۳
۱۲	غزل		ثاقب رضوی ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی	۵۳
۱۳	غزل		شفا اسعدی	۵۳
۱۴	غزل		شاہدہ سلطانہ ناز بی۔اے۔ بی۔ٹی	۵۴
۱۵	فکر تونسوی کا جنم دن	طنزیہ	فکر تونسوی	۵۵
۱۶	صلح	افسانہ	آمنہ ابوالحسن	۵۹
۱۷	غزل		امر چند قیس جالندھری	۶۴
۱۸	ویرانے کے پھول	افسانہ	نور شاہ	۶۵
۱۹	پابندیاں		عبدالرب صدا سیونوی	۷۰

قیمت فی پرچہ ۷۵ نئے پیسے

سالانہ قیمت خاص نمبر سمیت ہندوستانی و پاکستانی سکوں میں آٹھ روپے۔ ممالک غیر سے ۱۴ شلنگ

مستقل خریداروں کو آٹھ روپے سالانہ قیمت میں سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ دو عظیم الشان قیمتی خاص نمبر بھی دیئے جاتے ہیں۔ جن کی قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے فی پرچہ ہوتی ہے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی

۲۰	غزل		[illegible]	۷۰
۲۱	چل چلاؤ		احمد حسن [illegible]	۷۰
۲۲	غزل		مینا قاضی	۷۰
۲۳	افسانے	طنزیہ	جہاں گرو کے قلم سے	۷۳
۲۴	بے پایاں مسرت کا راز		نجم الرحمٰن فاروقی ایم اے	۷۷
۲۵	لکھنؤ کے شب و روز	انشائیہ	پروفیسر رضیہ سجاد ظہیر ایم اے	۸۱
۲۶	غزل		کرشن موہن ایم اے	۸۶
۲۷	غزل		محسن زیدی ایم اے	۸۶
۲۸	غزل		صوفی جیاروی	۸۸
۲۹	صحت و زندگی		جب ہم اپنے دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک مفید سبزی۔ اگر آپ مسرور و مطمئن رہنا چاہتے ہیں۔ آپ کا بچہ [illegible]	۸۹
۳۰	سالنامہ دیکھا		اہلِ قلم حضرات کی رائیں	۹۳
۳۱	سرگوشیاں		سوال و جواب	۹۷

تیر و نشتر

"کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کیسے بند ہو؟" روہتک میں کانفرنس ——
واحد علاج یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو کھانا پینا چھوڑ دیا جائے۔ نہ کوئی کھائے گا
نہ ملاوٹ ہوگی۔

"سردی سے بچنے کے لئے ہدایات" ایک عنوان —— آپ کے پاس
کپڑے نہیں تو شال و دوشالے اوڑھیے۔ کھانے کو کچھ نہیں تو انڈا، مچھلی،
کاجو، بادام وغیرہ خشک میوے کھائیے۔ کوئلے نہیں ملتے تو ہیٹر جلائیے۔

"ہندوستان نے بہت ہی غلط وقت پر گوا میں کارروائی کی ہے" راج
گوپال آچاریہ کا بیان —— پنڈت جواہر لال نہرو کو چاہئیے کہ راجہ جی کو
راج جیوتشی مقرر کر دیں۔

"گوالیار کے چڑیا گھر میں اضافہ" ایک خبر —— جن کو کانگرس
ٹکٹ نہیں ملا۔ اُن کو یہ اعزاز دیا گیا ہے۔

"امن کے لئے کام کیجئے" سالِ نو کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو کا
پیغام —— جس طرح رُوس نے زہریلے بموں کے تجربات کے ذریعے
کیا ہے۔

"بھارت میں اینٹوں کی گرانی" —— تاکہ وہ الیکشن کے کسی
ہنگامے میں استعمال نہ ہو سکیں۔

خوشتر گرامی

"وہ ملک جہاں انسانی ہڈیوں کی بانسریاں بنائی جاتی ہیں" —— اُن
ملکوں کے لئے تجارتی منڈی بن سکتا ہے جہاں انسانی خون سے ہولی کھیلی
جاتی ہے۔

"کانگرسی حکومت بدعنوانیوں کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہی ہے" سنت
فتح سنگھ کی تقریر —— اور وہ پنجابی صوبہ بنانے میں بھی ناکام رہی ہے۔

"وہ وقت آئے گا جب سب دیشوں کے لوگ خلا میں سفر کریں گے"
گگارن کی تقریر —— بشرطیکہ رُوس کے زہریلے بموں سے لوگ اُس وقت
تک محفوظ رہے۔

"دلی ایڈمنسٹریشن کی ہاؤسنگ اسکیم محض فراڈ" ایک عنوان ——
جس کے نتیجے میں گھر والے زیادہ گھروں والے اور بے گھرے بے در ہو رہے
ہیں۔

"بھارت اور چین میں پنچ شیل کا تاریخی معاہدہ ختم ہو گیا" ایک عنوان
—— اور ہندی چینی بھائی بھائی کا معاہدہ؟ جب تک اجے گھوش اینڈ کمپنی
زندہ ہیں یہ نعرہ قائم ہے۔

"پاکستان سے آئے شرنارتھیوں کے لاکر اور سیف ڈپازٹ انھیں جلد
واپس مل جائیں گے" —— مگر انھیں اِن کی واپسی سے قبل وزیرِ بحالیات کو الیکشن میں ووٹ دینا ہوگا۔

[illegible] سالانہ [illegible] کے علاوہ [illegible] کی سپلائی بھی ہم نے بند کر دی ہے۔ رسالہ کے خریدار مقامی ایجنٹوں سے بیسویں صدی خرید سکتے ہیں



بچوں کو احتیاط سے پالنا [illegible] ایک عنوان ——— اس [illegible] … چیلوں اور عقابوں [illegible]

"دہلی یونیورسٹی خط و کتابت کے ذریعے تعلیم دینے کا کورس شروع کرے گی" ——— تاکہ ان پڑھ لیڈر چپکے چپکے بذریعہ خط و کتابت تعلیم حاصل کر سکیں۔

"گوا میں ابھی تک جنگ ہو رہی ہے" پرتگال کا دعویٰ ——— زار صاحب! جاگئے، خواب ختم ہوا۔ ہندوستانی فوجیں پرتگالی سامراج کو ختم کر کے واپس بھی ہو گئیں۔

"چین میں چور بازاری کا زور بڑھ رہا ہے" ایک خبر ——— جیسا راجہ ویسی پرجا۔ اس نے چوری چھپے دوسرے ملکوں پر قبضے کئے۔ عوام نے چور بازاری شروع کر دی۔

[illegible] اور [illegible]

[illegible] وزیر صحت [illegible]

والا۔ [illegible]

پاکستانی احباب	غلام محی الدین خضر	مقیم کراچی	سے	بھگتان ٹوکن [illegible]



"جنگ کا واحد نعم البدل محبت" : ایک عنوان ــــــ کیوپڈ زندہ باد!

... امی لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے" مرکزی وزیر خوراک ... ـــ آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ امریکہ ... سے زراعت کو آگے بڑھانے والے آلات بطور قرض خرید ...

... کیونکہ ... مردانہ ٹیم ...

... سے مرنے والوں کی تعداد ... تک جا پہنچی" ــــ ... بھی ابھی آنا تھا کم از کم ووٹ ڈالنے کی مہلت تو دی ہوتی ـ

"دلی کارپوریشن کو مرکزی سرکار سے گرانٹ" ـــــ تاکہ کارپوریشن کے ممبروں کے وفود غیر ممالک کو جا سکیں)۔

"کیرالا ... فیڈریشن کے زیر اہتمام سماجی کلچرل کانفرنس کا اہتمام" ـــ ... ٹھیک ایک روز پہلے ہونا چاہئے۔

"اقلیتوں کو ان کی شکایات پر بحث کا پورا موقع ملنا چاہیے" لوک سبھا کے اسپیکر کی تقریر ـــ ... اس ... صورت ان کی ... داروں کی بھی تو ہونی چاہئے۔

جعلسازی کا علم "بیسویں صدی" کے ہزاروں روپے دھوکا اور فریب



"مرغی کے بچوں کو احتیاط سے پالیے" ایک عنوان ——— اس لئے کہ بہت سے گدھوں، چیلوں اور عقابوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔

"دلی یونیورسٹی خط و کتابت کے ذریعے تعلیم دینے کا کورس شروع کرے گی" ——— تاکہ ان پڑھ لیڈر چپکے چپکے بذریعہ خط و کتابت تعلیم حاصل کر سکیں۔

"گوا میں ابھی تک جنگ ہو رہی ہے" پرتگال کا دعویٰ ——— زار صاحب! جاگئے، خواب ختم ہوا۔ ہندوستانی فوجیں پرتگالی سامراج کو ختم کر کے واپس بھی ہو گئیں۔

"چین میں چور بازاری کا زور بڑھ رہا ہے" ایک خبر ——— جیسا راجہ، ویسی پرجا۔ اس نے چوری چھپے دوسرے ملکوں پہ قبضے کئے۔ عوام نے چور بازاری شروع کر دی۔

"ہماچل پردیش میں خوراک کی صورتِ حال نازک ہو جانے کا خطرہ" ایک خبر ——— ہو جانے دو کیا ہوا۔ زیادہ سے زیادہ دو چار ہزار آدمی مر جائیں گے۔ اور بس۔

"الیکشن کے دوران میں پولیس غیر جانبدار رہے گی" ایک عنوان ——— یعنی کسی کو ووٹ نہ دے گی۔

"قومی یک جہتی کے بارے میں ایک عالمگیر مرکزی ادارے کی ضرورت ہے" وزیرِ صحت کی دلی میں تقریر ——— اداروں سے کچھ نہیں ہونے والا۔ انجکشن ایجاد کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستانی احباب	غلام محی الدین خضر	مقیم کراچی	کے	ہتھکنڈوں	سے	بچیں



"جنگ کا واحد نعم البدل محبت" ایک مضمون ——— کیوپڈ زندہ باد!

"ہندوستان زراعتی لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے" مرکزی وزیر خوراک شری پاٹل کا بیان ——— آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ امریکہ کا قصد کریں اور وہاں سے زراعت کو آگے بڑھانے والے آلات بطور قرض خرید کر لائیں۔

"ہندوستان کی زنانہ ٹیم سیلون جائے گی" ——— کیونکہ ہماری مردانہ ٹیم نے چوڑیاں پہن لی ہیں۔

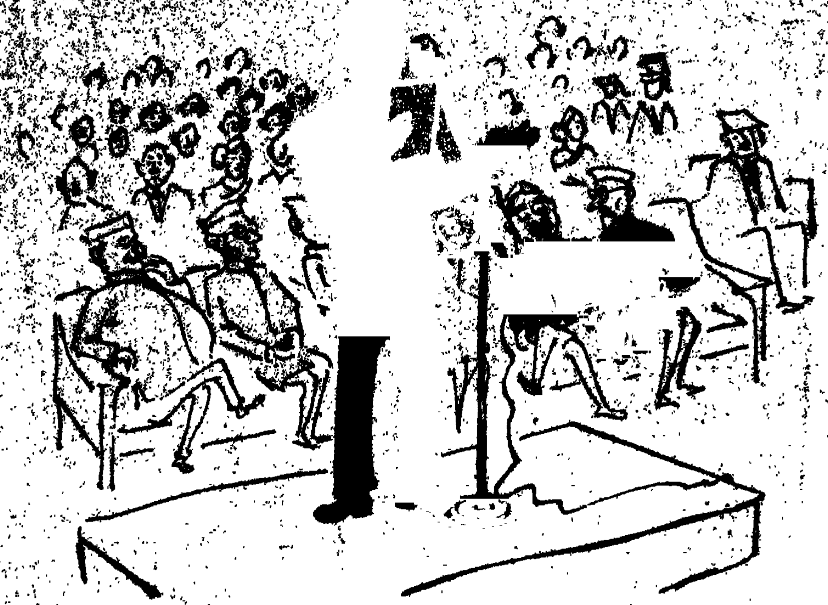
"یو۔پی میں سردی سے مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی" ——— موت کو بھی ابھی آنا تھا۔ کم از کم ووٹ ڈالنے کی مہلت تو دی ہوتی۔

"دلی کارپوریشن کو مرکزی سرکار سے گرانٹ" ——— تا کہ کارپوریشن کے ممبروں کے وفود غیر ممالک کو جا سکیں۔

"کیرالا میں مسلم جماعت فیڈریشن کے زیر اہتمام سماجی کلچرل کانفرنس کا اہتمام" ——— پولنگ سے ٹھیک ایک روز پہلے ہونا چاہئے۔

"اقلیتوں کو اُن کی شکایات پر بحث کا پورا موقع ملنا چاہئے" لوک سبھا کے اسپیکر کی تقریر ——— اس میں کیا مضائقہ ہے۔ کوئی صورت اُن کی داد رسی کی بھی تو ہونی چاہئے۔

یہ جعلساز اعظم "بیسویں صدی" کے ہزاروں روپے دھوکہ اور فریب سے ہضم کر چکا ہے۔



"بے اصول لوگوں نے قیادت پر قبضہ کر رکھا ہے"۔ پنجاب یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں اٹارنی جنرل کی تقریر ——— یہ سُن کر سب کی طرف [illegible]

"دماغ کی ترقی کے لئے دواؤں کا نسخہ" ——— یہ چینیوں کو دے دیجئے اگر وہ یہ لے کر چلے جائیں۔

"پاک قومی دواخانہ کیوں مشہور ہے" ایک عنوان ——— یہ سابق سیاست دانوں کے دماغی خلل کو دور کرنے کے لئے مفت علاج کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔

"میں سینکڑوں الیکشن ہارنے کو تیار ہوں۔ لیکن بھارت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" پنڈت جواہر لال نہرو ——— اور کرشنا مینن کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

"دوستی ختم کرنے کا آسان طریقہ" ایک عنوان ——— قرض لو اور پھر واپس نہ کرو۔ دینے والا مانگے تو آنکھیں دکھاؤ۔

"صدر ناصر پاکستان کے مشورے سے اسلامی کانگریس کو انقلابی ادارہ بنائیں گے" ——— تاکہ اسلامی ممالک کو گندے سیاستدانوں سے پاکستان کی طرح نجات دلائی جا سکے۔

"حیدرآباد میں اردو کانفرنس" ——— جس کا پروگرام تھا تشدد و [illegible]

"[illegible] مسلمانوں کے لئے آئندہ [illegible] ثابت ہوگی" ایک اخباری عنوان ——— آخر [illegible] نظریات والی جماعت تو ایک [illegible] چاہیے۔

بھیّا جی

کرشن چندر ایم اے

کوور لاج۔ چار بنگلہ۔ اندھیری۔ بمبئی

۷ / دسمبر ۱۹۶۱ء

عزیز بھائی!

...... نئے سال کا نیا تحفہ "بھیّا جی" بھیج رہا ہوں۔ پڑھئے اور لطف اٹھائیے۔ اور اپنے ساتھ قارئین کو بھی شریک کیجئے۔ سالنامہ بہت پسند آیا۔ ہر لحاظ سے بہت خوب ہے۔۔۔

آپ کا ...... کرشن چندر

چونی بھائی نہ اولڈ بائٹ کلب کے ممبر تھے نہ اونڈر برن کلب کے لیکن دونوں کلبوں میں بڑی تعظیم و تکریم سے بلائے جاتے تھے اور اب مسلسل دو سال سے یعنی جب سے اُن کے چھوٹے بھائی کا تقرر بطور انکم ٹیکس کمشنر ہوا تھا وہ کلب کی ہر بڑی محفل میں بطور ایک معزز مہمان کے ضرور شرکت کرتے تھے۔ اس کے لئے اُنھیں کسی قسم کا تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ہر روز خود بخود دعوت نامے اُن کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ آج کھیم جی کلیان جی نے اُن کی سالگرہ کی تقریب پر کلب میں چھپّیس دوستوں کو بلایا ہے تو کل سٹینڈرڈ پلاسٹک مل کے مالک سیٹھ دولت رام بانگا نے اپنی مل کا نیا سیکشن کھل جانے کی خوشی میں ایک پارٹی دی ہے جس میں شرکت کرنے کے لئے چونی بھائی سے ذاتی طور پر پانچ بار درخواست کی ہے۔ پرسوں رانی ہیرا بائی جھاؤ نکر نے بوفے اور ڈانس میں چونی بھائی کو مدعو کیا تھا اور دعوت نامہ خود رانی صاحبہ کی بڑی لڑکی کملا بائی جھاؤ نکر نے اپنے ہاتھ سے چونی بھائی کے ہاتھ میں دیا تھا۔ بلکہ چونی بھائی کا ہاتھ دبا کر بڑے پیار اور اصرار اور ایک عجیب دلکش ادا سے اٹھلا کر کہا تھا۔

"دیکھئے بھیّا جی! اگر آپ ہماری پارٹی میں نہیں آئے تو میں عمر بھر آپ سے نہیں بولوں گی۔"

اور چونی بھائی کملا بائی کی دل کش مسکراہٹ، اُس کے ہاتھوں کے نرم دباؤ اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے یاقوتی ہار کی چکا چوند سے ایک پالتو کُتے کی طرح اپنے فقرے کی دُم ہلاتے ہوئے بولے۔

"کیوں نہیں آؤں گا جی ای ای میں ایں ایں میں تو ضرور آؤں گا۔ آآ۔ آپ بُلائیں اور میں نہ آؤں اُوں اُوں؟ یہ تو وہی مجنوں ہو گیا۔ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔ کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔ ایں ایں۔ ای ای ای!"

چونی بھائی کو سب لوگ بھیّا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ چاہے وہ اُن سے عمر میں چھوٹے ہوں۔ چاہے بڑے ہوں۔ اور ہر محفل میں اُن کی یکساں عزت ایک خاص رکھ رکھاؤ سے ہوتی تھی۔ جیسے ہر محفل کے مہمان خصوصی وہی ہوں۔ اب یہ تو ہر ایک کو معلوم ہو چکا تھا کہ بھیّا جی عورتوں کی محفل میں بہت چہکتے ہیں۔ کلب کے ممبروں کے الفاظ میں اُنھیں عورتوں کی کمپنی بہت پسند ہے۔ اسلئے ہر محفل میں اِس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ اُن کی سیٹ ایسی جگہ ہو جس کے اِرد گرد دو چار خوش شکل اور خوش مزاج عورتیں ضرور بیٹھی ہوں۔ یوں بھی یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ چونی بھائی کے سامنے بدمزاج سے بدمزاج حسینہ بھی یوں پوری بتیسی کھول کر ہنسنے لگتی ہے جیسے اُس کے سامنے چونی بھائی نہ بیٹھے ہوں بلکہ بیش قیمت ڈائمنڈ کا سیٹ رکھا ہو۔ بھیّا جی یوں تو صوبہ گجرات کے رہنے

والے تھے لیکن اُن کی عمر کا بیشتر حصہ شمالی ہند کی ایک فرم میں اکاؤنٹینسی کرتے گزرا تھا۔ جہاں سے وہ آخر میں حساب میں کوئی شدید گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے نکالے گئے تھے۔ اب دو سال سے بمبئی میں مقیم تھے اور اپنے سانتا کروز کے آبائی گھر میں رہتے تھے وہ کیا کرتے تھے، یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ البتہ وہ پچھلے دو سال سے برابر کلب میں دیکھے جاتے تھے۔ اُن کا قد ناٹا، جسم دُبلا اور آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنی ٹیڑھی میڑھی ٹانگوں سے لگڑ بگڑ کی طرح چلتے تھے۔ لیکن کلب کے ممبروں کو اُن کی یہ بے ہنگم چال بھی پسند تھی۔ اور کنور بلدیو سنگھ نے ایک بار اُن کی چال کو سراہتے ہوئے کہا تھا۔

"بھیا جی! آپ نے کیا شاہانہ چال پائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ ضرور پچھلے جنم میں کوئی راجہ ہوں گے"

ایک کنور کے مُنہ سے اپنی چال کی یہ تعریف سُن کر بھیا جی جامے سے باہر ہو گئے تھے۔ اور دوسرے دن سے اپنی ٹانگوں کو اور بھی پھیلا پھیلا کر چلنے لگے تھے۔ یہ صورت حال تھی تو مضحکہ خیز لیکن بھیا جی لوگوں میں اس قدر مقبول تھے کہ کسی کو آج تک اُن پر ہنسنے کا خیال تک نہ آیا تھا۔ شروع شروع میں آج سے دو سال پہلے دو ایک لوگوں نے اُن کی موجودگی پر ناک بھوں چڑھائی تھی۔ لیکن جوں ہی اُنھیں معلوم ہوا کہ بھیا جی کا چھوٹا بھائی انکم ٹیکس کمشنر ہے، اُنھوں نے فوراً اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ اور بھیا جی سے اِس طرح ہنسنے بولنے لگے جیسے وہ اُن کے اپنے ہی گھر کے ایک معزز رکن ہوں۔ شروع شروع میں کلب کے اندر داخل ہوتے ہی اُن سے پُوچھا جاتا۔ آپ ممبر ہیں تو کارڈ دکھائیے۔ مہمان ہیں تو اپنے میزبان کا نام بتلائیے لیکن اب اُن سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ ہوتی تھی۔ بلکہ نام پوچھنے والا سٹیوارڈ اب اُنھیں جھک کر فرشی سلام کرنے لگا تھا۔ بھیا جی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ شمالی ہند میں متواتر پچیس سال رہنے سے اُنھیں اُردو شاعری سے خاص لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ بلکہ کلب میں آنے کے بعد وہ خود بھی شاعر ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں اُنھوں نے غالبؔ، مومنؔ، ناسخؔ، داغؔ کے اشعار غالبؔ، مومنؔ، ناسخؔ، داغؔ کے نام سے سُنائے تھے۔ اب ہر شاعر کا کلام اپنے نام سے سُناتے تھے۔ کیونکہ اُنھوں نے اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا کہ سیمنٹ، پلاسٹک اور لوہا بیچنے والے لکھ پتیوں کے لئے یہ نام بالکل اجنبی ہیں۔ جن لوگوں نے آج تک اپنی پاس بُک کے سوا اور کوئی کتاب نہ پڑھی ہو اُن کے سامنے شاعری چاہا کرنا سی بڑی بات ہے۔ پھر جن لوگوں نے زندگی بھر انکم ٹیکس کی چوری کی ہو وہ چند شعروں کی چوری پر بھلا کیوں اعتراض کریں گے۔ اِس لئے کلب کے جو چند پڑھے لکھے بھی تھے وہ بھی انتہائی ذوق و شوق سے بھیا جی سے اُن کا تازہ کلام سُنتے تھے اور بڑھ بڑھ کر داد دیتے تھے۔

شاعری کے علاوہ بھیا جی ایک بہت بڑے لطیفہ گو بھی تھے۔ جب محفل میں بیٹھتے دو تین تازہ لطیفے ضرور سُناتے۔ جس پر محفل میں وہ بلند بانگ قہقہے بلند ہوتے کہ بھیا جی خود اپنی فراستِ طبع پر حیران ہونے لگتے۔ آہستہ آہستہ اُن کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے اُنھیں یقین دلا دیا کہ وہ بہترین لطیفہ گو اور شاعر ہیں اور یہی اُن کی وہ خوبیاں ہیں جن سے وہ ہر محفل کی جان ہوتے ہیں۔ اب ہر ماہ وہ بڑی پابندی سے انگریزی جوک بک اور دوسری لطیفوں کی کتابیں خرید تے تھے اور اُن میں سے لطیفے یاد کر کے کلب میں سُناتے تھے۔ اِسی طرح اُنھوں نے اپنے ہمسائے امیر علی بے کس سے دوستی کر رکھی تھی۔ جو خود ایک شاعر تھا۔ اور جس کے پاس اُردو زبان کے بہت سے رسالے آتے تھے۔ ہر ہفتہ صبح سیر کرتے ہوئے بھیا جی امیر علی کے مکان پر پہنچ جاتے اور اُس سے اچھے اچھے شعر سُن کر نقل کر لیتے اور پھر کلب میں آ کر سُناتے۔ ساری زندگی آنے پائی گنتے گنتے اور اپنے باس کی گھڑکیاں، دھمکیاں اور جھڑکیاں سہتے سہتے بھیا جی کی زندگی میں اب یہ موقع آیا تھا جب اُنھیں احساس ہوا کہ وہ ایک ممتاز سماج کے ممتاز رکن ہیں۔ اور اپنی ہمہ گیر خوب صورت شخصیت کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ کاش اُنھیں پہلے سے معلوم ہوتا کہ وہ اِتنی خوبیوں کے مالک ہیں تو وہ اکاؤنٹینسی کیوں کرتے کسی بزنس میں پڑ کر آج تک لکھ پتی بن گئے ہوتے!

کلب کی پہلی منزل کے مین لاؤنج میں سیٹھ بانکا کی پارٹی زوروں پر تھی۔ بھیا جی سفید ململ کی مہین دھوتی پر سیپ کے بٹنوں والی سفید اچکن پہنے مُسکراتے ہوئے اور لگڑ بگڑ کی چال چلتے ہوئے داخل ہوئے۔ اُن کے داخل ہوتے ہی لاؤنج میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔

"یہاں آیئے بھیا جی!" •

"نہیں یہاں بیٹھیے!"

"میرے پاس!"

"نہیں ہمارے پاس!"

"دیکھیے میں کب سے آپ کی راہ تک رہی ہوں" رانی ہیرا بائی نے ٹھنک کر اپنے نیلم کے بیش قیمت آویزے جھلاتے ہوئے بولی۔

بھیا جی کا دُبلا پتلا جسم فخر و مسرت سے کمان کی طرح تن گیا۔ انھوں نے پوری پارٹی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اور پھر رانی ہیرا بائی اور نیلوفر اور مسز جگن بھاؤ کی کرسیوں کے بیچ کی ایک خالی کرسی پر جا بیٹھے۔ لوگ ہنسنے لگے "بھئی کمال ہے جانے بھیا جی میں کیا گُن ہیں۔ عورتیں تو ان پر گری پڑتی ہیں۔ ہمیں تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ شاید راجہ اندر سے کوئی منتر سیکھ آئے ہیں۔" پرنس فیروز نے رشک آمیز لہجے میں ایسی بلند آواز سے کہا کہ سب لوگ ہنسنے لگے۔ سب سے اونچی ہنسی خود بھیا جی کی تھی۔

"کون سی وسکی پئیں گے؟"

سیٹھ بانگا نے خود آکر بھیا جی سے پوچھا۔

راج کماری کملا بائی نے مشورہ دیا۔ "دیکھیے میں شیمپین پی رہی ہوں۔ آپ بھی پیجیے!"

"اچھا صاحب! ہم بھی شیمپین ہی پئیں گے" بھیا جی کملا بائی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولے۔

بھیا جی کے لئے اُسی وقت شیمپین آگئی۔

مِس نیلوفر نے ذرا جھک کر بھیا جی کی اچکن کے بٹن دیکھے۔ انھیں چھو کر بولی۔

"موتیوں کے بٹن معلوم ہوتے ہیں!"

"جی نہیں" بھیا جی نے کہا "یہ تو سیپ کے بٹن ہیں"

"سیپ کے بٹن ہیں! ہرگز نہیں" رانی ہیرا بائی چونک کر بولیں۔ "مجھے تو موتی کے معلوم ہوتے ہیں"

سیٹھ اگر چند جوہری اپنی سیٹ سے اُٹھ کر بھیا جی کے قریب آگئے۔

انھوں نے غور سے بٹن دیکھ کر اور انھیں چھو کر کہا۔

"اُستاد ہمیں بناتے ہو۔ یہ تو عدن کے موتی ہیں۔ خالص موتی۔ اور تم انھیں سیپ کا بتلاتے ہو۔ ہم نے کیا بیس برس جوہری رہ کر بھاڑ جھونکا ہے؟"

بھیا جی ایک پُر اسرار مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر لے آئے۔ مگر منھ سے کچھ نہ بولے۔ اب اگر ان لوگوں کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ تو میں اپنا بھرم کیوں نہ کھولوں۔ انھوں نے سوچا اور سوچ کر شیمپین کا ایک بہت بڑا گھونٹ پی لیا۔ پھر رانی ہیرا بائی کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔

"آج کا تازہ لطیفہ سنا!"

"نہیں!"

"صبر سے مجے کا ہے"

رانی ہیرا بائی اٹھلا کر بولیں۔

"اب ہم تمھارے لطیفے نہیں سنیں گے۔ اب آپ تازہ کلام سناؤ بڑھیا والا"

بھیا جی نے فوراً پہلو بدلا اور کھنکار کر بولے۔

"سنو رانی جی! آج ہی یہ غزل کہی ہے ؎

منِ ناداں تجھے ہو کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے"

"واہ! واہ!" کنور بلدیو سنگھ ہنس کر بولے "منِ ناداں" کا جواب نہیں"
کنور بلدیو سنگھ نے سیٹھ ہیرا نند جی کے بمبئی میں بلیں کے قریب ڈرگ اسٹور تھے اور جو بمبئی میں انگریزی دواؤں کے سب سے بڑے سوداگر سمجھے جاتے تھے کہا۔ "کچھ سمجھے آپ؟"

سیٹھ ہیرا نند ذرا بہرے تھے۔ اِس لئے کنور بلدیو سنگھ کے چلانے پر ذرا چونک کر بولے۔

"بھیا جی! یہ بیت پھر پڑھنا۔ کنور بلدیو سنگھ اس کا مطلب مجھ سے پوچھتے ہیں"

بھیا جی نے اُسی تصرف کے ساتھ پھر پڑھا۔

"منِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ؏ آخر اس درد کی دوا کیا ہے"

"بہت آسان شعر ہے۔"

سیٹھ ہیرانند کنور بلدیو سنگھ کو سمجھاتے ہوئے بولے۔

"ڈاکٹر بولتا ہے اسے مریض تجھ کو کیا ہوا ہے۔ مریض کہتا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟ اس پر ڈاکٹر کہتا ہے۔ من ناداں!"

"مگر من ناداں کیا ہے سیٹھ جی؟"

کنور بلدیو سنگھ نے پھر پوچھا۔

"میرے خیال میں کوئی اس جانے کی پیٹنٹ دوا ہوگی۔ کیوں بھیا جی!"

"آپ ٹھیک کہتے ہو۔"

بھیا جی نے سر ہلا کر کہا اور آگے پڑھنے لگے۔

"عرض کرتا ہوں ۔

میں بھی منہ میں جبان رکھتا ہوں!

کاس پوچھو کہ مانگتا کیا ہے!"

کنور بلدیو سنگھ نے اب کے اپنے بائیں بازو بیٹھے ہوئے سیٹھ شکھانند سے پوچھا۔ جو سیٹھ ہیرانند کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور جو اس وقت بھیا جی کے شعروں پر سب سے زیادہ سر ہلا رہے تھے۔

"کیوں سیٹھ شکھانند جی! اس شعر کا مطلب کیا ہے؟ اپنی سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

سیٹھ شکھانند جی کنور بلدیو سنگھ کو سمجھانے لگے۔

"بہت سرل اور سیدھا ہے کنور جی! شاعر منہ میں جبان رکھتا ہے۔ کیا مانگ سکتا ہے؟"

"کیا مانگتا ہے؟"

کنور جی نے پوچھا۔

"روٹی!"

شکھانند نے فاتحانہ انداز سے شعر کا عقدہ حل کرتے ہوئے کنور جی سے کہا۔

کنور بلدیو سنگھ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

ابھی بھیا جی غالب کے تیسرے شعر کا تیا پانچہ کرنے والے تھے کہ رانی ہیرا بائی جھاؤ لکر انھیں محفل سے اٹھا کر ایک طرف لے گئیں۔

"آپ سے ایک کام ہے بھیا جی!"

"فرمائیے رانی جی!"

"میرے حساب کتاب میں بڑی گڑبڑ ہے۔ میرا اکاؤنٹنٹ نہایت احمق ہے۔ بھگوان جانے کیسے حساب جوڑتا ہے کہ ہر سال انکم ٹیکس گھٹنے کی بجائے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں اس سال بھی آپ میرا حساب کتاب ٹھیک کر دیں۔ ویسے تو اس نے سب تیار کر کے رکھا ہے۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ اسے ٹھیک طرح سے دیکھ لیں۔ اس کام کے میں تین ہزار روپے آپ کو دوں گی۔ کل سے کام شروع کر دیجئے۔"

"میں تو آپ کا داس ہوں رانی جی!" بھیا جی مسکراتے ہوئے بولے۔ "آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔"

"پرسوں شام آپ میری کوٹھی پر آ جائیے گا۔ میں سب سمجھا دوں گی اور پانچسو روپے ایڈوانس بھی دے دوں گی!"

"اس کی کیا جرورت ہے رانی جی!"

"اس کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے بھیا جی!"

اتنے میں ایک کونے میں بھیا جی اور رانی جی کو بات کرتے دیکھ کر مس نیلوفر چلی آئیں۔

"ارے بھیا جی! وہاں دیر سے کھڑے کیا میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہو رانی جی سے۔ اپنے سب حقوق انھیں کے نام مت لکھ دو۔ کچھ ہمارے لئے بھی رہنے دو۔ ادھر آؤ۔"

بھیا جی مسکراتے ہوئے مس نیلوفر کی طرف روانہ ہوئے۔

سیٹھ اُبٹن والا چلا کر بولے۔

"کیوں پرنس فیروز! بھیا جی میں کیا بات ہے، ہر وقت خوبصورت عورتیں انھیں گھیرے رہتی ہیں!"

"صاحب! ہماری سمجھ میں خود کچھ نہیں آتا" پرنس فیروز ایک لمبے سگار سے راکھ جھاڑتے ہوئے بولے۔ "اب تک تو میں سمجھتا تھا کہ خوبصورت عورت مرے کا ڈبہ ہوتی ہے جس کے گرد مرد جیونٹیوں کی طرح منڈلاتے

رہتے ہیں۔ لیکن یہاں تو مرتبے کا ڈبہ عورت کی بجائے ایک مرد ہے۔"

"ہی از اے ڈارلنگ!"

مس نیلوفر نے پیار بھری نظروں سے مہتہ جی کی طرف دیکھتے ہوئے اس طرح کہا کہ ساری محفل لوٹ پوٹ ہوگئی۔

جب پارٹی عین شباب پر تھی تو سیٹھ اُبٹن والے نے اعلان کیا کل سہپر میں نیہار جھیل پر ایک شاندار پکنک کا انتظام کیا ہے۔ دن میں مچھلیاں پکڑی جائیں گی اور رات کو قوالی ہوگی۔"

"مچھلیاں رات کو کیوں نہیں پکڑ سکتے؟"

نوجوان لکھ پتی نے نیلوفر کی آنکھوں میں جھانک کر معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پھسل جاتی ہیں!"

نیلوفر نے آنکھوں کے آگے شیمپین کا جام لا کر شوخی سے یوں۔ پھر اُس کے ہونٹ شیمپین میں ڈوب گئے۔

اور پتی سوچنے لگا۔

"یہ شیمپین میں بھیگے ہوئے گلابی ہونٹ کتنے پتلے اور باریک کٹے ہوئے ہیں۔ نیلوفر کس مشاقی سے ہلکا سا لپ اسٹک لگاتی ہے کہ ہونٹوں کا ہر خم واضح ہوکر اُبھر آتا ہے۔ آج کل کی عورتیں خود ہی تصویریں ہیں۔ خود ہی مصور ہیں۔ خود ہی مچھلی خود ہی ماہی گیر!

"ارے بھیا جی کا گلاس خالی ہے۔ شیمپین لاؤ!"

سیٹھ اُبٹن والا چلا کر بولے۔

پھر خود اپنے ہاتھ سے بھیا جی کو جام دیتے ہوئے بولے۔

"کل شام آپ ضرور آئیں گے!"

"آؤں گا اور ایک قوالی بھی لکھ کر لاؤں گا۔" بھیا جی شیمپین کا ساتواں گلاس چڑھاتے ہوئے بولے۔

"آپ یہیں کلب میں آجانا۔ میں آپ کو اپنی اسٹیشن ویگن میں لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے!"

بھیا جی اطمینان سے سر ہلا کر بولے۔

دوسرے دن سہپر سے ایک گھنٹہ پہلے ہی بھیا جی کلب کے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے پائے گئے۔

انھوں نے پرنس فیروز کو اپنے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا۔

"پرنس بھیروج آؤ تمھیں نیا جوک سناؤں ۔ ۔ ۔ ۔ ایک تھا سیلزمین۔ وہ ایک اسٹور میں کالا ربن بیچتا تھا۔"

"کالی کیوں بیچتا تھا؟" پرنس فیروز نے بھڑک کر کہا۔ "اودی کیوں نہیں بیچتا تھا، نیلی کیوں نہیں بیچتا تھا؟"

چوبی بھائی ایک دم چونک گئے۔

آج تک پرنس فیروز نے اُن سے اس طرح کبھی بات نہیں کی تھی۔ مگر وہ سادہ مزاج تھے۔ طرح دے گئے۔

ہنس کر بولے۔

"یار، تم پورا جوک تو سنو!"

"یار؟ کون یار؟ کس کا یار؟" پرنس فیروز نے بھڑک کر کہا۔ "معاف کیجئے گا چوبی بھائی۔ میں اس قسم کی بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔"

یہ کہہ کر پرنس فیروز وہاں سے چلے گئے۔

اور چوبی بھائی کا منھ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ لیکن آدمی موٹی کھال کے تھے۔ چند لمحوں کے بعد اُنھوں نے کنور بلدیو سنگھ کو گھیر لیا۔

"کنور جی میں نے آج کے فنکشن کے لئے نئی قوالی لکھی ہے۔ ذرا سنئے عرض کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

"معاف کیجئے گا بھیا جی! مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے۔" کنور بلدیو سنگھ تنک کر بولے۔ "اور پھر میں آپ کی قوالی سن کر کیا کروں۔ اُس میں نہ وزن ہوتا ہے نہ قافیہ۔ نہ شعر ٹھیک نہ زبان۔ نہ محاورہ نہ روزمرہ۔ جیسی آپ کی قوالی ویسے آپ کے جوک! میں سخت بور ہو چکا ہوں آپ سے۔" اتنا کہہ کر بلدیو سنگھ اپنا انتہائی بیزار سا چہرہ لے کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔

بھیا جی کا دماغ بھنا گیا۔

کسی نے آج تک کلب میں اُن کی اس طرح بے عزتی نہیں کی تھی۔ پہلے پرنس فیروز، پھر کنور بلدیو سنگھ۔ جانے ان لوگوں کو آج ہو کیا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد اُنھیں رانی ہیرا بائی جھاؤنکر اپنی طرف آتی دکھائی دیں بھیا جی اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے فخر و مسرت سے تن گئے۔ اور اتنے تنے کہ اُنھیں اُٹھ کر رانی جی کو تعظیم دینا بھی یاد نہ رہا۔ مگر رانی ہیرا بائی اُن کے پاس آکر زیادہ دیر نہیں رُکیں۔

جلدی جلدی بولتے ہوئے کہنے لگیں۔

"آپ کل شام کو نہ آیئے گا۔ میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہی ہوں۔ دو دن کے بعد لوٹوں گی۔"

"تو میں دو دن کے بعد آجاؤں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود واپسی پر فون کر دوں گی۔ آپ خواہ مخواہ تکلیف نہ کریں۔ بائی بائی!"

اتنا کہہ کر رانی ہیرا بائی جھاؤنکر بھی تیزی سے پلٹیں۔ اور لاؤنج کے دوسرے کونے میں چلی گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد جب سیٹھ اُبٹن والا لاؤنج میں داخل ہوئے تو انھوں نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔

لوگ مختلف کونوں میں مختلف ٹکڑیوں میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے سیٹھ اُبٹن والا نے طائرانہ نگاہوں سے اپنے دوستوں کا جائزہ لیا۔ جن کو وہ اپنے ساتھ پک نک پر لے جانے والے تھے۔

"ارے بھئی تیار ہو جاؤ۔ سب سامان تیار ہو گیا۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔

کنور جی ——!

پرنس صاحب ——!

سیٹھ بانگا ——!

شکھانند جی ——!

ہیرانند جی ——!

نصھروان جی ——!

کملا بیٹی ——!

مس نیلوفر ——!

مس رضیہ ——!"... سیٹھ اُبٹن والا ایک ایک کا نام لے کر بلانے لگے۔ اور لوگوں کو اکٹھا کر کے کلب سے باہر گاڑیوں میں بھرانے لگے۔

دو تین بار وہ چونی بھائی کی کرسی کے قریب سے گزر گئے۔ اُن کی نظر بھیا جی پر نہیں پڑی۔ حالانکہ بھیا جی نے دو تین بار اُن کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا لیکن اُدھر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

'بے چارہ سیٹھ کس قدر مصروف ہے!'

چونی بھائی نے ہمدردی کے لہجے میں اپنے آپ سے کہا۔

پھر خود ہی اُٹھ کر اُنھوں نے دو تین بار سیٹھ اُبٹن والا کے گرد چکر کاٹے لیکن سیٹھ اِس قدر مصروف تھا کہ اُن کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ آخر جب لاؤنج سے بہت سے آدمی نکل گئے اور صرف دو تین آدمی باقی رہ گئے تو بھیا جی نے سیٹھ اُبٹن والا کو آخر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"میں تو آپ کی اسٹیشن ویگن میں جاؤں گا نا؟"

بھیا جی نے سیٹھ سے پوچھا۔

"اوہ! ساری!!" سیٹھ اُبٹن والا نے بڑی رکھائی سے کہا "میری اسٹیشن ویگن میں تو اب جگہ ہی نہیں ہے۔"

"اے پاکسی ——!"

سیٹھ دوسری طرف پلٹ کر بولا۔

"پاکسی دیکھنا! سب لیڈیز گاڑیوں میں بیٹھ گئیں۔ ذرا چیک اپ کر لو میں ذرا ایئر چیک اپ کر لوں۔"

سیٹھ اُبٹن والا اپنے دو تین ساتھیوں کو ساتھ لے کر لاؤنج سے باہر نکل گئے!

اب لاؤنج کے اندر مکمل سناٹا تھا۔

اتفاق سے ایک بھی ممبر موجود نہ تھا۔

سیٹوارڈ اپنے اسسٹنٹ کو لئے ایک کھڑکی میں کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ چونی بھائی بہت حیران و پریشان ہو کر ایک کونے میں ایک میز کے کنارے بیٹھ گئے اور اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگے۔

اسسٹنٹ نے سیٹوارڈ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے آج بھیا جی کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہے۔ کوئی اُن سے

ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتا۔ آج وہ کلب میں اکیلے بیٹھے ہیں!"

"احمق! کیا تم جانتے نہیں ہو"

سٹیوارڈ طنز آمیز نگاہ سے بھیا جی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج بھیا جی کے چھوٹے بھائی کا ٹرانسفر ہو گیا ہے"

"کون؟ وہ جو انکم ٹیکس کمشنر تھا؟"

"ہاں آج اُس کا تبادلہ بمبئی سے دہلی ہو گیا ہے"

"یہ بات ہے!"

اسسٹنٹ ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔

بھیا جی نے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر اپنا دماغی توازن ٹھیک کرنے کے لئے جلدی سے ایک بیرے کو بلایا۔ اور بولے۔

"سکاچ کا ایک بڑا پیگ لاؤ!"

"کس کے حساب میں صاب؟"۔۔۔۔ بیرے نے پوچھا۔۔۔۔ "آپ تو ممبر نہیں ہیں!"

بھیا جی چونک گئے۔

اور چونک کر بھڑک گئے۔

پھر ذرا غصے میں بولے۔

"کسی کے حساب میں لے آؤ۔۔۔۔۔ روز تو لاتے ہو اور آج پوچھتے ہو کس کے حساب میں؟۔۔۔۔۔ جاؤ کسی کے حساب میں لے آؤ۔ پرنس کے کنور کے، سیٹھ اُبٹن والا کے۔۔۔۔۔ کسی کے حساب میں ڈال کر لے آؤ۔۔۔۔!"

آج آرڈر نہیں ہے صاب!"

"کیا کہا۔۔۔۔؟!!"

بھیا جی گرج کر بولے۔

اور کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آج سے آرڈر نہیں ہے صاب!" بیرہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے سر جھکا کر آہستہ سے بولا۔

کچھ دیر تک تو چونی بھائی چپ چاپ حیرت سے کھڑے بیرے کو دیکھتے رہے۔ پھر جیسے اُن کی سمجھ میں آ گیا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور اُنھوں نے جلدی سے اپنا سر جھکا لیا۔ اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کلب سے باہر نکل گئے۔ اور اُس دن کے بعد وہ کبھی بورن کلب میں نہیں دیکھے گئے پھر کبھی اُنھیں اُس کا راستہ نہیں ملا۔۔۔۔۔!!

غزل



ڈاکٹر عندلیب شادانی ایم اے۔ پی ایچ ڈی

وقت کے تقاضوں پر کس کا زور چلتا ہے
حسن بھی بدلتا ہے، عشق بھی بدلتا ہے

ڈوب کر گھٹاؤں میں چاند جب نکلتا ہے
قہر ہے یہ ٹھنڈی آگ، دل کا شہر جلتا ہے

حسن بے نیاز اُس کا، آرزو غیور اپنی
عرضِ شوق ناممکن، لاکھ دم نکلتا ہے

تم نے ناز اُٹھائے کیوں، چل گیا دماغ اُس کا
بات بات پر کم بخت اب یہ دل مچلتا ہے

تیری کم نگاہی نے کھول دیں مری آنکھیں
ٹھوکریں ہی کھا کھا کر آدمی سنبھلتا ہے

تیرے قرب کے قربان! رُت بدل گئی کیسی
چاند اِس قیامت کا، روز کب نکلتا ہے

تم نے آج دیکھے ہیں، یہ کنول سرِ مژگاں
کب سے اِن چراغوں میں دل کا خون جلتا ہے

تم سے اپنی قسمت میں صرف خار لکھے تھے
ورنہ شاخِ گلبن سے پھول بھی نکلتا ہے

ہائے کیا قیامت ہے کشمکش تمنا کی
اِک چراغ بجھتا ہے اِک چراغ جلتا ہے

افسانہ

چراغ کی لَو

ٹھاکر پونچھی

راجندر نگر۔ نئی دہلی

مکرمی و محترمی! تسلیمات

.... افسانہ آپ کو پسند آئے گا۔ اور آپ اپنی گراں قدر رائے سے نوازیں گے۔ چراغ کی لَو میں ایک معصوم اَدھیڑ عمر کی لڑکی کا کردار پیش کیا گیا ہے جس میں انسانیت کا جذبہ بدرجۂ اتم ہے۔ لیکن اس مقدس جذبے کی گہرائیوں میں جھانکنے کی اپنے پرائے کوشش نہیں کرتے۔ میں نے جسارت کی ہے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ پڑھنے والے بتائیں گے۔ بیسویں صدی کا سالنامہ اب کی بار بھی ایک ادبی یادگار ہے اور تواریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بیسویں صدی کا ہر نمبر اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ آپ ادیبوں کے محسن اور ادیب نواز ہیں۔ خدا کرے یہ رشتہ ابد تک قائم رہے ....

آپ کا ——— ٹھاکر پونچھی

مکان کھلا پڑا تھا لیکن موسی وہاں نہ تھی۔

آنند نے اپنا سامان کمرے میں رکھوایا۔ اور مکان کا جائزہ لینے لگا۔ دو کمروں کا مکان اچھا خاصا مندر دکھائی دیتا تھا۔ بھگوان تو شاید اکیلا ہی ہوگا۔ کم جگہ میں رہ سکتا ہے لیکن بھگوان کے دیوی دیوتاؤں کی پوری فوج موسی کے مکان میں ڈیرے ڈال سکتی تھی۔ آگے پیچھے کوئی تھا نہ کسی کو بنایا۔ جوانی میں شوہر جنگ میں مارا گیا تھا۔ بھگوان کام آئے نہ دیوی دیوتاؤں کی فوج۔ خود تو میدانِ جنگ سے نہ آسکا لیکن اپنی بیوی کے لئے پچیس روپے ماہوار کا ایک سرکاری پروانہ ضرور بھجوا دیا۔ شوہر کے مرنے پر ایک وقت کھانا کھانے لگی تھی اور آج تک یہی کرتی تھی۔ منہ اندھیرے محلے کی اپنی عمر کی عورتوں کو جگاتی، مندر پہنچتی اور وہیں بیٹھ جاتی۔ نہ اپنی فکر نہ گھر بار کی۔ پرائی عادت تھی۔ اپنی پرائی ہر ایک نوجوان لڑکی کی شادی کا ٹھیکہ اسی نے لے رکھا تھا۔ جیسے رنگ روپ اور گھر گھرانے کی لڑکی ہوتی ویسے ہی رنگ روپ اور گھر گھرانے کا لڑکا کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتی۔ اس کے ملائے ہوئے جوڑے نہ بیسیل بچھڑے اور نہ اُن میں کبھی کوئی رنجش پیدا ہوئی۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کے جتنے لڑکے تھے اُن کے لئے لڑکیاں موسی ہی نے پسند کی تھیں۔ وہ سب سے کہتی تھی آج تک میری پسند کسی لڑکی لڑکے نے ناپسند نہیں کی۔ اب صرف آنند ہی ایک بر بدرنگا لڑکا تھا جو اپنی من مانی کر رہا تھا۔ بڑی بوڑھی عورتوں میں بیٹھ کر اکثر کہتی "اب جینے میں کیا رکھا ہے۔ کہیں بہن کا لڑکا آنند نہ کنوارا رہ جائے۔ یہی حسرت ہے۔ زیادہ پڑھ لکھ گیا۔ ڈاکٹر بن گیا منہ زور ہوگیا۔ کہیں اس کا ٹانکا جڑ گیا تو پھر رام رام جپتے پرلوک سدھار جانا ہے۔" آنند کو اب کی بار موسی کی بہت دردناک چٹھی ملی تھی۔ لکھا تھا مرنا چاہتی ہوں اور مرنے کا وقت بھی یہی ہے۔ ایک بار میری پسند کی ہوئی لڑکی دیکھ لو میری حسرت پوری ہو جائے گی۔ اور برسوں کی بنائی ہوئی عزت رہ جائے گی اور میں شانتی سے پرلوک سدھار جاؤں گی۔ ورنہ میں مروں گی نہیں۔ پھر گلہ نہ کرنا موسی ایڑیاں رگڑ رہی ہے لیکن مرتی نہیں۔ اور آنند نہیں چاہتا تھا کہ موسی اس بوڑھی عمر میں بھی صرف ایڑیاں رگڑے۔ اور مرے نہیں اور مرے بھی تو حسرت لے کر۔ اس لئے خط ملتے ہی اُسے تار سے اپنے آنے کی اطلاع دے دی۔ تار کا لفافہ کمرے میں پڑا تھا۔ شاید تار کا مضمون لڑکی والوں کو دکھانے چلی گئی یا مندر میں بیٹھی

پہلے تلاش کر رہی ہوگی کہ اُس کی پسند ناپسند نہ ہو۔ جب بہت دیر ہو گئی اور موسی نہ آئی تو آنند نڈھال ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ اور اپنی موسی کے بارے میں سوچنے لگا جس نے فراغت سے اپنی دکھی اور بے سہارا زندگی گزارنے کے لئے دوسروں کے سنسار آباد کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ جس نے کسی سے آج تک اپنے لئے بھیک نہ مانگی تھی لیکن دوسروں کے لئے گھر گھر بھیک مانگتی اور جھولی پھیلاتی پھرتی تھی۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔

تیز شرمائی کی لیتی فضا معطر تھی۔

ایک گوری مرلی سی نوجوان لڑکی موسی کو پکارتی دروازے پر ٹھٹک گئی۔ چارپائی پہ آنند کو دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔

دروازے کی اوٹ سے جھانک کر پوچھا۔

"موسی کہاں ہے؟"

آنند نے کروٹ بدلی۔

"وہ شاید مندر گئی ہے۔"

"میں اندر آجاؤں؟"

وہ چارپائی سے اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اپنی موسی کا گھر ہے۔ شرمانے کی کیا بات ہے؟"

لڑکی شرماتی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بہت زور کی بارش ہو رہی ہے بھیگ گئی!"

اُس کے بھیگے ہوئے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

آنند کو موسی کا کمرہ اب بہت ہی خوبصورت معلوم ہوا۔ وہاں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں اور بت کہیں نہ تھے۔ پریوں اور شہزادوں کے چہرے تھے۔ لڑکی آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی۔ آنکھیں جھپک جھپک کر دیکھ رہی تھی۔ موٹی موٹی نیلگوں آنکھیں، ڈری ڈری، سہمی سہمی سی۔ بھیگی بکھری ہوئی زلفیں۔ جاذب نظر خدوخال۔ شگفتہ کلی کی سی معصوم متین صورت۔ گندمی رنگ، کچھ بھیگا بھیگا سا۔ پتلے پتلے سے ہونٹوں پر شرمیلی سی سدابہار مسکراہٹ....

آنند سہانے خوابوں کی حسین وادیوں میں کھو گیا۔

وہ مسکراہٹ سمیٹے آنکھیں جھپک جھپک کر دیکھتی رہی۔

آنند نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بات بدلی۔

"اسی محلے میں رہتی ہو؟"

اُس نے تھوڑی دور سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں پہلا مکان ہمارا ہے۔ پچھلا موسی کا۔"

"موسی سے کیا کام ہے؟"

"گھر پہ کوئی کام ہوگا۔ مجھے معلوم نہیں۔"

بات ختم ہو گئی۔

کچھ دیر کے بعد لڑکی نے پوچھا۔

"موسی آپ کی کیا لگتی ہے؟"

"میری سگی موسی ہے۔ مجھے اپنا بیٹا بنایا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"سمجھ گئی۔ لیکن موسی سے آپ کو ملنے کا کچھ نہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ کہتی ہے جو کچھ ہے بھگوان کا ہے۔ اسی لئے وصیت کر رکھی ہے کہ مرنے کے بعد ساری جائداد اُس بستی یا محلے کے مندر کو دی جائے جہاں اُس نے دم توڑا ہو۔ میں نے وصیت نامہ خود پڑھا ہے۔"

آنند نے جھوٹ موٹ منہ بنا کر کہا۔

"آج اُس سے کہہ دوں گا میں تمہارا بیٹا نہیں۔"

لڑکی نے بچوں کی طرح منہ بنا کر کہا۔

"بھلا حقیقی رشتے اِس طرح بھی ختم ہوتے ہیں؟"

آنند کے جسم میں ایک سرسراہٹ سی دوڑ گئی۔ زبان گنگ ہو گئی۔

لڑکی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"ویسے آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ اپنے لئے لڑکی پسند کرنے آئے ہیں!"

"یہ بھی موسی نے بتایا؟"

"ہاں موسی نے ایک بہت پڑھی لکھی اسمارٹ لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے۔ اُس کا نام شالا ہے۔ ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی اور۔۔۔"

آنند نے ذرا جھجک کر کہا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟"

اُس نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا۔

"گوری ——— صرف ایف۔ اے پاس ہوں!"

"بی۔ اے سے کم کیا تعلیم ہوئی۔ ہر لڑکی کو کم سے کم۔۔۔"

اُس نے بات کاٹ دی۔

"بی۔ اے چھوڑ ایم۔ اے کرنا چاہتی تھی۔ کر بھی سکتی تھی لیکن چکر میں پھنس گئی ——— !"

آنند کا سپنا خواب جیسے بیچ ہی میں ٹوٹ گیا۔

"تمھارا مطلب؟"

گوری نے کنکھیوں سے دیکھا۔

"آپ کو کیسی لڑکی پسند ہے؟"

"تعلیم یافتہ ہو، خوبصورت ہو، سوشیل ہو، زندگی کے سفر کو سمجھتی ہو، بیوی سے زیادہ اچھا ساتھی بن کر چل سکتی ہو۔"

"آپ کی عمر کیا ہے؟"

"یہی تیس سے اوپر۔"

"آج تک آپ کو اپنی پسند کی لڑکی نہیں ملی؟"

"ملی بھی، نہیں بھی۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"جب ملی میں اپنے آپ میں نہ تھا اور جب میں اپنے آپ میں آیا تو وہ جا چکی ——— !"

گوری آنکھیں جھپک جھپک کر اُس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

جیسے سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

جیسے کچھ بھی نہ سمجھی تھی۔

آنند اُس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ لہجہ بدل کر بولا۔

"در حقیقت بات یہ ہے۔۔۔"

جملہ پورا نہ ہو سکا۔ بستی کے بہت سے ننگ دھڑنگ بچے گوری دیدی کو پکارتے کمرے میں آ گئے۔

ننگ دھڑنگ کالے سیاہ بچے۔ میلے کچیلے جیسے بن مانس کے بچے ہوں۔ آتے ہی گوری سے لپٹ گئے۔ انھیں دیکھ کر گوری اپنے آپ کو بھی بھول گئی۔ اپنے دوپٹے سے کسی کا منھ پونچھنے لگی، کسی کو پچکارنے لگی۔ کسی کو چومنے لگی۔ بچے پیار کے معنی ہی پیار کو سمجھتے ہیں۔ جن سے بچے پیار کرتے ہیں اُن کے دل معصوم اور مقدس ہوتے ہیں۔ گوری کا وہ روپ ایک ماں کا روپ تھا۔ آنند کو بہت پیارا لگا۔

گوری کو بچوں میں گھری ہوئی دیکھ کر اُس نے پوچھا۔

"تم ان بچوں کو پڑھاتی ہو؟"

گوری نے پُر متانت آواز میں جواب دیا۔

"پڑھاتی بھی ہوں۔ نہلاتی بھی ہوں۔ کھلاتی بھی ہوں۔ یہ بچے تھوڑے ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں۔"

"بستی کے بچے دکھائی نہیں دیتے؟"

"پاس ہی مزدوروں کے جھونپڑے ہیں۔ وہاں کے ہیں۔ مٹی کیچڑ کے ساتھی کہاں تک کوئی انھیں صاف ستھرا بنائے رکھے؟"

اُس نے سب بچوں کو چھوٹے چھوٹے بچھڑوں کی طرح کمرے سے باہر ہانک دیا۔

"چلوں، وہ بھی بھوک سے بلک رہا ہوگا۔"

آنند کا سارا جسم جھرجھرا گیا۔

"وہ کون؟"

"ایسا ہی ایک اور پلا ہے۔ میں چکر میں پھنس گئی۔ کیا کروں۔"

وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی تو آنند نے پوچھا۔

"موسی سے کیا کہوں؟"

اُس نے دو بچوں کو ایک ساتھ اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بتانا کہ گوری آئی تھی۔ بوڑھی عورت شکی مزاج ہوتی ہے۔ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے۔"

گوری چلی گئی۔

وہ پھر چارپائی پر لیٹ گیا۔

اُس نے اندازہ لگایا تھا کہ گوری کسی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ ماں کی [illegible] سے پیار کرتی ہے۔ اُن کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ ایک چھوٹی سی گوری ایک چھوٹی سی استری، ایک چھوٹی سی ماں۔ دل کتنا وشال، خیالات کتنے وسیع ... جیسی لڑکی اُسے پسند تھی، ویسی لڑکی کی اُسے آج تک تمنا تھی۔ ماں باپ کی دشمنی مول لے کر آج تک انتظار کیا تھا۔ پہلی بار اُس کی بھرپور روپ دیکھا گوری کی جھکی جھکی آنکھوں، شرمیلی مسکراہٹ اور خیالات کی پاکیزگی میں نظر آئی۔ آج تک جتنی لڑکیاں اپنے سفر کا ساتھی بنانے کے لئے دیکھیں وہ اُسے مجبور ہو کر دیکھنی پڑی تھیں۔ وہ تعلیم یافتہ بھی تھیں، خوبصورت اور ذہین بھی تھیں، اچھے گھرانو سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن جو معصومیت اور سادگی اور خیالات کی پاکیزگی کا وہ لڑکیوں سے دلدادہ تھا اُن میں سرے سے نہ تھی۔ اگر گوری کی شادی نہ ہوئی ہوتی۔ اگر وہ.....!؟

لیکن گوری تو چکر میں پھنس گئی تھی۔

اُس کے ہاتھوں کی رسائی سے بہت دور نکل گئی تھی۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنے ماضی کو پکارا۔

وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

موسی ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ آنند ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ موسی کے پاؤں چھوئے۔ موسی اُسے اپنے گلے سے لگا کر دوسری عورت سے مخاطب ہوئی۔

"بہن سنبھال کر رکھا تھا تمہاری بیٹی کے لئے۔ اپنے ہاتھوں سے کئی میل ملائے لیکن رام سیتا کی جوڑی یہی بنے گی۔"

دونوں آلتی پالتی مار کر پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

آنند نے کرسی سنبھال لی۔

موسی نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

"لڑکیاں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اب بوڑھے ہونے کو آئے لیکن ایک بھی پسند نہ آئی۔ اب اپنی موسی کی پسند دیکھنا۔ لڑکی ایم اے اور نہ جانے کیا کیا پاس ہے۔ گُن کا تار ہے، تمہارا سنسار اور سوشیل۔ اُسے دیکھ کر پھر اپنی صورت آئینہ میں دیکھنا جس پر اتنا اتراتے ہو۔"

اپنی بیٹی کی تعریف سن کر ماں کا چہرہ کھل اُٹھا۔

وہ چائے کی دعوت دے کر چلی گئی۔

موسی رسوئی میں چلی گئی۔

آنند ایم اے اور نہ جانے کیا کیا اس لڑکی کے خیالوں میں ڈوب گیا۔ پسند کرنا ضروری تھا کیونکہ وہ موسی کی پسند تھی۔ عزت کا سوال بھی تھا اور حسرت اور تمنا بھی۔

اُس نے کھانا کھاتے ہوئے موسی سے پوچھا۔

"لڑکی تو ایم اے، بی ٹی ہے۔ لیکن اُس کے پتا جی کیا کرتے ہیں؟"

موسی نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"ریٹائرڈ تحصیلدار ہیں۔ صرف دو لڑکیاں ہیں۔ زمیندار بھی کافی ہے۔ خاندانی لوگ ہیں۔ قسمت ضرور کھوٹی ہے۔ پھر بھی ساری بستی میں اُن کی برابری کرنے والا کوئی نہیں۔"

"لڑکی مجھے پسند آجائے گی نا؟ میری طبیعت تم جانتی ہی ہو۔"

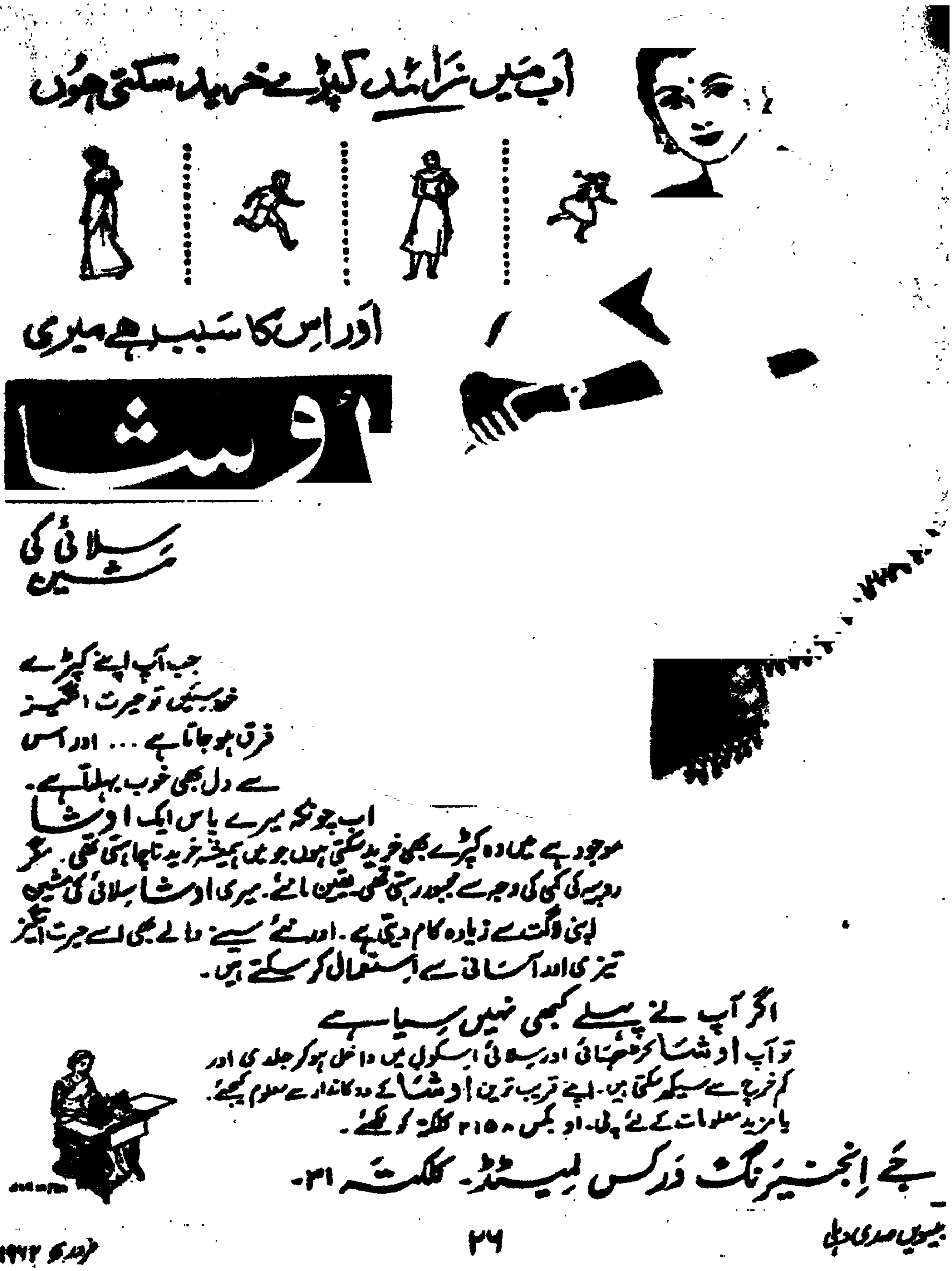
موسی نے آنکھیں مٹکا کر خود اعتمادی کا ثبوت دیا۔

"موسی نے ہمیشہ لڑکی اچھی طرح دیکھ کر مقابلے کی چوٹ پیش کی ہے۔ آج تک میری پسند میں سب کی پسند رہی۔ تم ڈاکٹر بن گئے تو کیا ہوا۔ ہو تو وہی مار کھانے والے نندو! آج تک منہ پر میرے طمانچوں کے نشان ہیں!"

آنند لڑکی دیکھنے سے پہلے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن موسی کو کہیں کیرتن میں جانا تھا۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر مالا پھیرتی چلتی بنی۔ آنند پلنگ پر لیٹتے ہی سو گیا۔

سوتے میں اُس نے خواب دیکھا۔

اُسے اپنے خیالوں کی لڑکی مل گئی ہے۔ وہ اُسے اپنانا چاہتا ہے۔ لڑکی بھی اُسے اپنا جیون ساتھی بنانے کے لئے تیار ہے لیکن دونوں کے درمیان ایک ننھا سا بچہ دیوار بن کر کھڑا ہے۔ وہ جھنجھلا کر بچے کو اپنے بازوؤں


اب میں زائد کپڑے خرید سکتی ہوں
اور اس کا سبب ہے میری
اوشا
سلائی کی مشین
جب آپ اپنے کپڑے خود سیئیں تو حیرت انگیز فرق ہو جاتا ہے ... اور اس سے دل بھی خوب بہلتا ہے۔
اب چونکہ میرے پاس ایک اوشا
موجود ہے میں زیادہ کپڑے بھی خرید سکتی ہوں جو میں ہمیشہ خریدنا چاہتی تھی۔ مگر روپیہ کی کمی کی وجہ سے مجبور رہتی تھی۔ یقین مانئے۔ میری اوشا سلائی کی مشین اپنی لاگت سے زیادہ کام دیتی ہے۔ اور نئے سینے والے بھی اسے حیرت انگیز تیزی اور آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں۔
اگر آپ نے پہلے کبھی نہیں سیا ہے
تو آپ اوشا کڑھائی اور سلائی اسکول میں داخل ہو کر جلد ہی اور کم خرچ سے سیکھ سکتی ہیں۔ اپنے قریب ترین اوشا کے دوکاندار سے معلوم کیجئے۔ یا مزید معلومات کے لئے پی۔ او بکس ۲۱۵۰ کلکتہ کو لکھئے۔
جے انجینئرنگ ورکس لمیٹڈ۔ کلکتہ ۳۱۔

بھینچ کر باہر لان اور طوفان میں پھینک دیتا ہے۔ بچہ روتا نہیں صرف مسکراتا ہے عجیب سی مسکراہٹ جس میں تضحیک کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ وہ اس معصوم مسکراہٹ کی تاب نہیں لا سکتا۔ باہر لپک کر بچے کو اپنے سینے سے لگاتا ہے۔ غیبی ہاتھ بچے کو چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ زور سے چیختا ہے۔

"یہ بچہ مجھے پسند ہے!"

"یہ بچہ مجھے پسند ہے!!"

آنند ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کسی مقدس ہستی کی طرح کمرے میں نظریں نیچی کئے سفید ساڑی میں ملبوس گوری چارپائی سے لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں ڈھائی تین برس کا بچہ مسکرا رہا تھا۔

گوری نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آپ پاگلوں کی طرح کیوں چیخ رہے تھے؟"

"میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔"

"لیکن آپ تو سو رہے تھے!"

"خواب کیا جاگتے میں دیکھے جاتے ہیں؟"

"میں تو جاگتے میں خواب دیکھتی ہوں۔ اسی طرح ڈر سے چیختی چلاتی ہوں۔"

"یہ تو نئی بات ہے۔"

"میرے لئے نئی نہیں۔ باقی سب کے لئے ہے۔ اب آپ کے لئے بھی ہے لیکن..... ہے سچ!"

آنند بچے کو گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

گوری نے پوچھا۔

"خواب میں کیا دیکھا؟"

اس نے بچے کو گوری کی گود سے اٹھا لیا۔

"یہ بچہ مجھے پسند ہے!"

لمحہ بھر کے لئے گوری کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

پتھرائی ہوئی آنکھیں وحشت زدہ ہو گئیں۔

"لے جاؤ اسے۔ دن کے سپنوں کی طرح یہ بھی میرے لئے عذاب بن گیا۔"

آنند نے بچے کی پیشانی چومتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"خوبصورت بچے کا باپ بھی بہت خوبصورت ہوگا!"

گوری کے چہرے پر ماں کی ممتا ابھر آئی۔

"اینٹوں اور پتھروں کی اولاد خوبصورت ہی ہوتی ہے۔"

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اینٹوں اور پتھروں کی اولاد انسانوں سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ وہ بھی تم سے پیار کرتا ہوگا۔ کچھ صورتیں ہی ایسی ہوتی ہیں جن سے ہر کوئی پیار کرتا ہے۔ کوئی عمر کی مجبوریاں سنبھالے۔ کوئی رشتوں اور بندھنوں کی دنیا سمیٹے۔ کوئی غریبی کے چیتھڑوں میں اپنی دھڑکنیں چھپائے۔"

گوری بچوں کی طرح معصوم آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

آنند نے اسی رو میں پوچھا۔

"تم اپنے گھر میں سکھی ہو نا؟"

گوری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ اس نے جلدی جلدی آنسو پونچھے۔ مدھم شرمیلی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر ابھر آئی۔ بچے کو آنند کے ہاتھوں سے چھینا اور کچھ کہے سنے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر بارش نے شدت اختیار کر لی تھی۔ صبح تو اچانک ملاقات ہو گئی تھی لیکن پھر وہ بارش میں بھیگتی بچے کو ساتھ لے کر کیوں آ گئی۔ کیا اپنا بچہ دکھانے آئی تھی۔ صبح ہنستی مسکراتی شرماتی آئی تھی۔ اب اس کی آنکھوں میں ویرانی کیوں تھی؟ وحشت کیوں تھی؟ ایک دم خاموش کیوں ہو گئی۔ کہیں اس کا پیار تو نہیں کھو گیا۔ سپنا تو نہیں ٹوٹ گیا۔ ایسا تو نہیں کہ خوبصورت پتی مل گیا۔ لیکن پتی کا پیار نہیں ملا۔ کہیں وہ....

آنند کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی۔ جیسے گوری کی طرح جاگتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو۔ گھبرا کر پھر اس نے آنکھیں موند لیں۔ پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

دوپہر ڈھلنے پر موسی لوٹی تو وہ نہا دھو کر تیار بیٹھا تھا۔ موسی کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا۔

"تم میرے سوالوں کے جواب دو تاکہ جو فیصلہ کرنا ہو آج ہی کر لوں۔ میں

نے آج رات کی گاڑی سے واپس جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

موسی نے توق کر کہا۔

"اتنی جلدی کیا ہے۔ پہلے لڑکی اور گھر گھرانہ دیکھ لو۔ اُس کے بعد سوال جواب کرنا۔"

آنند نے ہاں کہی۔

"لڑکی کے باپ کا نام کیا ہے۔ گھر میں۔۔۔"

موسی نے بات کاٹتے ہوئے انگلیوں پر گن گِنا کر بتایا۔

"باپ کا نام لالہ رام سرن ہے۔ دو لڑکیاں ہیں۔"

"دونوں کنواری ہیں؟"

"ہاں!"

"ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی چھوٹی ہے یا بڑی؟"

"چھوٹی۔"

"بڑی کی سگائی کہیں ہو چکی ہے؟"

موسی نے خشک گھونٹ بھرا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

موسی نے لہجہ بدل لیا۔

"قسمت کھوٹی ہے۔ ورنہ کوئی بات نہیں۔ پہلے میں نے بڑی ہی لڑکی کو تمہارے لئے پسند کیا تھا۔ لیکن۔۔۔"

"اُسے کیا ہوا؟"

"تین سال سے پاگل پن کے دَورے پڑ رہے ہیں۔ مارنے کاٹنے کو دَوڑتی ہے۔ چیخ چیخ کر سارا محلّہ سر پر اُٹھا لیتی ہے۔ لیکن چھوٹی لڑکی۔۔۔"

"بات بڑی لڑکی کی تھی۔"

"پہلے لوگ اُسے پاگل کہنے لگے۔ پھر اپنے گھر والے بھی پاگل پاگل کہنے لگے میں نے جب دیکھی بھلی چنگی دیکھی۔ رام جانے۔"

"پھر پاگل کیسے ہوئی؟"

موسی کا دل بولا۔

"کبھی کبھی راستے میں مل جاتی تو اکثر کہتی۔ موسی میرا بیاہ کب کراؤ گی؟ تم نے آج تک سب کی شادیاں کرائیں کئی گھر بسائے۔ سب کی باتوں کے جواب دیتی لیکن اُسے دیکھ کر میری زبان بند ہو جاتی۔ ایک رات تین دن کا بچّہ اُٹھائے میرے گھر آئی۔"

آنند نے بمشکل آواز نکالی۔

"بچّہ ــــــ؟"

موسی کی آواز بھر آئی۔

"ہاں۔ بچوں کی طرح رو کر کہنے لگی۔ موسی! تم نے میری شادی نہیں کرائی۔ لیکن میں ایک بچّے کی ماں بھی بن گئی۔ میری نظر میں تو کوئی ریوی ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے تمہارے لئے وہی پسند کر رکھی تھی۔ پاگل لڑکی سے تو کوئی بیاہ بھی کرے گا۔ لیکن وہ بچّے کو ایک پل کے لئے بھی اپنے سے الگ نہیں کرتی۔ کوئی کیا کرے۔"

"بچّہ کس کا ہے، کہاں سے لے آئی، آوارہ تو نہیں؟"

موسی نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"پاگل تھی، گھر سے نکل جاتی۔ پاس ہی ایک مزدور بستی ہے۔ انہی کے بچوں کے ساتھ کھیلتی۔ وہاں کی لڑکیاں ہی اُس کی سہیلیاں تھیں۔ اُن ہی میں خوش رہتی۔ وہیں کوئی مزدورن تین دن کا بچّہ اُس کی گود میں ڈال کر مر گئی۔ اب یہ ماں کی طرح اُسے پال پوس رہی ہے۔ بھگوان ہی جانے۔ اپنے پرایوں نے پاگل پن کے ساتھ دوسری گندی باتیں بھی جوڑ دیں۔"

آنند نے دبی زبان سے پوچھا۔

"بچّے کا باپ تو ہوگا؟"

"وہ کسی دوسری مزدورن کے ساتھ تین چار مہینے پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔"

آنند کے مُنھ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"وہ بچّہ مجھے پسند ہے۔"

موسی سہم گئی۔

"کس بچّے کی بات کر رہے ہو؟"

اُس نے زور دے کر پوچھا۔

"بڑی لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"انیتا!"

"گوری کون ہے؟"

"مرحوم سیلی کا نام گوری تھا۔ لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے گوری کا نام سنا ہے۔"

"جب سے بچے کو سنبھالا ہے اپنے آپ کو گوری ہی کہتی ہے۔"

آنند نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ قسمت کھوٹی ہے۔ ورنہ ان کے برابر کا کوئی بھی نہیں۔ اور شیلا ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی ہے۔ سوشیل اور سُندر ہے۔ ایسی لڑکیاں قسمت ہی سے ملتی ہیں۔ اب چلو میرے ساتھ ہیں سے فیصلہ کرلیں۔"

موسی نے بمشکل آواز نکالی۔

"کیا؟"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"موسی کی پسند کو آج تک کسی نے ناپسند کیا؟"

لالہ رام سرن کے سجے سجائے کمرے میں بیٹھتے ہی موسی نے کہنا شروع کیا۔

"یہ ہے اپنی شیلا! ور سامنے بیٹھے ہیں لالہ رام سرن اور ساتھ۔۔۔۔"

سوتی نام اور رشتے گنواتی رہی۔

لیکن آنند کے کان بہرے تھے۔ بینائی دھندلا گئی تھی۔ صرف ایک خالی اور کھوکھلا کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں کوئی زندہ انسان نہ تھا۔ صرف پتھر کے بت تھے۔ بغل کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور کھڑکی کی سلاخوں میں سے گوری کی ویران وحشت زدہ آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں موند لیں اور من ہی من میں گوری کو پکارا۔ کھٹاک سے دروازہ کھلا۔ گوری بچے کو سینے سے لگائے اندر چلی آئی۔

کمرے میں ایک ساتھ آواز تھرتھرائی۔

"انیتا!!"

اور سب کی نظریں جھک گئیں۔ جیسے وہ کوئی مجرم ہو۔

گوری نے سب کو پھٹی پھٹی سی وحشت زدہ آنکھوں سے دیکھا۔ دیر تک دیکھتی رہی۔ سب کو پہچانتی رہی۔ دیکھتے پہچانتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

آنند نے سر جھکا کر دبی زبان سے کہا۔

"مجھے شیلا پسند نہیں۔"

سب کی سانسیں رُک گئیں۔

مُنہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

موسی کا رنگ زرد ہو گیا۔ اُس کی پسند پہلی بار کسی نے ناپسند کی تھی۔ موسی اپنا گلا ہاتھوں میں دبوچ کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ آنند نے اس سے پہلے ہی گوری سے بچہ چھین کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے یہ بچہ پسند ہے!"

وہ چیخی۔

"کیا کہا؟"

آنند نے اپنی بات پوری کی۔

"بچے کی ماں کے بارے میں موسی بات طے کرلے گی!"

کمرے میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔

گوری نے شرما کر روتی ہوئی آنکھیں اپنے ہاتھوں میں چھپا لیں۔

سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

صرف بچے کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

موسی کی بوڑھی جھریاں مسکرا رہی تھیں۔ آج تک اس نے بے میل بندھن نہ جوڑے تھے۔ آج تک اس کی پسند کسی نے ناپسند نہ کی تھی۔ ●●

- مایوسی سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی بُری چیز نہیں۔ مایوسی موت کا دوسرا نام ہے۔ (لینن)
- آپ سیکھنا چاہیں تو آپ کی ہر غلطی آپ کو کوئی نہ کوئی سبق دے سکتی ہے۔ (ڈکنس)
- گزری ہوئی گھڑیوں پر افسوس نہ کرو۔ وہ واپس نہیں آسکتیں موجودہ وقت سے فائدہ حاصل کرو۔ کیونکہ یہ تمھارے اختیار میں ہے اور تم اس سے بہت کچھ لے سکتے ہو۔ (ایمرسن)



خواب کی طرح سے ہے یاد کہ تم آئے تھے

جس طرح دامنِ مشرق میں سحر ہوتی ہے
ذرّے ذرّے کو تجلّی کی خبر ہوتی ہے
اور جب نُور کا سیلاب گزر جاتا ہے
رات بھر ایک اندھیرے میں بسر ہوتی ہے
کچھ اسی طرح سے ہے یاد کہ تم آئے تھے

جیسے گلشن میں دبے پاؤں بہار آتی ہے
پتّی پتّی کے لئے لے کے نکھار آتی ہے
اور پھر وقت وہ آتا ہے کہ ہر موجِ صبا
اپنے دامن میں لئے گردِ غبار آتی ہے
کچھ اسی طرح سے ہے یاد کہ تم آئے تھے

جس طرح محوِ سفر ہو کوئی ویرانے میں
اور رستے میں کہیں کوئی خیاباں آجائے
چند لمحوں میں خیاباں کے گزر جانے پر
سامنے پھر وہی دُنیائے بیاباں آجائے
کچھ اسی طرح سے ہے یاد کہ تم آئے تھے

جگن ناتھ آزاد ایم۔اے

گئی تھی۔ امی کو تشویش ہوئی۔ مگر
کے سسرال والوں کی مانگ
متے ہے۔ امی قسمت
تھی۔ آپی کو دل
سے خالی

افسانہ

تضاد

پالو جوری، سنتھال پرگنہ (بہار)

یکم نومبر ۱۹۶۱ء

مکتری انسپلامات

میں بھی عجیب سودائی ہوں کہ شکست بار ماننے میں شیشہ گری کی ٹھان لی۔ کانچ کے ٹکڑوں سے ہاتھ لہولہان ہے مگر شیشے کی دیوار بنانے پر تلا ہوا ہوں۔ آپ اور قارئین پسند کریں تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی.....

نیاز آگیں ——— محمود زاہد

وہ کچھ بھی ہو۔

لیکن یہ بات زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہ رہ سکی کہ مسٹر ارشد اور مسز ارشد کے ازدواجی تعلقات کچھ ایسے خوش گوار نہیں۔ مسٹر ارشد چونکہ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لئے یہ بات زیادہ دنوں تک صیغۂ راز میں رہی۔ پھر اُن کی فطری ذہانت اور سادہ دلی نے لوگوں کو اُن کا گرویدہ بنائے رکھا۔ کسی نے اُن کی زندگی کے اس بڑے تضاد کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ جہاں سے اُن کی متانت کے سائے پردے کسی عاشقِ نامراد کے گریباں کی طرح تار تار نظر آتے تھے۔ قصور کچھ اُن کا بھی نہ تھا۔ قدرت نے انھیں حد سے زیادہ حساس دل دے کر بڑی ستم ظریفی کی تھی۔ اس پر ادب اور اُردو ادب کا چسکا لگ گیا تھا۔ تو پھر کیا تھا جو باقی رہ جاتا۔ یہ تو کوئلے کا کاروبار ہے کہ منافع ہو یا نہ ہو ہاتھ ضرور کالے ہوں گے۔ نہ لکھیے تو شکایت، لکھیے تو پیسے نہیں۔ اور لکھیے بھی کیسے؟ سکون ہو تب! شروع میں تو نبھتی رہی۔ لیکن آخر کب تک؟ برداشت تو یہاں تک کیا کہ رات رات بھر جاگ کر لکھے ہوئے۔ اکثر افسانوں کے مسودے چولھا جلانے کے کام میں آجاتے اور وہ مسز ارشد کی صورت دیکھ کر رہ جاتے۔ کبھی موڈ میں ہوتے تو انتہائی رومانی انداز میں کہہ دیتے۔ اس خوب صورت سر میں ذرا سی عقل ہوتی تو اس سر کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ پتہ نہیں مسٹر ارشد نے مسز ارشد کے سر کی قسم کھائی یا نہیں۔ لیکن ایسا ضرور ہوا کہ اس سر نے ایک دلچسپ غلطی اور کی۔ مسٹر ارشد نے اپنے چند افسانوں کو ایک مجموعے

کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ اتفاق سے کاغذات ٹیبل سے نیچے آرہے۔ اور ایک دن ساری فائل ردی کاغذات کے ساتھ بک گئی۔ اس بار وہ آگ بگولا ہو گئے۔ مگر فنکار کے دل کی چنگاری کاغذ کے علاوہ کیسے جلا سکتی ہے۔ برہم ہوئے۔ چیخے۔ گرجے۔ پھر آپ ہی آپ پچھتائے۔

مسٹر ارشد کی اگر کسی سے بنتی تھی تو وہ ڈاکٹر زیدی تھے!

ویسے کسی نے اُن کا بگاڑ بھی نہ تھا۔ ایسی پیاری شخصیتیں کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ نرمی بعض اوقات بڑی کمزوری بن جاتی ہے۔ اور اب کمزوری کے ہاتھوں زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ یہی کمزوری مسٹر ارشد اور ڈاکٹر زیدی کے درمیان مشترک چیز تھی لیکن ایک بڑا فرق بھی تھا۔ ڈاکٹر زیدی اپنی زندگی سے مطمئن تھے اور مسٹر ارشد نا مطمئن۔ ڈاکٹر زیدی حال ہی میں میڈیکل آفیسر ہو کر آئے تھے۔ لیکن مسٹر ارشد جیسا خشک [illegible] ایک پرائیویٹ کالج کا لیکچرر بہت جلد اپنی فطری خوش طبعی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ پتہ نہیں مسٹر ارشد نے خلوص ناپنے کے لئے کون سا پیمانہ بنا رکھا تھا۔ بہت جلد پرکھ لیتے اور مطمئن یا نا مطمئن کی سند عطا کر دیتے۔

ڈاکٹر زیدی خوبرو اور دلچسپ انسان تھے۔

ڈاکٹر زیدی اور مسٹر ارشد میں ایک چیز نمایاں طور پر مختلف تھی۔

ڈاکٹر زیدی جتنے صاف گو تھے اُتنے ہی پوشیدہ۔ مسٹر ارشد جتنے کم گو تھے

تھے اتنے ہی کھلے ہوئے۔ جذباتیت کے شکار تھے۔ زندگی کی ناکامیوں اور دشواریوں نے انھیں بزدل تو نہیں بددل ضرور بنا دیا تھا۔ اور اسی لئے وہ اکثر غیر سنجیدہ حرکتیں بھی کر بیٹھتے تھے۔ بلکہ اب تو یہ عالم تھا کہ چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ان کی زندگی کو تلخ سے تلخ تر بنانے میں معاون ثابت ہو رہا تھا۔ بازار سے گزر رہے ہیں کسی متناسب جوان جوڑے کو دیکھا اور کھل اُٹھے جیسے ساری کائنات انھیں مل گئی ہو۔ ایک طرف توازن میں کمی آئی اور وہ جھنجھلا گئے۔ جیسے اُن کا سب کچھ چھین لیا گیا ہو۔ کہیں کسی نوجوان سے تعارف ہوا۔

"آپ ہیں منصف مجسٹریٹ!"

اور وہ چھوٹی سی "او" کہہ کر بڑی بے رُخی سے ہاتھ ملاتے۔

"یہ ہیں میرے دوست ویلفیر آفیسر!"

اور وہ ہاتھ ملاتے ہوئے خلا میں گھورنے لگتے۔

بعض اوقات ڈاکٹر زیدی خود شرمندہ ہو جاتے لیکن دوسرے ہی لمحہ مسٹر ارشد کچھ ایسی نظروں سے دیکھتے کہ وہ پگھل کر رہ جاتے۔

"ڈاکٹر! تم بہت عظیم ہو!"

"نہیں میرے دوست! تم زیادہ پُروقار ہو۔ ہم لوگ تو نقلی چہرے چڑھائے ہوئے ہیں۔"

"شرمندہ نہ کرو!"

لیکن دراصل یہ وہ الفاظ تھے جن کے سہارے مسٹر ارشد زندہ تھے۔ انھیں اسی خیال سے تسکین ہو جاتی کہ وہ زندگی کے ڈرامے کے آئیڈیل کردار ہیں۔ انھوں نے تضادوں میں گھِر کر جینا سیکھا ہے۔ ماحول کو اپنے سانچے میں نہ ڈھال سکے تو خود کو اس میں فٹ کر لیا ہے۔

مسٹر ارشد کے لئے ڈاکٹر زیدی کے الفاظ بڑا سہارا تھے۔

"آپ کسی اچھے کالج میں کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"اُس رسالے کے خاص نمبر میں آپ نے شرکت کیوں نہ کی؟"

"آپ نے مقابلے میں حصّہ کیوں نہ لیا؟"

"آپ خود کو کمتر سمجھتے ہیں!"

یہ اور اسی قسم کے آئے دن کے پُرخلوص استفسارات! اور مسٹر ارشد یک بیک تیار ہو جاتے۔ اُن کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی۔ اُن کے اعضاء حرکت میں آجاتے لیکن دوسرے ہی لمحے ساری تیاری ختم ہو جاتی۔ چمک ماند پڑ جاتی۔ اعضاء نڈھال ہو جاتے۔ اور ڈاکٹر زیدی دم بخود رہ جاتے۔

لیکن پھر ایک مدّت کے بعد، جانے کہاں سے توانائی آگئی تھی۔

مسٹر ارشد کہانی لکھنے بیٹھے اور وہ بھی مقابلے کے لئے۔

وقت بھی خلافِ معمول شام کا منتخب کیا۔

آرام کرسی میں دھنس کر سوچنے لگے۔ تخلیق کے وقت اُن کا کرب عجیب سا ہوتا تھا!

آج بھی گھنٹوں خیالات میں گم رہے۔ کب سورج نے شفق میں سُرخی گھول دی، کب کمرے میں لیمپ روشن ہوا۔ کون آیا کون گیا۔ انھیں ہوش کب تھا۔ ایک بے نیازی تھی جو حد سے بڑھ چلی تھی۔

یادوں کا تیز جھونکا دل کو چیرتا ہوا گزر گیا۔

"کون سا قیمتی لمحہ چُنوں، کسے انمول کہوں؟"

"بچپن ——— ؟"

وہ جیومیٹری کا کوئی ٹیڑھا سا تھیورم یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن کی آپی پاس بیٹھی سوئیٹر کا کوئی نیا ڈیزائن نکالنے میں مصروف تھیں۔ اُدھر سے لڑکیوں کا ایک گروہ آ نکلا۔ شہلا، نجمہ، شمسہ، پروین اور جانے کیا کیا ہوتی ہیں یہ لڑکیاں بھی وہ سٹپٹا گئے۔

"رہنے دو بھئی! تم سے جیومیٹری یاد وا د نہیں ہوگی۔ تم تو ظفر کی غزل اچھی طرح گاتے ہو!"

وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔

"اُف! یہ لڑکیاں!"

"کتنی بُری ہیں آپی بھی!"

اور انھوں نے کئی روز تک آپی سے بول چال ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک ساعت بھی گزرنے نہ پائی کہ آپی آگئیں۔

"بھیّا میرا رُوٹھ گیا؟"

انھوں نے منہ پھیر لیا۔ آپی چھ ماہ کے بچّے کی طرح پچکارنے لگیں۔

"شرما ان گئے! لڑکیوں سے شرماؤ گے تو کیسے کام چلے گا؟"

اور وہ سچ مچ شرما گئے۔

جیسے آپی نے کوئی جیتی جاگتی گڑیا اُن کے ہاتھ میں تھما دی ہو۔

ایک دن چھپ چھپا کر لڑکیوں کی باتیں بھی سُنیں اور اُن کے قہقہوں میں ڈوب گئے۔

"نسرین بھابی!"

لڑکیاں ایک ننھی سی گڑیا کو چھیڑ رہی تھیں۔

"میرا بھیا تو انجینئر بنے گا۔ تُو نے کیا سوچا ہے نسرین؟

یہ آپی کی آواز تھی۔

لیکن امّی تو کہتی تھیں پہلے آپی کا دولہا گھر آئے گا۔ پھر تیری دُلہن!"

سورج کی نئی ڈگر۔۔۔

اور ہاں آپی تو مجھ سے اتنی بڑی بھی ہیں۔ اب میں بتاؤں گا۔ مجھے چڑاتی ہیں۔ دیکھیں اُن کا دولہا کیسا ہوتا ہے۔ کہیں کالا ہوا تو بڑا مزا آئے گا۔ مجھ سے کہتی تھیں کہ تجھے کالی دُلہن ملنی چاہیے کیونکہ تُو گورا ہے۔

"نہیں نہیں" وہ آپ ہی آپ شرمندہ ہو گئے۔ میری آپی تو اتنی اچھی ہیں۔

اور ایک دن سچ مچ آپی کا دولہا آ گیا۔

دولہا آیا نہیں، لایا گیا۔ پسند کے لئے۔ بڑی سی دعوت تھی اس دن! آپی بہت روئی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ اُن کا ہونے والا دولہا کالا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ امّی اور ابّو میں کافی جھڑپ ہو گئی تھی۔ دعوت ختم ہو گئی۔ دولہا واپس گیا۔ امّی کی ضد کہ لڑکی بڑی ہو گئی ہے۔ لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔ شہر والا مکان فروخت کر کے لڑکی بیاہ دی جائے۔ لین دین تو آجکل عام ہے۔ لڑکے پڑھائے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ اچھے دام مل سکیں۔

آخر وہ دن آ گیا۔

آپی بیاہ دی گئیں۔

گھر سونا سا ہو گیا۔

مگر دوسرا گھر بس گیا۔

لڑکا بُرا نہ تھا۔ برخوردار ہونے کی حد تک والدین کا مطیع تھا۔ آپی ایک دو ماہ رہ کر پھر سے گھر آئیں۔ اُن کی صحت کافی گر گئی تھی۔ امّی کو تشویش ہوئی۔ مگر آپی ہنس کر ٹال گئیں۔ آپی جلد ہی واپس چلی گئیں۔ اُن کے سسرال والوں کی مانگ ہنوز جاری تھی اور ابّو تھک سے گئے تھے۔ ابّو امّی سے اُلجھتے رہے۔ امّی قسمت سے۔ اس بار آپی گئیں تو خط تک نہ آیا۔ صرف خیریت سُننے کو ملا کرتی تھی۔ آپی کو دل کے دورے پڑنے لگے۔ اور ایک دن ابّو آپی کو دیکھنے گئے۔ پھر لوٹ آئے خالی ہاتھ۔ آپی بہت دور جا چکی تھیں۔ ماں کا دل۔ امّی بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش آیا لیکن وہ زیادہ دن نہ ٹھہر سکیں۔ اور اس نامحسوس پیار کا سایہ بھی گرمی کے بادل کی طرح گزر گیا۔

"ابّو، چائے!"

عشرت چائے لئے کھڑی تھی۔

مسٹر رشید چونک پڑے۔

"رکھ دو بیٹی!"

وہ بچی کو پیار کرنے لگے۔

کبھی کبھی وہ اتنے نرم دل ہو جاتے کہ ساری نرمی اُن پر قربان ہو جاتی۔

بچی چلی گئی اور وہ سوچتے رہ گئے۔

"کاش ——"

وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئے۔

ابھی کل ہی وہ ڈاکٹر زیدی کے بچے کا خط دیکھ کر کتنے خوش ہوئے تھے۔ بچوں کے موضوع پر کتنی زوردار تقریر کی تھی انھوں نے۔ بچے والدین کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر اُن کے گھریلو معیار کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب آپ ایک بچے سے ملتے ہیں، تو ایک کلچر سے ملتے ہیں۔ ایک تمدن سے ملتے ہیں۔ ایک ادارے سے ملتے ہیں۔

وہ جھنجھلا پڑے۔ بڑی مشکلوں سے انھوں نے ابّا کو ابّو میں تبدیل کر لیا تھا۔ انھیں بچپن کی نسرین یاد آ گئی۔ کیسی ننھی اور شنگ سی لڑکی تھی۔ باتوں میں کیسی گھلاوٹ تھی۔ لیکن یہ گھلاوٹ کسی اور کی تھی۔ آپی اور امّی کے بعد کون رہ گیا تھا جو یہ سلسلہ دراز کرتا۔

پھر شہلا آئی —— یک بیک اُسے بڑی سی دیکھ کر وہ چکرا سے گئے


ٹاٹا کا
او ڈی
کولون
صابن
EAU DE
COLOGNE
او ڈی کولون آمیز اور سنہرے ریپر میں بند
TEST-14

تھے۔ اُف کل کی یہ چنچل لڑکی اتنی سنجیدہ عورت بن جائے گی۔ کسے معلوم تھا۔ وہ سوچتے رہ گئے۔

شہلا بھی ہاتھ پیلے کر کے ڈولے میں بیٹھ گئی۔

یاسمین! ——————

کشمیری حسن اُنھوں نے کتابوں میں پڑھا تھا۔ دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔ مگر یہ سیب کس بھاؤ بکا؟ یہ حسن کس کے ہاتھ لگا؟ اونچے گھر میں گیا۔ سیاہ فام ہاتھوں میں پڑا۔ قدرت تیرے فیصلے بھی عجیب ہیں۔

"کھانا نہیں کھانا ہے کیا، لکھتے ہی رہیئے گا؟ کھانا کیوں ٹھنڈا کر رہے ہیں!"

ماضی کے سنہرے دریچے بند ہو گئے۔ اور حال کا چوبی دروازہ ایک کرخت چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

"آج بھی عشرت کا کپڑا نہیں آئے گا۔ صابن بھی ختم ہو چکا ہے۔"

وہ ہوں ہاں کر کے کھانا کھاتے رہے۔

بچا ہوا کھانا مسز ارشد لے گئیں۔

مسٹر ارشد کے خیالات پھر پرواز کرنے لگے۔

پڑھنے کا زمانہ تھا۔ شہر میں کرائے کے جس مکان میں نیچے کا کمرہ رہنے کے کام آتا تھا اُسی کے سامنے اُوپر مالک مکان کی لڑکی انھیں عجیب نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ وہ کیا کرتے۔ دیکھتے رہ جاتے۔ پھر تحفوں کی بارش ہونے لگی اور آخر ملازمہ نے ایک دن پوچھ ہی لیا کہ شادی کے سلسلے میں اُن کا کیا خیال ہے۔ اُنھوں نے ایک کاغذ پر اپنے ابو کا پتہ نوٹ کر کے دے دیا۔ اُن دنوں اُن کی بڑی ضیافتیں ہوئیں۔

پھر وہ مکان چھوٹا اور وہ ضیافتیں بھی!

شبنم! ——————

کتنی خاموش لڑکی تھی۔ کھوئی کھوئی سی رہتی۔ اور ایک دن مسٹر ارشد بھی کھو گئے۔ لیکن مسٹر ارشد آخر بڑی تھے۔ اُن کے ابو نے سارا سلسلہ منقطع کر دیا۔ شبنم خزاں کے گلے کا ہار بن گئی۔ رات کی رانی کمھلا گئی اور بی۔ اے کی ڈگری تاریک غار میں جا گری۔

نازلی! ——————

ایک نیم زندہ حقیقت! لیکن کتنی جاندار حقیقتیں اُس نے عطا کیں۔ ترتیب، توازن، سلیقہ، آہنگ، اور پھر غلط فہمیاں۔ ایم۔ اے کی ڈگری پر خونِ جگر کی سیاہی بکھر گئی۔

وہ جمائیاں لینے لگے۔

مسز ارشد تو پہلے ہی اونگھ رہی تھیں۔

"خدایا!" وہ تھک سے گئے۔

سوچتے سوچتے اُنھیں نیند آ گئی۔ نیند کیا آئی۔ لامتناہی خوابوں کا سلسلہ۔ کچی نیند میں کسی نے جھنجھوڑا۔

"اُٹھیئے! یہ بھی کوئی سونے کی جگہ ہے!"

"جاؤ تم سو جاؤ۔ مجھے چھوڑ دو جس حال میں ہوں!"

"کیوں چھوڑ دوں، اب تو مجھے ہی ہر حال میں دیکھنا ہے۔"

"اُف!" وہ جھنجھلائے۔ "اُجڈ، گنوار!"

مسز ارشد نے بتی بجھا دی۔

ہر آنے والا دن مسٹر ارشد کو تازہ دم کر دیتا تھا۔ رات کس قدر پیچ و تاب کھا کر سوئے تھے۔ صبح اُن کا دل گرد کدورت سے صاف تھا۔ آج سویرے سویرے انھیں ایک تازہ خبر ملی۔ ڈاکٹر زیدی کی فیملی آ گئی ہے۔ انھوں نے آج شام کو چائے پر مدعو کیا ہے۔

یک بیک انھیں بہت سی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ خلافِ معمول بہت خوش تھے۔ خوش خوش کالج گئے۔

"کتنا خوش قسمت ہے میرا یار۔"

چلتے چلتے وہ پھوٹ پڑے۔ جیسے وہ اپنے آپ پر بہت نازاں ہوں۔

شام آئی ——

وہ گھر سے نکلے ——————

ڈاکٹر زیدی کا بچہ کہیں راہ میں مل گیا۔ بالکل باپ کی طرح تھا۔ جلدی گھل مل گیا۔ ڈاکٹر زیدی وہیں کہیں تھے۔ گلے سے لگا لیا۔

"آؤ بھائی، تمھاری بھابی سے ملاؤں!"

وہ مسٹر ارشد کو گھر میں لے گئے۔

دروازے اور آنگن سے گزر کر اتنی جلدی کمرے میں داخل ہو گئے کہ جزئیات پر زیادہ نگاہ نہ گئی۔ مسز زیدی باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ مسٹر ارشد کمرے کی ہر چیز کا تجزیہ کر رہے تھے۔

کمرے کا پردہ، ٹیبل کلاتھ، سنگار دان، کتابوں کی الماری، کپڑوں کی کھونٹی! سونے کا بستر! اور جانے کیا کیا۔

چائے کی ٹرے لئے مسز زیدی داخل ہوئیں۔

"تسلیمات!"

مسٹر ارشد نے نظر کیا اٹھائی بجلی سی گر پڑی۔

"آ ۔۔۔ آ ۔۔۔ آپ ۔۔۔"

مسٹر ارشد نے اپنے سامنے جیسے سیاہ آبنوسی کندوں کے درمیان دو روشن آنکھیں گردش کرتی ہوئی محسوس کیں۔ بمشکل تمام وہ خود کو سنبھال سکے لیکن مسز زیدی کی مسکراہٹوں کے درمیان انھوں نے اتنا ضرور سُن لیا۔

"زندگی میں بہت سے تضاد ہیں میرے بھائی! بہت سے تضاد!!" ●●

آپ کی آنکھیں



نریش کمار شاد

○

چشمِ بد دور آپ کی آنکھیں — دو عجیب و غریب جادوگر
گاہ کیفِ نظر کے مے خانے — گاہ تسکینِ روح کے مندر

○

دو طلسمی تحیّر ہیں گویا — آسمانی پہیلیاں جیسے
ہم سِن و ہم لباس و ہم صورت — دو پرانی سہیلیاں جیسے

○

یہ پرانی سہیلیاں لیکن — خوب صورت ہیں آرزو کی طرح
ایک ٹھہرے سکوت کی لے میں — نغمہ خواں ایک خوش گلو کی طرح

○

اپنے اس نغمہ خواں سکوت کے ساتھ — اس ادا سے ہیں ضو فشاں دل میں
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے — آج چراغاں کا ہے سماں دل میں

○

وادیٔ رنگ و نور کی راہیں — شہرِ کیف و نشاط کی گلیاں
جاں فزا جیسے چاندنی راتیں — نیم وا جیسے ادھ کھلی کلیاں

○

جو تراشے گئے نزاکت سے — ایسے دو آب دار ہیرے ہیں
بستیاں ہیں حسین خوابوں کی — رامش و رنگ کے جزیرے ہیں

○

ان جزیروں کو دیکھ کر اکثر — مجھ کو ایسا خیال آتا ہے
ان کے سانچے میں ڈھل گئی ہے بہار — یا مجسّم ہے جیسے نشۂ مے

○

میں کہیں جاؤں آپ کی آنکھیں — رقص کرتی ہیں میری آنکھوں میں
رس بھری دل نشیں امنگوں کے — رنگ بھرتی ہیں میری آنکھوں میں

○

آپ تو خیر میری پیاری ہیں — یہ ابھی تک مگر کنواری ہیں

درد ایک افسانہ

گوربچن سنگھ

۲۱- این روڈ۔ جمشید پور ۱

۳۰/اکتوبر ۱۹۹۱ء

مکرمی و محترمی تسلیم

.... آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں نے حال ہی میں ایک ناول ختم کیا ہے میری آرزو ہے کہ آپ اُسے شائع کریں۔ ناول رُومانی اور تعمیری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پڑھ کر شائع کئے بغیر نہ رہیں گے۔ اس سے پہلے بھی میرے دو افسانوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ناول بھی.... سالنامہ کے لئے افسانہ "درد ایک افسانہ" ارسالِ خدمت ہے....

خاکسار ——— گوربچن سنگھ

اُس دن جب شششی رات گئے دیواکر سے ملنے آئی تھی تو اُسے دیکھ کر اُس کو کچھ تعجب ہوا تھا۔ شششی اچانک ہی اُس سے ملنے آجائے گی اور وہ بھی تنہا، ایسا اُس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ سوچ میں پڑ گیا تھا، اُسے کیا کہہ کر مخاطب کرے، تم یا آپ؟ برسوں پہلے کی بے تکلفی اب بے جان ہو چکی ہے اُس کی جگہ اب صرف ایک اصول نے لے لی ہے۔ اشارہ سے اُس نے اُسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ اور پھر ٹیبل پر بکھرے کاغذات سمیٹنے لگا۔ اُس کی میز پر کیس کی فائلیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایک مشہور ایڈوکیٹ ہے۔ ایک ہوشیار وکیل۔ اکثر اُسے اپنے کیسوں میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ وہ کسی کو سزا کراتا ہے، کسی پر جرمانہ کراتا ہے۔ جھوٹ سچ اُس کے پیشے میں داخل ہے۔ یہ پیشہ ہی ایسا ہے۔

شششی سامنے سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔ اچانک اُس کی نظریں اُوپر اُٹھ گئیں۔ اُن آنکھوں میں ایک التجا تھی۔ اور یقین کی ایک جھلک۔ وہ پوچھ بیٹھا۔

"شششی! تم اِتنی رات گئے کیسے آئیں، کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں ——— !"

"کہو کیا بات ہے؟"

"میں تمھارے پاس ایک اپیل لے کر آئی ہوں۔"

"کیسی اپیل؟"

"تم میرا کیس مت لڑو!"

وہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

"میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں نہیں چاہتی تم میرا کیس لڑو۔"

"کیوں، کیا تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟"

"یہ بات نہیں۔ میں نہیں چاہتی انھیں سزا ملے یا میرے اور اُن کے درمیان دُوری بڑھے۔"

دیواکر کچھ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

پھر اُس نے سوال کیا تھا۔

"کیا تمھیں اُس سے ہمدردی ہے؟"

ششی کی نظریں نیچے جھک گئیں۔

"میں کسی کو الزام نہیں لگاتی۔ سب قصور میرا ہے۔"

"لیکن تم یہ بھول رہی ہو کہ کیس تمھارے پتا نے مجھے سونپا ہے۔ تم نے نہیں۔ کیا تمھارا یہ مطلب ہے کہ میں یہ کیس لڑنے سے انکار کر دوں؟"

"ہاں ——!"

ششی کے حلق میں اُلجھا ہوا جملہ بڑی مشکل سے نکلا۔

"کیوں؟"

اور جواب میں ششی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

دیواکر ایک فائل میں سے ششی کے کیس کی کاپی نکال کر پڑھنے لگا۔

"بنام ستیش کمار ولد پرمانند ساکن ساکچی تھانہ ساکچی۔ ایڈ بیوی ششی ... ولد مہیش پرشاد کو بہت مارتا پیٹتا ہے۔ تنگ کرتا ہے۔ کھانے کو نہیں دیتا اور اُسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے۔ ششی اُس کے ہاتھوں بہت تنگ ہے۔ خطرہ ہے کہ ستیش کمار اُسے جان سے مار ڈالے گا یا ششی اُس سے تنگ آ کر خود کشی کر لے گی۔ ستیش کمار ایک شرابی اور بد اخلاق آدمی ہے۔ اور ....."

"بس رُک جاؤ!" ششی درمیان میں بول اُٹھی۔ "میں یہ سب سننے نہیں آئی۔ میں تمھارے پاس یہ اپیل لے کر آئی ہوں کہ تم یہ کیس مت لڑو۔"

"کیوں؟ کیا ستیش کے خلاف یہ الزامات غلط ہیں؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"جو کچھ کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو، آخر بات کیا ہے؟"

اور پھر ٹھیک طرح سے بیٹھتی ہوئی ششی بولی تھی۔ "میں نہیں چاہتی اُن کی بدنامی ہو۔ انھیں کسی طرح کا نقصان پہنچے۔ بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔"

"تم اس کے لئے میرے پاس کیوں آئی ہو یہ باتیں اپنے پتا سے کیوں نہیں کہتیں؟ وہ کیس واپس لے لیں۔"

"وہ مانتے تو یہاں کیوں آتی۔" وہ مایوس لہجے میں بولی۔ "مجھے یقین تھا تم میری بات مان جاؤ گے!"

"اچھا اگر میں تمھارے کہنے پر یہ کیس لڑنے سے انکار کر دوں اور پھر تمھارے پتا اس کے لئے کوئی دوسرا وکیل کر لیں تو پھر؟"

ششی بھونچکی سی اُس کے منہ کو دیکھتی رہ گئی۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے یہ اس کا اُسے قطعی خیال نہ تھا۔ ششی کی سمجھ کا دائرہ اِس سلسلہ میں بہت محدود ہے۔ وہ اُس کے چہرے کے جذبات بھانپتا ہوا اُس سے بولا تھا۔ "تمھارا مقصد میں سمجھ گیا۔ ابھی بہت دن پڑے ہیں پیشی کی تاریخ سے ایک دو دن پہلے آؤ گی تو سب کچھ بتا دوں گا۔"

ششی کے جانے کے بعد وہ کھویا کھویا سا بیٹھا ماضی کے کئی واقعات لیے رہا تھا۔ آج بھی اُسے ششی کی اُس دن کی باتیں اُسی طرح یاد ہیں۔ کل کچہری میں اُس کا کیس پیش ہونے والا ہے۔ اور آج اُس کے یہاں سے نوکر یہ خبر دے گیا تھا کہ ششی نو بجے کے بعد اُس سے ملنے آئے گی۔ سویرے ششی کے والد آئے تھے۔ وہ اُس سے کہہ گئے تھے کیس اچھی طرح لڑا جائے۔ ششی دوزخ کی زندگی بتا رہی ہے۔ اُسے قانون کے سہارے بچاؤ۔ جس طرح ہو سکے اُس کی مدد کرو۔

آج مہیش بابو ششی کی حفاظت کے لئے قانون کا سہارا چاہتے ہیں۔ ایک دن دیواکر نے خود ششی کو سہارا دینا چاہا تھا۔ یہ برسوں پہلے کی بات ہے۔ ششی کی بھی یہی خواہش تھی۔ لیکن مہیش بابو نہیں مانے تھے۔ اُس کی کوئی خاص وجہ کیا ہو سکتی تھی۔ اُس دور میں آج کا مشہور ایڈوکیٹ ایک ادنیٰ سا انسان تھا۔ کالج کا ایک معمولی سا طالب علم! اُس کے پاس بنگلہ نہیں تھا، کار نہیں تھی۔ دولت نہیں تھی، عزت نہیں تھی۔ صرف بڑا بننے کی ایک خواہش اُس کے دل میں ضرور تھی۔ ایک خواب دیکھا تھا اُس نے۔ اور کچھ نہیں۔ اور وہ خواب بکھر گیا تھا۔

اُس نے ایک سگریٹ سلگایا۔ اور کش کھینچتا ہوا اپنے منشی سے بولا۔

"بہاری! یہ مہیش بابو والے کیس کی فائل مجھے دے دو اور تم جاؤ آرام کرو!"

بہاری بولا۔

"دس بجنے کو ہیں حضور!"

"بس میں جلد ہی اُٹھ جاؤں گا۔" کہہ کر وہ فائل کھول کر کیس پڑھنے لگا۔

"ستیش پرشاد اپنی ششی رانی کو مارتا ہے، پیٹتا ہے۔ بھوکا رکھتا ہے اور اُسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے۔"

"کیوں ——؟" آج کئی دنوں سے یہی سوال اُس کے ذہن میں چکر

کاٹ رہا تھا۔ اس کی کوئی تو وجہ ہوگی۔ وہ اپنی عقل سے اس کی بہت سی وجہیں گھڑ سکتا تھا۔ اس کے بہت سے مطلب نکال سکتا تھا۔ لیکن نہیں، اس نے کچھ نہ سوچنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

سامنے دروازہ کا پردہ ہلا۔

اندر ششی ایک شال اوڑھے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"آؤ ——— !"

وہ آہستہ سے بولا۔

اندر آکر ششی نے ماتھے کا گھونگٹ سرکا لیا۔ کرسی پر بیٹھی وہ کچھ پریشان سی نظر آرہی تھی۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اور پھر سر جھکا کر کچھ اس طرح بیٹھ گئی جیسے وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ سننے کی منتظر ہو!

دیواکر سوچ رہا تھا کیسے بات شروع کرے۔ ایک بہت بڑی الجھن ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ وہ بہت باتیں کر سکتا ہے۔ گھنٹوں بحث کر سکتا ہے لیکن ششی سے کیا بات کرے۔ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

"تو تمھارا یہ مطلب ہے کہ میں ستیش کو قصوروار ثابت نہ کروں اور اُسے سزا نہ ہو۔ کیوں، یہی چاہتی ہو نا؟"

ششی آہستہ سے بولی۔

"ہاں ——— !"

"مطلب یہ ہوا کہ اس کے سارے ظلم اور سختیاں تمھیں گوارا ہیں!"

وہ خاموش رہی۔

"ایک بات پوچھوں ششی؟" وہ سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا تم اس سے بہت پیار کرتی ہو؟"

ششی پھر بھی خاموش رہی۔

"دیکھو اگر میرے سوالوں کا جواب نہ دو گی تو میرے لئے اس کی بہتری کا کوئی ذریعہ ڈھونڈ نکالنا مشکل ہوگا۔"

ششی بولی۔

"کیا میرے کچھ کہنے سے تم کو شانتی مل جائے گی؟"

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے ششی نے اس کی کوئی دُکھتی ہوئی رگ چھو لی ہو

وہ پریشان سا ہو کر بولا۔

"میں قانونی نقطۂ نظر سے یہ بات پوچھ رہا ہوں!"

"میرے پاس ایسے سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے" ششی کچھ گھبرا کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تم سے اور کچھ نہیں پوچھتا۔ لیکن کل کچہری میں تو سامنے مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہی پڑے گا۔"

"میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔" کسی نامعلوم خوف کا سایہ اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا۔ "تم مجھ سے ایسے سوال نہیں پوچھ سکتے۔"

وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ تو میری مرضی پر منحصر ہے۔"

"نہیں!" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

"سوال تو مجھے کرنے ہی ہوں گے اور جواب بھی تمھیں دینے ہی پڑیں گے۔"

ششی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں تم مجھ سے ایسے سوال کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"کیا جانتی ہو۔ میں بھی تو سنوں؟"

وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ———"

ششی آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

"تم کچھ نہیں کہہ سکو گی۔ یہ میں جانتا ہوں" دیواکر بڑے اطمینان سے بولا۔ "لیکن میں تمھارا مطلب سمجھ گیا۔ تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔ سچ مانو میرے دل میں تمھارے خاوند سے کوئی جلن یا رنج نہیں ہے۔ نہ میں اس سے نفرت کر سکتا ہوں۔ مجھے تم سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ میرے دل میں تمھارے لئے وہی عزت ہے، وہی ہمدردی ہے جو پہلے تھی۔ لیکن تم مجھ پر شک کرتی ہو۔ میں نے تمھیں مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لئے یہ سوال کئے تھے تاکہ تم ان کا کوئی ایسا جواب دے سکو جس سے تمھارا خاوند سزا سے بچ جائے۔ اور تمھاری خواہش پوری ہو جائے!"

آپ کو کبھی مصیبت نہیں اٹھانی پڑیگی جبکہ آپ ـــــ





براؤن اینڈ پولسن کا
پیٹینٹ کارن فلور استعمال کرینگے۔

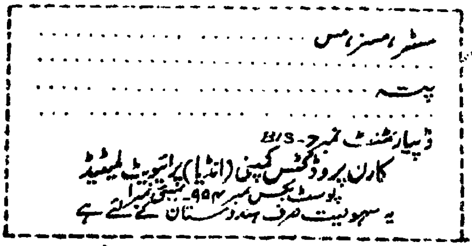


آپ کے کھانے کا آغاز بڑا پُر لطف ہوگا۔ یہ خوش ذائقہ شوپ براؤن اینڈ پولسن پیٹینٹ کارن فلور سے بنا ہوتا ہے۔ کسی دوسری چیز سے شوپ میں اتنی مہک پیدا نہ ہوگی ... اس سے شوپ کریم جیسا ملایم ہوگا اور اشتہا پیدا کرے گا۔ براؤن اینڈ پولسن پیٹینٹ کارن فلور سے سٹیو شوربہ اور ساس گھنی ہو جاتی ہیں۔ اس سے وہ صحت افزا ہو جاتے ہیں اور کھانا دلکش لگتا ہے۔ یہ ایک پاونڈ کے ڈبوں میں دستیاب ہوتا ہے۔

کارن پروڈکٹس کمپنی (انڈیا) پرائیویٹ لمیٹیڈ

مفت

اس کوپن کو بغیر کسی خرچ کے بھر کر بھیجیے کوپن کے ساتھ براؤن اینڈ پولسن فلیورڈ کارن فلور یا ورائٹی کسٹرڈ پاؤڈر کی اندر کی پانچ تھیلیاں بھیجیے کیونکہ انگریزی، ہندی، تامل، تیلیگو، گجراتی، ملیالم، اردو، بنگالی یا مراٹھی میں کتاب بھیجی جائے گی جس میں دلچسپ ترکیب شامل ہونگی۔ (جس زبان کی کتاب درکار نہ ہو کاٹ دیجیئے)



مسٹر/مسز/مس ....

....

پتہ ....

....

ڈیپارٹمنٹ نمبر ج-B/S
کارن پروڈکٹس کمپنی (انڈیا) پرائیویٹ لمیٹیڈ
پوسٹ بکس نمبر ۹۹۴- بمبئی نمبر ۱
یہ سہولیت صرف ہندوستان کے لئے ہے









ششی کی پلکوں میں آنسو اُتر آئے۔ اُسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا وہ کیا کہے۔

"دیکھو!" دیواکر بولا "تمہارے خاوند کی رہائی تمہارے بیان ہی پر منحصر ہے۔ اِس لئے بجائے اِس کے کہ اُس کا وکیل تم سے مناسب یا غیر مناسب سوالات کرے بہتر یہی ہے کہ میں ہی تم سے کچھ ٹھوس سوالات کروں۔ جن کے غیر تسلی بخش جوابات سے کیس کمزور پڑ جائے گا۔ اور تمہارے خاوند کا وکیل ایک مختصر سا بیان دے کر سارے کیس کی جڑ اُکھاڑ پھینکے گا۔ میری بیرسٹری کا وقار قائم رہ جائے گا اور تمہارے پتاجی کو بھی مجھ سے شکایت نہ ہوگی۔"

ششی بُت کی طرح خاموش بیٹھی تھی!

دیواکر نے کچھ رُک کر کہا۔

"سمجھ لو کہ میں تمہارا بیان لے رہا ہوں۔ تم جج کے سامنے کھڑی ہو۔ میں تم سے سوال کرتا ہوں۔ کیا تمہیں اپنے پتی ستیش چندر سے کوئی شکایت ہے؟ بولو اِس کا کیا جواب دو گی؟"

ششی اُداس نظروں سے دیواکر کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے ہونٹ کانپے لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

دیواکر بولا۔

"میرے سوال کا جواب دو۔"

وہ پھر بھی چُپ رہی۔

"دیکھو چپ رہنے سے کام نہیں چلے گا میرے سوال کا جواب دو!"

وہ چُپ تھی۔

"دیکھو تم کہو مجھے اپنے پتی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

ششی کے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ پھر اُس کے ہونٹ کانپے۔ لیکن وہ کچھ نہ بول سکی۔

دیواکر نے کہا۔

"بولو، وقت نہیں ہے۔ مجھے تم سے اور بھی کچھ سوال کرنے ہیں۔ جیسا میں کہتا ہوں ویسے کہنا۔"

اِس مرتبہ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں مجھے اپنے پتی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

دیواکر نے دوسرا سوال کیا۔

"وہ تمہیں مارتا پیٹتا یا تنگ تو نہیں کرتا؟"

ششی ہولے سے بولی۔

"نہیں!"

"اُس نے تمہیں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی تو نہیں دی تھی؟"

"نہیں۔ ۔۔" کہتے کہتے ششی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

دیواکر بولا۔

"اگر سوالوں کا جواب دیتے ہوئے تم اِس طرح آنسو بہاؤ گی تو کوئی تمہارے جواب پر یقین نہیں کرے گا۔ اور میں تم سے پوچھوں گا۔ تم اِن سوالوں کا جواب کسی دباؤ میں آکر تو نہیں دے رہی ہو؟"

ششی پھوٹ پڑی۔

"نہیں —— نہیں ——"

دیواکر پریشان نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ برسوں کی بات ہے ایک دن ششی اِسی طرح اُس کے سامنے روئی تھی۔ اِسی طرح اُس وقت اُس کے آنسو پھوٹ نکلے تھے۔ اور اُس نے اُس سے پوچھا تھا۔ کیا تم اِس شادی سے مطمئن ہو؟ اُس وقت ششی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن وہ اِسی طرح پھوٹ پڑی تھی۔ وہ اُسے سسکتے ہوئے دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد بولا۔

"بس اتنے سوال کافی ہیں۔ اب کوئی طاقت تمہیں قانونی طور پر ستیش سے نہیں چھین سکتی۔ اُس کا وکیل اُسے اُس کا حق دلا دے گا۔ تمہارے پتاجی کو بڑی مایوسی ہوگی۔ مجھے بھی۔" اُس نے کیس کی کھلی ہوئی فائل بند کر دی۔

ششی نے ساڑی کے آنچل سے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ لئے۔

دیواکر بولا۔

"چلو میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں۔"

ششی بولی۔

"گھر دُور تھوڑا ہی ہے بغل ہی میں تو ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

دیواکر نے کہا۔ "ہمارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں وہ یاد رہیں گی؟"

وہ بولی۔"ہاں!"

"ایک سوال اور ہے۔" دیواکر اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔"اُس کا جواب بھی دیتی جاؤ!"

"بولو؟" نحیف آواز میں ششی نے پوچھا۔

"تم جو کچھ کر رہی ہو، کیا یہ ٹھیک ہے؟ تم اپنے آپ کو بربادی کے بھنور میں ڈال رہی ہو۔"

ششی کی آنکھوں میں پھر آنسو اُمڈ آئے۔

پھر اُس کے ہونٹ کانپے۔

لیکن اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ چند لمحے کھڑی رہی۔ اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

دیوار کی گھڑی رات کے گیارہ بجا رہی تھی ——— ٹک ——— ٹک ——— ٹک یوں لگ رہا تھا جیسے وقت کی چال بہت تیز ہو گئی ہے۔ اور رات کا دم اُکھڑنے لگا ہے۔ ابھی ابھی وہ کسی کے دل کی دھڑکنیں سُن رہا تھا۔ اور اچانک ہی سب کچھ رُک گیا ———

اُس نے اپنے ہاتھوں سے کسی کو پھانسی پر لٹکا دیا ہے۔

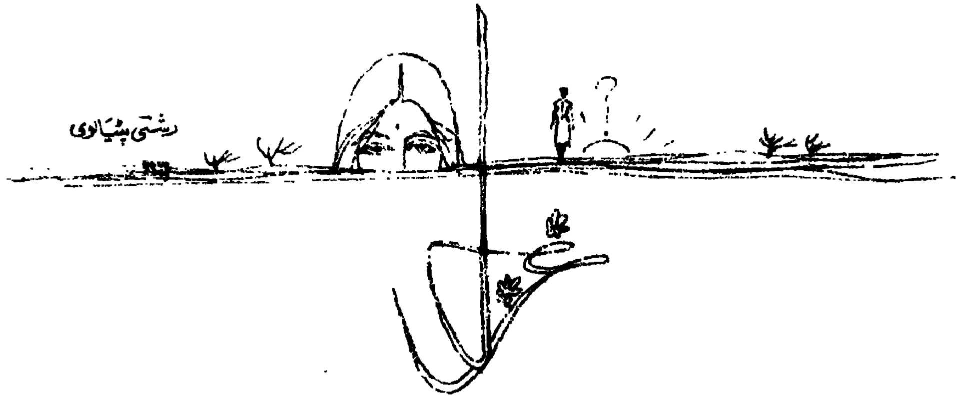
ہاں اپنے ہاتھ سے!

اُس کی نظریں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں ——— پردہ ہل رہا تھا ———

رات کا دم اُکھڑ رہا تھا ———!!

●●

جواب طلب اُمور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی کارڈ یا لفافہ ارسال فرمائیے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ (منیجر بیسویں صدی دہلی)



رشتی پٹیالوی

تسلی، دلنوازی، دل دہی سے کچھ نہیں ہوتا
اگر دل ٹوٹ جائے تو کسی سے کچھ نہیں ہوتا

نسیمِ عشق سے دل کی کلی جب تک نہیں کھلتی
بہارِ بوستانِ زندگی سے کچھ نہیں ہوتا

خوشی کے ہر مقدم پر اگر دل ہی نہ مائل ہو
خوشی کچھ بھی نہیں ہوتی خوشی سے کچھ نہیں ہوتا

ترے منہ پھیرتے ہی مجھ کو ظلمت گھیر لیتی ہے
مرے حق میں سحر کی روشنی سے کچھ نہیں ہوتا

اگر اے بے سبب آزار تو برہم نہ ہو جائے
تو پھر میرا کسی کی برہمی سے کچھ نہیں ہوتا

کسی کے حسن میں حسنِ نظر ہی رنگ بھرتا ہے
فقط اللہ کی صورت گری سے کچھ نہیں ہوتا

یہ سب قسمت کی باتیں ہیں کہ بن جاتی ہے بات اکثر
کسی کی کمتری یا برتری سے کچھ نہیں ہوتا

جو اپنے آپ سے بے خود بنا دے بے خودی وہ ہے
خودی باقی رہے تو بے خودی سے کچھ نہیں ہوتا

جنوں اُس کو نہیں کہتے جنونِ ہوش کہتے ہیں
محبت میں بس اک دیوانگی سے کچھ نہیں ہوتا

نہ شامل ہو بیانِ عاشقی میں دردِ دل جب تک
بیانِ عاشقی میں شاعری سے کچھ نہیں ہوتا

وہاں ضو بارئ شمعِ عمل جلوے دکھاتی ہے
جہاں شمعِ خرد کی روشنی سے کچھ نہیں ہوتا

نہ جانے دوستی سے دوستوں کا مدعا کیا ہے
خلوص و عہد ہائے دوستی سے کچھ نہیں ہوتا

تمہارا کچھ تو مل جاتا ہے مے خواروں کو اے ساقی
یہ کس نے کہہ دیا جامِ تہی سے کچھ نہیں ہوتا

یہاں حسنِ عمل کا ذکر ہی کیا حضرتِ واعظ
رہِ عرفاں میں ذوقِ بندگی سے کچھ نہیں ہوتا

الٰہی مرحلہ کیسا یہ آیا ہے محبت میں
شعور و عقل کی بھی رہبری سے کچھ نہیں ہوتا

محبت کا تقاضا ہے کہ دل آشفتۂ غم ہو
فقط اس ظاہری آسودگی سے کچھ نہیں ہوتا

مدد سے [illegible] نہیں [illegible] دریا کا [illegible] تک
نہیں ہوتا [illegible] اس [illegible] سے کچھ نہیں ہوتا

افسانہ

جب بادل آتے ہیں

اختر ملیح آبادی بی۔اے

۲،۷، لال کنواں۔ لکھنؤ

۷؍ اگست ۱۹۶۵ء

خورشید بھائی! تسلیم

. . . میں اپنی لگن میں لگا ہوا ہوں۔ کہتے ہیں کہ جہاں لگن ہوتی ہے وہاں کامیابی قدم چومتی ہے۔ یہ تمنا دل میں ہمیشہ سے تھی اور آج بھی ہے کہ جہاں پیدا ہوا ہوں وہیں دفن بھی ہوں۔ یہ حُب الوطنی کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ جو لوگ وطن پرور ہوتے ہیں اُن کا دل اِسی جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب رانا سانگا کے دوش بدوش مسلمان وطن پرستوں نے راجپوت بہادروں کے ساتھ غیر ملکی حملہ آور بابر کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ کل کی مثال تھی۔ آج کی مثال بریگیڈیر عثمان نے قائم کی اور وطن کی خاطر جان دے کر قائم کی۔ میں بخیر ہوں۔ قدرے پریشان ضرور ہوں۔ بُرے وقت میں دوستوں کی پہچان ہوتی ہے۔ میں دوستوں کو پہچاننے میں مصروف ہوں. . . .

آپ کا ——— اختر ملیح آبادی

وہ کوٹھی کی بالکنی میں کھڑی خاموشی سے اضطرابِ قدرت کا تماشا دیکھ رہی تھی ——— !

برسات میں یہ آسمان پر کیا ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے؟ برساتی ہواؤں کی شوخیاں گھٹاؤں کی بدمستیاں اور بجلی کی تجلّیاں آخر کیوں ہوتی ہیں اور کس کے لئے ہوتی ہیں؟ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی برسات میں اُداس تھی۔ معلوم نہیں کیوں وہ برسات میں اکثر اُداس اُداس رہا کرتی تھی۔ اُس نے ہمیشہ یہی محسوس کیا تھا کہ یہ گھٹاؤں کا موسم جب آتا ہے۔ اُسے غمگین بنا دیتا ہے۔ اضطرابِ قدرت کی طرح اُس کے اپنے دل کا بھی کوئی راز تھا جو اُسے معلوم تھا۔ لیکن اِس کے باوجود وہ اُسے جاننا نہیں چاہتی تھی اور ایسا کیوں تھا؟

یہ سوچتے ہی وہ اضطرابی کیفیت میں بالکنی میں ٹہلنے لگی۔ اِس خیال سے کہ شاید یہ اُمڈتے ہوئے بادل چھٹ جائیں۔ یہ بدمست گن ہوائیں خاموش ہو جائیں اور یہ جلوے دکھانے والی بجلی روپوش ہو جائے۔ اور اِس طرح اُس کے اندرونی طوفان میں کمی آ جائے۔ شاید . . . لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے اچانک رُکی اور اُن بادلوں کو گھورنے لگی۔ اچانک اُس کی زبان سے نکلا۔

"تم آتے ہو تو چلے کیوں جاتے ہو۔ کچھ دیر ٹھہرتے بھی نہیں، آخر کیوں؟"

اُس نے بےخودی کے عالم میں کہنے کو تو کہہ دیا۔ لیکن خود ہی اپنی آواز سُن کر چونک پڑی۔ دل دھڑکنے لگا۔ جلدی سے آنچل سے مُنھ پونچھا۔ اور پھر بادلوں میں کھو گئی۔ یہ بادل ہر سال آتے ہیں۔ اور اسی طرح اُسے دُکھی بنا کر چلے جاتے ہیں۔ اُن کا اِس طرح آنا اور چلا جانا اُسے بالکل پسند نہ تھا۔ بادل آتے ہیں تو پھر ٹھہرتے کیوں نہیں؟ اگر اتنی جلدی سے چلے کیوں جاتے ہیں؟ اگر اتنی جلدی جانا ہے تو پھر آنا ہی بےکار ہے۔ لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ بادل اُس کی شکایت سُن نہیں سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُس کا قلبی اضطراب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

اضطراب ——— !

اضطراب ——— !! ——— اضطراب ——— !!!

اچانک زور سے کوندا لپکا۔ گھنگھور گھٹاؤں کی تختیٔ سیاہ پر کسی مہ جبین نے چمکیلے حروف میں کچھ لکھا اور پھر اپنی نقرئی انگلیوں سے اُن نقرئی حروف کو مٹا ڈالا۔ آہستہ آہستہ اُس نے بے خودی کے عالم میں سانس لی۔ اس انداز سے کہ اُسے خود بھی پتہ نہ چل سکا کہ اُس نے سانس لی ہے یا نہیں۔ کوندے کے بعد ہی آسمان پر ہلکی سی گرج نے اُسے یاد دلا دیا کہ ایسے ہی موسم میں وہ بالائی کھڑکی میں کھڑی برسات کے مناظر دیکھ رہی تھی کہ کسی نے کان کے پاس آکر اُس سے کہا تھا۔

"تختۂ سیاہ پر ابھی کون سا لفظ لکھ گیا۔ تم نے پڑھا؟"

"لکھا تو کچھ بھی نہیں۔ بجلی چمک رہی ہے۔"

"واہ!" اُس نے کہا۔ "تم کو یہ نہیں معلوم؟"

اُس نے گھبرا کر پوچھا۔

"آپ بتائیے بجلی کیا لکھ رہی ہے؟"

"وہ بجلی نہیں۔" جواب ملا۔ "بادلوں کی محبوبہ ہے۔ وہ نقرئی انگلیوں سے بادلوں کے دلوں پر بار بار "محبت" کا لفظ لکھتی ہے!"

"رہنے دیجئے!"

یہ کہہ کر وہ ہنستی ہوئی بھاگ گئی تھی۔

اُسے اس نئے اور اچھوتے خیال پر رہ رہ کر ہنسی آرہی تھی۔ سانولے کالے بادلوں میں جب بجلی چمکتی ہے تو دراصل وہ بجلی نہیں ہوتی بلکہ بادلوں کی محبوبہ، محبوب ہوتی ہے۔ اور بادلوں کو محبت نامہ لکھتی ہے۔ محبت کا یہ ایک عجیب رُخ تھا جو آج معلوم ہوا تھا۔

لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے جب وہ نادان تھی۔ محبت سے ناآشنا۔ اُس پودے کی ایک شاخ تھی جس میں اب تک کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔ ایک الھڑ سی لڑکی تھی۔ پھولوں سے محروم، محبت سے ناآشنا! لیکن وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس شاخ میں کوئی پھول کھلنے کی کوشش کر رہا ہے!

اُس نے پھر ایک لمبی سانس لی۔

ٹھیک اُس وقت پھر بجلی چمکی اور بادلوں میں آواز پیدا ہوئی۔

اُس کی زندگی ایک کہانی تھی۔ ایک ایسی کہانی جسے آج تک اُس نے خود بھی نہیں سُنا تھا۔ لیکن بغیر عنوان کے کہانی بنی بھی کیسے جا سکتی تھی!؟ اُس کا اپنا وجود اُس کی اپنی کہانی کا عنوان تھا۔ اُس کی گزشتہ زندگی کہانی کی روداد تھی۔ جس کو وہ چلتے وقت اُسی گھر میں چھوڑ آئی تھی اور صرف کہانی کا عنوان اپنے ساتھ لائی تھی۔ آج تنہائی میں جب وہ انتہائی تنہائی سے اُکتا گئی تو اُسے کہانی کی تفصیل رہ رہ کر یاد آنے لگی تھی۔ اچانک پھر بجلی چمکی۔ وہ پھر چونک پڑی۔ بادلوں کی محبوبہ ابھی تک بادلوں میں محبت کا دیا جلانے کی کوشش کر رہی تھی اور پانی کے برستے ہوئے قطرے اُسے بجھانے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ دُنیا میں ایسا کیوں ہوتا ہے جب محبت کا دیا جلانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اُسے فوراً بجھانے کی کوشش کیوں شروع ہو جاتی ہے!

اُسے محسوس ہوا جیسے وہ خود بھی بادل بن گئی ہے۔ اور ہوا کی گود میں اُڑنے لگی ہے۔ برسات کے یہ بادل جو نئی زندگی کا عنوان بناتے ہیں۔ وہ خود اُن کو ساتھ لیکر اپنی پچھلی زندگی کا عنوان قائم کرنا اور اپنی زندگی کی اُس کہانی کو نئے عنوان کے ساتھ پڑھنا چاہتی تھی۔ بالکنی میں کھڑی وہ بادلوں کے ساتھ آگے بڑھنے کی بجائے اُلٹے پیروں اُس طرف جا رہی تھی جہاں سے اُس کی اپنی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ جب وہ شادی سے قبل اپنے گھر میں تھی تو جوانی کی صرف ایک لکیر تھی۔ سیدھی سادی، بے رنگ ہے کیف سی لکیر۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں جوان لڑکیوں کی طرح بے رنگا آنچل۔ اور پھر ایک رنگریز کے ہاتھوں میں پڑ گئی۔ ایک شاعر نے اُس سے محبت کی اور اُسے اپنی ایک رنگین جذباتی نظم کا عنوان بنا لیا۔

لاشعوری طور پر اُس کا ہاتھ اپنے آنچل کی طرف بڑھ گیا۔ وہ آج بھی کل کی طرح رقصاں تھا۔ لیکن جوں ہی اُس نے اپنے آنچل کو سمیٹنا چاہا۔ اچانک اُس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ سے ٹکرا گیا۔ ایک جوان اور گرم ہاتھ سے۔۔۔۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے گھر میں جب بھی اپنا آنچل سمیٹنا چاہا یہی زندگی اور زندگی کی یہی گرمی اُس کی مزاحمت کرتی رہی۔

"آنچل اُڑنے دو۔ مزاحمت نہ کرو۔"

"امّی منع کرتی ہیں!"

"کیوں؟"

"آنچل کا اُڑنا ہماری معاشرت میں بُرا سمجھا جاتا ہے!"

وہ ہنس دیا اور کہنے لگا۔

"معاشرت جلاد نہیں ہوتی، ظالم نہیں ہوتی۔ اگر آنچل کا اُڑنا جرم ہے تو ہمارا ہنسنا بھی معیوب ہے!"

"ہماری ہنسی بھی پابند ہے۔"

"اور پابندیوں کی تعداد کیا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"پھر پابندیوں کو گنتی کیوں رہتی ہو؟"

"میں مجبور ہوں!"

"انسان مجبور نہیں ہوتا۔ جانتی ہو؟"

"مرد کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ عورت کے لئے نہیں۔"

"زندگی مساوات کی طالب ہے۔ تمھیں معلوم نہیں؟"

"نہیں!"

وہ ہنس دی۔

وہ آگے بڑھ گیا۔ اُس نے کہا۔

"آپ میرے پاس نہ آیا کیجئے۔ کوئی دیکھ لے تو معلوم نہیں کیا ہو؟"

"تم ڈرتی کیوں ہو؟"

"اس لئے کہ لوگ ڈراتے ہیں!"

"لیکن تم کیوں ڈرتی ہو؟"

"میں مجبور ہوں!"

"انسان مجبور نہیں ہوتا۔ جانتی ہو؟"

"لیکن میں ہوں۔"

"تمھارا خیال ہے!"

اور اُس کا خیال یہی تھا کہ وہ مجبور ہے۔ کیونکہ جب وہ ہنسنا چاہتی ہے تو ہنس نہیں سکتی۔ بات کرنا چاہتی ہے تو بات نہیں کر سکتی۔ اُسے اپنی مرضی کے مطابق زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اپنے دل میں شاعر کی محبت پاتی تھی۔ اُس سے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے دل سے شاعر کی محبت اِس لئے نکال دے کیونکہ مرد کی محبت بے لوث نہیں ہوتی۔ وہ اِس خیال کی مخالفت کرتی تھی

اُس نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ مجھ سے بے لوث محبت کرتے ہیں اور وقت آنے پر میں بے لوث محبت ثابت کر دوں گی۔ اُسے یقین تھا کہ جس شاعر نے اُس کے دل میں پہلی بار محبت کا شعلہ بھڑکایا ہے۔ اور جس نے اُسے سچی محبت سے آشنا کیا ہے وہ محبت کے لئے قربانی بھی کر سکتا ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے ایک بار چھپ کر اپنے شاعر کو یہی لکھا تھا۔ اور اپنے خط میں اُس سے مطالبہ کیا تھا کہ اُسے مشورہ دینے والے اُسے طعنے دیتے ہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ بے لوث محبت کا ثبوت پیش کیا جائے۔ لیکن شاعر کا نظریہ کچھ اور تھا۔ اُس کا قول تھا کہ دُنیا میں کوئی شے بے لوث نہیں۔ بے لوث محبت کا ثبوت دینے کے لئے اُسے محبت سے ہاتھ دھونا پڑے گا جس کے لئے وہ تیار نہیں ہے۔

اچانک پھر کسی مہ جبین نے بادلوں میں لفظ محبت لکھا اور پھر بادل گرجنے لگے۔ یہ عجیب بات تھی کہ جب بجلی چمکتی تھی یا بقولِ شاعر بادلوں کی محبوبہ تختۂ سیاہ پر نقرئی الفاظ میں لفظ محبت لکھتی تو بادل گرجنے لگتے تھے۔ اُس نے یہ بات اپنے شاعر سے بھی پوچھی تھی۔ اُس نے کہا تھا۔

"وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے دل میں محبت کی تجلّی پیدا کرتی ہے۔ اور خود ہی اس تجلّی کو مٹا بھی دیتی ہے۔ بادلوں کی گرج اِسی وجہ سے ہوتی ہے۔"

"کیا آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں؟"

"نہیں!" اُس نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔ "بادلوں کی محبوبہ سے میری محبوبہ افضل ہے!"

اُسے یاد تھا کہ وہ ہنس دی تھی اور اپنے آنچل سے کھیلتے ہوئے بولی تھی۔

"لیکن ــــــ"

"لیکن کیا؟"

"وہ محبت نہیں جو کامیاب ہو جائے۔ وہ آرزو نہیں جو پوری ہو جائے۔"

شاعر چونک پڑا تھا۔

اُس نے آنچل تھام کر کہا تھا۔

"تم مجھے ستا رہی ہو۔"

"میں!۔۔ میں شاید سچ کہہ رہی ہوں!"

وہ تڑپ کر بولا۔ "تم غلطی پر ہو۔ تم بھی گھریلو پابندیوں، غلط روایات اور



خوشبو دار اور ملائم 'ہیزلین' ٹیلک
مخمل کی ملائمت والا پاؤڈر

ہلکا، نرم۔ بھینی خوشبو والا 'ہیزلین' ٹیلکم پاؤڈر بڑی نرمی سے نمی جذب کرلیتا ہے اور آپ کو سارا دن تازہ اور معطر رکھتا ہے۔ 'ہیزلین' ٹیلکم پاؤڈر نیلے، سفید اور سنہری رنگ کے خوبصورت ڈبے میں ہر جگہ ملتا ہے۔

'ہیزلین' ٹیلکم پاؤڈر بروز ویلکم پراڈکٹ

وناسپتی سے ہماری غذا زیادہ مقوی بنتی ہے

تندرستی کے لئے چکنائی بہت ضروری ہے... اور خوراک کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ہماری روزانہ کی غذا میں کم سے کم ۲ اونس چکنائی تو ہونی ہی چاہئے۔ لیکن ہمارے ملک میں روایتی چکنائیوں یعنی گھی اور کچھ وناسپتی تیلوں کی پیداوار صرف اس قدر ہے کہ اس سے ایک فرد کو روزانہ ½ اونس ہی چکنائی مل سکتی ہے! ہماری روایتی چکنائیاں نہ صرف یہ کہ کمیاب ہیں بلکہ گراں بھی ہیں۔ اسی لئے ہمارے ملک کے کروڑوں لوگ ناکافی چکنائی والے کھانوں پر گذارا کرتے آئے ہیں جس کی وجہ سے ان کی صحت کو بھی نقصان پہنچا ہے!

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ چکنائیوں کی پیداوار کو کیسے بڑھایا جائے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے: وہ یہ کہ مونگ پھلی کی فصل بڑھایئے (کیونکہ یہ فی ایکڑ زیادہ روغن دیتی ہے)، ملک میں بنولوں کی بہتات سے فائدہ اٹھایئے اور ان دونوں کے تیلوں کو ہائیڈروجن کے ذریعہ جما کر وناسپتی تیار کیجئے! اس طرح وناسپتی تیار کر کے ہم اپنی محدود قابل کاشت زمین سے بھی فی فرد زیادہ غذائی چکنائی حاصل کر سکیں گے۔

دُنیا بھر میں وناسپتی کا استعمال

زیادہ تر ترقی یافتہ ملکوں میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ وہاں روایتی چکنائیوں کی پیداوار بھی ناکافی ہوتی جا رہی ہے۔ اور یہ کمی بیشتر غذائی تیلوں کو جما کر شارٹننگ، وناسپتی گھی اور مارجرین کہلانے والی وناسپتی جیسی چکنائیوں کو کثیر مقدار میں تیار کر کے پوری کی جاتی ہے۔

ترقی یافتہ ملکوں میں جہاں معیار تندرستی و زندگی اعلیٰ ہے وہاں کے لوگ اپنی روایتی چکنائیوں کے ساتھ ساتھ وناسپتی جیسی چکنائیوں کو استعمال کر کے غذائی چکنائیوں کی اپنی ضرورتوں کو کس طرح پورا کرتے ہیں یہ بات حسب ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہو،

۱۹۵۹ء میں غذائی چکنائیوں کا فی فرد سالانہ استعمال (پونڈ میں)

ملک	روایتی چکنائیاں (مکھن، گھی، وغیرہ)	وناسپتی جیسی چکنائیاں (شارٹننگ، مارجرین، وغیرہ)	میزان
کنیڈا	۱۸٫۱	۸٫۷	۲۶٫۸
ڈنمارک •	۲۳٫۶	۴۱٫۴	۶۵
فن لینڈ	۳۲٫۴	۱۳٫۶	۴۶
فرانس	۲۲٫۵	۵٫۳	۲۷٫۸
ہندوستان	۹٫۸	۱٫۷	۱۱٫۵
ہالینڈ •	۹	۴۳٫۸	۵۲٫۸
ناروے	۸٫۴	۵۳٫۱	۶۱٫۵
انگلینڈ •	۱۸٫۵	۱۹٫۹	۳۸٫۴
امریکہ •	۸	۲۰٫۶	۲۸٫۶
مغربی جرمنی •	۱۷٫۲	۲۷٫۱	۴۴٫۳

ایسے ملکوں میں بھی جہاں مکھن بکثرت پیدا ہوتا ہے (• نشان والے ملک) وہاں بھی وناسپتی جیسی جمائی ہوئی چکنائیاں بھی مکھن سے زیادہ استعمال کی جاتی ہیں۔ اور ان ملکوں کے لوگوں کی طرح ہمارے ملک کے کروڑوں لوگ بھی اپنی غذا کو زیادہ مقوی بنانے کے لئے عمدہ، قوت بخش اور سستا وناسپتی استعمال کرتے ہیں۔

وناسپتی جیسی ہی چکنائیاں ساری دُنیا میں استعمال کی جاتی ہیں



البانیہ الجزائر ارجنٹائنا آسٹریلیا آسٹریا بلجیم برازیل برطانوی مشرقی افریقہ بلغاریہ برما کنیڈا وسطی افریقی فیڈریشن چیکوسلواکیہ ڈنمارک ایتھوپیا فن لینڈ فرانس مشرقی و مغربی جرمنی یونان ہنگری ہندوستان ایران عراق آئرلینڈ اسرائیل اٹلی جاپان لیبیا ملایا میکسیکو مراکش ہالینڈ نائجیریا ناروے پاکستان پولینڈ پرتگال رومانیہ سعودی عرب سوڈان سویٹزرلینڈ ترکیہ متحدہ جنوبی افریقہ روس متحدہ عرب جمہوریہ انگلینڈ امریکہ یمن یوگوسلاویہ۔

مزید معلومات کے لئے اس پتہ پر لکھئے: دی وناسپتی مینوفیکچررز ایسوسی ایشن آف انڈیا، انڈیا ہاؤس، فورٹ اسٹریٹ، بمبئی

معاشرتی رکاوٹوں نے قنوطیت پیدا کردی ہے۔ یہ تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ تمھارے گھروالے تمھیں اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اور تم سے تمھارا حق چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہ قنوطیت مجھے پسند نہیں۔"

"پھر آپ کیا پسند کرتے ہیں؟"

"زندگی!"

"وہ کیسے حاصل ہو سکتی ہے!؟"

"جب تم چٹان بن جاؤ!"

"میں! وہ کیسے؟"

"میں بتاؤں" شاعر نے بڑے عزم کے ساتھ کہا تھا۔ "راہ میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔ اگر تم ان دو چار سخت مقاموں پر ثابت قدم ہو اور میرا ساتھ دے سکو تو محبت کو جنت مل سکتی ہے۔"

"دو چار سخت مقاموں سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

"تم سے جب محبت کے سلسلے میں تشدد مار ہو تو تمھیں میرا ساتھ دینا چاہیئے!"

"تو کیا میں یہ اعتراف کروں کہ مجھے آپ سے محبت ہے؟"

"یقیناً، کیا یہ حقیقت نہیں؟"

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"حقیقت ہے۔ لیکن کیا ایک گھریلو مشرقی لڑکی اسے پسند کرے گی؟"

"کیوں نہیں۔ مشرقی لڑکیاں بھی اظہارِ رضامندی کرتی ہیں۔"

"جی نہیں!"

"میں غلط نہیں کہتا۔ مشرقی لڑکیاں جب والدین کے حکم پر قربان ہوتی ہیں تو انھیں "ہوں" اپنی زبان سے کہنا پڑتا ہے۔ اس وقت وہ بالکل نہیں شرماتیں!"

بادل زور سے گرج اٹھے۔

وہ چونک پڑی۔

شاید اپنی محبوبہ کی بے وفائی پر انھیں غصہ آ گیا تھا۔ وہ لرز اٹھی۔ بالکل اسی طرح جب آج سے کبھی پہلے اس نے اپنے شاعر سے بے وفائی کی تھی۔ اور اس نے برہم ہو کر کہا تھا۔ "تم اپنی بزدلی کو سعادت مندی اور آدابِ معاشرت میں چھپانا چاہتی ہو لیکن وہ چھپ نہیں سکے گی۔ تم باہمت نہیں ہو۔ بزدل ہو۔ میں نے تم سے محبت ضرور کی ہے اور یہ محبت میرے دل میں ہمیشہ زندہ بھی رہے گی۔ لیکن یہ غم چین نہیں لینے دے گا کہ میری محبوبہ بزدل تھی۔ وہ اپنا حق بھی حاصل کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی!"

"آپ غلط سمجھتے ہیں میری معاشرت . . ."

اور اس نے برہم ہو کر کہا تھا۔

"تمھاری معاشرت، وہ اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی غلامانہ ذہنیت کے دل و دماغ جس معاشرت کو پروان چڑھاتے ہیں اس میں گھن لگ جاتا ہے۔ وہ مٹ جاتی ہے۔ اور اسی معاشرت کے ڈھیر میں تم بھی ایک دن دفن ہو جاؤ گی۔ تمھاری شخصیت، تمھاری صلاحیت، تمھارا وجود، سب کچھ۔ اور تم جتنی خوب صورت ہو اس سے کتنی ہی زیادہ حسین کیوں نہ ہو جاؤ لیکن صرف اس کمی کے باعث بدنما ہی رہو گی اور وہ کمی ہے تمھاری بزدلی۔ تم اتنا سمجھ لو تو اچھا ہے کہ بزدل جینے کے باوجود زندگی سے محروم رہتا ہے۔ میں تو چلا جاؤں گا تمھیں دل کا داغ بنا کر لیکن تم خوش نہیں رہ سکو گی کیونکہ تم خود زندگی سے متنفر ہو۔ اور تمھیں خوشیاں نہیں چاہئیں۔ پر کٹے طوطے کو دنیا کی وسعتوں سے نفرت ہوتی ہے۔ اسے صرف پنجرے کی تیلیوں سے محبت ہوتی ہے۔ لیکن میں کبھی کبھی آیا کروں گا تمھیں دیکھنے کے لئے۔ تمھاری دنیا کو دیکھنے کے لئے۔ بادل بن کر آتا رہوں گا۔ اور اشکبار ہو کر چلا جایا کروں گا۔"

اسے اچانک محسوس ہوا کہ ہر سال بادل کیوں آتے ہیں۔ ان بادلوں میں کون چھپا ہوا ہے؟ یہ بادل سر اٹھا اٹھا کر کسے دیکھتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں؟ پھر جب بادل آتے ہیں تو برکھا کیوں ہوتی ہے؟ کون روتا ہے اور کیوں روتا ہے؟ کاش یہ بادل یوں نہ رویا کرتے۔ لیکن ایسا کیسے ممکن تھا۔

بادل رو رہے تھے!

روز آتے اور رو کر چلے جاتے تھے۔

پھر ایک روز وہ بھی آیا تھا جب اس نے کوٹھی کی بالکنی پر سے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ بادلوں کی جگہ خود رویا کرتی

تھی لیکن اُس کے اور بادلوں کے رونے میں فرق تھا۔ جب بادل روتے تھے تو دُنیا متوجہ ہو جاتی۔ کیونکہ وہ بہادروں کی طرح روتے تھے۔ اور وہ چُھپکے چُھپکے بُزدلوں کی طرح روتی تھی۔ اُس کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا تھا۔ اُس کے اور بادلوں کے رونے میں کتنا فرق تھا!

وہ اِس لئے پیدا نہیں ہوئی تھی کہ اِس طرح بُزدلوں کی طرح روئے۔

اچانک ایک جذبہ تڑپ کر بیدار ہوتا۔ اور اُسے خیال آتا کہ اُس کے والدین نے اُسے رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ لاکھوں لڑکیوں کی طرح وہ بھی اپنے والدین کا شکار تھی۔

اُن کی جہالت، تنگ نظری اور غفلت کی!

اُسے اپنے والدین سے یہ ورثہ ملا تھا۔

آج وہ پشیمان تھی!

اُس کے والدین اُسے "رانی بنانا" چاہتے تھے۔ اور اُنھوں نے واقعی اُسے رانی بنا بھی دیا تھا۔ بڑی کوٹھی دلائی تھی۔ کار دلائی تھی۔ دولت دلائی تھی اور یہ سمجھ کر کہ وہ دولت پا کر خوش رہے گی۔

لیکن یہ اُن کی بھول تھی۔۔

آج وہ عیش کے دُکھ میں مبتلا تھی۔ اُس کا شوہر اُس کی طرف اِس لئے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا کہ وہ دولت مند تھا۔ اُس نے دولت دے کر اُسے خریدا تھا۔ محبت کرنے کا حلف تو نہیں اُٹھایا تھا۔ پھر وہ محبت کا پابند کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ کہا بھی کرتا تھا "تمھارے والدین تمھیں اشرفیوں کے نکھار والی ہانڈی کہلانا چاہتے تھے۔ وہ اشرفیاں میں نے تمھیں دے دیں۔ اُن کی شرط پوری کر دی اور تمھاری بھوک کا سامان کر دیا۔ اب تم کو خوش رہنا چاہیئے"

لیکن وہ خوش نہ تھی!

خوش ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ دولت خوشی کی ضامن تو نہیں۔

وہ تنہا بالکنی میں کھڑی اضطرابِ قدرت کو دیکھ رہی تھی۔ اور بادلوں کے ساتھ خود بھی اشکبار تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُسے اشکبار دیکھ کر بادل اور زیادہ رو رہے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر اُس کے دل کو اِس لئے تسکین ہوتی تھی کہ یہ بادل اُس کے غمگسار ہیں۔ والدین نہیں، جو اُس کے ساتھ یہ بادل رو رہے ہیں لیکن اُس کا غم ہلکا نہیں کر سکتے۔ اگر اُس کا غم ہلکا ہوتا تھا تو اِن بادلوں کی اشکباری سے۔ کیونکہ وہ یہ راز جانتی تھی کہ اِن بادلوں میں اُس کا اپنا شاعر چُھپا ہے۔ اور وہ اپنی ناکام محبت پر نہیں بلکہ اپنی محبوبہ کی بے چینیوں پر آنسو بہا رہا ہے۔ اُس وقت اُسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ بادل اُس کے سچے غمگسار ہیں۔

اچانک بجلی چمکی۔

اور اُس نے دیکھا ——— بادلوں کے سینے پر کسی نے جیسے لفظ محبت لکھ دیا ———

——— اُس نے ٹھنڈی سانس لی۔ کاش وہ بجلی ہوتی اور بادلوں کے سینے پر لفظ محبت لکھ سکتی!

●●

غزلیں



محمد عشقی

جب تمہارا خیال آیا ہے
دیر تک جسم سنسنایا ہے
ہو گئی ختم شب چراغِ سحر
آخری بار جھلملایا ہے
نام تیرا لبوں پہ آتے ہی
دیر تک ذہن گنگنایا ہے
طاقِ دل میں تمہاری الفت کا
بہ حفاظت دیا جلایا ہے
تیرے الطاف ہوں کہ بے مہری
سب پہ عشقی کو پیار آیا ہے

نافع رضوی ایم اے۔ ایل ایل۔ بی

ہونٹوں پہ تبسم ہے نگاہوں میں حیا ہے
جو ان کی ادا ہے وہ قیامت کی ادا ہے
زلفیں ہیں کہ ساون کے امڈتے ہوئے بادل
عارض ہے کہ گلشن میں کوئی پھول کھلا ہے
کیوں آج اٹھا جاتا ہے خود پردۂ محمل
کیا مجھ سے کے صحرا میں کوئی آبلہ پا ہے
راہوں پہ تو لٹتے ہوئے ہر ایک کو دیکھا
وہ قافلۂ دل ہے جو منزل پہ لٹا ہے
اس حشر نے نافع کے قدم چوم لئے ہیں
جو حشر کبھی محفلِ جاناں سے اٹھا ہے

شفا السعدی

رخ سے نقاب اٹھائیے شرم و حجاب کا
کیوں ہے حیا کی قید میں عالم شباب کا
گوشہ سرک گیا تھا کسی کے نقاب کا
ذروں کو بھی شکوہ ملا آفتاب کا
نظریں ملا کے ناز سے خاموش چل دیئے
پوچھا نہ حال کچھ دلِ خانہ خراب کا
ہلکی سی چاندنی ہے ضیا بخشِ بام و در
حیرت سے دیکھتا ہوں الٹنا نقاب کا
یوں ہے کوئی ہجومِ حسیناں میں جلوہ گر
جیسے چمن میں پھول کھلا ہو گلاب کا

شاہدہ سلطانہ ناز بی اے۔ بی ٹی

دلِ بے تاب جب مچلتا ہے
پھر سنبھالے سے کب سنبھلتا ہے
دل میں رہتی ہے اک کسک ہر دم
کوئی چٹکی سے دل مسلتا ہے
پھونک دیتا ہے ایک عالم کو
شعلۂ آہ جب نکلتا ہے

فکر تونسوی کا جنم دن

فکر تونسوی

پچھلے دنوں احباب نے سازش کر کے میرا جنم دن منا ڈالا۔ اس غیر ضروری تقریب میں مجھے بھی تقریر کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ میری زندگی کی پہلی تقریر تھی جو پسند کی گئی اور اس لئے پسند کی گئی کہ یہ تحریری تقریر تھی۔

تقریر یہ تھی۔

جناب صدر! (جو میں خود ہوں) اور باقی حضرات! آپ لوگ جو میرا جنم دن منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ بہت عظیم لوگ ہیں۔ یہ بات میں یقین سے کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ جو لوگ عظیم نہیں ہوتے وہ کبھی کسی کا جنم دن نہیں مناتے۔ حتیٰ کہ اپنا بھی نہیں مناتے۔ ایسے لوگوں میں ایک صاحب بتقو دھوبی تھے۔ جو پچھلے دنوں راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔ انھوں نے مرتے دم تک اپنا جنم دن نہیں منایا۔ کیونکہ انھیں عمر بھر پتہ ہی نہ چلا کہ وہ جنم لے چکے ہیں۔

ابھی ابھی جو صاحب تقریر کر کے گئے ہیں، آپ اُن کی باتوں پر قطعی اعتبار نہ کیجئے۔ وہ میرے گہرے دوست ہیں اور گہرے دوستوں کی یہی ٹریجڈی ہے کہ وہ صرف تعریف و تحسین ہی کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک گہرے دوست سے میں نے کہہ دیا کہ تمھاری جرابوں سے سخت بدبو آ رہی ہے۔ تو انھوں نے میرے خلاف تھانے میں رپٹ لکھوا دی۔ حالانکہ بطور گہرے دوست کے میرا فرض تھا کہ اُن کی جرابوں کی تعریف کرتا۔ صاحب! سچائی اور دوستی میں اتنا بڑا فرق ہے کہ اُسے مٹانا ابنِ آدم کے بس کا روگ نہیں۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ میرا بیالیسواں جنم دن ہے۔ بظاہر بیالیس کا ہندسہ ایک معمولی ہندسہ ہے۔ لیکن یہ ہندسہ مجھے نہایت تشویشناک محسوس ہو رہا ہے کیونکہ اس ہندسہ کا مطلب یہ ہے کہ میں اب بچہ نہیں رہا۔ جوان بھی نہیں رہا اور بڑھاپا ابھی بہت دور ہے۔ عمر کی یہ عجیب منزل ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ معصوم، نہ الھڑ، نہ بزرگ۔ یہ عجیب بے بسی کی عمر ہے۔ مذہبی اصطلاح میں اسے "عالمِ برزخ" کہا جاتا ہے۔ جب خدا کسی روح کو نطفوں سے گرا دیتا ہے تو اُسے بیالیسویں سال میں پہنچا دیتا ہے۔

ذرا اندازہ فرمائیے کہ اب میں سیڑھیوں پر پاؤں جما جما کر چڑھا کروں گا۔ ڈاکٹر مجھ سے کہا کریں گے کہ آلو مت کھایا کرو۔ بھڑکیلی قمیص پہنوں گا مگر شرماتا بھی رہوں گا۔ اور نیم سنجیدہ باتوں کے بارے میں سوچا کروں گا۔ مثلاً یہ کہ میں کیا ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جاؤں گا اور کب جاؤں گا؟ اور جا کر جب لوٹ آؤں گا تو چیونٹی بن کر یا ہاتھی بن کر؟ دراصل صاحبان! آپ چیونٹی بن جائیں یا ہاتھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ انسان کا سب سے بڑا غم موت ہے اور موت ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا۔ ہم سب کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ چاہے یہ شکل چیونٹی کی ہو یا ہاتھی کی۔ اور چونکہ ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم روح ایجاد کر ڈالی ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ روح ایک لافانی چیز ہے۔ کبھی نہیں مرتی۔ اور یہ اتنی لچکیلی ہے کہ ایک چیونٹی کے اندر بھی سما جاتی ہے اور ہاتھی کے اندر بھی۔ صاحبِ صدر! روح کی ایجاد ہم انسانوں کا ایک لافانی کارنامہ ہے۔ جس پر خود خدا بھی سخت حیران ہوگا!

مجھے خطرہ ہے کہ میرا بیالیسواں جنم دن میرے ماضی کو فنا کے گھاٹ اُتار رہا ہے۔ اور اُس کی بجائے میرے مستقبل کو جنم دے رہا ہے۔ اب میں ماضی کی قبر پر بیٹھ کر مستقبل کی مجاوری کیا کروں گا۔ یہ ایک بڑی بے ہنگم بات ہے کہ میں صرف مستقبل کا ہو کر رہ جاؤں۔ اپنی روح کا مستقبل، اپنے بچوں کا مستقبل، اپنی صحت کا مستقبل، کلچر کا مستقبل، بنی نوعِ انسان کا مستقبل، مذہب، اخلاق اور راستی کا مستقبل۔ صاحبان! سچ سچ بتائیے آپ میرے

ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ ایک پریشان انسان کو کیوں مجبور کر رہے ہیں کہ وہ صبح جاگتے ہی اُٹھ کر سیر کو جایا کرے۔

پرسوں کی بات ہے کہ لاڈو گوپی ناتھ جی ریٹائرڈ ایڈووکیٹ میرے پاس آئے۔ اُنھوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگے۔

"فکر صاحب! میں حیران ہوں کہ خدا جب ایک ہے تو یہ مختلف مذہبوں والے ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟"

تو حضرات! مجھے اُسی وقت شبہ ہو گیا تھا کہ لوگ مجھے سنجیدہ سمجھنے لگے ہیں چنانچہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ کس درد و کرب کے ساتھ میں نے ریٹائرڈ ایڈووکیٹ کے سامنے تسلیم کیا کہ "میں آپ کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں"۔

ایڈووکیٹ صاحب کے جانے کے بعد میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ کیا میرے جنم کا مقصد یہ تھا کہ میں خدا کو ایک ثابت کروں، بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کیا واقعی میرے جنم کا کوئی مقصد تھا بھی؟ غالب شبہ یہ ہے کہ مقصد ضرور ہوگا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مجھے پیدا کیا جاتا!

یہاں پر خیال خواہ مخواہ "کرم فلاسفی" کی طرف چلا جاتا ہے۔ نہ جانے یہ فیصلہ کیوں کیا گیا کہ مجھے ہندوستان میں جنم لینا چاہیئے۔ ممکن ہے یہ فیصلہ میرے سابقہ کرموں نے کیا ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے سابقہ کرم کیا تھے۔ کیونکہ میرا حافظہ اتنا اعلیٰ نہیں کہ پچھلے کرموں کو یاد رکھ سکوں۔ لیکن ایک عام اندازے کے مطابق وہ اچھے کرم ہوں گے۔ کیونکہ سُنا ہے کہ اچھے کرموں ہی سے انسانی چولا ملتا ہے مجھے اپنے گھر کے مُرغے پر اکثر ترس آتا ہے کہ بے چارے کو بُرے کرموں نے مُرغا بنا دیا۔ اگرچہ کئی بار یہ خیال بھی آتا ہے کہ مُرغ مجھ سے بہتر زندگی گزار رہا ہے۔ کیونکہ جب کسی بے گناہ کو پھانسی کی سزا ملتی ہے تو میں اُداس ہو جاتا ہوں۔ لیکن مرغے پر اس پھانسی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ بدستور مُرغی کے ساتھ رومانٹک ڈائلاگ بولتا رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قانون مُرغے نے نہیں بنائے۔ جو قانون بنائے گا وہی اُداس ہوگا۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ مُرغا موجودہ جنم میں ضرور اچھے کرم کرے گا تاکہ اگلے جنم میں وہ انسان بنے اور کسی بے گناہ کو پھانسی دے۔

میرے پچھلے اچھے کرم کون سے ہوں گے؟ ممکن ہے جناب میں نے پچھلے جنم میں کسی اندھے کو اپنی ایک آنکھ [illegible] کسی دوسرے کے خاندے کی خاطر جیل کاٹی ہو لیکن اس بار [illegible] اس جنم میں مجھے عینک لگوانی پڑی۔ کئی بار لتاڑ ہٹ کے باعث [illegible] لکھنے کے لئے کوئی قلم نہیں تک نہ ملا۔ حالانکہ ایک صاحب [illegible] میں ہمیشہ پارکر پن لگائے رہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان صاحب نے پچھلے جنم میں اپنی ایک بھی آنکھ کسی کو نہ دی ہوگی۔ اور اندھے کو [illegible] اس لئے اسے اس جنم میں پارکر پن مل گیا۔ یہ اُس نے بڑی غلطی کی بات کی۔ اگر کسی کو انسانی جنم دیا جائے تو اُسے ساتھ ہی دو ڈرا خشی بھی دی جائے۔ صرف اچھے کرم ہی سے پارکر پن نہیں ملتا۔ ممکن ہے میں نے پچھلے جنم میں کسی بدقماش امیر کی تعریف میں کوئی قصیدہ رقم کیا ہو۔ بدقماش کی تعریف کوئی اچھا کرم نہیں ہے۔ لہٰذا حیرت ہوتی ہے کہ جب میرے کرم اچھے نہ تھے تو مجھے انسانی چولا کس بنا پر دیا گیا۔ حضرات میں شاستروں کی کرم تھیوری کو چیلنج نہیں کر رہا۔ بلکہ صرف قدرت کے نظام کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے موجودہ جنم میں کسی زخمی چڑیا کو پانی نہیں پلایا۔ لہٰذا اگلے جنم میں اس کے بدلے مجھے صرف دستخط کرنا ہی سکھایا جائے اور سابقہ غلطی کو دہرایا نہ جائے۔

میں نے بیالیس سال میں خاصے تجربات کئے ہیں۔ لیکن سب سے مشکل اور سب سے ناگوار تجربہ یہ ہوا کہ انسان کو تنہائی نصیب نہیں۔ پیدا ہوتے ہی اُس کی تنہائی چھین لی جاتی ہے۔ اس کی وجہ خدا ہے۔ یہ خدا کی مجبوری ہے یا کچھ اور ہے کہ اُس نے بیک وقت بہت سی چیزیں پیدا کر دی ہیں مثلاً اُس نے جھنجھنا پیدا کر رکھا ہے جو آپ کے پیدا ہوتے ہی بجنے لگتا ہے۔ آپ جھنجھنے سے الگ ہوتے تو اچانک ایک بلی کی آواز آتی ہے۔ "میاؤں!" آپ میاؤں سے تنگ آ کر بیٹھنے لگتے ہیں تو ایک ننھا آگے بڑھ آتا ہے جو آپ کے آنسو پونچھنے لگتا ہے۔ ایک بار مجھے یاد ہے کہ نائی آ موجود ہوا اور بولا۔ "ننھے! بال کتروا لو۔" ایک بار ایک کتا بھونک بھونک کر مجھے زخمی کر گیا۔ اور پھر ایک اور بار میں یتیم ہو گیا تو میری خالہ آ دھمکی اور بولی "یہ سب تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے ماں کے ایکدن نہیں دیکھ سکتی۔" غرض پورے بیالیس برس میں مجھے ایک پل بھی تنہائی نصیب نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ سوتے وقت جب میں قطعی تنہا ہوتا ہوں تو نیند میں کوئی دیو آ جاتا ہے اور میری گردن [illegible]

لگتی پھر تنہائی ہے جو مجھے اُٹھا کر آسمان کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ ساری صورتِ حالات نہایت ناگوار ہے۔ نہ جانے لوگوں کو یہ کیوں معلوم ہو جاتا ہے کہ میں پیدا ہو چکا ہوں۔ ایک سائنس داں نے مجھے بتایا کہ دراصل یہ ایٹم کی فطرت ہے کہ جونہی ایک ایٹم پیدا ہوا، دوسرا ایٹم اُس کا تعاقب کرنے لگتا ہے۔ آپ جب انسان بن جاتے ہیں تو ننگے نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا کپڑا آپ کا تعاقب کرتا ہے۔ کپڑے کا تعاقب درزی کرتا ہے اور درزی کا تعاقب اُس کی بیوی کرتی ہے۔ بیوی کا تعاقب اُس کے بھوکے ننگے بچے کرتے ہیں۔ غرض ہر ایٹم دوسرے ایٹم کے تعاقب میں ہے۔ صاحبان! میں آپ کو سائنس کا سبق نہیں دے رہا۔ بلکہ صرف اپنے ذاتی ایٹم کا دُکھ بیان کر رہا ہوں کہ تنہائی کسی ایٹم کو نہیں ملتی۔ مجھے درزی کا بل دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن وہ درزی مجھے شعر بھی سُناتا ہے۔ جو ناشائستہ حرکت ہے۔ اگر درزی کے بچے کے پاس نیکر نہیں ہے تو یہ ٹیکسٹائل ملوں کا فرض ہے کہ اُسے نیکر مہیا کریں۔ آخر بے نیکر بچے مجھے کیوں مجبور کرتے ہیں کہ ہمارے تن کی عریانی پر مضمون لکھو۔

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں اگر ایک ایٹم دوسرے ایٹم سے بے نیاز ہو جائے تو کیا ہو۔ ہر ایٹم اپنی الگ زندگی گزارنے لگے۔ جیسے قبر میں ہر مُردہ الگ الگ پڑا رہتا ہے۔ نیکر بیچنے کی الگ قبر ہو۔ میری مضمون نگاری کی الگ قبر ہو۔ اور اگر ایک قبر دوسری قبر سے واسطہ نہ رکھے تو؟ مگر آہ! ایسا کبھی ہوتا نہیں اور تنہائی کبھی ملتی نہیں۔ میں نے کئی بار ہمالیہ پربت پر جا کر تپسوی بننے کا بھی ارادہ کیا۔ لیکن شک ہے کہ وہاں خدا موجود ہوگا۔ اور تنہائی وہاں بھی نصیب نہیں ہوگی۔

اور زندگی میں دوسرا تلخ تجربہ مجھے یہ ہوا کہ موت آسان نہیں۔ حالانکہ بیالیس سال کے فوراً بعد موت کو آجانا چاہئے۔

یہ ایک بے ڈھنگی بات ہے کہ ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے۔ منطقی اعتبار سے یہ غلط سسٹم ہے۔ مثلاً ماہرینِ عمر کی رائے ہے کہ پچاسی برس سے پہلے مجھے موت نہیں آئے گی۔ میری ماں دعا مانگا کرتی تھی کہ تم سو سال تک جیو۔ ایک صاحب پچھلے دس برسوں سے مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اگر تم سگریٹ اور پان کا استعمال ترک کر دو تو تمہاری عمر لمبی ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ سب کچھ ایک بے لطف لالچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ بیالیس برس زندہ رہ کر میں نے جو کچھ دیکھ لیا ہے وہ کافی ہے۔ اب مزید بیالیس سال زندہ رہنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ بھی وہی دیکھوں گا جو دیکھ چکا ہوں۔ اگر کوئی آدمی مجھ سے وعدہ کرے کہ وہ باقی عمر میں مجھے ایک ایسا مُربّا کھلائے گا جو بالکل نیا ہو تو میں مزید تینتالیس سال زندہ رہنے کے لئے تیار ہوں۔ ورنہ یہی عمر اُس دو فٹ لمبے سگریٹ کی طرح ہے جسے پیتے پیتے جبڑے تھک جاتے ہیں۔ لطف اُسی تین انچ والے سگریٹ ہی کا رہتا ہے۔ دراصل لمبی عمر کی خواہش نے انسان کو بُری طرح بھٹکا دیا ہے اور وہ غیر فطری حرکتیں کرتے کرتے زندگی کی خالص لذّت سے محروم ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک صاحب لمبی عمر پانے کے لئے ہر روز صبح اڑھائی گھنٹے سیر کرتے ہیں۔ یعنی عمر کا خاصا حصہ سیر میں ضائع کئے جا رہے ہیں اور ایک اور صاحب عمر بھر پیدل چلتے رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ گھوڑے، موٹر یا ریل پر سوار ہوا کرتے تو زیادہ لذّت اٹھاتے۔ اور ٹائم بھی بچاتے۔ ایک بڑے بوڑھے سے ملاقات ہوئی۔ فخر سے کہنے لگے میں اب بھی دانتوں سے کاٹھا بادام توڑ سکتا ہوں یعنی وہ صرف بادام کھانے کے لئے سو سال تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ بادام اگر پتھر سے توڑے جائیں تو بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایک اور صاحب ہیں وہ خدمتِ خلق کے لئے زیادہ دیر تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اگر چار پانچ سال خدمتِ خلق کر لی جاتے تو اُس میں زیادہ لذّت ہے۔ اس کے بعد کسی اور آدمی کو خدمت کا موقعہ دیا جائے۔

میرا خیال ہے یہ سب زندہ رہنے کی چالبازیاں ہیں اور انہیں چالبازیوں کا نتیجہ ہے کہ موت آسان نہیں رہی۔ لوگ یا تو مرنے میں نہیں آتے یا جب مرنے پر آتے ہیں تو آٹھ سال کا معصوم بچہ بھی مر جاتا ہے۔ جسے ابھی اتنا بھی علم نہیں ہوتا کہ حسینہ کے ہونٹوں میں کشش کیوں ہوتی ہے۔ اور لیلیٰ اور مجنوں کی ٹریجڈی کیوں وجود میں آئی تھی۔

اسی لئے حضرات! میری غرض یہ ہے کہ حسینہ کے لبوں کا اندازہ لگانے کے بعد انسان کو مر جانا چاہئے۔ لیکن اُس بچے کو نہیں مرنا چاہئے جو ابھی اپنا نام لکھنے کی لذّت سے بھی آگاہ نہیں۔ اس کے علاوہ عمر کو لمبا کرنے کے جتنے طریقے ہیں انہیں بند کر دینا چاہئے۔ تاکہ زندگی بھی آسان ہو جائے اور موت بھی حادثہ نہ رہے۔ لیکن جب مجھے خیال آتا ہے کہ مجھے مزید تینتالیس برس زندہ رہنا

... قطب مینار پر چڑھ کر چھلانگ لگاتا ہوں۔ لیکن اب تو وہاں بھی لوہے کا جنگلا لگا دیا گیا ہے۔ لہٰذا میرا مرنا مشکل ہے۔ کیونکہ سنا ہے جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے۔

جنابِ صدر! اور حاضرین! اب میں اپنی تقریر ختم کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ جتنی باتیں میرے پاس تھیں وہ سب ختم ہو چکیں۔ یہ باتیں میری بیالیس سال کی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ آپ شاید چاہیں گے کہ میں کچھ اور ضروری باتیں بھی کروں جن سے دنیا کو فائدہ ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پچھلی کئی نسلوں سے ضروری باتیں کہی جا رہی ہیں۔ لیکن دنیا کو ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ چونکہ رفاہِ عام کی عادت ہم ادیبوں میں عام ہے۔ اس لئے آخر میں چند چیزوں کے بارے میں ضرور عرض کروں گا کہ میرا کیا ردِ عمل ہے۔

مثال کے طور پر میں نے ان بیالیس برسوں میں محسوس کیا ہے کہ کوے سائیں سائیں کرتے ہیں۔ گدھے اتنے بے وقوف نہیں ہوتے جتنے سمجھے جاتے ہیں۔ اُداسی کسی کے باپ کی میراث نہیں۔ ... ہیں۔ گیدڑ کو معلوم ہے کہ شہر میں اُن کے کھانے اور پینے کا کوئی بندوبست نہیں۔ اور گدھے اگر شہر کا بائیکاٹ کر کے جنگلوں میں سکونت اختیار کرے تو وہ بھی اتنا ہی خوفناک ہو سکتا ہے جتنا شیر اور بھیڑیا۔

صاحبان! ان بیالیس برسوں میں مجھے صرف ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔ بعض جانور انسان کے اتنے قریب کیوں آ گئے ہیں اور بعض جانور انسان سے اتنی دور کیوں چلے گئے ہیں۔ کیا ان میں اب بھی مفاہمت کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ یا یہ دائمی ہجر ہے؟

●●

ایجنٹ صاحبان: پرچہ کی کمی بیشی کی اطلاع ہر ماہ کی یکم تاریخ تک پہنچ جایا کرے یا بہر صورت تین تاریخ تک ہمیں مل جانی چاہئے۔ اس کے بعد آپ کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ پوسٹ آفس کے نئے قانون کے مطابق رسالہ کی پوسٹنگ کی مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد رسالہ بھیجنے پر چھ گنا زیادہ محصول لگتا ہے۔ اس لئے کسی ایجنٹ کو رسالہ دوبارہ بھیجنے سے ہم قطعی معذور رہتے ہیں۔

(مینیجر رسالہ بیسویں صدی دہلی)

صلح

آمنہ ابوالحسن

۵۔۴۰۴۔ پنج محلّہ۔ حیدرآباد (اے۔ پی)

۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

خوشتر بھائی! آداب

....آپ فرمائش کریں اور میں کہانی نہ بھیجوں ایسا اس جنم میں تو ممکن نہیں۔ آپ کا تقاضا ہوتے ہی ایک نئی کہانی "صلح" تیار ہو گئی۔ لیجیے سالنامہ "بیسویں صدی" کے لئے حاضر خدمت ہے اور آں مزاجِ گرامی؟....

عافیت کی طالب مخلص ——— آمنہ ابوالحسن

لوگوں کا خیال تھا اب شفیق کی شادی ہونے سے رہی۔ اس کا تنہا ہیں کوئی نہ تھا

لیکن شفیق کا اپنا یہ خیال نہ تھا۔

اور شادی ہو گئی۔

بیوی کو اس نے ٹوٹ کر نہیں چاہا لیکن شوہر کے فرائض باقاعدگی سے انجام دیتا رہا۔ ضد تو اُسے زرینہ سے تھی جو چڑ چڑی تھی کہ روز ہی پھولوں کی مار کھا کر بکھر گئی تھی

"کیوں مارتے ہیں ہمیں۔ اپنی بیوی کو ماریئے!"

"بیوی مارنے کی چیز نہیں!"

"اور ہم؟"

"تمھیں تو اور بھی مار پڑے گی۔"

"مفت کے ہیں ہم؟"

"ہمارے لئے تو ہیں۔ سالی آدھی بیوی جو ہوتی!"

"جی ——— !"

وہ پرے ہٹ گئی۔

پھر چند دن بعد ———

"صلح ہو سکتی ہے بشرطیکہ....."

"میری آپ کی صلح کبھی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"مار بھول گئے؟"

"پھولوں کی مار کا اتنا غصہ؟"

"مار پھر بھی مار ہے پھولوں کی ہو یا ———"

"چوٹ لگی تھی؟"

شفیق کا لہجہ ایک دم بوجھل ہو گیا۔

زرینہ نے گھبرا کر سوچا۔ چوٹ تو اُسے بڑی کاری لگی تھی لیکن ———

شفیق نے اس کی کلائی تھام لی۔

"توڑ ڈالوں؟"

"توڑ کر دیکھئے!"

"کیا ہوگا؟"

"دل نہ ٹوٹ جائے گا آپ کا؟"

"دل ———؟"

ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ یہ دل بیچ میں کہاں سے آن ٹپکا؟ اس وقت

[illegible] ایک ... ہے ... جسم کے ہر حصہ کی
ضرورت ہے۔ ہر ایک کا فعل جداگانہ۔ لیکن یہ دل ——— اور دماغ نے چونک کر کہا۔

"دل و دماغ سے بھی اہم ہوتا ہے بیگمے!"

اور دل کی اہمیت جان لینے کے بعد زرینہ اُسے پہلے سے بھی دلکش نظر آئی۔
[illegible] شوخی کی علامت اور دلکش۔ رخشاں سنجیدہ تھی۔ زرینہ میں شوخی تھی
جو شفیق کو زرینہ کی طرف کھینچ رہی تھی۔

غصّے میں اُس کا پیر رپٹا تو شفیق نے اُسے تھام کر کہا۔

"آہستہ، گر پڑو گی!"

اور زرینہ چڑ کر بولی۔

"آپ سے کس نے سہارا دینے کے لئے کہا تھا؟"

جانے کیسے شفیق کے منہ سے نکل گیا۔

"دل نے!"

اور زرینہ ٹھٹک کر پھر تیر کی طرح چھوٹ کر سیدھی اندر دوڑی۔

ناشتے میں توس اور مکھن کھاتے ہوئے اُسے بار بار احساس ہوتا رہا کہ اُس کا دل اتنی تیزی سے کبھی نہیں دھڑکا۔ نہ جانے کیوں، نہ جانے کیسے۔ جیسے کوئی ہواؤں کے سہارے اُس کے دل میں آن گھسا ہو۔ اُسے صاف نظر آنے لگا۔ یہ بھڑکتا ہوا شعلہ اُسے جلائے بغیر نہ رہے گا۔ اس احساس کے ساتھ ہی ہر دم چوکڑیاں بھرتی زرینہ روپوش ہو گئی۔ گوشہ نشین ہو گئی۔ اگر کوئی اِس بات کو جان لے تو ڈوب جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اور اُس کے مزاج کی شوخی یک بیک نہ جانے کہاں چلی گئی۔

چھوٹی چوری نہ کرے ہیرا پھیری ضرور کرتا ہے۔ موقع نکال کر شفیق نے اُس سے کہا۔

"انسان کو کسی کا احسان نہیں بھولنا چاہیئے۔"

"اور احسان کر کے جتلانے والوں کو کبھی یاد نہیں رکھنا چاہیئے۔"

"بھول جانے میں جتنا درد ہے اُتنا لطف نہیں زرینہ!"

اور زرینہ نے چپکے سے کہہ دیا۔

"چاہے لطف نہ ہو لیکن زندگی کا کیف تو اسی میں پنہاں ہے۔"

اور اتنا کہہ کر وہ گھبرا گئی۔

[illegible]

"... صلح کر لو!"

اور وہ سہم سہم کر سوچتی کہیں یہ صلح [illegible] بہن کا معقول پیوند [illegible] ہوا ہے۔ اور جوں جوں [illegible] دل کمزور ہوتا گیا۔

"زرینہ بیٹی! دولہا بھائی کو پان دے آؤ!"

امی آواز دیتی۔

وہ جھنجھلا کے چلاتی۔

"امی! ابھی نہیں، آپا خود لے جائیں گی۔"

"زرینہ پیاری! دُھلے ہوئے کپڑے اپنے دولہا بھائی کے کمرے میں رکھ آؤ۔"

رخشاں اپنے دوہرے وجود کا سہارا لیتی۔

لیکن زرینہ جل جاتی۔

"آپا تم کتنی کاہل ہوتی جا رہی ہو!"

"کام چور کہیں کی۔" امی ڈانٹتیں۔

آخر وہ کتنے کام ٹالتی۔ اور کس کس طرح! ایک دن پکڑی گئی۔

"پردہ کرنے لگی ہو مجھ سے؟"

"رشتہ تو پردے ہی کا ہے۔ رواج البتہ نہیں!"

شفیق نے سکارف اُس کے گلے میں ڈال کر قریب کھینچ لیا۔

"کس دوں پھندہ؟"

"موت مجھے پسند نہیں۔ لیکن اگر موت سے کسی کو زندگی ملے تو یہی سب سے عظیم قربانی ہے!"

پھندہ آپ ہی آپ کھل گیا۔

شفیق نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کس کی موت؟ ——— کیسی قربانی ———؟"

اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی خلش جو کبھی اُس کی زندگی میں چھپ کر داخل ہوئی وہ اب پوری سرعت کے ساتھ داخل ہو گئی۔ زرینہ کی موت کا خیال آتے ہی ...

برداشت نہ ہو سکا۔ تڑپ کر بولا۔

"تم مر گئیں تو اس دُنیا میں کیا رہ جائے گا زرینہ؟"

اور دفعتہً اُس نے زرینہ کا ہاتھ چوم لیا۔

زرینہ سر سے پاؤں تک لرز گئی۔

شرم اور خجالت سے اُس نے سوچا۔ کوئی دیکھ لیتا تو کیا ہوتا۔ تصوّرِ جہاں، ترغیبِ گُناہ! اور اِن جذبات سے مغلوب ہو کر اُس نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھو میں چھپا لیا۔ اور سسک سسک کر رونے لگی۔

اُس رات شفیق نے اپنی بیوی سے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

"اب زرینہ کی شادی کر دو رشیاں۔"

رشیاں نے حیران ہو کر شوہر کی طرف دیکھا۔ بولی۔

"خدا خیر کرے، عمر ہی کتنی ہوئی ہے جو آپ نے اُس کی شادی کی بات سوچی؟"

"وہ پژمردہ اور پشیمان رہتی ہے۔"

"اِس کا علاج شادی نہیں۔"

"تو اور کیا علاج ہو سکتا ہے؟"

"تفریح!"

رشیاں نے کچھ دن کے لئے زرینہ کو پھوپھی کے ہاں بھیج دیا۔ سوچا شاید زندگی میں یکسانیت سے تنگ آ گئی ہو۔ اُدھر زرینہ نے بھی اطمینان کی سانس لی ہر وقت کے ضبط اور تنہائی نے اُس کے مزاج کا گداز چھین لیا تھا۔ وہ یہی سوچ کر گھبراتی کہ اگر دُنیا نے اُس کے دل کی چوری پکڑ لی تو۔ دُنیا کو دھوکا دینے اور اُس سے بچنے کا یہ اچھا طریقہ تھا۔ خود اُس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کچھ دن آرام سے بسر کئے جائیں۔ لیکن اِس فرار میں کوئی طمانیت نہ تھی۔ آگ زیادہ دہک اُٹھی تھی اور اُس کا وجود جل کر خاک ہوا جا رہا تھا۔ اُدھر شفیق الگ بے چین تھا۔ جیسے خوب صورت پُررونق گھر اچھا خاصا شمشان بن گیا ہو۔ رشیاں اُس کی بیوی ضرور تھی۔ لیکن اُس کی رفاقت، اُس کی یگانگت کی گرفت شفیق کی ہستی پر اتنی محیط نہ تھی جتنی زرینہ کے قرب کی کسک۔ رشیاں رُوح تھی۔ زرینہ جسم اور رُوح گہری ہوتی ہے جسم سطحی۔ پھر بھی جسم کی گرفت ہمیشہ رُوح پر غالب آ جاتی ہے اور رعایت کے وہ شعلے جو اعتدال پسندی سے نہیں جاگتے جسم و جاں کو جلا کر بھسم کر دیتے ہیں۔

وہ اندر ہی اندر جل رہا تھا۔

تھک کر اُس نے بیوی سے کہا۔

"زرینہ کو گئے بہت دن ہو گئے۔ کیوں نہ اسے بلا لیا جائے۔ تمہیں بھی تو اُس کی ضرورت رہتی ہے۔"

شادی کو سال ختم ہو رہا تھا۔ رشیاں پورے دنوں سے تھی۔ ضرورت تو واقعی تھی۔ لیکن زرینہ کو بلا کر وہ پھر اتنی جلد ایک ناخوشگوار فضا اُس کے لئے نہیں پیدا کرنا چاہتی تھی۔ سوچتی کہ گود ہری ہوتے ہی آپ ہی آپ زرینہ دوڑی آئے گی اور ماحول کی یکسانیت بھی ختم ہو جائے گی۔

انسان جو سوچتا ہے وہ بہت کم ہوتا ہے۔ رشیاں کی گود ہری ہوئی۔ لیکن رشیاں کی زندگی کا چمن خاکستر ہو گیا۔ بچہ بچ گیا۔ ماں مر گئی۔ شفیق کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ رشیاں کی زندگی کے بارے میں اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ زرینہ کی مقناطیسی کشش نے کبھی رشیاں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پھر بھی اِس موڑ پر آ کے احساس ہو رہا تھا کہ رشیاں بہت انمول، بڑی قیمتی شخصیت کی مالک تھی۔

وہ روتا رہا۔

سر دھنتا رہا۔

تڑپتا رہا۔

تار پا کر زرینہ تنکے کی طرح اُڑتی آئی۔ اماں سے لپٹ کے روئی۔ بچے کو سینے سے لگا کے چلائی لیکن جب شفیق سامنے آیا تو اُس کی آنکھوں کے سوتے دفعتہً خشک ہو گئے۔

"میرا کوئی قصور نہیں زرینہ! مجھے سمجھو، میرا یقین کرو!"

شفیق تڑپ کر بولا۔

لیکن زرینہ کو یقین نہیں آیا۔

محبت کا نازک پودا اتنی تیز حرارت برداشت نہ کر سکا۔ اُس کی جڑیں آپ

تب آپ کھلا گئیں۔

جب ریشماں کا غم دب گیا اور بچے کی بہبودی اور اس کے مستقبل کے متعلق ہر کوئی سوچنے لگا۔ تو اپنے پرائے سبھوں نے یہی مشورہ دیا۔

"سوتیلی ماں لانے سے بہتر ہے کہ بچے کو زرینہ کے سپرد کر دیا جائے۔"

بچے کو زرینہ کے سپرد کرنا یا زرینہ کو شفیق کے سپرد کرنا ایک ہی بات تھی۔

اس تجویز نے شفیق کے غم کو ایک حد تک ہلکا بھی کر دیا۔ اُسے تسلی بھی دی۔ لیکن زرینہ نے اگلی ہی صبح چندن سی راکھی شفیق کی کلائی پر باندھ کر کہا۔

"مجھے ڈر ہے کہ میری آپ کی صلح نہ ہو جائے۔ یہ راکھی ہمیشہ ہمارے درمیان حدِ فاصل رہے گی۔ مقدس اور ---- اور ----"

وہ پھوٹ پڑی۔

سب نے حیرت سے زرینہ کی طرف دیکھا۔

لیکن شفیق نے اُس کی طرف نہیں دیکھا۔

کسی اور طرف نہیں دیکھا۔

نگاہ جما کے اُس آسمان کو دیکھتا رہا جس پر ریشماں ناحق اُس سے بچھڑ کر چلی گئی تھی اور جس کے نیچے زرینہ ملا دجہ اُس سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گئی تھی۔

کیا زمین آسمان کی صلح کبھی ممکن نہیں؟

وہ رہ رہ کے یہ سوچتا رہا ---- !

●●

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن منی آرڈر پر یہ ضرور تحریر فرمائیے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد میں دیر نہ ہو۔ خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ "رسالہ بیسویں صدی دہلی نمبر ۶" لکھنا کافی ہے۔ (مینجر)

بشکریہ یکسوئی

غزل

امرچند قیس جالندھری

نہ پی سکتا ہے آنسو ہی نہ غم کھانے کے قابل ہے
کہوں کس دل سے دل کو دل، مرا دل بھی کوئی دل ہے

بلا ہے ساتھ بھی، اِس کا الگ ہونا بھی مشکل ہے
رفیقِ زندگی بھی ہے تو دشمن بھی مرا دل ہے

ترے ہوتے بھی محفل میں تہی ساغر رہا اے ساقی
وہی پھوٹی ہوئی قسمت، وہی ٹوٹا ہوا دل ہے

نتیجہ کچھ نہ ہو لیکن بڑا پُر لطف ہے جھگڑا
وہ کہتے ہیں برا دل ہے، میں کہتا ہوں برا دل ہے

نہ ہو پاسِ وفا جس کو، نہ ہو خوفِ خدا جس کو
اگر ایسا کوئی دل ہے تو وہ دل آپ کا دل ہے

محبت کی کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتا
خدا رکھے اِسے محفوظ کتنا من چلا دل ہے

ہزاروں بجلیاں برسیں نہ آئی آنچ گلشن پر
وہی پھولوں کی محفل ہے، وہی شورِ عنادل ہے

ہمیشہ تنگ رہتا ہے اسی سے قافیہ دل کا
تمہارا حسنِ دل کش بھی بلا کا دشمنِ دل ہے

الٰہی ترکِ الفت نے تو دنیا ہی بدل ڈالی
نہ وہ دم خم ہے اب مجھ میں نہ وہ ہمت نہ وہ دل ہے

فقط اک قیسؔ ہی بے خود نہیں محفل میں اے ساقی
ہر اک ذی ہوش بے دم ہے ہر اک ذی فہم بسمل ہے

افسانہ

ویرانے کے پھول

——— نور شاہ

ہسپتال روڈ، درگاہ بازار، ... نگر

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

برادرم خوشتر صاحب تسلیمات

ایک تازہ ترین تخلیق "ویرانے کے پھول" ارسال کر رہا ہوں۔ اس کہانی کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے یعنی اس میں میری اپنی زندگی کی پرچھائیں ملیں گی۔ تاریک، افسردہ پرچھائیاں۔ فکر ہے کہانی آپ کو پسند آئے....

آپ کا اپنا ——— نور شاہ

سیاہ بھیانک رات بھیگ چکی ہے۔ بارش نے شدت اختیار کر لی ہے۔ ایسی سیاہ راتیں کتنی بھیانک لگتی ہیں۔ لیکن کس قدر اذیت ناک ہیں، کس قدر بھیانک ہیں۔

مجھے ایسے لمحوں سے ڈر لگتا ہے۔ ایسے تاریک لمحوں سے مجھے نفرت ہے۔ یہ اندھیرے میری زندگی کو فنا کر دیتے ہیں۔ کاش دُنیا میں دن ہی کی پاک صاف روشنی ہوتی۔ ناپاک اندھیرا نہ ہوتا۔ اذیت ناک تاریکی نہ ہوتی۔

لیکن ———

لیکن ——— تاریکی بڑھ رہی ہے۔ اور موم بتی کی ٹمٹماتی لرزتی لو کی تھرتھراہٹ میں مجھے موت کی پرچھائیاں اُبھرتی محسوس ہو رہی ہیں۔

موت ——— !

خالد اپنے تاریک خیالوں میں گم تھا۔ اچانک بجلی چمکی، اور اُس کے دل کو چھو گئی۔ اُس نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے شنکر آچاریہ کے دامن میں پھیلے ہوئے وسیع مزار کی طرف دیکھا۔ جہاں اَن گنت قبریں تھیں۔ لیکن بجلی ہونے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ اور نہ موم بتی کی لرزتی ٹمٹماتی لو نے۔ شہرِ خموشاں کی بکراں وسعتوں میں بھی سیاہ بھیانک رات نے اپنی پُر آسیب بساط بچھائی تھی پُر ہول

دُکھ بھری چھاؤں نے اُس تاریکی کو اور بھی خوفناک بنا دیا تھا۔ دُور کھڑے ہوئے سناٹوں میں خواجہ بابا صاحب کے آستان کے گنبدوں سے بارش کی پھوار ٹکرا رہی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے سینکڑوں بھٹکتی ہوئی روحیں سکون کی تلاش میں ہوں!

سکون!

تاریکی!!

شہرِ خموشاں!!!

... تاریکی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ اُس نے اپنے ذہن کے دریچے بند کر لئے جن میں سے ... کے نقوش اُبھرتے دکھائی دیتے تھے ——— !

اچانک پھر بجلی چمکی۔

خالد نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔ اُس کی نظریں اُس نئی قبر سے ٹکرائیں جسے وہ برابر اُس دن سے دیکھ رہا تھا جب سے قبرستان کی وسعتوں میں اُس کا اضافہ ہوا تھا۔ قبر پر لکھی ہوئی تحریر اُس کے ذہن پر اپنا نقش بنا چکی تھی۔ وہ ہر وقت اس تحریر کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اور اُس اَن دیکھی لڑکی کے خدوخال

اپنے دل میں سموتا تھا جو اس قبر کی تہہ میں ابدی نیند سو رہی تھی۔

حلیمہ!

عمر ۲۰ سال

تاریخ وفات ——— ۵ اگست ۷۵ء

ژہ کم دے مینے بہارن دُو دمٹہ پینئے

پپٹ باثرہ کمینے کبینہ مد بینئے ———!

سو رودم تخت رودم تاج رودم

سو رودم صبح رودم شام رودم ———!!

- عورت اہنسا اور تیاگ کی مورتی ہے ؛ (مہاتما گاندھی)
- عورت کو کمزور کہنا اس کی توہین کرنا ہے ؛

(مہاتما گاندھی)

- عورت کوئی عہد نہیں کرتی لیکن مرد کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ مرد ان گنت عہد کرتے ہیں اور صاف مکر جاتے ہیں ؛ (ایک مشرقی مفکر)
- عورت کے جذبات شبنم کے ان قطروں کی طرح ہیں جو صبح کے وقت پھولوں کی پتیوں سے لٹک رہے ہوں ؛ (کیٹس)
- عورت نہ ہوتی تو دنیا میں تہذیب نہ ہوتی ؛ (رمن لال ڈیسائی)

(کس نے چاہا تھا کہ تمہاری بہاراولوں کی نذر ہو جائے۔ تمہاری پکی ہوئی فصل ٹڈی دل کی شکار ہو جائے۔ اور تمہارے کھیت میں کچھ نہ اُگے ———!)

(وہ گیا، میری صبح گئی، شام گئی

وہ گیا، میرا تخت گیا، تاج گیا ———!!)

حلیمہ ——— جانے کون ہے یہ حلیمہ ——— کہاں کی ہے ——— کہاں سے آئی۔ نہ جانے یہ لڑکیاں چھوٹی عمر میں کیوں مر جاتی ہیں۔ کوئی خوب صورت سی لڑکی ہوگی جو زندگی کی رنگین بہاریں دیکھنے سے پہلے ہی مر گئی۔ کلی ہوگی جسے پھول بننا ہی نصیب نہ ہوا۔ حلیمہ ——— عمر ۲۰ سال ——— ابھی دلہن نہیں بنی ہوگی۔ ابھی اُسکے دُوار کوئی دُولھا نہیں آیا ہوگا۔ کوئی پالکی میں بٹھا کر نہیں لے گیا ہوگا۔ چاؤ، امنگیں اور حسرتیں ساتھ ساتھ ہی مر گئی ہوں گی۔

حلیمہ ———!

وہ بھی شاید بیمار ہی ہو۔ اُسے بھی میری طرح کسی انجانے روگ نے کھا لیا ہو۔ جوانی میں کسی چیز کے بارے میں سوچنا بھی تو روگ ہی ہے۔ مجھے زندگی نے کیا دیا۔ کسی کو چاہا وہ مل نہ سکی۔ کسی کو اپنانے کی کوشش کی وہ مجھ سے دور بھاگ گئی۔ اور دنیا بسانے۔ میری دنیا کو اُجاڑ کر!

ہو سکتا ہے حلیمہ کو بھی ایسا ہی کوئی روگ ہو۔ لیکن حلیمہ مجھ جیسی بدصورت تو نہ ہوگی۔ بیس سال کی عمر میں کوئی بدصورت نہیں ہوتا۔ میں بھی نہیں تھا۔ جوانی خود ہی خوب صورتی ہے۔ حلیمہ جوان تھی۔ جوانی میں مر گئی۔ وہ بھی خوب صورت ہوگی حسین ہوگی۔ بیس سال کی دوسری حسین لڑکیوں کی طرح۔ اور یہ عمر تو قابل پرستش ہوتی ہے!

حلیمہ! تو کہاں ہے۔ آ میں تجھے اپنے دل کے مندر میں بٹھا کر پوجوں گا:

اُس نے قبر پر ایک اور نظر ڈالی۔

قبر خاموش تھی۔

رات کا سناٹا اور گہرا ہو گیا تھا۔ وہ چیخ اُٹھا۔

حلیمہ ہو یا ہاجرہ۔ عورت آخر عورت ہے۔ مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ کسی نے سمجھنے کی کوشش نہ کی۔ اپنوں میں سے کوئی دکھ بانٹ نہ سکا۔ غیروں سے کیا گلہ۔ پرایوں سے کیا شکوہ؟ ہاجرہ، وہ بھی تو اپنی ہی تھی۔ اس نے مجھے کیا دیا۔ دکھ اور روگ!! جب تمنائیں سسکیاں بھرتی ہیں اور آرزوؤں کا خون ہوتا ہے۔ جب سازوں کے پردے ٹوٹ جاتے ہیں اور گیتوں کے بول بے سُر ہو جاتے ہیں۔ تو زندگی مر جاتی ہے۔ مر جاتی ہے۔ میں بھی زندہ کہاں ہوں۔ میں بھی کب کا مر چکا ہوں۔ یہ قبرستان میرا گھر ہے۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں۔ کوئی اپنا نہیں۔ کوئی پرایا نہیں۔ یہاں کوئی زندگی کی پستیاں اور بلندیاں نہیں دیکھتا۔ کوئی خوب صورتی اور بدصورتی نہیں دیکھتا۔ ...... خالد پھوٹ پڑا۔ اور رات کی تاریکیوں میں اس کی سسکیاں دور قبرستان کے سناٹوں سے ٹکرا کر نہ جانے کہاں کھو گئیں۔

حلیمہ ———!

ہاجرہ ——!

حلیمہ ——!!

دوسرا لمحہ خالد کے لئے حیران کن تھا۔ بجلی ایک بار پھر زور سے چمکی اور چمک کر نئی قبر پر گری۔ اچانک اُس قبر کا سینہ چاک ہو گیا۔ اُس نے اپنا منہ کھولا۔ آہستہ آہستہ ایک نرم و نازک سی لڑکی قبر سے نمودار ہوئی۔ اُس کے گالوں کی سرخی اور اُس کے چہرے کی روشنی نے رات کی تاریکی کو نگل لیا۔ بڑی بڑی گہری گہری آنکھیں۔ جن کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے ڈوب کے سپنے اُبلتے ہوئے چشمے سے نظر آنے لگتے ہیں۔ نیم وا ہونٹ جنھیں دیکھ کر کلیوں کے چٹکنے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ قد و قد کی رعنائی دیکھ کر شالیمار کے سرووں کا دل بھی دھڑکنے لگتا ہے۔

لڑکی آہستہ آہستہ اور آگے بڑھی۔

اور آگے۔

اور ایک پُر اسرار اور ترنم ریز آواز گونجی۔ جیسے کہانی کے کوٹھے سے آواز آرہی ہو۔

"خالد ——!"

"کون ہو تم...؟"

وہ زور سے چیخا۔

"میں —— کیا تم مجھے پہچانتے نہیں؟"

"جا —— جا میرے اس تاریک کمرے کے اندر آنے کی کوشش نہ کر۔ دیکھ میرے کمرے میں موم بتی کی یہ ٹمٹماتی مدھم لو بجھ نہ جائے۔ جا میری تنہائیوں میں کیوں مخل ہو رہی ہے۔"

"خالد ——!"

"کون ہے تو، میں نے تجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"لیکن میں نے تو دیکھا ہے۔" دو یاقوتی ہونٹوں کے شگوفے کھلنے لگے۔ "تو مجھے پہچاننے کی کوشش کر۔ اپنے دل کے اندر جھانک۔ جہاں تو نے کسی انجانی لڑکی کے خدوخال سنوارے ہیں۔"

خالد نے لڑکی کو اُوپر سے نیچے تک دیکھا لیکن خاموش رہا۔

"میں تجھے ہر روز دیکھتی ہوں۔ جب سے یہاں آئی ہوں تب سے دیکھ رہی ہوں۔ تو اپنی کھڑکی میں بیٹھا میری طرف دیکھتا رہتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میری قبر تجھے اپنی دیرینہ آرزوؤں کا لٹا ہوا تاج محل نظر آرہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس قبر کی مٹی تجھے اپنے خوابوں کا جزیرہ نظر آرہا ہے۔ آج میں نے فیصلہ کیا کہ اپنا چہرہ تجھے دکھاؤں اور خود بھی دل بھر کر تجھے دیکھوں۔"

لڑکی خالد کے اور قریب آئی۔

وہ چیخ اٹھا۔

"تو یہاں سے جا، چلی جا۔ تو بھی ایک عورت ہے۔ تو بھی حسین ہے۔

◆ جوانی میں کتابیں پڑھنا ایسا ہے جیسے آپ کسی دراز سے چاند دیکھ رہے ہوں۔ ادھیڑ عمر میں کتابوں کا مطالعہ ایسا ہے جیسے کھلے آنگن میں چاند کو دیکھا جائے۔ اور بڑھاپے میں کتاب بینی ایسی ہے جیسے اونچی ہموار جگہ سے چاند کا نظارہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطالعے سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں اُن کی گہرائی اپنے ذاتی تجربے کی گہرائی کے تناسب سے بدلتی رہتی ہے۔

(چانگ چاؤ)

◆ وقت کا ہاتھ بڑی بڑی عمارتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے لیکن ایک اچھی کتاب کا وجود کوئی طاقت نابید نہیں کر سکتی۔ (زید ڈوبا)

ہاجرہ بھی حسین تھی۔ وہ جب ہنستی تھی تو محسوس ہوتا تھا جیسے تاج کے مرمریں گنبد پر چاند کی پہلی کرن رقصاں ہے۔ اُس کے گالوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا جیسے شفق نے اُس کے گالوں سے رنگ چرا کر اپنے دامن کو رنگین بنا لیا ہے۔ اُس کے ہاتھ اور ہاتھوں کی حنائی انگلیاں کس قدر خوب صورت تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُن کو بناتے وقت مصورِ فطرت کے ہاتھ بھی کانپنے لگے ہوں گے۔ ہاجرہ بھی تو عورت ہی تھی۔ جیسی تو ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دے!"

"ہاجرہ!" —— لڑکی دھیرے سے بولی —— "میں ہاجرہ نہیں، حلیمہ ہوں۔ حلیمہ جو مر چکی ہے۔ خالد! مُردے خوب صورتی سے پیار نہیں کرتے

بہت سے پیار کرتے ہیں۔ اور پھر اگر ماجد نے تجھے دھوکا دیا تو کیا ہوا؟"

"بند کر یہ بکواس!"

وہ گرج اٹھا۔

"یہ تیرے دل کی آواز نہیں۔ یہ تیری بدصورتی بول رہی ہے۔"

"بدصورتی ——— لیکن میں اس وقت بدصورت نہیں تھا جب میں نے ماجدہ سے پیار کیا تھا۔ جب ماجدہ پہلی بار بہار بن کر میری زندگی میں داخل ہوئی تھی اس وقت میں بدصورت نہیں تھا۔ اگر میرے چہرے کا رنگ بگڑ گیا تو اس میں میرا کیا قصور۔ کیا محبت چہرے کی خوبصورتی سے کی جاتی ہے۔ دل کی خوبصورتی سے نہیں کی جاتی۔ بول، جواب دے۔"

"یہ سب میں نہیں جانتی!"

علیمہ بولی۔

"جب تو یہ سب نہیں جانتی تو کیوں آئی ہے یہاں؟"

خاموشی ———

خاموشی ———

طویل خاموشی ———

"قادر کہانی سنو گے؟"

"کہانی ——— ؟"

"ہاں کہانی!"

"سنوں گا!"

"یہ ایک لڑکی کی کہانی ہے۔" آہستہ آہستہ قبرستان کے سناٹوں میں علیمہ کی آواز ابھرنے لگی۔ "ایک لڑکی تھی بہت ہی خوب صورت گلابی رنگت۔ ایسی گلابی کہ جب وہ گلابی دوپٹہ سر پر ڈالتی تھی۔ تو اس کے گلابی دوپٹے اور چہرے کے رنگ میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ حسن گھر دیکھ کر نہیں آتا۔ خوبصورتی امارت اور غربت میں فرق نہیں کرتی۔ غریب گھرانے کی اس حسین شمع کے بہت سے پروانے تھے۔ وہ لڑکی اپنے پروانوں سے بے خبر اپنے جیسے ایک لڑکے سے پیار کرتی تھی۔ وہ بھی غریب تھا۔ دونوں بچپن اور لڑکپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ لڑکپن بیت گیا۔ جوانی آئی۔ دونوں کو احساس ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ [illegible] ہے۔ ہونی کو کون انہونی بنا سکتا ہے۔ لڑکی کا باپ بیمار [illegible] تھا ختم ہو گیا۔ واپسی [illegible] کے پاس سوائے چار [illegible] کچھ نہ تھا۔ [illegible] کی ضرورت تھی۔ [illegible] کھلانے کی ضرورت تھی۔ شاید [illegible] ٹھیکیدار نے اس سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی [illegible] نہ کر سکا۔ وہ ٹھیکیدار [illegible] فوکر رہ چکا تھا۔ اس کی ایک [illegible] کے پاس [illegible] تھی۔ باپ نے [illegible] لڑکی ٹھیکیدار کے گھر [illegible] کیا ہوا ٹھیکیدار کی [illegible] سے زیادہ [illegible] امیر [illegible] ہے۔ [illegible]

ابھی شادی [illegible] لڑکی بیاہ [illegible] لگ گئی۔ [illegible] ایک دن [illegible] کو جب [illegible] کی سہیلیاں [illegible] تو اس [illegible] [illegible] ایک [illegible] گلے [illegible] اور زندگی [illegible] [illegible] باپ کو [illegible] ہوا۔ اس کے [illegible] اٹھا۔ لیکن [illegible] کیا ہو سکتا تھا۔ برات آنے والی تھی۔ برات [illegible] واپس لوٹ سکتی تھی۔ برات آ گئی۔ نیم مردہ لڑکی کو وداع کیا گیا۔

کچھ روز بیت گئے۔

کچھ مہینے بیت گئے۔

اور پھر ———

دوسری صبح سنا گیا کہ وہ لڑکی مر گئی ہے۔ کچھ دیر بعد [illegible] کو نئے سرے سے دلہن بنا کر [illegible] بٹھایا گیا۔ [illegible] میں اسے دفنا دیا گیا۔ اور وہ لڑکی تابوت کی قید میں بیٹھ کر [illegible] اپنے اصلی زندگی کے ساتھی کو قبرستان کی وسعتوں میں [illegible] جو اسے اس دنیا میں نہیں ملا تھا ——— قادر ———!"

"سن رہا ہوں!"

"مجھے تیری ماجرہ نہ ملی تو کیا ہوا۔ تو ماجرہ سے پیار کرتا تھا۔ اب بھی کرتا ہے۔ وہ لڑکی بھی پیار کرتی تھی۔ اُسے بھی اپنے بچپن کا شہزادہ نہ ملا تو کیا ہوا! پیار دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں۔ پیار ارادوں کی تکمیل کا نام نہیں پیار نام ہے ایک جستجو کا جو کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ پیار نام ہے ایک احساس کا جو کبھی فنا نہیں ہوتا۔"

"حلیمہ ——— !" خالد چیخ اُٹھا ——— "ٹھیک کہتی ہے!"

"اچھا خالد ——— خدا حافظ۔ میں جا رہی ہوں۔ واپس اپنی دُنیا میں"

"لیکن جانے سے پہلے یہ تو بتا اُس لڑکی کا نام کیا تھا؟"

"نام ——— لڑکی کا نام سن کر کیا کرو گے؟"

"کچھ کر تو نہیں سکتا مگر سُننا چاہتا ہوں!"

خاموشی ——— خاموشی ———

"بتا کون تھی وہ لڑکی؟"

خالد نے پھر پوچھا۔

"لڑکی ——— اُس لڑکی کا نام حلیمہ تھا!"

"حلیمہ ———"

"ہاں ہاں حلیمہ ——— وہ لڑکی میں تھی ——— ماجرہ تیری خوب صورتی سے محبت کرتی تھی۔ جب تک تو خوب صورت تھا تجھ سے پیار کرتی رہی۔ آگ نے تیری خوب صورتی کو فنا کیا تو ماجرہ تجھ سے دُور بہت دُور چلی گئی۔ نہ جانے کس خوب صورتی کی تلاش میں۔ تو نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کاش دل کی خوب صورتی سے پیار کیا جاتا۔ میں نے بھی تو تجھ کو دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں چھپا لیا تھا۔ اب بھی چھپائے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ لیکن تو بتا خالد اُس وقت دل کیوں خاموش رہا، اُس نے کیوں بغاوت نہ کی جب مجھے ایک ادھیڑ آدمی کے سپرد کیا جا رہا تھا۔ میں نے خدا سے موت مانگی۔ میری محبت پاک تھی مجھے موت مل گئی۔ یہ کیسی دُنیا ہے خالد! یہ کیسے لوگ ہیں؟!"

"حلیمہ ——— !"

"اب میں جا رہی ہوں خالد، اپنی تاریک وادیوں میں!"

"اکیلی نہ جا حلیمہ! میں بھی تیرے ساتھ آؤں گا۔ ٹھہر حلیمہ میں آ رہا ہوں۔ آ رہا ہوں۔ ایک نئی دُنیا بسانے کے لئے۔ جہاں ظاہری خوب صورتی سے پیار نہ کیا جاتا ہو۔ جہاں . . . . ."

آخر رات ختم ہو گئی

صبح جاگی۔ دن کی روشنی نے بھیانک رات کی تاریکی کو نگل لیا۔ اور راہ گیروں نے دیکھا کہ ایک قبر سے ایک نوجوان کی لاش لپٹی ہوئی ہے۔ قبر پر لکھا ہوا ہے۔

حلیمہ ———

عمر ۲۰ سال

تاریخ وفات ۱۸ اگست ۱۹۶۱ء

خالد ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا۔ ایسا خواب جس میں اُس کی اپنی زندگی کی پرچھائیاں تھیں۔ سرد، تاریک پرچھائیاں۔ اُس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اب بھی اُسے کوئی پکار رہا تھا۔ اب بھی اُسکے کان کسی کی کہانی سُن رہے تھے۔ اب بھی وہ نقوش سامنے تھے جن میں اُس کی اپنی زندگی کے خدوخال . . . . چاروں طرف ایک مسلسل گونج تھی۔ ایک مسلسل پکار تھی جیسے کوئی شخص اپنی تنہائیوں سے گھبرا گیا ہو۔ جیسے کوئی طوفان اور آندھی میں بانہیں پھیلائے کسی کا سہارا ڈھونڈ رہا ہو۔ اُس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ دل کی دھڑکنیں سینے کی گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔ صرف ایک چیخ بلند کی اور کسی سحر زدہ ہستی کی طرح اپنے خواب کا تعاقب کرنے لگا۔ تعاقب کرتا تاریکیوں میں گرتا پڑتا ندیوں کی جانب نکل گیا۔

آج پہلی بار اُس نے رات سے پیار کیا تھا۔

لیکن خواب ٹوٹنے کے لئے جاگتے ہیں۔

رات سونے کے لئے جاگتی ہے ——— !! ●●

پابندیاں

عبدالرب محمد سیونوی

مُہر لب پر ہے، شکایات پہ پابندی ہے
تیری محفل میں ہر اک بات پہ پابندی ہے
دل بھی بیتاب ہے اور ترکِ تعلق بھی محال
سخت مشکل ہے ملاقات پہ پابندی ہے
بات کرنا ہے غضب اور خموشی دشوار
کس طرح بات بنے بات پہ پابندی ہے
چھیڑ کی راہ نکلتی ہے مگر کیا کہیئے
بات وہ چلتی ہے جس بات پہ پابندی ہے
دی ہے اُس شوخ نے یہ جرمِ محبت کی سزا
دل نظر بند، خیالات پہ پابندی ہے
اے صدا ہم بھی تو خاموش اُسی بات پہ ہیں
محفلِ یار میں جس بات پہ پابندی ہے

غزل

نسیم بانو نسیم

جلوہ آرائیاں ارے توبہ
اُن کی رعنائیاں ارے توبہ
اِک سمندر ہے جس کی تھاہ نہیں
غم کی گہرائیاں ارے توبہ
اُن کی تسکینِ دل کے پردے میں
درد افزائیاں ارے توبہ
گہما گہمی ہے محفلوں کی سی
میری تنہائیاں ارے توبہ
دل نہ ہو جائے لوٹ پوٹ نسیم
اُن کی انگڑائیاں ارے توبہ

چار چاند

احمد وصی رائے

چاند آکاش میں چمکتا ہے
ابر ہلکا سا اُس پہ چھایا ہے
جیسے شرما کے اِک حسینہ نے
اپنے آنچل میں مُنھ چھپایا ہے

چاند کے ارد گرد ہالے میں
کہکشاں ایسے جگمگائی ہے
جیسے پوجا کو اِک پجارن نے
خوشنما آرتی سجائی ہے

سطحِ گردوں پہ چاند کی قندیل
یوں ستاروں میں جگمگاتی ہے
اپنی ہمجولیوں کے جھرمٹ میں
جیسے اِک نازنیں لجاتی ہے

غزل

مینا قاضی

حیا و شرم کی یہ پردہ داریاں توبہ
وہ سامنے تھے مگر مجھ سے بات بھی نہ ہوئی
بہار آئی تو آئی کچھ ایسے عالم میں
کہ جب خزاں کی عنایت میں بھی کمی نہ ہوئی
وہی تھا جام وہی مے تھی اور مینا بھی
نہ جانے کس لئے پھر مجھ سے مے کشی نہ ہوئی



آپ کی آنکھوں کے پانچ دشمن!
★ گرد و غبار۔
★ دھواں۔
★ گرمی۔
★ چمک۔
★ جراثیم۔
اور ایک بہترین دوست
بھیم سینی کاجل
جو آپ کی ان تمام دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اور آپ کی آنکھوں کو تندرست اور خوبصورت بناتا ہے۔
MURARI BROTHERS
مراری برادرس کملانگر دہلی ۶
ہم آپ کو انڈین انڈسٹریز فیئر میں اپنے اسٹال نمبر ۹-E ریلیس سیکشن پر تشریف لانے کی دعوت دیتے ہیں۔



سردی اور کھانسی
سے محفوظ اور
یقینی آرام
VAPOLIN
ویپولین
جب بچوں کو نزلہ زکام ہو تو بس مرہم ویپولین کی مالش جیسی اچھی اور کوئی چیز نہیں۔ سینہ، پیٹھ اور گلے میں ایک ذرا سی مالش سے فوراً آرام پہنچاتی ہے
بورولین تیار کرنے والوں کی ایک اور پیشکش
جی ڈی فارمیسیوٹیکلس پرائیویٹ لمیٹڈ
کلکتہ ۳

افواہیں

جہاں گرد کے قلم سے

جہاں گرد چاروں کھونٹ گھومتا ہے۔ افواہیں جمع کرتا ہے۔ اُسے افواہیں جمع کرنے کا جنون ہے۔ یہ جنون اس لئے ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جنون کے پیچھے ہوش ہوتا ہے۔ افواہوں کے پیچھے تلخ حقیقتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

پہلی افواہ

پارلیمنٹری حلقہ وناش گڑھ کے ووٹروں نے متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ اس مرتبہ جنرل الیکشن میں ہمارے حلقے کے صرف وہی ووٹر اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے جن کے پاس کم از کم میٹرکولیشن کا سرٹیفکیٹ ہو۔ جہاں گرد کو بتایا گیا ہے کہ ایسے ووٹروں کی تعداد صرف گیارہ ہے۔

دوسری افواہ

پارلیمنٹری حلقہ پاٹا پٹیم کے ووٹروں نے احتجاج کیا ہے کہ ہمارے حلقے کے اُمیدواروں کو چناؤ نشان الاٹ نہ کیے جائیں۔ کیونکہ چناؤ نشان صرف غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی رہنمائی کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے حلقہ پاٹا پٹیم کے سو فی صدی ووٹر تعلیم یافتہ ہیں۔ چناؤ نشان کو دیکھ کر دل میں یک دم یہ خیال آجاتا ہے کہ ہم جاہل اور اَن پڑھ ہیں۔ لہٰذا جب تک چناؤ نشان کا طریقہ ترک نہیں کیا جاتا ہم اپنے ووٹوں کا استعمال نہیں کریں گے۔

تیسری افواہ

افواہ ہے کہ دہلی میں جلد ہی ایک انجمن قائم ہونے والی ہے جس کا نام ہوگا۔ "الیکشن میٹیریل سپلائرز کمپنی"۔ اس انجمن کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ الیکشن میں کھڑے ہونے والے اُمیدواروں کو الیکشن میں کام آنے والا میٹیریل فراہم کرے۔ یہ کمپنی خالص تجارتی بنیادوں پر یہ کام کرے گی۔ مثلاً اُمیدواروں کیلئے جلسے جلوس اور مظاہروں کا اہتمام کرے گی۔ شعلہ بیان مقرر، ولولہ انگیز نظمیں پڑھنے والے شاعر اور لاٹھی چلانے والے والنٹیر تک مہیا کرے گی۔ جو مخالف اُمیدوار کے جلسے میں جاکر گڑبڑ کیا کریں گے۔ پھر وہ یہ بھی انتظام کرے گی کہ مخالف اُمیدوار کے جلسے میں گڑبڑ کرنے والے والنٹیر اس اُمیدوار کے جلسے میں بھی گڑبڑ کرسکیں گے جس کے ایما پر وہ مخالف اُمیدوار کے جلسے میں گڑبڑ کرنے گئے تھے۔

اس کمپنی کا کوئی سیاسی آدرش نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے پاس ہر سیاسی پارٹی کے آدرش پر مکمل معلومات رکھنے والے ماہرین کی ایک ٹیم ہوگی۔ کمپنی یہ دعویٰ کرے گی کہ ہمارے ساتھ کاروباری معاہدہ کرنے سے اُمیدوار کے اخراجات میں پچاس فی صدی کمی ہوجائے گی۔ لیکن وہ اُمیدوار کو لازماً کامیاب کرانے کا ذمہ نہیں لے گی۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بزنس میں کوئی چیز یقینی نہیں ہوتی۔ اس میں گھاٹا بھی ہوسکتا ہے اور نفع بھی۔ سنا گیا ہے کہ کمپنی غریب اُمیدواروں کے لئے ۵۰ فیصدی رعایت پر اپنی خدمات پیش کرے گی لیکن اس کے کامیاب ہونے پر ۲۵ فیصدی رقم واپس نہیں کرے گی۔ (یاد رہے کہ کمپنی پوری رقم پہلے ایڈوانس وصول کرے گی)

چوتھی افواہ

دہلی کے ایک پارلیمنٹری حلقہ کی عورتوں میں یہ زبردست افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ

اس الیکشن میں ہر عورت جب ووٹ دینے کے لئے جائے گی تو اُس سے یہ پوچھا جائے گا کہ پارلیمنٹ یا لوک سبھا کا کیا مطلب ہے۔ یہ کیوں بنائی جاتی ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ جو عورت صحیح مطلب نہ بتا سکے گی اُسے ووٹ دینے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ حلقہ مذکورہ کے پارلیمنٹ کے اُمیدوار سخت کوشش کر رہے ہیں کہ عورتوں میں اِس افواہ کی تردید کر دی جائے۔ لیکن سُنا ہے عورتیں اِس تردید پر نہیں بلکہ افواہ پر زیادہ یقین کئے بیٹھی ہیں۔ جہاں گرد کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کئی عورتیں تو ایسی بھی دیکھی گئی ہیں جو اپنے اپنے خاوندوں سے لفظ پارلیمنٹ کا مطلب پوچھ رہی تھیں۔ لیکن بد قسمتی سے اُن کے خاوندوں کو بھی اِس لفظ کے معنی معلوم نہیں تھے۔

پانچویں افواہ ــــــ •

کانگریس ہائی کمانڈ اِس بات پر سنجیدگی سے غور کر رہا ہے کہ وہ جنرل الیکشن میں پنڈت جواہر لال نہرو سے کوئی انتخابی دَورہ نہ کرائے۔ تا کہ الیکشن کے بعد اندازہ لگایا جا سکے کہ پنڈت جی کی مدد کے بغیر کانگریس پارٹی جیت سکتی ہے یا نہیں؟ سُنا ہے پنڈت جی نے یہ تجویز بہت پسند کی ہے اور بڑے معنی خیز انداز میں فرمایا ہے کہ اِس مرتبہ جب نئی پارلیمنٹ بنے گی تو قوم ہمیں اپوزیشن بنچوں پر بیٹھا ہوا پائے گی۔ اِس سے کانگریس پارٹی کی شُدّھی ہو جائے گی۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا کانگریسی ہے اور کون بناسپتی۔

چھٹی افواہ ــــــ •

ایک مرتبہ جب مشہور طنز نگار شاعر شری بھیّا ناتھ چٹو پادھیائے پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے تھے تو وہ پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں وقتاً فوقتاً اپنے تیز و تُند

اشعار کا کٹی سے رنگ پیدا کیا کرتے تھے۔ لیکن اُن کے بعد پارلیمنٹ میں کوئی شاعر ممبر نہ رہا۔ چنانچہ اِس کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہندوستان بھر کے شاعروں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی شاعر کو پارلیمنٹ میں ضرور بھیجا جائے۔ لیکن کسے بھیجا جائے اِس پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہندی والے کہتے ہیں کہ ہم ہندی کا کوئی شاعر بھیجیں گے۔ اور اُردو والے اُردو کے شاعر کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا کسی ایسے شخص کی تلاش کی جا رہی ہے جو دونوں زبانوں کا مسلّم شاعر ہو۔

اگرچہ ابھی تک ایسا کوئی دو گونہ شاعر دستیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن اتنا ضرور سُنا گیا ہے کہ کئی اور شعراء نے ہندی شاعری کی پریکٹس شروع کر دی ہے۔ اور کئی ہندی شعراء اُردو شاعری میں قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ بالآخر کسی انگریزی شاعر کے نام پر ہی پانسہ پڑے گا کیونکہ انگریزی ہی واحد مشترکہ زبان ہے جو تمام اختلافات سے بالاتر ہے۔

ساتویں افواہ ————•

فلمی حلقوں میں یہ افواہ بڑے زور شور سے گشت لگا رہی ہے کہ مسٹر دھاریکہ نا منگیشکر نے آچاریہ کرپلانی کو چیلنج دیا ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی بھی حلقے سے ان کے مقابلہ پر الیکشن لڑ کر دیکھ لیں۔ اگر آچاریہ کرپلانی سیٹ جیت جائیں تو میں عمر بھر کے لئے گانا بند کر دوں گی اور اگر میں جیت جاؤں تو آچاریہ جی عمر بھر کے لئے الیکشن لڑنا بند کر دیں۔ کہا جاتا ہے کہ آچاریہ جی نے ایک پرائیویٹ گفتگو میں کہا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے میرے نصیب میں تو شکست لکھی ہے۔ مجھے کسی نہ کسی سے مقابلہ کرنا ہے چاہے لتا منگیشکر سے۔"

آٹھویں افواہ ————•

بنگال کے ایک حلقہ کے دس اُمیدواروں نے آپس میں ایک دوستانہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ ہر انتخابی جلسہ بنی بنائی حالت میں ایک دوسرے کو سونپ دیا کریں گے یعنی ایک انتخابی جلسے کو دس اُمیدوار استعمال کیا کریں گے۔ جب ایک اُمیدوار اپنی تقریر ختم کر لے تو بھرا ہوا جلسہ بمعہ اسٹیج اور لاؤڈ اسپیکر، شامیانہ اور حاضرین سمیت دوسرے اُمیدوار کے حوالے کر دیا جائے۔ صرف اُمیدوار کے جھنڈے اور نعرے بدل دیئے جائیں۔ اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ ہر اُمیدوار کو جلسے کے لئے حاضرین جمع کرنے میں جو عملی دقت پیش آتی ہے اُس سے بچنا ممکن ہو جائے۔ اس کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ حاضرین کا وقت بچ جائے گا اور وہ ایک ہی وقت میں سب اُمیدواروں کے خیالات میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ کا اندازہ لگا سکیں گے۔ اور انھیں ووٹ دینے میں آسانی ہوگی۔ جلسہ کے آغاز میں سب اُمیدوار حاضرین سے اپیل کریں گے کہ وہ کسی اُمیدوار کی تقریر سے چاہے کتنے ہی بور ہو جائیں لیکن جلسہ سے اُٹھ کر نہ جائیں۔

نویں افواہ ————•

پچھلے دنوں ناگپور میں ہندوستان بھر کے ان تمام راجاؤں، نوابوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی جو اس مرتبہ جنرل الیکشن میں بطور اُمیدوار کھڑے ہو رہے ہیں۔ یہ میٹنگ اس مقصد کے لئے بلائی گئی تھی کہ عوام سے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کوئی مشترکہ کارروائی کی جائے۔ چنانچہ سُنا گیا ہے کہ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اپنے حقوق کی حفاظت کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ہم ہر سیاسی پارٹی میں گھس جائیں اور ہر پارٹی کے اندر جا کر اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ چنانچہ ایک فہرست تیار کی گئی اور ہر پارٹی کو کچھ راجے، نواب اور جاگیردار الاٹ کر دیئے گئے۔ اس فیصلہ کی رُو سے اب کانگرس، جن سنگھ، سوشلسٹ، پرجا سوشلسٹ، سوتنتر پارٹی، اکالی پارٹی، حتیٰ کہ کمیونسٹ پارٹی میں بھی ایسے اُمیدوار الیکشن لڑتے دکھائی دیں گے جو جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں۔ الیکشن میں کامیابی کے بعد اُن سب اُمیدواروں کی ایک اور خفیہ میٹنگ بلائی جائے گی جس میں آئندہ مشترکہ لائحہ عمل پر غور کیا جائے گا۔

دسویں افواہ ————•

کانگرس کے رازدار حلقوں میں یہ افواہ گشت لگا رہی ہے کہ اس مرتبہ ایسے آدمیوں کو جو کرپٹ ہیں، عوام میں سخت غیر مقبول ہیں اور پچھلے برسوں میں بہت دھن دولت جمع کر چکے ہیں ایسے حلقوں سے بطور اُمیدوار کھڑا کیا جائے جہاں اُن کی شکست یقینی ہو۔ تاکہ اُن سے گلو خلاصی ہو جائے۔ یہ تجویز اُن کانگریسی ممبروں کی طرف سے پیش کی گئی ہے جو سالہا سال سے وزیر بننے کا انتظار کر رہے ہیں۔ غیر مقبول ہونے کی تمنا لئے ہوئے ہیں۔ کرپٹ ہونے اور دھن دولت جمع کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ بہرکیف الیکشن کے نتائج ہی سے اندازہ لگایا جا سکے گا کہ اس تجویز پر عمل ہوا یا نہیں؟

گیارھویں افواہ ————•

دہلی کے ڈپلومیٹک حلقوں میں اس افواہ کو بڑا ہی خطرناک تسلیم کیا جا رہا

ہے کہ ہندوستان کے جنرل الیکشن سے ایک مہینہ پہلے کیمونسٹ چین ایک اہم فیصلہ کرنے والا ہے۔ اِس افواہ کے مطابق کیمونسٹ چین یکم فروری کو یہ اعلان کرے گا کہ وہ ہند چین دوستی کی خاطر میکموہن لائن کو قانونی سرحد تسلیم کرتا ہے اُس نے جس ہندوستانی علاقے پر قبضہ کر رکھا ہے وہاں سے اپنی فوجیں ہٹا رہا ہے۔ آج تک اُس نے ہندوستان کے خلاف جو منافقانہ رویّہ اختیار کئے رکھا تھا اُس پر بے انتہا نادم ہے۔ اور اپنی غلطیوں کی معافی چاہتا ہے۔

دہلی کے ڈپلومیٹک حلقوں کے خیال کے مطابق اِس افواہ میں اگر ذرا بھی صداقت ہے تو یہ صداقت سخت خطرناک ہے۔ کیونکہ جنرل الیکشن میں اِس قسم کے اعلان کا مطلب یہ ہوگا کہ:۔

(۱) کانگرس پارٹی کو انتخابات جیتنے کے لئے کوئی اور نعرہ اپنانا پڑے گا اور کوئی نیا نعرہ ملنا آسان نہیں ہے۔

(۲) جن سنگھ اور سو تنتر پارٹی چین کے سرحدی تنازعے پر ہی اچھل کود رہی تھی اِس اعلان کے بعد دونوں پارٹیاں اپنی جڑوں سے اکھڑ جائیں گی۔

(۳) پرجا سوشلسٹ پارٹی کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے اور اُس کے پاس ہندوستانی کیمونسٹوں کے خلاف کوئی انتخابی ہتھیار نہیں رہے گا۔

(۴) ہند کیمونسٹ پارٹی کے جو ورکر اور لیڈر چین کے سوال پر پارٹی سے الگ ہو گئے تھے اُن کے ہاں صفِ ماتم بچھ جائے گی اور وہ اپنی بے وقوفی پہ پچھتائیں گے۔

(۵) آچاریہ کرپلانی کو بمبئی کے حلقے سے ایک ووٹ بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ صرف چین کے سوال پر ہی کرشنا مینن سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

تین چھوٹی چھوٹی افواہیں ———•

(۱) نئی پارلیمنٹ میں کانگرس اور اپوزیشن کی تعداد برابر ہوگی۔ اِس لئے کانگرس وزارت نہیں بنائے گی اور الیکشن دوبارہ ہوں گے۔

(۲) اکالی پارٹی کا ایک بھی ممبر کامیاب نہ ہوگا۔ اِس لئے اکالی پارٹی کے خلاف ماسٹر تارا سنگھ جی مرن برت رکھیں گے۔

(۳) بنگال اسمبلی میں کیمونسٹ ممبروں کی اکثریت ہو جائے گی اور وہاں کیرالہ کی تاریخ ایک بار پھر دہرائی جائے گی۔ اور اِس مرتبہ کیمونسٹ نہیں، بلکہ [illegible] ناکام رہے گی۔

••



بے پایاں مسرّت کا راز

مصنف: جیمس ایلین مترجم: نجم الرحمٰن فاروقی ایم اے

مسرت کی پیاس جتنی شدید ہے۔ اُسے بجھانے کے سامان کا اُتنا ہی فقدان بھی ہے۔ نچلے طبقہ کے بیشتر لوگ خوش رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اُن کا یقین ہے کہ وہ جس قدر ضروریاتِ زندگی پوری کرسکیں اُتنا ہی اُن کی خوشی میں اضافہ ہوگا۔ زیادہ تر وہ لوگ جو امیر ہیں، اور اپنی ہر ضرورت اور ہر خواہش پوری کر سکتے ہیں۔ زندگی میں ایک طرح کی ناآسودگی اور تشنگی محسوس کرتے ہیں۔ اور غریبوں سے زیادہ دُکھی رہتے ہیں۔ اگر ہم ان حالات پر غور کریں تو یہ بات واضح دکھائی دیتی ہے کہ مسرت ظاہری سامان ہونے نہ ہونے پر منحصر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو غریب ہمیشہ دُکھی رہتے۔ اور امیر ہمیشہ خوش! لیکن درحقیقت اس کا اُلٹا ہی ہوتا ہے۔ چند ایسے لوگوں سے میں ملا جنھیں زندگی کی ساری سہولتیں اور آسائشیں مہیا تھیں لیکن وہ انتہائی تکلیف دہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس کے برعکس میں چند ایسے مسرور ترین لوگوں سے ملا جو اپنی زندگی کی ادنیٰ ضروریات بھی پوری نہیں کر پاتے تھے۔ بہت سے دولت مند لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ دولت حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اپنی زندگی کا حُسن و رنگ فنا کردیا ہے۔ اور جب وہ غریب تھے تو بہت خوش تھے۔ یہ مسرت ہے کیا اور کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ کیا یہ محض کوئی شاعرانہ خیال ہے۔ یا سراب، یا یہ کہ دُکھ دائمی شے ہے؟ اس مسئلہ پر اگر تھوڑا بہت غور کیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ذی فہم لوگوں کے سوا دُنیا کے تمام لوگ اسی بُنیادی غلطی کا شکار ہیں کہ مسرت خواہشات کے پورے ہونے کا دوسرا نام ہے۔ اس یقین کا بیج جہالت کی سرزمین میں جنم لیتا ہے اور نفس کی خواہشات سے سینچا جاتا ہے۔ اور دُنیا میں ساری مصیبتوں کا باعث ہے

میں خواہشاتِ نفسانی کو محض جنسی خواہشات تک محدود نہیں کرتا۔ بلکہ دل و دماغ کے ان تمام بُرے خیالات و جذبات کو بھی شامل کرتا ہوں جو ذہن و رُوح کو پراگندہ کرنے کے علاوہ اُن کی رعنائی، دلکشی اور پاکیزگی کو فنا کردیتے ہیں جن کا وجود مسرت کُش ہے۔ تقریباً سبھی لوگ کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا میں دُکھ کی سب سے بڑی وجہ خودغرضی ہے۔ لیکن لوگ ایک غلط فہمی کے شکار ہیں۔ وہ یہ کہ یہ خودغرضی کسی اور کی ہے نہ کہ اُن کی۔ جب آپ اس بات کا اعتراف کرلیتے ہیں کہ آپ کے دُکھ کی وجہ خود آپ کی خودغرضی ہے تو آپ جنت کے دروازوں کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن جب تک آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی خودغرضی کی وجہ سے آپ کی مسرتیں فنا ہورہی ہیں، اُسوقت تک آپ اپنی ہی تعمیر شدہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔ جنت اور جہنم محض ہماری ذہنی کیفیات کی تخلیق ہیں۔ اپنے من ( ) اور اُس کے تمام بہار افزا بہلاوے میں پڑ کر ہم جہنم میں کھوئے رہتے ہیں۔ من کو بھول کر جب ہم اُس بیداری کے احساس سے معمور ہوتے ہیں جو برائی کی طرف سے انکار اور بے توجہی کی تلقین دیتا ہے تو ہم خود اپنے ہاتھوں اپنی جنت کی تعمیر کرتے ہیں۔ من اندھا ہے۔ بے سمجھ ہے۔ اچھے اور بُرے کی اُس میں تمیز کی صلاحیت نہیں ہے اور یہی ہمیشہ مصیبتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ چیزوں کی صحیح جانچ، صحیح تمیز اور صحیح سمجھ ایک مخصوص روحانی کیفیت کو پہونچنے پر حاصل ہوتی ہے۔ اور جب تک ہم اپنے اندر اس روحانی بیداری کو محسوس نہیں کرتے۔ ہم حقیقی مسرت کبھی حاصل نہیں کرسکتے۔ جب تک ہم ذاتی خوشی کے لئے دوڑتے اور پریشان ہوتے رہیں گے۔ اُسوقت تک مسرت ہم کو

اپنے سے محروم رکھے گی۔ اور ہم ہر قدم پر مصیبتوں کے بیچ بوتے رہیں گے لیکن جب ہم اپنے کو دوسرے کی خوشی کے لئے فکرمند بنانا سیکھیں گے جبھی مسرت ہمارے پاس آئے گی۔ اور مسرت کی ٹھنڈی چاندنی میں ہم شاد و مسرور ہوسکیں گے۔ من کی طرف رجوع ہونا درحقیقت دُکھ کی طرف رجوع ہونا ہے۔ من کو کچل ڈالنا سکون حاصل کرنا ہے۔ خودغرضی نہ صرف ہمیں مسرت سے محروم رکھتی ہے بلکہ ہمیں اُن وسائل کی طرف سے بھی محروم کر دیتی ہے جن کے ذریعے سے مسرت حاصل کی جاسکتی ہے یعنی ہم اُن باتوں اور طریقوں کو بھی بھول جاتے ہیں جن سے ہم اپنے کو خوش رکھ سکیں۔ ایک پیٹو ہمیشہ اِسی فکر میں رہتا ہے کہ کوئی نئی چیز کھانے کو ملے۔ آخر ایک دَور آتا ہے جب وہ ہر چیز کو انتہائی بے دلی اور بے لطفی سے کھاتا ہے۔ کیونکہ اُس کی بھوک مر چکی ہوتی ہے۔ محض عادت یا ہوس باقی رہ جاتی ہے۔ برخلاف اِس کے وہ شخص جسے اپنی بھوک پر مکمل کنٹرول ہے۔ کھانے کی تلاش میں مارا مارا نہیں پھرتا۔ اور بہت لذیذ کھانے نہیں کھاتا ہے، اُسے انتہائی سادہ اور کم کھانے میں بھی بہت خوشی ہوتی ہے مسرت جیسے خوب صورت انعام کو لوگ عموماً خواہشات کی آسودگی کے ذریعے پانا چاہتے ہیں۔ جب کہ ایسے لوگوں کا انعام محض دُکھ اور تباہ حالی ہے۔ بائبل میں سچ کہا گیا ہے "جو اپنی زندگی چاہتا ہے وہ اُسے کھو دے گا۔ اور جو اپنی زندگی کو کھونا چاہتا ہے وہ اُسے پائے گا" آپ کو دائمی مسرت اُس وقت حاصل ہوگی، جب آپ نفس کو مار کر اپنے اندر ایثار کا جذبہ پیدا کریں گے۔ جب آپ کے اندر ایثار پیدا ہوگا۔ بلا تامل وہ دُنیوی متاع جو آپ کو اِس قدر عزیز ہے جب آپ سے چھین لی جائے گی تو ظاہری نقصان کی بجائے آپ کو ایک عظیم فائدہ محسوس ہوگا۔ کسی دوسری شے کو حاصل کرنے کے لئے قربانی دینا، اِس سے بڑھ کر اور کوئی خود فریبی نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی اِس سے بدتر معصیت کا کوئی ذریعہ۔ اِس کے برخلاف ایثار اور بے غرضی کا جذبہ یقیناً صحیح نظامِ حیات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ فانی اشیاء کے ذریعے حقیقی مسرت حاصل کی جائے۔ دائمی اور حقیقی مسرت اُسی وقت حاصل ہوگی جب ہم غیرفانی چیزوں سے اپنے آپ کو منسلک کرلیں۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہم فانی چیزوں کی خواہش اور جستجو کے جذبہ سے اُوپر اُٹھ کر ابدیت کے احساس سے معمور ہوں۔ جوں جوں ہم من سے دُور ہوتے جائیں گے اور اپنے اندر پاکیزگی، قربانی اور محبت کے جذبات پیدا کرتے رہیں گے ہم اُس مسرت کے قریب ہوتے جائیں گے جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور نہ کبھی ہم سے چھینی جاسکتی ہے۔ وہ دل جس نے دوسروں کی فلاح و بہبود میں نفس کو یکسر فراموش کر دیا ہے اُس مسرت سے ہمکنار ہوسکتا ہے جو عظیم اور غیرفانی ہے۔ کیونکہ اُس نے خدائی کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ اگر ہم تھوڑا سا بھی غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہماری انتہائی خوشی کے لمحے وہ تھے جب ہم نے کوئی ایسی بات کہی یا کوئی ایسا کام کیا جو دوسروں کی ہمدردی اور خود فراموشی کی صہبا میں ڈوبا ہوا تھا۔ روحانی اعتبار سے خوشی اور اتحاد ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ اتحاد اُس عظیم قانون کا ایک حصہ ہے جس کا نام محبت ہے۔ خودغرضی جھگڑے پیدا کرتی ہے اور خودغرض ہونا خدا کے نظام میں تفرقہ پیدا کرنا ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو بھول کر ہر شخص سے محبت کا برتاؤ کرنا سیکھ لیتے ہیں تو ہم خدا کے نظام سے باہمی اتفاق پیدا کر لیتے ہیں۔ کیونکہ خدا خود محبت ہے اور محبت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ہم اُس گیت کے بول سُنتے ہیں جو تمام کائنات کا گیت ہے۔ ہم اکثر مسرت کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔ ہم اُس وقت تک محبت کی پرچھائیں تک بھی نہیں پاسکتے جب تک ہم یقین نہ کرلیں کہ محبت خود ہمارے ہی اندر ہے۔ اور ہماری ذات سے وابستہ اُن چیزوں میں پنہاں ہے جنھیں ہم اب تک اپنی اندھی تلاش کی وجہ سے بھولے ہوئے ہیں۔ خودغرضی سے بلند ہوکر فانی چیزوں کی طرف سے توجہ ہٹا لیجئے۔ فوراً ہی آپ غیرفانی چیزوں کی طرف مائل ہوجائیں گے۔ من کے وہ محدود خیالات جو ہر چیز کو اپنے قابو میں کرلینے کے لئے غلطاں رہتے ہیں اُن سے ناطہ توڑ لیجئے۔ اور آپ فرشتوں کی صف میں شامل ہوجائیں گے۔ اُس محبت کی جلن آپ کو بے قرار رکھے گی جو تمام کائنات کی فلاح کے لئے بے چین ہوگی۔ دُوسروں کے دُکھ درد میں اپنی ہستی کو فنا کر ڈالئے۔ دوسروں کی محبت اور ہمدردی کی راہ میں آپ کو وہ روحانی مسرت حاصل ہوگی جو خود آپ کے دُکھ درد کا درماں بن جائے گی۔ بائبل میں لکھا ہے "پہلا قدم اچھے خیال کا دُوسرا اچھی بات کا اور تیسرا اچھے کام کا اُٹھاتا ہوا میں جنت میں داخل ہوگیا۔"

ہم بھی اسی راہ پر چل کر جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے ہم حاصل نہ کر سکیں۔ اس کے مزے وہی لوگ لیتے ہیں جن کے دل بے لوث ہیں۔ اور جن کے دل کثافتوں سے پاک اور روشن ہیں۔ اگر اب تک ہم نے اس بے پایاں مسرت کو حاصل نہیں کیا ہے تو اب بھی ہم بے لوث محبت کے عظیم آدرش کو اپنے سامنے رکھ کر اُسے حاصل کر سکتے ہیں۔ کوشش یا عبادت خواہش کے فنا ہونے کا دوسرا نام ہے۔ درحقیقت عبادت روح کا اپنے منبع کی طرف رجوع ہونا ہے اور اُس راہ پر لگنا ہے جہاں مکمل آسودگی حاصل ہو سکتی ہے۔ کوشش یا ریاضت سے نفس کے تخریبی عناصر تعمیری عناصر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کوشش کرنا ہی درحقیقت نفس کے بندھنوں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالنا ہے۔ جس طرح فضول خرچ لڑکا مصیبتوں اور پریشانیوں کے تھپیڑے کھا کر عقلمند ہو گیا اور اپنے باپ کے گھر لوٹ آیا (بائبل میں ایک فضول خرچ لڑکے کی کہانی ہے کہ ایک لڑکا جو نہایت بے پروا اور فضول خرچ تھا ایک دن اپنے باپ سے لڑ کر اور کچھ پیسے چرا کر گھر سے بھاگ گیا۔ بہت دنوں تک وہ یہاں وہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھائیں، اور آخرکار یہ نتیجہ اخذ کر کے کہ اپنے گھر کے سوا اور کہیں سکون نہیں واپس لوٹ آیا۔ اُس کا باپ جو فطرتاً رحم دل تھا اپنے بیٹے سے مل کر بہت خوش ہوا اور اُس کی پریشانیوں پر اظہار تاسف کیا۔ اور یہ کہہ کر کہ صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر لوٹ آئے تو اُسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ اُسے رہنے کی اجازت دے دی۔ (جیمس ایلن یہاں اس کہانی کا حوالہ دے کر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہے کہ حقیقی مسرت مصیبتوں اور آفتوں سے دور بھاگنے میں نہیں۔ بلکہ اُن کا مردانہ وار مقابلہ کرنے ہی میں ہے (مترجم) تنگ نظر اور بزدل من سے جب ہم حقیر ہو جاتے ہیں اور ایک ایک کر کے اُن تمام زنجیروں کو توڑنے لگتے ہیں جو ہمیں جکڑے ہوئے ہیں، تب ہمیں اُس خوشی کا احساس ہوتا ہے جو خود اپنی چیزوں کو دوسروں میں تقسیم کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تقسیم اپنے مال و متاع کی اپنی عقل کی۔ اپنی اس محبت اور اس روشنی کی جو ہمارے اندر جنم لے رہی ہے۔ جبھی ہمیں اندازہ ہوگا کہ چیزوں کو حاصل کرنے سے بہتر چیزوں سے درگزر کرنا ہے۔ لیکن درگزر صدق دل سے ہونا چاہیے۔ نفس کے ذرا بھی شائبہ کے بغیر کسی انعام کی خواہش کے بغیر سچی محبت سے پیش کیا گیا تحفہ ہمیشہ محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ کسی کو کوئی چیز دینے کے بعد یہ افسوس ہوا کہ آپ کا شکریہ نہیں ادا کیا گیا اور نہ آپ کی تعریف کی گئی اور نہ آپ کا نام اخبارات کی زینت بنا۔ تب جان لیجئے کہ آپ کے تحفہ کی محرک آپ کی محبت نہ تھی بلکہ آپ کا جھوٹا وقار اور آپ کی خود غرضی تھی۔ اور آپ نے محض اس لئے وہ چیز دی کہ آپ کو اس کے بدلے میں کوئی اور چیز مل سکے۔ دوسروں سے بھلائی کرنا سیکھئے اور خود کو دوسروں کی بھلائی میں فنا کر ڈالئے۔ یہی ہے پائدار مسرت کا راز ہے ہمیشہ یہ دیکھتے رہیئے کہ خود غرضی آپ کے پاس نہ آئے۔ اور قربانی کے جذبے کو ہمیشہ زندہ رکھئے۔ مسرت کی شیریں سے عظیم تر منزل آپ کے قریب آتی جائے گی۔ اور آپ نہ ختم ہونے والی اُس خوشی کو محسوس کریں گے جو لافانی اور تمام کائنات کی خوشی ہے۔

●●

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ اور سطور کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض لکھے مضامین بعض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابل اشاعت مضامین ضائع کر دئیے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھ دیا کریں۔ نو آموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی استاد سے مشورہ لے لیا کریں اگر وہ چاہیں کہ یہ مضامین ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں انھیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

انشائیہ

لکھنؤ کے شب و روز

پروفیسر رضیہ [illegible] ایم۔ اے

[illegible] ۔ [illegible] روڈ، لکھنؤ

[illegible] اکتوبر ۱۹۶۱ء [illegible]

۔۔۔۔ [illegible] انشائیہ ہے۔ آپ [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] ۔۔۔۔ [illegible]

شب و روز کے لفظ میں بہت سے راز پنہاں ہیں لیکن رات کے جب بارہ بجتے ہیں تو دن کیونکہ بعد کو جب کہ دن نکلتا ہے [illegible] ۔ آپ [illegible] کون [illegible] ہوتا ہے تو [illegible] ہو [illegible] اور چونکہ اس معاملہ میں [illegible] الگ [illegible] رکھتا ہے۔ [illegible] ہم تو کبھی [illegible] سے شب و روز [illegible] گئے۔

یہ لکھنؤ کی صبح ہے۔ آفتاب [illegible] کے امام باڑے کے [illegible] صبح کی سفیدی کو [illegible] لگاتے ہیں۔ تو [illegible] مسکراہٹیں چاروں طرف پھیلنے لگتی ہیں۔ آیئے ہم اس مسکراہٹ کو بنانے [illegible] آگے بڑھیں۔ دیکھئے یہ ایک محل ہے۔ اندر کے ایک آنگن پر نظر ڈالتے چلیں۔ ہار سنگھار کے پیڑ کے پاس دو پلنگ بچھے ہیں۔ جن پر شبنم [illegible] ہوتی ہے۔ ہار سنگھار کے ننھے ننھے پھول اوس کی بوندوں کے ساتھ یوں مل جل کر ٹپک رہے ہیں جیسے برف میں زعفران گھل گئی ہو۔ ایک پلنگ خالی ہے۔ دوسرا ابھی تو خالی ہے ۔ جی نہیں۔ ذرا غور سے دیکھئے گا۔ مسہری کے سرہانے پر آپ دواں [illegible] پڑا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ ایک چھٹانک روئی والی رضائی میں لپٹا ہوا۔ سونے والی کا نازک جسم بستر کی شکن معلوم ہو رہا ہے۔ جبھی آپ دھوکا کھا گئے۔ لیجئے انھوں نے کروٹ لی۔ یہ اب سو کر اٹھ رہی ہیں۔ جی ہاں، یہ لکھنؤ ہے۔ ہر کام یہاں اطمینان سے ہوتا ہے۔ یہ صورت [illegible] ہوئی اور ہنگامہ جاگ اٹھی۔ دیکھئے رضائی میں سے [illegible] آنکھوں میں پیٹ [illegible] نکلے۔ اور سر [illegible] نے پانی پر رکھے [illegible] کی طرف۔ [illegible] سیاہ تاگوں کی کھچڑی چوٹی دیکھی آپ نے [illegible] آواز دی:

"[illegible] ذرا آفتابے میں پانی دیجئے۔"

اب ناشتے کو [illegible] آئے گی۔ پراٹھے یا شیرمال، کباب، تلیاں اور بالائی لکھنؤ کی بالائی جسے چھری سے کاٹ کر برفی کی طرح کھایا جا سکتا ہے۔ آیئے ہم لوگ نکل چلیں۔ ناشتے، کھانے کے وقت بے بلائے پہنچ جانا شریفوں کا کام نہیں ذرا چوک [illegible] کے بازار بھی [illegible] چلیں۔ ارے یہاں تو ناشتہ بھی لگ گیا۔ [illegible] پوریاں [illegible] کے [illegible] رہی ہیں۔ نہایا دھویا [illegible] جیسے چنبیلی کی کلی معلوم ہو رہا ہے۔ [illegible] پسینے کی بوندیں ڈھلک ڈھلک کے سرخ بندی پر سے گزرتی ہوئی ناک کی نوک پر سے ہوتی ہوئی سفید ململ کی کلف دار ساری پر گر رہی ہیں۔ [illegible]

کہئے اس بت کو مشابہ کس سے
دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا

مضمون نگار حضرات سے

درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر خوشخط لکھا کریں۔ دو سطروں کے درمیان کافی جگہ چھوڑا کریں۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے حاشیہ پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس اپنے مضامین کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ مضمون کے خاتمے پر اپنا پورا پتہ لکھ دیا کریں۔ نوآموز حضرات مضامین بھیجنے سے پہلے کسی اُستاد سے مشورہ لے لیا کریں۔ اگر وہ چاہیں کہ مسلہ مضامین ناقابلِ اشاعت ہونے کی صورت میں انہیں واپس کر دیئے جائیں تو مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

لکھنؤ کے شب و روز

— پروفیسر رضیہ سجاد ظہیر ایم۔ اے

وزیر منزل۔ وزیر حسن روڈ۔ لکھنؤ

۷/ اکتوبر ۱۹۶۱ء

خوش رہئے بھائی نسیم

.... ایک چھوٹی سی چیز بھیج رہی ہوں جو افسانہ تو نہیں انشائیہ ہے۔ آپ تو ادب کے ہر پہلو کو ترقی دینے کے قائل ہیں۔ "بیسویں صدی" میں دو ایک انشائیے ضرور رائج کیجئے۔ یہ صنف اب اُردو میں کم ہوتی جارہی ہے۔ اور یہ بات افسوس کی ہے

.....

آپ کی بہن —— رضیہ سجاد ظہیر

شب و روز کے معنی ہیں رات اور دن۔ لیکن رات کیوں پہلے اور دن کیوں بعد کو۔ جب کہ دن پہلے۔ .. آج تک کوئی یہ نہیں بتا سکا کہ مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا۔ اور چونکہ اس معاملہ میں ہر شخص الگ اپنی رائے رکھتا ہے۔ اس لئے ہم تو بھئی صبح ہی سے شروع کریں گے۔

یہ لکھنؤ کی صبح ہے۔ آصف الدولہ کے امام باڑے کے مناروں صبح کی سفیدی کو گلے لگاتے ہیں۔ تو گنگا جمنی مسکراہٹیں چاروں طرف پھیلنے لگتی ہیں۔ آیئے ہم اسی مسکراہٹ کو تھامے تھامے آگے بڑھیں۔ دیکھئے یہ فلک محل ہے۔ اندر کے ایک آنگن پر نظر ڈالتے چلیں۔ ہارسنگھار کے پیڑ کے پاس دو پلنگ بچھے ہیں۔ جن پر شبنمی کسی ہوئی ہے۔ ہارسنگھار کے ننھے ننھے پھول اوس کی بُوندوں کے ساتھ یوں مل جل کر ٹپک رہے ہیں جیسے برف میں زعفران گھل گئی ہو۔ ایک پلنگ خالی ہے۔ دوسرا ابھی تو خالی ہے۔ جی نہیں، ذرا غور سے دیکھئے گا۔ مسہری کے سرہانے پڑے آبِ رواں کا دوپٹہ پڑا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ ایک چھٹانک روئی والی رضائی میں لپٹا ہوا، سونے والی کا نازک جسم بستر کی شکن معلوم ہو رہا ہے۔ جبھی آپ دھوکا کھا گئے۔ لیجئے انھوں نے کروٹ لی۔ یہ اب سو کر اُٹھ رہی ہیں۔ جی ہاں، یہ لکھنؤ ہے۔ ہر کام یہاں اطمینان سے ہوتا ہے۔ یہ تھوڑا ہی کہ صبح ہوئی اور بھاگم بھاگ مچ گئی۔ دیکھئے رضائی میں سے دو صندلی ہاتھ چکن کی آستینوں میں لپٹے ہوئے نکلے۔ اور سرہانے تپائی پر رکھے گنگا جمنی پاندان کی طرف بڑھے۔ کروٹ میں سیاہ ناگن سی کھُوری چوٹی دیکھی آپ نے بہت باریک سی آواز سُنی:

"اے بی دوا ..... ذرا آفتابے میں پانی دیجئے"

اب ناشتے کی کشتی آئے گی۔ پراٹھے یا شیرمال۔ کباب۔ جلیبیاں اور بالائی لکھنؤ کی بالائی جسے چھُری سے کاٹ کر برفی کی طرح کھایا جاسکتا ہے۔ آیئے ہم لوگ نکل چلیں۔ ناشتے، کھانے کے وقت بے بلائے پہنچنا شریفوں کا کام نہیں ذرا پڑوس میں بڑے ابا جی کے یہاں بھی جھانکتے چلیں۔ ارے یہاں تو ناشتہ بھی ہو گیا۔ بڑی بہو پوریاں تل تل کے بھیج رہی ہیں۔ نہایا دھویا نازک جسم چنبیلی کی کلی معلوم ہو رہا ہے۔ ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں ڈھلک ڈھلک کے سُرخ بندی پر سے گزرتی ہوئی ناک کی نوک پر سے ہوتی ہوئی سفید ململ کی کلف دار ساری پر گر رہی ہیں۔ سبحان اللہ! ؎

کہئے اس بُت کو مشابہ کس سے
دیکھ کر جس کو خدا یاد آیا

[illegible] دالان کا ارمان بہتا چلا جاتا ہے
[illegible] لالہ جی کی وجہ سے آج کل لکھنؤ کے
[illegible] میں رونق ہے۔ کھلونوں اور مٹھائیوں، پٹاخے اور کھیلوں بتاشوں
[illegible] ٹھہرا۔ دیکھئے اب تو کافی دھوپ نکل آئی۔ بڑے پوسٹ آفس کی گھڑی
[illegible] بجا رہی ہے۔ ادھر نظر ڈالئے! کافی ہاؤس کی طرف جاتا ہوا یہ پریوں کا جمگھٹ
[illegible] فرمائیے۔ شام کو کافی ہاؤس میں مردوں کی بھیڑ زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے
[illegible] لڑکیاں اس وقت جانا پسند کرتی ہیں۔ آپ کہیں گے وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر کل
[illegible] اور چکن کے کرتوں اور چھپے دوپٹوں، سلیم شاہی کے دنوں میں یہ
تنگ [illegible] کی شلواریں، یہ ذرا اونچی سی کسی ہوئی قمیص۔ چُنّی کے دوپٹے میں
یہ ہیلریں [illegible] تے۔ مگر لکھنؤ دنیا سے باہر نہیں۔ زمانے کی ہوا اسے بھی کیوں
نہ لگے؟ [illegible] محل اور لالہ جی کی حویلی دیکھئے تو یہ بھی دیکھئے۔ بچے بچے اپنی
موٹر میں [illegible] کے گی۔ اور اس میں سے جو لانبے قد، ہمبو کا رنگ کی دُبلی پتلی
لڑکی زعفرانی ساری پہنے اتری ہے نا۔ وہ اس سال لکھنؤ یونیورسٹی کے
تمام طالب علموں میں اوّل ہے اور کیوں نہ ہو کشمیری ٹھہری۔ چکبست اور
سرشار اور [illegible] کے لکھنؤ میں ایسا ہو تو کیوں تعجب! واہ بھئی، اگر کئی سال سے
لڑکیاں یونیورسٹی میں اوّل آرہی ہیں تو پھر کسی کو کیا اعتراض؟ علم کسی کی جاگیر
[illegible] کیا؟

دھوپ بڑھتی جارہی ہے۔

لکھنؤ والے کہتے ہیں اس دھوپ میں اگر ہرن بھی نکلیں تو کالے ہو جائیں۔ اس لئے اس پٹری پر آجائیے۔ کیا کہا مٹھائی خریدیئے گا۔ دیکھئے سامنے ہی حضرت گنج کی مٹھائی کی سب سے بڑی دکان ہے۔ لیکن لکھنؤ والے۔ خاص لکھنؤ والے، یہی کہتے ہیں کہ چوک کی برفی اور بالو شاہی اور ربڑی کا مقابلہ یہ نئی قسم کی مٹھائیاں نہیں کرسکتیں۔

کیا گھوم گھوم کر حیرت سے دیکھتے ہیں آپ؟

'سیب چار آنے سیر!'

'بادام تین آنے پاؤ!'

بھئی یہ لکھنؤ ہے۔ یہاں امرود اور مونگ پھلی اسی طرح بکتی ہے۔

[illegible] ہے۔

کشمیر [illegible] گئے [illegible]
[illegible] بادام چاہئے [illegible] آنے [illegible]

اب دوپہر آگئی۔ اب کہیں بیٹھا جاسکتا ہے [illegible] کے یہاں تو اس وقت لوگ قیلولہ کر رہے ہیں۔ بیگم [illegible] مغلانی جیلی پاؤں میں مٹھیاں دے رہی ہیں اور باتیں بھی [illegible] ہیں۔ [illegible] مغلانی صرف دکھائی سلائی کے لئے ہیں۔ بہت [illegible] خادمان باہر بھجوادیا۔ یہ اس وقت منجھلی بٹیا کے دوپٹے کا [illegible] کی فرمائش بیگم کی پائینتی آبیٹھیں۔ ایک ہی کام کرتے کرتے [illegible] ہے۔

کہتی ہیں۔

"اے بیگم، ماشاء اللہ سے چھوٹی دلہن کا آٹھواں مہینہ شروع ہوگیا۔ نذر کب کیجئے گا؟"

بیگم کروٹ لے کر جواب دیتی ہیں۔

"سرکار سے تو کہا تھا بی مغلانی۔ ذرا باندھ کا مارا [illegible] جائے تو ہاتھ کھلے۔"

لالہ جی کے یہاں بہورانی مشین پر کچھ سی رہی ہیں۔ دیورانی پاس بیٹھی کچا کر رہی ہیں۔ ان کی تیوری پر بل ہیں۔ بار بار جمائی لیتی ہیں۔ شاید جاکر سوجانا چاہتی ہیں۔ پر بہورانی کا رعب سب پر اتنا غالب ہے کہ دم نہیں مار سکتیں۔

مگر اس دھوپ میں یہ کون چلی آتی ہیں۔ کالی عینک لگائے، چھتا ہیں سنبھالے۔ یہ نواب بچھن صاحب کی تیسری بیٹی ہیں۔ خاندان بھر سے مخالفت مول لے کر پڑھا۔ باپ کے مرنے کے بعد نوکری کی اور اب سارے گھر کو سنبھالتی ہیں۔ کیا کہنا ایسی ہمت والی لڑکیوں کا۔ اب تو سب ان کو مانتے ہیں۔ ہیں ایسی ہی۔ باہر نکلتی ہیں۔ پر کیا مجال کوئی ایسی ویسی بات کہہ دے۔ لکھنؤ کی آن کو ہر حالت میں بنالیتی ہیں۔

آیئے، اس سڑک پہ سے مُڑلیں۔ اس درمیان لکھنؤ میں کئی ایک

[illegible] پہلی [illegible] اور [illegible] ناول نگار

[illegible] ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی

رات کے گھونگھٹ

(ناول) جو شروع سے آخر تک دلچسپ اور دلفریب ہے۔ جس میں آج کی تہذیب کے اُن "فرشتوں" کی کہانی ہے جنہیں [illegible] فاضل مصنف نے آج کے سماج کے حسین چہروں سے پارسائی کے رنگین [illegible] دیتے ہیں۔ ہر باب ایک ایسی شوخ رومانی داستان ہے جسے پڑھ کر آپ [illegible] اُٹھیں گے۔ فاضل مصنف نے حقائق کو عدیم المثال فنکاری، اور [illegible] پیش کیا ہے ——— ناول کا ذوق رکھنے والے کسی شخص کو اس سے محروم نہ رہنا چاہئے۔ اعلیٰ کتابت و طباعت، نفیس کاغذ، مجلد مع حسین گرد پوش قیمت صرف دو روپے

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے

(ناول) جناب ٹھاکر پونچھی کی ایک بے حد دلچسپ، مسرت انگیز اور صحت مند رومانی تخلیق۔ جس کی ہر سطر سے چاندنی راتوں کی پُر بہار فضائیں اور حیات بخش زندگی کی رعنائیاں نغمہ بار ہیں۔ اُن مردوں کی کہانی جو عورت کو ایسے عریاں انداز میں دیکھنے کے تمنائی ہیں جس پر سے نظریں پھسل پھسل جائیں۔ اپنی اُجڑی ہوئی تہذیب کی دھڑکنوں کا درد لئے، اپنی تلخ اور شیریں یادوں کے رنگین نقوش اُبھارنے والے ایک ایسے نوجوان کی حقیقت افروز کہانی جس کے ہاتھوں نے عورت کو حسن بخشا، اور لباس پہنانا سکھایا تھا لیکن سماج کے ٹھیکیداروں نے اُسے ننگا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اعلیٰ کتابت و طباعت، نفیس کاغذ، مجلد مع رنگین گرد پوش۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

وادیاں اور ویرانے

جناب ٹھاکر پونچھی کا ایک شاہکار ناول جسے چوٹی کے نقادوں نے ایک بہترین تہذیبی ناول قرار دیا ہے۔ سوکھے سڑے میدانوں اور سرسبز و شاداب پہاڑوں کی ایک حسین و جمیل کہانی۔ جنگل کی سادگی اور شہر کی شوخی مل کر جس کی تصویر مکمل کرتے ہیں۔ پورے چار سو صفحات قیمت فی جلد صرف چار روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی

بیسویں صدی دہلی

زُلف کے سر ہونے تک

ٹھاکر پونچھی کا ایک قابلِ قدر نیا ناول۔ عشق و محبت اور حسن و شباب کی رعنائیوں اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں کا سنگم۔ تین معصوم بھولی بھالی لڑکیوں اور تین بے سہارا لڑکوں کی حسین ترین کہانی جو اپنے گئے ہوئے ماضی کے زندگی بخش ہیولا کو سنبھالے محلہ اصطبلاں کے تاریک اندھیرے خلاؤں میں وارد ہوتے ہیں۔ جہاں حسن، جوانی اور بھوک کی افراط ہے۔ اور جن کے ٹکراؤ سے پجاری مکھن باوا اور اُسکے چیلوں کے لئے چاندنی بھگتن جیسی ہستیاں جنم لیتی ہیں۔ پجاری مکھن باوا کی کہانی۔ پوترتا کی ایک گھناؤنی چکنی تصویر، جو مندر سے زیادہ ایک خوبصورت حرم کا پجاری ہے۔ اور محلہ اصطبلاں کی حسین بھولی جو لاشوں پر گدھ کی طرح جھپٹتا پھرتا ہے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے جو اس کی خوبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

چاندنی کے سائے

ٹھاکر پونچھی کا ایک انتہائی دلچسپ نیا ناول

جس میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے اور مقدس جذبات محبت کے خدوخال نمایاں کئے گئے ہیں کہ محبت اگر انسان کی روح، اُس کی زندگی اور اُس کی روح کو حسین نہ بنا دے تو وہ محبت نہیں گناہ ہے۔ اپنی نئی تخلیق میں فاضل مصنف نے روح کا سارا کرب، سارا اضطراب، اور بے قرار یادوں کا ڈھیر [illegible] اور جذبات کے اظہار کے لئے نئی نئی راہیں تراشی ہیں۔ "چاندنی کے سائے" میں شبنم کی ٹھنڈک بھی ہے اور شعلے کی حرارت بھی۔ مصنف کے منفرد اُسلوب کی شاعرانہ لطافت، انسانی حُزنیہ کی دھیمی دھیمی آنچ، اور کہیں طنز کی نشتریت، جو ٹھاکر پونچھی کا طرۂ امتیاز ہے ناول میں اپنے پورے حسن اور بھرپور خدوخال کے ساتھ بدرجۂ اتم موجود ہے کتاب کو ایک بار شروع کر کے ختم کئے بغیر آپ کو چین نہ آئے گا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی۔ دہلی

[illegible]

[illegible] لمانوں تو کے گیت سنائی دے رہے ہیں [illegible] کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے [illegible] پھیل پھیل کر یہ اعلان کرتی ہے کہ لکھی رضائیاں [illegible] کیونکہ گلابی جاڑے آ گئے ہیں۔

شام [illegible] گنج میں کشمیری دوپٹے اور سفید ساڑیاں، بیلے کے ہار [illegible] فالودہ اور قلفی کی بہار رخصت پر ہے۔ اور اُن کی جگہ عنابی، آگرے کی سالگیری، اودے اور کاکریزی رنگ بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ اور [illegible] ہوئے سورج کی روشنیوں سے میل کھا کھا کر شام اودھ کی دلکشی کو چار چاند لگاتے ہیں۔

آج کل چاندنی بھی کیسی شفاف نکلتی ہے۔ کیونکہ نکہت بن کے آسمان اور فضائیں دھل گئی ہیں۔

گومتی ایک بار پھیلا کر اب شوقِ پشیماں کی طرح خاموش ہے۔ روانی روانی بہہ رہی ہے۔

اب دیکھئے اندھیرا بڑھ چلا ہے،

دس بجے تک چاند نکلے گا۔ اور اُس کی ہلکی میٹھی اور نرم روشنی میں آصف الدولہ کے امام باڑے کے مینار ایک طرف پرانے ذوق کا اور لکھنؤ یونیورسٹی کے کنگورے دوسری طرف نئے شوق کا جلوہ دکھا رہے ہوں گے۔ ریذیڈنسی کے کھنڈر آپ سے آپ کچھ کہنے لگتے ہیں۔ میڈیکل کالج کے اندر موت و حیات کی جنگ کا اندازہ کرتے آپ چوک کی طرف بڑھتے ہیں حضرت گنج کی رونق اور مستی۔

سات بجے شام سے نو بجے رات تک!

اور یہاں نو بجے سے خدا جانے کب تک!

یہاں نیچی نیچی، گھٹی گھٹی، دھوئیں سے بھری ہوئی تنگ دکانیں ہیں۔ جہاں [illegible] شیرمالیں، چٹ پٹے کباب، لب بند و لب سوز، کشمیری چائے بالائی، اور [illegible] جلوہ بکتا ہے۔ پھولوں کی خوشبو اور نالیوں کی گندگی [illegible] خوشبو پیدا کرتے ہیں۔ جہاں الف لیلہ کی راتوں کی سی پُراسراریت چھائی رہتی ہے۔ میلے چکن کے انگرکھے، بوسیدہ گھسے ہوئے برقعے نظر آتے ہیں جہاں چراغوں کی دھندلی روشنی میں نازک انگلیاں اپنی ملک کی آنکھوں کا سب نور، دل کی ساری تڑپ چکن کے اُن پھول پتیوں میں بھر دیتی ہے جن کی نزاکت اور نفاست بنفشے کے تازے پھولوں کو بھی مات کرتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں وضعداری جن کی قسم کھاتی ہے۔

عاشقانِ لکھنؤ ہیں یہ!

چاہے عاشقی میں عزتِ سادات بھی جائے۔ پر زبان سے یہی کہے جائیں گے

لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ!

- سب سے بڑی دولت صحت مند جسم ہے۔ (ایمرسن)
- جس کے پاس تندرستی ہے اُس کے پاس اُمید ہے اور جس کے پاس اُمید ہے اُس کے پاس سب کچھ ہے۔

(عربی کہاوت)

- خوشی ہی تندرستی ہے اس کے برعکس غم بیماری۔

(برٹن)

- اگر ہمارے اندر کوئی نقص نہ ہو تو ہم دوسروں کے نقائص ڈھونڈنے میں کبھی خوشی محسوس نہ کریں۔ (فرانکوے)
- مصیبت انسانی روح کی آزمائش کا دوسرا نام ہے۔

(بھیشم پتامہ)

آئیے ہم اب چلیں —— ——

کون بھلا اس شہر کا شب و روز بیان کر سکتا ہے —— یہ حسینوں کا شہر —— یہ دل والوں کا دیار —— جس کی گود میں نہ جانے کتنی خوشیاں —— نہ جانے کتنی اُداسیاں —— شب و روز پیدا ہوتی ہیں، شب و روز دفن ہوتی ہیں! ●●



ایم اے

مسحور کیا مجھ کو تری مست نظر نے
پیراہنِ تمکیں کے لگے تار بکھرنے
لے عقل چلا جب بھی میں شہراہ جنوں پر
آواز مجھے دی ہے تری راہ گزر نے
بے رنگ خیالات ہیں برگد کی جٹائیں
مچلے ہوئے جذبات تھے گاتے ہوئے جھرنے
گلزار بنانا تھا، مگر فتنہ و شر سے
دنیا کو شرر زار بنایا ہے بشر نے
رونا جو ہوا حد سے فزوں ہنسنے لگا ہوں
بدلا ہے نیا روپ محبت کے اثر نے
ہر لحظہ نیا رنگ بدلتا ہے زمانہ
کیا کھیل رچایا ہے کسی شعبدہ گر نے
جی چاہتا ہے عمر ہماری یونہی گزرے
گرویدہ کیا ہے ہمیں دلی کے نگر نے

محسن زیدی ایم-اے

فصلِ بہار آئی اور آکر چلی گئی
اپنے جنوں کی پھر بھی نہ شوریدگی گئی
جیسے غمِ حیات کو ضد ہو علاج سے
تلخیٔ زیست اور بھی بڑھتی چلی گئی
ہر اک نئی امید سے ڈھارس بندھی ہے
اور ہر نئی امید یونہی ٹوٹتی گئی
دستِ طلب بڑھا کے زمانے سے کیا ملا
دامن رہا تہی کا تہی بات بھی گئی
وہ اک نظر کہ جس کو تعلق نہ تھا کوئی
مڑ مڑ کے میرے دل کی طرف دیکھتی گئی
جب یوں لہو ٹپکتا تھا ماضی کی یاد سے
ہم نے متاعِ ہوش سنبھالی چھین لی گئی
آلامِ روزگار بھی اب ساتھ ساتھ ہیں
تنہا رہِ حیات میں تنہا روی گئی

چاندوی

فرزانوں کے سو معقول
دیوانوں کا ایک اصول
دل یوں اُن کے غم میں ملول
جیسے مرجھایا سا پھول
سوز نہیں تو دل ہے فضول
جیسے بے خوشبو کا پھول
اے محبت کا یہ حصول
جتنا خوش ہوں اتنا ملول
یوں دل کے آغوش میں داغ
جیسے کانٹوں کی گود میں پھول
عیش سے رغبت غم سے فرار
وہ بھی دل کا یہ بھی بھول
مشکل ہے یہ جست اشعار
اب کیا ہے وہی مقبول


"آپ ہیں ایک بگڑے ہوئے نواب...
میرے شوہر نامدار ایک بگڑے ہوئے نواب سے کم نہیں! ڈی/۸، یونین ہاؤس، ماہم، بمبئی ۱۶ کی
کہتی ہیں "اور ایک زمانہ تھا کہ کپڑوں کی دھلائی پر انکا ماتھا میلا ہوتے دیر نہ تھی۔
لیکن جب سے ان کے کپڑے میں نے سن لائٹ سے دھونے شروع کئے ہیں، یہ بھی خوش ہیں اور
میں بھی۔ سن لائٹ کا ڈھیروں جھاگ میل کیساتھ ساتھ دھلائی کی محنت کو بھی بہا لے جاتا ہے۔
اور ہر کپڑا کیسا سفید دھلتا ہے، کیسا اُجلا — کیسا شاندار صاف! مجھے تو
سن لائٹ کے سوا کچھ پسند نہیں!"
عورتیں جانتی ہیں کہ خالص، گھنا جھاگ والے سن لائٹ کی دھلائی میں ہی ان کے کپڑوں کی بھلائی ہے۔ آپ بھی ان سے متفق ہو جائیں گی۔
سن لائٹ
SUNLIGHT
SOAP
آپکے کپڑوں کی نفاست کی حفاظت کیلئے
ہندوستان لیور



زندگی بخش معلوماتی مقالات اور مفید کارآمد اشارات

۱ — جب ہم اپنے دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں

مشہور مفکر ڈیل کارنیگی نے ایک جگہ لکھا ہے۔ جب ہم اپنے دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں تو ہم انھیں اپنے اوپر غالب آنے کا موقع دیتے ہیں۔ انھیں جب ہماری اشتہا، ہمارے خون کے دباؤ، ہماری صحت اور ہماری خوشی پر مسلط ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ اگر ہمارے دشمنوں کو بات معلوم ہو جائے کہ ہم اُن کی وجہ سے کتنا پریشان ہو رہے ہیں اور وہ ہمارے احساسات کو مجروح کر کے کس قدر ہماری بے چینی کا سبب بن رہے ہیں تو وہ خوشی سے ناچنے لگیں۔ ہماری نفرت سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔ البتہ ہمارا تنفر ہمارے شب و روز کو جہنم بنا دیتا ہے آپ کو معلوم ہے یہ کس کا قول ہے۔ "اگر خود غرض آپ سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیں تو اُن سے قطع تعلق کر لیجئے لیکن اُن سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کیجئے۔ جب آپ بدلہ لینے کے درپے ہوتے ہیں تو کسی دوسرے کی بجائے اپنے آپ کو زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ کسی روشن خیال مفکر نے کہے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ الفاظ ایک بلیٹن سے لئے گئے ہیں۔ جو مل واکی پولیس نے شائع کیا تھا۔ بدلہ لینے کی کوشش سے آپ کو کس طرح نقصان پہنچ سکتا ہے کئی اعتبار سے۔ جیسا کہ لائف نے لکھا ہے۔ اس سے آپ کی صحت بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ خون کے دباؤ کے مریض عموماً نفرت کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور نفرت کینہ ہو جائے تو قلب کی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب حضرت یسوع نے فرمایا تھا۔ "اپنے دشمنوں سے پیار کرو" تو وہ یہ بھی بتا رہے تھے کہ ہم اپنی صورتوں کو کس طرح دلکش بنا سکتے ہیں۔ میں ایسی عورتوں کو جانتا ہوں اور آپ بھی جانتے ہوں گے جن کے چہروں پر نفرت کی وجہ سے جھریاں پڑ گئی ہیں۔ غصہ نے اُن کی صورتیں بگاڑ دی ہیں۔ دُنیا میں کوئی علاج اُن کے حُسن میں اُس سے نصف بھی اضافہ نہیں کر سکتا۔ جیسا درگزر کرنے والے محبت سے بھرے ہوئے اور نیکی سے لبریز قلب سے ممکن ہے۔ اگر ہمارے دشمنوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُن سے ہماری نفرت خود ہمیں چوس رہی ہے۔ ہماری قوتیں سلب کر رہی ہے۔ ہمیں اعصاب زدہ بنا رہی ہے۔ ہماری صورت بگاڑ رہی ہے۔ ہمیں اختلاج قلب میں مبتلا کر رہی ہے اور ہماری زندگی بھی گھٹا رہی ہے تو کیا وہ خوشی سے تالیاں نہیں بجانے لگیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ محبت نہیں کر سکتے تو اپنے ساتھ تو محبت کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنی ذات کے ساتھ اس قدر محبت کرنی چاہئے کہ ہمارے دشمنوں کو ہماری صحت، ہماری خوشی اور ہماری صورت پر غالب آنے کا موقع نہ مل سکے۔ شکسپیر نے لکھا ہے۔ اپنے دشمن کے لئے انگیٹھی اتنی گرم نہ کرو کہ وہ خود تم ہی کو جلا ڈالے۔

۲ — شلغم، ایک مفید سبزی

یہ سبزی ہندوستان میں عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ بظاہر بہت

[illegible] تاثیر کے ساتھ [illegible]

گرم ہے [illegible] کے لئے شلغم کا استعمال مفید ہے۔ [illegible]

[illegible] اور جلد ہضم ہونے والا ہوتا ہے۔ اس میں پیشاب لانے کی تاثیر ہے

[illegible] کے مریضوں کے لئے بھی مفید ہے۔ اس میں وٹامنز اے سی اور ای

[illegible] ہیں اس لئے اس کے استعمال سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ شلغم

[illegible] ہیں۔ عام جسمانی کمزوری دور کرنے کے لئے بہت

[illegible] جسمانی کمزوری دور ہونے کے علاوہ بینائی کی کمزوری بھی دور

[illegible] پکاتے وقت عام طور پر پتے کاٹ کر پھینک دیئے جاتے

[illegible] غذائیت زیادہ ہوتی ہے۔ ان میں کیلشیم (چونا) کی مقدار پھل

[illegible] زیادہ ہوتی ہے۔ جو پٹھوں، ہڈیوں اور دانتوں کی پرورش کے

[illegible] بہت ضروری ہے کیلشیم کے علاوہ شلغم میں لوہا، سوڈیم اور پوٹاشیم

[illegible] کافی مقدار میں موجود ہے۔ یہ سب چیزیں جسم کی پرورش کے لئے بہت ہی

ضروری اور مفید ہیں۔ اسے بہت نرم آنچ پر، بہت تھوڑا پانی ڈال کر پکانا چاہیئے

تاکہ اس کے صحت پرور اجزا ضائع نہ ہوں۔ پکتے وقت پانی اتنا ہی ڈالا جائے

جتنا جذب ہو جائے۔ شلغم کے زیادہ استعمال سے پیٹ پھول جانے کا اندیشہ

ہے۔ اس لئے اس میں سیاہ زیرہ اور ادرک ضرور ڈالنا چاہیئے۔

۳ —— اگر آپ مسرور و مطمئن رہنا چاہتے ہیں

اگر آپ مسرور و مطمئن رہنا چاہتے ہیں تو دوسروں کو بھی مسرت و شادمانی پہنچئے۔ مشہور مفکر ڈاکٹر ماروڈن نے لکھا ہے۔ اس شخص کی زندگی کتنی مطمئن و مسرور ہے جو مایوسی و ناامیدی کے بجائے لوگوں کو زندگی اور امید بخشتا ہے ناکامی کی ظلمت کو کامرانی کے نور سے دور کرتا ہے۔ کوئی شخص جو اس کے قریب سے گزر جاتا ہے۔ خواہ وہ اخبار والا ہو یا جوتے پالش کرنے والا۔ موٹر ڈرائیور ہو، دفتر کا چپراسی یا ہوٹل کا بوائے، نور کی جھلک سے جگمگا اٹھتا ہے۔ تم اخبار خریدتے، جوتے پالش کراتے، یا گاڑی کا کرایہ دیتے وقت تھوڑی سی مسکراہٹ بھی دے دیا کرو۔ دنیا صرف محبت کی بھوکی ہے یہ پھول بانٹتے چلے جاؤ۔ یہ سمجھ کر کہ اس راہ سے پھر تمہارا گزر نہ ہوگا۔ دے دو جتنی

بیسویں صدی دہلی

[illegible]

۴ —— آپ کے بچے [illegible]

[illegible] ایک نازک مسئلہ ہوتا ہے۔ [illegible] جو اس گھر کے ماحول میں ایسی کوئی بات نہ ہونی چاہیئے [illegible] مضر ہو۔ ایک چھوٹے سے گھر میں جہاں ماں باپ [illegible] عزیز و اقارب بھی سو رہے ہوں ایک بچے کا آدھی رات [illegible] چیخ اٹھنا دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث تو بن جاتا ہے لیکن اس معصوم خوفزدہ بچے کے لئے کوئی ہمدردی حاصل نہیں کر پاتا۔ [illegible] زبردستی سلا دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک پر اسرار خوف [illegible] پرورش پاتا رہتا ہے۔ کبھی مارشل اسٹالن نے کہا تھا۔ "بچوں کی دیکھ بھال اس طرح کی جانی چاہیئے جس طرح باغبان پودوں کی کرتا ہے۔" بچے تو پودوں سے بھی زیادہ نرم و نازک ہوتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بچہ کیا چاہتا ہے۔ اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس کی ہر ضرورت اور خواہش کی تکمیل کرنا آپ کا فرض ہے۔ بے شک بچے کی بعض ضرورتیں اس کے لئے مضر ہو سکتی ہیں۔ [illegible] یہ بھی آپ ہی کا کام ہے کہ بچے کو سمجھا دیں کہ وہ کسی نقصان دہ چیز کے لئے ضد نہ کیا کرے۔ بعض صورتوں میں بچے کو خود کسی چیز کے مفید یا مضر ہونے کا تجربہ کر لینے دیجئے۔ کیونکہ بچہ سنی ہوئی باتوں سے زیادہ اپنے تجربات سے سبق حاصل کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آگ سے جلا ہوا بچہ پھر آگ کے پاس جانے کی ضد نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس [illegible] اپنی ضد سے باز نہ آئے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گر کر چوٹ کھایا ہوا بچہ [illegible] روتا ہوا اپنی ماں کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کے خیال میں ہر تکلیف کا علاج صرف ماں کے پاس ہوتا ہے۔ اور ماں جب اس کی چوٹ کو سہلا کر [illegible] لہجے میں کہہ دیتی ہے "بس اب ٹھیک ہو گیا۔" لیکن دیکھ لینا [illegible] تو اس کی چوٹ واقعی اچھی ہو جاتی ہے۔ [illegible]

[illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] پہلے سے بڑے
[illegible] محبت بٹ جاتی ہیں۔ بچہ اب سب سے پہلی تعلیم یہ
[illegible] محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس لئے بچے کے متعلق
[illegible] مگر ماں باپ کو نظر انداز کرنا ٹھیک نہیں۔

۵ ——— انسان ہی اپنی زندگی کا معمار ہے

ایک مفکر نے لکھا ہے۔ انسان ہی اپنی زندگی کا معمار ہے۔ ہمارے خیالات جیسے ہوتے ہیں ہم ویسے ہی بنتے ہیں۔ جو کچھ ہم آج ہیں وہ ہمارے ذہنی رویے کا نتیجہ ہے اور آگے جو ہوگا وہ ہمارے ذہنی رویے کی بنیاد پر ہوگا۔ اگر آپ اپنا ذہنی رویہ بدل دیں تو آپ کی ناکامی کامیابی سے بدل سکتی ہے۔ آپ کوئی کاروبار کرتے ہوں، کسی دفتر میں ملازم ہوں، کسی کالج یا اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں، جو کچھ کرتے ہیں اس میں پوری دلچسپی لیجئے۔ پھر دیکھئے آپ کس طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ صرف وہی کام کرنے میں مسرت محسوس نہیں کرنی چاہئے جو آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کام میں بھی خوشی محسوس کرنی چاہئے جو آپ کو کرنا پڑتا ہے۔ مناسب مواقع کی تلاش میں رہئے۔ اکثر نہایت اچھے مواقع غیر متوقعہ جگہوں پر موجود ہوتے ہیں۔ ان مواقع سے فوری طور پر پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجئے۔ ہوسکتا ہے وہ مواقع پھر آپ کو حاصل نہ ہوسکیں۔ اگر آپ کی راہ میں مشکلات و موانعات حائل ہوں تو ان کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیجئے۔ ذرا سی مستقل مزاجی اور خندہ پیشانی سے آپ ان پر فتح حاصل کرسکتے ہیں۔ ایک مغربی مفکر کا قول ہے "یہ تمہاری اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ اپنی زندگی کا دامن کانٹوں سے بھر دیا پھولوں سے!"

۶ ——— کرونده، معدے کے لئے مفید پھل

کرونده لیموں کی طرح ایک پودے کا پھل ہے۔ یہ گول گول بڑے عناب کے برابر ہوتا ہے۔ کروندے سرخ اور سیاہ رنگ کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر سفید رنگ کے دیکھے جاتے ہیں۔ سفید کرونده جب تک کچا رہتا ہے اس کا ذائقہ بہت ترش رہتا ہے۔ لیکن جب پکنے لگتا ہے ترشی بڑھنے لگتی ہے اور اس کا تقریباً [illegible] ہوجاتا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے کروندے سرد سمجھے جاتے ہیں۔ کچے کروندے کو تنہا یا گوشت کے ساتھ پکا کر کھاتے ہیں۔ ان کا اچار بھی ڈالتے ہیں۔ نیم پختہ کروندے کا مربہ تیار کرتے ہیں۔ کروندے غذائیت دینے کے علاوہ معدے اور آنتوں کو طاقت و قوت دیتے ہیں۔ اشتہا بڑھاتے ہیں۔ گرمی کی وجہ سے دست آتے ہوں تو ان کے استعمال سے بند ہوجاتے ہیں۔ خون اور صفرا کا غلبہ بھی ان کے استعمال سے کم ہوجاتا ہے۔ یہ ارزاں پھل بہت سے خواص رکھتا ہے۔

۷ ——— زندگی بخش نکتہ

امریکہ کے قدیم ترین دینی دارالعلوم نیو برنس وک کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر جوزف آر سیزو نے لکھا ہے کئی سال ہوئے جب میری زندگی ایسی طاقتوں سے مغلوب نظر آتی تھی جو میرے اختیار سے باہر تھیں۔ میں نے بلا ارادہ اپنا نیا عہد نامہ کھولا۔ اور میری آنکھیں اس جملہ پر پڑیں۔ "جس نے مجھے بھیجا ہے وہ میرے ساتھ ہے۔ باپ نے مجھے تنہا نہیں چھوڑا ہے۔" اس وقت سے میری زندگی کبھی ایسی نہیں رہی۔ اس وقت سے ہر چیز میرے لئے مختلف رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جب میں نے اس جملے کو نہ دہرایا ہو۔ میرے پاس کئی لوگ مشورہ لینے آئے ہیں اور میں نے انھیں یہ قوت بخش جملہ سنا کر رخصت کیا ہے۔ جب سے میری آنکھیں اس جملے پر پڑی ہیں میں نے اسی کے سہارے اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اسی کے سہارے چلتا ہوں اور اس میں مجھے اپنی جسمانی قوت، اپنا سکون قلب اور اپنا ذہنی اطمینان ملا ہے۔ میرے لئے یہ مذہب کی روح ہے۔

قابلِ مطالعہ منتخب شعری مجموعے

[illegible]	ڈاکٹر اقبال	[illegible]
[illegible]	جوش ملیح آبادی	چار روپے
[illegible]	جوش ملسیانی	تین روپے
[illegible]	"	ایک روپیہ
[illegible]	ساحر لدھیانوی	تین روپے
[illegible]	[illegible]	[illegible] روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	تین روپے
[illegible]	"	ایک روپیہ ... نئے پیسے
[illegible]	"	تین روپے
[illegible]	تلوک چند محروم	تین روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	سات روپے ... نئے پیسے
[illegible]	فراق گورکھپوری	تین روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	تین روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
[illegible]	جگن ناتھ آزاد	چار روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
کلیات اکبر الہ آبادی	اکبر الہ آبادی (اول)	پانچ روپے
حصہ دوم	"	چھ روپے
کلیات اختر شیرانی	اختر شیرانی	آٹھ روپے
[illegible]	شکیل بدایونی	تین روپے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے

[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]		[illegible]
[illegible]		[illegible]
[illegible]	"	تین روپے ... نئے پیسے
گردشِ جام	"	دو روپے ... نئے پیسے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
[illegible]	قتیل شفائی	تین روپے
[illegible]	"	تین روپے
[illegible]	"	تین روپے
[illegible]	"	دو روپے ... نئے پیسے
شبنم شبنم	کرشن موہن	پانچ روپے
گفتنی	محمود سعیدی	دو روپے
نئی صبح	ضیا فتح آبادی	ایک روپیہ
طلوع	"	۵۰ نئے پیسے
نورِ مشرق	"	ایک روپیہ ... نئے پیسے
آہنگِ غزل	[illegible]	دو روپے ... نئے پیسے
کاکلِ صبح	عشرت کرتپوری	دو روپے ... نئے پیسے

آئینۂ اصلاح

ابو الفصاحت جوش ملسیانی کی اصلاحات، شاگردوں کے کلام پر ... اس کتاب میں درج ہیں یہ کتاب مبتدی اور فن نہ جاننے والے شعراء کے لئے رہنما کا کام دے گی۔ قیمت تین روپے۔

جوش ملسیانی

کے مکمل حالاتِ زندگی۔ انتخابِ کلام۔ شاگردوں ...

[illegible]

گلستانِ [illegible]

[illegible]

شاہنامۂ اسلام جناب [illegible] چار حصوں میں [illegible] ہر حصہ [illegible] چھپا ہے۔ قیمت سولہ روپے [illegible] ہے۔ محصول ڈاک ایک روپیہ آٹھ آنے الگ [illegible]

تلامذۂ غالب [illegible] سوانح حیات اور کلام [illegible] اس سال کا بہترین ادبی تحفہ ہے۔ قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی - دہلی نمبر ۶

سالنامہ دیکھا

اہلِ قلم حضرات کی رائیں

.... [illegible] کی ادبی [illegible] اکثر رسالے ایسے ہوتے ہیں جو صرف ایک بار [illegible] انھیں آسانی سے بھلایا بھی جاسکتا ہے لیکن کچھ رسالے [illegible] زندگی سے اور پابندی سے چھپ کے سامنے آتے ہیں اور [illegible] کے [illegible] انھیں نظر انداز نہیں کرسکتا۔ بیسویں صدی کے [illegible] متعلق [illegible] سکتے ہیں۔ سالنامہ ایک ایسا ادبی صحیفہ ہے جو [illegible] کی [illegible] اور ادیبوں کے ذاتی ریکارڈ روم میں ایک [illegible]....

(پروفیسر ستیہ پال آنند (چنڈی گڑھ)

.... اس بار سالنامہ پچھلے تمام نمبروں سے بہت [illegible] ہے۔ آپ کی [illegible] نے اسے ایک نیا حسن و جمال بخش دیا ہے۔ یہ بات [illegible] کی جاسکتی ہے کہ "بیسویں صدی" اردو کا واحد رسالہ ہے جو [illegible] پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے....

(پروفیسر حامدی کاشمیری (سری نگر)

.... آپ کے تیر و نشتر [illegible] اور جہاں گرد کی افواہوں کی [illegible] بیسویں صدی کی خصوصیات ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خاص نمبر نکالنے کا [illegible] آپ کو آتا ہے۔ یہ آپ کی جدت طرازی ہے کہ ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نئی [illegible] کرتے ہیں۔ غرض کہ سالنامہ سر سے پاؤں تک ایک سجی سجائی دلہن ہے جو [illegible] سے آئی ہے۔ [illegible] اور فردا کے دلکش خواب [illegible]

کرشن چھوٹے منہ سے کہہ سکوں گا بات بڑی سے ہو سکتی ہے....

(ضیا فتح آبادی (دہلی)

"بیسویں صدی" کا سالنامہ اردو افسانوں [illegible] ایک علامت ہے۔ ان شماروں سے روایتوں کا بھی احساس شدید ہوتا ہے۔ اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ نئے تجربوں سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے بیسویں صدی میں کتنی لچک پیدا ہوسکتی ہے....

(ڈاکٹر، شکیل الرحمٰن (سری نگر)

.... آپ خاص نمبر اور سالنامے نکالنے میں کمال کا فن جانتے ہیں اگر آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہوں گا کہ آپ "جادوگر" ہیں۔ اور اپنے جادو کا کمال نمبروں میں دکھا کر چکا چوند کردیتے ہیں۔ قارئین اور فنکار حضرات [illegible] ہیں کہ خوشتر گرامی بڑا فنکار ہے۔ بخدا چشم بد دور....

(موہن آزر (جموں)

.... یوں تو بیسویں صدی کا ہر شمارہ آسمانِ ادب پر روایتی آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا ہے لیکن سالنامہ؟ [illegible] اور ہی کا ہے مقام اور اس کا مقام اور ہے جس جریدے کو ہند و پاک کے صفِ اول کے قلم کاروں کا تعاون حاصل ہو اس کے ادبی معیار سے متعلق کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے حصۂ نظم و نثر دونوں حیات آموز و حیات افروز ادبی تخلیقات کے حامل ہیں۔

بیسویں صدی کے مستقل خریداروں [illegible]

[illegible]

(... کھنڈ)

... سالنامہ دیکھا تو آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ انگلیاں پریشان ہو گئیں [illegible] اصول کی بے قراری بڑھتی گئی [illegible] پہلے پڑھیں اور [illegible] کے اچھے اچھے ادیب اور شاعروں کا تعارف شاید ہی کسی [illegible] ان کے ذہن کو آپ کے ہاتھوں سنورتے دیکھ کر عقیدت سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔۔۔۔

ابراہیم شفیق (حیدرآباد)

... اس مرتبہ پرچے کے ایک ایک لفظ میں اتنی چاشنی ہے کہ چاٹتے رہنا اور کوئی چارہ نہیں۔ لگتا ہے آپ سال کے شروع ہی میں سالنامہ نکال کے پیچھے مڑ کر یہ چیلنج کرتے ہوں کہ کوئی اس معیار، اس گیٹ اپ کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ اور جب کوئی بھی اس بلندی کو نہیں چھو سکتا تو پھر خوب ہنستے ہوں، لطف اندوز ہوتے ہوں۔ بڑے وہ ہیں آپ بھی!۔۔۔۔

(پروفیسر) وقار بن الٰہی (کیمبل پور، پاکستان)

... قوسِ قزح کی طرح رنگین اور خوبصورت سالنامہ۔ اس کے بارے میں کیا کہوں؟ بے بسی کی اس منزل پر کھڑی ہوں جہاں الفاظ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس بے زبانی ہی کو زبان سمجھو۔۔۔۔

واجدہ تبسم ایم اے (بمبئی)

... ظاہری اور باطنی حسن کی یکسانیت سب سے پہلے پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ پھر مواد کی کشش حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ پڑھنے والا کیا پڑھے کیا نہ پڑھے۔ نہ پڑھنے کا تو سوال ہی نہیں۔ یوں کہئے کیا پہلے پڑھے کیا بعد میں۔ افسانے بہت معیاری اور دلچسپ ہیں۔۔۔۔

کوثر جالندھری (بھوپال)

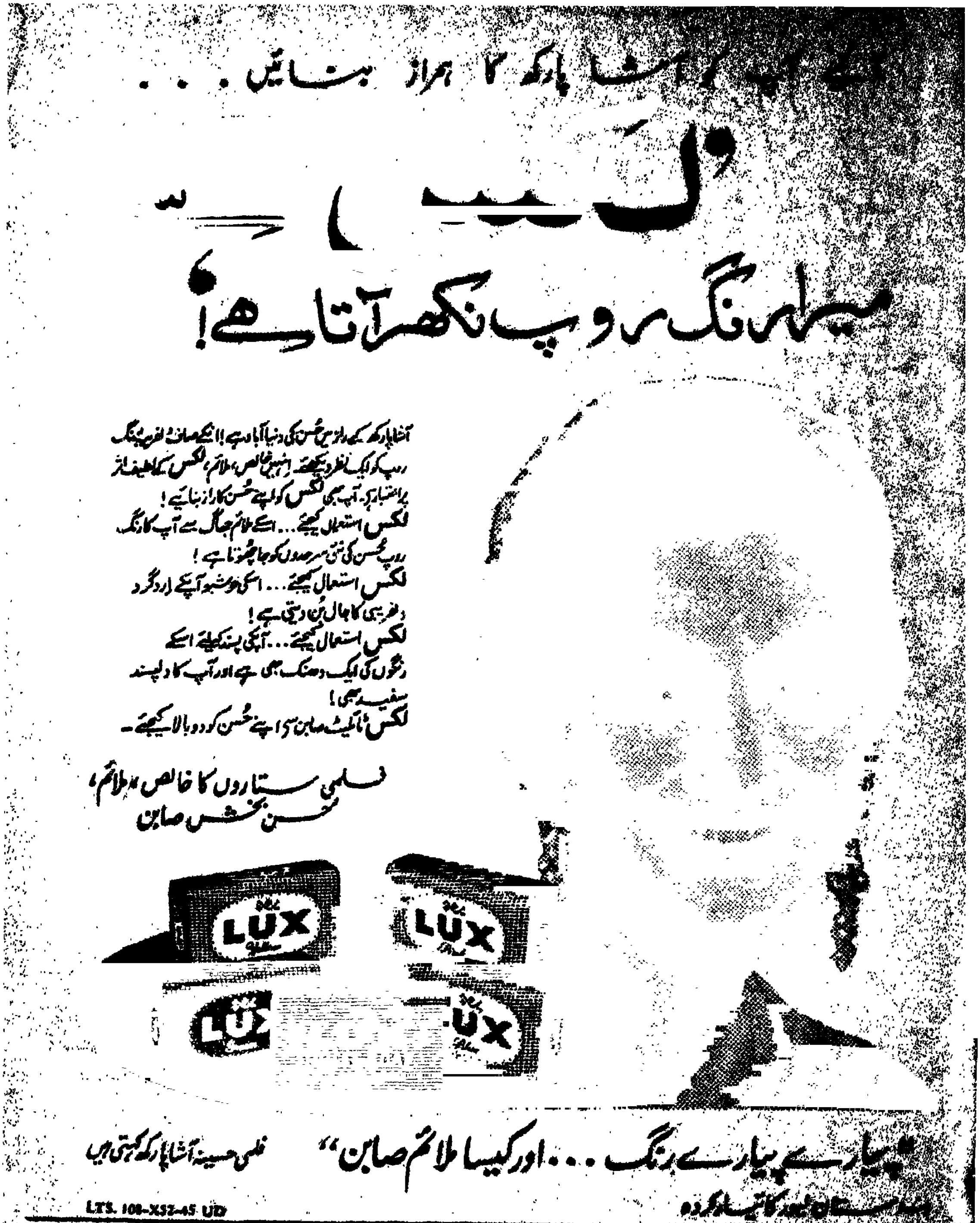
[illegible]

... [illegible] علیم و جمیل فنکار کتنا پیارا [illegible] ہر خاص شمارہ دیکھ کر آنکھیں حیرت [illegible] کہ رفعت و بلندی کی یہ آخری منزل ہے۔ انھیں کیا معلوم کہ [illegible] سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ کہتے ہوئے آپ بیسویں صدی کو ابھی [illegible] کس بلندی پر لے جائیں گے۔۔۔

آسی رام نگری ([illegible])

... میں ایک بادہ خوار تھا جسے [illegible] اور بیسویں صدی کا سالنامہ [illegible] سے [illegible] ہوئی ایک صراحی!! میں اس صراحی کی ساری شراب [illegible] جس کا خمار ابھی تک باقی ہے۔ بلاشبہ بیسویں صدی کا [illegible] کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے۔ نہ جانے اتنا اچھا مواد آپ کیسے جمع کر لیتے ہیں۔۔۔

مختار شکیب (کراچی)


آشا پارکھ کا حسن راز بنائیں . . .
لکس
میرا رنگ روپ نکھر آتا ہے!
آشا پارکھ کے راز میں حسن کی دنیا آباد ہے! انکے صاف دلفریب رنگ روپ کو ایک نظر دیکھئے۔ انہیں خالص، ملائم، لکس کے لطیف اثر پر اعتبار ہے۔ آپ بھی لکس کو اپنے حسن کا راز بنائیے!
لکس استعمال کیجئے... اسکے ملائم جھاگ سے آپ کا رنگ روپ حسن کی نئی سرحدوں کو جا چھوتا ہے!
لکس استعمال کیجئے... اسکی خوشبو آپکے اردگرد دلفریبی کا جال بن دیتی ہے!
لکس استعمال کیجئے... آپکی پسند کیلئے اسکے رنگوں کی ایک دھنک بھی ہے اور آپ کا دلپسند سفید بھی!
لکس ٹائلٹ صابن سے اپنے حسن کو دوبالا کیجئے۔
فلمی ستاروں کا خالص، ملائم، حسن بخش صابن
LUX
"پیارے پیارے رنگ . . . اور کیسا ملائم صابن"
فلمی حسینہ آشا پارکھ کہتی ہیں
LTS. 108-X52-45 UD

[illegible]

مضمون نگار حضرات

[illegible]

۱۸۵۷ء کی دلی

[illegible]

ایثار، اخوت و محبت اور رواداری کے [illegible]

[illegible] کی دلی [illegible]

جناب جیشور دیال جی کے [illegible]

زبان ہے — کتابت و طباعت کے [illegible]

[illegible] قیمت [illegible] روپے۔

ڈارلنگ

[illegible]

پتہ :- [illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] تاج محل

[illegible] افسانہ نگار [illegible] کے افسانوں کا [illegible] قیمت تین روپے

[illegible] ظریفیاں

مصنفہ [illegible] اکبر الہ آبادی [illegible] سے

اپنے مزاحیہ مجموعہ کلام [illegible] ظریفیاں میں [illegible]

[illegible] ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

[illegible] کلی

آپ کا مجموعہ افسانہ نگار رام لعل [illegible] ایک خاص اور

[illegible] ہے۔ [illegible] افسانوں کے لئے [illegible]

[illegible] رام لعل کے افسانوں کا

[illegible] قیمت [illegible] روپے۔

[illegible] دھرتی پرانے گیت

حکومت اترپردیش سے ۱۹۵۸ء کی بہترین تخلیق کا انعام حاصل کرنے والی کتاب

[illegible] کا مجموعہ قیمت [illegible] روپے پچاس نئے پیسے

سائنس کی دنیا

یہ کتاب آپ کو سائنس کی [illegible] سمجھنے میں مدد دے گی۔ آج کی دنیا میں کوئی بھی انسان سائنس سے [illegible] ایم۔ ایم بیگ

[illegible] صرف تین روپے۔

[illegible]	۲/-	گرد کا دامن (کنہیا لال کپور)	۳/-
[illegible]	۱/-	[illegible]	۱/۲۵
[illegible]	۳/-	[illegible] کے [illegible]	۲/-
[illegible]	-/۵۰	[illegible]	۲/-

ملنے کا پتہ :- رسالہ [illegible]

سرگوشیاں

سوال و جواب

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ غیر علمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے جواب کیلئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔

(ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

محمد طارق جمشید پور

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible] کام آئے۔

س۔ شاعر و ادیب میں کیا فرق ہے؟

ج۔ دونوں ایک ہی شاخ کے دو پھول ہیں۔

س۔ عمل پیہم؟

ج۔ عمل پیہم کامیابی کا ضامن ہے۔

برکت اللہ خان - چک مگلور

س۔ آپ کس قسم کے سوالوں کا جواب دینا زیادہ پسند کرتے ہیں؟

ج۔ علمی، ادبی، سماجی، تہذیب، معلومات افزا۔

س۔ [illegible] ماحول انسان کو بناتا ہے یا انسان ماحول کو بناتا ہے؟

ج۔ دونوں، دونوں کو بناتے ہیں۔

منصور ہمدرد - برہان پور

س۔ غصہ کے بعد پچھتاوا؟

ج۔ غصہ یا خطا کر کے سچے دل سے منفعل یا خجل ہونا بہت پیاری ادا ہے۔

س۔ آپ کا پسندیدہ شعر؟

ج۔ ہمیں ایسے اشعار پسند ہیں ؎

یقین و عزمِ مسلسل میں رازِ ہستی ہے
قدم بڑھا تو گرد وہم و گماں کا دور گیا

س۔ آنسو؟

ج۔ احساسات و جذبات کے اظہار کے لئے آنسوؤں سے افضل، آنسوؤں سے بہتر کوئی زبان، کوئی ترجمان نہیں۔

صغیر احمد - ڈھٹی

س۔ ہندو قوم کے مسلم قوم کے متعلق خیالات؟

ج۔ جس طرح سارے مسلمان ایک جیسے نہیں، اسی طرح سب ہندو بھی ایک جیسے نہیں۔ اچھے لوگ اچھے خیالات رکھتے ہیں برے لوگ برے۔

س۔ انسان کو اپنی زندگی سنوارنے کے لئے پہلے کون سا قدم اٹھانا چاہئے؟

ج۔ نیک کرداری، راست گفتاری کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔

نیاز احمد - لاہور

س۔ زندگی کیا ہے؟

ج۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

اسلم رحمٰن ادریسی۔ گجرات

س۔ زندگی کی آخری منزل؟

ج۔ زندگی کی آخری منزل وہی ہے جہاں سے آگے جایا نہیں جا سکتا!

س۔ میرے افسانوں میں اصلاح کی ضرورت ہے کسی اچھے ادیب کا پتہ تحریر کیجئے۔

ج۔ جناب آسی رام نگری سے مشورہ کیجئے۔

س۔ عورت مرد کی صرف کمزوری ہی ہے یا طاقت بھی ہے؟

ج۔ عورت مرد کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

سلمٰی جبین حسن محمد۔ ممدور (میسور)

س۔ بھائی جان! زندگی کے ایک اہم موڑ پر میں آپ سے روشنی اور مشورہ چاہتی ہوں۔ مجھے سلام سے بے حد سچی اور پاک محبت ہے۔ لیکن سلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اپنی محبت کا یقین دلا کر۔ لیکن خط بھی نہیں لکھتا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ عہد وفا کو نبھانا چاہیے یا توڑ دینا چاہیے۔ عہد وفا کو توڑتی ہوں تو محبت کی توہین ہوتی ہے۔ اگر نہیں توڑتی تو میرے سامنے اندھیرے کا ایک سمندر ہے۔ آپ بتائیں کیا کروں؟

ج۔ ...

س۔ ...

ج۔ ... ہے۔

امیر پاشا۔ بنگلور

س۔ ازراہِ کرم مطلع کیجئے یہ شعر کس کا ہے

زندگی کی آنکھ سے آنسو بھی ... کی ...
بیخودی کے ... ہیں وہ ...

ج۔ یہ شعر بہادر شاہ ظفر کا ہے۔

س۔ کہتے ہیں زندگی ایک راز ہے جو فاش نہیں ہوتا۔ کیا یہ سچ ہے!

ج۔ زندگی راز ہے نہ خواب۔ زندگی ایک روشن حقیقت ہے!

ابوذر حسین آبادی۔ حسین آباد

س۔ عورت کی سب سے بڑی خواہش کیا ہوتی ہے؟

ج۔ ماں بننا۔ سلطی زندگی ...

محمد عبدالحیٔ۔ حیدرآباد

[illegible]

ڈبو رہا ہے غم کے سمندر میں محبت کی
چھوٹی سی کشتی ساحل تک کیسے پہنچے گی
جبکہ ہواؤں کا [illegible] میں ہو
موجوں کا زور ختم ہونے کا نام نہ لے۔
[illegible] حال میں جو کشتی ؟

ج۔ ناخدا طوفان دیکھ کر موجوں سے جو کترا گیا
اس زبوں ہمت کی قسمت میں کنارا ہی نہیں

ایم۔ عارف۔ سرینگر

س۔ کانٹوں میں الجھ کر اپنا دامن صحیح سلامت بچا لینے کا نام کامیاب زندگی ہے مگر کیوں؟

ج۔ اس لیے یہی حقیقت ہے۔

س۔ سکونِ خاطر کب حاصل ہوتا ہے؟

ج۔ جب انسان اچھے کام کرتا ہے۔ اور اچھے خیالات رکھتا ہے۔

سلمیٰ شکیل۔ لاہور

س۔ اکبر الٰہ آبادی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ برق کے لیمپ سے آنکھوں کو بچائے اللہ
روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

س۔ یہ شعر کس کا ہے؟
دُنیا سے تعلق جن کا ہے وہ خوش نہ ہوئے مشغول تو ہیں
پژمردہ جو ہیں بھی سر تا پا شاخوں میں لگے ہیں پھول تو ہیں

ج۔ یہ شعر بھی حضرت اکبر الٰہ آبادی ہی کا ہے۔



بیسویں صدی کی نئی پیشکش — دو نئے شاہکار ناول

جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے ہیں

پیاسے بادل

جنم جنم کی پیاسی ایک پہاڑی دوشیزہ کے پیار کی کہانی، جو اپنی محبت اور محبوب کی تلاش میں بار بار پہاڑی وادیوں میں جنم لیتی رہی۔ ایک خاص نوجوان کی داستانِ محبت جس نے اپنے بڑے گھرانے کی رنگینیاں، رعنائیاں اور مسرت گوشیاں چھوڑ کر رومان پرور وادیوں کی خاموش کہانیوں کو اپنا لیا۔ تاکہ اپنی محبوبہ کی شبنمی سانسوں سے اپنے تشنہ خیالوں کی پیاس بجھا سکے۔ "پیاسے بادل" میں ایک اچھوتا موضوع لیا گیا ہے ایک انوکھی کہانی بیان کی گئی ہے جس میں چاندنی راتوں کی مقدس سرگوشیاں اور اندھیری راتوں کے بھیانک قہقہے ہیں۔ جدید اُردو ادب میں ٹھاکر پونچھی کا ایک بلند مقام ہے اور پیاسے بادل مصنف کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ پاکیزہ اور عظیم ترین رومان کی ایک درد انگیز داستان ہے۔ پہاڑی رومانوں کے ترجمان نے ایک بار پھر پہاڑی دوشیزاؤں کی پیار بھری مسرتوں اور حسرتوں کو "پیاسے بادل" میں سمویا ہے۔ دیدہ زیب کتابت، طباعت اور گیٹ اپ۔ سہ رنگا جاذبِ نظر ٹائٹیل پیج۔ اعلیٰ ولایتی کاغذ۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپے پچاس نئے پیسے۔

پگھلتے خواب

اُردو ادب کے جواں سال ادیب ... کا ایک دلچسپ رومانی ناول جس میں مصنف نے ... کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ یہ ناول جہاں کشمیر کی سماجی زندگی ... اُجاگر کرتا ہے، وہاں آج کے دور کی گھناؤنی تصویر بھی ... اگر آپ کشمیر کی مہکتی ہوئی گلپوش بہاروں اور اُن بہاروں میں بسنے والے ... کی جذباتی فکری اور سماجی زندگی کے پیچ و خم کو قریب سے دیکھنے کے مشتاق ہیں تو "پگھلتے خواب" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک ایسا مکمل ناول ہے جس میں آپ کو کشمیر جنت نظیر کے حسین و دلفریب مناظر اور اُن مناظر تلے سسکتی کہانیوں کے خدوخال صاف دکھائی دیں گے جن میں آپ کی اپنی دھڑکنیں بھی ہیں اور آپ کی محبت اور محبوبہ کے آنسو بھی۔ "پگھلتے خواب" اُردو ناول نگاری میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاذبِ نظر سرورق، ... کتابت، اعلیٰ کاغذ، عمدہ مضبوط جلد، قیمت صرف دو روپے۔

جو عورت ننگی ہے

نامور فنکار رام لعل کی رومان پرور اور تلخ کہانیوں کا حسین مجموعہ۔ ان افسانوں میں رومان و محبت کی رنگینیاں بھی ہیں اور حسن و شباب کی سرمستیاں بھی۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

میرے سپنے

نامور افسانہ نگار خاتون پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے بہترین دلچسپ رومانی افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

سنگھار کمرے میں

پروفیسر کرشنا کماری ایم اے کے جذبات آفریں افسانوں کے اس مجموعے کے ہر صفحے پر ستیوں کا ایک طوفان اور جذبات کا ایک محشر انگڑائیاں لے رہا ہے۔ اس میں آرزو کے پُرکیف گیت بھی ہیں آہوں کا دھواں بھی۔ قیمت فی جلد دو روپے

دُکھتی رگیں

ہر افسانے میں جوانی کا اضطراب ہے حسن کی بے کلی ہے عشق کی بے قراری ہے۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے۔

ایک حمام میں تین ننگے

زندگی کی عریاں تصویریں۔ وقت کی دُکھتی ہوئی رگ پر سعید امرت کی فنکارانہ ضرب۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

کالی راتیں

سعید امرت کے افسانوں کا تازہ ترین مجموعہ۔ تشنہ جوانیوں کے اندھے جذبات کی ترجمانی، بھٹکے ہوئے بڈھوں کی ... پر طنز ہیں۔ گناہگار جوانیوں کے لئے تیز نشتر ہیں۔ "کالی راتوں" میں ... کاری ضرب ہیں۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے

یہ لڑکیاں

گلابی چہروں، ساونی آنکھوں والی، ساونی سلونی رنگت اور دلفریب اداؤں والی۔ رنگین ریشمی ساریوں میں لپٹی ہوئی تتلی کی سی شوخ و شنگ، بیباک اداؤں اور مخمور نگاہوں سے دلوں کو چرانے والی رنگ رنگ کی لڑکیوں کے جذبات احساسات کی تصویریں۔ آپ کے محبوب رومان نگار اختر ملیح آبادی کے قلم سے۔ تین روپے

عورت ایک پہیلی

کیا عورت واقعی ایک پہیلی ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والی پہیلی؟ اس کا جواب آپ ... کنول کے سولہ دلکش رومانی افسانوں میں پائیں گے۔ ہر افسانے میں آپ ایک سے ایک الگ ایک سے ایک جدا عورت پائیں گے۔ قیمت فی جلد صرف تین روپے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دہلی

محبوب - راستے چوڑ

س۔ عمر شریف بھائی! سر کے بال کم ہونا عقل مندی کی نشانی ہے کیا؟

ج۔ مشہور تو یہی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی گنجے کو عقل مندی کا ڈپلومہ دے دیا جائے

مظفر حسن معصوم - چکردھرپور

س۔ غریب ہمیشہ اپنی غربت کا رونا کیوں روتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ وہ کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

تیرگی اپنے مقدر کی مٹانے کے لئے
چھین کر چاند ستاروں سے اُجالے لو

س۔ کیا سرمایہ دار ساری دُنیا کو روٹی اور کپڑا دیتا ہے؟

ج۔ وہ تو یہی سمجھتا ہے اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ حالانکہ سرمایہ دار خود خدا کا محتاج ہوتا ہے۔

س۔ انسان، انسان سے کیوں ڈرتا ہے۔ خدا سے کیوں نہیں ڈرتا؟

ج۔ اس لئے کہ انسان کے پاس ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم ہے۔ خدا کے پاس کیا ہے؟

ایس - ایم - شہزادہ - کرہٹی

س۔ تقدیر انسان کے ہاتھوں میں ہے یا انسان تقدیر کے اختیار میں ہے؟

ج۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

حال واستقبال دونوں حاصلِ تدبیر ست
ایں بجید آمادہ شو در دست تو تقدیر ست

س۔ حضرت مومن کا کوئی شعر سنایئے۔

ج۔ سُنئے ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اعظم حسین خان - ٹیچر لیہ (کھمم)

س۔ بھیّا! آپ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے اُردو کا پہلا شاعر ولی دکنی ہے لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اُردو کا پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ (حیدر آباد دکن) ہے۔ دونوں میں اُردو کا پہلا شاعر کون ہے؟

ج۔ کچھ تذکرہ نویسوں نے ولی دکنی کو اُردو کا پہلا شاعر کہا ہے۔ کچھ تذکرہ نویسوں نے محمد قلی قطب شاہ کو!

س۔ میری بہن اور مجھ میں شرط لگی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ مسلمان ہیں۔ اور میں کہتا ہوں آپ ہندو ہیں۔ فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے۔ مایوس نہ کیجئے۔

ج۔ اس شرط میں کوئی نہیں ہارا۔ آپ دونوں جیت گئے۔ ہماری ایک آنکھ ہندو ہے ایک آنکھ مسلمان دوسری!

عبدالرحیم برہان پوری - بمبئی

س۔ جب انسان کی ہر حرکت حکم خداوندی ہے۔ تو سزا جزا کا کیا مطلب؟

ج۔ انسان کو خدا نے عقل وادراک سے نوازا ہے۔ اس لئے انسان اپنے اعمال کا ذمے دار ہے۔

محمد حسن - پورنیہ

س۔ انسان کا نفس انسان کو برائی کی طرف کیوں لے جاتا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ برائی بظاہر حسین ہوتی ہے۔

س۔ کیا انسانیت سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہے؟

ج۔ جب کہ انسانیت کشی انسان کا شعار بن گئی ہے۔ آپ ایسی باتیں کرتے ہیں سُنا نہیں آپ نے کبھی حضرت اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ایم - ایم - گوسکاک - بلگام

س۔ علامہ اقبال؟

ج۔ علامہ اقبال مایۂ ناز و شہرۂ آفاق شاعر ہی نہ تھے عظیم مفکر بھی تھے۔

س۔ حالی؟

ج۔ اُردو ادب میں حالی کا درجہ بہت بلند ہے۔

نجم الدین شحنہ - یادگیر

س۔ دوستی کا مقصد کیا ہے؟

ج۔ ہر شخص کی دوستی کا مقصد الگ الگ ہوتا ہے۔ حقیقی دوستی بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے۔

بشیر احمد رضوی - رحونی

فرقہ پرستی ؟

فرقہ پرستی کی آگ کو ہوا دینے والے ملک و قوم کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

متعصب ؟

متعصب لوگ ملک و قوم کے دامن پر بد نما داغ ہیں۔

محمد منظہر الدین گلشن آبادی

ہندوستان کے آدمیوں کی اوسط عمر کیا ہے ؟

اُسے ہینڈ لنگ جنرل نالج کے بیان کے مطابق مردوں کی اوسط عمر ۲۶.۹۰ ، اور عورتوں کی ۲۶.۵۶ ہے۔

کوئی ایسا شعر سنائیے جس سے مایوس دل کو تسکین ہو۔

سُنیئے ؎

اِک کرن مہر کی ظلمات پہ بھاری ہوگی
رات اُن کی ہے مگر صبح ہماری ہوگی

خورشید سراج - مجھوا چمپارن

خوشتر بھائی ! کیا بیسویں صدی میں تنقیدی مضامین کا اضافہ کر کے آپ بیسویں صدی کو اور زیادہ بلند معیار نہیں بنا سکتے ؟

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ہر صحیفے ہر جریدے کا اپنا اپنا انداز، اپنا اپنا رنگ اور اپنا اپنا مسلک و معیار ہوتا ہے

بیسویں صدی کا معیار کیا ہے

س۔ زمانۂ موجودہ میں زندگی کا مقصد ؟

ج۔ ہر دور میں زندگی کا مقصد زندگی کو مثالی بنانا رہا ہے۔

سید کفایت علی - آگرہ

س۔ انسان ہمت سے کام لیتا ہے لیکن جب ہمت جواب دے دے تو کیا کرنا چاہیئے ؟

ج۔ اُسے ہمت کو جواب نہ دینا چاہیئے۔

س۔ انسان دُنیا میں کس لئے پیدا ہوا ہے ؟

ج۔ انسانیت کی خدمت کے نام پر انسانیت کو رسوا کرنے کے لئے !

امتیاز احمد خاں - رانچی

س۔ آپ محبت کی اِتنی مخالفت کیوں کرتے ہیں ؟

ج۔ اِس لئے کہ محبت تباہی و بربادی کا موجب ہوتی ہے۔ کیا آپ محبت کی تباہ کاریوں کے کرشمے نہیں دیکھتے ؟

س۔ ایک طالب علم کو افسانہ اور ناول کا مطالعہ کرنا چاہیئے یا نہیں ؟

ج۔ اپنے کورس کی تیاری کی طرف سے اطمینان ہو تو حیات افروز افسانوں اور اخلاق آموز ناولوں کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔

س۔ کیا کوئی ایسا ذریعہ ہے جس سے مایوس [illegible]

جا سکے ؟

ج۔ کیوں نہیں حیات افروز تحریریں [illegible] سے یاس و ناامیدی کا اندھیرا [illegible] اُمید کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔

تیرگی بھی اِسی دُنیا میں ہے انوار بھی ہیں
یاد رکھ شام ہوئی ہے تو سویرا [illegible]

کوثر امین - برھان پوری

س۔ خوشتر بھیا ! وہ کون سی چیز ہے جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے ؟

ج۔ بے راہ روی !

س۔ اپنے پرائے کب ہو جاتے ہیں ؟

ج۔ جب بُرے دن آتے ہیں !

س۔ کیا انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی ؟

ج۔ نہیں۔ اِس لئے کہ انسان کی خواہشوں کا دامن دراز سے دراز تر ہوتا جاتا ہے

منیر انجم - مدہ پورہ

س۔ حُسن اور جوانی میں کیا تعلق ہے ؟

ج۔ جوانی میں حُسن اور نکھر آتا ہے - جوانی اور

تسکین بخش دیتی ہے۔

ساوتری سکسینہ۔ جالندھر

س۔ ہندوستان میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟
ج۔ ۱۴۷ زبانیں!

محمد حنیف خاں ناشاد۔ پٹنہ

س۔ دُنیا میں انسان کو کس طرح راحت مل سکتی ہے؟
ج۔ نیک کام کرکے، نیک خیالات رکھ کر۔
س۔ کیا ہر پھول میں کانٹے ہوتے ہیں؟
ج۔ ایسے بھی بہت سے پھول ہیں جن میں کانٹے نہیں ہوتے!

شمس الہدیٰ شان۔ سیوا

س۔ دل کا راز کسی دوست کو بتا دیں تو اس کا انجام کیا ہوگا؟
ج۔ داناؤں نے کہا ہے۔ دل کا راز کہہ کر فاش نہ ہونے کی اُمید نہ رکھ!
س۔ غلام محی الدین خضر کون ہے جو بیسویں صدی کے ہزاروں روپے ہضم کر چکا ہے۔
ج۔ ایک احسان فراموش اور بے غیرت انسان جسے ننگِ انسانیت کہنا صحیح ہوگا۔

پروین السحر۔ اورنگ آباد

س۔ جگر مراد آبادی کا کوئی شعر سنائیے۔
ج۔ سُنیئے ؎

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

س۔ زندگی کا سب سے دلچسپ مشغلہ کیا ہے؟
ج۔ یہ اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے دل کی بات ہے۔

شبنم آرا کواکبوی۔ داناپور

س۔ زندگی کب حسین ہو سکتی ہے؟
ج۔ زندگی کی قدروں کا احترام کرنے سے۔ زندگی میں نیکوکاری و نیک کرداری کا رنگ بھرنے سے۔
س۔ چاندنی (چاند کی روشنی) کا رنگ زرد ہوتا ہے یا سفید؟
ج۔ چاندی جیسا!

سبی خاں سہسرامی۔ کلکتہ

س۔ ایک صاحب جن کی کالی اور بدصورت لڑکی سے شادی ہو گئی تھی، بیوی کے دریافت کرنے پر کہ میرے سرتاج! یہ بتا دیجیے کہ میں آپ کے کس رشتہ دار کے سامنے جاؤں اور کس سے پردہ کروں؟ شوہر نے فوراً کہا میرے سوا تم سب کے سامنے جا سکتی ہو۔ اب بتلائیے اس حالت

ہیں وہ عورت کیا کرے؟

ج۔ ایسے بدبخت شوہر کی شرافت کو دعائیں دے جسے یہ نہیں معلوم کہ کسی کی بدصورتی پر ہنسنا الٹنر کرنا اُسے بنانے والے خدا پر ہنسنا ہے۔

اشرف۔ جھاتا باد۔ دھنباد

س۔ جب انسان مصیبتوں میں گھر جاتا ہے اور اُسے دُنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ تب اُسے کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ایک دن مصائب کے بادل ہٹ جائیں گے۔

س۔ اگر انسان زندگی سے بیزار ہو کر موت کی دعا مانگے اور پھر بھی موت نہ آئے تو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ زندگی سے پیار کرنا چاہئے۔

و۔ ح۔ خان۔ رانچی

س۔ جب دل، دماغ کا ساتھ نہ دے تو؟

ج۔ دل، دماغ کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

س۔ کیا سکون کے لئے جدّوجہد لازم ہے یا جدّوجہد کے لئے سکون؟

ج۔ سکون کے لئے جدّوجہد لازم ہے۔

س۔ اگر دوست امانت میں خیانت کرنے کی کوشش کرے تو؟

ج۔ اُسے اچھا اور ایمان دار امین بننے کی تلقین کرنی چاہئے۔

مقیم الدین منیر شریف۔ پٹنہ

س۔ دُنیا کی بہادر اور دلیر فوجوں میں کس کا نمبر آگے ہے۔ ملک کا نام بتائیے؟

ج۔ ہندوستان کی فوج کا! اِس کا ثبوت چین کی سرحد پر اِس کے سنہرے کارنامے ہیں!

س۔ دولت مند ملکوں میں فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ؟

ج۔ امریکہ، جرمنی، رُوس۔

اے۔ پنڈت کوسوی۔ بہار

س۔ کیا یہ سچ ہے آپ بیسویں صدی ہندی میں بھی شائع کر رہے ہیں؟

ج۔ بیسویں صدی نہیں نئی صدی۔ اور وہ نہایت آب و تاب سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اور توقع سے کہیں زیادہ مقبول ہوا ہے۔ ہر حلقے، ہر طبقے میں اُس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا ہے۔

س۔ عوامی ادب، تجارتی ادب، ادب سند اور ادب۔ میرے خیال میں ادب کی چار قسمیں ہیں۔ اِس لئے خوب سوچ کر بتائیں کہ آپ کا "بیسویں صدی" کس ادب سے تعلق رکھتا ہے؟

ج۔ ادب لطیف کو! آن کیا! بیسویں صدی ادب کے سامنے ہے!

محمد نجم الدین سہسرامی۔ کلکتہ

س۔ نقرئی آواز، کھوکھلے قہقہے۔

ج۔ نقرئی آواز ہو جب بھی کھوکھلے قہقہوں میں کوئی دلکشی نہیں ہوتی۔

س۔ معصوم مسکراہٹ؟

ج۔ معصوم مسکراہٹ انسان کو فرشتوں کا تقدّس بخشتی ہے۔

س۔ خزاں رسیدہ زندگی!

ج۔ اگر انسان عزم و حوصلے سے کام لے تو خزاں رسیدہ زندگی بہار بکنار ہو سکتی ہے۔

نجیب الظفر۔ حیدرآباد دکن

س۔ انسان کب نادم ہوتا ہے؟

ج۔ جب انسان ننگِ انسانیت کام کر بیٹھتا ہے۔ جب اُس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے۔

س۔ آجکل فیشن زندگی کا جُز بنتا جا رہا ہے ایسا کیوں؟

ج۔ اِس لئے کہ زندگی کی انجمن میں انسان جتنی قندیلیں روشن کرتا جا رہا ہے، اُتنا ہی اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔

س۔ انسان کی گمراہی میں دولت کا زیادہ ہاتھ ہے یا عورت کا؟

ج۔ دولت کا!

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر خوشتر گرامی۔ مالکان خوشتر گرامی و رحمٰن کیانی۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس چاوڑی بازار دہلی۔ ٹائیٹل پیج و تصاویر۔ ملاپ پریس دہلی ۔۔۔ پتہ:۔ دفتر رسالہ بیسویں صدی انجمن باغ قصاب گلی۔ دہلی


آنکھوں کی حفاظت زندگی کی حفاظت ہے
ریڈیم آئی ڈراپس
آنکھوں کی بہت سی بیماریوں میں
لاکھوں گھروں میں استعمال ہوتی ہے
تندرست آنکھوں والے استعمال کریں
تو بینائی بڑھاپے میں بھی تیز رہتی ہے
باریک اور کثرت سے کام کرنیوالوں کو توریڈیم آئی ڈراپس کا استعمال ضرور
کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ آنکھوں کی آنیوالی بیماریوں سے ہمیشہ محفوظ رہیں
Radium
EYE DROPS
THE WORLD KNOWN
سول ایجنٹس میسرز نرائن داس بھگوان داس کیمسٹس چاندنی چوک دہلی
پتہ:- ریڈیم کیمیکل ورکس پرائیویٹ لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵۱ دہلی نمبر ۶

BISW[illegible]N SADI

Telephones : Office : 226637 Residence : 74927

طاقت کی سب سے مشہور دوا

جو

فوراً اثر دِکھاتی ہے

ریڈیم ٹانِک پلز

کُشتۂ فولاد۔ کُشتۂ سونا اور یُوہمبین جیسی قیمتی دواؤں سے تیار شُدہ

نیا خُون بکثرت پیدا کرکے ناطاقتی کو دُور کرتی ہیں۔ وزن
اور خُون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت اور صحت
واپس لانے کیلئے ملک کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور
لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ کسی وجہ سے
ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت اور نئی جوانی حاصل ہوتی ہے
تندرُست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے استعمال سے اپنی طاقت کئی
گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج صرف چھ روپے

